اے حمید

موت کا تعاقب

موت کا تعاقب ۸۳

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

وحشی لڑکی

اے حمید

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ○ حیدر آباد ○ کراچی

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
علمی پرنٹنگ پریس، ۱۲ ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انار کلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل: ۱۹۶۹ء
قیمت: چار روپے پچاس پیسے

مقام اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
ادبی مارکیٹ چوک انار کلی، لاہور

○ جہنم کی آگ	۵
○ جنگل کی طرف	۲۲
○ میں بھوت ہوں	۴۲
○ باغی ملاح	۶۲
○ وحشی لڑکی	۸۷
○ جزیرے پر حملہ	۱۰۸

پیارے بچو!

عنبر ایک آبدوز میں سمندر کے نیچے سفر کر رہا ہے کہ اس پر ایک جرمن جہاز حملہ کرتا ہے۔ اسے تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جرمن بمبار آ کر عنبر کی آبدوز کو غرق کر دیتے ہیں۔ عنبر ایک کشتی پر سمندر پر ابھر آتا ہے۔ جرمن جہاز والے اسے اٹھا لیتے ہیں۔ یہاں سے وہ ایک لڑکے کے ساتھ جرمنی پہنچ جاتا ہے۔ جنگ ختم ہو رہی ہے۔ جرمنی ہار رہا ہے۔ عنبر روسیوں کے ہاتھ آ جاتا ہے۔ وہ اسے خلائی جہاز میں بٹھا کر آسمان پر پھینک دیتے ہیں۔ عنبر خلائی جہاز میں زمین کے گرد چکر لگانے شروع کر دیتا ہے۔ ادھر ماریا ایک جزیرے پر پہنچ جاتی ہے۔ جاپانی جہاز جنگ سے بھاگا ہوا ہے۔ یہ لوگ جزیرے پر آباد ہونے کے لئے آتے ہیں۔ ایک رات کو جزیرے کی طرف سے ایک بھیانک آواز آتی ہے۔ سب کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ ماریا اس آواز کی تلاش میں جزیرے کے جنگل میں نکل جاتی ہے۔ وہ دیکھتی ہے کہ رات کے اندھیرے میں لمبے بالوں والی کوئی بدروح تالاب پر آ کر منگے بل جانوروں کی پانی پینے لگتی ہے۔

پھر کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ خود پڑھیں۔

○

جہنم کی آگ

○

انگریز کمانڈر آبدوز کی دوربین پر جھکا نشانہ لے رہا تھا۔

اوپر سمندر میں اگرچہ رات کا اندھیرا پھیلا تھا۔ لیکن اب چاند مشرق سے ابھرنے لگا اور اس کی ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی۔ یہ ان لوگوں کے لئے بڑا اچھا ہوا۔ اب انہیں جرمن تباہ کن جہاز "وارسا" سمندر میں بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ جونہی جہاز کا پینیدا آبدوز کی توپ کی زد میں آیا، انگریز کمانڈر نے چیخ کر حکم دیا۔

"فائر!"

ہوا باز تارپیڈو روم میں کمانڈر کے اس حکم کا انتظار کر رہا تھا۔ حکم ملتے ہی اس نے بٹن دبا دیا۔ شوں کی آواز آئی۔ آبدوز کو ایک ہلکا سا دھچکا لگا اور اس میں سے ایک بڑا خطرناک تارپیڈو نکل کر سمندر کے نیچے ہی نیچے تباہ کن جرمن جہاز کی طرف بڑھنے لگا۔ اس وقت جرمن جہاز کا کپتان اپنے کیبن میں سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ آدھی رات تک کام کرتا رہا تھا اور اب بڑا تھک گیا تھا۔ جہاز کا عملہ بھی آرام کر رہا تھا۔

صرف انجن روم اور ڈیک پر کچھ لوگ جاگ رہے تھے۔

کپتان تکیے کو ٹھیک کر کے اپنے بستر پر لیٹنے ہی والا تھا کہ ایک بھیانک دھماکہ ہوا۔ اور کپتان اچھل کر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ جہاز پر گویا زبردست بھونچال آگیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا دھماکہ ہوا۔ جہاز کے ساتھ دوسرا تارپیڈو ٹکرا گیا تھا جس نے جہاز کے پیندے میں بہت بڑا سوراخ کر دیا اور سمندر کا پانی جہاز میں داخل ہونا شروع ہو گیا۔ جہاز ایک طرف کو جھک گیا اور اس کے آدھے حصے میں آگ لگ گئی۔ تیسرا تارپیڈو لگا تو جہاز کے دو ٹکڑے ہو گئے اور کسی کو اتنی مہلت ہی نہ ملی کہ وہ سمندر میں کشتی پھینک کر اس میں سوار ہوتا اور اپنی جان بچاتا۔

کچھ ملاحوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ انہیں خونخوار شارک مچھلیاں ہڑپ کر گئیں۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ سارا کھیل ختم ہو گیا۔ جہاز ڈوب گیا۔ سمندر میں لہروں کا بھنور پیدا ہوا اور پھر چاروں طرف یوں خاموشی چھا گئی جیسے یہاں کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ سمندر جہاز کو نگل چکا تھا۔ لیکن جرمن جہاز کا بہادر کپتان ڈوبتے ڈوبتے ایک سگنل کے ذریعے جرمن ہائی کمانڈ کو اپنی تباہی کی خبر اور آبدوز کا محل وقوع بتا گیا تھا۔

ادھر ہواباز، عنبر، مادام اور انگریز کمانڈر بڑی خوشیاں منا رہے تھے کہ انہوں نے جرمن تباہ کن جہاز کو غرق کر دیا ہے۔

انہیں کوئی خبر نہیں تھی کہ جبرالٹر سے تھوڑی دور ایک شہر کی فوجی ایئرپورٹ سے چھ جرمن بمبار طیارے ان کی آبدوز کو تباہ کرنے کے لئے اُڑ چکے ہیں اور بڑی تیزی سے اس مقام کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں سمندر میں آبدوز سفر کر رہی تھی۔

انگریز کمانڈر نے ہواباز کو مبارک باد دی۔

"تمہارا نشانہ غضب کا ہے۔ تینوں تارپیڈو ٹھکانے پر جا کر لگے تھے"

"شکریہ جناب!"

عنبر نے کہا۔

"ہم نے ایک بہت بڑے جرمن جہاز کو غرق کیا ہے"

مادام بولی۔

"میں فرانس جا کر حکومت سے سفارش کروں گی کہ تم لوگوں کو بہادری کا سب سے بڑا انعام دیا جائے"

رات ڈھل رہی تھی۔ صبح کی روشنی سمندر پر چھلکنے لگی تھی۔ آبدوز سمندر کے نیچے ہی نیچے روم کے مغربی ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ٹھیک اس وقت انگریز کمانڈر نے کہا۔

"ہمیں ذرا سمندر کی سطح پر ابھر کر تازہ ہوا کھانی چاہیے"

مادام بولی۔

"میرا خیال ہے ابھی ہمیں اوپر نہیں جانا چاہیے کیونکہ میں

نے اپنے خاوند سے سن رکھا ہے کہ آبدوز جب کسی جہاز کو نشانہ بناتی ہے تو پھر کچھ دیر تک باہر نہیں نکلتی"
ہوا باز ہنسا۔

"مادام! آپ نے غلط سنا ہے۔ دشمن ختم ہو چکا ہے بھلا اب سمندر پر جانے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے ہم تو ٹھنڈی اور تازہ ہوا کھائیں گے"
عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ مادام ٹھیک کہتی ہیں۔ ابھی ہمیں یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہیے"

"ہا ہا ہا ہا" انگریز کمانڈر ہنسا۔ "تم لوگ بوڑھے ہو گئے ہو۔ میں ایک تجربہ کار فوجی افسر ہوں۔ مجھے تم لوگوں سے زیادہ معلوم ہے کہ کب باہر نکلنا اور کب سمندر میں غوطہ لگانا چاہیے"

پھر اس نے آبدوز کے کمانڈر کی حیثیت سے حکم دیا کہ آبدوز کو سمندر کے اوپر لایا جائے۔ بس یہی اس شخص کی سب سے بڑی غلطی تھی جو اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی ثابت ہوئی۔ یعنی یہی وہ وقت تھا جب جرمن۔ بمبار طیارے آبدوز کی طرف بڑھ رہے تھے۔
ہوا باز نے حکم ملتے ہی مسکراتے ہوئے خوشی خوشی ایک ہتھی کو نیچے کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی آبدوز کے پانی کے ٹینک خالی ہونا شروع ہو

گئے اور آبدوز سمندر کی سطح کی طرف اوپر اٹھنے لگی۔

آبدوز سطح سمندر پر آ گئی۔ آبدوز کا ڈھکنا کھول دیا گیا چاروں آبدوز کے ڈیک پر آ کر لمبے لمبے گہرے سانس لینے لگے۔ ایک زبردست فتح کے بعد سمندر کی تازہ ہوا انہیں بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ دن کا اجالا چاروں طرف سمندر پر پھیل گیا تھا۔ وہ بڑے خوش تھے اور ڈیک پر ایک دوسرے سے باتیں بھی کر رہے تھے اور چہل قدمی بھی کر رہے تھے۔ اتنے میں سب سے پہلے عنبر کے کان کھڑے ہوئے۔

"یہ آواز کیسی ہے؟"

"کونسی آواز؟" انگریز کمانڈر نے چونک کر پوچھا۔

"یہی۔ کیا تم نہیں سن رہے؟"

اب مادام اور ہوا باز نے بھی فضا میں اس آواز کو سننے کی کوشش شروع کر دی جو گھوں گھوں گھوں کی طرح تھی۔ انگریز کمانڈر ایک بار تو سہم گیا۔ اس نے خشک ہونٹوں سے کہا۔

"یہ تو ہوائی جہاز کی آواز معلوم ہوتی ہے؟"
عنبر نے کہا۔

"مجھے تو بہت سے ہوائی جہازوں کی آواز لگتی ہے"
ہوا باز نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"عنبر ٹھیک کہتا ہے یہ چار نہیں تو تین جہاز ضرور ہیں اور ہیں بھی بمبار"

مادام پریشانی سے بولی۔

"ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

انگریز کمانڈر بولا۔

"معلوم ہوتا ہے جرمن جہاز کا کمانڈر مرتے مرتے پیچھے جرمن ہائی کمان کو سگنل دے گیا تھا۔ بہرحال اب ہمیں خدا ہی بچا سکتا ہے۔ نیچے آجاؤ سب"

ہواباز نے غصے میں کہا۔

"آپ نیچے لے جاکر ہمیں مروانا چاہتے ہیں؟ آبدوز ایک بار نیچے چلی گئی تو پھر کبھی اوپر نہ ابھر سکے گی"

کمانڈر نے کہا۔

"آبدوز سطح کے اوپر رہی تو بمبار اس کے پرخچے اڑا دیں گے"

عنبر بولا۔

"اور اگر نیچے چلی گئی تو کیا ہم بچ جائیں گے؟ جہاز تارپیڈو بم پھینکیں گے جو سمندر میں دور نیچے جاکر پھٹیں گے۔ میں تو بچ جاؤں گا آپ لوگ اپنا بندوبست کرلیں"

مادام نے کہا۔

"ہمیں لائف جیکٹ پہن لینے چاہئیں"

وہ سارے کے سارے بھاگ کر نیچے گئے۔ آبدوز کا ڈھکنا بند

کر دیا گیا۔ اور آبدوز سمندر میں اترنے لگی۔ مگر اسے سمندر میں غائب ہوتے ایک جرمن ہواباز نے اوپر اپنے طیارے سے دیکھ لیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی ہوابازوں کو وہ جگہ بتادی جہاں انہیں بم پھینکنے تھے۔ ٹارگٹ لکھ لیا گیا تھا۔ نشانہ باندھ لیا گیا تھا۔ آبدوز سمندر میں غائب ہو چکی تھی۔ بمباروں نے غوطہ لگایا۔ وہ سمندر میں اس جگہ آئے جہاں تھوڑی دیر پہلے آبدوز غائب ہوئی تھی۔ اوپر سے گزرتے ہوئے بمبار جہازوں نے کتنے ہی تارپیڈو بم سمندر میں گرا دیئے۔

یہ بم سمندر میں گرتے ہی پھٹے نہیں بلکہ نیچے ہی نیچے اترتے چلے گئے۔ ایک خاص گہرائی پر جاکر انہوں نے پھٹنا شروع کر دیا۔ ان کے دھماکوں سے سمندر میں اندر ہی اندر ایک طوفان برپا ہوگیا۔ پانی ایک آتش فشاں پہاڑ کے لاوے کی طرح باہر کو اچھلا اور سینکڑوں مردہ مچھلیاں سمندر میں بکھر گئیں۔ آبدوز ذرا فاصلے پر تھی مگر دھماکوں سے وہ بھی اپنی جگہ ڈولنے لگی۔

بمبار ابھی اوپر ہی اڑ رہے تھے۔ وہ دوسری بار غوطہ لگا کر آئے۔ انہوں نے سمندر میں پہلی جگہ سے ذرا آگے جاکر ایک بار پھر تارپیڈو بم گرائے یہ بم آبدوز کے دائیں بائیں اور ایک بم اس کے اوپر جاکر پھٹ گیا۔ ان بموں نے آبدوز کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد سمندر کے اوپر آبدوز کا تیل پھیل گیا۔

جرمن بمباروں نے خوشی سے سمندر پر غوطے لگانے شروع کر دیئے۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ آبدوز غرق ہو چکی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ آبدوز میں سے کوئی ملاح باہر نہ آ سکے گا۔ کیونکہ پانی کے دباؤ کی وجہ سے ملاح نیچے ہی سمندر کی لہروں میں پس کر رہ جاتے ہیں۔

لیکن وہ یہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ جہاں آبدوز ڈوبی تھی وہاں سے ایک آدمی ابھرا اور سمندر میں تیرنے لگا۔ اس نے لائف جیکٹ پہن رکھی تھی۔ یعنی ربڑ کی صدری جو انسان کو پانی میں اوپر اٹھائے رکھتی ہے اور ڈوبنے نہیں دیتی۔ جرمن ہواباز نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"یہ آبدوز کا کپتان لگتا ہے۔ میں اس پر مشین گن کی گولیاں برسانے لگا ہوں"

آبدوز غرق ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی انگریز کمانڈر، مادام گارشیا اور ہواباز بھی سمندر کی تہہ میں جا کر ہمیشہ کی نیند سو گئے تھے۔ عنبر بچا تھا جو سمندر کی سطح پر ابھر آیا تھا۔ چنانچہ جونہی جرمن ہواباز کی نگاہ عنبر پر پڑی، وہ اسی پر گولیاں برسانے کے لیے غوطے میں آیا۔ آخر ان لوگوں نے جرمنوں کا ایک بہت بڑا جہاز غرق کر دیا تھا۔ وہ ان میں سے کسی کو بھی زندہ نہ دیکھ سکتے تھے۔ انہیں ہائی کمانڈ نے حکم دیا تھا کہ آبدوز کو غرق کر کے اس کے سارے عملے کو بھی ختم کر دیا جائے۔

عنبر نے دیکھا کہ ہوائی جہاز اس کی طرف غوطہ لگا کر آ رہا ہے۔ سمجھ گیا کہ وہ نیک نیت سے نہیں آ رہا۔ اور یہی ہوا۔ یعنی جرمن ہواباز اس کے اوپر سے گولیاں برساتا آگے گزر گیا۔ مشین گن کی گولیاں عنبر کے سر بازو اور کمر سے ٹکرا کر سمندر میں گر پڑیں۔ جرمن ہواباز اوپر اٹھ گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا کہ جس انسان پر اس نے سینکڑوں گولیاں چلائی تھیں وہ ابھی تک پانی میں تیر رہا ہے۔

کچھ حیران ہوا کہ نشانہ تو بالکل ٹھیک تھا یہ شخص ابھی تک زندہ کس طرح سے ہے۔ بہرحال وہ ایک بار پھر غوطے میں آیا اور اس نے دوسری بار گولیوں کا مینہ برسا دیا۔ اس بار جب اس نے پلٹ کر دیکھا تو عنبر ابھی تک زندہ تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہواباز ساتھیوں کو حکم دیا۔

"اس شخص پر سارے مل کر گولیاں برساؤ"

دونوں جہاز غوطے میں آئے اور عنبر کے سر پر تڑاتڑ گولیاں ختم کر دیں مگر عنبر پھر بھی زندہ رہا اور سمندر میں بڑے مزے سے تیرتے ہوئے ہاتھ ہلا کر انہیں ہیلو ہیلو کرتا رہا۔ جرمن ہواباز نے کہا۔

"اس پر بم مارو"

جہازوں نے اپنے باقی بچے ہوئے سارے بم عنبر کے سر پر چھوڑ دیئے۔ ایک کے بعد ایک۔ کئی ایک دھماکے ہوئے۔ سمندر کا پانی اوپر تک اچھلا۔ ایک طوفان سا آ گیا۔ مگر تھوڑی دیر بعد جب سمندر پرسکون

ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ عنبر اسی طرح سمندر میں تیر رہا تھا اور ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں ہیلو کہہ رہا تھا۔ جرمن ہواباز گروپ کیپٹن تھا۔ اس نے دوربین لگا کر دیکھا۔ عنبر پر زخم کا کوئی نشان نہ تھا اور وہ مسکرا رہا تھا۔

گروپ کیپٹن نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"یہ کوئی عجیب و غریب انسان ہے۔ اسے گرفتار کیا جائے گا"

گروپ کیپٹن نے جہازوں کو واپسی کا حکم دیا اور ساتھ ہی ہیلی کوپٹر ڈویژن کو وائرلیس حکم دیا کہ سمندر میں فلاں فلاں مقام پر ایک عجیب و غریب جنگی قیدی تیر رہا ہے اسے زندہ گرفتار کیا جائے۔

عنبر نے دیکھا کہ تینوں جرمن بمبار جہاز واپس چلے گئے۔ وہ خاموشی سے سمندر کی لہروں پر تیرتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ اب وہاں کوئی نہیں آئے گا اور وہ اکیلا ہی نہ جانے کب تک سمندر میں تیرتا رہے گا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر گزری ہو گی کہ فضا میں ایک ہیلی کاپٹر نمودار ہوا۔ یہ چکر کھاتا ہوا اس کے اوپر آ گیا اور پھر اس نے ایک سیڑھی پھینکی اور ہیلی کاپٹر پر سے کسی لاؤڈ سپیکر پہ کہا۔

"تم ہمارے جنگی قیدی ہو۔ ہم تمہیں بچانے آئے ہیں سیڑھی پکڑ کر اوپر آ جاؤ"

عنبر کو بھی یہی چاہیے تھا۔ سیڑھی جب اس کے سر کے پاس آ کر

جھولنے لگی تو اس نے اسے پکڑ لیا اور اس پر چڑھتا ہوا ہیلی کاپٹر کے اندر آ گیا۔ یہاں دو جرمن سارجنٹ پستول لئے پہلے سے بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"خاموشی سے کونے میں بیٹھ جاؤ"

عنبر خاموشی سے کونے والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پائلٹ نے کہا۔

"قیدی کو اگر سردی لگ رہی ہے تو اس کو کمبل دے دیا جائے"

عنبر نے کہا۔

"شکریہ! مجھے سردی نہیں لگتی"

سارجنٹ نے پوچھا۔

"کیا تم جرمن زبان جانتے ہو؟"

کیونکہ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے جرمن زبان میں حکم دیا تھا اور عنبر نے بھی جرمن زبان میں ہی اس کے حکم کا جواب دیا تھا۔ اب سارجنٹ کی بات سن کر وہ مسکرایا اور بولا۔

"میں ساری زبانیں جانتا ہوں۔ کیا تم مجھ سے یوگنڈا اور نیوگنی کے آدم خور قبیلوں کی زبان میں بات کرو گے؟"

دونوں جرمن سارجنٹ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ یہ کیسا قیدی تھا۔

" کیا تم مصری ہو؟"

" ہاں میں مصر کا رہنے والا ہوں" عنبر نے جواب دیا۔

جرمن سارجنٹ نے پوچھا۔

" اس آبدوز میں تم کس طرح سے آگئے تھے؟"

عنبر بولا۔

" آبدوز کا کپتان میرا واقف تھا۔ میں اس کے ساتھ بحیرہ روم عبور کر کے جبرالٹر جا رہا تھا"

دوسرے سارجنٹ نے کہا۔

" تم آبدوز سے بچ کر کیسے باہر آ گئے؟ سمندر میں تو پانی کا اتنا شدید دباؤ ہوتا ہے کہ کوئی جاندار زندہ نہیں بچ سکتا"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

" جس کو خدا رکھے اس کو کوئی نہیں مار سکتا"

سارجنٹ خاموش ہو گیا۔ ہیلی کاپٹر سمندر کے اوپر اڑتا رہا۔ کافی دور جانے کے بعد عنبر نے کھڑکی میں سے دور ایک بحری جہاز کو دیکھا تو سمندر کی سطح پہ ایک کھلونا معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے سارجنٹ سے پوچھا۔

" یہ جہاز کس کا ہے؟"

" شٹ اپ!" سارجنٹ نے اسے جھاڑ دیا۔ خاموش

رہو۔ تمہیں ہمارے جہازوں کے بارے میں بات کرنے کی ہرگز اجازت نہیں"

عنبر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

" شکریہ! تم نے خود ہی بتا دیا کہ یہ جہاز تمہارا ہے"

یہ ایک جرمن طیارہ بردار جنگی جہاز تھا۔ ہیلی کاپٹر اسی جہاز سے اڑ کر آیا تھا۔ ہیلی کاپٹر اس جہاز کے ہیلی پیڈ پر اتر گیا۔ عنبر کو جہاز کے ایک نچلے کمرے میں لے جا کر بند کر دیا گیا۔ یہ جگہ ایک حوالات ہی تھی۔ کیونکہ دروازے پر موٹی موٹی سلاخیں لگی تھیں۔ عنبر نے کسی سے کچھ نہ کہا اور بڑے آرام سے حوالات کے کونے میں جا کر تخت پر چپ چاپ لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد جہاز کا کمانڈر اس کے پاس آیا۔ یہ ایک باوقار جرمن بوڑھا تھا جس کی داڑھی میں سفیدی زیادہ تھی۔ آنکھوں میں بڑی خونخواروں والی چمک تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ جانے کتنے آدمی بڑے سکون سے ہلاک کر چکا ہے۔ اس نے آتے ہی عنبر سے پوچھنا شروع کر دیا۔

" تم کون ہو؟ آبدوز کس طرح اغوا کی؟ تمہارے ساتھی کون تھے؟ وہ لوگ کہاں جا رہے تھے؟ تم کس مشن پہ گھر سے چلے تھے؟ بحیرہ روم میں اتحادیوں کے اڈے کہاں کہاں ہیں؟"

یہ ایسے سوال تھے جن کا عنبر کے پاس کوئی جواب نہ تھا صرف
ایک سوال کا جواب تھا کہ تم کون ہو؟ عنبر نے کہا۔

"میرا نام عنبر ہے۔ میں مصر کا رہنے والا ہوں۔
انگریز کمانڈر نے آبدوز کہاں سے اغوا کی؟ مجھے کچھ
معلوم نہیں۔ وہ میرا واقف بن گیا تھا اور سکندریہ
کی بندرگاہ سے میں بھی اس کے ساتھ ہو گیا کیونکہ
میں جبرالٹر جانا چاہتا تھا کہ تمہارے ہوائی جہازوں نے
ہماری آبدوز غرق کر دی"

جرمن کمانڈر نے کرخت آواز میں کہا۔

"لیکن تم لوگوں نے ہمارے ایک بڑے قیمتی جنگی
جہاز کو تارپیڈو مار کر غرق کر دیا تھا۔"

عنبر نے کہا۔

"جی ہاں! اگر ہم اسے غرق نہ کرتے تو وہ ہماری
آبدوز کو غرق کر دیتا"

"بکواس بند کرو"

پھر اس نے حکم دیا۔

"اس شخص کو سوائے پانی کے اور کچھ نہ دیا جائے۔"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"بے شک میرا پانی بھی کمانڈر کو دے دیا جائے۔ میں

پانی کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہوں"

کمانڈر نے غصے میں آ کر عنبر کے سر پر مکا مار دیا۔ عنبر تو اپنی جگہ
پر کھڑا رہا مگر کمانڈر کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے
اس نے کسی پتھر کی سِل پر ہاتھ مار دیا ہو۔ اس کی دو انگلیاں ٹوٹ
گئی تھیں۔ اسی وقت کمانڈر کو جہاز کے ہسپتال میں لے جا کر انگلیاں
جوڑ کر ان پر پلاسٹر چڑھا دیا گیا۔ یہ خبر سارے جہاز میں پھیل گئی کہ
جو نیا مصری قیدی جہاز پر آیا ہے اس کا سر لوہے کا ہے۔

کمانڈر نے عنبر کے سر کا ایکسرے کروانے کا حکم دیا۔ ایکسرے میں
کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ عنبر کو واپس حوالات میں بند کر دیا گیا۔
دو تین روز بعد ایسا ہوا کہ جہاز پر اتحادی بمبار جہازوں نے حملہ کر دیا۔
ہوائی جہاز بمباری کر کے چلے گئے۔ جہاز کے انجن روم کے ایک حصے میں
آگ لگ گئی تھی۔ جہاز پر ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی۔ انجن روم میں
ایک ایسی مشین لگی تھی جس کے اگر ہینڈل کو نیچے گرا دیا جاتا تو جہاز
کی چھت پر سے سفید گیس کی بارش شروع ہو جاتی جس سے آگ ایک
منٹ میں بجھ جاتی۔

مگر انجن روم کو جانیوالا راستہ آگ کے شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔
وہاں سے گزر کر مشین کے ہینڈل تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
تھا۔ آگ زور پکڑ رہی تھی۔ عنبر کو حوالات میں یہ بات معلوم ہوئی تو
اس نے اپنے پہرے دار سے کہا۔

" کپتان سے کہو مجھے آزاد کر دے۔ میں مشین روم میں جا کر ہینڈل گرا سکتا ہوں"

پہلے تو پہرے دار نے کوئی توجہ نہ دی۔ آخر مجبور ہو کر اس نے کپتان کو پیغام بھجوایا۔

کپتان نے حکم دیا۔

" اگر وہ شعلوں میں سے گزر سکتا ہے تو اسے فوراً رہا کیا جائے۔ مگر یاد رکھو اس کی لاش آگ میں سے نکالنا ضروری ہے"

عنبر کو اس جگہ لا کر کھڑا کر دیا گیا جہاں سے آگ کے شعلوں کا سفر شروع ہوتا تھا۔ جہاز کے لوگ اس سے مذاق کر رہے تھے۔

" اب ذرا اندر چل کر دکھاؤ۔ آگ تمہیں پکوڑا نہ بنا دے تو میرا نام بدل دینا"

" ارے اس الو کی دم کو یہاں کیوں لے آئے ہو؟"

" ارے اسے اٹھا کر آگ میں پھینک دو۔ اس نے ہم سے مذاق کرنے کی کوشش کی ہے"

جتنے منہ اتنی باتیں۔ مگر عنبر بڑے سکون سے کھڑا تھا اور شعلوں کو دیکھ رہا تھا جو قیامت کی طرح لہرا لہرا کر اٹھ رہے تھے۔ آخر اس نے لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

" میں آگ کے سمندر میں جا رہا ہوں۔ کسی کو آنا ہے تو

میرے پیچھے پیچھے آجائے"

اور عنبر لوگوں کے دیکھتے دیکھتے آگ کے شعلوں میں داخل ہو گیا۔ ہر ایک کے منہ سے دہشت کے مارے ایک چیخ نکل گئی۔ کئی تو عنبر کے انجام پر افسوس کرنے لگے۔

" یار اس نوجوان کی جوانی پر رحم کھانا چاہیے تھا ہم کو اسے روک لینا چاہیے تھا۔"

" خدا اس کی روح کو تسکین دے۔ خوبصورت نوجوان تھا!"

" اب تک تو جل کر پکوڑا بن گیا ہو گا"

" اس کا تو پکوڑا بھی جل کر سیاہ ہو چکا ہو گا"

آگ کے قریب جانے کی کسی کو ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ جہاز کے کپتان کو بھی اطلاع کر دی گئی۔ اس نے کہا۔

" ایسے بڑبولے نوجوان کا یہی انجام ہونا تھا۔ بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہا تھا۔ ہم کیا کر سکتے ہیں اتنی شدید آگ کے جہنم میں سے تو اس کی ہڈیاں بھی پگھل کر سرمہ بن چکی ہوں گی۔ خدا اس کی روح کو معاف کرے"

جہازی عنبر کے انجام پر افسوس ہی کر رہے تھے کہ اچانک جہاز کی چھت اور دیواروں میں لگے فواروں سے ایک دم گیس اچھل اچھل کر گرنے لگی اور آگ بجھنا شروع ہو گئی۔ پھر دیکھتے دیکھتے آگ کے شعلے بجھ گئے اور سفید دھوئیں کے اندر سے عنبر نمودار ہوا۔

○

جنگل کی طرف

○

عنبر بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ اتنی خوفناک آگ نے اسے کچھ نہ کہا تھا۔

اس کے سر کا ایک معمولی سا بال بھی نہیں جلا تھا۔ اس کا لباس ویسے کا ویسا تھا۔ جہازی تو دم بخود ہو کر رہ گئے۔ کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ ایک انسان اتنی زیادہ آگ میں زندہ رہ سکتا ہے۔ بلکہ اس کے اندر پندرہ بیس منٹ رہ کر اپنا کام کر کے پھر واپس بھی آسکتا ہے کہ اس کا ایک بھی سر کا بال نہ جلا ہو۔ جہاز کے ملاحوں نے نعرے لگا کر عنبر کا استقبال کیا۔ آگ بجھ چکی تھی۔ جہاز کے کپتان کو اس خبر کا پتہ چلا تو وہ بھاگا بھاگا عنبر کے پاس آیا۔ دیکھا تو وہ بڑے آرام سے کرسی پر بیٹھا کوکا کولا پی رہا ہے اور جہاز کی آگ پوری طرح بجھ چکی ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر عنبر کے جسم کو چھوا۔ کھال کو ہاتھ لگایا۔ بالوں کو ہلا جلا کر دیکھا۔ آگ کا کسی جگہ بھی کوئی اثر نہیں تھا۔ بڑا حیران ہوا۔ وہ عنبر

کو ساتھ لے کر جہاز کے ڈاکٹر کے کیبن میں آ گیا۔ ڈاکٹر نے عنبر کو لٹا کر اس کا پوری طرح سے معاینہ کیا۔ اس کی جلد دیکھی۔ ٹمپریچر لیا۔ ہر چیز ٹھیک ٹھاک تھی۔ کپتان نے کہا۔

"ڈاکٹر! میرا خیال ہے اس کا خون ٹیسٹ کر کے دیکھو۔"

عنبر اٹھ کر جانے لگا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے بھلا۔" اس نے کہا۔ وہ دراصل خون ٹیسٹ کرواتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ کیونکہ اس کی رگوں میں خون تو تھا ہی نہیں۔ کپتان نے کہا۔

"میں حکم دیتا ہوں کہ تمہارا سرکاری طور پر خون ٹیسٹ کیا جائے۔ چپکے سے لیٹ جاؤ"

عنبر نے کہا۔

"کپتان! میرا خون ٹیسٹ نہ ہی کروائیں تو اچھا ہے۔"

ڈاکٹر نے پوچھا۔

"آخر تمہارا خون کیوں نہ ٹیسٹ کیا جائے؟"

عنبر بولا۔

"اس لئے کہ میرے جسم میں خون نہیں ہے۔"

ڈاکٹر اور کپتان عنبر کا منہ تکنے لگے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"آپ خود ٹیسٹ کر کے دیکھ لیں۔ آپ کو ناامیدی ہو گی۔"

ڈاکٹر نے عنبر کو لٹا کر اس کی انگلی میں سوئی چبھوئی۔ سوئی نے انگلی کے اندر جانے سے انکار کر دیا۔ ایسے لگا جیسے سوئی کسی پتھر میں چبھونے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر کے ہاتھ سے سوئی نیچے گر پڑی۔ کپتان کی عینک ناک پر کھسک گئی۔ دونوں حیرت کے سمندر میں گم ہو گئے کہ اس کے سامنے یہ کون شخص لیٹا ہے؟ آیا یہ کوئی انسان ہے یا کوئی آسمانی مخلوق؟ ڈاکٹر نے عنبر کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

عنبر نے بھی اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں مریخ ستارے سے آیا ہوں"

ڈاکٹر چونک کر پرے ہٹ گیا اور جہاز کے کپتان کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کیپٹن! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا"

جرمن کپتان نے عنبر کے جسم کو اچھی طرح ٹٹولا۔ وہ اسے پتھر کی طرح سخت محسوس ہوا۔

"کیا۔ کیا واقعی تم مریخ ستارے سے آئے ہو؟"

عنبر نے سرگوشی میں کہا۔

"ہاں! میں مریخ سے آیا ہوں۔ لیکن میں نے سوائے تم دونوں کے کسی دوسرے کو ابھی تک یہ راز نہیں بتایا۔ اگر تم وعدہ کرو کہ میرے راز کو اپنے تک ہی رکھو گے تو میں تمہیں عجیب عجیب باتیں بتاؤں گا"

کپتان نے کھنکار کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور بولا۔

"ڈاکٹر! میرا خیال ہے اس شخص کا دماغ چل گیا ہے۔ شکریہ! میں اسے دوبارا سوالات میں بند کرانے جا رہا ہوں"

اور کپتان عنبر کو لے کر سیدھا اپنے کیبن میں آ گیا۔ اس نے دروازہ بند کر کے کرسی کھینچ کر عنبر سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ"

پھر کافی کے دو کپ بنا کر ایک کپ عنبر کو دیا۔ دوسرا خود لیا۔ دوسری کرسی پر عنبر کے سامنے بیٹھ گیا اور بولا۔

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم مریخ سے آئے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"کیا یہ ثبوت تمہارے لئے کافی نہیں کہ ابھی ابھی میں آگ کے جہنم سے صحیح سلامت باہر آ گیا ہوں؟"

کپتان نے کہا۔

"کیا مریخ والوں پر آگ اثر نہیں کرتی؟"

"بالکل نہیں۔ اور اس راز کا ابھی دنیا والوں کو بالکل

علم نہیں ہے۔ امریکہ والے مریخ کے بارے میں
بڑی تحقیق کر رہے ہیں۔ کسی کو کچھ بھی معلوم نہیں
ہے۔"

کپتان نے کپ میز پر رکھ دیا۔ اٹھ کر ہاتھ پیچھے رکھ کر کیبن میں
ٹہلنے لگا۔ پھر کرسی پر آ کر بیٹھ گیا اور بڑے جوش کے ساتھ
مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

"اوہ میرے خدا! میں کس قدر خوش قسمت ہوں کہ
مریخ کا راز میں نے دریافت کر لیا ہے"

پھر وہ عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"مسٹر عنبر! آج سے ہم آپس میں گہرے دوست ہیں
میں تمہارا راز کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ مگر تم بھی وعدہ کرو
کہ مجھے مریخ کی سیر کراؤ گے!"

عنبر سوچنے لگا اس کم بخت کو میں مریخ کی سیر کروانے کہاں لے
جاؤں گا؟ پھر بولا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ جونہی میری اڑن طشتری
مجھے لینے آئے گی تو میں تمہیں اپنے ساتھ مریخ سیارے
پر لے جاؤں گا"

کپتان نے جلدی سے کہا۔

"لیکن میں وہاں رہ نہیں سکتا۔ میں واپس اپنے بچوں

میں آنا پسند کروں گا"

عنبر مسکرایا۔

"فکر نہ کرو کپتان! تمہیں میں اسی اڑن طشتری پر واپس
زمین پر بھجوا دوں گا"

"اچھا یہ بتاؤ مسٹر عنبر کہ مریخ پر سارے لوگ تمہاری
طرح کے ہیں؟ کیا وہاں لوگوں پر آگ کا کوئی اثر نہیں
ہوتا؟"

عنبر بولا۔

"بالکل اثر نہیں ہوتا ان پر آگ کا۔ انہیں بھوک پیاس
بھی نہیں لگتی۔ ان پر گولی خنجر بھی اثر نہیں کرتا"

کپتان منہ کھولے عنبر کی باتیں سن رہا تھا۔

"مسٹر عنبر! میں نے سنا ہے، بلکہ پڑھا ہے کہ مریخ پر
ہیرے جواہرات پتھروں کنکریوں کی طرح سڑکوں پر پڑے
رہتے ہیں۔ کیا یہ درست بات ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"مریخ میں تو بچے جواہرات، عقیق اور لعل اپنی ٹوپیوں
میں لگاتے ہیں"

"کیا مریخ کے بچے ٹوپیاں بھی پہنتے ہیں؟ کیسی ہوتی
ہیں وہ ٹوپیاں؟"

عنبر بولا۔
"سرخ رنگ کی کالے پھندنے والی ٹوپیاں ہوتی ہیں۔
جیسی ترکی میں رومی ٹوپی ہوتی ہے۔"
اچھا مسٹر عنبر! یہ بتاؤ کہ وہاں کی عورتیں کیسی ہوتی
ہیں؟"
"عورتیں؟"
"ہاں مائیں۔ بہنیں بیٹیاں۔ ان کی شکل کیسی ہوتی ہے؟"
عنبر نے کہا۔
"بالکل جیسی ہمارے ہاں مائیں بہنیں بیٹیاں ہوتی ہیں"
"کوئی فرق نہیں ہوتا؟"
"کوئی نہیں"
"کیا ان پر بھی آگ اثر نہیں کرتی؟"
"بالکل اثر نہیں کرتی"
"عنبر! خدا کے لئے مجھے مریخ کی سیر ضرور کروانا۔ میں
واپس آکر وہاں کی تصویریں اخباروں میں دوں گا۔ کیا
میں وہاں تصویریں کھینچ سکوں گا؟"
"کیوں نہیں۔"
کپتان اٹھ کر بے تابی سے کیبن میں ٹہلنے لگا۔ وہ بڑا خوش تھا۔
اسی وقت اس نے عنبر کو جہاز کا ایک خوبصورت کیبن دے دیا۔

عنبر وہاں رہنے لگا۔ کپتان ہر روز شام کی چائے عنبر کے ساتھ پیتا
اور مریخ سیارے کی باتیں کرتا رہتا۔ وہ روز اس سے پوچھتا
کہ مریخ سے اڑن طشتری کب آ رہی ہے؟ عنبر ہر روز اسے یہی
جواب دیتا۔
"اڑن طشتری میرے خشکی پر پہنچنے کے بعد کسی وقت
بھی آ سکتی ہے"
"کیا خشکی کے بغیر اڑن طشتری کسی جگہ نہیں اتر سکتی؟"
عنبر نے کہا۔
"کیوں نہیں۔ وہ تو سمندر کیا بلکہ آگ میں بھی
اتر سکتی ہے۔ لیکن بات اصل میں یہ ہے کہ میں اس
زمین پر یورپ کے علاقے کی مٹی کا نمونہ لینے آیا
ہوں۔ جب میں وہاں کی مٹی کا نمونہ حاصل کر لوں
گا تو مریخ والوں کو خود بخود علم ہو جائے گا۔ پس وہ
اسی وقت اڑن طشتری روانہ کر دیں گے جس میں سوار
ہو کر ہم مریخ پر پہنچ جائیں گے"
کپتان نے خوشی خوشی کہا۔
"تو پھر میں بہت جلد جہاز کو خشکی کی طرف لے جانے
کی کوشش کرتا ہوں"
اور کپتان نے ایسا ہی کیا۔ حالانکہ اسے سمندر میں چل پھر کر دشمن

کے جہازوں کو تباہ کرنا تھا مگر مریخ کے شوق نے اسے نیم پاگل
بنا رکھا تھا۔ وہ بحیرہ روم سے نکل کر یورپ کے سمندر میں
آ گیا۔ یہاں جرمنی کی ایک بندرگاہ میں آ کر اس نے اپنے بحری
جہاز کو لنگر انداز کر دیا اور عنبر کو ساتھ لے کر بندرگاہ سے کار میں
سوار ہو کر ایئرپورٹ کی طرف چل دیا۔ وہ عنبر کو اپنے گھر لے جا
رہا تھا جو دوسرے شہر یعنی ڈرلسیڈن میں واقع تھا۔ ایئرپورٹ
پر بحریہ کا ایک ہوائی جہاز تیار کھڑا تھا۔ کپتان اور عنبر اس میں
سوار ہو گئے۔

دو گھنٹے کی پرواز کے بعد جہاز ڈرلسیڈن پہنچ گیا۔ کپتان عنبر
کو اپنے گھر لے گیا۔ شہر سے باہر ایک پر فضا باغ میں یہ ایک
پُرسکون مکان تھا یہاں جرمن کپتان کی ادھیڑ عمر بیگم رہتی تھی۔
کپتان نے اپنی بیوی سے عنبر کا تعارف کروایا اور پھر اسے اندر
لے جا کر کہا۔

"جانتی ہو یہ نوجوان کس دنیا سے آیا ہے؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس کی بیوی نے ذرا تعجب
سے پوچھا۔

کپتان دونوں ہاتھوں کو رگڑتے ہوئے جوش سے بولا۔

"یہ نوجوان سیارہ مریخ سے آیا ہے۔"

"کیا تمہارے ہوش تو ٹھکانے ہیں؟" اس کی بیگم نے

ذرا چلا کر کہا۔

"شی! آہستہ بولو بیگم! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ نوجوان
جس کا نام عنبر ہے مریخ سے اڑن طشتری میں آیا ہے
اور اب مجھے بھی سیر کراتے اڑن طشتری پر بٹھا کر مریخ
لے جائے گا۔"

کپتان کی بیوی نے اپنے خاوند کی آنکھوں میں جھک کر دیکھا۔
پھر ٹیلی فون اٹھا کر کوئی نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے کسی نے پوچھا

"ہیلو؟"

بیگم نے کہا۔

"ڈاکٹر! کیا تم تھوڑی دیر کے لئے میرے ہاں آ
سکتے ہو؟"

"کیا بات ہے۔ بیگم صاحبہ؟ خیریت تو ہے؟"

کپتان کی بیگم نے اپنے خاوند کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میرے خاوند کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

کپتان نے آگے بڑھ کر فون بند کر دیا۔

"کیا کر رہی ہو۔ بیگم۔ خدا کے لئے میری بات پر یقین
کرو۔ اچھا اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو آؤ۔ میرے
ساتھ آؤ۔ میں تمہیں ایک ایسا تماشا دکھاتا ہوں جسے
دیکھ کر تمہیں یقین آ جائے گا کہ یہ نوجوان مسٹر عنبر

سچ مچ مریخ سیارے سے آیا ہے"

اور کپتان اپنی ادھیڑ عمر جرمن بیوی کو ہاتھ سے پکڑ کر اس کمرے میں لے گیا جہاں عنبر آرام کرسی پر بیٹھا کھڑکی سے باہر لہراتے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔

کپتان نے کہا۔

"عنبر! میری بیوی کو یقین نہیں آ رہا کہ تم مریخ سیارے سے آئے ہو۔ خدا کے لئے اسے کسی طرح یقین دلاؤ
اس نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے"

عنبر نے جرمن کپتان کی بیوی کی طرف دیکھ کر اٹھتے ہوئے کہا۔

"مادام! میں سچ مچ سیارے مریخ سے آیا ہوں
یقین کرو"

مادام بولیں۔

"مگر۔ مگر۔ اف! تم دونوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔
اب تمہیں بھی ڈاکٹر کو دکھانا ہو گا"

عنبر نے کہا۔

"میڈم اگر میں آپ کو کوئی مریخ والوں کی بات بتاؤں
تو آپ یقین کریں گی؟"

"کیا مطلب ہے" میڈم نے پوچھا۔

عنبر بولا۔

"مطلب یہ کہ مریخ والوں پر آپ کی زمین کی آگ اثر نہیں کرتی۔ ان پر گولی کا اثر بھی نہیں ہوتا۔ آپ دیکھیں گی کہ مجھ پر بھی گولی اور آگ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔
پھر تو آپ مان لیں گی نا کہ میں مریخ سے آیا ہوں؟"

کپتان نے تالی بجا کر کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ بیگم! اب تم خاموش رہو"

پھر کپتان نے عنبر کے سامنے ایک موم بتی لا کر رکھ دی۔ اسے ماچس سے جلایا۔ عنبر نے اپنی کلائی پر سے کپڑا ہٹایا اور کلائی جلتی ہوئی موم بتی کے شعلے کے اوپر رکھ دی۔ موم بتی جلتی گئی۔ شعلہ بلند ہوتا گیا۔ شعلہ عنبر کی کلائی کو چاٹتا رہا مگر عنبر کی کلائی پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر موم بتی ختم ہو گئی۔ دہشت سے کپتان کی بیگم کی چیخ نکل گئی۔ اس نے اپنی ساری زندگی میں اس قسم کا تماشہ کبھی نہیں دیکھا تھا کہ آگ گوشت کو جلانے سے انکار کر دے۔ جرمن کپتان نے اسے سنبھالا اور کہا۔

"میں نہ کہتا تھا کہ عنبر مریخ سیارے سے آیا ہے؟
اب کہو۔ کیا تمہیں یقین نہیں آیا؟ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ اس پر آگ کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہوا"

عنبر نے کلائی پر لگی ہوئی دھوئیں کی ہلکی سی کالک رومال سے صاف

کی اور بیگم کی طرف دیکھ کر کہا۔

" آپ کے خاوند ٹھیک کہتے ہیں بیگم! میں مریخ کا رہنے والا ہوں۔ میں آپ کو بھی مریخ کی سیر کرا سکتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ میرا راز کسی پر ظاہر نہ کریں"

میڈم وھک سے رہ گئی تھی۔ کھلی آنکھوں سے عنبر کو تک رہی تھی۔ پھر اس نے اسی وقت ڈاکٹر کو دوبارا فون کیا اور کہا۔

" ڈاکٹر! آنے کی تکلیف نہ کریں۔ میرا خاوند ٹھیک ہو گیا ہے"

رات کو عنبر دیر تک کپتان اور اس کی بیوی سے باتیں کرتا رہا۔ کپتان کی بیوی تو سونے چلی گئی۔ عنبر اور کپتان باتیں کرتے رہے۔ کپتان نے کہا۔

" جرمن بحریہ میں میرا ایک دشمن ہے جس کی وجہ سے مجھے ترقی نہیں مل رہی۔ کیا کوئی ایسا طریقہ ہو سکتا ہے عنبر کہ میں اس سے بہتر عہدہ حاصل کر سکوں؟"

عنبر نے پوچھا۔

" کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے دشمن کو ہلاک کر دیا جائے؟"

" نہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دوں کہ ہٹلر امیرالبحر بنا

دے اور بس"

عنبر نے کہا۔

" آپ کس قسم کا کارنامہ کرنا چاہتے ہیں؟ آپ نے ہماری آبدوز کو تو ڈبو دیا۔ کیا اس سے آپ کو ترقی نہیں ملے گی؟"

کپتان نے کہا۔

" میں اس سے بھی بڑھ کر کوئی کارنامہ کرنا چاہتا ہوں"

عنبر کہنے لگا۔

" مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ نے میری ایک بہن مادام گارشیا کو بھی آبدوز کے ساتھ ہی غرق کر دیا ہے۔ مجبور ہوں"

جرمن کپتان خاموشی سے چھت کو دیکھنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ عنبر پر دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ اسے کوئی کام زبردستی کرنے پر مجبور بھی نہیں کر سکتا۔ سر جھکا کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ عنبر اس جرمن کپتان کے ساتھ ایک ہفتہ جرمنی کے اس قصبے میں رہا۔ ان ہی دنوں جاپان نے ہتھیار ڈال دیئے۔ جرمن فوجیں محاذوں پر پسپا ہونے لگیں۔ ادھر اٹلی کی فوجیں بھی پیچھے بھاگنے لگیں۔ عنبر جرمن کپتان کے ساتھ سمندروں میں سفر کر رہا تھا۔ اسے معلوم ہوا روسی اور اتحادی فوجیں برلن کی طرف بڑھنا شروع ہو گئی ہیں۔ اور ہٹلر اٹلی سے فرار ہوتے ہوئے قتل کر دیا گیا ہے۔

ایک روز اس جہاز کو بھی غرق کر دیا گیا جس میں عنبر سفر کر رہا تھا
عنبر کو انگریزوں نے گرفتار کر کے قیدیوں کے کیمپ میں بھیج دیا۔ یہ
کیمپ لندن سے ایک سو میل دور ایک جنگل میں بنا ہوا تھا۔ عنبر
یہاں دوسرے جرمن اور اطالوی قیدیوں کے ساتھ بڑی بُری زندگی گزارنے
لگا۔ ایک روز عنبر تنگ آگیا۔ اس نے سوچا کہ میں کس لئے اس
قید خانے میں پڑا ہوں۔ اس نے فرار کا منصوبہ بنایا۔ اس کے ساتھ
ایک جرمن لڑکا ہومر بھی قید تھا۔ یہ جرمن نیوی میں ملاح تھا۔ اس
کی عمر مشکل بیس برس کی ہوگی۔ بڑا بھولا سا نوجوان تھا۔ عنبر نے اسے
بھی فرار ہونے پر تیار کر لیا۔ وہ ڈر رہا تھا۔ عنبر نے اس کے شانے پر
ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ہومر! میرے بھائی کیا تم آزاد ہونا نہیں چاہتے؟
کیا تم نہیں چاہتے کہ اپنے گھر جا کر اپنے ماں باپ
سے ملو؟"

ہومر اداس ہو کر بولا۔

"خدا جانے میرے ماں باپ کس حال میں ہوں گے؟
سنا ہے روسی فوجیں برلن کی طرف بڑھ رہی ہیں"

"تمہارا گھر کہاں ہے؟"

ہومر نے کہا۔

"ہمارا گھر جرمنی کی سرحد میں داخل ہوتے ہی پچاس میل

پر ایک قصبے میں ہے"

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں تمہیں تمہارے گھر پہنچا کر آؤں گا۔
بولو! کیا میرے ساتھ چلو گے؟ اگر تم نہیں تیار ہو گے
تو میں پھر بھی آج رات بارہ بجے اس قیدی کیمپ سے
فرار ہو رہا ہوں"

ہومر نے پوچھا۔

"کیا تمہارے پاس پستول ہے؟ اس کے بغیر یہاں
سے ہم یہاں کیسے نکل سکیں گے۔ پہرہ بڑا سخت ہے۔
شاید ایک دو کو مارنا پڑے گا۔ نہیں تو ہم خود ہلاک ہو
جائیں گے"

عنبر نے مسکرا کر بولا۔

"یہ سب کچھ میں کر دوں گا۔ کیا تم تیار ہو؟"

"ہاں! میں تیار ہوں۔"

"بس پھر آدھی رات کو میں تمہارے پاس آؤں گا اپنی
بارک کے پچھلے دروازے پر تیار رہنا۔"

"اوکے!"

آدھی رات کو ٹھیک بارہ بجے تھے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے
تھے۔ بڑی سردی تھی۔ عنبر آہستہ سے اپنی بارک میں سے نکل کر

باہر برآمدے میں آگیا۔ بلیک آؤٹ کی وجہ سے بارک کے کونے میں ایک ڈھکا ہوا دھیما سا بلب جل رہا تھا جس کی روشنی صرف وہیں پڑ رہی تھی۔ دونوں جانب ایک ایک انگریز سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر نے کالے رنگ کی سموری جیکٹ اور کالی پتلون پہن رکھی تھی۔ سر پر کالی ٹوپی تھی۔ اندھیرے میں وہ کسی کو دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دبے پاؤں دیوار کے ساتھ چلتا وہ آگے بڑھا۔ کسی دوسرے راستے سے وہ نکل نہیں سکتا تھا۔

ہر حالت میں ہومر کی بارک کے پیچھے پہنچنے کے لئے ان پہرے داروں کے قریب سے ہو کر گزرنا پڑتا تھا۔ عنبر ایک جگہ رک گیا۔ پہریدار ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے تھوڑی سی جگہ تھی جہاں اندھیرا تھا۔ بڑی ہوشیاری سے لومڑی کی طرح زمین پر جھکے جھکے ان پہرے داروں کے عقب سے ہو کر نکل گیا۔ اب وہ ہومر کی بارک کے پیچھے آ گیا تھا۔

ادھر ہومر بھی کالی جیکٹ اور پرانی سی براؤن پتلون پہنے بارک کے پچھلے دروازے کے پاس کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہاں بھی اندھیرا تھا۔ عنبر نے ہلکی سی سیٹی بجائی۔ ہومر جلدی سے باہر نکل آیا۔ اندھیرے میں دونوں کی چمکتی ہوئی آنکھیں ایک دوسرے سے ملیں۔ ایک مرحلہ طے ہو گیا تھا۔ وہ بڑے خوش ہوئے۔ عنبر نے ہومر کے کان میں آہستہ سے کہا۔

"گھبرانا نہیں نوجوان! بہادر بنے رہنا۔ خدا پر بھروسہ رکھنا۔ وہ ہمیں ہر مصیبت سے نکال لے گا۔ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

قیدی کیمپ انہوں نے شام ہی کو ایک جگہ تاڑ رکھی تھی۔ عنبر اس جگہ سے باہر فرار ہونا چاہتا تھا۔ یہاں سے دیوار زیادہ بلند نہیں تھی۔ لیکن مصیبت صرف یہ تھی کہ یہاں دیوار کے اوپر ایک برجی میں چوکیداروں نے پہرہ لگا رکھا تھا۔ عنبر نے ہومر کو ساتھ لیا اور اس دیوار کے نیچے آگیا۔

"تم ایک طرف ہو کر انتظار کرو۔ جب تک میں اوپر سے اشارہ نہ کروں ہرگز باہر نہ نکلنا۔"

اتنا کہہ کر عنبر ایک طرف سے درخت پر چڑھ کر دیوار پر آگیا۔ وہ جنگلی چیتے کی طرح دیوار پر جھک کر چلتا ہوا مورچے کی برجی کے پاس آ گیا۔ اس نے سوراخ میں سے اندر جھانک کر دیکھا۔ اندر موم بتی جل رہی تھی۔ اس کی روشنی میں تین انگریز سپاہی بیٹھے تھے۔ ایک اونگھ رہا تھا۔ باقی دو تاش کھیل رہے تھے۔ عنبر کچھ دیر ان کی طرف دیکھتا اور کسی ترکیب پر غور کرتا رہا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ اسے جو کچھ کرنا ہے جلدی کرنا چاہیے۔ وقت بہت کم تھا۔ رات بیت رہی تھی۔ عنبر نے جان بوجھ کر باہر پاؤں سے ایسا شور پیدا کیا جیسے کوئی چل

رہا ہے۔ اس آواز پر برج کے اندر پہرے دار سپاہی چونکے۔
ایک سپاہی رائفل تان کر اندھیرے میں آکر دیکھنے لگا۔ عنبر
ایک طرف چھپ گیا تھا۔ جونہی سپاہی اس کے قریب سے گزرا،
عنبر نے بازو اس کی گردن میں ڈال کر اسے اتنے زور سے
بھینچا کہ وہ بے ہوش ہوگیا۔

عنبر نے اسے ایک طرف ڈال دیا۔ مورچے میں جب انہوں
نے دیکھا کہ باہر گیا ہوا سپاہی ابھی تک واپس نہیں آیا تو
ایک سپاہی باہر نکلا۔ عنبر نے اسے بھی بے ہوش کر کے پھینک
دیا۔ اسی طرح تیسرا سپاہی بھی بے ہوش کر دیا گیا۔ اب مورچہ
خالی تھا۔ عنبر نے سیٹی بجا کر ہومر کو بلایا۔ ہومر اندھیری جھاڑیوں
میں سے نکل کر دیوار کے نیچے آگیا۔

"جلدی سے اوپر چڑھ آؤ۔ درخت کی شاخیں پکڑ کر۔
جلدی کرو۔"

ہومر درخت کی شاخوں شاخوں سے ہوتا دیوار پر آگیا۔ دوسری
طرف ایک کھائی بنی تھی جس میں پانی تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ برج
کے پاس سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ وہ ان سیڑھیوں پر
سے ہوکر نیچے اتر گئے۔ کھائی کے کنارے کنارے چلتے وہ
دور نکل گئے۔ یہاں گول روشنی کا دائرہ گھوم رہا تھا۔ یہ سرچ
لائٹ تھی جو اوپر قیدی کیمپ کے مینار سے ڈالی جا رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"اس روشنی سے خبردار رہنا۔ میرے ساتھ آؤ۔"

جب روشنی کا دائرہ دور چلا گیا تو عنبر نے ہومر کو ساتھ لے کر
ایک جگہ سے کھائی عبور کر لی۔ اب وہ ایک اندھیری سڑک پر
آگئے۔ اس سڑک پر درختوں کا سایہ تھا اور بائیں طرف کو جنگل
کی طرف گھوم گئی تھی۔ دونوں دور تک سڑک پر چلتے گئے۔
یہ سڑک چوڑی تھی۔ انہیں دور سے کسی ٹرک کی آواز سنائی
دی۔ وہ جلدی سے جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ یہ ٹرک فوجی تھا۔
وہ گزر گیا۔ اس کے بعد ایک جیپ آئی۔ وہ بھی گزر گئی۔
اس کے بعد پھر انہوں نے چلنا شروع کر دیا۔ ہومر نے عنبر کو
بتایا کہ وہ لندن کی سڑکوں سے واقف ہے۔ یہ سڑک لیور پول
کو جاتی ہے۔ وہاں سے ہمیں کوئی کشتی مل جائے تو ہم فرانس
بھاگ سکتے ہیں۔ عنبر نے کہا۔

"کشتی ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں فرانس
کی بجائے کسی ہوائی جہاز میں سوار ہوکر سیدھا جرمنی
جانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ فرانس سے تو جرمن
فوجیں بھاگ رہی ہیں

میں بھوت ہوں

صبح ہو گئی۔

دن کے اجالے میں اب انہیں پکڑے جانے کا ڈر تھا۔ انہوں نے قیدیوں والے کپڑے پہن رکھے تھے جو دور سے پہچانے جاتے تھے۔ ہومر نے عنبر سے کہا۔

" اب سڑک پر چلنا خطرے سے خالی نہیں۔ کیمپ میں ہمارے فرار کا پتہ چل گیا ہو گا۔ وہ لوگ ہماری تلاش میں ہوں گے۔ یہ قیدیوں کی وردی ہمیں پکڑوا دے گی۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا بہت ضروری ہے "

عنبر بولا۔

" ایسا کرتے ہیں جنگل میں جا کر چھپ جاتے ہیں میں قصبے میں جا کر کہیں سے دوسرے کپڑے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم میرا انتظار کرنا "

ہومر جنگل میں ایک جگہ چھپ گیا۔ عنبر وہاں سے نکل کر سیدھا قریب والے قصبے میں گیا۔ وہاں کھیتوں کے کنارے ایک مکان تھا جس کے صحن کے پیچھے والے حصے میں کچھ مردانہ کپڑے سکھانے کے لیے ڈال دیئے گئے تھے۔ عنبر نے وہ کپڑے اتارے اور واپس چلا آیا۔ جنگل میں ہی بیٹھ کر انہوں نے کپڑے تبدیل کرلے اور یورپول شہر کو جانے والی سڑک پر آ گئے۔ صبح کی روشنی میں ہر شے صاف نظر آ رہی تھی۔ کہیں کہیں بمباری سے کھیتوں میں گڑھے پڑے ہوتے تھے۔ وہ سڑک کے کنارے کنارے جا رہے تھے۔ کبھی کبھی سڑک پر سے فوجی گاڑیاں گزر جاتی تھیں۔

جب کوئی فوجی گاڑی گزرتی تو دونوں جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو جاتے۔ اسی طرح چلتے چلتے وہ ریلوے لائن پر آ گئے۔ اب انہوں نے ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ دو تین میل چلنے کے بعد ایک ریلوے سٹیشن آ گیا۔ پلیٹ فارم پر فوجی اپنا سامان رکھے گاڑی کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ عنبر نے کہا۔

" یہاں ہمیں پہچانا جا سکتا ہے۔ ضرور کیمپ کے جاسوس ہماری تلاش میں یہاں موجود ہوں گے "

" تو پھر ہم کدھر جائیں؟ "

" میرا خیال ہے ہمیں پلیٹ فارم کی دوسری طرف

جاکر لیور پول جانے والی ٹرین کا انتظار کرنا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے"

وہ پلیٹ فارم کی دوسری طرف آ گئے۔ یہاں فوجی پولیس کے آدمی نہیں تھے۔ اب انہیں بھوک لگ رہی تھی۔ عنبر کے پاس کچھ روپے تھے۔ انہوں نے کونے میں ایک جگہ بیٹھ کر چائے اور ڈبل روٹی سے پیٹ کی آگ بجھائی اور ایک آدمی سے ٹرین کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا۔

"لیور پول جانے والی ٹرین ایک گھنٹے میں آئے گی۔"

عنبر باہر جاکر لیور پول کے دو ٹکٹ لے آیا۔ اب وہ ایک جگہ چھپ کر ٹرین کا انتظار کرنے لگے۔ خدا خدا کرکے ٹرین آ کر پلیٹ فارم پر رک گئی۔ عنبر اور ہومر پلیٹ فارم کی دوسری طرف سے ٹرین کے ایک ڈبے میں سوار ہو گئے۔ کچھ فوجی بھی اس ڈبے میں آ کر بیٹھ گئے۔ عنبر نے ہومر کو اشارہ کیا کہ ہوشیار رہے۔ ہومر نے منہ کھڑکی سے باہر کر لیا۔ عنبر نے بھی کھڑکی سے باہر منہ کر لیا۔ ٹرین کچھ دیر رکنے کے بعد اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئی۔

سارا دن ریل گاڑی چلتی رہی۔ راستے میں کسی جگہ تھوڑی دیر کو رکتی اور پھر روانہ ہو جاتی۔ اس دوران میں دو بار ٹکٹ چیک کرنے والا آیا۔ اسے ہومر اور عنبر پر کوئی شک نہ ہوا۔ خدا خدا کرکے

ٹرین لیور پول کے سٹیشن میں داخل ہوئی۔ یہ بہت بڑا جنکشن تھا۔ ہر پلیٹ فارم پر فوجی بیٹھے گاڑیوں کا انتظار کر رہے تھے۔ دوسری سواریوں کے ساتھ عنبر اور ہومر بھی سٹیشن سے باہر نکل آئے۔

شام ہو رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"پہلے کھانا کھایا جائے۔"

انہوں نے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ پھر ایک سستے سے ہوٹل میں کمرہ لیا نہا دھو کر تازہ دم ہوئے اور بندرگاہ کی طرف جائزہ لینے نکل گئے۔ وہاں سخت پہرہ لگا تھا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ بندرگاہ کے اندر قدم رکھ سکیں۔ انہوں نے دور سے کچھ جنگی جہازوں کو دیکھا۔

ہومر نے کہا۔

"یہ امریکی جنگی جہاز ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اتحادی فرانس کے ساحل سے کوئی زبردست حملہ کرنے تیاریاں کر رہے ہیں"

عنبر نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ایئر پورٹ پر جاکر قسمت آزمانی چاہیے"

ہومر ہنس کر بولا۔

"مسٹر عنبر! تم عجیب باتیں کرتے ہو۔ بھلا ہم کسی ہوائی جہاز میں کیسے سوار ہو سکتے ہیں یہاں سے صرف فوجی جہاز فوجیوں کو لے کر ہی جاتے ہیں۔ ہم کیسے جا سکتے ہیں"

عنبر نے کہا۔

"تمہیں میری باتیں عجیب لگتی ہیں لیکن جب تم نے میرے کمال دیکھے تو پھر تمہیں یقین آئے گا۔ تم ایسا کرو کہ ہوٹل کے کمرے میں جاکر آرام کرو۔ میں اکیلا ہی کوئی بندوبست کرتا ہوں"

ہومر ہوٹل میں چلا گیا۔ عنبر وہاں سے سیدھا فوجی ایئرپورٹ پر آگیا۔ یہاں بھی سخت پہرہ لگا تھا۔ عنبر نے ایک فوجی سے پوچھا۔

"بھائی میں بیکار ہوں۔ کیا یہاں کوئی کام مل سکتا ہے؟"

"تم کہاں سے آتے ہو؟ کون ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ ایک عرصے سے لندن شہر میں محنت مزدوری کرتا تھا۔ اب وہاں کام نہیں رہا۔ یہاں آگیا ہوں۔ اگر کوئی کام مل جائے تو دو وقت کی روٹی تو مل جائے گی"

فوجی کو عنبر پر ترس آگیا۔ اس نے کہا۔

"کل صبح آنا۔ میں کوئی انتظام کر دوں گا"

دوسرے دن عنبر کو فوجی ہوائی اڈے پر کام مل گیا۔ اس کا کام یہ تھا کہ جو ہیلی کاپٹر یا جہاز آکر رکتے ہیں ان کی صفائی وغیرہ کی جائے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر عنبر نے معلوم کر لیا کہ کون سا جہاز کس وقت جاتا ہے اور کون سا ہیلی کاپٹر کس جگہ پر رات کو کھڑا ہوتا ہے۔ پندرہ بیس دن کی نوکری کے بعد اسے سب کچھ معلوم ہوگیا۔ ایک دن اس نے ہومر سے کہا۔

"آج رات میرے ساتھ چلنا"

"کہاں؟" ہومر نے پوچھا۔

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"ہم جرمنی جائیں گے"

"وہ کیسے؟"

"شی! تم سوال کرنے بند کر دو۔ بس جیسے میں کہتا ہوں ویسے ہی کرتے جاؤ۔"

دوسرے دن آدھی رات کو عنبر نے ہومر کو ساتھ لیا اور ہوائی اڈے کے پیچھے سے ہو کر ایک جگہ سے اندر داخل ہوگیا۔ یہاں بڑے بڑے ہینگر بنے تھے جن کے اندر چھوٹے ہوائی جہاز رکھے ہوئے تھے۔ ایک خالی رنگ کا چھوٹا جہاز کونے میں کھڑا تھا۔ عنبر نے

اس جہاز میں دن کے وقت ہی کافی پٹرول وغیرہ بھر لیا
ایک فوجی وہاں پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر نے ہومر سے کہا۔

"تم یہاں ٹھہرو۔ میں اشارہ کروں تو آ جانا۔"

عنبر اس فوجی کے پاس گیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ اس
فوجی نے پوچھا۔

"تم رات کے وقت ادھر کیا کر رہے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"آج میری ڈیوٹی رات کی لگی ہے۔"

ادھر ادھر کی باتوں کے بعد موقع دیکھ کر عنبر نے پہرے دار فوجی
کی گردن پر ایک مکا مار کر اسے بے ہوش کر دیا۔ پھر سیٹی
بجائی۔ ہومر بھاگ کر آ گیا عنبر نے کہا۔

"میرے ساتھ جہاز میں آ جاؤ۔"

دونوں جہاز میں سوار ہو گئے۔ عنبر نے جہاز کا انجن چلا دیا اور
اسے رن وے پر چلاتا ہوا اس مقام پر لے گیا جہاں سے
پوری رفتار سے چلتا ہوا ہوا میں بلند ہو جاتا ہے۔ کنٹرول ٹاور
والوں نے وائرلیس پر پوچھا۔

"اس جہاز کو کون چلا رہا ہے؟"

عنبر ساری باتیں جانتا تھا۔ اس نے کہا۔

"میں راجہ ہوں! ہیلو میں فوجی دیکھ بھال کے لیے
اڑنے والا ہوں۔ موسم کیسا ہے مجھے بتایا جائے۔
ہیلو! ہیلو؟"

دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہیلو راجہ! موسم ٹھیک ہے۔ مگر تمہاری فلائیٹ
کے بارے میں کچھ نہیں لکھا؟"

عنبر نے کہا۔

"میں ایمرجنسی فلائٹ پر جا رہا ہوں۔"

"اوکے تم اڑ سکتے ہو۔"

کنٹرول والوں نے سوچا کہ کوئی اپنا فوجی افسر ہی ہو گا جو جہاز
کو اڑانے والا ہے۔ کسی دوسرے آدمی کی اتنی جرأت ہی نہیں
ہو سکتی۔ عنبر نے انجن کو پوری طاقت سے چلا دیا۔ جہاز نے
بڑی تیزی سے رن وے پر اڑنا شروع کر دیا۔ ایک خاص جگہ
پر جا کر جہاز فضا میں بلند ہو گیا۔ فضا میں بلند ہوتے ہی ہومر
نے اطمینان کا سانس لیا۔ عنبر نے کہا۔

"نقشہ نکال کر سامنے رکھ دو۔"

ہومر نے نقشہ نکال کر سامنے کھول کر رکھ دیا۔ انہوں نے
نقشے کے مطابق جہاز کا رخ ایک طرف کو کر دیا۔ رات ہو
گئی تھی۔ نیچے بلیک آؤٹ کی وجہ سے اندھیرا تھا۔ اب وہ

نقشے کے مطابق ہی آگے پرواز کر رہے تھے۔ کوئی دو گھنٹے
کے بعد وہ فرانس کے اوپر سے گزر رہے تھے۔ فرانس پر
اتحادیوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور جرمن فوجوں کو پیچھے دھکیل دیا
گیا تھا۔ یہاں پیرس کے کنٹرول ٹاور نے اس سے پوچھا۔

"ہیلو! تم کون ہو اور کدھر جا رہے ہو۔"

عنبر نے وائرلیس پر کہا۔

"ہیلو راجہ! میں چھ سات آٹھ فلائیٹ پر ہوں۔"

یہ نمبر خفیہ ایئرفورس والوں کا تھا اور ان جہازوں کو اجازت
تھی کہ وہ جس وقت چاہیں فضا میں اڑ سکتے تھے اور اپنے
علاقوں سے بے روک ٹوک گزر سکتے تھے۔ مگر جب ان کا
جہاز فرانس کی سرحد پار کر کے جرمنی یعنی دشمن کی سرحد میں
داخل ہوا تو نیچے سے طیارہ شکن توپوں نے گولیاں چلانی شروع
کر دیں۔ عنبر جہاز کو اور اوپر لے گیا۔ گولیاں اندھیرے میں
ان کے جہاز قریب سے گزر رہی تھیں۔

"جہاز کا رخ شمال مشرق کی طرف کر دو عنبر؟"

"خاموش بیٹھے رہو۔"

"شمال مشرق کی سمت ہمارا علاقہ شروع ہوتا ہے۔"

"میں ادھر ہی جا رہا ہوں۔ تم فوراً پیراشوٹ باندھ
کر تیار ہو جاؤ۔"

عنبر نے بھی پیراشوٹ باندھ لیا۔ اب انہوں نے دیکھا کہ دو
جہاز ان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے راکٹ پھینکے۔ ایک
راکٹ عنبر کے بالکل سر کے اوپر سے ہو کر گزر گیا۔ ان کے پاس کوئی
مشین گن یا راکٹ گن نہیں تھی۔ ان کا جہاز بھی کمزور اور چھوٹا
سا تھا۔ دونوں جہاز جرمن ایئرفورس کے لڑاکا ہوائی جہاز تھے۔
انہوں نے عنبر کے جہاز پر گولیاں اور راکٹ برسانے شروع کر
دیئے۔ ایک راکٹ جہاز کی دم میں لگا اور آگ کا شعلہ بھڑک
اٹھا۔ عنبر نے چیخ کر کہا۔

"ہومر! چھلانگ لگا دو۔"

پہلے ہومر نے چھلانگ لگائی۔ اس کے بعد عنبر جہاز میں سے باہر
فضا میں کود پڑا۔ ان کے پیراشوٹ کھل گئے اور وہ ہوا میں
تیرتے ہوئے نیچے کھیتوں میں آ کر گر پڑے۔ جلدی جلدی انہوں
نے اپنے آپ کو پیراشوٹ کی رسیوں سے الگ کیا اور ایک
طرف کو بھاگے۔ آگے انہیں دور شہر کی دھیمی دھیمی روشنی
نظر آئی۔ جو تھوڑی دیر بعد بجھ گئی۔ دونوں ایک جگہ رک کر
سانس درست کرنے لگے۔ عنبر نے پوچھا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ ہم کس مقام پر گرے ہیں؟"
ہومر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہاں سے ہمارا قصبہ کوئی دس

پندرہ میل شمال مشرق میں واقع ہے۔ مگر ۔ مگر
مجھے اپنے قصبے کی طرف آگ کے شعلے نظر آرہے
ہیں"

عنبر نے کہا۔

"دس پندرہ میل کے فاصلے پر سے آگ کے شعلے
کبھی نظر نہیں آتے۔"

"لیکن میرا دل کہتا ہے کہ ادھر آگ لگی ہے"

عنبر نے کہا۔

"ادھر ضرور کوئی پٹرول کا ذخیرہ تباہ ہوا ہے"

ہومر بولا۔

"ہمیں رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے
یہاں سے نکل جانا چاہیے"

"کیا تمہیں راستے کا علم ہے؟"

"ہاں! ایسے لگتا ہے کہ میں ان راستوں کو پہچانتا ہوں"

"تو پھر چلو۔"

ہومر نے عنبر کو ساتھ لیا اور وہ اندھیرے میں کھیتوں سے گزرتے
ایک چھوٹے سے جنگل میں آگئے۔ یہاں سے نکلے تو پھر کھیتوں
کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اب انہیں سامنے ایک بلند مینار نظر
آیا جو رات کے اندھیرے میں ایک سائے کی طرح لگ رہا تھا۔

ہومر نے خوش ہوکر کہا۔

"یہ لال ٹاور ہے۔ یہاں سے دو میل دور میرا گاؤں
ہے"

"بہت خوب۔ جلدی چلو۔ دن کی روشنی نکلنے سے
پہلے پہلے ہمیں گاؤں پہنچ جانا چاہیے"

جوں جوں وہ گاؤں کے قریب آرہے تھے، انہیں توپوں کی
آوازیں آنا شروع ہوگئی تھیں۔ دور آسمان پر اندھیرے میں
گولوں کی چمک بھی پڑ رہی تھی۔

ہومر نے کہا۔

"یہ ضرور روسی فوجوں کی گولہ باری ہے۔ روسی فوجیں
ہمارے ملک میں کافی آگے آچکی ہیں خدا کرے کہ
میرے ماں باپ گھر پر ہوں۔"

عنبر نے کہا۔

"جلدی جلدی چلو۔"

انہیں گاؤں پہنچتے پہنچتے صبح ہوگئی۔ دن کی روشنی میں انہوں نے
دیکھا کہ گاؤں بمباری کی وجہ سے تباہ ہوگیا ہے۔ مکان گرے
پڑے ہیں۔ کہیں کہیں سے دھواں نکل رہا ہے۔ ان کا اپنا مکان
بھی گر چکا تھا۔ ہومر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"خدا جانے میرے ماں باپ اور بہن بھائی کدھر ہوں

گے۔ زندہ بھی ہوں گے کہ نہیں"

عنبر نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"حوصلہ رکھو میرے بھائی! کسی شخص سے پوچھتے ہیں۔"

"مگر یہاں تو کوئی انسان نظر نہیں آ رہا۔"

انہوں نے گاؤں کے کھنڈروں میں چل پھر کر دیکھا کہ ایک ٹوٹی پھوٹی دکان کے پاس ایک بڈھا بیٹھا تھا۔ ہومر نے اسے پہچان لیا۔

"انکل! میں ہومر ہوں۔ میرے ماں باپ کہاں ہیں؟"

انکل نے بوڑھی پلکیں اٹھا کر ہومر کو دیکھا۔ اسے پہچان لیا۔ پھر اداس آواز میں کہا۔

"سب کچھ ختم ہو گیا بیٹا ہومر!"

"کیا میرے ماں باپ ۔۔۔۔"

اس سے آگے ہومر نہ کہہ سکا۔ انکل نے کہا۔

"تمہارے ماں باپ مرنے سے بچ گئے ہیں مگر انہیں روسی لے گئے ہیں۔ وہ روس میں کہیں قیدی بن کر رہے ہوں گے۔ روسی قید سے تو موت بہتر تھی۔"

ہومر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کے ماں باپ زندہ تھے۔

اس نے بہترا کریدا مگر انکل سوائے اس کے کچھ نہ بتا سکا کہ اس کے ماں باپ اور ایک بہن اور ایک بھائی کو روسی ایک ٹرک میں بٹھا کر پیچھے لے گئے تھے۔ ہومر نے انکل کا شکریہ ادا کیا اور عنبر سے پوچھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ لوگ میرے ماں باپ کو کہاں لے گئے ہوں گے؟"

عنبر نے کہا۔

"یہ تو کسی روسی فوجی سے ہی معلوم ہو سکے گا کہ ان کا قیدی کیمپ کس جگہ پر ہے؟"

قصبے میں صرف انکل کا مکان بچ گیا تھا۔ انکل ان دونوں کو اپنے گھر لے گیا۔ وہاں انہوں نے نہا دھو کر کپڑے تبدیل کیے۔ کھانا کھایا اور سو گئے۔ سو کر اٹھے تو دوپہر گزر چکی تھی۔ اب انہوں نے تازہ دم ہو کر سوچنا شروع کر دیا کہ کیا کرنا چاہیے؟

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم اسی قصبے میں انکل کے پاس ٹھہرو میں تمہارے ماں باپ کی تلاش میں نکلتا ہوں۔"

ہومر بولا۔

"نہیں نہیں میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔"

عنبر بولا۔

"ہومر ایسی باتیں نہ کرو۔ تم انکل کے پاس رہ کر میرا
انتظار کرو۔ ہاں مجھے اپنے ماں باپ کی کوئی نشانی بتا
دو جس سے میں انہیں پہچان جاؤں کہ وہ تمہارے ماں
باپ ہیں۔"

انکل نے کہا۔

"میرے پاس ان کی ایک تصویر ہے جس میں ہومر بھی
کرسی پر بیٹھا ہے۔"

"ضرور لائیں وہ تصویر" عنبر نے کہا۔

انکل نے تصویر لاکر دکھائی۔ اس میں ہومر کے ماں باپ اور ہومر
بیٹھے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"بس ٹھیک ہے۔ اب میں جاتا ہوں اور بہت جلد میں
تمہارے ماں باپ کا سراغ لگا کر بلکہ انہیں ساتھ لے کر
یا کسی محفوظ جگہ پہنچا کر تمہارے پاس آؤں گا۔ تم اس جگہ
سے کہیں مت جانا۔"

عنبر نے انکل سے اس علاقے کا سارا نقشہ معلوم کر لیا تھا۔ وہ سیدھا
روسی فوجوں کی توپوں کی طرف روانہ ہوگیا۔ آدھی رات کے بعد وہ اس
مقام پر پہنچ گیا جہاں روسی توپیں گولہ باری کر رہی تھیں۔ عنبر عام
شہریوں کے لباس میں تھا اور سانولی رنگت کی وجہ سے انڈین
لگتا تھا۔ اور انڈین فوج روسیوں کی حمایت میں لڑ رہی تھی۔ جب

وہ توپوں کے علاقے میں آیا تو اسے ایک سپاہی نے پستول دکھا
کر پکڑ لیا۔

"کون ہو تم؟"

عنبر نے کہا۔

"میں انڈین فوجی ہوں اور راستہ بھول کر ادھر آن
نکلا ہوں"

روسی نے کہا۔

"مگر انڈین فوج یورپ کے محاذ پر بالکل نہیں لڑ رہی۔"

یہ بات عنبر کے وہم گمان میں بھی نہیں تھی کہ انڈین فوج صرف
شمالی افریقہ اور جاپان کے محاذ پر ہی لڑ رہی تھی۔ یورپ میں ایک
بھی انڈین فوجی نہیں تھا۔ روسی سپاہی نے اسے اسی وقت گرفتار
کر لیا اور ایک ٹرک میں بٹھا کر پیچھے بھجوا دیا۔ باقی آدھی رات
ٹرک جرمنی کے کھیتوں اور سڑکوں میں چلتا رہا۔ یہاں سے عنبر
نے اندازہ کیا کہ جرمن فوجیں کافی آگے بڑھ آئی تھیں۔ روسیوں
نے عنبر کو بہت پیچھے روسی سرحد کے اندر ایک ویران سے علاقے
میں جاکر ایک کیمپ میں قید کر دیا۔ اس کیمپ میں بہت تھوڑے
قیدی تھے۔ عنبر بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ آسانی سے ہومر کے ماں
باپ کا پتہ لگا سکے۔

عنبر کو ایک کوٹھڑی میں ڈال دیا گیا جہاں کسی نے اس کی خبر نہ لی

رات کو اسے صرف ایک سوکھی ڈبل روٹی اور تھوڑا سا پانی دیا گیا۔
دوسرے روز اس سے پوچھ گچھ شروع ہوگئی۔ یہ بڑا کٹھن مرحلہ
تھا۔ عنبر ویسے اس میں سے کئی بار گزر چکا تھا۔ روسیوں نے عنبر
کے بازو رسی سے کرسی کے پیچھے باندھ دیئے۔ وہ بار بار پوچھتے کہ
تم کس کے لئے جاسوسی کر رہے ہو اور تمہارے ساتھی کہاں کہاں
ہیں؟ عنبر بار بار یہی کہتا کہ وہ جاسوس نہیں ہے۔ مگر اس کی
بات پر کوئی اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ آخر اس کی قمیص اتار دی گئی
اور ایک روسی نے جلتا ہوا سگریٹ لے کر عنبر کے سینے پر لگایا۔
عنبر یہی چاہتا تھا کہ ایسا کچھ ہو تاکہ اس کی طاقت ظاہر ہو جائے۔
روسی نے اپنی طرف سے یہ سوچ کر سگریٹ لگایا تھا کہ عنبر درد
سے تڑپ اٹھے گا۔ مگر وہاں یہ ہوا کہ جونہی روسی نے جلتا ہوا سگریٹ
عنبر کے ننگے جسم پر لگایا سگریٹ بجھ گیا اور عنبر اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔
روسی نے سگار سلگا کر عنبر کے جسم پر لگایا۔ سگار بھی بجھ گیا۔ دونوں
روسی جھک کر عنبر کے جسم کو تکنے لگے۔

"کیا بات ہے؟ اس قیدی نے جسم پر مینڈک کی چربی
تو نہیں ملی ہوئی۔ کیونکہ مینڈک کی چربی ملنے سے آگ
جسم پر اثر نہیں کرتی۔"

دوسرے روسی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ماچس جلا کر اس کے کان پر لگاؤ۔ ساری مینڈک کی

چربی پگھل جائے گی۔"

دوسرے روسی نے ماچس جلائی۔ اس کا شعلہ لگا۔ عنبر چپ چاپ
بیٹھا یہ تماشہ دیکھتا رہا۔ روسی نے ماچس کا شعلہ عنبر کے کان
کے نیچے رکھ دیا۔ کوئی دوسرا ہوتا تو تڑپ کر چیخ مارتا مگر عنبر بڑے
سکون سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ اس پر آگ کا ذرا بھی اثر نہ
ہوا۔ ماچس ساری کی ساری جل کر بجھ گئی اور عنبر مسکراتا رہا۔ اب
تو روسی بڑے حیران ہوئے کہ معاملہ کیا ہے۔ یہ شخص تو کوئی
بھوت معلوم ہوتا ہے کہ اس پر آگ کا اثر ہی نہیں ہوتا۔

دونوں روسی اندر گئے۔ اب ان کے ساتھ ایک گنجا روسی
ڈاکٹر بھی آگیا۔ گنجے ڈاکٹر نے عنبر کے جسم کو چیک کیا اور بولا۔

"بالکل نارمل جسم ہے پھر اس پر آگ کا اثر کیوں
نہیں ہوتا؟"

عنبر نے روسی زبان میں کہا۔

"تم اگر مجھے دہکتی آگ میں بھی ڈال دو گے تو میں
زندہ باہر نکل آؤں گا۔"

تینوں روسی چونکے۔

"تم روسی زبان جانتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میں دنیا کی ساری زبانیں جانتا ہوں۔ میں وہ زبان

بھی جانتا ہوں جس زبان میں پرندے آپس میں باتیں
کرتے ہیں۔"

روسی ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ پھر گنجے ڈاکٹر نے عنبر کے جسم
میں سے ایک سرنج کے ذریعے خون نکالنا چاہا مگر سرنج ٹوٹ گیا
سوئی اس کے بدن میں داخل نہیں ہو رہی تھی۔ روسی ڈاکٹر بھونچکا
رہ گیا۔ اس نے دوسری بار سوئی داخل کرنے کی کوشش کی۔
اس بار بھی سوئی ٹوٹ کر گر پڑی۔ عنبر نے کہا۔

"آپ لوگ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں مجھ
پر چاقو خنجر اور گولی تک اثر نہیں کرتی یہ چھوٹی
سی سوئی کیا کرے گی بھلا؟"

روسی ڈاکٹر نے عنبر کو گھور کر تکتے ہوئے کہا۔

"سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟"

عنبر نے بھی ڈاکٹر کو گھور کر تکتے ہوئے کہا۔

"میں بھوت ہوں۔"

اور پھر قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ اور ذرا سا جھٹکا لگا کر اس
نے اپنے ہاتھوں کی رسی توڑ ڈالی۔ روسی پرے ہٹ گئے۔
ایک نے پستول نکال کر عنبر پر فائر کر دیا۔ گولی عنبر
کے بازو سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔ عنبر نے زمین پر
سے گولی اٹھا کر روسی سے کہا۔

"اسے سنبھال کر رکھ لو۔ تمہارے کام آئے گی۔"

○

باغی ملاح

○

روسی تو دنگ ہو کر رہ گئے۔

انہوں نے ساری زندگی ایسا انسان نہیں دیکھا تھا جو مر نہ سکے۔ جس پر گولی آگ اثر نہ کرے۔ اسی وقت اوپر اطلاع کی گئی۔ ایک روسی جنرل نے عنبر کو طلب کیا اور کہا۔

" اگر تم ٹینک لے کر آگے آگے بڑھو تو کیا تم دشمن کے گولوں میں زندہ رہ سکو گے؟"

عنبر نے کہا۔

" بالکل زندہ رہوں گا۔ مگر گولہ لگنے سے ٹینک تباہ ہو جائے گا۔ اسے تباہ ہونے سے نہ بچا سکوں گا۔ اس لئے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

جنرل نے اسی روز میٹنگ کی اور فیصلہ کیا کہ عنبر کو اس خلائی جہاز میں بھیجا جائے جو روسی زمین کے گرد چھوڑنے والے تھے۔ انہوں نے عنبر سے کہا۔

" میری صرف ایک شرط ہے۔"

" کونسی شرط ہے؟ بتاؤ۔"

عنبر نے ہومر کے ماں باپ کی تصویر دکھا کر کہا کہ ان لوگوں کو فوراً رہا کر کے جرمنی میں ان کے گھر پہنچایا جائے۔ روسی جنرل نے تصویر دیکھ کر حکم دیا کہ ان قیدیوں کو فوراً رہا کر کے ان کے گھر پہنچایا جائے۔ اسی وقت ہومر کے ماں باپ کو رہا کر دیا گیا۔ عنبر ان سے خود ملا اور ہومر کے بارے میں بتایا کہ وہ انکل کے گھر میں ان کا انتظار کر رہا ہے۔ ہومر کے ماں باپ بڑے خوش ہوئے۔ انہوں نے عنبر کا شکریہ ادا کیا اور ایک ٹرک میں بیٹھ کر اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔

جنگ ختم ہو رہی تھی۔ جرمنی ہار گیا تھا۔ روسی فوجیں برمن میں داخل ہو چکی تھیں۔ ایک مہینے بعد روسیوں نے ایک خلائی جہاز سپوتنک خلا میں چھوڑنے کا پروگرام بنایا۔ اور اس میں انہوں نے عنبر کو خلائی لباس پہنا کر بٹھا دیا۔ اسے کہا گیا تھا کہ وہ خلا میں جا کر انہیں زمین پر ضروری معلومات روانہ کرے۔ عنبر بے بس ہو گیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو وہاں سے نکل کر بھاگ سکتا تھا۔ مگر پھر بڑی تباہی ہوتی۔ کئی بے گناہ لوگ مارے جاتے۔ یہ بات عنبر کو گوارا نہیں تھی۔ پس اس نے خلائی جہاز میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

عنبر نے سوچا کہ وہ خلائی جہاز میں بیٹھ کر ناگ اور ماریا کا بھی

پتہ چلالے گا کہ وہ کس جگہ پر ہیں۔ کیونکہ خلائی جہاز کے اندر ایک
ایسی دوربین لگی تھی جس میں سے زمین کی ایک ایک شے نظر آ
جاتی تھی۔ عنبر کو خاموشی سے ایک خاص ہوائی جہاز میں سوار کروا کر
روس کے علاقے سائبیریا کے ایک خاص ہیلی پیڈ پر لے جایا گیا۔
یہاں اسے لیبارٹری کے خفیہ کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کسی کو اس
سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ روس والے نہیں چاہتے تھے
کہ دوسرے ملک کے جاسوسوں کو یہ پتہ چلے کہ وہ خلا میں
ایک ایسے نوجوان کو بھیج رہے ہیں جس پر آگ وغیرہ کا بالکل اثر
نہیں ہوتا۔ ایک ہفتے تک عنبر کو خاص ٹریننگ دی جاتی رہی۔
عنبر بہت جلد سب کچھ سیکھ گیا۔ دوسرے ہفتے اس کو خلا میں
گھومنے پھرنے کی مشق کرائی گئی۔ تیسرے ہفتے رات بارہ بجے
اسے خلائی لباس پہنا کر خاص گاڑی میں بٹھا کر اس مقام پر
لایا گیا جہاں اسے راکٹ کے اوپر لگے ہوئے خلائی جہاز میں سوار
کرانا تھا۔

یہ راکٹ جس کا نام سپوتنگ تھا ایک دریا کے کنارے بہت
بڑے ہیلی پیڈ پر کھڑا تھا اور اس کے اوپر ایک خلائی جہاز رکھا
ہوا تھا۔ الٹی گنتی شروع ہو چکی تھی اور جس وقت عنبر کی خفیہ
گاڑی وہاں آ کر رکی اس وقت چھ سو پچاس تک گنتی پہنچ
چکی تھی۔ عنبر کو ایک خاص کمرے میں لے جا کر آخری چیکنگ کی

گئی۔ اس کا وزن کیا گیا اور پھر اسے ایک لفٹ میں سوار
کرایا گیا۔ یہ لفٹ بٹن دبانے سے اوپر روانہ ہوگئی۔ راکٹ کے
اوپر جاکر لفٹ خلائی جہاز کے دروازے پر جاکر رک گئی۔ عنبر لفٹ
میں سے نکل کر خلائی جہاز میں داخل ہوگیا۔ اس جہاز میں بے شمار
آلات لگے تھے۔ عنبر کو جہاز کی کرسی پر بٹھا دیا گیا اور اس کی
بیلٹ باندھ دی گئی۔

لفٹ نیچے چلی گئی۔ راکٹ اوپر اٹھنے کے لئے تیار تھا۔ ہر
شے راکٹ سے کافی دور کر دی گئی۔ گنتی چالیس تک آگئی۔
روسی سائنس دان اور ڈاکٹر لیبارٹری میں ٹیلی ویژن کی بڑی سکرین
کے آگے بیٹھ گئے اور غور سے راکٹ کو دیکھنے لگے۔ راکٹ کے
چلنے میں اب صرف چند سکینڈ ہی باقی رہ گئے تھے۔ گنتی اب اونچی
آواز میں لاؤڈ سپیکر پر بھی سنائی دینے لگی۔

گیارہ — دس — نو — آٹھ — سات
چھ — پانچ — چار — تین — دو۔

اور جب سپیکر پر 'ایک' کی آواز گونجی تو اس کے ساتھ ہی
راکٹ کے ایندھن کو آگ لگ گئی۔ اس کے نیچے سے نارنجی
اور سفید رنگ کا آتشیں لاوے کا ایسا شعلہ نکلا جو زبردست
آگ میں تبدیل ہوگیا۔ خوفناک شور بلند ہوا اور راکٹ نے اپنے
بل پر اوپر اٹھنا شروع کر دیا۔ ٹی وی سکرین پر روسی سائنس دان

بڑے غور سے راکٹ کو خلائی جہاز کے ساتھ اوپر اٹھتا دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خوشی اور مسرت کے جذبات تھے۔

راکٹ زبردست شعلہ پیچھے چھوڑتا اوپر ہی اوپر رات کی تاریکی میں اٹھتا چلا جا رہا تھا۔ اس شعلے کی وجہ سے وہاں رات میں بھی دن کی روشنی پھیل گئی۔ عنبر کو خلائی جہاز کے اوپر اٹھتے ہی ایک زبردست دھچکا سا لگا۔ وہ بھی سکرین پر زمین کو دیکھ رہا تھا۔ راکٹ کے اوپر اٹھتے ہی زمین کی عمارتیں دور ہونے لگی تھیں۔ نیچے سے وائرلیس پر آوازیں آنے لگی تھیں۔

"ہیلو نمبر سیون! ہیلو نمبر سیون! کیا تم ٹھیک ہو؟ کیا ساری مشینیں ٹھیک کام کر رہی ہیں؟"

عنبر کا خلائی نام نمبر سیون رکھا گیا تھا۔ عنبر نے جواب دیا۔

"ہیلو سپوتنگ مشین! نمبر سیون بول رہا ہوں۔ ہر شے بالکل ٹھیک ٹھاک کام کر رہی ہے۔"

"کیا تمہیں چکر تو نہیں محسوس ہو رہے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تم چودہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اوپر اٹھ رہے ہو نمبر سیون! یہ رفتار بڑھتی جا رہی ہے اب تم بیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اوپر جا رہے ہو۔"

"یس سپوتنگ مشن! میں سوئیوں پر اپنی رفتار کو پڑھ

رہا ہوں۔ میٹر تیس میل کی بلندی ظاہر کر رہا ہے۔"

"ہیلو سیون! تم اس وقت زمین سے پچاس میل اوپر جا چکے ہو۔"

"یس سپوتنک مشن!"

"نمبر سیون! تم اس وقت زمین سے نوے میل کی بلندی پر جا چکے ہو اور تمہاری رفتار بائیس ہزار میل فی گھنٹہ ہو گئی ہے۔"

"یس!"

"کیا تم اپنے آپ کو ٹھیک محسوس کر رہے ہو؟"

"بالکل ٹھیک محسوس کر رہا ہوں۔"

"نمبر سیون! تمہاری رفتار اس وقت پندرہ ہزار میل فی گھنٹہ ہو گئی ہے۔ تم خلا کے قریب پہنچ رہے ہو۔ اس لئے تمہاری رفتار کم ہو گئی ہے۔ تمہارا آخری راکٹ اب جل رہا ہے۔ یہ راکٹ جلنے کے بعد تمہیں اچھال کر خلا میں پھینک دے گا۔"

"اوکے سپوتنک مشن۔"

"نمبر سیون! تم اس وقت زمین سے ایک سو بیس میل کے فاصلے پر ہو اور تمہاری رفتار دس ہزار میل فی گھنٹہ کر دی گئی ہے کیونکہ یہاں زمین کی کشش بے حد

کم ہو گئی ہے۔"

"یس۔ یس۔ او کے۔"

"نمبر سیون! تم اس وقت زمین سے ایک سو چالیس میل کے فاصلے پر آ چکے ہو۔ تم اب خلا میں داخل ہونے والے ہو۔ ہر ایک شے چیک کرو۔"

عنبر سکرین میں سے نیچے زمین کا نظارہ کر رہا تھا۔ وہ جس وقت زمین سے چلا تھا وہاں آدھی رات کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اب اسے زمین ایک بہت بڑے گولے کی شکل میں نظر آ رہی تھی جس کا آدھا حصہ سیاہ اور اندھیرا تھا اور دوسرا آدھا حصہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ زمین کا آدھا حصہ وہ ہے جہاں اس وقت رات ہے اور دوسرا آدھا حصہ وہ ہے جہاں اس وقت دن ہے اور سورج چمک رہا ہے۔ ستارے زمین پر اسے جھلمل جھلمل کرتے نظر آتے تھے۔ یہاں بجلی کے بلب بن کر چمک رہے تھے جو جھلملا نہیں رہے تھے۔ کیونکہ وہ زمین کی ذرات والی فضا سے اوپر آ چکا تھا۔ آسمان جو زمین پر نیلا دکھائی دیتا تھا یہاں بالکل سیاہ نظر آ رہا تھا۔

"ہیلو نمبر سیون! تم خلا میں جانے والے ہو۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر کو ایک ہلکا سا جھٹکا محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے کرسی سمیت پکڑ کر اوپر کو اچھال دیا ہو۔ یہ راکٹ کی

آخری کوشش تھی۔ راکٹ اب اس سے الگ ہو چکا تھا اور عنبر کا خلائی جہاز سپوتنک، اب خلا میں آ گیا تھا اور اس نے زمین کے گرد گردش کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ ڈیڑھ سو میل کی بلندی پر سے زمین کے اوپر سے گزرنے لگا تھا۔ زمین پر اسے ہر شے دھندلی دھندلی دکھائی دے رہی تھی۔ جہاں دن تھا وہاں کی ہر شے رنگدار یعنی بھوری نیلی اور سفید نظر آ رہی تھی۔ جب وہ رات والے حصے سے نکل آسمان کے دن والے حصے میں داخل ہونے لگا تو آسمان پر نارنجی نیلی زرد اور سرخ روشنیاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"ہیلو سپوتنک مشن! آسمان پر رنگ ہی رنگ بکھر گئے ہیں۔"

"نمبر سیون! تمہارے جہاز کا کیمرہ رنگین تصویریں ہمیں بھیج رہا ہے۔ ہم تمہیں بھی دیکھ رہے ہیں اور آسمان کے رنگ بھی دیکھ رہے ہیں۔ ایک بار پھر اپنی مشین چیک کرو اور ہمیں رپورٹ دو۔"

عنبر نے ساری مشینیں چیک کیں۔ ہر شے ٹھیک کام کر رہی تھی۔ اس نے نیچے گراؤنڈ مشن کو رپورٹ کر دی۔ انہوں نے پوچھا۔

"تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"بالکل ٹھیک ٹھاک محسوس کر رہا ہوں۔"

"کیا تمہارا سر تو نہیں چکرا رہا؟"

"بالکل نہیں۔ میں بڑے مزے میں ہوں۔"

"کیمرہ نمبر چھ اور راڈار نمبر آٹھ کا رخ ۳۵ ڈگری زمین کی طرف کر دو۔ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ امریکہ کی ایٹمی آبدوز سمندر کے کس حصے میں سفر کر رہی ہے۔"

عنبر نے کیمرے اور راڈار کا رخ خاص زاویے پر کر دیا۔ امریکہ نے ایک زبردست ایٹمی آبدوز بنائی تھی جو سمندر کے نیچے بڑی گہرائی میں کئی روز تک سفر کر سکتی تھی۔ روس کو امریکہ کی طرف سے خطرہ تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ امریکی آبدوز کس سمندر میں سفر کرتی ہے۔ راڈار نے فوراً گراؤنڈ مشن والے روسیوں کو بتا دیا کہ امریکہ کی ایٹمی آبدوز بحرالکاہل کے سمندر میں کافی گہرائی میں جنوب مشرق کی طرف جا رہی ہے۔

خلائی جہاز کے راڈار نے روسیوں کو ایٹمی آبدوز کا پورا علاقہ بتا دیا۔ روسی بڑے خوش ہوئے۔ سارا دن خلائی جہاز عنبر کو لے کر زمین کے گرد چکر لگاتا رہا۔ اس نے ابھی چھ روز تک خلا میں رہنا تھا۔ عنبر نے تیسرے دن ایک خاص کیمرہ لگا کر اس کی شعاع زمین پر ڈالی اور یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ ماریا اور ناگ کس جگہ پر ہیں۔ اس کیمرے کے ذریعے ایک سکرین پر زمین کی ہر شے صاف نظر آنے لگی تھی۔ جس طرح کہ

ٹیلی ویژن پر تصویریں نظر آتی ہیں۔ خلائی جہاز اس وقت آسٹریلیا کے اوپر سے گزر رہا تھا۔

عنبر نے آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں لوگوں کو سڑکوں پر چلتے پھرتے دیکھا۔ اب سمندر آگیا اور پھر خلائی جہاز کی سکرین پر برما اور ہندوستان کے شہروں کی تصویریں آگئیں۔ عنبر نے سوچا کہ اگر تو ماریا سڑک پر ہوئی تو وہ اسے ضرور دیکھ لے گا۔ اگر کسی ہوٹل یا عمارت کے اندر ہوئی تو پھر وہ اسے نظر نہ آسکے گی۔ عنبر نے کیمرے کا رخ اور نیچے کر دیا۔ اب خلائی جہاز ہندوستان کے شہروں کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ دہلی، متھرا، جھانسی، گوالیار، انارسی جل گاؤں، ناسک، پوری اور پھر بمبئی شہر آگیا۔ عنبر نے ماریا سے کہا تھا کہ وہ بمبئی کے تاج ہوٹل میں اس کا انتظار کرے۔ ضرور ماریا اسی ہوٹل میں ہوگی۔

خلائی جہاز بمبئی کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ نیچے سمندر کے کنارے کنارے بمبئی کے مشہور علاقے میرین ڈرائیو کی اونچی عمارتیں کھڑی تھیں۔ خلائی جہاز نے اب اسے بمبئی کا تاج ہوٹل دکھایا۔ عنبر نے غور سے دیکھا۔ تاج ہوٹل کے باہر دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ عنبر نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ماریا کو دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ اسے کہیں بھی نظر نہ آئی۔ اب اس کا

خلائی جہاز بمبئی کے ساحل کو پیچھے چھوڑ کر بحیرہ عرب میں داخل ہو رہا تھا۔ یعنی ہندوستان کا ساحل پیچھے رہ گیا تھا۔ اچانک عنبر نے دیکھا کہ ایک کشتی پر ماریا کی شعاعیں ابھر رہی ہیں۔

عنبر کو معلوم تھا کہ وہ ماریا کو نہیں دیکھ سکتا مگر خلائی جہاز میں جو زبردست کیمرہ لگا تھا اس میں اتنی طاقت تھی کہ وہ نظر نہ آنے والی شے کی شعاعیں اوپر پھینک دیتا تھا۔ عنبر نے ماریا کا عکس دیکھا۔ بالکل سفید کرنوں کا ایک خاکہ سا بنا ہوا تھا جو ہو بہو ماریا سے ملتا تھا۔ یہ ماریا تھی جو کشتی میں سوار سمندر کی سیر کر رہی تھی۔ عنبر نے سکرین پر دیکھا کہ کشتی میں دوسرے مسافر بھی تھے۔ خدا جانے ماریا کیا سوچ رہی تھی اور کہاں جا رہی تھی؟ کاش وہ عنبر کا سگنل سن سکتی؟

خلائی جہاز ماریا کے اوپر سے گزر گیا۔ نیچے سے عنبر کا خلائی جہاز بالکل ایک ستارہ دکھائی دیتا تھا جو آہستہ آہستہ آسمان پر آگے جا رہا تھا۔ ماریا نے ستارے کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ نیچے سے روسیوں نے کہا۔

"ہیلو نمبر سیون! تم کدھر کھو گئے ہو؟ کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا تم ہماری آواز سن رہے ہو؟"

"یس! سن رہا ہوں۔"

"ہم کب سے تمہیں بلا رہے ہیں۔"

عنبر اپنے خیال میں لگا تھا۔ ادھر روسی زمین پر سے اسے کئی بار سگنل دے کر بلا چکے تھے۔ عنبر نے نیچے اطلاع دی کہ وہ بالکل ٹھیک ہے اور خلائی جہاز کا ایک ایک پرزہ ٹھیک کام کر رہا ہے۔ روسیوں نے کہا۔

"ابھی تمہیں چار روز تک اسی طرح زمین کے گرد چکر لگانے ہیں۔ کیا تم بور تو نہیں ہو گئے؟"

"بالکل نہیں! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ خوش باش ہوں۔"

"شاباش!"

ادھر عنبر خلائی جہاز میں زمین کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ ادھر ماریا اسے بمبئی میں تلاش کرتے کرتے تنگ آ گئی تھی۔ جس وقت عنبر کا خلائی جہاز اس کے سر کے اوپر سے گزرا تھا تو وہ بور ہو کر کشتی میں سمندر کی سیر کرنے نکلی تھی۔ اسے ٹکٹ لینے کی تو ضرورت ہی نہیں تھی۔ بس ایک کشتی میں دوسرے مسافروں کے ساتھ سوار ہو گئی اور کشتی سمندر میں سیر کرانے لگی۔ بمبئی کا سمندر پر سکون اور نیلا نیلا تھا۔ اچانک ایسا ہوا کہ آسمان پر بادل چھا گئے اور تیز ہوا چلنے لگی۔ لہروں میں بھی جوش آ گیا۔ مانجھی نے کشتی کا رخ ساحل کی طرف پھیر دیا۔ مگر سمندر میں طوفان آ چکا تھا۔ اور کشتی ڈولنے لگی۔

مسافروں نے چلانا شروع کر دیا۔

مانجھی نے بڑی کوشش کی کہ وہ کشتی کو سنبھالے مگر کشتی نہ سنبھالی گئی۔ کشتی الٹ گئی اور ماریا بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ سمندر میں گر پڑی۔ خدا جانے دوسرے مسافروں پر کیا گزری۔ مگر ماریا سمندر کے نیچے سے اوپر ابھر آئی۔ طوفان میں سمندر کی لہریں اسے اٹھا کر دور سے دور لے جا رہی تھیں۔ ماریا سمندر میں بہتی بہتی بہت دور نکل گئی تھی۔ وہ کسی کو نظر نہیں آ سکتی تھی جس کی وجہ سے اگر وہاں کوئی ہوتا بھی تو اسے بچا نہ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ نظر آتی تو کوئی اسے سمندر سے باہر نکالتا۔ اسی اثنا میں عنبر کا خلائی جہاز زمین کا ایک چکر پورا کر کے ایک بار پھر ہندوستان کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ عنبر نے پھر غور سے زمین کو دیکھا۔ زمین پر ماریا نہیں تھی۔

جونہی وہ سمندر کے اوپر سے گزرا اس کے راڈار نے سکرین پر ماریا کی تصویر شعاعوں میں بنا کر پیش کر دی۔ عنبر نے دیکھا کہ ماریا کی شعاعیں سمندر میں تیر رہی ہیں اور ایک بہت بڑی شارک اس کے گوشت کی بو پا کر اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ عنبر ایک دم ہوشیار ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ طوفان میں کشتی الٹ گئی ہو گی۔ اس نے ماریا کو بچانے کا فیصلہ کر لیا۔

ماریا نے دیکھا کہ ایک خونخوار شارک اپنا منہ کھولے اس کی طرف آتی ہے اور پھر قریب سے ہو کر گزر جاتی ہے۔ شارک ماریا

کو دیکھ تو نہیں سکتی تھی مگر اسے ماریا کے جسم کی بو اس کی طرف کھینچے لئے جاتی تھی اور وہ اس کے قریب سے ہو کر نکل جاتی تھی۔ ماریا پریشان تھی کہ خدا جانے کب یہ شارک پچھلی اسے ہڑپ کرے۔

عنبر بھی خلائی جہاز میں شارک کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی تباہ کن شعاعی گن کا رخ شارک کی طرف کر دیا۔ نشانہ باندھ کر اس نے ایک انچ کے ہزارویں حصے کے ذریعے اسے کمپیوٹر پر درست کیا اور بڑے آلہ کا بٹن دبا دیا۔ خلائی جہاز کے نیچے سے سرخ رنگ کی ایک شعاع نکلی جو بجلی ایسی تیزی کے ساتھ نیچے سمندر میں گئی اور شارک پر گرتے ہی ایک دھماکے کے ساتھ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کر خاک کر دیا۔

ماریا نے شارک پر بجلی گرتے اور اسے تباہ ہوتے دیکھا تو بڑی خوش ہوئی۔ پھر خیال آیا کہ آسمان پر بادل بھی نہیں ہیں پھر یہ بجلی کہاں سے گر پڑی؟ عنبر اس بات سے خوش ہوا کہ ماریا کی جان بچ گئی۔ مگر وہ ماریا کو سمندر سے بچانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ماریا سے اتنی دور تھا کہ اپنی خواہش کے باوجود اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

یہی سوچتے سوچتے اس کا خلائی جہاز ماریا کے اوپر سے گزر گیا۔ ماریا نے بھی آسمان پر ایک ستارے کو گزرتے دیکھا تو

بڑی حیران ہوئی کہ یہ دن کے وقت کونسا ستارہ آسمان پر چکر لگا رہا ہے؟ مگر وہ کچھ سمجھ نہ سکی۔ ستارہ اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

ماریا سمندر میں بہتی چلی جا رہی تھی۔ سمندر میں اسے بہتے بہتے دو دن دو راتیں ہو گئیں۔ ایک روز اس نے سمندر کی لہروں کے اوپر سفید مرغابیوں کو اڑتے دیکھا۔ اس نے سوچا کہ ضرور زمین آ گئی ہے۔ ماریا نے سر اٹھا کر دیکھا۔ ذرا فاصلے پر ایک جہاز سمندر میں لنگر ڈالے کھڑا تھا۔ ماریا نے جہاز کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ یہ جہاز ایک جاپانی جنگی جہاز تھا۔ جو شکست کھا کر سمندر میں اسی جگہ لنگر ڈال کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جاپان کو جنگ میں شکست ہو چکی تھی۔ اس جہاز کے کپتان نے سوچا کہ اب واپس جاپان جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ امریکی اسے گرفتار کر لیں گے تو پھر کیوں نہ کچھ روز سمندر میں ہی بسر کئے جائیں۔ یہ سوچ کر سمندر میں ہی اس نے اپنے جہاز کو روک دیا۔ جہاز کا سارا عملہ جاپانیوں کا تھا۔ ماریا تیرتے تیرتے جہاز کے پاس آ گئی۔ اس وقت جہاز پر اس کا جاپانی باورچی کھڑا سمندر کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک جگہ سے سمندر میں پانی اچھل رہا ہے اور یہ اچھلتا ہوا دائرہ اس کے جہاز کی طرف بڑھ رہا ہے۔

یہ ماریا سمندر میں تیرتی ہوئی جہاز کی طرف آ رہی تھی۔ وہ

...کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ لہریں اپنے آپ ...رہی ہیں۔ سوچا کہ ضرور یہاں سمندر میں مچھلیاں اچھل کود ...رہی ہیں۔ جہاز کے پاس آ کر لہروں کی اچھل کود ختم ہو گئی۔ ...لنگر کا سہارا لے کر رک گئی۔ اب وہ لنگر کے ذریعے جہاز کے ...پر چڑھ آئی۔ وہ سخت تھک گئی تھی۔ عرشے پر آتے ہی وہ ...لیٹ گئی اور دیر تک اسی جگہ پڑی آرام کرتی رہی۔ جب ...تازہ دم ہوئی تو اٹھ کر اس نے دیکھا کہ وہ ایک جاپانی جہاز ...ہے جس پر توپیں لگی ہیں۔

اس کے کپڑے گیلے بھی ہو گئے تھے اور جگہ جگہ سے پھٹ ...گئے۔ وہ جہاز کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئی۔ یہاں اس نے ...کیبن میں کسی عورت کی آواز سنی جو بچے کو بلا رہی تھی۔ یہ ...کے جاپانی کپتان کی بیوی کا کیبن تھا۔ ماریا دروازے میں سے ...کر کیبن میں آ گئی۔ کیبن بڑی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔

ماریا سب سے پہلے کپڑے تبدیل کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ...سامنے الماریوں میں جاپانی عورت کے کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ ...نے بڑے آرام سے آگے بڑھ کر ایک جوڑا نکالا اور غسل خانے ...کر لباس تبدیل کر لیا۔ باہر نکل کر وہ جہاز کے باورچی خانے ...کچھ کھانے پینے کو آ گئی۔ یہاں اس نے دیکھا کہ سانپ اور ...کے پکوڑے تلے جا رہے تھے۔ ماریا نے منہ دوسری طرف

کر لیا اور باورچی خانے سے باہر آ گئی۔ وہ واپس جہاز کے کپتان کی بیوی کے کمرے میں آ گئی۔ یہاں ایک الماری میں بسکٹ وغیرہ رکھے تھے اور دودھ بھی گلاس میں پڑا تھا۔ ماریا نے بڑے سکون سے دودھ اٹھا کر پی لیا اور خالی گلاس میز پر رکھ دیا۔ یہ دودھ کپتان کی بیوی نے اپنے بچے کے لئے رکھا تھا جو قریب ہی فرش پر بیٹھا کھیل رہا تھا۔

کپتان کی بیوی نے جب خالی گلاس دیکھا تو بچے کو کہا۔

"دودھ تم نے پی لیا؟ شاباش!"

بچے نے کہا۔

"ماما! میں نے نہیں پیا۔"

"تو پھر کس نے پیا ہے بیٹے؟ گلاس تو خالی ہے۔"

"ماما! مجھے نہیں معلوم۔"

کپتان کی بیوی کچھ حیران ضرور ہوئی لیکن پھر سوچا کہ بچہ بھول گیا ہوگا۔ ماریا نے جی بھر کر بسکٹ کھائے۔ اسے کچھ حوصلہ ہوا۔ شام ہو رہی تھی۔ وہ ڈیک پر آ کر لیٹ گئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو رات گہری ہو گئی تھی۔ اور نیچے جہاز کے کیبن سے بھنے ہوئے گوشت کی گرم گرم خوشبو آ رہی تھی۔ ماریا کو سخت بھوک محسوس ہوئی۔ وہ نیچے آ گئی۔ جہاز کے باورچی خانے کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر بڑی میز پر بھنے ہوئے گوشت کا تھال رکھا تھا اور ساتھ

بلے ہوئے چاول بھی رکھے تھے۔ ماریا نے ایک خالی پلیٹ کر اس میں ابلے ہوئے چاول ڈالے اس کے اوپر گوشت بڑی عمدہ قسم کی بوٹیاں رکھیں اور کونے والی کرسی پر پانی کر بیٹھ گئی اور مزے مزے سے کھانا شروع کر دیا۔

خوب سیر ہو کر کھانے کے بعد ماریا نے جہاز کا ایک چکر لگایا۔ وہ سونے کے لئے کوئی اچھی سی جگہ تلاش کر رہی تھی۔ اسے ایک خالی کیبن مل گیا۔ یہاں لوہے کا ایک پلنگ رکھا جس پر گھاس پڑا تھا۔ ماریا اس پر لیٹ گئی اور تھوڑی دیر بعد اسے گہری نیند آ گئی۔

اس جہاز کا جاپانی کپتان بڑا نیک دل انسان تھا۔ وہ جنگ کے خلاف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جنگ سے دور ایک پُرامن میں جا کر لنگر انداز ہو گیا تھا۔ اب تو ویسے بھی جاپان جنگ ہار تھا۔ اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں کوئی امریکی یا برطانوی جہاز اسے تباہ نہ کر دے۔ اس نے جاپان کے امریکی فوجی افسروں سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی بیس پچیس ملاح تھے۔ جاپانی کپتان کا خیال تھا کہ کسی گمنام سے جزیرے پر وہ اپنی باقی زندگی گزار دے گا اور پھر کبھی شہروں کا رخ نہیں کرے گا جہاں انسان ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں۔ لیکن ملاحوں میں ایک بدمعاش ملاح ملا کا نام کا تھا۔ وہ

جاپانی کپتان کو قتل کر کے اس کے جہاز پر قبضہ کر کے خود
کپتان بننا چاہتا تھا۔ اس نے سکیم بنا رکھی تھی کہ رات کو جاپانی
کپتان، اس کی بیوی اور بچی کو ہلاک کر کے جہاز پہ اپنے کپتان
ہونے کا اعلان کر دے گا۔ اتفاق سے جس کیبن میں ماریا گھاس
کے بستر پہ سو رہی تھی اسی کیبن میں آدھی رات کو بدمعاش
ملاح نے میٹنگ رکھی تھی۔ ماریا بڑے سکون سے سو رہی تھی۔

جب رات آدھی گزر گئی تو آہٹ ہوئی۔ ماریا نے آنکھیں
کھول کر دیکھا۔ کچھ لوگ اندر آ رہے تھے۔ ماریا کو فوراً خیال آیا
کہ شاید یہ لوگ پلنگ پر نہ بیٹھیں وہ جلدی سے اٹھ کر پرے
ہو گئی اور دیکھنے لگی کہ یہ کون لوگ ہیں اور اندر کیا کرنے آئے
ہیں۔

یہ کل چار ملاح تھے۔ ان کا سردار وہی بدمعاش تھا جس
کے گال پر چاقو کے لمبے زخم کا نشان تھا۔ اس کا نام ملاکا تھا۔
سب اندر آ گئے تو ملاکا نے کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر
دیا اور پلنگ پر بیٹھ کر بولا۔

"کل رات ہماری سنہری رات ہو گی۔ کل رات ہم
کپتان اور اس کی بیوی بچی کو قتل کر کے جہاز پر قبضہ
کر لیں گے۔ کپتان کے وفادار ملاحوں کو رائفل کی نوک
پر قابو میں کر لیا جائے گا۔ اگر کسی نے بغاوت کرنے

کی کوشش کی تو اسے اسی وقت گولی مار دی جائے
گی۔ سمجھ گئے نا؟"

"بالکل سردار۔"

اس کے بعد وہ اپنی سکیم پر غور کرتے رہے۔ ماریا کے لئے یہ
اب کوئی مشکل بات نہیں تھی کہ یہ لوگ باغی ہیں۔ جہاز کے
جاپانی کپتان اور اس کے خاندان کو مار کر جہاز پہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں
اگر کوئی دوسرا کپتان ہوتا تو ماریا کوئی پروا نہ کرتی اور بڑے
آرام سے ان لوگوں کے جانے کے بعد سو جاتی۔ لیکن جاپانی بوڑھا
کپتان بڑا نیک دل انسان تھا اور ماریا کو وہ بڑا اچھا لگتا تھا۔
اسے یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ یہ بدمعاش باغی نہ صرف جاپانی کپتان
کو مار ڈالیں بلکہ اس کی پیاری بیوی اور پھول ایسی معصوم بچی کو
بھی موت کے گھاٹ اتار دیں۔

ماریا کو ان باغیوں پر بڑا غصہ آیا۔ اس نے اسی وقت فیصلہ
کر لیا کہ وہ ان لوگوں کو مزہ چکھائے گی۔ پہلے تو اس نے سوچا
کہ جا کر جاپانی کپتان کو بغاوت سے خبردار کر دے۔ پھر خیال آیا کہ
جاپانی کپتان کو کس طرح جا کر کہے گی۔ وہ تو اسے دیکھ ہی نہیں
سکے گا

"نہیں نہیں۔ سارا کچھ مجھے ہی کرنا ہو گا۔ میں خود
ان بدمعاشوں سے نمٹ لوں گی۔"

ماریا یہ سوچ کر ان بدمعاشوں کے جانے کے بعد آرام سے گھاس کے بستر پر لیٹ گئی اور کل رات کے بارے میں غور کرنے لگی۔

دوسرے دن وہ ڈیک پر ادھر ادھر چلتی پھرتی رہی کہ وہ باورچی خانے میں جاکر کھا لیتی۔ ہیڈ باورچی ویسے دو روز سے کچھ پریشان پریشان سا تھا۔ اسے شاید وہم ہوگیا تھا کہ اس کے تھالوں میں سے چاول اور گوشت کے ٹکڑے چرائے جارہے تھے پھر وہ سر جھٹک کر اپنے آپ سے کہتا۔

" ارے بابا یہاں کون چوری کرے گا۔ ہر شے اتنی زیادہ کھانے کو مل جاتی ہے۔"

لیکن اس کے بعد بھی وہ سر کو جھٹک کر کہتا۔

" پھر بھی ایسے لگتا ہے کہ کوئی تھال میں سے کھانے کی چیزیں اڑا لیتا ہے۔"

رات کے پہلے پہر ماریا جاپانی کپتان کے کیبن میں آگئی۔

کپتان اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ بیٹھا کھانے کے بعد قہوہ پی رہا تھا۔ پھول ایسی بچی سفید فراک پہنے بالوں میں زرد ربن لگائے لکڑی کے گھوڑے سے کھیل رہی تھی۔ جاپانی کپتان کسی گہری سوچ میں تھا۔ اس کی بیوی نے پوچھا۔

" کیا بات ہے؟ آپ کچھ اداس نظر آتے ہیں؟"

جاپانی کپتان نے بیوی کی طرف دیکھ کر کہا۔

" بیگم! میں ایک طرح سے بھگوڑا ہوگیا ہوں۔ اپنے وطن سے ہزاروں میل دور اس سمندر میں پڑا ہوں۔"

بیوی نے کہا۔

" بھگوڑا کون ہوتا ہے۔ ہم جنگ ہار چکے ہیں۔ اب ہر فوجی کو حق حاصل ہے وہ جہاں چاہے جاکر اپنی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرے۔"

" مگر اپنا وطن بہت یاد آتا ہے۔"

" وطن میں امریکی فوجیں جاپانی کمانڈروں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر گولیاں مارتی ہیں۔ وہاں جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

[illegible]نی کپتان نے گہرا سانس لے کر کہا۔

" ہاں! تم بھی ٹھیک کہتی ہو۔ میرے لیے یہی مناسب ہے کہ ہم کسی اجنبی جزیرے میں چلے جائیں اور باقی زندگی خوبصورت درختوں اور نیلی جھیلوں کے درمیان بسر کردیں۔"

[illegible] نے کہا۔

" کیا سارے ملاح ہمارے ساتھ وفادار رہیں گے؟"

جاپانی کپتان نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ وہ سب میرے وفادار ہیں۔ مجھ پر اپنی جان چھڑکتے ہیں۔ وہ بھلا میرے ساتھ کیوں نہیں جائیں گے؟"

بیوی بولیں۔

"جانے کیوں مجھے ملاکا پر بھروسہ نہیں ہے ضرور دھوکا دے گا۔"

جاپانی کپتان مسکرایا۔

"یہ تمہارا وہم ہے بیگم! ملاکا دیکھنے میں کرخت ضرور ہے مگر اندر سے بہت نرم ہے۔ اس کا دل انسان کی محبت سے بھرا ہوا ہے۔"

کپتان کی بیوی نے کہا۔

"تم دیکھ لینا۔ ایک دن میری بات یاد کروگے مجھے اس کی آنکھوں میں تمہارے لیے دشمنی نظر آتی ہے۔"

جاپانی کپتان ہنسا اور اپنی بچی کو پیار کرنے لگا۔ ماریا نے سوچا کہ اس سیدھے سادے شریف کپتان کی بیوی کس قدر ہوشیار اور عقل مند ہے۔ وہ دوست اور دشمن کو سمجھ سکتی ہے۔ اس کا خیال بالکل درست تھا۔ جاپانی بدمعاش ملاح ملاکا ان سب کو ختم کرنے کی سکیم بنا رہا تھا۔ اور جاپانی کپتان اسے اپنا ہمدرد سمجھ رہا تھا۔ ماریا کیبن سے باہر نکل گئی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ کپتان

کو خبردار کردے کہ خطرہ اس کے سر پر منڈلا رہا ہے مگر پھر یہ سوچ کر چپ رہی کہ وہ خود ہی ان لوگوں کے سر پر لٹکتے ہوئے خطرے کو ختم کر دے گی۔

ماریا باہر نکلنے لگی تو اس کی ٹھوکر لگ کر میز پر رکھا گلدان گر پڑا۔ جاپانی کپتان اور اس کی بیوی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کیا جہاز ڈول رہا ہے؟"

"نہیں تو۔"

"پھر یہ گلدان کیوں گر پڑا؟"

"شاید جہاز کے ساتھ کوئی لہر ٹکرا گئی ہو۔"

"مگر ہمیں تو محسوس نہیں ہوا۔"

وہ اسی قسم کی باتیں کرتے رہے اور ماریا مسکراتی ہوئی کیبن سے باہر نکل گئی۔ اس نے جہاز میں گھوم پھر کر بدمعاش ملاح کو تلاش کیا۔ وہ اپنے پانچ ساتھیوں کے درمیان ڈیک پر بیٹھا رسیاں بٹ رہا تھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے بھی کر رہا تھا۔

"آج رات بارہ بجے تیار رہنا۔"

"اوکے باس!"

"ہر آدمی کے پاس ایک ایک خنجر ہونا ضروری ہے کپتان کے خاندان کو خنجر سے قتل کیا جائے گا۔ لیکن پستول

بھی ساتھ ہوں گے۔ تاکہ اگر کوئی گڑبڑ ہو جائے تو فائرنگ
شروع کر کے سب کو ختم کر دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے باس! ہمارے پاس خنجر بھی ہوں گے
اور پستول بھی۔ بلکہ ہم مشین گنیں قمیصوں کے اندر
چھپائے جائیں گے۔"

"بڑا مناسب خیال ہے۔ اب اپنے اپنے کام پر چلے
جاؤ۔ آدھی رات کو ٹھیک بارہ بجے میں ایک پرندے
کی آواز نکالوں گا۔ تم جانتے ہو کہ وہ کس پرندے کی
آواز ہو گی۔ اس کے ساتھ ہی تم لوگوں کو میرے پاس
آجانا ہے اور پھر ہم کپتان کے کیبن پر حملہ کر دیں گے۔"

○

وحشی لڑکی

○

رات کے بارہ بجے ماریا پہلے ہی کپتان کے کیبن میں پہنچ گئی۔
جاپانی کپتان کی بیوی اور بچی نے رات کا کھانا مل کر کھایا۔
بچی تو کھانا کھانے کے بعد سو گئی۔ کپتان اور اس کی بیوی
کچھ دیر شطرنج کھیلتے اور آپس میں باتیں کرتے رہے۔ پھر
اس کی بیوی بھی سو گئی اور جاپانی کپتان پلنگ پر لیٹ کر
کتاب پڑھنے لگا۔ اس وقت گھڑی رات کے ساڑھے گیارہ بجا
رہی تھی۔ حملے کا وقت ٹھیک رات کے بارہ بجے رکھا گیا تھا۔
ماریا کیبن کے کونے میں ایک آرام کرسی پر بیٹھی بدمعاشوں
کا انتظار کر رہی تھی۔ پونے بارہ بجے جاپانی کپتان نے اٹھ کر پانی
پیا اور پھر پلنگ پر لیٹ کر کتاب پڑھنے لگا۔ گھڑی نے رات
کے بارہ بجائے تو ماریا آرام کرسی پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ جہاز پر
چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لہروں کی آواز بھی نہیں آرہی
تھی۔ خاموشی ہی خاموشی تھی۔ اتنے میں باہر راہداری میں ہلکی

سی آہٹ ہوئی۔
ماریا ہوشیار ہوگئی۔

جاپانی کپتان نے اس آہٹ کو بالکل محسوس نہ کیا۔ وہ کتاب پڑھنے میں لگا تھا۔ اتنے میں کیبن کے دروازے پر دستک ہوئی۔ کپتان نے لیٹے لیٹے پوچھا۔

"کون ہے باہر!"

باہر سے آواز آئی۔

"سر میں ہوں آپ کا خادم ملاکا!"

کپتان نے کتاب ایک طرف رکھ کر اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ملاکا؟ آدھی رات کو کون سی ضرورت پڑ گئی تمہیں!"

باہر سے ملاکا نے کہا۔

"سر! ایک ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔ ایک نئی مصیبت آن پڑی ہے۔ شاید دور سے کوئی امریکی جہاز ادھر آرہا ہے۔"

کپتان نے دروازہ کھولا تو ملاکا پستول لیے کھڑا تھا۔ جاپانی کپتان بالکل بوکھلا گیا تھا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ملاکا جس پر وہ اتنا بھروسہ کرتا تھا یوں بغاوت کر دے گا۔ اسے اپنی بیوی کی باتیں یاد آرہی تھیں۔ وہ ٹھیک کہتی تھی۔ کاش وہ اپنی عقلمند بیوی کے کہنے پر عمل کرتا اور

ملاکا کو اتنی آزادی نہ دیتا۔ لیکن اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ ایرانی زبان میں کہا جاتا ہے کہ وہ مکا جو جنگ کے بعد یاد آئے اسے اپنے منہ پر مار لینا چاہیے۔ جاپانی کپتان کا بھی یہی حال تھا۔ اسے اب خیال آرہا تھا کہ اگر وہ اپنی بیوی کے کہنے پر عمل کرتا تو آج اسے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔

لیکن ابھی اسے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ بدبخت کپتان، اس کی بیوی اور پیاری بچی کو ہلاک کرنے کا ارادہ لے کر آیا تھا۔ کپتان نے ہاتھ اوپر اٹھالئے۔ اس کا خیال تھا کہ یہ اسے اور اس کی بیوی بچی کو قید کر دے گا اور بس خود جہاز پر قبضہ کر کے اسے کسی جزیرے کی جانب لے جائے گا اور یا کسی شہر میں جاکر اسے فروخت کر دے گا۔ کیونکہ یہ سب کو معلوم تھا کہ جنگ ختم ہوچکی ہے اور اب اس جنگی جہاز کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ بدمعاش ملاکا نے پیچھے اشارہ کیا۔ اس کے اشارے پر چار ملاح ہاتھوں میں خنجر لئے اندر آگئے۔

وہ کپتان کے خاندان کو ہلاک کرنے آئے تھے۔

ماریا ہوشیار ہوکر کھڑی ہوگئی۔ یہی وقت کچھ کر گزرنے کا تھا کیونکہ اگر ایک بار ان لوگوں نے حملہ شروع کر دیا تو وہ کس کس کو بچاتی پھرے گی۔ بس یہ سوچ کر ماریا اٹھی اور چاروں بدمعاش ملاحوں کے پیچھے آکر کھڑی ہوگئی۔ ماریا کے

پاس کچھ نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ملاحوں کے خنجر لے کر انہی خنجروں سے انہیں ہلاک کر ڈالے گی۔ بدمعاش ملاکا نے کپتان کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے کرسی پر بٹھا دیا اور حکم دیا۔

"سب سے پہلے اس بڈھے کپتان کی بیوی اور بچی کو ہلاک کر دو۔"

بدمعاش اس کی بیوی اور بچی کے پلنگ کی طرف بڑھے۔ اتنے میں اس کی بیوی بھی جاگ پڑی تھی۔ اس نے ملاکا اور اس کے بدمعاش ساتھیوں کو کیبن میں خنجر لئے کھڑے اور اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو سارا معاملہ سمجھ گئی۔

اس نے چیخ کر کہا۔

"بے شک مجھے مار ڈالو لیکن میرے خاوند اور میری بچی کو کچھ نہ کہو۔"

بدمعاش ملاکا کہنے لگا۔

"اسے ختم کر دو۔ یہ چیخ کر کوئی نئی مصیبت کھڑی کر دے گی۔"

ایک ملاح خنجر تان کر اس کی طرف بڑھا۔ اس کے خاوند نے بے بسی کے ساتھ آنکھیں بند کر لیں۔ مگر ماریا کپتان کی بیوی کے پاس پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ جونہی جاپانی ملاح خنجر لئے کپتان کی بیوی کے پاس آیا۔ ماریا نے اس کی کمر پر ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ

اس کی کمر کی ہڈی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ خنجر اس کے ہاتھ سے پرے جا گرا اور وہ خود فرش پر ایسا گرا کہ پھر اٹھ نہ سکا۔ بدمعاش ملاکا نے یہ سمجھا کہ شاید وہ ٹھوکر کھا کر گرا ہے۔ اس نے دوسرے ملاح کو حکم دیا۔

"آگے بڑھ کر ختم کر دو اسے۔"

دوسرا ملاح آگے بڑھا تو اس کی گردن پر ماریا نے ہاتھ مارا۔ اس کی گردن ایک طرف کو ٹوٹ کر ڈھلک گئی اور وہ بھی اگلے جہان چلا گیا۔ کیبن میں سبھی حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جاپانی کپتان دم بخود تھا۔ اس کی بیوی گم صم تھی۔ بدمعاش ملاکا نے خنجر ہوا میں لہرایا کہ خود کپتان کو ختم کر دے۔ ٹھیک اسی وقت ماریا نے ایک ایسا بھرپور ہاتھ ملاکا کی کمر پر مارا کہ اس کی کمر کے دو حصے ہو گئے۔

وہ لڑھک کر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔

باقی ملاح جو بچا تھا وہ بھاگنے لگا ماریا نے اسے بھی ختم کر دیا۔ اب وہاں گہری خاموشی تھی اور بدمعاش ملاکا اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں فرش پر پڑی تھیں۔ کپتان اور اس کی بیوی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے اور کیوں کر ہو گیا۔

"میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟" کپتان نے کہا۔

اس کی بیوی بولی۔

"ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ شاید ہمارے ماں باپ کی روحوں نے ہمیں اک بدمعاش کے ہاتھوں ہلاک ہونے سے بچا لیا۔"

ماریا خاموش رہی۔ کپتان نے کہا۔

"ان لاشوں کو اسی طرح پڑے رہنے دو۔ میں اپنے وفادار ساتھیوں کو بلاتا ہوں۔"

اسی وقت کپتان نے خطرے کی گھنٹی بجادی۔ ماریا کیبن سے باہر چلی گئی۔ سارے ملاح کپتان کے کیبن میں پہنچ گئے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ بدمعاش ملاکا نے کپتان کے خاندان کو ہلاک کر کے جہاز پر قبضہ کرنے کی سکیم بنائی تھی تو وہ انہوں نے کپتان کے حق میں نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ بغاوت دور کر دی گئی تھی۔ باقی رات کپتان نہ سو سکا اور اپنے وفادار ساتھیوں سے باتیں کرتا رہا اور انہیں چائے وغیرہ پلاتا رہا۔

دوسرے روز باغی ملاحوں کی لاشیں سمندر میں پھینک دی گیئں۔ اسی روز کپتان نے فیصلہ کیا کہ جہاز کو لے کر کسی جزیرے پر چلا جانا چاہیے۔ تاکہ وہاں نئی زندگی شروع کی جائے۔ اس نے نقشے میں دیکھا۔ وہاں سے کوئی چار سو میل کے فاصلے پر اسے نقشے پر ایک چھوٹا سا جزیرہ دکھائی دے رہا تھا۔

"شاید اس جزیرے پر ہم خوش و خرم زندگی بسر کر سکے

ہیں۔"

کی بیوی نے کہا۔

"کیا اس جزیرے پر امریکیوں کا قبضہ نہیں ہوگا؟"

"میرا خیال ہے جنگ اس علاقے میں ابھی نہیں آئی تھی۔ یہ جزیرہ غیر آباد ہوگا۔"

ذر اگر یہاں پہ آدم خور جنگلی رہتے ہوں تو پھر کیا ہوگا۔"

"آدم خود جنگلی اب دنیا میں کہیں نہیں ہیں بیگم۔ اب تو یہ صرف کہانیوں میں ملتے ہیں۔"

ان کی بیوی نے کہا۔

"بہر حال آپ لوگوں کو سوچ سمجھ کر اس جزیرے کی طرف چلنا ہوگا۔ کیونکہ اس جزیرے میں خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"فکر نہ کرو بیگم! ہمارے پاس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے بندوقیں، توپیں اور دستی بم موجود ہیں۔"

سرے روز صبح صبح جہاز کا لنگر اٹھا دیا گیا اور اس نے سمندر اس جزیرے کی طرف اپنا سفر شروع کر دیا جو نقشے پر موجود سارا دن اور ساری رات جہاز سمندر میں چلتا رہا۔ پھر اگلا ن اور اگلی رات بھی سمندری سفر میں گزر گئے۔ چوتھے روز دور

سمندر میں ایک سیاہ لکیر دکھائی دی۔ ملاحوں نے خوشی سے شور مچا دیا۔

"زمین! زمین! زمین!"

جاپانی کپتان نے دوربین لگا کر سیاہ لکیر کو دیکھا اور بولا۔

"جزیرے میں مجھے سر سبز و شاداب درخت نظر آ رہے ہیں۔ یقیناً یہ ہرا بھرا آباد جزیرہ ہے۔"

جہاز کے انجینئر نے کہا۔

"کیپٹن! کہیں اس جزیرے پر امریکیوں کا قبضہ نہ ہو۔"

"نہیں بھائی! جنگ ادھر نہیں لڑی گئی۔ یہ علاقہ جنگ کے علاقے سے بہت دور ہے۔ پھر یہاں امریکی کہاں سے آئیں گے؟"

ماریا نے بھی ڈیک پر کھڑے کھڑے دور سیاہ لکیر کو دیکھا جو آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی۔ جہاز سارا دن اور ساری رات جزیرے کی طرف بڑھتا رہا۔ دن نکلا تو اس کی روشنی میں سب نے دیکھا کہ سامنے ایک بڑے ہی ہرے بھرے جزیرے کا کنارہ تھا۔ کنارے پر کہیں کہیں بھورے رنگ کی چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ جہاز سمندر کی کھاڑی میں داخل ہو گیا۔ وائیں بائیں جزیرے کے کنارے سر سبز تھے اور ناریل کے درختوں کے جھنڈ

کھڑے تھے۔ ان پر پکے ہوئے میٹھے رس والے ناریل لگے ہوئے تھے۔ ملاح ان کو دیکھ کر بڑے خوش ہو رہے تھے اور خوشی کے نعرے لگا رہے تھے۔

کپتان نے کھاڑی کے اندر ایک جگہ پہنچ کر جہاز کو کھڑا کرنے کا حکم دے دیا۔ یہاں وہ درختوں کی اوٹ میں تھے اور کھلے سمندر سے جہاز بالکل دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جاپانی کپتان بھی یہی چاہتا تھا کہ باہر سے اگر کوئی ہوائی جہاز یا کبھی کوئی بحری جہاز گزرے تو اسے یہ جاپانی جہاز نظر نہ آ سکے۔ لنگر ڈال دیا گیا۔ جہازی ملاح نیچے کنارے پر اتر آئے اور ایک دوسرے سے ہنسنے کھیلنے اور مذاق کرنے لگے۔ وہ ڈھیلے اٹھا اٹھا کر ناریل کے درختوں پر مارنے لگے۔ ناریل نیچے گرتے تو وہ انہیں توڑ کر خوشی خوشی پیتے۔ جہاز کے ملاح کل دس گیارہ باقی رہ گئے تھے۔ کپتان نے حکم دیا۔

"کوئی ملاح میرے حکم کے بغیر جنگل میں جہاز سے دور نہ جائے۔ بس جہاز کے آس پاس ہی رہا جائے۔"

اس کے بعد کپتان بھی اپنی بچی اور بیوی کے ساتھ کنارے پر اتر آیا اور وہاں ایک چھوٹا سا خیمہ لگا کر اندر بستر وغیرہ لگا دیئے گئے۔ کپتان کی بیوی اپنی بچی کو لے کر آرام کرسی پر خیمے سے باہر بیٹھ گئی۔ دھوپ بڑی چمکیلی تھی اور فضا میں حبس

تھا۔ ہوا بالکل بند تھی۔ ملاح ذرا پرے ہٹ کر گر پڑے، درختوں کے درمیان بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے بھی ایک خاکی رنگ کا خیمہ لگا لیا تھا۔ آگ جلا لی تھی اور اس پر چائے بنانے لگے تھے۔ چائے بنا کر انہوں نے کپتان کو بھی دی۔ اور بڑے مزے میں ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرنے لگے۔ ایک مدت کے بعد وہ زمین پر آئے تھے اور بڑے خوش تھے۔

ماریا بھی جہاز سے اتر آئی تھی اور ان لوگوں سے دور ایک درخت کے نیچے پتھر پر بیٹھی غور کر رہی تھی کہ وہ کہاں سے کہاں آ گئی ہے۔ جانے عنبر اور ناگ کس حال میں ہوں گے؟ کہاں ہوں گے؟ اب دوبارا کب ملاقات ہو گی؟ وہ یہی سوچ کر کچھ اداس سی ہو گئی۔ پھر وہ اٹھ کر درختوں میں سیر کرنے لگی۔ سیر سے اس کا دل کچھ بہل گیا۔ چلتے چلتے وہ ذرا آگے نکل گئی۔

یہاں ہر طرف خاموشی تھی۔ درختوں پر کہیں کہیں کوئی پرندہ نظر آ جاتا تھا۔ ایک بندر درخت پر پھدکتا ہوا دور نکل گیا۔ شاید اس نے ماریا کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ ماریا نے ایک بڑا موٹا درخت کا تنا دیکھا جو زمین پر گرا ہوا تھا۔ ماریا اس پر آرام کرنے کو بیٹھ گئی۔ اس کے قریب ہی

ایک درخت تھا جس پر امرود کی قسم کا کوئی پھل لگا تھا۔ ماریا نے ہاتھ بڑھا کر ایک پھل توڑا اور اسے چکھا۔ اس کا ذائقہ بالکل امرود کی طرح تھا۔ ماریا نے دو تین امرود کھائے اور پھر ایک امرود ہاتھ میں لے کر اسے کھاتی واپس چل پڑی۔ شام کو ملاحوں نے باہر ہی کھانا پکایا اور درختوں میں بیٹھ کر کھایا۔ رات کو ملاح جہاز کے عرشے پر جا کر سو گئے۔ کپتان، اس کی بیوی اور بچی باہر خیمے کے اندر بستر لگا کر سو گئیں۔ ماریا ان سے ذرا پرے جہاز کے عرشے پر سو گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ بھئی یہ جزیرہ تو بالکل ہی سنسان ہے۔ لیکن وہ اس بات پر حیران تھی کہ اتنا سرسبز و شاداب جزیرہ بھلا بے آباد کیسے ہو سکتا ہے؟ یہاں کہیں نہ کہیں آبادی ضرور ہو گی!

یہی سوچتے سوچتے ماریا کو نیند نے آ لیا۔ جزیرہ آدھی رات کو بے حد سنسان اور بھیانک ہو گیا تھا۔ اتنی گہری خاموشی تھی کہ سمندر میں سے اگر کوئی مچھلی باہر کو نکلتی تو اس کے پانی کی آواز جو پیدا ہوتی وہ بھی سنائی دیتی تھی۔ آسمان پر آدھی رات کو ہلکے ہلکے بادل آنا شروع ہو گئے اور چاند بادلوں میں چھپ گیا۔ جزیرے پر چاندنی غائب ہو گئی اور اندھیرا اور زیادہ گہرا ہو گیا۔

ایک پرندہ چیختا ہوا جہاز کے اوپر سے گزر گیا۔
(ج)س کی وجہ سے ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے لیٹے
لیٹے آسمان کی طرف دیکھا۔ آسمان پر چاند بادلوں کے
پیچھے چھپ گیا تھا۔ ماریا پھر سونے کی کوشش کرنے لگی۔
ابھی وہ اونگھ ہی رہی تھی کہ ایک آواز نے اسے چونکا
دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ ابھی ابھی ایک آواز اس
نے سنی تھی۔ وہ آنکھیں مل کر غور سے آواز سننے لگی۔

مگر پھر آواز نہ آئی۔ ماریا نے سوچا کہ شاید یہ اس کا
وہم تھا۔ وہ دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی تو وہی
آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ یہ آواز جزیرے کے درمیانی
جنگل سے آ رہی تھی۔ ماریا اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے اپنے
کان اس آواز پر لگا دیئے۔ آواز ایک لمبی سی چیخ تھی۔
وہ چیخ بھی نہیں تھی اور کسی کو بلانے کی آواز بھی نہیں
تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی درد و غم کی وجہ سے آسمان
کی طرف منہ کر کے پکار رہا ہے۔ فریاد کر رہا ہے۔

آواز ایک بار پھر آئی۔
یہ کسی عورت کی آواز تھی۔ لمبی اور مسلسل آ رہی تھی۔ پھر
رک گئی۔ اس کے بعد دیر تک آواز سنائی نہ دی۔ اس
وقت صرف ماریا ہی جاگ رہی تھی۔ کسی دوسرے نے وہ

آواز نہ سنی۔ ماریا نے سوچا کہ چل کر معلوم کرنا چاہیے کہ
یہ کس کی آواز ہے اور کون ایسی بدقسمت عورت ہے جو
اس گمنام جزیرے میں آدھی رات کو رونے والی آوازیں نکال
رہی ہے۔

ماریا جہاز کے عرشے سے اتر کر نیچے آ گئی اور اس نے
جزیرے کے جنگل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ چلتے چلتے وہ
جنگل میں کافی آگے نکل آئی۔ یہاں درندہ کوئی نہیں تھا۔
درختوں پر پرندے سو رہے تھے۔ ماریا کے قریب سے گزرنے
پر وہ کسی انسان کی بو پا کر بیدار ہو کر تھوڑا سا بولتے اور پھر
سو جاتے۔ ماریا نے زرد اور سبز رنگ کا ایک بہت بڑا
سانپ دیکھا جو ایک درخت سے الٹا لٹکا جھول رہا تھا شاید
وہ آرام کر رہا تھا۔

ماریا اس کے قریب سے ہو گزر گئی۔
بادل گرجا۔ ماریا نے سوچا کہ اگر بارش شروع ہو گئی تو اس
کے کپڑے بھیگ جائیں گے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ وہ
واپس چلی جائے۔ وہ واپس مڑنے ہی والی تھی کہ اسے وہی
درد بھری اور کسی حد تک ڈراؤنی آواز پھر سنائی دی۔ اب یہ
آواز قریب سے آ رہی تھی۔ ماریا نے رک کر غور کیا۔ یہ کسی
لڑکی کی آواز تھی۔ اس میں درد و غم تھا۔ فریاد تھی۔ اور کچھ

ڈر بھی تھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بے چین قیدی کی روح فریاد کر رہی ہے۔

جدھر سے آواز آئی تھی ماریا اس طرف چلنے لگی۔

بادل ایک بار پھر گرجا۔ درختوں پر پرندے اس آواز کے خوف سے بے چین ہو گئے۔ ماریا نے محسوس کیا کہ ہلکی ہلکی آواز آ رہی ہے۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی جھاڑیوں میں چل رہا ہو۔ پودوں اور شاخوں کے ٹوٹنے کی آواز بھی اس میں شامل تھی۔ ماریا ایک طرف درخت کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔

پھر قدموں کی آواز قریب آ گئی۔ ماریا جس جگہ درخت کے نیچے کھڑی تھی۔ وہاں سے ذرا دور ناریل کے درختوں کے نیچے ایک چھوٹا سا پانی کا تالاب بن گیا تھا۔ یہاں پانی زمین کے اندر سے رِس رہا تھا اور تالاب میں سے ایک پتلی نالی کی شکل میں آگے جا رہا تھا۔ ماریا نے محسوس کیا کہ کوئی قریب آ رہا ہے۔ وہ سانس روک کر کھڑی ہو گئی اور جس طرف سے آواز آتی تھی ادھر دیکھنے لگی۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔

چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل رہا تھا اور ہلکی ہلکی چاندنی نے جنگل کو تھوڑا تھوڑا روشن کر دیا تھا۔ مگر یہ روشنی بڑی پُراسرار تھی اور ہر شے اپنی اصل سے زیادہ بڑی یا چھوٹی لگ

رہی تھی۔ ماریا کا دل ایک دم دھک سے رہ گیا۔ چیخ کی آواز بالکل اس کے قریب سے بلند ہوئی تھی۔ یہ وہی لڑکی کی آواز تھی مگر قریب سے بلند ہونے کی وجہ سے وہ ایک بھیانک چیخ لگ رہی تھی۔

ماریا درخت کے ساتھ لگ گئی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے اپنی لمبی زندگی میں بڑے بڑے خطرناک جنگلوں میں راتوں کو سفر کیا تھا۔ شیروں اور ہاتھیوں سے مقابلہ کیا تھا۔ مگر آج کی رات وہ بڑا خوف محسوس کر رہی تھی۔ آواز ایک دم رک گئی۔ ماریا نے ہلکی ہلکی چاندنی میں دیکھا کہ ایک سایہ درختوں اور جھاڑیوں میں سے نکل کر اس تالاب کی طرف آیا جو درختوں کے درمیان بنا ہوا تھا۔

ماریا نظر تو نہیں آ رہی تھی مگر ایسے لگتا تھا کہ سائے نے بھی ماریا کی موجودگی کو محسوس کر لیا ہے۔ سایہ ذرا سا رک گیا۔ ماریا نے غور سے دیکھا۔ یہ ایک لڑکی کا سایہ تھا۔ اس کے بال لمبے تھے۔ بال ایڑیوں تک پہنچ رہے تھے۔ اس کا رنگ سیاہ تھا۔ یہ ایک جنگلی یا وحشی لڑکی تھی۔ ماریا گھور گھور کر اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ لڑکی — جنگلی وحشی لڑکی ایک پل کے لئے رکی۔ اس نے ایک بازو اوپر اٹھا کر اپنے سر کے بالوں کو آنکھوں

پرے پیچھے ہٹلیا اور سر کو گھما کر اس طرف دیکھا ج
ماریا کھڑی تھی۔ ایک دفعہ تو ماریا کو بھی پسینہ آگیا۔ کیا یہ
جنگلی وحشی لڑکی اسے دیکھ رہی ہے؟ مگر کیسے دیکھ
ہے؟ اسے تو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ یہ لڑکی ہے یا کو
چڑیل ہے؟ وہ بالکل چڑیل لگ رہی تھی جو جزیرے کے
جنگل میں کسی کا خون پینے آ گئی ہو۔ ماریا اسے چپ چا
کھڑی تک رہی تھی۔

وہ جنگلی لڑکی یا چڑیل مسلسل اس درخت کو گھو
رہی تھی جس کے نیچے ماریا کھڑی تھی۔ ماریا کو محسوس
ہوا کہ دھندلی چاندنی میں اس لڑکی یا چڑیل کی آنکھیں
چراغوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ جنگلی لڑکی نے گردن د
طرف پھیر لی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی تالاب کے پاس گئی۔ پھر
زمین پر اوندھے منہ لیٹ گئی اور اپنے ہونٹ تالاب
کے کنارے لگا کر پانی پینے لگی۔ جس طرح جنگلی جانور پانی
پیا کرتے ہیں۔

ماریا خاموش کھڑی دیکھتی رہی۔ جنگلی لڑکی پانی پی کر
اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ ایک لمبے قد کی نوجوان لڑکی یا عورت
تھی۔ اس کے سیاہ بال اس کی ایڑیوں کو چھو رہے تھے۔
وہ کچھ دیر تالاب کے پاس کھڑی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ

چلتی جنگل میں درختوں کی طرف چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد
دور جنگل سے پھر وہی چیخ بلند ہوئی۔

ماریا اپنی جگہ پر کھڑی کھڑی کانپ سی گئی۔ کافی دیر تک
وہ کھڑی رہی۔ پھر درخت کے نیچے سے نکل کر واپس جہاز
کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس جنگلی لڑکی کا
پیچھا کرے لیکن جانے کیوں وہ اس لڑکی کا پیچھا نہ کر
سکی اور واپس اپنے جاپانی جہاز پر آ گئی۔ جہاز پر اور جہاز
سے باہر خیمے میں لوگ غافل پڑے سو رہے تھے۔ ماریا
جہاز کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ڈیک پر آئی اور جنگلے کے ساتھ
ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور اس جنگلی لڑکی پر غور کرنے لگی۔

آخر یہ لڑکی کون ہے؟ کیا یہ سچ مچ کی لڑکی ہے یا
کوئی آسیب ہے؟ یا پھر اس جزیرے کی بد روح ہے؟
یا کوئی چڑیل ہے؟ یا کوئی بے چین روح ہے جو انسان کا
خون پیتی ہے؟ کچھ دیر تک وہ غور کرتی رہی اور پھر اسے
نیند آ گئی۔

جزیرے کی صبح بڑی سہانی تھی۔ ماریا کچھ تھکی تھکی سی اٹھی
تھی لیکن جزیرے کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے اسے تر و تازہ
کر دیا۔ رات کے واقعات اسے خواب لگ رہے تھے۔
کیا اس نے کہیں خواب تو نہیں دیکھا؟

نہیں خواب نہیں تھا۔ اس نے چیخ سنی تھی اور اس جنگ
لڑکی کو بھی دیکھا تھا جو تالاب پر اوندھے منہ لیٹ کر جانور
کی طرح پانی پی رہی تھی اور جس کے بال اس کی ایڑیوں کو
چھو رہے تھے۔

اس عورت کی چیخ کسی نے بھی نہیں سنی تھی۔

ماریا کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ دن کی روشن
میں وہ جگہ دیکھے جہاں رات کو اس نے جنگلی لڑکی کو دیکھا
تھا۔ ماریا جہاز کی سیڑھیاں اترنے لگی۔ نچلی سیڑھی پر سے
اتر رہی تھی کہ موٹا باورچی اوپر چڑھنے لگا۔ اب ماریا گھبرا
گئی کہ کیا کرے؟ اگر سیڑھی پر کھڑی رہتی ہے تو موٹے جاپانی
باورچی سے ٹکر ہو جاتی ہے۔ کیوں نہ وہ چھلانگ لگا دے
وہ چھلانگ لگانے ہی لگی تھی کہ موٹا جاپانی اوپر آگیا اور اوپر
چڑھتے ہوئے ماریا سے ٹکرا گیا۔ اس کے ساتھ ٹکراتے ہی
اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ سارے ملاح اس کی طرف
دوڑے۔ جاپانی کپتان بھی اپنے خیمے سے باہر آگیا۔

"کیا ہوا؟ کیا بات ہو گئی؟"

موٹے باورچی نے کہا کوئی سیڑھی اتر رہا تھا۔ مجھ سے ٹکرا گیا۔
کپتان نے پوچھا۔

"کون تھا؟"

"میں نے نہیں دیکھا"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"سر! کوئی بھوت تھا یا شاید کوئی روح تھی۔"

سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ باورچی سر کو ہلاتا اوپر چلا گیا۔
بے چارہ سچا تھا مگر اس کی بات پر کسی نے اعتبار نہ کیا۔

ماریا اسے وہیں حیران چھوڑ کر جنگل کی طرف روانہ
ہو گئی۔ وہ درختوں کے نیچے نیچے سے ہوتی جھاڑیوں کو پیچھے
ہٹاتی آخر اس مقام پر آ گئی جہاں درختوں کے نیچے پانی کا
چھوٹا سا تالاب تھا اور جہاں رات کو وہ وحشی لڑکی پانی پی رہی
تھی۔ ماریا نے جھک کر دیکھا۔ ہاں۔ رات خواب نہیں دیکھا
تھا اس نے۔ زمین پر کسی عورت کے جسم کا پورا پورا نشان
تھا۔ تالاب کے کنارے جہاں اس نے اپنی ہتھیلیاں رکھی تھیں
وہاں اس وحشی عورت کی ہتھیلیوں کے نشان پڑے ہوئے
تھے۔

ماریا نے دیکھا کہ اس کے پاؤں کے نشان بالکل ایک
عام لڑکی کے پاؤں اتنے تھے۔ اگر وہ نشان بڑے ہوتے یا
الٹے ہوتے تو وہ یہ سمجھتی کہ شاید وہ چڑیل تھی۔ کیونکہ چڑیل
کے پیر الٹے ہوتے ہیں۔ یہ نشان سیدھے پیروں کے تھے۔
یہ نشان جنگل میں اندر کی جانب جا رہے تھے۔ ماریا اپنے آپ

ہی ان نشانوں کے ساتھ ساتھ جنگل میں چل پڑی۔ آگے جا
کر نشان بائیں جانب گھوم گئے۔ ادھر بڑی گھنی جھاڑیاں تھیں
اور درختوں کی شاخیں نیچے لٹک کر زمین کو چھو رہی تھیں۔
ماریا جھک کر ان درختوں کے نیچے سے گزر رہی تھی۔ اب
پیروں کے نشان اسے بالکل نظر نہیں آ رہے تھے۔

ماریا اندازے سے آگے بڑھ رہی تھی۔ ذرا آگے جا کر
درخت پرے پرے ہٹ گئے۔ ایک تھوڑی سی کھلی جگہ
آ گئی جہاں ماریا نے دیکھا کہ جھاڑیاں صاف کر کے کسی نے کیلے
کے پتوں کا بستر سا بنا رکھا ہے۔ ماریا دیر تک اس کیلے کے
پتوں کے بستر کو دیکھتی رہی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ اسی وحشی لڑکی
کی خواب گاہ ہے۔ یعنی یہاں وہ رات کو آرام کرتی ہے۔ اس
وقت وحشی لڑکی وہاں نہیں تھی۔ پاس ہی کچھ ناریل پڑے
تھے۔ ان میں کچھ پورے ثابت تھے اور کچھ ٹوٹے ہوئے تھے۔

ماریا اس وحشی عورت کو ملنا چاہتی تھی۔ لیکن ایک طرح کا
خوف بھی اس کے دل میں تھا کہ خدا جانے وہ کوئی بدروح
ہی نہ ہو۔ اس نے دور درختوں میں جھاڑیوں کے ٹوٹنے کی آہٹ
سنی۔ ماریا جلدی سے دوسری طرف درختوں میں جا کر چھپ گئی۔
پھر ایک بھیانک چیخ فضا میں بلند ہوئی۔

یہ ایک خوف ناک چیخ تھی۔ چیخ کی چیخ۔ جس میں غصہ

اور نفرت تھی جیسے کوئی درندہ حملہ کرنے سے پہلے چیختا ہو۔
ماریا درخت کے ساتھ کھڑی کھڑی ایک بار تو ہل گئی۔ اس کو یوں
محسوس ہوا جیسے اس وحشی عورت نے دور سے اسے اپنی
خواب گاہ میں کھڑے دیکھ لیا ہو اور اسے بڑا محسوس ہوا ہو کہ
وہ بغیر اجازت اس کے بستر کے پاس کیوں آئی ہے؟

ایک بات پر ماریا بڑی حیران تھی کہ اس وحشی عورت کو
اس کی موجودگی کا احساس ہو جاتا تھا۔ بے شک وہ ماریا کو
دیکھ نہیں سکتی تھی لیکن اسے دور ہی سے پتہ چل جاتا تھا کہ
کوئی انسان اس کے جنگل میں یا اس کے قریب آ کر کھڑا ہو
گیا ہے۔ شاید یہ اس وحشی لڑکی کی چھٹی حس تھی جو اسے
خبردار کر دیتی تھی۔ ماریا اس وحشی عورت کو ایک نظر دیکھنا چاہتی
تھی۔ وہ دیر تک اس جگہ کھڑی رہی مگر وہ جنگلی عورت نہ آئی۔
تھک ہار کر ماریا واپس ہوئی۔ جب وہ جہاز کے پاس آئی تو
وہاں سارے ملاح، کپتان کے گرد کھڑے باتیں کر رہے تھے۔
ان کے چہروں پر کچھ تجسس تھا۔ کیونکہ جنگل سے آنے والی
بھیانک چیخ کی آواز ان لوگوں نے بھی سن لی تھی۔

○

جزیرے پر حملہ

○

جاپانی کپتان کو بتایا گیا کہ کبھی کبھی راتوں کو جزیرے کے درمیانی جنگل سے ایک بھیانک چیخ کی آواز آیا کرتی ہے۔ یہ آواز دو ایک جاپانی ملاحوں نے بھی سنی تھی۔ خاص طور پر جو ملاح رات کو پہرہ دیتا تھا اس نے صاف صاف یہ آواز سنی تھی۔ جاپانی کپتان نے حکم دے دیا کہ آدھی رات کو کوئی بھی ملاح جزیرے کے اندر نہ جائے اور دن میں بھی جہاز سے قریب رہنے کی کوشش کی جائے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ جاپانی کپتان نے ایک خاص خفیہ سراغرساں کو جزیرے کے جنگل میں یہ معلوم کرانے کے لئے بھیج دیا کہ راتوں کو خوفناک آواز کس کی آتی ہے؟ یہ عورت کون ہے؟ جاسوس شام کو ہی جزیرے کے جنگل میں چلا گیا۔ یہ ایک بڑا کاریگر اور ماہر جاسوس تھا اس نے کئی ایک کارنامے کئے تھے۔ کپتان کو اس پر بڑا بھروسہ تھا کہ وہ بھیانک

چیخ کا راز ضرور حل کرے گا۔

ماریا کو بھی جاسوس کے بارے میں کچھ علم نہ ہو سکا۔ اسے بھی اس روز پتہ چلا جب جنگل سے جاپانی جاسوس کی نیم مردہ لاش اٹھا کر جہاز پر لائے۔ اسے جہاز کے عرشے پر لٹا دیا گیا۔ جاپانی کپتان اور دوسرے ملاح وہاں موجود تھے جاسوس کی سانس آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھول کر کپتان کو دیکھا اور کانپتے ہونٹوں سے کہا۔

" وحشی عورت۔ چڑیل۔ بدروح۔ خون پینے آئی تھی۔"

اور پھر اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکل گئی اور وہ مر گیا۔ اس کی موت کا سارے جہاز پر ایک سوگ سا چھا گیا۔ لوگ کپتان سے پوچھ رہے تھے کہ اسے کس نے ہلاک کیا ہے۔ آخر کپتان کو بتانا پڑا کہ وہ جنگل میں بھیانک چیخ کا راز حل کرنے گیا تھا۔ اب تو ہر کوئی جنگل میں جانے سے ڈرنے لگا۔ کچھ روز گزر گئے۔ رات کو کسی چیخ کی آواز نہ آئی۔ کپتان نے حکم دے دیا کہ جزیرے کے کنارے پر لکڑیاں کاٹ کر مکان تعمیر کئے جائیں۔ سارے ملاح درخت کاٹنے پر لگ گئے۔ انہوں نے لکڑیوں کے تختے چیرے اور ان کی کھڑکیاں دروازے بنانے شروع کر دیئے۔ بڑی رونق ہو گئی تھی۔ ہر کوئی اپنے اپنے کام میں لگا تھا۔ ماریا اس عرصے میں کئی بار رات کو جنگل میں سیر کے لئے

گئی۔ اس نے وہ جگہ بھی جاکر دیکھی جہاں وحشی لڑکی نے اپنے لئے کیلے کے پتوں کا بستر بچھا رکھا تھا مگر وحشی لڑکی اسے وہاں نہ ملی۔ خدا جانے وہ کہاں چلی گئی تھی؟ ویسے وہ اس جزیرے میں ہی تھی۔ ایک دن کیا ہوا کہ جاپانی کپتان کی ننھی سی بچی پتھروں اور لکڑی کے ٹکڑوں سے کھیلتی جنگل میں ذرا آگے نکل گئی۔ ایک تتلی اس کے آگے آگے جا رہی تھی۔ بچی تتلی کو پکڑنے کی کوشش میں اس جگہ آگئی جہاں زمین میں دلدل شروع ہوتی تھی۔ یہ اس قدر خوفناک دلدل تھی کہ اس میں اگر ہاتھی بھی اترے تو ایسا ڈوبے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ ویسے زمین پر گھاس اگی تھی اور دیکھنے پر کسی کو ذرا بھی خیال نہ آتا تھا کہ یہاں دلدل ہو سکتی ہے۔

تتلی دلدل کے اوپر اڑتی چلی گئی۔

بچی بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی۔ بس دو ایک قدم کے فاصلے پر دلدل شروع ہو جاتی تھی۔ اگر وہ ایک قدم اور اٹھا لیتی تو دلدل اس پھول سی بچی کو ہڑپ کر لیتی کہ اتنے میں ایک زرد آنکھوں والی سیاہ رنگ کی لمبی وحشی عورت جھاڑیوں میں سے نکلی اور اس نے بچی کو پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا اور گود میں اٹھا کر واپس لے گئی۔

بچی نے جونہی خوفناک چہرے والی وحشی عورت کو دیکھا تو

اس نے رونا شروع کر دیا۔ وحشی عورت اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس طرح سے چپ کرائے؟ دوسری طرف جب کپتان کی بیوی کسی کام سے نیچے سے باہر نکلی تو اس نے دیکھا کہ بچی غائب ہے۔ اس نے آوازیں دینا شروع کر دیں۔ مگر بچی کہیں نظر نہ آئی۔

اس نے شور مچا دیا۔ کپتان اور دوسرے ملاح پریشان ہو گئے۔ انہوں نے جنگل میں گھس کر بچی کی تلاش شروع کر دی۔ کپتان بھی بہت گھبرا گیا تھا کہ خدا جانے بچی کہاں گم ہو گئی ہے۔ تلاش کرنے والے جنگل میں کافی آگے تک نکل گئے مگر انہیں کہیں بچی نظر نہ آئی۔ ماں کا غم کے مارے برا حال ہو رہا تھا۔ کپتان بھی پریشان تھا۔ اتنے میں بچی کے رونے کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔

سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ آواز ایک بار پھر آئی۔

"بچی کے رونے کی آواز ہے۔"

وہاں شور مچ گیا اور سب کے سب آواز کی طرف دوڑے۔ جنگل میں ایک جگہ پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ بچی گھاس پر بیٹھی رو رہی ہے اور اس کے اردگرد کسی نے درخت کی شاخوں کا ایک پنجرہ سا بنا رکھا ہے تاکہ وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ کیونکہ آگے دلدل شروع ہوتی تھی۔ ماں نے بچی کو سینے سے لگا لیا۔

کپتان نے اسے جی بھر کر پیار کیا۔ بچی بلک بلک کر رو رہی تھی۔ سب بڑے حیران تھے کہ اس کے اردگرد حفاظت کی دیوار کس نے بنائی تھی؟

بچی بے چاری کچھ نہیں بتا سکتی تھی۔

سب واپس آئے تو جہاز پر شور مچ گیا کہ بچی کو جنگل کی کسی ہستی نے دلدل میں گرنے سے بچا لیا ہے۔ وگرنہ وہ دلدل میں غرق ہو چکی ہوتی۔ ماریا نے یہ سنا تو سمجھ گئی کہ یہ کام صرف وحشی لڑکی نے ہی کیا ہے کیونکہ اس کے سوا وہاں اور کوئی اس بچی کو موت کے منہ سے نہیں بچا سکتا تھا۔ جاپانی ملاحوں میں بھی یہ بات پھیل گئی کہ جنگل کی روح نے بچی کی جان بچائی ہے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ شام کے وقت ایک جاپانی بڑھئی ملاح درخت کاٹتا ہوا جنگل میں ذرا دور نکل گیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے گھر کے میز کرسیوں کے لئے کسی اچھے درخت کی لکڑی حاصل کرے۔ اس لالچ میں وہ جنگل میں کافی دور آ گیا۔ جب اسے اپنی پسند کی لکڑی کا درخت نظر نہ آیا اور ویسے بھی شام کے سائے جنگل میں پھیلنے لگے تو وہ واپس ہوا۔ ابھی اس نے واپس قدم اٹھائے ہی تھے کہ کسی نے پیچھے سے آ کر اس کی گردن میں پھندا ڈال کر کسنا شروع کر دیا۔ جاپانی ملاح

بے ہوش ہو گیا۔

اسے ہوش آیا تو دیکھا کہ وہ ایک جگہ زمین پر رسیوں کے ساتھ کھونٹیوں سے بندھا ہوا ہے اور کچھ وحشی لوگ اس کے اردگرد رقص کر رہے ہیں اور منہ ہی منہ میں کوئی منتر پڑھ رہے ہیں۔ جاپانی ملاح سمجھ گیا کہ وہ جزیرے کے آدم خوروں کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ اور اب اسے خدا ہی چاہے تو بچا سکتا ہے۔

جب منتر پڑھ چکے تو ایک بوڑھا آدم خور نیزہ لے کر آگے بڑھا اور اس نے نیزے سے جاپانی ملاح کے دل کی طرف اشارہ کیا۔ شاید وہ دوسروں کو حکم دے رہا تھا کہ سب سے پہلے اس ملاح کا دل سینے سے نکال کر دو تاکہ میں اسے کچا چبا جاؤں۔ جاپانی ملاح کا تو رنگ زرد پڑ گیا۔ اسے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی۔ اس نے بہتیرا شور مچایا مگر ایک تو اس کی جاپانی زبان وہاں کون سمجھتا تھا۔ دوسرے وہ تو اسے پکڑ کر ہی اس لئے لائے تھے کہ مزے سے بھون کر ہڑپ کریں گے۔ پھر وہ اس پر رحم کیسے کھاتے؟

ایک آدم خور ہاتھ میں نیزہ لے کر جاپانی ملاح کی طرف بڑھا۔ جاپانی نے آنکھیں بند کر لیں اور نیزے کے زخم کا درد محسوس کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اچانک جنگل میں وحشی لڑکی کی

بھیانک چیخ بلند ہوئی۔ اس چیخ پر جاپانی نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے دیکھا کہ آدم خور وحشی چیخ کی آواز سنتے ہی ایک دم جس جگہ کھڑے تھے وہیں کھڑے رہ گئے۔ دوسری بار چیخ قریب سے سنائی دی۔ آدم خور جلتی ہوئی آگ کے قریب آ کر دوزانو بیٹھ گئے۔

اتنے میں آگ کے الاؤ کی روشنی میں وحشی لڑکی جنگل میں جھاڑیوں کے پیچھے سے نکل کر آئی اور خاموش کھڑی ہوگئی۔ سارے آدم خور سجدے میں گر پڑے۔ وحشی عورت نے ہاتھ اوپر اٹھا کر جاپانی ملاح کی طرف اشارہ کیا۔ آدم خور اسی وقت اٹھے اور انہوں نے جاپانی کو کھول کر آزاد کر دیا۔ اس کے بعد وحشی لڑکی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتی گئی اور جنگل کے اندھیرے میں جدھر سے آئی تھی ادھر ہی کو غائب ہوگئی۔

وحشی لڑکی کے غائب ہوتے ہی آدم خور وہاں سے چلے گئے۔

کسی نے جاپانی ملاح کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ جاپانی ملاح نے خدا کا شکر ادا کیا کہ جان بچ گئی۔ اب وہ بھاگم بھاگ واپس اپنے جہاز پر پہنچا تو اس نے ساری کہانی لوگوں کو سنائی۔ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ آخر اس نے اپنے ٹخنوں اور ہاتھوں پر رسیوں کے نشان دکھائے اور کہا کہ بے شک صبح

چل کر وہ جگہ دیکھ لینا جہاں آدم خوروں نے اسے زمین پر باندھا تھا۔

اس واقعے کے دو اثر ہوئے۔ پہلا اثر تو یہ ہوا کہ لوگوں کو جنگل سے آنے والی وحشی عورت کی آواز سے ہمدردی ہوگئی کیونکہ انہوں نے دیکھا تھا کہ اس عورت نے جاپانی ملاح کی جان بچائی تھی۔ دوسرا اثر یہ ہوا کہ جزیرے پر آدم خور قبیلہ آباد تھا اور یہ بڑی پریشانی کی بات تھی۔ جاپانی کپتان نے سب ملاحوں کو بلا کر میٹنگ کی۔ اس نے کہا۔

"ہمارے ایک ملاح نے آکر بتایا ہے کہ اسے جزیرے میں آدم خوروں نے پکڑ لیا تھا۔ وہ اسے ہڑپ کرنا چاہتے تھے کہ جنگل کی وحشی چیخ والی عورت نے سامنے آکر اس کی جان بچائی۔ ہمیں اس عورت سے ہمدردی پیدا ہوگئی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمارے لئے یہ بڑی تشویش ناک بات ہے کہ جس جزیرے پر ہم نے آباد ہونے کا فیصلہ کیا تھا اس جزیرے پر ایک آدم خور وحشی قبیلہ پہلے سے رہ رہا ہے۔"

انجینئر نے کہا۔

"سر! ہمیں اس جزیرے پر آتے ہی سب سے پہلے چاہیے تھا کہ ہم جزیرے کی پوری طرح سے چھان بین

کرتے دیکھتے کہ کیا یہاں رہنا ٹھیک ہوگا؟ کہیں
اس جزیرے پر وحشی درندے یا آدم خور قبیلے تو آباد
نہیں ہیں؟ یہ ہم نے نہیں کیا۔ اب ہم پریشان ہو
رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم نے یہاں پر آباد
ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے تو ہمیں چاہیے کہ مشین گنوں
کی مدد سے ان تمام آدم خور وحشیوں کو ہلاک کر کے جنگل
صاف کر دیں۔"

جاپانی کپتان نے کہا۔

"میں کسی پر یونہی ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ اگر یہ وحشی
عورت ہمارے ساتھ ہے اور جیسا کہ ہمارے ملاح کے
واقعے سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہے
تو میرا خیال ہے کہ اس وقت تک ہمیں خوف نہیں
کھانا چاہیے۔ یہ آدم خور وحشی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ
سکتے۔"

دوسرا جاپانی بولا۔

"سر! ہم کس طرح سے ایک وحشی عورت پر بھروسہ
کر سکتے ہیں؟ ہو سکتا ہے یہ عورت ہی کسی وقت
بگڑ کر آدم خور بن جائے اور ایک ایک کر کے ہمارے
بچوں کو کھانا شروع کر دے۔ اب ہم ہر وقت تو اپنے

بچوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔"

کپتان نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوگا۔ یہ عورت ہمارے
ساتھ وفاداری کرے گی۔ چلو اگر وہ وفادار نہیں بھی رہتی
جب بھی ہم ہر وقت پستول وغیرہ ساتھ رکھیں گے اور
اگر کسی وحشی نے حملہ کیا تو اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

چوتھا جاپانی بولا۔

"سر! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ وحشی لوگ للکار
کر تو حملہ نہیں کرتے۔ جو ہم ان کا پستول سے مقابلہ
کر سکیں گے۔ یہ تو پیچھے سے بھی حملہ کرتے ہیں اور
اکثر ان کے تیر جسم کے پار ہو جاتے ہیں اور آدمی
کو خبر بھی نہیں ہوتی۔"

جس ملاح کو آدم خوروں نے پکڑ لیا تھا وہ بولا۔

"مجھے تو انہوں نے گردن میں پھندا ڈال کر پکڑ لیا تھا۔
میرا دم گھٹنے لگا اور میں بے ہوش ہوگیا۔ یہ بات بھی
ثابت کرتی ہے کہ وہ آدم خور ہیں۔ کیونکہ جس شخص
کو انہوں نے کھانا ہوتا ہے، اسے زہریلے تیر سے
ہلاک نہیں کرتے۔ کیونکہ پھر انسان کا سارا گوشت
زہریلا ہو جاتا ہے۔"

کپتان نے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"پھر آپ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ جو آپ فیصلہ کریں مجھے منظور ہو گا۔"

سب یک زبان ہو کر بولے۔

"آدم خوروں کا قتل۔"

"کیا مطلب؟" کپتان نے عینک ٹھیک کرتے ہوئے پوچھا۔

ایک ملاح نے اٹھ کر کہا۔

"جناب ہمارے پاس اسلحہ کی کمی نہیں ہے توپیں، رائفلیں، مشین گنیں اور دستی بم۔ سب کچھ ہمارے پاس موجود ہے۔ پھر کیوں نہ ہم ایک روز خاموشی سے جنگل میں جائیں اور جہاں جہاں آدم خور نظر آئے اسے ختم کر دیں۔ پھر ہم اس جزیرے پر سلامتی کے ساتھ اپنے بال بچوں کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں گے۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو آج ہی یہاں سے لنگر اٹھا کر کسی دوسرے جزیرے کی طرف روانہ ہو جائیں۔"

کپتان یہ نہیں چاہتا تھا۔ مگر وہاں سے دوسرے جزیرے پر جا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس میں سخت خطرہ تھا کہ راستے میں وہ کسی امریکی جہاز کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔ اس نے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔"

سارے ملاح خوش ہو کر تالیاں بجانے لگے۔ انجینیر اور سیکورٹی گارڈ کے انچارج نے کہا۔

"کل حملے کا پلان تیار کیا جائے گا۔"

جان بچا کر بھاگ کر آئے ہوئے جاپانی ملاح کی اطلاع کی روشنی میں آدم خوروں پر حملے کی سکیم تیار کی گئی۔ ملاح زیادہ نہیں تھے کل تعداد بارہ تیرہ انسانوں کی تھی۔ انہوں نے اپنے آپ کو مشین گنوں وغیرہ سے لیس کیا اور سیکورٹی گارڈ کمانچی کی کمانڈ میں جنگل میں ایڈوانس شروع کر دیا۔ وہ تین طرف سے جنگل میں داخل ہوئے تھے۔ ان سب نے اس جگہ جا کر مل جانا تھا جہاں بھاگے ہوئے ملاح نے بتایا تھا کہ آدم خوروں کا ڈیرہ ہے۔ دوپہر کے وقت یہ سارے ملاح مشین گنیں اور دستی بم لے کر اس جگہ جا کر آپس میں مل گئے۔

جنگل میں گرمی اور حبس تھا۔

انہوں نے دیکھا کہ آدم خوروں کی جھونپڑیاں بنی ہوئی ہیں مگر وہاں ایک بھی جنگلی آدم خور نہیں ہے۔ جھونپڑیوں کی تلاشی لی گئی وہاں سے سوائے مٹی کے برتنوں کے کچھ بھی نہ نکلا۔ نیزے اور تلواریں اور تیر کمان آدم خور ساتھ ہی لے گئے تھے۔ ایک جھونپڑی کا دروازہ کھولا گیا تو اندر انسانی پنجروں اور ہڈیوں کا ڈھیر لگا تھا۔ اس ڈھیر کو دیکھ کر وہ ڈر گئے۔

"اتنے سارے لوگ یہ کہاں سے لے آتے تھے؟"

"ان سب کو یہ آدم خور ہڑپ کر گئے ہیں۔"

"جھونپڑیوں کو آگ لگا دو۔"

اسی وقت ساری جھونپڑیوں کو آگ لگا دی گئی۔ اصل حقیقت یہ تھی کہ یہ لوگ جو ان جھونپڑوں میں رہتے تھے آدم خور نہیں تھے۔ بلکہ اگر کبھی کوئی سفید چمڑی والا ملاح بھولا بھٹکا وہاں آنکلتا تھا اور ان کے ہاتھ لگ جاتا تھا تو وہ اپنے دیوتا کے آگے اس کا دل نکال کر پیش کرتے تھے۔ اور جھونپڑی میں جو انسانی پنجر پڑے تھے وہ ان کے مردہ ساتھیوں کے پنجر تھے جنہیں وہ قبروں سے نکال کر سنبھال کر رکھ لیتے تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جس مردے کا پنجر قبر سے نہ نکالا جائے وہ بھوت بن کر آجاتا ہے۔ جاپانی ملاحوں نے جھونپڑیوں کو آگ لگا دی۔

جنگل میں دھواں اٹھا تو پرندے درختوں پر سے شور مچاتے اڑ گئے۔ جنگلی وحشی دور درختوں میں چھپے اپنی جھونپڑیوں کو جلتے دیکھ رہے تھے۔ آخر انہوں نے جاپانیوں پر حملہ بول دیا۔ جاپانیوں نے گولیوں اور دستی بموں کی بارش کر دی۔ جنگل مشین گن کی آوازوں اور دستی بموں کے دھماکوں سے گونج اٹھا۔ کتنے ہی جنگلی مارے گئے۔ باقی بھاگ گئے۔

شام کو جاپانی خوشی خوشی اپنے جہاز پہ آگئے۔ انہوں نے

سو ڈیڑھ سو جنگلی وحشیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ وہ بڑے خوش تھے کہ آدھے آدم خور مارے جا چکے ہیں اور باقیوں کا دوسرے روز صفایا کر دیا جائے گا۔ اس رات جنگل کی طرف سے وحشی لڑکی کی بھیانک چیخ بار بار سنی گئی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ سخت تکلیف میں ہے۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہ وحشی لڑکی اپنے جنگل والے ساتھیوں کی موت پر بین کر رہی ہے۔ ماریا جنگل کے رہنے والوں سے خوب واقف تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اب ان جاپانیوں کی خیر نہیں ہے۔ جنگل کے لوگ ان سے اپنے ساتھیوں کا ضرور بدلہ لینے آئیں گے۔

ماریا نے صرف اتنا کیا کہ جہاز پر رات کو سونا بند کر دیا۔ اب وہ جہاز سے دور ایک درخت کے نیچے سویا کرتی تھی۔ اس کو جاپانی کپتان، اس کی بیوی اور اس کی بچی سے بھی بڑی ہمدردی تھی۔ وہ ان کو جنگلی وحشیوں کے انتقام کی آگ سے بچانا چاہتی تھی۔ اس نے ایک دن ایک خط لکھا اور جاپانی کپتان کی بیوی کی میز پر رکھ دیا۔ اس عورت نے میز پر اپنی زبان میں خط لکھا دیکھا تو اٹھا کر پڑھنے لگی۔ پھر وہ اسے لے کر اپنے خاوند کے پاس آگئی۔ اس نے بھی خط پڑھا۔ لکھا تھا۔

"عزیز بہن! یہ خط میں تم کو ایک تباہی سے بچانے کے لئے لکھ رہی ہوں تمہارے آدمیوں نے جنگلی لوگوں

کا قتل عام کر کے اچھی بات نہیں کی۔ تم اپنے خاوند اور بچی کو لے کر اس جہاز سے دور کسی نئے خیمے میں رات کو سویا کرو۔ امید ہے تم میری اس نصیحت پر ضرور عمل کرو گی۔

تمہاری ایک ہمدرد۔"

کپتان نے تعجب سے کہا۔

"یہ کون عورت ہو سکتی ہے؟ یہاں تو تمہارے سوا کوئی بھی عورت نہیں ہے۔ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ یہ خط جنگل کی وحشی عورت یا بدروح نے لکھ دیا ہو؟"

کپتان کی بیوی بولی۔

"وہ تو بدروح ہے۔ بدروح خط نہیں لکھا کرتیں۔"

"پھر یہ کس نے خط لکھا ہے؟"

"جس نے بھی لکھا ہے۔ ہماری بھلائی کے لئے لکھا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی اور اپنی بچی کی زندگی کی خاطر رات کو جہاز سے دور سویا کریں۔"

کپتان نے کہا۔

جیسے تمہاری مرضی۔"

اسی روز کپتان نے خیمے میں سونا شروع کر دیا۔ یہ خیمہ جہاز سے ذرا فاصلے پر درختوں کے درمیان لگا تھا۔ ملاح بھی دور دور اپنی نئی بنی ہوئی جھونپڑیوں میں سوتے تھے۔ کپتان کے لئے ایک

خوبصورت سی جھونپڑی تیار کی جا رہی تھی۔

جزیرے کے آسمان پر صبح ہی سے بادل چھائے ہوئے تھے۔ شام کو بادل اور زیادہ کالے سیاہ ہو گئے۔ بجلی چمکنے لگی۔ بادل گرجنے لگے۔ بادل اتنے زور سے دھماکے کے ساتھ گرجتا کہ سارا جزیرہ دہل جاتا۔ سمندر میں بھی بڑی بڑی لہریں اٹھنے لگی تھیں جو اندر کھاڑی میں آ کر جہاز کو اپنی جگہ سے ہلا رہی تھیں سارے ملاح اپنی اپنی جھونپڑیوں میں دبکے بیٹھے تھے۔ ماریا بھی ایک خالی جھونپڑی میں بیٹھی تھی۔ اچانک بوندا باندی شروع ہو گئی۔ بوندا باندی نے بہت جلد شدید اور موسلا دھار بارش کی شکل اختیار کر لی۔

بارش۔ چمک۔ گرج۔

سارے جزیرے کے درخت تیز ہوا اور بارش میں دوہرے ہو رہے تھے۔ پرندے طوفان سے سہم کر اپنے اپنے گھونسلوں میں دبکے بیٹھے تھے۔ آدھی رات سے کچھ پہلے ماریا کی جھونپڑی ٹپکنے لگی۔ وہ اٹھی اور اس نے جگہ بدلی سامنے والی دیوار کے پاس آ کر۔ بنچ پر لیٹ گئی۔ اسے باہر ایسی آہٹ سنائی دی جیسے کوئی اس کی جھونپڑی کے آگے سے گزر رہا ہو۔ ماریا نے اٹھ کر جھونپڑی کی کھڑکی میں سے باہر دیکھا۔ اسے تو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے وہ بڑی آزادی سے

سر باہر نکالے جھانک رہی تھی۔ اس نے دو نیم برہنہ جنگلیوں کو نیزے ہاتھوں میں لئے دبے پاؤں ایک جھونپڑی کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ جنگلیوں نے جوابی حملہ شروع کر دیا ہے۔ وہ خاموش رہی۔ اسے صدمہ تھا کہ جاپانی ملاحوں نے جنگلیوں کا قتل عام کر دیا تھا۔ جب کہ انہوں نے ان کے کسی آدمی کو کچھ نہیں کہا تھا۔ دونوں جنگلی ملاحوں کی جھونپڑی میں گھس گئے۔

ٹھیک اس وقت بادل زور سے گرجنے لگا۔ اور جنگل کی طرف سے وحشی عورت کی بھیانک چیخ فضا میں بلند ہوئی اور سارا جنگل اس آواز کے خوف سے کانپ اٹھا۔ ماریا نے بھی کھڑکی بند کر دی اور دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی جو حالات آگے آنے والے تھے ان پر غور کرنے لگی۔

صبح جھونپڑی میں دو ملاحوں کی لاشیں پائی گئیں۔ اُن کے سینوں میں نیزے گڑے تھے اور دونوں کے سر غائب تھے۔

○

جزیرے پر کیا قیامت گزری؟

عنبر خلائی جہاز میں کہاں نکل گیا؟

ماریا اس جزیرے سے کس طرح نکل سکی؟

اور ناگ پر کیا گزری؟

اس کا حال آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں۔

خونی جزیرہ

اے حمید

موت کا تعاقب ۸۴
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

خُونی جزیرہ

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

طابع: شیخ نیاز احمد،
مطبع: غلام علی پرنٹرز، اشرفیہ پارک، فیروز پور روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی، لاہور سے شائع کیا۔

مقام اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

- خونی جزیرہ ۵
- مناکو ڈاکو ۲۷
- رتنا ۴۳
- جہاز سے فرار ۶۰
- دو لاشیں ۷۷
- خلائی سگنل ۹۹

پیارے بچو! جاپانی کمانڈر اپنے جہاز کو لے کر جزیرے کی کھاڑی
میں آجاتا ہے۔ یہاں اس کے ملاح جنگل میں جا رہے ہوتے ہیں کہ انہیں
جزیرے کے وحشی پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ ماریا جہاز پر ہی ہے۔ اسی
رات ـــ آدھی رات کے بعد جبکہ جزیرے پر خاموشی چھائی ہوتی ہے۔
ماریا جزیرے کی جانب سے آتی ہوئی کسی لڑکی کی چیخ کی آواز سنتی
ہے۔ وہ اس کی تلاش میں جاتی ہے۔ اس کے بعد جاپانی جہاز وہاں
سے چلا جاتا ہے اور ماریا جزیرے پر اکیلی رہ جاتی ہے۔ وہ پریشان ہے
کہ اب اس جزیرے سے کس طرح باہر نکلے گی۔ ایک دن وہ وحشی لڑکی
کی تلاش کرتے کرتے جزیرے میں دور نکل جاتی ہے۔ جب واپس
آتی ہے تو کیا دیکھتی ہے کہ جزیرے کی کھاڑی میں ایک بحری جہاز
کھڑا ہے۔ اس کا دل خوشی سے اچھل پڑتا ہے۔ اب وہ جزیرے
سے نکل سکے گی۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کا دل دھک سے رہ
جاتا ہے۔ وہ دیکھ لیتی ہے کہ بحری جہاز پر بحری ڈاکوؤں کا کالا
جھنڈا لہرا رہا ہے۔ اس کے بعد کا حال آپ خود پڑھیے۔

خونی جزیرہ

●

ملاحوں کی لاشوں نے خوف وہراس پھیلا دیا۔
دونوں لاشوں کے سر غائب تھے۔ کپتان نے اسی وقت
سب کو بلا کر کہا۔
"معلوم ہوتا ہے جزیرے کے آدم خور بدلے لے رہے
ہیں۔ ہمیں خبردار ہو جانا چاہیے۔ آج سے دو آدمی بندوقیں لے
کر رات کو پہرہ دیا کریں گے۔"
پہرے سے کیا ہوتا تھا۔ جزیرے کے جنگلی لوگ بڑے
ہوشیار تھے اور وہ جنگل میں سانپ کی طرح رینگ
کر بھی اپنے دشمن پر حملہ کر سکتے تھے۔ پس دو راتیں چھوڑ
کر تیسری رات بھی دو ملاحوں کی لاشیں ان کی جھونپڑیوں
میں پڑی تھیں۔ ان کے بھی سر غائب تھے۔ سارے ملاح
گھبرا گئے۔ اگر اتنے سخت پہرے میں بھی دشمن ان کے
کیمپ میں گھس کر انہیں ہلاک کر سکتا ہے تو پھر وہاں کسی
کی بھی جان محفوظ نہیں تھی۔ کپتان خود پریشان تھا۔ اسے

اپنی بیوی اور بچی کی جان کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ سب ملاح جھونپڑیاں چھوڑ کر جہاز پر چلے جائیں اور جہاز کو کھاڑی کے اندر کنارے سے دور کھڑا کر دیا جائے۔ جہاز کو پانی میں کنارے سے دور لے جایا گیا۔ سارے ملاح اس کے اوپر آ گئے تھے۔ کپتان اور اس کی بیوی بچے بھی اپنے کیبن میں آ چکے تھے۔ رات کو کیبن کو اندر سے تالا لگا دیا گیا۔ جہاز کے عرشے پر زبردست پہرہ لگا دیا گیا۔

مگر جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا۔ دو روز بعد صبح کے وقت جہاز کے عرشے پر دو پہریداروں کی لاشیں پڑی تھیں اور ان کے سر غائب تھے۔ اب صرف چار ملاح باقی رہ گئے تھے۔ انہوں نے کپتان سے اجازت لئے بغیر اپنے ساتھیوں کی موت کا بدلہ لینے کے لئے توپوں کا رخ جزیرے کی طرف کر کے گولہ باری شروع کر دی۔ دھائیں دھائیں جزیرے میں گولے پھٹنے لگے پرندے شور مچاتے درختوں سے اڑ گئے درخت ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔ کئی جگہوں پر آگ لگ گئی اور دھواں اٹھنے لگا۔

بڑی مشکل سے کپتان نے خود جا کر گولہ باری بند کرائی ایسے لگتا تھا کہ چاروں ملاح اپنے ساتھیوں کی موت

کی وجہ سے دیوانے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کپتان سے کہا۔

"ہمارے ساتھیوں کا بدلہ لیا جائے۔ جزیرے کو تباہ کر دیا جائے۔ یا پھر ہماری حفاظت کی ضمانت دی جائے۔"

کپتان نے کہا۔

"میرے بچو! میں خود تمہاری کشتی میں سوار ہوں میں کسی کی جان کی کیا ضمانت دے سکتا ہوں۔ خود میری اور میرے بیوی بچوں کی زندگی خطرے میں ہے۔"

ماریا یہ سارا تماشہ خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ جو کچھ ہو رہا تھا اسے معلوم تھا کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ ان ملاحوں نے بڑی بیدردی سے جنگلی لوگوں کا قتل عام کیا تھا۔ اب اگر وہ بدلہ لے رہے تھے تو اس میں حیرانی کی کون سی بات تھی؟

جاپانی کپتان نے تو اپنے کیبن میں اپنے بال بچوں کو بند کر لیا تھا۔ باقی جو چار ملاح رہ گئے تھے انہوں نے پوری تیاری کر رکھی تھی۔ انہیں ہر وقت اپنی جان کا خطرہ تھا۔ دن کی روشنی میں وہ ادھر ادھر کے کاموں میں لگے رہتے مگر جونہی رات آتی وہ مشین گنیں لے کر چوکس ہو کر اپنے اپنے کیبن اندر سے بند کر کے بیٹھ جاتے۔

آدھی رات تک تو وہ جاگتے رہتے مگر اس کے بعد انہیں نیند آجاتی اور وہ اونگھنے لگتے۔

موت کے خوف نے ان سے نیند کا مزہ بھی چھین لیا تھا۔

ماریا بھی جہاز پر آگئی تھی اور رات کو اکثر جاگتی رہا کرتی تھی۔ کئی روز سے وہ جنگل میں بھی نہیں گئی تھی۔ جس رات ان ملاحوں نے جزیرے پر گولہ باری کی تھی اس روز رات کے پچھلے پہر وحشی لڑکی کی آواز تھوڑی دیر کے لیے سنائی دی تھی۔ اس بھیانک آواز نے گولہ باری کے بعد تباہ شدہ علاقے کی فضا کو اور زیادہ ڈراؤنا بنا دیا تھا۔ اس آواز کو کسی دوسرے ملاح نے نہیں سنا تھا۔

سب سے زیادہ پریشان جاپانی کپتان کی بیوی تھی۔ اسے اپنے خاوند اور اپنی بیٹی کی فکر تھی۔ اس نے اپنے خاوند سے کہا۔

"یہاں سے چلے چلو۔ ہماری اور ہماری بچی کی جان یہاں خطرے میں ہے۔ اب ہمیں یہاں رہ کر کیا کرنا ہے۔ ہمارے آدمی ایک ایک کر کے مارے جا رہے ہیں۔ ایک روز ہماری باری بھی آ جائے گی۔ ابھی وقت ہے۔ ہم

جہاز یہاں سے نکال کر لے جاتے ہیں اور کسی دوسرے جزیرے کو تلاش کرتے ہیں۔"

جاپانی کپتان نے کہا۔

"بیگم سارے جزیرے ایسے ہی ہیں۔ اگر ہم کسی دوسرے جزیرے پر چلے بھی گئے تو وہاں بھی آدم خور آ جائیں گے۔"

"تو پھر واپس جاپان چلے چلو۔ ہم امریکیوں کے قیدی بن کر باقی زندگی گذار لیں گے مگر میں اس ویران جزیرے پر اپنی بچی اور اپنے خاوند کو مرتے نہیں دیکھ سکتی۔"

کپتان گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کسی حد تک اس کی بیوی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ یہاں سے انہیں چلے جانا چاہیے۔ جزیرے کے جنگلی لوگ ان کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ لیکن کپتان جائے بھی تو کہاں جائے؟ دوسرے جزیروں پر بھی آدم خوروں کا ڈر تھا۔ کھلے سمندر میں بمباری کا خطرہ تھا اور جاپان میں امریکی ہتھکڑیاں لے کر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے باوجود اس نے فیصلہ کر لیا کہ اپنی بیوی اور بچی کی زندگی کی خاطر اسے بہت جلد جزیرے سے کوچ کر جانا چاہیے۔

اس رات جہاز پر آدھی رات کے وقت جزیرے کے جنگلی دبے پاؤں آئے اور انہوں نے سب سے پہلے تو عرشے پر پہرہ دینے والے دو ملاحوں کو ہلاک کر کے ان کے سر کاٹے اور

پھر نیچے کیبن میں جا کر باقی سوئے ہوئے دو ملاحوں کو بھی ہلاک کر دیا۔ صبح ان کی لاشیں سمندر کی کھاڑی میں ڈال دی گئیں۔ اب کپتان اور اس کی بیوی بچی بالکل اکیلے رہ گئے تھے۔ اس کی بیوی تو رونے لگی۔ "خدا کے لئے یہاں سے بھاگ چلو۔ ابھی اسی وقت۔ میں اپنی بچی کی زندگی کی دشمن نہیں ہوں یہ خونی جزیرہ ہے۔ اسے چھوڑ دو"

جاپانی کپتان اب خود وہاں سے چلے جانا چاہتا تھا مگر مصیبت یہ تھی کہ کھاڑی میں پانی اتر گیا تھا۔ اور جہاز نیچے کیچڑ میں پھنس چکا تھا۔ اب ایک ہی صورت تھی کہ سمندر کی طرف سے پانی کھاڑی میں داخل ہو۔ پانی جہاز کو اوپر اٹھائے اور وہ پھر وہاں سے چل کر سمندر میں آ جائے۔

"ہمیں سمندر کے پانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ جب تک پانی کی لہر کھاڑی میں نہیں آتی ہم یہاں سے نہیں جا سکتے۔" بیوی نے کہا۔

"اس جہاز کو یہیں چھوڑ دو۔ ہم کشتی میں سوار ہو کر یہاں سے چلے جاتے ہیں۔"

"کشتی میں سوار ہو کر ہم کھلے سمندر میں کہاں جائیں گے؟ یہ تو اپنی موت کی طرف جانے والی بات ہو گی۔ خدا پر بھروسہ رکھو اور کچھ وقت انتظار کرو۔ مجھے یقین ہے یہ جنگلی

لوگ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ تم دیکھ لینا وہ اب اس جہاز کو آگ لگائیں گے۔"

لیکن کپتان کا خیال ٹھیک تھا۔ جنگلی لوگوں کو ان سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔ جانے کیسے انہیں پتہ چل گیا تھا کہ جزیرے پر گولہ باری کپتان کی مرضی کے خلاف ہوئی ہے۔ چار پانچ روز گزر گئے اور کوئی جنگلی جہاز پر نہ آیا۔ اب کھاڑی میں سمندر کا پانی داخل ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ابھی اتنا پانی نہیں آیا تھا کہ جہاز کیچڑ میں سے نکل سکتا۔ کپتان کی بیوی وہاں نہ رہنے کی قسم کھا چکی تھی۔

ایک روز رات کو ماریا نے کچھ جنگلی پھل کھائے اور جنگل کی طرف سیر کرنے نکل گئی۔ جہاز پر خوراک کا ذخیرہ ختم ہو رہا تھا۔ مگر جنگلی پھل اور تازہ پانی کافی تھا۔ ان کا گذارہ اب پھلوں پر ہو رہا تھا۔

کپتان کا خیال جزیرے پر کھیتی باڑی کا تھا لیکن ملاحوں کے بغیر وہ اکیلا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کافی دیر تک جنگل میں سیر کرنے کے بعد ماریا جہاز پر آ گئی۔ اس روز گرمی تھی۔ کپتان اور اس کی بیوی تو ڈر کے مارے کیبن کے سوتے تھے۔ ماریا جہاز کے اوپر عرشے پر سوتی

تھی۔

آدھی رات تک ماریا عرشے پر بیٹھی آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھتی اور عنبر ناگ کے بارے میں سوچتی رہی۔

پھر وہ اونگھنے لگی۔

ابھی وہ پوری طرح سوئی نہیں تھی کہ اسے جزیرے میں دور سے وحشی لڑکی کی آواز سنائی دی۔ وہ ایک دم سے ہوشیار ہو گئی۔ رات کی خاموشی میں یہ آواز بڑی خوفناک معلوم ہوئی تھی۔ اس نے جزیرے کی خاموشی کو زیادہ ڈراؤنا بنا دیا تھا۔ دوسری بار آواز نہ آئی۔ ماریا نے سوچا کہ شاید وحشی لڑکی سو گئی ہے۔ چنانچہ وہ بھی سو گئی۔

اب ایسا ہوا کہ کپتان کی بیوی اپنے کیبن میں بچی کو سلا کر کتاب پڑھنے لگی۔ اس کا خاوند کپتان بھی سو گیا تھا۔ بیگم کو خوف کے مارے رات کو بہت کم نیند آتی تھی۔ وہ زیادہ تر دن میں سوتی رہتی تھی۔

اچانک کپتان کی بیگم نے آہٹ کی آواز سنی، اس کے بدن میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ کتاب پر سے نظریں ہٹا کر کیبن کی گول کھڑکی کے شیشے کو تکنے لگی۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی کھڑکی پر پڑ رہی تھی۔ اسے کھڑکی میں کوئی شکل نظر نہ آئی۔ بیگم نے اپنی بچی کو ساتھ لگا لیا اور اسے تھپکنے لگی۔

اتنے میں جیسے کسی نے دروازے کو اندر کی طرف دھکیلا اب تو کپتان کی بیوی کی جان ہی نکل گئی۔ اس نے جلدی سے کپتان کو جگا دیا اور آہستہ سے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"کوئی دروازے پر ہے۔"

کپتان آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور بیوی کی بات سن کر عینک لگا کر بڑے غور سے دروازے کو دیکھنے لگا جس پر تالا پڑا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے؟ میرا خیال ہے تم نے کوئی خواب دیکھا ہے"

"شی!"

دروازہ پھر اندر کی طرف دھکیلا جا رہا تھا۔ کپتان نے پستول نکال کر ہاتھ میں تھام لیا۔ اس نے پستول کا رخ دروازے کی طرف کر کے بلند آواز سے کہا۔

"کون ہے؟"

اس کے ساتھ ہی دروازے پر جیسے کسی نے زور سے ہاتھ مارا اور پھر وہی جزیرے کے جنگل والی وحشی لڑکی کی چیخ فضا میں بلند ہوئی جس کو سن کر کپتان کی بیوی بھی چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ کپتان نے جلدی سے اسے

سنبھالا۔ چیخ کی آواز نے ماریا کو بھی جگا دیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔

اس نے دیکھا کہ ستاروں کی دھندلی دھندلی روشنی میں وہی جنگل والی وحشی لڑکی عرشے پر جنگلے کے پاس کھڑی ہے۔ اس کے لمبے سیاہ بال سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا میں لہرا رہے تھے۔ وحشی لڑکی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے ماریا کی موجودگی کا پتہ چل گیا ہے۔ اسے معلوم ہو گیا ہے کہ تھوڑے فاصلے پر ایک لڑکی کھڑی ہے۔ جو عام انسانوں کو دکھائی نہیں دیتی۔ ماریا بھی ٹھٹھک گئی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھی۔ جب وہ قریب پہنچی تو وحشی لڑکی نے جنگلے پر سے کود کر کھاڑی میں چھلانگ لگا دی۔

ماریا جلدی سے جنگلے پر آئی اور جھک کر نیچے دیکھنے لگی۔

وحشی لڑکی کھاڑی کے پانی میں تیرتی ہوئی دوسرے کنارے کی طرف جا رہی تھی۔ جزیرے میں رات کے اندھیرے میں وہ تھوڑی دور تک تیرتی ہوئی نظر آتی رہی پھر غائب ہو گئی۔ اتنے میں کپتان بھی پستول ہاتھ میں لئے اوپر آ گیا۔ نیچے اس کی بیوی کی رونے کی آواز آ

رہی تھی۔ کپتان نے سمندر کی طرف گولیاں چلا دیں۔ ماریا نے سوچا کہ یہ وحشی لڑکی جہاز پر کیا لینے آئی تھی؟ کیا اسے کسی شے کی ضرورت تھی؟ مگر اسے کس شے کی ضرورت ہو سکتی ہے؟

ساری رات ماریا یہی سوچتی رہی۔ وحشی لڑکی اس کے لئے ایک معمہ بن چکی تھی۔ دن نکل آیا۔ کھاڑی میں کافی پانی آ گیا تھا اور جہاز کیچڑ میں سے نکل آیا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ جنگل میں چل کر آج اس پراسرار وحشی لڑکی کا راز حل کرنا چاہیے پتہ کرنا چاہیے کہ یہ لڑکی کون ہے؟ اور اس جنگل میں اسے کون چھوڑ گیا ہے!

ماریا جہاز کی سیڑھی پر سے نیچے اتری اور پانی میں سے ہو کر جزیرے کے کنارے آ گئی۔ یہاں سے اس نے جنگل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ ادھر کپتان کی بیوی اور کپتان نے وہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انہوں نے سیڑھی اوپر اٹھا لی۔ کپتان نے انجن چلا دیئے۔ انجن ذرا گرم ہوئے تو کپتان نے بیور کھول کر آگے کو دبا دیا۔ اس کے ساتھ ہی جہاز میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے بڑی آہستگی سے بائیں جانب یعنی سمندر کی طرف گھومنا شروع کر دیا۔ کھاڑی میں جہاز کی رفتار تھوڑی تھی، وہ بڑے

آرام سے بائیں جانب درختوں میں گھوم گیا۔ کھاڑی میں کافی پانی آگیا تھا۔ کچھ دور تک وہ ہلکی رفتار سے چلتا رہا اور پھر سمندر میں داخل ہو گیا۔ کپتان کی بیوی نے خدا کا شکر ادا کیا کہ خونی جزیرے سے اس کی جان چھوٹی۔

ادھر ماریا کو کوئی خبر نہیں تھی کہ جہاز وہاں سے روانہ ہو چکا ہے۔ وہ جنگل میں اس کھوہ کی طرف چلی جا رہی تھی جہاں اس نے وحشی لڑکی کا بستر دیکھا تھا۔ یعنی جہاں کیلے کے پتوں کا بستر لگا تھا۔ وہ جگہ خالی تھی۔ وحشی لڑکی کہیں نہیں تھی۔ ماریا جنگل میں دوسری طرف نکل گئی۔ ایک جگہ اس نے کچھ جھونپڑیاں دیکھیں۔ گولہ باری نے اس علاقے کو کافی نقصان پہنچایا تھا۔ کئی درخت ٹوٹ کر گرے ہوئے تھے۔ زمین میں بڑے بڑے گڑھے پڑ گئے تھے۔ کہیں کچھ درخت جل کر سیاہ ہو چکے تھے۔ ماریا ان جھونپڑوں کے پاس گئی۔

ان جھونپڑوں کے پیچھے درختوں کے نیچے کچھ عورتیں بیٹھی چٹائیاں بنا رہی تھیں۔ ان کے بچے گھاس پر کھیل رہے تھے۔ دو ایک جوان لڑکیاں ناریل کی چھال اتار رہی تھیں۔ ماریا ان کے قریب سے ہو کر گزر گئی۔ مرد یہاں کوئی نہیں تھا۔ یہ امن پسند لوگ تھے۔ ماریا یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی

کہ یہ لوگ آدم خور ہوں گے۔ جاپانی ملاحوں نے ان کے گاؤں پر گولہ باری کر کے اور ان کے مردوں کو گولیوں سے اڑا کر بڑی زیادتی کی تھی۔ خیر ان لوگوں نے بھی بدلہ لے لیا اور ایک ایک کر کے سارے جاپانی ملاحوں کو ختم کر دیا۔

ذرا فاصلے پر ماریا نے ایک درخت دیکھا جس کی شاخوں سے انسانی سر لٹکے ہوئے تھے۔ ماریا قریب گئی تو معلوم ہوا کہ یہ سارے کے سارے سر جاپانی ملاحوں کے ہیں۔ یہ سر ناریل کی رسیوں سے لٹکائے گئے تھے۔ پھر ایک جانب درختوں سے کچھ وحشی وہاں آئے اور انہوں نے تیر چلا کر ان سروں پر نشانہ بازی شروع کر دی۔ یہ لوگ اس قدر ماہر نشانہ باز تھے کہ دور سے بھی تیر آ کر ٹھیک نشانے پر لگتا تھا۔

ماریا یہ نشانہ بازی کچھ دیر تک دیکھتی رہی۔ پھر وہ بائیں طرف کو جنگل میں آگئی۔ یہاں بڑی گھنی جھاڑیاں تھیں۔ درختوں کی شاخیں زمین کو چھو رہی تھیں۔ ان وحشی لوگوں نے یہاں جھاڑیاں کاٹ کر پگ ڈنڈی سی بنا رکھی تھی۔ اس پگڈنڈی پر چلتی ماریا ایک ندی کے پاس آ کر رک گئی۔ یہ بڑی خوبصورت ندی تھی۔ صاف شفاف پانی بڑے سکون سے

بہہ رہا تھا۔ ماریا نے جھک کر پانی پیا۔ بڑا ٹھنڈا اور میٹھا پانی تھا۔ ماریا نے منہ ہاتھ دھویا اور وہاں بیٹھ کر آرام کرنے لگی۔

اسے جس کی تلاش تھی وہ اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

ماریا اٹھ کر ندی کے کنارے چل دی۔

اب اسے کچھ آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ان آوازوں کی طرف لپکی کہ شاید کوئی راز مل جائے۔ آگے جا کر درختوں کے درمیان کچھ وحشی بیٹھے تھے۔ ان کے آگے ایک اونچی جگہ بنی تھی جس پر وہی وحشی لڑکی کیلے کے پتوں کا لباس پہنے خاموش کھڑی تھی۔ اس کے سیاہ بال نیچے لہرا رہے تھے۔ اس کے سر میں سرخ پھول سجا ہوا تھا۔ وہ خاموش کھڑی وحشی لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ جنگلی مرد اس وحشی لڑکی کے آگے بڑے ادب سے کچھ سہمے سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ صاف لگتا تھا کہ وہ اس کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ اسے کوئی آسمانی دیوی سمجھتے ہوں۔

ماریا اس وحشی لڑکی کو اچانک ان وحشی مردوں کے بیچ میں دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ بڑی خاموشی سے ایک درخت

کے ساتھ لگ کر یہ منظر دیکھنے لگی۔ اچانک وحشی لڑکی نے فضا میں نتھنے پھلا کر کچھ سونگھا اور پھر ہاتھ اوپر اٹھا کر اس درخت کی طرف اشارہ کیا جس کے ساتھ لگ کر ماریا کھڑی تھی۔ وحشی لوگوں نے ایک دم سے کمانوں پر تیر چڑھا لیے اور درخت کی طرف رخ کر کے تیر چھوڑ دیئے۔

اگر ماریا پھرتی سے کام لے کر وہاں سے دوسری طرف نہ ہٹ جاتی تو آج اسے لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ سارے کے سارے زہر میں بجھے ہوئے تیر اس کے جسم میں کھب جاتے۔

ماریا گھبرا گئی۔ اس کم بخت وحشی لڑکی کو تو پتہ چل جاتا ہے کہ ماریا کہاں کھڑی ہے۔ ماریا تیزی سے پیچھے کی طرف بھاگی اور ذرا فاصلے پر جا کر جھاڑیوں میں چھپ کر انہیں تکنے لگی۔ اب شاید وحشی لڑکی کو ماریا کی بو نہیں آ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے وحشیوں کو بیٹھنے کے لیے کہا۔

اب انھوں نے اپنی زبان میں باتیں شروع کر دیں۔ وحشی لڑکی بالکل خاموش رہی۔ وہ کسی بات کا جواب نہیں دے رہی تھی۔ صرف اشاروں سے جواب دے رہی تھی۔ جنگلی لوگ کیلے کے پتوں پر مچھلی، پھل یا بکری کا مکھن رکھ کر وحشی لڑکی کے سامنے لے جاتے۔ وحشی لڑکی اس پر ہاتھ رکھتی اور وہ واپس

اپنی جگہ پر جا بیٹھے۔ ماریا کے لئے یہ ایک نئی بات تھی کہ وحشی لڑکی ان جنگلی لوگوں کی دیوی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد یہ محفل ختم ہو گئی۔ وحشی لڑکی سب سے پہلے اس چبوترے سے اتر کر پچھلی طرف جنگل کے اندھیرے میں گم ہو گئی۔ اس کے بعد وحشی لوگ بھی ایک ایک کر کے اپنے اپنے جھونپڑوں کی طرف چلے گئے۔

ماریا نے اب دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس پراسرار وحشی لڑکی سے ضرور ملے گی۔ وہ واپس ہوئی۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ جہاز پر جا کر کچھ پھل کھائے گی۔

جونہی وہ کھاڑی کے کنارے آئی تو یہ دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا کہ وہاں جہاز نہیں تھا۔ اس نے کھاڑی کے کنارے کنارے بھاگ کر آگے تک دیکھا۔ جہاز کہیں بھی نہیں تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ آخر کپتان کی بیوی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہے۔ اور جاپانی کپتان جہاز کو کھاڑی میں سے نکال کر لے گیا ہے۔

اب ماریا کو فکر ہوئی۔ کیونکہ وہ جزیرے پر بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ پہلے اسے کم از کم یہ تسلی ضرور تھی کہ جاپانی جہاز کھاڑی میں تھا اور وہ اس پر سوار ہو کر جزیرے سے واپس

جا سکتی تھی۔ مگر اب تو اس جزیرے سے نکلنے کی آخری امید بھی ختم ہو چکی تھی جس جاپانی جہاز پر بیٹھ کر وہ جزیرے سے جا سکتی تھی وہ بھی اب وہاں نہیں رہا تھا۔ ماریا ایک جگہ بیٹھ کر غور کرنے لگی کہ اب اسے کیا کرنا چاہیئے۔

ایک بات تو بالکل صاف تھی کہ جب تک اس جزیرے پر پھل اور پانی کافی تھا، وہ یہاں رہ سکتی تھی مگر سوال یہ تھا کہ وہ کب تک وہاں پڑی رہے گی۔ بہت کم امید تھی کہ اس جزیرے پر کوئی جہاز آ کر لگے۔ ماریا کو بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے جنگل میں گھوم پھر کر کچھ پھل توڑ کر کھائے۔ چشمے پر جا کر پانی پیا اور ملاحوں کی بنائی ہوئی لکڑی کی ایک جھونپڑی میں جا کر لیٹ گئی۔

لیٹے لیٹے اسے نیند آ گئی۔ شام کو اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے پھر کچھ پھل کھائے پانی پیا۔ ندی پر جا کر غسل کیا۔ کپڑے دھو کر پھر پہنے اور جزیرے کی گرم ہوا میں چل پھر کر گیلے کپڑے سکھانے لگی۔ گھومتے پھرتے رات ہو گئی۔ جزیرے پر چاند نکل آیا۔ چاندنی میں جزیرے کے درخت خوبصورت دکھائی دینے لگے اور کھاڑی کا پانی شیشے کی طرح چمکنے لگا۔

ماریا سیر کرتے کرتے تھک گئی تو اپنی جھونپڑی میں آ کر لیٹ گئی۔ کچھ دیر اس نے سوچ بچار کرنے میں گذار دی۔ پھر اسے نیند آ گئی۔

آدھی رات کو اسے پیاس محسوس ہوئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور ابھی وہ اٹھنے ہی لگی تھی کہ وہیں کی وہیں رہ گئی۔ اس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ جھونپڑی کی کھلی کھڑکی میں سے چاند کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ کھڑکی میں وحشی لڑکی کا سر دکھائی دے رہا ہے۔ اس کے بال کھلے ہیں۔ اور چاندنی میں سونے کے تار لگ رہے ہیں۔ وہ کھڑکی میں سے اندر دیکھ رہی تھی۔ شاید ماریا کو سوتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ ماریا نے کنکھیوں سے اسے تکنا شروع کر دیا۔ سوچنے لگی۔ یہ وحشی لڑکی وہاں کیا کرنے آئی ہے؟ کیا اسے ہلاک کرنے آئی ہے؟

مگر اسے ماریا کو مارنے کی کیا ضرورت ہے؟

ویسے بھی وہ ماریا کے خلاف نہ تھی۔ مگر ہاں جنگل میں ایک بار اس نے وحشی لوگوں کو اس پر تیروں کی بارش کا حکم دے دیا تھا۔ بہرحال ماریا کے دل میں عجیب کش مکش جاری تھی۔ کبھی وہ سوچتی کہ اٹھ کر بھاگ جائے۔ کبھی وہ سوچتی کہ یونہی جھوٹ موٹ نیند کا بہانہ بنا کر سوئی رہے اور دیکھے کہ یہ وحشی لڑکی کیا کرتی ہے؟ اگر اس نے ماریا کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تو وہ بڑی آسانی سے اسے گرا دے گی۔

اتنا سوچ کر ماریا نے آنکھیں بند کر لیں اور وحشی لڑکی کا انتظار کرنے لگی۔ وحشی لڑکی نے جب دیکھا کہ ماریا بے سدھ

سو رہی ہے تو وہ جھونپڑی کی کھڑکی سے اندر آ گئی۔ ماریا نے تھوڑی سی آنکھ کھول کر اسے دیکھا۔ وہ بالکل اس کے سرہانے کھڑی تھی اور اپنی زرد زرد چمکیلی آنکھوں سے اسے تک رہی تھی۔ پھر وہ ماریا پر جھک گئی۔

ماریا بڑی حیران تھی کہ یہ کم بخت اس کو کیسے دیکھ لیتی ہے؟ اصل میں وحشی لڑکی ماریا کو دیکھ نہیں رہی تھی بلکہ اسے اپنی چھٹی حس کے ذریعے احساس ہو رہا تھا کہ اس بستر پر کوئی عورت آرام کر رہی ہے۔ وحشی لڑکی نے ہاتھ بڑھا کر ماریا کے جسم کو چھوا۔ جونہی اس کا ہاتھ سچ مچ ماریا کے جسم سے ٹکرایا وہ اچھل کر پرے ہٹ گئی۔ یہ بات اس وحشی لڑکی کے لئے بھی بڑی عجیب تھی کہ بستر خالی ہو۔ مگر اس پر ایک لڑکی لیٹی ہو اور وہ کسی کو نظر نہ آ رہی ہو مگر جب ہاتھ لگایا جائے تو اس کا جسم چھو جائے۔

ماریا نے اب دیر سے کام نہ لیا۔ جونہی دوسری بار وحشی لڑکی نے اپنا ہاتھ ماریا کے جسم کو لگانا چاہا ماریا نے لپک کر اس کی وحشی لڑکی کی کلائی مضبوطی سے پکڑ لی۔ عورت کی وہی بھیانک چیخ فضا میں بلند ہوئی۔ اس نے بے حد زور لگایا مگر ماریا نے اسے بالکل نہ چھوڑا۔ وحشی لڑکی کو کیا معلوم تھا کہ ماریا کی گرفت لوہے کی ہے۔

ماریا نے کہا۔

"تم کون ہو؟ تم میری تلاش میں کیوں ہو؟
تم مجھے کس طرح دیکھ لیتی ہو؟"

ماریا نے دو تین سوال اوپر تلے کر دیئے۔ وحشی لڑکی اپنی وحشی زرد زرد آنکھوں سے ماریا کو گھور رہی تھی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ماریا نے اسے بالکل نہ چھوڑا۔ وحشی لڑکی کی کلائی کافی مضبوط تھی اور اب اس نے زور لگانا چھوڑ دیا تھا۔ ماریا نے پھر کہا۔

"سنو! میرا نام ماریا ہے۔ میں کوئی بھوت نہیں ہوں۔ کوئی بد روح نہیں ہوں۔ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں مگر جادو کے زور سے مجھے غائب کر دیا گیا ہے۔ میں کوشش بھی کروں تو ظاہر نہیں ہو سکتی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم میری زبان سمجھ رہی ہو؟"

وحشی لڑکی ماریا کو دیکھے جا رہی تھی۔ کوئی جواب نہیں دے رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بھی نہیں جھپکی تھیں۔ اس کے لمبے بال ماریا کے بازو پر گرے ہوئے تھے۔ وحشی لڑکی کے بالوں سے جنگل کے پھولوں اور سبزے کی مہک آ رہی تھی۔ ماریا نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔

"تم اگر جانا چاہو تو جا سکتی ہو۔ مگر مجھ سے ڈرو نہیں۔
میں تمہاری بہن ہوں۔"

"بولو! کیا تم میری زبان سمجھ رہی ہو؟"

وحشی لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ شیرنی کی طرح اپنی جگہ سے اچھلی اور کھڑکی میں سے کود کر باہر جنگل میں غائب ہو گئی۔

●

مناکو ڈاکو

●

ماریا نے جھونپڑی سے باہر نکل کے دیکھا۔
چاندنی رات سنسان تھی۔ وحشی لڑکی کا کہیں کوئی پتہ نہیں تھا۔
پہلے تو پھر کبھی کسی جاپانی ملاح یا کپتان کی بچی کی آواز آ جاتی تھی۔
اب جزیرے پر اتنی گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ ایک بار تو ماریا کو اپنے سانس کی آواز بھی صاف صاف سنائی دینے لگی۔ ماریا کو اب اس جزیرے میں اس وقت تک رہنا تھا جب تک کہ کوئی بھولا بھٹکا جہاز وہاں کنارے پر نہیں آ لگتا۔ اس لئے وہ وحشی لڑکی کا راز معلوم کرنے پر تل گئی تھی۔ اور اسے کوئی کام نہیں تھا۔
رات کو اس وحشی لڑکی کے پیچھے جانا بیکار تھا۔ کیونکہ جنگل میں وہ بڑی آسانی سے چھپ جاتی تھی۔ دن نکل آیا۔ ماریا نے ندی پر جا کر غسل کیا۔ کپڑے دھو کر پھر پہنے۔ درختوں سے پھل توڑ کر کھایا۔ چشمے کا ٹھنڈا پانی پیا اور جنگل میں سیر کرنے لگی۔ جزیرے میں رہتے ماریا کو کئی روز گذر گئے تھے۔ اس رات کے بعد وحشی لڑکی پھر ماریا کو نظر نہیں آئی تھی۔ ماریا

جنگلی لوگوں کی جھونپڑیوں کی طرف بھی گئی کہ شاید وہاں مل جائے
لیکن وہاں بھی وحشی لڑکی نظر نہ آئی۔ رات کو ماریا چپکے سے کئی
بار وحشی لڑکی کے کیلے کے پتوں والے بستر پر بھی گئی۔ مگر وہاں
بھی وہ نہیں تھی۔

یا خدا وہ کہاں چلی گئی! کہیں وہ بیمار تو نہیں پڑ گئی!

اگر بیمار پڑتی تو یہ جنگلی لوگ ضرور اسے اپنے کسی نہ کسی
جھونپڑے میں لے آتے اور اس کی دوا دارو کرتے۔ وقت
گذرنے لگا۔ وحشی لڑکی کو دیکھے پندرہ دن ہو گئے کہ ایک رات
اچانک ماریا کی آنکھ کھل گئی۔ جزیرے میں سے وحشی لڑکی کی
چیخ کی آواز آ رہی تھی۔ ماریا اٹھ کر بیٹھ گئی۔ آواز کمزور اور
لمبی تھی۔ جیسے کوئی بین کر رہا ہو۔ ماریا سے نہ رہا گیا وہ
بستر سے اٹھی اور جس طرف جنگل سے آواز آئی تھی ادھر
کو دوڑ پڑی۔

آخر وہ اس جگہ پہنچ گئی جہاں وحشی لڑکی کا بستر تھا۔

کیا دیکھتی ہے کہ وہ کیلے کے پتوں کے بستر پر پڑی ہے۔
اس کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ ماریا اس کے قریب آ گئی ہے
ماریا نے جھک کر اسے دیکھا۔ اس کا جسم بخار سے پھک رہا
تھا۔ ماریا نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو وحشی لڑکی نے
جھٹکے سے اس کا ہاتھ پرے ہٹا دیا۔ اور ماریا کو گھورنے لگی

گی۔ مگر آج اس کی آنکھوں میں بخار کی وجہ سے وہ چمک نہیں
تھی۔ ماریا نے کہا۔

"بہن! تمہیں بخار ہے۔ میں تمہارا علاج کروں گی۔"

سیکڑوں سال سے جنگلوں میں رہتے رہتے ماریا کو درختوں
اور جڑی بوٹیوں کا تجربہ ہو گیا تھا۔ باقی عنبر نے بھی اسے یہ
فن سکھا دیا تھا اور بعض جڑی بوٹیوں کی پہچان کرا دی تھی۔
ماریا جنگل میں گئی اور ایک خاص جھاڑی کے تازہ پتے توڑے۔
اسے اپنے رومال میں باندھا اور وحشی لڑکی کے پاس لے
آئی۔ پھر اس نے پتھروں سے پتوں کو کچل دیا اور اس میں
سے جو پانی کے چند قطرے نکلے وہ کپڑے کے ذریعے وحشی
لڑکی کے حلق میں ٹپکا دیئے۔ وحشی لڑکی کو بہت تیز بخار تھا
اور وہ کچھ نیم بے ہوش ہو چکی تھی۔

ماریا ایک بار پھر جھاڑیوں میں سے پتے توڑ کر لائی۔ انہیں
کچلا اور اس کے سبز قطرے وحشی لڑکی کے حلق میں گرائے۔
ساری رات ماریا وحشی لڑکی کے پاس بیٹھی اسے دوا پلاتی
اور ندی کے پانی سے رومال بھگو بھگو کر اس کا ماتھا ٹھنڈا
کرتی رہی۔

صبح کے وقت وحشی لڑکی کا بخار ٹوٹ گیا تھا اور وہ
ہوش میں تھی۔ جنگل میں ہلکی ہلکی دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔

وحشی لڑکی نے بڑی ہمدردی اور شکریے کے ساتھ ماریا کیطرف
دیکھا۔ وہ اسے نظر تو نہیں آ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر
اپنی انگلیوں سے ماریا کے چہرے کو چھوا۔ ماریا نے اس کا کھر
ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ وحشی لڑکی کے ناخن جانوروں کی
طرح بڑھے ہوئے تھے۔

اب ماریا اس لڑکی کو پہلی بار دن کی روشنی میں قریب سے
دیکھ رہی تھی۔ اس کا رنگ گہرا سانولا تھا۔ چہرے کی جلد کھردری
تھی اور سارے جسم پر جگہ جگہ کانٹوں کے نشان تھے۔ اس نے
درختوں کی چھال کا لباس پہن رکھا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں
بلا کی چمک تھی۔

ماریا نے ایک بار پھر اس سے باتیں کرنے، اس سے کچھ
پوچھنے کی کوشش کی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟ تم یہاں کب سے ہو؟"

مگر وحشی لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس اس کی طرف غو
سے دیکھتی رہی اور اپنے ہاتھ کی کھردری انگلیاں ماریا کے چہرے
پر پھیرتی رہی۔

پھر جیسے اسے نیند آنے لگی۔ ماریا نے اس کی آنکھوں پر ہا
رکھ دیا۔ اور وحشی لڑکی سو گئی۔ ماریا اسے آرام دینے کے خیا
سے وہاں سے اٹھ آئی۔ اسے بھی نیند آ رہی تھی۔ وہ ساری

کی تھکی ہوئی تھی۔ جنگل سے نکل کر وہ سیدھی کھاڑی کے کنارے اپنی
جھونپڑی میں آ کر لیٹ گئی۔

جب وہ اٹھی تو دوپہر ہو چکی تھی۔

جزیرے پر سورج چمک رہا تھا۔ اسے وحشی لڑکی کا خیال آ گیا
کہ جانے اس کا کیسا حال ہو گا؟ ماریا نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا
اور سیدھی جنگل میں وہاں آ گئی جہاں وحشی لڑکی کو رات کو
سوتا چھوڑ کر آئی تھی۔ اس کی سونے کی جگہ خالی تھی۔ ماریا نے
ارد گرد چل پھر کر اسے تلاش کیا مگر وہ نہ ملی۔

واپس آتے آتے آسمان پر گھنگھور گھٹا چھا گئی اور ٹھنڈی
تیز ہوا چلنا شروع ہو گئی۔ بادل بڑے گہرے تھے۔ سمندر کی
طرف سے جو ہوا آ رہی تھی اس میں کسی طوفان کی بو تھی۔ ماریا
کا تجربہ بتاتا تھا کہ اس قسم کے بادل طوفانوں کو اپنے ساتھ
لاتے ہیں۔ وہ جلدی سے اپنی جھونپڑی میں پہنچ گئی۔ اس کے
پہنچتے پہنچتے بارش شروع ہو گئی۔ رات کو بارش تیز ہو گئی۔ طوفان
نے بھی تیزی پکڑ لی۔ جزیرے میں تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ کھاڑی میں
سمندر کا پانی لبالب بھر گیا۔ سمندر کے کنارے جو چٹانیں کھڑی
تھیں ان کے ساتھ سمندری موجیں ٹکرائیں تو ایک بھیانک شور
اٹھتا۔

خدا خدا کر کے طوفان تھما۔ دن چڑھا۔ ماریا نے اٹھ کر

کھاڑی ہیں دیکھا۔سمندر کے پانی سے کھاڑی بھری ہوئی تھی، کئی جگہوں
پر درخت گرے پڑے تھے۔ ہواؤں نے پتھروں کو اپنی جگہ سے
دور دور تک پھینک دیا تھا۔سمندر کھاڑی کی اوٹ میں آگیا تھا۔
سمندر تک پہنچنے کے لئے کھاڑی کا موڑ گھومنا پڑتا تھا۔ اس لئے
سمندر کا کیا حال تھا؟ یہ ماریا کو معلوم نہ تھا۔

سمندر کا یہ حال تھا کہ وہاں طوفان میں بھٹک کر راتوں رات
ایک بحری جہاز آکر ٹھہر گیا تھا۔یہ بحری جہاز ایک بڑے خونخوار
بحری ڈاکو مناکو کا تھا۔شاید دوسری جنگ عظیم کے بعد یہی ایک
بحری ڈاکو آخری نشانی کے طور پر رہ گیا تھا۔کیونکہ اس ڈاکو کی
خونخواری، لوٹ مار اور سنگدلی کے ہزاروں قصے اس سمندر کے
آس پاس کے ملکوں میں پھیلے ہوئے تھے یہ بحری جہاز ایک تجارتی
جہاز کا پیچھا کر رہا تھا اور اس پر حملہ کرنے ہی والا تھا کہ
طوفان نے آگھیرا۔

طوفان اچانک آگیا اور اس قدر خوفناک طوفان تھا کہ
مناکو کا بحری جہاز موجوں میں ڈولنے لگا، تجارتی جہاز تو خدا
جانے ڈوب گیا یا بپھری ہوئی سمندری موجیں اسے بہا کر جانے
کہاں سے کہاں لے گئیں۔ لیکن بحری ڈاکو مناکو کا جہاز بھی راستے
سے بھٹک گیا۔مناکو ایک تجربہ کار جہاز ران تھا۔اس نے اس
وقت جہاز میں رکھے ہوئے زیتون کے تیل سے بھرے ہوئے ڈرم

ایک طرف سے ہٹا کر جہاز کے پیندے کے درمیان میں کر
دیئے جس کی وجہ سے جہاز کا توازن کچھ درست ہوگیا۔ یہ
ایک جدید قسم کا بحری جہاز تھا۔مناکو بحری ڈاکو نے ایک
ولندیزی چھوٹے جنگی جہاز پر حملہ کرکے اسے قابو کر لیا تھا۔
یہ وہی جنگی ولندیزی جہاز تھا۔

اس پر مناکو ڈاکو اب سمندروں میں ڈاکے مارتا پھرتا تھا۔
اس کی مار دور دور تک تھی۔یعنی فلپائن سے لے کر سپین کے
ساحل تک وہ کسی بھی تجارتی جہاز کو نہ چھوڑتا تھا۔ اس
کے جہاز پر چھ انچ دہانے کی بارہ توپیں لگی تھیں۔جہاز
کو لوٹ کر وہ سارے ملاحوں کو قتل کر ڈالتا۔سامان اپنے
جہاز پر لاد دیتا اور پھر اپنے آدمیوں کی مدد سے سارے سامان
کو سنگاپور یا ہانگ کانگ کی بندرگاہوں پر فروخت کر ڈالتا۔
جس سامان کی اسے ضرورت ہوتی وہ اپنے لئے رکھ لیتا۔

پس اس رات سمندری طوفان میں پھنس کر مناکو ڈاکو جہاز
کو قریبی ساحل کی طرف لے آیا۔یہ ساحل اسی جزیرے کا
ساحل تھا جس کے ایک جھونپڑے میں ماریا رہتی تھی، مناکو
ڈاکو نے جہاز کو سمندر کنارے کھڑا کر دیا۔مگر سمندری جوں
کی بل چل بڑھ رہی تھی اور خطرہ تھا کہ کہیں جہاز ساحل کی
چٹانوں سے ٹکرا نہ جائے۔مناکو ڈاکو نے ڈیک پر کھڑے ہو

کر حکم دیا۔

"جہاز کو کھاڑی کے اندر لے جایا جائے۔"

اسی وقت جہاز کا رخ سمندر کی کھاڑی کی طرف موڑ دیا گیا۔

یہ وہ وقت تھا جب ماریا جھونپڑی سے نکل کر جزیرے کے اندر وحشی لڑکی کی خیر خیریت معلوم کرنے جا رہی تھی۔ اگر وہ کچھ دیر وہاں رک جاتی تو مناکو ڈاکو کا بحری جہاز اس کے سامنے کھاڑی میں داخل ہو جاتا۔ ماریا جزیرے کے اندر جا چکی تھی کہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز کھاڑی میں نمودار ہوا اور چکر کاٹ کر کھاڑی میں ایک جگہ لنگر ڈال کر رک گیا۔

مناکو ڈاکو نے سر پر نیلے رنگ کا رومال باندھ رکھا تھا۔ اس کے کانوں میں سونے کے رنگ پڑے تھے۔ گھنگھریالے پکے ہوئے بال رومال کے کناروں سے کانوں کے اوپر گچھوں کی طرح نکلے ہوئے تھے۔ اس نے برجس اور نیلی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ مناکو ڈاکو کی عمر پچاس کے قریب پہنچ گئی تھی۔ رنگ سمندری طوفانوں کی مار کھا کر گہرا سانولا اور تانبے ایسا ہو گیا تھا۔ اسکی آنکھوں میں بڑی بے رحمی تھی۔

کمر کے ساتھ پستول لگے تھے۔ اس کے ہاتھ میں ہنٹر تھا جس کو لپیٹ کر مناکو ڈاکو نے ہتھیلی میں تھام رکھا تھا۔ وہ دونوں ٹانگیں پھیلائے بڑی شان سے جہاز کے ڈیک پر کھڑا

حکم دے رہا تھا۔

"خبردار! کوئی شخص جزیرے میں اندر تک نہ جائے۔ بس کنارے پر ہی رہو۔ جب تک میں حکم نہ دوں کوئی کنارے سے دور نہ جائے۔"

ڈاکو کشتیوں میں بیٹھ کر کنارے پر آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ جزیرے میں کھاڑی کے کنارے چھ سات لکڑی کے تختوں کی مدد سے جھونپڑیاں بنی تھیں جو اب ویران ہو چکی تھیں۔ کچھ جھونپڑیوں کی چھتیں رات کے طوفان نے اڑا دی تھیں۔ ڈاکو حیران ہوئے کہ یہاں کس نے جھونپڑیاں بنائی تھیں۔ کیا یہاں بھی کوئی لوگ آباد تھے جو اب یہاں سے چلے گئے یا مر کھپ گئے!

مناکو نے بھی کنارے پر اتر کر ان جھونپڑیوں کو دیکھا۔

"معلوم ہوتا ہے دوسری جنگِ عظیم میں یہاں جاپانیوں کا قبضہ تھا۔ کیونکہ مجھے خوراک کے خالی ڈبے نظر آ رہے ہیں۔ ان پر جاپان کی مہریں لگی ہیں۔"

ایک ڈاکو نے خوش ہو کر کہا۔

"سردار! تم بہت عقل مند ہو۔ کاش یہاں ہمیں کچھ سامان مل جاتا۔"

مناکو ڈاکو نے کہا۔

"ہمیں کچھ روز اس جزیرے پر قیام کرنا ہوگا تاکہ جہاز کی پوری صفائی کی جائے۔ یہ جگہ کھاڑی میں اندر آ کر ہے اور بڑی محفوظ ہے"

ایک ڈاکو ملاح بولا۔

"سردار! ایک جہاز ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کا ہمیں بہت افسوس ہے"

مناکو ڈاکو نے جنٹر ہوا میں پھٹکار کر کہا۔

"یہاں سے نکلیں گے تو بہت تجارتی جہاز ملیں گے۔ اس دفعہ دو جہازوں کو لوٹ کر، ان کا سامان سمیٹ کر ہی ہانگ کانگ کا رخ کریں گے"

ڈاکو ملاحوں نے خوشی کا نعرہ لگایا۔

"زندہ باد مناکو! مناکو زندہ باد"

ان کی ہلکی سی آوازیں ماریا کو دور جزیرے کے اندر جنگل میں سنائی دیں۔ مگر پھر اس نے یہ سوچ کر خیال دوسری طرف لگا لیا کہ اس ویران جزیرے میں بھلا اتنے لوگوں کی آوازیں کہاں سے آ سکتی ہیں؟ یہ ضرور اس کے کانوں کی شرارت ہوگی۔ پھر دور جنگل میں کہیں کسی درخت پہ بہت سے پرندے اکٹھے بول پڑے ہوں گے۔ آخر بعض پرندوں کی آوازیں انسانوں سے ملتی ہیں۔ مناکو ڈاکو کے جہاز میں کچھ ولندیزی قیدی تھے جو اس نے

ایک جہاز کو لوٹتے ہوئے پکڑے تھے۔ بلکہ یوں کہہ لیں کہ وہ کسی طرح سے قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔

یہ کل سات افراد تھے۔ ان میں ایک ڈوبے ہوئے جہاز کا بوڑھا ولندیزی انجنیئر بھی تھا۔ مناکو ڈاکو نے حکم دیا کہ ان سارے قیدیوں کو گولی مار کر کھاڑی کے سمندر میں پھینک دیا جائے۔ حکم کی دیر تھی۔ سارے قیدی لائن میں کھڑے کر دیئے گئے۔ بے چارے قیدی منہ سے کچھ بول بھی نہ سکے کہ ملاحوں نے گولیاں مارنی شروع کر دیں۔ جب آخری قیدی بوڑھے ولندیزی انجنیئر کو مارنے کے لئے لایا گیا تو مناکو نے ہنس کر کہا۔

"اس بڈھے کو رہنے دو۔ یہ ہمارے جہاز کی مشینوں کی صفائی کرے گا"

چھ قیدیوں کی خون آلود لاشوں کو سمندر میں پھینک دیا گیا۔ ولندیزی بوڑھے کی جان بخشی کر دی گئی اور اسے نیچے مشین روم میں پہنچا دیا گیا جہاں انجن کی مشینوں کی صفائی کا کام شروع ہو چکا تھا۔ ادھر ماریا نے جزیرے میں کافی دور تک وحشی لڑکی کو تلاش کیا مگر وہ کہیں نہ ملی۔ ماریا نے سوچا کہ وہ ضرور کسی جگہ طوفان سے پناہ لئے پڑی آرام کر رہی ہو گی۔ راستے میں واپسی پر اس نے کئی جنگلی وحشیوں کی لاشیں دیکھیں جو درخت گرنے سے ہلاک ہو گئے تھے۔ ماریا واپس اپنے جھونپڑے

کی طرف جا رہی تھی۔

ماریا جنگل میں ایک موڑ گھوم کر کھاڑی کی طرف آئی تو دھک سے جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ اس کے سامنے ایک بحری جہاز سمندر کی کھاڑی میں کھڑا تھا۔

"یہ جہاز کس کا ہو سکتا ہے؟ اس پر کوئی جھنڈا نہیں لگا ہوا" جہاز پر جھنڈا لگا ہوا تھا مگر وہ جہاز کی دوسری طرف پہلی منزل کی چمنی کے ساتھ لگا تھا۔ یہ جھنڈا بحری ڈاکوؤں کا سیاہ جھنڈا تھا جس پر کھوپڑی اور ہڈیوں کا بھیانک نشان بنا ہوا تھا۔ ایک اعتبار سے ماریا خوش بھی ہوئی کہ جہاز آخر جزیرے میں آگیا۔ خواہ وہ کسی ملک کا ہی کیوں نہ ہو۔ اور اب وہ اس جزیرے سے خلاصی حاصل کر سکے گی۔ ماریا سمجھ گئی کہ جنگل میں جو اس کے کانوں میں بہت سے لوگوں کی آوازیں آئی تھیں وہ اس جہاز کے ملاحوں کی آوازیں تھیں۔

ماریا جلدی جلدی کھاڑی کنارے جہاز کے پاس آگئی۔ اچانک اس کی نظر جہاز کی پہلی منزل کے جھنڈے پر پڑی۔

"ارے! یہ تو بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے"

"خیر مجھے کیا۔ مجھے تو اس جہاز کا ایک فائدہ ہو گا کہ میں اس پر بیٹھ کر اس جزیرے سے نجات حاصل کر سکوں گی" جہاز کے عرشے پر ملاح صفائی وغیرہ میں لگے تھے۔ کچھ

ملاح کنارے پر آگ جلا کر رات کا کھانا تیار کر رہے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ جہاز سے ایک کشتی میں اتر کر ایک بھاری بھر کم آدمی کنارے پر آیا تو سب ملاحوں نے اسے سلام کیا وہ سمجھ گئی کہ یہی ان کا سردار ہے۔ وہ ہر ایک سے پوچھ رہا تھا کہ کسی شے کی ضرورت تو نہیں ہے! ماریا نے دیکھا تھا اور اس کا سیکڑوں برس کا تجربہ بتاتا تھا کہ بحری ڈاکو یعنی بحری قزاقی کے جہازوں کے سردار اپنے ڈاکو ملاحوں کے ساتھ اچھا سلوک کر کے انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ ہی رکھتے تھے۔ ویسے بھی ان ملاح، ڈاکوؤں کو بڑی آزادی تھی۔

یعنی لوٹ مار میں سوائے جواہرات اور سونے کے بڑے بڑے زیوروں کے باقی ہر شے ان کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ ہاں سردار کی جانب سے ان پر کسی جزیرے میں پہنچ کر کچھ قانون لاگو ہو جاتے تھے۔ مثلاً یہ کہ وہ بستی میں نہیں جائیں گے۔ وہاں کنارے کے ہوٹلوں تک ہی رہیں گے وغیرہ وغیرہ ماریا نے دیکھا کہ اس کے جھونپڑے میں کچھ بکرے بندھے ہیں۔ یہ جہاز سے اتار کر یہاں ہوا بدلی کے لئے رکھے گئے تھے۔ جہاز کا سردار ڈاکو منا کو وہاں آ کر ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ دو ملاح اس کے شانے دبانے لگے۔ ماریا نے دیکھا کہ سردار کے کانوں میں سونے کے بُندے تھے اور اس کے چہرے سے سنگدلی اور خونخواری ٹپکتی تھی۔

ماریا نے ان لوگوں کی باتوں سے معلوم کر لیا کہ ابھی ایک ہفتے سے پہلے جہاز وہاں سے نہیں ہلے گا۔ کیونکہ جہاز کی پوری صفائی کی جا رہی تھی۔ مستری ملاحوں نے مشینوں کے بڑے بڑے پرزے انجنوں سے نکال کر اوپر ڈیک پر رکھ لئے تھے اور انہیں صاف کر رہے تھے۔

ماریا نے دیکھا کہ جہاز پر چھ توپیں ایک طرف اور چھ توپیں دوسری طرف لگی ہیں۔ صورت شکل سے یہ ایک جنگی جہاز لگتا تھا۔ جس پر اس ڈاکو نے قبضہ کر لیا تھا۔ جو ملاح زمین پر آگ جلا کر گوشت پکا رہے تھے۔ ماریا ان کے قریب سے گزری۔ سردار یعنی ڈاکوؤں کے سرغنہ مناکو کو ماریا نے غور سے دیکھا۔ صورت شکل سے ہی بڑا ظالم آدمی معلوم ہوتا تھا۔

ماریا نے جہاز پر نظر ڈالی۔ کافی مضبوط جہاز تھا۔ یقیناً یہ طوفان میں بھٹک کر یہاں آ گیا تھا اور اب یہ لوگ موقع غنیمت جان کر اس کی صفائی وغیرہ کرنے لگے تھے۔ اتنے میں شام کا اندھیرا چھا گیا۔ جزیرے میں کھاڑی کے کنارے ملاحوں نے گیس روشن کر کے بانس پر لٹکا دیا۔ گیس کی روشنی کافی تھی۔ وہ گھاس پر قالین بچھا کر کھانا کھانے لگے۔ ماریا نے بھی ایک خالی تھالی لے کر گوشت کا ٹکڑا اٹھانے کی کوشش کی۔ آج ایک عرصے بعد اسے بھنا ہوا گوشت اور ڈبل روٹی مل رہی تھی۔ اسکو

بے حد خوشی ہو رہی تھی۔

ملاحوں نے دیکھتے دیکھتے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے اپنی لکڑی کی تھالیوں میں ڈال لئے تھے اور بیٹھ کر مزے سے کھانے لگے تھے۔ ماریا نے ایک ملاح کی تھالی میں سے بکرے کی آدھی ران اٹھا کر اپنی تھالی میں رکھ لی۔ ڈاکو نے اپنی تھالی سے بکرے کی ران غائب ہوتے دیکھی تو دہشت سے چیخ اٹھا۔

"میری ٹانگ غائب ہو گئی"

ملاح اس کی طرف دوڑے اور اس کی ٹانگ کو دباتے ہوئے بولے۔

"ارے الّو کی دُم! تمہاری ٹانگ تو تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے"

ڈاکو نے کانپتے ہوئے کہا۔

"میری تھالی کی ٹانگ غائب ہوئی ہے۔"

"ارے احمق بھلا تھالی کی بھی کبھی ٹانگ ہوتی ہے۔"

"خدا کے لئے مذاق نہ کرو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری تھالی میں جو بکرے کی بھنی ہوئی آدھی ٹانگ رکھی تھی وہ غائب ہو گئی ہے۔"

سارے ڈاکو اس کا مذاق اڑانے لگے۔ بات سردار یعنی مناکو ڈاکو تک پہنچی تو وہ بھی بہت ہنسا اور بولا۔

"اس کو سور کی ٹانگ بھون کر دے دو۔ یہ خود سور کا بھائی ہے"
سب ملاح قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ ماریا نے بڑے مزے
لے لے کر بھنا ہوا گوشت اور ڈبل روٹی کھائی۔ پانی پیا اور
اپنی جھونپڑی کے ساتھ والی ایک خالی جھونپڑی میں جا کر لیٹ
گئی۔ آدھی رات تک اسے ملاحوں کے قہقہے اور شور وغل سنائی
دیتا رہا۔ پھر اسے نیند آگئی۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس نے
باہر نکل کر دیکھا کہ جہاز کھاڑی کے پانی میں کھڑا تھا۔ مگر ملاح
کوئی نہیں تھا۔ صرف جہاز کے اوپر عرشے پر ایک سفید بالوں
والا بوڑھا دلندیزی مشین کے کسی پرزے کو صاف کر رہا تھا۔

●

رتنا

●

ماریا سمجھ گئی کہ یہ بوڑھا قیدی ہے۔
اس کے ایک پاؤں میں لوہے کی زنجیر بندھی تھی۔ بحری
ڈاکو اپنے قیدیوں کو لوہے کی زنجیر پاؤں میں ڈال کر رکھتے
تھے۔ یہ زنجیر اتنی لمبی ہوتی تھی کہ قیدی عرشے پر ادھر ادھر
گھوم پھر سکتا تھا۔ ماریا کو اس بوڑھے پر بڑا ترس آیا کہ اس
بے چارے کو ان ڈاکوؤں نے جانوروں کی طرح قید کر رکھا
ہے۔ ابھی ماریا یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اتنے میں عرشے کے
دروازے پر ایک ملاح نمودار ہوا۔ وہ پیچھے چوکیداری کر رہا
تھا۔ اس کی ایک کانی آنکھ پر نقاب چڑھا تھا۔ ہاتھ میں ہنٹر
تھا۔

اس کانے نے آتے ہی تاڑ تاڑ کر کے بڈھے کو دو تین
ہنٹر مار دیئے۔
بوڑھا بلبلا اٹھا۔ پیچ و تاب کھا کر رہ گیا اور کچھ نہ بولا۔
"بدمعاش بڈھے! ٹھیک طرح سے کام کیوں نہیں کرتا۔ یاد

رکھو تجھے بھی تمہارے ساتھیوں کی طرح قتل کر کے کھاڑی میں پھینک دوں گا۔"

ماریا کو اس کانے ڈاکو پر بے حد غصہ آیا۔ وہ کھاڑی کے عقب سے ہو کر جہاز کے اوپر آ گئی۔ کانا ڈاکو بوڑھے پر خنجر برسانے کے بعد نیچے چلا گیا تھا۔ ماریا اس سے بوڑھے دلشدیزی کی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ اس نے سیڑھیاں اتر کر کانے کی تلاش شروع کر دی۔ آخر وہ اسے ایک جگہ مل گیا۔ وہ ایک کیبن میں میز پر رکھے کچھ چاندی کے سکے گن رہا تھا۔ اس کا خنجر سامنے دیوار سے لٹکا ہوا تھا۔ ماریا کیبن کے اندر آ گئی۔

کانے ڈاکو کو پتہ نہ چل سکا۔ ماریا نے اندر آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا اور چابی اپنی جیب میں ڈال لی۔ کانے ڈاکو نے پلٹ کر دیکھا۔ دروازہ بند تھا اور تالا لگا تھا۔ یہ کس نے تالا لگا دیا؟ دروازہ شاید کسی نے باہر سے بند کر دیا ہے۔ اس نے آواز دی۔

"کون حرام خور باہر ہے؟"

پھر اسے خیال آیا کہ تالا تو کسی نے اندر سے لگا دیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اندر سے کون تالا لگا سکتا ہے؟ اس نے کیبن میں چاروں طرف دیکھا۔ وہاں اس کے سوا اور کوئی نہیں

تھا۔ ماریا اسے زیادہ انتظار نہیں کروانا چاہتی تھی۔ اس نے بڑے آرام سے ہاتھ بڑھا کر دیوار سے خنجر اتار لیا۔ کانے ڈاکو نے خنجر غائب ہوتے دیکھا تو اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ اسے وہ کہانیاں یاد آ گئیں جن میں بدروحیں جہازوں میں آ کر ڈاکوؤں کو ہلاک کر دیا کرتی تھیں۔ ماریا نے ہوا میں خنجر کو لہرایا۔ شائیں کی آواز پیدا ہوئی۔ کانا ڈاکو گھبرا گیا۔ آواز کہاں سے آئی؟ پھر شائیں سے ایک زور دار خنجر اس کے سر پر لگا اور رومال کھل گیا۔ وہ سر پکڑ کر میز سے ٹکرایا اور گر پڑا کیونکہ ضرب بڑی زور دار تھی۔ ماریا نے اب اسے دھڑا دھڑ پیٹنا شروع کر دیا۔ کانا ڈاکو درد سے بلبلا رہا تھا دوسرے اس پر دہشت چھا رہی تھی کہ یہ خنجر اسے کوئی بدروح مار رہی ہے۔ اس کا سارا بدن پسینے میں تر بتر ہو گیا تھا۔ ماریا نے کہا۔

"تم نے اس بوڑھے کو مارا ہے۔ یہ اس کا بدلہ ہے"

کانے ڈاکو نے بند خالی کیبن میں جب ایک بدروح کی آواز سنی تو وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹا اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ماریا نے کہا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ میں اس جزیرے کی دیوی ہوں۔ میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔"

کانا ڈاکو ہاتھ باندھ کر فرش پر دو زانو ہو گیا۔

"معاف کر دو دیوی! مجھے معاف کر دو"

ماریا نے کہا۔

"نہیں۔ تم قاتل ہو۔ تم نے بوڑھے کے ساتھیوں کو قتل کیا ہے۔ تمہیں معاف نہیں کیا جا سکتا۔"

اب اس کانے ڈاکو نے گھبراہٹ میں ایسی حرکت کی کہ اگر ماریا جلدی سے فرش پر نہ لیٹ جاتی تو وہ ضرور ہلاک ہو گئی تھی۔ کانے ڈاکو کو اور تو کچھ نہ سوجھا۔ اس نے کمر سے پستول نکال کر دھڑا دھڑ فائرنگ شروع کر دی۔ جب وہ پستول کی گولیاں ختم کر چکا تو ماریا نے اس کے پیچھے سے آ کر ایک زبردست ہاتھ مارا اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ لڑکھڑا کر ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔

ماریا نے اس کی پیٹی سے دوسرا بھرا ہوا پستول کھول کر اپنے پاس رکھ لیا۔ تالا کھولا اور کیبن سے باہر نکل گئی۔ اوپر جہاز کے عرشے پر بوڑھا دلندیزی اسی طرح بیٹھا مشین کا پرزہ صاف کر رہا تھا۔ مگر وہ پستول کی آواز سن کر کچھ پریشان سا ضرور تھا۔ پھر اس نے خیال کیا کہ پستول کی گولیاں تو یہاں چلتی ہی رہتی ہیں۔ کوئی ڈاکو جہاز کے اندر نشانہ بازی کی مشق کر رہا ہو گا۔

تھوڑی دیر بعد مناکو ڈاکو اور دوسرے ملاح بھی جنگل سے پھل اور پانی لے کر واپس آ گئے انہوں نے جو کیبن میں کانے ڈاکو کی

لاش دیکھی تو بڑے حیران ہوئے کہ اسے کون مار گیا۔ کیبن کی دیواروں پر گولیوں کے نشان بھی تھے۔ مناکو ڈاکو غصے میں چلایا۔

"اس پر کسی نے حملہ کیا تھا۔ وہ کون ہو سکتا ہے؟"

جہاز پر صرف دلندیزی بوڑھا ہی تھا۔ اس سے پوچھا گیا۔ اس نے کہا۔

"میں اپنے کام میں لگا تھا۔ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ نیچے کیا ہو رہا تھا۔ ہاں میں نے گولیاں چلنے کی آوازیں ضرور سنی تھیں۔ پھر سوچا کہ شاید کوئی نشانہ بازی کر رہا ہے۔"

ڈاکو مناکو نے بوڑھے کو ایسی لات ماری کہ وہ لڑکھڑا کر پرے جا گرا۔

"حرام خور بڈھے دلندیزی کو نیچے قید میں ڈال دو اور کل صبح سویرے اسے گولی سے اڑا دیا جائے۔" یہ حکم دے کر مناکو ڈاکو نے کانے ڈاکو کی لاش کو صندوق میں بند کر کے جزیرے میں قبر کھود کر دفن کر دیا۔

ماریا یہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔ بوڑھے کو پھانسی کا حکم مل گیا تھا۔ وہ صرف ایک رات کا مہمان تھا۔ ماریا نے اسے بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ رات کو جب اندھیرا سارے جزیرے پر چھا گیا تو وہ سیڑھی چڑھ کر جہاز کے عرشے پر آ گئی۔ یہاں دو ڈاکو پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا ان کے قریب سے ہو کر نکل گئی۔

سیڑھیاں جو نیچے جاتی تھیں ان کا دروازہ بند تھا۔ ماریا نے قریب جا کر آہستہ سے اسے دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ اس لئے پہرے داروں نے دروازہ کھلتا نہ دیکھا۔ ماریا چپکے سے سیڑھیاں اتر کر جہاز کی دوسری منزل میں آ گئی۔ یہاں راہداری خاموش اور سنسان تھی۔ کونے میں صرف ایک لیمپ جل رہا تھا۔ اس کے مٹی کے تیل کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

ماریا نے سوچا کہ بوڑھا کس جگہ قید ہو گا؟

اسے خیال آیا کہ نچلی منزل میں ایک سٹور روم ہے۔ شاید بوڑھے کو وہاں رکھا گیا ہو۔ وہ نچلی منزل میں اتر گئی۔ یہاں حبس اور گھٹن تھی۔ اس نے ذرا آگے ایک کمرے کے باہر ایک ڈاکو کو رائفل لئے پہرہ دیتے دیکھا۔ وہ فوراً سمجھ گئی کہ بوڑھا اسی جگہ قید ہو گا۔ وہ دبے پاؤں دیوار کے ساتھ ساتھ چلتی بالکل کمرے کے سامنے آ گئی پہرے دار ڈاکو دوسری طرف سے راؤنڈ لگا کر آیا اور پہریدار سے بولا۔

"ہوشیار رہنا! کہیں بڈھا بھاگ نہ جائے"

پہرے دار ڈاکو نے ہنس کر کہا۔

"بھاگ نہیں سکتا۔ ہاں اندر سے غائب نہ ہو جائے"

ماریا سمجھ گئی کہ بوڑھا اندر ہی ہے۔ اب وہ اسے باہر نکالنے کی سکیم پر غور کرنے لگی۔ زیادہ غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ رات

ڈھل رہی تھی اور صبح صبح ہی بے چارے بوڑھے کو گولی سے اڑا دیا جانا تھا۔ ماریا نے دیکھا کہ راؤنڈ والا ڈاکو اوپر والی منزل پر چلا گیا ہے اور وہاں اب کوئی نہیں رہا تو اس نے ایک دم آگے بڑھ کر پہرے دار ڈاکو کے سر پر زور سے ہاتھ مارا۔ پہرے دار ڈاکو لڑکھڑایا اور گر پڑا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ ماریا نے اس کی جیب سے چابی نکال کر کمرے کا تالا کھولا اور اندر چلی گئی۔ اندر ایک دھیما سا لیمپ جل رہا تھا۔ اس کی مدھم روشنی میں بوڑھا کونے میں فرش پر بیٹھا خدا کی عبادت کر رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھلتے دیکھا تو گردن پھیر کر بولا۔

"کیا میرا آخری وقت آ پہنچا ہے؟"

ماریا نے قریب آ کر کہا۔

"بابا! میری آواز سن کر گھبرانا نہیں۔ آپ میری شکل نہیں دیکھ سکیں گے۔ مگر میں آپ کی لڑکی کی طرح ہوں۔ انسان ہوں اور خدا نے مجھے آپ کی مدد کے لئے بھیجا ہے۔ جلدی سے اٹھیئے اور میرے ساتھ یہاں سے نکل چلیئے۔"

بوڑھا انجینئر پہلے تو ہکا بکا سا ہو کر رہ گیا کہ یہ روح کہاں سے آ گئی ہے؟

پھر جلدی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"بیٹی تم کون ہو؟"

ماریا نے کہا۔ "بابا! یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔ میرا خیال تھا کہ آپ مجھ سے ڈر جائیں گے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ آپ ڈر کر بے ہوش نہیں ہوئے۔ اس لئے اب وقت ضائع نہ کریں۔ یہ باتیں میں بعد میں بتادوں گی۔"

بوڑھے انجینئر نے کہا۔

"یہاں تو قدم قدم پر پہرہ ہو گا۔ ہم کس طرح فرار ہوں گے؟"

ماریا نے پستول بوڑھے کے ہاتھ میں دے کر کہا۔

"آپ اسے اپنے پاس رکھیں۔ باقی میں سنبھال لوں گی اور ہاں۔

جدھر سے میری سیٹی کی آواز آپ کو آئے آپ ادھر کو آ جائیں۔ کیونکہ آپ مجھے دیکھ نہیں سکتے۔"

ماریا بوڑھے انجینئر کو ساتھ لے کر کمرے سے باہر آ گئی اس نے دوسری منزل بھی عبور کر لی۔ اب وہ ڈیک پر آنے لگی تو سیڑھیوں میں وہی راؤنڈ لگانے والا ڈاکو مل گیا۔ جونہی اس نے بوڑھے قیدی کو فرار ہوتے دیکھا تو رائفل کندھے سے اتار کر فائر کرنے ہی والا تھا کہ ماریا نے اس کی گردن پر اپنا خوفناک ہاتھ مار دیا۔ رائفل پرے جا گری اور اس کے اوپر ڈاکو بھی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ماریا نے سیٹی بجا کر بوڑھے انجینئر کو ساتھ لیا اور عرشے پر آ گئی۔

رات خاموش تھی۔ ستارے چمک رہے تھے۔ جزیرے کی طرف سے کسی الو کے بولنے کی بار بار آواز آ رہی تھی۔

"بس! میرے پیچھے پیچھے آؤ بابا! ادھر سیڑھی لگی ہے اور نیچے کشتی بھی ہے"

ماریا بوڑھے انجینئر کو جہاز کے پیچھے لے گئی۔ یہاں ایک رسی کی سیڑھی نیچے ایک خالی کشتی میں جا رہی تھی۔ ماریا نے کہا۔

"جلدی سے سیڑھی اتر جاؤ بابا! میں تمہارے بعد میں اتروں گی۔ جلدی کرو"

بوڑھا انجینئر سیڑھی اتر کر کشتی میں بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی ماریا بھی کشتی میں آ گئی۔

"کشتی کو کھاڑی کے ساتھ ساتھ آگے جنگل میں لے چلو"

بوڑھے نے چپو چلانے شروع کر دیئے۔ ایک طرف سے ماریا چپو چلانے لگی۔ کشتی کھاڑی کے کنارے کنارے دور ہونے لگی اور جہاز ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ ماریا نے کہا۔

"کشتی کنارے پر چھوڑ دو۔ جلدی"

انہوں نے کشتی کنارے کے ساتھ لگا دی اور کنارے پر اتر لئے۔ ماریا نے کہا۔

"مجھے اپنا ہاتھ پکڑا دو بابا"

ماریا نے بوڑھے کا ہاتھ تھام لیا اور جزیرے کے جنگل نہ

بیں چلنا شروع کر دیا۔ جزیرے میں گہری خاموشی اور اندھیرا تھا
ماریا جنگل میں کافی اندر نکل آئی تھی۔ یہاں اس نے ایک چٹان کے
نیچے ایک گہری کھوہ دیکھی۔ وہ بوڑھے کو لے کر اس کھوہ میں آ گئی
کھوہ اندر جا کر چوڑی ہو گئی تھی۔ ماریا نے یہاں کیلے کے پتے
توڑ کر بستر بنا دیا اور بوڑھے انجنیئر سے کہا۔

"بابا! تمہیں یہاں آرام کرنا ہو گا۔ میں صبح آؤں گی اور ہاں
جب تک میں نہ آؤں آپ یہاں سے بالکل باہر نہ نکلیں۔"

ماریا نے قریب ہی درختوں سے کچھ جنگلی امرود اور پپیتا
توڑ کر بوڑھے انجنیئر کے پاس رکھ دیا اور اسی راستے سے
ہو کر واپس کنارے پر آ گئی۔ یہاں وہ کشتی میں بیٹھی اور کھاڑی
میں آ کر کشتی کو جہاز کے قریب چھوڑا اور خود اپنی جھونپڑی میں
جا کر لیٹ گئی۔

دن چڑھا تو جہاز پر شور مچ گیا کہ بوڑھا انجنیئر فرار ہو گیا
ہے۔ اس نے پہرے دار کی گردن توڑ ڈالی ہے۔ ڈاکو حفے میں
تھے۔ مناکو ڈاکو بحری قزاقوں کا سردار تو غصے میں پھنکارتا پھر
رہا تھا۔ اور جو کوئی سامنے آتا اس پر ہنٹر برسانے لگ جاتا
تھا۔

"حرام زادہ! تم لوگ حرام کی کھاتے ہو۔ تمہاری غفلت
کی وجہ سے قیدی بھاگ گیا ہے۔ خیر وہ بھاگ کر کہاں جائے گا۔

اسی جزیرے میں ہو گا۔ میں اسے شیر کے منہ سے بھی نکال
لاؤں گا۔"

اس کے حکم سے ڈاکوؤں نے جزیرے کی تلاشی لینی شروع کر
دی۔ مگر اتنے بڑے جزیرے کی تلاشی بھلا کون لے سکتا تھا۔
شام تک وہ جنگل کے ایک ہی حصے میں بوڑھے کو تلاش
کرتے رہے۔ اس دوران میں دو ڈاکوؤں کو سانپوں نے کاٹ کھایا
اور وہ مر گئے۔ دو ڈاکو دلدل میں پھنس کر غرق ہو گئے۔ مناکو ڈاکو
کے غصے کی انتہا نہیں تھی۔ ایک تو اس کے آدمی مارے گئے تھے۔
دوسرے قیدی ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس نے چار خاص ڈاکوؤں
کو بلا کر حکم دیا۔

"رات کو تم لوگ جزیرے میں نکل جاؤ اور قیدی کو جہاں
کہیں وہ ہو تلاش کر کے لاؤ۔ قیدی اکثر آدھی رات کو خوراک کی
تلاش میں نکلا کرتے ہیں۔ اگر تم ناکام واپس آئے تو میں چمڑی ادھیڑ
ڈالوں گا۔"

چاروں ڈاکو پستولیں اور خنجر لگا کر جزیرے میں نکل گئے۔

ماریا کو اس کی خبر نہ لگ سکی۔ وہ اپنی جھونپڑی میں آرام کر
رہی تھیں۔

صبح کو بوڑھے انجنیئر کو کھانے پینے کا سامان دے آئی تھی اور
اس کے پاس بیٹھی باتیں بھی کرتی رہی تھی۔ بوڑھے انجنیئر نے کہا تھا

کہ اگر ان ڈاکوؤں کو کسی طرح غائب کر دیا جائے تو وہ جہاز لے کر وہاں سے نکل سکتا ہے۔ ماریا رات کو یہی سوچتے سوچتے سو گئی تھی کہ اس جہاز پر کیسے قبضہ کیا جا سکتا ہے؟

ادھر چاروں ڈاکو جنگل میں چلے جا رہے تھے۔ آدھی رات تک وہ بوڑھے انجینئر کو ڈھونڈتے رہے۔ مگر وہ انہیں کہیں نظر نہ آیا۔ اتنے میں انہیں جنگل میں ایک لڑکی کی چیخ کی آواز سنائی دی۔ یہ اسی وحشی لڑکی کی آواز تھی۔ ماریا سو رہی تھی۔ اس نے یہ آواز نہ سنی۔ ڈاکوؤں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

چیخ کی ہلکی ہلکی سی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ ایک ڈاکو بولا۔

"ضرور کوئی لڑکی مصیبت میں ہے۔ چلو اس کی مدد کریں"

دوسرا ڈاکو کہنے لگا۔

"کیا خبر یہ کوئی بھوت ہو۔ کوئی بد روح ہو۔ ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیئے"

تیسرا ڈاکو بولا۔

"ارے یار تم سب ڈرپوک ہو۔ چلو میرے ساتھ۔ اگر بد روح ہو گی تو میں دیکھ لوں گا۔ آؤ میرے ساتھ"

اور چاروں ڈاکو اس طرف چل پڑے جدھر سے لڑکی کی چیخ کی آواز آئی تھی۔ وہ جنگل میں کافی آگے نکل گئے۔ چیخ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ وہ اس آواز کی طرف بھاگے۔ ایک جگہ وہ رک کر

کھڑے ہو گئے اور درختوں میں جھک کر ندی کنارے ایک لڑکی کو دیکھنے لگے۔ چاندنی رات میں ندی پر وحشی لڑکی انہیں صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ ندی کنارے کھڑی تھی۔ اس کے سیاہ لمبے بال ہوا میں جھول رہے تھے۔ وہ آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر آہستہ سے ایک چیخ ماری اور ندی میں چھلانگ لگا دی۔

"وہ خودکشی کر رہی ہے۔ اسے پکڑو"

ڈاکو جھاڑیوں میں سے نکل کر ندی کی طرف بھاگے اور انہوں نے ندی میں چھلانگیں لگا کر وحشی لڑکی کو قابو کر لیا۔ وحشی لڑکی ڈاکوؤں کی گرفت میں شیرنی کی طرح تڑپی مگر ڈاکوؤں نے اسے بری طرح جکڑ لیا تھا۔ وہ چلائی۔ ایک ڈاکو نے اس کے منہ میں رومال ٹھونس دیا۔

"اسے واپس جہاز پر لے چلو۔ سردار کو پیش کریں گے۔ وہ بڑا خوش ہو گا"

"ٹھیک ہے۔ چلو واپس"

وحشی لڑکی کو ان ڈاکوؤں نے بے بس کر دیا۔ اور اسے کندھوں پر اٹھا کر واپس جہاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ پو پھٹ رہی تھی اور صبح کی روشنی نکلنا شروع ہو گئی تھی۔ جب یہ ڈاکو وحشی لڑکی کو لے کر جہاز کے پاس پہنچے تو وہاں شور مچ گیا۔ ہر کوئی ڈاکو لڑکی کو حیرت

سے تک رہا تھا کہ یہ وحشی لڑکی کہاں سے پکڑ لائے ہیں۔

شور کی آواز پر ماریا بھی جاگ پڑی۔ جنگلی لڑکی ڈاکوؤں نے پکڑ رکھی تھا۔ اس کے منہ میں رومال ٹھنسا تھا اور وہ زور زور سے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ ڈاکوؤں کے سردار نے جب اس لڑکی کو دیکھا تو حیرانی سے بولا۔

"اس جل پری کو کہاں سے پکڑ لائے ؟"

"حضور! یہ جنگل کی رانی ہے۔ اسے ہم آپ کے لئے پکڑ کر لائے ہیں"

منا کو ڈاکو نے آگے بڑھ کر غور سے وحشی لڑکی کو دیکھا۔ لڑکی نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے ایک زوردار طمانچہ لڑکی کے منہ پر جڑ دیا۔ وہ گرتے گرتے بچی۔

"اس خبیث لڑکی کو جہاز میں لے جا کر قید کر دو۔ اس پر دو آدمیوں کا پہرہ لگاؤ اگر یہ فرار ہوئی تو میں دونوں پہرے داروں کو گولی سے اڑا دوں گا"

ڈاکو وحشی لڑکی کو کھینچتے ہوئے جہاز میں لے گئے اور انہوں نے اسے نچلی منزل میں لے جا کر قید میں ڈال دیا اور باہر دو ڈاکو، پستولیں نکال کر پہرہ دینے لگے۔ ماریا جھونپڑی کے باہر کھڑی یہ سارا تماشہ دیکھتی رہی۔ اس وقت وہ کچھ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب وحشی لڑکی کو بھی رات کے وقت

...ا کرنا ہوگا بلکہ اسے فرار کرانا ہوگا۔ دن نکلا تو وہ جزیرے میں سیدھی بوڑھے انجینئر کے پاس گئی اور اسے ساری کہانی سنا دی۔ کہ کس طرح اس جنگل میں ایک وحشی لڑکی رہتی تھی اور اسے اب ڈاکو پکڑ کر لے گئے ہیں۔ بوڑھے انجینئر نے کہا۔

"کیا یہ وحشی لڑکی اسی جزیرے میں پیدا ہوئی تھی ؟"

ماریا نے کہا۔

"یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ وہ کسی سے بات نہیں کرتی۔ مجھ سے بھی اس نے کبھی کوئی بات نہیں کی۔ ہاں اس جزیرے کے جنگلی لوگ اسے شاید اپنی دیوی مانتے ہیں"

انجینئر بولا۔

"پھر تو یہاں کے لوگوں کو ڈاکوؤں کے خلاف بھڑکایا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ ان کی دیوی ڈاکو اٹھا کر لے گئے ہیں۔"

ماریا نے کہا۔

"بڑا اچھا خیال ہے۔ مگر کم بخت ڈاکوؤں کے پاس بڑا اسلحہ ہے۔ شاید جزیرے کے لوگ زیادہ دیر تک مقابلہ نہ کر سکیں"

انجینئر نے کہا۔

"ان باتوں پر غور نہیں کیا کرتے۔ تمہیں چاہیئے کہ جزیرے کے لوگوں کو بھڑکا دو اور بس۔ باقی جو ہوگا دیکھا جائے گا"

ماریا نے کہا۔

میں ان لوگوں کو نبڑ کا دوں گی۔ مگر میں چاہتی تھی کہ وحشی لڑکی کو اغوا کر کے یہاں لے آؤں۔"

کیونکہ اگر جزیرے کے لوگوں نے جہاز پر حملہ کیا تو ہو سکتا ہے۔ کہ ڈاکو غصے میں آ کر وحشی لڑکی کو ہلاک کر دیں"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ تو پھر ایک خیال ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح اس لڑکی کو فرار کروا کر یہاں لے آؤ۔ اس کے بعد ہم سوچیں گے کہ یہاں سے کیسے اور کہاں فرار ہوا جائے"

پھر کچھ سوچ کر بوڑھے انجینئر نے کہا۔

"مجھے شک پڑتا ہے کہ شاید یہ میرے ایک دوست کی لڑکی ہے جو آج سے بیس برس پہلے کھو گئی تھی۔

"کیا مطلب؟"

انجینئر نے کہا۔

"آج سے بیس سال پہلے میرا ایک ڈاکٹر دوست اپنی بیوی اور ایک سال کی بچی کے ساتھ جہاز میں سفر کر رہے تھے کہ ان ہی سمندروں میں کسی جگہ جہاز ساحل کی چٹانوں سے ٹکرا کر غرق ہو گیا۔ میاں بیوی تو بچ گئے مگر ان کی بچی سمندر میں غرق ہو گئی۔ بعض مسافر کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک بچی کو ڈولفن مچھلی کے اوپر سوار دیکھا تھا جو اسے لے کر جزیرے کی طرف جا رہی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ وہی میرے ڈاکٹر دوست کی لڑکی ہے جسے

ڈولفن مچھلی اٹھا کر اس جزیرے کے ساحل پر چھوڑ آئی۔ پھر شاید اس مچھلی نے اسے کھلا پلا کر بڑا کیا ہو گا۔ کیوں کہ ڈولفن مچھلی انسان کی بڑی ہمدرد ہوتی ہے۔ مگر جہاں تک مجھے یاد ہے میرے ڈاکٹر دوست نے بچی کی پیدائش کے موقع پر یادگار کے طور پر بچی کی کلائی پر اس کا نام کھدوایا تھا۔ یہ نام انڈونیشی زبان میں لکھا تھا۔ بچی کا نام رتنا تھا۔"

ماریا یہ کہانی سن کر بڑی حیران ہوئی۔

"اب اس کی کلائی دیکھ کر ہی فیصلہ ہو گا کہ یہ لڑکی ڈاکٹر کی بچی رتنا ہے یا کوئی اور لڑکی ہے۔ تمہارا دوست ڈاکٹر اور اس کی بیوی کہاں ہیں آج کل؟"

انجینئر نے کہا۔

"جکارتا میں رہتے ہیں۔ بچی کا غم انہیں ابھی تک نہیں بھولا"

ماریا نے اب دل میں پکا فیصلہ کر لیا کہ وہ اس وحشی لڑکی کو ڈاکوؤں کے چنگل سے آزاد کروا کر اس کے ماں باپ سے ضرور ملائے گی۔ خدا کرے کہ یہ وہی لڑکی ہو اور اس کی کلائی پر رتنا ہی لکھا ہو۔

جہاز سے فرار

●

ماریا شام تک اپنی جھونپڑی میں آرام کرتی رہی۔

جب رات گہری ہو گئی تو وہ جھونپڑی سے نکل کر سیدھی کھاڑی میں ذرا فاصلے پر کھڑے جہاز کی طرف چل پڑی۔ جہاز تک پہنچنے کے لئے کشتی کی مدد ضروری تھی۔ کشتی دور کنارے پر کھڑی تھی۔ ماریا وہاں گئی اور رسی کھول کر کشتی میں بیٹھ کر اسے آہستہ آہستہ رات کے اندھیرے میں جہاز کی طرف لے جانے لگی۔ آج رات اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ چاند کہیں پچھلے پہر کو جا کر نکلتا تھا۔ ماریا کشتی کو کھاڑی کے دوسرے کنارے کی طرف لے گئی۔ ادھر اندھیرا تھا اور کشتی پر کسی پہریدار کی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔

ماریا کشتی کو جہاز کی دوسری جانب لے آئی۔ ایک سیڑھی ادھر بھی لٹک رہی تھی۔ ماریا نے کشتی کو اس سیڑھی کی رسی کے ساتھ باندھ دیا اور خود سیڑھی چڑھ کر اوپر ڈیک یعنی عرشے پر آ گئی۔ رات کی تاریکی میں جہاز کا عرشہ بالکل سنسان

تھا۔ خاموش تھا۔ کھاڑی میں سمندر کا پانی بھی بالکل خاموش تھا۔ کہیں ذرا سی بھی حرکت نہیں تھی۔ ہاں کبھی کبھی کوئی مچھلی اچھلتی تو اس کی آواز سنائی دے جاتی۔ پہریدار چاق و چوبند پہرہ دے رہا تھا۔ مگر وہ ماریا کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ماریا عرشے پر چل کر نیچے والی سیڑھی کے دروازے پر آ گئی۔

اس نے سوچا پہلے اس چوکیدار ڈاکو سے نمٹ لینا چاہیئے، کیونکہ یہ بعد میں اسے تنگ کرے گا اور ہو سکتا ہے اس کے شور مچانے سے سارا بنا بنایا کام خراب ہو جائے۔ ماریا پہرہ دینے والے ڈاکو کے قریب سے ہو کر سیڑھی اتر گئی۔ نیچے جا کر اس نے سیڑھی پر آہستہ سے دو تین پاؤں مارے۔ شور پیدا ہوا تو اوپر سے پہرے دار ڈاکو نے جھانک کر نیچے دیکھا۔

"کون حرام خور ہے ادھر؟"

ماریا نے درد بھری آواز بنا کر کہا۔

"مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ"

پہرے دار ڈاکو نے کسی لڑکی کی آواز سنی تو فوراً اس کا خیال جنگل سے پکڑ کر لائی گئی لڑکی کی طرف چلا گیا۔ کہیں اسے کوئی تنگ نہیں کر رہا؟ وہ سیڑھیوں میں آ گیا۔ ماریا یہی چاہتی تھی کہ اوپر ڈیک پر شور نہ پیدا نہ ہو۔ نیچے آتے ہی ماریا

نے اس کی کمر پر ایسی لات ماری کی وہ ڈاکو بغیر آواز نکالے اوندھے منہ فرش پر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔

ماریا نے اسے گھسیٹ کر ایک اندھیرے کونے میں ڈال دیا۔

اب وہ قید خانے کی طرف بڑھی جہاں اس کے خیال میں وحشی لڑکی کو قید میں رکھا ہوا تھا۔ ماریا اس جہاز کی ساری منزلوں سے واقف ہو گئی تھی۔ وہ ایک تنگ راہداری سے نکل کر نیچے جانے لگی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ جہاں بوڑھا انجینیئر قید تھا اسی کوٹھڑی میں وحشی لڑکی کو قید کیا گیا ہوگا۔ اچانک اس کی نظر ایک کیبن کے دروازے پر پڑی۔ وہاں دو ڈاکو پہرہ دے رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وحشی لڑکی اسی کیبن میں رکھی گئی تھی۔ ماریا سوچنے لگی کہ ان ڈاکوؤں کو یہاں سے کیوں کر بھگایا جائے۔ اس نے ذرا پیچھے اندھیرے میں جا کر سیٹی بجائی۔ یہ سیٹی بحری ڈاکوؤں کے جہازوں پر اس وقت بجائی جاتی ہے جب کوئی خطرہ ہو۔

سیٹی کی آواز سنتے ہی دونوں ڈاکو ماریا کی طرف بھاگے۔ ماریا تو ان کو دکھائی نہ دی البتہ وہ ایک خالی پیٹی سے ٹکرا کر اندھیرے میں گر پڑے ابھی وہ فرش پر سے اٹھ ہی رہے تھے کہ ماریا نے اوپر سے دونوں کو باری باری ایک ایک

مکا ایسا زبردست طریقے سے مارا کہ ان کی گردنوں کے منکے ٹوٹ گئے اور دونوں فرش پر بے جان ہو کر پڑ گئے۔ ماریا نے بڑی آسانی کے ساتھ ان دو ڈاکوؤں سے چھٹکارا حاصل کر لیا تھا۔ اب وہ وہاں سے بھاگی اور سیدھی کوٹھڑی کے پاس آئی جس کے اندر وحشی لڑکی قید تھی۔

اس کوٹھڑی پر تالا پڑا تھا۔ ماریا نے ایک ہی جھٹکے سے تالا توڑ دیا۔ دروازہ کھول کر وہ تیزی کے ساتھ اندر گئی تو دیکھا کہ کونے میں لیمپ جل رہا تھا اور وہی وحشی لڑکی زمین پر بیٹھی تھی۔ ماریا اس کے قریب جا کر جھکی اور بولی۔

"میرے ساتھ چلو رتنا"

اس نام نے کچھ عجیب سا اثر کیا اس وحشی لڑکی پر۔ وہ ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ماریا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وحشی لڑکی ہاتھ کی انگلیاں بڑھا کر ماریا کے چہرے پر پھیرنے لگی۔ ماریا نے کہا۔

"رتنا! چلو میرے ساتھ۔ میرے ساتھ چلو جلدی سے اٹھو۔ یہ ڈاکو تمہارے دشمن ہیں۔"

اور ماریا نے وحشی لڑکی کو ہاتھ سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ اب سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ ماریا قدم قدم پر وحشی لڑکی کے ساتھ چل رہی تھی کہ کہیں وہ کوئی آواز نہ نکال دے یا ادھر

ادھر بھٹک نہ جائے۔ وہ اس وحشی لڑکی کو لے کر جہاز کی سیڑھیاں چڑھ کر عرشے پر لے آئی۔ یہاں کوئی نہیں تھا۔ میدان خالی پا کر ماریا نے وحشی لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اسے عرشے پرے جنگلے کی طرف لے گئی۔ یہاں ایک سیڑھی نیچے کشتی میں لٹک رہی تھی۔

ماریا نے وحشی لڑکی کے کان میں آہستہ سے کہا۔

"آواز بالکل نہ نکالنا۔ یہ سیڑھی اتر چلو جلدی کرو۔"

وحشی لڑکی نے ایک پل کے لئے اندھیرے میں ماریا کو غور سے دیکھا۔ ماریا کو خیال آیا کہ کہیں یہ عین وقت پہ اڑ نہ جائے۔ اگر اس نے جانے سے انکار کر دیا اور ضد کرنے لگی تو مصیبت آ جائے گی۔ مگر وحشی لڑکی سیڑھی اتر کر نیچے کھاڑی میں ڈولتی کشتی میں بیٹھ گئی۔ ماریا بھی جلدی جلدی سیڑھی اتر کر کشتی میں آئی اور اس نے رسی کھول کر پرے ہٹا دی اور کشتی کے چپو چلاتی اسے کھیتی ہوئی کھاڑی کے دوسرے کنارے کی طرف آ گئی۔ اس کنارے پر ابھی تک اندھیرا تھا۔ اگرچہ رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا اور جزیرے کے عقب سے چاند درختوں کے اوپر آنے لگا تھا۔

درختوں کے پیچھے سے چاند کی زرد روشنی کا غبار سا چھوٹ

رہا تھا۔ ماریا کشتی کو بڑی تیزی سے چلا رہی تھی۔ وہ جہاز سے دور ہو جانا چاہتی تھی۔ جب وہ کھاڑی کا موڑ گھوم گئی تو اس نے کشتی کو ایک طرف کنارے سے لگا دیا اور وحشی لڑکی کا ہاتھ تھام کر اسے ساتھ لئے چٹان کی کھوہ کی جانب روانہ ہو گئی۔ وہ وحشی لڑکی کو جزیرے کے جنگلی لوگوں سے بھی چھٹکارا دلانا چاہتی تھی کیونکہ اسے یقین تھا کہ یہ وحشی لڑکی انڈونیشیا کے ڈاکٹر کی لڑکی رتنا ہی ہے۔

وحشی لڑکی اپنی مرضی سے ماریا کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ اگر اس کا ارادہ نہ ہوتا تو وہ بڑی آسانی سے ماریا کا ساتھ چھوڑ کر جنگل میں گم ہو سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بار ماریا نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تو پھر بھی وحشی لڑکی اس کے پیچھے پیچھے آتی گئی تھی۔ ماریا مختلف پگڈنڈیوں، ندیوں اور جنگل میں درختوں کے ذخیروں سے ہوتی آخر اس چٹان کے سائے میں پہنچ گئی جس کی کھوہ میں غار تھا۔

ماریا وحشی لڑکی کو لے کر کھوہ کے اندر آ گئی۔ اس نے اندر جاتے ہی بوڑھے انجنیئر کو آواز دی۔

"بابا؟"

انجنیئر موم بتی بجھا کر کونے میں آرام کر رہا تھا۔ ماریا کی آواز سن کر اس نے ماچس جلائی اور موم بتی کو روشن

کر دیا۔ وحشی لڑکی کو ماریا کے ساتھ دیکھ کر بوڑھا انجینئر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وحشی لڑکی کی کلائی کو روشنی میں لے جا کر دیکھا۔ اس کے منہ سے خوشی کی ایک چیخ نکل گئی۔ وحشی لڑکی کی کلائی پر انڈونیشی زبان میں چھوٹا سا لفظ رتنا کھدا ہوا تھا۔

"ماریا! یہ میرے ڈاکٹر دوست کی بیٹی رتنا ہے"

وحشی لڑکی انجینئر کو خاموش نظروں سے تک رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی اثر نہیں تھا۔ پھر اس نے غار کی چھت کو دیکھا۔ فضا میں کچھ سونگھا اور جلدی سے ماریا اور انجینئر کو پرے دھکیل دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ بھی پرے ہٹ گئی۔ ایک دم سے چھت پر سے ایک سبز رنگ کا بہت موٹا سانپ تھپ سے فرش پر اس جگہ گر پڑا جہاں تھوڑی دیر پہلے یہ سب لوگ کھڑے تھے۔

سانپ نے زور سے پھنکار ماری۔ وحشی لڑکی نے سانپ کی گردن پر پاؤں رکھ دیا۔ اس کے پاؤں میں اتنی طاقت تھی کہ سانپ کی گردن کٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی ماریا نے بھی سانپ کی گردن پر زور سے دو تین ہاتھ مارے اور اس کی گردن الگ کر دی۔ پہلی بار وحشی لڑکی ماریا کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ انجینئر نے کہا۔

"ماریا! مجھے لگتا ہے جیسے یہ تمہیں دیکھ رہی ہے۔ حالانکہ میں تمہیں بالکل نہیں دیکھ رہا"

ماریا نے کہا۔

"بابا! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس وحشی لڑکی رتنا کی شاید ساتویں حس بھی ہے۔ یہ میری موجودگی کو محسوس کر لیتی ہے۔ یہ مجھے دیکھ نہیں رہی مگر میرے جسم سے نکلنے والی شعاعوں کو پوری طرح سے محسوس کر لیتی ہے اور پھر جہاں میں کھڑی ہوتی ہوں ادھر ہی دیکھنے لگتی ہے دوسرے کو یوں لگتا ہے جیسے یہ مجھے دیکھ رہی ہے"

بوڑھا بولا۔

"تم نے ٹھیک کہا۔ جنگل میں اتنے سال رہنے کی وجہ سے اس کی ساتویں حس بیدار ہو گئی ہے۔ اب یہ بہت سے خطرے پہلے ہی بھانپ لیتی ہے۔ جیسا کہ اس نے ہمارے اوپر گرنے والے سانپ کے خطرے کو پہلے سے ہی محسوس کر لیا تھا۔ حالانکہ ہمیں ذرا بھی خبر نہ ہوئی تھی"

بوڑھے انجینئر نے رتنا کی طرف دیکھ کر اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور کہا۔

"بیٹی! تمہارا نام رتنا ہے۔ تم ڈاکٹر جاگور کی بیٹی ہو۔ تمہارے ماں باپ جکارتا میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

وہ آج بھی تمہارے غم میں نڈھال ہیں۔ کیا تم سمجھ رہی ہو؟
وحشی لڑکی رتنا بوڑھے انجنیئر کی طرف دیکھتی رہی۔ موم بتی
کی روشنی میں اس کی آنکھیں چیتے کی آنکھوں کی طرح چمک رہی
تھیں۔ ماریا نے کہا۔
"بابا! یہ دنیا کی شاید کوئی زبان نہیں سمجھتی۔ میں نے اس کے
ساتھ کئی بار باتیں کی ہیں مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا"
"پھر بھی کوئی نہ کوئی زبان تو یہ بولتی ہو گی" انجنیئر نے کہا۔
ماریا کہنے لگی۔
"میرا خیال ہے شاید یہ جانوروں کی بولی بولتی ہو اور
ان ہی کی بولی سمجھتی ہو۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ میں نے اس کی
زبان کو صرف ایک بھیانک چیخ ہی سنی ہے۔ اس کے سوا مجھے
اس کی آج تک دوسری آواز سنائی نہیں دی"
انجنیئر نے کہا۔
"تم نے بڑا کمال کیا میری بچی ماریا کہ اس لڑکی کو ڈاکوؤں
کے چنگل سے چھڑا لائی ہو۔ یہ میرے دوست کی نشانی ہے
جب میں اس بچی کو جا کر ان کے حوالے کروں گا تو خوشی
سے وہ نہال ہو جائیں گے"
ماریا نے پوچھا۔
"کیا وہ اپنی بچی کو پہچان لیں گے؟"

بمشکل ایک ڈیڑھ سال کی تھی جب جہاز سمندر میں غرق
ہوا لیکن سب سے بڑی پہچان تو اس کا نام ہے جو ڈاکٹر
نے میرے سامنے شہر کے ایک دکاندار سے اس کی کلائی پر
کھدوایا تھا"
وحشی لڑکی اس عرصے میں کونے میں جا کر بوڑھے انجنیئر کے
بستر پر لیٹ گئی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ شاید وہ سو
گئی تھی۔ ماریا نے کہا۔
"ویسے لوگ ٹھیک ہی کہتے تھے کہ انہوں نے جہاز کے
غرق ہونے کے بعد ایک ڈولفن مچھلی کو دیکھا ہے جو ایک
چھوٹے سے بچے کو سر پر اٹھائے سمندر میں جا رہی تھی"
بوڑھے انجنیئر نے کہا۔
"بیٹی! ڈولفن مچھلی انسانوں کی بڑی دوست ہوتی ہے۔ یہ
انسان کے بڑے کام آتی ہے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ جنگ میں
کوئی ہوا باز سمندر میں گر پڑا۔ شارک مچھلیاں حملہ کرنے آئیں
مگر ڈولفن نے بیچ میں آ کر اسے بچا لیا۔ پھر اسے اپنے اوپر
سوار کرایا اور سمندر میں لئے لئے پھرتی رہیں۔
یہاں تک کہ دوسرے جہاز یا کسی جزیرے پر لا کر
ڈال دیا۔ رتنا کے معاملے میں بھی یہی ہوا ہو گا۔ یہ بچی سمندر
میں ڈوبی تو کسی ڈولفن نے اسے دیکھ لیا پھر وہ سمندر کے

بچے سے اسے اٹھا لائی اور اس جزیرے پہ لا کر ڈال دیا۔"
ماریا نے کہا۔

"حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ اس مچھلی نے پھر اس چھوٹی سی بچی کی دیکھ بھال بھی کی۔"

"ہاں ڈولفن بچوں کو پال کر خوش ہوتی ہیں، وہ ضرور سمندر سے چھوٹی چھوٹی مچھلیاں لا کر اسے کھلاتی رہی ہو گی اور کوئی عجیب بات نہیں کہ اسے دودھ بھی پلاتی رہی ہو۔ پھر جب رتنا ذرا بڑی ہو گئی تو ڈولفن نے اسے چھوڑ دیا اور یہ لڑکی اس جنگل میں ہی چل پھر کر جوان ہو گئی"
بوڑھا انجنیئر بولا۔

"تعجب اس بات پر ہے کہ اس جزیرے کے جانگلی لوگ اسے اپنی دیوی سمجھنے لگے"

"ہاں بابا! وہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔"

"اور یہ جانگلی لوگ آدم خور بھی نہیں ہیں"

"بالکل نہیں ہیں"
انجنیئر نے گہرا سانس لیا۔

"اب پھر تمہارا کیا ارادہ ہے بیٹی ماریا؟"
ماریا نے کہا۔

"بابا! ہماری سکیم یہی ہے کہ کسی طریقے سے ڈاکوؤں کے

جہاز پر قبضہ کر لیا جائے اور پھر سب سے پہلا کام یہ کیا جائے کہ رتنا کو ساتھ لے کر انڈونیشیا جا کر اسے اس کے ماں باپ کے حوالے کر دیا جائے"

"بڑا نیک خیال ہے ماریا بیٹی! مگر سوال یہ ہے کہ ان وحشی ڈاکوؤں کے جہاز پر قبضہ کس طرح کیا جا سکے گا؟"

"اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔ ابھی تو اس لڑکی رتنا اور آپ کو ان کی آنکھوں سے بچانا ہے۔ چھپانا ہے کیونکہ ڈاکو اب بڑی شدت سے رتنا کو تلاش کریں گے۔ ہو سکتا ہے کم بخت ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس چٹان کے آس پاس بھی پہنچ جائیں۔ اس لئے ہمیں بے حد چوکس رہنا ہو گا۔"
بوڑھا انجنیئر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر فرش پر بیٹھ گیا۔

"بیٹی ماریا! تم بھی بیٹھ جاؤ اور آرام کرو۔ تم بھی بے حد تھک گئی ہو گی — رتنا تو شاید سو گئی ہے۔"
ماریا بولی۔

"بابا! مجھے اتنے آرام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں جب چاہوں آرام کر لیتی ہوں۔"
انجنیئر نے کہا۔

"اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ ڈاکو بڑی گرم جوشی اور غصے کے ساتھ اس لڑکی کو تلاش کریں گے۔ وہ میری تلاش

میں بھی ہوں گے۔ منا کو بڑا سنگدل ڈاکو ہے۔ اس نے جزیرے پر آتے ہی میرے سات ساتھیوں کو گولی سے اڑا دیا تھا۔ میری قسمت اچھی تھی کہ بچ گیا۔ اگر میں انجینئر نہ ہوتا تو ان کے ساتھ مجھے بھی گولی مار دی جاتی...... بہر حال وہ لوگ سارے جزیرے کو کھنگال ڈالیں گے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس چٹان کی کھوہ تک وہ بہت مشکل سے پہنچ سکیں گے۔"

ماریا نے کہا۔

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں سے چلے جائیں میرا مطلب ہے دو ایک روز تلاش کریں اور پھر تھک ہار کر یہاں سے چل دیں۔ وہ تو صرف اس جزیرے پر پھل اور پانی کا ذخیرہ لینے کے لئے کھڑے ہیں"

انجینئر نے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔ ہمیں جہاز پر جلد سے جلد قبضہ کرنے کی تدبیر کرنی چاہیئے۔"

"بابا! تم اس سلسلے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟"

انجینئر نے کچھ سوچ کر کہا۔

"میرا خیال ہے کہ جہاز پر ڈاکوؤں کی تعداد پچاس سے کسی طرح کم نہیں ہو گی۔ اتنی بڑی تعداد کو ختم کرنا آسان کام نہیں ہے۔"

ماریا کہنے لگی۔

"یہ خیر آپ نہ کہیں۔ میرے لئے ان لوگوں کو ٹھکانے لگانا مشکل بات نہیں ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ میں ایک ایک کر کے ان کو موت کے گھاٹ اتار سکتی ہوں۔ اور جب چھ سات ڈاکو مر جائیں گے تو ہو سکتا ہے کہ منا کو یہاں سے جہاز لے کر رفو چکر ہو جائے۔"

"تو پھر.... اور کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟"

ماریا نے کہا۔

"کسی طرح سے کوئی ایسی بات ہو جائے کہ سارے ڈاکو جہاز سے اتر کر جزیرے میں آ جائیں اور ہم پیچھے جہاز لے کر فرار ہو جائیں"

"بڑا مناسب خیال ہے۔ اس کے لئے سوچنا پڑے گا"

انجینئر کے اس خیال پر ماریا نے کہا۔

"بابا! اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جزیرے کے بیچ میں آگ لگا دی جائے۔ ڈاکو آگ کو دیکھ کر ضرور ادھر آئیں گے۔ اس عرصے میں ہم جہاز پر پہنچ جائیں اور اسے لے کر بھاگ جائیں۔"

انجینئر ہنسا۔

"یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ پہلی

بات تو یہ ہے کہ جس وقت ڈاکو جزیرے کی طرف آگے دیکھ کر آئیں تو اس وقت ہمارا جہاز پر ہونا بہت ضروری ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے"

"مگر اتنی جلدی یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

ماریا نے کہا۔

"میں کر کے دکھا دوں گی آپ تیار رہیں"

ماریا نے انجینئر کو تاکید کی کہ کسی حالت میں بھی وحشی لڑکی رتنا کو وہاں سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ ماریا صبح سے پہلے پہلے واپس اپنے جھونپڑے میں آ گئی۔ صبح کو جب وحشی لڑکی کی گمشدگی کا پتہ چلا تو وہاں ایک شور مچ گیا۔ منا کو ڈاکو نے دونوں پہرے داروں کو اپنے ہاتھوں سے گولی مار دی۔ ماریا خوش ہوئی کہ چلو دو ڈاکو اور کم ہوئے۔ جزیرے کی ایک بار پھر تلاشی شروع ہو گئی۔

ماریا نے دیکھا کہ سارے کے سارے ملاح تلاش کو نکلے ہوئے ہیں۔ جہاز پر صرف ڈاکوؤں کا سردار اور چند ایک پہریدار رہ گئے تھے۔ اس نے سوچا کیوں نہ ان لوگوں کو ختم کر کے جہاز پر قبضہ کر لیا جائے۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ وہاں اس وقت وہ وحشی لڑکی رتنا اور بوڑھے انجینئر کو جزیرے سے جا کر نہیں رکھ سکتی تھی۔

چاہیے تو یہ کہ ان دونوں کو کھاڑی کے دوسرے کنارے کی محفوظ جگہ لا کر چھپا دیا جائے اور جونہی ایسا کوئی موقع ے تو فوراً انہیں جہاز پر سوار کروا دیا جائے اور جہاز ے کر وہاں سے نو دو گیارہ ہو جائیں۔

ماریا جزیرے میں نکل کھڑی ہوئی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں غلطی سے وحشی لڑکی غار سے باہر نہ نکل آئے۔ راستے میں ماریا نے ڈاکوؤں کو دیکھا کہ وہ وحشی لڑکی اور بوڑھے انجینئر کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ جھاڑیوں کو کھنگال رہے تھے اور درختوں میں گولیاں چلا رہے تھے۔ ذرا بھی شاخ میں کوئی پرندہ پھڑپھڑاتا تو یہ گولی چلا دیتے اور پھر خود ہی زور زور سے ہنسنے لگتے۔ ماریا جلدی جلدی کھوہ میں پہنچ گئی۔ ابھی تک اس علاقے میں کوئی ڈاکو نہیں آیا تھا۔

ماریا نے اندر جا کر دیکھا کہ بوڑھا انجینئر اور وحشی لڑکی موجود تھے اور کونے میں چھپے بیٹھے تھے۔ وحشی لڑکی تو ابھی تک سو رہی تھی۔

"یہ اچھی بات ہے اس کا سوئے رہنا ہی اچھا ہے۔"

ماریا نے کہا اور پھر بوڑھے انجینئر کو بتایا کہ ان کی تلاش میں ڈاکو جزیرے میں گھوم پھر رہے ہیں اور درختوں

پر گولیاں چلا رہے ہیں۔ انجنیئر نے کہا۔
"گولیوں کی آواز مجھے بھی آئی تھی"
"ہاں۔ وہ خواہ مخواہ گولیاں ضائع کر رہے ہیں۔ بابا! میں نے سوچا ہے کہ آپ دونوں کو آج رات یہاں سے نکال کر جہاز کے قریب کھاڑی کے دوسرے کنارے کسی جگہ چھپا دیا جائے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ لوگ جہاز کے زیادہ سے زیادہ قریب رہیں، تاکہ وقت آنے پر جہاز میں سوار ہونے میں آسانی ہو"
"کیا وہاں کوئی محفوظ جگہ ہے؟"
"یہ میں آج معلوم کر لوں گی۔ بلکہ کل تک کوئی محفوظ جگہ بنا لوں گی"
تھوڑی دیر وہاں رہ کر ماریا واپس آ گئی۔ وہاں سے وہ سیدھی کھاڑی کے دوسرے یعنی سامنے والے کنارے پر پہنچی۔ کافی تلاش کے بعد آخرا س نے ایک جگہ چن لی۔ یہ ایک گڑھا تھا جس میں گھاس پھونس اور جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ اس گڑھے کے پہلو میں ایک چھوٹا سا غار زمین کے اندر چلا گیا تھا۔ ماریا نے کچھ گھاس کاٹ کر وہاں زمین پر بچھا دیا اور شام کا اندھیرا پھیلتے ہی وحشی لڑکی اور بوڑھے انجنیئر کو لے کر جنگل میں چل دی۔

●

دو لاشیں

●

رات کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔
ماریا چٹان کے دامن میں کھوہ کے اندر پہنچ گئی۔ بوڑھا انجنیئر اور وحشی لڑکی وہیں تھے۔ وحشی لڑکی خاموش کونے میں لیٹی تھی اور چھت کو تک رہی تھی۔ ماریا نے کہا۔
"چلو بابا! میں نے ایک جگہ دیکھ لی ہے وہاں سے ہم بہت جلدی جہاز پر پہنچ سکتے ہیں"
"کیا وہاں بحری ڈاکوؤں کا خطرہ تو نہیں؟ کیونکہ اس طرح سے ہم خطرے سے بھی بہت قریب ہو جائیں گے"
"نہیں بابا! میں نے ہر شے اچھی طرح دیکھ بھال لی ہے۔ آپ لوگ میرے ساتھ چلے چلیں۔ جنگل میں اندھیرا ہے۔ ہم اندھیرے اندھیرے میں وہاں پہنچ جائیں گے۔ رتنا نے کوئی بات کی؟"
"بالکل نہیں۔ وہ اس وقت سے خاموش ہے اور یونہی بلا چھت کو تکتی رہتی ہے۔ کسی وقت اٹھ کر باہر جاتی ہے اور

پھر اندر آکر لیٹ جاتی ہے"

ماریا نے پوچھا۔

"کیا جنگل کے وحشی اسے تلاش کرتے ہوئے یہاں نہیں آئے؟"

"ابھی تک ادھر تو کوئی نہیں آیا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ انہیں رتنا کی تلاش ضرور ہوگی۔ کیونکہ یہ ان کی دیوی ہے۔"

"دیکھا جائے گا۔ اب آپ لوگ جلدی سے اٹھیں اور میرے ساتھ چلیں"

ماریا نے وحشی لڑکی رتنا کے پاس جا کر اس کا ہاتھ بڑے پیار سے اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"اچھی بہن! میرے ساتھ چلو۔ آؤ"

رتنا نے ماریا کی طرف خاموش نظروں سے دیکھا اور پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ ماریا کی زبان سمجھنے لگی ہے۔ ماریا بڑی خوش ہوئی اس نے انجینئر سے کہا۔

"بابا! اب یہ میری بات سمجھنے لگی ہے۔ دیکھو میں نے اسے اٹھنے کے لئے کہا اور یہ اسی وقت اٹھ کر کھڑی ہو گئی ہے"

ماریا بڑی خوش تھی۔ انجینئر نے کہا۔

"آہستہ آہستہ یہ ہماری ایک ایک بات سمجھنے لگے گی۔ تم اپنے ہاتھ میں ایک رسی تھام لو۔ میں اس رسی کو پکڑ کر

تمہارے ساتھ ساتھ چلوں گا۔ کیونکہ تم مجھے دکھائی تو دیتی نہیں ہو۔"

ماریا نے وہاں سے گھاس کی ایک رسی اٹھا کر ہاتھ میں پکڑی اور اس کا ایک سرا بوڑھے انجینئر کو پکڑا دیا۔ بوڑھے انجینئر نے ایک ہاتھ سے وحشی لڑکی کے ہاتھ کو تھاما اور ماریا کے پیچھے پیچھے غار سے باہر نکل آیا۔ تینوں باہر نکل کر بائیں جانب گھوم گئے اور انہوں نے ندی کے ساتھ ساتھ پیچھے مغرب کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ جنگل میں سناٹا تھا۔ جھینگر بول رہے تھے۔ دور الو کی آواز بھی آ رہی تھی۔ وہ ندی کنارے آ گئے۔ ماریا انہیں ندی کے اوپر سے لے کر جنگل کے جنوب سے ہوتی ہوئی کیمپ گاہ تک لانا چاہتی تھی۔

وہ دیودار کے گھنے درختوں کے نیچے سے ہو کر گذر رہی تھی کہ اسے آہٹ سنائی دی وہ رک گئی۔ اس نے سرگوشی میں انجینئر سے کہا۔

"درخت کے پیچھے ہو جاؤ۔

اور پھر ماریا نے وحشی لڑکی کو بھی ہاتھ سے پکڑ کر درخت کی اوٹ میں کر لیا۔

آہٹ قریب آ رہی تھی۔ اب انہیں دو آدمیوں کے باتیں

کرنے کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ ماریا نے آہستہ سے کہا
"جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ جاؤ۔ جلدی کرو۔ یہ بحری ڈاکو
ہیں اور تم لوگوں کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔"
وحشی لڑکی اور بوڑھا انجینئر ایک دم سے جھاڑیوں میں
چھپ کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں رات کے اندھیرے میں انہیں
دو سائے آتے دکھائی دیئے۔ ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں
ان کے کانوں کی مندریاں چمک رہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں
خنجر تھے اور کمر کے ساتھ پستول لٹک رہے تھے۔ ماریا دم
بخود کھڑی تھی۔ اس نے انجینئر کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کیونکہ
اسے یوں لگ رہا تھا جیسے بوڑھا انجینئر کھانسنے کی کوشش
کر رہا ہے۔ مگر پھر بھی انجینئر کی ہلکی سی کھانسی کی آواز نکل
ہی گئی۔

اس آواز پر دونوں ڈاکو ایک دم سے رک گئے۔
وہ جنگل میں چاروں طرف دیکھنے لگے۔
"تم نے کچھ سنا؟"
"ہاں۔ جیسے کسی کے کھانسنے کی ہلکی سی آواز تھی"
"بالکل ٹھیک ہے۔ [illegible] میں نے سنا ہے معلوم ہوتا ہے
کہ ہمارا شکار اسی جگہ کہیں چھپا ہوا ہے۔ تم یہیں ٹھہرو میں
اس علاقے کا چکر لگاتا ہوں"

ایک ڈاکو پستول ہاتھ میں تھام کر وہیں کھڑا ہو گیا اور
دوسرا پستول نکالے ان درختوں اور جھاڑیوں کی طرف آیا
جہاں انجینئر اور ماریا چھپے ہوئے تھے۔ ماریا اب پوری طرح
سے ہوشیار ہو چکی تھی۔ یہ بڑا خطرناک وقت تھا۔ کیونکہ ڈاکو
بالکل ان کی سیدھ میں آ رہا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں پستول
بھی تھا۔ اگر اس نے ایک گولی بھی چلا دی تو جزیرے میں
پھیلے ہوئے سارے ڈاکو یہاں پہنچ جائیں گے۔
ماریا جھاڑیوں سے باہر نکل کر کھڑی ہو گئی۔ کیونکہ اسے
ڈاکو دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ اب رات کے اندھیرے میں بھی
اس ڈاکو کو صاف صاف دیکھ رہی تھی جو سر پر سرخ رومال
باندھے۔ کانوں میں گولڈن چھلے ڈالے ہاتھ میں پستول تھامے
جھاڑیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کم بخت نے آواز ٹھیک سنی
تھی اور بالکل آواز جہاں سے آئی تھی اس کی سیدھ میں آگے
بڑھ رہا تھا۔
ماریا بھی تیار کھڑی تھی۔ وہ اس ڈاکو کو کچھ اس طریقے
سے قابو کرنا چاہتی تھی کہ ذرا سی بھی آواز پیدا نہ ہو۔ اسے
یہ بھی خطرہ تھا کہ ڈاکو کے ہاتھ میں پستول ہے۔ کہیں وہ
اسے چلا نہ دے۔
ڈاکو ماریا کے قریب سے گذر گیا۔

ماریا اب اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ ڈاکو جھاڑیوں کے
سرے پر پہنچ گیا تھا۔ ان جھاڑیوں میں وحشی لڑکی اور بوڑھا انجنیئر
چھپے ہوئے تھے۔ ڈاکو رک گیا اور سانس روک کر جھاڑیوں
میں سے آتی شاید بوڑھے انجنیئر کے سانس لینے کی آواز سننے
کی کوشش کرنے لگا۔ جونہی اس نے ہاتھ بڑھا کر جھاڑیوں کو
ہٹایا اور بوڑھے انجنیئر اور وحشی لڑکی کو دیکھا پیچھے سے ماریا
نے اس کی گردن پر ہاتھ مار دیا۔ ڈاکو کے ہاتھ سے پستول گر
پڑا۔ گردن کی ہڈی دو ٹکڑے ہو گئی اور وہ لڑکھڑا کر پھر
کبھی نہ اٹھنے کے لئے گر پڑا۔

گردن کی ہڈی کے ٹوٹنے سے ڈاکو کے ہاتھ سے پستول
چلانے کی طاقت جاتی رہی تھی۔ ماریا بھی یہی چاہتی تھی۔ یہی
وجہ تھی کہ اس نے پوری طاقت سے ہاتھ مارا تھا۔ انجنیئر اور
وحشی لڑکی خاموشی سے یہ سارا کھیل دیکھ رہے تھے۔ ماریا نے
لاش کو گھسیٹ کر جھاڑیوں میں چھپا دیا اور انجنیئر سے سرگوشی
میں کہا۔

"اسی طرح بیٹھے رہو۔ میں دوسرے ڈاکو کی خبر لیتی ہوں"
ماریا جھاڑیوں سے نکل کر درخت کی دوسری جانب وہاں
آ گئی جہاں دوسرا ڈاکو کھڑا اپنے پہلے ساتھی کا انتظار کر رہا
تھا۔ وہ اسی طرح درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ

میں بھی پستول تھا جب اس نے دیکھا کہ ساتھی کو دیر ہو گئی ہے تو
اس نے آہستہ سے آواز دی۔

"کارلو! کہاں چلے گئے کارلو؟"

کارلو تو اگلے جہاں پہنچ چکا تھا اسے کہاں سے جواب
دیتا۔ ماریا یہ سب کچھ پاس ہی کھڑی سن رہی تھی۔ کارلو کا ساتھی
پریشان سا ہو گیا کہ ابھی تو وہ اس کے پاس گیا ہے پھر واپس
کیوں نہیں آ رہا؟ آخر کہاں جا کر کھو گیا؟ اس نے ایک بار پھر
آواز دی۔

"کارلو بھائی! جواب کیوں نہیں دیتے؟"

کارلو کی لاش جھاڑیوں میں بے حس و حرکت پڑی تھی۔ اسے
جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ ڈاکو خود ہی آگے کی طرف
چلا کہ چل کر خود ہی معلوم کرتا ہوں بات کیا ہے۔ ماریا اس
کے راستے میں کھڑی اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔ جب ڈاکو
جھک کر سراغ رسانوں کی طرح پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا
ماریا کے قریب آیا تو اس نے پہلا کام یہ کیا کہ زور سے
ہاتھ مار کر ڈاکو کا پستول گرا دیا۔ ڈاکو بوکھلا اٹھا۔ اس نے
پلٹ کر دیکھا۔ اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔

"کارلو! کارلو!"

ڈاکو نے بلند آواز میں دہشت سے کانپتے ہوئے اپنے

ساتھی کو پکارا۔ ماریا کو خطرہ تھا یہ اونچی اونچی شور مچانا شروع کر دے۔ ایسی صورت میں سارے ڈاکو یہاں پہنچ کر انجنیئر اور وحشی لڑکی کو ہلاک کر سکتے تھے۔ ماریا کس کس سے مقابلہ کر سکتی تھی۔ پس اس نے دوسری آواز نکالنے سے پہلے ہی ایک ہاتھ مار کر ڈاکو کی گردن کا منکا توڑ دیا۔ پھر وہ بوڑھے انجنیئر اور وحشی لڑکی کے پاس آکر کہنے لگی۔

"میدان صاف ہو چکا ہے جلدی یہاں سے نکل چلو"

ماریا ان کو لے کر جنگل جنگل، درختوں اور جھاڑیوں میں سے گذرتی آخر ندی کے دوسری جانب کھاڑی کے مشرقی کنارے والے کھوہ میں لے آئی۔ بوڑھے انجنیئر نے کہا۔

"یہاں ہمیں کتنی مدت تک رہنا ہوگا ماریا؟"

"بابا! اس پر کل بات ہوگی۔ اب تم لوگ آرام کرو"

وحشی لڑکی بھی بستر پر لیٹتے ہی سو گئی۔ اس نے اپنی عادت کے مطابق کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ ماریا بھی وہاں سے آگئی اور اپنی جھونپڑی میں پہنچ کر سو گئی۔ دوسرے روز منا کو ڈاکو کو جب اپنے دو ساتھیوں کی لاشیں ملیں تو وہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے حکم دیا۔

"جزیرے میں گولہ باری شروع کر دو"

چھ توپوں کے منہ جزیرے کے وسط کی طرف کر دیئے گئے۔

اور گولہ باری کے دھماکے شروع ہو گئے۔ جنگلی لوگ پہلی بمباری کے بعد وہاں سے دور چلے گئے تھے۔ اس لئے کسی کا کچھ نقصان نہ ہوا۔ صرف نیچے کچھ درخت ٹوٹ کر گر پڑے اور کہیں کہیں آگ لگ گئی۔ منا کو ڈاکو کو بھی پتہ تھا کہ جانی نقصان کسی کا نہیں ہوگا۔ بس وہ اپنی شرمندگی اور غصہ نکالنا چاہتا تھا۔

"بند کر دو یہ بک بک"

منا کو ڈاکو نے گولہ باری کے دھماکوں سے تنگ آکر کہا۔ کیونکہ اس کا نتیجہ کچھ نہیں نکل رہا تھا۔ سوائے اس کے کہ گولے ختم ہو رہے تھے اور خواہ مخواہ میں اسلحہ پھونکا جا رہا تھا۔ گولہ باری کے دھماکے انجنیئر، وحشی لڑکی اور ماریا بھی سنتے رہے۔ انہیں معلوم تھا کہ ڈاکو اپنی شرمندگی مٹانے کے لئے نہتے جنگلی لوگوں پر گولے برسا رہے ہیں جن کا کہ اب کوئی فائدہ نہیں کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ جانگلی لوگ آگے نکل گئے ہیں۔

دوپہر کے وقت ماریا ایک تھیلے میں پھل لے کر وحشی لڑکی اور انجنیئر کے پاس گئی۔ وحشی لڑکی کو ماریا نے بڑی محبت سے پاس بیٹھ کر پھل کھلائے۔ پانی پلایا اور اس کی طرف مسکراتے ہوئے کہا۔

"رتنا! میری بات غور سے سنو۔ تم اردو سمجھتی ہو۔ یہ بڑی

اچھی بات ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم یہاں سے ہرگز ہرگز باہر نہ نکلو۔ جب تک میں اشارہ نہ کروں تم یہاں سے ہرگز باہر نہ نکلنا۔ کیونکہ اب ڈاکو ادھر آئیں گے۔ ان کے ساتھیوں کی لاشیں ملی ہیں۔ وہ غصے سے پاگل ہوئے جا رہے ہیں۔"

رتنا نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ یہ بڑی تسلی کی بات تھی کہ اب یہ وحشی لڑکی ماریا کے کہنے میں آ گئی تھی۔ وہ اسے جو ہدایت دیتی تھی وحشی لڑکی اس پر خاموشی سے عمل کرتی تھی۔

اس کے بعد ماریا نے بوڑھے انجینئر سے مشورہ کیا کہ اب انہیں کیا کرنا چاہیئے؟ کیونکہ وقت گذرتا جا رہا تھا۔ ڈاکو اب جزیرے سے کوچ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور یہ لوگ بھی زیادہ دیر تک اس غار میں زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ بوڑھے انجینئر نے کہا۔

"میرا خیال ہے میں جزیرے کے بیچ میں جا کر شور مچاتا ہوں ڈاکو میری آواز سن کر ادھر بھاگیں گے۔ اس عرصے میں تم جہاز پر رتنا کو لے کر سوار ہو جانا۔ پھر میں بھی کسی طرح وہاں پہنچ جاؤں گا"

ماریا مسکرائی۔

"اور اس کے ساتھ ہی ڈاکو بھی جہاز پر آ جائیں گے اور تم دونوں کو قابو میں کر لیں گے۔ نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔

خطرناک بات ہو گی"

"پھر تم ہی بتاؤ۔ میرا دماغ اس طرف کام نہیں کرتا میں مشینوں کو چلا سکتا ہوں۔ اس قسم کی باتیں نہیں سوچ سکتا"

ماریا نے کہا۔

"میں کچھ نہ کچھ کروں گی۔ تم یہاں ہر وقت تیار رہنا۔ شاید آج کی رات یا کل کسی وقت ہمیں یہاں سے بھاگنا پڑے"

"ٹھیک ہے۔ ہم تیار رہیں گے۔ مگر تم کیا کرو گی؟ یہ ڈاکو بڑے خطرناک ہیں اور جہاز سے سارے کے سارے الگ نہیں ہو سکتے۔"

"میں خود سوچ لوں گی۔ اب تم یہاں آرام کرو اور رتنا کو کسی حالت میں بھی باہر نہیں جانے دینا۔ مجھے سب سے زیادہ اسی کی طرف سے پریشانی رہتی ہے کہ کہیں یہ کسی وقت باہر نکل کر ہماری ساری سکیم تباہ نہ کر دے"

"فکر نہ کرو۔ میں اس کی حفاظت کروں گا"

ماریا غار سے نکل کر واپس آ گئی۔

جھونپڑی میں آ کر اس نے دیکھا کہ ڈاکو جہاز پر سامان، پانی کے بڑے بڑے مٹکے اور ناریل اور پھلوں سے بھرے ہوئے ٹوکرے لاد رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ یہاں سے جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ماریا فکر مند ہو گئی۔ وقت سر

پر آن پہنچا تھا۔ اسے کچھ نہ کچھ ابھی کرنا چاہیئے تھا۔ ورنہ
اس کے بعد شاید وہ لوگ کبھی اس جزیرے سے باہر نہ
نکل سکیں گے۔

خدا جانے پھر کب کوئی جہاز وہاں آئے!

آخر ماریا کو ایک ترکیب سوجھی۔

وہ جھونپڑے سے نکل کر سیدھی ڈاکوؤں کے جہاز پر
پہنچی۔ اس نے دیکھا کہ جہاز کا سردار ڈاکو مناکو اپنے کیبن کے
باہر کرسی پر بیٹھا ناریل توڑ کر کھا رہا تھا اور دوسرے ڈاکوؤں
کو گالیاں دے دے کر کہہ رہا تھا۔

”حرام خورو! جلدی جلدی سامان لادو۔“

ماریا کو اب کاغذ اور قلم دوات کی تلاش تھی۔ وہ سیدھی
ڈاکو کے کیبن میں داخل ہو گئی۔ یہاں کافی تلاش کے بعد اسے
ایک کاپی اور ایک کالی پنسل مل گئی۔ اس نے کاغذ پر ایک
رقعہ لکھا۔

”سردار! میں اس جزیرے کے جنوب میں ایک غار میں
ہوں۔ مجھے یہاں کے جنگلی وحشیوں نے قید کر رکھا ہے۔ یہ
خط میں ایک بوڑھے جنگلی کے ہاتھ بھیج رہا ہوں۔ یہ جنگلی میرا
ہمدرد ہے۔ میری بات غور سے سنو! میں جس جگہ پر قید ہوں
وہاں غار میں سونے کا خزانہ موجود ہے۔ یہ جنگلی اس سونے

کو جمع کر کے رکھتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے سونا
نکلتا ہے۔ اس وقت میرے سامنے صندوقوں میں سونے کی
ڈلیاں بھری پڑی ہیں۔ اگر یہ لوگ میرے ساتھ اچھا سلوک
کرتے تو میں تمہیں کبھی خط نہ لکھتا۔ مگر یہ لوگ مجھے دیوی پر
قربان کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس لئے جس طرح ہو
جلدی سے میرے پاس اپنے سارے آدمی لے کر پہنچو۔
خبردار اکیلے مت آنا۔ سب کو لے کر آنا۔ کیونکہ سونے کے
صندوق بہت زیادہ ہیں۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ ایسا کرنا
کہ جزیرے میں ایک ندی آئے گی اس ندی کے دوسرے
کنارے چلتے آنا۔ پھر ایک پہاڑی آئے گی۔ اس پہاڑی کے
جنوب میں ناریل کے درخت ساتھ ساتھ اگے ہوئے ہیں۔
بس ان درختوں کے نیچے سے ایک دروازہ ہے۔ اس دروازے
کے اندر سونے کے صندوق پڑے ہیں۔ فقط۔ انجینئر“

ماریا نے خط لکھ کر مناکو ڈاکو کے کیبن کے دروازے
پر ڈال دیا اور پھر دروازے میں کھڑی ہو کر زور سے
پاؤں مارا۔ مناکو ڈاکو نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

”کون بدتمیز شور مچا رہا ہے؟“

دروازے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ ماریا نے سوچا کہ
یہ شخص ایسے نہیں اٹھے گا

اس نے اندر جا
کر ایک گلاس اٹھایا اور دروازے کے بیچ میں لا کر
زور سے زمین پر مار دیا۔ گلاس کے شور سے ڈاکو اٹھ کر
دروازے میں آیا۔

"یہ کس الو کے پٹھے نے پھینکا ہے؟"

اس کے ساتھ ہی اسے فرش پر خط نظر آیا۔ اس نے
اسے اٹھا لیا۔

"یہ پرچہ یہاں کون پھینک گیا ہے؟"

ڈاکو مناکو نے پرچہ پڑھنا شروع کر دیا۔ ماریا کو معلوم
تھا کہ مناکو صرف سپینی زبان لکھنی پڑھنی جانتا ہے۔ اس
نے یہ خط سپینی زبان میں ہی لکھا تھا۔ جوں جوں ڈاکو مناکو
خط پڑھتا جاتا تھا اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جاتا تھا
خط پڑھ کر اس نے زور سے فرش پر اپنا پاؤں مارا
اور نعرہ لگا کر کہا۔

"وہ مارا ——"

اس نے اپنے ملاحوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"چھوڑ دو اس کام کو۔ پھینک دو ان ٹوکروں کو اسی
جگہ اور میرے ساتھ آؤ"

وہ سارے ملاحوں کو ساتھ لے کر جہاز سے اتر پڑا

ایک خاص ساتھی نے پوچھا۔
"سردار! کیا بات ہے؟ جہاز کو خالی چھوڑنا ٹھیک

مناکو نے خط اسے پکڑا دیا۔ خط پڑھ کر مناکو کا ساتھی

"مجھے تو اس میں کوئی سازش کی بو محسوس ہوتی ہے۔
ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیئے"

"ہا ہا ہا" مناکو ڈاکو قہقہہ مار کر ہنسا۔ میرے دوست
میرے ساتھ کوئی کیا سازش کر سکتا ہے۔ میرے پاس
بندوق بھی ہے۔ توپ بھی ہے۔ دستی بم بھی ہے اور مشین گن
بھی ہے۔ تم پروا مت کرو۔ آؤ میرے ساتھ۔ سونے
کے اتنے صندوق ہمیں ساری زندگی نہیں مل سکتے۔"

"مگر سردار! یہاں اتنا سونا کہاں سے آگیا؟"

مناکو ڈاکو بولا۔

"میرے دادا نے ایک بار کہا تھا کہ بحر الکاہل میں ایک
جزیرہ ہے جہاں کیپٹن کڈ کے دادا نے لوٹا ہوا خزانہ چھپا
دیا تھا۔ شاید یہ وہی جزیرہ ہو اور یہ خزانہ بھی وہی ہو۔
چلو میرے ساتھ"

"پھر بھی سردار ہمیں ہوشیار رہنا ہو گا۔ میری مانو تو سارے

لوگ اپنے ساتھ مت لے جاؤ۔ یہاں کچھ لوگوں کو جہاز کی
کے لئے بھی چھوڑ جاؤ۔"

ماریا پاس ہی کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ کم بخت یہ سر
کا ساتھی سارا کام خراب کر رہا تھا۔ اگر سردار نے
کی بات مان لی تو خاصی مشکل پیش آئے گی۔ مناکو ڈاکو اپنے
ساتھی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"تو پھر ایسا کرو کہ تم اپنے چھ آدمی لے کر یہاں
جہاز پر پہرہ دو اور ہم خزانہ لینے جاتے ہیں۔"

"جو حکم سردار!"

ماریا ایک گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔ کوئی بات نہیں
اگر اس سردار کے ساتھی کی موت اس
کے ہاتھوں لکھی ہے تو دیکھا جائے گا۔ سردار نے چھ ڈاکو
جہاز پر پہرہ دینے کے لئے رکھے اور باقی سارے ڈاکوؤں
کو لے کر پرچے کی ہدایت کے مطابق جزیرے کے اندر
داخل ہو گیا۔ ماریا کا خیال تھا کہ کم بخت ڈاکو شاید اندھیرا
ہونے کے بعد وہاں سے روانہ ہوں اور اسے اندھیرے
میں انجینئر اور وحشی لڑکی کو جہاز پر پہنچانے کا موقع مل
جائے مگر یہ تو اسی وقت چل پڑا تھا۔

اب ماریا کو بھی جلدی کرنی چاہئے تھی۔ نہیں تو خطرہ

…ڈاکو واپس آ جائیں اور غصے میں ہوں اور اگر انجینئر
…ہاتھ لگ گیا تو وہ اس کے ٹکڑے اڑا دیں۔

جہاز سے اتر کر انجینئر اور وحشی لڑکی کی کھوہ کی طرف
…ہو گئی۔ دوپہر ڈھل رہی تھی۔ سورج غروب ہو رہا
…کھاڑی میں ابھی دن کی روشنی باقی تھی۔ ماریا نے کھوہ
…پہنچتے ہی ساری کہانی بوڑھے انجینئر کو سنا دی۔ اس نے

…مگر ماریا دن کی روشنی میں ہمارا جہاز پر جانا خطرناک
…وہ چھ ڈاکو جو جہاز پر پہرہ دے رہے ہیں ہمیں پکڑ
…لیں گے۔

"یہ تو میں بھی جانتی ہوں"

"پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"میں تو چاہتی ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے جہاز پر پہنچ جانا
…اس وقت سردار اپنے کافی ڈاکوؤں کے ساتھ وہاں
…غائب ہے۔ ہمیں اس موقع کا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ نہیں
…بڑی مشکل ہو جائے گی۔"

"لیکن جو ڈاکو جہاز پر پہرہ دے رہے ہیں ان کا کیا
…ان کے ہاتھوں میں تو مشین گنیں ہوں گی وہ بڑی تیزی
…گولیاں برسانی شروع کر دیں گے اور جونہی جزیرے میں

ے تھے۔ دو ڈاکو نیچے دوسری منزل کی بالکونی میں توپوں
کے پاس کھڑے تھے۔ دو ڈاکو مشین روم میں تھے۔ سردار کا
ساتھی اس کے خاص کیبن میں دوربین لے کر بیٹھا گوں گڑی
ے جزیرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ اپنے
ساتھیوں کی نقل و حرکت دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ماریا
ب سے پہلے مشین روم میں گئی۔

دونوں ڈاکو میز پر ٹانگیں رکھے بیٹھے جنگلی پھل کھا رہے
تے اور آپس میں ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ ماریا
پیچھے سے اندر داخل ہو کر ان کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ وقت
بہت کم تھا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا جلدی کرنا تھا۔ پس اس
نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پہلے تو ایک زوردار ہاتھ ایک ڈاکو
کی کھوپڑی پر مارا۔ وہ لڑکھڑا کر فرش پر گرا۔ دوسرا ڈاکو
اچھل کر اس طرف آیا۔

"کیا ہوا پونٹی؟"

اسی وقت ماریا نے دوسرا ہاتھ دوسرے ڈاکو کی گردن
پر مار دیا۔ اس کی گردن بھی ڈھلک گئی۔ یہاں سے فارغ ہو
کر ماریا ان دو ڈاکوؤں کی طرف گئی جو دوسری منزل کی
بالکونی میں توپوں کے پاس کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔
ماریا نے پیچھے سے آواز دی۔

گولیوں کی آوازیں گونجیں ادھر سے مناکو ڈاکو بھی اپنے آدمیو
کو لے کر جہاز پر پہنچ جائے گا"

ماریا نے کہا۔

"تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ یہ خطرہ ہمیں مول لینا ہو
خطرے کے بغیر کبھی کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ تم لوگ
یہاں سے نکل کر کھاڑی کنارے جھاڑیوں میں آ جاؤ میں جہا
پر جا کر میدان صاف کرتی ہوں۔ جونہی میں نے اونچی آوا
میں سیٹی بجائی تم لوگ کھاڑی میں رکھی کشتی میں سوار ہو کر
جہاز پر پہنچ جانا"

پھر ماریا نے وحشی لڑکی ماریا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا

"بہن رتنا! ہم یہاں سے آزاد ہو کر جا رہے ہیں جس
طرح بوڑھا انجینئر کہے اسی طرح کرنا۔
ٹھیک ہے؟"

رتنا نے خاموش نظروں سے ماریا کی طرف دیکھا اور
آہستہ سے سر ہلا دیا۔

"شاباش میری بہن! آزادی بس، اب تھوڑا سا ہی فاصلہ
رہ گیا ہے"

اور ماریا وہاں سے جلدی سے چلی گئی۔ وہ سیدھی جہاز
پر آئی۔ اوپر چاروں طرف دو ڈاکو چل پھر کر پہرہ دے

"ہائے میں مر گئی۔ ذرا ادھر آنا"

ڈاکوؤں نے ایک عورت کی آواز سنی تو چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"یہ عورت کی آواز کہاں سے آگئی؟"

"میں نے بھی سنی ہے" دوسرا ڈاکو بولا۔

"شاید ہمارا وہم ہے۔ یہاں عورت کہاں سے آسکتی ہے"

ماریا نے پھر آواز دی۔

"آہ! میری مدد کرو۔ میری مدد کرو"

اب تو دونوں ڈاکو اچھل پڑے۔

"آواز آ رہی ہے"

دونوں میں سے ایک ڈاکو پیچھے کو آگیا۔ پیچھے راہداری میں اندھیرا تھا۔ جب کافی دیر ہو گئی اور ڈاکو کا ساتھی واپس نہ آیا تو اس نے آواز دی۔

"کہاں ہو تم؟"

دوسری طرف سے آواز نہ آئی تو وہ توپ پر سے ہٹ کر پیچھے آیا۔ پیچھے اس کی موت کھڑی تھی۔ ایک ضرب پہلے کے لیے کافی ہوئی اور ایک ضرب اس کے لیے بھی کافی تھی۔ ان دونوں کو ختم کرنے کے بعد ماریا اوپر آگئی۔ یہاں دو ڈاکو جہاز کے عرشے پر پہرہ دے رہے تھے۔ سردار کا ساتھی اپنے

سردار کے کیبن میں ہی تھا۔ ماریا نے عرشے پر آکر دیکھا کہ دونوں ڈاکو اپنی اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ ایک جہاز کے اگلی طرف اور دوسرا ڈاکو جہاز کی پچھلی طرف بندوق لیے کھڑا تھا۔

ماریا سب سے پہلے شمال کی طرف کھڑے ڈاکو کے پاس گئی۔ اس نے پیچھے سے جا کر اس کے کندھے پر انگلی ماری۔ ڈاکو نے چونک کر اپنے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ پلٹ کر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ سوچا شاید یہ اس کا وہم ہو۔ مگر ماریا کے پاس اس قسم کے مذاق کا وقت نہیں تھا۔ اس نے ڈاکو کو گردن سے پکڑ کر گلا دبا دیا۔ وہ چیخ مار کر گرا۔ اس کی آواز سن کر دوسرا ڈاکو اس کی طرف بھاگا۔ جب تک وہ اس کے پاس آیا ماریا نے پہلے کا کام تمام کر دیا تھا۔

دوسرے ڈاکو نے پہلے کو ہلایا۔

"کیا ہو گیا تمہیں؟"

اس سے پہلے کہ دوسرا ڈاکو بھاگ کر نیچے کسی کو اطلاع کرے ماریا نے اسے بھی گردن سے پکڑ کر نیچے گرا لیا اور رائفل کا کندا اس زور سے مارا کہ وہ بے ہوش ہو کر وہیں ڈھک گیا۔ ماریا نے ان کی لاشوں کو وہیں چھوڑا اور اب نیچے سردار کے کیبن کی طرف چلی۔ کیونکہ سردار کا ساتھی منا کو ڈاکو کے کیبن کی کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اوپر سے آتی چیخ کی

آواز اس نے بھی کچھ کچھ سنی تھی۔ اور سوچ رہا تھا کہ یہ کس
کی آواز تھی؟ شاید جنگل کا کوئی جانور بولا تھا۔ کیونکہ جزیرے
میں بعض ایسے جانور بھی تھے جن کی آوازیں انسانوں سے ملتی جلتی
تھیں۔

اتنے میں ماریا اس کے کیبن میں داخل ہو چکی تھی۔
اتفاق سے ماریا کا پاؤں ایک کرسی سے لگا اور کرسی فرش
پر گر پڑی۔ ماریا وہیں کھڑی ہو گئی۔ سردار کے ساتھی نے پلٹ
کر کرسی کو دیکھا۔ اس نے پستول نکال لیا۔
"کون ہے؟"
مگر اسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ پستول کی وجہ سے ماریا
پرے ہٹ گئی۔
سردار کا ساتھی بھاگ کر کیبن سے باہر نکل گیا۔ اسے کچھ
شک پڑ گیا تھا۔ اس نے جہاز پر خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔
وہ سیڑھیاں چڑھتا اوپر عرشے پر آ گیا۔ یہاں دونوں پہرہ
داروں کی لاشیں پڑی تھیں۔

●

خلائی سگنل

●

سردار کے ساتھی نے ہوا میں فائرنگ شروع کر دی۔
وہ جزیرے میں سردار اور دوسرے ساتھیوں کو خبردار
کرنا چاہتا تھا کہ خطرہ ہے۔ جلدی واپس آؤ یا ہوشیار ہو جاؤ۔
ماریا پریشان ہو گئی۔ کیونکہ اب بازی اس کے ساتھ سے نکل گئی
تھی۔ اب ایک ایک منٹ قیمتی تھا کیونکہ فائرنگ کی آواز سنتے
ہی ڈاکوؤں کو واپس بھاگنا تھا۔ ماریا نے پہلا کام تو یہ کیا کہ
مرے ہوئے پہریدار کی رائفل اٹھا کر سردار کے ساتھی کا نشانہ
باندھا اور اسے گولی سے اڑا دیا۔
اس کے بعد ماریا نے اونچی آواز میں سیٹی بجائی۔ سیٹی کی
آواز سے پہلے ہی بوڑھا انجینئر فائرنگ کی آواز سن کر کھوہ
سے باہر نکل آیا تھا۔ اس نے سیٹی کی آواز سنی تو فوراً کھوہ
میں واپس جا کر رتنا کو ساتھ لیا اور کشتی کی طرف بھاگا
کشتی کھاڑی میں ذرا دور کھڑی تھی۔ وحشی لڑکی بھی اس کے ساتھ
ساتھ بھاگ رہی تھی۔ وہ آگے آگے تھی۔ انجینئر بوڑھا تھا۔

وہ زیادہ تیز نہیں بھاگ سکتا تھا۔ آخر وہ کشتی تک پہنچ گئے۔ وحشی لڑکی رتنا اور بوڑھا انجنیئر کشتی میں سوار ہو گئے۔ رسی کھول دی گئی۔ کشتی کا رخ جہاز کی طرف کر دیا گیا اور کشتی جہاز کی طرف چل پڑی۔

ادھر مناکو کو سردار ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر کھپ گیا مگر اسے نہ خزانہ ملا اور نہ وہ ناریل کے درخت جس کے نیچے کھوہ میں سونے کے صندوق دفن تھے۔ وہ پہلے ہی گالیاں دے رہا تھا اور سخت غصے میں تھا کہ اوپر سے اسے پستول کی فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ یہ خطرے کا نشان تھا۔ سردار کے نائب نے اس انداز سے فائرنگ کی تھی کہ جس میں سخت خطرے کا اشارہ تھا۔ پس یہ اشارہ ملتے ہی مناکو ڈاکو نے بھی ہوا میں فائرنگ کر کے جواب دیا کہ میں آ رہا ہوں اور ساتھ ہی ساتھیوں سے کہا۔

"جہاز پر خطرہ ہے واپس بھاگو۔"

ڈاکو تیزی [illegible] جہاز کی طرف دوڑنے لگے۔

ادھر بوڑھا انجنیئر اور وحشی لڑکی کشتی لے کر جہاز کی سیڑھی کے پاس پہنچ گئے۔

اوپر سے ماریا نے آواز دی۔

"جلدی کرو۔"

سب سے پہلے وحشی لڑکی رتنا سیڑھی پر چڑھ کر اوپر آ گئی۔ اب بوڑھا انجنیئر رسی کی سیڑھی چڑھنے لگا۔ وہ رک رک کر آ رہا تھا۔ ماریا اوپر کھڑی اسے بار بار آواز دے رہی تھی

"بابا! جلدی۔ جلدی۔"

آخر بوڑھا انجنیئر بھی جہاز پر آ گیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ ماریا نے کہا۔

"لنگر اٹھا دو اور مشین چلا دو بابا۔ وقت کم ہے ڈاکو ادھر بھاگے آ رہے ہیں"

بوڑھے انجنیئر نے عرشے پر لگی لنگر کھینچنے والی مشین کا ہینڈل گھما دیا۔ اس کے ساتھ ہی مشین چلنے لگی اور لنگر گھاٹیوں کے پانیوں سے اوپر آنے لگا۔ لنگر اوپر آ رہا تھا ـــــ ماریا نے انجنیئر سے کہا۔

"اب جتنی جلدی ہو سکے نیچے جا کر مشین چلا دو تاکہ جہاز روانہ ہو جائے"

بوڑھا انجنیئر انجن روم میں گیا۔ وہاں دو ڈاکوؤں کی لاشیں پڑی تھیں۔ وہ چونکا۔ پھر تیزی سے اس نے ہینڈل گھمائے اور بٹن دبانے شروع کر دیئے۔ جہاز کا انجن زبردست آواز کے ساتھ چل پڑا۔ اس نے دوسرا انجن بھی چلا دیا۔ یہ انجن ڈیزل سے چلتے تھے۔ چنانچہ آگ پکڑتے ہی پسٹن چلنے لگے بھاپ تیار

ہو گئی اور جہاز کو ہلکا سا دھچکا لگا اور اس نے کھاڑی میں
بہنا شروع کر دیا۔ ماریا نے اوپر سے آواز دی۔

"رفتار تیز کر دو بابا۔ میں ڈاکوؤں کو ادھر آتے دیکھ رہی
ہوں۔"

جہاز بڑی آہستہ آہستہ چل رہا تھا اور ابھی بڑی مشکل
سے کنارے سے ذرا مڑا ہی تھا۔

ادھر منا کو ڈاکو نے جب دیکھا کہ کھاڑی میں کشتی الٹی
پڑی ہے......

جہاز کا لنگر اٹھا ہوا ہے اور وہ حرکت کر رہا ہے تو اس
کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"جہاز پر فائرنگ شروع کر دو۔ کوئی اسے اغوا کر کے لیے
جا رہا ہے۔"

ڈاکو بھاگتے بھی چلے آ رہے تھے اور جہاز پر گولیاں بھی
برسا رہے تھے۔

اب ان کا ایک دستہ کھاڑی کے کنارے پر آ گیا تھا۔
وہاں کشتی کوئی نہیں تھی۔ سردار نے دھاڑتے ہوئے کہا۔

"چھلانگیں لگا دو سمندر میں اور جہاز پر قبضہ کر لو"

ڈاکوؤں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ ماریا بھاگ کر گولہ
بارود والے کمرے میں گئی۔ اس نے انجینئر کو ساتھ لیا اور وہاں

سے دستی بم اور مشین گنیں اٹھا لائی۔ دونوں عرشے پر آ کر لیٹ
گئے اور جنگلے کے ساتھ مشین گنیں لگا کر فائرنگ شروع کر دی۔
ماریا نے دستی بم کا پن نکال کر سمندر میں تیرتے ہوئے ڈاکوؤں
پر پھینکا۔ سمندر کے پانی میں گرتے ہی دستی بم پھٹا اور اس نے
کئی ہی ڈاکوؤں کو زخمی کر دیا۔ ماریا نے اوپر تلے بم مارنے شروع
کر دیئے۔

انجینئر مشین گن کی بوچھاڑیں مار رہا تھا۔ منا کو ڈاکو کنارے پر
کھڑا چیخ رہا تھا۔ چلا رہا تھا اور بڑی حسرت کے ساتھ اپنے جہاز
کو آہستہ آہستہ کھاڑی کے پانیوں میں جزیرے سے دور ہوتے
دیکھ رہا تھا۔

ماریا نے انجینئر سے مشین گن لے لی اور کہا۔

"بابا! تم انجن کے پاس جاؤ اور رفتار تیز کر دو۔ ان ڈاکوؤں
کو میں سنبھال لوں گی۔"

بوڑھا انجینئر نیچے چلا گیا۔ کھاڑی میں کچھ ڈاکو مر گئے تھے
اور باقی تیزی سے جہاز کی طرف تیرتے چلے آ رہے تھے۔ ماریا
تاک تاک کر انہیں نشانہ بنا رہی تھی۔ کنارے پر سے سردار
پستول کی فائرنگ کر رہا تھا۔ وہ بے حد غصے میں تھا اور
جھنجلایا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے جھاگ اڑنے لگا تھا۔ اس
کی آنکھوں کے سامنے اس کا جہاز اغوا کیا جا رہا تھا اور وہ

کچھ ڈر سکتا تھا۔ ماریا نے دیکھا کہ جہاز ذرا آگے چلا گیا ہے تو اس نے توپ میں گولہ بھرا اور اس کا رخ کنارے پر ڈاکوؤں اور اس کے سردار کی طرف کر دیا۔

پھر اس نے بٹن دبا دیا۔

بجلی کی چمک کے ساتھ دھماکہ ہوا اور گولہ توپ سے نکل کر سیدھا کنارے پر کھڑے ڈاکوؤں میں جا کر گرا اور گرتے ہی بھیانک آواز کے ساتھ پھٹ گیا۔ ماریا نے دوسری توپ سے دوسرا گولہ داغ دیا۔ یہ بھی اسی نشانے پر جا کر پھٹا۔ دھواں ہٹا تو ماریا نے جہاز پر سے دیکھا کہ کنارے پر سوائے قاتل اور ظالم ڈاکوؤں کی لاشوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اب وہ نیچے گئی۔ بوڑھا انجنیئر مشینوں کے پاس کھڑا جہاز کی رفتار آہستہ آہستہ بڑھا رہا تھا۔ ماریا کے آنے کی اسے کوئی خبر نہ ہوئی۔ وہ بولی۔

"ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ جہاز ہم نے فتح کر لیا ہے"

انجنیئر نے مسکراتے ہوئے پیچھے سر گھما کر کہا۔

"ہاں بیٹی! خدا کا شکر ہر حالت میں بجا لانا چاہیئے اب سوال یہ ہے کہ ہم کدھر کا رخ کریں گے؟"

ماریا نے کہا۔

"رتنا کہاں ہے؟"

انجنیئر نے کہا۔

"وہ کپتان کے کیبن میں سو رہی ہے"

ماریا بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے بابا کہ ہمیں کس طرف جانا چاہیئے؟"

"میں تو چاہتا ہوں کہ انڈونیشیا کی طرف چلا جائے تاکہ اس بچی کو اس کے ماں باپ کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ ہمارے پاس میرے دوست کی امانت ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم یہاں سے انڈونیشیا کا رخ کریں گے"

انجنیئر نے کہا۔

"انڈونیشیا یہاں سے ایک مہینے کے سفر پر ہے اور راستہ خطرناک بھی ہے۔ خدا جانے جنگ ختم ہو گئی ہے کہ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ جنگ ختم ہو چکی ہے۔ جاپان ہار گیا ہے اور انڈونیشی سمندر میں اب امریکیوں یا انگریزوں کا قبضہ ہو گا"

"ہمیں اپنے جہاز پر سے ڈاکوؤں کا جھنڈا اتار دینا ہو گا"

ماریا نے کہا۔

انجنیئر نے پوچھا۔

"وہ تو اتار دیں گے مگر سوال یہ ہے کہ ہم کس ملک کا جھنڈا لہرائیں گے؟ ہمارے پاس تو کسی بھی ملک کا جھنڈا نہیں ہے۔"

ماریا بولی۔

"اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ بہر حال انڈونیشیا کے سمندر میں پہنچ کر ہم اپنے آپ کو تجارتی جہاز ظاہر کریں گے۔ تم اس جہاز کے کیپٹن بنو گے"

"اور باقی جہاز کا عملہ کہاں سے لائیں گے؟"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم جہاز کو انڈونیشیا کی حدود سے چالیس میل پیچھے کھلے اور آزاد سمندر میں کھڑا کریں گے تاکہ ہم سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہ ہو"

انجینئر بولا

"وہاں سے ہم کیسے بندرگاہ تک پہنچیں گے؟"

"جہاز میں ابھی تین کشتیاں موجود ہیں۔ ہم ان میں سے ایک کشتی میں سوار ہو کر رتنا کو ساتھ لے کر بندرگاہ پر چلے جائیں گے"

انجینئر نے سر جھکا کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ایسا ہی ہو گا"

جہاز جزیرے کی کھاڑی سے نکل کر سمندر میں آگیا تھا۔

اور اب جزیرہ دور ہونے لگا تھا۔ سورج غروب ہو گیا۔ سنہری تھال سمندر میں مغرب کی طرف ڈوب گیا اور آسمان پر نیلے ستارے چمکنے لگے انجینئر بڑا ماہر تھا۔ اس نے جہاز کا رخ انڈونیشیا کے سمندر کی جانب موڑ دیا اور اس کی رفتار مقرر کر دی۔ جہاز نے کھلے سمندر میں پہنچتے ہی اپنا سفر شروع کر دیا۔

رتنا کو نچلی منزل میں ایک کیبن دے دیا گیا تھا۔ اس جہاز کا سیاہ جھنڈا اتار کر سمندر میں پھینک دیا گیا تھا۔ جہاز میں لوٹ مار کا کافی سامان پڑا تھا۔ اس میں عورتوں کے لباس بھی تھے۔ ماریا نے وحشی لڑکی رتنا کا جنگلی لباس اتروا کر اسے شہری عورتوں کا لباس پہنا دیا۔ ماریا دن میں دو بار رتنا کے ساتھ گفتگو کرنے کی کوشش کرتی۔ اب وہ بھی کچھ کچھ بولنے لگی تھی۔ وہ ماریا کا نام لیتی تھی۔ پندرہ دنوں کی مشق کے بعد وہ دو ایک فقرے بھی اپنی زبان میں بولنے لگی۔ یہ عجیب بات تھی کہ دوسری زبانوں کی بجائے اس نے انڈونیشی زبان بہت جلدی سیکھ لی تھی۔ انجینئر بھی اس سے اسی زبان میں بات کرتا تھا۔ شاید اس لیے کہ یہ اس کی مادری زبان تھی۔

جہاز کو سمندر میں سفر کرتے سولہواں دن جا رہا تھا کہ

دن کے وقت جب کہ دھوپ خوب چمک رہی تھی ماریا کو دور ایک جہاز اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ بوڑھے انجینئر نے دوربین لگا کر دیکھا تو کچھ گھبرا کر بولا۔

"مجھے تو یہ بھی بحری ڈاکوؤں کا جہاز نظر آتا ہے"

ماریا نے دوربین لے کر خود دیکھا۔ بوڑھے انجینئر نے ٹھیک کہا تھا۔ جہاز پر سیاہ ڈاکوؤں کا جھنڈا لہرا رکھا ہے۔

بوڑھے انجینئر نے کہا۔

"تمہارا خیال کچھ ٹھیک ہی لگتا ہے۔ کیونکہ ریڈیو پر امریکہ کے ریڈیو اسٹیشن سے کئی بار یہ اعلان ہو چکا ہے کہ بعض جرمن جرنیل گرفتاری سے بچنے کے لئے بھاگے ہوئے ہیں اور انہوں نے جہازوں پر سمندروں کی طرف رخ کیا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ بھی اسی قسم کا کوئی جہاز ہو۔ بہر حال ہمیں تیار ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہوا تو وہ ہمارے جہاز پر گولہ باری کریں گے اور اسے ڈبونے کی کوشش کریں گے"

ماریا نے کہا۔

"ہمارے جہاز پر بہترین جنگی توپیں لگی ہیں۔ یہ ایک جنگی جہاز ہے۔ ہم دشمن کے جہاز کو ہر حالت میں ڈبو دیں گے۔"

اس نے رتنا کو بھی اوپر بلا لیا اور اسے کہا۔

"رتنا! تم دوسری طرف توپ پر موجود ہو گی سمجھ گئی ہو نا؟"

"ہوں"

"جب میں اشارہ کروں تمہیں گولہ بھر کر یہ بٹن دبا دینا ہو گا"

"ہوں ماریا!"

ماریا بڑی خوش ہوئی۔ رتنا سب کچھ سمجھتی تھی مگر ابھی اس سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ اب جہاز قریب آ گیا تھا۔ ماریا نے دوربین سے دیکھا کہ جہاز پر ڈاکوؤں کا سیاہ جھنڈا لہرا رہا تھا اور کچھ ڈاکو عرشے پر بندوقیں لیے کھڑے ماریا کے جہاز کو دوربینوں سے دیکھ رہے تھے۔

ماریا نے انجینئر سے کہا۔

"بابا! جہاز کا رخ اس طرف کرنا کہ جدھر سے ہمیں دشمن کے جہاز کے پیندے پر گولے پھینکنے میں آسانی رہے"

انجینئر نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو ماریا! میں کئی جہازوں سے لڑائی کر چکا ہوں۔ میں جہاز کو بائیں جانب ۳۰ درجے پر رکھوں گا۔ تم اس طرح سے اپنی چھ کی چھ توپوں کے گولے ایک ہی وقت

میں دشمن کے جہاز پر مار سکو گی"

بوڑھا انجینئر نیچے چلا گیا۔ ماریا نے دونوں طرف کی توپوں کے گولے بھر لیے۔ رتنا بھی دوسری توپوں کے پیچھے میں کھڑی ہو گئی۔ ماریا تین توپوں پر تھی اور اس کے ساتھ والی تین توپیں رتنا کے سپرد تھیں۔ ماریا تو خیر کسی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ لیکن چونکہ اسے گولی لگ سکتی تھی۔ اس لیے اس نے رتنا کو بھی نیچے بیٹھ جانے کو کہا اور خود بھی توپوں کے درمیان گولوں کے صندوق کے ساتھ بیٹھ گئی۔

یہاں وہ چھوٹے سوراخوں سے دشمن کے جہاز کو آگے بڑھتا دیکھ رہی تھیں۔ ایک دوربین رتنا نے بھی لگا رکھی تھی۔

دوسری جانب بحری ڈاکوؤں کے جہاز پر ڈاکوؤں کا سردار اور دوسرے ڈاکو حیران تھے کہ یہ کیسا جہاز ہے کہ جس پر توپیں بھی لگی ہیں۔ سمندر میں سفر بھی کر رہا ہے مگر عرشے پر کوئی انسان دکھائی نہیں دیتا۔ ایک ڈاکو نے کہا۔

"مجھے تو یہ بھوتوں کا جہاز معلوم ہوتا ہے"

"بکواس بند کرو"

اس کے بعد کپتان نے بھی حکم دے دیا۔

"جہاز پر گولہ باری شروع کرو"

گولے اچانک ماریا کے جہاز کے نزدیک ہی سمندر میں آ کر گرے۔ دھماکا ہوا اور پانی بڑے زور سے اچھلا۔ ماریا سمجھ گئی کہ دشمن کے پاس بڑی پرانی قسم کی توپیں ہیں اور یہ جہاز کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ ماریا نے انجینئر کو خبردار کیا۔

"میں گولہ باری کرنے لگی ہوں۔ ہوشیار"

پھر اس نے دیکھا کہ جہاز دشمن کے بائیں پہلو پر آ گیا اور ماریا کے جہاز کی توپوں کا رخ دشمن کے جہاز کے پیندے کی جانب ہو گیا۔ دشمن کے جہاز والوں نے یہ دیکھا تو وہ گھبرا گئے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے سر کھجلا کر کہا۔

"کمال ہے اس جہاز پر تو کوئی ماہر توپچی معلوم ہوتا ہے۔ اپنے جہاز کو بچاؤ۔ اس کا رخ پیچھے دائیں جانب کرو۔

مگر اس سے پہلے کہ ڈاکوؤں کا جہاز اپنا رخ بدلتا، ماریا کے جہاز سے ایک ہی وقت میں چھ گولے اپنی بہترین جنگی توپوں سے نکلے اور ایک بھیانک دھماکے کے ساتھ ڈاکوؤں کے جہاز سے آ کر ٹکرائے۔ یہ بڑے خطرناک گولے تھے۔ اس کے ساتھ ہی چھ اور گولے آ کر جہاز کو لگے۔ اس کے بعد اور چھ گولے توپوں سے نکلے اور دشمن کے جہاز سے ٹکرائے ان گولوں نے اس کے پرخچے اڑا دیئے۔ ایسے گولے تھے جو نشانے پر لگ کر جہاز کی چادر پھاڑ کر

اس کے اندر جا کر پھٹتے تھے۔ ڈاکوؤں کا جہاز کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر سمندری لہروں پر چکرانے اور ڈوبنے لگا۔ ڈاکو غوطے کھانے لگے۔

ماریا نے ڈوبتے جہازوں کے اوپر بھی چھ گولے فائر کر دیے۔

ان گولوں نے ڈاکوؤں کے اوپر پھٹ کر انہیں اگلے جہان پہنچا دیا۔ کچھ دیر بعد جہاز سمندر میں غرق ہو چکا تھا۔ سمندر پر سکون ہو گیا تھا۔ ایک بھی ڈاکو باقی نہ بچا تھا۔ ماریا نے خوش ہو کر رتنا سے کہا۔

"یہ ڈاکو تھے۔ رتنا۔ قاتل تھے۔ ظالم تھے۔ آخر ان کو اپنے کیے کی سزا مل گئی۔"

بوڑھا انجینئر بھی نیچے سے اوپر آ گیا۔ اس نے دوربین لگا کر دیکھا اور کہا

"سمندر پر تو دشمن کے جہاز کا نشان تک باقی نہیں رہا"

"پچیس گولے فائر کیے تھے ہم نے بابا۔ بھلا اتنے گولے کھا کر کوئی جہاز باقی رہ سکتا ہے؟"

"ماریا! یقین کرو۔ اگر اس وقت ہمارے جہاز پر توپیں نہ لگی ہوتیں تو یہ ڈاکو ہمارے جہاز کو آگ لگا دیتے اور ہمیں بھی قتل کر دیتے۔ ان کے گولے آگ لگانے والے گولے

تھے"

ماریا نے کہا۔

"خدا نے ہمیں بچا لیا۔ اب ہمیں اپنے سفر پہ نکلنا ہو گا۔ جہاز کا رخ اپنی منزل کی طرف پھیر دو"

جہاز کا رخ دوبارہ انڈونیشیا کے سمندروں کی طرف کر دیا گیا۔ چودہ دنوں کا سفر باقی تھا۔ یہ سفر بڑے سکون کے ساتھ گزر گیا۔ تیرھویں دن یعنی سفر کے آخری روز انہوں نے دور سے ایک لائٹ ہاؤس کی روشنی ستارے کی طرح چمکتی دیکھی۔ رات کا وقت تھا۔

انجینئر نے کہا۔

"یہ انڈونیشیا کے پہلے جزیرے کا لائٹ ہاؤس ہے"

ماریا نے کہا۔

"تو کیا خیال ہے۔ ہمیں اسی جگہ جہاز کا لنگر ڈال دینا چاہیئے یا آگے جانا ہو گا؟"

انجینئر نے کہا۔

"نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ جزیرہ بے آباد ہے اور چھوٹا سا ہے۔ یہاں صرف ایک لائٹ ہاؤس ہے جو آنے والے جہازوں کو سمندر کے اندر چھپی ہوئی چٹانوں سے خبردار کرتا ہے"

"تو پھر ہم آگے جا کر کہاں رکیں گے؟"

"اس سے آگے جزیرہ کوموجا آتا ہے یہ انڈونیشیا کا پہلا آباد جزیرہ ہے اور یہاں ہمیں کسٹم پولیس سے سابقہ پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں جزیرے کوموجا سے دور ہی جہاز کو سمندر میں کھڑا کر دینا ہو گا۔ وہاں سے ہم کشتی میں سوار ہو کر جزیرے پر جائیں گے"

ماریا کا جہاز لائٹ ہاؤس کے قریب سے گزر گیا۔

لائٹ ہاؤس والوں نے وائرلیس پر ان سے پوچھا کہ ان کے جہاز کا نام کیا ہے اور وہ کہاں سے آ رہا ہے؟

بوڑھے انجینئر نے انڈونیشی زبان میں کہا

"ہمارے جہاز کا نام "کوئین آف جاوا" ہے اور ہم افریقہ سے گرم مسالے لے کر آ رہے ہیں"

"ٹھیک ہے کوئین آف جاوا تم جا سکتے ہو"

ماریا بڑا ہنسی۔

"بابا! اس جہاز کا نام کوئین آف جاوا کب سے ہو گیا؟" انجینئر نے کہا۔

"ابھی ابھی میں نے رکھا ہے یہ نام۔ اور اب ماریا بیٹی اس جہاز کا نام یہی رہے گا۔"

"بالکل یہی رہے گا"

لائٹ ہاؤس پیچھے رہ گیا تو جہاز پر سے انڈونیشیا کے پہلے آباد جزیرے کوموجا کی روشنیاں نظر آنے لگیں۔ انجینئر اور رتنا جہاز کے عرشے پر جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑے تھے۔ ماریا بھی پاس ہی تھی۔ رتنا کے چہرے پر عجیب سا اثر تھا۔ گویا اسے اپنے ماں باپ کے وطن پہنچ کر قدرتی طور پر ایک روحانی خوشی ہو رہی تھی۔ جزیرے کی روشنیاں ابھی دور ہی تھیں کہ انجینئر نے کہا۔

"جہاز یہاں روک لیا جائے گا"

چنانچہ انجینئر نے مشین بند کر دی۔ انجن روک دیئے اور سمندر میں لنگر ڈال دیا۔ جہاز کھڑا ہو گیا۔ رات کافی گذر گئی تھی۔ پھر بھی جزیرے پر دور سے کافی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ انجینئر نے کہا۔

"ہم ایک بڑے بارونق ملک میں داخل ہو رہے ہیں اور یہ جزیرہ کافی بڑا جزیرہ ہے۔ بہت آبادی ہے اور دنیا کی ہر آسائش یہاں دستیاب ہے۔ ہر شے بڑی آسانی سے مل جاتی ہے۔ یہاں ٹیلی فون بھی ہے اور ہیلی کاپٹر کا ایک اڈہ بھی ہے"

ماریا نے کہا۔

"کیا ہمیں رتنا کو ساتھ لے کر چلنا ہو گا؟"

انجینئر نے کہا۔

"نہیں۔ سب سے پہلے میں جاؤں گا۔ ہم اس جہاز کو اکیلا چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ میں یہاں سے اکیلا جاؤں گا اور جکارتا میں اپنے ڈاکٹر دوست کو فون کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر فون مل گیا تو اسے یہاں بلواؤں گا تمہاری کیا مرضی ہے؟"

ماریا بولی۔

"جیسے تمہاری مرضی۔ لیکن میرا خود زمین پر اتر کر سیر کرنے کو دل چاہتا تھا۔ میرا تو خیال ہے کہ ہم تینوں جکارتا جاتے ہیں"

"اور جہاز کس کے حوالے کر کے جائیں گے؟"

"یہ سمندر میں اتنی دور کھڑا ہے۔ یہاں کون اسے لوٹنے آئے گا؟"

انجینئر نے ہنس کر کہا۔

"تم اس علاقے کے سمندری لٹیروں سے واقف نہیں ہو۔ یہ ہمارے آنے تک اس جہاز کا ایک ایک پرزہ کشتیوں میں ڈال کر لے جا چکے ہوں گے"

"تو پھر تم رتنا کو ساتھ لے کر جاؤ۔ میں یہاں تمہارا انتظار کروں گی۔ اسے یہاں چھوڑنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔"

انجینئر بولا۔

"جیسے تمہاری مرضی"

چنانچہ دوسرے دن صبح کو انجینئر نے رتنا کو ساتھ لیا اور کشتی میں سوار ہو کر جزیرہ کوموجا کی طرف روانہ ہو گیا۔ جاتی دفعہ رتنا ماریا کو گلے لگ کر ملی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ماریا نے انجینئر سے کہا۔

"بابا! اگر رتنا کے ماں باپ نہ مل سکے تو اسے ساتھ لیتے آنا"

"ٹھیک ہے ماریا بیٹی"

"اور سنو بابا! تم بھی کہیں اپنے وطن میں ہی نہ رہ جانا۔ واپس ضرور آنا۔ میں انتظار کروں گی"

"فکر نہ کرو بیٹی! میرے وطن میں اب میرا کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ میرا وطن اب یہ جہاز ہی ہے۔"

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"اور اب یہ جہاز تمہارا ہی ہے بابا میں تو اس جہاز پر مہمان ہوں۔ اب جلدی سے رتنا کو لے جا کر اس کے ماں باپ سے ملواؤ بلکہ ان کے حوالے کرو"

"شکریہ میری بچی شکریہ! میں جلد آؤں گا میرا انتظار کرنا"

بوڑھا انجینئر وحشی لڑکی رتنا کو کشتی میں لے کر جزیرے کی طرف روانہ ہوگیا۔ لائٹ ہاؤس کی دھندلی روشنی میں سمندر کی لہروں پر کچھ دور تک ماریا کی کشتی نظر آتی رہی پھر وہ غائب ہوگئی۔ سارا دن ماریا اپنے جہاز پر ادھر ادھر کے کاموں میں مصروف رہی۔ شام کو وائرلیس روم میں سگنل آیا۔ ماریا نے سگنل سنا۔ دوسری طرف سے بوڑھا انجینئر بول رہا تھا۔ اس نے ماریا کو بتایا کہ وحشی لڑکی رتنا کو اس کے ماں باپ کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ وہ میرے ڈاکٹر دوست کی ہی بیٹی تھی۔ ماریا نے پوچھا۔

"آپ کب واپس آ رہے ہیں؟"

بوڑھے انجینئر نے جواب میں کہا کہ وہ دو ایک روز میں واپس پہنچ جائے گا۔ سگنل بند ہوگئے۔ ماریا باورچی خانے میں جاکر اپنے لیے شام کی چائے بنانے گی۔

ٹھیک اس وقت عنبر کا خلائی جہاز ماریا کے جہاز کے اوپر سے گذر رہا تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ سمندر میں ایک جہاز کھڑا ہے جس کے عرشے پر کوئی بھی ملاح نہیں ہے۔ اس نے نیچے اس جہاز کو سگنل دیا۔

"ہیلو راجہ! ہیلو راجہ! کیا اس جہاز پر کوئی نہیں ہے؟"

ماریا نے سگنل سنا تو وائرلیس روم میں آ کر ریسیور اٹھایا۔

ں نے سوچا کہ جواب دے دینا چاہیئے تاکہ کسی کو شک پڑے۔ اس جواب میں کہا۔

"ہیلو! میں کوئین آف جاوا، جہاز سے بول رہی ہوں۔ میں ں جہاز کی مالک ہوں۔ تم کون ہو اور کہاں سے بول رہے و؟"

عنبر خوشی سے اچھل پڑا۔ مگر خلائی جہاز میں چونکہ زمین کی شش نہیں تھی اس لئے وہ کچھ زیادہ ہی اچھل گیا اور اس سر جہاز کی چھت سے ٹکرا گیا۔

عنبر نے ماریا کی آواز پہچان لی تھی۔

"ماریا! کیا یہ تم بول رہی ہو؟"

ماریا نے جلدی سے کہا۔

"ہاں! مگر تم۔ تم کون ہو؟"

"ارے میں عنبر ہوں۔ کمال ہے تم نے میری آواز ہی نہیں پہچانی۔ میں نے تمہیں پہچان لیا تھا"

"عنبر بھائی!"

ماریا خوشی سے نہال ہوگئی۔

"تم کہاں ہو؟ کس جہاز پر ہو؟"

عنبر نے اسے بتایا کہ وہ روسی خلائی جہاز پر ہے اور اس وقت زمین کے گرد اپنا آخری چکر پورا کر رہا ہے......

اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ خدا حافظ!"
روسیوں نے عنبر کی گفتگو سن لی تھی اور اسے وائرلیس پر خبردار کیا تھا کہ اگر اس نے ماریا نامی عورت سے گفتگو بند نہ کی تو وہ اس کے جہاز کو زمین کے مدار سے ہٹا دیں گے اور پھر وہ رہتی دنیا تک خلا میں چکر لگاتا رہے گا اور کبھی واپس زمین پر نہ آسکے گا۔ روسی سائنس دان نہیں چاہتے تھے کہ ان کا خلا باز زمین یا سمندر پر کسی دوسرے شخص سے بات کرے۔ عنبر ابھی تک ان کی گرفت میں تھا۔ اس نے ماریا کو خدا حافظ کہہ دیا۔ لیکن خفیہ اشارے سے اسے اتنا بتا گیا کہ وہ روس کے علاقے سائبریا میں ایک خلائی اسٹیشن سے اڑا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اسی جگہ واپس جائے گا۔ چنانچہ ماریا کو یہ خبر مل گئی تھی کہ عنبر روس کے علاقے سائبریا میں ہے۔ اب ماریا بڑی شدت سے بوڑھے انجینئر کا انتظار کرنے لگی کہ وہ آئے اور روس جانے کے لئے جہاز کو جاپان کی طرف روانہ کیا جاسکے۔

جہاں اس وقت ماریا کا جہاز رکا ہوا تھا وہاں سے روس جانے کا سمندری راستہ جاپانی سمندر سے ہو کر جاتا تھا۔ ماریا کی سکیم یہ تھی کہ وہ جاپان کے شمال میں جہاز کو

سمندر میں کھڑا کرکے وہاں سے کسی نہ کسی ذریعے روس پہنچنے کی کوشش کرے گی۔ ماریا بڑی خوش تھی کہ آخر اسے اپنے بھائی عنبر کا سراغ مل ہی گیا۔ مگر وہ سوچ رہی تھی کہ عنبر خلائی جہاز میں کیسے پہنچ گیا؟ کیا روسی سائنس دان اسے استعمال کر رہے ہیں؟ کیا انہوں نے عنبر کو اپنے قابو میں کر رکھا ہے اور اسے بلیک میل کر رہے ہیں؟

ماریا عنبر کے بارے میں قسم قسم کی باتیں سوچتی رہی۔ رات کو اس نے جہاز کی اوپر والی منزل کی بتیاں روشن کیں اور اپنی خواب گاہ میں جاکر بستر پر لیٹ گئی۔ وہ سونے کی کوشش کر رہی تھی مگر اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ بار بار اس کا خیال عنبر اور پھر ناگ کی طرف چلا جاتا تھا۔

نہ عنبر نے ناگ کے بارے میں کچھ بتایا تھا اور نہ اس نے ہی عنبر سے پوچھا تھا کہ ناگ کہاں ہے؟

ماریا نے خواب گاہ کی روشنی بجھا دی۔ کھڑکی میں سے چاند کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آنے لگی۔ سمندر بالکل خاموش اور پرسکون تھا۔ گول کھڑکی کا شیشہ ماریا نے کھول رکھا تھا جس کی وجہ سے سمندر کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اندر

آ رہی تھی۔ اس ہوا میں ماریا کو نیند آنے لگی۔ ابھی اس نے آنکھیں بند ہی کی تھیں کہ اسے یوں لگا جیسے کسی نے جہاز کے اوپر تختے پر چھلانگ ماری ہو۔

ماریا نے آنکھیں کھول دیں اور کان اوپر سے آنے والی آواز پر لگا دیئے۔ اب اسے عرشے پر چند قدموں کے چلنے کی آوازیں آئیں، معلوم ہوا کہ اوپر ایک سے زیادہ آدمی چل پھر رہے ہیں۔ ماریا کو انجنیئر کی بات یاد آ گئی کہ یہاں کے چور سارے جہاز کو بیچ کر کھا جاتے ہیں۔ ماریا سمجھ گئی کہ چور جہاز کو اکیلا سمجھ کر اوپر آ گئے ہیں۔ وہ اٹھی اور کیبن سے باہر نکل کر اوپر جانے والی سیڑھی چڑھنے لگی۔

•

جہاز کی اوپر والی منزل پر کون لوگ تھے؟
عنبر پر خلائی جہاز میں کیا گذری؟
یا ماریا عنبر اور ناگ سے مل سکی؟
ن کے جواب آپ کو اسی ناول کی اگلی قسط میں
میں گے۔

•

دشمن کا چ

ے حمید

موت کا تعاقب ۸۵
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

دمشق کا چور

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدر آباد ○ کراچی

طابع : شیخ نیاز احمد ۔
مطبع : غلام علی پرنٹرز ، اشرفیہ پارک ، فیروز پور روڈ ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی ، لاہور سے شائع کیا ۔

مقام اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ ، پبلشرز
ادبی مارکیٹ ، چوک انارکلی ، لاہور

فہرست

- بھٹکتا جہاز ۵
- برف گرتی رہی ۲۳
- دمشق کا چور ۴۱
- چور اور سانپ ۷۰
- خونی تماشہ ۸۶
- دوست دشمن ۱۰۴

پیارے بچو!

ماریا بحری جہاز پر اکیلی رہ گئی تھی۔ انجینئر نے وحشی لڑکی کو ساتھ لیا اور اس کے ماں باپ کے گھر کی طرف چلا گیا۔ آدھی رات کو ماریا نے محسوس کیا کہ جہاز کی چھت پر کسی نے چھلانگ لگائی ہے۔ وہ خاموشی سے اُٹھ کر اندھیرے میں اوپر آئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ دو تین آدمی ہاتھوں میں پستولیں لیے دبے دبے اس کے کیبن کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ ڈاکو ہیں اور اُسے لوٹ کر ہلاک کرنے آئے ہیں؟ ماریا نے انہیں کچھ نہ کہا اور نیچے کیبن میں جا کر ان کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر جہاز پر خاموشی چھائی رہی۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ راہداری میں قدموں کی آواز اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ماریا بستر پر سے اُٹھ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ دروازے پر آکر قدموں کی آواز رُک گئی۔ ماریا نے سانس روک لیا۔ دروازے کے تالے میں چابی گھمانے کی ہلکی سی آواز آئی۔ پھر کلک کی آواز کے ساتھ ہی کیبن کا دروازہ بڑی آہستگی سے کھولا گیا۔ ماریا نے دیکھا۔ سامنے ایک سیاہ چہرہ اندھیرے میں اُبھر رہا تھا۔

اس کے بعد آپ خود پڑھیے گا۔

بھٹکتا جہاز

ماریا جہاز کی چھت پر آگئی۔

اُس نے دیکھا کہ تین آدمی ہاتھوں میں چھُرے لیے دبے پاؤں بڑھ رہے ہیں۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہ چور ہیں۔ چوری کرنے جہاز پر آئے ہیں اور ضرورت پڑنے پر دوسرے کو قتل بھی کر دیتے ہیں۔ ماریا نیچے جانے والے دروازے میں کھڑی تھی وہ پرے ہٹ گئی۔ چوروں نے دائیں بائیں دیکھا۔ ایک چور باہر کھڑا رہا۔ دو چور چھُرے لیے نیچے اُتر گئے۔ ماریا پریشان ہو گئی کہ یہ کیا مصیبت آن کھڑی ہوئی ہے۔ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیلا تھا۔ عرشے پر ایک بلب جل رہا تھا۔ جس کی ہلکی روشنی میں ایک چور دروازے سے ہٹ کر کونے میں بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔

ماریا نے اسے کچھ نہ کہا اور نیچے اُتر گئی۔

دونوں چور جہاز کے بڑے کیبن میں پہنچ کر چیزوں کو الٹ پلٹ رہے تھے۔

ایک چور نے کہا۔

"سارا جہاز خالی پڑا ہے۔ معلوم ہوتا تو ہم ایک بڑی کشتی ساتھ لاتے تاکہ یہ سارا سامان اس میں لاد کر لے جاتے۔"

دوسرے نے کہا۔

"حیرانی کی بات ہے یہ جہاز خالی کیوں ہے؟"

مجھے تو دال میں کچھ کالا کالا نظر آتا ہے۔"

پہلا چور بولا۔

"یار تم دال میں کالا کالا دیکھتے رہو۔ میں تو یہ دونوں چاندی کے گلدان اٹھانے لگا ہوں۔"

دوسرے نے کہا۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ ذرا صبر کرو۔ پہلے دوسرے کیبن بھی دیکھتے ہیں۔ ہمیں تو کہا گیا تھا کہ اس جہاز میں ڈالر ہوں گے۔ وہ کہاں ہیں؟"

"میرا خیال ہے کپتان کے کیبن کی سیف میں رکھے ہوں گے آؤ کپتان کا کیبن دیکھتے ہیں۔"

دوسرا چور کچھ پریشان تھا۔

"میری سمجھ میں اب بھی یہ بات نہیں آرہی کہ جہاز کا عملہ

اور کپتان وغیرہ کہاں چلے گئے ہیں۔ اس طرح کا خالی جہاز تو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

پہلے نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہ لوگ جزیرے پر سیر و تفریح کرنے گئے ہیں شاید صبح کو آجائیں۔"

"مگر یہاں کسی کو پہرے پر تو چھوڑ جاتے۔ پہریدار بھی نہیں ہے اور جہاز بھی جنگی معلوم ہوتا ہے۔ دونوں طرف چھ چھ توپیں لگی ہیں۔"

دوسرا چور بولا۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے۔ چوری کیے بغیر واپس چلے جائیں۔"

"ارے نہیں نہیں۔ بلکہ اب تو اس جہاز کی ایک ایک چیز اٹھا کر لے جائیں گے۔ ایسا کرتے ہیں کہ اس جہاز پر جو کشتیاں لگی ہیں ان میں سے ایک کشتی سامان کی بھر کر لے چلیں گے۔ تم ایسا کرو کہ کپتان کے کیبن کو تلاش کرو۔ میں یہاں کی ضروری قیمتی چیزیں سمیٹتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر!"

دوسرا چور مسکرا کر سلام کر کے آگے بڑھا۔ یہ لوگ جہازوں میں چوری کرنے کے عادی تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ کپتان کا کیبن، مشین روم اور وائرلیس روم کہاں کہاں ہوتے ہیں۔ چنانچہ دوسرا چور سیدھا دوسری منزل کے آخر میں کپتان کے کیبن

کے سامنے جا کھڑا ہُوا۔ کیبن کا دروازہ بند تھا۔ چور نے اسے اندر دھکیلا۔ دروازہ کھُل گیا۔ اصل میں ماریا نے کسی بھی کیبن کو تالا نہیں لگایا تھا۔ چور کیبن میں داخل ہو گیا۔ کونے میں الماری پڑی تھی۔ چور نے اسے کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔ الماری کو مضبوط تالا لگا تھا۔

اس نے جاگ کر پہلے چور کو اطلاع کی کہ الماری مل گئی ہے۔ ڈالر اسی الماری میں ہوں گے۔ دونوں چور الماری کے تالے کو توڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ ماریا کیبن کے اندر ہی کھڑی یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔

ایک چور نے کہا۔

"بھائی! تالہ بعد میں توڑ لیں گے۔ پہلے کشتی کو سمندر میں اتارو اور دوسرا قیمتی سامان اوپر پہنچاؤ۔"

"احمق! سب سے پہلے کرنسی نوٹ قبضے میں کرنے چاہئیں۔"

اور پھر تالا کھُل گیا۔ اندر ایک خانہ نوٹوں سے بھرا ہُوا تھا۔ دونوں چوروں کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

"مال ہی مال۔ اتنا مال۔"

"وارے نیارے ہو گئے۔"

"جلدی سے اسے کسی تھیلے میں ڈال لو۔"

انہیں ایک میز کے نیچے پڑا ہُوا تھیلا مل گیا۔ تھیلے میں نوٹ بھرے جانے لگے۔ ماریا نے سوچا کہ کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے۔ نہیں تو یہ لوگ تو سارا مال سمیٹ کر لے جائیں گے۔ وہ کب تک تماشہ دیکھتی رہے گی۔ وہ چُپکے سے کیبن سے باہر نکل گئی۔ باہر نکلتے ہی اُس نے کیبن کا آہنی دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔ چور بڑی خوشی خوشی نوٹ تھیلے میں ڈال رہے تھے۔ اچانک جب انہوں نے دروازہ بند ہونے اور باہر سے تالا لگنے کی آواز سُنی تو چونکے۔

"یہ کس نے دروازہ بند کر دیا؟"

"میرا خیال ہے جہاز میں کوئی ہے۔"

وہ بھاگ کر دروازے کے پاس گئے۔ انہوں نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی۔ اسے اپنی طرف پورا زور لگا کر کھینچا مگر لوہے کا دروازہ بہت مضبوط تھا۔ وہ اپنی جگہ سے ذرا سا بھی نہ ہلا۔ اب تو چور پریشان ہو گئے کہ بُرے پھنس گئے۔

"اب کیا کریں استاد؟ یہاں کوئی عقل لڑاؤ۔"

استاد نے کہا۔

"خاموش رہو۔ مجھے سوچنے دو۔"

مگر سوچنے کا وہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ دروازہ لوہے کا تھا اور باہر سے بند تھا۔ اُن کے پاس صرف ایک ہتھوڑا تھا۔ اس ہتھوڑے سے دروازہ توڑنے کی کوشش شروع ہو گئی ہتھوڑا لکڑی کے دستے سے الگ ہو گیا بلکہ لکڑی کا دستہ ٹوٹ

لیا۔ چوروں کو پسینے آگئے تھے۔

ایک چور نے ماتھے کا پسینہ پونچھ کر کہا۔

"اب کیا کریں استاد؟ معلوم ہوتا ہے ہمارے ساتھ بڑا دھوکہ ہوا ہے۔ ہمیں جال میں پوری چالاکی سے پھنسایا گیا ہے۔"

"اس جہاز پر ضرور کوئی ہے جس نے ہمیں یہاں آتا دیکھ کر کچھ نہیں کہا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ اب ہم کیبن میں آچکے ہیں اور باہر نہیں جا سکتے تو اس نے باہر سے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔"

"استاد کچھ کرو! نہیں تو یہاں سے چھٹکارا نظر نہیں آتا۔"

استاد چور بھی بے بس ہو گیا تھا۔ ویسے وہ کیبن میں ادھر اُدھر پھر کر دیواروں کو ٹٹول رہا تھا کہ شاید کہیں سے باہر جانے کا کوئی رستہ ہو مگر یہ کپتان کا کیبن تھا اور بے حد مضبوط تھا اس میں سے نکل کر جا سکنے یا اسے توڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ان چوروں کو کیبن میں چھوڑ کر ماریا سیدھی اوپر گئی۔ تاکہ اوپر جو چور پہرہ دے رہا تھا اس کی خبر لی جائے۔ اوپر والا چور بڑا تابعدار قسم کا چور تھا۔ جہاں اس کے ساتھی چھوڑ گئے تھے اُسی جگہ کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا کو پہلے تو اس پر بڑا ترس آیا۔ مگر جب اُس کے ہاتھ میں چمکتا ہوا چھُرا دیکھا

تو ایک بار تو وہ بھی کانپ گئی۔ کم بخت مصیبت پڑنے پر یہ بھی دوسرے کی گردن کاٹنے سے باز نہیں رہے گا۔

رات گذر رہی تھی۔ ماریا اُس پر حملہ کرنے والی ہی تھی کہ چور اپنی جگہ سے ہلا۔ وہ سیڑھیوں والے دروازے کی طرف بڑھا۔ اصل میں وہ بھی پریشان ہو گیا تھا کہ اس کے ساتھی اتنی دیر سے نیچے گئے ہوئے ہیں ابھی تک واپس کیوں نہیں آئے۔ اُس نے دروازے میں کھڑے ہو کر نیچے جھانکا۔ نیچے اندھیرا تھا۔ وہ سیڑھی سے اُتر کر راہداری میں آگیا۔ یہ علاقہ بھی سنسان تھا دُور چھت پر ایک دھیما سا بلب جل رہا تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا وہ بھی حیران ہوا کہ اتنی خاموشی کیوں ہے؟ جہاز کے لوگ کہاں چلے گئے؟ اگر وہ سو رہے ہیں تو پہرے دار کہاں ہیں؟ اس قسم کے جنگی جہازوں پر تو رات کو پہریداروں کی پوری پلٹن پہرہ دیا کرتی ہے۔

ذرا آگے جا کر اُس نے آواز دی۔

"کہاں ہو تم لوگ؟"

اُس نے آواز دی۔ کپتان کے کیبن میں دونوں چوروں نے اپنے ساتھی کی آواز سُنی تو جلدی سے چلّا کر کہا۔

"باہر سے کسی نے تالا لگا دیا ہے۔ تالا توڑ کر ہمیں باہر نکالو۔"

"ابھی توڑتا ہوں استاد!"

باہر والے چور نے دیکھا کہ تالا بے حد مضبوط اور فولاد کا تھا۔ اسے توڑنا آسان کام نہیں تھا۔ پھر بھی چور نے اُسے توڑنے کی کوشش شروع کر دی۔ کم بخت یہ تو دروازے کو خراب کر دے گا۔ ماریا نے سوچا اور اس سے نمٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ چور کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔ چور نے چھُرا فرش پر رکھ دیا تھا۔ ماریا نے چھُرا اُٹھا لیا۔

چور نے چھُرا غائب ہوتے دیکھا تو حیران ہُوا کہ چھُرا کہاں چلا گیا؟ وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ماریا نے اس کی گردن پر چھُرا رکھ کر کہا۔

"اوپر چلو۔ جلدی۔"

چور کو پسینہ آ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے کوئی عورت اس کے پیچھے کھڑی ہے۔ اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور کنکھیوں سے پیچھے دیکھا۔ پیچھے کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ سچ مچ کوئی نہیں تھا مگر چھُرے کی نوک اسے برابر اپنی گردن پر محسوس ہو رہی تھی۔

ماریا نے کہا۔

"تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ میں سمندروں کی دیوی ہوں۔ یہ جہاز میرا ہے۔ میں تمہیں ہلاک کر سکتی ہوں۔ مگر ایسا نہیں

کروں گی۔ صرف یہی حکم دیتی ہوں کہ اوپر چلو اور سمندر میں چھلانگ لگا دو اور تیر کر بھاگ سکتے ہو تو نکل جاؤ۔"

چور خاموشی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ڈیک پر آ گیا۔ ماریا نے کہا۔

"اب سمندر میں چھلانگ لگا دو۔"

چور گھبرا گیا تھا اور اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اس نے بھاگ کر سمندر میں چھلانگ لگا دی اور ساحل کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ ماریا نے چھُرا بھی اس کے پیچھے ہی سمندر میں پھینک دیا۔ اِس چور سے فارغ ہو کر ماریا نیچے آ گئی۔ کیبن کے اندر دونوں چور قید تھے اور اپنے اُس ساتھی کو آوازیں دے رہے تھے جو سمندر میں چھلانگ لگا کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔

ماریا خاموشی سے اپنے کیبن میں جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ وہ بہت تھک گئی تھی۔ اسے نیند آ گئی۔ جب وہ سو کر اُٹھی تو دن نکل آیا تھا۔ سمندر پر دھوپ پھیلی تھی۔ اس نے باورچی خانے میں جا کر اپنے لیے چائے بنائی اور پھر غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر کپڑے تبدیل کیے کیپٹن کے کیبن میں دروازے کے قریب جا کر اندر قید چوروں کی گفتگو سننے کی کوشش کی۔ ماریا نے سوچا کہ ان لوگوں کو بھوک لگی ہو گی۔ چنانچہ باورچی خانے

میں اچا کر اُس نے کھانے پینے کا سامان ڈکری میں رکھا اور ایک خفیہ گرل کھڑکی میں سے یہ ڈکری اندر رکھ کر کھڑکی بند کر لی۔

جوردں نے جو ڈکری میں کھانے پینے کا سامان دیکھا تو حیران بھی ہوئے اور خوش بھی ہوئے۔

" یہ کوئی پُراسرار آدمی ہے جو ہمیں یہاں قید رکھنا چاہتا ہے۔"

" معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی ہم سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔"

" مگر ہمارا ساتھی بدبخت کہاں چلا گیا؟"

" اس کی تو پھر آواز تک سنائی نہیں دی۔"

" آخر کہاں چلا گیا؟"

" میرا خیال ہے اُسے اس پُراسرار آدمی نے بھگا دیا ہوگا"

" خدا جانے ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ بڑی منحوس گھڑی تھی جب ہم نے اس جہاز کا رُخ کیا تھا۔ اب تو اس جیل خانے سے چھٹکارا ممکن نظر نہیں آتا۔"

" بہرحال ابھی تو یہ ناشتہ زہر مار کرو بعد میں دیکھا جائے گا"

وہ ناشتہ کرنے لگے۔ اُدھر وائرلیس پر سگنل کی آواز آئی ماریا نے سگنل سُنا۔ اُدھر سے بوڑھا انجینئر بول رہا تھا۔

" ہیلو ماریا بیٹی! میں یہاں سے روانہ ہو رہا ہوں۔"

ماریا نے خوش ہو کر کہا۔

" بڑی اچھی بات ہے۔ میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔ ہمیں اب یہاں سے کوچ کرنا ہوگا۔"

انجینئر نے ہنس کر کہا۔

" کدھر کا ارادہ ہے بیٹی؟"

" روس جائیں گے۔"

" ارے روس کس لیے جائیں گے؟"

ماریا نے کہا۔

" بابا آپ آئیں گے تو آپ کو بتاؤں گی۔"

" ٹھیک ہے۔ میں آج شام تک پہنچ جاؤں گا۔"

سگنل بند ہو گئے۔ ماریا کو عنبر کے سگنل کا بھی انتظار تھا مگر وہ نہ آیا۔ شام کو انجینئر بھی پہنچ گیا۔ اس نے بتایا کہ ڈاکٹر دوست نے اپنی بیٹی کو قبول کر لیا ہے۔ ماں بیٹی کے ملنے کا منظر بڑا دردناک تھا۔ دونوں گلے مل کر دیر تک روتی رہیں۔ انہوں نے شاید ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔

ماریا نے کہا۔

" چلو اچھا ہوا۔ ماں باپ کو ان کی بچھڑی بیٹی مل گئی"

انجینئر نے پائپ سُلگا کر کہا۔

" اب روس کا پروگرام کیسے بن گیا؟"

ماریا نے اسے عنبر کے سگنل کے بارے میں سب کچھ بتادیا۔

انجینیئر نے کہا۔

"بیٹی یہاں سے روس جانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ جاپان کے سمندر سے ہوکر قطب شمالی کے مشرقی علاقے یعنی برسک کے برف پوش میدانوں کے پاس برفانی سمندر میں جہاز کو کھڑا کردیا جائے۔ اور خود وہاں سے سائبیریا کے میدانوں کو عبور کرکے ماسکو پہنچا جائے۔"

ماریا نے کہا۔

"ہمیں ماسکو جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ عنبر نے کہا ہے کہ وہ سائبیریا کے علاقے میں کسی جگہ ہمیں مل جائے گا۔"

"کسی جگہ سے کیا مُراد ہے؟ سائبیریا تو بڑا وسیع علاقہ ہے۔"

"سائبیریا پہنچ کر ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ خلائی سٹیشن کہاں ہے۔ کیونکہ عنبر کو اسی جگہ خلائی جہاز سے اُتار کر رکھا جائے گا۔"

انجینیئر نے کہا۔

"ماریا بیٹی! یہ تو بڑی خطرناک جاسوسی کرنی پڑے گی۔ خلائی سٹیشن کے اردگرد کسی غیر ملکی کا بغیر اجازت پہنچنا بہت بڑا جُرم ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"ہمیں ہر حالت میں وہاں تک جانا اور عنبر کو وہاں سے

نکال کر لانا ہوگا۔"

"تم تو بڑی آسانی سے پہنچ جاؤ گی کیونکہ تم کسی کو دکھائی نہیں دیتیں۔ ہاں البتہ میں ضرور پکڑا جاؤں گا۔"

ماریا نے کچھ سوچ کر کہا۔

"تو پھر ایسا کریں گے کہ تم جہاز میں ہی رہنا۔ میں اکیلی خلائی سٹیشن پر جاکر عنبر کو اغوا کرکے لے آؤں گی۔"

"مگر بیٹی تم اکیلی یہ کام کرسکو گی؟"

"بابا! میں نے بڑے بڑے کام اکیلے کیے ہیں۔ میں یہ کام بھی بڑی آسانی سے کرگزروں گی۔ یہ تو میرے اپنے بھائی کا معاملہ ہے۔"

"بہتر ہے۔ ہم کل صبح یہاں سے کوُچ کر جائیں گے۔"

ماریا باورچی خانے میں کھانا تیار کرنے لگی اور انجینیئر منہ ہاتھ دھو کر کپتان کے کیبن کی طرف آگیا۔ یہاں آکر اُس نے تالا لگا دیکھا تو چابی لینے کے لیے واپس ہُوا ہی تھا کہ اُسے اندر سے آواز آئی۔

"کم بخت! بُرے پھنسے یہاں۔ بھوک سے میری تو جان نکلی جارہی ہے۔"

"میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔"

انجینیئر بھاگ کر ماریا کے پاس گیا۔

"کیبن میں دو چور آ گئے ہیں۔"

ماریا ہنس دی۔ اور پھر اُس نے ساری کہانی سُنا ڈالی۔ انجینئر نے ہنس کر کہا۔

"بیٹی! انہیں خوامخواہ قید رکھنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ انہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔"

"چھوڑ دیں جاکر۔ یہ لیں چابی۔"

انجینئر چابی لے کر کیبن کی طرف گیا۔ احتیاطاً ماریا بھی اُس کے پیچھے پیچھے گئی۔ اِس خیال سے کہ کہیں چور انجینئر کو اکیلا دیکھ کر حملہ نہ کر دیں۔ انجینئر نے کیبن کا تالا کھول کر دروازہ کھول دیا۔ چوروں نے بوڑھے انجینئر کو سامنے دیکھا تو ایکدم دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے اور چھرے تان لیے۔

"خبردار! جو آگے بڑھے۔"

انجینئر نے کہا۔

"بکواس بند کرو اور یہاں سے بھاگو۔ میں نے تمہاری جان بخشی کرائی ہے۔"

چوروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر آگے بڑھ کر انجینئر پر حملہ کرنے ہی والے تھے کہ ماریا نے ایک چور کی کمر پر لات مار کر اُسے گرا دیا۔ دوسرے چور کو گردن سے پکڑ کر ایک جھٹکا دیا اور اس کا سر دیوار سے جا ٹکرایا۔

"بدبختو! میں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کیا اور تم میرے انکل کو مارنے لگے تھے۔ اب تمہاری یہی سزا ہے کہ یہاں سے نکل کر اوپر ڈیک پر چلو اور سمندر میں کود جاؤ۔"

چور ایک ایسی لڑکی کی آواز سُن رہے تھے جو انہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ ان کے لیے یہی بات کافی پریشان کر دینے والی تھی۔ وہ تھر تھر کانپنے لگے۔

ماریا نے ایک کی گردن پر ہاتھ مار کہا۔

"جلدی چلو اوپر۔"

دونوں چور سر جھکا کر اوپر ڈیک پر آ گئے۔ ماریا نے کہا۔

"سمندر میں کود جاؤ۔"

دونوں سمندر میں کود گئے۔ ماریا اور انجینئر کچھ دُور تک انہیں سمندر میں تیرتے دیکھتے رہے۔ پھر وہ نیچے بڑے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے کھانا کھایا اور کافی پیتے ہوئے اپنے نئے سفر اور نئی منزل کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ انجینئر کہہ رہا تھا۔

"سفر کافی لمبا ہے۔ ہمیں سنگاپور سے جہاز میں تیل ڈلوانا ہو گا۔ ضروری سامان بھی وہیں سے خریدنا ہو گا۔"

ماریا بولی۔

"بہتر ہے ایسا ہی کریں گے۔"

"اندازہ ہے کہ ہمیں سائبیریا کی سرحدوں تک پہنچتے پہنچتے دو مہینے لگ جائیں گے۔"

"اُف! یہ تو بڑی دیر ہو جائے گی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا بابا کہ ہم اس سے پہلے عنبر کے پاس پہنچ جائیں؟"

"پھر تو ہمیں ہوائی جہاز پر سفر کرنا ہوگا۔ وہ بھی ہمیں ماسکو پہنچائے گا۔ پھر وہاں سے خلائی سٹیشن کا پتہ معلوم کر کے وہاں جانا پڑے گا۔ اِس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم اپنے بحری جہاز میں ہی اوپر سے ہو کر سائبیریا کے میدانوں میں پہنچ جائیں۔"

"ہاں اسی طرح سے اچھا بھی لگتا ہے۔ اب کہاں میں ہوائی اڈوں اور ہوائی جہازوں میں ماری ماری پھروں گی۔ مجھے تو معلوم بھی نہیں کہ کونسا جہاز کس جگہ سے جاتا ہے۔"

انجینئر نے کہا۔

"اور پھر روس میں داخل ہونا اور داخل ہو کر باہر نکلنا بڑا مشکل کام ہے۔ بہرحال تمہارے لیے اس لیے آسانی ہوگی کہ تم غائب عورت ہو۔"

"تو کیا خیال ہے ہم آج کی رات یہاں سے کوچ نہ کر جائیں؟ آخر ہم صبح کا انتظار کس لیے کریں؟"

"جیسے تمہاری مرضی بیٹی! مَیں تیار ہوں۔"

"بس پھر ٹھیک ہے۔ آج رات ٹھیک بارہ بجے ہم جاپانی سمندر کی طرف سفر شروع کر دیں گے۔"

"او کے۔"

رات کو ٹھیک بارہ بجے انجینئر نے جہاز کے دونوں انجن چلا دیئے۔ جہاز کا لنگر پہلے ہی اٹھا دیا گیا تھا۔ جہاز نے سمندر میں واپس گھوم کر اپنا رُخ سنگاپور کی طرف کر لیا۔

اُدھر ذرا عنبر کی بھی خبر لیتے ہیں۔

عنبر روسی خلائی جہاز میں زمین کے گرد آخری چکر لگا رہا تھا کہ اُس نے خلا میں ایک تیز روشنی اپنی طرف بڑھتی دیکھی۔ اس نے جہاز کی شیشے والی گول کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ ایک عجیب سا جہاز اُس کی طرف آ رہا تھا۔ پھر اچانک اُسے آواز سُنائی دی۔

"ہیلو! روسی خلائی جہاز! ہیلو۔"

عنبر نے وائرلیس پر رابطہ قائم کرتے ہوئے کہا۔

"ہیلو! مَیں روسی خلائی جہاز سے عنبر بول رہا ہوں۔ تم کون ہو۔ جلدی بتاؤ۔"

دوسرے جہاز سے آواز آئی۔

"مَیں امریکی خلائی جہاز سے بول رہا ہوں۔ میرا جہاز راستہ

بھٹک گیا ہے۔ مَیں ایک مہینے سے یہاں بھٹک رہا ہوں۔ میرے پاس کھانے کو بھی اب کچھ نہیں رہا۔ کیا تم مجھے اپنے جہاز میں اُتار سکتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"چونکہ تم تکلیف میں ہو اس لیے تمہیں اپنے جہاز میں لانا ہی پڑے گا۔ مَیں تمہارے جہاز کے دروازے کے ساتھ اپنا دروازہ ملانے کی کوشش کرنے لگا ہوں۔"

عنبر نے اپنے خلائی جہاز کا رُخ امریکی خلائی جہاز کی طرف پھیر کر اس کے دروازے کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔ کافی محنت کے بعد عنبر اپنے جہاز کے دروازے کو امریکی خلائی جہاز کے دروازے کے ساتھ لگانے میں کامیاب ہو گیا۔ بیچ میں سے دونوں دروازے اُٹھا دیئے گئے اور امریکی خلا باز اندر آ گیا اس کے اندر آتے ہی عنبر نے اپنے جہاز کا دروازہ بند کر دیا اور اپنے جہاز کو امریکی خلائی جہاز سے الگ کر کے دُور لے گیا۔ اب وہ اپنا آخری چکر پورا کر چکا تھا۔ اور نیچے روس سے سگنل آنا شروع ہو گئے تھے۔

برف گرتی رہی

امریکی ایک نوجوان خلا باز تھا۔

اندر آتے ہی دونوں نے ہاتھ ملائے۔ امریکی نے کہا۔

"میرا نام جیری ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"میرا نام عنبر ہے۔"

جیری بولا۔

"تمہارا رنگ سانولا ہے۔ تم یورپ کے نہیں لگتے۔ تم روسی بھی نہیں ہو۔ پھر تم کون ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میرے بھائی! یہ مت پوچھو کہ مَیں کون ہوں! بس اتنا ہی کہوں گا کہ مَیں روسی سائنس دانوں کی طرف سے خلائی تحقیق کے لیے خلاء میں آیا ہوں اور اب واپس روسی سرزمین

پر جانے والا ہوں۔"

امریکی خلاباز جیری پریشان ہوگیا۔

"یہ تو بڑی بُری بات ہوئی۔ میں تو آسمان سے گِر کر کھجور میں اٹک گیا ہوں۔ روس والے تو مجھے نیچے اُترتے ہی گرفتار کریں گے۔ اور پھر کبھی مجھے نہیں چھوڑیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"خلاء میں بھٹک بھٹک کر مرجانے سے تو بہتر ہے کہ تم روس پہنچ جاؤ۔ کم ازکم زمین پر رہوگے تو کھانے پینے کو ملتا رہے گا اور پھر تم کسی وقت فرار بھی ہوسکتے ہو۔"

امریکی خلاباز جیری خاموش ہوگیا۔ وہ پھنس چکا تھا۔ اب خلاء سے باہر نہیں جاسکتا تھا۔ اُسے مجبوراً عنبر کے ساتھ ہی روس کی سرزمین پر اُترنا تھا۔ نیچے سے سگنل آنے لگے تھے۔ اور عنبر کو اُترنے کے لیے تیار کیا جارہا تھا۔ عنبر نے نیچے والوں کو بتا دیا تھا کہ اُس کے ساتھ ایک امریکی مہمان بھی ہے۔ روسی سائنس دان تو پریشان ہوگئے۔

"مہمان؟ امریکی مہمان؟ کیسا مہمان؟ کہاں سے آگیا ہے یہ؟"

عنبر نے بتایا کہ وہ خلاء میں راستہ بھول گیا تھا اور بھٹک رہا تھا کہ میں نے اُسے اپنے جہاز پر پناہ دی۔ میں انسانی ہمدردی کے جذبے سے مجبور ہوگیا تھا۔ اب نیچے سے کسی

نے کوئی بات اُس امریکی جہاز کے بارے میں نہ کی۔ بہرحال انہوں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ جونہی وہ نیچے آئے گا، اُسے گرفتار کرلیا جائے گا۔ اپنی اس بدقسمتی کا امریکی خلاباز جیری کو بھی علم تھا۔ مگر اُس کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ خلاء میں بھٹک بھٹک کر مرجانے سے بہتر تھا کہ وہ روسی قیدخانے میں چلا جائے۔ کم ازکم یہاں فرار ہونے کی امید تو تھی۔

آخری چکر پورا کرتے ہوئے عنبر جب جاپان کے قریب سے گزرا تو اُس نے سنگاپور کے سمندر میں ماریا کے بحری جہاز کو دیکھا۔ عنبر کو اگرچہ روسی سائنس دانوں نے سختی سے منع کیا ہوا تھا کہ وہ نیچے کسی کو سگنل نہیں کرے گا مگر ماریا کے جہاز کو دیکھ کر وہ نہ رہ سکا اور اس نے اوپر سے گزرتے ہوئے ماریا کو سگنل پر کہہ دیا کہ وہ خلائی سٹیشن پر اُتر رہا ہے۔ ماریا نے بھی کہہ دیا کہ وہ آرہی ہے۔

خلائی سٹیشن روس کے دُور دراز علاقے سائبیریا سے ایک ہزار میل دُور ایک ویران علاقے میں تھا۔ روسی سائنسدانوں نے بڑی مہارت سے عنبر کا خلائی جہاز زمین پر اُتار لیا۔ عنبر کے ساتھ امریکی خلاباز جیری بھی باہر نکلا۔ جیری کو اُسی وقت گرفتار کرکے پیچھے کسی نامعلوم مقام پر پہنچا دیا گیا۔ عنبر کو خلائی سٹیشن میں رات بھر آرام کرنے دیا۔

دوسرے روز اُسے بھی پیچھے سٹالن گراڈ کے ایک تجربہ خانے کی لیبارٹری میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں اُس پر تجربے شروع ہو گئے۔ عنبر کو معلوم تھا کہ ماریا اُس کی تلاش میں سائبیریا کے خلائی سٹیشن پر آئے گی۔ اس لیے وہ بھی پہنچنا چاہتا تھا مگر روسی سائنس دانوں کے تجربے ختم نہیں ہو رہے تھے بلکہ تجربے لمبے ہو رہے تھے۔ آخر ایک روز عنبر نے وہاں سے فرار ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس کے گرد سخت پہرہ لگا دیا گیا تھا۔ اُس کا وہاں سے نکلنا مشکل تھا۔

پھر بھی آدھی رات کو اُس نے اپنے کمرے کی ایک کھڑکی کو توڑ ڈالا۔ برآمدے میں ایک روسی سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر نے پیچھے سے اُس کے سر پر ایک ایسی ضرب لگائی کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ عنبر نے اُس کی وردی پہن کر مشین گن ہاتھ میں پکڑ لی اور اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ پھر موقع پا کر وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر لفٹ کے پاس آگیا۔ یہاں لفٹ خالی پڑی تھی۔ عنبر اس میں سوار ہو گیا۔

لفٹ نے اُسے عمارت کی پہلی منزل پر پہنچا دیا۔ عنبر کو ایک سپاہی نے دیکھا تو اُسے رُوسی سمجھ کر کچھ نہ کہا۔ صرف قریب سے گذرتے ہوئے سلام کیا جس کا جواب عنبر نے بھی روسی زبان میں دیا اور عمارت کے صدر دروازے پر آ گیا۔

یہاں اس نے سڑک پر دیکھا۔ سڑک سخت سردی میں سنسان تھی کالی سرد رات بادلوں سے بھری ہوئی تھی اور ایسے لگتا تھا کہ ابھی برف گرنا شروع ہو جائے گی۔

عنبر عمارت سے باہر آگیا۔

اس کے پاس روسی روپے تھے جس کو روبل کہتے ہیں۔ وہ یہاں سے ریلوے سٹیشن جانا چاہتا تھا۔ وہ سڑک کے فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ اتنے میں برف گرنا شروع ہو گئی۔ برف کے نرم نرم سفید سفید روئی کے گالے آسمان سے شہر کی عمارتوں اور سڑکوں پر برسنا شروع ہو گئے۔ ایک ٹیکسی عنبر کے قریب سے گذری تو اس نے ہاتھ سے اُسے روک لیا۔ اُس میں سوار ہو کر عنبر نے کہا۔

"ریلوے سٹیشن۔"

ریلوے سٹیشن پر زیادہ رش نہیں تھا۔ کچھ مسافر یہاں وہاں آرام کر رہے تھے۔ عنبر نے ریلوے ٹائم ٹیبل پڑھا۔ معلوم ہوا کہ وہ ریل گاڑی جو سائبیریا کی طرف جاتی ہے کوئی تین گھنٹے بعد آئے گی۔ عنبر ویٹنگ روم میں جا کر کونے میں بیٹھ گیا۔ لوگوں نے اُسے دیکھا اور یہ سمجھ کر اپنے کام میں لگ گئے کہ روسی سپاہی ہے۔

خدا خدا کر کے تین گھنٹے گذر گئے۔ ریل گاڑی پلیٹ فارم

پر آ کر رک گئی۔ عنبر ایک ڈبے میں سوار ہوا اور کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد انجن نے سیٹی بجائی اور چھک چھک کرتی ریل گاڑی پلیٹ فارم سے کھسکنے لگی۔ سائبیریا تک کا سفر بڑا لمبا تھا اور اس گاڑی نے چار روز کے بعد سائبیریا کے ایک ویران سے سٹیشن پر پہنچنا تھا۔ عنبر یہ سفر کرنے پر مجبور تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ ماریا اُس کے خلائی سٹیشن کے اردگرد ہی پہنچے گی۔

سفر کرتے کرتے اُسے دو روز ہو گئے۔ دوسری طرف اُس کے فرار کا علم ہو چکا تھا۔ اس کی تصویر جگہ جگہ پہنچا دی گئی تھی اور لوگوں کو خبردار کر دیا گیا تھا کہ ایک خطرناک جاسوس قید سے بھاگ گیا ہے۔ اُسے جہاں کہیں بھی پاؤ فوراً گرفتار کر لو۔ عنبر نے ایک سٹیشن پر اُتر کر اخبار میں اپنی تصویر دیکھی تو منہ کے آگے ہیٹ کا چھجّا کر کے وہاں سے دوسری طرف چلا گیا یہ بڑی خطرناک بات ہوئی تھی۔ اس کی تصویر اخباروں میں آ گئی تھی۔ اُسے کسی جگہ پر بھی گرفتار کیا جا سکتا تھا۔ ٹھیک ہے اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ لیکن اُس کا سفر کھوٹا ہو سکتا تھا۔ وہ پریشان ضرور ہو سکتا تھا اور ماریا سے دُور بھی ہو سکتا تھا۔ اب گاڑی سائبیریا کے برف پوش میدانوں میں داخل ہو چکی تھی۔ یہاں ہر طرف ویرانی ہی ویرانی تھی۔ دیر بعد کوئی چھوٹا سا

سٹیشن آتا۔ گاڑی سخت سردی میں تھوڑی دیر کو رُکتی اور پھر آگے روانہ ہو جاتی۔

یہاں کوئی سٹال بھی نہیں تھا۔ اخبار بھی نہیں تھے۔ مسافر بھی غریب قسم کے تھے۔ ان کو کوئی خبر نہیں تھی کہ ایک جاسوس قید سے بھاگ گیا ہے بلکہ وہ عنبر کی وردی دیکھ کر کچھ مرعوب سے ہو جاتے تھے۔ عنبر کا سانولا رنگ دیکھ کر بھی تعجب کرتے تھے۔ آخر ایک ریلوے سٹیشن ماسٹر نے پوچھ ہی لیا کہ وہ کون ہے؟ عنبر نے کہا۔

"اندھے ہو گئے ہو کیا؟ دیکھ نہیں رہے کہ میں روسی سپاہی ہوں۔"

وہ بولا:

"لیکن تمہارا رنگ روسیوں کی طرح گورا نہیں ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"میں مغربی روس کا رہنے والا ہوں جہاں گرمی پڑتی ہے۔ پھر میں زیادہ عرصہ مصر میں رہا ہوں۔ روسی سفارت خانے میں اب سمجھے تم کہ میرا رنگ سانولا کیوں ہے؟"

سٹیشن ماسٹر نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن آپ وردی میں اس علاقے میں کیا کر رہے ہیں؟"

"شٹ اپ" عنبر نے رعب سے کہا۔ "میں خاص ڈیوٹی

پر ہوں۔"

خاص ڈیوٹی کی روس میں بڑی دہشت تھی۔ جب کوئی یہ کہتا کہ میں خاص ڈیوٹی پر ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ خفیہ فوج کا آدمی ہے اور جس کو چاہے گرفتار کروا سکتا ہے۔ سٹیشن ماسٹر نے کوئی بات نہ کی۔ عنبر اپنے ڈبے میں جا کر سوار ہو گیا۔ ٹرین وہاں سے بھی روانہ ہو گئی۔ چوتھے روز عنبر سائبیریا پہنچ گیا۔ یہ ایک بڑا ہی سرد اور بڑا ہی ویران علاقہ تھا۔ دُور دُور تک برف ہی برف تھی۔ برف کے میدان جہاں تک نظر جاتی تھی وہاں تک چلے گئے تھے۔ سردی اس قدر زیادہ تھی کہ اگر عنبر کے جسم میں خون ہوتا تو وہ ضرور جم کر برف بن جاتا۔

عنبر کو زیادہ سردی نہیں لگ رہی تھی۔ وہ سٹیشن کے وٹینگ روم میں چلا گیا۔ اُس نے غسل کیا اور کپڑے تبدیل کر لیے۔ یہ کپڑے ایک عام روسی مزدور قسم کے تھے جو اُس نے راستے میں ایک سٹیشن سے خریدے تھے۔ لمبا گرم کوٹ، اگرم ٹوپی سمور کی اور گرم پتلون — اِس طرح سے اُس پر شک بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

لیکن روسی حکومت عنبر کی تلاش میں تھی اور اُس نے جگہ جگہ اُس کے فرار کی اطلاع کر دی تھی۔ سائبیریا کے خلائی سٹیشن پر بھی اطلاع آ چکی تھی۔ عنبر نے محسوس کیا کہ اگر

وہ اسی حلیے میں چلتا پھرتا رہا تو ضرور پکڑا جائے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس دفعہ روسی سائنس دان اُسے گیس سُنگھا کر بے ہوش کر دیں اور وہ بے بس ہو جائے۔

خلائی سٹیشن یہاں سے پانچ سو میل دُور ایک ایسے علاقے میں تھا جہاں کوئی آبادی نہیں تھی۔ وہاں تک صرف ایک چھوٹی سی ٹرک جاتی تھی جس پر کبھی کبھی کوئی ٹرک آتا نظر آ جاتا تھا۔ خلائی سٹیشن کا عملہ زیادہ تر ہیلی کاپٹروں سے آتا جاتا تھا۔

عنبر نے سوچا کہ اپنی منزل پر وہ پیدل تو پہنچ نہیں سکتا —— ہیلی کاپٹر یہاں کہیں نظر نہیں آتا۔ ٹرک اگر کوئی مل جائے تو اس پر سوار ہو کر وہ راستہ طے کر سکتا تھا۔ اس نے برف کے میدان میں جاتی پتلی سی ٹرک پر چلنا شروع کر دیا۔ اُسے اُمید تھی کہ راستے میں اُسے کوئی نہ کوئی سواری مل جائے گی۔ لیکن ایسا نہ ہُوا۔ عنبر کو چلتے چلتے رات پڑ گئی اور نہ کوئی ٹرک ملا اور نہ کوئی بھُولی بھٹکی جیپ یا چھکڑا ہی ادھر سے گذرتا ملا۔

عنبر بڑا پریشان ہُوا کہ خدا جانے اُسے کب تک اسی طرح پیدل چلنا ہو گا۔ آخر اُسے رات کے اندھیرے میں دُور ایک ٹمٹماتی روشنی دکھائی دی۔ اُس نے سوچا کہ ضرور یہ کوئی قصبہ وغیرہ ہو گا۔ جہاں سے وہ اور کچھ نہیں تو کوئی گھوڑا وغیرہ ہی خریدے گا۔ روشنی قریب آتی گئی تو وہ ایک کھمبے میں تبدیل

ہوگئی۔ ایک چوکور اِک منزل مٹی کی چھت والی عمارت تھی جس کے سامنے کھمبے پر ایک بلب جل رہا تھا۔ عنبر تھک گیا تھا۔ اس کو اب آرام کی ضرورت تھی۔

عمارت کا دروازہ آدھا برف میں دھنسا ہُوا تھا۔ صاف لگتا تھا کہ کسی نے عرصہ ہُوا اسے نہیں کھولا تھا۔ تو پھر یہ بلب کون روشن کر گیا ہے۔ اُس نے دیکھا کہ بجلی کی تار زمین کے اندر چلی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بجلی پیچھے سے آرہی تھی۔ عنبر نے دروازے کو غور سے دیکھا۔ وہ آدھا برف میں ڈوبا ہُوا تھا۔ یوں سمجھ لیں کہ برف آدھے دروازے سے ذرا نیچے تک اُوپر چڑھ آئی تھی۔

عنبر نے پیچھے جا کر دیکھی کہ شاید کہیں کوئی راستہ مل جائے اندر جانے کا۔ وہاں صرف ایک کھڑکی تھی جو بند تھی۔ عنبر نے اُسے دھکا دیا تو وہ کھل گئی۔ عنبر نے اندر جھانک کر دیکھا۔ اندر اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ وہ کھڑکی سے کُود کر اندر چلا گیا۔ اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ عنبر نے جیب سے دیا سلائی نکال کر جلائی۔ اُسے سامنے کارنس پر ایک لمبی موم بتی نظر آئی۔ اُسے روشن کیا گیا تو یہ چھوٹا سا ٹھنڈا کمرہ ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی سے بیدار ہو گیا۔

کمرے میں زمین پر ہرن کی ایک کھال بچھی تھی۔ بیچ میں

گول میز اور اردگرد چار لکڑی کی کرسیاں تھیں۔ سامنے دروازہ تھا جو دوسرے کمرے میں کھلتا تھا۔ عنبر نے دھکا دے کر دروازے کو کھول دیا۔ دوسری طرف اندھیرا تھا۔ عنبر نے کارنس سے موم بتی اُٹھائی اور اس کی روشنی اندر ڈالی۔ ایک بار تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ اُس نے دوبارا روشنی اندر ڈالی تو کیا دیکھتا ہے کہ زمین پر ایک مریل سا ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا ہے۔

عنبر نے موم بتی کارنس پر رکھ دی اور اُس ڈھانچے پر جھک گیا۔ یہ ایک عورت تھی جو موت کے قریب پہنچ چکی تھی۔ عنبر نے جلدی سے اپنے تھیلے میں سے پانی نکال کر اس کے حلق میں ٹپکایا۔ عورت نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ عنبر نے اُسے کھانے کو ڈبل روٹی اور بسکٹ دیا۔ تھوڑا سا کھا کر عورت کو ہوش آگیا۔ اِس عورت کے پاؤں زنجیر کے ساتھ ایک کھمبے سے بندھے ہوئے تھے۔ عنبر نے زنجیر توڑ کر عورت کو آزاد کیا اور پوچھا۔

"بہن! تم کون ہو؟"

عورت نے کہا۔

"میرا نام سمرینا ہے۔ مَیں بخارا کی رہنے والی ہوں۔ روسیوں نے مجھے اور میرے بھائی کو جاسوسی کے الزام میں یہاں قید کر رکھا ہے۔"

عنبر نے پوچھا۔

"تمہارا بھائی کہاں ہے ؟"

سمرینا نے کہا۔

"اِسی عمارت کے ایک تہہ خانے میں۔ وہ — وہ سامنے دیوار میں سے ایک راستہ نیچے جاتا ہے۔"

عنبر جلدی سے نیچے گیا۔ یہاں بھی اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ عنبر نے موم بتی روشن کی تو دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکا زنجیروں سے بندھا فرش پر پڑا تھا۔ وہ بھی مرنے ہی والا تھا۔ عنبر نے اُسے جو کھانے پینے کو دیا تو اُسے ہوش آیا۔ عنبر اُسے اُوپر لے آیا۔ دونوں بہن بھائی آزاد ہوئے تو اُنہیں کچھ ہوش آیا۔ عنبر وہاں چار روز تک رہا۔ دونوں کی جان میں جان آگئی۔ وہ کئی روز سے بھُوکے پیاسے تھے۔ لڑکے کا نام عمر تھا۔ ایک ہفتے کے بعد دونوں چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ تو عنبر نے کہا۔

"اب تم یہ بتاؤ کہ تمہیں کہاں چھوڑ دیا جائے ؟"

سمرینا بولی۔

"اِس ملک سے باہر کہیں چھوڑ دو۔ کیونکہ یہاں یہ لوگ ہمیں پھر پکڑ لیں گے اور اب کے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"مَیں خود آگے جا رہا ہوں۔ یہاں سے تمہیں کس مقام سے بارڈر کراس کرا سکتا ہوں۔"

لڑکا بولا۔

"یہاں سے ایک ہفتے کی راہ پر چین کا بارڈر ہے۔ اگر ہم چین پہنچ جائیں تو وہاں ہمارے کچھ مسلمان رشتہ دار رہتے ہیں۔ وہ ہمیں اپنے پاس رکھ لیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہم پیدل یہ راستہ طے نہیں کر سکتے۔ کسی سواری کا انتظام کرنا پڑے گا اور سواری یہاں دُور دُور تک نظر نہیں آتی۔ خوراک بھی میرے تھیلے میں صرف ایک دن کی باقی رہ گئی ہے۔"

سمرینا نے کہا۔

"ہمیں خدا پر بھروسہ ہے۔ وہی ہماری مدد کرے گا۔ تم صرف ایک روز اور ٹھہر جاؤ۔"

دوسرے روز دوپہر کے بعد ایسا ہُوا کہ باہر کسی ٹرک کے رُکنے کی آواز آئی۔ سمرینا اور لڑکا ڈر گئے۔

"شاید روسی سپاہی آ گئے ہیں ؟"

"تم یہیں ٹھہرو۔ مَیں باہر جا کر دیکھتا ہوں۔"

عنبر یہ کہہ کر باہر آیا تو اُس نے دیکھا کہ ایک فوجی ٹرک عمارت کے سامنے سڑک پر رُکا کھڑا ہے اور اُس میں سے دو موٹے موٹے روسی سپاہی نیچے اُتر کر عمارت کی طرف آ رہے تھے عنبر نے جلدی سے اندر آ کر کہا۔

"تمہارا خیال ٹھیک نکلا۔ دو سپاہی ادھر آ رہے ہیں۔"

"اب کیا ہوگا؟" سمرینا کانپنے لگی۔ عنبر نے اُسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں نیچے چلے جاؤ۔ جلدی کرو۔"

سمرینا اپنے بھائی کو لے کر نیچے تہہ خانے میں چلی گئی۔ عنبر دوسری طرف کھڑکی سے نکل کر باہر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا۔ دونوں روسی مشین گنیں کندھوں سے لٹکائے باتیں کرتے سردی سے ہاتھ رگڑ رگڑ کر گرم کرتے اندر آ گئے۔ عنبر کھڑکی سے ہٹ کر دروازے کے پاس آگیا۔ اور پھر اُس نے باہر جا کر ٹرک کو دیکھا۔ اس میں بہت سا سامان بھرا ہُوا تھا۔ شاید سپاہی خلائی سٹیشن والوں کے لیے سامان خوراک لے جا رہے تھے۔

عنبر کو فکر ہُوا کہ کہیں وہ دونوں سپاہی سمرینا اور اُس کے بھائی کو نہ ڈھونڈھ کر گولی مار دیں۔ پس وہ جلدی سے عمارت کی طرف لپکا۔ اُس نے کھڑکی میں سے دیکھا کہ دونوں سپاہی گول میز کے آگے کُرسیوں پر بیٹھے آرام کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک سپاہی نے اُچھل کر کہا۔

"مجھے ایسے لگ رہا ہے جیسے یہاں کوئی انسان چھُپا ہُوا ہے۔"

"کیسے؟ کہاں؟"

"مجھے کسی انسان کی بُو آ رہی ہے۔"

"انسان تو میں بھی ہوں۔"

"نہیں ذرا ٹھہرو۔"

اور وہ سپاہی دیوار کے پاس گیا۔ یہاں سے ایک راستہ نیچے تہہ خانے کو جاتا تھا۔ اُس نے پاؤں مار کر دروازہ کھول دیا۔ نیچے گیا اور تھوڑی دیر میں سمرینا اور اس کے بھائی کو مشین گن دکھا کر اوپر لے آیا۔ دوسرا سپاہی بھی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے! یہ تو بخارا کی جاسوس عورت ہے اور اس کا ساتھی بھائی ہے۔ انہیں تو جلاوطن کیا گیا تھا۔"

"ہاں اور یہ اس تہہ خانے میں پڑے ہیں۔ چلو انہیں باہر لے جا کر گولی مار دیتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے باہر لے کر چلو۔ انہیں ٹرک کے ساتھ باندھ دو۔ میں گولی چلاؤں گا۔"

عنبر ہوشیار ہو گیا۔ جونہی دونوں سپاہی سمرینا اور اُس کے بھائی کو لے کر عمارت سے باہر نکلے۔ عنبر نے ایک سپاہی کو ٹھڈا مار کر گرا دیا اور اس کی مشین گن اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مگر اس دوران میں دوسرے سپاہی نے عنبر پر مشین گن کی بوچھاڑ ماری اور جانے کتنی گولیاں عنبر کے جسم سے ٹکرا کر برف پر گر پڑیں۔ عنبر مسکرایا اور اُس نے مشین گن سیدھی کر کے

باڑھ ماری تو سپاہی برف پر گر کر تڑپنے لگا۔

دوسرے سپاہی نے سمرینا پر گولی چلانی چاہی مگر پستول اُس کے ہاتھ میں ہی پکڑا رہ گیا اور وہ بھی مشین گن کی باڑھ سے اگلے جہان چلا گیا۔

عنبر نے کہا۔

"جلدی سے ٹرک پر آ جاؤ۔"

سمرینا، اس کا بھائی اور عنبر ٹرک پر چڑھ گئے۔ انہوں نے بکس اور تھیلے کھول کر دیکھے۔ کھانے پینے کا بے شمار سامان بھرا پڑا تھا۔ گرم سموری صدریاں اور کوٹ بھی تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے تو خوب پیٹ بھر کر خشک گوشت کھایا، دودھ پیا، پھل اُڑائے اور پھر گرم سمور کی صدریاں اور گرم کوٹ پہن لیے۔ عنبر نے پٹرول دیکھا تو وہ بہت کافی تھا۔ اُس نے کہا۔

"سمرینا! تم لوگ ٹرک میں سوار ہو جاؤ۔ خدا نے تمہاری دُعا سُن لی ہے۔ یہ ٹرک تمہیں چین کی سرحد تک بڑی آسانی سے چھوڑ سکتا ہے۔ کیا تم ٹرک چلا لیتی ہو؟"

"ہاں"

"بس پھر مجھے تم راستے میں خلائی سٹیشن کے علاقے میں اتار دینا اور خود یہ ٹرک لے کر چین کی سرحد کی طرف نکل جا

ٹھیک ہے نا؟"

"جی ہاں۔ شکریہ آپ کا۔ آپ نہ ہوتے تو آج ہم اس دنیا میں نہ ہوتے۔"

"خدا نے آپ کی مدد کی ہے۔ آپ لوگوں کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔"

"ہم خدا تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کرتے ہیں۔"

تینوں ٹرک میں سوار ہو گئے۔ ٹرک عنبر چلا رہا تھا۔ ساری رات وہ چھوٹی سی سڑک پر سفر کرتے رہے۔ ٹرک میں ایک کتاب پر اُس علاقے کا سارا نقشہ بنا ہُوا تھا۔ اس نقشے نے ان کی بہت اچھی رہ نمائی کی۔ نقشے پر صاف چین کا بارڈر نظر آ رہا تھا اور خلائی سٹیشن بھی بنا ہُوا تھا۔

دو دن سفر کرنے کے بعد وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سے ایک سڑک خلائی سٹیشن کی طرف جاتی تھی اور دوسری سڑک چین کی سرحد کی طرف جا رہی تھی۔ عنبر ٹرک سے نیچے اُتر پڑا۔ اس نے سمرینا اور اس کے بھائی سے کہا۔

"کیا تم لوگ آسانی سے بارڈر کراس کر جاؤ گے؟"

سمرینا بولی۔

"فکر نہ کریں۔ بارڈر کراس کر جائیں گے۔ ہم اس سے پہلے کئی بار بارڈر کراس کر چکے ہیں۔ اور پھر اس بارڈر پر زیادہ

نورس بھی نہیں ہے۔ خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

عنبر نے خدا حافظ کہا۔ ٹرک چین کی سرحد کی طرف چل پڑا اور عنبر خلائی سٹیشن کی طرف روانہ ہوگیا۔ دن کی بھوری بھوری سرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سورج برف کے بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے ابھی برف گرنی شروع ہو جائے گی۔ جس سڑک پر عنبر چلا جا رہا تھا وہ چھوٹی سی تھی اور برف توڑ کر بنائی گئی تھی۔ اس سڑک پر ایک ایک میل کے فاصلے پر کھمبے لگے تھے جن کے ساتھ شاید ٹیلی فون کی تار جا رہی تھی۔ عنبر کھمبوں کی نشانی بنا کر آگے بڑھتا چلا گیا۔

دمشق کا چور

اب ذرا واپس صحرا میں چل کر ناگ کی خبر لیتے ہیں۔

ناگ انگوٹھی کے نگینے میں قید ہے اور یہ انگوٹھی مادام گارشیا کی انگلی سے صحرا میں گری پڑی ہے۔ اِس صحرائی راستے سے بہت کم قافلے گذرتے تھے۔ صرف ایک معمولی سا رستہ تھا جس پر سے جرمن فوجی گاڑیاں گذرا کرتی تھیں۔ جنگ ختم ہونے کے بعد یہاں امریکیوں کا قبضہ ہوگیا اور اب وہ بھی اپنا سامان اُٹھا کر واپس چلے گئے اور یہ جگہ اُجاڑ ہو کر رہ گئی۔ انگوٹھی صحرا میں پڑی رہی اور اُس کے اُوپر ریت گرتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ ایک ریت کے چھوٹے سے ٹیلے میں دب گئی۔

دو مہینے گذر گئے تھے۔ عنبر اس وقت سائبیریا کے برف پوش میدانوں میں خلائی سٹیشن کی طرف جا رہا تھا اور ماریا اپنے ساتھی بوڑھے انجنیئر کے ساتھ بحری جہاز میں سوار جاپان کے سمندر کی

طرف بڑھ رہی تھی کہ اتفاق سے ایک غریب مصری مسافروں کا قافلہ گدھوں اور اونٹوں پر سوار صحرا میں سے گذرا۔ جس وقت وہ ناگ کی انگوٹھی والے ٹیلے کے پاس پہنچا تو اچانک ریت کا طوفان چلنے لگا۔ صحرا میں اندھیرا چھا گیا۔ قافلہ رُک گیا۔ اُونٹ بیٹھ گئے اور مسافروں نے اُونٹوں کی آڑ بنا کر کمبل اُوپر کر لیے اور طوفان رُکنے کا انتظار کرنے لگے۔

اس قافلے میں مصر کے ایک غریب خاندان کا نوجوان لڑکا احمد بھی شامل تھا۔ اس کے ماں باپ کو مصر کے ایک ظالم جاگیردار نے قید میں ڈال رکھا تھا کیونکہ اُن کے پاس اپنی زمین چھڑوانے کو روپے نہیں تھے۔ احمد سے اپنے ماں باپ کا دُکھ نہ دیکھا گیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ مین جاکر محنت مزدوری کرے گا اور اپنے ماں باپ کی وہ رقم ادا کرکے جو انہوں نے جاگیردار سے قرض لی تھی اپنے ماں باپ کو قید سے نجات دلائے گا۔

قافلے والوں نے احمد کو اس شرط پر اپنے ساتھ شامل کرلیا تھا کہ راستے میں وہ ان سب کی خدمت کرے گا اور اونٹوں کو چارہ بھی کاٹ کر ڈالے گا۔ احمد کی عمر سولہ سترہ سال تھی۔ وہ بڑا شریف اور کم بولنے والا بھولا بھالا نوجوان تھا۔ اس وقت قافلے والوں کے ساتھ وہ بھی کمبل سر کے اوپر ڈالے صحرا کی

طوفانی ریت سے بچنے کے لیے اُونٹ کی اوٹ میں بیٹھا تھا۔

طوفان تھما تو قافلے کے مالک نے احمد سے کہا۔

"تم نمک حرام ہو۔ جلدی سے اُٹھو اور سارے اونٹوں کے کجاوے صاف کرو اور سامان پر سے ریت جھاڑ دو۔"

"بہتر حضور"

اتنا کہہ کر احمد بے چارہ اُٹھا اور کام میں لگ گیا۔ ذرا اس نے سستانے کے لیے ٹیک لگائی ہی تھی کہ قافلے کے مالک نے اُسے زور سے ہنٹر مارا اور وہ تڑپ اُٹھا۔

"حرام خور! کام تیرا باپ کرے گا"

احمد کو اپنے غریب اور محبت کرنے والے ماں باپ یاد آگئے۔ اس کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔ قافلے کے ظالم مالک نے احمد کو روتے دیکھ کر غصے میں آکر اور زیادہ پیٹنا شروع کر دیا۔ احمد نے ہاتھ جوڑے کہ مجھے مت مارو مگر مالک کو ذرا بھی ترس نہ آیا۔ اُس نے احمد کو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہوگیا۔ قافلہ آگے جانے کی تیاری کر چکا تھا۔ مالک نے بے ہوش احمد کو وہیں صحرا میں پھینکا اور آگے بڑھ گیا۔

قافلہ دُور نکل گیا تو گرمی کی وجہ سے احمد کو ہوش آگیا۔ اس نے دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے اور وہ صحرا میں بھوکا پیاسا اکیلا رہ گیا ہے۔ قافلے کا مالک اُسے صاف موت کے حوالے

کرگیا تھا۔ کیونکہ تپتے صحرا میں ایک عام انسان دو دن سے
بھی زیادہ نہیں کاٹ سکتا۔ بھوک اور پیاس بہت جلد اسے
اپنا لقمہ بنا لیتی ہے۔ احمد کو سخت پیاس لگ رہی تھی اور
اس کا سارا جسم دُکھ رہا تھا۔ دُھوپ اُس کے سر پر چمک رہی
تھی۔ گرمی سے اُس کا جسم نڈھال ہو رہا تھا۔ اُس کو اپنے
غریب مصیبت زدہ ماں باپ یاد آگئے اور اس کی آنکھوں
میں آنسُو بھر آئے۔ اُس نے وہیں ریت پر خدا کے آگے
سجدہ کر دیا اور رو رو کر کہا۔

"اے ربّ العالمین! تُو نے ہمیشہ غریبوں کو اور دُکھی
انسانوں کو سہارا دیا ہے۔ ظالم قافلے والے نے مجھے مارنے
کے بعد بے سہارا کر کے موت کے حوالے کر دیا ہے۔ تُو اپنی
رحمت سے میری مدد کر اور مجھے اس مصیبت سے نجات
دے۔ مَیں تیرا گنہگار بندہ ہوں۔ اپنے حبیبؐ کے صدقے
مجھ پر رحم فرما۔"

دُعا مانگتے ہوئے احمد کی آنکھوں سے زار و قطار آنسُو
گرتے رہے۔ پھر اُس کے آنسُو بھی خشک ہو گئے۔ اُس
نے سجدے سے سر اُٹھایا تو اسے یوں محسوس ہُوا جیسے اُس
کے سر سے ایک بہت بھاری بوجھ اُتر گیا ہے۔ جیسے خدا
نے اُس کی فریاد سُن لی ہے۔ وہ اُٹھا اور اُس نے چلنا

اس چھوٹے سے
شروع کر دیا۔ کمزوری کی وجہ سے وہ جب
ٹیلے کے پاس پہنچا جس کے اندر ناگ والی انگوٹھی دفن تھی تو
وہ گر پڑا۔ تھوڑی دیر بعد اس کو یوں محسوس ہُوا کہ اُس کے
حلق میں کانٹے پڑ گئے ہیں اور اگر اُسے تھوڑی دیر اور پانی
نہ ملا تو وہ تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔
اس نے ریت کو ذرا سا کھودا تو اسے نمی محسوس ہوئی۔
جیسے نیچے پانی ہو۔ احمد نے جلدی جلدی ٹیلے کو کھودنا شروع
کر دیا۔ نیچے سے پانی تو نہ نکلا لیکن ایک انگوٹھی نکل آئی۔
احمد نے انگوٹھی کو غور سے دیکھا۔ اُس کا نگینہ چمک رہا تھا۔ احمد
نے انگوٹھی ہاتھ میں پکڑی اور روتے ہوئے کہا۔
"یہ انگوٹھی اگر سونے کی بھی ہو تو مجھے کیا؟ یہ میرے لیے
پانی کا ایک قطرہ بھی پیدا نہیں کر سکتی۔"
احمد نے غصّے میں آکر زور سے انگوٹھی کو ریت پر پھینکا۔ ایسا کرنے
سے انگوٹھی ریت سے رگڑ کھا گئی۔ رگڑ کھاتے ہی ناگ ایک سانپ
کے رُوپ میں اُس کے سامنے آگیا۔ صحرا کی دھوپ میں اپنے
سامنے ایک سیاہ کالے ناگ کو پھن لہراتے دیکھ کر احمد بیچارے
کو پسینہ آگیا۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ سمجھ گیا کہ بس اب موت آگئی۔
اُس نے دل میں اپنے ماں باپ کو یاد کیا اور آنکھیں بھر آئیں۔
اتنے میں اُسے آواز آئی جیسے سانپ کہہ رہا تھا۔

"کیا حکم ہے میرے مالک؟"

احمد اُسے بُت بنا تکتا رہا۔ جیسے اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ایک سانپ بھی بول سکتا ہے۔ ناگ نے پھر کہا۔

"حیران ہونے کی ضرورت نہیں احمد میاں! مَیں ناگ ہوں۔ سانپوں کا دیوتا ناگ اور اس انگوٹھی میں قید کر دیا گیا ہوں۔ مَیں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں۔ بتاؤ تمہیں کیا چاہیئے؟"

اب احمد کو وہ پُرانی کہانیاں یاد آگئیں جو اُسے اُس کی والدہ سُنایا کرتی تھی اور جس میں الٰہ دین اپنے چراغ کو رگڑتا تھا تو جن سامنے آجاتا تھا۔ اب احمد ذرا سنبھلا اور اپنے آنسُو پونچھ کر بولا۔

"تم میری کیا مدد کر سکتے ہو؟"
ناگ نے کہا۔

"تم جو کہو گے مَیں اُسے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔"
احمد نے کہا۔

"سب سے پہلے تو مجھے ٹھنڈا میٹھا پانی پلاؤ۔ پیاس سے میری جان نکلی جا رہی ہے۔"

ناگ نے اسی وقت ایک چاندی کی صراحی لا کر رکھ دی جس میں ٹھنڈا برف لگا میٹھا شربت تھا جس میں سے الائچی کی مہک آ رہی تھی۔ احمد نے جی بھر کر شربت پیا۔ اُس کی جان میں جان

آئی تو اس سے ناگ نے پوچھا۔

"مجھے تم سے ہمدردی ہو گئی ہے۔ تم کون ہو؟ اور یہاں کس طرح سے پھنس گئے۔ ویسے مَیں تمہارا شکر گزار بھی ہوں کہ تم نے مجھے ریت کے نیچے سے نکالا۔ اگر تم نہ آتے تو شاید مَیں اس جگہ مدت تک دفن رہتا۔"

احمد نے ناگ کو اپنی ساری دُکھ بھری کہانی سُنائی۔ ناگ کو اس قافلے کے مالک پر سخت غصّہ آیا جس نے ایک غریب معصوم بچے کو اتنی بے دردی سے مار کر صحرا میں موت کے حوالے کر دیا تھا۔ ناگ نے کہا۔ تم اِسی جگہ ٹھہرو۔ مَیں ذرا اِس ظالم قافلے کے مالک کی خبر لے کر ابھی واپس آتا ہوں۔ اتنا کہہ کر ناگ غائب ہو گیا۔ وہ اس جگہ پہنچ گیا جہاں قافلہ سفر کر رہا تھا۔

قافلے کا مالک بڑے مزے سے اُونٹ پر بیٹھا سیب کھاتا ہُوا گنگناتا ہُوا اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرتا چلا جا رہا تھا کہ اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے ایک کالا سانپ آگیا۔ موٹے مالک کے ہاتھ سے سیب نیچے گر پڑا۔ اُس نے بندوق اُٹھائی اور گولی چلا کر سانپ کو ہلاک کرنے ہی لگا تھا کہ سانپ نے اُس کی گردن پر ڈس دیا۔ وہ ڈسنے کے ساتھ ہی لڑکھڑایا اور تپتی ریت پر گر کر اپنے انجام کو پہنچا۔ سچ ہے ظالم کا انجام ہمیشہ عبرت ناک ہوتا ہے۔

یہاں سے ناگ واپس احمد کے پاس آگیا اور بولا۔

"میں نے تمہارے ظلم کا بدلہ لے لیا ہے۔ اب بتاؤ۔ میں تمہارے لیے کیا کیا کر سکتا ہوں؟"

احمد نے کہا۔

"مجھے بھوک بھی لگی ہے اور گرمی بھی بہت لگ رہی ہے۔ کوئی ایسا انتظام کرو کہ میں اس بھوک اور گرمی سے نجات حاصل کر سکوں۔"

ناگ نے کہا۔

"تمہارے لیے انشاء اللہ سب کچھ کروں گا۔"

ناگ نے زور سے پھنکار ماری اور اس کے ساتھ ہی صحرا میں ایک ٹرک آن کھڑا ہوا جس کی چھت بھی تھی۔ احمد ٹرک کو دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔

ناگ نے کہا۔

"دیکھو احمد! آج سے تم میرے چھوٹے بھائی ہو لیکن یاد رکھو میری باتوں پر حیران کبھی نہ ہوا کرو۔ میں تو ایسی ہی باتیں کیا کروں گا۔ پھر تم کب تک حیران ہوتے رہو گے؟ اب اس ٹرک پر سوار ہو جاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ تم ٹرک چلانا جانتے ہو۔"

احمد ٹرک پر سوار ہو گیا۔ ناگ بھی سانپ کی شکل میں

اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اس ٹرک میں کھانے کا ایک خوان بھی پڑا تھا جس میں بڑے لذیذ کھانے رکھے تھے۔ احمد نے کھانا مزے سے کھایا اور ٹرک چلا کر صحرا میں ایک طرف روانہ ہو گیا۔

سانپ نے کہا۔

"سنو احمد! اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ مجھے اس انگوٹھی کے نگینے سے آزاد کر دو۔ پھر میں سانپ کی شکل سے انسان کی شکل میں آ جاؤں گا اور تمہارا دوست بن کر تمہارے ساتھ سفر کروں گا۔ اور تمہاری مدد بھی کرتا رہوں گا۔"

احمد نے کہا۔

"میرے دوست! تم جیسا کہتے ہو میں ویسا ہی کرتا ہوں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ میں تمہیں اس انگوٹھی کی قید سے کیوں کر رہائی دلا سکتا ہوں۔"

سانپ بولا۔

"اس انگوٹھی کے نگینے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ریت پر پھینک دو۔ پھر میں اس کے جادو سے آزاد ہو جاؤں گا۔ اور تمہارے ساتھ ایک دوست بن کر سفر کروں گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی میرے دوست!"

احمد نے انگوٹھی میں سے نگینہ نکالا۔ اُسے ٹرک پر رکھا اور ایک ہتھوڑی لے کر اُسے کوٹ کوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے

کر دیا اور پھر اُسے صحرا میں پھینک دیا۔ انگوٹھی کے ختم ہوتے ہی سانپ ایکدم سے انسان کی شکل میں آگیا اور احمد نے دیکھا کہ اس کی ساتھ والی سیٹ پر ایک خوش شکل نوجوان بیٹھا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا ہے۔ اُس کی آنکھیں سُرخ تھیں اور وہ اپنی پلکیں نہیں جھپک رہا تھا۔ ناگ نے احمد سے ہاتھ ملا کر کہا۔

"احمد! میرا نام ناگ ہے۔ مَیں تمہارا احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا کہ تم نے مجھے اُس خبیث مداری کے جادو سے نجات دلائی تھی۔ اگر تم انگوٹھی کے نگینے کو تباہ نہ کرتے تو نہ جانے ابھی کتنے دن اور مَیں اسی قید میں زندگی بسر کرتا اور اپنی بہن ماریا اور بھائی عنبر سے شاید پھر کبھی نہ مل سکتا۔"

احمد نے پوچھا۔

"کیا تمہارے بہن بھائی بھی ہیں؟"

ناگ بولا۔

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ تمہیں پھر کبھی سُناؤں گا۔ اب ایسا کرو کہ ٹرک کی سپیڈ زیادہ کر دو۔"

احمد نے سپیڈ اسی میل تک کر دی مگر ریت کی وجہ سے گاڑی مشکل سے چالیس میل فی گھنٹہ تک چل رہی تھی۔ احمد نے کہا۔

"ناگ بھائی! ہم کدھر کو جا رہے ہیں؟"

ناگ نے کہا۔

"اس وقت ہم شہرالموت جا رہے ہیں۔ وہاں سے ہم ایک بس میں بیٹھ کر خا آئیں گے۔ جہاں ایک ہوائی اڈہ ہے اور ایک چھوٹا ہوائی جہاز ہمیں دمشق پہنچا دے گا۔ دمشق سے ہم تمہارے وطن مصر پہنچیں گے۔"

احمد نے کہا۔

"مگر احمد بھائی ہمارے پاس تو پھوٹی کوڑی نہیں ہے پھر ہم کرایہ کہاں سے لائیں گے؟"

ناگ مسکرایا اور اُس نے ایک تھیلی نکال کر احمد کو دی۔ احمد نے تھیلی کھول کر دیکھا تو اس میں ڈالر ہی ڈالر تھے۔

"یہ کتنے ڈالر ہیں ناگ بھائی؟"

"یہ پانچ ہزار ڈالر ہیں۔ اگر زیادہ کی ضرورت پڑی تو زیادہ بھی آجائیں گے۔"

"مگر یہ کہاں سے آئے ہیں؟" احمد نے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

"تم آم کھانا چاہتے ہو یا پیڑ گننا چاہتے ہو؟ اپنے کام سے کام رکھو۔ یہ میرا کام ہے تم بالکل فکر نہ کرو۔"

گاڑی رات کو شہرالموت پہنچ گئی۔ انہوں نے ٹرک صحرا

سے باہر ہی چھوڑ دیا۔

"اس ٹرک کا کیا بنے گا ناگ بھائی؟"

ناگ ہنسا۔

"تم نے پھر پیڑ گننے والی بات کی ہے۔ فکر نہ کرو۔ اس ٹرک کو کچھ نہیں ہوتا۔ جس کا جی چاہے گا اسے لے جائے گا۔ اب یہ ساری انسانی قوم کی ملکیت ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔ ہم بسوں کے اڈے پر چلتے ہیں۔ وہاں ساری رات بسیں خا شہر کے لیے چلتی رہتی ہیں۔"

احمد مسکرایا اور ناگ کے ساتھ چل پڑا۔ دونوں شہر میں بسوں کے اڈے پر پہنچ گئے۔ اڈے پر زیادہ رش نہیں تھا۔ ایک بس خا شہر کو جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ اس میں بہت تھوڑے مسافر بیٹھے تھے۔ ناگ نے ڈالر کا نوٹ دے کر ٹکٹ لیا تو کونے میں بیٹھا ہوا ایک مسافر انہیں غور سے تکنے لگا۔ کیونکہ وہاں ڈالر بہت کم لوگوں کے پاس دیکھنے میں آتے تھے۔ ناگ اور احمد نے اس آدمی کو نہ دیکھا۔ اصل میں یہ آدمی شہر دمشق کا ایک بہت بڑا چور تھا اور چوری کرتے ہوئے کئی لوگوں کو قتل بھی کر چکا تھا۔

بس روانہ ہو گئی۔ ڈالروں کی تھیلی احمد نے اپنے پاس رکھی ہوئی تھی۔ دونوں سفر کے تھکے ہوئے تھے۔ بس آرام دہ تھی۔

رات کا وقت تھا۔ صحرا کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دونوں اونگھتے اونگھتے سو گئے۔ ساری رات بس صحرا میں سفر کرتی رہی۔ دوسرے روز بس دمشق کے شہر میں جا پہنچی۔ ناگ اور احمد نے اُتر کر ایک ٹیکسی لی اور سیدھا ہوائی اڈے کا رُخ کیا۔ وہ دمشق کا چور بھی پیچھا کر رہا تھا۔

اس نے بھی ایک ٹیکسی کرائے پر لی اور ناگ کا پیچھا شروع کر دیا۔ ہوائی اڈے پر دمشق جانے والا طیارہ رن وے پر کھڑا تھا۔ ابھی اُس کے اُڑنے میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ یہ ایک دو انجنوں والا فوکر جہاز تھا۔ ناگ نے دو ٹکٹ لیے اور جہاز میں آکر بیٹھ گئے۔ دمشق کا چور بھی ٹکٹ لے کر ان کی سیٹ کے پیچھے والی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔

جہاز مصر کے شہر قاہرہ کی طرف اُڑنے لگا۔ آسمان صاف تھا۔ موسم خوشگوار تھا اور دھوپ چمک رہی تھی۔ ناگ اور احمد خاموش بیٹھے نیچے دیکھتے رہے۔ ان کے پیچھے دمشق کا چور برابر ان کی ایک ایک حرکت کو تک رہا تھا۔ قاہرہ پہنچ کر ناگ نے کہا۔

"سب سے پہلے تو ہم کسی اعلیٰ دکان پر چل کر لباس خرید کر پہنتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے لباس میں ہمیں کوئی زیادہ سے زیادہ چور ہی سمجھے گا۔"

"ٹھیک ہے ناگ! مگر مجھے یہاں سے میرے ماں باپ کی مہک آنے لگی ہے۔ وہ یہاں سے ڈیڑھ سو میل دُور ایک گاؤں میں جاگیردار کی قید میں ظلم و ستم کے دن گذار رہے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ ہم کپڑے پہن کر یہاں آج کی رات بسر کریں گے اور کل صبح اپنی نئی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"

شہر کی ایک بڑی دکان میں جاکر انہوں نے نیا لباس خرید کر پہنا اور پھر ایک ہوٹل میں آکر کمرہ کرائے پر لے لیا۔

ناگ نے کہا۔

"احمد بھائی! تم اِس کمرے میں رہو۔ میں ذرا بازار سے ہو کر ابھی آتا ہوں۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کہیں میری بہن ماریا اور بھائی عنبر تو اس شہر میں نہیں ہیں۔"

احمد نے کہا۔

"تم اتنے بڑے شہر میں انہیں کیسے تلاش کرتے پھرو گے؟"

ناگ بولا۔

"میں شہر کے سب سے بڑے چوک میں جاکر کھڑا ہو جاؤں گا اور اپنے بہن بھائیوں کی خوشبو لینے کی کوشش کروں گا۔ اگر وہ اس شہر میں ہوئے تو مجھے ان کی خوشبو آجائے گی۔"

احمد نے کہا۔

"جلدی آجانا بھائی ناگ! میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔"

یہ کہہ کر ناگ چلا گیا۔ ناگ نے غلطی کی تھی۔ اُسے نہیں جانا چاہئے تھا۔ کیونکہ دمشق کا چور تو ان دونوں کا پیچھا کر رہا تھا۔ اور وہ اِس ہوٹل تک بھی پہنچ گیا تھا۔ وہ ساتھ والے کمرے میں ٹھہرا ہُوا تھا۔ جونہی ناگ گیا۔ چور نے دیکھا کہ میدان خالی ہے اور احمد جو کہ ایک معصوم لڑکا تھا، تنہا رہ گیا تھا۔ چور نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ احمد نے پوچھا۔

"کون ہے؟"

چور نے کہا۔

"میرا نام عنبر ہے۔ میں اپنے بھائی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

اصل میں اس چور نے ناگ کی اتنی بات سُن لی تھی کہ وہ اپنے بھائی عنبر اور بہن ماریا کی تلاش میں ہے۔ احمد نے عنبر کا نام سُنا تو جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ اس کے سامنے ایک خطرناک شکل و صورت والا آدمی کھڑا تھا۔

"کیا آپ... آپ کا نام عنبر ہے؟"

چور ہنسا تو اس کے ٹوٹے ہوئے کالے کالے دانت

نظر آنے لگے۔

"ہاں۔ میں عنبر ہوں۔"

"اندر آ جاؤ۔"

چور نے دروازہ بند کر کے کُنڈی چڑھا دی۔ اور احمد کی طرف گھُور کر دیکھا۔ احمد گھبرا کر پیچھے ہٹا۔

"کہاں جا رہے ہو برخوردار؟ کیا مجھے کچھ کافی وغیرہ نہ پلاؤ گے؟"

احمد نے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ مگر ناگ باہر گیا ہے۔ میرا مطلب ہے آپ کا بھائی باہر گیا ہے۔ وہ بہت جلد آ جائے گا۔ کہتا تھا میں ابھی واپس آ جاؤں گا۔"

چور نے کہا۔

"مگر مجھے تو اس کے آنے سے پہلے پہلے اپنا کام ختم کر دینا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ —" اور چور نے پستول نکال لیا۔ احمد کی تو جان ہَوا ہو گئی۔

"ڈالروں کی تھیلی میرے حوالے کر دو اور یہ بتاؤ کہ تم لوگ کہاں سے ڈالر لیتے ہو؟"

احمد نے کہا۔

"تم ڈالر لے لو۔ مگر مجھے نہیں معلوم کہ میرا بھائی کہاں سے یہ دولت لاتا ہے۔"

"تمہارا باپ بھی بتائے گا کہ یہ دولت کہاں سے آتی ہے۔"

اتنا کہہ کر اس چور نے پستول چلا دی۔ پستول میں سے گولی کی بجائے ایک سُوئی نکل کر احمد کے بازو میں جا لگی۔ اس کے لگتے ہی احمد بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ چور نے اسی وقت احمد کو کندھے پر اُٹھایا اور ساتھ والے کمرے میں لے گیا۔ وہاں اس نے بے ہوش احمد کو ایک بوری میں بند کر کے صندوق میں ڈالا اور فون پر نوکر کو بُلا کر کہا۔

"میرا سامان نیچے ٹیکسی میں رکھ دو۔ میں جا رہا ہوں۔ یہ لو تمہارا انعام۔"

نوکر نے خوش ہو کر چور کا صندوق اٹھایا اور نیچے جا کر ایک ٹیکسی میں رکھوا دیا۔ چور ٹیکسی لے کر قاہرہ شہر کے جنوبی گنجان علاقے میں آ گیا۔ یہاں اس نے ٹیکسی چھوڑ دی اور ایک مزدور کے سر پر صندوق اُٹھوا کر ایک تالاب کے کنارے اپنے گھر میں لے آیا۔

"یہ لو تمہارا انعام۔"

اس نے مزدور کو ایک روپیہ دیا۔ مزدور خوش ہو کر چلا گیا۔
اس پُراسرار گھر میں چور صندوق کو پچھلی کوٹھڑی میں
لے گیا۔ وہاں اس نے صندوق کو کھول کر احمد کو باہر نکالا اور
اس کے پاؤں میں لوہے کی زنجیر ڈال کر اُسے زمین پر لٹا دیا
احمد ابھی تک بے ہوش تھا۔

ادھر ناگ جب واپس آیا تو دیکھا کہ دروازہ کھُلا ہے
اور احمد غائب ہے۔ بڑا حیران ہُوا کہ میں نے تو اُسے یہاں
انتظار کرنے کو کہا تھا پھر وہ کہاں چلا گیا؟ ہوٹل والوں سے
پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تو کوئی خبر نہیں ہے۔ ناگ پریشان
ہو گیا۔ دل میں خیال آیا کہیں کسی شخص نے احمد کے ساتھ دشمنی
نہ کی ہو۔ کیونکہ اس کے ماں باپ جاگیردار کے ہاں قید تھے۔
معلوم ہُوا کہ وہ تھیلی بھی احمد کے ساتھ ہی ہے جس میں ڈالر
تھے۔ کہیں کسی نے چوری کے خیال سے احمد کو اغوا تو نہیں
کر لیا؟۔

اب ناگ کو بہت فکر ہُوا۔ اُس نے ہوٹل کے ایک ملازم سے
پوچھا کہ ابھی ابھی کوئی مسافر یہاں سے ہوٹل چھوڑ کر تو نہیں
گیا؟ اس نے کہا۔

"کوئی گھنٹہ بھر ہُوا ایک مسافر کمرہ چھوڑ کر چلا گیا تھا!"
"اس کے پاس کوئی سامان بھی تھا؟"

"ہاں۔ ایک صندوق تھا۔ میرا ساتھی وہ صندوق اٹھا کر
ٹیکسی تک لایا گیا تھا۔"
"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟ کیا تم مجھے اُس سے ملوا سکتے ہو؟"
"ابھی ملوائے دیتا ہوں۔"
ناگ نے اس آدمی سے مل کر پوچھا کہ صندوق کس قسم کا تھا؟
تو اس نے کہا۔
"صندوق ویسا ہی تھا جیسے ہُوا کرتے ہیں۔"
ناگ نے پوچھا۔
"تم کو اس میں کوئی خاص شے نظر آئی تھی کیا؟"
وہ کچھ سوچ کر بولا۔
"کوئی خاص چیز نظر نہیں آئی تھی۔ ہاں ایک بات مجھے ضرور
عجیب لگی تھی۔"
"وہ کیا؟" ناگ نے بے چینی سے کہا۔
"وہ یہ کہ وہ زیادہ ہی بھاری تھا۔ میں نے اُس کے مالک
سے پوچھا بھی تھا کہ اس میں کیا ہے جو یہ اتنا بھاری ہے۔
کیونکہ اس قسم کے صندوقوں میں عام طور پر کپڑے ہوتے ہیں
اور وہ اتنے بھاری نہیں ہُوا کرتے۔"
ناگ نے جلدی سے پوچھا۔
"تو اُس نے کیا کہا تھا؟"

"اُس نے کہا تھا کہ اس میں گرم کپڑے ہیں۔ مگر جناب مجھے یقین ہے کہ اس میں گرم کپڑے نہیں تھے۔ مجھے ساری عمر گذر گئی ہے لوگوں کا سامان اُٹھاتے ہوئے۔ مَیں نے اس قسم کا صندوق اتنا بھاری کبھی نہیں دیکھا۔"

ناگ نے کہا۔

"اس آدمی کا حُلیہ کیا تھا؟"

"بڑا عجیب تھا۔ میلے میلے کالے دانت تھے۔ لمبی طوطے کی چونچ ایسی کالی ناک تھی۔ سر پر لال ٹوپی تھی۔ آنکھیں خوفناک تھیں۔"

اچانک ناگ کو خیال آیا کہ اس حُلیے کا آدمی اُس نے ہوائی جہاز میں بھی دیکھا تھا۔ اور ہاں — یہ آدمی بس میں بھی بیٹھ کر اُس کے ساتھ شہرِ الموت تک آیا تھا۔ تو کیا اس شخص نے دولت کے لالچ میں آکر احمد کو اغواء تو نہیں کر لیا؟ مگر دولت احمد سے چھین کر وہ اُسے چھوڑ سکتا تھا؟ اُس نے احمد کو اغواء کیوں کیا؟ ناگ نے اُس آدمی سے پوچھا۔

"کیا تمہیں اُس ٹیکسی کا نمبر یاد ہے جس میں یہ آدمی سوار ہُوا تھا؟"

"نمبر تو مَیں نے نہیں دیکھا مگر اتنا یاد ہے کہ اِس ٹیکسی کے شیشے پر مور کا پَر لگا تھا جو یہاں قاہرہ میں کسی ٹیکسی پر نہیں

دیکھا۔"

ناگ اسی وقت شہر میں نکل گیا اور سیدھا ٹیکسی والوں کے اڈے پر آگیا۔ اُس نے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ وہ اس ٹیکسی کی تلاش میں تھا جس کے شیشے پر مور کا پَر لگا ہو۔ وہاں کتنی ہی ٹیکسیاں کھڑی تھیں مگر مور کا پَر کسی ٹیکسی پر نہیں تھا۔ آخر ایک ڈرائیور نے ناگ کو بتایا۔

"جناب شہر کے دوسرے اڈے پر جائیں۔ میرا خیال ہے اقبال نامی ایک ٹیکسی ڈرائیور کو پوچھیں۔ وہ شوقین مزاج ڈرائیور ہے ضرور اسی نے ٹیکسی پر مور کا پَر لگایا ہوگا۔"

ناگ وہاں سے شہر کے دوسرے اڈے پر آگیا۔ یہاں بھی ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ ناگ نے ڈرائیوروں سے مور کے پنکھ والی ٹیکسی کے بارے میں پوچھا۔ ایک بوڑھے ڈرائیور نے کہا۔

"مور کے پَر والی ٹیکسی کے ڈرائیور کا نام عامر ہے وہ ابھی آجائے گا۔ آپ یہاں بیٹھیں۔"

ناگ ایک کُرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک ٹیکسی سٹینڈ میں داخل ہوئی جس کے شیشے پر مور کا پنکھ لگا تھا۔ ناگ اُس کے ڈرائیور سے جا کر ملا۔ اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد اُس سے پوچھا کہ وہ ہوٹل سے صبح جو صندوق والی سواری لے کر گیا تھا وہ کہاں جا کر اُتری تھی؟

ڈرائیور نے کہا۔

"صندوق والی سواری شہر کے جنوبی گنجان علاقے میں اُتری
تھی۔ آپ چلیں گے وہاں؟"

"ہاں۔ مجھے لے چلو۔"

ڈرائیور ہنسا۔

"جناب اس کے دام لگیں گے؟"

"یہ لو۔"

ناگ نے جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر کہا۔

"آئیے میرے ساتھ۔"

ڈرائیور ناگ کو ٹیکسی میں بٹھا کر سیدھا اس گلی کی نکڑ
لے گیا جہاں اُس نے دمشق کے چور کو صندوق کے ساتھ
اُتارا تھا۔

"یہاں اُترا تھا وہ شخص۔ صندوق اُس نے ایک مزدور
کے سر پر اُٹھوایا تھا۔"

اتنا کہہ کر ڈرائیور ٹیکسی لے کر چلا گیا۔ ناگ وہاں اکیلا
گیا۔ کچھ لوگ اپنی دکانوں اور عورتیں اپنے مکان کی کھڑکیوں
سے ناگ کو دیکھنے لگیں۔ ناگ گلی میں داخل ہو گیا۔ یہ گلی آگے
جا کر ایک تالاب کے کنارے نکل گئی جہاں کھجوروں کے چند
درخت اُگے تھے۔ ناگ نے ایک دکاندار کو چور کا حلیہ بتا کر

پوچھا تو اس نے ایک مکان کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ سامنے والے مکان میں اس قسم کا آدمی کبھی کبھی آیا
کرتا ہے۔"

ناگ نے اُس آدمی کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بتائے ہوئے
مکان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ مگر دمشق کا چور اتنا احمق
نہیں تھا کہ وہاں ناگ کے انتظار میں بیٹھا رہتا۔ وہ احمد کو لے
کر وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ ناگ نے مکان کے اندر جا کر دیکھا
کہ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اُس کی ساری محنت ضائع گئی تھی۔
اب تو ناگ کو بھی اُلجھن ہونے لگی کہ یہ شخص احمد کو کہاں
لے گیا ہو گا۔ خالی مکان میں اُسے وہ صندوق بھی مل گیا جس
میں بند کر کے وہ احمد کو ساتھ لایا تھا۔ جاتی دفعہ وہ صندوق وہیں
چھوڑ گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ احمد کو کسی اور طریقے سے
وہاں سے لے گیا تھا۔ ناگ نے صندوق کو غور سے دیکھا۔ اس کے
اندر اسے وہ خالی تھیلی مل گئی جس میں ناگ نے ڈالر رکھ کر
احمد کو دیئے تھے۔ ناگ نے تھیلی کو غور سے دیکھا اور ایک دم سے
سانپ بن کر اُسے سُونگھا۔ اُس میں سے احمد کی بُو آ رہی تھی
ناگ سانپ بن کر اس بُو کے سراغ میں جا سکتا تھا۔ مصیبت
یہ تھی کہ اگر سانپ بن کر جاتا ہے تو راستے میں لوگ اُس پر
حملہ کر کے اُسے ہلاک کر دیں گے۔ اگر سانپ بن کر نہیں جاتا تو

احمد کا سُراغ نہیں لگا سکتا۔ ناگ نے فیصلہ کیا کہ وہ اندھیرا ہونے پر وہاں سے جائے گا۔ وہ مکان کی چھت پر چڑھ کر ایک کونے میں بیٹھ گیا اور شام پڑنے کا انتظار کرنے لگا۔ خدا خدا کر کے شام کا اندھیرا پھیل گیا۔ ناگ نے سانپ کا روپ اختیار کیا اور مکان سے باہر نکل کر گلی میں آ گیا۔

گلی میں کوئی بھی نہیں تھا۔ اُسے احمد کی بُو برابر آ رہی تھی جس طرف اُسے بُو لے جا رہی تھی وہ اُدھر ہی کو جا رہا تھا۔ یہ بُو اُسے شہر سے باہر ایک ایسے راستے پر لے گئی جو ویران تھا اور صحرا کی طرف جاتا تھا۔ سانپ ریت پر رینگ رینگ کر چل رہا تھا۔ اب رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تھا اور آسمان سے ستارے نکل آئے تھے۔ ناگ ریت پر چلتا گیا۔ کافی دُور جانے کے بعد اس نے ایک جگہ کھڑے ہو کر اسی دو شاخوں والی زبان نکال کر سُونگھا۔ احمد کی بُو مغرب کی طرف سے آ رہی تھی۔

سانپ نے اُدھر کو چلنا شروع کر دیا۔

آگے جا کر سامنے ایک اہرام آ گیا۔ یہاں سے احمد کی بُو بڑی تیز آ رہی تھی۔ سانپ نے ناگ کی شکل اختیار کر لی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ جگہ کونسی ہے۔ انسان کی شکل میں آتے ہی احمد کی بُو ختم ہو گئی۔ لیکن ناگ کو علم تھا کہ احمد اسی جگہ

کہیں پر ہے۔ اس نے دیکھا کہ اہرام بہت خستہ اور کھنڈر بنا ہوا تھا۔ اس کے ٹکونے پتھروں پر کہیں کہیں کھجوروں کی سوکھی شاخیں اوپر کو اُٹھی ہوئی رات کے اندھیرے میں بھی ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں نظر آ رہی تھیں۔

ناگ اہرام کے قریب چلا گیا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہاں کوئی دروازہ بھی ہے کہ نہیں؟ آخر اس نے چاروں طرف گھوم پھر کر معلوم کیا کہ ایک جگہ پتھروں کی پرانی دیوار ذرا سی ڈھے گئی ہے۔ ناگ نے اسی وقت پھر سے سانپ کا روپ بدلا اور اہرام کے شگاف میں سے اندر داخل ہو گیا۔ اب اُسے احمد کی بُو بڑی تیز آ رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھنا شروع کیا۔ بائیں جانب مُڑتے ہی اُسے ایک سیڑھی نظر آئی۔ سیڑھی بڑے بڑے پتھروں سے بنائی گئی تھی۔ اور مصر کے فرعون کے زمانے کی تھی۔

سانپ سیڑھیوں پر سے نیچے پھسلنے لگا۔ نیچے گہرا اندھیرا تھا۔ اُس نے رُک کر فضا میں بُو سونگھی۔ احمد کی بُو دائیں جانب سے آ رہی تھی۔ وہ اسی طرف کو گھوم گیا۔ اب اُس کے سامنے ایک دیوار تھی جس میں سے پتھر نکلے ہوئے تھے۔ سانپ نے اس سُوراخ میں سے دوسری طرف دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اونچی پتھروں کی چھت کا ایک کمرہ ہے

جس میں طاق میں ایک دھیما سا لیمپ جل رہا ہے۔ دیوار کے ساتھ احمد زنجیروں سے جکڑا فرش پر پڑا سو رہا ہے۔ اس کے قریب ہی ایک مٹی کا پیالہ پانی سے بھرا ہُوا پڑا ہے۔ سانپ پیالے کے قریب جا کر پیالے میں دیکھنے لگا۔ پیالے میں پانی تھا۔ احمد سو رہا تھا یا شاید بے ہوش تھا۔ ناگ نے اسی وقت انسان کا روپ بدلا اور احمد کے منہ پر پانی کا چھینٹا مارا۔ وہ جاگ پڑا۔ اُس نے اپنے سامنے ناگ کو دیکھا تو حیران بھی ہُوا اور خوش بھی ہُوا۔ پھر درد سے کراہ کر بولا۔

"خدا کے لیے مجھے ان زنجیروں سے رہائی دلاؤ۔ مَیں درد کے مارے مرا جا رہا ہوں۔"

ناگ نے اسی وقت احمد کی زنجیریں کھول دیں۔

"تمہیں یہاں کون لایا تھا؟"

احمد نے ساری کہانی سُنائی۔ ناگ سمجھ گیا کہ وہ ہی دمشق کا چور احمد کو اغوا کر کے لایا تھا۔ اس نے پوچھا۔

"اب وہ کہاں ہے؟"

"وہ یہیں اسی کھنڈر میں گیا ہے۔ ابھی آ جائے گا۔"

ناگ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"تو پھر مَیں تمہیں پھر زنجیریں ڈال دیتا ہوں۔ مَیں معلوم

[کر]نا چاہتا ہوں کہ وہ کیا کرے گا؟"

احمد نے کہا۔

"خدا کے لیے ایسا نہ کرو۔ وہ مجھے مار ڈالے گا۔"

ناگ ہنسا۔

"فکر نہ کرو۔ وہ ایسا نہ کر سکے گا۔ زندگی موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

ناگ نے احمد کے پاؤں اور ہاتھوں میں پھر سے زنجیریں ڈال دیں اور اس خیال سے باہر جانے لگا کہ وہ احمد کے سامنے سانپ کا روپ نہیں بدلنا چاہتا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ احمد ڈر جائے گا۔ جب وہ باہر نکلنے لگا تو احمد نے سہم کر کہا۔

"آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"فکر نہ کرو۔ مَیں ابھی آ جاؤں گا۔"

"خدا کے لیے جلدی آنا۔ نہیں تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔"

"تم گھبراؤ نہیں احمد! مَیں یہاں پر ہی ہوں کہیں باہر نہیں جا رہا۔"

ناگ باہر نکلا ہی تھا کہ وہ چور بھی آ گیا۔ اس نے آتے ہی احمد کی گردن پر پاؤں رکھ دیا اور بولا:

"کیا تم بتاؤ گے کہ نہیں؟"

"مجھے کچھ نہیں پتہ"

"بکواس مت کرو۔ جلدی بتاؤ کہ جس خزانے سے تم نے اتنے ڈالر اٹھائے تھے وہ خزانہ کہاں ہے؟"

احمد بولا۔

"مَیں قسم کھاتا ہوں کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔"

چور نے کہا۔

"ابھی تم بتاؤ گے۔"

اب احمد پریشان ہو رہا تھا کہ اس کا ساتھی ناگ کہاں چلا گیا ہے۔ چور نے جیب سے خنجر نکال لیا اور اسے پتھر پر تیز کرنے لگا۔ ایک خیال احمد کو یہ بھی آیا کہ وہ تو کھلا ہے۔ زنجیریں تو ویسے ہی باندھی گئی ہیں۔ پھر اُسے احمد کی بات یاد آگئی کہ بھاگنے کی ہرگز ہرگز کوشش نہ کرنا نہیں تو چور تم پر وار کر دے گا اور پھر مَیں تمہیں نہ بچا سکوں گا۔ مگر اس طرح بھی تو وہ اس پر وار کرنے والا تھا۔ اب ناگ کو آجانا چاہیے۔ چور نے خنجر تیز کر لیا تو احمد کے پاس آکر بیٹھ گیا اور بولا۔

"مَیں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ اگر تم نے خزانے کا پتہ نہ بتایا تو مَیں تمہیں قتل کر کے لاش اسی جگہ کیڑے مکوڑوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دوں گا۔"

احمد تھر تھر کانپنے لگا۔ بیچارے کو موت بالکل سامنے

نظر آرہی تھی۔ ناگ کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ لیکن اُسے نہیں معلوم تھا کہ ناگ سانپ کے روپ میں اندر داخل ہو چکا تھا۔

چور اور سانپ

سانپ رینگتا ہُوا چور کے پیچھے آ کر پھن اُٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ احمد نے چور کی گردن کے پیچھے سانپ کو دیکھا تو خوش ہو کر بولا۔

"ناگ! تم آ گئے۔"

اِس پر چور نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا تو پیچھے سانپ کو لہراتے ہوئے پایا۔ چور نے خنجر اس پر مارا۔ سانپ پرے ہٹ گیا۔ اب چور اور سانپ کی لڑائی شروع ہو گئی۔ احمد کو افسوس ہونے لگا کہ اس نے ناحق ناگ کو آواز دے دی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ اب وقت گذر گیا تھا۔ اس چھوٹے سے اہرام میں سانپ اور چور کی جنگ شروع ہو چکی تھی۔ چور نے جیب سے پستول نکال کر سانپ پر فائرنگ شروع کر دی۔ اب تو ناگ بھی گھبرایا کہ اس بدبخت کی ایک گولی بھی

اُسے لگ گئی تو اُس کا کام تمام ہو جائے گا۔ اور پھر یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں چور غصے یا انتقام میں آ کر احمد پر ہی گولیاں نہ چلا دے۔ ناگ کے دماغ نے سوچنا شروع کر دیا۔ اگر وہ کسی بڑے جانور یا درندے کی شکل میں بھی آ جائے تو پھر اُسے گولی لگ سکتی تھی اور وہ زخمی ہو سکتا تھا۔

سب سے اچھا طریقہ یہی تھا کہ وہ کسی طرح سے چور کے پستول کی ساری گولیاں خرچ کروا دے۔ پس سانپ نے اِدھر اُدھر پھرتی سے بھاگنا شروع کر دیا۔ چور برابر گولیاں چلا رہا تھا۔ سانپ نے اُسے اتنا موقع بھی نہ دیا کہ وہ احمد کی طرف منہ پھیر کر اُس پر گولی چلاتا۔ آخر چور نے ایک بار پستول چلائی تو ٹِک کی آواز کے بعد اس میں سے کوئی گولی نہ نکلی۔ پستول خالی ہو چکا تھا۔

اب سانپ نے حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔

چور کے ہاتھ میں خنجر اس وقت بھی موجود تھا۔ چور کو اگر پتہ چل جاتا کہ سانپ نہیں چاہتا کہ احمد کو ہلاک کیا جائے تو وہ ضرور احمد کی گردن پر خنجر رکھ کر کہتا۔

"خبردار! اگر تم نے مجھے ڈسنے کی کوشش کی تو میں اس لڑکے کو ہلاک کر دوں گا۔"

مگر اسے کیا معلوم تھا کہ یہ جو سانپ اس کے سامنے لہرا

رہا ہے۔ اصل میں انسان ہے اور احمد کا ساتھی ہے۔ اور اُس کی مدد کرنے کے لیے وہاں آیا ہے۔ چور نے تاک کر سانپ پر خنجر مارا۔ مگر خنجر سانپ کے اوپر سے گذر کر دیوار کے ساتھ جا ٹکرایا۔ اب چور بالکل نہتا تھا۔ سانپ نے تڑپ کر ایک چھلانگ لگائی اور چور کی گردن پر آگیا۔ چور تھر تھر لرزنے لگا۔ مگر اب سانپ اپنے دشمن کو مہلت نہ دینا چاہتا تھا اُس نے بڑی تیزی سے چور کی گردن پر ڈس دیا۔ اور خود نیچے اُتر گیا۔

ناگ کا زہر بھلا کون برداشت کر سکتا تھا؟ اِدھر ناگ نے چور کو کاٹا اُدھر وہ کھڑے کھڑے دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ اور ایڑیاں رگڑنے لگا۔ پھر اُس نے ایڑیاں رگڑنی بھی بند کر دیں اور اگلے جہان کو چلا گیا۔ سانپ اسی وقت انسان کی شکل میں واپس آگیا۔ اور احمد کی زنجیریں کھول کر بولا۔

"خدا کا شکر ہے کہ دشمن سے نجات ملی۔ اگر میں اسے نہ مارتا تو یہ ہم دونوں کو ہلاک کر دیتا۔"

احمد نے بھی خدا کا شکر ادا کیا۔ ناگ اُسے لے کر اہرام مصر کے کھنڈر سے باہر آگیا۔ اس نے احمد سے کہا۔

"اب کیا ارادہ ہے تمہارا؟"

وہ بولا "میں اپنے ماں باپ کو ظالم جاگیردار کی قید سے

رہائی دلانا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ چلو مجھے بتاؤ کہ جاگیردار کا گاؤں یہاں سے کتنی دُور ہے اور کس طرف ہے؟"

احمد اِس علاقے کا رہنے والا تھا۔ اُسے راستے معلوم تھے۔ وہ ان ہی جگہوں پر کھیل کود کر بڑا ہوا تھا۔ اُس نے کہا۔ "یہاں سے جاگیردار کا گاؤں چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ ہم پیدل نہیں جا سکتے۔ ہاں اگر شہر جائیں تو وہاں سے کوئی سواری مل سکتی ہے۔"

"تو چلو پھر شہر کی طرف چلو۔"

رات ڈھل رہی تھی کہ دونوں قاہرہ شہر میں آگئے۔ ایک اڈے پر انہیں ٹیکسی مل گئی۔ اس میں سوار ہو کر وہ جاگیردار کے گاؤں کے باہر پہنچ گئے۔ صبح ہو چکی تھی۔ دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ ٹیکسی کو پیسے دے کر رخصت کر دیا گیا۔ احمد نے گاؤں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ ہے اِس ظالم کا گاؤں۔"

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے ماں باپ کو اس شخص نے کس جگہ قید کر رکھا ہے؟"

"نہیں۔ مجھے یہ معلوم نہیں۔ مگر اتنا پتہ ہے کہ اِس قاتل نے اپنی حویلی کے نیچے ایک تہہ خانہ بنا رکھا ہے۔ اِس تہہ خانے

میں یہ اپنے بدترین دشمنوں کو قید میں ڈال دیتا ہے جہاں وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"اگر تم میرے ساتھ گئے تو وہ تمہیں بھی پکڑ لے گا۔ اس لیے تم کسی محفوظ جگہ پر ٹھہرو۔ میں خود جا کر پتہ کرتا ہوں۔ اور تمہارے ماں باپ کو چھڑا کر لاتا ہوں۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ تم اکیلے یہ کام کر لو گے؟"

"انشاءاللہ!"

"تو پھر آؤ میرے ساتھ۔ یہاں پہاڑیوں میں ایک محفوظ جگہ ہے۔ وہاں ہم بچپن میں ٹکن میٹی کھیلا کرتے تھے۔"

احمد نے ناگ کو ساتھ لیا اور خشک قسم کے ٹیلوں سے پیچھے آ گیا۔ یہاں ایک غار سا بنا ہوا تھا جس کا منہ صحرائی جھاڑیوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"تم اس غار میں جا کر چھپ جاؤ۔ اور میرا انتظار کرو۔ اگر مجھے دیر ہو گئی تو خبردار یہاں سے کہیں نہیں جانا۔ اور ہر حالت میں میرا انتظار کرنا۔"

احمد بولا۔

"میں انتظار کروں گا بھائی جان"

جب ناگ جانے لگا تو احمد نے کہا۔

"میرے ماں باپ کا رنگ سانولا اور بال کچھ کچھ سفید ہیں"

ناگ کہنے لگا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں یہ سب کچھ وہاں جا کر معلوم کر لوں گا۔"

ناگ غار سے باہر نکل رہا تھا کہ احمد نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"بھائی جان! اگر یہاں کوئی سانپ بچھو نکل آیا تو میں کیا کروں؟ کیا یہیں بیٹھا رہوں؟"

ناگ ہنسا۔

"اس کا علاج میں کیے دیتا ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ناگ نے جیب سے اپنا سیاہ رومال نکال کر احمد کو دیا اور کہا۔

"اس رومال کو اپنی جیب میں رکھو۔ اگر کوئی سانپ، بچھو یا کوئی اور درندہ اس طرف آ جائے تو اس کے آگے یہ رومال کر دینا۔"

"بہت بہتر۔"

احمد نے چھوٹا سا سیاہ رومال لے کر جیب میں رکھ لیا اور غار کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے پاس چھوٹا سا تھیلا بھی تھا جس میں کچھ خشک میوے اور ایک پانی کی تھرمس تھی۔ ناگ وہاں سے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ گاؤں چھوٹا سا تھا۔ پندرہ بیس گھر تھے اور جیسا کہ احمد نے بتایا تھا یہ سارے کے سارے مکان جاگیردار کے اپنے

ہی تھے۔ بیچ میں جاگیردار کی اُونچی بُرجی والی حویلی صاف نظر آ رہی تھی۔ ناگ نے راستے میں ایک آدمی سے جاگیردار کے بارے میں پوچھا۔

"ہاں بھائی! وہی حویلی جاگیردار کی ہے مگر تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"مَیں پردیسی ہوں اور جاگیردار کی شہرت سُن کر اُس سے ملنے آیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو۔ جاگیردار اِس وقت اپنی حویلی میں ہو گا۔"

ناگ حویلی کے پاس آ گیا۔ اس نے چوکیدار کو دیکھا کہ مشین گن لیے پہرہ دے رہا ہے۔ اس نے کہا۔

"بھائی! مَیں جاگیردار صاحب سے مِلنا چاہتا ہوں۔"

"تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیوں مِلنا چاہتے ہو؟"

ناگ نے کہا

"مَیں ایک سیّاح ہوں۔ مصر کی سیاحت کر رہا تھا کہ جاگیردار کی حویلی دیکھی۔ سوچا کہ اس حویلی میں رہنے والوں سے بھی مِلتا جاؤں۔"

"آؤ میرے ساتھ۔"

چوکیدار ناگ کو جاگیردار کے کمرے میں لے گیا۔ جاگیردار کالا حبشی قسم کا ہٹا کٹا آدمی تھا۔ بالکل بھینسا لگتا تھا۔ اپنے چار پانچ ڈاکو قسم کے آدمیوں کے ساتھ بیٹھا بُھنا ہُوا گوشت کھا رہا تھا۔ اُس نے ناگ کو دیکھا تو چوکیدار سے غرّا کر پوچھا۔

"کون ہے یہ بدتمیز؟"

چوکیدار نے کہا۔

"جناب یہ آپ سے ملنے کا شوق لے کر آیا ہے۔ کہتا ہے کہ مَیں آپ کی حویلی دیکھ کر ادھر آ گیا ہوں۔"

جاگیردار نے ناگ کی آنکھوں میں گھُور کر دیکھا اور بولا:

"کیوں۔ تم کون ہو؟ کیوں آئے ہو؟"

ناگ نے چوکیدار والی بات دہرا دی۔

"جناب مَیں یمن کا رہنے والا ایک سیّاح ہوں اور اِس علاقے کی سیر کی غرض سے آیا ہوں۔ آپ کی تاریخی حویلی دیکھ کر دل اِدھر کھینچ لایا اور آپ کے دیدار ہو گئے۔"

جاگیردار نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ایک ساتھی بولا۔

"مجھے یہ شخص کوئی جاسوس لگتا ہے۔"

جاگیردار نے پستول نکال لیا اور حکم دیا۔

"اسے گرفتار کر لیا جائے۔"

اسی وقت ناگ کو پکڑ کر رسّی سے اس کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے۔ ناگ کچھ پریشان بھی ہُوا کہ یہ اچھے لوگ ہیں۔ مہمانوں سے ایسا سلوک کرتے ہیں۔ اُسے خیال آیا کہ احمد ٹھیک کہتا تھا۔ یہ تو بڑا سنگدل اور قاتل قسم کا آدمی ہے۔ اُس نے کہا۔

"جناب مَیں کوئی جاسوس نہیں ہوں۔ مَیں تو ایک معمولی سیاح ہوں۔ گھر سے سیر سپاٹے کرنے نکلا ہوں۔ مجھے چھوڑ دیں۔"

جاگیردار نے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اس کی تلاشی لی جائے۔"

ناگ کی تلاشی لی گئی تو اس کی جیب سے کچھ ڈالر اور ایک چھوٹا سا چاقو نکلا۔ جاگیردار نے کہا۔

"یہ چاقو مجھے دکھاؤ۔"

جاگیردار چاقو دیکھ رہا تھا کہ اِتنے میں ایک عام آدمی پٹارا لے کر آگیا۔ جاگیردار نے چاقو ایک طرف پھینک دیا اور اب وہ اُس آدمی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"لے آئے میری شے؟"

"جی حضور"

"زہریلا ہے نا؟"

"حضور اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا۔ دریائے نیل کے

سرکنڈوں سے پکڑ کر لایا ہوں۔ کہتے ہیں جس سانپ نے فرعون کو ہلاک کیا تھا وہ اس سانپ کے باپ داداؤں میں سے تھا۔

"بہت خوب۔ اسے کھول کر دکھاؤ۔"

سارے آدمی پرے پرے ہٹ گئے۔ ناگ سمجھ گیا کہ اس شخص نے اپنے کسی قیدی پر ظلم و ستم کرنے کے لیے دریائے نیل کے کنارے سے کوئی خطرناک سانپ منگوایا ہے۔ نوکر نے پٹارا زمین پر رکھ دیا اور پھر ہاتھ میں بین لے کر بجانی شروع کر دی۔ بین کی میٹھی دُھن کچھ دیر تک بجتی رہی پھر اچانک اس میں سے ایک سیاہ سانپ باہر نکلا۔ اس نے اپنا پھن پھیلا رکھا تھا اور وہ بین کی دُھن پر آہستہ آہستہ جھُوم رہا تھا۔ ناگ نے سانپ کی طرف دیکھا۔ سانپ ذرا اوپر آگیا تھا اور اب پٹاری میں سے نکل کر باہر فرش پر آکر رقص کرنا چاہتا تھا۔

اچانک جیسے سانپ پر بجلی سی گر پڑی اور وہ سمٹ کر جلدی سے پٹاری کے اندر چلا گیا۔ سب حیران ہوئے۔ جاگیردار نے کہا۔

"اسے باہر نکالو بدبخت؟"

"نکالنے کی کوشش کر رہا ہوں جناب"

سپیرے نوکر نے بہتیری کوشش کی۔ بار بار بین بجائی۔ پٹاری پر ہاتھ مارے۔ اُسے رومال دکھائے۔ مگر سانپ باہر نہ آیا۔ ناگ جانتا تھا کہ سانپ صرف اُسے دیکھ کر باہر نہیں آ رہا۔ اُس نے کچھ کہا۔ خاموش رہا۔ پھر سوچا کہ اس شخص پر اعتماد حاصل کرنے اور اسے دوست بنانے کا یہ بڑا اچھا موقع ہے۔ جھٹ بولا۔

"جناب میں اسے باہر نکال سکتا ہوں۔"

سپیرے نے نفرت سے ناگ کو دیکھا۔

"تم کون ہوتے ہو اتنے زہریلے سانپ کو باہر نکالنے والے؟"

ناگ نے کہا "تو پھر اگر تم ساری زندگی کوشش کرتے رہوگے تو اس پٹاری سے باہر لانے میں کامیاب نہ ہو سکوگے۔ چلو کوشش کر کے دیکھ لو۔"

سپیرے نے ایک بار پھر کوشش شروع کر دی۔ بار بار بین بجائی۔ پٹاری کو ہلایا جُلایا مگر سانپ بالکل نہ نکلا۔ جاگیردار نے غصّے میں آ کر کہا۔

"بدبخت! پٹاری کو فرش پر اُلٹ دو۔"

سپیرے نے پٹاری اُلٹ دی۔ سانپ فرش پر مُردہ سا ہو کر زمین پر لیٹا رہا۔ وہ ذرا بھی حرکت نہیں کر رہا تھا۔

گ نے کہا۔

"جناب! آپ نے دیکھ لیا ہے کہ سانپ اپنی جگہ سے
ئی حرکت نہیں کر رہا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سپیرا اسے اٹھانے
میں ناکام رہا ہے۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں
وشش کر کے اسے جنگل کی طرف بھگا دوں گا۔"

جاگیردار نے کہا۔

"کیا تم سانپوں کا فن جانتے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"جی ہاں۔ تھوڑا تھوڑا جانتا ہوں۔"

جاگیردار نے اپنے آدمی کو پرے ہٹانے کا حکم دیا اور
اگ سے کہا۔

"تم اگر اسے اٹھا سکتے ہو تو اٹھاؤ مگر یاد رکھو۔ اگر تم
بھی ناکام رہے تو تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کیا تمہیں یہ
شرط منظور ہے؟"

"جی ہاں منظور ہے۔"

"اِس کی رسّیاں کھول دو" جاگیردار نے حکم دیا۔

اسی وقت ناگ کے ہاتھ کی رسّیاں کھول دی گئیں۔ ناگ نے اپنی زبان میں آنکھیں بند کر کے سانپ سے کہا۔

"میرے حکم سے اُٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔"

اس کا اتنا کہنا تھا کہ سانپ پھن اُٹھا کر زمین سے اُ
اوپر کھڑا ہو گیا۔ سارے لوگ حیران رہ گئے۔ جاگیردار نے
تالی بجا کر کہا۔

"تم تو کوئی جادوگر معلوم ہوتے ہو۔ تم نے یہ علم کہاں
سے سیکھا ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"ایک بینی سپیرے سے سیکھا تھا۔"

جاگیردار نے دیکھا سانپ پھن لہرا رہا تھا۔ پہلا سپیرا
شرمندہ سا ہو گیا۔ اس نے اتنی کوشش کی تھی اور سانپ ایک
پل کے لیے بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا تھا۔ اور اس شخص نے ایک
سی بات کر کے سانپ کو اپنی جگہ پر اٹھا کر کھڑا کرا دیا تھا۔
اس کے دل میں آئی کہ اس شخص کو ذلیل کرنا چاہیے۔ اس نے
کہا۔

"میرے پاس ایک سانپ ہے۔ اگر تم اس سے ڈسوا کر
زندہ رہو تو میں مان جاؤں گا۔"

ناگ نے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔"

جاگیردار بولا۔

"بہت خوب! ہم یہ دلچسپ تماشہ ضرور دیکھیں گے۔"

ناگ نے سانپ کو حکم دیا کہ وہ واپس پٹاری میں چلا جائے۔

سانپ نے اپنی زبان میں ناگ سے کہا۔

"اے ناگ دیوتا! اگر آپ حکم دیں تو میں اس سانپ
کو جا کر کھا جاؤں جو آپ کو ڈسنے آ رہا ہے۔"

ناگ نے سانپ کی زبان میں کہا۔

"اس میں بھلا اتنی جرأت ہو سکتی ہے۔ یہ تو میں خود
اُسے حکم دوں گا کہ مجھے ڈسے۔ تاکہ ان لوگوں پر میں اپنا
اثر ڈال سکوں۔ اب تم پٹاری میں چلے جاؤ۔"

"جو حکم ناگ دیوتا!"

سانپ واپس پٹاری میں چلا گیا۔ پٹاری بند کر دی گئی۔

سپیرے نے جاگیردار سے کہا۔

"حضور! یہ شخص کوئی معمولی شعبدہ باز ہے۔ سانپ سے
باتیں کر کے آپ پر رعب ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔
حالانکہ آج کی سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ سانپ کے کان
نہیں ہوتے اور وہ کوئی بھی آواز نہیں سن سکتا۔"

جاگیردار نے کہا۔

"وہ سانپ نکالو تم۔ اور سنو اگر اس سانپ کے زہر
نے اس نوجوان پر کوئی اثر نہ کیا تو میں تمہیں اسی سانپ سے
ڈسواؤں گا۔ کیا تمہیں منظور ہے؟"

سپیرے نے سوچا کہ یہ شخص تو سانپ کے ڈسے سے کبھی
نہیں بچ سکے گا۔ پھر اُس کے ڈسنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں
ہوتا۔ پس اُس نے کہا۔

"مجھے منظور ہے جناب عالی"

جاگیردار نے حکم دیا۔

"سانپ کو لایا جائے۔"

وہاں لوگوں میں بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ ایک دائرے
کی شکل میں فرش پر بیٹھ گئے۔ جاگیردار کرسی پر بیٹھا تھا۔
سپیرا اور ناگ بیچ میں آمنے سامنے زمین پر دو زانو ہو کر
بیٹھے تھے۔ سپیرے نے اپنے تھیلے میں ایک چاندی کی
چھوٹی سی ڈبی نکالی۔ اسے ہاتھ میں لے کر جاگیردار سے کہا۔

"حضور! اس میں بالشت بھر کا ایک بڑا ہی خطرناک
زہریلا سانپ ہے۔ کہتے ہیں یہ سانپ اگر کسی پتھر پر منہ مار
دے تو پتھر پانی بن کر بہہ جاتا ہے۔ میں ایک بار پھر اس
نوجوان کی جوانی پر ترس کھا کر اعلان کرتا ہوں کہ اگر یہ اب
بھی اپنی ہار مان کر میرے آگے ہاتھ جوڑ دے تو میں اسے
معاف کر دوں گا اور سانپ پٹاری میں رکھ لوں گا۔"

جاگیردار نے ناگ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں نوجوان! کیا خیال ہے تمہارا؟ اب بھی سوچ لو۔

ی وقت ہے۔"

اگ بڑے سکون سے بولا۔

"میں نے سوچ لیا ہے جناب! میں سانپ سے اپنا
آپ ڈسوانے کو تیار ہوں۔ لیکن مجھے ایک بات کی ضمانت
ان جائے کہ اگر سانپ نے مجھے کچھ نہ کہا یعنی مجھ پر اس
کے زہر کا اثر نہ ہوا تو پھر اس سپیرے کو ضرور اس سانپ
سے ڈسوایا جائے گا۔"

جاگیردار نے مکہ میز پر مار کر کہا۔

"ہم اس گاؤں کے بادشاہ ہیں۔ ہمارا کہا پتھر پر لکیر
ہے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ کھیل
شروع کیا جائے۔"

"جو حکم حضور۔"

خونی تماشہ

سپیرے نے چاندی کی ڈبی ناگ کے آگے زمین پر رکھ دی۔

" اسے کھولو اور سانپ کو ہاتھ میں پکڑ لو۔"

سپیرے کو معلوم تھا کہ جونہی ڈبی کھول کر ناگ نے سانپ کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا سانپ نے اچھل کر اس کے ہاتھ پر ڈس لینا ہے اور پھر ناگ کا سارا بدن گوشت اور ہڈیوں کے ساتھ پانی بن کر ریت پر بہ جائے گا۔ چنانچہ اس نے جاگیردار اور دوسرے ساتھیوں سے کہا۔

" جناب! آپ لوگ اپنی زندگی کا ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ آپ نے کبھی کسی انسان کو پانی بن کر پگھلتے نہیں دیکھا ہوگا۔"

سب لوگ دم بخود ہو گئے تھے۔ جاگیردار بھی بڑی دلچسپی

سے یہ کھیل دیکھ رہا تھا جو واقعی زندگی اور موت کا کھیل تھا۔ اسے بھی یقین تھا کہ یہ نوجوان ناگ سانپ کے ڈسنے سے ضرور ہلاک ہو جائے گا۔ مگر اس نے جو اس کی یہ کرامت دیکھی تھی کہ ناگ کے حکم سے سانپ نے پٹاری سے نکلنے سے انکار کر دیا تھا تو سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے کہ ناگ جیت جائے۔ اور سپیرے کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے۔ بہرحال تماشہ بڑا خطرناک تھا بلکہ خونی تھا۔

ناگ نے چاندی کی ڈبی کو ہاتھ میں پکڑ لیا۔ سپیرے کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ بولا۔

" اگر تمہاری کوئی آخری خواہش ہے تو بتا دو۔ کیونکہ ڈبی کے کھلنے کے بعد تم زندہ نہیں رہ سکو گے۔"

ناگ نے سپیرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

" اگر تمہاری زندگی کی کوئی آخری خواہش ہے تو اسے یاد کر لو۔ کیونکہ اس کے بعد تمہاری باری آ رہی ہے۔"

ناگ نے ڈبی کو کھول دیا۔ اندر واقعی ایک بڑا ہی خوبصورت دبلا پتلا سانپ اپنا چھوٹا سا پھن اٹھائے کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ سارے لوگ سانس روکے بیٹھے تھے۔ جاگیردار آنکھیں نہیں جھپکا رہا تھا۔ سپیرے نے کہا۔

" اب اسے پکڑ کر باہر نکالو"

ناگ نے بڑے آرام سے ڈبی کے اندر دو اُنگلیاں ڈالیں۔
سفید سانپ نے ایکدم محسوس کر لیا تھا کہ اس کے سامنے ناگوں
کا عظیم دیوتا بیٹھا ہے۔ اس نے اپنا پھن سمیٹ لیا اور اپنی
زبان میں کہا۔

"عظیم ناگ دیوتا کو سلام!"

"تمہیں بھی سلام سفید سانپ" ناگ نے کہا۔

سفید سانپ نے اپنی زبان میں پوچھا۔

"عظیم دیوتا! یہ لوگ آپ کی آزمائش کر رہے ہیں؟"
ناگ نے سانپ کی زبان میں کہا۔

"ہاں یہ کہہ رہے ہیں کہ سفید سانپ مجھے ڈس لے گا
اور میں پانی بن کر بہہ جاؤں گا۔"

سفید سانپ نے ایک پھنکار ماری اور غصے میں کہا۔

"عظیم دیوتا! ان کی یہ جرأت؟ آپ حکم دیں تو میں
ان سب کو ایک ایک کر کے ہلاک کر ڈالوں۔ میرے اندر اتنا
زہر ہے کہ میں سارے گاؤں کو مار سکتا ہوں"

پھنکار کی آواز سپیرے اور جاگیردار نے بھی سنی۔ سپیرا
بولا۔

"اب ڈرتے کیوں ہو؟ ہمت ہے تو مرد بن کر سانپ
کو پکڑ کر باہر نکالو"

سپیرے اور جاگیردار کو یقین ہو گیا تھا کہ ناگ اب بچ
نہیں سکتا۔ کیونکہ سفید سانپ کی پھنکار بڑی دہشت ناک تھی۔
صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ سخت غصے میں ہے اور ناگ کو
کسی حالت میں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ناگ نے مسکرا کر
کہا۔

"صبر کرو۔ میں اسے باہر نکال رہا ہوں۔"

اور دوسرے ہی لمحے ناگ نے سفید سانپ کو دو
انگلیوں کی مدد سے چاندی کی ڈبیا سے نکال کر اپنی ہتھیلی پر
بٹھا لیا اور سفید سانپ کو حکم دیا۔

"پھن اٹھا کر لاؤ۔"

اس حکم کے ساتھ ہی سفید سانپ نے پھن اُٹھایا اور ناگ
کی ہتھیلی پر بڑے مزے سے کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔ اور
پھن لہرانے لگا۔ سپیرا، دوسرے لوگ اور جاگیردار بت
بنے یہ خوفناک تماشہ دیکھ رہے تھے۔ سپیرے کو یقین نہیں
آ رہا تھا کہ سفید سانپ نے ناگ کو کچھ نہیں کہا۔ ناگ نے
سفید سانپ کو ہتھیلی سے اٹھا کر اپنی گردن میں اس طرح
لٹکا لیا کہ سانپ کا پھن ناگ کے آگے آگے اُٹھا ہوا تھا۔
ناگ نے کہا۔

"جاگیردار صاحب کیا خیال ہے آپ کا؟ کیا شرط

کے مطابق اب سپیرے کو اِس سانپ کو نہیں پکڑنا چاہیئے؟"
جاگیردار نے کہا۔

"ضرور — شرط پوری ہو کر رہے گی"

سپیرے کی جان ہَوا ہو رہی تھی۔ اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا
کاٹو تو اس کے بدن میں لہُو نہیں تھا۔ اُس نے مری ہوئی آواز
میں کہا۔

"معاف کر دو مجھے۔"
جاگیردار نے کڑک کر کہا۔

"شرط پوری ہو کر رہے گی۔ یہی ہمارا اصول ہے۔ سانپ
سپیرے کو دیا جائے۔"

ناگ نے سانپ چاندی کی ڈبی میں رکھ دیا اور ڈبی سپیرے
کی طرف بڑھا کر کہا۔

"اب شرط کے مطابق تم اِس ڈبی کو کھول کر سانپ
باہر نکالو۔"

سپیرا کانپ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹ خوف کے مارے
خشک ہو رہے تھے۔ اُس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"اے نوجوان! مَیں اِس ملک کا ایک پُرانا سپیرا ہوں۔
ساری زندگی سانپوں سے کھیلتا رہا ہوں۔ مَیں تم سے اپنی
گستاخی کی معافی مانگتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ

کبھی بڑا بول نہیں بولوں گا۔ مجھے معاف کر دیا جائے۔ مجھے
معاف کر دیا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سانپ میری زندگی
لے کر رہے گا۔"

ناگ کے دل پر سپیرے کی اِس فریاد کا اثر ہو گیا۔
اُس نے جاگیردار سے کہا۔

"جناب! میری آپ سے درخواست ہے کہ اس سپیرے
کی جان بخشی کر دی جائے اور اس کے بڑھاپے پر رحم کیا
جائے۔"

جاگیردار نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

"تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟"

انھوں نے سپیرے کی طرف دیکھا جو تھر تھر کانپ رہا تھا
اور ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔ سب کو اس کے بڑھاپے پر ترس
آگیا۔ انھوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے اس بوڑھے پر رحم کیا جائے۔ اسے معاف
کر دیا جائے۔"

جاگیردار نے کہا۔

"ہم تمہیں معاف کرتے ہیں دفع ہو جاؤ میرے گاؤں
سے۔"

پھر اُس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اے نوجوان! آج سے تم میرے خاندان کے سپیرے ہوگے۔ ہمارے خاندان میں ایک نہ ایک سپیرا ضرور ہوتا ہے۔ اگر تم قبول کرو تو میں تمہیں ایک ہزار روپے مہینہ تنخواہ دوں گا اور کھانے اور رہائش کا انتظام بھی میں ہی کروں گا۔"

ناگ یہی چاہتا تھا کہ اسے اس حویلی میں رہنے کا موقع ملے تاکہ وہ معلوم کر سکے کہ احمد کے ماں باپ کس تہہ خانے میں قید ہیں۔ اُس نے کہا۔

"مجھے منظور ہے جناب! آپ نے میری جو قدر کی ہے، اس کے لیے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

"شاباش! آج سے تم ہمارے خاندانی سپیرے ہوگئے اور ہم جس قسم کا سانپ کہیں تمہیں صحرا سے پکڑ کر لانا ہوگا۔"

"ایسا ہی ہوگا جناب۔"

"مگر تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

ناگ نے کہا "میرا نام ناگ ہے۔"

جاگیردار بولا۔

"بڑا دلچسپ نام ہے۔ بالکل سانپوں ایسا نام ہے۔"

پھر اس نے حکم دیا کہ ناگ کو حویلی کی سب سے اوپر والی منزل میں لے جا کر ایک کمرہ دے دیا جائے۔

ناگ اپنے کمرہ میں آگیا۔ چھوٹا سا کمرہ تھا مگر آرام کی ہر شے

موجود تھی۔ ناگ نے آتے ہی سب سے پہلے غسل کیا۔ کپڑے تبدیل کیے۔ کھانا کھایا۔ کچھ کھانا ایک مٹی کے برتن میں ڈال کر ساتھ لیا۔ اور سیدھا گاؤں سے نکل کر اس ٹیلے پر آگیا جس کے غار میں احمد انتظار کر رہا تھا۔

احمد نے ناگ کو دیکھا تو بڑا خوش ہوا۔ ناگ نے اسے ساری داستان سنائی۔ پھر اُسے کھانا کھلایا۔ وہ اس کے لیے کپڑے اور قالین کا ایک ٹکڑا بھی لایا تھا۔ قالین کا ٹکڑا اس نے زمین پر بچھا دیا اور کہا۔

"تم یہاں اطمینان سے آرام کرو۔ میں آج ہی رات تمہارے ماں باپ کا پتہ چلانے کی کوشش کروں گا۔ انشاءاللہ تمہیں ایک دن سے زیادہ اِس غار میں نہیں رہنا پڑے گا۔ اچھا اب تم کھانا کھا چکے ہو آرام کرو۔ میں رات کا کھانا بھی چھوڑے جا رہا ہوں۔ پانی بھی تمہارے پاس صراحی میں موجود ہے۔ میں کل دن میں آؤں گا اور خدا نے چاہا تو اپنا کام ختم کر کے آؤں گا۔"

ناگ شام ہونے تک ہی واپس حویلی میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ شام کا کھانا اُسے ایک نوکر دینے آیا۔ اُس نے نوکر سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ وہ اس سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ احمد کے ماں باپ کس جگہ قید ہیں؟

اُس نے نوکر سے کہا۔

"بڑی شاندار حویلی ہے۔ مَیں نے ایسی حویلی کہیں نہیں دیکھی۔"

نوکر نے کہا۔

"ہمارا مالک کروڑ پتی ہے۔ مالک ہے اس سارے علاقے کا۔"

ناگ نے کہا۔

"مَیں نے سُنا ہے کہ اِس علاقے کے لوگ اپنے گھروں کے نیچے تہہ خانے ضرور بناتے ہیں۔ کیا اِس حویلی میں بھی کوئی تہہ خانہ ہے؟"

نوکر کچھ رُکا۔ پھر بولا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"ویسے ہی پُوچھ رہا ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

نوکر نے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ مَیں نے یہاں کبھی کوئی تہہ خانہ نہیں دیکھا۔"

اور نوکر جلدی سے باہر نکل گیا۔ نوکر اپنے مالک کا بڑا وفادار تھا۔ اُس نے جاتے ہی جاگیردار سے جا کر ساری بات

کر دی کہ ناگ اُس سے کُرید کر تہہ خانے کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ جاگیردار کا ماتھا ٹھنکا۔ اُس نے ماتھے پر بل ڈال کر پُوچھا۔

"کوئی اور بات بھی پُوچھی تھی اس سپیرے نے؟"

نوکر بولا۔

"نہیں حضور! بس یہی پوچھ رہا تھا کہ اِس حویلی میں کوئی تہہ خانہ بھی ہے کہ نہیں؟"

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔"

نوکر چلا گیا۔

جاگیردار نے اپنے خاص آدمی یاقوت کو بُلا کر کہا۔

"مجھے اِس نئے سپیرے ناگ پر کچھ شک سا پڑ گیا ہے۔ وہ ہمارے حویلی کے تہہ خانے کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ مَیں چاہتا ہوں کہ تم اس کے ساتھ دوستی ڈال کر پتہ کرو کہ یہ شخص کون ہے اور یہاں کیا کرنے آیا ہے؟"

"جو حکم سردار۔"

یاقوت چلا گیا۔ اُس نے وہاں سے ناگ کی حویلی کا رُخ کیا۔ ناگ شام کے کھانے کے بعد آرام کر رہا تھا اور احمد کی ماں اور اُس کے باپ کے بارے میں سوچ

رہا تھا کہ یاقوت نے اندر آ کر کہا

" بھائی ناگ کیا کر رہے ہو؟"

اور وہ ناگ کے پاس ہی قالین پر بیٹھ گیا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ایک آہ بھر کر بولا۔

" تم خدا جانے کیا سوچ کر یہاں آئے ہو۔ خدا کی قسم مَیں تو اِس گاؤں میں رہتے ہوئے تنگ آ گیا ہوں۔"

ناگ نے پوچھا۔

" کیا تم اِس ملک کے نہیں ہو؟"

یاقوت بولا۔

" نہیں بھائی! مَیں تو ملک سوڈان کا ہوں۔ میرے بیوی بچے بھی سوڈان میں رہتے ہیں۔ جب سے آیا ہوں یہاں پھنس کر رہ گیا ہوں۔"

ناگ نے کہا۔

" تم اپنے بچوں کو اپنے پاس کیوں نہیں بُلا لیتے؟"

یاقوت نے کہا۔

" آہ! یہ جاگیردار بڑا ظالم ہے۔ نہ مجھے جانے دیتا ہے نہ بچوں کو یہاں بُلانے کی اجازت دیتا ہے۔"

پھر ناگ کا ہاتھ تھام کر بولا۔

" خدا کے لیے میری بات جاگیردار کو نہ بتانا۔ نہیں تو

میری گردن مار دے گا۔ مَیں نے تمہیں اپنا بھائی سمجھ کر اپنے دل کا حال بیان کر دیا ہے۔"

ناگ نے کہا۔

" تم فکر نہ کرو۔ مَیں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔"

ناگ نے سوچا کہ اس شخص کو اپنا رازدار بنایا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہ جاگیردار کے خلاف ہے۔ ناگ اِس شخص کے فریب میں آ گیا تھا۔

ناگ نے پوچھا۔

" یہ شخص کام کیا کرتا ہے؟"

یاقوت نے کہا۔

" کیا کام کرتا ہے۔ بس لوگوں پر ظلم و ستم کرتا ہے جعلی سکّے بھی بناتا ہے۔ اپنے دشمنوں کو پکڑ کر قید میں ڈال دیتا ہے جہاں وہ سِسک سِسک کر مر جاتے ہیں۔"

ناگ نے پوچھا۔

" سُنا ہے اِس نے اپنے تہ خانے میں کچھ لوگوں کو قید کر رکھا ہے۔"

یاقوت بولا۔

" یہی تو مَیں کہہ رہا ہوں۔۔۔ کہ اس نے خاص تہ خانہ

اِس کام کے لیے بُلوایا ہے۔"

اب ناگ نے سوچا کہ اس سے احمد کے ماں باپ کے بارے میں بھی پوچھ لینا چاہیئے۔ اُس نے کہا۔

"کیا یہاں کسی تہہ خانے میں کوئی بوڑھے میاں بیوی بھی قید ہیں؟"

یاقوت خبردار ہوگیا۔ جاگیردار کا شک بالکل ٹھیک تھا۔ اُس نے سوچا۔ یہ سپیرا ناگ تو جاسوس ہے۔ یاقوت نے جھوٹ موٹ ڈرتے ہوئے کہا۔

"ناگ بھائی! پہلے وعدہ کرو کہ تم کسی سے بات نہیں کرو گے۔ اگر تم نے کسی کو بتا دیا تو جاگیردار میری کھال کھنچوا دے گا۔"

ناگ نے کہا۔

"میں نے کہہ جو دیا کہ کسی سے بات نہیں کروں گا۔ تم بے فکر ہو کر بتاؤ مجھے۔"

یاقوت بولا۔

"ہاں اُس نے ایک میاں بیوی کو تہہ خانے میں قید کر رکھا ہے اور انہیں دو ایک دن میں مروا ڈالے گا۔"

ناگ نے پوچھا۔

"ان کے ساتھ جاگیردار کی کیا دشمنی ہے؟"

یاقوت نے کہا۔

"جاگیردار نے اُن کی زمین اپنے قبضے میں کر لی ہے اور اب انہیں ختم کرکے زمین اپنے نام لکھوانا چاہتا ہے۔"

"لیکن سُنا ہے کہ ان لوگوں کا ایک لڑکا احمد بھی ہے۔ کیا وہ اپنی زمین پر دعوےٰ نہیں کر دے گا۔"

یاقوت چونکا۔ اِس ناگ کو تو سب کچھ معلوم ہے۔ اُس نے کہا۔

"تم نے ٹھیک سُنا ہے ناگ بھائی، احمد ایک لڑکا ہے ان کا۔ جاگیردار اس کی تلاش میں بھی ہے۔ مگر اس کا کہیں پتہ نہیں چل رہا۔ اس نے احمد کو مروانے کی کوشش کی تھی مگر معلوم ہُوا کہ احمد بچ کر نکل گیا۔ اور صحرا میں کسی طرف نکل گیا ہے۔ لیکن جاگیردار کا خیال ہے کہ وہ صحرا میں بھٹک کر مر گیا ہوگا۔"

ناگ نے کہا۔

"وہ زندہ ہے۔"

یاقوت تو دنگ رہ گیا کہ یہ ناگ تو بڑا خاص آدمی ہے اور خاص مشن پر آیا ہے۔ اس نے پوچھا۔

"کیا سچ کہتے ہو کہ احمد زندہ ہے؟"

"ہاں! مگر مَیں بتاؤں گا نہیں کہ وہ کہاں ہے؟"
یاقوت نے سوچا کہ ناگ کے ساتھ دوستی جتا کر ہی پتہ کیا جاسکتا ہے کہ احمد کہاں ہے۔ اُس نے کہا۔
"ناگ بھائی! بے شک نہ بتاؤ۔ خدا نے چاہا تو احمد بچ جائے گا۔ مگر یہ جاگیردار بڑا ظالم ہے۔ کم بخت کے جاسوس سارے ملک میں پھیلے ہیں۔ یہ ضرور پتہ کروا کر چھوڑے گا کہ احمد کہاں ہے اور پھر اسے مروا دے گا۔"
ناگ نے کہا۔
"نہیں۔ احمد ایسی جگہ پر ہے کہ اس جاگیردار کا باپ بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔"
یاقوت نے کہا۔
"مَیں کہتا ہوں کہ اگر احمد زمین کے اندر بھی ہوگا تو یہ جاگیردار اسے نکلوا لے گا۔ تم اسے نہیں سمجھتے۔ مَیں اسے جانتا ہوں کہ اس کے وسیلے بڑے ہیں۔
اصل میں یاقوت ناگ کو گرمی اور تاؤ دلا کر اس کے منہ سے یہ نکلوانا چاہتا تھا کہ احمد فلاں جگہ پر ہے۔ ناگ آخر اس کے فریب میں آ ہی گیا۔ یاقوت نے سرگوشی میں کہا۔

"ہم دونوں اِس جاگیردار سے خوش نہیں ہیں۔ تم نئے نئے آئے ہو۔ کچھ دن رہو گے تو تمہاری زندگی بھی یہاں حرام ہو جائے گی۔ اِس لیے میرے ساتھ مِل جاؤ۔ ہم اِس جاگیردار کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔"
ناگ نے کہا۔
"تمہارے اکیلے مِل جانے سے کام نہیں بنتا۔"
یاقوت نے جلدی سے کہا۔
"اِس کی فکر نہ کرو۔ سارے لوگ اندر سے جاگیردار کے خلاف ہیں۔ وہ صرف اِس کے منہ پر ایسا نہیں کہتے اور پھر انہیں معلوم ہے کہ یہاں اُن کا ساتھی کوئی نہیں ہے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ ہم بھی باغی ہیں تو وہ سارے کے سارے ہمارے ساتھ مِل جائیں گے۔"
ناگ بڑا خوش ہو رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میدان صاف ہو رہا تھا اور وہ اپنی منزل پر پہنچنے والا ہے۔ اُسے نہیں خبر تھی کہ وہ یاقوت بلکہ جاگیردار کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنستا چلا جا رہا ہے۔ ناگ نے کہا۔
"ہاں اگر سب ہمارے ساتھ مل کر حملہ کریں تو ہم اس محل پر قبضہ کر سکتے ہیں۔"
یاقوت نے کہا۔

"اس کے لیے ضروری ہوگا کہ ہم کسی جگہ چھپ کر اپنی طاقت کو اکٹھا کریں اور پھر حملہ کریں۔ مصیبت یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں ہم چھپ کر حملے کی تیاری کر سکیں۔"

ناگ نے کہا۔

"میرے پاس ایک جگہ ہے۔"

"کیا تم مجھے دکھا سکتے ہو؟"

ناگ نے کچھ سوچا۔ پھر اُسے خیال آیا کہ یہ بے چارا تو خود جاگیردار کے ظلم سے تنگ آیا ہوا ہے اس پر بھروسہ کر لینا چاہیئے بلکہ اس سے مل کر ہی ہم جاگیردار کو ختم کر کے تہہ خانے سے احمد کے ماں باپ کو نکال سکتے ہیں۔ ناگ نے کہا۔

"ہاں! آدھی رات کو میرے ساتھ چلنا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ابھی سوائے تمہارے اس خاص جگہ کی کسی کو خبر نہ ہو۔"

یاقوت نے کہا۔

"کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ تم بے فکر رہو۔"

یاقوت نے سلام کیا اور کوٹھڑی سے نکل کر سیدھا جاگیردار کے پاس آگیا۔ وہ بڑا خوش تھا کہ اس نے ناگ

کا سارا راز اُگلوا لیا ہے۔ جب جاگیردار کو پتہ چلا کہ یہ ناگ اصل میں جاسوس ہے اور اس کی حویلی کو تباہ کرنے اور اس کے دشمن احمد کے ماں باپ کو فرار کروانے آیا ہے تو غصے سے اُس کی لال آنکھیں اور لال ہو گئیں۔ اس نے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"ابھی میرا ایک دشمن مفرور ہے۔ مجھے اس کی تلاش ہے۔ اس کا نام احمد ہے۔ ناگ کو ضرور معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے۔ بس تم اس کے ساتھ میٹھا بن کر پتہ کرو کہ وہ کہاں پر قید ہے۔ ابھی ناگ کو اپنے اعتماد میں ہی رکھنا۔"

"ٹھیک ہے جناب! ایسا ہی ہوگا۔"

دوست دشمن

ناگ اپنے بھولپنے سے جال میں پھنس گیا تھا۔

آدھی رات کو یاقوت چپکے سے ناگ کے کمرے میں پہنچ گیا۔ ناگ نے اُسے اندر بُلا کر بٹھایا اور کہا۔

"اگر تم مجھ سے وعدہ کرو کہ میری باتیں کسی کو نہیں بتاؤ گے اور تہہ خانے سے احمد کے ماں باپ کو نکلوانے میں میری مدد کرو گے تو میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔ بلکہ اس گاؤں کا جاگیردار بنا دوں گا۔"

یاقوت نے کہا۔

"میں قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ کسی سے تمہاری باتوں کا ذکر نہ کروں گا۔ ویسے بھی بھائی ناگ! میں بھلا کسی کو بتا سکتا ہوں کہ ہم مل کر جاگیردار کے ظلم کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں۔ میں نے اپنے چند ایک ساتھیوں

سے بات کی تھی۔"

"پھر وہ کیا کہنے لگے؟" ناگ نے پوچھا۔

"وہ بڑے خوش ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس جاگیردار سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ناگ سے کہو کہ ہماری رہنمائی کرے۔"

ناگ بڑا خوش ہُوا۔ بولا۔

"ہم بہت جلد اس ظالم جاگیردار کا تختہ اُلٹ دیں گے۔"

یاقوت نے کہا۔

"مگر بھائی ناگ! ہمیں کوئی ایسی خفیہ جگہ چاہیئے جہاں ہم چھُپ کر گولہ بارُود جمع کر سکیں اور پھر تیاری کر کے ایک دن گاؤں پر حملہ کر دیں اور اس ظالم جاگیردار کو ختم کر کے لوگوں کو اس کے ظلم سے نجات دلائیں۔"

ناگ نے کہا۔

"جگہ میرے پاس بڑی اچھی ہے۔ ابھی چل کر تمہیں دکھاتا ہوں۔ وہاں تم ایک دوست کو دیکھ کر خوش ہو گے۔"

"کونسا دوست؟ کیا وہاں ہمارا کوئی ساتھی پہلے سے موجود ہے؟"

یاقوت کے اس سوال پر ناگ نے کہا۔

"تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ جاگیردار کا دشمن نمبر ایک احمد بھی اس غار میں چھپا ہوا ہے۔"

یاقوت واقعی خوشی سے اُچھل پڑا۔ یہی تو وہ معلومات تھی جسے حاصل کرنے کے لیے جاگیردار نے اُسے ناگ کے پاس بھیجا تھا۔ اُس نے کہا۔

"تو پھر جلدی چلو۔ مجھے احمد سے مل کر بڑی خوشی ہوگی" ناگ نے پھر تاکید کی۔

"مگر ایک بات کا وعدہ کرنا ہوگا کہ یہ راز سوائے ہمارے آپس کے آدمیوں کے دوسرے کسی کو معلوم نہیں ہوگا۔"

"نہیں بھائی۔ بھلا ہم اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار سکتے ہیں۔"

"کہیں جاگیردار کے آدمیوں میں کوئی ان کا جاسوس تو نہیں ہے؟ ہمیں اس کا بھی بہت خیال رکھنا ہوگا۔ کیونکہ ایک جاسوس ہمارے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر سکتا ہے۔"

یاقوت بولا۔

"توبہ کرو ناگ بھائی! سارے آدمیوں کو میں اچھی

رح سے جانتا ہوں۔ وہ سارے کے سارے جاگیردار کے ظلم کے ستائے ہوئے ہیں۔ بڑے غریب اور مخلص لوگ ہیں۔ وہ کبھی جاگیردار کے لیے جاسوسی نہیں کر سکتے۔"

ناگ نے کہا۔

"بہرحال تمہیں خبردار رہنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ کوئی پتہ نہیں کب کوئی آدمی جاسوس بن جائے۔ جاسوس باہر سے نہیں آیا کرتے اپنے اندر ہی سے بنائے جاتے ہیں۔"

"نہیں بھائی ہمارے آدمیوں میں کوئی جاسوس نہیں ہے۔ اب ایسا کرو کہ جلدی سے مجھے چل کر وہ جگہ دکھا دو تاکہ ہم کل سے وہاں اسلحہ جمع کرنا شروع کر دیں۔"

"آؤ میرے ساتھ۔ ہمیں حویلی کے کسی خفیہ راستے سے باہر نکلنا ہوگا۔" ناگ نے کہا۔ "کیا یہاں کوئی خفیہ ...ہے کہ جہاں سے داخل ہوتے اور واپس آتے ہوئے ہمیں کوئی نہ دیکھ سکے؟ کیونکہ میں اِس حویلی کے جاسوسوں سے پوری طرح باخبر رہنا چاہتا ہوں۔"

یاقوت نے کہا۔

"کیا تمہارا خیال ہے کہ میں جاسوس ہوں۔"

ناگ نے کہا۔

" ارے نہیں توبہ کرو۔ یاقوت بھائی تم پر تو میں زندگی میں کبھی شک کر ہی نہیں سکتا۔ میں تو ایک اصول کی بات کر رہا تھا کہ ہمیں جاسوسوں سے خبردار رہنا چاہیئے۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ یہاں کوئی خفیہ راستہ ہے؟"

یاقوت بولا۔

" ہاں! میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

یاقوت نے ناگ کو ساتھ لیا اور حویلی کی پہلی منزل پر آکر ایک دروازے میں داخل ہوا۔ اس کے اندر ایک راہداری تھی جہاں اندھیرا تھا۔ یہاں سے گزرے تو سامنے ایک دروازہ آگیا۔ یاقوت نے آگے بڑھ کر دروازے کا تار کھول کر کیواڑ کھولا تو سامنے سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا۔ ناگ نے پوچھا۔

" کیا یہاں سے باہر کو راستہ جاتا ہے؟"

یاقوت نے کہا۔

" شی! خاموش رہو۔ پہرے دار نے سُن لیا تو ابھی ہماری گردنیں کاٹ دی جائیں گی۔ ہاں۔ یہاں سے باہر کو راستہ جاتا ہے۔"

یاقوت نے ناگ کو حویلی سے باہر پہنچا دیا۔ یہاں سے

ایک چھوٹا سا ویران رستہ باہر صحرائی میدانوں کی طرف جاتا تھا۔ کہیں کہیں کھجوروں کے خوبصورت جھنڈ بھی تھے جو رات کو بڑے پُراسرار سے لگ رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے دو تین جن بال کھولے کھڑے ہوں۔

" اب بتاؤ کہ ہمیں کس طرف جانا ہے؟" یاقوت نے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

" یہاں سے تھوڑی دُور ایک خشک ٹیلا ہے ہمیں اُس ٹیلے تک جانا ہوگا۔"

" ایک ٹیلہ تو وہ سامنے نظر آرہا ہے۔"

" ہاں وہی ہوگا میرے خیال میں۔ وہاں چل کر معلوم کرتے ہیں۔"

دونوں ٹیلے کے پاس پہنچے تو رات کے اندھیرے میں ٹیلے کو غور سے تکنے کے بعد ناگ نے کہا۔

" یہی وہ ٹیلہ ہے۔ اب میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ یہاں ایک غار کا دروازہ ہے۔ ہمیں اِس دروازے تک پہنچنا ہے۔"

دونوں ٹیلے کا چکر لگانے لگے۔ اندھیرے میں بہت کم نظر آرہا تھا۔ آسمان پر چاند بھی نہیں تھا۔ آخر ناگ نے غار کا

دروازہ تلاش کر لیا۔

"آؤ میرے ساتھ۔"

ناگ نے جھاڑیاں پرے ہٹائیں اور یاقوت کو ساتھ لے کر غار کے اندر چلا گیا۔ اندر احمد سو رہا تھا۔ اس کے پاس ہی پتھر پر ایک موم بتی دھیمے دھیمے جل رہی تھی۔ وہاں اس کی ہلکی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یاقوت احمد کو پہچانتا تھا۔ اسے اپنے سب سے بڑے دشمن کو پتھروں پر سوتا دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ وہ اس پر جھک گیا۔

"کہیں یہ مر تو نہیں گیا؟"

ناگ ہنسا۔

"نہیں یہ ابھی نہیں مر سکتا۔ یہ زندہ ہے اور جاگیردار کو مارنے کے لیے ہمارے ساتھ زندہ رہے گا۔"

ناگ نے احمد کو اُٹھا دیا۔ اُس نے آنکھیں مل کر روشنی میں یاقوت کو دیکھا تو چیخ مار کر بولا۔

"ناگ بھائی! یہ تو جاگیردار کا آدمی ہے۔ اس کو تم کہاں لے آئے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں بھائی احمد۔ یہ شخص اب ہمارا ساتھی ہے۔ یہ خود تمہاری طرح جاگیردار کے ظلم سے

تنگ آیا ہُوا ہے۔"

احمد بولا۔

"مجھے اِس شخص سے خوف آتا ہے۔ کیونکہ اسی نے میرے ماں باپ کو گھسیٹ کر تہہ خانے میں پھینکا تھا۔"

یاقوت نے جلدی سے گڑگڑا کر کہا۔

"بھائی احمد! تم جانتے ہو کہ مَیں ایک غریب انسان ہوں۔ مَیں تو حکم کا غلام ہوں۔ اگر مَیں نے تمہارے ماں باپ کو قید میں ڈالا تھا تو مَیں مجبور تھا۔ حکم کا بندہ تھا۔ مگر اب مجھے ہوش آگیا ہے۔ اب مَیں بھی تمہاری طرح جاگیردار سے بدلہ لینے کے لیے اُٹھ کھڑا ہُوا ہوں۔ اب تم مجھے اپنا دوست اور جاگیردار کا دشمن سمجھو۔"

احمد آخر ایک بچّہ تھا۔ اگر ناگ ایسا سمجھدار آدمی مکّار یاقوت کی چال میں آسکتا تھا تو احمد بھی آسکتا تھا۔ احمد کو بھی یقین ہوگیا کہ یاقوت واقعی جاگیردار کا دشمن اور اُن کا دوست ہے۔ اُس نے کہا۔

"کیا میرے ماں باپ زندہ ہیں؟"

یاقوت بولا۔

"بالکل زندہ ہیں اور مَیں انہیں چھُپ کر کھانے پینے کو دے دیا کرتا ہوں۔ کیونکہ مجھے اب انسانوں پر ظلم

ہوتا نہیں دیکھا جاتا۔"

احمد نے کہا۔

"تو پھر میرے ماں باپ کو چھڑا کر یہاں لے آؤ۔"

یاقوت بولا۔

"اسی کے لیے تو ہم یہ سارا کچھ کر رہے ہیں۔ ہمیں تمہارے ماں باپ کو بھی رہا کرانا ہے۔ دوسرے قیدیوں کو بھی رہا کرانا ہے جو موت کا انتظار کر رہے ہیں اور جاگیردار کو بھی ٹھکانے لگا کر حویلی پر قبضہ کرنا ہے۔"

احمد بڑا خوش ہُوا۔

"ہمیں یہ سب کچھ بہت جلدی کرنا چاہیے۔"

یاقوت نے کہا۔

"بس کل پرسوں تک حملہ کر دیں گے۔"

ناگ بولا۔

"مَیں یاقوت کو یہ جگہ دکھانے لایا تھا۔ ہم کل سے یہاں بھاری اسلحہ جمع کر رہے ہیں۔ پرسوں ہم حویلی پر حملہ کر دیں گے اور تمہارے ماں باپ کو بھی چھڑا کر لے آئیں گے۔"

احمد خوش تھا۔ یاقوت بھی خوش تھا کہ اُسے اپنے مالک جاگیردار کے آگے سُرخ رُو ہونے کا موقع ملا۔ اب وہ اس کا

وزیر بن کر رہے گا اور جاگیردار اُس کی ترقی بھی کر دے گا۔ اُس نے ناگ سے کہا۔

"بھائی ناگ! اب ہمیں چلنا چاہیئے تاکہ رات ہی رات میں دوسرے ساتھیوں سے بھی بات طے کر لوں۔ اور کل سے ہم چوری چھپے حویلی سے گولیاں اور بندوقیں لا کر یہاں جمع کرنا شروع کر دیں۔"

"ٹھیک ہے آؤ چلتے ہیں۔ احمد تمہیں کسی شے کی تکلیف تو نہیں ؟"

"نہیں بھائی جان! مَیں بالکل ٹھیک ہوں۔ کھانے کو بھی ہے اور پانی بھی موجود ہے۔ بس اب مَیں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے مشن میں کامیاب ہو جائیں اور پرسوں میرے ماں باپ خیر خیریت سے یہاں بیٹھے ہوں گے۔"

"انشاء اللہ!" ناگ نے کہا۔

دونوں رات کے اندھیرے میں ہی غار سے نکل گئے۔ حویلی میں آ کر ناگ اپنی کوٹھڑی میں چلا گیا اور یاقوت سیدھا جاگیردار کی خواب گاہ میں آیا اور اس نے آتے ہی سارا کچھ اسے بتا دیا۔ جاگیردار تو حیران رہ گیا کہ یہ ناگ ایک زبردست سازش کرنے وہاں آیا تھا۔ اس نے خنجر لہرا کر کہا۔

"میں ابھی جاکر احمد کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔"
یاقوت نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں صبح کی روشنی کا انتظار کرنا چاہیے۔"

"ہرگز نہیں۔ میں ابھی جاکر اپنے دشمن کے خون سے پیاس بجھاؤں گا۔ اس کے بعد اس کے ماں باپ کو ختم کروں گا۔ چلو اٹھو چلو میرے ساتھ غار کی طرف۔"

یاقوت نے جاگیردار کو ساتھ لیا اور ڈھلتی رات کے اندھیرے میں ستاروں کی دھیمی دھیمی روشنی کا سہارا لیتے ٹیلے کی طرف روانہ ہوگئے۔

اب اُدھر ایسا ہُوا کہ ناگ کے جاتے ہی احمد نے سونے کی کوشش شروع کردی۔ مگر اُسے نیند نہیں آرہی تھی۔ یہ سوچ کر وہ بڑا خوش ہورہا تھا کہ دو ایک دنوں میں وہ اپنے پیارے ماں باپ کے پاس ہوگا۔ اتنے میں اُسے ایسی آواز سُنائی دی جیسے کسی نے پھنکار ماری ہو۔ یہ ایک صحرائی سانپ کی آواز تھی۔ احمد اس آواز سے واقف تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ موم بتی کی روشنی میں ایک سفید سانپ جس کے سر پر زرد داغ تھے، پھن پھیلا کر اس کے سامنے آگیا اور احمد کو ڈسنے کی تیاریاں کرنے لگا۔

احمد نے جلدی سے جیب سے ناگ کا رومال نکال کر

سانپ کے آگے پھینک دیا۔ رومال نے تو گویا جادو کا کام کیا۔ اس کے گرتے ہی سانپ نے پھن سکیڑ لیا اور جھک کر رومال کو سجدہ کیا اور پھر احمد کے گرد چکر لگانے لگا۔ جیسے اس کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کر رہا ہو۔ احمد نے کہا۔

"کیا تم مجھے کچھ نہیں کہو گے نا؟"

سانپ نے سامنے آکر احمد کے آگے سر جھکا دیا۔ احمد بڑا خوش ہُوا۔ سانپ نے احمد کے گرد چھ سات بار چکر لگائے اور پھر اس ایک کونے میں جاکر پہرہ دینے لگا۔ وہ اندھیرے میں نظر نہیں آرہا تھا۔ صرف احمد کو اس کا سایہ دکھائی دے رہا تھا۔

اتنے میں جاگیردار کو لے کر یاقوت بھی غار کے دروازے پر پہنچ گیا۔ احمد نے آہٹ سُنی تو آواز دی۔

"ناگ بھائی! کیا یہ تم ہو؟"

اور پھر اُس کے سامنے جاگیردار اور یاقوت ہاتھوں میں خنجر لیے کھڑے تھے۔ جاگیردار نے گرج کر کہا۔

"بدنصیب! اب ناگ کو بھول جاؤ۔ اپنے ماں باپ کو بھی بھول جاؤ۔ یہ تمہاری زندگی کی آخری گھڑی ہے۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

احمد سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ سازش ہوئی ہے۔ آہ!

اُس کا خیال درست تھا کہ یاقوت جاگیردار کا ساتھی ہے اور اس کے ساتھ مل کر سازش کر رہا ہے۔ آخر ناگ اس سازش میں پھنس گیا اور اس نے اُسے بھی اپنے ساتھ پھنسا لیا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ ہر شے ٹوٹ چکی تھی۔ زندگی کی شمع ٹمٹمانے لگی تھی۔

جاگیردار نے یاقوت کو حکم دیا۔

"یاقوت آگے بڑھو۔ احمد کی گردن کاٹنے کی خوشی تم حاصل کرو۔"

"جو حکم حضور۔"

اور یاقوت خنجر ہاتھ میں لے کر احمد کی طرف بڑھا۔ احمد خود بھی اِس بات کو بھول گیا تھا کہ ناگ کے دیوتا ہونے کی وجہ سے سفید سانپ پر فرض ہو گیا تھا کہ جس کے پاس ان کے دیوتا کا رومال ہے اُس کی جان کی حفاظت کریں۔ چنانچہ سانپ کونے میں کُنڈلی مار کر بیٹھا احمد کی حفاظت کر رہا تھا اور یہ سارا ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔

جب سفید سانپ نے دیکھا کہ ایک آدمی ناگ دیوتا کے بھائی کی طرف خنجر لے کر بڑھ رہا ہے تو اس نے اپنا فرض ادا کیا۔ وہیں سے چھلانگ لگا کر اُچھلا اور یاقوت کی گردن پر آکر ڈس دیا۔ اس کے زہر نے حیرت انگیز کام کیا۔

یاقوت کا سارا جسم ایک دم سے سُن ہو گیا۔ اُس کے ہاتھوں اور ٹانگوں سے طاقت چلی گئی اور وہ کھڑے درخت کی طرح زمین پر گر پڑا۔

یہ دیکھ کر جاگیردار نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی یہ بھی کوشش کی کہ بھاگتے بھاگتے وہ احمد کے سینے پر خنجر پھینک جائے۔ مگر سانپ بھلا اُسے کب مہلت دے سکتا تھا۔ اپنے عظیم دیوتا کے بھائی کی جان بچانا تو اس کا مقدس فرض تھا۔ پس یاقوت سے فارغ ہوتے ہی سانپ نے دوسری چھلانگ لگائی اور جاگیردار کے ماتھے پر آکر ڈس دیا۔

جاگیردار کے ماتھے پر سانپ کی زبان لگی۔ بس اُسے یہی محسوس ہُوا جیسے ماتھے پر زبان لگی ہے۔ اصل میں سانپ نے دانتوں کے ذریعے اپنا باقی کا سارا خطرناک زہر بھی جاگیردار کے خون میں داخل کر دیا تھا۔ جاگیردار کا ہاتھ لرزا۔ خنجر اُس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اِس کے ساتھ ہی اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ پھر سارا جسم لرزنے لگا اور پھر اُس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ اور وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ احمد اُٹھ کر دونوں لاشوں کے قریب آیا۔ اس نے سانپ کی طرف تشکر کے انداز میں

دیکھا اور پھر کہا۔

"میرے محسن! اب اپنے عظیم دیوتا ناگ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ میرے پاس آئے اور اپنے دوست دشمن کا حال دیکھے۔"

احمد نے ناگ کا دیا ہُوا رومال سانپ کو سُنگھا دیا۔ رومال کو سُونگھتے ہی سانپ غار سے باہر نکل گیا۔ اب اُسے صاف صحرا میں ناگ دیوتا کی بُو آ رہی تھی۔ سانپ تیزی سے صحرا میں بھاگتا چلا گیا۔ آخر صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ حویلی کی اوپر والی منزل پر آ گیا کیونکہ یہاں سے بڑی تیز بُو آ رہی تھی۔

ناگ اپنے کمرے میں آرام کر رہا تھا کہ اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ اُسے یُوں لگا جیسے کوئی اُس کے دروازے پر ہاتھ مار رہا ہے۔ اُس نے آنکھیں مَلتے ہوئے اُٹھ کر دروازے کے قریب آ کر پوچھا۔

"کون ہے؟"

دوسری طرف سے سفید سانپ نے اپنی زبان میں کہا

"اے عظیم ناگ دیوتا! مَیں ہوں آپ کا غلام"

ناگ بڑا حیران ہُوا کہ یہ صحرا کا سانپ یہاں اس وقت کیسے آ گیا؟ اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک سفید سانپ نے سر جُھکا دیا۔ ناگ نے اُس کی زبان میں

وہاں رات کو آنے کا مقصد پوچھا۔ سفید سانپ نے ساری کہانی بیان کر دی۔ اب ناگ کی آنکھیں کھُلیں۔ سانپ نے کہا۔

"آپ کے چھوٹے بھائی نے آپ کو بُلایا ہے۔"

"چلو میرے ساتھ۔"

ناگ نے اُڑن سانپ کا رُوپ دھارا اور سفید سانپ کو کندھے پر اُٹھا کر اُڑتا ہُوا غار والے ٹیلے کے پاس آ گیا یہاں اُس نے دوبارہ انسان کی شکل اختیار کی اور غار کے اندر جا کر احمد سے ملا۔ احمد نے کہا۔

"آخر وہی ہُوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ یاقوت جاگیردار سے مل کر ہم سب کو مروانے کی کوشش کر رہا تھا۔"

اس کا ثبوت یاقوت اور جاگیردار کی لاشیں تھیں جو اندر پڑی تھیں اور موم بتّی کی روشنی میں ان کا بُرا حال صاف نظر آ رہا تھا۔ ناگ نے شرمندگی سی محسوس کی کہ وہ عقل مند ہوتے ہوئے ایک مکّار شخص کی مکّاری میں آ گیا۔ کہنے لگا۔

"احمد! مَیں مانتا ہوں کہ مجھ سے حماقت ہو گئی۔ دشمن پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ دشمن کا ساتھی بھی دشمن ہی ہوتا ہے۔"

احمد نے پوچھا۔

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ ظاہر ہے دوسرے لوگ بھی جاگیردار کے ساتھی ہیں اور ہمارے دشمن۔ میرے ماں باپ کب میرے پاس آئیں گے؟"

ناگ نے گردن اٹھا کر کہا۔

"احمد! گھبراؤ نہیں۔ اب میں کسی کا لحاظ نہیں کروں گا۔ تمہارے ماں باپ کو میں ابھی لے کر آتا ہوں۔"

احمد نے کہا۔

"مگر تم اکیلے ہو بھائی جان!"

"میں ان ظالموں کے لیے اکیلا ہی کافی ہوں۔"

ناگ نے اتنا کہہ کر سفید سانپ کو اپنے ساتھ لیا اور غار سے نکل کر حویلی کی طرف چل پڑا۔ اس وقت دن کی ہلکی ہلکی روشنی میں جاگیردار کی بھیانک حویلی کی برجی دور سے صاف نظر آ رہی تھی۔ ناگ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ جان کی بازی لگا کر بھی احمد کے ماں باپ کو قید سے رہا کروا کر ہی لائے گا۔

- کیا احمد کے ماں باپ رہا ہو سکے؟
- برفانی صحراؤں میں عنبر پر کیا گذری؟
- ماریا جاپانی سمندر میں کہاں تک گئی؟

یہ آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

ہیروں کی چوری

اے حمید

801

موت کا تعاقب ۸۶

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

ہیروں کی چوری

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
علمی پرنٹنگ پریس، ۱۷ اے ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی، لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل : ۱۹۷۹ء
قیمت : چار روپے پچاس پیسے

مقامِ اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

فہرست

- ممی کا تابوت ۵
- کون روتا ہے؟ ۲۳
- ہیروں کی چوری ۴۴
- دوسرا ڈاکہ ۶۱
- سانپ کی پھنکار ۸۱
- صحرا میں چیخ ۱۰۰

پیارے بچو!

پچھلی قسط میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ناگ نے سفید سانپ کو ساتھ لیا تھا اور وہ جاگیردار کی پرانی حویلی کی طرف چل پڑا تھا تاکہ احمد کے ماں باپ کو تہہ خانے سے چھڑا دیا جائے۔ یہاں وہ کامیاب ہوا اور پھر اُسے ایک ایسی گلی سے گزرنے کا اتفاق ہوا جہاں اُسے ایک عورت کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ ناگ نے اندر جاکر بدنصیب عورت کی دُکھ بھری کہانی سُنی تو وہ اُسی وقت اس کی مدد کرنے کے لئے صحرا کی جانب نکل گیا۔ یہاں ایک پہاڑی کے نیچے جرمن جرنیلوں نے ایک زبردست خزانہ دفن کر رکھا تھا جس پر ایک سفید کلغی والا سانپ پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ نے اس سانپ کو حاضر کیا اور کہا کہ وہ ایک بدنصیب عورت کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ سفید کلغی والے سانپ نے کہا کہ وہ ہر قسم کی مدد کے لئے حاضر ہے۔ بس ناگ نے کلغی والے سانپ کو ساتھ لیا اور تہہ خانے میں اُتر گیا۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ آپ خود پڑھیئے گا۔

وقت ہی ضائع کرد۔

جاگیردار کی حویلی میں بڑا سخت پہرہ تھا۔ ناگ کو کسی نے نہ روکا۔ کیونکہ اس کو وہاں کے پہریدار اپنا آدمی سمجھتے تھے۔ سفید سانپ ناگ کی جیب میں تھا۔ حویلی کے بڑے کمرے میں پہنچتے ہی ناگ نے سفید سانپ کو چھوڑ دیا تھا۔ ناگ سیدھا تہہ خانے کو جانے والی سیڑھیوں پر آ گیا۔ یہاں ایک آدمی بندوق لئے پہرہ دے رہا تھا۔ اُس نے ناگ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"کدھر جا رہے ہو؟"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔ "جاگیردار نے حکم دیا ہے کہ قیدیوں سے جاکر کچھ پوچھ گچھ کروں۔"

"ٹھیک ہے۔"

اُن لوگوں کو معلوم تھا کہ ناگ جاگیردار کا اپنا آدمی ہے۔ ناگ نیچے اُتر گیا۔ آگے ایک تنگ راستہ تھا۔ یہاں روشنی کم تھی۔ اس راستے کے آگے ایک موڑ آیا جس کے بعد ایک دروازہ تھا۔ اس دروازے پر تالہ پڑا تھا اور دو پہرے دار رائفلیں لئے پہرہ

دے رہے تھے۔ ناگ کو دیکھ کر وہ دونوں ہوشیار ہو گئے۔ انہوں نے رائفلوں کا رُخ ناگ

"کیا بات ہے؟ ... ے ہو؟"

ناگ نے یہاں بھی ہنس کر کہا۔

"بھائیو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تو جاگیردار کا دوست ہوں اُسی نے حکم دیا ہے کہ میں قیدیوں سے کچھ باتیں پوچھوں۔"

ایک پہرے دار نے کہا۔

"ہمیں جاگیردار نے کچھ نہیں کہا۔ ہم تمہیں اندر نہیں جانے دیں گے۔"

ناگ نے بہتیرا کہا کہ اس کا اندر جانا بہت ضروری ہے مگر دونوں پہرے دار بالکل راضی نہ ہوئے۔ بلکہ انہوں نے رائفلیں آگے کرکے کہا۔

"اگر تم واپس نہ گئے تو گولی چلا دیں گے۔"

ناگ نے سوچا کہ خیریت اسی میں ہے کہ واپس چلا جائے اور کوئی ترکیب سوچ کر حملہ کیا جائے۔ وہ واپس مڑ رہا تھا کہ اس نے سفید سانپ کو دیکھا۔ وہ دیوار سے اُتر کر نیچے آ رہا تھا۔ اُس نے دونوں پہرے داروں کو باتوں میں لگانا چاہا اور کہا:

"اچھا دوستو! میں جاگیردار کو ساتھ لے کر آتا ہوں۔ پھر تو تم کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا نا؟"

"بالکل نہیں اعتراض ہوگا۔"

"ویسے تم میرا وقت ہی ضائع کرو گے۔ میرا خیال ہے کہ تم دونوں کی بھلائی اسی میں تھی کہ مجھے جانے دیتے۔"

"بکواس بند کرو اور بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

اس دوران میں سفید سانپ نے لپک کر ایک پہریدار کی پنڈلی پر ڈس دیا۔ وہ یہ دیکھنے کے لئے جُھکا کہ اُس کو کس شے نے کاٹا ہے۔ جونہی وہ جُھکا ناگ نے دوسرے پہرے دار کو دھکا دے کر گرا دیا اور اس کی رائفل چھین لی۔ پہلا پہرے دار ایسا جُھکا کہ پھر نہ اُٹھ سکا۔ سفید سانپ کے زہر سے بچنا محال تھا۔ دوسرے پہرے دار نے شور مچانا چاہا تو ناگ نے سفید سانپ کو اشارہ کیا۔ اُس نے پہرے دار کے گلے پر ڈس دیا جس سے اُس کی آواز بند ہو گئی اور پھر وُہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

ناگ نے جلدی جلدی پہرے داروں کی جیبیں ٹٹول کر چابی نکالی۔ تالا کھول کر اندر گیا۔ دیکھا کہ دو انسان بے حد خراب حالت میں زمین پر لیٹے ہیں۔ اندر فضا گندی ہو رہی ہے۔ وہ اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ بڑی مشکل سے انہوں نے ناگ کو سر اٹھا کر دیکھا۔ ناگ قریب جا کر بولا۔

"مجھے آپ کے بیٹے احمد نے آپ کو لینے بھیجا ہے۔" اپنے بچے کا نام سُن کر دونوں کے چہروں پر چمک سی آ گئی۔ باپ نے نقاہت سے پوچھا۔

"کیا میرا بیٹا زندہ ہے؟"

ناگ نے کہا۔ "اللہ کے فضل و کرم سے وہ زندہ ہے اور یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ آپ کا انتظار کر رہا ہے۔"

ماں نے خوش ہو کر کہا۔ "خدا میرے بچے کو سلامت رکھے۔"

باپ بولا۔ "بیٹا تم کون ہو؟ یہاں سے نکلنا بڑا مشکل ہے۔ تم اپنی جان بچا کر چلے جاؤ اور ہمارے بیٹے کو کہیں کہ وہ افریقہ کی طرف نکل جائے۔ ہم تو مرنے کے قریب ہیں۔"

ناگ بولا۔ "ہمت نہ ہاریں۔ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، اٹھیئے اور میرے ساتھ چلئے۔ میں آپ کو لینے آیا ہوں۔"

ناگ کے بہت دیر تک سمجھانے کے بعد آخر احمد کے ماں باپ وہاں سے نکل جانے پر راضی ہو گئے۔ ابھی وہ باہر نکلنے کے لئے اٹھ ہی رہے تھے کہ باہر شور سا ہوا۔ جاگیردار کو پتہ چل گیا تھا کہ پہرے دار مار دیئے گئے ہیں اور ناگ قیدیوں کو بھگا کر لے جانے کی تیاری

کر رہا ہے۔ اس نے دروازے پر آتے ہی بندوق سے فائر کر دیا۔ ناگ نے خاموش آواز سے سفید سانپ کو آواز دی۔

"میں حاضر ہوں عظیم دیوتا!" سفید سانپ کی باہر سے آواز آئی۔ ناگ نے کہا۔

"باہر جو دُشمن ہیں اُن کی خبر لو۔"

"بہت بہتر حضور!"

سفید سانپ تنگ راہداری میں آ گیا۔ اندر احمد کے ماں باپ پریشان ہو گئے تھے۔ انہیں اپنی اور ناگ کی موت صاف نظر آ رہی تھی۔ باپ نے ناگ سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے کہا۔

"کاش! تم ہمیں بچانے یہاں نہ آتے۔ مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ موت کی آغوش میں سُلا دیئے جاؤ گے۔"

ناگ نے کہا۔ "ایسا نہیں ہے محترم! ابھی آپ دیکھیں گے کہ ظالم کو اُس کے ظلم کی سزا ملے گی اور آپ لوگ ہمارے ساتھ خیریت کے ساتھ یہاں سے نکل چلیں گے۔"

باپ بولا۔ "مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا تم کوئی

کرامت کرو گے ؟ کوئی جادو کرو گے ؟"

"ہاں میرے محترم! کرامت ہی ہوگی۔ آپ کو ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

اتنے میں باہر سے ایک بھیانک چیخ کی آواز آئی۔ ناگ نے کہا۔ "پہلی کرامت ہو گئی ہے۔ یہ چیخ کی آواز جاگیردار کی تھی۔ آپ پہچانتے ہیں نا اس کی آواز؟"

"ہاں" احمد کا باپ بولا۔ "یہ تو اُسی کی آواز تھی۔ اُسے کیا ہو گیا ہے ؟"

ناگ نے کہا۔ "وہ موت کی آغوش میں چلا گیا ہے۔ اب وہ لوگوں پر ظلم کرنے کے لئے زندہ نہیں ہے۔ آیئے میرے ساتھ۔"

ناگ نے احمد کے ماں باپ کو ساتھ لیا اور تہہ خانے کی کوٹھڑی سے نکل کر باہر آگیا۔ نیم روشن تنگ راستے میں جاگیردار کی لاش کے ساتھ ہی دو تین اور لاشیں پڑی تھیں۔

"یہ کیسے ہو گیا؟" احمد کی ماں نے حیرت سے کہا۔

ناگ بولا۔ "جلدی سے آجایئے، وقت بہت کم ہے۔"

یہ لوگ حویلی کے بڑے کمرے میں آئے تو وہاں جتنے پہرے دار اور جاگیردار کے آدمی تھے سارے کے سارے سفید سانپ نے ٹھکانے لگا دیئے تھے۔ باہر ایک تانگہ کھڑا

تھا۔ ناگ نے احمد کے ماں باپ کو اس میں سوار کروایا اور خود تانگہ کے آگے بیٹھ کر گھوڑے کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی۔ تانگہ ہوا سے باتیں کرتا سیدھی سڑک پر صحرا کی جانب روانہ ہو گیا۔

ٹیلے کے باہر جا کر ناگ غار میں گیا اور احمد کو وہاں سے لے کر باہر آگیا۔ ماں باپ نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو خوشی کے ساتھ اُس سے لپٹ گئے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ناگ نے کہا۔

"اب آپ کی جائیداد پر کوئی شخص ڈاکہ نہیں مار سکے گا۔ جایئے اپنی زمینوں پر جا کر آرام اور سکون کی زندگی بسر کریں۔ اگر کبھی میری ضرورت پڑی تو انشاء اللہ میں آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں گا۔

احمد نے آگے بڑھ کر ناگ کا ہاتھ تھام لیا۔

"ناگ بھائی! میں تمہارا احسان ساری زندگی نہیں اتار سکوں گا۔"

ناگ نے کہا۔ "کیسی باتیں کرتے ہو بھیا! یہ احسان کی بات نہیں ہے۔ یہ تو میرا انسانی فرض تھا جو میں نے ادا کیا۔ میں نے ہمیشہ زمین پر ظلم و ستم کرنے والوں اور بے گناہ انسانوں کو قتل کرنے والوں کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے

اور مظلوم و غریب لوگوں کا ساتھ دیا ہے۔ اس میں میری کوئی بڑائی نہیں ہے۔ آپ لوگ جائیں۔ خدا آپ کو نئی زندگی مبارک کرے۔"

احمد اپنے ماں باپ کو لے کر تانگے میں سوار ہو کر اپنے گاؤں کو روانہ ہو گیا۔ احمد نے جاتے جاتے ناگ سے پوچھا۔

"ناگ! تم اب کہاں جاؤ گے؟"

ناگ نے کہا۔ "جہاں خدا لے جائے گا۔ مجھے بھی اپنے ایک بھائی اور ایک بہن کی تلاش ہے۔ دعا کرو کہ وہ بھی مجھے مل جائیں۔"

"خدا کرے کہ جس طرح مجھے میرے ماں باپ ملے ہیں، اُسی طرح تیرے بہن بھائی بھی تجھے مل جائیں۔"

ناگ غار کے باہر اکیلا رہ گیا تھا۔ دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ دن کافی چڑھ آیا تھا۔ اُس نے سوچا کہ ماریا اور عنبر کی تلاش میں اب وہ کس طرف کا رُخ کرے؟ بہرحال وہاں سے تو اُسے کسی طرف چلنا ہی تھا۔ پس ناگ نے اللہ کا نام لیا اور قاہرہ شہر کی طرف چل پڑا۔

جنگ کے بعد اس شہر میں پھر سے نئی زندگی پیدا ہو رہی تھی۔ کاروبار پھر سے شروع ہو گیا تھا۔ بازاروں میں بڑی

رونق تھی۔ ناگ شہر میں آ کر ایک سڑک پر جا رہا تھا۔ اُسے بھوک محسوس ہوئی۔ اُس کے کپڑے بھی ٹھیک نہیں تھے۔ اُس کے پاس خزانے میں سے صرف ایک موتی باقی بچا تھا۔ سوچا کہ کسی دکان پر یہ موتی فروخت کر کے کچھ کپڑے خریدے جائیں اور کھانا کھایا جائے۔

وہ شہر کے اندر ایک دکان پر آ گیا۔ یہ ایک عرب جوہری کی دکان تھی۔ ناگ نے جوہری کو موتی دکھایا تو وہ حیران ہوا کہ ایک بھکاری قسم کے نوجوان کے پاس یہ اتنا قیمتی موتی کہاں سے آ گیا؟ اُس نے ناگ سے پوچھا۔

"تم نے یہ موتی کہاں سے لیا ہے؟"

ناگ نے کہا۔ "تمہیں اس سے کیا۔ تم یہ کہو کہ اس کے کتنے پیسے لو گے؟"

جوہری بولا۔ "میں تمہیں اس موتی کے پانچ سو روپے دے سکتا ہوں۔"

"لاؤ جلدی لاؤ۔"

جوہری نے ناگ کو پانچ سو روپے ادا کر دیئے۔ جوہری نے اپنے ایک خاص جاسوس کو فون کر کے بتایا کہ ایک نوجوان موتی لے کر آیا ہے جو یقیناً ہٹلر کے خفیہ خزانے کا موتی ہے۔ فوراً آ جاؤ۔ جوہری نے اتنی دیر تک ناگ کو شربت

وغیرہ پلا کر باتوں میں لگائے رکھا۔

قصہ اصل میں یوں تھا کہ جنگ میں جب جرمنی کو اپنی شکست سامنے نظر آ رہی تھی تو ہٹلر نے خودکشی کر لی اور دوسرے جرنیلوں نے آپس میں مل کر جرمنی میں جتنا سونا اور خزانہ بنکوں میں جمع تھا سارے کا سارا بائیس صندوقوں میں جمع کیا اور انہیں ایک خاص ہوائی جہاز میں لاد کر کسی نہ معلوم مقام پر لے جا کر چھپا دیا۔ اس خفیہ خزانے کے بارے میں ساری دنیا کے ملکوں میں لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ کوئی کہتا کہ جھیل جنیوا میں یہ خزانہ چھپا ہے۔ کوئی کہتا کہ اہرام مصر میں کسی جگہ خزانہ چھپا دیا گیا ہے۔

روسی، امریکی اور انگریزوں نے اپنے اپنے طور پر خزانے کی تلاش شروع کر دی تھی مگر کسی کو اس خزانے کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں مل رہا تھا۔ اب جو جوہری نے ناگ کے پاس موتی دیکھا تو سوچا کہ یہ موتی ضرور ہٹلر کے خزانے کا ہے۔ اُس نے بھی اپنے طور پر کچھ لوگوں کو خزانے کی تلاش پر لگا رکھا تھا۔ پس عرب جوہری نے جھٹ فون کر کے اپنے جاسوس کو دکان پر بُلوا لیا۔ اس جاسوس کا نام لوقا تھا یہ ایک یہودی تھا اور بڑا مکار اور چالاک شخص تھا۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح

سے ہٹلر کا چھپایا ہوا خزانہ تلاش کر کے باقی عمر آرام و عیش سے بسر کرے۔

اُس نے جوہری کی دکان میں ناگ کو شربت پیتے دیکھا تو جوہری نے ناگ سے اُس کا تعارف کروایا۔

"یہ ہیں مسٹر ناگ! یہ ہمارے گاہک ہیں۔"

لوقا نے ناگ سے ہاتھ ملایا اور دل میں سوچا کہ یہ ایک غریب سا نوجوان جس کے بدن پر کپڑے بھی ڈھنگ کے نہیں ہیں، کیسے ہٹلر کے خزانے تک پہنچ سکتا ہے؟ ضرور یہ کوئی چور ہے جس نے موتی کسی کے گھر سے چرایا ہے۔ اُس نے ناگ سے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ آخر ناگ اُٹھ کر چلا گیا۔ تو جوہری سے لوقا نے کہا۔

"یہ تو ایک غریب سا لڑکا ہے۔ پس اس کے پیچھے گھوم پھر کر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔"

جوہری نے کہا۔ "خدا کے لئے ایسا نہ کہو۔ تم اس کا تعاقب کرو۔ مجھے یقین ہے کہ اسے ہٹلر کے خزانے کا علم ہے۔"

"تم کہتے ہو تو میں تعاقب کرتا ہوں۔"

اور لوقا نے ناگ کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ ناگ وہاں سے سیدھا ایک کپڑوں کی دکان پر گیا۔ وہاں اُس نے نئے

کپڑے خریدے۔ پھر گرم حمام میں جا کر نہایا۔ نئے کپڑے
پہنے اور ایک ہوٹل میں آ کر کھانا کھانے لگا۔ لوقا بھی وہاں
آ گیا۔ اُس نے مسکرا کر ناگ سے کہا۔

"میں بھی کھانا کھانے اسی ہوٹل میں آتا ہوں۔"

اور پھر وہ بھی ناگ کی میز پر آ کر بیٹھ گیا۔

"مسٹر ناگ! تم نے تو بڑے اچھے اچھے کپڑے پہن
رکھے ہیں۔ یہ نئے خریدے ہیں کیا؟"

ناگ نے کہا۔ "ہاں! میں نے موتی اس لئے فروخت
کیا تھا کہ نئے کپڑے خرید سکوں۔"

لوقا نے کہا۔ "یہ موتی تم نے کہاں سے لیا تھا؟"

ناگ نے سخت لہجے میں کہا۔

"بھائی لوقا! چاہے میں نے جہاں سے لیا ہو تمہیں
اس سے کیا مطلب؟"

"اوہو بھائی تم تو ناراض ہو گئے۔ اچھا چلو میں تم سے
اب کبھی موتی کے بارے میں نہیں پوچھوں گا۔"

باتوں ہی باتوں میں لوقا نے ناگ سے دوستی کر لی اور اُسے
کہا کہ وہ ہوٹل میں ٹھہرنے کی بجائے اس کی کوٹھی میں چل
کر ٹھہر جائے۔ ناگ نے کہا۔ "شکریہ بھائی! لیکن میں ہوٹل
میں ٹھہرنا زیادہ پسند کروں گا۔"

ناگ نے ایک ہوٹل میں آ کر کمرہ لے لیا۔ وہ اس شہر
میں کچھ روز رہ کر عنبر اور ماریا کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔ اُدھر
لوقا نے بھی ناگ کا پیچھا شروع کر دیا۔ مگر ناگ اس کے ہاتھ
نہیں آ رہا تھا۔ ناگ کی پُراسرار حرکتوں سے لوقا کو اب
یقین ہو گیا تھا کہ اس شخص کو ہٹلر کے خزانے کے
راز کا علم ہے۔

پس اُس نے ناگ کو اغوا کر کے اُس سے پوچھ گچھ کرنے
کا فیصلہ کر لیا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ناگ عنبر اور ماریا کی
تلاش میں شہر سے باہر نکل گیا۔ رات پڑ گئی۔ اندھیرا ہو
گیا۔ اب ناگ نے سوچا کہ واپس چلا جائے۔ ابھی وہ واپسی
کے لئے مڑا ہی تھا کہ کھجور کے ایک درخت کے پیچھے
سے لوقا تیزی سے نکلا اور اُس نے ناگ کے منہ پر
کلوروفارم سے بھرا ہوا رومال رکھ دیا۔ ناگ نے ایک سانس
لیا ہی تھا کہ بے ہوش ہو گیا۔

جب اُسے ہوش آیا تو وہ ایک پتھریلے فرش پر پڑا
تھا۔ اُس کا سر بھاری بھاری تھا۔ بے ہوشی کی دوا
کا اثر ابھی تک اُس کے سر میں تھا۔ اُس نے اٹھ کر
دیکھا کہ اُس کا ایک پاؤں زنجیر میں بندھا تھا۔ جس کوٹھڑی
میں اُسے قید کیا گیا تھا اُس کا کوئی روشندان نہیں تھا۔

چھت نیچی تھی۔ صرف ایک دروازہ تھا جو بند تھا اور اُس میں ذرا سا سوراخ بھی نہیں تھا کہ جہاں سے وہ سانپ بن کر ہی نکل جاتا۔

ناگ نے سوچا کہ اُسے کون اغوا کر کے یہاں لا سکتا ہے؟ پھر اس کا خیال لوقا کی طرف چلا گیا۔ وہی اُسے اغوا کر سکتا تھا۔ بہر حال اب وہ قید میں تھا اور جب تک کوئی شخص اندر نہیں آتا وہ باہر نہیں جا سکتا تھا اور اُسے معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ اُسے کس شخص نے قید کیا ہے۔ ناگ صرف بے ہوشی کی دوا کے آگے بے بس تھا۔ یہی حال عنبر کا تھا۔ عنبر بھی بے ہوشی کی دوا کے آگے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ناگ سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

کافی دیر بعد اُسے باہر سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ دروازہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ اب ناگ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اُس کے سامنے وہی یہودی یعنی لوقا کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ مسکرا رہا تھا۔ ناگ کا خیال درست تھا لوقا نے ہی اُسے اغوا کیا تھا۔ لوقا ناگ کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

"مسٹر ناگ! شاید تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں نے تمہیں کس لئے اغوا کیا ہے؟"

ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموشی سے لوقا کو تکتا رہا۔ لوقا بولا۔ "اگر تم اپنے آپ مجھے ہٹلر کے خزانے کا پتہ بتا دو تو تمہاری بھلائی اسی میں ہے۔ نہیں تو تمہاری لاش بھی کسی کو نہ مل سکے گی۔"

اب ناگ سارا معاملہ سمجھ گیا۔ موتی دیکھ کر ان لوگوں کو شک پڑ گیا تھا۔ کہ اُس نے یہ موتی ہٹلر کے خفیہ خزانے سے حاصل کیا ہے۔ ناگ نے کہا۔

"بھائی! تم نے بیوقوفی کی ہے جو مجھے اغوا کر کے یہاں لے آئے ہو۔ اول تو مجھے ہٹلر کے خزانے کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ دوسرے اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو میں خزانے کو ہاتھ بھی نہ لگاتا۔ کیونکہ ہٹلر کے خزانے سے ایک کروڑ گنا زیادہ بہتر خزانہ میں حاصل کر سکتا ہوں"

"بکواس بند کرو اور مجھے بتاؤ کہ ہٹلر کا خزانہ کس جگہ دفن ہے۔"

ناگ نے سوچا کہ اس لالچی شخص کے ساتھ شرارت کی جائے۔ اُس نے لوقا سے کہا۔

"میں تمہیں اس شرط پر ہٹلر کے خزانے کے پاس

لے چلوں گا کہ اس میں سے آدھی دولت مجھے دی جائے۔"

"منظور ہے۔" لوقا نے خوش ہو کر کہا۔

"تو پھر آؤ میرے ساتھ۔"

لوقا نے پستول کا رُخ ناگ کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"یاد رکھنا اگر تم نے ہمارے ساتھ دھوکہ کرنے کی کوشش کی تو زندہ نہیں چھوڑے جاؤ گے۔ اس پستول نے آج تک سینکڑوں انسانوں کا خون کیا ہے۔"

ناگ بولا۔" ہرگز دھوکہ نہیں ہوگا۔ میں تمہیں ہٹلر کے خزانے کے اوپر لے جاؤں گا۔ تم چلو تو سہی۔"

ناگ نے لوقا کو ساتھ لیا اور تہہ خانے سے باہر نکل آیا۔ لوقا نے ناگ کے دونوں ہاتھ رسّی سے پیچھے باندھ رکھے تھے۔ باہر ایک کار کھڑی تھی۔ یہ کار بند تھی۔ اس کے شیشوں پر پردے گرے ہوئے تھے۔ لوقا نے ناگ کو کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھا کر باندھ دیا۔ ناگ نے کہا۔

"مجھے باندھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں بھاگ تو نہیں جاؤں گا۔"

لوقا نے راستے میں وائرلیس پر اپنے ساتھیوں کو بھی بلایا۔ ایک کار لوقا کی کار کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔

اس دوسری کار میں لوقا کے چار ساتھی جاسوس پستولیں لئے بیٹھے تھے۔ ناگ کو فکر ہوئی کہ خواہ مخواہ وہ مصیبت میں پھنس گیا۔ اُس نے کہا۔

"کاریں مصر کے پہلے اہرام کی طرف لے چلو۔"

دونوں کاروں کا رُخ اہرام مصر کی طرف کر دیا گیا۔ ناگ ان لوگوں کو ایک ایسے اہرام کے سامنے لے گیا جس کا دروازہ ڈھے چکا تھا۔ کاروں میں سے سارے بدمعاش پستولیں لے کر اُتر پڑے اور انہوں نے ناگ کو گھیر لیا۔ لوقا نے ناگ سے کہا۔

"یاد رکھو اگر تم نے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی تو ہم تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسی اہرام مصر کے اندر دفن کر دیں گے۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ ہمیں اب یہاں سے سیدھا اس جگہ لے چلو جہاں خزانہ دفن کیا گیا ہے۔"

ناگ نے کہا۔" تم لوگ میرے ہاتھوں کو تو کھولو۔ تاکہ میں آرام سے چل سکوں۔"

لوقا نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ انہوں نے اشارہ کر دیا کہ ٹھیک ہے اس کے ہاتھ کھول دو۔ یہ بھاگ کر کہاں جائے گا۔ اسی وقت ناگ کے ہاتھوں کی

رسّیاں کھول دی گئیں۔ ناگ آگے آگے چلتا اہرام کے غار نما دروازے میں داخل ہو گیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ لوقا نے ٹارچ روشن کر دی۔ ناگ انہیں لے کر ایک پرانے سے خستہ کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں پُرانے بُت کھڑے تھے۔ فرش پر ایک چبوترہ تھا جس پر ایک ممی کا تابوت رکھا تھا۔

کون روتا ہے؟

●

ناگ، تابوت کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

لوقا اور اس کے ساتھیوں نے ناگ کو گھیر لیا۔ لوقا نے پوچھا۔

"کیا خزانہ اس تابوت کے نیچے دفن ہے؟"

ناگ نے کہا۔" ہاں! اسے کھود و۔"

لوقا نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اسی وقت کدالیں اور پھاوڑے چلانے شروع کر دیئے۔ ناگ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ کمرے میں صرف وہاں روشنی ہو رہی تھی جہاں ٹارچ کی روشنی ڈالی جا رہی تھی۔ باقی جگہ پر اندھیرا تھا۔ ناگ دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ یہ کیسے احمق لوگ ہیں۔ ایک بدمعاش پستول ہاتھ میں لئے ناگ کے سر پر کھڑا پہرہ دے رہا تھا ناگ نے سوچا کہ اب ان لوگوں کو اسی جگہ چھوڑ کر چلا جانا چاہیے۔

اُس نے لوقا سے کہا۔

"اگر تم لوگوں کو فرض کیا کہ خزانہ نہ ملا تو پھر کیا کرو گے؟"

لوقا سامنے پتھر پر بیٹھا اپنے ساتھیوں کو پھاوڑے کدالیں چلاتے دیکھ رہا تھا۔ ناگ کے جملے نے اس کے چہرے پر ناگوار اثر کیا۔ اُس نے ناگ کی طرف غصے سے دیکھ کر کہا۔

"اگر خزانہ نہ ملا تو اس خالی گڑھے میں تمہیں زندہ دفن کر دیا جائے گا۔"

ناگ نے کہا۔"اگر فرض کر لو کہ میری جگہ تمہیں دفن ہونا پڑ گیا تو تم کیا کرو گے؟"

لوقا کا پارہ چڑھ گیا۔"بکواس بند کرو۔ نہیں تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔"

ناگ ہنسا۔"نہیں تمہیں مجھے گولی نہیں مارنی چاہیے۔ ابھی تمہیں مجھ سے بڑا کام ہے۔"

پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔"لوقا! تم ایک لالچی انسان ہو اور ایک دوسرے انسان کے مال پر قبضہ کرنا چاہتے ہو۔ اس لئے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہونا چاہیے۔"

لوقا نے جھلا کر کہا۔"تم یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ خاموش ہو کر بیٹھے رہو۔"

اتنی دیر میں زمین کافی کھودی جا چکی تھی۔ اِس میں سے ابھی تک کچھ نہیں نکلا تھا۔ لوقا کو یقین ہونے لگا کہ ناگ نے اُن کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور وہ اُن کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ خزانہ وہاں نہیں ہے۔ اُس نے ناگ کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا پھر وہ پستول لے کر اس کے پاس آیا۔

"سچ سچ بتاؤ کہ خزانہ کس جگہ دبا ہوا ہے؟"

ناگ نے کہا۔"اسی جگہ دفن ہے خزانہ۔ ذرا اور کھودو گے تو خزانے کا صندوق نکال آئے گا۔"

لوقا نے ناگ کے سر پر زور سے مکا مار دیا۔ ناگ پرے گر پڑا۔ اُسے سخت طیش آ گیا۔ اُس نے ایک گہرا سانس لیا اور لوقا سے کہا۔

"اب تم اور تمہارے ساتھی میرے ہاتھ سے زندہ نہیں بچ سکتے۔"

اس سے پہلے کہ لوقا ناگ پر پستول کا فائر کرتا اُس نے دیکھا کہ ناگ بیٹھے بیٹھے ایک دم سے غائب ہو گیا ہے وہ تو خوف کے مارے پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ ـــ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔"

اب لوقا کے ساتھیوں کے بھی ہاتھ پَیر پھول گئے۔

انہوں نے بھی ناگ کو غائب ہوتے دیکھ لیا تھا۔ ایک بدمعاش ڈری ڈری آواز میں بولا۔

"لوقا! اب کیا ہوگا۔ ہمیں بُری روحوں نے گھیر لیا ہے۔ یہ شخص بھی ایک بد رُوح تھا"

لوقا نے کمرے میں اوپر تلے چھ سات فائر کر دیئے۔ مگر ناگ تو ایک بہت ہی زہریلے مگر چھوٹے سے کالے سانپ کی شکل میں اہرام کے اندھیرے کونے میں موجود تھا۔ ناگ ان لوگوں کو ضرور سزا دینا چاہتا تھا۔ خاص طور پر لوقا نے اس کے سر پر مُکا مار کر اس کی توہین کی تھی وہ اس یہودی سے ضرور اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔

ابھی یہ بدمعاش پریشانی کے عالم میں وہاں سے بھاگنے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ سانپ نے اندھیرے کونے سے رینگنا شروع کر دیا۔ دو بدمعاش غار کے دروازے پر کھڑے تھے۔ ناگ نے ان دونوں کو باری باری ایسا ڈسا کہ وہ دونوں چیخ مار کر "سانپ سانپ" کرتے باہر کو بھاگے اور تھوڑی دُور جا کر گر پڑے اور تڑپنے لگے۔ دوسرے بدمعاش بھی باہر کو لپکے لیکن راستے میں ناگ نے اُن کی بھی خبر لی۔

لُوقا نے سانپ پر فائرنگ شروع کر دی۔

اُس کی پستول کی ساری گولیاں ختم ہوگئیں مگر سانپ کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ اب ناگ نے ایک پھنکار ماری اور دوسرے لمحے لوقا کے سامنے ایک اونچا لمبا ہاتھی کھڑا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح کار کی طرف بھاگا۔ اُسے بے بسی سے بھاگتے دیکھ کر ناگ کو اس پر ترس آ گیا۔ اس نے سونڈ اٹھا کر زور دار چنگھاڑ ماری اور لوقا کو جانے دیا۔ لوقا کار میں بیٹھ کر بھاگ گیا۔

ہاتھی پھر سے ناگ یعنی انسان کی شکل میں آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ تین بدمعاش پتھروں کے پیچھے دبکے بیٹھے اُسے دیکھ کر تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ناگ نے انہیں کہا۔

"تم لوگوں کے لئے اتنی ہی سزا کافی ہے کہ یہاں سے اب پیدل شہر واپس آؤ۔"

اور اتنا کہہ کر ناگ کار میں بیٹھ گیا۔ کار سٹارٹ کی اور شہر کی سمت روانہ ہوگیا۔ شہر میں پہنچ کر وہ سیدھا اپنے ہوٹل میں آگیا۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔ اُس نے کھانا کھایا اور سو گیا۔ صبح سویرے ناگ کی آنکھ کُھل گئی اور وہ یونہی ذرا سی سیر کرنے دریائے نیل کے کنارے آگیا۔ سیر کرتا وہ دُور نکل گیا۔ آبادی پیچھے رہ گئی تھی۔ یہاں دریا کنارے اگے ہوئے سرکنڈے تھے۔ ناگ ان سرکنڈوں

کے قریب سے گذر رہا تھا کہ اُس نے ایک مصری عورت کو دیکھا جو دریا پر کپڑے دھو رہی تھی۔ اُس کا بچہ پاس ہی دریا کی مٹی سے کھیل رہا تھا۔

ناگ نے دیکھا کہ اچانک سرکنڈوں میں سے ایک سیاہ سانپ نکلا اور اُس نے بچے کو ڈس دیا۔ بچے نے چیخ ماری۔ اس کی ماں نے سانپ کو بھاگتے دیکھا تو سر پیٹ کر رونے لگی۔

"میرا بچہ میرا بچہ! ہائے بچاؤ بچاؤ۔"

ناگ بھاگ کر اُس کے پاس گیا۔ اُس نے خاموش سیٹی بجائی۔ دوسرے ہی لمحے وہی کالا سانپ سرکنڈوں میں سے نکل کر ناگ کے سامنے آ گیا۔ کالے سانپ نے اپنے سامنے عظیم ناگ دیوتا کو دیکھا تو اُسے پسینہ آ گیا۔ ایک دم سے سر کو جھکا دیا اور زمین پر لیٹ گیا۔ ناگ نے اُسے حکم دیا۔

"بد بخت! تُو نے ناحق اس بچے کو ڈسا۔ اُس نے تیرا کیا بگاڑا تھا؟ جلدی سے اس کا سارا زہر چُوس لے۔ پھر میں تجھ سے بات کروں گا۔"

کالے سانپ نے بچے کے ڈسے ہوئے زخم پر منہ لگا دیا۔ اور سارا زہر دیکھتے دیکھتے چُوس لیا۔ بچے کو ہوش آ گیا۔ ماں نے اُسے کلیجے سے لگا لیا اور ناگ کا شکریہ

ادا کرنے لگی۔ ناگ نے کہا۔

"بہن! خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کر کہ اُس نے مجھے یہاں بھیج دیا۔ نہیں تو یہ ظالم سانپ اپنا کام کر چکا تھا۔"

اب ناگ نے سانپ کی طرف غصّے سے دیکھ کر کہا۔

"اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

کالے سانپ نے گردن زمین پر رکھ دی اور کہا۔

"عظیم دیوتا! معاف کر دو۔ مجھ سے بڑی بھول ہو گئی تھی، وعدہ کرتا ہوں۔ اب اگر کسی انسان نے مجھے تنگ بھی کیا تو اُسے ہرگز ہرگز نہیں ڈسوں گا۔"

ناگ نے پوچھا۔ تُو کہاں رہتا ہے؟"

سانپ نے کہا۔" ناگ دیوتا! مَیں یہاں سے دس میل دُور صحرا میں ایک اہرام کے اندر رہتا ہوں۔"

ناگ نے پوچھا۔" یہاں تو کیا کرنے آیا ہے؟"

سانپ بولا۔ ناگ دیوتا! یہاں دریا کنارے وہ جو ٹیلہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ وہاں میرا ایک بھائی خزانے پر پہرہ دیتا ہے۔ مَیں اُس سے ملنے آیا تھا۔"

ناگ نے خزانے کا نام سُنا تو بولا

"وہ کس کا خزانہ ہے جس پر تمہارا بھائی پہرہ دے رہا ہے؟"

سانپ نے کہا۔" دیوتا! وہ ہٹلر کا خزانہ ہے۔"

ناگ نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا ہٹلر کا خزانہ اس پہاڑی میں دفن ہے؟"

کالا سانپ کہنے لگا۔ "ہاں عظیم دیوتا!"

ناگ نے کہا۔ "چلو! میں تمہارے بھائی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"جو حکم حضور!"

کالا سانپ ناگ کو لے کر ٹیلے کے اندر آگیا۔ یہاں غار بنے ہوئے تھے۔ ان میں بھول بھلیاں سی تھیں۔ کہیں چھت اونچی تھی، کہیں اتنی نیچی کہ رینگ کر گذرنا پڑتا۔ غاروں کے اندر ایک سیڑھی بنی تھی۔ ناگ سیڑھی اتر کر ایک تہہ خانے میں آگیا۔ یہاں زمین پر پتھر پڑا تھا۔ سانپ نے کہا۔

"عظیم دیوتا! اس پتھر کے نیچے خزانہ دفن ہے۔ آپ چونکہ سانپ بن کر میرے ساتھ اندر آئے ہیں اس لئے کسی نے آپ کو نہیں دیکھا۔ نہیں تو اس پہاڑ کے اوپر اور غاروں کے اندر خفیہ جگہوں پر ہٹلر کے وفادار سپاہی مشین گنیں لئے ہر وقت بیٹھے اس خزانے پر پہرہ دیتے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔ "اپنے بھائی کو بلاؤ۔"

تھوڑی دیر بعد سانپ کا بھائی بھی آگیا۔ اس کے سر پر سبز رنگ کی کلغی بنی ہوئی تھی۔ اس نے ناگ دیوتا کو دیکھا اور جھک کر سلام کیا اور ادب سے سر زمین پر رکھ کر بولا:

"میرے اتنے اچھے بھاگ کہاں کہ عظیم ناگ دیوتا میرے گھر خود تشریف لے آئے۔"

ناگ نے کہا۔ "تم کو یقین ہے کہ یہ ہٹلر کا خفیہ خزانہ ہے؟"

کلغی والا سانپ بولا۔ "ہاں میرے آقا! آج سے دو برس پہلے جنگ ختم ہونے کے بعد ایک رات میں یہاں بیٹھا آرام کر رہا تھا کہ کچھ فوجی اس خزانے کو یہاں دفن کرنے آئے۔ وہ اسے گاڑ رہے تھے اور چھ سات مشین گنوں والے فوجی پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو کہا تھا کہ یہ ہٹلر کا خزانہ ہے اور جب تک جرمنی کا ملک اپنے پاؤں پر پھر سے کھڑا نہیں ہو جاتا یہ خزانہ اسی جگہ دفن رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

ناگ وہاں سے سیدھا اپنے ہوٹل آگیا۔

اب ہم آپ کو خزانے کی اصل کہانی سناتے ہیں۔ جنگ ہارنے لگی تو جرمن جرنیلوں نے سوچا کہ کوئی دم میں دشمن

ہمارے ملک پر قبضہ کرلے گا۔ اور جرمنی کا سارا سونا ساری دولت سارے جواہرات اس کے ہاتھ آ جائیں گے۔ کیوں نہ اُسے بچایا جائے تاکہ بعد میں جب جرمنی کو اپنی ترقی کے لئے دولت کی ضرورت ہو یا دشمن پر حملہ کرنا پڑے تو اس دولت کو کام میں لایا جائے۔ یہ سوچ کر ان جرنیلوں نے ایک رات خزانے کی ساری دولت صندوقوں میں بند کرکے ٹرک میں لادی اور ایک خفیہ مقام کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ دو جرنیل تھے اور دس جرمن سپاہی ساتھ تھے۔

انہوں نے اپنے ٹرک پر انگریزی فوج کا نشان بنا دیا اور خود بھی انگریزی جرنیلوں کی وردی پہن لی۔ اب یہ لوگ ٹرک لے کر بے فکری اور بڑی آسانی سے قاہرہ شہر میں آ گئے۔ یہاں سے وہ شہر کے باہر اہرام کے قریب سے گذر گر ویران جگہ پر موجود پہاڑی کے دامن میں آ کر رُک گئے۔ جرمن جرنیلوں نے یہ جگہ پہلے سے تاڑ رکھی تھی۔

ٹرک سے اُتر کر جرنیلوں نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ٹرک پر سے دولت کے صندوق اٹھا کر غار کے اندر پہنچائے جائیں۔ جرمن سپاہی جلدی سے ٹرک پر سے اترے اور ایک ایک کرکے انہوں نے سارے صندوق غار کے اندر

والے تہہ خانے میں لے جا کر رکھ دیئے۔ جرنیلوں نے حکم دیا کہ زمین میں گڑھا کھودا جائے۔

جرمن سپاہی کدالوں سے گڑھا کھودنے لگے۔ جب گڑھا کافی گہرا کھد گیا تو سارے کے سارے صندوق اس گڑھے میں لگا دیئے گئے۔ پھر اُن کے اوپر ترپال ڈالی گئی۔ اینٹیں چُنی گئیں۔ پتھر رکھے گئے اور پھر مٹی ڈال کر زمین کو برابر کر دیا گیا۔ اب ایک چبوترہ جو کہ پتھر کا بڑا سا ٹکڑا تھا اس جگہ نشانی کے طور پر رکھ دیا گیا۔ ابھی دس کے دس جرمن سپاہی اندر کام کر رہے تھے کہ دونوں جرنیل غار سے باہر آ گئے۔ ایک جرنیل نے دوسرے سے کہا۔

"یہ خزانہ ہماری قومی دولت ہے۔ ہم نے اسے قوم کی امانت کے طور پر زمین میں دفن کیا ہے تاکہ جرمنی کو دشمن کی غلامی سے آزاد کرانے کے لئے جب دولت کی ضرورت پڑے تو اس دولت کو کام میں لایا جائے۔ اس سے گولہ بارود اور اسلحہ خریدا جائے۔"

دوسرے جرنیل نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اس میں کیا شک ہو سکتا ہے۔"

پہلا جرنیل بولا۔ "اس لئے اس دولت کی حفاظت

بہت ضروری ہے۔ تاکہ کوئی اسے لُوٹ کر نہ لے جا سکے۔"

"بالکل دُرست ہے۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

جرنیل نمبر ایک نے کہا۔

"قوم کے اس خفیہ خزانے کا راز ان دس سپاہیوں پر کُھل چکا ہے۔ ان کو معلوم ہے کہ خزانہ اس پہاڑی کے اندر غار میں دفن ہے۔ ان میں سے کسی کی نیّت کسی وقت بھی خراب ہو سکتی ہے۔ یا وہ مرتے وقت اپنے بچے کو کہہ سکتا ہے کہ خزانہ فلاں جگہ دفن ہے جا کر کھود لو۔ اس طرح سے ہماری یہ دولت لوٹی جا سکتی ہے۔"

دوسرا جرنیل بولا۔ "پھر تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں قوم کی اس امانت کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ ان سپاہیوں کو اسی جگہ گولی مار کر ختم کر دیا جائے تاکہ یہ راز اسی جگہ دفن ہو کر رہ جائے اور یہ باہر جا کر کسی کو نہ بتا سکیں۔"

"ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

دونوں جرنیل اندر گئے۔ سامنے دس کے دس جرمن سپاہی پتھر کو زمین پر ٹھیک طرح سے جما رہے تھے۔ دونوں جرنیلوں نے ایک دم سے اپنی خطرناک مشین گنیں اٹھا

کر اُن کا رُخ سپاہیوں کی طرف کیا اور ٹریگر دبا دیئے۔ دھماکے کے ساتھ تڑ تڑ تڑ گولیاں مشین گن میں سے بارش کی بوچھاڑ کی طرح نکلنے لگیں اور سپاہی اُچھل اُچھل کر گرنے اور گر گر تڑپنے لگے۔ دسوں کے دسوں سپاہی مارے گئے تھے۔

جرمن جرنیلوں نے اُن کی لاشیں اٹھا کر گہری خندقوں میں پھینک دیں اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔ پھر وہ غار سے باہر آ گئے اور ٹرک کی طرف بڑھے۔ ایک جرنیل آگے تھا اور ایک جرنیل اُس کے پیچھے تھا۔ اچانک پیچھے والے جرنیل نے مشین گن کو سیدھا کیا اور ٹریگر دبا دیا۔ ایک برسٹ مشین گن میں سے نکلا اور ساری کی ساری گولیاں آگے آگے جانے والے جرنیل کے سینے میں سے نکل کر دوسری طرف گذر گئیں۔ وہ اوندھے منہ ریت پر گرا اور تڑپنے لگا۔ جرنیل مشین گن لے کر قریب گیا۔

اس نے ساری گولیاں تڑپتے جرنیل پر ختم کر دیں۔ اب وہ ہٹلر کے سارے خزانے کا مالک تھا۔ اُس نے مشین گن پرے پھینک کر زور زور سے ہنسنا شروع کر دیا۔ وہ دیر تک ناچتا اور ہنستا رہا۔ پھر اُس نے مرے ہوئے جرنیل کی لاش کو ریت کے نیچے دبا دیا۔ ٹرک سٹارٹ کیا اور شہر میں آ گیا۔ یہاں آ کر اُس نے اپنے۔ آپ کو آثارِ قدیمہ کا

ماہر مشہور کر دیا۔ اُس نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ وہ شہر کے باہر والے ٹیلے میں تاریخی نوادرات تلاش کر رہا ہے۔

اُس نے پانچ چھ مصری پرانے سپاہی نوکر رکھ لئے۔ انہیں یہ کہا کہ وہ ان غاروں کے اندر تلاش کئے جانے والی چیزوں کی حفاظت کے لئے انہیں ملازم رکھ رہا ہے اور انہیں دن میں اور رات میں باری باری چھ چھ گھنٹے غار کے باہر ٹیلے پر پہرہ دینا ہوگا تاکہ کوئی چور یا لٹیرا غار کے اندر داخل نہ ہو سکے۔ اس جرمن جرنیل نے گیٹ کے اوپر والی پوسٹ میں ایک خفیہ ٹیلی فون بھی لگوا رکھا تھا۔ پہرے داروں کو حکم تھا کہ اگر وہاں کوئی خطرہ ہو تو اُسے فون کر دیا جائے۔

اب یہ صورتِ حال تھی کہ ناگ واپس اپنے ہوٹل میں آکر سو گیا۔ وہ دوپہر کو اٹھا اور شہر میں عنبر اور ماریا کی تلاش میں چکر لگانے شروع کر دیئے۔ وہ شہر کے ایک باہر کے محلے کے قریب سے گذرا تو اُسے ایک گھر سے رونے کی آواز آئی۔ ناگ رُک گیا۔ آواز عورت کی تھی۔ ناگ جدھر سے آواز آ رہی تھی اُدھر کو گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا ایک منزلہ کچا مکان تھا۔ دروازہ بند تھا۔ ناگ نے کان لگائے تو معلوم ہوا کہ ایک عورت اور ایک بچہ رو رہا ہے اور کوئی مرد اُسے چُپ کرانے کی کوشش کر رہا ہے

ناگ نے دل میں سوچا کہ بے چاروں پر نہ جانے کونسی مصیبت پڑی ہوئی ہے کہ رو رہے ہیں۔ اُس نے ان لوگوں کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ناگ نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے مرد کی آواز آئی۔

"بابا معاف کرو۔"

ناگ دل میں ہنسا کہ ان لوگوں نے اُسے کوئی فقیر سمجھا ہے۔ اس نے دوبارہ دستک دی۔ اس بار اندر خاموشی ہو گئی۔ عورت کے رونے کی آواز بند ہوگئی اور پھر ایک مرد نے دروازہ کھولا۔ یہ مرد کمزور اور بیمار سا لگتا تھا۔ چہرے پر بھوک اور غریبی کا اثر تھا۔

"فرمایئے کیا بات ہے؟"

ناگ نے کہا۔ "میرے بھائی! میں یہاں سے گذر رہا تھا کہ مجھے اندر سے کسی خاتون کے رونے کی آواز آئی۔ میرے قدم آگے نہیں اٹھ رہے۔ میں اس بہن کی کوئی مدد کرنا چاہتا ہوں جو مصیبت میں مبتلا ہے۔ مجھے آپ بھی اپنا بھائی ہی سمجھیں۔"

وہ مرد پہلے تو ناگ کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ "شکریہ! مگر آپ ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

وہ دروازہ بند کرنے لگا تھا کہ ناگ نے ہاتھ سے رو
کر کہا۔
"ذرا ٹھہریئے۔ ایسی کونسی مصیبت آپ پر آ پڑی
کہ جسے دُور کرنے میں میں بھی آپ کی کوئی مدد نہ
کر سکتا ؟ آپ مجھے بتائیں تو سہی۔"
اس مرد نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تو پھر اندر
جائیں۔" اُس نے ناگ کو اندر ایک لکڑی کی کُرسی پر بٹھا
یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ کچھ سامان سجا ہُوا تھا۔ وہ
بولا۔
"بھائی جان ! اگر آپ ضرور میری دُکھ بھری کہانی سُنن
چاہتے ہیں تو سُنیئے۔ میرا نام مُراد ہے۔ میرے ماں باپ
فوت ہو چکے ہیں۔ انہوں نے میرے لئے ایک ٹکڑا زمین
چھوڑا تھا۔ میں نے اُسے بیچ کر کاروبار شروع کیا۔
ایک حصّے دار بھی تھا۔ پانچ سال کے بعد ہمیں کارو
میں زبردست نقصان ہوگیا۔ اب حالت یہ ہے کہ میرے
حصّے دار نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے اپنے نقصا
کے حصّے کے دس لاکھ روپے ادا نہ کئے تو وہ میری بیو
اور بچے کو قتل کرا دے گا۔ وہ بڑا بدمعاش ہے ا
اس سے پہلے کئی لوگوں کو قتل کرا چکا ہے۔ بس میں ا

میری بیوی اسی لئے پریشان ہیں کہ ہمارے پاس تو پھوٹی کوڑی
نہیں ہے۔ ہم اتنی بڑی رقم کہاں سے پُوری کریں گے ؟ میری
بیوی اور بچہ صبح سے رو رہے ہیں اور میں اُنہیں چُپ
کرانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اب بتایئے۔ کیا میں ٹھیک
نہیں کہتا تھا کہ آپ ہماری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے ؟"
ناگ نے ساری داستان سُن کر کہا۔
"یہ تو بڑی معمولی بات ہے۔ دس لاکھ روپے میں آپ
کو دے دوں گا۔ آیئے میرے ساتھ۔"
مُراد ناگ کا منہ تکنے لگا کہ یہ شخص کیسی باتیں کر رہا
ہے۔ بھلا ایسا کون شخص ہوگا جو اُن کو دس لاکھ روپے بطور
قرض ہی ادا کر دے۔ اُس نے ناگ سے کہا۔
"بھائی جان ! ہم مصیبت زدہ ہیں۔ ہمارے ساتھ
مذاق کچھ اچھی بات نہیں ہے۔"
وہ سمجھا کہ ناگ مذاق کر رہا ہے۔ پھر اُسے خیال آیا کہ
شاید یہ کوئی پاگل نوجوان ہے اور شہر کے پاگل خانے سے بھاگ
کر آگیا ہے۔ ناگ نے جواب دیا۔
"مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان
ہے کہ میں آپ سے مذاق نہیں کر رہا۔ آپ ایک تھیلا لے کر
میرے ساتھ آیئے اور میں دس لاکھ روپے کی رقم آپ کے

حوالے کر دوں گا۔ پھر آپ اس سے اپنا قرض ادا کر دیجئے۔
اتنے میں اس مصیبت زدہ مُراد کی بیوی بھی پردے کے
پیچھے آ گئی اور بولی۔
"خدا نے کوئی فرشتہ ہماری مدد کے لئے بھیجا ہے۔ آپ
ان کے ساتھ چلے جائیں۔"
مُراد ڈر گیا تھا کہ کہیں اُس کے ساتھ کوئی دھوکہ نہ
کیا جا رہا ہو اور اُسے باہر ویرانے میں لے جا کر قتل نہ
کر دیا جائے۔ اُس نے انکار کرتے ہوئے کہا۔
"بھائی جان! میں باہر نہیں جاؤں گا۔ اگر آپ میری کوئی
مدد کرنا چاہتے ہیں تو یہیں کر دیجئے۔"
ناگ نے کہا۔ "میں آپ کی بیوی کی آہ و زاری نہیں دیکھ
سکا۔ اب میں نے اُسے اپنی بہن کہہ دیا ہے تو اُس کی
ضرور مدد کروں گا۔ آپ ایسا کریں کہ مجھے اس کمرے میں
تنہا چھوڑ دیں اور دروازہ بند کر دیں اور ہاں۔ دروازے کے
سوراخ میں سے بھی ادھر دیکھنے کی کوشش نہ کریں۔"
"بہت بہتر"
مراد نے دروازہ بند کر دیا۔ دوسری طرف جا کر اپنی بیوی
سے بولا۔
"مجھے تو یہ کوئی پاگل لگتا ہے۔"

عورت نے کہا۔ "نہیں مجھے کوئی نیک فرشتہ لگتا ہے
جسے خدا نے ہماری مدد کے لئے یہاں بھیجا ہے۔ تم دیکھتے
جاؤ۔ وہ ہمارے لئے روپوں کا ضرور انتظام کرے گا۔"
"مگر ایک خالی کمرے میں بیٹھ کر وہ دس لاکھ روپے
کہاں سے پیدا کرے گا؟"
"اگر خدا کی مرضی ہوئی تو ایسا ہو کر رہے گا۔"
ادھر ناگ نے آنکھیں بند کر کے اپنی پُراسرار آواز
میں خزانے پر پہرہ دینے والے سانپ کو طلب کیا۔ سفید
کلغی والا سانپ حاضر ہو کر بولا۔ "کیا حکم ہے ناگ دیوتا؟"
ناگ نے کہا۔ "جس خزانے پر تم پہرہ دے رہے ہو
اس میں کیا کچھ ہے؟"
سانپ بولا۔ "حضور! اس خزانے میں جواہرات
ہیں۔ سونے کی اینٹیں اور سلاخیں ہیں اور کچھ نایاب
موتی ہیں۔"
ناگ نے کہا۔ "تم ایسا کرو کہ کچھ قیمتی جواہرات لے کر
فوراً یہاں آ جاؤ۔"
"جو حکم حضور!"
سانپ غائب ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد واپس
نمودار ہوا تو اُس نے اپنے منہ میں ایک تھیلی اٹھا

رکھی تھی۔ تھیلی سانپ نے ناگ کے آگے ڈال دی اور کہا۔

"جواہرات حاضر ہیں عظیم دیوتا۔"

ناگ نے تھیلی کھول کر الٹ دی۔ سرخ و سبز قیمتی جواہرات اندھیرے میں ستاروں کی طرح چمکنے لگے۔ اُس نے سانپ کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔"

سانپ غائب ہوگیا۔ اب ناگ نے سارے جواہرات تھیلی میں ڈالے اور آواز دی۔

"میری بہن اور بھائی اندر آ جاؤ۔"

مصیبت زدہ مُراد اور اس کی بیوی دروازہ کھول کر اندر آ گئے۔

"بیٹھو۔ یہاں۔"

دونوں بیٹھ گئے۔ وہ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ شاید اُن کے ساتھ کوئی دردناک ڈرامہ کیا جا رہا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی تھوڑی دیر کے لئے دروازہ بند کرے اور پھر دس لاکھ روپے پیدا کر دے؟ ناگ نے کمرے کی بتی جلا دی۔ روشنی ہوگئی۔ اُس نے جواہرات کی تھیلی اُن کے آگے میز پر الٹ دی۔ قیمتی اور بے حد

چمکیلے جواہرات میز پر بکھر گئے۔ مُراد اور اُس کی بیوی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ناگ بولا۔

"یہ انتہائی قیمتی ہیرے جواہرات ہیں۔ چلو میرے ساتھ انہیں بازار میں چل کر فروخت کرتے ہیں اور جتنی رقم ملے گی اس سے تم اپنا قرض ادا کر دینا۔"

ناگ نے مُراد کو ساتھ لیا اور شہر کی طرف چل پڑا۔

ہیروں کی چوری

مراد ایک نیک دل ایماندار جوہری کو جانتا تھا۔ وہ ناگ کو اُس کی دکان پر لے گیا۔ یہ ایک امیر کبیر حاجی تھا جس کی بہت بڑی دکان تھی۔ مراد نے ناگ کا تعارف کروایا اور کہا۔

"یہ میرے دوست ہیں۔ کینیا میں ہیرے جواہرات کا کاروبار کرتے ہیں۔ کچھ جواہرات آپ کے لئے لائے ہیں۔ یہ قاہرہ میں بھی کاروبار کرنا چاہتے ہیں جس کے واسطے کچھ جواہرات فروخت کر رہے ہیں۔"

حاجی جوہری نے خندہ پیشانی کے ساتھ ناگ سے کہا۔

"دکھایئے برادر عزیز کونسے جواہر ہیں۔ اگر ہمارے مطلب کے ہوئے تو ہم ضرور خرید لیں گے۔"

ناگ نے تھیلی حاجی صاحب کے آگے شیشے پر اُلٹ دی۔ حاجی جوہری کی نظر ہیرے جواہرات پر پڑی تو وہیں دھک سے رہ گئے۔ بس جواہرات کی چمک دمک میں کھو گئے۔ انہوں نے آج تک اتنے بڑے اور اتنی قیمتی جواہرات

کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ایک ایک جواہر اور موتی کو ہاتھ میں لے کر دیکھتے اور تعریف کرتے۔ پھر بولے۔

"برادر عزیز! فرمایئے آپ اس کے کیا دام لگاتے ہیں؟"

ناگ نے کہا۔ "یہ تو اگر آپ ہی بتائیں تو ہمیں بڑی سہولت ہوگی۔ بس اتنا بتا دیجئے کہ آپ اس کے عوض کتنی رقم دے سکتے ہیں؟"

حاجی جوہری نے کہا۔

"میں آپ کو دیانتداری کے ساتھ اپنا منافع لگا کر ان تمام جواہرات کے پچاس لاکھ روپے دے سکتا ہوں۔"

پچاس لاکھ روپوں کا سُن کر مراد کو تو غش سا آنے لگا۔ وہ گرتے گرتے بچا۔ خوشی سے اُس کے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ مگر ناگ پر ذرا بھی اثر نہ ہُوا۔ ایک تو اس لئے کہ دولت کی ناگ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں تھی اور دوسرے اس لئے کہ وہ کروڑوں روپے میں کھیلا تھا اور جس وقت چاہے دولت پیدا کر سکتا تھا۔

کہنے لگا۔

"ہمیں یہ سودا منظور ہے۔"

"بہت بہتر۔"

حاجی جوہری مُراد اور ناگ کو اندر لے گیا۔ اُن کے لئے سنگتروں کا شربت منگوایا گیا۔ ساتھ ہی خزانچی ایک بکس لے کر آگیا اور اُس نے نوٹ گن کر ناگ کے سامنے رکھ دیئے۔

"پورے پچاس لاکھ ہیں۔ گن لیجئے۔"

ناگ نے نوٹوں کو ایک تھیلے میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"حاجی صاحب! ہمیں آپ پر پورا پورا بھروسہ ہے۔"

گھر واپس پہنچ کر ناگ نے سارے روپے مراد اور اس کی بیوی کے حوالے کر دیئے اور کہا۔

"ان روپوں میں سے اپنا قرض ادا کیجئے اور ایک نیا مکان بنوا کر اپنا الگ کاروبار شروع کیجئے۔"

مراد اور اس کی بیوی کی تو آنکھیں کُھل گئی تھیں۔ وہ ناگ کے آگے پیچھے جا رہے تھے۔ ناگ نے کہا۔

"مَیں نے بہن کہا ہے تو اب میرا فرض تھا کہ مَیں آپ کی مدد کرتا۔ اور مَیں آپ کی مدد کر سکتا تھا۔ پس مَیں نے آپ کی مدد کر دی۔ اب خدا حافظ!"

اتنا کہہ کر ناگ مکان سے باہر نکل آیا اور شہر کی طرف چل پڑا۔ جس وقت ناگ مکان سے باہر نکلا تو ایک پُراسرار کالی ٹوپی اور لمبے چغے والا سانولا سا آدمی، دُور کھجور کے درخت کی اوٹ میں کھڑا اُسے دیکھ رہا تھا۔ ناگ شہر کی طرف چلا

تو اس کالی ٹوپی والے نے بھی اُس کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔

یہ کالی ٹوپی والا پُراسرار انسان جرمن جرنیل کا ایک خاص جاسوس تھا جس کو خاص طور پر جرمن جرنیل نے شہر میں چھوڑ رکھا تھا کہ وہ جوہریوں کی دکانوں پر چل پھر کر پتہ کرتا رہے کہ کوئی بڑے ہی قیمتی قسم کے جواہرات تو فروخت نہیں کر رہا۔ یہ کالی ٹوپی والا جاسوس حاجی جوہری کی دکان پر کھڑا تھا کہ ناگ نے جواہرات کا سودا کیا۔ اتنا بڑا سودا اُس جاسوس نے بھی پہلے ہوتا کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پس اُس نے ناگ کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ جب ناگ واپس اپنے ہوٹل میں پہنچا تو جاسوس نے اُسی وقت جرنیل کو جا کر اطلاع کر دی۔

جرنیل نے کہا۔ "کیا تم نے جواہرات دیکھے تھے؟"

"ہاں جناب! دیکھے تھے۔"

"کس قسم کے تھے وہ؟"

"جناب! کافی بڑے سائز کے تھے اور بے حد چمک رہے تھے۔"

جرنیل نے عام شہریوں ایسا لباس پہن رکھا تھا اور وہ کافی پی رہا تھا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا کہ یہاں اتنے بڑے سائز کے قیمتی جواہرات ایک عام آدمی کے پاس نہیں ہو سکتے

جو بازار میں لے جا کر انہیں فروخت کرتا پھرے ۔ ضرور دال میں کچھ کالا کالا ہے ۔ جرنیل نے لباس تبدیل کیا ۔ جیب میں پستول رکھا ۔ اور جاسوس کو رخصت کرنے کے بعد سیدھا حاجی جوہری کی دکان پر پہنچ گیا ۔ جرنیل نے جرمنی کے کاروباری آدمیوں جیسا لباس پہن رکھا تھا ۔ حاجی کے پاس جا کر جرنیل نے اپنا تعارف یوں کرایا ۔

"میرا نام ہولز ہے ۔ میرا آسٹریا میں ہیرے جواہرات کا کاروبار ہے ۔ میں مشرق وسطیٰ میں نایاب ہیروں کی تلاش میں آیا ہوں ۔ کیا آپ مجھے کوئی اعلیٰ قسم کے نایاب ہیرے دکھا سکتے ہیں ؟ میں بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں ۔"

حاجی صاحب بڑے خوش ہوئے کہ ابھی اعلیٰ جواہرات خریدے تھے اور ابھی اس کا گاہک بھی آ گیا ۔ انہوں نے وہی ناگ والی تھیلی جرمن جرنیل کے سامنے ایک شیشے کی قیمتی اور نازک پلیٹ میں الٹ دی اور کہا ۔

"یہ جواہرات میں نے آج ہی خریدے ہیں ۔ بڑے نایاب ہیں ۔ کہیے آپ کو پسند ہیں ؟"

جرمن جرنیل کی نظر جونہی جواہرات پر پڑی تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ۔ یہ اس کے خزانے کے جواہرات

تھے ۔ کسی نے غار میں نقب لگا کر جواہرات چوری کر لئے تھے ۔ جرنیل کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا ۔ اس کے پاس اتنی دولت نہیں تھی کہ وہ یہ جواہرات دکاندار سے واپس خرید سکتا ۔ اس نے کہا ۔

"شکریہ ! بڑے نایاب جواہرات ہیں ۔ میں کل حاضر ہوں گا ۔"

جرمن جرنیل واپس اپنی چھوٹی سی کوٹھی میں آ گیا جو اس نے شہر سے دور دریائے نیل کے کنارے بنوا رکھی تھی ۔ اس نے اپنے خفیہ کمرے میں جا کر ارجنٹینا کے ایک قصبے میں رہنے والے دوسرے جرمن جرنیل کو وائرلیس پر کہا کہ کچھ جواہرات کسی چور نے نقب لگا کر چوری کر لئے ہیں ۔ دوسری طرف سے جرنیل نے کہا ۔ "جس نے چوری کئے ہیں اس کا پتہ لگا کر فوراً ہلاک کر دو ۔ اس کو خزانے کا پتہ لگ گیا ہے ۔ اس کو زندہ نہیں رہنا چاہیے ۔"

"ایسا ہی ہو گا جناب !"

"اور سنو ! چوری کئے ہوئے ہیرے کسی طرح واپس لے کر خزانے میں جمع کرانے کی کوشش کرو ۔"

"جناب ! ان کی رقم بہت بڑی ہے ۔ میں اتنی رقم کہاں سے لاؤں ؟"

"تم بھی انہیں چوری کرو۔ اگر نہیں کر سکتے تو میں یہاں آ
کر تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"یس سر! ایسا ہی ہوگا۔"

جرنیل نے وائرلیس رکھ دیا اور سوچ میں پڑ گیا۔ اُس
نے فیصلہ کر لیا کہ وہ حاجی جوہری کی دکان سے اپنے جواہرات
جاسوسوں کی مدد سے اڑا لے گا اور جس نے خزانے میں
نقب لگائی ہے اُسے ہلاک کر ڈالے گا۔

جرنیل نے اُسی وقت ٹیلی فون کر کے ایک بڑے ہی سنگدل
اور بدمعاش قسم کے جاسوس کو بلایا۔ اس کا نام چنگیز
تھا اور اُس نے کئی خون کئے ہوئے تھے۔ اس کے پاس
ہر وقت جیب میں پستول رہتا تھا اور وہ بڑی بے دردی
سے گولی چلا کر انسان کو یوں مار ڈالتا تھا جیسے وہ کوئی مرغی
یا جانور ہو۔ چنگیز فون ملتے ہی آ گیا۔ اس کا قد اونچا لمبا
تھا اور ماتھے پر زخم کا نشان تھا۔

"کیا حکم ہے باس؟"

جرنیل نے اس کی طرف دس ہزار روپے کا چیک بڑھا
کر کہا۔

"میں تمہیں تمہارا انعام دس ہزار روپے پہلے ادا کر رہا
ہوں۔ ایک نوجوان جس کا رنگ سانولا اور چہرہ صاف ہے

قاہرہ کے اہرام ہوٹل کے کمرہ نمبر بارہ میں رہتا ہے۔ اُسے
جا کر ختم کر دو۔ بس یہ تمہاری ڈیوٹی ہے!"
چنگیز نے پستول پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"باس! مجھے اس کی شکل دکھا دو تو بہتر ہے کہیں ایسا
نہ ہو کہ کوئی دوسرا آدمی قتل ہو جائے۔"

جرنیل نے کہا۔ "تم اسی وقت کالی ٹوپی سے جا کر ملو۔ وہ
تمہیں ہمارے چور کی شکل دکھا دے گا۔"

"ٹھیک ہے باس!"

چنگیز اسی وقت کالی ٹوپی کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے
چنگیز کو ناگ کی تصویر دے دی۔ یہ تصویر کالی ٹوپی نے چلتے
وقت خفیہ کیمرے سے اتاری تھی۔ چنگیز نے ناگ کی تصویر کو
غور سے دیکھا پھر تھوک کر بولا۔

"اس کی خیر نہیں۔ آج رات اس کی آخری رات ہے۔"

چنگیز وہاں سے سیدھا اہرام ہوٹل میں آ گیا۔ اس
ہوٹل کے کمرہ نمبر بارہ میں ناگ ٹھہرا ہوا تھا۔ ناگ ابھی اپنے
کمرے میں نہیں آیا تھا۔ وہ عنبر اور ماریا کی تلاش میں شہر
کے علاقے میں چکر لگا رہا تھا۔ چنگیز نے ہوٹل میں ایک کمرہ
کرائے پر لے لیا اور ہوٹل کے دروازے میں ایک طرف
کھڑے ہو کر ناگ کا انتظار کرنے لگا۔ ناگ کی تصویر اس

کی جیب میں تھی۔ رات کے دس بجے کے قریب چنگیز نے ایک ایسے سانولے سے نوجوان کو ٹیکسی سے اُتر کر ہوٹل کی طرف آتے دیکھا جس کی صورت تصویر سے بہت ملتی تھی۔

چنگیز نے اُسی وقت جیب سے ناگ کی تصویر نکال کر دیکھا۔ ہو بہو وہی شکل تھی۔ اُس کا شکار اُس کے سامنے تھا۔ چنگیز کی انگلیاں جیب کے اندر پستول کے ساتھ کھیلنے لگیں۔ ناگ ہوٹل کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اُس نے کمرے کو اندر سے بند کر لیا اور لباس بدل کر تاریخ کی ایک پرانی کتاب پڑھنے لگا۔

وہ ایک جگہ سے کھانا کھا کر آیا تھا۔ وہ بستر پر لیٹ کر کتاب پڑھ رہا تھا اور باہر چنگیز بے تابی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ وہ انتظار کر رہا تھا کہ ذرا رات گہری ہو اور وہ دروازہ توڑ کر اندر جائے اور ناگ پر گولیاں چلا کر اس کا کام تمام کر دے۔ ناگ کو چائے کی ضرورت محسوس ہوئی اُس نے فون پر چائے کا آڈر دیا اور کتاب پڑھنی شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔

”چائے سر!“

”آتا ہوں!“

ناگ اُٹھ کر گیا تو اُسے دروازے کے باہر دو آدمیوں کے

ذرا تیز تیز باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ ناگ نے دروازہ کھولا تو بیرا چائے لے کر کھڑا تھا اور ایک اونچے لمبے آدمی سے اُلجھ رہا تھا۔ ناگ نے کہا۔

”کیا بات ہے بیرا؟“

بیرے نے کہا۔ ”سر! یہ آدمی کتنی دیر سے آپ کے کمرے کے آگے ٹہل رہا ہے۔ میں نے اسے یہاں سے جانے کو کہا تو مجھے گالیاں دینے لگا ہے۔“

ناگ کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ اُس نے چنگیز کو غور سے دیکھا اور کہا۔

”کیوں بھائی! آپ یہاں کس لئے ٹہل رہے ہیں؟“ چنگیز نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

”بس ذرا کھانا کھا کر ٹہل رہا تھا۔ چلا جاتا ہوں اگر آپ کو بُرا لگتا ہے تو۔“

اور چنگیز وہاں سے چلا گیا۔ بیرا چائے میز پر رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”سر! جنگ کے بعد اس شہر میں چوریاں بہت ہونے لگی ہیں۔ ذرا ہوشیار رہیے گا۔“

ناگ ہنس کر بولا۔ ”شکریہ شکریہ! ارے بھائی ہمارے پاس کیا ہے جو چور لے جائیں گے۔“

بیرا بولا۔ "نہیں جناب! یہ چور لوگ کسی کو جان سے مارنے سے بھی نہیں ڈرتے۔"

"کوئی بات نہیں میاں۔ زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

بیرا چلا گیا اور ناگ سوچ میں پڑ گیا۔ سب سے پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ دروازے کو اندر سے بند کر کے تالہ لگا دیا۔ پھر کمرے کی بتی بجھا کر ٹیبل لیمپ جلایا اور خاموشی سے چائے پینے لگا۔ چائے پی کر اُس نے ٹیبل لیمپ بھی بجھا دیا۔ اب کمرے میں اندھیرا ہو گیا۔

باہر چنگیز قاتل ایک طرف کونے میں چھپ کر کھڑا تھا اور کمرے میں اندھیرا ہونے کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ جونہی ناگ نے روشنی گُل کی تو چنگیز قاتل آگے بڑھا۔ اُس نے دروازے کے قریب جا کر ایک بجلی کی چھوٹی سی ریتی نکال کر دروازے کے اندر ڈالی اور بٹن دبا دیا۔ بغیر کسی آواز کے بجلی کی ریتی نے چلنا شروع کر دیا اور دروازے کی کنڈی اندر سے کٹ گئی۔ اس کے بعد چنگیز قاتل نے تالے میں ایک چھوٹی سی سلائی ڈال کر اُسے خاص طریقے سے گھمایا۔ کلک کی آواز کے ساتھ دروازے کا تالا کھُل گیا۔

قاتل نے دروازے کو آہستہ سے کھولا۔ دروازہ کھلا تھا۔

قاتل اندر کمرے میں آ گیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ کھڑکی جو دوسری طرف بازار کی جانب کھلتی تھی اُس پر پردہ گرا تھا۔ قاتل نے دروازہ بند کر دیا اور دیوار کے ساتھ لگ کر خاموشی سے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ کھڑکی میں سے بازار کی ہلکی روشنی پردے کے پیچھے سے اندر آ رہی تھی۔ اس دھیمی روشنی میں کمرے کی چیزیں معمولی سی نظر آ رہی تھیں۔ قاتل نے جیب سے پستول نکال لیا۔

اُس نے دیکھا کہ بستر پر کوئی شخص اوپر کمبل لپیٹ کر سو رہا ہے۔ چنگیز قاتل نے پستول کے آگے فولاد کا سائیلنسر چڑھا دیا۔ اس کی وجہ سے پستول چلنے کی آواز بالکل نہیں آتی تھی۔ اب چنگیز قاتل قدم قدم ناگ کے بستر کی طرف بڑھا۔ اُس کا شکار اُس کے سامنے پڑا تھا۔ وہ بڑا خوش تھا۔ پس قریب جا کر پستول کا ٹریگر ہی دبانا ہو گا اور شکار کا کام تمام ہو جائے گا۔

قاتل ناگ کے بستر کے قریب جا کر رُک گیا۔

وہ دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے پستول کی نالی ناگ کے سر پر سرہانے کے اوپر لگا دی۔ ناگ کا سر کمبل میں لپٹا ہوا تھا۔ چنگیز قاتل نے ٹریگر دبا دیا۔ "ٹھک" کی آواز کے ساتھ ہی ایک گولی پستول کی نالی میں سے نکل کر کمبل کے اندر گھُس گئی۔ قاتل نے اس کے بعد دوسری گولی بھی چلا دی۔ پھر

تیسری گولی چلا دی۔ کمبل میں کوئی حرکت نہ ہوئی۔ اس کا شکار ختم ہو چکا تھا۔

قاتل نے کمبل پرے پھینک دیا تاکہ وہ اپنے قاتل کی شکل دیکھ کر دل کو تسلی دے لے کہ وہ مر چکا ہے۔ جونہی اُس نے کمبل پرے ہٹایا اندر سے ایک سرہانہ لڑھک کر اس کے پاؤں میں آ گرا۔ چنگیز قاتل کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اُس نے دیکھا کہ بستر پر سرہانے لگے تھے جن پر اس طرح کمبل ڈال دیا گیا تھا کہ معلوم ہو کوئی سو رہا ہے۔ شکار بھاگ نہیں سکتا۔ وہ ضرور کمرے میں ہی کہیں ہو گا۔ اُس کو پتہ چل گیا تھا شکار نے بڑی مکاری سے کام لیا ہے مگر وہ بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے؟ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ اس کمرے میں داخل ہوا تھا اور اب تک وہ اسی کمرے میں ہے۔ یہاں سے کوئی بھی باہر نہیں نکلا۔ قاتل نے کمرے میں شکار کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ مگر کمرہ سارے کا سارا خالی تھا۔ تو کیا وہ کھڑکی میں سے کود گیا ہے؟

قاتل نے پردے ہٹا کر کھڑکی کو دیکھا۔ کھڑکی بند تھی اور اندر سے چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ وہ کچھ خوف زدہ سا بھی ہو گیا۔ کیونکہ ایک زندہ انسان اُس کی آنکھوں کے سامنے کمرے میں داخل ہونے کے بعد غائب ہو گیا تھا۔ وہ کچھ پریشان سا

ہو کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

ناگ سانپ بن کر دیوار کے اوپر چپکا ہوا تھا۔ جونہی اُس نے قاتل کو باہر جاتے دیکھا۔ وہ دیوار سے اُترا اور اُس کے پیچھے پیچھے باہر نکل گیا۔

قاتل ہوٹل سے باہر آ گیا۔ باہر رات تھی۔ ہوٹل کی روشنیاں چمک رہی تھیں۔ اتنے میں ایک ٹیکسی آ کر رکی۔ قاتل اس میں سوار ہو گیا۔ ناگ بھی سانپ کی شکل میں ٹیکسی کے پیچھے چڑھ کر چھت سے لگ گیا۔ ٹیکسی روانہ ہو گئی۔ اور آہستہ آہستہ شہر سے باہر نکل گئی۔ قاتل اس وقت جرمن جرنیل کے پاس جا کر سارے حالات اُسے بتانا چاہتا تھا۔

ٹیکسی شہر سے باہر آئی تو اُس نے دریا کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ دریا رات کے اندھیرے میں خاموشی سے بہہ رہا تھا۔ یہاں علاقے ویران تھے۔ دریا کنارے لمبے لمبے سرکنڈے اُگے ہوئے تھے۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ دُور صحرا میں کسی قافلے کے گذرنے کی ہلکی ہلکی گھنٹیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جب ٹیکسی کافی آگے نکل گئی اور ویران میدان آ گیا تو ناگ نے ٹیکسی کی چھت پر بیٹھے بیٹھے ایک دم سے شیر کی شکل بدل لی اور زور سے دھاڑ مار کر چھت پر پنجہ مارا۔ ٹیکسی کے ڈرائیور نے شیر کی دل ہلا دینے والی آواز

کے ساتھ ہی چھت پر دھپ کی آواز سُنی تو اُس کے اوسان خطا ہو گئے۔ سمجھا کہ شیر نے حملہ کر دیا۔ اُس نے بریک لگا دی۔ ٹیکسی رُک گئی۔ شیر کی دھاڑ قاتل نے بھی سُنی تھی اور چھت پر شیر کے گرنے کی آواز بھی آئی تھی۔ اُس کو بھی خوف سے پسینہ آگیا۔ وہ چیخ کر بولا۔

"ٹیکسی کیوں روک دی؟ بھاگو بھاگو صحرائی شیر نے حملہ کر دیا ہے۔"

مگر ٹیکسی ڈرائیور کانپ رہا تھا۔ اس میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ گاڑی چلا سکے۔ وہ سیٹ پر لیٹ گیا تھا۔ قاتل نے پستول ہاتھ میں لیا اور ڈرتے ڈرتے ٹیکسی سے باہر نکلا۔ باہر دیکھا وہاں کوئی شیر نہیں تھا۔ سمجھ گیا کہ شیر ٹیکسی پر سے چھلانگ لگا کر صحرا میں بھاگ گیا ہے۔

اُس کی جان میں جان آئی۔ اُس نے چاہا کہ ٹیکسی ڈرائیور کے پاس جا کر اُسے حوصلہ دے کہ ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کر دی اور بھاگ گیا۔ قاتل اس ویرانے میں دریا کے کنارے اکیلا رہ گیا تھا۔ اُس نے دیکھا۔ ذرا فاصلے پر جرمن جرنیل کی کوٹھی کی روشنی آ رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ اُسے پیدل ہی جلدی جلدی جرنیل کے ہاں پہنچ جانا چاہیے۔ قاتل دریا کے ساتھ ساتھ تیز تیز قدموں سے چلنے لگا۔

اندر اندر وہ بھی ڈر گیا تھا۔ پستول کو اُس نے جیب میں نہیں رکھا تھا۔ ہاتھ میں ہی پکڑے ہوئے تھا۔ ابھی وہ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ اُسے اپنے پیچھے کسی درندے کے پنجوں کی آواز آئی۔ قاتل رُک گیا۔ اُس نے مُڑ کر دیکھا۔ اُس کی جان ہی نکل گئی۔ اس کے پیچھے چند قدم پر ایک شیر منہ پھاڑے کھڑا اُسے لال لال آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ قاتل نے ایک دم سے گولی چلا دی۔

مگر شیر اُچھل کر دُور چلا گیا تھا۔

اب جو قاتل نے دیکھا تو شیر غائب ہو چکا تھا۔ وہ خوف سے کانپنے لگا۔ مگر ذرا حوصلے والا آدمی تھا۔ دریا کنارے چلتا چلا گیا۔ ایک جگہ وہ سرکنڈوں کے قریب سے گذرا تو اُس کی نظر سرکنڈوں پر پڑی۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک اُونچا لمبا ہاتھی سونڈ اُٹھائے اُسے سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا ہے پھر ہاتھی نے ایک چنگھاڑ ماری جس سے قاتل کا دل دہل گیا۔ وہ دنگ رہ گیا کہ یہاں ہاتھی کہاں سے آگیا؟

اور وہ شیر کہاں چلا گیا؟ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟

اُس نے پستول چلائی مگر اس میں سے کوئی گولی باہر نہ نکلی۔ پستول کی ساری گولیاں ختم ہو چکی تھیں۔ وہ بھاگا تو ہاتھی بھی اُس کے پیچھے بھاگا۔ وہ گر پڑا۔ موت اُسے سامنے نظر

آنے لگی۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے پیچھے دیکھا۔ پیچھے کوئی ہاتھی نہیں تھا۔ وہ کپڑے جھاڑ کر اُٹھ ہی رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہے ایک سیاہ کالا ناگ اپنا خوفناک پھن پھیلائے اُس کے سامنے لہرا رہا ہے۔ قاتل نے بھاگنا شروع کر دیا۔ بھاگتا گیا۔ بھاگتا گیا۔ آخر وہ جرنیل کی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ اور اس کے برآمدے میں دھڑام سے گر پڑا۔

سانپ غائب ہو چکا تھا۔

جرمن جرنیل اپنی خواب گاہ میں مطالعے کے بعد سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ اُس نے برآمدے میں کسی کے گرنے کی آواز سُنی۔ وہ جلدی سے گاؤن پہن کر باہر آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ برآمدے کی روشنی میں چنگیز قاتل بے ہوش پڑا ہے۔ وہ اُسے اٹھا کر اندر لے گیا اور پانی کے چھینٹے مار کر اُسے ہوش میں لایا۔ ہوش میں آکر چنگیز نے ساری کہانی سنائی۔

دوسرا ڈاکہ

●

جرمن جرنیل نے چنگیز کو بہت ڈانٹا:

”تم اتنے بڑے اور تجربہ کار ہو کر واہمات سے ڈر گئے۔ آخر وہ انسان ہے کوئی جن بھوت نہیں ہے۔ تمہیں شرم آنی چاہیے۔ اگر تم نے اُسے قتل نہ کیا تو میں تمہیں گولی سے اُڑا دوں گا۔“

●

چنگیز نے کہا:

”جرنیل! یقین کرو وہ انسان نہیں کوئی جن بھوت ہے۔“

”بک بک بند کرو۔ یہ لو نیا پستول اور ابھی میری جیپ میں بیٹھ کر واپس ہوٹل جاؤ اور ہمارے دشمن کو ہلاک کر کے مجھے ٹیلیفون پر ہی خوش خبری سناؤ۔ اور یاد رکھو میں یہ نہیں سننا چاہتا کہ ایک بار پھر تم ڈر گئے ہو۔“

”او کے سر!“

اور قاتل چنگیز بھرا ہوا پستول جیب میں ڈال کر جیپ میں سوار ہوا اور تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی جیپ دریا کے کنارے کنارے اُڑی چلی جا رہی تھی۔ رات آدھی

گزر چکی تھی۔ ہر طرف سناٹا اور خاموشی تھی۔ صحرا بھی ڈراؤنا لگ رہا تھا۔ قاتل اندر سے سہما ہوا تھا مگر اپنی جان بچانے کیلئے جیپ دوڑائے لئے جا رہا تھا۔

مگر راستے میں ناگ بھی ہاتھی کا روپ بدل کر ایک جگہ سرکنڈوں میں چھپا اپنے قاتل کا انتظار کر رہا تھا۔ جونہی چنگیز کی جیپ سرکنڈوں کے پاس سے گزری۔ ہاتھی سرکنڈوں میں سے چنگھاڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ اُس نے لپک کر جیپ پر اپنی کئی من وزنی سونڈ ماری۔ جیپ کی چھت پچک گئی اور وہ ایک طرف کو لڑھک گئی۔ قاتل چنگیز اُچھل کر باہر جا گرا۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دُور جا پڑا تھا۔

وہ پستول کی طرف لپکا ہی تھا کہ ہاتھی اُس کے سر پر آ گیا۔ قاتل زمین پر پڑا تھا اور ہاتھی اس کے اوپر سونڈ لٹکائے جھول رہا تھا۔ اس کی جان ہَوا ہو گئی۔ موت سر پر کھڑی تھی۔ اتنے میں ہاتھی نے اپنا پاؤں اٹھا کر قاتل کی گردن پر رکھ دیا۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ ہاتھی نے اپنی سونڈ میں قاتل کو اٹھایا اور دریا میں لے جا کر ڈال دیا۔ پھر اُسے کافی دیر تک پانی کے اندر رکھا اور سونڈ باہر نکال کر اُسے پھر پانی میں ڈال دیا۔ تین چار بار ایسا کرنے کے بعد جب ہاتھی کو

یقین ہو گیا کہ اس کا شکار مر چکا ہے تو اُسے دریا کے کنارے پھینک کر چنگھاڑتا ہوا صحرا کی طرف بھاگ گیا۔

دوسرے روز دریا کنارے چنگیز کی لاش ملی۔ اس کی جیپ ریت پر الٹی اور پچکی ہوئی تھی۔ زمین پر ہاتھی کے پاؤں کے نشان تھے۔ اخباروں میں شور مچ گیا کہ دریائے نیل کے کنارے کہیں سے ایک خونخوار ہاتھی آ گیا ہے۔ لوگ گھروں میں بیٹھے خوف زدہ ہو گئے۔ کیوں کہ دریا شہر کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا۔ شام ہی کو لوگوں نے اپنے بچوں کو گھروں سے باہر نکلنا بند کر دیا۔

جرمن جرنیل کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ سوائے اس کے کہ کوئی جادوگر ناگ کی مدد کر رہا تھا۔ لیکن ناگ کا قتل ہونا بہت ضروری تھا۔ اُس نے جرمنی کے قومی خزانے کا سراغ لگا لیا تھا اور یہ راز اب فاش ہو گیا تھا۔ جرمنی جرنیل کو جرمنی کی خفیہ ہائی کمانڈ کی جانب سے حکم ملا تھا کہ ملک اور ملت کے نام پر اُس شخص کو ہلاک کر دیا جائے جو ہمارے راستے میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرے۔

"اس شخص کو مارنا ایک قومی فرض ہے جس نے ہمارے قومی خزانے میں چوری کی ہے اور جس کو ہمارے خزانے

کی خفیہ جگہ معلوم ہو گئی ہے۔

جرمن جرنیل کو اوپر سے یہ حکم مل چکا تھا۔ اُس نے ناگ کو قتل کرنے کے لئے جس تجربہ کار قاتل کو مقرر کیا تھا وہ خود ہلاک ہو چکا تھا۔ اب اُس نے ایک دوسرے تجربہ کار اور بڑے تیز قسم کے قاتل کو چُنا۔ یہ شخص سارے علاقے کا سرغنہ تھا اور بڑا نامی گرامی قاتل تھا۔ اس کا نام ہی خونی تھا۔ خونی کو جرمن جرنیل نے ناگ کی تصویر دے کر کہا۔

"اسے آج ہی ابھی جا کر ختم کر دو۔ جب آؤ گے تو دس ہزار روپے تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

خونی نے جیب سے خنجر نکال کر اُسے چُوما اور کہا۔

"مجھے اس خنجر نے کبھی دھوکہ نہیں دیا۔"

خونی چلا گیا تو جرمن جرنیل نے شب خوابی کے کمرے میں جا کر ارجن ٹینا میں وائرلیس کرنا شروع کر دیا۔ ابھی اُسے سگنل نہیں مل رہا تھا کہ اچانک کیا دیکھتا ہے کہ اُس کے سامنے ناگ کھڑا ہے۔ جرنیل تو بھونچکا ہو کر رہ گیا۔ اُسے جادو کے سارے قصے یاد آنے لگے۔ اُس نے دراز میں سے پستول نکالنے کی کوشش کی ہی تھی کہ ناگ نے اپنی جیب سے پستول نکال کر اُس کا رُخ جرنیل کی طرف کر دیا۔

"ہاتھ باہر کھینچ لو۔ نہیں تو میں گولی چلا دوں گا۔"

جرنیل نے ہاتھ باہر نکال لیا اور ناگ سے کہا:

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"جو تم مجھ سے چاہتے ہو۔"

"کیا تم مجھے مارنا چاہتے ہو؟"

"ہاں! اس لئے کہ تم مجھے ہلاک کروانے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"تم میرے دشمن ہو۔ ہماری قوم کے دشمن ہو۔ تم نے ہمارے قومی خزانے میں چوری کی ہے۔"

"میں تو اگر چاہوں تو تمہارا سارا خزانہ اپنے قبضے میں کر سکتا ہوں۔"

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"میں ایسا کر کے رہوں گا۔"

ناگ ہنسا۔ "میں جانتا ہوں تم نے ایک اور خونی کو میرے قتل پر لگا دیا ہے۔ مگر یاد رکھو اس کا بھی حشر وہی ہو گا جو تمہارے پہلے آدمی چنگیز کا ہوا ہے۔ اس کے بعد تمہاری باری آئے گی۔"

اتنا کہہ کر ناگ غائب ہو گیا اور ایک سانپ بن کر جرمن

جرنیل کی گردن سے لپٹ گیا۔ جرنیل پر لرزہ طاری ہوگیا۔ سانپ نے بڑے سکون سے اُس کی گردن پر ڈس دیا۔ اس کے ساتھ ہی جرمن جرنیل کا گلا بند ہوگیا۔ ہاتھ پیرے جان نکلنے لگی اور وہ دھڑام سے کُرسی پر سے گر پڑا۔ ناگ کمرے سے باہر آگیا۔ باہر آکر اُس نے دیکھا کہ ایک کار گیراج میں کھڑی تھی۔ ناگ انسان کی شکل میں آگیا۔

اُس نے گیراج میں سے کار نکالی اور اُسے سٹارٹ کرکے شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ اُس نے جرمن لیڈر کو ہلاک کردیا تھا۔ اب وہ اُس خونی کی تلاش میں تھا جو ناگ کی تلاش میں ہوٹل اہرام پہنچ چکا تھا۔ ہوٹل اہرام کے باہر جاکر ناگ نے کار ایک طرف کھڑی کر دی اور سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں آگیا۔ اُس نے کھانا کھایا اور بستر پر لیٹ کر کتاب پڑھنے لگا۔

ناگ کو معلوم تھا کہ خونی نام کا ایک اور قاتل اس کی تلاش میں ہے۔ ناگ اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے روشنی بجھا دی اور بستر پر سے اُٹھ کر سانپ کی شکل میں دروازے کے اوپر دیوار سے لگ کر قاتل کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کسی نے باہر سے کھولا۔ پھر وہی جرنیل کا بھیجا ہوا خونی ہاتھ میں خنجر لئے

اندر آگیا۔

اُس نے ٹارچ روشن کرکے کمرے میں چاروں طرف دیکھا۔ بستر خالی تھا۔ خونی نے بتی جلا دی۔ کمرہ خالی تھا سوچا ناگ کہیں باہر گیا ہے پس آ رہا ہوگا۔ اُس نے بتی پھر سے بجھا دی اور کونے میں ایک جگہ چھپ کر ناگ کا انتظار کرنے لگا۔ ناگ تو سانپ بن کر دیوار کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔ سانپ نے دیوار پر کھسکنا شروع کر دیا۔ رینگتا ہوا اس جگہ آگیا۔ جہاں ستون کے پیچھے خونی چھپا ہوا تھا۔ اسکے ہاتھ میں خنجر تھا۔ ناگ کو خطرہ تھا کہ اگر اُس نے خونی پر چھلانگ لگا دی تو وہ اُس پر خنجر سے وار کرسکے گا۔

پس ناگ نے دوسری طرف رینگنا شروع کر دیا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ناگ اس شخص کو اپنے کمرے میں ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اُسے شہر سے باہر لے جاکر دریا میں غرق کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ناگ رینگتا ہوا دروازے تک آ گیا۔ پھر اُس نے گہرا سانس لیا اور ایک دم سے انسان کی شکل میں آگیا۔

کونے میں کھڑے خونی نے دیکھا کہ ناگ دروازے پر نمودار ہوا۔ اُس نے اندر جھانکا اور پھر باہر نکل گیا۔ خونی جلدی سے ناگ کے پیچھے پیچھے لگ گیا۔ ناگ تیزی

سے ہوٹل سے باہر آ گیا۔ اُس نے ایک ٹیکسی لی اور اُس پر سوار ہو کر آگے چل پڑا۔ خونی نے بھی ایک ٹیکسی لی اور اُس کا تعاقب شروع کر دیا۔ شہر سے باہر دریا کنارے جا کر ناگ نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ خونی نے بھی جو کہ بہت پیچھے تھا ٹیکسی چھوڑ دی۔

وہ ناگ کا پیچھا برابر کر رہا تھا۔ ناگ دریا کنارے اُگے ہوئے ایک جگہ سرکنڈوں میں چھپ گیا۔ خونی نے وہاں پہنچ کر اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیا۔ اتنے میں اُسے سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔ خونی نے مڑ کر سرکنڈوں میں دیکھا تو اُس کا ایک بار تو خون خشک ہو گیا۔ اُس کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کے سامنے ایک بھیانک دانتوں اور لمبی اژدھا کی طرح لہراتی سونڈ والا ہاتھی کھڑا اُسے قہر بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

خونی کے ہاتھ میں خنجر تھا جو کانپنے لگا اور پھر زمین پر گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی ہاتھی نے ایک زبردست چنگھاڑ ماری اور خونی پر حملہ کرنے کے آگے بڑھا۔ خونی پیچھے ہٹا۔ ہاتھی اُس کے سر پر آ گیا۔ ہاتھی نے اپنی سونڈ آگے بڑھائی اور خونی کو سونڈ میں لپیٹ کر اوپر اٹھا لیا۔ ہاتھی اُسے لے کر دریا کنارے آ گیا۔ خونی نے سونڈ سے نکلنے

کی بڑی کوشش کی لیکن گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ اس میں سے آزاد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ہاتھی نے سونڈ کو پانی میں ڈبو دیا اور ایک غوطہ دے کر باہر نکال لیا۔ خونی زور زور سے چھینکنے لگا۔ پانی اس کے پھیپھڑوں میں داخل ہو گیا تھا۔ دوسرے غوطے میں ادھ موا سا ہو گیا۔ ناگ نے اُسے زمین پر لٹا دیا اور خود ہاتھی سے پھر انسان کی شکل میں آ گیا۔ خونی نے جب ایک ہاتھی کو انسان بنتے دیکھا تو اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس قسم کا تماشہ اور جادو اُس نے ساری زندگی نہیں دیکھا تھا۔ ناگ نے کہا:

"تم مجھے مارنے آئے تھے نا؟"

خونی چپ رہا۔ وہ آنکھیں پھاڑے ناگ کو تک رہا تھا۔

ناگ نے پھر کہا:

"اب میں تمہیں مارنے والا ہوں۔ کیا خیال ہے؟ کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ تم نے اب تک کتنے آدمیوں کو قتل کیا ہے؟"

خونی کی زبان نہیں ہل رہی تھی۔ خوف کے مارے اس کی زبان پتھر کی بن گئی تھی۔ ناگ نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"کیا تم جواب نہیں دو گے؟ تم نے کتنے انسانوں
خون کیا ہے؟"

خونی بولا:

"پندرہ ——— مَیں پندرہ انسانوں کو قتل کر چکا ہوں۔"

"بہت خوب! آج مَیں ان پندرہ بے بس انسانوں
خون کا تم سے بدلہ لینے یہاں آیا ہوں اور تمہیں بھی یہاں
لایا ہوں۔"

"کیا تم مجھے معاف نہیں کرو گے؟"

ناگ نے کہا:

"کیا تم نے اُن پندرہ میں سے کسی ایک کو معاف
تھا جن کو تم ہلاک کر چکے ہو؟"

"نہیں"

"تو پھر تمہارا انجام بھی وہی ہونا چاہیے جو مَیں چاہتا
ہوں۔"

ناگ باتیں کر رہا تھا اور خونی وہاں سے فرار ہونے
ترکیب پر غور کر رہا تھا۔ جونہی اُس نے ناگ کو باتوں میں مصروف
پایا تو اُس نے ایک دم سے ناگ کو پرے دھکا دیا اور
اُٹھ کر ایک طرف کو بھاگ پڑا۔ رات کے اندھیرے میں
وہ بہت جلدی غائب ہو گیا۔ ناگ اُسے زندہ نہیں چھوڑنا

چاہتا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھا اور خونی کے پیچھے بھاگا۔ کافی
آگے آ کر ناگ نے دیکھا کہ خونی دُور دریا کنارے بڑی تیزی
سے بھاگا جا رہا تھا۔ ناگ مسکرایا کہ پاگل کو کیا معلوم کہ موت
اُس کے سر پر اُس کے ساتھ ساتھ اڑی چلی جا رہی ہے۔
ناگ اُسی وقت ایک عقاب بن گیا اور ایک ہی اُڑان
میں خونی کے سر پر پہنچ گیا۔ اُس نے جھپٹ کر خونی کے
سر پر حملہ کیا اور اتنی زور سے چونچ خونی کے سر پر
ماری کہ اُس کی چیخ نکل گئی۔ عقاب اوپر گیا اور غوطہ لگا کر
جیٹ ہوائی جہاز کی طرح ناگ پر حملہ آور ہوا اور اس بار
پھر اتنی زور سے چونچ اور پنجہ مارا کہ خونی کی کھوپڑی کی
کھال ایک جگہ سے بالوں سمیت اُتر گئی۔ خونی زخمی ہو کر گر
پڑا اور عقاب نے اُسے ہلاک کر دیا۔

پہاڑی کے غار میں دفن شدہ خزانے کا اب وہاں کوئی
مالک نہیں تھا۔ جو مصری سپاہی وہاں پہرہ دے رہے تھے
انہیں خزانے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ جرنیل جب
وہاں نہ آیا تو وہ بھی پہاڑی غار کا پہرہ چھوڑ کر چلے گئے۔
اس خزانے کا مالک صرف ایک ہی جرنیل تھا جو ارجن ٹینا میں
بیٹھا تھا۔ اس کا نام گومز تھا۔ یہ بھی ایک بھگوڑا جرمن جرنیل تھا۔
اُس نے کئی روز تک مصر میں مقیم جرنیل کو وائرلیس

کرنے کی کوشش کی مگر کوئی جواب نہ ملا۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہوگا۔ چنانچہ جرنیل گومز نے خود مصر آکر تحقیق کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ چونکہ بھگوڑا تھا اور اُسے گرفتاری کا ڈر تھا۔ اس لئے جرنیل گومز نے ایک عرب تاجر کا لباس پہنا۔ ڈاڑھی بڑھائی اور کچھ تجارت کا سامان لے کر قاہرہ پہنچ گیا۔ وہ ایک ہوٹل میں ٹھہرا اور رات کو جرنیل کی کوٹھی پر گیا۔ یہاں کوٹھی خالی پڑی تھی اور جرنیل غائب تھا۔ سامان پر گرد پڑی تھی۔ کچھ سامان لوگ لوٹ کر لے گئے تھے۔ جرنیل گومز سمجھ گیا کہ جرنیل کو کسی نے مار ڈالا ہے۔

وہ عقل مند تھا۔ اس کوٹھی میں رہنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے ہوٹل سے نکل کر شہر کے دوسرے کنارے پر ایک مکان کرائے پر لے لیا اور وہاں رہنے لگا۔ اب اس نے اپنے ساتھی جرنیل کی کھوج کا کام چھوڑ کر خزانے کے معائنے کا فیصلہ کیا۔ وہ ایک رات جب اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا تو ٹارچ لے کر اپنی سیاہ رنگ کی جیپ میں سوار ہو کر گھر سے نکلا اور سیدھا خزانے کی پہاڑی پر آ گیا۔ اُسے خزانے کے نقشے کا سارا علم تھا۔

اُس نے پستول جیب سے نکال کر ہاتھ میں تھام لیا۔ اس خیال سے کہ جن لوگوں نے اُس کے ساتھی جرنیل کو ہلاک کیا

ہے۔ کہیں انہوں نے خزانے پر بھی قبضہ نہ کر لیا ہو۔ وہ غار میں اتر گیا اور سیدھا سیڑھیاں طے کرتا تہہ خانے میں اُس چبوترے کے سامنے آ کر رُک گیا جس کے نیچے خزانہ دفن تھا۔ گومز نے جیب سے ایک ایسا چھوٹا سا آلہ نکالا جو زمین کے اندر گڑے ہوئے خزانے کا پتہ بتا دیتا تھا۔ گومز نے آلے کو زمین کے ساتھ لگایا تو اس کی سُوئی نے حرکت شروع کر دی۔ جرنیل گومز کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ زمین کے اندر خزانہ موجود تھا۔

گومز نے زمین کو چاروں طرف سے اچھی طرح دیکھا۔ وہاں کسی قسم کی کھدائی کے آثار نہیں تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ خزانے کو کسی نے بھی کھودنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ تو پھر اس کے ساتھی کو کیوں ہلاک کر دیا گیا تھا؟ شاید ڈاکوؤں نے اس کے گھر پر ڈاکہ ڈالا ہو۔ جرنیل نے گولی چلا دی ہو اور ڈاکوؤں نے اُسے مار ڈالا ہو۔

بہرحال وہ غار سے خوش خوش باہر نکلا کہ ...... جرمنی کا نہایت قیمتی کروڑوں روپے کا نایاب خزانہ محفوظ تھا۔ کوٹھی آ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا اور تجارتی سامان فروخت کر کے واپس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ خزانے کا نقشہ اُس نے اپنے اٹیچی کیس میں رکھ لیا تھا۔

آدھی رات کو ایسا ہوُا کہ اس کے مکان میں ایک چور داخل ہوا۔ وہ دبے پاؤں کمرے میں آ کر قیمتی چیزیں تلاش کرنے لگا۔ اُسے اور تو کچھ نہ ملا۔ میز کے نیچے جرنیل گومز کا اٹیچی کیس پڑا تھا۔ چور نے اُسے اٹھایا اور مکان سے باہر نکل کر بھاگ گیا۔ گھر جا کر چور نے اٹیچی کیس کھول کر اس کی تلاشی لی تو اندر کچھ روپے، کچھ کاغذات اور ایک چمڑے کی جلد والا نقشہ نکل آیا۔ چور کو سخت نااُمیدی ہوئی کہ اتنی محنت بھی کی اور سوائے چند روپوں کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔

چمڑے کی جلد والے نقشے کو وہ غور سے دیکھنے لگا کہ یہ کس چیز کا نقشہ ہے؟ پہلے تو اُسے یوں لگا جیسے کسی زمین کا نقشہ ہے۔ پھر غور کیا تو ایسے لگا جیسے کسی جگہ کانوں کی تلاش کے لئے نقشہ بنایا گیا ہے۔ چور کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اُس نے اگلے دن اپنے ایک ساتھی کو وہ نقشہ دکھایا۔ اس کا ساتھی بھی چور تھا اور کئی بار جیل جا چکا تھا۔

یہ چور سیانا تھا۔ اُس نے نقشہ دیکھا تو سمجھ گیا کہ معاملہ کسی خفیہ خزانے کا ہے۔ اپنے دوست سے بولا:

”یار یہ تو کسی پرانی زمین کا نقشہ ہے۔ جہاں کبھی کسی نے بکریوں کا باڑہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ یہ تو بے کار شے ہے۔“

پہلا چور بولا:

”میرا بھی یہی خیال تھا۔“

دوسرا چور نقشہ جیب میں ڈال کر گھر آ گیا۔ گھر آتے ہی اُس نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا اور موم بتی جلا کر نقشے پر غور شروع کر دیا۔ جوں جوں وہ غور کرتا جاتا تھا نقشے کی گتھیاں سلجھتی جا رہی تھیں۔ اُس کو معلوم ہوا کہ نقشے پر ایک صحرا دکھایا گیا ہے۔ ایک دریا بھی ساتھ ہی ہے۔ دریا کے کنارے آگے جا کر ایک راستہ صحرا میں چلا گیا ہے۔ پھر کوئی پہاڑی کا نشان بنا تھا۔ اس پہاڑی پر تیر کی شکل بنا کر ایک غار کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اس کے آگے ایک چوکور پتھر بنا تھا۔ چور آدھی رات تک غور کرتا رہا۔ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ دریا مصر کا دریائے نیل ہے۔ اس دریا کے ساتھ ساتھ آگے چل کر ایک راستہ مغرب کو صحرا میں جاتا ہے۔ اس صحرا میں ایک پہاڑی ہے۔ پس وہاں تک پہنچنا چاہیے۔

دوسرے روز چور نے نقشہ لیا اور خاموشی سے دریا کنارے آ گیا۔ یہاں وہ کنارے کنارے چلتا چلا گیا۔ کافی دُور جا کر اُس نے دیکھا کہ ایک راستہ بائیں طرف صحرا کی جانب گھوم گیا ہے۔ چور نے اُس راستے پر چلنا شروع کر دیا۔ آسمان پر بادل تھے

جس کی وجہ سے فضا میں گرمی نہیں تھی۔ مگر حبس بہت تھا۔
چور اسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ وہ گدھے پر سوار تھا اور
گدھے کو صحرا میں ہنکائے لئے جا رہا تھا۔ جونہی وہ ریت
کے ایک ٹیلے سے آگے آیا۔ اُس کے سامنے ایک چھوٹی سی
پتھریلی پہاڑی کھڑی تھی۔

چور نے نقشہ نکال کر دیکھا۔ بالکل نقشے والی پہاڑی تھی۔
اور نقشے پر بھی یہی پہاڑی دکھائی گئی تھی۔ چور کا دل خوشی
سے دھڑکنے لگا۔

"اگر تو یہاں کوئی خزانہ دفن ہے تو میں دنیا کا امیر ترین
اور خوش قسمت ترین انسان بننے والا ہوں۔"

چور نے سوچا۔ اُس نے ٹھیک سوچا تھا۔ کیونکہ نقشے
کے مطابق وہ ٹھیک جگہ پر پہنچ گیا تھا۔ اب اس نے
ٹیلے کے ارد گرد ایک چکر لگایا۔ یہ معلوم کرنے کی کوشش
کی کہ جس جگہ نقشے میں تیر کا نشان لگایا گیا ہے وہ جگہ کہاں
پر ہے؟ آخر اُسے وہ جگہ مل گئی۔ پہاڑی کے دامن میں
جھاڑیوں میں سے ایک جانور پھڑ پھڑا کر اڑا۔ چور نے اُس
طرف دیکھا تو اُسے زمین پر سگریٹ کے بجھے ہوئے ٹکڑے نظر
آئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں کوئی انسان بیٹھا تھا۔ اُس
نے سگریٹ پی کر اسے وہاں بجھایا تھا۔

چور نے اُسی جگہ غار کے دروازے کی تلاش شروع کر دی۔ آخرکار
وہ کامیاب ہو گیا۔ بائیں طرف پتھروں کے بیچ، جھاڑیوں کے
درمیان ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جس کو ایک پتھر سے بند کر دیا
گیا تھا۔ چور نے اس پتھر کو ہٹایا تو دوسرے پتھر بھی گر پڑے۔
اب وہاں ایک چھوٹا سا دروازہ بن گیا تھا۔ چور نے اندر ٹارچ
کی روشنی ڈالی۔ ایک تنگ سا راستہ نظر آیا جو آگے جا کر دائیں
طرف گھوم گیا تھا۔

چور کو یقین ہو گیا کہ یہی وہ راستہ ہے جو خزانے تک جاتا
ہے۔ وہ سوراخ کے ذریعے غار کے اندر داخل ہو گیا۔
ٹارچ کی روشنی میں وہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ دائیں
طرف گھوما تو اچانک ایک جگہ سیڑھی ملی جو نیچے جاتی تھی۔ یہاں
چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ چور کچھ گھبرایا بھی مگر پھر خزانے
کے شوق میں سیڑھی اُتر گیا۔ نیچے ایک دالان سا آگیا جس کی
چھت اُونچی تھی۔ دیواریں تنگ تھیں اور درمیان میں ایک
چبوترے پر ممی کا تابوت پڑا تھا۔

چور ڈر کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ خدا جانے ممی کے تابوت
میں لاش نہ جاگ پڑے۔ اُس نے سُن رکھا تھا کہ اس قسم کے
اہرام میں ممی کی روحیں گھوما کرتی ہیں اور آدھی رات کو
ممی بھی تابوت سے نکل کر سیر کرنے جاتی ہے۔ اُس نے

ٹارچ کی روشنی میں تابوت کو اور اُس کے چبوترے کو غور سے دیکھا۔ یہ کوئی زیادہ پُرانا تابوت نہیں لگتا تھا۔

چور نے نقشے پر روشنی ڈالی تو نقشے میں تیر کے نشان پر یہی چبوترہ چوکور پتھر کی شکل میں دکھایا گیا تھا۔ اس کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ ضرور خزانہ اسی چبوترے کے نیچے دفن ہو گا۔ چور نے سوچا کہ اُسے کھدائی کا سامان ساتھ لے کر آنا چاہیے تھا۔ پس وہ جلدی سے غار سے باہر نکل آیا۔ باہر آ کر اُس نے غار کا منہ پتھروں اور جھاڑیوں سے اس طرح بند کیا کہ دیکھنے پر کسی کو شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہاں کوئی غار ہے۔

چور واپس شہر آیا۔ اُس نے ایک کدال خریدی۔ رات کو جب چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تو وہ گدھے پر بیٹھا۔ کدال اور بوری اس پر لادی اور تاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں صحرا میں پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کوئی گھنٹے کے بعد وہ پہاڑی کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے گدھے کو ایک طرف جھاڑیوں میں باندھا۔ کدال اور بوری اٹھائی اور غار میں داخل ہو گیا۔ یہاں بہت ہی اندھیرا تھا۔ ٹارچ کی روشنی میں وہ بہت جلد ممی کے تابوت والے چبوترے پر پہنچ گیا۔ اب مرحلہ کھدائی کا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ یہاں کوئی بڑا

ہی قیمتی خزانہ دفن ہے جس کا خاص طور پر نقشہ بنایا گیا تھا۔ اگر خزانہ دفن نہ ہوتا تو نقشہ بنانے کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ چور نے تابوت کو بڑی مشکل سے اتار کر فرش پر رکھ دیا۔

اُس نے تابوت کو کھولا تو اُس کے اندر لاش کی بجائے پتھر اور ریت بھری ہوئی تھی۔ سمجھ گیا کہ خزانہ دفن کرنے والوں نے دھوکہ دینے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔ اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ لاش تابوت میں نہیں تھی۔ لاش کا خوف بھی اُس کے دل سے نکل گیا۔ اُس نے چبوترے کے پتھر کی دیوار کے ساتھ ہی کُدال چلا کر زمین کھودنی شروع کر دی۔ وہاں زمین نرم اور ریتلی تھی۔

ایک گھنٹے کی محنت سے وہ پسینے میں شرابُور ہو گیا۔ لیکن اُس نے کافی زمین کھودی تھی۔ وہ گڑھے میں اُتر گیا تھا۔ اب وہ اسقدر تھک گیا کہ اُس نے کام دوسری رات کے لئے ملتوی کر دیا۔ وہ غار سے باہر نکل آیا۔ اُس نے غار کے منہ کو جھاڑیوں اور پتھروں سے بند کیا اور گدھے پر بیٹھ کر واپس گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اُدھر آدھی رات کو جرمن جرنیل گومز خزانے کے معائنے کے لئے گھر سے نکلا۔ جیپ میں سوار ہوا اور سیدھا پہاڑی

کے دامن میں پہنچ گیا۔ جیپ کھڑی کر کے وہ غار میں داخل ہو گیا۔ اُسے ان سارے رستوں کا پتہ تھا۔ وہ جب سیڑھیاں اُتر کر تہہ خانے میں گیا اور ٹارچ کی روشنی ڈالی تو یہ دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا کہ ممی کا تابوت چبوترے سے نیچے پڑا تھا اور گڑھا کھدا ہوا تھا۔ وہ لپک کر گڑھے کے پاس گیا۔ گڑھا کافی گہرا تھا۔ جرنیل کو یقین ہو گیا کہ ڈاکو خزانہ لے گئے ہیں۔ اُس نے خنجر نکال کر زمین کھودنی شروع کر دی، وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ خزانہ چوری تو نہیں ہوا؟

سانپ کی پھُنکار

•

جرمن جرنیل گومز کا خنجر کسی صندوق سے ٹکرایا۔ اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ خزانہ زمین کے اندر ہی تھا۔ تھوڑی سی مٹی ہٹانے پر نیچے سے صندوق نکل آیا۔ اس قسم کے کتنے ہی صندوق اُس نے خود اپنے سامنے اس زمین میں دفن کرائے تھے۔ جرنیل نے صندوق کا ڈھکنا کھولا تو اچانک اُسے پھُنکار کی آواز سنائی دی۔ وہ پیچھے کو ہٹا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک سفید کلغی والا سانپ پھَن پھیلائے لہرا رہا تھا۔

جرنیل کا دم خشک ہو گیا۔ مگر آخر جرنیل تھا۔ جنگ میں بڑے بڑے بہادروں کے کام کر چکا تھا۔ اُس نے آنکھیں سانپ کی آنکھوں میں ڈالے رکھیں اور آہستہ آہستہ جیب سے پستول بھی نکالنے لگا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے۔ موت بالکل اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔ آخر وہ جیب سے پستول نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ پستول چھوٹا تھا۔ جرنیل کا نشانہ

بہت اچھا تھا۔ اُس نے ہاتھ اوپر اٹھائے بغیر جیب کے پاس ہی پستول کا رُخ سانپ کے سر کی طرف کیا۔ نشانہ باندھا۔ آنکھیں سانپ کی آنکھوں میں ڈالے رکھیں اور ٹریگر دبا دیا۔ ایک دھماکہ ہوا۔ گولی پستول سے نکل کر سیدھی سانپ کے سر کو لگی اور اس کی گردن اور پھن کے پُرزے اُڑ گئے۔

سانپ مرگیا۔ جرنیل نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اطمینان کا سانس بھر کر ماتھے کا پسینہ پونچھا۔ پھر اُس نے خزانے کے جواہرات کو ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ اُسے یوں لگا جیسے کسی نے اوپر سے کچھ جواہرات اُڑا لئے ہیں۔ پھر سوچا اگر کوئی ڈاکو یہاں تک آتا تو اُسے چند ایک جواہرات لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کم از کم آدھا صندوق تو ضرور بھر کر لے جاتا۔

جرنیل نے صندوق کا ڈھکنا بند کیا۔ گڑھے سے باہر نکل کر اُس میں مٹی ڈالنی شروع کر دی۔ اُس نے یہی سوچا کہ ڈاکو آیا ہو گا۔ زمین کھود کر اگلے روز آنے کے لئے چلا گیا ہو گا۔ بہر حال اب جرنیل کو چوکس رہنے کی ضرورت تھی۔

مجھے اس پر پہرہ دینا ہو گا۔ دیکھنا ہو گا کہ یہ ڈاکو کون ہے جو آدھی زمین کھود کر چلا گیا؟

دن نکل رہا تھا کہ جرنیل غار کا منہ ڈھانپ کر واپس اپنی کوٹھی پر آگیا۔ آتے ہی اُس نے ایک ہٹے کٹے حبشی کو بلا کر اُس کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ رات کو غار کے دروازے پر جا کر پہرہ دے۔ جرنیل نے اُس کو پستول اور گولیاں دے کر کہا:

"اگر تم سوائے میرے کسی اور کو غار میں داخل ہوتے پاؤ تو اُسی وقت گولی چلا دینا۔ خبردار! کوئی شخص بھی اندر جانے کی کوشش نہ کرے۔ اس غار میں میرے ماں باپ کی قبریں ہیں۔ میرا ایک دشمن ان قبروں کو کھود کر میرے ماں باپ کی لاشیں اٹھا لے جانے کی کوشش میں ہے۔"

حبشی نے کہا:

"میں اس شخص کا کچومر نکال دوں گا۔ آپ بالکل بے فکر رہیں۔ جب تک میں اس غار کے باہر پہرہ دے رہا ہوں۔ ...... کوئی شخص اندر داخل نہ ہو سکے گا۔ اگر کسی نے کوشش بھی کی تو میں اُسے گولی مار دوں گا۔"

"ایسا ہی کرنا۔ اب تم جلدی سے وہاں جاؤ اور غار کے اوپر کسی جگہ اپنے لئے جگہ بنا لو اور پہرہ دینا شروع کر دو۔"

حبشی اُسی وقت چلا گیا۔ اُس نے پہاڑی کے اوپر ایک جگہ پتھروں کو چُن کر اپنے لئے ایک مورچہ سا بنا لیا اور اس

کے اندر چھپ کر بیٹھ گیا۔ ایک سوراخ اس میں رکھا تھا جہاں سے وہ باہر کا سارا منظر دیکھ سکتا تھا۔ جرنیل نے اُسے کھانے پینے کی ہر شے ساتھ کر دی تھی اور کہا تھا کہ اسے وہاں دنیا کی ہر نعمت باقاعدہ پہنچتی رہے گی۔

دوسری طرف دن گزارنے کے بعد جب رات آئی تو چور نے بھی غار کی طرف چلنے کی تیاری شروع کر دی۔ آج اُس نے بھی اپنا نیا پستول جو اُس نے چھاؤنی کے ایک فوجی افسر کا چرایا تھا، بھرا۔ گدھے پر تھیلا لادا اور پانی کی چھاگل ساتھ رکھ کر اس پر سوار ہو کر پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ صحرا میں رات کا سنّاٹا پھیلا ہوا تھا۔ آسمان پر ستارے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

وہ گدھے پر سوار ٹیلوں کی طرف سے ہو کر جا رہا تھا۔ دل میں بڑا خوش تھا کہ آج اُسے خزانہ مل جائے گا اور وہ دُنیا کا امیر ترین آدمی بن جائے گا۔ پھر وہ چوری چھوڑ دے گا اور بہت سی زمین خرید کر ایک محل بنائے گا اور اس میں بادشاہوں کی طرح باقی زندگی بسر کرے گا۔ وہ بڑا خوش تھا۔ ابھی وہ پہاڑی سے دُور ہی تھا کہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں رُک گیا۔

چونکہ وہ چور تھا اس لئے یہ اس کی عادت تھی کہ جس

جگہ بھی چوری کرنے جاتا وہاں پہلے کسی بہانے یہ معلوم کر لیتا کہ گھر کے باہر کوئی چوکیدار تو پہرہ نہیں دے رہا؟ چنانچہ یہاں پہنچ کر بھی اُسے یہی خیال آیا۔ اُس نے ایسا کیا کہ خود تو ٹیلے کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گیا اور گدھے کو غار کے دروازے کی طرف دھکیل دیا۔

گدھا سیدھا پہاڑ کے دامن میں پہنچ گیا۔

وہاں صرف اُس جگہ گھاس اور جھاڑیاں تھیں جہاں غار کا دروازہ تھا۔ گدھا وہاں آ گیا اور جھاڑیوں میں منہ مارنے لگا۔ حبشی پہرے دار اوپر پتھروں میں مورچہ بنا کر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے جو ایک لاوارث گدھے کو جھاڑیوں میں چرتے دیکھا تو یونہی اُس سے کھیلنے کے لئے نیچے اُتر آیا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

چور نے دُور سے جو ایک ہٹے کٹے حبشی کو دیکھا کہ پہاڑی کے اوپر سے اُتر کر نیچے آیا ہے تو بڑا حیران ہوا کہ یہ شخص کہاں سے آ گیا؟ فوراً خیال آیا کہ ضرور خزانے والوں نے پہرے دار بٹھا رکھا ہے۔ اپنی عقل مندی پر خوش ہوا۔ اگر وہ پہلے گدھے کو آگے نہ بھیجتا تو حبشی سے اس کی ضرور مُٹھ بھیڑ ہو جاتی۔

اب کیا کرنا چاہیے۔ اتنے میں حبشی نے یونہی کھیل

کھیل میں ہی خوشی میں آکر ہوا میں فائر کر دیا۔ فائر کی آواز پر چور بھی چوکنا ہوگیا اور گدھا بھی بدک کر وہاں سے بھاگا اور سیدھا اُس ٹیلے کی اوٹ میں آگیا جہاں اُس کا مالک یعنی چور چھپا ہوا تھا۔ چور نے بھی پستول نکال لیا کہ اگر وہ حبشی ادھر آئے گا تو وہ اُسے گولی سے اڑا دے گا۔ اب اُسے پکا یقین ہوگیا تھا کہ یہ حبشی پہرے دار ہی ہے جسے خزانے کی حفاظت کے لئے رکھا گیا ہے۔ خزانے کے مالک نے اس کا کھدا ہوا گڑھا ضرور دیکھ لیا ہے اُسے پتہ چل گیا ہے کہ کسی شخص نے خزانے کو چرانے کی کوشش کی ہے۔ چور ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔

مگر حبشی ٹیلے کی طرف گدھے کے پیچھے نہ آیا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ چور نے سوچا کہ اب کیا کیا جائے؟ یہ کم بخت حبشی تو برابر پستول لئے پہرہ دے رہا ہے اگر سامنے سے اُس نے غار میں داخل ہونے کی کوشش کی تو وہ گولی سے اُسے ہلاک کر دے گا۔ پھر کیا کیا جائے؟ آخر چور اسی فیصلے پر پہنچا کہ پہلے اس حبشی کو ہلاک کرنا ہوگا۔ کیونکہ وہی خزانے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے چور سوچنے لگا کہ وہ کس طرف سے جاکر حملہ کرے۔ اس نے دیکھا کہ اگر وہ ریت کے ٹیلوں کے پیچھے سے ہو کر پہاڑی

کے عقب میں آجائے تو اوپر چڑھ کر حملہ کر سکتا ہے۔ چور نے وہاں سے کھسکنا شروع کر دیا۔ وہ ٹیلوں کے عقب سے ہو کر ریت پر جھک کر چلتا ہوا پہاڑی کے پیچھے آگیا۔ پہاڑی خشک پتھریلی تھی۔ وہ پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ اوپر آکر اُس نے جھک کر دیکھا۔ سامنے چوٹی کے پرلے کنارے پر ایک مورچہ سا بنا ہوا تھا۔

یہی اُس حبشی کا مورچہ تھا۔ چور نے پستول نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور پہاڑی پر سانپ کی طرح رینگتا ہوا مورچے کی طرف چلا۔ اندھیرے کی وجہ سے اُسے فائدہ ہو رہا تھا۔ ویسے بھی وہ چور تھا۔ اُسے اس قسم کی وارداتوں کا تجربہ تھا۔ رینگتا ہوا وہ مورچے کے قریب آگیا۔ وہاں گہری خاموشی تھی۔ ٹیلے کی طرف سے گدھے کے زور زور سے رینگنے کی آواز آئی۔

اس آواز کے ساتھ ہی حبشی نے مورچے میں سے نکل کر ٹیلے کی طرف دیکھا کہ جہاں گدھا بول رہا ہے کہیں اُدھر کوئی آدمی تو نہیں آگیا؟ اُس نے مورچے میں سے آدھا دھڑ باہر نکالا ہوا تھا۔ چور کے لئے یہی موقع بڑا موزوں تھا۔ اُس نے اندھیرے میں ہی نشانہ باندھا اور گولی چلادی۔ دھائیں کی آواز کے ساتھ صحرا گونج اٹھا۔ گولی مورچے کے

پتھروں سے ٹکرا گئی۔

حبشی ایکدم سے مورچے میں چھپ گیا۔

اب وہ بھی خبردار ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ دشمن سر پر آن پہنچا ہے۔ یہ گدھا یونہی وہاں نہیں آیا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی دشمن تھا جو جرنیل کے ماں باپ کی لاشیں نکالنے وہاں آیا تھا۔ حبشی نے سوچا اور مورچے میں سے گھوم کر پیچھے پہاڑی کی چوٹی پر دیکھا۔ یہاں اُسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ چور تو زمین کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔ کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

اس دوران میں چور رینگتا ہوا مورچے کی دوسری جانب آ گیا تھا۔ وہ مورچے کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اُسے حبشی کا سر ایک بار دکھائی دیا جو جلدی سے نیچے ہو گیا۔ چور ذرا آگے رینگتا گیا۔ اب وہ پتھروں کی دیوار کی اوٹ میں تھا۔ اُس وقت اگر حبشی اٹھ کر فائر کرتا تو چور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

وقت بڑا نازک تھا۔

چور کو جو کچھ کرنا تھا اسی وقت کر لینا چاہیے تھا۔ اب اُسے جرأت سے کام لینا چاہیے تھا۔ یہی ایک سنہری موقع تھا۔ پس، چور نے پستول کو ہاتھ میں اچھی طرح

دبایا اور اُٹھ کر مورچے کی دیوار کے اُوپر آ گیا۔ اُس کے اُٹھنے سے ایک پتھر لڑھکتا ہُوا نیچے گرا۔ اُس کے شور کی وجہ سے حبشی نے اوپر دیکھا اور گولی چلا دی۔ اُسے چور نظر آ گیا تھا۔

چور نے بھی اوپر تلے چھ سات فائر کر دیئے۔

اب حبشی کے لئے سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ وہ مورچے کے اندر بیٹھا تھا اور باہر نکل کر بھاگ نہیں سکتا تھا۔ چور کے لئے وہ بڑا آسان شکار تھا۔ چھ کی چھ گولیاں حبشی کے جسم سے پار ہو گئیں۔ وہ مورچے کے اندر ہی ٹیڑھا میڑھا ہو کر پڑ گیا اور دو تین سانس لینے کے بعد مر گیا۔

جب چور کو یقین ہو گیا کہ حبشی پہرے دار ختم ہو گیا ہے تو اُس نے مورچے میں داخل ہو کر حبشی کی تلاشی لی۔ اُس کی جیب میں گولیوں سے بھرا ہُوا ڈبہ تھا۔ پستول اُس کے ہاتھ میں پکڑا رہ گیا تھا۔ چور نے اس کے پستول کو بھر کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور تھرمس سے پانی پی کر پہاڑی سے نیچے اُتر آیا۔ وہ بھاگ کر ٹیلے کی طرف گیا۔ اس کا گدھا ایک جگہ کھڑا حیرانی سے صحرا کی رات میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

چور اُسے ہانک کر غار کے دروازے پر لے آیا۔ اُس

نے گدھے کو جھاڑیوں میں باندھا اور خود غار کے اندر چلا گیا۔ تہہ خانے میں جا کر دیکھا کہ گڑھا مٹی سے دوبارہ بھر دیا گیا تھا۔ ساری بات سمجھ گیا۔ کہ خزانے کا مالک آیا ہوگا۔ اُس نے گڑھا کُھدا دیکھا۔ اور پھر اُسے دوبارہ بھروا کر ایک حبشی پہرے دار کو باہر کھڑا کر دیا کہ اب اگر کوئی شخص خزانہ چرانے آئے تو اسے ہلاک کر دیا جائے۔

لیکن بدقسمتی سے وہ خود ہی ہلاک ہو گیا۔

مصیبت یہ تھی کہ آج چور کدال ساتھ نہیں لایا تھا۔ اُسے تو یہ معلوم تھا کہ گڑھا کُھدا ہوا ہوگا۔ اب کیا کیا جائے؟ زمین کس طرح سے کھودی جائے؟ اُس نے ہاتھوں سے مٹی کھودنے کی کوشش کی مگر تھوڑی دیر بعد ہی اُس کے ہاتھ تھک گئے۔ انگلیاں شل ہوگئیں اور مٹی بھی بہت تھوڑی کُھدی۔

اب ایک ہی علاج تھا کہ وہ شہر جائے۔ گھر سے پھاوڑا اور کدال لائے اور زمین کو پھر سے کھودے۔ چور جلدی سے غار سے باہر نکل آیا۔ اُس نے گدھے کو کھولا۔ اُس پر بیٹھا اور اُسے دوڑاتا ہوا شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مگر گدھا آخر کتنی تیز بھاگ سکتا تھا۔ شہر آتے آتے کافی رات گذر گئی اور جب وہ کدال اور پھاوڑا لے کر باہر نکلا

تو سورج کی روشنی پھیل چکی تھی۔

دن کے وقت وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں۔ چور نے سوچا۔ کیونکہ اُسے یقین تھا کہ جس شخص نے ایک حبشی کو وہاں پہرے پر بٹھایا ہے وہ ضرور اُس کی خیریت معلوم کرنے دن کے وقت وہاں آئے گا۔ تو پھر کیا کیا جائے؟ یہی ہو سکتا تھا کہ ایک بار پھر رات پڑنے کا انتظار کیا جائے۔

اُدھر جرنیل نے بھی دن کے بارہ بجے کے قریب جیپ پکڑی اور عرب تاجر کے لباس میں پہاڑی کی طرف نکل آیا۔ یہ معلوم کرنے کہ خزانے کی پہاڑی پر رات کیا گذری؟ کیا ڈاکو خزانہ چُرانے آئے؟ کیونکہ اُنہوں نے تو آدھا خزانہ کھود رکھا تھا۔

جرنیل نے پہاڑی کے پیچھے جیپ کھڑی کی۔ اور چلتا ہوا پہاڑی کے پاس آ گیا۔ اب وہ پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ چڑھائی بڑی معمولی تھی۔ پہاڑی بھی زیادہ اونچی نہیں تھی۔ اُسے بڑا تعجب تھا کہ اُس کی جیپ کی آواز پر بھی حبشی مورچے سے باہر نہیں نکلا۔ اُس نے حبشی کو آواز دی۔ اس کی آواز پر بھی کوئی جواب نہ آیا۔ اب اُس کا ماتھا ٹھنکا کہ کوئی بات ضرور ہے۔ آخر یہ جواب کیوں نہیں دے رہا؟

اُس نے اپنا پستول نکال لیا اور جُھک کر مورچے کی طرف چلنے لگا۔ اُسے جنگ کا زمانہ یاد آگیا جب وہ دشمن کے مورچے کی طرف حملہ کرنے جایا کرتا تھا۔ مورچے کے قریب جا کر وہ پتھروں پر لیٹ گیا۔ اب وہ تھوڑا تھوڑا آگے رینگنے لگا۔ دوپہر کی روشنی میں اُسے مورچہ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اُس نے آہستہ سے ایک بار پھر حبشی کو آواز دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ سمجھ گیا کہ بدبخت حبشی شہر چلا گیا ہے۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور مورچے میں آ کر جھانکا۔

جونہی اس کی نظر مورچے کے اندر پڑی وہ دھک سے رہ گیا۔ اندر پتھروں میں حبشی کی مُڑی ہوئی لاش پڑی تھی۔ جرنیل نے جلدی سے مورچے میں اُتر کر حبشی کی لاش کو دیکھا اس کے جسم پر گولیوں کے چھ نشان تھے۔ اس کی کھوپڑی سے بھی ایک گولی گذر گئی تھی۔ دشمن نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ جرنیل نے دیکھا کہ حبشی کا پستول اور گولیاں بھی غائب تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ڈاکو اس کی پستول بھی لے گئے تھے۔

اب اُسے خزانے کی فکر ہوئی کہ اگر ڈاکوؤں نے خزانے کے پہرے دار کو ہلاک کیا ہے تو وہ خزانے کو بھی ضرور لے

گئے ہوں گے۔ وہ بڑی تیزی سے پہاڑی سے نیچے اُتر آیا۔ غار میں داخل ہو کر بھاگ کر تہہ خانے میں پہنچا۔ ٹارچ روشن کی تو اس کی جان میں جان آئی۔ خزانے کا چبوترہ ویسے ہی تھا۔ ممی کا تابوت بھی ویسے ہی تھا اور زمین کسی نے تھوڑی سی کھود کر چھوڑ دی تھی۔

جرنیل نے ٹارچ کی روشنی میں زمین پر پاؤں کے نشان دیکھے۔ یہ نشان باہر سے اندر آ رہے تھے۔ چبوترے کے پاس آ کر رُک گئے تھے۔ دائیں بائیں گھومنے کے نشان تھے۔ پھر یہی نشان واپس چلے گئے تھے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ڈاکو زیادہ نہیں ہیں۔ وہ کوئی ایک شخص ہے۔ اُس نے حبشی کو ہلاک کیا۔ نیچے آیا۔ زمین کو ذرا سا کھودنے کی کوشش کی اور پھر ناکام ہو کر واپس چلا گیا۔ تو کیا وہ پھر آئے گا؟

وہ ضرور آئے گا۔ اُسے معلوم ہو چکا ہے کہ یہاں خزانہ دفن ہے۔

جرنیل نے سوچا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ جس پہرے دار کو اُس نے رکھا تھا وہ بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ ڈاکو کوئی بڑا مکار شخص لگتا ہے۔ کیا وہ خود وہاں پہرہ دے؟ یہ بھی وہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کب تک خشک و بنجر گرم پہاڑی

پر پڑا رہے گا؟ پھر کیا کیا جائے؟ جرنیل نے سوچا کر فوراً واپس چل کر کسی دوسرے پہرے دار کا بندوبست کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ غار سے باہر نکلا۔ جیپ میں بیٹھا اور بڑی تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

شہر میں اُسی حبشی کا ایک دوست بھی رہتا تھا جو جرنیل سے مل چکا تھا۔ اس کا نام ہلاکو تھا۔ ہلاکو بڑا سنگدل اور ظالم شخص تھا۔ قتل کے الزام میں دس سال سزا بھگت چکا تھا۔ جرنیل نے ہلاکو کو کوٹھی پر بلوایا۔ اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اُسے خوب گوشت پلاؤ کھلایا۔ اُسے روپے بھی دیئے اور وہی کہانی اُسے سنائی کہ غار میں اس کی ماں باپ کی قبریں ہیں اور اس کے دشمن ان قبروں کو کھود کر لاشیں نکال لے جانے کی کوشش میں ہیں۔

"اس لیئے مَیں چاہتا ہوں کہ تم وہاں جا کر پہرہ دو۔"

ہلاکو راضی ہو گیا۔

"بس تم آج شام ہی وہاں چلے جانا۔ پہاڑی پر ایک پتھروں کا پرانا مورچہ بنا ہوا ہے۔ جو شاید جنگ کے زمانے کا ہے۔ تم کو وہاں رہ کر پہرہ دینا ہو گا۔ کوئی بھی غار کے اندر داخل نہ ہونے پائے۔ تمہیں وہاں ضرورت کی ہر شے پہنچ جایا کرے گی۔ اس کے عوض مَیں تمہیں ایک سو روپے

لگا۔ مذ دیا کروں گا۔"

جنگ کے زمانے میں یہ رقم بہت تھی۔ ہلاکو راضی ہو گیا اور شام کو پہاڑی پر جانے کے لئے کہہ کر چلا گیا۔

اُس کے جاتے ہی جرنیل نے پہلا کام یہ کیا کہ جیپ لے کر بھاگم۔بھاگ پہاڑی پر پہنچا۔ حبشی کی لاش کو مورچے سے نکال کر ایک جگہ ریت کھود کر دفن کیا۔ اس کی چھاگل اور دوسری چیزیں جیپ میں رکھیں اور واپس اپنی کوٹھی آ گیا۔

شام ہوئی، پھر رات کا اندھیرا پھیلا تو چور نے سوچا کہ گدھے سے کام نہیں چلے گا۔ کسی کی جیپ چرانی چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ ایک کوٹھی کے صحن میں گیا۔ وہاں ایک جیپ کھڑی تھی۔ چور نے جیب سے نقلی چابی نکال کر جیپ سٹارٹ کی اور اُسے لے کر سیدھا پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ کدال اور بیلچہ وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ رات کے اندھیرے میں ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ اسی دھندلی روشنی میں وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ آخر پہاڑی دکھائی دینے لگی۔ اُس نے کافی فاصلے پر ایک جگہ ٹیلے کی اوٹ میں جیپ کھڑی کی اور بیلچہ کندھے پر ڈال کر ٹیلوں کے پیچھے پیچھے سے ہوتا ہوا پہاڑی کے عقب میں آ گیا۔

اُسے معلوم تھا کہ آج بھی اوپر مورچے پر کوئی نہ کوئی پہرے

پر ضرور موجود ہو گا۔ اس لئے وہ بڑا ہوشیار تھا اور
طرف سے چوکس ہو کر چل رہا تھا۔ پستول اُس نے بھی نکال
کر ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ وہ ایک پیشہ ور اور تجربہ کار
چور تھا۔ وہ کسی صورت بھی خزانے سے محروم نہیں ہونا
چاہتا تھا۔ وہ ہر قیمت پر خزانہ حاصل کرنے کا فیصلہ
کر کے آیا تھا۔ لیکن خزانے تک پہنچنا مشکل بھی ہو گیا
تھا۔ اِس میں اب جان کا خطرہ تھا۔ دشمن بھی ہوشیار
ہو گیا تھا۔

چور جب پہاڑی کی دوسری طرف سے اوپر چڑھا تو
مورچے میں بیٹھے ہوئے ہلاکو کو آہٹ سنائی دی۔ وہ چوکنا
ہو گیا۔ اُس نے مورچے کے سوراخ میں سے پیچھے کی طرف
دیکھا۔ اُسے رات کے اندھیرے میں ایک سایہ رینگتا
ہوا نظر آیا۔ سمجھ گیا کہ ڈاکو آ گیا ہے۔ اُس نے پستول
نکال کر سوراخ کے ساتھ لگا دیا۔ پھر نشانہ باندھ کر گولی
چلا دی۔ ہلاکو اتنا اچھا نشانے باز نہیں تھا اور پھر رات کے
اندھیرے میں وہ اچھی طرح سے نشانہ بھی نہ باندھ سکا تھا۔
گولی چور کے سر کے اوپر سے ہو کر نکل گئی۔

چور زمین پر لیٹ گیا۔ اُس نے فوراً پیچھے کھسک کر
اپنا راستہ تبدیل کر لیا۔ اب وہ دوسری طرف سے پہاڑی پر چڑھنے

لگا۔ مغرب کی طرف پہاڑی کے اوپر کچھ بڑے بڑے
پتھر پڑے تھے۔ چور اُن پتھروں کے پیچھے ہو کر قدم
قدم آگے بڑھنے لگا۔ اُدھر ہلاکو مورچے میں پریشان تھا
کہ ڈاکو کہاں ہے۔ کدھر چلا گیا؟ اور کس طرف سے حملہ
کرے گا۔ اُسے یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ ڈاکو آ گیا ہے اور
وہ ہوشیار ہے۔

چور کھسکتا کھسکتا مورچے کی مغربی جانب نکل آیا۔
اس طرف ہلاکو کی پیٹھ تھی۔ چور کی ساری خوبی یہ تھی کہ
وہ سانپ کی طرح رینگتا چلا آ رہا تھا۔ اس کے رینگنے
کی ہلکی سی آہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ رینگتے
رینگتے آخر مورچے کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس کا دم پھول
گیا تھا۔ ایک پل کے لئے وہ زمین کے ساتھ چمٹا پڑا
رہا اور سانس ٹھیک کرتا رہا۔ جب وہ تازہ دم ہو گیا تو
اس نے پھر رینگنا شروع کر دیا۔

ایک پرندہ اُڑتا ہوا پہاڑی کے اُوپر سے گذر گیا۔
اس کی ہلکی سی آواز فضا میں پیدا ہوئی۔ بدقسمتی سے
ہلاکو نے مورچے میں سے سر نکال کر پرندے کو دیکھنے کی
کوشش کی۔ بس اُسی لمحے ماہر نشانہ باز چور نے ہلاکو کے
سر کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ دھماکے کی آواز آئی اور

گولی ہلاکو کے سر کو چھیدتی ہوئی آگے گزر گئی۔ وہ خاموشی
سے مورچے میں گرا اور ختم ہو گیا۔

چور کچھ دیر انتظار کرتا رہا کہ شاید مورچے میں کوئی دوسرا
شخص بھی بیٹھا ہو اور وہ حملہ کرنے کے لئے باہر نکلے۔ مگر
وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ چور نے اُٹھ کر مورچے کا معائنہ
کیا۔ ہلاکو کی لاش مورچے میں پتھروں پر پڑی تھی۔ مورچے
میں اس کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ چور نے چاروں طرف
دیکھا۔ پھر پہاڑی کے نیچے نظر ڈالی۔ کسی جگہ بھی کوئی شخص
نہیں تھا۔

چور پہاڑی سے نیچے اُتر کر غار میں داخل ہو گیا۔ اُس
نے تہہ خانے میں پہنچ کر زور لگا کر تابوت کو نیچے اتارا
اور زمین کھودنی شروع کر دی۔ پہلے کھُدی ہوئی زمین کو
کھودنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ زمین میں سے مٹی باہر پھینکنے لگا۔
کافی گہرا گڑھا ہو گیا تو نیچے سے صندوق دکھائی دیا۔ چور نے
جلدی سے ڈھکنا اٹھایا۔ تو اس کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ
گئیں۔ صندوق بڑے قیمتی ہیرے جواہرات سے لبالب
بھرا ہوا تھا۔

چور کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ ناچنے لگا۔
پھر اچانک اپنی جگہ پر رُک گیا۔ پتھر سا بن گیا۔ اُسے

کسی چیز کی پھنکار سنائی دی تھی۔ یہ کس کی پھنکار
تھی؟ چور نے آہستہ سے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ اس کی
جان خشک ہو گئی۔ اس کے پیچھے ایک سیاہ اور سبز رنگ
کا سانپ پھن اٹھائے کھڑا اُسے لال لال آنکھوں سے
گھور رہا تھا اور بار بار اپنی دو شاخوں والی زبان باہر
نکال رہا تھا۔

چور کے جسم میں اتنی طاقت بھی نہیں رہی تھی کہ وہ
پستول جیب سے نکال کر اُس پر حملہ کرے۔ سانپ نے پھن
اٹھا رکھا تھا۔ اس کا خوفناک پھن آگے پیچھے جھُول رہا تھا۔
چور کی آنکھوں میں سانپ نے آنکھیں ڈال رکھی تھیں۔
چور نے آخر اپنے آپ کو سنبھالا اور آہستہ آہستہ جیب کی
طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس کی انگلیاں ٹھنڈے پستول سے ٹکرائیں۔
اُس نے بڑے سکون کے ساتھ مگر کانپتے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ
پستول باہر نکال لیا۔ یہ زندگی اور موت کی گھڑی تھی۔
اگر اُس نے فائر ضائع کر دیا تو سانپ اُسے کبھی زندہ
نہیں چھوڑے گا۔ چور نے پستول کو سیدھا کیا۔ ہاتھ کو
نیچے رکھے ہوئے سانپ کے پھن کا نشانہ باندھا اور گولی چلا
دی۔ افسوس! نشانہ چُوک گیا تھا اور سانپ ایک
سیکنڈ میں غائب ہو چکا تھا۔

صحرا میں چیخ

•

چور خوف زدہ ہو گیا تھا۔
زہریلا سانپ تہہ خانے میں موجود تھا اور اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔ اگر سامنے ہوتا تو وہ مقابلہ بھی کرتا۔ اب کس سے مقابلہ کرے؟ سانپ کسی جگہ سے بھی کسی وقت نکل کر اُس پر حملہ کر سکتا تھا۔ چور نے ٹارچ روشن کر لی تھی اور دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر ٹارچ کی گول گول روشنی کو دائیں بائیں دیواروں اور زمین پر ڈال رہا تھا۔ وہاں سانپ کہیں نہیں تھا۔ کچھ دیر تک روشنی میں سانپ کو تلاش کرتا رہا۔ پھر اُس نے سوچا کہ شاید سانپ پستول کی گول سے ڈر کر بھاگ گیا ہے۔

یہ اُس کی بھول تھی۔
کیونکہ وہ خزانے کا سانپ تھا۔ ایسا ویسا عام سانپ نہیں تھا۔ سانپ اُسی جگہ تھا مگر موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ چور نے جب دیکھا کہ آدھا گھنٹہ گزر گیا ہے اور

سانپ وہاں نہیں آیا تو اُس نے ٹارچ کو زمین پر اس طرح سے رکھا کہ اس کی روشنی خزانے کے گڑھے پر پڑے اور اپنا کام شروع کر دیا۔ تھیلا کھول کر اس میں جواہرات بھرنے شروع کر دیئے۔ وہ بڑی تیزی سے یہ کام کر رہا تھا۔ وہ جلدی سے جلدی تھیلا بھر کر وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ تھیلا جواہرات سے بھر گیا تو اُس نے اس کا منہ بند کیا۔ بیلچہ وغیرہ اُسی جگہ چھوڑا۔ تھیلے کو کندھے پر ڈالا اور ٹارچ کی روشنی میں تہہ خانے کے فرش اور دیواروں کو چاروں طرف سے دیکھا۔
جب اُسے یقین ہو گیا کہ سانپ وہاں کہیں بھی نہیں ہے تو وہ آہستہ آہستہ دیوار کے ساتھ کھسکتا ہوا تہہ خانے سے باہر نکل آیا۔ اب اُس کے سامنے اندھیری غار تھی۔ ٹارچ کی روشنی میں وہ قدم قدم باہر کی طرف چلا۔ غار میں کسی جگہ اُسے سانپ نہ ملا۔ چور خوش بھی تھا اور ڈر بھی رہا تھا۔ خوش اس لئے تھا کہ اُسے کروڑوں روپوں کے خزانے کا سراغ مل گیا تھا اور ڈر اس بات کا تھا کہ کہیں کسی جگہ سے اچانک سانپ نکل کر سامنے نہ آ جائے۔
اب وہ غار کے منہ پر آ گیا۔ باہر اُسے آسمان نظر آیا جس پر ستارے چمک رہے تھے۔ اس کی جان میں جان آئی۔ اُس نے ایک ہی چھلانگ لگائی اور وہ غار سے باہر تھا۔ باہر

آتے ہی اُس نے ریت پر اُس ٹیلے کی طرف بھاگنا شروع کر
دیا جہاں اس کی جیپ کھڑی تھی۔ جیپ ابھی تک ویسے ہی اُس
جگہ کھڑی تھی۔ اُس نے تھیلے کو جیپ میں رکھا۔ ایک بار پھر
اس کا منہ کھول کر جواہرات اور ہیروں کا معائنہ کیا۔ رات
کے اندھیرے میں ہیرے جواہرات ستاروں کی طرح چمک
رہے تھے۔ دمک رہے تھے۔ یہ بڑے ہی قیمتی جواہرات تھے۔

چور کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اُس نے فیصلہ کیا
کہ اب وہ باقی ساری زندگی بادشاہوں کی طرح بسر کرے گا۔
اُس نے تھیلے کو جیپ میں رکھا اور خود آگے بیٹھ گیا تاکہ
جیپ کو سٹارٹ کر کے وہاں سے بھاگ جائے۔ ابھی اُس
نے جیپ سٹارٹ ہی کی تھی کہ انجن بند ہو گیا۔ وہ اُتر کر انجن
کو دیکھنے لگا۔ شاید انجن میں پانی ختم ہو گیا تھا۔ اُس
نے چیک کیا تو پتہ چلا کہ پانی موجود تھا۔ وہ جھک کر
نیچے تکنے لگا۔ جیپ کے نیچے اُسے ستاروں کی ہلکی روشنی
میں ریت پر ایک بڑا گیلا ٹکڑا دکھائی دیا۔

چور نے سونگھا تو وہ پٹرول تھا۔ جیپ کی کوئی نلکی اندر
سے ٹوٹ گئی تھی اور سارا پٹرول بہہ کر ریت میں جذب
ہو گیا تھا۔ چور نے اپنا سر پیٹ لیا۔ مگر وقت بہت
کم تھا۔ بلکہ سوچنے کے لئے بھی اُس کے پاس وقت

نہیں تھا۔ اُس نے جواہرات کا تھیلا کندھے پر اٹھایا اور
شہر کی طرف چل پڑا۔ ریت میں اُس کے پاؤں دھنس
رہے تھے۔ جوں جوں وہ آگے جا رہا تھا ریت زیادہ نرم
ہوتی جا رہی تھی۔ چور نے راستہ بدلنے کی کوشش کی اور
ذرا ایک طرف کو ہو کر آگے چلنے لگا۔

اندھیرے میں وہ راستہ بھول گیا تھا اور ٹیلوں کے
بہت پیچھے چلا گیا تھا۔ پھر وہاں اچانک تیز ہوا چلنے
لگی۔ چاروں طرف گرد و غبار کا بادل چھا گیا۔ پہلے ہی
وہاں رات کا اندھیرا تھا۔ اب رہی سہی کسر آندھی نے
پُوری کر دی۔ چاروں طرف گہرا اندھیرا پھیل گیا۔ ایک
گز کے فاصلے پر کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ چور رُکا نہیں
وہ چلتا گیا۔ ریت میں اس کے پیر دھنس رہے تھے مگر
وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اگر وہ وہیں رُک جاتا تو شاید بچ
جاتا۔ لیکن وہ بڑھتا چلا گیا۔

یہی اُس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔

ساری رات وہ چلتا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ٹھیک
سمت کو جا رہا ہے اور صبح کی روشنی پھیلنے پر وہ شہر کے
قریب پہنچ جائے گا۔ مگر جب صبح ہوئی اور آندھی تھمی اُس
نے دیکھا کہ اُس کے چاروں طرف صحرا ہی صحرا پھیلا ہوا تھا۔

رات کی آندھی نے کئی ریت کے ٹیلوں کو اڑا کر دُور پھینک دیا تھا۔ کئی چھوٹے چھوٹے ریت کے نئے ٹیلے بن گئے تھے۔ صحرا کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ وہ صحرا ہی نہیں تھا جسے اُس نے شام کے وقت دیکھا تھا۔ چور کو یہ بھی معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ شمال کدھر ہے اور جنوب کدھر ہے۔ مشرق کس طرف ہے اور مغرب کس طرف۔ صرف سورج نے نکل کر اُسے بتایا کہ مشرق اس طرف ہے۔ اس حساب سے اُس نے مشرق کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اُس کے اندازے کے مطابق شہر کو مشرقی علاقے کی طرف ہی ہونا چاہیے تھا۔ مگر چور نے مشرق کو ایک ایسے ٹیلے کی اوٹ سے دیکھا تھا جس کا رُخ جنوب کی طرف تھا۔ دوپہر تک وہ چلتے چلتے تھک گیا۔ اس نے جواہرات کا تھیلا بھی اٹھا رکھا تھا۔ تھیلے کا بھی بوجھ تھا۔ پیاس سے چور کی زبان خشک ہو رہی تھی۔ وہ ریت پر پڑ گیا۔ تھوڑا سا دم لے کر اُس نے دُور ایک ٹیلہ اور ایک درخت دیکھا اور اُس کی طرف چل پڑا۔ قریب جا کر اُس نے ٹیلے کے پاس اُگے ہوئے کھجور کے درخت کو خنجر سے تھوڑا سا کاٹ کر اس کی نمی سے حلق تر کیا۔ اُس کے تنے کا گودا کھا لیا۔ ذرا اُسے ہوش آیا تو اُس نے ٹیلے کی اوٹ میں بیٹھ کر سوچنا شروع کیا کہ وہ کہاں نکل آیا ہے؟

وہ اسی علاقے کا رہنے والا تھا مگر اس صحرا میں کبھی اتنا آگے نہیں آیا تھا۔ حکومت کی طرف سے اس صحرا میں بغیر کسی گائیڈ یا نقشے کے سفر کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ کیونکہ اس صحرا میں اگر آدمی ایک بار راستہ بھول جائے تو پھر وہ کبھی واپس نہیں آ سکتا تھا۔ پس وہیں اس کی لاش گدھ کھاتے تھے۔ کئی ایسے مسافر جو اکیلے بغیر کسی گائیڈ کے صحرا میں گئے پھر واپس نہیں آئے تھے۔

شام تک چور اُسی ٹیلے کی تھوڑی سی چھاؤں میں پڑا رہا۔ پھر جب شام کی ٹھنڈی ہَوا چلی تو اُس نے اپنا سفر شروع کر دیا۔ اب اُس نے ایک اندازہ لگایا اور چلنا شروع کر دیا۔ اپنے خیال کے مطابق وہ شہر کی طرف جا رہا تھا۔ لیکن حقیقت میں وہ صحرا کے اندر ہی اندر آگے ہی آگے چلا جا رہا تھا۔ موت اور ہلاکت کی وادی میں بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

ساری رات وہ گرتا پڑتا ریت پر قدم قدم چلتا گیا۔ صبح کے وقت وہ بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر ریت پر گر پڑا۔ اس کا جواہرات سے بھرا ہوا تھیلا بھی پاس ہی ریت پر پڑا تھا۔ پیاس سے اس کی زبان ہونٹوں سے باہر آ گئی تھی۔ بھوک سے آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔

جسم میں اتنی بھی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ ایک قدم اٹھا سکتا۔ اوپر سے سورج نے چمکنا شروع کر دیا۔ وہاں سایہ بھی نہیں تھا۔ صحرا کی دھوپ بڑی قیامت کی ہوتی ہے۔ آسمان سے آگ برسنے لگی تھی۔ گرم ہوا چل رہی تھی۔ ریت انگاروں کی طرح تپ رہی تھی۔

چور کے جسم سے جان نکلنے لگی۔ اُس نے دھوپ کی شدت سے بچنے کے لئے جواہرات کا تھیلا اپنے منہ کے اوپر کر لیا۔ وہ دھوپ کی شدت سے تو بچ گیا مگر جس نے اُس کا دم گھُوٹنا شروع کر دیا۔ اس کا سانس بند ہونے لگا۔ چور نے جلدی سے جواہرات کے تھیلے کو پرے پھینک دیا۔ تھیلا منہ سے ہٹا تو اُس کو سانس آیا۔ پیاس نے اُس کے ہونٹوں پر کانٹے ڈال دیئے تھے۔ اس کے منہ اور ناک میں ریت دھنسنا شروع ہو گئی تھی۔ اور ہاتھوں میں اتنی طاقت بھی نہیں تھی کہ آنکھوں، منہ اور ناک سے ریت ہی نکال کر باہر پھینک سکے۔ سارا دن چور گرم ریت پر تیز دھوپ میں پڑا جلتا رہا۔ اس کی کھال جل کر سیاہ ہو گئی۔ آنکھیں اندر کو دھنس کر چھوٹی ہو کر سکڑ گئیں۔ سر کے بال جل کر گرنے لگے تھے۔ منہ میں ریت بھرنا شروع ہو گئی۔

آخر رات کے پچھلے پہر اُس نے پیاس اور گرمی کی شدت سے اُس نے دم توڑ دیا۔ ابھی صبح کا سورج طلوع ہوا تو اس کی روشنی نے ایک عبرت ناک منظر دیکھا۔ صحرا کی تپتی ریت پر ایک سوکھی جلی ہوئی ...س پڑی تھی۔ جس کے منہ آنکھوں، کان اور بالوں ...ریت پھنسی تھی۔ اور اُس کے قریب ہی کروڑوں روپے ... ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا تھیلا رکھا تھا۔ اس میں ...نے اپ... قیمت کے ہیرے تھے کہ اگر وہ شہر میں ہوتا تو اُسے کر او... شہر کی ساری آبادی کو پچاس سال تک ٹھنڈے شربت کی بوتلیں پلا سکتا تھا اور کھانا کھلا سکتا تھا۔ لیکن وہ ... رات ... میں مر گیا کہ ساری دولت، سارے جواہرات اُس کے سفر ... ہی پڑے رہ گئے اور اُسے پانی کی ایک بوند بھی نہ ملی۔ پھر

پھر دن چڑھا تو گدھ ... کھول ... اس کی لاش کے اوپر منڈلانا شروع کر دیا۔ وہ اُتر ... باتیں ... کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئیں اور مزے لے لے کے ... انہوں نے چور کی لاش کا بچا کھچا گوشت نوچ کھو... کر کھانا شروع کر دیا۔ شام تک گدھوں نے اس کی لاش کا سارا گوشت ہضم کر لیا تھا اور اب صرف اس کی سفید ہڈیاں ریت پر پڑی تھیں۔ یہ سفید ہڈیاں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔

اب کرنا خدا کا کیا ہوا کر شام کو ادھر سے دو اونٹ
سوار گزرے ۔ اُنہوں نے وھ ریت پر ایک انسانی پنجر
اور کھوپڑی دیکھی تو رُک گئے گر پھر آگے بڑھنے ہی والے
تھے کہ اچانک ان کی نگاہ نے بر پڑی ۔ دونوں اپنے اپنے
اونٹوں سے اتر آئے ۔ نیچے تپ تھیلے کے پاس گئے ۔ جونہی
اُسے کھولا ۔ دونوں کی آنکھیں نکلنے کی کھلی رہ گئیں ۔ اتنے بڑے
اتنے حسین اور اتنے قیمتی جواہرا انہوں نے ساری زندگی
میں کبھی نہیں دیکھے تھے ۔ ں تشدر ں سمگر قسم کے آدمی تھے
اور سرحدوں پر ریشم اسی روع نے کی سمگلنگ کرتے تھے ۔
اب جو انہوں نے اتنی ڈھ ے دولت ہیرے جواہرات
کی شکل میں دیکھی تو خوشی منہ گل ہو گئے ۔
”یہ ضرور کوئی سمگلر ہو ہونٹوں ہیرے سمگل کرنے آیا اور
صحرا میں راستہ بھول کر بھ ریت سا مر گیا ۔“
دوسرا بولا : ت بھی
کال کر
”کوئی اناڑی لگتا ہے وب کے تمام سمگلروں کو
صحرائی راستوں کا علم ہے ۔“
”یہ تو بہت زیادہ جواہرات ہیں ۔ میرا خیال ہے ان کی
قیمت کروڑوں روپے تک ہوگی ۔“
”ملکہ اس سے بھی زیادہ ۔ اس میں جو یاقوت اور زمرد

ہیں وہ بڑے سائز کے ہیں اور بے حد قیمتی ہیں ۔“
”میرا خیال ہے کہ ہمیں ابھی سے آدھوں آدھ اسے
آپس میں بانٹ لینا چاہیے تاکہ بعد میں کسی قسم کا
جھگڑا نہ ہو ۔“
”ٹھیک ہے ۔“
ان دونوں سمگلروں نے ہیرے جواہرات کو آدھا آدھا
آپس میں بانٹ لیا اور اپنے اپنے حصے کے جواہرات
اپنے اپنے تھیلوں میں ڈال کر اونٹ پر بیٹھے اور شہر
کی طرف روانہ ہو گئے ۔ ابھی شہر کافی دور تھا اور انہیں
راستے میں ہی رات آ گئی ۔ رات کو وہ سفر ضرور کرتے
مگر ان کے اونٹ تین دن کے سفر سے تھک گئے تھے اور
انہیں بھوک بھی لگ رہی تھی ۔ پس وہ اونٹوں سے اُترے
اور ریت پر دری بچھا کر کھانا کھول کر کھانے لگے ۔ کھانے
کے بعد انہوں نے آپس میں باتیں کرنی شروع کر دیں
ان دونوں کے درمیان دولت کے آتے ہی ایک خاموش
جنگ شروع ہو گئی تھی ۔
اس سے پہلے کہ ان کے پاس جواہرات آتے وہ دونوں
ایک دوسرے کے بڑے اچھے دوست تھے ۔ مگر اب ایک
دوسرے پر شک کرنے لگے تھے ۔ ہر ایک یہی سوچتا تھا

کہ اگر وہ سو گیا تو دوسرا اُسے سویا ہوا پا کر ہلاک کر دے گا اور اس کی دولت پر قبضہ کر لے گا۔ اس وجہ سے دونوں میں سے کوئی بھی نہیں سو رہا تھا۔ انہیں نیند آ رہی تھی مگر وہ جاگنے کی کوشش کر رہے تھے اور یونہی اِدھر اُدھر کی بیکار باتیں کئے جا رہے تھے۔

دونوں ایک دوسرے کی نیّت کو بھانپ گئے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ دونوں نے ایک دوسرے کے خیالات پڑھ لئے ہیں۔ مگر ظاہر کوئی بھی نہیں کر رہا تھا۔ ظاہر دونوں یہی کر رہے تھے جیسے وہ ایک دوسرے کے سچّے دوست ہیں اور یونہی جاگ رہے ہیں۔

"یار مَیں تو سوتے سوتے تھک گیا ہوں۔ آج تو مجھے بالکل ہی نیند نہیں آ رہی۔"

دوسرا بولا:

"پتہ نہیں کیا بات ہے آج مَیں بھی اپنے آپ کو تر و تازہ محسوس کر رہا ہوں۔ میری آنکھوں میں بھی نیند بالکل نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے آج کی رات ہمیں باتیں کرتے گذار دینی چاہیے۔ سو لیا بہت ہم نے۔"

"ہاں بڑا نیک خیال ہے۔"

اور انہوں نے آپس میں باتیں کرنی شروع کر دی۔ لیکن نیند اندر ہی اندر اپنا کام کر رہی تھی۔ کئی بار کسی ایک کو اونگھ آتی تو اس کی گردن اپنے آپ ایک طرف کو ڈھلک جاتی۔ وہ جلدی سے چونک کر گردن کو اُوپر اٹھاتا اور کھسیانا سا ہو کر کہتا:

"یونہی اونگھ آ گئی تھی۔ نیند تو مجھے بالکل نہیں آ رہی۔"

اسی طرح دوسرے کو اونگھ آتی تو وہ بھی جلدی سے سنبھل کر بیٹھ جاتا اور ذرا مسکرا کر آنکھیں ملتے ہوئے کہتا:

"مَیں بھی یونہی اُونگھ گیا تھا۔ وگرنہ نیند تو مجھے بھی بالکل نہیں آ رہی۔"

"میرا خیال ہے قہوہ بنانا چاہیے۔"

انہیں نے آگ جلا کر قہوہ بنا کر پیا۔ گرم گرم قہوے نے انہیں تھوڑی دیر کے لیے ہوشیار کر دیا۔ لیکن ایک گھنٹے کے بعد پھر نیند نے حملہ کر دیا۔ نیند ایک قدرتی شئے ہے۔ اور قدرتی چیز کوئی نہیں روک سکتا۔ نیند تو کہتے ہیں کہ سولی پر بھی آ جاتی ہے۔ لہٰذا ان دونوں ستمگر دوستوں کو بھی نیند نے پوری طرح اپنی مٹھی میں لے لیا اور وہ بار بار اونگھنے اور بار بار ڈھلکی ہوئی گردن اوپر

اٹھا کر ایک دوسرے سے معذرت کرنے لگے۔ مگر کب
تک ؟ آخر نابند نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ کوئی سمجھوتہ
کرلیں۔ ایک سمگلر بولا :

"یار ! اصل بات یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کو بھی
دوسرے پر بھروسہ نہیں ہے۔"

"ہاں یار تم ٹھیک کہتے ہو۔ کم بخت دولت ہتے آتے
ہی ہمارے درمیان پھوٹ ڈال دی ہے۔"

"پھر اس کا علاج تو ہے۔"

"وہ کیا ؟"

"دیکھو بھائی۔ ہماری نیت پر کوئی بھی شک نہیں کر
سکتا۔ ہم ایک دوسرے کے وفادار ہیں۔ لیکن پھر بھی
بندہ بشر ہیں۔ دل میں کوئی ایسا ویسا خیال آ بھی سکتا ہے
اس لئے میں نے ایک بات سوچی ہے۔"

"وہ کونسی ترکیب ہے ؟"

"یہی کہ پہلے میں سو جاتا ہوں تم پہرہ دو۔ پھر تم سو
جاؤ اور میں پہرہ دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر پہلے تم سوؤ اور میں پہرہ دوں گا۔"

"نہیں۔ پہلے تم سوؤ۔ میں پہرہ دوں گا۔"

آپس میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔ کوئی بھی پہلے سونے پر

تیار نہ ہوا۔ ہر ایک کو یہی ڈر تھا کہ اگر میں پہلے سو گیا تو
دوسرا مجھے سوتے میں ہلاک کر کے میرے حصے کی دولت
پر قبضہ کر لے گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں جاگنے کی کوشش
کرتے رہے اور دونوں بار بار اونگھتے رہے۔

آخر ایک سمگلر کی موت آ گئی تھی۔ اُسے ایک بار ایسی
اونگھ آئی کہ وہ سو گیا اور جلد ہی خراٹے لینے لگا۔ دوسرا سمگلر
بھی اونگھ رہا تھا اور بڑی مشکل سے اپنی بار بار ڈھلکتی گردن کو
سنبھالا دے رہا تھا۔ اب جو اُس نے خراٹوں کی آواز سُنی
تو ہوشیار ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اس کا ساتھی خوابِ غفلت
میں سو رہا ہے۔ وہ شاید اسی گھڑی کا انتظار کر رہا تھا۔
بڑا سنہری موقع مل گیا تھا اُسے۔

اُس نے ایک پل بھی ضائع نہ کیا۔ کمر کے گرد لگا ہوا
خنجر نکال کر کھسکتا ہوا دوسرے ساتھی کے پاس گیا اور آن
کی آن میں اُس کے دل میں خنجر گھونپ دیا۔ دوسرا بے چارہ
چیخ بھی بلند نہ کر سکا اور وہیں لڑھک گیا اور ہمیشہ کی نیند
سو گیا۔ اُس کا ساتھی بڑا خوش ہوا۔ اُس نے اپنے مرے ہوئے
ساتھی کے جواہرات بھی اپنے تھیلے میں ڈالے۔ اپنے اونٹ
پر بیٹھا اور اُسے لے کر وہاں سے بھاگ گیا۔

آدھی رات باقی رہ گئی تھی۔ سمگلر جواہرات کا تھیلا اونٹ

پر رکھے بڑا خوش جا رہا تھا۔ وہ کروڑپتی بن گیا تھا۔ اُسے ہرگز امید نہ تھی کہ وہ راتوں رات کروڑپتی بن جائے گا۔ چلتے چلتے صبح ہونے سے کچھ دیر پہلے وہ اُس پہاڑی کے قریب سے گذرا جہاں سے یہ خزانہ چُرایا گیا تھا۔

اُدھر ایسا ہوا کہ آدھی رات کو جرنیل کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے سوچا کہ ذرا خزانے کی پہاڑی پر چل کر معلوم کرنا چاہیے کہ کہیں ڈاکو نے آکر نئے چوکیدار بلاکو کو بھی قتل تو نہیں کر دیا۔ اُس نے جیپ پکڑی اور پہاڑی کے دامن میں آگیا۔ جیپ ایک ٹیلے کی اوٹ میں کھڑی کر کے وہ پہاڑی پر سیدھا اُس مورچے میں آیا جہاں بلاکو پہرہ دے رہا تھا۔

وہاں جو آیا تو اُس نے بلاکو کو آواز دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ کچھ گھبرایا۔ جلدی سے مورچے کے اندر جھانکا تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس پہرے دار کو بھی ڈاکو نے ہلاک کر دیا تھا۔ جلدی سے نیچے غار میں آیا کہ جا کر دیکھے خزانہ موجود ہے کہ نہیں۔ وہاں جا کر جو دیکھتا ہے تو معلوم ہوا کہ صندوق آدھا خالی ہے۔ اس میں سے آدھے جواہرات غائب ہیں۔ کچھ باہر گرے پڑے ہیں۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ڈاکو جلدی میں تھا اور جواہرات تھیلے میں ڈال کر بھاگ گیا۔

یہ نہ صرف خزانے کا نقصان تھا بلکہ سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ ڈاکو نے خزانے کا ٹھکانہ دیکھ لیا تھا اور اب وہ باقی خزانہ بھی چُرا کر لے جا سکتا تھا۔ جرمن جرنیل کے پاس اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ خزانے کے سارے صندوق وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ دفن کرتا۔ یہ بہت بڑا کام تھا اور اکیلا جرنیل یہ کبھی نہیں کر سکتا تھا۔

جرنیل آگ بگولا ہو گیا تھا۔ غصے سے کانپ رہا تھا۔ چہرہ لٹک گیا تھا کہ جرمن قوم کی قومی دولت خطرے میں پڑ گئی تھی۔ اب کسی وقت بھی اس خزانے کو لوٹا جا سکتا تھا۔ پریشان ہو کر غار سے باہر نکلا اور پہاڑی کے اوپر آ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس خیال سے کہ شاید ڈاکو کہیں قریب ہو تو نظر پڑ جائے۔

اتفاق سے اسی وقت سمگلر اونٹ پر سوار پہاڑی کے قریب سے گزرا۔ جرمن جرنیل نے اُسے دیکھا تو ایک دم چھپ گیا۔ ابھی اُسے یقین نہیں تھا کہ یہی ڈاکو ہو گا۔ مگر جب اُس نے دیکھا کہ سمگلر اونٹ کو بھگائے لئے جا رہا ہے تو اس کا شک یقین میں بدل گیا۔ اُس نے پہاڑی سے تیزی کے ساتھ اترنا شروع کر دیا۔ جب وہ نیچے آیا تو اُس وقت اونٹ سوار سمگلر اس کے قریب سے گزر

رہا تھا۔ صبح کی روشنی ابھی پوری طرح نہیں پھیلی تھی۔ جھٹپٹے کا سماں تھا۔ اونٹ سوار سمگلر نے بھی ایک سایہ اپنی طرف آتے دیکھ لیا۔ وہ اور تیز ہو گیا۔

اُسے تیز ہوتا دیکھ کر جرمن جرنیل کو پکّا یقین ہو گیا کہ یہی وہ ڈاکو ہے۔ پس اُس نے زمین پر گھٹنے ٹیک کر نشانہ باندھا اور پستول سے فائر کر دیا۔ گولی آگے نکل گئی۔ سمگلر نے گولی کی آواز سُنی تو گھبرا کر اونٹ کو اور تیز بھگانے کے واسطے مارنا شروع کر دیا۔ اونٹ نے جب دیکھا کہ اُس کا مالک اُسے مار رہا ہے تو وہ غصّے میں آ گیا۔ وہ رُک گیا اور اُس نے دائرے کی شکل میں گھومنا شروع کر دیا۔ سمگلر نے اُسے آگے نکالنے کی بہت کوشش کی مگر اونٹ دائرے میں چکّر لگاتا رہا۔ آخر اونٹ نے ایک زور دار دھچکا دے کر سمگلر کو اوپر سے گرا دیا۔ اتنے میں جرمن جرنیل بھی قریب آ چکا تھا۔ جونہی اُس نے اونٹ سوار کو نیچے گرتے دیکھا پستول سے گولیاں چلانی شروع کر دیں۔ سمگلر کے پاس پستول نہیں تھا صرف خنجر تھا۔ وہ خنجر تان کر جرنیل کی طرف بڑھا ہی تھا کہ ایک گولی سیدھی سامنے سے آ کر اُس کے سینے میں لگی اور وہ گر پڑا۔ اوپر سے جرنیل نے دو گولیاں اور مار دیں۔

سمگلر مر گیا۔ جرنیل نے اونٹ کے پاس گرا ہوا تھیلا دیکھا۔ اُس میں جواہرات بھرے ہوئے تھے۔ جرنیل نے خوشی کا ایک نعرہ لگایا۔ وہ کامیاب ہو گیا تھا۔ اسی لمحے اونٹ نے جرنیل کو غصّے بھری نظروں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ اُس نے اُس کے مالک کو ہلاک کر دیا تھا۔ اونٹ نے آگے بڑھ کر جرنیل کی گردن اپنے منہ میں دبوچ لی۔

کیا جرمن جرنیل کو اونٹ نے کھا لیا؟
جرمن خزانے کا کیا بنا؟
ناگ قاہرہ سے کہاں گیا؟
ماریا جاپانی سمندر میں کب پہنچی؟
اور عنبر پر برفانی طوفانوں میں کیا گذری؟
یہ آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے۔

موت کا تعاقب

اے حمید

۵۰ سیریز پہلے شائع ہو چکی ہیں اور
اب مزید پچاس سیریز شائع ہوں گی۔

اتنی مقبولیت کی آخر وجہ کیا؟

- ہر کہانی کے تینوں کردار جیتے جاگتے ہیں
- حیرت انگیز، سنسنی خیز اور پُر اسرار تاریخی کہانی
- ہر ناول کا پلاٹ الگ تھلگ اور اس کے ساتھ ساتھ تاریخی کردار موجود ملے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اب تک ان ناولوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

بچوں کے ادب میں ایک مثالی سیریز!

عنبر، ناگ اور ماریا کی دلچسپ کہانی انشاءاللہ اسی طرح ۱۰۰ سیریز تک اقساط کی صورت میں آپ کو ملتی رہے گی۔ اپنے بکسٹال سے معلومات لیتے رہیں تاکہ ہر سیریز بروقت آپ تک پہنچتی رہے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

لاہور ☙ حیدرآباد ☙ کراچی

87

موت کا تعاقب
سلسلہ نمبر

موت کا کیمپ

اے حمید

موت کا تعاقب ۸
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

موت کا کیمپ

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

طابع : شیخ نیاز احمد ،
مطبع : غلام علی پرنٹرز ، اشرفیہ پارک ، فیروز پور روڈ ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی ، لاہور سے شائع کیا۔

مقامِ اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
ادبی مارکیٹ ، چوک انارکلی ، لاہور

- بھاگ چلو ۵
- دریا کی طرف ۳۵
- جادوئی کبوتر ۷۵
- تہ خانے میں لاش ۱۱۳
- موت کا کیمپ ۱۵۵

پیارے بچو! پچھلی قسط میں جرمن جرنیل غار کے دروازے پر تھا۔ اور اونٹ نے اُس کی گردن دبوچ لی تھی۔ اب ایسا ہوا کہ اونٹ نے جرنیل کو ہلاک کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ جرمن جرنیل کو علم تھا کہ جس غار میں خفیہ خزانہ دفن ہے وہاں ڈائنامیٹ یعنی بارود بھی لگا دیا گیا تھا تاکہ مصیبت کے وقت بارود سے پہاڑی کو اڑا دیا جائے۔ پس جرمن جرنیل نے قربانی دیتے ہوئے پہاڑی کو بارود سے اڑا دیا۔ خود بھی مر گیا اور اپنے قومی خزانے کو بھی بچا لیا۔ ناگ قاہرہ سے روس کے میدانوں کی طرف نکل جاتا ہے۔ راستے میں اس کی ملاقات ایک ایسی لڑکی سے ہوتی ہے جو زار روس کی پوتی ہے اور جس پر شبہ کیا گیا ہے کہ اس کو اپنے نانا کے خزانے کا پتہ ہے کہ وہ کہاں دبا ہوا ہے۔ روسیوں نے اُسے قید میں ڈال رکھا ہوا تھا۔ ناگ ماسکو میں اس لڑکی کو قید سے فرار میں مدد دیتا تھا۔ اور اسے لے کر چین کی سرحد کی جانب اپنا جان جوکھوں کا سفر شروع کرتا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ عنبر بھی سائبیریا کے برفانی میدانوں میں اس کی تلاش میں گھوم پھر رہا ہے۔

اس کے بعد کا حال آپ خود پڑھئے گا۔

بھاگ چلو

اونٹ نے جرمن جرنیل کو جھنجھوڑ کر پھینک دیا۔

جرنیل کی گردن میں اونٹ کے دانت دھنس گئے تھے اور گردن کی ایک جانب سے خون جاری ہو گیا تھا۔ اونٹ دوسری بار بڑھا تو جرنیل نے اٹھ کر غار کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ خون ابھی اتنا نہیں نکلا تھا کہ جرنیل بھاگ نہ سکتا۔ پھر بھی وہ غار کے پاس پہنچ کر ریت پر گر پڑا۔ کمزوری بڑھنے لگی تھی۔ خون گردن کی کٹی ہوئی رگوں سے پرنالے کی طرح بہہ رہا تھا۔ اونٹ بھی اس کے سر پر آ گیا۔ اونٹ نے اس دفعہ جرنیل کی ران پر منہ مارا۔ اور گوشت میں دانت گاڑ کر اوپر اٹھایا۔ ہوا میں اسے دو تین زوردار جھٹکے دیئے اور پھر پہلے کی طرح زمین پر پٹخ دیا۔

اب تو اونٹ ران کا گوشت ہی اڑا کر لے گیا تھا۔ جرنیل کی پتلون خون میں نچڑ گئی۔ خون زیادہ بہہ جانے سے اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ گردن اور ران میں درد کی زبردست ٹیسیں پڑ رہی تھیں جیسے کوئی

وہاں گلہاڑے چلا رہا ہو۔ ران کا گوشت تو پتلون کے کپڑے سمیت وہاں سے اڑ گیا تھا۔ جرنیل نے غار کے اندر کی جانب اٹھ کر دوڑنے کی کوشش کی۔ زخم گرم گرم ہونے کی وجہ سے اسے کچھ معلوم نہ ہوا اور وہ ایک ٹانگ سے لنگڑاتا ہوا غار کے اندر آ گیا۔ اندر جاتے ہی وہ گر پڑا۔

اونٹ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ اونٹ کا غصہ مشہور ہے۔ وہ جرنیل سے اپنے مالک کے خون کا بدلہ لے رہا تھا۔ غار کے اندر آ کر اونٹ نے گردن نیچی کر لی تھی۔ جرنیل کو یقین ہو گیا تھا کہ اس کا آخری وقت آ گیا ہے۔ اب وہ خزانے کو ٹھکانے لگا دینا چاہتا تھا۔ جس روز خزانہ اس پہاڑی میں دفن کیا گیا تھا اسی روز وہاں خزانے کے ارد گرد تہ میں کھود کر پہاڑی دیواروں کے ساتھ ساتھ بارود کی تھیلیاں دبا دی گئی تھیں۔ تاکہ اگر کبھی ایسا وقت آ جائے کہ سارے کا سارا خزانہ ہاتھ سے جاتا دکھائی دے تو بٹن دبا کر پہاڑی کو اڑا دیا جائے۔

اب وقت آ گیا تھا۔ بارود کے بموں کا ایک

بٹن غار کے باہر پہاڑی سے دور ایک ٹیلے کی اوٹ میں رکھا گیا تھا۔ دوسرا بٹن غار کے اندر تھا۔ کہ اگر کوئی ہنگامی صورتِ حال پیدا ہو جائے تو اپنی جان پر کھیل کر بٹن دبا دیا جائے۔ تاکہ پہاڑی اُڑ جائے اور خزانہ ہمیشہ کے لئے اس میں دب کر رہ جائے۔

جرنیل ٹیلے والے بارودی بٹن سے آگے نکل آیا تھا۔ اب وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح غار کے اندر والے بٹن کو دبا دیا جائے۔ وہ تو مر ہی رہا تھا۔ اب وہ اونٹ کو بھی اپنے ساتھ ہی لے کر مرنا چاہتا تھا۔ جرنیل نے بٹن کی طرف رینگنا چاہا مگر کمزوری اور درد کی شدت کی وجہ سے وہ بڑی مشکل سے ایک اِنچ آگے سرک سکا۔ بٹن ابھی اس کی پہنچ سے چھ قدم کے فاصلے پر تھا۔

جرنیل نے اپنے جسم کا پورا زور لگا کر ہاتھ آگے بڑھائے۔ وہ اپنی جگہ سے نہ ہل سکا۔ ٹانگوں میں سے جیسے جان نکل چکی تھی۔ گردن کا سارا خون نکل گیا تھا۔ اور وہ ایک طرف کو ڈھلک چکی تھی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اونٹ اس بار پھر بلبلاتا ہوا جرنیل

کے اوپر آ گیا۔ اونٹ نے گردن جھکا رکھی تھی۔ کیونکہ غار کی چھت نیچی تھی۔

اونٹ نے زور سے بلبلاتے ہوئے گردن کو جھکایا اور مرتے ہوئے جرنیل کو کمر سے اٹھا لیا۔ اس بار جرنیل کا کولہا اونٹ نے اپنے جبڑوں میں دبا رکھا تھا اس کے دانت کولہے کے گوشت میں دھنسے ہوئے تھے۔ رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی۔ جرنیل کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی۔ اس چیخ میں بے بسی اور کرب تھا۔ اونٹ جرنیل کو زیادہ اونچا نہیں لے جا سکتا تھا۔ اوپر چھت تھی۔ اونٹ نے اپنی پھیلی ہوئی ٹانگوں میں دبا کر ہی جرنیل کو آخری بار جھنجھوڑا اور جھکولا دیکر آگے پھینک دیا۔ جرنیل کی ایک ٹانگ کولہے سے کٹ کر اونٹ کے منہ میں رہ گئی تھی۔ جرنیل خوش قسمتی سے بارود کے بٹن کے قریب گرا۔

بٹن وہاں سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر تھا۔ جرنیل پر نزع کا عالم طاری تھا۔ اس نے ہاتھ لمبا کیا۔ ابھی دو چار انچ کا فرق تھا۔ جرنیل نے گھسٹنے کی کوشش کی شاید مرتے وقت انسان کی زندگی کا شعلہ ایک بار بھڑکتا ہے۔ اس میں نہ جانے کہاں سے طاقت آ گئی

اور اس نے دونوں کہنیوں کے بل پر اپنے جسم کو آگے گھسیٹ کر بٹن کے اوپر گرا دیا۔

جسم کے اوپر گرتے ہی غار میں ایک ہولناک دھماکہ ہوا۔ صحرا میں ذرا فاصلے پر سفر کرتے ایک اونٹ سوار دھماکے کی وجہ سے لرز اٹھا۔ سمجھا کہ زمین پھٹ گئی ہے۔ پھر جو اس نے دیکھا کہ ایک پہاڑی پھٹ کر اُبل رہی تھی۔ اس میں سے آگ کے شعلے اور دھواں نکل رہا تھا۔ کیا یہ آتش فشاں پہاڑ پھٹ گیا ہے؟ اس نے اونٹ کو بھگانا شروع کر دیا۔ اور توبہ توبہ کا ورد کرتا وہاں سے نکل گیا۔

پہاڑی پھٹ کر ایک بار اپنے پتھروں اور مٹی کے ملبے سمیت اوپر فضا میں اٹھی اور پھر نیچے گر پڑی اور ایک بار پھر ملبے اور ریت کا ڈھیر بن گئی۔ اس میں سے دھواں نکل رہا تھا اور خزانہ اپنے مالک جرمن جرنیل اور اونٹ کو لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کروڑوں من ریت اور پتھروں کے نیچے دفن ہو گیا تھا۔

غار سے دور ٹیلے کے پاس سمگلر کا تھیلا ریت پر پڑا تھا۔ جس میں جواہرات اور ہیرے موتی تھے

دھماکے کے ساتھ ہی فضا میں گرمی پیدا ہو گئی۔ اور
ہوا چلنے لگی۔ اس جھکڑ میں ریت بھی تھی۔ ریت نے
جواہرات کے تھیلے کو صحرا میں چھپا لیا۔ رات گذر گئی
دن نکل آیا۔ سورج کی روشنی میں لوگوں نے وہاں سے
گذرتے ہوئے دیکھا کہ پہاڑی کی شکل ہی بدل چکی تھی۔

اگلے روز قاہرہ کے اخباروں میں پہاڑی کی تصویر
کے ساتھ خبر چھپی کہ جنگ کے زمانے کا بارود پھٹ
گیا جس سے پہاڑی بیٹھ گئی۔ ناگ نے بھی اخبار دیکھا
اور سمجھ گیا کہ جرمن جرنیل نے بارود سے پہاڑی
اڑا دی ہو گی۔ ناگ اب قاہرہ سے نکل جانا چاہتا
تھا۔ عنبر اور ماریا کی تلاش سے وہ مایوس ہو گیا
تھا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ یہ دونوں کم از کم
قاہرہ اور اس کے ارد گرد کے علاقے میں کہیں
نہیں ہیں۔

سوال یہ تھا کہ اب وہ کدھر جائے؟ ایک
رات وہ سوچتا رہا۔ آخر صبح کو اس نے فیصلہ کیا
کہ اسے روس کے شہروں کی طرف نکل جانا چاہئے۔
اب اس نے قاہرہ سے نکل جانے کے پروگرام پر
غور کرنا شروع کر دیا۔ روپے اس کے پاس کافی تھے

ہوائی کمپنی سے اس نے معلوم کیا کہ روس کے شہر
کو ہوائی جہاز کس وقت جاتا ہے۔ ایک جہاز رات
کے بارہ بجے ماسکو کی طرف روانہ ہوتا تھا۔ ناگ
نے اس جہاز میں اپنی ایک سیٹ بک کرا لی۔

دوسرے دن رات کے ٹھیک بارہ بجے وہ
ہوائی جہاز میں سوار ہو کر ماسکو کی جانب روانہ
ہو گیا۔ وہ ایک سیاح کی حیثیت سے ماسکو جا
رہا تھا۔ اس کے پاسپورٹ پر ٹورسٹ ویزا لگا
تھا۔ اسے پہلے ہی ماسکو کے سفارت خانے سے
یہ ہدایت مل چکی تھی کہ ماسکو جا کر وہ ان علاقوں
سے باہر جانے کی ہرگز ہرگز کوشش نہ کرے
جہاں جانے کی اسے اجازت نہیں ہے۔ ہوائی جہاز
صبح کے دھندلکے میں ماسکو پہنچ گیا۔

ماسکو شہر سخت سردی کی لپیٹ میں تھا اور
دھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایک روز پہلے برف پڑ
چکی تھی۔ عمارتوں کی چھتوں، سڑک کے فٹ پاتھوں
اور ٹنڈ منڈ درختوں پر برف جمی ہوئی تھی۔ جہاز
ایئر پورٹ پر کھڑا تھا اور ناگ دوسرے مسافروں
کے ساتھ اپنے سامان کی چیکنگ کروا رہا تھا۔ اس

کے پاس صرف ایک بریف کیس تھا جس میں ضرورت کی چند ایک چیزیں تھیں۔ ناگ نے گرم لمبا اوور کوٹ اور سیاہ ہیٹ پہن رکھا تھا۔ کسی کو شبہ تک نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ ایک پُراسرار نوجوان ہے جو اصل میں انسان نہیں بلکہ سانپ ہے۔ اور کئی سو سال سے اس زمین پر زندہ ہے۔

ناگ ائیرپورٹ سے باہر نکلا تو اسے ایک سرکاری بس میں سوار ہونا پڑا۔ اس بس میں دوسرے سیاح بھی تھے۔ جو مختلف ملکوں سے روس کے شہروں کی سیر کرنے آئے تھے۔ ناگ نے کئی جگہیں دیکھیں۔ عجائب گھر، چڑیا گھر، لائبریری، موم کے پتلوں کا عجائب گھر، باغ، لینن کا مقبرہ۔

ناگ نے محسوس کیا کہ ہر جگہ پر ان سب سیاحوں کی نگرانی کی جا رہی تھی۔ کسی کو بھی اِدھر اُدھر ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ ناگ نے ایک جگہ جھیل کے دوسرے کنارے پر ایک سرُخ چھت والی خوبصورت عمارت دیکھی۔ اس نے گائیڈ سے پوچھا۔

”کیا میں کشتی میں اس جھیل کی سیر کر سکتا ہوں“؟

”جی نہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ آپ کو وہی جگہیں دیکھنی ہوں گی جن کی اجازت دی گئی ہے“

”میں اس شاندار عمارت کی سیر کرنا چاہتا ہوں“

”افسوس آپ ایسا نہیں کر سکتے“ گائیڈ نے صاف انکار کر دیا۔

ناگ خاموش ہو گیا۔ اس نے کچھ نہ کہا۔ لیکن دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اس عمارت کی سیر کر کے رہے گا اور اسے معلوم تھا کہ اگر وہ سیر کرنے کا ارادہ کر لے تو ایک گائیڈ کیا سارے ملک کے گائیڈ اس کا راستہ نہیں روک سکتے تھے۔ ناگ نے وہاں اپنا نام زبید لکھوایا تھا۔ سیاح اس وقت ایک تاریخی باغ کی سیر کر رہے تھے۔ اور جنگ میں مرنے والے سپاہیوں کی یادگاریں دیکھ رہے تھے۔

ناگ موقع پا کر ایک درخت کے پیچھے ہو گیا۔ یہاں تنہائی ملی تو اس نے سانپ کی شکل

اختیار کر لی اور جھیل کی طرف گھاس میں رینگ
شروع کر دیا۔ جھیل کنارے پہنچ کر وہ پانی میں
اترا اور تیرتا ہوا دوسرے کنارے پہنچ گیا۔ کنار
پر آ کر اس نے دیکھا سامنے ایک پرانے باغ
کے درختوں کے جھنڈ تھے۔ وہ رینگتا ہوا ان
درختوں میں آ گیا۔ ان درختوں میں وہ سُرخ
چھت والی اک منزلہ عمارت کھڑی تھی۔ اس
عمارت کے اوپر ایک چھوٹا سا مینار بنا ہوا تھا
جس میں کسی کا بُت رکھا تھا۔

ناگ ابھی انسان کی شکل میں نہیں آنا چاہ
تھا۔ اس نے سانپ ہی کی شکل میں باغ کا
سا رستہ عبور کیا اور عمارت کی سیڑھیوں پر آ
رُک گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہاں کوئی انسا
دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ آس پاس ویرا
چھائی ہوئی تھی۔ عمارت کا دروازہ بند تھا۔ با
دروازے پر ایک پرانا موٹا سا زنگ لگا تالا
تھا۔

ناگ دیوار کے ساتھ ساتھ رینگنے لگا۔ ا
نے ایک جگہ سر اٹھا کر دیکھا۔ اوپر دیوار

دو کھڑکیاں تھیں۔ ان کے پٹ بھی بند تھے۔ سانپ
دیوار پر چڑھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ کسی کھڑکی میں
کوئی چھوٹی سی درز بھی نہیں تھی۔ وہ چھت پر آ
گیا۔ چھت سرخ ڈھلانی تھی اور اینٹیں پرانی اور
اکھڑی ہوئی تھیں۔ پھر بھی کہیں کوئی ایسا سوراخ
نہ مل سکا کہ جہاں سے اندر جایا جا سکے۔

سانپ اب عمارت کی دوسری جانب آ گیا۔
یہاں اسے دو آدمیوں کے باتیں کرنے اور پھر ایک
آدمی کے قہقہہ لگانے کی آواز سنائی دی۔ وہ
دیوار کے ساتھ لگی بیل کے پتوں میں چھپ چھپ
کر نیچے باغ میں اُتر آیا۔ اور جدھر سے آواز
آئی تھی اُدھر کو چل دیا۔ ایک چھوٹا سا کمرہ
درختوں کے بیچ بنا تھا۔ باہر پتھر کا ایک بنچ
تھا۔ جس پر دو آدمی بیٹھے آپس میں باتیں بھی کر
رہے تھے اور چائے بھی پی رہے تھے۔

انہوں نے سرخ رنگ کی وردی پہن رکھی تھی
ان کی مشین گنیں پاس ہی پڑی تھیں۔ ناگ
گھاس میں چھپ کر ان کی باتیں سننے لگا۔
مصیبت یہ تھی کہ وہ سانپ بن کر ان کی

آوازیں تو سُن سکتا تھا مگر ان کی باتوں کا مطلب
نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ہاں اگر وہ انسان کے روپ
میں آ جائے تو پھر ان کی زبان سمجھ سکتا تھا۔
کہ وہ کیا باتیں کر رہے ہیں۔ سانپ نے اپنے
آپ کو ایک جھاڑی میں اچھی طرح سے چھپا لیا
اور انسان کی شکل میں آ کر دم سادھ کر بیٹھ
گیا۔ دونوں سپاہی یا پہرے دار روسی زبان میں باتیں
کر رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا۔

"سردی بہت ہے آج۔"

"چائے گرم کر دوں؟"

"نہیں بھائی! چائے گرم ہے۔ مگر آج تو ہمیں
اندر کمرے میں جا کر آگ جلا کر بیٹھنا چاہیے
تھا۔"

"تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ ہماری ڈیوٹی کتنی
سخت ہے۔ ہمیں باہر رہ کر دس گھنٹے کے لیے
پہرہ دینا ہوتا ہے۔"

"یار اس لڑکی اولگا کو کس لیے قید کر رکھا
ہے ہماری حکومت نے؟ اسے مار کیوں نہیں
دیتے؟ بک بک ہی ختم ہو۔ بے چاری دو

ماہ سے قید میں پڑی ہے۔"

"یہ تو حکومت جانے اور اس کے کام۔ ہم
بیچ میں دخل دینے والے کون ہوتے ہیں۔"

"ہاں بھائی یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر میرا خیال
ہے کہ شاید حکومت اس اولگا سے زار کے
کسی خفیہ خزانے کا پتہ پوچھنے کی کوشش کر رہی
ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ جب ہی تو اوپر سے
ہر دوسرے روز دو افسر آ کر اس سے پوچھ گچھ
کرتے ہیں اور بے چاری کو اذیت دیتے ہیں۔"

"یہ بھی تو ایک ہی سخت ہڈی ہے خزانے
کا پتہ ہی نہیں بتاتی۔"

"کیا یہ واقعی زار کی پڑپوتی ہے؟"

"کیوں نہیں۔ شاہی شجرے میں اس کا پورا
نام اور حُلیہ درج ہے۔ آخر حکومت پاگل تو
نہیں ہے۔"

ناگ کی سمجھ میں ساری بات آ گئی۔ اس
عمارت میں ایک لڑکی قید تھی جس کا نام اولگا
تھا اور جو روس کے شاہی خاندان کے سربراہ

زار روس کی پڑپوتی تھی۔ جسے معلوم تھا کہ
زار کا خفیہ خزانہ روس میں کس جگہ دفن کیا
گیا تھا۔ حکومت اس سے پوچھ گچھ کر رہی تھی۔
ناگ نے سوچا کہ اس لڑکی سے ملاقات کرنی
چاہیئے۔

اچانک ناگ کو چھینک آ گئی۔ اس نے
بہت روکنے کی کوشش کی اور اس کوشش
میں اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لیا مگر چھینک نہ رُک
سکی۔

"آچھو"

اس آواز کے ساتھ ہی دونوں روسی سپاہی
ایک دم یوں اچھل پڑے جیسے انہیں کسی زہریلے
کیڑے نے کاٹ کھایا ہو۔ وہ مشین گنیں تان
کر جس جھاڑی سے کسی انسان کی چھینک کی
آواز آئی تھی اُدھر کو دوڑے۔ مگر وہاں کچھ
بھی نہیں تھا۔ ناگ بڑی تیزی سے پھر سانپ
بن کر وہاں سے کِھسک چکا تھا۔

"یہ کسی انسان کی چھینک کی آواز تھی"

"ہاں ہاں۔ میں نے بھی سنی تھی۔ بڑی صاف

آواز تھی"

"مگر وہ انسان کہاں چلا گیا؟"

"یہی تو میں حیران ہوں"

"ضرور یہیں کہیں چھپا ہو گا"

"تم اُدھر جاؤ۔ مَیں اِدھر تلاش کرتا ہوں"

دونوں سپاہی تلاش کر کر کے تھک ہار گئے۔ مگر
بھلا ناگ کہاں ان کے ہاتھ آ سکتا تھا۔ مایوس
ہو کر واپس اپنی جھونپڑی کے باہر آ کر کھڑے
ہو گئے اور بڑے غور سے چوکنے ہو کر باغ
میں اِدھر اُدھر نگاہیں ڈالنے لگے۔

ناگ سانپ کی شکل میں اب عمارت کے
چکر لگا رہا تھا اور اندر جانے کا کوئی راستہ
تلاش کر رہا تھا۔ آخر اسے ایک پرنالا مل گیا۔
وہ اس پرنالے میں داخل ہو گیا۔ پرنالا دیوار کے
ساتھ ساتھ چلتا ہوا ایک جگہ سے اندر چلا گیا تھا۔
سانپ بھی اندر چلا گیا۔ وہ ایک ایسی جگہ آ گیا۔
جہاں اندھیرا تھا۔ اس نے اندھیرے میں ہی دیکھا
کہ یہاں سردی بہت زیادہ تھی اور یہ ایک
معمولی سا غسل خانہ تھا۔ نلکے کے نیچے ایک ٹب

پانی سے بھرا پڑا تھا۔ سردی کی وجہ سے پانی
کی سطح جم گئی تھی۔

سانپ نے غسل خانے سے باہر نکلنے کی راہ
تلاش کرنی شروع کی۔ ایک جگہ دروازے میں
سوراخ تھا۔ سانپ اس سوراخ میں سے دوسری
طرف نکل گیا۔ یہاں آتے ہی اس نے سب سے
پہلی جو چیز دیکھی وہ ایک دبلی پتلی لڑکی تھی جو
ایک ٹوٹے ہوئے پلنگ کے پرانے گدّے پر
بیٹھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام
رکھا تھا اور خاموش تھی۔

یہ ایک چھوٹا سا سرد ویران ٹھنڈا یخ کمرہ
تھا۔ لڑکی نے پرانا گرم کوٹ پہن رکھا تھا۔
جس میں وہ ٹھٹھر رہی تھی۔ سانپ کونے میں
ایک بالٹی کے پیچھے دبک کر بیٹھ گیا اور لڑکی
کو تکنے لگا۔ یہی لڑکی اولگا ہوگی۔ اس نے سوچا
اب وہ کیا کرے؟ اپنا آپ اس لڑکی پر کس
طرح سے ظاہر کرے؟ کہیں وہ ایک انسان کو
اچانک اپنے سامنے دیکھ کر خوف زدہ نہ ہو
جائے۔ لیکن آخر اسے اس کے سامنے آنا ہی تھا۔

پس ناگ نے ایک ہلکی سی پھنکار مار کر انسان
کی شکل اختیار کر لی اور دیوار کے ساتھ لگ کر
کھڑا ہو گیا۔

اولگا سر ہاتھوں میں تھامے خاموش بیٹھی تھی۔
جونہی اس نے نظر اوپر اٹھائی اس کے سامنے
ایک نوجوان دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس
کے منہ سے چیخ نکلنے ہی والی تھی کہ ایک دم
سے ناگ نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ
رکھ دیا۔ لڑکی کا سارا جسم خوف سے کانپ رہا تھا۔

"گھبراؤ نہیں اولگا! میں تمہارا دوست بن کر
آیا ہوں۔"

ناگ کا ہاتھ ابھی تک اولگا کے منہ پر تھا۔
وہ ہاتھ اس وقت تک نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔
جب تک اسے تسلّی نہ ہو جاتی کہ اولگا اب
چیخ نہیں مارے گی۔ پھر ناگ نے آہستہ آہستہ
اپنا ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔ اولگا ایک نوجوان دبلی سی
لڑکی تھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ اٹھارہ برس ہوگی
آنکھیں ہلکی نیلی تھیں اور بال سنہری تھے
رنگ گورا اور سرخ تھا مگر خوف، اذیت اور

پانی سے بھرا پڑا تھا۔ سردی کی وجہ سے پانی
کی سطح جم گئی تھی۔

سانپ نے غسل خانے سے باہر نکلنے کی راہ
تلاش کرنی شروع کی۔ ایک جگہ دروازے میں
سوراخ تھا۔ سانپ اس سوراخ میں سے دوسری
طرف نکل گیا۔ یہاں آتے ہی اس نے سب سے
پہلی جو چیز دیکھی وہ ایک دبلی پتلی لڑکی تھی جو
ایک ٹوٹے ہوئے پلنگ کے پرانے گدّے پر
بیٹھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام
رکھا تھا اور خاموش تھی۔

یہ ایک چھوٹا سا سرد ویران ٹھنڈا یخ کمرہ
تھا۔ لڑکی نے پرانا گرم کوٹ پہن رکھا تھا۔
جس میں وہ ٹھٹھر رہی تھی۔ سانپ کونے میں
ایک بالٹی کے پیچھے دبک کر بیٹھ گیا اور لڑکی
کو تکنے لگا۔ یہی لڑکی اولگا ہو گی۔ اس نے سوچا
اب وہ کیا کرے؟ اپنا آپ اس لڑکی پر کس
طرح سے ظاہر کرے؟ کہیں وہ ایک انسان کو
اچانک اپنے سامنے دیکھ کر خوف زدہ نہ ہو
جائے۔ لیکن آخر اسے اس کے سامنے آنا ہی تھا۔

پس ناگ نے ایک ہلکی سی پھنکار مار کر انسان
کی شکل اختیار کر لی اور دیوار کے ساتھ لگ کر
کھڑا ہو گیا۔

اولگا سر ہاتھوں میں تھامے خاموش بیٹھی تھی۔
جونہی اس نے نظر اوپر اٹھائی اس کے سامنے
ایک نوجوان دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس
کے منہ سے چیخ نکلنے ہی والی تھی کہ ایک دم
سے ناگ نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ
رکھ دیا۔ لڑکی کا سارا جسم خوف سے کانپ رہا تھا۔

"گھبراؤ نہیں اولگا! میں تمہارا دوست بن کر
آیا ہوں۔"

ناگ کا ہاتھ ابھی تک اولگا کے منہ پر تھا۔
وہ ہاتھ اس وقت تک نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔
جب تک اسے تسلّی نہ ہو جاتی کہ اولگا اب
چیخ نہیں مارے گی۔ پھر ناگ نے آہستہ آہستہ
اپنا ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔ اولگا ایک نوجوان دبلی سی
لڑکی تھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ اٹھارہ برس ہو گی
آنکھیں ہلکی نیلی تھیں اور بال سنہری تھے
رنگ گورا اور سرخ تھا مگر خوف، اذیت اور

قید کی وجہ سے آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے پڑ گئے
تھے۔ گال سوکھ رہے تھے۔ ہونٹ خشک تھے۔
اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

"تم اولگا ہو نا؟"

اولگا نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ صرف سر ہلا کر
کہا کہ ہاں میں اولگا ہی ہوں۔ ناگ نے پھر
سوال کیا۔

"کیا تم زار روس کی پڑپوتی ہو؟"

اولگا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خوف زدہ
نگاہوں سے ناگ کو تک رہی تھی۔ اس نے
کہا۔

"اولگا بہن! مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ تم نے
میرے سانولے رنگ سے اندازہ لگا لیا ہوگا
کہ میں روسی نہیں ہوں۔ بلکہ ایشیا کا رہنے
والا ہوں۔ مجھے حکومت کے محکمہ جاسوسی نے
بھی تمہارے پاس نہیں بھیجا۔ میں تو سیر کرتے
کراتے اس باغ میں آنکلا تھا کہ باہر دو
پہرے دار سپاہیوں کی باتیں سنیں تو معلوم ہوا
کہ تمہیں حکومت نے یہاں قید میں ڈال رکھا

ہے اور تم سے زار روس کے خفیہ خزانے
کے بارے میں پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔"

اولگا نے رُک رُک کر کہا۔

"مگر تم بڑی آسانی سے روسی زبان بول
رہے ہو۔"

اب ناگ کو خیال آیا کہ سچ مچ وہ بڑی
روانی کے ساتھ اولگا کی مادری زبان میں باتیں
کر رہا تھا۔ اس پر اولگا کو شک ہو سکتا تھا
کہ شاید میں جاسوسی کے محکمے کی طرف سے بھیجا
گیا ہوں۔ اس نے کہا۔ "یہ زبان میں نے قاہرہ
میں سیکھی تھی۔ مجھے روس دیکھنے کا شوق تھا۔
اس لئے یہاں کی زبان بھی سیکھ لی۔"

اولگا بولی۔ "مگر۔ مگر تمہارا لہجہ بھی روسی ہے"
ناگ نے کہا۔ "خدا کے لیے میری بات پر
یقین کرو میں تمہارا ہمدرد بھائی ہوں اور میرا
تعلق حکومت کے محکمے سے نہیں ہے۔ میں سیاح
کی حیثیت سے اس ملک میں آیا ہوں۔"

اولگا نے سر جھکا لیا۔ پھر بولی۔

"تم اندر کیسے آ گئے؟"

اب ناگ مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ اس کے پاس اولگا کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ اسے کس طرح کہہ سکتا تھا کہ وہ غسل خانے کی نالی میں سے اندر آیا ہے؟ کچھ سوچ کر بولا۔

"میں... میں غسل خانے کی کھڑکی میں سے اندر آیا تھا۔"

"غسل خانے کی کھڑکی تو بند ہے۔"

"نہیں اس کی کنڈی اندر سے کھلی تھی۔ بہرحال بہن اولگا تم ان باتوں کو چھوڑو۔ میرے پاس وقت کم ہے اور تمہارے پاس بھی وقت کم ہوگا۔ یہ لوگ تمہیں بہت جلد اذیتیں دے کر مار ڈالیں گے۔ اس لئے میری بات کا جواب دو۔ کیا تم میرے ساتھ یہاں سے بھاگ چلو گی؟

●

دریا کی طرف

اولگا مصیبت کی ماری لڑکی تھی۔

وہ روس کے محکمہ جاسوسی کی اذیتیں سہہ سہہ کر تنگ آ چکی تھی۔ اس نے ناگ کی طرف دیکھا۔ ناگ کی آنکھوں میں اسے بھائی کا پیار اور خلوص کی چمک دکھائی دی۔ اس نے ناگ کا ہاتھ اپنے ٹھنڈے ہاتھوں میں تھام کر کہا۔

"وعدہ کرو کہ تم مجھے روسی جاسوسوں کے حوالے نہیں کرو گے۔"

"ہرگز نہیں۔ میں تمہیں اس سرد جہنم سے باہر نکالنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ یہاں سے بھاگ چلنے پر راضی ہو؟"

"ہاں! مجھے یہاں سے نکال لے چلو۔"

پھر سر جھکا کر بولی۔

"لیکن تم مجھے یہاں سے نہیں نکال سکو گے مجھے کوئی بھی یہاں سے نہیں نکال سکتا۔ یہ ایک

خطرناک سنگین جہنم ہے۔ یہاں چڑیا بھی پَر نہیں مار سکتی۔ تم مجھے کیسے نکال سکو گے؟"

پھر اس نے ناگ کے آگے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"اگر تم نے مجھے اپنی بہن کہا ہے تو میرے پیارے بھائی۔ مَیں ایک بہن کی حیثیت سے کہوں گی کہ خدا کے واسطے اپنی جان بچا کر یہاں سے نکل جاؤ۔ میری خاطر تم اپنی زندگی موت کے حوالے نہ کرو۔ یہ لوگ مجھے تو خیر ماریں گے ہی مگر.... تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

ناگ نے اولگا کے سَر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بہن اولگا! ہم ایشیائی ہیں اور بہن سے بہت پیار کرتے ہیں۔ مَیں تمہارے سَر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاتا ہوں کہ تمہیں اپنے ساتھ لئے بغیر یہاں سے کبھی نہیں جاؤں گا۔"

اولگا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے ناگ کا ہاتھ چوم کر کہا۔

"مگر میرے بھائی! تم مجھے یہاں سے کیسے نکالو گے؟ کہاں لے جاؤ گے؟ روس ایک وسیع ملک ہے۔ ہم بھاگ کر کہاں جائیں گے؟ ہم جہاں

بھی ہوں گے روسی جاسوس ہمیں پکڑ کر مار ڈالیں گے۔"

"یہ کام تو مجھ پر چھوڑ دو۔ کیا تم میرے ساتھ جانے پر تیار ہو؟"

"ہاں" اولگا نے ہاں کہہ دی۔

"تو پھر میری ایک بات بڑے غور سے سنو"

اب ناگ نے ضروری سمجھا کہ اولگا پر اپنا آپ ظاہر کر دیا جائے۔ کیونکہ اب قدم قدم پر اسے کبھی سانپ، کبھی ہاتھی اور کبھی خدا جانے کون کون سا جانور بننا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہر بار اولگا چیخ مارتی پھرے اور ڈر کر بیہوش ہو۔ اس نے کہا۔

"سنو میری بہن! تم نے ابھی تک مجھ سے میرا نام نہیں پوچھا۔ مَیں تم سے اپنی کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔ میرا نام ناگ ہے۔ مَیں قاہرہ کا رہنے والا ہوں۔ اور مَیں نے افریقہ میں بڑے چلّے کاٹے ہیں۔ وہاں مجھے ایک ایسا جادوگر مل گیا جس سے مَیں نے کالا جادو سیکھا اور اس میں ماہر ہو گیا۔ اب مجھ میں اتنی طاقت آ گئی ہے کہ

میں انسان سے جس جانور یا درندے کا چاہوں، روپ بدل سکتا ہوں۔ تم نے مجھے پوچھا تھا کہ میں اندر کیسے آ گیا؟ میں نے یہ کہہ کر جھوٹ بولا تھا کہ میں غسل خانے کی کھڑکی سے آیا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں سانپ بن کر نالی کے ذریعے یہاں تک پہنچا ہوں۔"

اتنا سننا تھا کہ اولگا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ ڈر کر سہم سی گئی۔ ناگ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ڈرو نہیں بہن! میں سانپ نہیں ہوں۔ صرف جادو کے زور سے سانپ، شیر، ہاتھی بن جاتا ہوں۔ ویسے میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں۔ بولو۔ کیا اب تم مجھ سے ڈرو گی نہیں نا؟"

اولگا کچھ دیر خاموشی سے ناگ کو تکتی رہی۔ پھر بولی۔

"نہیں بھائی۔"

"شاباش!"

ناگ نے اولگا کے سر پر پیار کیا۔

"اچھا اب یہ بتاؤ کہ یہاں حکومت کے افسر تم

سے پوچھ گچھ کرنے کب آتے ہیں؟ اور یہاں سے اگر ہم نکلیں تو کدھر جائیں؟

اولگا نے کہا۔

"ہفتے میں دو تین بار وہ لوگ آتے ہیں اور مجھ پر تشدد کرتے ہیں۔ مجھ سے میرے پڑدادا کے خزانے کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ ویسے پچھلی بار وہ کہہ گئے تھے کہ اس دفعہ اگر میں نے خزانے کا ٹھکانا نہ بتایا تو وہ مجھے گولی سے اڑا کر میری لاش جھیل میں پھینک دیں گے۔

ناگ نے کہا۔ "خیر دیکھا جائے گا۔ تم یہ بتاؤ کہ اگر ہم یہاں سے نکل بھاگیں تو ہمیں کس طرف کو سفر کرنا چاہیئے کہ کسی آزاد ملک میں پہنچ سکیں؟"

اولگا نے کہا۔ "اگر ہم کسی طرح یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ہماری راہ میں بڑی رکاوٹیں آئیں گی۔ ہمارے لئے ایک ہی راہ ہے کہ ہم کسی طرح یہاں سے نکل کر سائبیریا کے برفانی میدانوں کی طرف نکل جائیں۔ وہاں سے ہم ملک چین میں داخل ہو سکتے ہیں۔ مگر سائبیریا سے زندہ سلامت

بچ کر نکل جانا بڑا مشکل ہے۔"

ناگ نے کہا۔ "اس کی تم فکر نہ کرو۔ اگر خدا نے ہماری زندگی لکھی ہے تو ہم زندہ رہیں گے اور یہاں سے نکل جائیں گے۔"

ابھی وہ باتیں کر رہے تھے کہ کمرے کے دروازے کا تالا کھلنے کی آواز آئی۔ ناگ ایک دم چپ ہو گیا۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔

"شی! میں سانپ بن کر غسل خانے میں جا رہا ہوں۔ گھبرانا نہیں۔"

اور دوسرے لمحے اولگا نے دیکھا کہ ابھی جو نوجوان انسان کی شکل میں اس کے پاس کھڑا تھا ایک دم سے سانپ بن کر رینگتا ہوا غسل خانے میں گھس گیا۔ اولگا کی آنکھیں حیرانی سے پھیل گئیں۔ ایسا منظر اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ اس نے الف لیلے کی کہانیوں میں پڑھا تھا کہ جادوگر جادو کے زور سے شیر، بکری، ہاتھی بن جاتے ہیں۔ آج اس نے یہ تماشا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

اتنے میں دروازہ دھڑاک سے کھل گیا۔ اور دونوں سپاہی جو باہر پہرہ دیا کرتے تھے مشین گنیں

تانے اندر آ گئے۔ اندر آتے ہی انہوں نے کمرے میں چاروں طرف نگاہیں دوڑا کر دیکھا اور پھر اولگا کے سر پر مشین گن کی نالی رکھ کر ایک سپاہی گرجا۔

"ابھی ابھی تم کس سے باتیں کر رہی تھیں؟"

اولگا تھر تھر کانپنے لگی۔

"نہیں۔ میں کسی سے باتیں نہیں کر رہی تھی۔"

"بکواس مت کرو۔ سچ سچ بتاؤ۔ نہیں تو گولی مار دوں گا۔"

"تم خود دیکھ لو۔ یہاں کون ہو سکتا ہے؟ یہاں کوئی بھی نہیں۔ دروازہ تو تم نے خود کھولا ہے۔"

دوسرے سپاہی نے بھی جب دیکھا کہ کمرے میں کوئی نہیں ہے اور وہ بالکل خالی ہے تو اپنے ساتھی سے بولا۔

"یار یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔"

دوسرا بولا۔ "تو پھر اندر سے کس کی آواز آ رہی تھی؟ میں نے اپنے کانوں سے کسی مرد کے باتیں کرنے کی آواز سنی ہے۔"

"شاید تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ بھلا اگر اندر کوئی مرد ہوتا تو کہاں جاتا۔"

"یہ غسل خانہ دیکھو۔ وہ ضرور غسل خانے میں کہیں چھپا ہوگا۔"

سپاہی اسی وقت غسل خانے میں چلا گیا۔ غسل خانہ چھوٹا سا تھا۔ اس نے چاروں طرف اچھی طرح سے دیکھا۔ ٹب کے اندر بھی پانی میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔ سانپ اس وقت غسل خانے کی چھت پر اینٹوں کی درز میں چھپا ہوا تھا۔ سپاہی باہر آ کر بولا۔

"بھائی اندر بھی کوئی نہیں ہے۔ چلو باہر چل کر ایک بار پھر تلاش کرتے ہیں اس بد بخت کو جس کی موت یہاں کھینچ لائی ہے۔"

"چلو"

دونوں سپاہی پہرے دار باہر نکل گئے۔ دروازہ بند کر کے انہوں نے باہر سے تالا لگا دیا تھا۔ تالے کے لگتے ہی سانپ غسل خانے سے نکل کر اولگا کے پاس آ گیا۔ اولگا سانپ کو دیکھ کر ڈر کر پلنگ کے اوپر ہو گئی۔ سانپ پیچھے ہٹ گیا اور دیوار کے پاس جا کر رکا اور دوسرے ہی لمحے وہاں ایک انسان کھڑا تھا۔ ناگ نے مسکرا کر سرگوشی میں کہا۔

"وعدہ کرو اولگا بہن کہ آئندہ تم مجھے دیکھ کر نہیں ڈرو گی۔ کیونکہ ابھی تم نے میرے ساتھ ایک بڑا لمبا سفر طے کرنا ہے۔"

اولگا کا خوف ناگ کو انسان کی شکل میں دیکھ کر کچھ دور ہوا اور وہ بولی۔

"وعدہ کرتی ہوں۔"

ناگ نے کہا۔ "اب میں جاتا ہوں۔ شام کو آؤں گا۔"

اتنا کہہ کر ناگ دوبارہ سانپ بن کر وہاں سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد اولگا دیر تک ناگ کے بارے میں سوچتی رہی کہ خدا نے شاید یہ بھائی اس کی مدد کو ہی بھیجا ہے۔ شام کو اولگا کے کمرے میں ایک ٹین کا ڈبہ اور تھالی رکھ دی گئی۔ ڈبے میں کالی بغیر دودھ کے چائے تھی اور تھالی میں دو ٹکڑے خشک ڈبل روٹی کے۔ اولگا بھوک سے بے تاب تھی۔ بے چاری نے زہر مار کر لی اور ناگ کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ناگ بھی غسل خانے کے راستے آ گیا۔

اس نے باسی ڈبل روٹی دیکھ کر کہا۔

"یہ لوگ تمہیں بھوکوں مار رہے ہیں۔ میں

بہت جلد اس کا بھی انتظام کر لوں گا۔ ابھی ہمیں
یہ سوچنا ہے کہ کس روز یہاں سے کوچ کیا جائے
اولگا بولی۔ "تین چار روز کے بعد چاند رات
نہیں نکلا کرے گا۔ راتیں اندھیری ہوں گی۔ اس
لئے اندھیری راتوں کو سفر کرتے ہوئے ہمیں کوئی
دیکھ سکے گا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ ہمیں آج سے چار دن
بعد یہاں سے فرار ہونا چاہیئے۔"
"ہاں"
ناگ نے کہا۔ "یہاں سے نکل کر ہمیں کس طرف
جانا ہوگا؟"

"یہ تمہارا ملک ہے۔ میں اس ملک کے راستوں
سے واقف نہیں ہوں"۔
اولگا نے کہا۔ "سب سے پہلے ہمیں جھیل پار
کرنی ہو گی اور جنوب کی طرف جو پہاڑی ہے اسے
عبور کرنا ہوگا۔ اس کے بعد ایک دریا آئے گا۔
ہمیں دریا کو رات کے وقت پار کرنا ہو گا۔ دریا
کی دوسری طرف ایک ریلوے سٹیشن ہے۔ وہاں
سے رات کے پچھلے پہر ایک گاڑی مشرق کی طرف

ل گاڑی ہمیں وارشکا پہنچائے گی
جاتی ہے۔
وارشکا میں میری ایک خالہ رہتی ہے۔ پولیس نے
اسے بے گناہ سمجھتے ہوئے چھوڑ دیا تھا۔ ہم رات
یا ایک دن اس کے ہاں آرام کر سکتے ہیں۔ وہیں
سے ہم سائبیریا کے سفر کے واسطے ضروری انتظام
بھی کر سکتے ہیں۔"
"اس کے بعد۔"
"اس کے بعد ہم اپنی خالہ سے راہنمائی حاصل
کریں گے۔ کیونکہ مجھے اتنا ہی معلوم تھا جو میں نے
بتا دیا۔"
"ٹھیک ہے۔ تو پھر ہم خدا کا نام لے کر آج
سے ٹھیک چوتھے روز رات کے وقت نکل چلیں
گے۔"
اولگا کے چہرے پر کچھ سوال تھے۔
"لیکن ناگ بھائی! یہاں سے کیوں کر فرار ہوں
گے۔"
ناگ مسکرایا۔ "یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔"
ناگ چلا گیا۔ دوسرے روز بھی وہ اولگا کے
پاس آیا اور فرار کے منصوبے پر غور کرتا رہا۔

تیسرے روز کم بخت حکومت کے جاسوس آ گئے۔ ناگ جب غسل خانے کی راہ سے اولگا کے کمرے میں آیا تو اس نے دیکھا کہ دو قاتل قسم کے پتھریلے چہروں والے روسی پولیس افسر اولگا کے دائیں بائیں بیٹھے اس سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ جب اولگا نے ان کی مرضی کے مطابق کوئی جواب نہ دیا تو انہوں نے اولگا پر تشدد شروع کر دیا۔ اس کے بال کھینچے۔ اس کی گردن پر جلتا ہوا سگریٹ لگایا۔ اس کے ناک میں پانی ڈالا۔

اولگا یہ سب کچھ صبر سے برداشت کرتی رہی۔ ناگ بھی برداشت کرتا رہا۔ کیونکہ وہ ان دونوں پولیس افسروں کو اس کمرے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس طرح سے ان کے فرار کے منصوبے میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی تھی۔ جب دونوں پولیس افسر اولگا کو اذیتیں دے کر تنگ آ گئے تو وہ اٹھے۔ باہر گئے۔ باہر سے تالا لگایا اور پہرے داروں کے پاس آ گئے۔

"صبح سورج نکلنے سے پہلے اس لڑکی کو گولی سے اڑا دیا جائے۔"

یہ حکم دے کر وہ مڑے۔ سپاہیوں نے سلیوٹ مار کر کہا۔

"جو حکم سر! ایسا ہی ہو گا۔"

یہ بڑا بھیانک قسم کا حکم تھا۔ اسے ناگ نے بھی سُن لیا تھا جو اس وقت جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں آج ہی رات فرار ہو جانا چاہیئے تھا۔ فرار ہونے سے پہلے ناگ اپنی بہن اولگا کے ساتھ ظلم کرنے کا بدلہ ان دونوں پولیس افسروں سے ضرور لینا چاہتا تھا۔ پس وہ سانپ بن کر روسی پولیس افسروں کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

دونوں روسی افسر جھیل کنارے جا کر بیٹھ گئے اور اپنی کشتی کا انتظار کرنے لگے۔ سانپ ان کے عقب میں آ گیا تھا۔ سانپ نے دیکھا کہ وہاں گھنی اور اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں۔ یہ جگہ بدلہ لینے کے لیے بڑی اچھی تھی۔ سانپ نے ایک ہلکی سی پھنکار ماری اور دوسرے لمحے ایک اونچا لمبا ہیبت ناک شیر بن کر دونوں روسی افسروں کے پیچھے سے نمودار ہو کر سامنے آ گیا۔

شیر نے کوئی گرج کی آواز نہ نکالی۔ دونوں ز
اپنے سامنے بنگال کا زرد دھاریوں والا آدم خو
قسم کا شیر دیکھ کر سکتے میں آ گئے۔ ان کے
وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ دی
کسی جگہ سے اچانک شیر نکل کر ان کے سامنے
جائے گا۔

ان کے اس خوف سے شیر نے فائدہ اٹھاتے
ہوئے دونوں کی گردنوں پر ایک ایک پنجہ ایسا ما
کہ ان کی گردنیں ٹوٹ کر ڈھلک گئیں اور دونو
لڑھک کر جھیل میں جا گرے۔ کسی کو کانوں کان
نہ ہوئی اور شیر نے خاموشی سے پھر سانپ کا رو
بدل لیا اور پہرے دار سپاہیوں کی کوٹھڑی کی طرف
چل پڑا۔

سرخ وردیوں والے دونوں روسی پہرے دار کوٹھڑ
میں بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ افسروں کے جا
کے بعد وہ آرام کے موڈ میں تھے۔ ناگ کو خیال
کہ اگر وہ کوٹھڑی میں گیا تو ہو سکتا ہے اس پر حملہ
دیا جائے۔ سپاہیوں کے پاس مشین گنیں تھیں جو
خطرناک ثابت ہو سکتی تھیں۔ اس کے ذہن میں

ایک ترکیب آئی۔ وہ واپس جھاڑیوں میں چلا گیا۔
یہاں پہنچ کر اس نے انسان کا روپ بدلا اور
ایک پتھر اٹھا کر کوٹھڑی کی دیوار پر کھینچ مارا۔ اس
کے ساتھ ہی خود غائب ہو کر دوبارہ سانپ بن
گیا۔ پتھر کی آواز سُن کر دونوں سپاہی مشین گنیں
لیے کمرے سے باہر آ گئے اور چوکنے ہو کر اِدھر
اُدھر دیکھنے لگے۔

"یہ پتھر کس نے مارا ہے؟"

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔"

"یہاں کون آ سکتا ہے؟"

"اولگا کو آج رات پھانسی دی جانے والی ہے۔
شاید کوئی اس کا ساتھی اسے چھڑانے آ گیا ہو؟"

"سب سے پہلے میں اسے گولی سے اڑا دوں گا۔
تم اس طرف پہرہ دو۔ میں جھاڑیوں میں جا کر دیکھتا
ہوں۔"

اتنا کہہ کر ایک سپاہی اسی جگہ مشین گن سنبھالے
کھڑا رہا اور دوسرا جھک کر قدم قدم چلتا جھاڑیوں
میں آ گیا۔ اس نے شاخوں کو اِدھر اُدھر ہٹا کر دیکھا
وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اچانک اسے اپنی پنڈلی پر

کسی شے کے کاٹنے کا درد سا محسوس ہوا۔ اس نے
جھک کر پتلون اوپر کر کے پنڈلی کو دیکھا۔ وہاں خون
کے دو ننھے ننھے قطرے اُبھر آئے تھے۔

"سانپ!"

اس کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔
مگر سانپ وہاں نہیں تھا۔ اندھیرے میں وہ ٹارچ جلا کر
وہاں سے بھاگا۔ مگر ناگ کا زہر اتنی مہلت نہیں دیا
کرتا۔ وہ گرا اور سب سے پہلے اس کا گلا بند ہو گیا
تھا اور وہ کوئی آواز نہ نکال سکتا تھا۔

سانپ دوسرے سپاہی کی خبر لینے کوٹھڑی کی دیوار
کے ساتھ ساتھ رینگتا بڑھا چلا آ رہا تھا۔ دوسرا سپاہی
دیوار کے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ
اس کا ساتھی کافی دیر سے جھاڑیوں میں گیا ہوا ہے تو
آواز دی۔ آواز کا کوئی جواب نہ آیا۔ وہ خود اس
کی تلاش میں آگے بڑھا۔

مگر اس عرصے میں سانپ اپنا کام کر چکا تھا۔

دوسرا سپاہی جھکا اور اپنی پنڈلی کو دیکھنے لگا۔
اسے ایک سانپ جھاڑیوں میں گھستا دکھائی دیا۔ ایک
دم سمجھ گیا کہ سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ وہیں

مشین گن کی بوچھاڑ ماری۔ سانپ ایک درخت پر
چڑھ چکا تھا۔ دوسری بار مشین گن چلانے کی مہلت
ہی نہ مل سکی اور دوسرا سپاہی بھی پہلے سپاہی کے
پاس ہی ڈھیر ہو گیا۔

سانپ درخت سے نیچے اُتر آیا اور انسان کی
شکل میں آ کر تیزی سے اولگا کی کوٹھڑی کی طرف
بڑھا۔ گولیوں کی آواز اولگا نے بھی سُنی تھی۔ وہ
پلنگ پر لیٹی تھی۔ اس کی گردن پر سگریٹ
لگانے سے جلن ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ
یہ گولیاں کون چلا رہا ہے؟ اتنے میں ناگ دروازہ
کھول کر اندر آ گیا۔ تالے کی چابی اس نے
پہرے دار کی حیثیت سے حاصل کر لی تھی۔

"تم آ گئے ناگ بھائی!"

ناگ نے کہا۔ "وہ لوگ تمہیں آج رات گولی
سے اڑا دینے کا حکم دے کر جا رہے تھے
مَیں نے ان سے نمٹ لیا ہے۔ چلو۔ اب یہاں
سے نکل چلو۔"

"پہرے داروں کا کیا بنے گا؟"

"ان کا جو کچھ بننا تھا مَیں نے بنا دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب کچھ نہیں۔ بس جلدی سے یہاں سے نکل چلو۔ رات آدھی گزر گئی ہے۔ اس اندھیرے اندھیرے میں ہی ہمیں دُور نکل جانا ہو گا۔"

"میں تیار ہوں۔"

ناگ نے ادلگا کو ساتھ لیا اور عمارت سے باہر نکل آیا۔

پہرے داروں کی لاشیں کوٹھڑی سے باہر پڑی تھیں۔ ناگ نے ان کی ایک مشین گن اپنے کندھے سے لٹکا لی۔

"راستے میں شاید اس کی ضرورت پڑ جائے۔"

"ایک مشین گن میں بھی لے لیتی ہوں۔"

"نہیں ادلگا! ایک ہی کافی ہے۔ آؤ بھاگ چلیں"

دونوں عمارت کو پیچھے چھوڑ کر جھاڑیوں اور درختوں میں سے ہوتے ہوئے جھیل کے کنارے آ گئے۔ یہاں ذرا دُور ایک جگہ چھوٹی سی گھاٹ بنی تھی۔ وہاں ایک کشتی کھڑی تھی۔ وہ اس کشتی میں جا کر بیٹھ گئے۔ کشتی کا بوڑھا محافظ اپنی کوٹھڑی میں گرم گرم لحاف میں دبکا سو رہا

تھا۔ اس کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی کہ حکومت کی سب سے خطرناک جاسوسہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی ہے۔

کشتی میں موٹر بھی لگی تھی اور چپو بھی پڑے تھے۔ ناگ نے کہا۔

"ہم موٹر نہیں چلائیں گے۔ چپوؤں کی مدد سے جھیل کی دوسری طرف جائیں گے۔"

جھیل کا پانی رات کے اندھیرے میں دھندلا دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔ بڑی خاموشی سے کشتی نے چپوؤں کی مدد سے دوسرے کنارے کی طرف کا سفر شروع کر دیا۔ کشتی جھیل کے دوسرے کنارے پر جا کر رُک گئی۔ اولگا نے سرگوشی میں کہا۔

"ہو سکتا ہے یہاں کوئی چوکی پہرہ لگا ہو۔ اس لئے اندھیرے میں سے ہو کر آگے بڑھنا ہو گا۔ تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔"

"ٹھیک ہے۔"

اولگا ان راستوں سے باخبر تھی۔ وہ ناگ کو لے کر رات کے اندھیرے میں جھیل کنارے

کی جھاڑیوں اور درختوں کے جھنڈوں میں سے ہوتی آگے چل پڑی۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی آ گئی۔ اس پہاڑی پر ایک چوکی تھی۔ جس میں چار سپاہی پہرہ دیتے تھے۔ رات کو تین سپاہی گہری نیند سو رہے تھے اور ایک سپاہی باہر سٹول پر بیٹھا درخت سے ٹیک لگائے اونگھ رہا تھا۔ کمال کی بات یہ ہوئی تھی کہ اس نے کشتی کو جھیل میں آتا نہیں دیکھا تھا۔ نہیں تو اگر وہ اونگھ نہ رہا ہوتا تو اوپر سے جھیل میں تیرتی کشتی صاف نظر آ جاتی۔ اولگا کو شک تھا کہ پہاڑی پر ضرور کوئی پہرے دار موجود ہو گا۔

پس وہ ناگ کو لے کر پہاڑی کے ساتھ ساتھ جھاڑیوں میں جھکے جھکے گذرتی دریا کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہ دریا اس خطرناک علاقے کی آخری حد تھی۔ وہ ایک کچی پگ ڈنڈی کا موڑ مڑنے لگی تو کسی نے پیچھے سے آواز دی۔

"ہالٹ! جہاں ہو وہیں رک جاؤ۔ نہیں تو گولی مار دوں گا۔"

جادوئی کبوتر

آواز سنتے ہی ناگ وہیں دبک گیا۔

اولگا نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک روسی سپاہی پہرے دار ہاتھ میں مشین گن تانے سامنے کھڑا تھا۔ اولگا نے ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ ناگ کو اس سپاہی نے نہیں دیکھا تھا۔ سپاہی نے قریب آ کر اولگا کے منہ پر ٹارچ کی روشنی پھینکی۔ وہ اسے پہچان گیا۔

"تم ۔ ۔ ۔ ۔ اولگا؟ تم فرار ہو رہی تھیں؟"

سپاہی نے جیب سے خطرے کی سیٹی نکال کر بجانی چاہی تو پیچھے سے ناگ نے چھلانگ لگا کر سپاہی کی گردن دبوچ لی۔ اولگا نے اس کے ہاتھ سے مشین گن کھینچ کر پرے پھینک دی۔ ناگ نے سپاہی کو نیچے گرا دیا۔ اور پھر مشین گن اس کے سینے سے لگا کر کہا۔

"خبردار اگر ذرا بھی ہلے تو گولی مار دوں گا۔"
پھر اس نے اولگا سے کہا۔

"اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ ڈالو۔ خدا جانے اس شخص کو مارنے کو کیوں دل نہیں چاہتا.... جلدی کرو۔"

اولگا نے اسی سپاہی کی جیب سے رومال لے کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ پھر اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھے اور پاؤں بھی مشین گن کے فیتے سے جکڑ دیئے۔ اب وہ ہلنے جُلنے اور شور مچانے کے قابل نہیں رہا تھا۔

"اس کو اب یہیں پڑا رہنے دو اور یہاں سے نکل چلو۔"

دونوں وہاں سے آگے نکل گئے۔ سامنے دریا تھا۔ اب رات ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔ تارے آسمان پر پھیکے پڑتے جا رہے تھے۔ اولگا نے کہا۔

"اگر ہم نے بغیر کسی رکاوٹ کے دریا پار کر لیا تو ہمیں ورشکا کو جانے والی ٹرین سٹیشن پر مل جائے گی۔"

"دریا خالی ہے۔ کشتی کہاں سے ملے گی؟"

"چل کر دیکھتے ہیں۔"

دریا کا کنارہ سنسان تھا۔ دریا خاموشی سے بہہ

رہا تھا۔ اس کا پاٹ زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ کنارے کنارے دُور تک جانے کے بعد انہیں ایک جگہ چھوٹی سی سرخ رنگ کی ایک کشتی نظر آئی۔ شاید یہ کافی دیر سے اسی جگہ پڑی تھی۔ اس کا آدھا پیندا کیچڑ میں دھنس گیا تھا۔ ناگ نے زور لگا کر کشتی کو کیچڑ سے باہر نکالا اور دریا میں ڈال دی۔ اولگا بھی اس میں سوار ہو گئی۔

کشتی نے دریا میں بہنا شروع کر دیا۔ اس میں صرف ایک ہی چپّو تھا۔ جس کی مدد سے ناگ اسے دوسرے کنارے پر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کشتی میں ایک سوراخ تھا۔ جس میں سے پانی اندر داخل ہونے لگا۔ اولگا نے چلّو بھر بھر کر پانی باہر دریا میں پھینکنا شروع کیا۔ سردی کی وجہ سے اس کے دانت بج رہے تھے۔ ناگ نے کہا۔

"تم چپّو چلاؤ۔ میں پانی دریا میں پھینکتا ہوں۔"

آخر بڑی مشکل کے ساتھ وہ دریا کے دوسرے کنارے پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے کشتی دریا میں ہی چھوڑی اور کنارے پر چھلانگیں لگا کر دوسری

طرف بھاگنا شروع کر دیا - اب سامنے میدان تھا، جس میں اونچی اونچی گھاس اُگی ہوئی تھی - اولگا ناگ کے آگے آگے جا رہی تھی - وہ ایک چھوٹی سی پگڈنڈی پر چلے جا رہے تھے - وہ کبھی بھاگتے اور کبھی تیز تیز چلنے لگتے۔

"سٹیشن کہاں ہے اولگا؟"

"بس قریب ہی ہے۔"

تھوڑی دُور جا کر انہیں صبح کی ہلکی ہلکی روشنی میں بجلی اور ٹیلی فون کے تار دکھائی دینے لگے - پھر دُور سے ریل کے انجن کی چیخ کی آواز سنائی دی - اولگا نے خوش ہو کر کہا -

"گاڑی آ رہی ہے۔"

"جلدی جلدی چلو۔"

آخر وہ گرتے پڑتے، بھاگتے، تیز تیز چلتے ریلوے سٹیشن پر پہنچ ہی گئے - یہ ایک چھوٹا سا غیر آباد ریلوے سٹیشن تھا - اور یہاں سے مال گاڑیاں ہی گذرا کرتی تھیں یا پھر ایسی گاڑی گذرتی جس میں مزدور بھرے ہوتے جو دُور ایک بند پر کام کر رہے تھے - پلیٹ فارم پر صرف دو تین دیہاتی ہی نظر آئے - جنہوں نے

سمور کے پرانے کوٹ اور ٹوپیاں پہن رکھی تھیں اور سردی میں بنچوں کے کونوں میں دبکے بیٹھے تھے -

اتنے میں ریل گاڑی پلیٹ فارم پر آ کر رُک گئی۔ یہ ایک مال گاڑی تھی جس کے پیچھے آخر میں ایک بوگی مسافروں کی بھی لگی تھی - اندر کچھ مسافر سو رہے تھے اور کچھ اٹھ کر سامان سمیٹنے اور باہر نکل رہے تھے اولگا نے ناگ کا ہاتھ دبا کر کہا -

"کونے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

ڈبہ تقریباً مسافروں سے خالی ہو گیا تھا - صرف تین چار مسافر لمبی تان کر گرم ہو کر سو رہے تھے - ڈبے کی کھڑکیاں گرا دی گئی تھیں جس کی وجہ سے اندر سردی زیادہ نہیں تھی - اولگا اور ناگ نے بھی اپنے پرانے گرم سموری کوٹوں کے کالر اوپر کر لئے اور سموری ٹوپیاں کانوں پر کھینچ لیں - اب انہیں پہچاننا مشکل تھا - وہ بھی مزدور ہی لگ رہے تھے - انجن نے سیٹی بجائی -

اور پھر گارڈ نے سبز روشنی دکھا دی - گاڑی پلیٹ فارم سے کھسکنے لگی - سٹیشن سے باہر نکل کر ٹرین

کی رفتار تیز ہو گئی اور ورشکا قصبے کی طرف چلنے
لگی۔ اولگا نے ناگ سے کہا۔

”سب سے بڑی مشکل ہمیں اس وقت پیش
آئے گی جب ہم سے ہمارا شناختی کارڈ طلب کیا
جائے گا۔“

ناگ نے کہا۔ ”شناختی کارڈ کس جگہ چیک کیا
جائے گا؟“

اولگا بولی۔ ”ورشکا سٹیشن سے باہر نکلتے ہوئے
دیکھا جائے گا۔ کچھ نہ کچھ کریں گے۔ تم فکر نہ کرو“
اولگا نے پوچھا۔ ”کیا تم جادو کے ذریعے شناختی
کارڈ نہیں بنا سکتے؟“

ناگ مسکرایا۔ ”نہیں۔ مگر میں کوشش کروں گا۔“

سورج نکل آیا تھا مگر دھند کی وجہ سے دھوپ
بہت پھیکی تھی۔ آسمان پر ایسا لگتا تھا جیسے
بادل چھائے ہوئے ہیں۔ کہرا پھیلا تھا اور
سرد ہوا ہڈیوں کو چیرتی ہوئی گزر رہی تھی
ڈبے کی کھڑکیاں بند تھیں۔ مگر پھر بھی اندر
سردی تھی۔ سارا دن ٹرین سفر کرتی رہی
راستے میں دو ایک سٹیشن آئے۔ وہاں گاڑی

رکی۔ مگر اندر کوئی مسافر نہ آیا۔ بلکہ جو چند
ایک مسافر اندر سو رہے تھے وہ بھی چلے گئے۔
گاڑی شہر سے دُور ویرانوں میں نکل آئی تھی۔
تیسرے پہر شام کے قریب جا کر گاڑی ورشکا
سٹیشن پر آ گئی۔

اولگا نے ناگ کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ
ورشکا سٹیشن آ رہا ہے۔

”ہمیں یہاں سے الگ الگ ہو کر باہر نکلنے
کی کوشش کرنی ہو گی۔ کیونکہ شناختی کارڈ کے
نہ ہونے سے ہم گرفتار ہو سکتے ہیں۔ ویسے بھی
میرے فرار کا اس وقت تک سب کو معلوم
ہو گیا ہو گا اور سارے ملک کی پولیس ہوشیار
ہو کر میری تلاش میں لگی ہو گی۔“

ناگ نے کہا۔ ”ہم کس جگہ سے باہر نکلیں گے؟“

اولگا بولی۔ ”سٹیشن کی دوسری جانب ایک
چھوٹا سا جنگل ہے۔ میں لائن پار کر کے اس جنگل
میں جانے کی کوشش کروں گی۔ تم بھی اُدھر ہی
آ جانا۔ وہاں ہم چھپ کر اندھیرا ہونے کا انتظار
کریں گے۔ جب اندھیرا ہو جائے گا تو پھر وہاں

سے نکل کر میں تمہیں اپنی خالہ کے گھر لے جاؤں گا
ٹرین پلیٹ فارم پر رُک گئی۔
اولگا ڈبے کے دوسرے دروازے سے اُلٹی
طرف سے ریلوے لائن پر اُتر گئی۔ اترنے سے
پہلے اس نے ناگ کو وہ چھوٹا سا جنگل دکھا دیا
تھا جہاں جاکر انہیں ایک دوسرے سے ملنا تھا
اولگا بڑی تیزی سے ریلوے لائن عبور کر گئی اور
جنوبی پلیٹ فارم پر چڑھ کر دوسری طرف ڈھلان
پر اُتر گئی۔
ناگ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔
اولگا کو تو کسی نے نہ پوچھا۔ لیکن جب ناگ
دوسرے پلیٹ فارم پر آیا اور ڈھلان اُتر کر سٹیشن
کی دیوار کی جانب بڑھا تو ایک چیکر نے اسے گھیر لیا۔
"ٹکٹ کہاں ہے تمہارا؟"
ناگ نے مسکرا کر روسی زبان میں کہا۔
"دوست! ٹکٹ میرا میری بیوی کے پاس ماسکو
میں ہی رہ گیا ہے۔ تم مجھ سے ٹکٹ کے پیسے
جرمانے کے ساتھ وصول کر سکتے ہو۔"
چیکر نے گھور کر ناگ کو دیکھا۔

"تم ایشیا کے رہنے والے ہو؟"
"ہاں دوست! میں قاہرہ میں پیدا ہوا تھا۔ مگر
ساری زندگی ماسکو میں رہا ہوں۔ یہاں سیر و سیاحت
کرنے آ گیا تھا۔"
"تمہارا شناختی کارڈ میں دیکھ سکتا ہوں؟"
بس یہاں ناگ خاموش ہو گیا۔ آئیں بائیں شائیں
کرنے لگا۔ چیکر کو شک پڑ گیا کہ معاملہ کچھ گڑ بڑ
ہے۔ اس نے جیب سے پستول نکال کر ناگ کی
طرف اس کا رُخ کر دیا۔
"سیدھا میرے آگے آگے چلو۔"
ناگ پریشان ہو گیا کہ یہ کیا مصیبت پڑ گئی۔ آگے
لگ کر چلنے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ آگے
آگے چلنے لگا۔ چیکر اسے لے کر سٹیشن کے پیچھے
مال گودام کے ساتھ والے کمرے میں آ گیا۔ یہاں
ایک عارضی جیل بنی ہوئی تھی۔ جہاں شک میں
پکڑے ہوئے لوگوں کو رکھا جاتا تھا۔ جنگ ختم ہو
چکی تھی۔ اس لئے یہاں جاسوسوں کا ہر وقت
خطرہ رہتا تھا۔ جو روسیوں کے میزائیلوں کا کھوج
لگانے کی فکر میں ہوتے تھے۔ یہ میزائیل روسی جرمنی

سے لائے تھے۔

چیکر نے ناگ کو جیل میں بند کر کے سیکیورٹی
والوں کو فون کر دیا کہ اس نے سٹیشن سے ایک
مشکوک ایشیائی کو پکڑا ہے جس کے پاس شناختی
کارڈ نہیں ہے۔ سیکیورٹی والے اسی وقت ماسکو
سے ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر چل پڑے۔

ادھر ناگ جونہی جیل میں اکیلا ہوا۔ اس نے اسی
وقت سانپ کی شکل بدلی اور سلاخوں میں سے
رینگ کر باہر آ گیا۔ ایک سپاہی نے سانپ کو
دیکھ کر شور مچا دیا۔ سٹیشن کے لوگ لاٹھیاں
اور پستول لے کر اس کے پیچھے بھاگے۔ ناگ
قریبی کھیتوں میں گھس گیا۔ کھیت پر گولیاں
برسائی جانے لگیں۔ چیکر نے جو دیکھا کہ مشکوک
جاسوس جیل سے بھاگ گیا ہے تو وہ سخت
حیران ہوا۔ کیونکہ جیل کا دروازہ باہر سے بند
تھا۔ تالا بھی اسی طرح لگا ہوا تھا۔ پھر وہ
کیسے بھاگ گیا؟

سانپ کھیتوں کھیت بہت دُور نکل گیا۔
کھیت کی مینڈھ پر آ کر اس نے سفید

کبوتر کی شکل بدلی اور آسمان میں درختوں کے
اوپر سے اڑتا ہوا اس چھوٹے سے جنگل میں آ
گیا جہاں اولگا نے چھپنے کے لیے کہا تھا۔ نیچے
آ کر دیکھا کہ اولگا ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپی
بیٹھی ناگ کا انتظار کر رہی ہے۔ ناگ کبوتر کی
شکل میں اس کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ اور
غٹرغوں کرنے لگا۔ اولگا نے جو ایک سفید کبوتر
دیکھا تو حیران ہوئی۔ کیونکہ روس میں اس قسم
کے سفید کبوتر عام طور پر گرمیوں میں آیا کرتے
ہیں۔

سفید کبوتر نے گردن دو بار دائیں بائیں
ہلائی اور پھر ایک دم سے اولگا کے سامنے
ناگ بیٹھا تھا۔

"ناگ بھائی! تم آ گئے؟ تم کتنے خوبصورت
کبوتر بنے ہوئے تھے۔ کیا تم اُڑ کر یہاں آئے ہو؟"
ناگ نے کہا۔ "ہاں اُڑ کر بھی آیا ہوں اور رینگ
کر بھی۔"

پھر اس نے اولگا کو پکڑے جانے کا سارا
قصہ سنایا اور یہ بھی بتایا کہ سیکیورٹی والوں کو

وائرلیس کر دیا گیا ہے اور وہ لوگ اس علاقے
میں پہنچنے ہی والے ہیں۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔ اب اس سارے علاقے
کو گھیرے میں لے لیا جائے گا۔ کیونکہ تم جیل سے
بھاگ آئے ہو۔ اب انہیں یقین ہو جائے گا کہ
تم واقعی جاسوسی کرنے اِدھر آئے ہو۔"

"دیکھا جائے گا..... اب یہ بتاؤ کہ تمہاری خالہ
کے ہاں کب جانا ہو گا؟"

"اندھیرا ہونے کا انتظار کرنا ہو گا۔"

"کیا اسی جگہ رہنا ہو گا؟ میرا مطلب ہے اگر
تم اس جگہ بیٹھی رہیں تو ہو سکتا ہے سیکورٹی والے
اس جگہ کی بھی تلاشی لینے آ جائیں۔"

اولگا کچھ پریشان ہو گئی۔

"یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔ پھر تمہارے خیال
میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا یہاں سے چلے چلیں؟
کیونکہ پولیس میری تلاش میں بھی ہو گی۔"

"سوال یہ ہے کہ کہاں جائیں؟ کیونکہ میں تو اس
علاقے سے بالکل ہی واقف نہیں ہوں۔"

اولگا سوچنے لگی۔ پھر بولی۔

"اگر ہم کسی طریقے سے بھیس بدل سکیں تو
پھر ہم یہاں سے نکل کر اپنی خالہ کے گھر تک
بغیر گرفتار ہوئے پہنچ سکتے ہیں۔"

"بھیس کس طرح بدلیں؟"

"یہی تو سوال ہے جو میں تم سے کرنے والی تھی"

ناگ کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔

"تم اسی جگہ میرا انتظار کرو۔ میں کوئی بندوبست
کر کے ابھی آتا ہوں۔"

اولگا نے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ میں انتظار ہی
کرتی رہ جاؤں۔"

"نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو گا۔ میں بہت جلد
واپس آنے کی کوشش کروں گا۔"

اتنا کہہ کر ناگ وہاں سے ایک بار پھر کبوتر
بن کر اُڑ گیا اور ریلوے سٹیشن کے اوپر آ کر منڈلانے
لگا۔ پھر وہ عمارت کے اوپر بیٹھ گیا۔ اس نے جیل
کے ساتھ والے کمرے میں ایک پولیس کے آدمی کو
وردی تبدیل کرتے دیکھا تھا۔ اس کی ترکیب یہ تھی
کہ کسی طرح سے اس کمرے میں پہنچ کر پولیس کی
وردیاں اڑائی جائیں۔ اس میں سب سے بڑا خطرہ

یہ تھا کہ وہ چیکر اسے پہچان کر دوبارہ گرفتار
کر سکتا تھا۔ لیکن یہ خطرہ اسے مول لینا ہی پڑا۔
ناگ عمارت سے اُتر کر نیچے آ گیا۔ اور جیل کے
ساتھ والے کمرے میں آ کر ایک الماری کے اوپر
بیٹھ گیا۔ خوش قسمتی سے اس وقت وہاں کوئی بھی
نہیں تھا۔ شاید سارے پولیس والے جیل سے
بھاگے ہوئے مفرور کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔
ناگ الماری سے اُتر کر ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔
جلدی سے انسان کے حلیے میں آیا۔ ایک الماری
کھول کر پولیس کی وردی نکال کر پہنی۔ ایک وردی
لفافے میں ڈال کر بغل میں دبائی۔ اور چپکے سے
پستول کمر کے ساتھ لٹکائے کمرے سے باہر آ گیا۔
پلیٹ فارم پر کچھ دیر ٹہلتا رہا۔
کسی نے اس پر شک نہ کیا۔ سب اس کو
پولیس کا افسر ہی سمجھ رہے تھے۔ ٹہلتے ٹہلتے
وہ دوسرے پلیٹ فارم کی ڈھلان اُتر کر جنگل کی
طرف چلنے لگا۔ اچانک پیچھے سے اسے کسی نے
آواز دی۔

"ہیلو! تم کہاں جا رہے ہو الیکسی؟"

ناگ سمجھ گیا کہ کوئی دوسرا پولیس افسر ہے جس
نے اسے الیکسی سمجھا ہے اور اسی کے نام سے
پکارا ہے۔ ناگ نے پلٹ کر دیکھا۔ اس سے کوئی دس
پندرہ قدم کے فاصلے پر پلیٹ فارم کے پاس ایک
پولیس افسر کھڑا تھا۔ جونہی اس کی نظر ناگ پر
پڑی وہ سمجھ گیا کہ کوئی دوسرا شخص ہے۔ اس
نے حیرانی سے پوچھا۔

"الیکسی کہاں چلا گیا ہے؟ تم کون ہو؟"

ناگ نے کھسیانی سی ہنسی ہنس کر کہا۔

"میں الیکسی کا بھائی ہوں۔ اس کی طبیعت
اچانک خراب ہو گئی تھی۔ اس کی جگہ میں آ گیا
ہوں۔"

"مگر وہ تو ابھی ابھی مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔"

"تو وہ ابھی ابھی بیمار ہوا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ صاف صاف بتاؤ تم کون ہو؟"

ناگ نے پستول نکال کر پولیس افسر کی گردن پر
رکھ دیا اور کہا۔

"چپ چاپ میرے آگے آگے چلو۔"

پولیس آفیسر گھبرا گیا۔ سمجھ گیا کہ وہ کسی خطرناک

جاسوس کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ خاموشی سے آگے آگے چل پڑا۔ ناگ اسے لے کر پلیٹ فارم کی ڈھلان اُترا کر جنگل میں لے آیا۔ یہاں اولگا نے پولیس آفیسر کو دیکھا تو بھاگنے ہی والی تھی کہ ناگ نے کہا۔

"یہ میرا قیدی ہے اولگا! گھبراؤ نہیں۔"

ناگ نے پولیس آفیسر کو ایک جگہ درخت کے ساتھ باندھ دیا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا، اور آنکھوں پر کس کر پٹی باندھ دی۔ پھر اولگا نے پولیس آفیسر کی وردی پہنی اور دونوں پولیس افسروں کے لباس میں جنگل سے نکل کر ریلوے سٹیشن کی دوسری طرف آ گئے۔ یہاں ایک ملٹری ٹرک کھڑا تھا جس میں سامان لادا جا رہا تھا۔ ناگ اور اولگا پولیس کی وردی میں بڑے آرام سے قصبے سے باہر نکل گئے ناگ نے کہا۔

"اب بتاؤ تمہاری خالہ کا گھر کہاں ہے؟"

اولگا نے کہا۔ "یہاں سے دو میل دُور ایک جگہ آئے گی۔ اس کے ساتھ ہی میری خالہ ایک پرانے سے کاٹج میں رہتی ہے۔ تھوڑی سی زمین ہے جس کو اس نے کرائے پر دے رکھا ہے۔ بس اسی میں

گذارہ کر رہی ہے بے چاری۔"

کھیتوں میں سے گذرتے آخر وہ دونوں ندی پر آ گئے۔ ندی کی دوسری جانب سفیدے کے ٹنڈ منڈ درخت کھڑے تھے۔ کہیں کہیں ابھی تک برف جمی تھی۔ ان درختوں کے قریب ہی ایک چھوٹا سا اک منزلہ کاٹج بنا تھا۔ جس کی چھت پر خشک ٹہنیوں والی بیل چڑھی ہوئی تھی۔

"یہ ہے میری خالہ کا مکان۔ تم یہیں ٹھہرو میں اندر جاتی ہوں۔"

ناگ درختوں کے پاس رک گیا۔ اولگا مکان کے دروازے پر آ گئی۔ اس نے دستک دی۔ اندر سے ایک ادھیڑ عمر کی عورت نکلی جس نے سر پر نیلا رومال باندھ رکھا تھا۔ اس نے جو اولگا کو دیکھا تو خوشی سے چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی۔

"اولگا! تم؟ میری پیاری بیٹی!"

تہ خانے میں لاشیں

"یہ تم نے پولیس کی وردی کیوں پہن رکھی ہے میری بچی؟ میں پہلے تو ڈر ہی گئی تھی۔ مگر تیری شکل صاف پہچان لی۔ آہ! میں تو یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ میری بہن کی نشانی کو ان درندوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو گا۔ آؤ۔ اندر چل کر بیٹھو۔ ضرور پولیس تمہارے پیچھے لگی ہو گی۔ مگر میں تمہیں ایسا چھپاؤں گی کہ ان کا باپ بھی تمہیں نہ تلاش کر سکے گا۔"

اولگا کی خالہ باتیں کرتی اندر جانے لگی تو اولگا نے کہا۔

"خالہ! میرے ساتھ میرا ایک ساتھی بھی ہے۔"

"وہ کون؟"

"اسی نے مجھے موت کی کال کوٹھڑی سے فرار ہونے میں مدد دی ہے۔ اگر یہ شخص نہ ہوتا تو شاید آج میں مر چکی ہوتی۔"

"ضرور بیٹی! اسے بھی اندر بلاؤ۔"

ناگ اندر آ گیا۔ اولگا نے اپنی خالہ سے ناگ کا تعارف کرایا۔ انہوں نے اسی وقت پولیس کی وردیاں اتار کر دوسرے معمولی سے گرم کپڑے پہن لئے۔ خالہ نے اسی وقت قہوہ گرم کر کے پلایا۔ تھوڑی دیر بعد رات ہو گئی۔ اولگا اور ناگ نے گرم پانی سے غسل کیا اور دوسرے گرم کپڑے پہنے۔ خالہ نے کھانا تیار کیا۔ پھر کھانا کھا کر وہ چائے کا سماوار میز پر رکھ کر بیٹھ گئے۔ اور گفتگو شروع ہو گئی۔ اولگا نے کہا۔

"خالہ! یہ تو تمہیں اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ میرا یہاں رہنا کسی طرح بھی خطرے سے خالی نہیں ہے۔ روسی حکومت نے خدا جانے کیا سوچ کر تمہیں معاف کر دیا ہے۔ ورنہ انہوں نے ہمارے خاندان کا ایک بھی آدمی زندہ سلامت نہیں چھوڑا۔ یہ لوگ میری تلاش میں روس کا کونہ کونہ چھان ماریں گے اور مجھے تلاش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں بھی آئیں۔ کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ تم میری خالہ ہو اور تم مجھے یہاں سے فرار ہونے میں مدد دے سکتی ہو۔

اس لیے یہ ضروری ہے کہ مَیں اور ناگ جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جائیں۔ اب یہ بتاؤ خالہ! کہ تمہارے خیال میں ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے کہ اس ملک سے خیریت کے ساتھ نکل کر چین میں داخل ہو جائیں۔"

خالہ نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"بیٹی تم میری مرحوم بہن کی آخری نشانی ہو۔ اگر دیکھا جائے تو ہمارے زار خاندان کی صرف تم ایک بچی زندہ رہ گئی ہو۔ مَیں تو کبھی بھی نہیں چاہوں گی کہ تمہیں اپنے سے الگ کروں۔ مگر جیسا کہ تم کہہ رہی ہو یہ لوگ تمہاری تلاش میں یہاں بھی آئیں گے تو پیاری اولگا! خطرہ تو ہے۔ اس کے باوجود میرے اس کاٹج کے نیچے ایک خفیہ تہہ خانہ ہے جہاں میں اناج وغیرہ گودام کیا کرتی ہوں۔ مَیں تمہیں وہاں چھپا دوں گی۔ یہ لوگ تمہیں کبھی نہ پا سکیں گے۔ مَیں تو یہی کہتی ہوں کہ تم میرے پاس اسی گھر میں رہو۔ جب کبھی ان لوگوں کی حکومت بدلی اور ہماری پسند کے لوگ آ گئے تو تم آزادی سے چل پھر سکو گی۔"

اولگا نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"خالہ! ان باتوں کو بھول جاؤ۔ اب ہماری پسند کے لوگ شاید کبھی نہ آئیں گے اور باقی رہی تمہارے تہہ خانے کی بات تو یہ روسی سراغ رساں اتنے بھولے نہیں ہیں۔ وہ بڑی آسانی سے تمہارے تہہ خانے کو تلاش کر لیں گے۔ پھر میرے ساتھ وہ تمہیں بھی گولی کا نشانہ بنا ڈالیں گے۔ اور یہ مَیں کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ کہ میرے ساتھ تم بھی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہماری یہاں سے فرار ہونے میں رہنمائی کرو۔"

ناگ نے کہا۔ "اولگا ٹھیک کہتی ہے خالہ! روس میں رہنا اس کے لیے مناسب نہیں ہے۔ یہاں یہ ضرور پکڑی جائے گی۔ بہتر یہی ہے کہ یہاں سے فرار ہو کر کسی طریقے سے ملک چین میں داخل ہو جائیں۔ مَیں اس کے ساتھ رہوں گا اور وعدہ کرتا ہوں کہ اسے ملک چین کی سرحد کے اندر محفوظ ہاتھوں میں پہنچا کر واپس آؤں گا۔"

خالہ بولی۔ "اگر تم دونوں کا خیال یہاں سے چلے جانے کا ہے اور تم اسی میں اپنی بہتری سمجھتے ہو تو

میں کون ہوتی ہوں تمہیں روکنے والی۔ باقی رہی بات یہاں سے فرار ہونے کی۔ تو بیٹی! راستہ بڑا خطرناک اور طول طویل ہے۔ بڑا لمبا سفر ہے۔ بڑا مشکل اور کٹھن سفر ہے۔ سائبیریا کوئی میدان نہیں ہے۔ بلکہ برف سردی اور موت کا ایک صحرا ہے۔ تمہیں اس صحرا میں سے گذرنا ہوگا۔"

اولگا بولی۔ "زندگی بچانے کے لیے ہم اس صحرا سے بھی گذر جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ تم یہ بتاؤ خالہ جان کہ یہاں سے ہمیں کس سمت کو سفر شروع کرنا ہوگا؟"

"یہاں سے تمہیں رات کے اندھیرے میں نکل کر پچاس میل دور ورشکا سے اگلے سٹیشن تک جانا ہوگا۔ وہاں سے ہر رات تین بجے پچھلے پہر ایک مال گاڑی ادبالشک کی طرف جاتی ہے۔ جو یہاں سے دو ہزار میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ مال گاڑی راستے میں دو تین جگہوں پر ہی ٹھہرتی ہے۔ ادبالشک سے تمہیں ہاٹینک جانے والی ریل گاڑی میں سوار ہونا ہوگا جو وہاں سے کافی لمبا سفر ہے۔ ہاٹینک ریلوے سٹیشن سے سائبیریا کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ سائبیریا کے علاقے میں تمہیں

گاڑی پر سفر کرنا ہوگا۔ اگر تم راتوں کو سفر کرتے رہے تو ایک نہ ایک دن سنکیانگ کی سرحد پر پہنچ جاؤ گے۔ جو چین کا ایک صوبہ ہے۔ بس یہ ہے تمہارا طویل سفر جس میں ہر قدم پر موت تمہارے ساتھ سفر کرے گی۔ کاش اتنے لمبے سفر میں میں تمہاری کوئی مدد کر سکتی۔"

اولگا نے کہا۔ "خالہ تمہاری اتنی مدد ہی بہت ہے کہ تم ہماری رہنمائی کر رہی ہو اور تم نے ہمیں یہاں پناہ دی ہے۔"

خالہ بولی۔ "بیٹی تمہارے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے۔ کیا تم نے واقعی اس مصیبت سے بھرے ہوئے سفر کا پکا ارادہ کر لیا ہے؟"

اولگا کہنے لگی۔ "خالہ! اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ ہمیں یہ سفر کرنا ہی پڑے گا۔ ناگ میرا بھائی میرے ساتھ ہوگا اور اس کے پاس بہت سی خوبیاں ہیں۔"

خالہ نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ بے چارہ تو مجھے بڑا شریف اور نازک سا نوجوان لگ رہا ہے۔ خدا کرے کہ اس مصیبت زدہ

سفر کی تکلیفیں یہ بھی سہہ جائے۔"
ناگ ہنسا۔ "خالہ! تم فکر نہ کرو۔ میں نے بڑے
بڑے سفر کیے ہیں۔ خدا نے چاہا تو ہم اس مصیبت کے
سفر میں سے بھی خیر خیریت سے گذر جائیں گے۔"
خالہ نے تشویش بھری آواز میں کہا۔
"مگر میرے بچو! اس سفر میں جس شے کی تمہیں
سب سے زیادہ ضرورت ہو گی وہ تمہارے پاس
نہیں ہے۔ بس یہی ایک فکر مجھے کھائے جاتا ہے۔ کہ
اس چیز کے بغیر تم یہ سفر کس طرح طے کر سکو گے؟"
اولگا نے کہا۔ "میں جانتی ہوں خالہ تمہارا اشارہ
کس طرف ہے۔ تمہارا مطلب یہ ہے کہ ہمارے
پاس روپیہ نہیں ہے اور روپے کے بغیر ہم چین کی
سرحد کیا سائبیریا تک بھی نہ پہنچ سکیں گے۔"
خالہ کہنے لگی۔ "بیٹی تمہیں ہر قدم پر روپے کی
ضرورت پڑے گی۔ سائبیریا کے برفانی سفر کے لیے
تمہیں کتا گاڑی خریدنی پڑے گی۔ جس کی قیمت اس
وقت دس ہزار روپے سے کم نہیں ہے۔ پھر تمہیں کئی
گائیڈوں کی خدمات حاصل کرنی ہوں گی۔ جو تم سے ایک
ہزار روپے سے کم کوئی بھی نہیں لے گا۔ پھر خوراک

کی ضرورت پڑے گی۔ میری بچی! تم اتنے پیسے کہاں
سے لاؤ گی؟ میرے پاس تو بڑی مشکل سے کھانے پینے
کا خرچ چل رہا ہے۔ کاش! میں تمہاری کوئی مدد کر سکتی۔"
اولگا نے اداس ہو کر سر جھکا لیا۔
"خالہ! کاش! اس وقت ہمارے پڑدادا زارِ روس
کے وشوں کا خزانہ ہمارے پاس ہوتا۔ پھر ہمیں کسی قسم
کی فکر کرنے کی ضرورت نہ رہتی۔"
"کاش بیٹی! ایسا ہو سکتا۔ مگر خزانے کی تو ہمیں بھی
خبر نہیں ہے۔" خالہ نے کہا۔
ناگ خاموشی سے ان کی باتیں سُن رہا تھا جب
وہ دونوں خاموش ہو گئیں تو ناگ نے کہا۔ "خالہ روپوں
کا بندوبست کر لیا جائے گا۔"
خالہ نے حیران ہو کر ناگ کی طرف دیکھا۔ اولگا بھی
ناگ کا منہ تکنے لگی۔
"تم ..... تم کہاں سے کرو گے اتنی رقم کا بندوبست؟"
ناگ نے مسکرا کر کہا۔ "جادو کے زور سے۔"
خالہ نے چونک کر پوچھا۔ "کیا کہا؟ جادو کے
زور سے؟"
اولگا نے مسکرا کر کہا۔ "ہاں خالہ! یہ تو میں

تمہیں بتانا ہی بھول گئی تھی کہ ناگ بھائی کو کالا
جادو بھی آتا ہے۔"

خالہ بولی۔ "تو بیٹا پھر فوراً جادو کے زور سے
روپے پیدا کر لو۔ کیونکہ روپے کے بغیر میری
بیٹی یہ سفر کبھی طے نہیں کر سکے گی۔"

ناگ بولا۔ "اس وقت کوئی ایک لاکھ روپے
تو میرے پاس موجود ہیں۔"

اور اتنا کہہ کر ناگ نے اپنی جیب میں سے ایک
لاکھ روپے کی مالیت کے چار ہیرے نکال کر میز
پر رکھ دیئے۔ لیمپ کی روشنی میں ہیروں کی
چمک دمک نے خالہ اور اولگا کی آنکھوں کو خیرہ کر
دیا۔ خالہ نے ایک ہیرے کو اٹھا کر ہاتھ میں لیا،
اور اسے شوق بھری نگاہوں سے تکتے ہوئے بولی۔
"بیٹے! اتنا بڑا ہیرا تمہیں کہاں سے مل گیا؟ خدا
بخشے میری نانی کے پاس ایسے ہیرے ہوا کرتے
تھے۔ کہا کرتی تھی کہ زار روس کے گھر جاتی ہوں
تو وہ دو چار ہیرے دے دیتا ہے۔"

اولگا نے بھی ہیروں کی بڑی تعریف کی اور پوچھا۔
"مگر یہ ہیرے تمہارے پاس کہاں سے آ گئے؟"

ناگ ہنسا اور بولا۔ "بس آ گئے جہاں سے آنے
تھے۔ اب میرا خیال ہے کہ ان کو کسی جگہ فروخت
کرنا چاہیے۔"

اولگا کہنے لگی۔ "یہ تو بڑی مشکل بات لگتی ہے
میرا خیال ہے یہاں انہیں کون خریدے گا اور ہم
کہاں بیچنے جائیں گے؟"

خالہ نے کہا۔ "ایسی مشکل بات نہیں ہے یہ۔
میری ایک جاننے والی ہے۔ اس حکومت میں آ کر
نئی نئی امیر ہوئی ہے۔ ویسے مجھ سے بڑی محبت
سے ملتی ہے۔ اس نے ایک بار مجھے کہا تھا کہ
تانیا! اگر کبھی تمہارے پاس اپنے خاندانی جواہرات
کہیں سے آ گئے تو سیدھی لے کر میرے پاس آ جانا۔
میں انہیں اسی وقت خرید لوں گی۔"

اولگا نے پوچھا۔ "کیا اس کے پاس اتنی رقم ہوگی؟"

خالہ نے جواب دیا۔ "اری وہ تو اگر چاہے تو
ساری دنیا کے ہیرے جواہر خرید لے۔ کہہ جو دیا نئی نئی
امیر ہوئی ہے۔ جنگ کے دنوں میں تو اس کے خاوند
نے کروڑوں کمائے ہیں۔ کسی کو بتانے نہیں کہ ان
کے پاس اتنی دولت ہے۔"

ناگ نے کہا۔ "تو پھر خالہ آج ہی اس کے پاس لے جاؤ یہ ہیرے۔ تاکہ ہم کل شام کو یہاں سے کُوچ کر جائیں۔"

"بہت اچھا بیٹے! مَیں آج ہی جاتی ہوں اس امیر زادی کے گھر۔"

شام کے وقت اولگا کی خالہ نے ان دونوں کو اپنے تہہ خانے میں ایک جگہ چھپا دیا اور خود مکان کو باہر سے تالا لگا کر ہیرے ہتھیلی میں ڈال اس امیر زادی کی طرف روانہ ہو گئی۔

دوسری طرف سارے ملک میں جاسوسوں کو خبردار کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ خطرناک جاسوس عورت اور ایک مرد چھ سات سرکاری آدمیوں کا خون کر کے جیل سے فرار ہو چکے تھے۔ اولگا کی تلاش میں ساری خفیہ پولیس ہوشیار ہو گئی تھی اور جگہ جگہ ہر شہر میں چھاپے مارے جا رہے تھے۔ خفیہ اور دوسری پولیس کو معلوم تھا کہ ورشکا قصبے میں اولگا کی خالہ تانیا رہتی ہے جو اگرچہ حکومت کی طرف سے لگائے گئے الزامات سے بَری ہو چکی ہے مگر آخر زار روس کے خاندان سے ہے۔ اور اولگا ضرور اس کے پاس آ سکتی ہے۔

پس پولیس نے تانیا خالہ کے گھر کی نگرانی شروع کر رکھی تھی۔

خوش قسمتی یہ ہوئی کہ جس روز نگرانی شروع ہوئی۔ اس سے ایک روز پہلے ناگ اور اولگا اس گھر میں داخل ہو چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ سمجھدار خالہ ان دونوں یعنی ناگ اور اولگا کو گھر سے باہر نکلنے نہیں دیتی تھی۔ خالہ کے گھر کی نگرانی دو جاسوس کر رہے تھے۔ جس وقت خالہ امیر زادی کے گھر کی طرف روانہ ہوئی تو انہوں نے اسے جاتے اور گھر کو تالا لگاتے دیکھا۔ وہ چلی گئی تو ایک جاسوس نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہ عورت کافی ہوشیار ہے۔ یہ ہمیں اپنی چال ڈھال سے کبھی پتہ نہیں چلنے دے گی کہ اس کے دماغ میں اور اس کے گھر کے اندر کیا ہے؟"

دوسرا بولا۔ "تو پھر تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"میرا تو خیال ہے کہ اس کے گھر کی تلاشی لینی چاہیے۔ مجھے کچھ یقین سا ہونے لگا کہ اس خالہ آفت کی پڑیا نے اولگا اور دوسرے جاسوس کو گھر کے تہہ خانے میں کہیں چھپا رکھا ہے۔ آخر دوسرا جاسوس اسی قصبے کے ریلوے سٹیشن پر گم ہوا تھا۔"

"تو پھر چلو چل کر تلاشی لے لیتے ہیں۔ تالا کھولنے
میں تو میں ماہر ہوں۔"

"چلو"

دونوں جاسوس کمین گاہ سے نکلے اور سیدھے خالہ
کے مکان پر آ گئے۔ دروازے پر تالا لگا تھا۔ ایک
جاسوس نے جیب سے نکال کر تالے کے سوراخ میں
کچھ اس طرح سے گھمائی کہ کٹک کی آواز کے ساتھ
تالا کھل کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ وہ دروازہ کھول
کر مکان میں داخل ہو گئے۔ سادہ سا کمرہ تھا۔ سماوار
اور چائے کی پیالیاں الماری میں سلیقے سے رکھی ہوئی
تھیں۔ کونے میں پردے کے پیچھے بستر لگا تھا۔ دیوار
میں کپڑے کی الماری تھی۔ جو بند تھی۔ بائیں جانب
باتھ روم تھا۔

سارا گھر خالی تھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

"یار! یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ تمہارا
تہہ خانہ کہاں ہے جس کے بارے میں تمہارا شبہ ہے۔
کہ دونوں مفرور وہیں چھپے ہوں گے؟"

"وہ تہہ خانہ اگر ہو گا تو پچھلے کمرے کے نیچے
کسی جگہ ہو گا۔"

ایک چھوٹا سا کمرہ پیچھے بنا ہوا تھا۔ اصل میں
اسی کمرے کے نیچے تہہ خانہ تھا۔ تہہ خانے میں
اولگا اور ناگ چھپے بیٹھے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ آپس
میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ جونہی انہوں نے اوپر
کسی کے چلنے کی آواز سُنی تو چپ ہو گئے۔ اولگا سمجھی
کہ شاید خالہ آ گئی ہے۔ وہ آواز دینے ہی لگی تھی
کہ ناگ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"شی! کیا معلوم کوئی دشمن ہو اور ہماری تلاش
میں آیا ہو۔"

اولگا کا دل دشمن کا نام سُن کر دھک سے رہ
گیا۔ اسے ایک بار پھر جیل کی کوٹھڑی اور اذیت
کے لمحے یاد آنے لگے۔ کمرے میں دونوں جاسوس
تہہ خانے کے خفیہ راستے کو تلاش کر رہے تھے۔ وہ
ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ ناگ
نے آہستہ سے کہا۔

"دیکھا تم نے؟ یہ خالہ نہیں ہے۔ دو آدمی اوپر
چل پھر رہے ہیں۔ وہ تہہ خانے کا راستہ ڈھونڈھ
رہے ہیں۔ ضرور یہ سرکاری جاسوس ہیں۔ تم اس
کونے والی بوری کے پیچھے چھپ جاؤ۔ اگر ان لوگوں

کو راستہ مل گیا تو میں ان کا مقابلہ کروں گا۔"
اور ایسا ہی ہوا۔ اوپر راستہ تلاش کرتے کرتے
آخر ایک جاسوس نے کونے میں بچھائی ہوئی دری
اٹھائی تو نیچے لکڑی کا ایک تختہ دکھائی دیا۔
"مل گیا! گریگوری دروازہ مل گیا۔"
دوسرا جاسوس لپک کر ادھر آیا۔ لکڑی کا تختہ
اٹھایا تو سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ ایک جاسوس
نے سرگوشی میں کہا۔
"تم اوپر ٹھہرو میں نیچے جاتا ہوں۔ دونوں
مفرور اسی تہہ خانے میں ہیں۔"
ایک جاسوس پستول نکال کر باہر کھڑا ہو گیا۔
اور دوسرے جاسوس نے پستول نکال کر ہاتھ میں
تھاما اور نیچے تہہ خانے کی سیڑھیاں اترنے لگا۔
تہہ خانے کا دروازہ کھلنے اور سیڑھیوں پر جاسوس
کے قدموں کی آواز ناگ اور اولگا نے بھی سن
لی تھی۔ اولگا کونے میں بوری کے پیچھے چھپ
کر بیٹھی تھی۔ اور ناگ سانپ کی شکل بن کر
سیڑھیوں کے ساتھ ہی اندھیرے میں چھپا
جاسوس کے نیچے اترنے کا انتظار کر رہا تھا۔

جاسوس سیڑھی اتر کر تہہ خانے میں آ گیا۔
یہاں اندھیرا تھا۔ اس نے جیب سے ٹارچ نکال
کر روشن کی اور اس کی روشنی تہہ خانے کے
چھوٹے سے کمرے میں ڈالی۔ اسے ایک بوری
کے پیچھے کچھ شکل سی نظر آئی۔ وہ لپکا اور
اس نے اولگا کو باہر نکال لیا اور پستول اس
کے سینے پر رکھ دی۔
"خاموشی سے اوپر چلو۔ تمہارا ساتھی کہاں ہے؟"
اولگا نے کوئی جواب نہ دیا۔ جاسوس نے
اسے زور سے تھپڑ مار دیا۔ اولگا بے چاری
نیچے گر پڑی۔ جاسوس نے اوپر آواز دی۔
"اولگا گرفتار کر لی گئی ہے۔ میں آ رہا ہوں۔"
"جلدی اوپر لاؤ۔"
اوپر والے جاسوس نے خوش ہو کر کہا۔ یہ
ان کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ اتنا بڑا کارنامہ
انجام دینے پر انہیں زبردست ترقی ملنے کی
امید تھی۔
جاسوس نے اولگا کو آگے لگا لیا اور سیڑھیاں
چڑھنے لگے۔ سانپ اسی وقت کا انتظار کر رہا

تھا۔ اولگا بھی حیران تھی کہ ناگ کہاں چلا گیا
ہے؟ آخر وہ خاموش کیوں ہے؟ ناگ تہہ خانے
کی چھت کے ساتھ چپکا ہوا تھا اور اپنے زہریلے
دانت تیار کر رہا تھا۔

جونہی جاسوس سیڑھیاں چڑھ کر اس کے قریب
آیا۔ اس نے لپک کر اس کی گردن کو دبوچ لیا،
اور ساتھ ہی ڈس دیا۔ جاسوس کے جسم پر ناگ
کے حملے کا پہلا اثر یہ ہوا کہ اس کی گردن کی رگیں
بند ہو گئیں اور وہ آواز نہ نکال سکا۔ پستول اس
کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اگر ہاتھ میں ہوتا بھی تو وہ
سانپ پر گولی نہیں چلا سکتا تھا۔ کیونکہ سانپ اس
کی گردن کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ اس طرح سے وہ
خود بھی مر سکتا تھا۔

اب زہر نے اثر کرنا شروع کیا۔ یہ سب کچھ
ایک سیکنڈ کے اندر اندر ہو گیا اور جاسوس سیڑھی
پر سے لڑھک کر تہہ خانے میں گر پڑا۔ اس کے
گرنے کی آواز اوپر بھی گئی۔ دوسرا جاسوس چونک
کر نیچے جھانکنے لگا۔

"کیا بات ہے؟ اوپر کیوں نہیں آتے؟"

نیچے سے کوئی جواب نہ آیا تو اوپر والے
جاسوس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے سوچا کہ نیچے ضرور
کوئی حادثہ ہو گیا ہے اس کے ساتھی کے ساتھ۔
پس وہ پستول ہاتھ میں لے کر نیچے اُتر آیا۔ نیچے
آکر اس نے ٹارچ کی روشنی ڈالی تو فرش پر
اس کے ساتھی کی لاش پڑی تھی۔ وہ اس پر
جھکا ہی تھا کہ پیچھے سے ناگ نے سانپ کی شکل
میں اس کی گردن بھی دبوچ لی۔ تھوڑے ہی وقت
کے بعد دوسرا جاسوس بھی اگلے جہان کی سیر کر رہا
تھا۔

سانپ انسان کی شکل میں آ گیا۔
اولگا بھی ایک طرف سے نکل کر سامنے آ گئی۔ تہہ خانے
میں دو لاشیں پڑی تھیں۔ اوپر چھت کا تختہ ہٹا ہوا
تھا۔ ناگ نے پہلا کام تو یہ کیا کہ اوپر جا کر مکان
کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ پھر تہہ خانے میں
آکر بیٹھ گیا۔ اولگا نے کہا۔
"یہ کم بخت لاشیں کہاں جا کر جمع کرائیں گے؟"
ناگ نے ہنس کر کہا۔ "فکر نہ کرو۔ انہیں ایسی جگہ
جا کر دفن کریں گے کہ ساری زندگی ان کی پولیس

کھوج نہ لگا سکے گی۔"

یہ دونوں خالہ کا انتظار کرنے لگے۔

ادھر خالہ جب امیرزادی کے گھر پر پہنچی تو اس نے بڑی آؤ بھگت کی۔ امیرزادی جانتی تھی کہ میں تو نئی نئی امیر ہوئی ہوں۔ لیکن خالہ خاندانی امیرزادی ہے اور زار روس کے شاہی خاندان میں سے ہے۔ اس لیے وہ اس کی بڑی عزت و احترام کیا کرتی تھی۔ خالہ کے لیے امیرزادی نے قہوہ منگوایا۔ پھر اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر کے پوچھا کہ خالہ کیسے آئی ہو؟ خالہ نے دائیں بائیں دیکھ کر اطمینان کیا کہ وہاں کوئی غیر نہیں ہے تو تھیلی میں سے دونوں بڑے ہیرے نکال کر سامنے رکھ دیئے۔ امیرزادی نے اتنے حسین، دلکش اور بڑے ہیرے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ بڑی خوش ہوئی۔ خالہ نے بتایا کہ اس کی ایک رشتے دار عورت یہ لے کر آئی ہے۔ بس خاندان کی ایک ہی نشانی یہ دو ہیرے رہ گئے تھے۔ اسے روپوں کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ اس لیے فروخت کر رہی ہے۔ امیرزادی نے کہا۔

"خالہ! کوئی بات نہیں ہے۔ میں خریدنے کو تیار ہوں۔ ہیرے بھی بڑے خاندانی لگ رہے ہیں۔ کتنے روپے مانگ رہی ہے وہ خاتون؟"

خالہ نے حساب لگا کر کہا۔

"اسے اس وقت ڈیڑھ لاکھ روپوں کی اشد ضرورت ہے۔ کہہ رہی تھی کہ اگر یہ ہیرے بازار میں لے جا کر فروخت کروں تو دو لاکھ سے کم نہیں ملیں گے۔ مگر بہن! تم تو جانتی ہو کہ وہ بازار میں اسے فروخت نہیں کر سکتی۔ پولیس پوچھے گی کہ باقی ہیرے کہاں ہیں؟"

"ہاں خالہ میں سمجھتی ہوں۔ اچھا ایسا کرو کہ اس وقت تو میں ایک لاکھ روپے سے زیادہ نہیں دے سکتی۔ اگر منظور ہو تو لے جاؤ۔"

خالہ تانیا کو اور کیا چاہیے تھا۔ جلدی سے کہنے لگی۔

"تم ایک لاکھ ہی دے دو بی بی۔ میں اسے راضی کر لوں گی ایک لاکھ پر۔ یہ لو اپنے ہیرے۔"

خالہ تانیا نے ہیرے امیرزادی کے حوالے کئے۔

امیرزادی نے الماری کھول کر اس میں سے ایک

لاکھ روپے کے کرنسی نوٹ گن کر نکالے اور خالہ کے حوالے کر دیئے۔ خالہ نے نوٹ ہتھیلی میں ڈالے اور سلام کر کے امیرزادی کے گھر سے رخصت ہوئی۔

مکان پر آکر اس نے تالا ٹوٹا پڑا دیکھا تو ماتھا ٹھنکا۔ پھر دروازے کو دھکیلا تو اندر سے بند پایا۔ خالہ تانیا پریشان ہو کر پیچھے کو ہٹی کہ معلوم کرے اندر کون ہے؟ وہ باتھ روم والی کھڑکی کے پاس آ گئی۔ کھڑکی بھی اندر سے بند تھی۔ اس نے کھڑکی کو اندر کی طرف دھکیلا۔ وہ بند تھی۔ خالہ واپس دروازے کی طرف آئی۔ اس نے زور سے آواز دی۔

”اندر کون ہے؟“

ناگ نے آواز سُنی تو اولگا کو بھیجا۔ اولگا دروازہ کھول کر خالہ کو اندر لے گئی۔ ناگ نے اسے سارا واقعہ سنایا۔ نیچے جا کر سرکاری جاسوسوں کی لاشیں بھی دکھا دیں۔ خالہ تو حیران بھی ہوئی اور خوش بھی ہوئی کہ ایک بلا گھر پر نازل ہوئی تھی جو ٹل گئی۔ کیونکہ اگر ان دونوں

ے کوئی ایک بھی بچ کر نکل جاتا تو اس گھر مصیبت نازل ہو سکتی تھی۔ خالہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”تہہ خانے والی لاشوں کا کیا بنے گا اب؟ ان کو کون ٹھکانے لگائے گا۔“

ناگ نے پوچھا۔ ”خالہ یہ تو بتاؤ کہ جس کام کے لیے تم گئی تھیں اس کا کیا بنا؟“

”وہ ہو گیا ہے۔ یہ لو ایک لاکھ روپے ملے ہیں۔“

ناگ نے کہا۔ ”خالہ فکر نہ کرو۔ میں آج ہی شام ان دونوں لاشوں کو ٹھکانے لگا دوں گا۔ اب یہ بتاؤ کہ ان روپوں میں سے تمہیں کتنے دے کر جائیں؟“

”ارے بیٹا مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے یہ تو تمہارے لیے ہیں۔ راستے میں تمہیں اُن کی اشد ضرورت پڑے گی۔“

اولگا بولی۔ ”میرا خیال ہے کہ ہمیں آج ہی شام اندھیرا ہونے کے بعد یہاں سے کوچ کر جانا چاہیے۔ اور شام کے بعد ان لاشوں کو بھی

ٹھکانے لگانا ہو گا۔"

"سب کچھ ہو جائے گا۔" ناگ نے کہا اور تہہ خانے
میں سے باہر نکل کر وہ سب اوپر آ گئے اور
شام کے اندھیرے کا انتظار کرنے لگے۔

•

موت کا کیمپ

شام ہونے ہی ناگ نے دونوں لاشیں تہہ خانے
کے اندر ہی زمین کھود کر دفن کر دیں۔ باہر وہ
انہیں اس لیے نہ لے کر آیا کہ جاسوس باہر پہرہ
دے رہے تھے۔ خطرہ تھا کہ انہیں پتہ چل جائیگا
اور خالہ پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ آخر یہی فیصلہ
کیا گیا کہ تہہ خانے میں ہی گڑھا کھود کر لاشوں
کو ٹھکانے لگا دبا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اب ناگ اور اولگا کو وہاں سے نکلنا تھا
رات کے اندھیرے میں اس طرح سے فرار ہونا
تھا کہ باہر جو جاسوس نگرانی کر رہے تھے انہیں
کانوں کان خبر نہ ہو۔ ناگ نے اپنے اور اولگا
کے لیے سیاہ رنگ کے گرم اوور کوٹ بنوا رکھے
تھے جن کی ٹوپیاں بھی سیاہ تھیں۔ تاکہ اندھیرے
میں وہ نظر نہ آئیں۔ جب رات گہری ہو گئی
اور چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا تو ناگ اور

اولگا نے خالہ تانیا سے اجازت لی اور مکان
کی پچھلی کھڑکی سے باہر کھیت میں کود گئے۔
وہ جُھک کر کھیتوں کھیت چلتے باغ کی جھاڑیوں
میں آکر دم سادھے لیٹ گئے۔ وہ یہ پتہ کرنا
چاہتے تھے کہ کوئی جاسوس ان کے پیچھے تو نہیں
ہے؟ رات خاموش تھی اور سخت سردی تھی۔ اگرچہ
ہوا نہیں چل رہی تھی مگر سردی ہڈیوں میں گھس
رہی تھی۔ ناگ نے لیٹے لیٹے گردن اٹھا کر جھاڑیوں
سے باہر دیکھا۔ فضا سنسان تھی۔ اندھیرے میں
تاروں کی ہلکی سی روشنی تھی۔ جس میں دُور تک
کھیت ویران تھے۔ آگے جا کر ایک ٹیلہ کھڑا تھا۔
انہیں اس ٹیلے کے پار ایک چھوٹے سے سٹیشن
تک جانا تھا۔ یہ سفر پچاس میل کا تھا۔ اور ان
دونوں کو پیدل ہی طے کرنا تھا۔ ناگ اس سفر کو
پیدل طے کرنے کے خلاف تھا۔ مگر وہاں انہیں
کوئی سواری نہیں مل سکتی تھی۔
اولگا نے سرگوشی سے پوچھا۔
"کوئی ہے کیا؟"
"نہیں۔ دُور دُور تک میدان صاف ہے۔"

ناگ نے کہا۔
"تو پھر آگے بڑھو۔"
اولگا بولی۔
ناگ نے اولگا کو ساتھ لیا اور کھیتوں کھیت پہاڑی
کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ تیز تیز چل رہے تھے۔
تاکہ صبح کی روشنی سے پہلے پہلے کافی فاصلہ طے کر لیں۔
تیز چلنے سے سردی کا احساس بھی کم ہو گیا تھا۔ پھر
بھی پچاس میل کا فاصلہ بڑا فاصلہ ہوتا ہے اور
پیدل طے کرنا خاص طور پر ایک عورت کے لیے
بڑی مشکل بات تھی۔ ناگ اِدھر اُدھر سواری
کے لیے بھی نظر دوڑائے جا رہا تھا۔
آدھی رات کے بعد تک انہوں نے کوئی دس ایک
میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ اولگا اب تھک کر چُور
ہو گئی تھی۔ رات ڈھلنے لگی تو انہوں نے ذرا فاصلے
پر اندھیرے میں ایک مکان کی چھت ابھرتی دیکھی۔
یہ شاید مویشی خانہ تھا۔ ناگ کی آنکھوں میں امید
کی کرن چمکی۔ اس نے اولگا سے کہا۔
"تم یہیں ٹھہرو۔ مَیں اس مکان میں جا کر
دیکھتا ہوں۔ شاید کوئی سواری مل جائے۔"
اولگا کھیتوں کی مینڈھ کی اوٹ میں بیٹھ گئی۔

ناگ چھپتا چھپاتا مویشی فارم کی طرف گیا۔ یہ اک منزلہ گودام سا تھا جس کا دروازہ یونہی لکڑی کے کھٹکے سے باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔ ناگ نے کھٹکا ہٹا کر دروازہ کھولا اور اندر گیا۔ اندر دو سیاہ گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ناگ نے بڑے خاص طریقے سے بڑے پیار کے ساتھ دونوں گھوڑے کھولے اور انہیں قدم قدم چلاتا باہر کھیتوں میں اولگا کے پاس لے آیا۔
یہاں لا کر اس نے اولگا سے کہا۔
"خدا کا شکر ادا کرو کہ سواری مل گئی۔"
انہوں نے اسی جگہ کھڑے ہو کر گھوڑوں پر زین کسی اور پھر سوار ہو کر پہاڑی کی جانب روانہ ہو گئے۔ گھوڑے بے چارے بڑے شریف تھے۔ یا شاید حال ہی میں خریدے گئے تھے کہ سر جھکا کر آگے آگے چل پڑے۔ کافی آگے جانے کے بعد میدان شروع ہو گیا۔ یہاں انہوں نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ فاصلہ بڑی تیزی سے طے ہو رہا تھا۔ پہاڑی اب بالکل قریب آ گئی تھی۔ چنانچہ جب دن نکلا تو وہ پہاڑی کے دامن

میں پہنچ چکے تھے۔ سورج دُھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے روشنی اتنی تیز نہیں تھی۔ پھر چاروں طرف سردی کی وجہ سے کُہرا پھیل گیا۔ یہ ان دونوں کے فرار کے لیے ایک اچھی بات تھی۔ پہاڑی کے پہلو سے نکل کر جب ان کے سیاہ گھوڑے دوسری طرف پہنچے تو انہیں دُور سے ریل کی چیخ کی آواز آئی۔
"ریلوے سٹیشن آ گیا ہے۔"
"اب ہمیں گھوڑوں کو چھوڑ دینا چاہیے۔"
"ٹھیک ہے۔ ہمیں کسی کی امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہیے۔ گھوڑوں کو اسی جگہ چھوڑ دیا جائے گا۔"
اور وہ دونوں گھوڑے سے اُتر آئے۔ اور گھوڑوں کا منہ پیچھے کی طرف کر کے انہیں بھگا دیا۔
"یہ اب سیدھے واپس اپنے تھان پر پہنچ جائیں گے۔"
ناگ نے مسکرا کر کہا۔ اولگا بولی۔
"گھوڑے تو اپنے تھان پر پہنچ ہی جائینگے

ہم اپنے ریلوے سٹیشن کدھر سے جائیں گے؟"
ناگ نے کہا۔ "فکر نہ کرو۔ خالہ تانیا نے
کہا تھا کہ ریلوے سٹیشن پہاڑی کے پار ہے
اور ابھی ابھی ہم نے ریل کی آواز بھی سنی تھی۔
ضرور قریب ہی ہو گا۔"
اولگا اور وہ چل پڑے۔
"کم بخت اس دھند کی وجہ سے دس گز
سے آگے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔"
"بہرحال فکر کی بات نہیں۔ ریلوے سٹیشن
یہاں سے ایک آدھ فرلانگ پر ہی ہو گا۔"
جدھر سے ریل کی آواز آئی تھی انہوں نے
اندازے سے ادھر چلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی
دیر چلنے کے بعد انہیں دھند میں ریلوے سٹیشن
کے سگنل نظر آ گئے۔ اب ایک تکونی چھت
دکھائی دی۔ یہ ریلوے سٹیشن تھا۔ خالہ تانیا کے
بیان کے مطابق یہاں سے انہیں ادبالسنک جانے
والی مال گاڑی رات کو ملنی تھی۔
"ہم سارا دن کہاں گذاریں گے؟ ریلوے
سٹیشن پر خطرہ ہو گا۔ ہمارے فرار کی اطلاع

پیچھے خفیہ محکمے کو مل گئی ہو گی۔"
اولگا کا یہ خدشہ درست تھا۔ ناگ نے کچھ
سوچ کر کہا۔
"میرا خیال ہے کہ ہمیں اسی جگہ کہیں رُک کر
رات پڑنے کا انتظار کرنا ہو گا۔"
اولگا نے کہا۔ "دھند چھٹ گئی تو ہم یہاں
دُور سے دیکھے جا سکیں گے۔"
"تو پھر اس سے بہتر ہے کہ ریلوے سٹیشن
پر ہی چلے چلیں۔ وہاں چل کر شاید چھپنے کے لیے
کوئی اچھی جگہ مل جائے۔"
ناگ کے اس خیال کے ساتھ اولگا نے اتفاق
نہ کیا۔
"ریلوے سٹیشن ایک کھلی جگہ ہے وہاں ہمارے
پکڑے جانے کا خطرہ ہر وقت ہو گا۔ اس لیے
بہتر یہی ہے کہ یہیں کہیں ٹھہر کر رات کا
انتظار کیا جائے۔"
وہ اسی جگہ رُک گئے۔ اب سورج کے اوپر
آنے کے ساتھ ساتھ دھند چھٹنے لگی تھی۔ کھیتوں
کا منظر صاف نظر آنا شروع ہو گیا تھا سٹیشن

ذرا فاصلے پر صاف نظر آ رہا تھا۔ اچانک
ناگ نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔

"وہ عمارت کیسی ہے؟"

اولگا نے دیکھا کہ ذرا فاصلے پر کھیتوں میں
ایک ڈھلائی چھت والی عمارت کھڑی تھی عمارت
کیا کوئی گودام معلوم ہو رہا تھا۔ وہ بولی۔

"یہ کوئی فارم ہے۔ میرا خیال ہے کسان یہاں
گندم اور بھوسہ وغیرہ سٹور کیا کرتے ہیں۔ یہ جگہ
خوب رہے گی۔ بشرطیکہ یہاں کوئی چوکیدار نہ ہو۔"

"میرے ساتھ آؤ۔ دیکھا جائے گا۔"

ناگ نے اولگا کو ساتھ لیا اور اس فارم کے
باہر آ کر رک گیا۔ اس کا ایک ہی دروازہ تھا
جو باہر سے بند تھا۔ ناگ نے دروازہ کھولا۔ دونوں
اندر داخل ہو گئے۔ اندر جگہ جگہ بھوسے کے ڈھیر
لگے تھے۔ یہ مویشیوں کا چارہ تھا جو سردیوں
کے لیے جمع کر لیا جاتا ہے۔ ناگ نے ایک
جگہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ جگہ بڑی خوب رہے گی۔ ہم بڑے
آرام سے رات کا انتظار کر سکتے ہیں۔ آؤ

کھانا کھا لیتے ہیں۔"

انہوں نے خالہ کا دیا ہوا تھیلا کھولا۔ اس
میں سے ڈبل روٹی اور پنیر نکال کر ناشتہ کیا۔
ایک چھاگل میں سے پانی پیا اور آپس میں
آئندہ کے سفر کی باتیں کرنی شروع کر دیں۔
باتیں کرتے کرتے دوپہر ہو گئی۔ انہوں نے دوپہر
کا کھانا بھی اسی جگہ کھایا۔ پھر اولگا کو نیند
آ گئی۔ اور وہ سو گئی۔ ناگ جاگتا رہا۔ پھر
جانے کیا ہوا کہ ناگ کی بھی آنکھ لگ گئی۔
ایک کھٹکا سا ہوا۔ ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ باڑے
میں ایک روشندان سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔
اولگا اور ناگ کونے میں خشک گھاس کے ایک
گٹھے کے پیچھے آرام کر رہے تھے۔

ناگ نے سر اونچا کر کے گٹھے کے اوپر سے
دیکھا۔

ایک کسان بیلچے کی مدد سے گھاس کا ایک
گٹھا اٹھا کر باہر لے جا رہا تھا۔ ناگ خاموش
بیٹھا رہا۔ کسان نے گٹھا باہر نکال کر گھوڑے
پر لادا اور گودام کا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

ناگ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب اس کے
دل میں خواہش ہوئی کہ ذرا باہر چل کر چہل قدمی
کی جائے۔ پس وہ اٹھا اور گودام کی پچھلی کھڑکی
سے باہر کُود گیا اور کھیتوں میں سَیر کرنے لگا۔
کھیتوں میں فصل اونچی تھی۔ ناگ اس میں
چھپ گیا تھا۔ وہ سَیر کرتے کرتے دور نکل
گیا۔ پھر اسے اولگا کا خیال آیا کہ گودام میں وہ
اکیلی ہے۔ اس کے پاس چلنا چاہیے۔ اب
سورج مغرب میں ڈوب رہا تھا اور دن کی
دھندلی روشنی روپوش ہونے لگی تھی۔ ناگ جب
کھیتوں میں فصل کے اندر واپس آ رہا تھا تو
اسے کسی جیپ کے رُکنے اور پھر سٹارٹ ہونے
کی آواز آئی تھی۔ اس نے خیال کیا کہ شاید
کوئی شکاری تیتر بٹیر کا شکار کرتا پھر رہا ہو۔
لیکن جب وہ گودام کے اندر پہنچا تو جیپ کا
راز کھل گیا۔ اولگا وہاں نہیں تھی۔ ناگ
پریشان ہو گیا۔ اولگا کہاں چلی گئی تھی؟ یقیناً
اسے پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ جیپ پولیس
یا خفیہ محکمہ کی تھی۔ وہ لوگ اولگا اور ناگ کی

تلاش میں یہاں تک پہنچ گئے تھے اور آخر انہوں
نے گودام پر چھاپہ مار کر اولگا کو گرفتار کر ہی لیا۔
وہ لوگ ضرور ریلوے سٹیشن کی طرف گئے ہونگے
ناگ نے زمین پر جیپ کے پہیوں کے نشان
دیکھے۔ یہ نشان ریلوے سٹیشن کی طرف جا رہے
تھے۔ ناگ نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر سفید
کبوتر میں اپنے آپ کو تبدیل کیا اور اڑتا ہوا سٹیشن
کی چھت پر آ گیا۔ چھت سے اُڑ کر وہ پلیٹ فارم
کے سامنے ایک ٹیلی فون کے کھمبے پر بیٹھ کر نیچے
دیکھنے لگا۔

یہ ایک چھوٹا سا ریلوے سٹیشن تھا۔ صرف ایک
ہی پلیٹ فارم تھا۔ ناگ کھمبے سے سب کچھ دیکھ
رہا تھا۔ سٹیشن کے تین چار کمرے تھے جو بالکل
سامنے تھے۔ ناگ نے جب سٹیشن کے کونے میں
ایک طرف سرخ اور نیلے رنگ کی جیپ کھڑی
دیکھی تو اسے اطمینان ہو گیا کہ اولگا سٹیشن کی عمارت
کے اندر ہی ہے۔

اب اس نے کھمبے سے اتر کر پلیٹ فارم پر
پھڑ پھڑا کر کمروں کے اندر جھانکنا شروع کر دیا۔

اسے اولگا اور پولیس کے سپاہی کہیں بھی نظر نہ آئے
ناگ پریشان ہو گیا۔ کبوتر کی شکل میں وہ زیادہ تلاش
بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یعنی کمروں میں جاکر اندر تک
کی تلاشی نہیں لے سکتا تھا۔ تو پھر وہ کیا کرے؟
اچانک اسے خیال آیا کہ کیوں نہ وہ ریلوے کے
ملازم کا بھیس بدل لے اور یوں کمروں میں گھوم پھر
کر اولگا کو تلاش کرے۔ بڑا اچھا خیال تھا۔ مگر
ریلوے ملازم کی وردی کہاں سے مل سکتی تھی؟
ناگ نے پہلا کام یہ کیا کہ کبوتر سے انسان کی
شکل میں آگیا۔ وہ ریلوے سٹیشن کے پیچھے جو
کوارٹر بنے تھے وہاں آ گیا۔ ایک کوارٹر کا دروازہ
تھوڑا سا کھلا تھا۔ ناگ نے دروازہ پر دستک دی۔
اس کا خیال تھا کہ روپے دے کر وہ یہاں سے
کوئی وردی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ
روپیہ ہی منہ بند کرا سکتا تھا۔ اور ناگ کے
پاس کافی روپیہ تھا۔
اندر سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ناگ کا
حوصلہ بڑھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا
ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ بالکل خالی پڑا تھا۔ ناگ

کی نظریں وردی تلاش کر رہی تھیں۔ کیونکہ اسے
علوم تھا کہ یہ ریلوے کے کسی ملازم کا کوارٹر ہے۔
اس لیے یہاں کوئی نہ کوئی وردی ضرور ہو گی۔ آخر
ے ایک صندوق میں رکھی نیلے رنگ کی وردی
ل گئی۔ شاید یہ وردی قلی کی تھی۔ کیونکہ سینے پر
ابنے کا نمبر بھی لگا تھا۔
ناگ نے جلدی سے وردی پہن لی اور کوارٹر
ے چپکے سے نکل آیا۔ وہ سیدھا ریلوے سٹیشن آ گیا۔
ڈر اگر تھا تو یہی کہ دوسرے قلی اسے پہچاننے سے
انکار کر دیں گے۔ اور جب وہ اس سے پوچھیں گے
کہ وہ کون ہے تو وہ کیا جواب دے گا؟
"دیکھا جائے گا"
یہ سوچ کر ناگ نے سارے خدشوں کو سر سے
جھٹک دیا اور پلیٹ فارم پر آ کر اولگا کی تلاش
شروع کر دی۔ یہاں سارے چار کمرے تھے۔ ناگ
نے نیلی وردی پہن رکھی تھی۔ سر پر نیلی کشتی نما
ٹوپی تھی۔ اسے سامنے سے ایک قلی آتا نظر آیا۔
ناگ جلدی سے ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ
نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بھانڈا پھوٹ جائے۔ مگر

کمرے میں ایک اور مصیبت اس کا انتظار کر رہی تھی۔

جونہی وہ کمرے میں داخل ہوا ایک موٹی توند والے اکھڑ قسم کے بھاری بھر کم بھالو ایسے آدمی نے غرّا کر اسے اپنی طرف بلایا۔

"حرامی بچے! تو یہاں کیا کر رہا ہے؟ اِدھر آؤ۔"

معلوم ہوا کہ وہ سٹیشن ماسٹر تھا اور بڑا ہی سخت قسم کا انسان تھا۔ قلیوں پر وہ بڑا ظلم کرتا تھا۔ ہر ایک کی اس سے جان جاتی تھی۔ ناگ اس کے پاس آگیا۔ سٹیشن ماسٹر نے اسے سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور پھر پوچھا۔

"تم کون بدتمیز ہو؟ کہاں سے آ گئے؟ پہلے کیوں دکھائی نہیں دیئے؟"

ناگ نے ہوش و حواس برقرار رکھتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"جناب! مَیں کل ہی نیا نیا بھرتی ہوا ہوں۔ میرا نام ورشکا ہے۔ آپ کو سلام کرنے صبح آیا تو تھا۔ آپ بھول گئے ہیں شاید۔"

ناگ نے یونہی اندھیرے میں تیر چلا دیا۔ جو اتفاق سے ٹھیک نشانے پر لگا۔ سٹیشن ماسٹر کند ذہن آدمی تھا۔ سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے یہ نیا قلی آیا ہو۔ پھر اسے گرج کر حکم دیا۔

"الماری سے الف لیلیٰ کی کتاب نکالو اور مجھے کوئی کہانی پڑھ کر سناؤ۔"

ناگ پریشان ہو گیا کہ یہ کیا بیٹھے بٹھائے بلائے ناگہانی سر پر آن پڑی ہے۔ اب کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ گڑ بڑا کر بولا۔

"جناب کونسی الماری؟"

سٹیشن ماسٹر نے ڈانٹ کر کہا۔

"حرامی! تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ مَیں ہر روز شام کی چائے پر الف لیلیٰ کی ایک کہانی سُنا کرتا ہوں اور الف لیلیٰ کی کتاب ہمیشہ ٹکٹوں والی الماری میں پڑی رہتی ہے؟"

"جانتا ہوں جناب! ابھی کہانی سناتا ہوں۔"

ناگ نے سامنے والی الماری کھولی تو اس میں الف لیلیٰ کی کتاب رکھی تھی۔ سٹیشن ماسٹر چائے کا بڑا پیالہ میز پر رکھ کر آرام کرسی پر لیٹ

گیا اور آنکھیں بند کر کے بولا۔

"ہاں سناؤ کہانی۔ شروع کرو الف لیلیٰ کی داستان!"

ناگ نے کتاب کھول کر سیف الملوک کی کہانی سنانی شروع کر دی۔ جب وہ اس جگہ پر پہنچا، جہاں ایک جن سیف الملوک کو پکڑ کر قید میں ڈال دیتا ہے۔ اور پھر سیف الملوک کو ایک پری سانپ بن کر ملتی ہے تو سٹیشن ماسٹر نے گول ہیٹ پر ہاتھ پھیر کر اچھلتے ہوئے پوچھا۔

"کیا پریاں بھی سانپ بن جاتی تھیں؟"

ناگ نے کہا۔ "الف لیلیٰ کی کہانیوں میں تو ایسا ہی ہوتا تھا۔"

سٹیشن ماسٹر نے غرا کر کہا۔

"ارے حرامی کے بچے! یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ الف لیلیٰ میں آدمی سانپ بن جاتے تھے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا پریاں بھی سانپ بن جاتی تھیں؟"

ناگ نے کہا۔ "ہاں جناب! بن جایا کرتی تھیں۔"

"کیا اب بھی ایسا ہوتا ہے؟"

ناگ بولا۔ "جی ہاں جناب! آج کل بھی لوگ سانپ بن جاتے ہیں۔"

سٹیشن ماسٹر نے غصے میں غراتے ہوئے کہا۔

"بکواس بند کرو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آجکل کے سائنسی دور میں لوگ سانپ بن جائیں؟"

ناگ کو ایک شرارت سوجھی۔ کہنے لگا۔

"جناب! میں بھی سانپ بن سکتا ہوں۔"

"کیا؟" سٹیشن ماسٹر نے کرسی پر اچھلتے ہوئے کہا۔ ناگ نے مسکرا کر کہا

"میں سانپ ہوں۔ کیا میں آپ کو سانپ نظر نہیں آ رہا؟"

اور اس دوران میں ناگ نے گہرا سانس لے کر اپنے آپ کو سیاہ پھن والے سانپ میں بدل لیا تھا۔ جونہی سٹیشن ماسٹر نے اپنے سامنے قلی کی جگہ ایک سیاہ ناگ کو پھن پھیلائے دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ اور وہ کرسی سے گر پڑا۔ ناگ اسی وقت انسان کی شکل میں واپس آ گیا۔ سٹیشن ماسٹر نے اس کی طرف خوف زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم . . . . تم کون ہو؟"

ناگ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"سنو! میں ایک بہت بڑا جادوگر ہوں۔ میں تمہیں

ہیرے جواہرات سے مالا مال کر دوں گا۔ صرف میرا

ایک کام کر دو۔"

"کیا کام ہے وہ؟"

سٹیشن ماسٹر نے جیسے اپنے آپ ہی پوچھا۔

ناگ نے کہا۔ "میری ایک بہن کو یہاں کی

پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ وہ تمہارے سٹیشن میں

کسی جگہ موجود ہے۔ اگر تم اس کا پتہ لگا کر مجھے

بتا دو تو میں تمہیں ایسا جادوگر بناؤں گا کہ تم زمین

کے اندر کے خزانوں کے مالک بن جاؤ گے۔ اگر

تم نے انکار کر دیا تو میں تمہیں رات کو آ کر

ڈس دوں گا۔ اور تم مر جاؤ گے۔"

سٹیشن ماسٹر ڈر گیا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"نہیں نہیں۔ میں ابھی تمہاری بہن کا کھوج

لگا کر تمہیں بتاتا ہوں۔ تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں

ابھی واپس آتا ہوں۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔"

سٹیشن ماسٹر اسی وقت کمرے سے باہر نکل گیا۔

ہاں کمرے ہی کتنے تھے۔ بھلا۔ چھوٹا سا ریلوے

سٹیشن تھا۔ لیکن کسی کمرے میں کوئی بھی اس حلیے

کی عورت نہیں تھی۔ جو حلیہ ناگ نے اسے بتایا

تھا۔ وہ ایک سٹور روم کے آگے سے گذر رہا تھا

کہ اس نے دو خفیہ جاسوسوں کو دیکھا جن کے درمیان

زمین پر ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ سٹیشن ماسٹر وہاں سے

سیدھا واپس ناگ کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ

سٹور روم میں اولگا موجود ہے۔

"اس کے ساتھ کون ہیں؟"

"دو خفیہ آدمی ہیں۔ مگر بڑے خطرناک ہیں۔ ان

کے پاس پستول بھی ہیں اور زہر بھرے ٹیکے بھی ہیں

اگر وہ شکار ہاتھ سے جاتا دیکھیں گے تو خفیہ ٹیکا

لگا کر اسے ٹھکانے لگا دیں گے۔"

"میں انہیں اتنی مہلت نہیں دوں گا۔ اور ہاں

میرے بارے میں کسی سے ذکر مت کرنا۔ اگر تم

نے کسی سے ذکر کیا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑونگا۔"

سٹیشن ماسٹر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"کبھی نہیں۔ کبھی ذکر نہیں کروں گا۔"

ناگ کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ سٹور روم میں

نہیں جانا چاہتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ خفیہ جاسوسوں
کے پاس اس کا حلیہ بھی موجود ہے اور وہ اسے
بھی دیکھتے ہی پکڑ لیں گے۔ اور اگر ناگ نے مقابلہ
کرنے کی کوشش کی تو ہو سکتا ہے کہ جاسوس کھیل
بگڑتا دیکھ کر خفیہ ٹیکہ لگا کر اولگا کا کام تمام کر دیں۔
ویسے وہ ناگ کو بھی ٹیکہ لگا سکتے تھے۔ وہ پلیٹ
فارم سے نکل کر سٹیشن سے باہر آ گیا۔ اور ایک
طرف دیوار کی اوٹ میں ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا
خیال تھا کہ یہ جاسوس اولگا کو لے کر باہر نکلیں گے
تو وہ ان کا تعاقب کرے گا اور راستے میں اولگا
کو ان سے چھڑا لے گا۔

مگر وہ باہر نہ آئے۔ اتنے میں وہ گاڑی آ گئی۔
جس میں بیٹھ کر ناگ اولگا کو اوبالشک شہر تک جانا
تھا اور جو وہاں سے تین ہزار میل کے فاصلے پر تھا۔
رات ہو گئی تھی۔ گاڑی کچھ جلدی آ گئی تھی یا شاید
اس کا ٹائم بدل گیا تھا۔ اب ناگ کو فکر ہوئی کہ
کہیں جاسوس اولگا کو لے کر گاڑی پر نہ سوار ہو
جائیں۔ وہ قلی کے لباس میں تو تھا ہی اور سٹیشن
ماسٹر اس کا فرمانبردار بن چکا تھا۔ پس وہ پلیٹ فارم

پر آ گیا۔ ریل گاڑی کے ساتھ مال کے ڈبے لگے تھے۔
پیچھے صرف ایک بوگی ایسی لگی تھی جس میں چند
ایک مزدور قسم کے لوگ سوار تھے۔ شاید انہیں
بیگار میں پکڑ کر سائبیریا کے کسی کیمپ میں لے جایا
جا رہا تھا۔ ان کی حالت بڑی پتلی ہو رہی تھی۔ ناگ
نے ایک طرف کھڑے ہو کر سٹور روم کی جانب
دیکھا۔ دونوں جاسوس اولگا کو بازو سے پکڑے ریل
کی طرف لیے آ رہے تھے۔

پھر وہ بوگی کے ساتھ لگے گارڈ کے کمپارٹمنٹ
میں داخل ہو گئے۔ ناگ بھی ساتھ والی بوگی میں سوار
ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ٹرین چل پڑی۔ رات کے
اندھیرے میں ٹرین بھاگتی چلی گئی۔ ساری رات گذر
گئی اور ریل کسی جگہ پر بھی نہ ٹھہری۔ ناگ نے
سوچا خالہ تانیا ٹھیک ہی کہتی تھی کہ یہ ریل گاڑی
بڑے لمبے سفر پر جائے گی اور راستے میں بس دو
ایک سٹیشنوں پر ہی ٹھہرے گی۔

دن نکلا تو ناگ نے دیکھا کہ ریل خشک میدانوں
سے گذر رہی تھی۔ دور کہیں کہیں ٹیلوں پر برف
جمی نظر آ رہی تھی۔ بڑی سخت سرد ہوا چل رہی

تھی۔ اگرچہ ڈبے کی کھڑکیاں بند تھیں اور شیشے
چڑھے تھے۔ لیکن اندر سخت سردی تھی۔ ناگ
نے گرم سموری پرانے قسم کا نیلا کوٹ پہن لیا تھا۔
اب وہ یہ چاہتا تھا کہ سٹیشن آئے تو یہ پتہ کرے
کہ اولگا کس حال میں ہے اور یہ جاسوس اسے
کہاں لیے جا رہے ہیں؟ شاید یہ لوگ اسے
سائبیریا کی کسی جیل میں جا کر قید کرنے لیے جا
رہے ہیں؟

ریل سارا دن چلتی رہی۔

کسی جگہ بھی نہ رکی۔ چھوٹے چھوٹے دو ایک
سٹیشن آئے اور گذر گئے۔ ٹرین وہاں بھی نہ رکی۔
آخر شام کے وقت جب کہ میدانوں میں برف ہی
برف نظر آنا شروع ہو گئی تھی ٹرین کی رفتار آہستہ
ہو گئی۔ میدانوں میں ہلکا ہلکا سرمئی اندھیرا پھیل
گیا تھا اور سردی اور دھند کی وجہ سے شام جلدی
آ گئی تھی۔ ناگ نے کھڑکی میں سے سر باہر نکال
کر دیکھا۔ دور ایک سرخ بتی چمک رہی تھی۔
کوئی سٹیشن آ رہا تھا۔ ناگ نے محسوس کیا کہ
کچھ مسافر نیچے اترنے کو تیار ہو رہے ہیں۔ اس

نے روسی زبان میں ایک مزدور سے پوچھا۔
"کونسی جگہ آ رہی ہے؟"
ایک روسی مزدور نے فرش پر تھوک کر کہا۔
"جہنم"
دوسرے مزدور نے پوچھا۔ "کیا تم نہیں جانتے
کہ ٹراٹسکی کیمپ آ رہا ہے؟ جہاں روسی غداروں
کو زمین دوز تہہ خانوں میں تڑپا تڑپا کر مار دیا جاتا
ہے۔"

ناگ نے گردن ہلا کر کہا۔ "اوہ سمجھ گیا۔ اصل
میں میں سوار تھا۔ خیال ہی نہیں آیا کہ ہم ٹراٹسکی
پہنچ رہے ہیں۔"

اندر سے ناگ سمجھ گیا کہ اولگا کو اسی کیمپ میں
لے جایا جا رہا ہے۔ اس نے دروازے میں کھڑے
ہو کر قریب آئے سٹیشن کی عمارت کو دیکھا۔ عمارت
کے اوپر ایک بلب روشن تھا۔ ٹرین پلیٹ فارم
پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہاں کوئی بھی مسافر نہیں تھا
انتہائی سخت سردی میں کچھ پولیس والے ریل کی
طرف بڑھے۔ ناگ بھی نیچے اتر آیا۔ اور پرے
جا کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی

نگاہیں گارڈ کے ڈبے پر لگی تھیں۔

اتنے میں وہ دونوں جاسوس اولگا کو لے کر نیچے اترے۔

دو پولیس والے آگے بڑھے۔ انہوں نے آپس میں کچھ باتیں کیں اور اولگا کو ساتھ لے کر سٹیشن سے باہر آگئے۔ دونوں جاسوس دوبارہ ریل میں سوار ہو گئے۔ وہاں سے پولیس والوں نے اولگا کا چارج لے لیا۔ اور اولگا کو ریلوے سٹیشن سے باہر کھڑی ایک جیپ میں لے جاکر بٹھایا اور ٹراٹسکی کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ناگ بھی ہوشیار ہو چکا تھا۔ اس نے فوراً کبوتر کا بھیس بدلا اور جیپ کے اوپر اوپر پرواز شروع کر دی۔ وہ ذرا ہٹ کر آسمان میں اُڑ رہا تھا۔ اسے اولگا دونوں سپاہیوں کے بیچ میں بیٹھی صاف نظر آ رہی تھی۔ ایک دو بار اولگا نے بھی اوپر منہ اٹھا کر کبوتر کو دیکھا اور دل میں سوچنے لگی کہ ضرور یہی ناگ ہو گا اور جادو کے زور سے کبوتر بن کر اس کے ساتھ ساتھ اُڑ رہا ہے۔

ٹراٹسکی کیمپ وہاں سے بیس اکیس میل کے

اصلے پر برچ کے ایک ویران ٹنڈ منڈ جنگل کے پیچھے تھا۔ کیمپ کیا تھا بس ایک جگہ میدان کے ارد گرد چھ چھ مرد اونچی کانٹے دار تاروں کی باڑھ کھڑی کر دی گئی تھی۔ چاروں کونوں پر برُج بنے تھے جن میں سپاہی چوبیں گھنٹے سٹین گنیں لیے پہرہ دیتے تھے۔ دروازے پر ایک اونچا لمبا کرخت لہجے والا وجی کھڑا ہر ایک کی چیکنگ کر رہا تھا۔ سپاہی اولگا کو لے کر گیٹ کی طرف بڑھے۔

دروازے پر پہرے داروں نے چیکنگ کی۔ اور ندر جانے کی اجازت دے دی۔ اولگا کو کیمپ مانڈر کے حوالے کر کے سپاہی واپس چلے گئے۔ کیمپ مانڈر نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اولگا کو ایک مین کے اندر بنے ہوئے تہہ خانے میں بند کر کے ں کے سلاخوں والے دروازے پر تالا لگوا دیا۔ ر حکم دیا کہ اس لڑکی کو سوائے گرم کافی کے اور کچھ دیا جائے۔

رات ہو گئی تھی۔ سرد برفانی علاقے میں ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ناگ کبوتر کے روپ میں یمپ کی ایک دیوار کے اوپر بیٹھا اندھیرا ہونے کا

انتظار کر رہا تھا۔ جب ہر طرف تاریکی پھیل گئی تو وہ دیوار سے نیچے اترا اور اس مقام پر آ گیا جہاں کیمپ کے برآمدے میں ایک دروازہ بنا تھا۔ اور ایک فوجی وہاں پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ دیوار کی اوٹ میں ہو گیا اور اس نے ایک چھوٹے سے سیاہ سانپ کی شکل بدل لی۔ اس لیے کہ رات کے اندھیرے میں سیاہ سانپ دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔

ناگ فرش پر دیوار کے ساتھ ساتھ رینگتا ہوا دروازے کے اوپر آ گیا اور پہرہ دینے والے کے سر کے اوپر سے ہو کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ سانپ رینگتا گیا۔ کچھ فاصلے پر پہنچ کر روشنی دکھائی دی۔ یہ ایک معمولی سے بلب کی روشنی تھی۔ یہاں سے ایک زمین دوز تہہ خانے کو راستہ جاتا تھا۔ جس کے اندر اولگا قید تھی۔

اولگا کوٹھڑی کے کونے میں گھاس پھوس کے بستر پر پڑی تھی۔ اس نے دو موٹے گرم کمبل اوپر ڈال رکھے تھے۔ اسے سخت بھوک لگ رہی تھی دوپہر سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ صرف دو پیالی کڑوی کافی ہی اسے دی گئی تھی۔ وہ ناگ

کے بارے میں بھی پریشان تھی۔ کیونکہ یہاں سے وہی اسے نکال سکتا تھا۔ کسی دوسرے کی ہمت نہیں تھی کہ یہاں پَر بھی مار سکے۔

اتنے میں اولگا کو اپنے قریب ہی سرسراہٹ سنائی دی۔

اس نے گردن گھما کر دائیں جانب دیکھا۔ ہلکی ہلکی روشنی میں اسے ایک کالا چھوٹا سا سانپ گھاس پر کنڈلی مارے بیٹھا نظر آیا۔ پہلے تو وہ ڈر گئی۔ کہ یہ سانپ کہاں سے آ گیا؟ پھر اس کا خیال ناگ کی طرف چلا گیا۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

"ناگ بھائی! یہ تم ہو نا؟"

سانپ نے آہستہ سے پھنکار ماری اور پھر زمین پر رینگتے ہوئے سلاخوں والے دروازے کے پاس جا کر دیکھا۔ وہاں جو پہرے دار تھا وہ سٹول پر نیم دراز دیوار سے ٹیک لگائے سو رہا تھا۔ سانپ واپس آیا اور کونے میں جا کر اس نے انسان کی شکل اختیار کر لی۔ اولگا اپنے بھائی ناگ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہاری شکل نظر آئی"

میں تو نا امید ہو گئی تھی۔"

ناگ نے کہا۔ "میں تمہارا برابر پیچھا کر رہا تھا۔ میں تو اسی ٹرین میں تھا جس میں تم سفر کر رہی تھیں۔ بہر حال اب میں آ گیا ہوں اور تم بہت جلد یہاں سے آزاد ہو جاؤ گی۔"

●

اولگا نے بتایا کہ وہ بھوک سے پریشان ہے۔

ناگ نے کہا۔ "میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لے کر آتا ہوں۔ باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔"

یہ کہہ کر ناگ سانپ کا روپ بدل کر کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ کھانے کی خوشبو سونگھتے سونگھتے وہ کیمپ کے باورچی خانے کے پاس آ گیا۔ یہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ وہ اولگا کیلیے یہاں سے کھانا لے کر کیسے جائے گا؟ بہر حال وہ آدمی کی شکل میں آ گیا۔ اس نے باورچی خانے میں داخل ہو کر دیکھا کہ فرج بھُنے ہوئے بطخ کے گوشت سے بھرے پڑے ہیں۔ اس نے ایک لفافے میں بطخ کے گوشت کے کچھ ٹکڑے ڈالے اور انہیں لے کر انسان ہی کی شکل میں واپس چل پڑا۔ سانپ کی شکل میں وہ گوشت لے کر نہیں جا سکتا تھا۔

اب وہ کیمپ کے پچھواڑے آ گیا۔ یہاں اس نے ایک دیوار پھاندی اور کیمپ کے اندر آیا۔ اب ضروری تھا کہ تہہ خانے تک پہنچنے کے لیے پہرے دار سے مٹھ بھیڑ ہو۔ پس اس نے گوشت

کا تھیلا ایک طرف برآمدے میں رکھا۔ سانپ بن کر
پہرے دار کے پاس آیا۔ پہرے دار سنگین اٹھائے
پہرہ دے رہا تھا۔ سانپ نے اسے ڈس دیا۔ وہ
تیورا کر گر پڑا۔ ناگ نے واپس آکر تھیلا اٹھایا اور
کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں سے آگے وہ دروازہ
تھا جس کے باہر والا پہرے دار سو رہا تھا۔

ناگ اس کے پاس آکر رُک گیا۔ پہلے تو وہ سانپ
بن کر اندر چلا گیا تھا۔ وہ سلاخوں میں سے داخل
ہوا تھا اور اسے تالا کھولنے کی ضرورت محسوس
نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب اسے تالا کھولنے کی ضرورت
تھی۔ پہرے دار کو سوتے دیکھ کر ناگ نے قریب
جا کر اس کے سر پر زور سے ایک ہاتھ مارا اور
پہرے دار بوکھلا کر اٹھا ہی تھا کہ ناگ نے دوسرا
وار کر دیا۔ وہ ایسا گرا کہ پھر نہ اُٹھ سکا۔

اولگا کوٹھڑی میں بیٹھی یہ سارا تماشا دیکھ رہی
تھی۔ ناگ اندر آگیا۔

"یہ لو کچھ گوشت۔ تم تھوڑا بہت کھا کر پیٹ
کی آگ بجھاؤ۔ میں باہر جا کر یہاں سے فرار ہونے
کا انتظام کرتا ہوں۔"

گوشت کا تھیلا اولگا کے پاس چھوڑ کر ناگ
باہر کو بھاگا۔ اصل میں وہ کوئی جیپ یا ٹرک
وغیرہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ابھی سفر کافی
پڑا تھا۔ اس نے گھوم پھر کر دیکھا۔ کیمپ کے گیراج
میں ایک جیپ جو کہ چاروں طرف سے بند تھی پڑی
تھی۔ ناگ نے اسے گھسیٹ کر باہر نکالا اور واپس
اولگا کے پاس آکر بولا۔

"جلدی سے نکل چلو۔ جیپ مل گئی ہے۔"

اولگا کو لے کر ناگ باہر آیا۔ وہ جیپ میں سوار
ہو گئی۔ اور ناگ نے جیپ کو سٹارٹ کئے بغیر آگے
گھسیٹنا شروع کر دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جیپ کے
سٹارٹ ہونے کی آواز سے کیمپ کے سوئے ہوئے
سپاہی جاگ پڑیں۔ وہ کافی دور تک جیپ کو گھسیٹتا
ہوا لے گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ کیمپ سے وہ
کافی فاصلے پر آگیا ہے تو وہ ڈرائیور کی سیٹ پر
آکر بیٹھ گیا اور جیپ کو آہستہ سے سٹارٹ کر دیا۔
جیپ بڑی اعلیٰ قسم کی تھی۔ اس کی مشین نے زیادہ
آواز پیدا نہ کی۔ وہ جلدی سے سٹارٹ ہو گئی۔ ناگ
نے جیپ کو ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ ڈال دیا۔

ان کی منزل اب اوبالشک تھی جو وہاں سے ابھی کافی دُور تھی۔ ساری رات جیپ لائن کے ساتھ ساتھ برفانی میدان میں بھاگتی رہی۔ پھر سڑک ریلوے لائن سے دور ہو گئی۔ پھر بھی ناگ نے ریلوے کے ساتھ ساتھ لگے ہوئے بجلی کے کھمبوں کا حساب رکھا اور وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ جیپ میں فالتو پٹرول بھی تھا۔ وہ اگلے روز بھی سفر کرتے رہے۔ شام کو انھوں نے ایک جگہ رُک کر کچھ کھانا وغیرہ کھایا۔ تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ رات بھی سفر میں گذر گئی۔

پیچھے ٹرانسکی کیمپ والوں نے آگے وائرلیس کر دیا تھا کہ ایک خطرناک جاسوسہ اولگا اپنے ساتھی کے ہمراہ کیمپ سے فرار ہو گئی ہے۔ اوبالشک کا چھوٹا سا فوجی شہر اب زیادہ دور نہیں تھا۔ ناگ اور اولگا کو بھی معلوم تھا کہ ان کے فرار کی اطلاع آگے کر دی گئی ہو گی اور وہ لوگ اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں شہر اوبالشک کے پہلو سے ہو کر نکل جانا چاہیے۔"

اولگا بولی۔ "ہماری جیپ دُور سے دیکھی جا سکے گی۔ بہتر ہے کہ ہم جیپ کو یہاں چھوڑ دیں۔"

ناگ نے کہا۔ "جیپ کے بغیر ہم باتیک تک آسانی کے ساتھ سفر نہ کر سکیں گے۔ اس لیے جیپ کو یہاں چھوڑ دینا حماقت ہو گی۔"

بہرحال اسی قسم کی باتیں کرتے وہ باتیک کے شہر کے قریب پہنچ گئے۔ صبح ہو رہی تھی اور اس کی سرد دھندلی روشنی میں چھوٹے سے شہر کی مخروطی عمارتیں سامنے دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ شہر سے کافی دور ہو کر آگے نکل جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ سارا علاقہ برفانی اور میدانی تھا۔ دور دور تک کوئی ٹیلہ یا پہاڑ نہیں تھا۔ وہ بہت دور سے دیکھے جا سکتے تھے۔ ناگ نے کہا۔

"دعا کرو کہ یہ لوگ شہر کی عمارت سے ہمیں نہ دیکھ سکیں۔ کم بختوں کے پاس دوربینیں بھی ہوں گی وہ بڑی آسانی سے ہمیں دیکھ سکیں گے۔"

اولگا نے کہا۔ "میرا خیال ہے ہمیں اب جیپ کو اسی جگہ پھینک کر پیدل ہی آگے بڑھنا چاہیے۔"

"خدا پر بھروسہ رکھو اولگا! جو ہو گا دیکھا جائے گا"

ناگ کے اس جملے نے اگرچہ اولگا کی ڈھارس بندھائی تھی مگر وہ دل میں بڑی پریشان تھی - اسے خطرہ تھا کہ کسی وقت بھی اس پر گولی چلائی جا سکتی ہے - اوبالشک کا شہر دور ہو رہا تھا - وہ چکر کاٹ کر آگے جا کر پھر سڑک پر چڑھ آئے - یہ سڑک برف کے درمیان بنی ہوئی تھی - اور چھوٹی سی تھی -

اس سڑک پر پہلے ہی سے ٹرک کے پہیوں کے نشان تھے - جیپ اس راستے پر اڑی چلی جا رہی تھی - اچانک جیپ کے انجن نے ایک جھٹکا سا کھایا اور اس میں سے دھواں نکلنا شروع ہو گیا - جیپ کی رفتار میں کمی آ گئی -

„کم بخت اسے کیا ہو گیا ہے؟" اولگا نے پوچھا -

ناگ بولا - „معلوم ہوتا ہے انجن جواب دے گیا ہے -"

اس نے جیپ روک کر انجن کو اچھی طرح سے دیکھا - دوبارہ سٹارٹ کر ہی رہا تھا کہ انجن کو اچانک آگ لگ گئی - آگ اتنی تیزی سے پھیلی کہ پوری جیپ بھڑکنے لگی - ناگ اور اولگا بڑی مشکل سے جان بچا کر جیپ میں سے باہر کودے اور بھاگ کر دور برف پر لیٹ

گئے - جیپ کے اندر پٹرول بھی تھا - انہیں دھماکے کا انتظار تھا - پھر ایک دھماکہ ہوا اور جیپ پھٹ گئی -

ناگ نے اولگا کو برف پر سے اٹھایا -

„چوٹ تو نہیں لگی اولگا؟"

„چوٹ تو نہیں لگی مگر پریشان ضرور ہو گئی ہوں کہ اب کیا ہو گا - ہم باتیک یمک کا راستہ پیدل کس طرح سے طے کریں گے؟"

ناگ خاموش تھا - بولا -

„اس وقت تو سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ہم یہاں سے پیدل ہی آگے کو روانہ ہوں -"

اور وہ پیدل ہی روانہ ہو گئے -

دوپہر تک وہ پیدل ہی چلتے رہے - اب برف کا میدان ختم ہو گیا تھا - اور اس کی جگہ زرد رنگ کے خشک گھاس والے میدان نے لے لی تھی - کہیں کہیں ٹیکری آ جاتی جس پر دو چار درخت بھی نظر آتے - وہ ایک ٹیکری پر چڑھ کر درخت کے نیچے بیٹھ کر آرام کرنے لگے - ان کے پاس اب کھانے کو بھی کچھ نہیں تھا - ناگ کے پاس روپے ضرور تھے مگر پانی تھا نہ گوشت روٹی -

„اب [illegible] ہو گا ناگ بھائی؟ یہاں تو دور دور تک

کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔"

ناگ نے کہا۔ "تم بہت جلد حوصلہ ہار دیتی ہو اولگا! ہم ایک لمبے اور مصیبت زدہ سفر پر ہیں۔ آخر کوئی پک نک منانے تو نہیں جا رہے۔ کچھ نہ کچھ تکلیفیں تو ضرور آئیں گی۔ ہمیں صبر سے یہ تکلیفیں برداشت کرنی ہوں گی۔"

اولگا نے کہا۔ "لیکن پانی کے بغیر تو ہم یہ سفر نہ طے کر سکیں گے۔ پانی تو کہیں نہ کہیں سے آنا چاہیے۔"

ناگ نے کہا۔ "اس کا بندوبست بھی ابھی کرتا ہوں۔"

ناگ نے خاموش ہو کر آنکھیں بند کیں۔ کچھ منتر منہ ہی منہ میں پڑھے اور پھر چاروں طرف چار پھونکیں ماریں۔ اولگا نے پوچھا۔

"کیا تم جادو کے زور سے پانی پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔ "کچھ ایسا ہی کر رہا ہوں۔ مگر تم گھبرانا نہیں۔ ہو سکتا ہے تمہارے پاس اس علاقے کا سب سے بھیانک اور خوفناک سانپ ابھی یہاں آ جائے۔"

"اوئی میرے خدا! سانپ؟"

"ارے! تو تو ابھی سے گھبرانے لگی۔"

وہ ابھی یہ بات کر ہی رہا تھا کہ دور سے ایک خوفناک پھنکار کی آواز آئی۔ ایسی پھنکار کہ جیسے کسی بلا نے زور سے سانس لیا ہو۔ اولگا ڈر کر ناگ کے ساتھ لگ گئی۔

"یہ کس کی آواز تھی بھیا؟"

ناگ نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں۔ میں نے اس علاقے کے سب سے بڑے اور سب کے سردار سانپ کو طلب کیا ہے۔"

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اژدہا جس کے چار منہ تھے اور ہر منہ میں سے دو دو زبانیں نکل نکل کر لہرا رہی تھیں رینگتا ہوا گردن اٹھائے ناگ کے سامنے آ کر ٹیکری پر رک گیا اور تین بار گردن جھکا کر خاموش بیٹھ گیا۔

پھر اژدہا نے اپنی آواز میں سسکاری سی بھر کر پوچھا۔

"اے عظیم دیوتا! ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ہمارے علاقے میں تشریف لائے۔ فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

یہ بات اولگا نے نہیں سنی تھی۔ اس نے صرف اژدہا کے منہ سے نکلتی ہوئی سسکار ہی سنی تھی۔ ناگ

نے کہا۔

"اے برفانی اژدہا! ہم ایک لمبے سفر پر ہیں۔ ہمارے پاس نہ کھانے کو کچھ ہے نہ پینے کو پانی ہے۔ میری بہن کو سخت بھوک اور پیاس لگی ہے۔ کیا تم ان دونوں چیزوں کا انتظام کر سکتے ہو؟"

اژدہا نے سر جھکا کر کہا۔

"کیوں نہیں عظیم دیوتا! آپ حکم کریں تو میں اپنی جان بھی آپ پر قربان کر دوں۔ اس سے بڑھ کر ہماری اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے کہ آپ ہمارے گھر تشریف لائے۔ میں ابھی آپ کی خدمت میں کھانے پینے کو پیش کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر برفانی اژدہا واپس ٹیکری سے اتر گیا۔ اولگا کی ایسی حالت ہو گئی تھی جیسے وہ ابھی غش کھا کر گر پڑے گی۔ اژدہا وہاں سے غائب ہوا تو اولگا کی جان میں جان آئی۔ اس نے سکھ کا سانس لیا۔ ناگ نے ہنس کر کہا۔

"کہو اب تو تمہیں اطمینان ہو گیا کہ ہم بھوکے پیاسے نہیں مریں گے۔ دیکھ لو خدا نے ہمارا کوئی نہ کوئی انتظام کر ہی دیا ہے۔"

اولگا بڑی مشکل سے گلا صاف کر کے بولی۔

"یہ اتنا بڑا اژدہا کہاں سے آ گیا؟"

"ہمارے سانپ اور اژدہا دنیا کی ہر زمین میں ہر جگہ موجود ہوتے ہیں اور ہر وقت ہماری مدد کرنے کو تیار رہتے ہیں۔"

"کیا وہ واپس آئے گا؟"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔"

"مگر وہ کیا لائے گا؟ یہاں تو دور دور تک کچھ بھی کھانے پینے کو نظر نہیں آ رہا۔ وہ بے چارہ کیا لائے گا ہمارے لیے؟"

ناگ نے کہا۔ "کچھ نہ کچھ تو لائے گا ہی۔ ہمیں اس کے لیے انتظار کرنا ہو گا۔"

تھوڑی دیر گذری تھی کہ انہوں نے کئی ایک پھنکاروں کی آوازیں سنیں۔ اولگا نے پلٹ کر دیکھا تو ٹیکری پر وہی اژدہا چلا آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے چار اور اژدہا تھے۔ ہر اژدہا نے اپنے سر پر ایک ایک خوان اٹھا رکھا تھا جو سرپوشوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ قریب آ کر چاروں اژدہوں نے اپنے اپنے خوان ناگ کے قدموں پر لا کر رکھ دیئے اور خود ایک طرف ادب سے سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ بڑے

سردار اژدہا نے سر جھکا کر کہا۔

"عظیم دیوتا! ہمارے پاس جو کچھ تھا ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اسے قبول کیجئے اور ہماری عزت بڑھائیے۔"

ناگ نے آگے بڑھ کر چاروں خوانوں کے سرپوش اٹھائے تو کیا دیکھا کہ ایک خوان میں بکرے، بطخ اور مرغ کا بُھنا ہوا گوشت بھرا ہے۔ دوسرے میں پلاؤ ہے۔ تیسرا پھلوں سے بھرا ہوا ہے اور چوتھے میں پانی سے بھری ہوئی چھاگل ہے۔ اولگا تو حیران ہو رہی تھی۔ ناگ نے کہا۔

"برفانی اژدہا! مَیں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

پانچوں اژدہوں نے جھک جھک کر چار بار ناگ کو سلام کیا اور ٹیکری سے اتر کر غائب ہو گئے۔ اولگا بڑی خوش تھی۔

"تم نے تو کمال کر دیا ناگ بھیا! مگر یہ جادو تم نے کہاں سے سیکھا تھا؟"

"افریقہ کے ایک جادوگر سے سیکھا تھا۔ خیر اب جادوگری کی باتیں چھوڑو اور آؤ ذرا جلدی سے پیٹ کی

آگ بجھائیں۔"

انہوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔ چھاگل سے ٹھنڈا پانی پیا۔ بچا ہوا کھانا ایک تھیلے میں ڈالا۔ پانی کی چھاگل اپنے پاس رکھ لی اور چلنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ دوپہر ڈھل رہی تھی جب وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچے جہاں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں شروع ہو گئیں۔ زمین پر کہیں کہیں ہری بھری گھاس کے خطے بھی مل جاتے تھے۔ ناگ نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ضرور آبادی ہو گی۔ ہمیں اب ہوشیار رہنا ہو گا۔"

اولگا بولی۔ "مجھے تو اِردگِرد کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔"

"مَیں آبادی کی بُو سونگھ رہا ہوں اولگا!"

شام کے وقت وہ ایک پہاڑی کی دوسری طرف آئے تو سامنے وادی میں کچھ فوجی بیرکیں بنی ہوئی تھیں جن کی چمنی سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

"دیکھا۔ مَیں نے کہا تھا نا کہ آبادی آ رہی ہے۔ یہ بیرکیں روسی فوجیوں کی ہیں۔ یہ سرحدی فوج ہو گی اور انہیں بھی ضرور ہمارے بارے میں خبردار کر دیا گیا ہوگا

بہت ممکن ہے کہ ان کے پاس تمہاری تصویر بھی پہنچ
گئی ہو۔"

"میرے خدا! اب کیا کریں ہم؟"

"کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے۔"

ناگ نے دیکھا کہ آگے سفر جاری رکھنے کے لیے
اس وادی میں سے گذرنا ضروری تھا۔ ایک ہی چھوٹی سی
سڑک تھی۔ جو وادی میں سے گذر کر ان فوجی بیرکوں
کے بالکل قریب سے ہو کر گذرتی تھی۔ ارد گرد پہاڑ
تھے۔ اونچے اونچے پہاڑ۔ جن کو عبور کرنا بے حد دشوار
تھا۔ چڑھائی ان کی بالکل سیدھی تھی۔ ناگ نے کہا۔

"رات ہو رہی ہے۔ ہمیں اسی جگہ رات کو پڑاؤ
ڈالنا چاہیے۔ میں آگے جا کر معلوم کرتا ہوں کہ ہم کس
طرح سے یہ سڑک عبور کر سکتے ہیں؟"

"کیا میں اکیلی یہاں رہوں گی؟" اولگا نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا اور پھر
میں بہت جلد واپس آ جاؤں گا۔"

"پچھلی بار بھی تم مجھے چھوڑ کر گئے تھے تو دشمن کے
جاسوسوں نے مجھے قابو میں کر لیا تھا۔ خدا کے لیے
دیر نہ کرنا۔ جلدی واپس آ جانا۔ تم جب تک واپس

نہیں آؤ گے مجھے چین نہیں آئے گا۔"

"گھبراؤ نہیں اولگا بہن! میں بہت جلد واپس آ
جاؤں گا اور پھر میں کوئی دور نہیں جا رہا۔ یہ تمہارے
سامنے ہی تو ہوں گا۔"

اندھیرا ہوتے ہی ناگ نے اولگا کو پہاڑی پر
ایک محفوظ جگہ پر چھوڑا اور خود وادی میں اُتر گیا۔
وہ اس سڑک پر چل رہا تھا جو سیدھی نیچے سرحدی
فوج کی بیرکوں میں چلی گئی تھی۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے
کہ جو بیرکوں کے درمیان سے ہو کر آگے جاتی تھی ناگ
انسانی شکل میں ہی جا رہا تھا۔ اس کو خیال آیا کہ
اس کا رنگ سانولا ہے۔ وہ کسی طرح سے بھی روسی
نہیں لگتا۔ اگر اسے کسی نے دیکھ لیا تو مصیبت پڑ
جائے گی۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنا حُلیہ
بدل لے۔ پس اس نے اپنے آپ کو ایک سیاہ
رنگ کی چھوٹی سی روسی چڑیا میں تبدیل کر لیا اور
اڑتی ہوئی نیچے آ گئی۔

اس نے دیکھا کہ جہاں سے سڑک بیرکوں کے
آگے سے گذرتی تھی۔ وہاں ایک گیٹ بنا ہوا
تھا۔ ایک چوکی بنی تھی۔ دو سپاہی سنگینیں کندھوں

پر رکھے پہرہ دے رہے تھے۔ بیرکوں میں فوجی
رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ آگے جا کر ایک دوسرا
گیٹ آتا تھا۔ یہ گیٹ بھی لکڑی کا تھا اور یہاں
حرف ایک فوجی پہرہ دے رہا تھا۔ اس گیٹ کے
آگے ایک برآمدہ سا بنا تھا۔ اوپر چھپر پڑا تھا۔ یہاں
ایک فوجی ٹرک کھڑا تھا۔

ناگ نے ذہن میں ایک سکیم تیار کر لی۔

وہ اڑتا اڑتا واپس بیرک میں آیا۔ اس نے دیکھا
کہ ایک فوجی باہر کھڑا شاید زمین پر کچھ ڈال رہا تھا
ناگ چڑیا کی شکل میں اس کے پیچھے آ کر اتر گیا۔
یہاں اس نے سانپ کا روپ بدلا اور زمین پر
رینگتا ہوا اس سپاہی کے پاس آ کر اس کی پنڈلی
پر کچھ اس طرح سے ڈسا کہ وہ مرے نہ بلکہ بے ہوش
ہو جائے۔ سپاہی بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس سپاہی
کا رنگ بھی سانولا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ ایشیائے
کوچک کا منگول ہے۔ ناگ نے انسانی شکل میں
آ کر اس سپاہی کی وردی پہن لی اور سر پر سموری
کھال کی ٹوپی اس طرح سے اوڑھ لی کہ اس کا
آدھا چہرہ اس میں چھپ گیا تھا۔

ناگ نے سپاہی کی سٹین گن کمر کے ساتھ لگائی
اور بڑے بڑے بوٹوں کے ساتھ چلتا دوسرے
گیٹ کے پاس آ گیا۔ یہاں کھڑے پہرے دار کو
اس نے ہنس کر یوں سلام کیا جیسے وہاں کا اپنا
آدمی ہو۔ پہرے دار نے کہا۔

"گریگوری کہاں چلے؟"

ناگ سمجھ گیا کہ اس پہرے دار نے اسے گریگوری
سمجھا ہے جو یہاں کا کوئی سپاہی ہوگا اور اس کی
شکل ناگ سے ضرور ملتی جلتی ہو گی۔ ناگ نے
ہنس کر کہا۔

"ٹرک لے کر کمانڈر کے پاس جا رہا ہوں
شاید اس نے اگلے شہر سے کچھ منگوانا ہو گا۔"

"ارے رات کو وہاں کیا کرنے جاؤ گے؟"

"کیا کروں بھائی! کمانڈر کا آرڈر جو ہوا۔"

پہرے دار نے کسی قدر تعجب سے پوچھا۔

"گریگوری تمہاری آواز کیوں بدلی ہوئی ہے؟"

اب ناگ کو پسینہ آ گیا۔ اس نے کہا۔

"یار کیا کہوں۔ صبح سے گلا خراب ہے اور
زکام ہو رہا ہے۔"

پہرے دار بولا۔ "اوہ! میں بھی سوچ رہا تھا کہ یہ آواز تو ہمارے یار گریگوری کی نہیں ہے۔ مگر چال ڈھال اس کی ہے۔"

"بس یار زکام لے بیٹھا ہے مجھے۔"

اس دوران میں ناگ نے برآمدے میں جا کر ٹرک کو سٹارٹ کر لیا تھا۔ وہ اسے واپس موڑ کر لایا۔ پہرے دار نے گیٹ کھول دیا۔ ناگ ٹرک کو واپس دوسرے گیٹ پر لے آیا۔ اس کے پہرے داروں نے بھی اپنا ٹرک سمجھ کر گیٹ کھول دیا۔ اب ناگ نے ٹرک کو فوجی بیرکوں کے آگے سے نکالا اور سڑک پر اوپر پہاڑی کی طرف چلانا شروع کر دیا۔

پہاڑی پر اولگا نے ٹرک کی آواز سنی تو ایک طرف جھاڑیوں میں چھپ گئی۔ ناگ نے ٹرک قریب ہی کھڑا کر دیا۔ اولگا نے جب اس ٹرک میں سے ایک روسی فوجی کو باہر نکلتے اور اس کی کمر کے ساتھ مشین گن لٹکتے دیکھی تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ناگ نے بھاگ کر اولگا کو تھام لیا۔

"اولگا! ہوش کرو۔ یہ میں ہوں۔"

اولگا نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ناگ کو پہچان لیا۔

پھر خشک سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ "ہائے میرے خدا تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔ یہ فوجی وردی کہاں سے لی؟"

ناگ نے کہا۔ "تم تو جانتی ہو کہ جب خدا کی مدد ساتھ ہو تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ چلو اب میرے ٹرک میں بیٹھو۔ ہر قسم کا انتظام ہو گیا ہے۔ ہم اس ٹرک میں بیٹھ کر اس فوجی گاؤں سے نکل جائیں گے۔"

"یہ سب کچھ تم نے کہاں سے لیا؟"

"ان باتوں کو چھوڑو۔ یہ بعد میں بتاؤں گا۔ تم ٹرک میں بیٹھو۔ وقت بہت کم ہے۔ ہمیں راتوں رات یہاں سے دور نکل جانا ہے۔"

اولگا ٹرک میں بیٹھ گئی۔ یہ ٹرک چاروں طرف سے ترپالوں کے ساتھ ڈھکا ہوا تھا۔ ناگ فوجی وردی میں ملبوس خود ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے ٹرک کو سٹارٹ کر دیا اور فوجی شہر کی طرف آ گیا۔ گیٹ پر پہرے داروں نے اسے روک لیا۔ ناگ بڑ حیران ہوا کہ جاتی مرتبہ تو انہوں نے بالکل نہیں روکا تھا دیسے ہی گذار دیا تھا۔ اب کیا بات ہے کہ اسے روک دیا گیا ہے۔ دونوں سپاہیوں میں سے ایک سپاہی ناگ

کی طرف آیا۔

"شناختی کارڈ پلیز!"

ناگ بوکھلا گیا۔ اس نے جلدی سے کہا۔

"بھائی یہاں سے جاتے وقت تو تم نے شناختی کارڈ نہیں مانگا تھا اب کیوں مانگ رہے ہو؟"

سپاہی نے مسکرا کر کہا۔

"تم سپاہی ہو کر ہمارے اصولوں کو نہیں جانتے کہ جب کوئی گاڑی یہاں سے آگے سرحد کی طرف جانے لگتی ہے تو اس کے ڈرائیور سے شناختی کارڈ ضرور مانگا جاتا ہے۔ تم سپاہی ہو تمہیں شناختی کارڈ دکھانے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے؟"

ناگ ہنسا۔ "میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔ اصل میں میں کل ہی ماسکو سے آیا ہوں۔ مجھے یہاں کے قانون کا علم نہیں ہے۔"

پہرے دار خاموش تھا اور ناگ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گیٹ کی چوکی پر لیمپ روشن تھا جس کی روشنی میں پہرے دار کی بھوری آنکھیں چیتے کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ ناگ نے کہا۔

"دوست! میرا شناختی کارڈ پیچھے ٹرک کے اندر

میرے صندوق میں ہے۔"

"مگر کارڈ تو ہر سپاہی کو اپنی جیب میں رکھنا ہوتا ہے۔ تم کیسے سپاہی ہو کہ کارڈ صندوق میں رکھ چھوڑا ہے۔"

ناگ بولا۔ "میری جیب پھٹ گئی تھی۔ آؤ میں تمہیں دکھا دیتا ہوں یار۔ ایسی بھی کیا بے اعتباری ہے۔ آخر ہم بھی تمہارے بھائی ہیں۔"

یہ باتیں اولگا نے بھی ٹرک کے اندر بیٹھے بیٹھے سن لی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ ناگ سپاہی کو اندر لا کر کچھ کرنے والا ہے۔ چنانچہ وہ جلدی سے ٹرک کے کونے میں رکھے ترپالوں کے ڈھیر کے نیچے چھپ گئی۔ اتنے میں ٹرک کے پچھلے دروازے کا پردہ ہٹا۔ ناگ اندر آ کر یونہی ایک خالی صندوق میں شناختی کارڈ تلاش کرنے لگا۔ پھر بولا۔

"یہ لو یار دیکھ لو۔ اندر آ جاؤ بے شک!"

پہرے دار سپاہی اچھل کر ٹرک کے اندر آ گیا بس ناگ اسی لمحے کا انتظار کر رہا تھا۔ ایک سیکنڈ کے اندر اندر ناگ نے سانپ کی شکل بدلی اور اسی سیکنڈ کے اندر اندر روسی سپاہی کی گردن کو جکڑ کر

ڈس دیا۔ پہرے دار کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ وہ بھونچکا سا ہو کر ٹرک کے اندر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ اتنے میں دوسرا پہرے دار بھی وہاں آ گیا۔ اس نے پوچھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے؟ ناگ نے کہا۔

"اندر آ جاؤ یار ذرا۔ تمہارا ساتھی شاید بے ہوش ہو گیا ہے۔"

ناگ اور اولگا وہاں سے کیوں کر فرار ہوئے؟
آگے جا کر ناگ اور عنبر کی ملاقات کہاں ہوئی؟
ماریا کن دلچسپ حالات میں ان دونوں سے ملی؟
یہ آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیئے گا۔

موت کا تعاقب

اے حمید

۵۰ سیریز پہلے شائع ہو چکی ہیں اور
اب مزید پچاس سیریز شائع ہوں گی۔

اتنی مقبولیت کی آخر وجہ کیا؟

- ہر کہانی کے تینوں کردار جیتے جاگتے ہیں
- حیرت انگیز، سنسنی خیز اور پُر اسرار تاریخی کہانی
- ہر ناول کا پلاٹ الگ تھلگ، اور اس کے ساتھ ساتھ تاریخی کردار موجود ملے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اب تک ان ناولوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

بچوں کے ادب میں ایک مثالی سیریز!

عنبر، ناگ اور ماریا کی دلچسپ کہانی انشاءاللہ اسی طرح سَو سیریز تک، اقساط کی صورت میں آپ کو ملتی رہے گی۔ اپنے بک سٹال سے معلومات لیتے رہیں تاکہ ہر سیریز بروقت آپ تک پہنچتی رہے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ❖ حیدرآباد ❖ کراچی

ناگ اور اژدھا

اے حمید

موت کا تعاقب

موت کا تعاقب ۸۸

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

ناگ اور اژدہا

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
علمی پرنٹنگ پریس، [illegible] ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل: ۱۹۷۹ء
قیمت: چار روپے

مقامِ اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

فہرست

• جواہرات کا صندوق ۵
• ناگ اور اژدہا ۲۲
• مہمان کے روپ میں ۵۲
• راکٹ میں ۷۰
• چاند سے بھی آگے ۸۶

پیارے بچو!

ناگ نے اونگا کو ساتھ لیا اور سائبیریا کی جانب آخری سرحدی چوکی کے پاس آکر رک گیا۔ اُس نے روسی سپاہی کی وردی پہن رکھی تھی۔ اونگا ٹرک کے اندر چھپی ہوئی تھی اور ایک روسی سپاہی کی لاش بھی ٹرک کے اندر پڑی تھی۔ ناگ نے دوسرے سپاہی کو اندر بلا لیا اور اُسے بھی ٹھکانے لگا دیا۔ یہاں سے وہ سائبیریا کی سرحد سے نکل کر زارِ روس کے خزانے کی تلاش میں چین کے صوبے سنکیانگ کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ زار روس کا خزانہ ایک ڈاکو نے اُڑا لیا تھا۔ ناگ نے فقیر کا بھیس بدلا اور چین کے سرحدی شہر کی گلیوں میں صدا لگا کر بھیک مانگنے لگا۔ اصل میں وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ خزانہ کس کے گھر میں ہے؟

اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ آپ خود پڑھیے گا۔

جواہرات کا صندوق

سپاہی نے ٹرک میں پیچھے سے آکر جھانک کر دیکھا۔ اُسے اپنا ساتھی ٹرک میں بے ہوش پڑا دکھائی دیا۔

"ارے اسے کیا ہو گیا ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"یہی تو میں کہہ رہا تھا کہ ذرا اندر آکر دیکھو کہ یہ کیوں بے ہوش ہو گیا؟"

سپاہی ٹرک کے اندر چڑھ آیا۔ وہ جھک کر اپنے ساتھی کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اُسے اپنی گردن پر کسی سانپ کے رینگنے کا احساس ہوا۔ اُس نے چونک کر گردن پر ہاتھ مارا۔ مگر سانپ اپنا کام کر چکا تھا۔ یہ سپاہی بھی بے ہوش ہو کر ٹرک میں گر پڑا۔ اونگا سے ناگ نے کہا۔

"پردہ گرا کر ٹرک کے اندر ہی پڑی رہو۔ میں دوسرے

گیٹ سے نکلنے کی کوشش کروں گا۔"
ناگ سرحدی پولیس کی وردی میں ملبوس اسی طرح ٹرک سے کود کر باہر آگیا۔ پھر وہ ٹرک کی اگلی طرف آکر سیٹ پر بیٹھ گیا اور گیٹ میں سے آگے نکل گیا۔ اب اس فوجی سرحدی شہر باتیک کی آخری اور دوسری چیک پوسٹ آرہی تھی۔ یہاں بھی دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے اور یہی چیکنگ بھی کرتے تھے۔ انہوں نے ناگ کے ٹرک کو ہاتھ سے روک دیا۔ ناگ اگرچہ ان ہی کی وردی میں تھا۔ لیکن شناختی کارڈ چیک کرنا ان کی ڈیوٹی تھی۔ چنانچہ پہریدار نے ہاتھ سے اگلی کھڑکی کو بجا کر کہا۔

"کامریڈ شناختی کارڈ؟"

اور پھر خود ہی ہنسا۔ جیسے کہہ رہا ہو کامریڈ ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے پاس شناختی کارڈ ہوگا۔ کیونکہ تم ہماری ہی رجمنٹ کے سپاہی ہو مگر پھر بھی ہماری ڈیوٹی ہے کہ ہم تم سے شناختی کارڈ طلب کریں۔ بس ایک جھلک اس کی دکھا دو اور گذر جاؤ۔ ناگ نے بڑے آرام سے ٹرک میں سے باہر نکل آیا۔ اُس نے ایک نظر ادھر اُدھر ڈالی۔ کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا۔ ناگ نے کہا۔

"یار باذرا کمرے میں آؤ۔ مجھے پانی بھی پینا ہے اور

شناختی کارڈ بھی دکھاتا ہوں۔"
ناگ نے جھوٹ موٹ جیب میں ہاتھ ڈال کر کہا اور آگے آگے چیک پوسٹ پر بنے ہوئے کمرے کی طرف چل پڑا۔ سپاہی بھی مسکراتا اور کہتا ہوا اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

"کامریڈ چھاؤنی سے نکلتے ہی پیاس لگ گئی۔ اتنی سردی میں تو ہمیں دو دو دن پیاس نہیں لگتی۔"

"ہاہاہا" ناگ ہنسا۔ "کامریڈ! میں روس کے گرم علاقے کا ہوں نا اس لیے مجھے جلدی پیاس لگ جاتی ہے۔"

ایک سپاہی باہر گیٹ پر پہرہ دیتا رہا اور دوسرا ناگ کو ساتھ لے کر کمرے میں آگیا۔ تاکہ اسے پانی پلائے۔ اندر کونے میں میز پر ایک جگ رکھا ہوا تھا جس میں پانی تھا۔ سپاہی نے لکڑی کا گلاس لیا اور جگ میں سے پانی ڈالنے کے لیے جھکا۔ ناگ نے پیچھے سے اُسے سانپ بن کر ڈس دیا۔ گلاس سپاہی کے ہاتھ سے گر پڑا اور وہ بھی فرش پر دھڑام سے گر کر بے ہوش ہوگیا۔ باہر [torn] لے سپاہی نے آواز سنی تو کہا۔

"کیا ہوا کامریڈ؟"

اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ ناگ دوسرے سپاہی کو

بھی اندر آنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ دوسرا سپاہی اندر آیا تو اس نے اپنے ساتھی کو فرش پر بے ہوش پڑے دیکھا وہ لپکا۔

"کیا ہُوا کامریڈ؟"

جونہی وہ اپنے کامریڈ پر جُھکا ناگ نے اُسے بھی پہلے سپاہی کے اوپر گرا دیا۔ ناگ بھاگ کر باہر آگیا۔ وہ اب جلدی سے جلدی . . . بھاگ جانا چاہتا تھا۔ وہ ٹرک کی اگلی سیٹ پر چڑھ گیا۔ ٹرک سٹارٹ کیا اور تیز رفتاری کے ساتھ چھاؤنی سے دُور ہونے لگا۔ یہ چھوٹی سی سڑک اُسے چھاؤنی سے بہت دُور لے گئی تو اُس نے ٹرک کھڑا کیا۔ اندر جاکر اولگا کو باہر نکالا۔

"بانیک کی چھاؤنی سے تو ہم خیریت سے نکل آئے ہیں" ناگ نے کہا۔

اولگا نے ہنس کر کہا۔

"خیریت سے کہاں نکل آئے ہیں۔ دو بے ہوش سپاہی ٹرک کے اندر پڑے ہیں دو پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔"

ناگ بولا۔

"یہ دو بے ہوش بھی یہیں چھوڑ کر جائیں گے۔"

اور انہوں نے ٹرک میں سے دونوں بے ہوش کامریڈوں

کو نکال کر سڑک کے کنارے ایک جگہ ڈال دیا۔ اور ٹرک سٹارٹ کر کے وہاں سے آگے روانہ ہو گئے۔ دن کا کچھ حصّہ اور ساری رات ان کا ٹرک میدانوں میں بھاگتا رہا۔ رات کے آخری حصّے میں وہ سو گئے۔ دن چڑھے اُٹھے تو دیکھا کہ ٹرک میں پٹرول بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ اولگا نے کہا۔

"یہاں سے سائبیریا کا علاقہ شروع ہو رہا ہے۔ آگے برفانی میدانوں کے سوا ہمیں کچھ نہ ملے گا۔ اِس لیے بہتر یہی ہے کہ اس ٹرک میں زیادہ سے زیادہ رستہ طے کر لیا جائے۔"

"بہتر خیال ہے۔ مگر جب آگے جا کر پٹرول ختم ہو جائے گا تو پھر کیا کریں گے؟"

اولگا کہنے لگی۔

ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ سائبیریا کے کسی گاؤں تک پہنچ جائیں تاکہ وہاں سے ہم کوئی گاڑی حاصل کر سکیں۔"

"کوشش کرتے ہیں۔"

ٹرک ایک بار پھر روانہ ہو گیا۔ اب وہاں برفانی میدان شروع ہو گیا تھا۔ زمین پر دُور تک برف ہی برف نظر آ رہی تھی۔ یہ برف بڑی سخت تھی اور ٹرک نے اس پر پھسلنا شروع کر دیا تھا۔ پہیے برف کو اچھی طرح

ے نہیں پکڑ رہے تھے۔ جوں جوں ٹرک برفانی میدان میں
آگے بڑھ رہا تھا۔ برف میں پہیے دھنس رہے تھے۔ آخر
ایک جگہ پہنچ کر ٹرک کا پٹرول ہی ختم ہوگیا۔

"یہ لو۔ اب تو ہم ایک اینچ بھی آگے نہیں جا سکتے۔"

ناگ اور اولگا ٹرک سے اُتر آئے۔ سردی بڑی سخت تھی
انہوں نے خوب گرم کپڑے پہن رکھے تھے مگر سردی پھر بھی کم نہیں
ہو رہی تھی۔ ناگ نے ٹرک کے اوپر کھڑے ہو کر مشرق کی
طرف دیکھا۔ دُور دُور تک کسی گاؤں کا کوئی نشان دکھائی
نہیں دے رہا تھا۔

"اولگا بہن! ایسا لگتا ہے کہ ہم برف کے صحرا میں
آ گئے ہیں۔ شاید ہم ساری زندگی اسی جگہ بھٹکتے رہیں گے۔"

اولگا نے کہا۔

"تم سائبیریا کو نہیں جانتے ناگ بھائی! یہاں اسکیمو لوگوں
کے گاؤں ضرور ہوتے ہیں۔ وہاں سے ہمیں گاڑی مل جائے
گی۔"

ناگ نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اور تمہارا کیا خیال ہے کہ پیچھے روسی پولیس نے
ہمارے تعاقب میں کسی کو بھی نہ روانہ کیا ہوگا؟ کسی وقت
بھی روسی سیکورٹی پولیس والوں کا ہیلی کاپٹر ہمارے سروں

پر نمودار ہو کر گولیاں برسا سکتا ہے۔"

اولگا نے بھی آسمان کو دیکھا جہاں دُھند کی وجہ سے سُورج
کی چمک صاف نظر نہیں آ رہی تھی۔

"خدا کے لیے ایسا نہ کہو ناگ بھائی!"

ناگ بولا۔

"میں تو حیران ہوں ابھی تک روسی پولیس ہمارے
تعاقب میں کیوں نہیں آئی۔ انہیں ہمارے فرار کا علم ہو گیا ہوگا
اور چیک پوسٹ پر بے ہوش سپاہی بھی اب تک ہوش
میں آ چکے ہوں گے۔"

اولگا پریشان ہو گئی۔

"اس سے تو بہتر تھا کہ ان سپاہیوں کو تم ٹھکانے
لگا دیتے۔"

ناگ نے کہا۔

"نہیں اولگا بہن! میں خواہ مخواہ کسی کو مارنے کے
حق میں نہیں ہوں۔ بہرحال جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ابھی تو
ہمیں آگے چلنا ہے۔"

انہوں نے کھانے پینے کی چیزوں کا تھیلا اُٹھایا اور ٹرک
کو برف کے میدان میں دھنسا ہوا چھوڑ کر برفانی میدان میں
مشرق کی طرف چل پڑے۔

اولگا نے کہا۔

"یہ ٹرک ہماری نشانی بن گیا ہے۔ یہ پیچھے ہماری تلاش میں آنے والے روسی پولیس افسروں کو ہمارے بارے میں بتا دے گا کہ ہم کس سمت کو گئے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"اگر ہم اس کو آگ بھی لگا دیں تب بھی اس کا جلا ہُوا ڈھانچہ ہماری مخبری کر دے گا۔ اِس لیے کوئی فائدہ نہیں۔ خدا پر بھروسہ رکھو اور آگے چلو۔"

دوپہر تک وہ برفانی میدان میں چلتے رہے۔ ان کی رفتار بڑی سُست تھی۔ بس قدم قدم چل رہے تھے۔ کیونکہ ان کے پاس برف پر چلنے والا پورا سامان نہیں تھا۔ نہ اُن کے پاس چوڑے تلوؤں والے بُوٹ تھے اور نہ ہاتھ میں پکڑنے والی چھڑیاں تھیں۔ کافی دور چلنے کے بعد وہ تھک گئے اور ایک جگہ برف میں انہیں اسکیمو کا خالی گھر مل گیا۔ یہ گول چھت والا گھر برف کی سِلوں کو آپس میں جوڑ کر بڑی خوبصورتی سے بنایا گیا تھا۔ اندر سے بالکل خالی تھا۔

اولگا نے کہا۔

"یہ لوگ اسی طرح گھر بناتے ہیں۔ وہاں کچھ دیر رہتے ہیں اور پھر خالی چھوڑ کر آگے چلے جاتے ہیں۔"

مکان کے اندر کچھ سکون تھا۔ اولگا اور ناگ اندر دیواروں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اولگا نے چھاگل میں سے پانی نکال کر کیتلی میں ڈالا اور سپرٹ لیمپ جلا کر قہوہ بنایا۔ انہوں نے خشک گوشت کے ساتھ گرم گرم قہوہ پیا تو انہیں کچھ طاقت اپنے جسموں میں محسوس ہوئی۔ شام کو انہوں نے ایک بار پھر قہوہ پیا۔ دو چار بسکٹ کھائے اور برف پر پوستین بچھا کر لیٹ گئے۔

ناگ نے اولگا سے پوچھا۔

"اولگا بہن! کیا سچ مچ تم زارِ روس کی پوتی ہو؟"

اولگا نے کہا۔

"پوتی نہیں مگر پڑپوتی ضرور ہوں۔"

ناگ بولا۔

"کیا تمہیں واقعی معلوم ہے کہ تمہارے دادا یا نانا یعنی روس کے شہنشاہ زار نے اپنا خزانہ کسی جگہ دفن کیا تھا؟"

اولگا مسکرائی۔

"ناگ بھیا! انہوں نے خزانہ کسی بھی جگہ دفن نہیں کیا تھا۔ انہیں دفن کرنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ دوسرے ملکوں میں ایسے بنک موجود تھے جن میں وہ اپنی دولت جمع کرا سکتے تھے۔"

کمرے میں بند کر دیا گیا۔ باہر روسی سپاہیوں کا پہرہ لگ گیا۔ پھر شام کے وقت جب اندھیرا سارے علاقے میں پھیل گیا تو دو سپاہی مشین گنیں لے کر اندر آئے اور بولے جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ابھی تم لوگوں کو ٹرک میں بٹھا کر واپس ماسکو بھجوا دیا جائے گا۔ ہم لوگ بڑے خوش ہوئے کہ واپس اپنے شہر جا رہے ہیں نانا نے کہا تھا کہ یہ اچھا ہُوا کہ ہمیں واپس ماسکو لے جایا جا رہا ہے۔ اب میں وہاں جا کر کامریڈ لینن سے اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے خود رحم کی اپیل کروں گا جو ضرور منظور کر لی جائے گی۔ ہم نے جلدی جلدی گرم کوٹ اور بوٹ پہن لیے۔ ہم تیار رہی تھے، کہ اچانک باہر ٹرک کا انجن سٹارٹ کر دیا گیا۔ یہ اس لیے سٹارٹ کر دیا گیا تھا کہ ہماری چیخوں کی آوازیں اس کے شور میں دب کر رہ جائیں۔ ہمیں کوئی خبر نہیں تھی۔ ہم یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ ٹرک ہمیں ماسکو لے جانے کے لیے سٹارٹ کیا گیا ہے۔ اتنے میں وہی دونوں سپاہی دروازہ کھول کر اندر آئے اور بولے۔ تیار ہو جاؤ اور پھر انہوں نے مشین گن کی فائرنگ شروع کر دی۔ میرے دیکھتے

دیکھتے میری خالہ پھوپھی اور بھائی بہنیں اور زارِ روس اور زارینہ اور دوسرے لوگ گولیاں کھا کھا کر ہلاک ہو گئے۔ میں خوف کے مارے ان کی لاشوں میں ہی دب کر رہ گئی تھی۔ پھر ایک سپاہی آیا اور اس نے لاشوں کو غور سے دیکھا۔ میرے اوپر جُھکا تو میں رونے لگی۔ اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور روسی زبان میں کہا۔ خاموش! خدا نے تمہیں بچا لیا ہے۔ میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔ پھر اُس رحم دل روسی سپاہی نے مجھے سیاہ کمبل اوڑھا کر جیپ میں چھپا دیا اور راتوں رات وہاں سے نکال کر دُور ایک گاؤں میں لے گیا اور وہاں جا کر ایک جھونپڑی میں چھُپا دیا۔ میں کئی روز وہاں چھُپی رہی۔ وہ نیک دل سپاہی میری دیکھ بھال کرتا رہا۔ پھر ایک روز آدھی رات کو وہ مجھے ایک ٹرک میں بٹھا کر روبانگ شہر لے گیا جہاں میری خالہ تانیا رہتی ہے۔ اس نے مجھے میری خالہ کے پاس چھوڑ دیا۔ کئی برس بعد جب زار کے خزانے کی تلاش شروع ہوئی تو ہمارے خاندان کے بچے کھُچے دو تین افراد کو پکڑ لیا گیا۔ ان میں مَیں بھی تھی۔ باقی تو روسی پولیس کی اذیت سہتے ہوئے مر گئے۔ خالہ کو چھوڑ دیا گیا اور

مجھے اس جگہ قید کر دیا گیا۔ جہاں سے تم مجھے نکال کر لے
گئے تھے۔ یہ ہے میری کہانی!"

ناگ بڑے غور سے اور بڑی دلچسپی سے اولگا کی
خوفناک کہانی بلکہ اس کی آپ بیتی سُن رہا تھا۔ جب اولگا
نے کہانی ختم کی تو ناگ نے کہا۔

"اولگا بہن! تم بڑی بہادر لڑکی ہو جو اتنی مصیبتیں
سہہ کر بھی زندہ ہو۔"

اولگا آہ بھر کر بولی۔

"افسوس اپنے بڑے بوڑھوں کا ہے، جو
مارے گئے۔"

ناگ نے کہا۔

"جب انقلاب آتا ہے تو ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔
بہرحال اوکیشیا پہنچ کر زارِ روس کے چھپے ہوئے
جواہرات کا پتہ چلانے کی کوشش کروں گا۔"

اولگا نے کہا۔

"وہ تم کیسے معلوم کرو گے؟"

ناگ بولا۔

"یہ تم اوکیشیا پہنچ کر خود دیکھ لوگی۔ اگر جواہرات
نکل آئے تو پھر وہ تمہاری امانت ہوگی اور تمہارے

حوالے کر دی جائے گی۔ اس دولت کی مدد سے تم
یورپ کے کسی بھی شہر میں جا کر آرام و سکون کی زندگی
بسر کر سکو گی۔"

اولگا زور سے ہنس پڑی۔

"ناگ بھیا! تم شیخ چلی کی طرح کی باتیں کر رہے ہو۔"

ناگ نے کوئی جواب نہ دیا اور کمبل اوڑھ کر سونے
کی کوشش کرنے لگا۔ اولگا نے بھی کمبل اوپر کر کے
چربی والے چراغ کو پھونک مار کر بجھا دیا اور نیند
کی دنیا میں پہنچ گئی۔ دوسرے روز اُٹھ کر انہوں نے
ناشتہ کافی کی پیالی اور بسکٹوں سے کیا۔ پھر اپنا
سفر شروع کر دیا۔ تیسرے پہر وہ اسکیموؤں کے ایک
چھوٹے سے گاؤں میں پہنچ گئے۔ یہاں برفانی لوگوں
نے انہیں حیرانی سے دیکھا کہ یہ لوگ اتنا لمبا برفانی سفر
کیوں کر پیدل طے کر کے آ رہے ہیں۔

ناگ کے پاس کافی پیسے تھے۔ اس نے گاؤں کے
لوگوں میں کچھ رقم تقسیم کر کے انہیں اپنا دوست
بنا لیا۔ پھر دس ہزار روپے خرچ کر کے ایک ایسی
برف پر گھسٹنے والی گاڑی لی جسے بارہ کُتّے چلاتے
تھے۔ ساتھ ایک گائیڈ بھی تھا جس کا کام ان دونوں

کو چین کی سرحد پر پہنچاتا تھا۔ ناگ اور اولگا نے
چار روز اس گاؤں میں قیام کیا اور پھر وہ آگے
روانہ ہوئے۔

ناگ اور اولگا گاڑی پر بیٹھے تھے۔ گائیڈ کی
سیٹ پیچھے تھی۔ وہ راستے میں کہیں اُتر کر کتوں کو
درست راستے پر ڈالتا۔ انہیں کچھ دُور تک ہنکاتا
اور پھر خود بھی گاڑی پر سوار ہو جاتا۔ اس طرح
دن کو سفر کرتے اور رات کو آرام کرتے وہ چین کی
سرحد تک پہنچ گئے۔

ناگ نے گائیڈ سے کہا۔

"ہمیں تم اوکیشیا کے گاؤں تک پہنچا دو۔ اس کے بعد
تم بے شک واپس چلے جانا۔"

گائیڈ نے کہا۔

"جناب! اوکیشیا کا گاؤں یہاں سے صرف دو میل
کے فاصلے پر مشرق کی طرف ہے۔"

اولگا نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم چلے جاؤ۔ ہم خود ہی وہاں پہنچ
جائیں گے۔"

پھر اولگا نے ناگ سے کہا۔

"ناگ! مجھے اوکیشیا کا گاؤں معلوم ہے۔ میں تمہیں
لے کر وہاں پہنچ جاؤں گی۔ بہتر ہے کہ ہم گائیڈ کو یہاں
سے رخصت کر دیں۔"

اولگا نہیں چاہتی تھی کہ کبھی دوسرے کو خزانے کے
بارے میں تھوڑا سا بھی علم ہو۔ چنانچہ گائیڈ کو کتا گاڑی
سمیت انعام دے کر رخصت کر دیا گیا۔ اب اولگا اور
ناگ نے اس گاؤں کی طرف بڑھنا شروع کر دیا جہاں ان
دونوں کے خیال میں کسی جگہ زارِ روس کے جواہرات کا
صندوق دفن کیا گیا تھا۔ اولگا کو کچھ کچھ یہ علاقہ یاد آ رہا
تھا۔ اس نے دُور سے ایک بھورے رنگ کا اُونچا
ٹیلا دیکھا تو ناگ سے کہا۔

"مجھے یاد ہے اسی قسم کا ایک ٹیلا تھا جس کے
پاس ہمارے خاندان کے کچھ لوگوں نے ایک صندوق
چھکڑا گاڑی سے اتارا تھا۔"

یہاں اب برف کا میدان ختم ہو گیا تھا اور اُونچی
نیچی زمین پر زرد گھاس اور خشک جھاڑیاں دکھائی
دے رہی تھیں۔ ناگ نے ٹیلے کو دور سے دیکھ کر کہا۔

"چلو وہاں چلتے ہیں۔"

ناگ اور اژدہا

ٹیلہ ویران اور بنجر تھا۔

اس کی ڈھلانوں پر خشک گھاس اور جھاڑیاں اُگی تھیں۔ اولگا نے ناگ سے پوچھا کہ وہ اس ٹیلے کے اندر سے خزانے کو کیوں کر تلاش کرے گا؟ ناگ نے ایک جگہ رُکتے ہوئے کہا۔

"میں اپنے ایک دوست کو بُلا کر سارا حال معلوم کروں گا۔"

"کونسا دوست؟" اولگا نے سوال کیا۔

ناگ مسکرا کر بولا۔

"میرے کئی دوست ہیں۔ تم ابھی دیکھ لوگی کہ اس بار کونسا دوست آئے گا۔"

ناگ نے آنکھیں بند کر کے کچھ منتر پڑھے اور اپنے

چاروں طرف پھونک ماری۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں خاموشی چھا گئی۔ اولگا خاموشی سے ناگ کو دیکھ رہی تھی کہ اس بار وہ کیا جادو کرے گا! تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ اچانک ٹیلے کے اوپر سے کچھ پتھر لڑھک کر نیچے گر پڑے۔ اولگا ایک طرف ہٹ گئی۔ اس کی نگاہ اپنے آپ ٹیلے کی طرف اُٹھ گئی۔ وہ یہ دیکھ کر سکتے میں آگئی کہ ایک زرد اور سبز رنگ کا کافی بڑا اژدہا نیچے اُتر رہا تھا۔

ناگ نے اولگا کی پریشانی کو بھانپ کر کہا۔

"اپنی جگہ سے ہلنا مت اولگا۔ یہ تمہیں کچھ نہ کہے گا میں اس سے زارِ روس کے خزانے کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ اس سانپ کو زمین کے اندر کے سارے خزانوں کا پتہ ہے۔"

اولگا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنی جگہ پر چپ چاپ کھڑی رہی۔ اب اژدہا نیچے آچکا تھا۔ وہ سیدھا اس طرف آیا جہاں ناگ کھڑا تھا۔ اژدہا نے ناگ کے سامنے آکر ادب سے سر جھکایا اور پھر گردن زمین کے ساتھ لگا دی۔ ناگ نے اپنی زبان میں اُس سے بات شروع کی۔

"اے اژدہا! مَیں نے تمہیں ایک خاص مقصد کے لیے اس جگہ طلب کیا ہے۔"

اژدہا نے سر جُھکا کر کہا۔

"مَیں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں اے عظیم دیوتا! آپ حکم کیجیے۔"

ناگ نے کہا۔

"ہمیں اطلاع ملی ہے کہ اِس ٹیلے کے آس پاس کچھ برس پہلے ایک خزانہ دفن کیا گیا ہے۔ یہ جواہرات کی شکل میں ہے اور ایک صندوق میں بند ہے۔ کیا تمہیں اس کا کچھ پتہ ہے؟"

اژدہا نے کہا۔

"اے عظیم دیوتا! یہ خزانہ زاہورس کا ہے اور اسی ٹیلے کے نیچے جنوب کی جانب ایک جگہ دفن ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"بہت خوب! ہمیں اس جگہ لے چلو۔"

اژدہا آگے آگے چل پڑا۔ پیچھے ناگ تھا اور اُس کے پیچھے اولگا چل رہی تھی۔ اژدہا ان دونوں کو اس جھاڑی کے پاس لے گیا جس کے نیچے خزانہ دفن تھا

اژدہا بولا۔

"عظیم دیوتا! خزانہ یہاں دفن ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"کیا تم اس خزانے میں سے کچھ لا کر ہمیں دکھا سکتے ہو؟"

اژدہا نے کہا۔

"ابھی حاضر کرتا ہوں۔"

اژدہا چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس نے اپنے منہ میں ایک بڑا خوبصورت قیمتی ہار اُٹھا رکھا تھا جس میں لاجواب ہیرے اور موتی تھے۔ اولگا نے ہار دیکھا تو خوش ہو کر بولی۔

"یہی ہمارے خاندان کا نولکھا ہار ہے۔ مَیں اسے پہچانتی ہوں۔"

ناگ نے ہار کو دیکھا اور کہا۔

"بہت خوب۔ تو پھر ٹھیک ہے۔ خزانہ اسی جگہ دفن ہے۔"

اولگا نے کہا۔

"لیکن ہم اس جگہ کو کیسے کھودیں گے اور خزانہ کیسے نکالیں گے؟"

ناگ نے کہا۔
"اس کا انتظام بھی ہو جائے گا۔"
اس کے بعد ناگ نے اژدہا سے کہا۔
"خزانے کے پاس جانے کا سب سے آسان
راستہ کونسا ہے؟ کیونکہ ہمارے پاس خزانے کو
کھودنے کے اوزار نہیں ہیں۔"
اژدہا نے کہا۔
"خزانہ بہت بڑا ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں آپ
کو اس کے سارے قیمتی ہار باہر نکال کر لائے دیتا
ہوں۔"

اودلگا بولی۔

"اس طرح سے تو باقی کا خزانہ سارے کا سارا
اندر زمین میں ہی رہ جائے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ
ہمارے خاندان کا سارا خزانہ ہمارے پاس آجائے۔"
اژدہا سے ناگ نے کہا۔
"تم ہمیں وہ جگہ بتاؤ جہاں سے ہم آسانی سے خزانے
کے صندوق تک پہنچ سکتے ہیں۔"
اژدہا نے کہا۔
"میرے ساتھ آیئے عظیم دیوتا۔"

اور اژدہا ناگ اور اودلگا کو لے کر ٹیلے کے پیچھے
آگیا۔ یہاں بہت سی خاردار جھاڑیوں کا ایک جھنڈ
تھا۔ اس جھنڈ کو اژدہا نے صاف کر دیا۔ وہاں سے
ایک گہرا سوراخ نکل آیا۔ اژدہا بولا۔
"عظیم دیوتا! اس سوراخ کے اندر اگر آپ چلے
جائیں تو آپ خزانے تک پہنچ جائیں گے۔"
ناگ نے کہا۔
"تم ایسا کرو کہ اس علاقے میں جتنے سانپ موجود ہیں
ان کی ڈیوٹی لگا دو کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے اس
سوراخ کو غار میں بدل دیں تاکہ ہم اس میں سے گذر کر
خزانے میں پہنچ جائیں۔ ہم رات اوکیشیا گاؤں میں بسر
کریں گے۔ اور صبح آئیں گے۔ ہر کام تیار ملنا چاہیئے۔"
"ایسا ہی ہوگا جناب" اژدہا نے سر جھکا کر کہا۔
ناگ نے اودلگا کو ساتھ لیا اور اوکیشیا گاؤں میں
آگیا۔ یہ ایک بڑا چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ایک ٹیلے پر چند
ایک مکان بنے تھے۔ یہاں کی آبادی رلی جلی تھی۔ کچھ
چینی لوگ تھے۔ کچھ روسی اور کچھ یارقندی اور
سنکیانگ کے تاجر تھے جو یہاں آکر آباد ہوگئے تھے۔
ناگ اور اودلگا نے یہاں ایک مندر کے پجاری سے کہا کہ

وہ رات بسر کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی جگہ مل جائے گی؟
پجاری نے سر سے پاؤں تک ناگ اور اولگا کو دیکھا
پھر کہا۔

"ایک کمرہ مل جائے گا مگر ایک رات کے پانچ
ہزار روپے ہوں گے۔"

"میں دے دوں گا۔ یہ لو دو ہزار روپے ایڈوانس!"
پجاری کی تو آنکھیں کھل گئیں۔ سمجھ گیا کہ یہ کوئی سمگلر جوڑا
ہے جو چین کی سرحد پر ناجائز مال کی سمگلنگ کرتا ہے۔
اس نے کہا۔

"حضور! تشریف لے چلیے۔"

پجاری انہیں ایک تنگ سے مکان میں لے گیا۔ جہاں
سخت نمی اور سردی تھی۔ اندھیرا بھی ہو رہا تھا۔

"آپ کو میں ابھی آگ جلانے کے لیے لکڑیاں بھجوائے
دیتا ہوں۔ اور ہاں کھانا چائے وغیرہ بھی ابھی آ جائے گا۔"

پجاری چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں ہی ایک لنگڑا نوکر
کھانا اور چائے کی بھری ہوئی کیتلی لے کر آ گیا۔
آتش دان میں آگ جلی تو کمرہ گرم ہوا۔ کھانا وغیرہ کھا کر
اولگا اور ناگ آرام کرنے لگے۔ پجاری نے جاتے ہی
اپنے ایک خاص دوست کیٹو ڈاکو کو بلوا بھیجا۔ اس

ڈاکو کے ساتھ مل کر پجاری مسافروں کو لوٹا کرتے تھے۔
اور ان کا مال آدھوں آدھ کر لیا کرتے تھے۔ کیٹو نے
آتے ہی اپنی بڑی بڑی سیاہ مونچھوں پر ہاتھ پھیرا
اور تھوک کر بولا۔

"کیوں بے موٹے پیٹ والے چوہے! کس لیے
بلوایا ہے مجھے؟ کیا کوئی تازہ شکار نظر آیا ہے؟"

"کیوں نہیں۔ تم بیٹھو تو سہی۔"

پجاری نے کیٹو ڈاکو کو قریب ہی بٹھا لیا اور کہا۔

"ایک سمگلر ایک عورت کے ساتھ آ کر مکان میں
ٹھہرا ہے۔ اُن کے پاس کافی دولت معلوم ہوتی ہے
ہاتھ صاف کرنے کا بڑا سنہری موقع ہے۔"

کیٹو کے منہ سے رال ٹپکنے لگی۔

"کیا تم نے دیکھا ہے کہ اُن کے پاس دولت
ہے؟"

"ارے کیوں نہیں؟ ہر بات پرکھ کر تم سے
بات کرنے لگا ہوں۔ انہوں نے ایکدم سے پانچ ہزار
روپے پہ مکان ایک رات کی رات لے لیا ہے اور
یہ دیکھو دو ہزار روپے پیشگی بھی ادا کر دیا ہے۔
میں کہتا ہوں کہ یہ کوئی بڑے اونچے پیمانے کے سمگلر

ہیں۔ ضرور ہیرے جواہرات کی سمگلنگ کرتے ہیں۔"
کیٹو نے کہا۔

"ٹھیک بات ہے۔ آج رات ہی معلوم کر لوں گا۔"

اس رات کیٹو کو پجاری نے ایک خفیہ جگہ پر چھپا دیا۔ یہاں سے ڈاکو، ناگ اور اولنگا کی بات چیت بڑی آسانی سے سن سکتا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد اولنگا نے ناگ سے کہا۔

"ہم خزانے کو سرحد پار کیسے لے جائیں گے؟"
ناگ بولا۔

"یہاں سے ایک گدھا لے کر خزانہ اس پر لادنا پڑے گا۔"

"گدھا یہاں سے مل جائے گا؟"

"گدھا نہیں ملے گا تو کوئی خچر خرید لیں گے۔ بہرحال اتنا بڑا صندوق ہم اٹھا کر نہیں لے جا سکتے۔"

خزانے کے صندوق کا نام سن کر تو کیٹو ڈاکو کی باچھیں کھل گئیں۔ خوشی سے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ ساری زندگی اس نے کبھی اتنی دولت کا ذکر نہیں سنا تھا۔ یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ اگر کسی طرح سے

یہ صندوق اس کے ہاتھ آگیا تو وہ ساری زندگی کے لیے چوریوں اور ڈاکے سے بے نیاز ہو جائے گا۔ اوکیشیا میں ایک شاندار محل بنائے گا اور نوکروں کے جھرمٹ میں باقی ساری زندگی آرام سے بسر کر دے گا۔
اس نے کان لگا دیئے۔ ناگ کہہ رہا تھا۔

"بس اب آرام کرو اولنگا بہن! صبح اٹھتے ہی خزانے کی طرف چلنا ہے۔ خچر کا بندوبست وہاں سے آ کر کریں گے۔"

اولنگا بولی۔

"میرا تو خیال ہے کہ خچر کا انتظام ہمیں صبح کو ہی کر لینا چاہیئے۔"

"ارے بھئی اتنی صبح صبح یہاں کون ہمیں خچر لا کر دے گا۔ پہلے چل کر خزانہ دیکھ آئیں گے۔ اس کے بعد آرام سے آ کر خچر خریدیں گے اور اس پر صندوق لاد کر آگے روانہ ہو جائیں گے۔ یہاں بھلا کون ہمیں دیکھ رہا ہو گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی؟" "شب بخیر!"

"شب بخیر!"

ڈاکو کیٹو تو خوشی سے لال پیلا ہو کر وہاں سے

نکلا۔ اس نے پُجاری کو بھی ساری بات بیان نہ کی۔ بس
اس کے پاس آ کر اتنا ہی کہا۔

"اتنی موٹی آسامی نہیں ہے۔ بس یہی چھ سات ہزار
روپے ان لوگوں کے پاس ہیں۔ ارے موٹے! اتنے
تھوڑے پیسوں کے لیے میں کسی کو قتل نہیں کیا کرتا
تمہیں معلوم ہے۔"

پُجاری بولا۔

"کیٹو میاں! قتل نہیں کرنا تو کم از کم ان سے چھین
کر ساری رقم مجھے ہی دلوا دو۔"

"بک بک بند کرو۔ نہیں تو ابھی روسی ایجنٹ سے
جا کر تمہاری شکایت کر دوں گا۔ جانتے نہیں وہ میرا
گہرا دوست ہے۔"

پُجاری ہاتھ باندھ کر کہنے لگا۔

"اچھا بھائی معاف کر دے۔ میں نے تو تمہاری
بھلائی کے لیے ہی تمہیں بُلایا تھا۔"

کیٹو نے پُجاری کے سر پر ایک دھپ ماری اور
یہ کہہ کر چل دیا۔

"تمہاری بھلائی کا شکریہ موٹے!"

ڈاکو کیٹو وہاں سے سیدھا اپنے مکان پر گیا۔

اس نے ایک چھرا ایک پستول اپنے کوٹ کے اندر
چھپایا۔ سر پر گرم مفلر لپیٹا۔ اور پلنگ پر اس طرح
سو گیا جیسے صبح صبح اسے کسی ڈیوٹی پر جانے کے لیے
جلدی اٹھنا ہو۔ ساری رات اُس نے آنکھوں میں گذار
دی۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ مگر دن کی روشنی
بادلوں کی وجہ سے پھیکی اور دھندلی تھی۔ کیٹو ڈاکو
مکان سے نکل کر سیدھا ایک ایسی جگہ پر آ گیا جہاں
سے اُسے ناگ کے مکان کا دروازہ صاف نظر آ رہا
تھا۔ وہ انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ہی مکان کا دروازہ کھلا اور ناگ
اور لنگا کو لے کر باہر نکلا۔ وہ سخت سردی میں گرم
کپڑوں میں ملبوس تھے۔ ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔
ڈاکو کیٹو نے اُن کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ کافی
فاصلے پر تھا اور ناگ اور لنگا کے پیچھے پیچھے چل رہا
تھا۔ ٹیلے کے پاس پہنچ کر وہ دونوں ڈاکو کی نظروں سے
اوجھل ہو گئے۔ ڈاکو بھاگ کر ٹیلے کے پاس پہنچا۔

"کہاں غائب ہو گئے یہ لوگ؟"

اتنا قیمتی شکار ہاتھ سے جاتا دیکھ کر ایک بار تو ڈاکو
کو پسینہ آ گیا۔ اس نے ٹیلے کا چکر لگایا۔ پیچھے کی

جانب وہ آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک جگہ جھاڑیاں صاف
کر دی گئی ہیں اور وہاں ایک تازہ سُرنگ کھُدی ہوئی
ہے۔ یہ سُرنگ راتوں رات علاقے کے سارے سانپوں
نے مل کر کھود ڈالی تھی اور اس میں سے ایک آدمی تھوڑا
جھُک کر گذر سکتا تھا۔ ڈاکو نے جھُک کر سُرنگ کے اندر
دیکھا۔ اندر اندھیرا تھا۔

ٹھیک، اسی وقت ناگ اور اولگا خزانے کے صندوق
کے پاس پہنچ گئے تھے اور سانپ ان دونوں کو منزل
پر پہنچا کر واپس چلے گئے تھے۔ ڈاکو نے سوچا کہ ضرور
دونوں اندر ہی خزانہ لینے گئے ہیں۔ اُس نے باہر چھُپ
کر دونوں کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ ٹیلے پر
جھاڑیوں میں ایک ایسی جگہ چھُپ گیا جہاں سے وہ غار
کے منہ کو اچھی طرح سے دیکھ سکتا تھا۔ اور اگر وہاں کوئی
بات کرے تو وہ سُن بھی سکتا تھا۔

اندر ناگ نے صندوق کا منہ کھولا تو اولگا کی آنکھیں خوشی
سے چمک اُٹھیں۔ صندوق قیمتی اور انمول ہیرے جواہرات
سے بھرا ہوا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"کیا تم اپنے دادا کے خزانے کو پہچانتی ہو؟"

"کیوں نہیں۔ اس صندوق پر ہمارے خاندان کا

نشان بنا ہوا ہے یہ دیکھو۔ سُرخ رنگ کا نشان!"

ناگ ہنسا۔

"ارے میں نے تو تم سے مذاق کیا تھا۔ یہ زارِ
روس کا خزانہ ہی ہے۔ یہ خزانے کے اوپر زارِ روس کا
خط پڑا ہوا ہے۔"

اولگا نے جلدی سے خط لے کر پڑھنا شروع کر دیا
لکھا تھا۔

"جس شخص کو یہ خزانہ ملے اس کو معلوم ہونا چاہیئے
کہ یہ خزانہ روس کے آخری شہنشاہ زار کا خزانہ ہے۔
اگر اس نے کوشش کر کے اس خزانے کو اس کی پوتی
یا پوتوں تک پہنچا دیا تو وہ چوتھائی خزانے کا حق دار
ہو گا اور میری روح اسے دعا دے گی۔ اگر اس نے سارا
خزانہ خود ہی ہضم کر لیا تو میری روح اُس سے بدلہ لے گی
اور اسے ساری زندگی پریشان کرتی رہے گی۔"

دستخط: زارِ روس

اولگا نے خط کو چوما۔

"میرے دادا کی تحریر ہے یہ۔"

ناگ نے کہا۔

"مگر میں چوتھائی خزانہ تم سے نہیں لوں گا۔"

اودگا بولی!

" مگر ناگ بھائی! چوتھائی خزانہ تو تمہارا حق ہے۔ تم
اسے کیوں نہیں قبول کرتے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

" اودگا! تم نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ مجھے خزانے
کی کمی نہیں ہے۔ میں اگر چاہوں تو زمین کے اندر چھپے
ہوئے سارے خزانے یہاں ڈھیر کروا سکتا ہوں۔ مگر مجھے
اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

اودگا۔ بھائی۔ میں تمہارا کس زبان سے شکریہ ادا
کروں؟ تم نے نہ صرف مجھ پر بلکہ میرے سارے خاندان
پر احسانِ عظیم کیا ہے۔

ناگ۔ اودگا! تم نے تو تکلف کرنا شروع کر دیا
چلو اب شہر چل کر خچر کا بندوبست کرتے ہیں جس پر
یہ صندوق لادا جائے گا۔ اور ہاں ایک کپڑا بھی خریدنا
ہے جو اس خزانے کے اوپر ڈالا جائے گا

دونوں غار سے باہر نکل آئے۔

ڈاکو غار کے اوپر جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا تھا۔ اس
نے دونوں کو خالی ہاتھ غار سے نکلتے دیکھا تو چوکس ہو گیا
ناگ نے اودگا سے کہا۔

" اگر ہم خزانے کو خچر پر لاد کر آج ہی یہاں سے روانہ
ہو جائیں تو میرا خیال ہے کہ شام تک یا رات تک کسی
وقت چین کی سرحد میں داخل ہو کر سنکیانگ پہنچ جائیں
گے۔"

" ہاں! چین کی سرحد یہاں سے دس میل کے فاصلے
پر ہی ہے۔"

" اب خچر جلدی مل جانا چاہیئے۔"

" اس کا انتظام پجاری کر دے گا۔"

دونوں شہر کی طرف چل دیئے۔ ڈاکو سوچ میں پڑ گیا
اب اسے ان لوگوں سے پہلے کسی گھوڑے کو لا کر خزانہ
وہاں سے نکال کر بھاگ جانا تھا۔ خزانہ غار کے اندر ہی
تھا۔ ڈاکو وہاں سے ایک طرف کو دوڑ پڑا۔ ٹیلے سے
کچھ فاصلے پر اس نے ایک جگہ ایک خچر کو جھاڑیوں
میں چرتے دیکھا۔ ڈاکو نے خچر کو پکڑا اور اسے غار کے
منہ پر لا کر کھڑا کر دیا۔ وہ غار کے اندر گیا تو کیا دیکھتا
ہے کہ ایک جگہ زمین پر صندوق پڑا ہے۔ صندوق کو
کھولا تو اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اتنے ہیرے جواہرات
اس نے خواب میں بھی کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ڈاکو خوشی
سے ناچنے لگا۔ پھر اس نے ہوش میں واپس آتے ہوئے

صندوق کو اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھنا چاہا مگر ایسا نہ ہو
خچر کو اندر لانا ہوگا۔"

یہ سوچ کر وہ غار سے باہر آگیا۔ وہ خچر کو لگام سے پکڑ کر کھینچتا ہوا غار کے اندر لے آیا۔ خزانے کے قریب لا کر اس نے خچر کی دُم کھینچ کر اُسے زمین پر بٹھا دیا۔ بڑی ترکیب کے ساتھ خزانے والے صندوق کو اُٹھا کر خچر کے اوپر رکھا۔ اسے رسیوں سے کس کر باندھا اور خچر کو اٹھا کر باہر لے آیا۔

دن کی روشنی دھندلی تھی اور کہر بھی چھا رہی تھی۔ ا
اور اولگا ابھی وہاں نہیں آئے تھے۔ دونوں شہر میں خچر تلاش کر رہے تھے۔ کہ ڈاکو نے خزانے سمیت خچر کو اپنے ساتھ لیا اور سنکیانگ کی سرحد کی طرف نکل گیا۔ سنکیانگ کے سرحدی شہر میں اس کا ایک دوست رہتا تھا۔ جس کا نام چُنگو تھا۔ چُنگو خود بڑا قاتل اور سمگلر ڈاکو تھا۔ کیٹو ڈاکو کو معلوم تھا کہ اس کی مدد کے بغیر وہ اکیلا اتنا بڑا خزانہ ہضم نہیں کر سکے گا۔ اسے چُنگو کی مدد لینی پڑے گی اور اس کے لیے چُنگو کو آدھا حصّہ دینا پڑے گا۔

"سارا دھن جاتا دیکھیو تو آدھا دیجیو بانٹ۔"

کیٹو ڈاکو نے اس مثال پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور وہ خچر پر سوار اُسے لیے سرحد کی طرف چلا جا رہا تھا۔

اُدھر دوپہر کے وقت جا کر کہیں ناگ نے خچر کا بندوبست کیا۔ وہ خچر کو لے کر واپس غار میں آیا تو اندر جا کر یہ دیکھ کر ان دونوں کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے کہ وہاں خزانے کا صندوق نہیں تھا۔ اولگا تو غش کھاتے کھاتے رہ گئی۔ اس کے خاندان کا قیمتی اور نادر خزانہ چوری ہو گیا تھا۔ ناگ سے کہنے لگی

"ضرور اسے کسی نے چُرا لیا ہے۔ کوئی شخص ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔ اس نے ہمیں غار میں داخل ہوتے دیکھ لیا۔ ہماری باتیں بھی سُنیں اور اب ہم سے پہلے خزانہ لے کر رفوچکّر ہو گیا۔ ہائے میرے خدا! اب کیا کروں؟ اتنی دولت جو ہمارے خاندان کی امانت تھی ہاتھ سے نکل گئی۔"

ناگ کسی گہری سوچ میں تھا۔ وہ غور کر رہا تھا کہ وہ کون شخص ہو سکتا ہے جس نے خزانہ یہاں سے چوری کر لیا؟ غار سے باہر آ کر اس نے زمین پر خچر کے پاؤں کے نشان دیکھے۔ اِن کے ساتھ ہی ایک آدمی کے پاؤں کے نشان بھی تھے۔

ناگ نے اولگا سے کہا۔

"اولگا! کوئی شخص ہمارا خزانہ خچر پر لاد کر لے گیا ہے۔ یہ دیکھو ان دونوں کے پاؤں کے نشان! ہم ان دونوں کا تعاقب کریں گے۔"

اولگا بولی۔

"ناگ بھیّا! میں اس قابل نہیں ہوں کہ اب تمہارے ساتھ چل سکوں۔ مجھے تو تم یہاں ہی چھوڑ جاؤ تو اچھا ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"تم نے تو یونہی حوصلہ ہار دیا ہے۔ اری پگلی۔ مصیبت کے وقت حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے۔ تم میرے ساتھ تو چلو ہم اپنے چور کو ضرور تلاش کر لیں گے۔"

اولگا نے کہا۔

"آخر اس خشک زمین پر ہمیں کہاں تک پاؤں کے نشان ملیں گے؟ آگے جا کر دریا آتا ہے اس کے پاس ضرور یہ نشان غائب ہو جائیں گے۔"

ناگ بولا۔

"تم چلو تو سہی اولگا! میں تمہیں اکیلی کو یہاں چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔"

بڑی مشکل سے ناگ نے اولگا کو خچر پر بٹھایا۔ خود اس کی مہار تھامی اور زمین پر نظر آنے والے پاؤں کے نشانوں کے پیچھے پیچھے آگے بڑھا۔ یہ نشان آگے سرحد کی طرف جا رہے تھے۔ اس سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ ڈاکو خزانہ لے کر سرحد پار کر لے گا اور ضرور سنکیانگ میں ہی ہوگا۔ دوپہر کے بعد سچ مچ ایک دریا آ گیا جس کے کنارے پہنچ کر پاؤں کے نشان غائب ہو گئے۔ اولگا نے بے دلی سے کہا۔

"میں نہ کہتی تھی آگے دریا آئے گا۔ اور پھر ہمیں پاؤں کے نشان نظر نہیں آئیں گے۔ اب ہم کیا کریں گے؟"

"کیا کرنا ہے اولگا! دریا پار کریں گے۔"

ناگ نے خچر کو دریا میں ڈال دیا اور خود سانپ بن کر دریا کی سطح پر تیرنے لگا۔ دریا پار کر لیا گیا۔ دوسری طرف کنارے پہنچے تو ڈاکو کے پاؤں اور خچر کے کھروں کے نشان پھر سے شروع ہو گئے تھے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ ڈاکو آگے آگے جا رہا ہے اور خزانہ اسی کے پاس ہے۔

اولگا نے کہا۔

"ناگ بھائی! تم آگے اڑ کر کیوں نہیں جاتے؟"

جا کر معلوم کرو کہ ڈاکو خزانہ لے کر جا بھی رہا ہے کہ نہیں؟"
ناگ نے کہا۔

"ارے ہاں! یاد آیا۔ میں تو اُڑ کر بھی اسے دیکھ
سکتا ہوں۔ ٹھیک ہے۔ میں جاتا ہوں۔ تم خچر پر
اسی طرف آتی رہو۔ کسی دوسری طرف کو مت ہو جانا۔"
"نہیں۔ فکر نہ کرو۔ میں اسی راستے پر آرہی ہوں۔"
ناگ نے باز کا روپ بدلا اور اُڑان مار کر آسمان کی
بلندیوں پر جا پہنچا اور وہاں سے سرحد کی جانب پرواز
شروع کر دی۔ نیچے میدان بالکل خالی تھا۔ سرحد وہاں
سے دُور نہیں تھی۔ کہیں کہیں کھیت آئے۔ ان کھیتوں میں
چند ایک کچے مکان تھے۔ ایک جگہ ایک کسان اونٹ
آگے جوتے ہل چلا رہا تھا۔ یہ منگولیا کا اونٹ تھا۔
جس کی گردن پر گھنے بادامی رنگ کے بال تھے۔
سامنے سنکیانگ کی سرحدی چوکی آگئی۔
ڈاکو اور خزانے کا کوئی سراغ نہ ملا۔ باز نے نیچے
آکر اُڑنا شروع کر دیا۔ وہ سرحد کی لکیر کے ساتھ
ساتھ شمال کی جانب پرواز کر رہا تھا، یہ دیکھنے کے
لیے کہ ڈاکو نے کہاں سے سرحد پار کی ہوگی۔ آخر
ایک جگہ اس نے دیکھا کہ خچر کے پاؤں کے نشان سرحد

کے اندر جا رہے تھے۔
باز نیچے آگیا۔ خچر کے کھروں کے ساتھ ساتھ ڈاکو
کے پاؤں کے نشان بھی تھے۔ گویا ڈاکو نے اس جگہ سے
سرحد پار کی تھی۔ باز نے اوپر اُٹھ کر سرحد کی دوسری
جانب جا کر دیکھا۔ صوبے سنکیانگ کے سرحدی شہر
کی آبادی شروع ہو گئی تھی۔ یہاں سے اس طرح ڈاکو
کا کچھ پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ ناگ نے واپسی کا فیصلہ کیا
اور اولگا کے پاس آکر زمین پر اُتر آیا۔
اُترتے ہی وہ دوبارا انسان کی شکل میں آگیا اور
اولگا سے کہنے لگا۔

"اولگا! ڈاکو ہمارے خزانے سمیت سرحد عبور
کر کے سنکیانگ کے سرحدی شہر میں داخل ہو گیا ہے۔"
اولگا نے گہرا سانس بھرا۔
"تو پھر اب اسے ہم کیسے اور کہاں تلاش کریں
گے؟"
ناگ نے کہا۔

"جس طرح تلاش کیا جانا چاہیے، ہم اسی طرح انہیں
تلاش کریں گے۔ تم گھبراؤ نہیں اولگا! تمہارا خزانہ
تمہیں ضرور مل جائے گا۔ اگر وہ سات سمندروں کے نیچے

بھی ہُوا تو مَیں اسے وہاں سے نکال کر تمہارے حوالے کر دُوں گا۔"

ناگ نے اونگا کے خچر کی لگام تھامی اور سرحد کی طرف روانہ ہوگیا۔ سرحد زیادہ دُور نہیں تھی۔ پھر بھی خچر ہولے ہولے چل رہا تھا اور انہیں سرحد عبور کرتے کرتے رات ہوگئی۔ جس وقت وہ چینی صوبہ سنکیانگ کے سرحدی شہر میں داخل ہوئے تو رات پڑ چکی تھی۔ یہ ایک مختصر سا شہر تھا جس میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ ایک منزلہ تکونی چھتوں والے مکان تھے جن کے اندر تیل کے چراغ روشن تھے۔

"سب سے پہلے ہمیں سرائے تلاش کر کے شب بسری کا انتظام کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ ایسا ہی کرتے ہیں۔"

ناگ نے پوچھتے پوچھتے ایک سرائے کو تلاش کر ہی لیا۔ اور سرائے کے مالک سے رات بسر کرنے کی درخواست کی۔ سرائے والے نے پوچھا۔

"تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

ناگ نے جیب سے کچھ روپے نکال کر سرائے کے مالک کے حوالے کر دیئے اور کہا۔

"ہم تمہارے دوست ہیں اور سیر کرنے تمہارے شہر میں آئے ہیں۔"

روپے کی تھیلی پکڑ کر سرائے کے مالک کی باچھیں کھل گئیں۔ جُھک کر بولا۔

"مَیں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

ناگ نے کہا۔

"فی الحال تو یہی خدمت کیجئے کہ ہمیں رات بسر کرنے کے لیے ایک کمرہ دے دیں۔ پھر صبح آپ سے باتیں ہوں گی۔"

"جو حکم خاب۔"

سرائے کے مالک نے سرائے کا سب سے بڑا اور سب سے خوبصورت کمرہ انہیں دے دیا۔ اندر انگیٹھی میں آگ روشن کروا دی اور گرم گرم بکرے کا شوربہ اور چاول بھی بھجوا دیئے۔ ناگ نے ہنس کر کہا۔

"دیکھا اونگا! پیسے نے کس قدر کام کیا ہے۔"

اونگا بولی۔

"کاش! اب جس کام کے لیے یہاں ٹھہرے ہیں وہ بھی پورا ہو جائے۔"

"ہو جائے گا پورا۔ تم بالکل فکر نہ کرو۔ ظاہر ہے جو

شخص یہاں ہمارا خزانہ چُرا کر لایا ہے وہ ڈاکو اور سم
ہوگا۔ یہ ایک سرحدی شہر ہے اور ایسے شہروں میں سمگلنگ عام ہوتی ہے۔ سمگلروں سے اس سرائے کا مالک ضرور واقف ہوگا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ یہاں کے بڑے بڑے بدنام سمگلروں کے نام بتائے اور اُن کے ٹھک
بھی بتائے۔"

اورلگا نے کہا۔

"کاش! اِس شخص کو معلوم ہو کہ ہمارا خزانہ کس کے پاس ہے؟"

ناگ ہنسا۔

"گھبراتی کیوں ہو اورلگا۔ اگر اس سرائے کے مالک کو نہ بھی خبر ہوئی جب بھی میں تمہارا خزانہ تلاش کرکے ضرور اسے تمہارے حوالے کروں گا۔ تم بے فکر رہو۔"

رات کا کھانا کھا کر دونوں اپنے اپنے بستروں پر کمبل لحاف اوڑھ کر سو گئے۔

ادھر ڈاکو کیٹو خزانے کا صندوق لے کر سیدھا اپنے دوست سمگلر چُنگو کے ڈیرے پر پہنچا۔ خچر صندوق سمیت ڈیوڑھی میں ایک طرف اندھیرے میں کھڑی کی اور خود چُنگو کو جا کر بلا لایا۔

"اس صندوق کو کھولو۔"

چُنگو نے ہونٹوں کو آستین سے صاف کرتے ہوئے کیٹو کو دیکھا اور غرّا کر کہا۔

"حرامزادے! اپنے باپ سے مذاق کر رہے ہو کیا؟۔"

کیٹو نے کہا۔

"دوست ذرا صندوق کو کھولو تو سہی۔"

چُنگو نے کہا۔

"اس میں ضرور چرس ہوگی۔"

کیٹو نے آگے بڑھ کر صندوق کا ڈھکن کھول دیا۔

"چرس تو گھٹیا لوگ پیا کرتے ہیں۔ ذرا دیکھو یہ اس میں کیا ہے؟"

صندوق میں ہیرے جواہرات اندھیرے میں بھی ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ چُنگو تو بس وہیں بیٹھ گیا اور صندوق کے جواہرات کو تکتا ہی رہ گیا۔ ایک ایک ہار کو اُٹھا کر آنکھوں سے لگاتا۔ اُن کے موتیوں اور زمرّدوں کو چومتا۔ پھر کیٹو کی طرف دیکھ کر بولا۔

"یہ... یہ اتنا بڑا خزانہ تمہارے پاس کہاں سے آگیا؟ کیا کسی بادشاہ کو ہلاک کیا ہے؟ کسی بادشاہی پر

ڈاکہ ڈالا ہے؟ مگر بادشاہ تو آج کل کوئی بھی نہیں ہے
پھر... پھر اتنی دولت تمہیں کہاں سے ہاتھ لگ گئی؟
کیٹو ہنسا۔

"بس ایک جگہ سے ہاتھ لگ گئی۔ تم کو اپنا قسم کھا کر
کہتا ہوں کہ اس کے لیے مجھے کسی کا خون نہیں کرنا پڑا۔
کم بخت دس دس روپے کے لیے بھی میں نے لوگوں
کو ہلاک کیا ہے مگر اتنی دولت بڑے آرام سے مل جائے
گی یہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔"

چُنگو نے ایک ہار اپنے گلے میں ڈال لیا۔

"اب تم کیا چاہتے ہو میرے دوست کیٹو؟"
کیٹو نے کہا۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ اس دولت کا فائدہ اُٹھایا جائے
اسے بڑے آرام سے کھایا جائے۔ اور ہم دونوں میں سے
کوئی بھی اکیلا رہ کر اس کو نہیں کھا سکتا۔ اس لیے میں خود
یہ دولت سے بھرا ہُوا صندوق لے کر تمہارے پاس آگیا
ہوں تاکہ ہم اسے آدھوں آدھ کریں اور پھر بڑے آرام
سے کسی جگہ چھپا کر اسے استعمال کریں۔ خواہ چین کے اندر
شہر پیکن میں جا کر اسے فروخت کرکے اس کے عوض
بہت بڑا محل خریدیں اور تجارت کریں اور یا اسے کسی

بنک میں جمع کروا کر باقی ساری زندگی ٹانگ پر ٹانگ رکھ
کر گزار دیں۔"

اتنی شاندار زندگی کا سُن کر چُنگو کی تو آنکھیں کھل
گئی تھیں۔ سر کو خوشی سے بار بار ہلا رہا تھا اور زبان ہونٹوں
پر پھیر رہا تھا۔ اور گلے میں پڑے ہوئے ہار کو
جھک کر دیکھ رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا۔ کیٹو کی طرف
دیکھ کر بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ ایسا ہی ہوگا۔ چلو اب اس صندوق
کو اندر چل کر کسی جگہ چھپا دیں۔"

دونوں نے بڑی مشکل سے صندوق اٹھایا اور اسے
مکان کے پچھلے کمرے میں لے جا کر کونے میں رکھ دیا۔ چُنگو
نے کہا۔

"چلو چل کر پہلے کھانا کھا لیں۔ اس کے بعد اس خزانے
کو آدھا آدھا کریں گے۔"

چُنگو نے بکرے کو ذبح کرکے اسے بھونا۔ آج وہ بڑا
خوش تھا۔ اس لیے نہیں کہ اُسے آدھا خزانہ مل گیا تھا۔
بلکہ اس لیے کہ وہ پورے خزانے پر قبضہ کرنے والا تھا
اور اس نے کیٹو کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر وہ
چاہتا تھا کہ کیٹو— اس کا دوست بھوکا نہ مرے۔ پیٹ

بھرا ہُوا ہو تو وہ اسے مارے۔

دونوں دوست۔ دونوں دشمن کمرے میں لکڑی کی میز کے آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ چُنگو نے کہا۔

"خوب پیٹ بھر کر کھاؤ دوست! آج ہم بہت خوش ہیں۔ ہماری بہترین اور شاندار زندگی شروع ہونے والی ہے۔ ہم اپنی اس زندگی کی ابتدا کا جشن منا رہے ہیں۔ ہاہاہا۔ خوب کھاؤ۔ پیٹ بھر کر کھاؤ۔"

ڈاکو کیٹو بڑا خوش تھا۔ اس لیے کہ واقعی اسے بہت بڑی دولت ہاتھ لگی تھی۔ اس کی بادشاہوں ایسی زندگی شروع ہونے والی تھی۔ اُس نے بُھنا ہُوا بکرے کا گوشت خوب مزے لے لے کر کھایا۔ آخر جب وہ سیر ہو گیا تو اس نے کوٹ سے ہاتھ پونچھ لیے۔ چُنگو نے کہا۔

"یار اور کھاؤ نا۔ ابھی تو سارا گوشت ویسے ہی پڑا ہے۔"

"نہیں یار اب نہیں۔ بھوک نہیں رہی۔ بہت کھا لیا مَیں نے تو ساری زندگی اتنا کبھی نہیں کھایا۔"

چُنگو نے دل میں کہا۔

"بدنصیب کھالو۔ اور کھالو۔ یہ تو تمہاری زندگی کا آخری کھانا ہے۔"

چُنگو نے کھانے میں چپکے سے بے ہوش کرنے

والی دوائی ملا دی تھی۔ جس کی وجہ سے کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر بعد ہی کیٹو نے کہا۔

"یار میرا سر چکرانے لگا ہے۔"

چُنگو ہنسا۔

"بیٹے! ابھی تو سر چکرا رہا ہے۔ آگے آگے دیکھنا کیا ہوتا ہے۔"

کیٹو ایکدم سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تو کیا۔ تُو نے مجھے زہر دے دیا ہے؟"

چُنگو زور سے ہنسا۔ کیٹو ڈاکو نے جیب سے پستول نکالا ہی تھا کہ وہ لڑکھڑا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی چُنگو نے پستول کی گولیاں اس کی کھوپڑی پر ماریں اور وہ اگلے جہان کو سدھار گیا۔ کیٹو نے کتنے ہی انسانوں کو بے گناہ مار ڈالا تھا۔ آخر وہ بھی اپنے انجام کو پہنچا۔

مہمان کے روپ میں

چنگو نے کیٹر ڈاکو کی لاش اپنے مکان میں دبا دی۔
پھر وہ چراغ جلا کر اپنی پچھلی کوٹھڑی میں گیا اور جا کر
خزانے کو ایک بار پھر دیکھا۔ یہ تو کسی شاہی خاندان کا
خزانہ معلوم ہوتا تھا۔ چنگو بے حد خوش تھا۔ اس
نے صندوق بند کر کے کوٹھڑی کے باہر تالا لگایا۔ اس
کی چابی جیب میں رکھی اور وہیں دروازے پر لیٹ
کر سو گیا۔

اُدھر صبح ہوئی تو ناگ نے اولگا کو اُٹھایا۔ دونوں
نے منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا۔ ناگ نے کہا۔
"مَیں سرائے کے مالک کے پاس جا کر خزانے کی
ٹوہ لگانے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم میرا انتظار کرو۔"
ناگ نے سرائے کے مالک سے اِدھر اُدھر کی

باتیں شروع کر دیں۔ آخر میں اُس سے پوچھا کہ اس علاقے
میں کون کون سے سمگلر ہیں؟ سرائے کا مالک ایکدم چوکنا
ہو گیا۔ اسے معلوم تھا کہ حکومت کے جاسوس سمگلروں
کا پتہ لگانے کے لیے سرحدی شہروں کا دورہ کیا
کرتے ہیں اور بھیس بدل کر ان کے ٹھکانوں کا پتہ
لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک بار ایک آدمی نے
کسی سمگلر کا پتہ بتا دیا تھا۔ وہ سمگلر تو پکڑا گیا مگر اس
سمگلر کے ساتھی نے اُس آدمی کے سارے خاندان کو
بڑی بے دردی سے مار ڈالا تھا۔

اِس وجہ سے سرحدی شہروں کے لوگ خوف زدہ
ہو گئے تھے اور اب وہ کبھی کسی کے آگے سمگلروں کا
نام نہیں لیتے تھے۔ سرائے کے مالک نے بھی کہا۔
"سمگلر تو یہاں کوئی نہیں ہے جناب!"
ناگ نے کہا۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سرحدی شہر ہو اور یہاں کوئی
سمگلر نہ ہو۔"
سرائے کا مالک بولا۔
"اگر کوئی ہو گا جناب تو مجھے اس کا علم نہیں۔"
ناگ نے سرائے کے مالک کو روپے پیسے کا بھی

لالچ دیا۔ مگر اس نے کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔ ناگ نا امید ہو کر اٹھا اور شہر میں گھومنے پھرنے نکل آیا۔ بڑا معمولی سا شہر تھا۔ بلکہ گاؤں تھا۔ صرف ایک بازار تھا جہاں سمور کی کھالیں، نقلی پتھر اور گرم مسالے بک رہے تھے۔ ایک طرف پھل والے بیٹھے تھے۔ اتنے میں پہاڑ کے بڑے پجاری کی سواری آئی۔ پجاری کرسی پر بیٹھا تھا۔ کرسی ایک تخت پر رکھی تھی۔ تخت غلاموں نے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔

پجاری کا سر منڈا ہوا تھا۔ ہاتھ میں چاندی کا عصا تھا۔ سر کے اوپر چھتری تنی ہوئی تھی جس پر سونے چاندی کا کام کیا ہوا تھا۔ پجاری نے ناگ کے قریب سے گزرتے ہوئے گھور کر ناگ کو دیکھا۔ ناگ نے بھی بڑے غور سے پجاری کو دیکھا۔ پجاری کی سواری آگے نکل گئی۔ ایک شخص سے پوچھنے پر اس نے ناگ کو بتایا کہ یہ بڑے مندر کا پجاری ہے۔

ناگ واپس اپنے مکان میں آ گیا۔ اولگا نے پوچھا۔

"کچھ پتہ چلا؟"

ناگ نے سر ہلا دیا۔ "کچھ پتہ نہیں چلا۔"

"اب کیا ہو گا؟"

ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں اپنے جادو کے زور سے خزانے کا پتہ چلانے کی کوشش کروں گا۔"

ناگ نے منتر پڑھ کر سانپ کو بلایا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سانپ کی مدد سے خزانے کے ٹھکانے کا پتہ چلائے گا۔ اس نے کئی بار منتر پڑھ کر پھونک ماری کوئی سانپ نہ آیا۔ آخر اسے سانپ کی آواز آئی۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ آواز بڑی دور سے آ رہی ہے۔ جیسے سانپ کسی دور دراز جگہ پر بیٹھا باتیں کر رہا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"اے عظیم دیوتا! اس شہر میں داخل ہونے کی ہمیں اجازت نہیں۔ اس مندر کے بڑے پجاری نے ہم کو ادھر آنے سے منع کر رکھا ہے۔ اس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ ایک بار ایک سانپ ادھر آیا تھا تو پجاری کے جادو سے وہ جل کر راکھ ہو گیا۔"

ناگ نے کہا۔

"اگر تم ادھر نہیں آ سکتے تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ ہمارا خزانہ اس وقت کہاں ہے؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ خزانہ اسی سرحدی شہر میں کسی جگہ پر ہے۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر دُور سے سانپ کی آواز آئی۔

"عظیم دیوتا! میں اس وقت صرف اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ آپ کا قیمتی خزانہ اسی شہر میں ہے۔"

"کس مقام پر ہے؟ کیا تم یہ بتا سکتے ہو؟"

سانپ نے دُور سے آواز دے کر کہا۔

"عظیم دیوتا! میں صرف اندازے سے اتنا بتا سکتا ہوں کہ خزانہ شہر کے شمال مغرب میں کسی مکان کے اندر اس وقت موجود ہے اور یہ جگہ آپ سے زیادہ دُور نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب میں پتہ کر لوں گا۔"

ناگ کو اب خیال آیا کہ بڑے مندر کے پجاری نے اُس کی طرف گھور کر کیوں دیکھا تھا۔ اس شہر میں سانپوں کا داخلہ ممنوع ہے اور شاید پجاری اپنے جادو کے زور سے سمجھ گیا تھا کہ یہ ناگ اصل میں ایک سانپ ہے بلکہ سانپوں کا دیوتا ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ اُسے صرف اتنا ہی شک پڑا ہو کہ ناگ آنکھیں کیوں نہیں جھپک رہا کہیں یہ سانپ تو نہیں ہے؟

اولگا نے بے تابی سے پوچھا۔

"کچھ پتہ چلا؟ سانپوں نے کچھ بتایا؟"

ناگ نے کہا۔

"ایک عجیب بات ہوئی ہے اولگا۔ اس شہر میں ایک بڑا مندر ہے۔ اس مندر کا پجاری بھی جادوگری جانتا ہے۔ اس کو شاید سانپوں سے نفرت ہے۔ چنانچہ اس نے جادو کی مدد سے اس شہر کے اِرد گرد ایک ایسا خط کھینچ رکھا ہے کہ جس کے اندر سانپ داخل نہیں ہو سکتا۔ سانپ اندر داخل ہوتے ہی مر جاتا ہے۔"

"پھر؟"

"پھر یہ کہ ابھی ابھی ایک سانپ اس شہر سے باہر کھڑا ہو کر مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے بتایا ہے کہ خزانہ اسی شہر میں ہے۔"

اولگا نے خوش ہو کر پوچھا۔

"کہاں ہے؟"

ناگ بولا۔

"ذرا صبر کرو۔ ابھی بتاتا ہوں۔ سانپ نے مجھے بتایا ہے کہ خزانہ اسی شہر میں ہے اور شہر کے شمال مغرب میں کسی مکان میں موجود ہے اور وہ

مکان یہاں سے قریب ہی ہے۔"

اولگا نے سر جھکا لیا۔

"یہ کیسے معلوم ہو سکے گا کہ وہ مکان کہاں
ہے۔ اب ہم ایک ایک مکان کی تلاشی تو نہیں
سکیں گے؟"

ناگ نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں ایک ایک مکان کی تلاشی بھی
سکتا ہوں۔"

اور اسی وقت ناگ نے ایک چڑیا کی شکل بدل
شہر کے مکانوں کے چکر لگانے شروع کر دیا۔ اس
ایک ایک مکان کے آنگن میں جاکر غور سے اندر باہر
وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ شاید ان کے ہاں خزا
کا سُراغ لگ سکے۔ مگر کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ خود
سانپ بنتے ہوئے اس لیے گھبرا رہا تھا کہ کہیں
پجاری کا جادو اُسے جلا کر بھسم نہ کر دے۔ خدا جا
پجاری کے جادو میں اتنی طاقت تھی بھی کہ نہیں مگر
ناگ یہ خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ اگر ایک بار
وہ سانپ بن گیا اور پجاری کا جادو طاقت ور نکلا
تو وہ اسی وقت جل جائے گا۔

ناگ نے دوسرے سارے طریقے آزما لیے مگر خزانے
کا کوئی سُراغ نہ مل سکا۔ تنگ آکر وہ واپس اولگا کے
پاس آگیا۔ کہنے لگا۔

"اب تو مجھے اس شہر کے سمگلروں کو تلاش کر کے
اُن سے دوستی کرنی پڑے گی۔ اس کے سوا کوئی چارہ
نہیں ہے۔"

اولگا بولی!

"دوستی تم سے کون کرے گا بھائی! تم اِس شہر
میں اجنبی ہو اور سمگلر کبھی کسی اجنبی کے ساتھ اتنی
جلدی دوستی نہیں کیا کرتے۔"

"پھر میرا خیال ہے میں بھکاری بن کر اس شہر
کے ایک ایک مکان پر جاکر دستک دوں گا۔ آخر
کچھ نہ کچھ تو سُراغ مل ہی جائے گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی! ویسے مجھے تو ایسے لگ رہا
ہے کہ خزانہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔"

"ایسا نہیں ہوگا اولگا"

شام کو ناگ نے ایک فقیر کا بھیس بدلا اور شہر
کے گلی کوچوں میں چل پھر کر بھیک مانگنے لگا۔ وہ
ہر گھر کے دروازے پر جاکر اندر جھانکتا اور پھر آواز

لگاتا۔ کہیں سے خیرات ملتی۔ کہیں سے کوئی خیرات
دیتا۔ آخر صدا لگاتے لگاتے ناگ ایک ایسے مکان
کے دروازے پر آیا۔ جہاں ایک عورت رو رہی تھی
ناگ نے آواز لگائی۔

" خدا کے نام پہ کچھ خیرات مل جائے۔"

عورت نے روتے روتے آنکھیں اُٹھا کر ناگ
دیکھا اور کہا۔

" میں خدا کو نہیں مانتی۔"

ناگ نے کہا۔

" ایسی بات نہ کرو بہن! خدا تو ہر جگہ موجود ہے
ہاں تمہاری آنکھیں اُسے دیکھ نہیں سکتیں۔ اچھا یہ تو
بتاؤ کہ تمہیں کیا تکلیف ہے؟ تم پر کونسی مصیبت
آن پڑی ہے۔ کیونکہ اس دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے جب
کبھی کسی انسان پر مصیبت آن پڑتی ہے تو وہ خدا
کے خلاف ہو جاتا ہے اور جب خدا اس کی مصیبت
دُور کر دیتا ہے تو وہ معافی مانگتا ہے اور خدا کے
آگے جُھک جاتا ہے۔"

عورت نے کہا۔

" تم تو خود فقیر ہو۔ بھکاری ہو۔ لوگوں کے مکانوں

جا کر بھیک مانگتے ہو۔ تم میری کیا مدد کرو گے؟"

اگ نے کہا۔

"کہتی تو تم ٹھیک ہو۔ مگر پھر بھی اپنی مصیبت بیان
کرو۔ شاید میں تمہیں کوئی مشورہ ہی دے سکوں۔
جس سے تمہاری مصیبت دُور ہو جائے۔"

" عورت بولی۔

" تو سنو! میرا خاوند مر گیا ہے۔ میرا ایک ہی بیٹا
تھا جو دوسرے ملک گیا ہُوا ہے۔ میرے پاس تھوڑی سی
زمین تھی جس پر گذارہ کر رہی تھی۔ اُس پر بھی ساہوکار
نے قبضہ کر لیا ہے۔ اِس لیے کہ میں نے قرض لے رکھا
تھا۔ اب میرے پاس کھانے کو بھی کچھ نہیں ہے۔"

اگ نے پوچھا۔

" تمہاری زمین کتنی رقم میں رہن ہے؟"

عورت نے کہا۔

" رہن کہاں ہے بیٹا! ساہوکار نے اس پر قبضہ کر لیا
ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں اسے چھ لاکھ روپے لا کر دوں تو
وہ زمین واپس کرے گا۔ ایک لاکھ قرض تھا جس پر
پانچ لاکھ ساہوکار نے سود ڈال دیا ہے۔ میرے پاس
کھانے کو کچھ نہیں۔ میں چھ لاکھ روپے کہاں سے لاؤں گی"

کو اس کے جی میں جانے کیا آئی کہ مکان سے باہر آ گیا
اور ایک طرف چل پڑا۔ شہر سردی میں خاموش تھا اور
سو رہا تھا۔ گلیاں اور بازار سنسان تھے۔

اس نے ایک آواز سُنی جیسے کوئی زمین میں پھاؤڑا
چلا رہا ہو۔ وہ اس آواز کی طرف لپکا۔ یہ آواز ناگ
کو ایک گلی میں لے آئی۔ آواز ایک مکان کے اندر سے
آ رہی تھی۔ ناگ نے دروازے کے ساتھ کان لگا کر
سُنا۔ اندر ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی زمین کھود رہا
ہے۔ تھوڑی دیر بعد آواز آنی بند ہو گئی۔ پھر جیسے
کوئی [illegible] میں آ رہا تھا۔ قدموں
کی آواز کے ساتھ ہی ناگ پرے ہٹ کر چھپ گیا۔
دروازہ کھُلا اور چُنگو ڈاکو نے باہر جھانک کر
دیکھا۔ پھر اس نے دروازے کو باہر سے تالا لگایا اور
ایک طرف چلا گیا۔ ناگ نے سوچا کہ اندر چل کر دیکھنا
چاہیئے کہ یہ زمین کسی خزانے کو دبانے کے لیے تو نہیں
کھودی جا رہی تھی؟ ناگ نے سانپ کا روپ دھارا
اور نالی کے راستے سے مکان کے اندر داخل ہو گیا۔
مکان میں صرف ایک ہی کمرہ تھا۔ ایک دِیا طاق میں
جل رہا تھا۔ ناگ نے دائیں بائیں گھوم کر دیکھا۔ سوائے

ایک چارپائی اور چند ایک پُرانے برتنوں کے اور کچھ
بھی نہیں تھا۔ پھر اسے ایک چھوٹا سا دروازہ نظر
آیا۔ یہ ایک کوٹھڑی تھی۔ ناگ اس کے اندر بھی گیا۔
اندر ایک چراغ روشن تھا۔ زمین ہموار تھی۔ کسی جگہ
سے معلوم نہ ہوتا تھا کہ یہ جگہ کھودی گئی ہے اور اس
کے اندر خزانہ دفن کیا گیا ہے۔

ناگ باہر آ رہا تھا کہ مکان کا دروازہ کھُلا اور چُنگو
اندر آیا۔ ناگ چُپکے سے بائیں طرف نالی میں سے گذر
کر باہر نکل گیا۔ ناگ کو اس آدمی پر شک سا پڑ گیا تھا۔
اگر اس شخص کے پاس خزانہ نہیں ہے تو کم از کم اُسے
یہ ضرور معلوم ہے کہ خزانہ کس کے پاس ہے اور کس
جگہ ہے۔ ناگ نے سوچا کہ اس شخص سے مل کر دوستی
کرنی چاہیئے اور خزانے کا سُراغ لگانا چاہیئے۔ ناگ
دوسرے دن چُنگو کے مکان پر آیا اور دستک
دی۔ چُنگو نے دروازہ کھول کر پوچھا۔

"کون ہو تم؟ کیا چاہتے ہو؟"

ناگ نے کہا۔ "میں اس شہر میں مسافر ہوں۔ میرے
پاس سونے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ آپ کا سُنا کہ آپ
بڑے اچھے آدمی ہیں سو آپ کے پاس چلا آیا۔"

چنگو نے غصّے میں کہا۔

"شہر میں سرائے نہیں ہے کیا جو میرے پاس آگئے ہو چلو۔ بھاگو یہاں سے۔"

ناگ نے کہا۔

"جناب! میں ایک کھاتے پیتے گھرانے کا نوجوان ہوں۔ کبھی سرائے میں نہیں رہا ——— میں آپ کی نذر ایک ہیرا پیش کرتا ہوں"

اور ناگ نے جیب سے ایک قیمتی ہیرا نکال کر چنگو کو پیش کیا۔ چنگو نے ہیرے کی چمک دمک دیکھی تو دنگ رہ گیا۔ پھر ناگ کو دیکھا۔ ناگ اچھے قیمتی لباس میں تھا۔ سمجھ گیا کہ کوئی امیر خاندان کا چشم و چراغ ہے اس کو گھر میں مہمان رکھ لینا چاہیئے۔

"مگر تم نے یہ ہیرا کہاں سے حاصل کیا دوست؟"

"حاصل کیا؟" ناگ نے کہا "بھائی! یہ میں نے زادِ راہ کے لیے ساتھ رکھا ہُوا ہے۔ یہ میں آپ کی نذر کر رہا ہوں۔ کیونکہ مجھے آپ کی دوستی پر بھروسہ ہے۔"

چنگو نے سوچا کہ اس نوجوان کے پاس اس قسم

کے اور ہیرے بھی ہوں گے۔ اس لیے اسے ضرور مہمان رکھ لینا چاہیئے۔ بس چنگو لالچ میں آگیا۔ اس نے کہا۔

"اچھی بات ہے تم میرے ہاں ٹھہر سکتے ہو۔ تمہیں صرف آدھی رات کو میرے ہاں آنے کی اجازت ہوگی۔ اس سے پہلے تم شہر میں گھومتے پھرتے رہو گے کیونکہ آدھی رات تک میرے گھر والے میرے پاس ہوتے ہیں۔ آدھی رات کے بعد وہ اپنے دوسرے گھر چلے جاتے ہیں۔ کیا تمہیں منظور ہے؟"

"مجھے منظور ہے۔"

چنگو چاہتا تھا کہ یہ مہمان نوجوان کم سے کم اس گھر میں رہے تاکہ اُس کو خزانے کے بارے میں ذرا سا بھی شک نہ پڑ سکے۔ ادھر ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اسے اس شخص کے گھر میں آنے کی اجازت تو ملی۔ اب وہ کم از کم اپنے شک کو تو دُور کر سکتا تھا ناگ نے واپس گھر جا کر اوگا کو ساری بات بتائی۔ اوگا ہنسی۔

"یہ تو تم کھسیانی بلّی کی طرح کھمبا نوچ رہے ہو۔ ناگ بھائی! ان باتوں سے اب کچھ نہیں ہوگا۔ ویسے

مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اگر تم وقت ضائع کرنا چاہتے
ہو تو کرو۔ میں تو اب بھی یہی کہوں گی کہ مجھے
آگے جلنے کی اجازت دو اور تم واپس روس جا کر
اپنے دوست کی تلاش شروع کرو۔"
ناگ ہنسا۔

"کوئی بات نہیں اولگا بہن! ایک وقت آئے گا کہ
تم ہی کہو گی ناگ بھائی! تم ٹھیک کہتے تھے۔ اور یہ
وقت بہت جلد آئے گا۔ بس مجھے صرف چار روز کی
اور مہلت دے دو۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے بھلا کب اعتراض ہے۔ تم
دس روز چاہو تو میں یہاں ٹھہرنے کو تیار ہوں۔ میں
نہیں چاہتی کہ تم یہ کہو کہ دیکھو اولگا نے مجھے کوشش
نہیں کرنے دی۔"

ناگ دوسرے روز شام کے وقت گھر سے نکلا
اور شہر میں گھومتا پھرتا رہا۔ آدھی رات کے
بعد چنگو ڈاکو کے گھر گیا۔ وہ ناگ کا انتظار کر رہا
تھا۔ ناگ نے اسے پھر کچھ روپے دیئے۔ چنگو نے
اسے کھانا اور پھل کھانے کو دیا۔ ناگ نے کہا۔
"پھل کھاؤں گا بھائی! کھانا تو میں کھا چکا ہوں۔"

کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد ناگ سو گیا۔ اصل میں
وہ سویا ہوا نہیں تھا بلکہ جھوٹ موٹ پڑا تھا اور
جاگ رہا تھا۔ وہ پتہ کرنا چاہتا تھا کہ یہ شخص آدھی
رات کے بعد کوئی حرکت تو نہیں کر رہا؟ ناگ انتظار
کرتے کرتے سونے ہی لگا تھا کہ اس نے دیکھا کہ چنگو
بستر سے اٹھ کر اندر والی کوٹھڑی میں گیا ہے۔ ناگ بھی
اٹھ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اندر سے ٹھک ٹھک
کی آوازیں آنے لگیں۔ اندر روشنی ہو رہی تھی۔ ناگ
نے سوچا کہ سانپ کی شکل میں اندر چلا جائے۔ پھر خیال
آیا کہ کوٹھڑی چھوٹی سی ہے اور چراغ بھی روشن ہے
سانپ اسے نظر آ جائے گا اور وہاں سے بچنا مشکل ہو
جائے گا۔ ابھی وہ غور ہی کر رہا تھا کہ چنگو ڈاکو باہر
آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک جواہراتی ہار تھا جس کے
ہیرے اندھیرے میں بھی چمک رہے تھے۔

راکٹ میں

ناگ خاموشی سے بستر پر لیٹ گیا۔
اس نے یوں آنکھیں بند کرلیں جیسے سو رہا ہو۔
چُنگو ڈاکو نے ناگ کی چارپائی کے قریب آکر اسے
جُھک کر دیکھا۔ یہ تسلّی کرنے کے لیے کہ کیا وہ سو ر
ہے؟ ناگ نے ہلکے ہلکے خراٹے لینے شروع کردیے
تھوڑی دیر تک چنگو ڈاکو جواہرات کے ہار کو پیا
سے دیکھتا اور چُومتا رہا۔ پھر اندر کوٹھڑی میں گیا اور
اسے کسی جگہ چھپا کر واپس آگیا اور بستر پر لیٹ
گیا۔ وہ جاگ رہا تھا اور بار بار پہلو بدل رہا تھا جس
کی وجہ سے ناگ کو مہلت نہ مل سکی کہ وہ اندر جاسکے
اتنے میں دن چڑھ آیا۔ ناگ یونہی انگڑائی لے کر

اُٹھا۔

آج تو بڑی گہری نیند آئی۔"
"بھائی!
چُنگو ڈاکو ہنسا۔
"اچھا! میں بھی خوب سویا۔"
ایک طرح سے ڈاکو کو تسلّی ہوگئی کہ اس شخص نے
رات کچھ بھی نہیں دیکھا۔ چُنگو ڈاکو کی عادت ہوگئی تھی
کہ وہ ہر رات اُٹھ کر جواہرات کے ہار کو دیکھتا اور چُومتا
تھا۔ وہ دولت کا بڑا لالچی ہوگیا تھا۔
ناگ کو اب یقین ہوگیا تھا کہ خزانہ اسی شخص کے
پاس ہے۔ اب اُس سے یہ خزانہ نکلوانا تھا۔ اس نے
خزانے کو کسی جگہ دفن کر رکھا تھا۔ ناگ سانپ بن کر
خود معلوم نہیں کرسکتا تھا۔ اتنا تو اسے معلوم ہوگیا تھا
کہ اس پر بڑے پُجاری کا جادُو کام نہیں کرتا۔ کیونکہ
وہ رات کو سانپ بن کر بھی زندہ رہا تھا۔ اب ایک
ہی طریقہ تھا کہ کسی سازش کے ذریعے اس ڈاکو سے پتہ
کیا جائے کہ خزانہ کس جگہ دفن ہے؟ ناگ سوچتا رہا۔
آخر اُسے ایک ترکیب سُوجھی۔ اس نے ایک رات
آتے ہی چُنگو ڈاکو سے کہا۔
"بھائی! کل رات مَیں نہیں آسکوں گا۔ کیونکہ مجھے
سرحد پر جاکر اپنے ایک دوست کا انتظار کرنا ہے

گا۔

جو روس سے آرہا ہے۔"
چُنگو نے کہا۔
"بہت اچھا۔ مَیں کل رات دروازہ اندر سے بند
کرکے سوؤں گا۔"

دوسری رات ناگ وہاں نہ آیا اور اپنے گھر پر ہی رہا
لیکن جب آدھی رات ہوئی تو وہ چپکے سے گھر سے نکلا
اور ڈاکو کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ رات کے اندھیرے
میں گلی بازار سنسان تھے۔ ڈاکو کے گھر کے پاس جاکر
ناگ نے سانپ کا رُوپ بدلا اور ایک سُوراخ میں سے
چُنگو ڈاکو کے گھر میں داخل ہوگیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ڈاکو
اپنے بستر پر سو رہا ہے۔

شاید ابھی آدھی رات نہیں گذری تھی۔ شاید ابھی وہ
وقت نہیں آیا تھا جب وہ کوٹھڑی میں جاکر اپنی خفیہ
دولت کو نکال کر پیار کرتا تھا۔ سانپ ایک کونے میں
لگ کر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکو نے بستر پر لیٹے
لیٹے حرکت کی۔ سانپ ہوشیار ہوگیا۔ وہ بستر پر سے
اٹھا اور کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔
آج وہ اکیلا تھا۔ ناگ وہاں نہیں تھا۔ اس لیے وہ
بے فکر ہوگیا تھا۔ اس نے دروازہ بند کرنے کی بھی

ضرورت نہ سمجھی۔ کوٹھڑی میں جاتے ہی چراغ روشن
کردیا۔ کوٹھڑی چھوٹی تھی جس کی وجہ سے چراغ کی
روشنی چاروں طرف پھیل گئی۔ سانپ کو بس صرف
ایک ہی خطرہ تھا کہ کہیں ڈاکو کی نظر اس پر نہ پڑ جائے۔
کیونکہ اگر ڈاکو اس پر حملہ کردیتا تو پھر وہاں سے نکلنا
بہت مشکل تھا۔ ناگ کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔
اس کے باوجود سانپ کا اندر جاکر خفیہ خزانے کا راز
معلوم کرنا بھی بہت ضروری تھا۔ سانپ آہستہ آہستہ
رینگتا ہُوا کوٹھڑی کی چھت پر آگیا اور کونے میں
تھوڑا اندھیرا تھا وہاں لگ کر چمٹ گیا۔ کیا دیکھتا ہے
کہ ڈاکو نے فرش پر سے دری پرے ہٹائی۔ نیچے لکڑی
کا ایک چوکھٹا لگا تھا۔ اسے بھی اٹھا دیا۔ نیچے وہی
صندوق تھا جس کی ناگ اور اونگا کو ضرورت تھی۔
یعنی زار روس کے خزانے کا صندوق جسے اُڑا لیا
گیا تھا۔

سانپ کو تسلی ہوئی کہ خزانہ مل گیا۔ اب وہ اونگا
کے سامنے بڑے فخر سے سر اُونچا کرسکے گا۔ ڈاکو
نے صندوق کا ڈھکن اُٹھا کر اس میں سے جواہرات
کا ایک جڑاؤ ہار نکالا۔ اُسے گلے میں ڈالا۔ دوسرے

ہار کو اُٹھا کر غور سے دیکھا۔ اسے آنکھوں سے لگایا۔ چُوما اور جھُومنے لگا۔

اس قسم کا دولت پرست لالچی اور حریص آدمی سانپ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سانپ چھت کے کونے سے چمٹا یہ سارا منظر بڑے غور سے اور بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ جب حریص ڈاکو کا جی بھر گیا تو اس نے صندوق کا ڈھکنا بند کیا۔ اس کے اوپر لکڑی کا تختہ رکھا۔ پھر دری بچھائی اور اُٹھ کر کوٹھڑی سے باہر نکلنے ہی والا تھا کہ جانے کس طرح اس کی نظر چھت کے کونے میں لگے سانپ پر پڑ گئی۔

سانپ کو دیکھتے ہی اس نے چراغ زمین پر رکھا اور کونے میں سے بندوق اٹھا کر فائر کر دیا۔ گولی سانپ کے قریب ہی چھت پر لگی جس کی وجہ سے چھت ہل گئی اور اس کے ہلنے سے سانپ چھت سے نیچے گر پڑا۔ نیچے گرتے ہی وہ ڈاکو کی طرف لپکا مگر ڈاکو نے دوسرا فائر کر دیا۔ خدا کا شکر بجالایا ناگ کہ گولی ایک بار پھر اسے نہ لگی۔ نشانہ چُوک گیا۔ سانپ نے اب کے اُسے نہ چھوڑا۔

سانپ نے ڈاکو کے پاؤں پر ڈس دیا۔ اس نے

ڈاکو کے جسم میں بس اِتنی ہی زہر داخل کی تھی کہ جس سے وہ بے ہوش ہو جائے اور مَرے نہ۔ ڈاکو کے جسم پر پہلے لرزہ طاری ہُوا۔ اس کے ہاتھ سے بندوق گِر پڑی۔ اُس نے بھاگنا چاہا مگر اُس کے پاؤں سُن ہو کر من کے ہو گئے۔ وہ اپنی جگہ سے ایک قدم بھی نہ ہل سکا اور فرش پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔

ناگ اسی وقت انسان کی شکل میں آ گیا۔ اس نے کوٹھڑی کو بند کر کے تالا لگایا اور وہاں سے نکل کر سیدھا اولگا کے پاس پہنچا۔ اسے ساری کہانی سنائی اور کہا۔

"چلو اب یہاں سے نکل چلنا ہو گا۔"

ناگ اولگا کو ساتھ لے کر گھر سے نکلا۔ سرائے کی ڈیوڑھی میں ایک گھوڑا بندھا ہُوا تھا۔ ناگ نے اُسے کھول کر ساتھ لے لیا۔ مکان سے دُور سڑک پر جا کر اُس نے اولگا کو گھوڑے پر بٹھایا اور ڈاکو کے مکان پر آ گیا۔ اُس کے مکان کا دروازہ کھُلا تھا۔

"اس مکان کے اندر تمہارا خزانہ پڑا ہے آؤ میرے ساتھ۔"

اندر جا کر ناگ نے اولگا کو صندوق دکھا دیا۔ اولگا

صندوق دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔ــ اسے اپنی آنکھوں
پر یقین نہیں آرہا تھا۔ بھلا جو خزانہ اس سے
چھین لیا گیا تھا وہ دوبارا اسے کیسے مل سکتا تھا؟
مگر ناگ نے ٹھیک کہا تھا۔ خزانہ اس کے سامنے
زمین کے اندر پڑا تھا۔

"یقین نہیں آرہا ناگ بھائی۔"
ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"دیکھ لو خزانہ تمہارے سامنے رکھا ہے۔ اب اسے
اٹھا کر گھوڑے پر رکھتے ہیں اور تم اپنی منزل کی طرف
چلو اور میں واپس روس جاکر اپنے بھائی اور بہن
ماریا کی تلاش شروع کرتا ہوں۔"

ناگ اور اولگا نے صندوق اٹھا کر گھوڑے پر
لادا۔ ناگ نے کہا۔

"اور ہاں۔ اس میں سے ایک جڑاؤ ہار مجھے دے
دو۔ میں نے ایک مصیبت زدہ بیوہ عورت کی مدد
کرنی ہے۔"

"ناگ بھائی! تم سارا خزانہ لے کر رکھ سکتے ہو۔"
ناگ سے کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے کوئی خزانہ

نہیں چاہیے۔ صرف ایک جڑاؤ ہار لوں گا وہ بھی بیوہ
عورت کی امداد کے لیے۔ اس سے میں نے وعدہ کیا تھا۔"
اس نے کہا

ناگ نے ہار لے کر جیب میں رکھا اور اولگا کو خزانے
کے ساتھ گھوڑے پر سوار کر کے کہا۔

"اب تم اپنے سفر پر جاسکتی ہو۔"
اولگا نے کہا۔

"ناگ بھائی! چوکنگ اپنی پھوپھی کے گھر تک کا
سفر دو دن ایک رات کا سفر ہے۔ میں اکیلی ہوں
راستے میں اگر ڈاکوؤں نے مجھے لوٹ لیا تو پھر کیا
ہوگا۔ میری تو مدد کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔"
ناگ سوچنے لگا۔

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں تو یہی چاہتی ہوں کہ تم چوکنگ تک میرے
ساتھ چلو۔ میں تمہاری بڑی احسان مند ہوں گی۔"
ناگ نے کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ ویسے تم ٹھیک کہتی ہو۔
تمہارا اکیلے جانا مناسب نہیں۔ میں تمہارے ساتھ
چلوں گا۔ لیکن ایک منٹ کے لیے واپس اپنے مکان

پر چلو۔ مَیں یہ ہار اُس بیوہ عورت کو دے کر آتا ہوں۔"

اودنگا اپنے مکان کی طرف چل پڑی اور ناگ بیوہ عورت کے دروازے پر آگیا۔ اس نے دروازے کو دستک دی۔ اندر سے کچھ دیر بعد بیوہ عورت کی آواز آئی۔

"کون ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"وہی بھکاری جس نے تمہاری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔"

دروازہ ایکدم سے کھُل گیا۔ بیوہ عورت سامنے کھڑی تھی۔ اس نے ناگ کو اچھے کپڑوں میں دیکھا تو حیران سی ہو کر بولی۔

"کیا تم وہی فقیر ہو جو گلیوں میں بھیک مانگا کرتا تھا؟"

ناگ نے کہا۔

"ہاں! مَیں ہی وہ فقیر ہوں۔ مگر وہ ایک راز تھا۔ اُس راز پر سے مَیں پردہ نہیں ہٹا سکتا۔ مَیں تمہاری مدد کرنے آیا ہوں۔"

"کیسی مدد؟" عورت نے پوچھا۔ "کیا تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو؟"

"نہیں میری بہن! مَیں مذاق نہیں کر رہا۔"

اور پھر اُس نے جیب سے جڑاؤ ہار نکال کر اُسے دیتے ہوئے کہا۔

"یہ لو ہار۔ اِس کو بیچ کر تم اپنا قرض ادا کر کے زمین واپس لے سکتی ہو۔"

بیوہ عورت نے ہار دیکھا تو اس کی آنکھیں کھُل گئیں۔

"یہ تم کہاں سے لائے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"یہ چوری کا نہیں ہے۔ یہ میرا اپنا ہار ہے اور اس پر کسی کا حق نہیں ہے۔ تم اِسے بے فکر ہو کر فروخت کر سکتی ہو۔ اچھا اب خدا حافظ!"

ناگ بیوہ عورت کو خوش خوش اور کچھ حیران بھی چھوڑ کر واپس اودنگا کے پاس آگیا۔ اب انہوں نے ایک دوسرے گھوڑے کا بندوبست کیا اور دونوں شہر چھوگنگ کی جانب روانہ ہو گئے۔

جتنی رات باقی رہ گئی تھی وہ انہوں نے سفر میں

گذار دی۔

ہمارا خیال ہے کہ اولگا اور ناگ کو اس جگہ چھوڑ کر اب ہم ذرا عنبر کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ عنبر سائیبریا کے شمال مغرب کی جانب ایک لیبارٹری اور راکٹ لانچر کے بیس کیمپ کی طرف جا رہا تھا۔ وہ اس کیمپ میں جا کر کسی طیارے کے ذریعے یہاں سے اُڑ جانا چاہتا تھا تاکہ جاپان کے سمندر میں جا کر ماریا کو تلاش کیا جائے۔ اس نے جاپانی سمندر میں ماریا کو جہاز پر دیکھا تھا۔

عنبر جس وقت راکٹ کیمپ میں پہنچا۔ صبح ہو چکی تھی یہ ایک پُر اسرار اور خفیہ کیمپ تھا جہاں حکومت چھُپ کر تجربے کرتی تھی۔ عنبر کے بارے میں اس کیمپ کو اطلاع مل چکی تھی کہ اسے جہاں اور جس حالت میں بھی دیکھا جائے فوراً گرفتار کر لیا جائے اور چونکہ وہ کسی طاقت ور شئے سے بھی گرفتار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اسے بے ہوش کر کے گرفتار کیا جائے اور کیمپ کے تہہ خانے میں قید کر لیا جائے۔

عنبر اس حکم سے بے خبر تھا۔ وہ جس وقت کیمپ میں پہنچا تو اسے کچھ نہیں کہا گیا۔ پہریداروں اور سپاہیوں

... کے ساتھ مہربانی ...ر خاص احکام مل چکے تھے۔ وہ اُس کے ساتھ مہربانی ...ور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ کمانڈر نے عنبر ...ے ہاتھ ملایا اور کہا۔

"ہیڈ کوارٹر نے ہمیں آپ کی خدمت کے لیے ...خاص طور پر مقرر کیا ہے۔"

عنبر پہلے تو حیران ہُوا۔ سوچنے لگا کہ ان لوگوں ...نے کوئی جال تو نہیں پھیلا رکھا؟ پھر خیال آیا کہ بھلا ...انہیں جال پھیلانے کی کیا ضرورت ہے؟ ان کو تو معلوم ...ہی ہے کہ عنبر کے پاس خفیہ طاقت ہے اور وہ ان ...کے قابو میں آ ہی نہیں سکتا۔

"شاید یہ لوگ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں۔"

عنبر دل ہی دل میں ہنس پڑا کہ ان لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہے میں نے یہاں سے بھاگنے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ میں تو کسی ہوائی جہاز کی تلاش میں یہاں آیا ہوں۔ جونہی میری پسند کا ہوائی جہاز نظر آیا میں اس میں بیٹھ کر نو دو گیارہ ہو جاؤں گا۔

کمانڈر عنبر کو ایک طرف لے جا کر بولا۔

"ہیڈ کوارٹر نے خاص طور پر ہدایت کی ہے کہ آپ کو اپنا ایک خاص راکٹ دکھایا جائے۔ یہ راکٹ

حکومت بڑے خفیہ طریقے سے تیار کر رہی ہے۔ کیا
آپ اسے دیکھنا پسند کریں گے؟"
"کیوں نہیں ضرور دیکھوں گا۔"
عنبر کے دل میں ایک پَل کے لیے بھی خیال نہ آیا
کہ یہ لوگ اسے راکٹ کے خاص مضبوط ترین لوہے
کے کمرے میں لے جا کر بے ہوش کرنا چاہتے ہیں
لیکن ان لوگوں کو بھی خبر نہ تھی کہ قسمت اُن کے ساتھ
بھی کھیل رہی ہے۔ عنبر کمانڈر کے ساتھ چلا۔
کمانڈر اسے لے کر ایک راکٹ لانچر پیڈ پر آ گیا۔
یہاں ایک مصنوعی سیّارہ کھڑا تھا جسے چاند پر اتارنے
کے لیے تیار رکھا گیا تھا۔ یہ سیّارہ کچھ دنوں بعد
آسمان کی طرف پرواز کرنے والا تھا۔ کمانڈر نے یہ
سکیم تیار کی تھی کہ اس راکٹ کے اندرونی کمرے میں
لے جا کر گیس چھوڑ کر عنبر کو بے ہوش کر دیا جائے
گا۔

کمانڈر عنبر کو لے کر راکٹ کے اوپر رکھتے ہوئے
مصنوعی سیّارے کے خاص کمرے میں آ گیا اور عنبر
سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں کمانڈر
پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ عنبر کو اس بات کا احساس ہی نہ ہوا

کمانڈر اسے سازش میں اُلجھا رہا ہے۔ اُس کے
وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی۔
کمانڈر نے موقع دیکھتے ہی دروازے سے باہر
چھلانگ لگا کر بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی کمرے
کا فولادی دروازہ یک لخت بند ہو گیا۔ یہ دروازہ
اِس قدر مضبوط تھا کہ دو ہاتھی مِل کر ہی اسے توڑ سکتے
تھے۔ پھر بھی عنبر کے پاس اتنی خفیہ طاقت تھی کہ
وہ اسے توڑ سکتا۔ مگر مصیبت یہ ہوئی کہ کمانڈر نے
باہر آتے ہی اشارہ کیا۔ نیچے سے ایک دوسرا بٹن
دبا دیا گیا۔ اس بٹن کے دبنے سے عنبر کے کمرے میں
گیس پھیل گئی۔ یہ گیس اس قدر طاقت ور تھی کہ ایک
ہی سانس نے عنبر کو بے ہوش کر دیا اور وہ گر پڑا۔
بدنصیبی یہ ہوئی کہ عنبر بے ہوش ہو کر سامنے ایک
مشین کے اوپر گر پڑا۔ اور اُس کے گرنے سے راکٹ
کے ایندھن میں آگ لگ گئی۔ کمانڈر سیڑھی سے اُتر کر
زمین پر آیا ہی تھا کہ ایکدم سے مصنوعی سیّارے کا
راکٹ ایک بھیانک شور کے ساتھ آگ اُگلنے لگا۔
سارے کیمپ کے لوگ بھاگ کر اپنے کمروں سے
باہر نکل آئے۔ اُن کے سامنے مصنوعی سیّارہ آہستہ

آہستہ لانچنگ پیڈ سے . . . اوپر اُٹھ رہا تھا
سب لوگ بے بسی کے عالم میں اُسے دیکھ رہے
تھے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ کمانڈر نے پیچھے ہیڈکوارٹر
سگنل دے دیا کہ غلطی سے راکٹ شوٹ ہو گیا ہے۔
ہیڈ کوارٹر والوں نے اُسی وقت ایک تیز رفتار
جیٹ جہاز کو کیمپ کی طرف روانہ کر دیا۔ مگر جب یہ
جہاز ہیڈ کوارٹر کے افسروں اور انجنیئروں کو لے
کر آیا تو انہوں نے دیکھا کہ مصنوعی سیّارہ دُور
آسمان کی وسعتوں میں گم ہو رہا تھا۔ وہ سر پیٹ کر
رہ گئے۔

اسی وقت کمانڈر کو دس ہزار روپے جُرمانے
کی سزا سنا دی گئی۔ کیونکہ اس کی موجودگی میں اُن کا
جہاز اغوا کیا گیا تھا۔ مصنوعی سیّارہ یا راکٹ
آسمان کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ چُکا تھا۔ عنبر اندر
گیس کے اثر کی وجہ سے بے ہوش پڑا تھا۔ کافی
دیر بعد عنبر پر گیس کا اثر ختم ہُوا۔ اُسے ہوش آیا
اُس نے آنکھیں کھول کر اپنے اِرد گِرد دیکھا ۔
چھوٹے سے گول کمرے کی ہر شے ویسی ہی پڑی تھی۔
مگر ایک بات دیکھ کر عنبر ذرا گھبرایا۔ راکٹ کی

ساری مشینیں ہلکی ہلکی آواز کے ساتھ چل رہی تھیں اور
چھوٹے چھوٹے نقطے جگہ جگہ روشن ہو رہے تھے۔ کیا یہ
راکٹ چل چکا ہے اور آسمانوں میں اُڑ رہا ہے؟ عنبر نے
دل میں سوچا پھر سر کو جھٹک کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ وہ مشینوں
کے پُرزوں کو غور سے تکنے لگا۔ اس کے اندر چُھپا ہُوا
انجنیئر بیدار ہو رہا تھا۔ اس نے جونہی گول شیشے میں سے
باہر جھانکا اس کو چکّر آ گیا اور وہ گرتے گرتے بچا۔
راکٹ خلا میں پرواز کر رہا تھا۔

چاند سے بھی آگے

آسمان کا رنگ سیاہ تھا۔

ستارے سفید سورجوں کی طرح چمک رہے تھے۔ دُور زمین نظر آ رہی تھی۔ آدھی اور بالکل گول سنگترے کی طرح۔ عنبر کا راکٹ زمین سے دُور ہوتا جا رہا تھا۔ عنبر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ یہ ان لوگوں نے اُسے کس مصیبت میں چھوڑ دیا ہے۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ نیچے والوں نے جان بُوجھ کر اُسے راکٹ میں بٹھا کر خلا میں چھوڑ دیا ہے۔ اب ایک مصیبت یہ ہوئی کہ خدا جانے کس وجہ سے وائرلیس سے زمین کے ساتھ راکٹ کا رابطہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ گول کمرے میں سناٹا تھا بس مشینوں کی ہلکی ہلکی سرسراہٹ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

کسی وقت کمپیوٹر کی آواز آتی اور پھر رُک جاتی۔

عنبر کو کوئی احساس نہیں تھا کہ وقت کیا ہے۔ اس کی گھڑی گیارہ بجا رہی تھی۔ خدا جانے یہ رات کے گیارہ تھے یا دن کے گیارہ تھے۔ کیونکہ وقت صرف زمین پر ہوتا ہے جہاں سورج طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے۔ خلا میں کوئی وقت نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہاں کونسا سورج طلوع ہوگا اور غروب ہوگا؟

اِس راکٹ کو اس طرح سے بنایا گیا تھا کہ اندر زمین کی کشش سے کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ عنبر اپنا وزن اتنا ہی محسوس کر رہا تھا جتنا وزن وہ زمین پر محسوس کیا کرتا تھا۔ اس نے گول شیشے والی کھڑکی سے منہ لگا دیا اور باہر ستاروں اور سیاروں کا منظر تکنے لگا۔

سیاہ آسمان میں دُور تک ستارے اور سیارے موتیوں کی طرح — سفید موتیوں کی طرح بکھرے پڑے تھے۔ کوئی آواز، کوئی سرگوشی تک نہ تھی۔ کوئی دوسری شے وہاں نہ تھی۔ عنبر نے وائرلیس پر کئی بار نیچے والوں کو پکارا۔ کئی بار نیچے زمین کو سگنل بھیجے۔ مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس کا رابطہ پوری طرح دنیا کے ساتھ کٹ چکا تھا۔

پہلی بار تو اُس نے راکٹ میں سوار ہو کر زمین کے

گرد چکر لگائے تھے۔ مگر اب تو وہ زمین سے دُور ہی دُور
ہوتا جا رہا تھا۔ کیا وہ چاند پر جا رہا ہے؟ کیا یہ راکٹ چاند
پر اتارنے کے لیے رکھا گیا تھا؟ عنبر کرسی پر سے اُٹھ کر
سیاہ صوفے پر لیٹ گیا۔ اس نے بھوک محسوس کی۔ دوسرے
چھوٹے سے گول کمرے میں گیا۔ یہاں کھانے پینے کے کچھ
ڈبے پڑے تھے جن میں خشک خوراک تھی۔ پانی کی بوتلیں
بھی تھیں۔ عنبر نے تھوڑی سی خوراک کھائی۔ پانی پیا اور
لیٹ کر سو گیا۔

کافی دیر بعد اس کی آنکھ کھُل گئی۔

کھڑکی سے سر لگا کر باہر دیکھا۔ تو حیران رہ گیا۔ زمین
بہت دُور پیچھے رہ گئی تھی۔ بالکل ایک چمکتا ہُوا بسنتی رنگ
کا لیموں معلوم ہو رہی تھی۔ دوسری طرف چاند پہلو میں سے
ہو کر گذر گیا ہے اور اس کے راکٹ سے دُور ہوتا
جا رہا تھا؟ تو کیا وہ چاند پر بھی نہیں اُترے گا؟ کیا
وہ چاند سے بھی دُور ــــ چاند سے بھی آگے جا رہا ہے؟

اب عنبر پریشان ہو گیا۔

کیونکہ راکٹ اس کے اختیار میں نہیں تھا اور وہ چاند
سے آگے کسی نہ معلوم سیّارے یا ستارے کی طرف
جا رہا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یا تو وہ کسی ستارے

کے ساتھ ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا۔ اور یا پھر کسی
سیّارے کے سورج کی کشش کی وجہ سے اس کے
جہنم میں داخل ہو کر جل بھُن کر گیس بن جائے گا۔

عنبر کو اس راکٹ میں چھوڑ کر ذرا نیچے زمین پر
آتے ہیں۔

ماریا اپنے بحری جہاز میں سوار جاپان کے سمندر کو
پیچھے چھوڑ کر آ چکی تھی اور ایک جزیرے کی طرف
بڑھ رہی تھی۔ یہ جزیرہ برف آلود تھا اور بے آباد۔
روس کے ساحل کے بالکل ساتھ تھا۔ انجنیئر نے ماریا
سے کہا۔

"بیٹی! یہاں ہمارا اُترنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا
کیونکہ یہاں روس نے اپنی خفیہ تجربہ گاہیں بنا رکھی ہیں
اور کبھی کبھی یہاں ایٹم بم کے دھماکے بھی کیے جاتے ہیں۔"

ماریا نے پوچھا۔

"تو کیا تمہارے خیال میں اس کے علاوہ کوئی ایسا
ساحل ہے جہاں ہم اُتر سکیں۔"

انجنیئر نے کہا۔

"میں تو اب بھی یہی کہوں گا کہ ہمیں روس کی بجائے
چین کی کسی بندرگاہ پر جہاز لگانا چاہیے تھا۔"

ماریا بولی۔

"نہیں۔ میں چین نہیں جانا چاہتی۔ وہ روس سے دور پڑے گا اور میرا یقین ہے کہ عنبر اور ناگ اسی روس کے علاقے میں ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر ماریا بیٹی تم روس کی خفیہ پولیس کو نہیں جانتی ہو۔ خیر تم تو غائب رہتی ہو تمہیں تو کوئی نہیں دیکھ سکے گا اور بچ جاؤ گی مگر مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے وہ لوگ۔ پکڑ کر جاسوس ہونے کا الزام لگا کر سائبیریا کے کسی کیمپ میں ڈال دیں گے اور پھر وہیں میری موت واقع ہو جائے گی۔"

ماریا نے کہا۔

"میں اپنے ساتھ تمہیں بھی بچالوں گی انکل!"

انجنیئر مسکرایا۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اِس علاقے میں ہر وقت خطرات کا سامنا رہے گا۔"

"کیا مطلب؟" ماریا نے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ یہ روس کا وہ علاقہ ہے جہاں اکثر ایٹمی دھماکے ہوتے رہتے ہیں۔ ایٹم بم وہ شے ہے کہ اس کی ہلاک کر دینے والی شعاعوں سے تم بھی زندہ نہ بچ

سکو گی۔ تم بے شک غائب ہو گی ایٹمی شعاعیں تمہیں غیبی حالت میں ہی گیس بنا کر بھک سے دوسری دنیا میں پہنچا دیں گی۔ اب بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے۔ میں نے تو حقیقت تمہارے سامنے بیان کر دی ہے۔ اب تم جو کہو گی مجھے منظور ہو گا۔"

ماریا سوچ میں پڑ گئی۔ انجنیئر ٹھیک کہہ رہا تھا۔ آخر وہ سوچ کر بولی۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے؟"

انجنیئر نے کہا۔

"میں تو اب بھی یہی کہوں گا کہ یہاں سے جاپان کے شمال میں چین کی کسی بندرگاہ یا ساحل پر اُترا جائے اور پھر وہاں سے منگولیا اور تبت کی جانب سے روس میں داخل ہُوا جائے۔ یہ سفر محفوظ رہے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ایسا ہی کرتے ہیں جہاز کو واپس موڑ لو۔"

جہاز کا رُخ سمندر میں جاپان کے شمالی علاقوں میں چین کی جانب کر دیا گیا۔ دو روز کے سفر کے بعد ان کا جہاز ایک ایسے علاقے میں پہنچ گیا جس کے بارے میں نقشہ دیکھ کر انجنیئر نے بتایا کہ یہ علاقہ شمالی چین

کا ہے اور یہاں سے تبت کی سرحد زیادہ دُور نہیں
ہے۔"

"تو کیا ہم قطب شمال کی طرف نکل آئے ہیں؟"
"قطب شمالی یہاں سے کافی دُور ہے۔ ابھی ہم
گرم سمندروں میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے جہاز کو چین ہی کے ساحل پر
لگا دیا جائے۔"

جہاز کو ساحل کے ساتھ ایک جگہ لنگر پھینک کر کھڑا
کر دیا گیا۔ یہ شمالی چین کا بے آباد علاقہ تھا۔ چین
میں ابھی انقلاب نہیں آیا تھا اور جاگیردارانہ نظام تھا
اور بادشاہ حکومت کرتا تھا جس کی وجہ سے کوئی خاص
نگہداشت نہیں کی جا رہی تھی۔ ہر طرف رشوت ستانی
اور چوری ڈاکہ عام تھا۔ ڈاکو جگہ جگہ لوٹ مار مچاتے
پھر رہے تھے۔

جہاز سے کشتی سمندر میں ڈال دی گئی۔

اس کشتی میں سوار ہو کر انجنیئر اور ماریا کنارے
پر آگئے۔ کنارے پر آکر ماریا کے دل میں خیال آیا
کہ وہ اپنے ساتھ اس بوڑھے بے چارے کو کیوں
گھسیٹ رہی ہے؟

اس نے انجنیئر سے کہا۔

"انکل! میرے خیال میں بہتر یہی ہے کہ تم جہاز
پر ہی رہو۔ میں آگے جاتی ہوں اور اپنے بھائیوں
کو تلاش کرتی ہوں۔ تم میرے ساتھ کیوں مصیبت اٹھاتے
پھرو گے۔"

انجنیئر بولا۔

"ایسی کوئی بات نہیں بیٹی! تمہاری حفاظت کرنے
والا کوئی ہونا چاہیئے۔"

ماریا ہنسی۔

"انکل! تمہیں میری حفاظت کی ضرورت نہیں ہے۔
میں اپنی حفاظت خود کروں گی۔ بہتر یہ ہے کہ تم اس جہاز
پر ہی رہو۔ آخر اس جہاز کی حفاظت کرنے والا بھی تو کوئی
ہونا چاہیئے۔"

انجنیئر نے سر جھکا کر کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی بیٹے۔ میں ویسے میں تیار رہوں۔ ارادہ
تو میرا یہی تھا کہ تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"نہیں انکل! تم جہاز پر ہی ٹھہرو۔ میں یہ سفر اکیلی
کروں گی۔"

پس ماریا نے بوڑھے انجنیئر کو وہیں سے واپس کر دیا

اس نے کچھ روپے پانی کی ایک چھاگل اور کچھ خشک گوشت تھیلے میں بھر کر ساتھ لیا اور انجنیئر کے بنائے ہوئے نقشے کے مطابق آگے بڑھ گیا۔

انجنیئر کچھ دور تک ماریا کو میدان میں جاتا دیکھتا رہا۔ پھر وہ کشتی میں سوار ہو کر واپس اپنے جہاز پر آگیا ماریا نے اسے کہہ دیا تھا کہ جب تک وہ واپس نہیں آتی وہ اسی جگہ رہے۔ ہاں اگر اسے بہت عرصہ گزر جائے اور وہ نہ آئے تو انجنیئر کو چاہیئے کہ وہ جہاز لے کر اپنے ملک انڈونیشیا چلا جائے۔"

"میں وہاں آکر تم سے کسی نہ کسی طرح، کبھی نہ کبھی مل لوں گی۔"

انجنیئر نے جہاز کے اوپر آکر کشتی کو اوپر کھینچ لیا۔ خود جہاز کے کیبن میں گیا۔ قہوے کی ایک پیالی پی اور لیٹ کر سو گیا۔

دوسری طرف ماریا سفر کر رہی تھی۔ اسے سارا دن گذر گیا۔ شام کے قریب وہ ایک گاؤں کے پاس پہنچی۔ یہاں چند ایک جھونپڑے بنے تھے اور غریب چینی کسان کاشت کر رہے تھے۔ ماریا نے محسوس کیا کہ وہ بے حد غریب ہیں اور ان کے بچے گندے

ہیں۔ ماریا کو بڑا ترس آیا۔ اس کے پاس کوئی ایک ہزار چینی سونے کے سکے تھے۔

ماریا نے ساری جھونپڑیوں کے اندر جا کر دس دس بیس بیس سونے کے سکے پھینک دیے اور آگے روانہ ہو گئی۔ کچھ دیر بعد چینی لوگوں نے سونے کے سکے دیکھے تو خوشی سے ناچنا شروع کر دیا۔ ماریا انہیں دُور سے دیکھتی رہی اور خوش ہوتی رہی۔ اس گاؤں سے آگے اسے ایک ٹیلے کے دامن میں ایک چھوٹا سا حویلی نما اِک منزلہ پکا مکان نظر آیا۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ اس علاقے کے جاگیردار یا چینی نواب کا گھر ہے اور یہ چینی کاشتکار اسی نواب کے لیے اپنا خون پسینہ بہا رہے تھے۔

ماریا کے لیے یہ ایک اچھی آرام گاہ تھی۔

اس حویلی میں وہ آرام بھی کر سکتی تھی اور یہاں سے اپنے لیے سواری کا بندوبست بھی کر سکتی تھی۔ اسے آگے ابھی بڑا لمبا سفر کرنا تھا۔ ماریا حویلی کے دروازے پر آ گئی۔ شام ہو چکی تھی۔ حویلی پر لیمپ جلا دیا گیا تھا۔ ایک ہٹا کٹا آدمی بندوق لیے پہرہ دے رہا تھا۔ دروازہ بند تھا۔ ماریا نے سوچا کہ اندر کس طریقے سے داخل ہو کہ پہرے دار کو بھی خبر نہ ہو۔ اتنے میں کسی نے

اندر سے باہر آنے کے لیے دروازہ کھولا۔ ماریا کے لیے
یہ سنہری موقع تھا۔

وہ دوبارا بند ہونے سے پہلے پہلے اندر داخل ہوگئی۔
ایک چھوٹا سا رستہ باغ میں سے ہوکر سامنے ایک چھوٹے
سے محل کے برآمدے کو جاتا تھا۔ اس برآمدے میں
ایک فانوس جل رہا تھا۔ پنجروں میں قید بلبلیں شور
مچا رہی تھیں۔ ایک جانب بڑا سا کُتا زنجیر کے ساتھ
بندھا تھا۔ اس نے ایک غائب عورت کی موجودگی کو
محسوس کرتے ہی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ماریا کی بُو
سُونگھتے ہی اُٹھ کر زور زور سے بھونکنا شروع کردیا

ماریا اس کے بھونکنے سے ایک بار تو سہم گئی۔
کُتا ماریا کی طرف منہ کرکے زور زور سے بھونک
رہا تھا۔ اسے بھونکتے اور بہت بُری طرح سے بھونکنے
کی آواز سُن کر اندر سے ایک گول مٹول سا چینی جاگیردار
باہر آیا۔ اُس نے ریشم کا لباس پہن رکھا تھا۔

اس نے آتے ہی کُتّے کو پچکار کر کہا۔

"موتی! کیوں بھونک رہے ہو؟ یہاں
کون ہے؟ کس پر بھونک رہے ہو۔ بس اب چُپ
ہو جاؤ۔ بڑی ہوگئی۔ کیا مجھے آرام کرنے دوگے کہ

نہیں؟"

مگر کُتا بھونکے ہی جا رہا تھا۔ اس کا منہ برابر ماریا
کی طرف تھا۔ جاگیردار نے اُس طرف دیکھ کر کہا۔

"ارے یہ اس طرف کون ہے جس پر تُو اِس بُری
طرح سے بھونک رہا ہے؟"

اور پھر جاگیردار نے خود اُس طرف جاکر دیکھا جدھر
ماریا کھڑی تھی۔ ماریا اُسے دیکھ کر جلدی سے پرے ہٹ
گئی۔ جب کُتا پھر بھی بھونکنے سے باز نہ آیا تو جاگیردار
نے تالی بجا کر نوکر کو بلایا۔

"اِس کم بخت کو یہاں سے لے جاؤ۔"

ہٹے کٹے نوکر نے زنجیر کھولی اور کُتّے کو گھسیٹتا ہُوا
وہاں سے لے گیا۔ کُتا اس قدر زور میں تھا کہ نوکر کے
قابو میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ جاگیردار نے اطمینان کا سانس
لیا اور واپس اپنی آرام گاہ میں داخل ہونے کے بعد
دروازہ بند کر دیا۔ ماریا نے بھی خدا کا شکر ادا کیا کہ
اس کُتّے سے نجات ملی۔ کم بخت اگر کُھلا ہوتا تو ضرور
ماریا کو کاٹ کھاتا۔

ماریا نے حویلی کے اِرد گرد گھوم پھر کر دیکھا۔ پچھلی
جانب اصطبل تھا جہاں تین سیاہ رنگ کے بڑے

عمدہ گھوڑے گھاس وغیرہ کھا رہے تھے۔ پاس ہی ایک بگھی بھی تھی۔ ماریا نے ان میں سے ایک گھوڑے کو اپنے لیے پسند کر لیا۔

"آج کی رات اس حویلی میں گزارنے کے بعد کل اسی گھوڑے پر سوار ہو کر آگے سفر کیا جائے گا۔"

یہ سوچ کر ماریا واپس حویلی کے دروازے پر آگئی وہ اپنے رات بسر کرنے کا ٹھکانا تلاش کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس حویلی کے اندر کسی کمرے کے آرام دہ بستر پر لیٹ کر اور اچھی خوراک کھا کر رات بسر کی جائے تاکہ اگلے روز وہ تازہ دم ہو کر اُٹھے۔

اندر جانے کا صرف وہی ایک راستہ تھا جس کے دروازے میں سے گول مٹول جاگیردار نمودار ہوا تھا۔ اور وہ دروازہ اب بند ہو گیا تھا۔ ماریا کچھ دیر برآمدے میں ٹہلتی رہی۔ پھر اُسے بھوک نے تنگ کیا اور اندر سے بڑے اعلیٰ قسم کے گرم گرم کھانے کی خوشبو آئی۔

ماریا نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

تھوڑی دیر بعد اسی جاگیردار نے دروازہ کھول کر سر باہر نکالا اور حیرانی سے پوچھا۔

"کون ہے؟"

جب اسے کوئی شخص ایسا نظر نہ آیا جس نے دروازے پر دستک دی ہو تو وہ سخت غصے میں آگیا اور برآمدے میں آکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا پھر اپنے آپ سے بولا۔

"یہ کس نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا؟ کون بدتمیز ہو سکتا ہے کہ دروازے پر دستک دے کر غائب ہو گیا ہے؟"

پھر خود ہی سر پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟ نہیں نہیں۔ میرا خیال ہے مجھے یونہی آواز آئی ہو گی ورنہ یہاں کون آسکتا ہے بھلا؟"

اتنا کہہ کر جاگیردار دوبارہ اندر چلا گیا۔

ماریا اس سے پہلے اندر داخل ہو چکی تھی۔ ماریا نے اندر داخل ہوتے ہی دیکھا کہ سجا سجایا ڈرائنگ روم تھا جس کے فرش پر ریشمی قالین بچھا تھا۔ دیواروں پر ریشمی پردے لٹکے تھے۔ آرام دہ نرم صوفے دیواروں کے ساتھ رکھے تھے۔ بیچ میں چھت کے ساتھ ایک سنہری فانوس لٹک رہا تھا۔ شاید اس پر سونے کا پانی چڑھا تھا۔

ماریا نے پہلے سوچا کہ اسی جگہ رات بسر کی جائے۔ پھر خیال آیا کہ یہاں آنا جانا لوگوں کا لگا رہے گا۔ وہ بے چین ہو گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ حویلی کے پچھواڑے کوئی پُرسکون کمرہ تلاش کیا جائے۔ ویسے بھی اسے بھوک لگی تھی اور وہ سب سے پہلے تو حویلی کے باورچی خانے میں جانا چاہتی تھی جہاں سے مسالے دار گرم گرم پلاؤ کی خوشبو آ رہی تھی۔

ماریا ایک دروازے میں سے گذر کر دوسری طرف آئی تو اُدھر سامنے ہی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ یہ باورچی خانہ تھا۔ پلاؤ کی خوشبو اسی کمرے سے آ رہی تھی۔ باورچی خانے کا دروازہ کھُلا تھا۔ ماریا اندر چلی گئی۔ ایک موٹا چینی باورچی کھانا لگا کر باہر لے جانے والا تھا۔ ماریا نے اسے باہر جانے دیا۔

باورچی چلا گیا تو ماریا نے دیکھا کہ دیگچے قسم قسم کے کھانوں سے بھرے ہوئے تھے۔ گوشت بھُنا ہُوا تھا۔ پکا ہُوا تھا۔ اُبلا ہُوا تھا۔ پلاؤ تھا۔ بریانی تھی اور سویاں تھیں اور پھل تھا۔ ماریا نے جی بھر کر سب کچھ کھایا۔ پھر سیب ہاتھ میں لے کر اُسے دانتوں سے کاٹ کاٹ کر کھاتی باہر نکل رہی تھی کہ

باورچی سامنے سے آتا نظر آیا۔

ماریا دروازے سے ٹکرائی تو اس کے ہاتھ سے سیب نکل کر فرش پر لڑھکتا ہُوا آگے چلا گیا۔ باورچی اپنی جگہ پر دھک سے رہ گیا کہ یہ اندر سے باہر کس نے سیب اٹھا کر پھینکا ہے کیونکہ وہ تو باورچی خانے کو خالی چھوڑ کر گیا تھا۔

اس نے آہستہ سے کہا۔

"اندر کون ہے؟"

اندر کوئی ہوتا تو جواب دیتا اندر تو کوئی بھی نہیں تھا۔ باورچی جُھک کر سیب اُٹھانے ہی لگا تھا کہ اس سے پہلے ماریا نے جُھک کر فرش پر سے سیب اُٹھا لیا۔ باورچی زمین پر جُھکے کا جُھکا ہی رہ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سیب غائب ہو گیا تھا۔ اس نے خود سیب کو فرش پر دیکھا تھا اور اب اس کے سامنے اچانک وہ غائب ہو گیا تھا۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے اٹھ کر چاروں طرف ڈر ڈر کر دیکھا خالی طشت اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ جاگیردار کی میز پر کھانا رکھ کر آ رہا تھا۔

"یہ کیا کوئی خواب تھا؟ کیا یہاں کوئی آسیب

ہے ؟"

باورچی نے سوچا۔ پھر سر جھٹک کر اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"تو نے آج ضرور بھنگ کے پکوڑے کھا لیے ہوں گے۔"

وہ اپنے آپ پر زور سے ہنسا اور باورچی خانے میں داخل ہوا۔ ماریا نے اب اس سے شرارت کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور وہاں سے چل کر ایک اور کمرے کی طرف آ گئی۔ کیونکہ اب اسے نیند آ رہی تھی۔ وہ جلد سے جلد کسی کمرے میں جا کر سو جانا چاہتی تھی۔

اچانک ایک کمرے کے قریب سے گذرتے ہوئے اسے کسی لڑکی کی آواز آئی۔ آواز میں درد اور فریاد سی تھی۔ جیسے کوئی کسی سے فریاد کر رہی ہو۔ ماریا کے قدم وہیں رک گئے۔ وہ جس کمرے سے آواز آئی تھی اس کی کھڑکی کے ساتھ لگ کر سننے کی کوشش کرنے لگی۔

پھر کوئی آواز نہ آئی۔ کچھ دیر وہاں گہری خاموشی چھائی رہی۔ ماریا نے سوچا کہ اندر چل کر دیکھنا چاہیئے

کہ یہ آواز کس لڑکی کی تھی ؟ کہیں وہ کوئی مظلوم عورت نہ ہو۔ اور اسے ماریا کی مدد کی ضرورت ہی نہ ہو! ماریا نے اس کمرے کا دروازہ تلاش کر لیا۔ اندر دروازے کے آگے پردہ گرا تھا اور نیچے سے ہلکی ہلکی روشنی کی کرنیں باہر آ رہی تھیں۔ ماریا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ بڑے آرام سے دروازے پر دستک دے دی۔ تھوڑی دیر بعد وہی جاگیردار نمودار ہوا۔ بڑا سخت غصے میں تھا۔ باہر نکلتے ہی چیخ کر دھاڑا۔

"کون الو کا پٹھا تھا یہ ؟ کون ہے ؟ کون ہے ؟"

ماریا اس کی چیخم دھاڑ سے گھبرا سی گئی۔ مگر وہ اس عرصے میں کمرے کے اندر داخل ہو چکی تھی۔ اندر جا کر کیا دیکھتی ہے کہ ایک نازک دبلی پتلی سی لڑکی کھانے کی میز پر بیٹھی آنکھوں پر ہاتھ رکھے سسکیاں بھر بھر کر رو رہی ہے۔ جاگیردار نے واپس کمرے میں آتے ہی دروازہ زور سے بند کر کے اندر سے چٹخنی لگا دی اور دستک دے کر بھاگ جانے والے کو گالیاں دیتا اس مظلوم لڑکی کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور اسے تسلیاں دینی شروع کر دیں۔

"تم خوامخواہ رو رہی ہو۔ تمہارے ماں باپ کے پاس بھلا سوائے غریبی کے کیا ہے؟ وہ تمہیں سوائے بھوک کے اور کیا دے سکتے ہیں۔ میرے پاس سب کچھ ہے۔ کس چیز کی کمی ہے بھلا؟ میں تمہیں سونے اور ہیرے موتیوں سے لاد دوں گا۔ میرے پاس شادی کر کے رہو گی تو میں تمہیں اس گھر کی مالکہ بنا دوں گا۔ بس اب رونا دھونا بند کرو۔"

لڑکی نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

"خدا کے لیے مجھے میرے ماں باپ کے گھر چھوڑ آؤ۔ میں ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔"

جاگیردار نے کہا۔

"پھر وہی احمقوں والی باتیں کرنے لگی ہو۔ تم کو تمہارے ماں باپ نے میرے پاس فروخت کر دیا ہے اب وہ تمہیں واپس کس طرح لے سکتے ہیں؟"

لڑکی نے روتے ہوئے کہا۔

"تم نے ان کی بھوک سے فائدہ اُٹھا کر مجھے خرید لیا ہے۔ میں جانتی ہوں تم نے ان کو صرف دس سیر چاول دے کر مجھے خریدا ہے۔ میں تمہارے پاس نہیں ہوں گی۔ میں اپنے ماں باپ کے پاس جاؤں گی۔"

جاگیردار کو سخت غصہ آ گیا۔ اُس نے زور سے لڑکی کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ طمانچہ اتنا زور دار تھا کہ اس کی آواز سے کمرہ گونج اٹھا۔ اور لڑکی کی چیخ نکل گئی۔ وہ کرسی پر سے نیچے قالین پر گر پڑی۔ اس کے منہ سے ایک طرف سے خون نکلنے لگا۔

جاگیردار نے دیوار کے ساتھ لگا ہُوا ہنٹر اُتارا اور لڑکی کو مارنا شروع کر دیا۔ لڑکی نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر معافی مانگی اور کہا کہ اب وہ اپنے ماں باپ کا پھر کبھی نام نہیں لے گی۔ مگر ظالم جاگیردار اسے برابر ہنٹر سے مارے جا رہا تھا۔

اب ماریا کے لیے تماشہ دیکھتے رہنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے پیچھے سے آ کر میز پر پڑا ہُوا گلدان اُٹھایا اور زور سے جاگیردار کے سر پر دے مارا۔ جاگیردار چکر کھا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ اسے گرتے اور بے ہوش ہوتے دیکھ کر بے چاری چینی لڑکی اور زیادہ زور سے رونے اور چلّانے لگی کہ یہ مر گیا ہے اور اب اس کے سارے خاندان پر مصیبت ٹوٹ پڑے گی۔

اس کا احساس ماریا کو بھی ہو گیا تھا مگر جاگیردار

کو سبق سکھانا بھی ضروری تھا۔ جاگیردار کو بے ہوش
چھوڑ کر اس نے چینی لڑکی کے پاس جاکر کچھ کہنا
چاہا۔ پھر یہ سوچ کر خاموش ہو گئی کہ غریب سی لڑکی
ہے اس کی آواز سن کر ڈر جائے گی۔

اتنے میں جاگیردار کو ہوش آگیا۔ اس نے سر پر
ہاتھ پھیرا۔ ابھی تک جہاں گلدان لگا تھا وہاں گومڑ
پڑ گیا تھا اور درد ہو رہی تھی۔ جاگیردار نے خون
بھری آنکھوں سے لڑکی کی طرف دیکھا اور گرج کر کہا۔

”یہ گلدان تم نے میرے سر پر مارا تھا۔ اگر میں
مر جاتا تو کیا ہوتا؟ ہاں اب میں تمہیں زندہ نہیں
چھوڑوں گا۔“

اس نے تالی بجائی۔ دو غلام اندر آگئے۔ انہوں
نے سر جھکایا اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

”اس لڑکی کو کتوں کے آگے ڈال دو۔“

”جو حکم آقا۔“

لڑکی کے منہ سے دلدوز چیخ نکل گئی۔

”خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ میرے غریب
ماں باپ پر رحم کھاؤ۔ وہ میرے ساتھ ہی مر جائیں
گے۔“

جاگیردار نے چیخ کر کہا۔
”لے جاؤ اس کمینی لڑکی کو اور ڈال دو جاکر بھوکے
کتوں کے آگے۔“

دونوں غلاموں نے لڑکی کو پکڑ لیا اور اُسے
گھسیٹتا کر کمرے سے باہر لے گئے۔ ماریا بڑی تیزی
سے اس کے پیچھے پیچھے گئی۔ معاملہ خطرناک تھا۔
وہ لوگ اس مسکین سی بھولی لڑکی کو کتوں کے آگے
ڈالنے جا رہے تھے اور یقیناً ان کے آگے ڈالنے
ہی والے تھے۔ دونوں غلام لڑکی کو لے کر باغ
کی طرف چلے اور دور ایک کوٹھڑی کے باہر آکر رک گئے
اندر سے بھوکے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آرہی تھیں
ایک غلام نے کہا۔

”یار! نہ جانے آج تک ہم کتنے بے گناہ آدمیوں
اور عورتوں کو ان کتوں کے آگے ڈال چکے ہیں۔“

دوسرا غلام بولا۔

”تمہیں معلوم نہیں ہے کہ بعض لوگ اسی لائق
ہوتے ہیں کہ انہیں کتوں کے آگے ڈال دیا جائے۔“

پہلا غلام بولا۔

”نہیں یار پھر بھی انسان کا احترام کرنا چاہیئے۔ کہاں

انسان اور کہاں کھتے !" میں تو کہتا ہوں کہ اس غریب
لڑکی کو چھوڑ دیتے ہیں اور مالک سے جاکر کہتے ہیں کہ
ہم نے لڑکی کو کتوں کے آگے پھینک دیا ہے۔"
دوسرا غرّا کر بولا۔

"نمک حرام ! تو امانت میں خیانت کرتا ہے۔ میں
ابھی جاکر مالک سے تمہاری شکایت کرتا ہوں۔ دیکھنا میں
تمہیں اس غداری کا پورا پورا مزا چکھاؤں گا۔"
پہلا غلام ہاتھ باندھ کر کہنے لگا۔

"بھائی مجھے معاف کر دے۔ مجھ سے غلطی ہوگئی۔
اب آئندہ کبھی ایسی بات نہ کروں گا۔ میں تمہیں سونے
کے دو سکّے دینے کو تیار ہوں۔ تم میری شکایت نہیں
لگاؤ گے نا؟"

دوسرا غلام بولا۔

"ٹھیک ہے سونے کے دو سکّے میرے حوالے
کر دو۔ پھر میں مالک سے تمہاری شکایت نہیں کروں
گا۔ لاؤ اب اس لڑکی کو کتوں کے آگے ڈالتے ہیں۔"
لڑکی بے ہوش ہو چکی تھی۔ پہلا غلام ہچکچا رہا تھا۔
دوسرا بڑا ظالم تھا۔ اس نے لڑکی کے پاؤں رسّی سے
باندھنے شروع کر دیئے۔ ابھی وہ اٹھا ہی تھا اور

لڑکی کو اٹھا کر کتوں کے گڑھے میں پھینکنے ہی والا تھا
کہ ماریا نے اسے دھکّا دے دیا۔ ایک بھیانک چیخ
کی آواز کے ساتھ دوسرا ظالم غلام بھوکے کتّوں کے
درمیان جا کر گرا۔ کتّوں کو انسانوں کو چیر پھاڑ کر کھا
جانے کی عادت ہی تھی۔ وہ کئی روز سے بھوکے
تھے۔ پس غلام پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے
اس کی ہڈیاں تک ہضم کر گئے۔

اس دوران میں پہلا غلام یہی سمجھتا رہا کہ شاید اُس
کے ساتھی کا پاؤں پھسل گیا تھا کہ وہ کتّوں کے گڑھے
میں گر پڑا۔ مگر اب لڑکی کو سنبھالنے کا کام درپیش تھا۔
ماریا نے سوچا کہ اس غلام پر اپنا آپ ظاہر کر دینا چاہیئے
یہ ایک نیک دل انسان ہے۔ اس کی مدد سے ہی لڑکی کو
چھپایا جا سکتا تھا۔ ادھر غلام نے سوچا کہ جاگیردار کبھی
یہ نہیں مانے گا کہ غلام کا پاؤں پھسل گیا تھا۔ وہ یہی
سمجھے گا کہ میں نے لڑکی کی خاطر اُسے دھکّا دے دیا
تھا۔ پھر کیا کروں؟ کیا اس لڑکی کو ساتھ لے کر یہاں
سے بھاگ چلوں۔ مگر کہاں جاؤں گا؟ ابھی وہ یہ سوچ
ہی رہا تھا کہ ماریا نے آہستہ سے کہا۔
"سنو ! میں چین کے پرانے مندر کی ایک نیک دل

دیوی ہوں۔ تم مجھے دیکھ نہیں سکو گے۔ مجھ سے ڈرو نہیں۔ اس مظلوم لڑکی کی چیخیں اور فریاد مجھے یہاں کھینچ لائی ہیں۔ اس ظالم غلام کو میں نے ہی دھکا دیا تھا۔"

غلام توہکا بکا ہوکر جدھر سے آواز آئی تھی اُدھر تکنے لگا۔ اسے کوئی عورت نظر نہیں آرہی تھی مگر عورت کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔

"ڈرو نہیں۔ میرا نام ماریا ہے۔"

- ماریا اس مظلوم لڑکی کو لے کر کہاں گئی؟
- عنبر کا مصنوعی سیارہ کس طرف کو نکل گیا؟
- ناگ اور ٹاگا کو لے کر چوگنگ کیسے پہنچا؟

یہ سارے واقعات آپ اسی ناول کی
اگلی قسط میں پڑھئے!

پراسرار قلعہ

اے حمید

موت کا تعاقب

Station HQ 8.04
U.A. Saeed Gali

موت کا تعاقب ۸۹
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

پُراسرار قلعہ

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
علمی پرنٹنگ پریس، ۱۷ ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انار کلی، لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل: ۱۹۷۹ء
قیمت: چار روپے پچاس پیسے

مقامِ اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انار کلی، لاہور

- مندر کی دیوی ۵
- عجیب سیارہ ۲۴
- پر اسرار قلعہ ۴۴
- موت کا حکم ۶۵
- وزیر غائب ۸۴
- دشمن آ گیا ۱۰۲

پیارے بچو!

آپ پڑھ چکے ہیں کہ ناگ نے روس کے بادشاہ کا خز
ساتھ لیا ہے اور وہ اس کی پوتی کے ہمراہ چین کی سرحدوں
طرف سفر کر رہا ہے۔ دوسری طرف ماریا بھی عنبر اور ناگ
کی تلاش میں روس کے برف پوش میدانوں میں سفر کر رہی
عنبر سائبریا کے سرد برفانی علاقوں میں راکٹ کے اڈے
تلاش میں ہے۔ عنبر ایک راکٹ میں سوار ہو کر خلا کی طرف پرواز
کر جاتا ہے۔ خلا میں وہ کروڑوں میل زمین سے دور نکل جاتا ہے
اسکا راکٹ سورج کی طرف جا رہا ہے جہاں سوائے دولت
اور کچھ نہیں ہے۔ اچانک ایک طشتری اس کے راکٹ کے اوپر
آ کر رک جاتی ہے۔ اسے آواز آتی ہے کہ راکٹ سے نکل کر یہاں
اڑن طشتری میں سوار ہو جاؤ۔ عنبر راکٹ چھوڑ کر اڑن طشتری
آ جاتا ہے۔ یہ اڑن طشتری اسے ایک ایسے سیارے میں لے جاتی
جہاں کے لوگوں کے چہرے تکونے ہیں اور وہ ایک ٹانگ پر رینگتے
ہیں۔ ان کے ہونٹوں سے سیٹی کی آواز نکلتی ہے۔ وہ عنبر کو ایک شیشے
کے کمرے میں ڈال دیتے ہیں۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ خود پڑھیے۔

مندر کی دیوی

●

غلام نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا۔

آواز ایک عورت کی تھی۔ اس نے خود اپنے کانوں سے آواز سنی
تھی مگر اسے کوئی عورت ارد گرد دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ماریا
کے پاس صبر کے لئے وقت نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ کہا۔

"سنو! میری بات پر غور کرو۔ میں چین کے پرانے مندر کی
دیوی ہوں۔ میں تمہیں نظر نہیں آؤں گی۔ میرے پاس وقت نہیں
ہے۔ اس لڑکی کو اٹھا کر یہاں سے نکل چلو"

چینی غلام اس زمانے میں روحوں پر اعتقاد کیا کرتے تھے۔
پرانے چین کے لوگوں کا ایمان تھا کہ روحیں اس دنیا میں آکر
انسانوں کی رہنمائی کرتی ہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ سچ مچ کی کوئی روح
ہے۔ جلدی سے بولا۔

"نیک روح! میں اسے اٹھا کر کہاں لے جاؤں گا؟ حویلی کے
چپے چپے پر جاگیردار کے آدمیوں کا پہرہ ہے!"
ماریا نے کہا۔

"خواہ کہیں لے جاؤ مگر یہاں سے نکل چلو"

غلام کے دل میں اپنے گھر کا خیال آ گیا. کہنے لگا
"میں اسے اپنے گھر لیئے جاتا ہوں. جو ہو گا دیکھ
جائے گا. میں اس غریب لڑکی کو کتوں کے حوالے نہیں
سکتا"

ماریا غلام کے اس نیک خیال سے بڑی خوش ہو
"تم اسے لے کر چلو. میں تمہارے ساتھ ہوں گی
غلام نے بے ہوش لڑکی کو اٹھایا اور حویلی کے
دروازے سے نکل کر رات کے اندھیرے میں ایک
کو روانہ ہو گیا. غلام کا کچا مکان حویلی سے کچھ دور
جگہ شاہی قبرستان کے کونے میں تھا. یہ اجاڑ قبرس
تھا جہاں کی قبریں ڈھے چکی تھیں اور دن کے و
بھی کوئی نہیں آتا تھا. غلام اپنے کچے گھر میں اکیل
تھا. بے ہوش لڑکی کو اس نے کوٹھڑی میں لٹا دیا.
اس کے ساتھ ساتھ تھی. لڑکی ابھی تک بے ہوش تھی

ماریا نے کہا.

"اس لڑکی پہ میرا راز ظاہر نہ کرنا. نہیں تو یہ ڈ
جائے گی"

غلام کہنے لگا.

"اس لڑکی کو ابھی ہم اس کے گھر نہیں پہنچا سکتے.
جاگیر دار کے آدمی اسے تلاش کرتے ہوئے وہاں ضرور
جائیں گے"

ماریا نے کہا.

"وہ تمہارے گھر بھی آ سکتے ہیں. تم بھی یہاں محفوظ نہیں
ہو. تمہاری زندگی بھی خطرے میں ہے"

غلام نے کہا.

"پھر میں کیا کر سکتا ہوں. اس لڑکی کی مدد کرنا میرا فرض
تھا. سو میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے. اب جو ہو گا
دیکھا جائے گا. میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ اب مجھے
کیا کرنا چاہیئے؟"

ماریا نے کہا.

"تمہاری [illegible]د کے لئے مجھے خدا نے یہاں بھیجا ہے.
تم اگر چاہو تو میں تمہیں اس علاقے کا جاگیردار بنا سکتی
ہوں. اس سارے علاقے کے تم مالک ہو گے"

"یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟"

"تم وعدہ کرو کہ غریبوں پر ظلم نہیں کرو گے"

"میں خود غریب ہوں میں غریبوں پر ظلم کیسے کر سکتا
ہوں"

"تو پھر خاموشی سے دیکھتے رہو کہ کیا ہوتا ہے"

ادھر جب دیر ہوگئی اور غلام واپس آئے تو جاگیردار نے ملازموں کو بلا کر پوچھا کہ یہ کتے ابھی تک کیوں بھونک رہے ہیں؟ میں نے تو ان کے لئے چینی لڑکی کو خوراک بنا کر بھیجا تھا۔ ملازموں نے آکر بتایا کہ کتوں کے گڑھے میں بڑے غلام کا سر پڑا ہے اور کچھ ہڈیاں باقی رہ گئی ہیں۔ اس کے کپڑے بھی پھٹے ہوئے وہاں دیکھے گئے ہیں۔

"نہ کسی لڑکی کی کھوپڑی وہاں پر ہے اور نہ کسی لڑکی کے کپڑے ہی وہاں نظر آ رہے ہیں"

یہ سن کر جاگیر دار اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے نوکر نے لیمپ ہاتھ میں اٹھا لیا اور جاگیردار کے آگے آگے کتوں کے غار کی طرف چلا۔ جاگیردار نے وہاں جاکر وہی کچھ دیکھا جو اس کے نوکروں نے بیان کیا تھا۔ بجائے اس کے کہ چینی لڑکی کی کھوپڑی اور کپڑے وہاں ملتے وہاں اس کے ایک غلام کے کپڑے پڑے تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ چینی لڑکی کو ساتھ لے کر دوسرا غلام وہاں سے بھاگ گیا۔ جاگیردار نے کڑک کر کہا۔

"اس نمک حرام کو جہاں کہیں بھی ہو پکڑ کر لاؤ۔ اور ان بھوکے کتوں کے آگے پھینک دو"

جاگیردار کے چار سپاہی بندوقیں اور تلواریں لے کر گھوڑوں پر سوار راتوں رات حویلی کے اردگرد کے علاقوں میں نکل گئے۔ غلام اور لڑکی کو تلاش کرتے وہ شاہی قبرستان میں بھی پہنچ گئے۔ دوسری طرف ماریا۔ غلام اور چینی لڑکی قبرستان کے مکان میں نہیں تھے۔ ماریا مکان کے باہر ایک درخت کے نیچے چبوترے پر بیٹھی تھی اور غلام چینی لڑکی کے ساتھ ایک پرانی قبر کی اوٹ میں اگے گھاس میں چھپے تھے۔

انہوں نے سپاہیوں کے گھوڑوں کی آواز سن لی تھی۔

سپاہیوں کو یقین تھا کہ غلام نے چینی لڑکی کو ضرور اپنے گھر میں چھپا رکھا ہوگا۔ وہ سیدھے غلام کے مکان میں آگئے۔ گھوڑے باہر کھڑے کر کے انہوں نے پوری طرح تلاشی لی۔ غلام کے گھر کی ساری چیزیں باہر نکال کر پھینک دیں۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ایک سپاہی کھوج لگاتا اتفاق سے اس قبر کے پاس آگیا جہاں غلام چینی لڑکی کے ساتھ گھاس میں چھپا ہوا تھا۔

ماریا درخت کے چبوترے پر بیٹھی یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ سپاہیوں نے لیمپ تھام رکھے تھے جنکی روشنی میں وہ قبرستان میں تلاشی لے رہے تھے۔ قبر کے پاس سپاہی کو ایک آدمی کا سر نظر آیا۔

اس نے چیخ کر کہا۔

"ادھر آؤ۔ کوئی یہاں چھپا ہے"

اس کے ساتھ ہی سپاہی نے بندوق تان لی۔ اب ماریا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔ وہ جلدی سے ادھر کو لپکی۔ دوسرے تین سپاہی بھی قبر کے پاس آگئے۔ پہلے والے سپاہی نے چینی لڑکی اور غلام کو قبر کے پیچھے سے نکال کر جلدی سے پکڑ لیا۔ وہ خوش تھے دشمن گرفتار ہو گیا تھا۔ اب وہ جاگیردار سے انعام و اکرام پائیں گے۔ انہوں نے غلام اور چینی لڑکی کے ہاتھ رسی سے باندھ دیے۔ اور گھوڑوں پر سوار ہو کر قبرستان کے دروازے کی طرف چلے۔

غلام بڑا حیران تھا کہ چینی مندر کی روح کہاں چلی گئی ہے؟ وہ اس کی مدد کے لیے کیوں نہیں آ رہی؟

ماریا قبرستان کے دروازے پر کھڑی تھی۔ وہ سپاہیوں کا انتظار کر رہی تھی کہ سپاہی دروازے کے قریب آئیں اور وہ حملہ کرے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ جونہی پہلا سپاہی گھوڑے پر سوار وہاں سے گذرنے لگا۔ ماریا نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی اٹھا کر پوری طاقت سے سپاہی کی کمر پر ماری۔ وہ الٹ کر دہرا ہوا اور نیچے گر پڑا۔ دوسرے سپاہی گھوڑے بھگا کر اس کے پاس پہنچے۔ وہ حیران تھے

کہ اسے کس نے گھوڑے پر سے گرا دیا۔ سپاہی کی کمر ٹوٹ چکی تھی اور وہ بے ہوش تھا۔ چینی لڑکی اور غلام بندھے ہاتھوں پیچھے کھڑے تھے۔ سپاہیوں نے بندوقیں تان لیں اور قبرستان میں نظر نہ آنے والے دشمن کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔

لیکن اگر وہ ساری زندگی بھی قبرستان میں تلاش کرتے رہتے تو ماریا انہیں کبھی نظر نہیں آ سکتی تھی۔ غلام سمجھ گیا کہ ماریا حرکت میں آ گئی ہے۔ سپاہی کے کمانڈر نے حکم دیا۔

"قیدیوں کو فوراً لے جاؤ"

اس کے ساتھ ہی دونوں کو ایک گھوڑے پر بٹھا دیا گیا۔ ماریا انہیں پکڑتی ہی رہ گئی اور دو سپاہی انہیں لے کر وہاں سے سرپٹ گھوڑے دوڑاتے نکل گئے۔ اس کے بعد کمانڈر بھی وہاں سے نکل بھاگا۔ گرے ہوئے بے ہوش سپاہی کا گھوڑا اکیلا کھڑا تھا۔ ماریا اس پر سوار ہوئی اور سیدھا حویلی کی طرف بھاگی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ سپاہی قیدیوں کو لے کر حویلی کی طرف ہی گئے ہوں گے۔

سپاہیوں نے جاگیردار کے سامنے جا کر قیدی پیش کر

دیئے۔

وہ انتظار کر رہا تھا۔ دونوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

اس نے غلام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"تمہاری یہ ہمت کہ میرے ملازم کو کتوں کے آگے ڈال کر میرے قیدی کو بھگا کر لے جاؤ۔ اب اپنے انجام کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میرے بھوکے کتے تیرے جسم کی بوٹیوں کا بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں"

پھر اس نے حکم دیا۔

"ان دونوں کو اسی وقت لے جا کر کتوں کے غار میں پھینک دو"

اب تو غلام کے پسینے چھوٹ گئے۔ روح کہاں چلی گئی؟ وہ روح یعنی ماریا کا انتظار کر رہا تھا اور جاگیردار کے جلاد اسے کتوں کے آگے ڈالنے کے لئے غار کی طرف لیے جا رہے تھے۔ زندگی اور موت کے درمیان بہت ہی تھوڑا فاصلہ رہ گیا تھا۔ غار کے کنارے پر جا کر جلادوں نے دونوں کے ہاتھوں کی رسیاں کھول دیں۔ دو جلاد آگے بڑھے۔ ابھی وہ انہیں گرانے ہی والے تھے کہ اچانک جیسے کسی نے پیچھے سے دھکا دیا اور دونوں جلاد کتوں کے

غار میں گر پڑے۔

ان کی بھیانک چیخوں کی آواز گونجی۔

کتے ان دونوں پر جھپٹ پڑے۔ ماریا نے اب آگے بڑھنے والے دو اور سپاہیوں کی گردنوں پر اس زور سے ہاتھ مارے کہ ان کی گردنیں ٹوٹ کر لڑھک گئیں۔ یہ حال دیکھ کر باقی ملازم پیچھے کو بھاگے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ سمجھے کہ حویلی میں کوئی بھوت آ گیا ہے جو انہیں چن چن کر ختم کر رہا ہے۔ چیخ و پکار کی آوازیں جاگیردار تک بھی پہنچ گئیں۔

وہ کمرے سے باہر نکلا ہی تھا کہ سپاہی اس کے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔

"حضور! کوئی بدروح حویلی میں گھس آئی ہے"

"بکواس بند کرو۔ کہاں ہے بد روح؟"

ماریا اس عرصے میں غلام اور چینی لڑکی کو ایک گھوڑے پر سوار کروا کر ایک بار پھر قبرستان کی طرف بھگا چکی تھی۔

"قبرستان کے جنوبی کونے میں میرا انتظار کرنا"

چینی لڑکی نے ماریا کی آواز سنی تو چونک کر غلام کو دیکھا کہ یہ کون بول رہی ہے جس کی شکل دکھائی نہیں دیتی؟ غلام نے اسے کھینچ کر گھوڑے پر بٹھایا اور قبرستان کی

طرف گھوڑا بھگا دیا۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا
کہ وہ چینی لڑکی کو روح کے بارے میں بتاتا۔

جاگیردار نوکروں کے ساتھ کتوں کے غار کے پاس
آیا۔ کتے ابھی تک اس کے دو جلادوں کی ہڈیاں بھنبھوڑ
رہے تھے۔ جاگیردار کا پارہ ایک بار پھر چڑھ گیا۔

"یہ اسی حرامی کی شرارت ہے۔ اسے تلاش کرو۔ تم بزدل
ہو کہ وہ تمہاری آنکھوں میں دھول جھونک کر میرے
دو نوکروں کو کتوں کے آگے ڈال کر بھاگ گیا۔ اسے
پکڑ کر لاؤ۔ اس کا سر کاٹ کر لاؤ نہیں تو میں تم سب
کے سر کاٹ ڈالوں گا"

حویلی میں اب صرف دس پندرہ سپاہی اور نوکر رہ
گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ لیا
تھا اور وہ ڈر گئے تھے۔ نوکر تو حویلی سے نکلتے ہی بھاگ
گئے۔ سپاہیوں نے ذرا ہمت کی اور مفرور قیدیوں کو
تلاش کیا۔ اب دن نکل آیا تھا۔ اس کی روشنی میں قبرستان
کے درخت صاف نظر آنے لگے تھے۔

ماریا نے قبرستان میں پہنچ کر غلام اور چینی لڑکی کو تلاش
کر لیا۔ اس عرصے میں غلام نے لڑکی کو سمجھا دیا تھا کہ
چین کے پرانے سمندر کی دیوی کی روح ہماری مدد کر

رہی ہے۔

ماریا ان کے پاس آئی تو وہ جھاڑیوں میں چھپے ہوئے
تھے۔

"سنو! تم لوگ یہاں کسی پرانی قبر کے اندر چھپ جاؤ
اور جب تک میں نہ آؤں اندر سے باہر ہرگز ہرگز نہ نکلنا"

"بہتر اے نیک روح!"

ماریا چلی گئی۔ غلام نے ایک ایسی پرانی قبر تلاش کر
لی جس کے اندر سوراخ ہو گیا تھا اور ایک چھوٹی سی
غار بن گئی تھی۔ غلام لڑکی کو لے کر قبر کے اندر چھپ گیا۔

ماریا وہاں سے سیدھی حویلی میں آ گئی۔ سپاہی ان کی تلاش میں
جا چکے تھے۔ جاگیردار اپنے حویلی کے تین چار خاص خدمت
گاروں کے ساتھ اپنے کمرے میں ہاتھ پیٹھ پر رکھے
بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ وہ جلد سے جلد یہ خبر سننا
چاہتا تھا کہ غلام اور چینی گرفتار کر لئے گئے ہیں۔

اتنے میں ماریا اندر آئی۔ اس نے اب فیصلہ کر لیا تھا
کہ اس ظالم جاگیردار کو ختم کر دے گی۔ اور اس علاقے
کے غریب لوگوں کو اس سنگدل قاتل شخص کے ظلم وستم
سے نجات دلا کر رہے گی۔ ماریا کمرے میں آ کر ایک
طرف کرسی پر بیٹھ گئی۔ جاگیردار سخت غصے اور طیش

حالت میں تھا۔ نوکر ہاتھ باندھے دیوار کے ساتھ لگے کھڑے تھے۔

"بدبختو! تم سب نمک حرام ہو۔ تمہارے ہوتے ہوئے میرا دشمن یہاں سے بھاگ جائے گا یہ مجھے معلوم نہ تھا۔ جی چاہتا ہے کہ تم سب کو ایک ایک کر کے پھانسی پر لٹکا دوں۔ فکر نہ کرو۔

میں ایسا ہی کروں گا۔ دور ہو جاؤ میری آنکھوں سے۔"

چاروں نوکر سر جھکا کر ہاتھ باندھے کمرے سے چلے گئے۔

جاگیردار اکیلا رہ گیا۔ اس نے صراحی میں سے پانی نکال کر پیا اور پھر اس کرسی کی طرف آیا جس پر ماریا بیٹھی تھی۔ اسے کرسی خالی نظر آ رہی تھی۔ ماریا اٹھ کر پرے ہٹ گئی۔ اسے یوں لگا جیسے جاگیردار اسی کرسی پر بیٹھنے والا ہے۔ اور واقعی جاگیردار اسی آرام کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے سر کرسی کی پشت سے لگا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ پھر اٹھ کر مٹھیاں بھینچ لیں اور ٹہلنے لگا۔ غصے کے مارے وہ کھول رہا تھا۔ وہ اپنے آپ بولنے لگا۔

"بدروح! بدروح آ گئی ہے حویلی میں! ہونہہ! میں بھی تو دیکھوں کہ کون سی بدروح ہے۔"

اس نے ماریا کو بھی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ ماریا کو بڑا غصہ آیا کہ کم بخت سر پر ہی چڑھا جا رہا ہے۔ جاگیردار پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ پاس ہی میز پر صراحی رکھی تھی۔ ایک گلاس بھی رکھا تھا۔ جاگیردار نے پانی پینے کے لئے صراحی اٹھائی۔ گلاس اٹھانے کے لئے اس نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ گلاس میز پر سے غائب ہو گیا۔

جاگیردار نے دو تین بار آنکھیں جھپکائیں۔ بار بار میز کو دیکھا۔ پھر صراحی کو دیکھا۔ پھر صراحی کو میز پر رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

جھک کر میز کے نیچے دیکھا کہ کہیں گلاس نیچے تو نہیں گر پڑا۔ مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ سوچنے لگا۔ شاید میز پر گلاس نہیں تھا۔ وہ الماری میں سے دوسرا گلاس لینے کے لئے گیا۔ واپس آیا تو میز پر سے صراحی بھی غائب تھی۔

جاگیردار حیرانی سے وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اس کے سامنے جو کچھ ہو رہا تھا اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ایک منٹ کے اندر اندر اس کے سامنے سے گلاس اور صراحی غائب ہو گئی تھی۔

"کیا بدروح یہاں بھی تو نہیں آ گئی؟"

اس نے دل میں سوچا۔ پھر اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"نہیں نہیں۔ یہاں کوئی بد روح نہیں آسکتی۔ یہ میرا وہم ہے"

وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اس خیال سے کہ نوکر کو آواز دے کہ وہ پانی کی نئی صراحی بھر کر لے آئے۔ وہ دروازے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ دھڑاک سے دروازہ بند ہو گیا اور خود بخود اندر سے چٹخنی لگ گئی۔

اب تو جاگیردار کو پسینہ آگیا۔

وہ لڑکھڑا کر کرسی پر گر پڑا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ بد روح کمرے میں موجود ہے۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ ماتھے سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔ اسے آواز آئی۔

"ظالم انسان! کاش یہ رعشہ تمہارے جسم پر اس وقت طاری ہوتا جب تم زندہ انسانوں کو بھوکے درندوں کے آگے ڈالا کرتے تھے"

آواز عورت کی تھی۔ جاگیردار کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

بد روح کمرے میں بول رہی تھی۔ ماریا نے کہا۔

"آج تک تم نہ جانے کتنے بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہو۔ اب تم اپنے انجام سے نہ بچ سکو گے"

جاگیردار اٹھ کر دروازے کی طرف لپکا کہ چٹخنی کھول کر باہر بھاگ جائے۔ مگر ماریا نے اپنی ٹانگ اس کے آگے کر دی جس سے ٹکرا کر جاگیردار منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔ ماریا نے کہا۔

"تم زمین کے اندر بھی چلے جاؤ گے تو میں تمہیں وہاں سے نکال لاؤں گی"۔ اس دنیا کی کوئی طاقت تمہیں تمہارے انجام سے نہیں بچا سکتی۔"

جاگیردار نے ایک دم بلند آواز سے نوکروں کو بلانا شروع کر دیا۔ ماریا اس کی چیخ و پکار سن کر پرے ہٹ گئی۔ نوکروں نے جاگیردار کی آوازیں مدد مدد پکارتی سنیں تو دروازے کو توڑ کر اندر آگئے۔ انہوں نے دیکھا کہ جاگیردار فرش پر پڑا کانپ رہا تھا۔

"بد روح! بد روح! اندر بد روح ہے۔ مجھے لے جاؤ۔ یہاں سے لے جاؤ"

نوکروں نے جاگیردار کو اٹھایا اور کمرے سے باہر لے گئے۔

"مجھے تہہ خانے میں بند کر دو۔ جلدی کرو"

جاگیردار نے اپنی حویلی میں زمین کے اندر ایک خاص تہہ خانہ بنا رکھا تھا جہاں زندگی کی ساری چیزیں موجود تھیں۔

اسی وقت اسے نوکر تہہ خانے میں لے گئے۔ یہ چھوٹا مگر آرام
کمرہ تھا۔ جاگیردار کو گدیلے والے پلنگ پر لٹا دیا گیا۔
"ایک آدمی میرے سرہانے اور ایک آدمی تہہ خانے
کے باہر پہرہ دے۔"
ماریا تہہ خانے میں نہیں گئی تھی۔ اس نے حویلی سے نکل
کر سیدھا قبرستان کا رخ کیا۔ حویلی کے باورچی خانے سے
وہ کھانے کی چیزوں کا تھیلا بھر کر ساتھ لے چلی تھی۔ قبرستان
میں پہنچ کر وہ اس قبر کے پاس آگئی جس کے اندر غلام اور
چینی لڑکی چھپی ہوئی تھی۔ ماریا نے آواز دی۔
"میں آگئی ہوں۔ یہ لو۔ کھانا کھا لو باہر آ کر"
اور ماریا نے کھانے کا تھیلا غار کے باہر رکھ دیا۔ غلام
اور لڑکی قبر کے اندر سے نکل آئے۔ ان کے بالوں پر قبر کی مٹی
لگی تھی۔ غلام نے کہا۔
"اے نیک دل روح! کیا جاگیردار اپنے انجام کو پہنچ گیا؟"
"نہیں۔ مگر وہ پہنچ جائے گا۔"
لڑکی نے کہا۔
"اے نیک روح! مجھے میرے ماں باپ کے پاس پہنچا دو۔"
غلام بولا۔
"جب تک جاگیردار اور اس کے کتے زندہ ہیں تم اپنے

ماں باپ کے گھر چین سے نہ بیٹھ سکو گی۔ جاگیردار کے
کتے تمہیں تمہارے گھر میں آ کر ہلاک کر جائیں گے اور
تمہارے گھر کو آگ لگا دیں گے۔"
غلام بولا۔
"جب اس زمین پر جاگیردار اور اس کے کتے باقی
نہیں رہیں گے"
لڑکی نے کہا۔
"یہ ناممکن ہے۔ جاگیردار بڑا طاقت ور ہے۔ اسے کوئی
نہیں ہلاک کر سکتا۔"
اس پر ماریا نے کہا۔
"گھبراؤ نہیں۔ ظالم کو ظلم کا بدلہ مل کر رہے گا۔ انسان
دوسروں پر ظلم کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ اپنے انجام سے بے
خبر ہوتا ہے لیکن ایک وقت آخر آ جاتا ہے جب ظلم کی
تلوار اس کے سر پر گرتی ہے اور اسے ختم کر کے رکھ
دیتی ہے۔ جاگیردار نے بے گناہ انسانوں پر اتنے ظلم کئے
ہیں کہ اب ظلم کی تلوار اس کے سر پر گرنے ہی والی
ہے۔"
جب غلام اور لڑکی کھانا کھا چکے تو ماریا نے کہا۔
"اب تم آرام کرو۔ میں بہت جلد جاگیردار کو اس کے

ظلم کی سزا دے کر تمہارے پاس واپس آؤں گی۔ پھر تم اس حویلی کے مالک ہو گے

ماریا چلی گئی۔ غلام اور لڑکی چپ چاپ بیٹھے رہے اور ماریا کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ شام ہو رہی تھی کہ ماریا جاگیردار کی حویلی میں دوبارا پہنچ گئی۔ حویلی کے باہر سخت پہرہ تھا۔ دو سپاہی بندوقیں اٹھائے پہرہ رہے تھے۔ حویلی کا دروزاہ بند تھا۔ ماریا پچھلی طرف آ گئی۔ یہاں ایک کھڑکی تھی۔ یہ کھڑکی بھی بند تھی۔

ماریا سمجھ گئی کہ جاگیردار کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے ہیں اور اب وہ اپنی جان بچانے کی فکر میں ہے۔ ماریا نے بھی اس خطۂ زمین کو ظالم کے وجود سے پاک کرنے کا عہد کر رکھا تھا۔ ماریا حویلی کے دروازے کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے دیکھا کہ دونوں پہرے دار بڑے خاموش کھڑے ہیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ سخت بور ہو رہے ہیں اور وہاں پہرہ دینا نہیں چاہتے مگر مجبور ہیں۔ ماریا کو ان سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ وہ انہیں کوئی نقصان بھی نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔ ان سے ماریا کی کوئی دشمنی نہیں تھی۔ ماریا صرف یہ چاہتی تھی کہ وہ کسی طرح سے دروازے پر سے ہٹ جائیں تا کہ وہ

حویلی کے اندر داخل ہو سکے۔

مگر دونوں پہرے دار وہاں جم کر کھڑے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہل رہے تھے۔ حویلی کے دروازے پر بھی باہر سے تالا لگا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کی چابی بھی ان سپاہیوں میں سے کسی ایک کے پاس ہو گی۔ ان سے چابی حاصل کرنا بھی ضروری تھا۔ ماریا نے سوچا کہ کسی طریقے سے ان دونوں کو یہاں سے بھگا دینا چاہیئے۔ جب ہی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتی تھی۔ ماریا کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے ایک سپاہی کے پیچھے سے آ کر اس کے کان کو زور سے کھینچا۔

سپاہی اچھل کر پرے ہو گیا۔

" ارے! یہ تم نے میرا کان کیوں کھینچا ہے؟"

عجیب سیّارہ

دوسرے سپاہی نے حیران ہو کر کہا۔
"میں نے تمہارا کان نہیں کھینچا بھائی۔ میں تو تم سے پانچ قدم کے فاصلے پر کھڑا ہوں"
پہلا سپاہی کان سہلا رہا تھا۔ بولا۔
"پھر میرا کان کس نے پکڑ کر کھینچا تھا؟"
دونوں سپاہی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ اب ماریا نے دوسرے سپاہی کا کان پکڑ کر زور سے کھینچا۔ دوسرا سپاہی بھی اچھل کر پرے ہو گیا۔
"ہائیں۔ یہ اب میرا کان کس نے کھینچا ہے؟"
دونوں گھبرا گئے۔ ماریا نے ایک سپاہی کے سر پہ ہاتھ مار کر اس کی نیلی پگڑی نیچے گرا دی۔ وہ پگڑی اٹھا ہی رہا تھا کہ دوسرے سپاہی کی پگڑی بھی نیچے گر پڑی۔ وہ جھکا تو ماریا نے اسے دھکا دے کر گرا دیا۔ پہلا سپاہی پریشان ہو کر بولا۔

وازے پر دستک دی۔
ماریا اے سپاہی نے بلند آواز سے پوچھا۔
پر اسرار آواز ہے؟"
"میں اس حویلی کی ہد نہ دیا۔ بلکہ ایک بار پھر دستک
تمہاری ہڈیوں کی یخنی پی جاؤں بلند آوز سے گرجا۔
غیبی آواز کا سننا تھا کہ دونوں سپاہی سر پر پاتھ مار کر بھاگ اٹھے۔
اب ماریا کو خیال آیا کہ چابی تو وہ اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ لیکن دونوں سپاہی خوف زدہ ہو کر اتنی تیز بھاگے تھے کہ اپنی پگڑیاں اور بندوقیں بھی وہاں پھینک گئے تھے اور کھیتوں میں نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ ماریا نے میدان صاف پا کر حویلی کے دروازے پر لگے تالے کو دیکھا۔ پھر ایک ہی جھٹکے سے تالا توڑ کر پھینک دیا۔ دروازہ کھل گیا۔

ماریا حویلی میں داخل ہو گئی۔
حویلی میں اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔
وہ سیدھی جاگیردار کے کمرے میں گئی۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔ سمجھ گئی کہ جاگیردار اپنے خفیہ تہہ خانے میں جا کر چھپ گیا ہے۔ وہ راہ داریوں اور کمروں سے ہوتی اس

عجیب سیّارہ

...ت سی کہ ماریا اس کے بالکل قریب

...ہے۔

ماریا نے قریب آ کر سپاہی کی بندوق چھین لی۔ سپاہی بڑبڑا کر دیوار کے ساتھ لگ گیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے نیم اندھیرے میں ادھر ادھر تکنے لگا۔ اس کی بندوق اس کے ہاتھ سے ایکدم غائب ہو گئی۔ ماریا نے آہستہ سے کہا۔

"بھاگ جاؤ۔ نہیں تو گولی مار دوں گی۔ میں اس حویلی کی بد روح ہوں"

سپاہی نے جونہی بدروح کی آواز سنی اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ ماریا نے ایک لات اس کی کمر پہ مار کر کہا۔

"بھاگو!"

سپاہی کو جیسے کسی نے چابی دے دی۔ وہ اچھلا اور ایسا بھاگا کہ مڑ کر بھی پیچھے نہ دیکھا۔ ماریا نے اب آہستہ

سے دروازے پر دستک دی۔

اندر والے سپاہی نے بلند آواز سے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ ایک بار پھر دستک دی۔ اب کے اندر سے جاگیردار بلند آواز سے گرجا۔

"کیا بات ہے بدتمیز؟ کیوں دروازے پر ہاتھ مار رہے ہو؟"

ماریا خاموش رہی۔ اندر بھی خاموشی چھا گئی۔ جاگیر دار نے سپاہی سے سرگوشی میں کہا۔

"دروازہ ہرگز نہ کھولنا۔ دال میں کچھ کالا کالا ہے"

سپاہی بھی گھبرا گیا تھا۔ جاگیردار کو خوف اور دہشت سے پسینہ آنے لگا تھا۔

حویلی میں بدروح کی موجودگی سے وہ کانپ رہا تھا۔ دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی۔ پھر ماریا نے بڑی ڈراونی چڑیلوں ایسی آواز میں کہا۔

"دروازہ کھولو۔ میں کھیر لائی ہوں۔ کھیر کھا لو اور سو جاؤ"

یہ آواز اس قدر بھیانک اور ڈرا دینے والی تھی کہ جاگیردار اور سپاہی دونوں کی گھگی بندھ ہو گئی۔ رنگ زرد پڑ

گیا۔ ہاتھ پاؤں سرد پڑ گئے۔ سپاہی نے ہکلاتے ہوئے
"بد ۔۔۔ بہ ۔۔۔ بہ ۔۔۔ بد روح !"
اور اس کے ساتھ ہی سپاہی غش کھا کر گر پڑا
جاگیردار نے سپاہی کو گرتے دیکھا تو پریشان ہو گیا۔
اکیلا رہ گیا تھا۔ اس نے دروازے کو غور سے دیکھا در
بند تھا۔ تالا بھی لگا تھا۔ اس کے باوجود اسے یقین تھا
بد روح اندر آ جائے گی۔
پھر اچانک دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ ماریا اندر
گئی تھی

جاگیردار اسے دیکھ نہیں سکتا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ بدر
اس کے کمرے میں آ گئی ہے۔ ماریا دروازے کے قریب
کچھ دیر کھڑی رہی۔ اور غور سے جاگیردار کو تکتی رہی۔ د
میں سوچنے لگی۔ یہ وہ شخص ہے جس نے آج تک نہ جا
کتنے بے گناہ انسانوں کو بھوکے کتوں کے آگے ڈال
ہے۔ یہ ایک بے حد ظالم انسان ہے۔ اگر یہ زندہ رہا
ابھی نہ جانے اور کتنے انسانوں کو ہلاک کر ڈالے گا۔
ماریا نے کہا۔
"میں کھیر لائی ہوں تمہارے لئے۔ کھاؤ گے؟"
یہ آواز ماریا نے بڑی بنا کر نکالی تھی اور جاگیردار

گیا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔
"اے روح! مجھے معاف کر دے۔ یہ کھیر واپس لے
جا"
ماریا نے چیخ مار کر کہا۔
"ہرگز نہیں۔ موت کے فرشتے نے یہ کھیر دوزخ میں
پکا کر تمہارے لئے بھیجی ہے۔ تمہیں یہ کھیر کھانی ہو گی"
جاگیردار کانپ رہا تھا۔ ماریا نے کہا۔
"چلو کمرے سے باہر نکلو۔ اس طرف چلو۔ جہاں تم نے
گڑھے میں بھوکے آدم خور کتے پال رکھے ہیں"
جاگیردار کے خوف سے دانت بجنے لگے۔ وہ سمجھ گیا
کہ روح اسے مارنا چاہتی ہے۔
جلدی سے ہاتھ باندھ کر بولا۔
"معاف کر دو۔ اے روح! میں معافی مانگتا ہوں"
ماریا نے گرے ہوئے بے ہوش سپاہی کی بندوق اٹھا
لی۔ اور اس کی نالی جاگیردار کی گردن کے ساتھ لگا کر
کہا۔
"چپ چاپ کتوں کے غار کی طرف چلو۔ اگر ادھر ادھر
بھاگنے کی کوشش کی تو میں گولی چلا کر اڑا دوں گی۔" دائ
جاگیردار سہما سہما آگے چل پڑا۔ ماریا اسے کوٹ چکا تھا

گڑھے کے کنارے پر آ گئی۔ کتے ابھی تک بھوکے
انہوں نے اوپر انسان کو دیکھا تو چلنے اور بھونکنے لگے
وہ بھوک سے بے تاب ہونے لگے۔ گویا بھونک بھونک
کہ کہہ رہے ہوں۔ جلدی سے ہمیں ایک اور آدمی د
ہمیں بھوک لگی ہے۔

انہیں کیا معلوم تھا کہ آج ان کا مالک ہی ان کی بھو
مٹانے کے لئے ان کے پاس آ رہا ہے۔

ماریا نے جب دیکھا کہ جاگیردار گڑھے کے کنار
پر پہنچ گیا ہے تو اس نے اسے دھکا دے دیا۔ ایک
چیخ کے ساتھ جاگیردار بھوکے کتوں کے درمیان گرا
اس کی چیخ کتوں کے بھونکنے کی آوازوں میں گم ہو
ظالم کو اس کے ظلم کی سزا مل رہی تھی۔

ماریا وہاں سے سیدھی قبرستان پہنچی۔ غلام اور چینی
کو ساتھ لیا۔ چینی لڑکی کو اس کے ماں باپ کے
پہنچایا اور حویلی غلام کے حوالے کر دی۔ غلام نے
کا مالک بنتے ہی سارے غلام آزاد کر دیئے
چینی لڑکی سے شادی کر کے خوش خوش زندگی بسر
گا۔

یہ ...یا وہاں سے رخصت ہو کر گھوڑے پر سوار

بڑھی۔

اب ہم عنبر کی خبر لیتے ہیں۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ عنبر ایک خلائی جہاز میں سوار
ہے جو اسے لے کر زمین سے کروڑوں بلکہ اربوں میل
آگے خلا میں نکل گیا ہے۔ عنبر کو زمین ایک لیموں کی
طرح دکھائی دے رہی ہے۔ چاند بھی اس کے بہت
پیچھے رہ گیا ہے اور اب ایک ستارے کی طرح چمک
رہا تھا۔ عنبر اس خیال سے پریشان تھا کہ یہ راکٹ آخر
کہاں جا کر رکے گا۔

ایک بات ظاہر تھی کہ کسی نہ کسی ستارے کی کشش
اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور یہ ستارہ کوئی نہ کوئی سورج
ہی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ خلا میں جتنے ستارے ہیں وہ سب
سورج ہیں اور ان میں اتنی زبردست آگ جل رہی ہے بلکہ
گیسیں جل رہی ہیں کہ اگر انسان ان کے ایک کروڑ میل بھی
قریب جائے تو جل کر بھسم ہو جائے۔

عنبر نے مشینوں کی سوئیوں کی طرف دیکھا۔ ساری سوئیاں
بے کار ہو گئی تھیں اور حیرت انگیز رفتار ظاہر کر رہی تھیں۔
نیچے زمین والوں کے ساتھ وائرلیس پر بات کرنے کا سوال
ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ زمین سے عنبر کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔

عنبر نے سنا کر وائرلیس سیٹ میں عجیب قسم کے سگنل آ
رہے تھے۔ یہ سگنل ٹو ٹو ٹو کی آواز تھی جو تھوڑی دیر کے
بعد غائب ہو جاتی۔ عنبر نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا
کہ یہ سگنل کسی سیارے کے تو نہیں ہیں؟

کیونکہ سیارے پر زندگی ہو سکتی تھی۔ مگر وہاں قریب قریب
کوئی بھی سیارہ نہیں تھا۔ شہاب ثاقب یعنی ٹوٹے ہوئے
ستاروں کے ٹکڑے عنبر کے راکٹ سے ٹکراتے تو راکٹ
زبردست دھچکا کھاتا۔ عنبر کی زندگی کا یہ ایک بالکل ہی
انوکھا سفر تھا۔ وہ کئی ہزار سالوں سے زندہ چلا آرہا تھا
اس نے کئی بادشاہوں کے دور دیکھے تھے۔ ہزارہا دشوار
گذار سفر کئے تھے مگر یہ سفر ان سب سے مختلف تھا۔ نیا
اور پر خطرناک ترین تھا۔

جوں جوں وقت گذر رہا تھا عنبر کی پریشانی بڑھ رہی
تھی۔ اس لئے کہ اسے ڈر تھا اگر یہ خلائی جہاز کسی سورج
کے بھڑکتے الاؤ میں داخل ہو گیا تو وہ بھی اس کے ساتھ
ہی بھاپ بن کر اڑ جائے گا۔ خدا جانے اس دفعہ وہ
زندہ رہ سکے یا نہ رہ سکے۔ زمین پر تو اسے ہمیشہ زندہ
رہنے کے لئے کہہ دیا گیا تھا اور ہمیشہ سے زندہ تھا۔ لیکن
یہ آسمان تھا۔ خلا تھا۔ کیا خبر یہاں کس قسم کے حالات پیش

آجائیں۔ اور پھر زمین کا قانون یہاں لاگو ہوتا ہو نہ ہوتا ہو!

ابھی عنبر یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وائرلیس پر پھر سگنل
سنائی دینے لگے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گا کہ عنبر، ماریا اور ناگ۔
ان تینوں کو یہ قدرت حاصل تھی کہ وہ دنیا کی ہر زبان
سمجھ سکتے تھے، بلکہ ایسی زبان بھی سمجھ لیتے تھے جس کا
تعلق ستاروں سے ہو۔ چنانچہ عنبر نے غور کیا تو سگنل پر
اسے کہا جا رہا تھا۔

"تم کون ہو؟ کدھر جا رہے ہو؟"

عنبر نے جواب میں سگنل پر کہا۔

"میرے راکٹ میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے وہ
میرے قابو میں نہیں رہا۔ تم کہاں سے بول رہے
ہو؟"

سگنل آیا۔

"تم ایک ایسے ستارے کی طرف بڑھ رہے ہو جسکی
دہکتی ہوئی آگ تمہیں کروڑں میل دور ہی سے بھسم کر کے
رکھ دے گی"

"پھر میں کیا کروں؟ کیا تم میرے راکٹ کو ٹھیک کر
سکتے ہو؟"

"یہ ایک بھدی سی مشین ہے، بہرحال ہم تمہیں اپنا راکٹ
بھیج رہے ہیں۔ تم ہمارے راکٹ پر سوار ہو جانا۔"
اس کے بعد سگنل آنا بند ہوگئے۔ عنبر نے سوچا یہ
لوگ کس ستارے پر آباد ہیں؟ وہاں کیا ہوگا؟ کس طرح
کے لوگ ہوں گے؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اتنا
اسے علم ہوگیا تھا کہ جس ستارے سے اسے سگنل آ
رہے تھے وہ کوئی ایسی مخلوق آباد ہے جو سائنس میں بہت
ترقی کر چکی ہے۔ جب ہی تو وہ اس کے جدید ترین راکٹ
کو بھدی مشین کہہ رہے تھے۔ عنبر نے گول کھڑکی میں سے
باہر دیکھا۔

آسمان سیاہ تھا۔ دور دور ستارے انگاروں کی طرح
دہک رہے تھے۔ نہ وہ جھلملا رہے تھے۔ نہ چمک رہے
تھے۔ کیونکہ جھلملاہٹ اور چمک تو فضا کے ذروں کی وجہ
سے آتی ہے اور خلا میں نہ فضا ہوتی ہے اور نہ ذرے
ہوتے ہیں۔ عنبر نے سامنے دیکھا تو ایک دہکتا ہوا
سورج اس کے راکٹ کے قریب آ رہا تھا۔ یہی وہ
سورج تھا جس کے بارے میں ستارے کی مخلوق نے
سگنل پر اسے خبردار کیا تھا۔

باہر خلا میں یقیناً گرمی تھی۔ سخت گرمی تھی راکٹ کے

اندر ابھی گرمی نے اثر دکھانا نہیں شروع کیا تھا۔ اتنے میں
عنبر نے ایک عجیب قسم کی سیٹی کی آواز سنی۔ اس نے
راکٹ کی پچھلی کھڑکی سے دیکھا تو اسے آسمان پر ایک
گول طشتری سی گھومتی ہوئی نظر آئی۔ یہ طشتری قریب آ
رہی تھی۔ اس کے پیچھے سے روشنی نکل رہی تھی۔

ایک دم سے سگنل بول اٹھا۔

"راکٹ چھوڑ کر اس طشتری میں آنے کے لئے تیار
ہو جاؤ"

عنبر پہلے ہی سے تیار تھا۔ اب طشتری اس کے
راکٹ کے بالکل اوپر آ کر رک گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد
اس کے راکٹ کی چھت میں سوراخ ہوگیا اور ایک چمکتی
ہوئی چاندی ایسی سیڑھی نیچے اتری۔ عنبر اس سیڑھی پر
چڑھنے لگا۔ طشتری کا پیندا راکٹ کی چھت کے بالکل ساتھ
مل گیا تھا عنبر طشتری میں داخل ہو گیا۔ اس کے داخل ہوتے
ہی سیڑھی واپس آ گئی اور دروازہ بند ہو گیا۔

عنبر نے دیکھا کہ وہ ایک گول کمرے میں ہے جس کی
چھت پر نیلے رنگ کے شیشوں کے تکونے اور چوکور
ٹکڑے لگے ہیں۔ کمرہ روشن تھا مگر بلب وغیرہ کہیں نظر
نہیں آ رہا تھا۔ گول دیواروں کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے

کمپیوٹر قسم کی چند ایک مشینیں لگی تھیں۔ کونے میں ایک گ
شیشے کا سلنڈر رکھا ہوا تھا۔

اسے آواز آئی۔

"اس سلنڈر کے اندر داخل ہو کر دروازہ اچھی طر
سے بند کر لو"۔

عنبر ذرا ہچکچایا۔ مگر اب وہ ان طشتری والوں کے
رحم و کرم پر تھا۔ وہ شیشے کے سلنڈر میں داخل ہو گ
اندر سے اس نے دروازہ بند کر لیا۔ دوسرے لمحے اس
کی آنکھیں تیز قسم کی نیلی روشنی سے چکا چوند ہو گئیں۔ اس
نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک سلنڈر کے اندر۔۔۔۔ اسے
یوں لگا جیسے اس کا جسم ہوا بن کر خلا میں اڑ رہا ہے۔ اس
کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو خلا م
اڑتا دیکھے۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ وہ خلا میں
اڑ نہیں رہا تھا بلکہ اسی سلنڈر میں تھا۔

مگر کمرہ وہ نہیں تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ طشتری سے
تحلیل ہو کر اوپر سیارے پر آ گیا تھا۔

سلنڈر کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔

عنبر سلنڈر سے باہر آ گیا۔ اسے دیکھا کہ یہ کمرہ
گول نہیں تھا۔ تکونا تھا۔ چھت پر سرخ شیشے کے ٹکڑے

لگے تھے۔ بیچ میں ایک گول میز تھا جو سونے کی طرح چمک
رہا تھا۔ اس کمرے کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ اس نے گہرا
سانس لے کر محسوس کیا کہ فضا میں کسی خاص دوا کی خوشگوار
سی مہک چھپی ہوئی تھی۔ اتنے میں اسے پھر سگنل ہوا۔

"یہاں سے سیدھا کمرے کے کونے کی طرف چلو"

عنبر کونے کی طرف بڑھا۔ دیوار کے قریب آیا تو
ایک دروازہ کھل گیا۔ عنبر دروازے میں سے گذر کر
ایک دوسرے کمرے میں آ گیا۔ یہ ایک کھلا ہال کمرہ تھا۔
درمیان میں سونے کا ایک تخت بچھا تھا۔ اردگرد سونے
کی کرسیاں رکھیں تھیں جن پر بڑے بڑے سرخ یاقوت
اور لعل جڑے ہوئے تھے۔ عنبر نے قریب جا کر دیکھا۔
دیواروں پر بھی ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے یہ
سارے کے سارے اصلی جواہرات تھے۔ معلوم ہوا کہ
اس سیارے پر جواہرات کثرت سے پائے جاتے تھے۔
اتنے میں ایک دیوار شق ہوئی۔ اور دو آدمی نمودار ہوئے۔
عنبر کو وہ آدمی ہی لگے۔ مگر غور سے دیکھا تو ان
کے چہرے تکونے تھے۔ کان غائب تھے۔ ماتھے پر صرف
ایک آنکھ تھی۔ ٹانگ بھی ایک تھی۔ ناک آوچے ایسی تھی
اور منہ کی جگہ ایک سوراخ تھا۔ قد عنبر سے چھوٹا تھا

اور دونوں بازوؤں کے آگے ہاتھوں کی جگہ ایک ایک انگلی لگی ہوئی تھی۔ عنبر اس عجیب مخلوق کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

دونوں آدمی اس کے دائیں بائیں آ کر کھڑے ہو گئے عنبر کو ان کے جسموں سے نکلتی عجیب سی خوشبو محسوس ہو اس کے بعد اسی دروازے سے ایک اسی طرح کا آدمی نکلا۔ اس کے تکونے سر پر ایک تاج تھا جس میں ایریل لگا تھا۔ ایریل پر زمرد اور ہیرے لگے ہوئے تھے۔ وہ آ کر سونے کے تخت پر کھڑا ہو گیا۔ چونکہ ان کی ایک ٹانگ تھی اس لئے وہ یوں چلتے تھے جس طرح کہ موٹر چلتی ہے۔

عنبر خاموش کھڑا اس تاج والے آدمی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی اکلوتی آنکھ بھی عنبر کو اوپر سے نیچے تک دیکھ رہی تھی۔ پھر اس آنکھ میں سے ایک شعاع نکلی اور عنبر کے جسم پر پڑی۔

عنبر کو یوں لگا جیسے کوئی اسے بیٹھنے پر مجبور کر رہا ہے۔ عنبر بیٹھ گیا۔ تاج والا بولا۔

"تم ہماری زبان کس طرح سمجھ لیتے ہو؟"

یہ بات اس آدمی نے منہ سے سیٹی کی آواز نکال کر

کی تھی۔ عنبر اس سیٹی کے معنی سمجھ گیا تھا۔ عنبر نے اسے بتایا کہ زمین پر اسے قدرت نے یہ طاقت عطا کر رکھی ہے کہ وہ دنیا اور خلا کی ہر مخلوق کی زبان سمجھ لیتا ہے۔
تاج والے آدمی نے کہا۔

"تم زمین والے خلا میں اپنے جو چھوٹے کھلونے بھیجتے رہتے ہو ہم اس سے بے خبر نہیں ہیں۔ مگر ان کھلونوں سے ہمیں چونکہ کوئی خطرہ نہیں اس لئے تم لوگوں کو ہم نے کبھی کچھ نہیں کہا"

عنبر نے پوچھا۔

"آپ لوگ اس سیارے پر کب سے آباد ہیں اور آپ کی شکل ہم لوگوں سے مختلف کیوں ہے؟"

اس نے کہا۔

"یہ ہمارے سیارے کی آب و ہوا کا اثر ہے۔ ہم لوگ اس سیارے پر اربوں سال سے آباد ہیں"

عنبر نے کہا۔

"آپ لوگ مجھ سے کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں؟"

تاج والا بولا۔

"تم نے ہماری زبان میں بات کر کے ہمارے دل موہ لئے ہیں، ہمیں ایسا لگتا ہے کہ تم بھی ہم میں سے ہو۔

اس لئے اب ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ ویسے بھی تمہاری
زمین کا کوئی انسان پہلی بار ہمارے سیارے پر آیا ہے
ہم تمہیں اپنے عجائب گھر میں رکھیں گے"
عنبر کانپ اٹھا۔ یہ کم بخت کیا سوچ رہا ہے۔ یہ تو
اسے عجائب گھر کی کسی شیشے کی الماری میں ہمیشہ ہمیشہ کے
لئے قید کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ اس نے کہا
"کیا آپ مجھے قید کر رہے ہیں؟"
تاج والا آدمی سیٹی بجا کر ہنسا اور بولا۔
"نہیں — تمہیں عجائب گھر میں چلنے پھرنے کی اجازت
ہو گی۔ مگر تم اس عجائب گھر سے باہر نہیں نکل سکو گے
اگر تم نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو تمہیں گیارہ کروڑ
وولٹ بجلی کا ایسا جھٹکا لگے گا جو تمہیں جلا کر راکھ کر
دے گا۔ مگر ہم تمہاری بڑی اچھی طرح سے دیکھ بھال کریں
گے۔ تمہیں تمہاری زمین کے مطابق کھانے کو دودھ اور
پھل دیں گے۔ ہمارے ایک فارم میں تمہاری زمین کے مطابق
پھل اگائے جاتے ہیں اور بکریاں دودھ بھی دیتی ہیں۔"
عنبر کچھ کہنے ہی والا تھا۔ کہ تاج والے نے ہاتھ کھڑا
کر کے انگلی ہلائی۔
دونوں آدمی آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر کو بڑی آسانی

سے یوں اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا جیسے عنبر کوئی لکڑی کا
ہلکا سا کھلونا ہو۔ وہ اسے لے کر ایک کمرے میں آ گئے۔
یہاں ایک شیشے کی چھوٹی سی موٹر کھڑی تھی۔ عنبر کو اس
میں بٹھا کر اس کا بٹن دبا دیا گیا۔ موٹر بجلی کی تیزی کے
ساتھ ایک سرنگ میں سے گذرنے لگی۔
تھوڑی دیر بعد یہ موٹر ایک ہال کمرے میں آ گئی۔
یہاں اسی قسم کے ایک آدمی نے عنبر کو موٹر میں سے
نکال کر ہاتھ پر اٹھا لیا۔ خدا جانے ان لوگوں میں اتنی
طاقت کہاں سے آ گئی تھی کہ انہیں عنبر کا کوئی بوجھ محسوس
نہیں ہوتا تھا۔ شاید اس سیارے پر زمین کے مادے کا
معمولی وزن تھا۔ یا پھر اس سیارے کی مخلوق میں طاقت
اتنی زیادہ تھی کہ وہ زمین کے دو تین من وزن کو آسانی
سے ایک ہاتھ سے بلکہ ایک انگلی سے اٹھا لیتے تھے بہر حال
یہ تجربہ عنبر کے لیئے بالکل نیا تھا۔ وہ آدمی عنبر کو
اٹھائے ایک شیشے کی دیواروں والے کمرے میں لے آیا۔
"تم یہاں رہو گے"
اور عنبر کو عجائب گھر کے اس کمرے میں چھوڑ کر وہ
چلا گیا۔ عنبر نے دیکھا کہ شیشے کی دیواروں والے اس
کمرے کے پہلو میں ایک ایک میز کرسی رکھی تھی۔ کونے

میں سونے کے تاروں والا بھاری پردہ گرا تھا۔ عنبر نے پردہ اٹھا کر دیکھا۔ یہ سونے کا کمرہ تھا۔ فرش پر چاندی کا تخت بچھا تھا جس پر ربڑ کی قسم کا سبز رنگ کا گدا اور سرہانہ رکھا تھا۔ ساتھ ہی باتھ روم تھا۔ میز پر کھانے کو پھل اور دودھ پڑا تھا۔ عنبر نے پھلوں کو غور سے دیکھا۔ یہ دور سے سنگترے لگتے تھے۔ قریب گیا تو معلوم ہوا کہ آم کی قسم کا کوئی پھل ہے۔ عنبر نے اسے چوسنا چاہا مگر گودا اس کے اندر سے نہ نکلا۔ عنبر نے چھری سے کاٹا۔ کھایا تو ذائقہ بالکل سیب ایسا تھا۔

بے حد لذیذ اور طاقت بخش تھا۔ عنبر کو بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ ایک سیب کھا کر اس نے دودھ پیا۔ دودھ کا ذائقہ بالکل ہمارے ہاں کی بکری کے دودھ ایسا تھا۔ عنبر بستر پر بیٹھنے لگا تو اسے ایک جھٹکا لگا۔ اور بستر نے اٹھا کر اسے دور پھینک دیا۔ اس کے ساتھ ہی ہلکی سی سیٹی کی آواز آئی جس کا مطلب تھا۔

"ابھی سونے کا وقت نہیں ہے۔ تمہیں کمرے میں جا کر بیٹھنا ہے تاکہ عجائب گھر میں آئے ہوئے لوگ تمہیں دیکھ کر خوش ہوں"

عنبر بڑا حیران ہوا کہ یہ ان لوگوں کی کمال کی مشینری ہے۔

وہ باہر شیشے کے کمرے میں آ گیا۔ عنبر کی ڈیوٹی لگ گئی کہ وہ صبح سے شام تک عجائب گھر میں اس سیارے کی مخلوق کا دل بہلاتا رہے۔ وہاں کی ایک آنکھ ایک ٹانگ والی مخلوق اپنے بچوں اور عورتوں کے ساتھ آتی اور عنبر کو دیکھ کر لطف اٹھاتی۔ وہ آپس میں باتیں بھی کرتے۔ عنبر ان کی باتیں سمجھ رہا تھا۔ ان کے لئے عنبر کوئی جانور تھا۔ کسی دوسرے سیارے کا۔

رات کو عنبر کی خواب گاہ کی ایک کھڑکی کھلتی۔ اس میں سے ایک طشت اپنے آپ اندر آ جاتا جس میں پھل اور دودھ ہوتا۔ اسی طرح عنبر کے دن وہاں گزرنے لگے۔

پراسرار قلعہ

●

حیرانی کی بات یہ تھی کہ اس سیارے پر وقت کوئی نہیں تھا۔

عجائب گھر میں بھی گھڑی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ عنبر کی اپنی کلائی کی گھڑی بھی اس کے اپنے راکٹ میں رہ گئی تھی۔ یہاں دن چھوٹا ہوتا تھا۔ سورج نکلتا اور کچھ دیر کے بعد ہی شام ہو جاتی۔ پھر جو رات آتی تو گذرنے کا نام نہ لیتی۔ خدا جانے یہاں کی مخلوق وقت کا کیا حساب رکھتی تھی۔ ابھی تو عنبر کو ان لوگوں سے گھل مل کر بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ عنبر نے دن رات کا یہ حساب رکھا کہ وہ پنسل سے ایک نوٹ بک میں لکھ لیتا۔ ایک مہینہ گذرنے کے بعد اس نے نوٹ بک پر دن کا حساب رکھنا بھی چھوڑ دیا۔

اس کے بعد نہ جانے کتنے روز گذر گئے تھے کہ عنبر ایک روز تنگ آ گیا۔ اس نے وہاں سے فرار

ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ عجائب گھر کے باہر بجلی کی بڑی طاقت ور رو چھوڑ دی گئی تھی جو اس سیارے میں رہنے والوں کو کچھ نہیں کہتی تھی مگر عنبر کو خبردار کر دیا گیا تھا ایک دن عنبر بھاگنے کے لئے تیار ہو گیا۔ سارے لوگ عجائب گھر سے جا چکے تھے۔ عجائب گھر کے برقی دروازے اپنے آپ بند ہو گئے تھے۔ عنبر نے اپنے بستر سے اٹھ کر پردہ ہٹا کر دیکھا۔ ہال کمرہ خالی تھا۔ چھت میں لگے شیشے کے ٹکڑوں سے ہلکی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ عنبر ہال کمرے میں آ گیا۔ پھر وہ دیوار کے ساتھ ساتھ گھسٹتا ایک برقی دروازے کے پاس آ کر رک گیا۔ وہاں کوئی دروازہ بنا ہوا نہیں تھا مگر اس کا اندازہ تھا کہ ہر روز دروازہ اسی جگہ سے کھلتا ہے۔

اسے یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں کسی خفیہ کیمرے کی آنکھ اسے دیکھ نہ رہی ہو۔ عنبر نے دروازے والی جگہ پر دیوار پر ہاتھ پھیرا۔ اسے ایک چھوٹا سا بٹن دیوار میں لگا محسوس ہوا۔ عنبر نے بٹن کو دبایا تو دروازہ بغیر کسی آواز کے کھل گیا۔ عنبر نے چوکس ہو کر ارد گرد دیکھا۔ ہال میں گہری خاموشی چھا رہی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ عنبر دروازے میں سے گذر گیا۔

باہر ایک گیلری سی تھی جس کی گول چھت کے ساتھ کئی
فانوس لٹک رہے تھے۔ یہ بجھے ہوئے تھے۔ یا خدا جانے
کیا شے تھے۔ عنبر گیلری کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا آگے
بڑھا۔

کافی آگے جا کر ایک سنگ مرمر کا سفید دالان آگیا جس
کے آگے تین چار سیڑھیاں تھیں۔ عنبر سیڑھیاں اتر گیا۔ ایک
تنگ سا راستہ شروع ہو گیا جس نے عنبر کو ایک دیوار کے
پاس پہنچا دیا۔ دیوار نے راستہ بند کر دیا تھا۔ عنبر کو یقین
تھا کہ یہاں کہیں دروازہ ضرور ہے کیونکہ یہ راستہ یوں اچانک
بند نہیں ہو سکتا۔ اس نے دیوار کو ٹٹولا۔ ایک جگہ خفیہ میخ
مل گئی۔ عنبر نے میخ کو ذرا سا دبایا۔ دیوار میں ایک راستہ
بن گیا۔

عنبر اندر گیا تو دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔
عنبر کے اندر جاتے ہی وہ جگہ روشن ہو گئی۔ عنبر دنگ
سا ہو کر رہ گیا۔

اس کے سامنے ایک اڑن طشتری کمرے کے وسط میں
کھڑی تھی۔

"ضرور یہ ان لوگوں کا لانچنگ پیڈ ہے۔ یعنی اس جگہ
سے اڑن طشتریاں آسمان کی طرف پرواز کرتی ہیں"

عنبر کے دل میں خیال آیا۔ یہاں سے اسی وقت فرار
ہو جانا چاہیئے۔ اس سے اچھا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا۔
یہ سوچ کر عنبر نے اڑن طشتری کے دروازے کا بٹن دبا
کر اسے کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ یہ اسے معلوم تھا کہ
جب وہ یہاں سے اڑا تو سیارے کی مخلوق یقیناً اس کا
پیچھا کرے گی۔ بلکہ اس پر حملہ بھی کرے گی۔ اس کے باوجود
عنبر وہاں کی بے رس اکتا دینے والی زندگی سے اس قدر
بیزار ہو گیا تھا کہ وہ مر جانا زیادہ پسند کرتا تھا بہ نسبت
اس کے اس غیر انسانی دنیا پر رہے۔

عنبر طشتری کے اندر آ گیا۔ اس نے دروازہ بند کر لیا
اور مشین کو غور سے تکنے لگا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ
ان لوگوں کی زبان سے واقف تھا۔ مختلف آلات کے بٹنوں
پر مختلف اشارے لکھے تھے جنہیں عنبر بخوبی سمجھ رہا تھا۔
پس اس نے ایک بٹن دبایا ہی تھا کہ کمرے کے اوپر
کی اوپر کی چھت بیچ میں سے کھل گئی۔ گویا اڑن طشتری اب
اس میں سے گذر سکتی تھی۔

عنبر نے آلات پر لکھی ہدایات کے مطابق دوسرا بٹن
دبایا۔ کچھ روسی سائنس دانوں نے راکٹ اور خلائی جہازوں
کی مشینری کے بارے میں عنبر کو معلومات مہیا کر دی تھیں۔

دوسرے بٹن کے دباتے ہی اڑن طشتری میں ہلکی ہلکی گونج سی پیدا ہونے لگی۔ گویا طشتری کی مشین چالو ہو گئی تھی۔ عنبر نے آلات کو غور سے دیکھا۔ پھر ایک چھوٹے سے چاندی کے ہینڈل کو اپنی طرف کھینچا ہی تھا کہ طشتری کمرے کے فرش سے اوپر اٹھنا شروع ہو گئی۔

پھر وہ کمرے کی چھت میں سے نکل کر اوپر کھلی فضا میں آ گئی۔ عنبر نے دوسرے ہینڈل کو کھینچا تو اسے ایک ہلکا سا جھٹکا لگا۔ اب جو اس نے طشتری کی گول شیشہ لگی کھڑکی میں سے باہر دیکھا تو مارے حیرت کے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ خدا جانے ایک سیکنڈ میں وہ کتنے میل اوپر آسمان میں اڑ چکا تھا کہ اسے وہ سیارہ چھوٹا سا دکھائی دے رہا تھا۔ جہاں ایک سیکنڈ پہلے وہ قید کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

اتنی تیزی سے اس نے کبھی سفر نہ کیا تھا۔ اڑن طشتری تو سیارے کی فضا سے بالکل ایسے اوپر نکل گئی تھی جس طرح پستول میں سے گولی نکلتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ رفتار کے ساتھ۔

خدا جانے کیا بات ہوئی تھی کہ سیارے کی مخلوق کو عنبر کے فرار کی کانوں کان خبر نہ ہوئی تھی۔ شاید رات کے

وقت وہ لوگ بہرے ہو جاتے تھے۔ اندھے ہو جاتے تھے کہ ان کے کمپیوٹروں نے عنبر کے فرار کا ایک بھی سراغ نہ دیا بہرحال عنبر خوش تھا کہ وہ سیاروں کی مخلوق کی قید سے نکل آیا تھا۔ اب یہ الگ بات تھی کہ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ جا کہاں رہا ہے؟ یہ اڑن طشتری اسے کہاں لئے جا رہی ہے؟ کیا اسے کسی دوسرے سورج میں تو جا کر نہیں ڈال دے گی؟

کچھ ہی دیر بعد سیارہ ایک چھوٹی سی گیند کی طرح نظر آنے لگا۔

اڑن طشتری سیاروں اور ستاروں کو پیچھے چھوڑتی کسی نہ معلوم منزل کی طرف بھاگی چلی جا رہی تھی۔ اس کو بھی معلوم نہیں تھا کہ اڑن طشتری کی منزل کون سی ہے؟ وہ کہاں جا کر رکے گی؟ کب رکے گی؟ رکے گی بھی کہ نہیں! اور کیا خبر کہ اچانک کسی سورج کے سامنے جا کر اس کے شعلوں میں گر کر خاک ہو جائے بلکہ بھاپ بن کر اڑ جائے۔

خلا میں رات ہی رات تھی۔ باہر خلا میں گہرا سیاہ اندھیرا تھا جس میں ستارے دور دور انگاروں کی طرح دہک رہے تھے۔ نہ وہ ٹمٹما رہے تھے، جھلملا رہے تھے۔ تسلی کی بات یہ تھی کہ سامنے کوئی سورج بھی نہیں تھا کہ

جو طشتری کو اپنی طرف کھینچ رہا ہو اور جس کی وجہ سے
پریشانی ہو۔ طشتری میں کھانے پینے کا تھوڑا بہت سامان
موجود تھا۔ عنبر کو جب نیند آتی سو جاتا جب نیند ختم
ہو جاتی تو اٹھ کر بیٹھ جاتا۔

اس طرح خدا جانے کتنی راتیں کتنے دن گذر گئے تھے
کہ ایک روز یا ایک رات اچانک اڑن طشتری کی سکرین
پر ایک سیارے کی تصویر ابھری۔ اس کی شکل لمبوتری تھی
اور اس میں اونچے اونچے پہاڑ صاف دکھائی دے رہے
تھے۔ عنبر نے محسوس کیا کہ طشتری اپنے آپ اس سیارے
کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے طشتری کو روکنے کی بہت
کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ طشتری بڑی
تیزی سے اس لمبوترے سیارے کی طرف بھاگی جا رہی
تھی۔

عنبر کو نیند آ گئی۔ وہ سکرین پر سیارے کو قریب
سے قریب آتے دیکھ کر تھک گیا تھا۔ وہ سو گیا۔
جب بیدار ہوا تو اسے ایک جھٹکا سا لگا۔ پہلی بات
جو اس نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ طشتری کی گول شیشے
والی کھڑکیوں میں سے چاندنی کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ
رہی تھی۔

عنبر شیشے والی کھڑکی کے ساتھ لگ گیا اور باہر تکنے لگا۔
ایک بار تو وہ دھوکا کھا گیا کہ اپنی زمین پر ہے۔ کیونکہ
باہر اسے اونچے اونچے گھنے درخت اور گھنی جھاڑیاں نظر
آ رہی تھیں۔ اڑن طشتری اس لمبوترے سیارے کے کسی
جنگل میں راتوں رات آ کر اتر گئی۔ اس کی مشین اپنے آپ
بند ہو گئی تھی۔ اندر صرف چھت کی دھیمی روشنی جل رہی
تھی۔ عنبر نے سوچا کہ کیا وہ طشتری سے باہر نکلے؟

اسے کوئی خبر نہیں تھی کہ باہر کی فضا کیسی ہے؟ اس
نئے سیارے کی فضا میں آکسیجن ہے یا نہیں؟ آکسیجن اور
نائٹروجن کے بارے میں تو اسے یقین ہو گیا کہ اس سیارے
میں ضرور ہو گی۔ کیونکہ درخت وہیں ہوتے ہیں جہاں یہ دونوں
گیسیں موجود ہوتی ہیں۔ اگر اس سیارے پر آکسیجن گیس ہے تو
پھر وہ بے دھڑک باہر نکل سکتا تھا۔

عنبر نے طشتری کی روشنی بجھا دی۔ اپنا پستول اور
گولیوں کی پیٹی باندھی اور طشتری کا دروازہ کھول دیا۔ ہوا
کا ٹھنڈا جھونکا اس کے جسم سے ٹکرایا تو اس کی طبیعت
بشاش ہو گئی۔ یہ بالکل اس کی اپنی زمین کی ہوا تھی۔ پھر اس
نے محسوس کیا کہ وہ ایک کنوئیں کے اندر ہے۔ یعنی اڑن
طشتری کسی گہرے کنوئیں کے اندر اتر گئی تھی۔ سامنے کنوئیں

کر کنوئیں کے اوپر اس طرح ڈال دیں کہ طشتری بالکل چھپ
گئی۔ اب وہ درختوں کے نیچے سے ہو کر آگے کو چلا۔
درختوں کے جھنڈ ختم ہو گئے۔ اب اسے چاندنی میں سامنے
وادی نظر آئی یہاں ارد گرد اونچے اونچے کھجوروں کے درختوں
کے جھنڈ تھے۔ ایک ندی اس کے قریب سے گذر رہی تھی۔
عنبر نے جھک کر پانی کو ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھا۔
پھر اسے چکھا۔ بڑا میٹھا اور صاف پانی تھا۔
اس سیّارے پر بالکل اپنی زمین کی طرح کی فضا تھی۔
عنبر ندی کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔ آگے جا کر ندی
بائیں جانب کو مڑ گئی تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی گھوم
گیا۔ اب اس نے دور ایک ٹیلے پر ایک چھوٹے سے
قلعے کو دیکھا جس کا سیاہ خاکہ چاندنی رات میں صاف نظر
آ رہا تھا۔ قلعے کی اوپر والی منزل کی دائیں جانب کسی جگہ
سے دھیمی دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ عنبر رک کر سوچنے
کہ یہ کون سی زمین ہے؟ کون سا ملک ہے؟ یہاں کون
لوگ رہتے ہیں؟ وہ کس دنیا میں آ گیا ہے؟
ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے ایک عورت کی
سسکیاں لے لے کر رونے کی آواز آئی۔ عنبر آواز کی
طرف بڑھا۔ یہ آواز ایک چٹان کے پیچھے سے آ رہی

ی گول دیوار تھی۔ عنبر نے طشتری کے اندر سے سفید چک
دھات کی ہلکی آٹو میٹک سیڑھی باہر نکالی اور طشتری پر
رکھ کر کنوئیں کی دیوار سے لگا دی۔ بٹن کے دبتے ہی
اوپر اٹھنے لگی اور کنوئیں سے باہر نکل گئی۔
عنبر سیڑھی پر چڑھ کر کنوئیں سے باہر آ گیا۔
اس نے بٹن دبا کر سیڑھی دوبارا نیچے بھیج دی۔ ا
خود ارد گرد نگاہ دوڑائی جنہیں وہ درخت اور جھاڑیاں سمجھا تھا وہ
سبز بیلیں تھیں جو کنوئیں کے اندر تک اتر گئی تھیں۔ باہر آ
اس کو واقعی اپنے سامنے اونچے گھنے درخت اور گھنی
جھاڑیاں نظر آئیں۔ چاندنی درختوں سے چھن کر نیچے کنوئیں
میں بھی جا رہی تھی۔ اسی چاندنی کی روشنی عنبر کو اپنی طشتری
کی کھڑکیوں پر دکھائی دی تھی۔
عنبر نے بڑے غور سے ارد گرد کے ماحول کو دیکھا۔
ہوا کو سونگھا۔ ہوا میں سبزے کی مہک تھی۔ بالکل اپنی زمین
کی طرح۔ درخت بھی اپنی زمین ہی کی طرح تھے۔ ایک بار
تو وہ دھوکا کھا گیا کہ شاید دوبارا اپنی زمین پر واپس آ
گیا ہے۔ مگر طشتری کی سکرین پر اس نے اس سیارے کو لمبوترا
دیکھا تھا جب کہ اس کی اپنی زمین ایسی نہیں تھی۔
عنبر نے ادھر ادھر سے لمبی لمبی ٹہنیوں والی جھاڑیاں توڑ

تھی۔ عنبر نے چٹان کی اوٹ میں ہو کر دوسری طرف نگاہ
چاندنی پھیلی ہوئی تھی جس میں سارا منظر صاف نظر آ رہا
کیا دیکھتا ہے کہ ایک اونچا لمبا آدمی ہے جس نے سر پر
ٹوپی پہن رکھی ہے۔ اس کے ہاتھ میں کلہاڑا ہے۔
پاس ہی ایک گھوڑا کھڑا ہے۔

ایک لمبے بالوں والی عورت دو زانو ہو کر زمین پر
دونوں ہاتھ سینہ پر رکھے رو رہی ہے۔ عنبر حیران
کر یہ منظر تکنے لگا۔

اس عورت نے روتے روتے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

" رب مردوخ کے لئے میرا سر نہ کاٹو۔ میں تمہیں
اکلوتے بچے کا واسطہ دیتی ہوں۔ مجھ پر رحم کرو"

اونچے لمبے آدمی نے کہا۔

" تمہارا سر کاٹ کر مجھے تمہارے بچے کو بھی آگ
ڈالنا ہے۔ شہنشاہ بابل سیاکریب کے حکم پر تمہیں قتل
جا رہا ہے"

عنبر ایک بار تو اپنی جگہ سے ہل گیا۔ یہ وہ کیا سن
تھا۔ چونکہ تاریخ کے ہر پرانے دور میں سے گذر کر آ
تھا اس لئے اسے تمام پرانی تہذیب کی زبانوں
واقفیت تھی۔ وہ عورت اور آدمی آج سے تین ہزار

پہلے کی اشوری زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ تو کیا وہ بابل کے
بادشاہ سیناکریب کے عہد میں آ گیا ہے؟
یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر سب کچھ ہو سکتا تھا۔ سب کچھ
اس کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا۔ اور ابھی بہت کچھ
ہونے والا تھا۔

اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس عورت کی
جان بچانے کی تھی۔ عنبر نے اپنی دنیا کا ماڈرن لباس پہن
رکھا تھا۔ یعنی ایک پتلون، چمڑے کی جیکٹ، پاؤں میں فل
بوٹ اور کمر کے ساتھ پستول لگا تھا جو گولیوں سے بھرا
ہوا تھا۔

پیٹی میں فالتو گولیاں بھی لگی تھیں۔ عنبر ایک دم سے
سامنے آ گیا۔

اسے دیکھ کر جلاد نے چلا کر کہا۔

" تم کون ہو؟ چلے جاؤ۔ میں اس قلعے کے حاکم کی
طرف سے اس عورت کا سر کاٹ رہا ہوں"

عنبر نے کہا۔

"اس عورت کو چھوڑ دو"

اب وہ عورت بھی رحم طلب اور کچھ حیران حیران نظروں
سے عنبر کو تک رہی تھی۔ چاندنی میں عنبر کا لباس صاف

نظر آ رہا تھا۔ عورت اور جلاد اس کے لباس کو دیکھ کر
تعجب کر رہے تھے کہ یہ کس ستارے کی مخلوق وہاں آ
گئی ہے؟ جلاد نے کہا۔

"میں تمہیں بھی ہلاک کر دوں گا۔ تم کون ہو۔ لباس تمہارا ک
دوسرے ستارے کی مخلوق کا ہے مگر تم زبان ہماری بول
رہے ہو"

عنبر نے کہا۔

"میں کون ہوں؟ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا میں آخری
بار تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس عورت کو چھوڑ دو۔ نہیں
تمہیں اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا"

جلاد طیش میں آ گیا۔ اس نے کلہاڑے سے عنبر پر حم
کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ عورت سے پہلے اس نئی مخلوق
کو ختم کر دے۔ کلہاڑے کا وار عنبر کے بازو پر لگا ا
ٹکرا کر اس کا پھل ٹیڑھا ہو گیا۔ جلاد پریشان ہوا کہ یہ
آدمی ہے کہ پتھر؟ عنبر نے کہا۔

"اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں تم پر وار
کرنے لگا ہوں"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے پستول کا نشانہ لے کر
فائر کر دیا۔ ایک دھماکہ ہوا اور گولی سیدھی جلاد کے

سینے میں جا کر لگی۔ وہ ٹوٹے ہوئے درخت کی طرح گرا
اور تڑپ کر مر گیا۔ گولی کے دھماکے اور پھر اچانک جلاد
کے زمین پر گرنے اور تڑپ کر مر جانے سے وہ عورت
خوف زدہ ہو گئی اور اس نے عنبر کے آگے سجدہ کر دیا۔

"عظیم مردوخ دیوتا! تم نے مجھے بچا لیا۔"

عنبر نے عورت کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بہن اٹھو اور خدا کا شکر ادا کرو۔ تمہیں مردوخ
دیوتا نے نہیں بلکہ میرے خدا نے بچایا ہے"

عورت نے سر اوپر اٹھا کر عنبر کو دیکھا اور کانپتے
ہونٹوں سے کہا۔

"تم ——— تم کون ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"ان باتوں کو چھوڑو کہ میں کون ہوں اور کہاں سے
آیا ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اور میں تمہارے
کس کام آ سکتا ہوں؟"

اس عورت نے ڈرتے ڈرتے عنبر کے ہاتھ میں
پکڑے ہوئے پستول کو دیکھا اور کہا۔

"یہ کیا چیز ہے جس میں سے آگ کا ہلکا سا شعلہ
نکلا دھماکہ ہوا اور جلاد گر کر مر گیا؟"

عنبر نے کہا۔

" ان تمام سوالوں کا جواب میں پھر کبھی دوں گا۔ تم
بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اور میں تمہیں کہاں چھوڑ آؤں کہ
ظالموں کے پنجے سے آزاد ہو سکو؟"

عورت نے کہا

"میرا نام عبیلا ہے۔ میں اس قلعے کے حاکم کی عزیز
لونڈی ہوں۔ حاکم نے ایک خوبصورت عورت سے
کر لیا ہے اور اب مجھے مروانا چاہتا ہے وہ میرے
اکلوتے بچے کو بھی آگ میں ڈالنا چاہتا ہے۔"

" تمہارا بچہ کہاں ہے؟

" وہ قلعے میں بڑی کنیز کے پاس قید ہے۔"

" تم کہاں جانا چاہتی ہو؟"

عنبر نے پوچھا۔

عبیلا نے کہا۔

" میں اپنا بچہ واپس لے کر یہاں سے دریا پار اپنی
غریب ماں کے پاس واپس جانا پسند کروں گی"

" ٹھیک ہے۔ میں تمہارا بچہ تمہیں لا کر واپس کر دوں

"قلعے میں قدم قدم پر سخت پہرہ ہے۔ تم اندر نہ جا
سکو گے۔"

عنبر نے کہا۔

" یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں کسی
محفوظ جگہ پر ٹھہرا کر خود تمہارے بچے کو لینے جاؤں گا۔
تمہارے خیال میں یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں تم سکون
سے بیٹھ کر میرا انتظار کر سکو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مجھے
وہاں بچہ واپس حاصل کرنے میں کچھ وقت لگ جائے"

عبیلا نے کہا۔

" یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں میں پناہ لے سکوں
ہاں البتہ قریب ہی ایک چٹان کے اندر چھوٹا سا غار
ہے۔ میں بچپن میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ وہاں کھیلا کرتی
تھی۔ اس غار میں چھپ کر میں تمہارا انتظار کروں گی"

عنبر نے عبیلا کو ساتھ لیا اور چٹان کے غار میں
آ گیا۔

" تمہارے کھانے پینے کا کیا بندوبست ہو گا؟"

عبیلا نے کہا۔

" میں جنگل کے پھل اور ندی کا پانی پی کر گزارہ کر
لوں گی۔ تم میرے بچے کو جلدی سے میرے پاس لے
آؤ۔ ظالم حکمران کہیں اسے آگ میں نہ ڈال دے"

" فکر نہ کرو۔ میں ابھی جاتا ہوں"

عنبر اس مظلوم ماں کو غار میں چھوڑ کر خود رات کی خاموشی میں ہی قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے عبیلا سے بڑی کنیز کا نام پوچھ لیا تھا۔ اس کا نام عنبرہ تھا اور وہ حاکم کی بڑی منہ لگی چہیتی کنیز تھی اور عبیلا کی دشمن بھی تھی۔ اسی کی سازش سے عبیلا بے چاری کی گردن کاٹی جا رہی تھی۔

عنبر کو بڑی حیرت تھی کہ وہ ایک دم سینیا کرب کے اشوری عہد میں کیسے آ گیا؟ کیونکہ تاریخ کا یہ دور تو اس کی زمین پر گذر چکا تھا۔ تو کیا تاریخ اس انوکھے سیّارے میں اپنے آپ کو ایک بار پھر دہرا رہی تھی؟ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے سات سو سال پہلے کے زمانے میں کیسے آ جاتا؟ یہ ایک دلچسپ تجربہ تھا جس میں سے عنبر ایک بار پھر گذر رہا تھا۔

رات کے سناٹے میں وہ قلعے کے قریب آ گیا۔ قلعے پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بائیں جانب والی منزل میں ایک کھڑکی میں روشنی ہو رہی تھی۔ عنبر سائنس کی دنیا سے ایک دم ایک بار پھر پرانے زمانے کی دنیا میں آ گیا تھا جہاں نہ موٹر تھی، نہ ریل گاڑی، نہ

بجلی کے قمقموں کی روشنی، نہ راکٹ، نہ ٹیلی ویژن اور نہ ریڈیو۔

قلعے کی کھڑکی میں بڑی مدھم روشنی تھی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ موم بتی یا مشعل کی روشنی ہے۔

عنبر چلتے چلتے قلعے کے قریب آ کر رک گیا۔

قلعے کا بڑا دروازہ بند تھا۔ بہت بڑا دروازہ تھا جو زنجیروں کی چرخی گھمانے سے کھلتا تھا۔ ایک چھوٹا طاق بھی تھا جو بند تھا۔ اس طاق کے کھلنے سے اس میں سے آدمی بڑی آسانی سے گذر سکتا تھا۔ قلعے کی دونوں جانب دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ان کی وردی پرانے زمانے کے سپاہیوں ایسی تھی۔ انہوں نے ہاتھوں میں نیزے تھام رکھے تھے۔ وہ چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد قلعے کے اوپر والے پہرے دار کی آواز آتی۔ وہ اشوری زبان میں کہتا۔

"ہوشیار! خبردار!"

اس کے جواب میں نیچے کے پہرے دار بھی باری باری کہتے۔

"فکر نہ کرو۔ سب ٹھیک ہے"

عنبر سوچتا رہا کہ قلعے کے اندر کیسے داخل ہو۔ وہ سامنے والے دروازے سے اندر نہیں جا سکتا تھا۔ پھر وہ کیا کرے؟ قلعے کے اردگرد کھائی بنی تھی جس میں پانی چھوڑا ہوا تھا۔ عنبر کو معلوم تھا کہ پرانے زمانے میں اس قسم کے قلعوں کے اردگرد گہری کھائیاں ہوتی تھیں جن کا پانی بڑا ڈونگا ہوتا تھا۔

عنبر نے ذرا پرے ہٹ کر کھائی کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا۔ وہ قلعے کے پیچھے آ گیا۔ یہاں پہریدار کوئی نہیں تھا۔ مگر قلعے کے اوپر سے کبھی کسی سپاہی کی آواز آ جاتی تھی۔

"ہوشیار، خبردار!"

قلعہ تین منزلہ تھا۔ بہت اونچا تھا۔ عنبر اس کھڑکی کے نیچے آ گیا جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ یہ قلعے کی تیسری منزل تھی۔ اوپر جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ کوئی ایسا درخت بھی نہیں تھا جس کی شاخیں قلعے کے اوپر تک گئی ہوں۔ عنبر ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک کھڑکی میں سے کسی نے جھانک کر نیچے دیکھا۔ عنبر جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گیا اور کھڑکی کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ چاندنی رات میں اسے کھڑکی میں

ایک عورت کا خاکہ نظر آیا۔ پھر اچانک اس عورت نے رسی کی ایک سیڑھی نیچے لٹکا دی۔

عنبر یہ ڈرامہ دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ عورت پرے ہٹ گئی۔ اب ایک آدمی گود میں ایک چھوٹی سی گٹھڑی سنبھالے ایک ہاتھ سے سیڑھی کی رسی پکڑ کر نیچے اترنے لگا۔ اب وہی عورت پھر کھڑکی میں آ گئی۔ آدمی نیچے اتر رہا تھا۔ جب وہ آدھے راستے میں آیا تو اوپر سے عورت نے اشوری زبان میں کہا۔

"بچے کو جنگل میں لے جا کر ہلاک کرنا اور وہیں دبا دینا۔ خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو"

عنبر کے کان کھڑے ہو گئے۔ کہیں یہ عبیلا کا بچہ تو نہیں؟ ضرور یہ کھڑکی والی عورت کنیز جنتری ہے اور یہ بچہ عبیلا کا بچہ ہے جس کو یہ آدمی شاہی کنیز جنتری کے حکم سے خفیہ طور پر ہلاک کرنے جا رہا ہے۔ وہ آدمی اب قلعے کی دیوار سے اتر چکا تھا۔ اس نے ایک جگہ سے کھائی عبور کی اور بچے کو بغل میں دبا کر جنگل کی طرف روانہ ہوا۔

عنبر کو اسی بچے کی تلاش تھی۔ پس وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جنگل میں ایک جگہ پہنچ کر وہ آدمی رک گیا۔

اس نے گٹھڑی زمین پر رکھی۔ اسے کھولا تو بچہ رونے لگا۔
اس آدمی نے خنجر نکال لیا۔ عنبر دیر نہیں کر سکتا تھا۔
خنجر کے نکلتے ہی وہ ایک دم سے آدمی کے سامنے آگیا۔
وہ شخص رات کے وقت جنگل کی تنہائی میں ایک عجیب
لباس والے انسان کو اپنے سامنے دیکھ کر ہکا بکا سا
ہو کر رہ گیا۔ عنبر نے اسی کی زبان میں کہا۔
"اگر تمہیں زندگی عزیز ہے تو یہ خنجر اور بچہ میرے
حوالے کر دو اور چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔"
آدمی اونچا لمبا اشوری سپاہی تھا۔ اس نے گھور کر عنبر
کو دیکھا۔ خنجر ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔
"کون ہو تم؟"

●

موت کا حکم

●

عنبر نے کہا۔
"میں اس بچے کی جان بچانے آیا ہوں۔ تمہارے لیے بس
اتنا جان لینا ہی کافی ہے۔ اب یہ مت پوچھو کہ میں کہاں سے
آیا ہوں۔ کیا تم بچہ میرے حوالے کر رہے ہو؟"
وہ آدمی غصے سے پھنکار کر بولا۔
"تم مجھے کوئی قبطی لگتے ہو۔ تم ہمارے دشمن ہو اور
عجیب لباس پہن کر ہماری جاسوسی کرنے آئے ہو۔ میں تمہیں
زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"
وہ خنجر تان کر عنبر کی طرف بڑھا۔ اس کا خیال تھا کہ
عنبر نہتا ہے وہ ایک پل میں اسے خنجر مار کر ہلاک کر دے
گا۔ جونہی وہ شخص عنبر کی طرف بڑھا عنبر نے جیب سے
پستول نکال کر نالی کا رخ دشمن کی طرف کر دیا۔ وہ آدمی
عنبر کے ہاتھ میں تلوار کے دستے ایسی کوئی لوہے کی نالی
دار شے دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھٹھک گیا۔ پھر اسے خیال آیا

کہ یہ تلوار کا ٹوٹا ہوا دستہ اس کا کیا بگاڑ سکے گا۔ پس
اس نے خنجر لہرایا اور عنبر پر حملہ آور ہوا۔ عنبر نے بڑے سکون
سے دشمن کو قریب آنے دیا۔ خنجر عنبر کے سینے پر پوری طاقت
سے لگا۔ مگر جیسے چٹان سے ٹکرا کر مڑ گیا۔

عنبر کے پستول کی نالی حملہ آور کے سینے پر لگ چکی تھی۔
عنبر نے لبلبی دبا دی۔ ایک دھماکا ہوا۔ گولی دشمن کے سینے
سے پار ہوئی اور وہ عنبر کی طرف اور پستول کی طرف پھٹی پھٹی
نگاہوں سے دیکھتا، سینے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے زمین پر
گرا اور تھوڑی دیر تڑپ کر مر گیا۔

دھماکے کی آواز چٹان کی غار میں عبیلا نے بھی سنی تھی۔
وہ دل تھام کر رہ گئی۔ اسی قسم کا دھماکہ ہوا تھا جس کے بعد
جلاد مر گیا تھا۔ عبیلا سمجھ گئی کہ عنبر نے ضرور کسی کو ہلاک کیا
ہے۔ وہ غار کے دروازے پر آ کر چاندنی رات میں
جنگل کی طرف تکنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اسے دور سے ایک
سایہ اپنی طرف آتا نظر آیا۔ یہ عنبر تھا۔ اس نے عبیلا کا بچہ
لا کر اس کی گود میں ڈال دیا۔

"اپنی امانت سنبھالو بہن!"

عبیلا نے اپنے بچے کو سینے سے لگا لیا اور عنبر کا شکریہ
ادا کیا۔ عنبر نے کہا کہ اب وہ کہاں جانا چاہتی ہے؟ عبیلا

نے کہا۔

"میں اس شہر کی حدود سے نکل جانا چاہتی ہوں۔ یہاں سے
ایک دن کے فاصلے پر شہر کی حد آتی ہے۔ وہاں سے افریقہ کا
ملک شروع ہو جاتا ہے میں افریقہ میں اپنی بہن کے پاس
چلی جاؤں گی"

"تم اکیلی نہیں جا سکو گی۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گا"

عنبر نہیں چاہتا تھا کہ ایک بے چاری ماں اپنے بچے کو
لے کر خطرناک سفر اکیلی طے کرے۔

عبیلا نے سر جھکا کر کہا۔

"بھائی! تمہارے پہلے ہی مجھ پر بڑے احسان ہیں۔ میں
تمہیں اور تکلیف نہیں دینا چاہتی"

"تکلیف کی کوئی بات نہیں۔ چلو میرے ساتھ۔ ہم کسی نہ کسی
جگہ سے گھوڑے لے لیں گے یا کسی قافلے میں شامل ہو جائیں
گے"

وہ جنگل سے باہر نکل کر شہر کے باڈر کی طرف جانے والی
کچی سڑک پر آ گئے۔ اب دن کی روشنی پھیل رہی تھی عبیلا
نے عنبر سے کہا۔

"بھائی! اب مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو؟ اور کس دنیا
سے آئے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا کہ میں تمہاری طرح کا انسان ہوں اور اپنی ایک بہن کی تلاش میں یہاں آیا ہوں"

"کہاں ہے تمہاری بہن ؟"

"مجھے خود معلوم نہیں"

عبیلا نے کہا۔

"تم جس دنیا سے بھی آئے ہو میرے بھائی ہو۔ میں تمہیں مشورہ دوں گی بھائی کہ یہ اپنا لباس تبدیل کر لو۔ یہاں کے لوگ تمہیں اس لباس میں دیکھ کر تعجب کریں گے اور ہو سکتا ہے تمہیں حاکم شہر کے حکم سے گرفتار بھی کر لیا جائے"

عنبر بولا۔

"حاکم شہر کے ہاتھوں پکڑے جانے کا مجھے کوئی ڈر نہیں۔ ہاں اس بات کا خیال ضرور ہے کہ مجھے لوگ اس لباس میں خواہ مخواہ گھور گھور کر دیکھیں گے۔ میں لباس بدلنے کی کوشش کروں گا"

باتیں کرتے کرتے وہ کچی سڑک کے کنارے کنارے چلے جا رہے تھے کہ اچانک ایک ندی کا پل آ گیا۔ اس

پل کے نیچے گھاس پر کسی اشوری کی لاش پڑی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"یہ کون مرا پڑا ہے ؟"

عبیلا نے کہا۔

"اس ملک میں کسانوں کی آپس میں اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ضرور اسے کسی دشمن نے مار دیا ہو گا۔"

عنبر بولا۔

"لباس تبدیل کرنے کا بڑا اچھا موقع ہے"

عنبر نے پل کے نیچے جا کر اپنے کپڑے اتار کر ندی میں پھینک دیئے اور اشوری کسان کے کپڑے پہن لیے۔ ہاں پستول اور گولیوں کی پیٹی اس نے کپڑوں کے اندر اپنی کمر کے ساتھ باندھ لی۔ عبیلا نے اسے دیکھ کر کہا۔

"اب تمہیں کوئی غیر نہیں سمجھے گا"

دن چڑھے وہ ایک سرائے میں آ گئے۔ یہاں انہوں نے ناشتہ کیا۔ بچے کو دودھ پلایا۔ تھوڑی دیر بعد انہیں ایک گھوڑا گاڑی مل گئی۔ یہ ایک لمبے رتھ والی گاڑی تھی اور ملک افریقہ کو جا رہی تھی۔ عنبر نے عبیلا کی خواہش پر اسے ایک بوڑھی عورت کے حوالے کیا اور خود واپس سرائے میں آ گیا۔ عبیلا کو لے کر گھوڑا گاڑی چلی گئی تھی۔

عنبر نے دوپہر کا کھانا بھی سرائے میں کھایا اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔

وہ آرام کرنے کے بعد وہ جنگل میں اس جگہ آیا جہاں کنوئیں میں اس نے اڑن طشتری چھپائی ہوئی تھی۔ کنوئیں کے اوپر جھاڑیاں پڑی تھیں اور نیچے کنوئیں کی تہہ سے لگی اڑن طشتری چھپی ہوئی تھی۔

عنبر یہاں سے اپنا اطمینان کرنے کے بعد جنگل میں اس مقام کے قریب سے گزرا جہاں رات کو اس نے جلاّد کو ہلاک کیا تھا۔

جلاّد کی لاش ذرا دور گھاس پر پڑی تھی۔

یونہی عنبر لاش کو دیکھنے اس کے قریب آ گیا۔ لاش پر چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔ سینے میں گولی نے سوراخ کر دیا تھا جس کے منہ پر خون جم رہا تھا۔ عنبر جھک کر سینے کے سوراخ کو دیکھ رہا تھا کہ اسے اچانک گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو چھ سات گھوڑ سوار سپاہی نیزے تلواریں لگائے اس کے ارد گرد آ کر رک گئے۔ گھوڑے گردن اٹھا اٹھا کر پھنکار رہے تھے۔

یہ اشوری حکمران کا شاہی دستہ تھا جو ملکہ کے حکم سے یہ معلوم کرنے نکلا تھا کہ وہ جلاّد ابھی تک محل میں واپس کیوں

نہیں آیا جس کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ وہ عبیلا کا سر قلم کر کے لائے۔ یہاں شاہی دستے نے جلاّد کی لاش اور اس پر جھکے ہوئے عنبر کو دیکھا تو کمانڈر نے حکم دیا۔

”اس اشوری کو پکڑ لو۔ اسی نے ہمارے خاص جلاّد کو قتل کیا ہے“

چھ سات سپاہی ایک دم آگے بڑھے اور انہوں نے عنبر کو رسیوں میں جکڑ کر گھوڑے پر بٹھا لیا۔ شاہی دستہ جلاد کی لاش اور عنبر کو لے کر محل میں آ گیا۔ ملکہ اور حکمران کو خبر کر دی گئی کہ جلاد کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ ”قاتل گرفتار ہو گیا ہے۔ حکمران نے عنبر کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ دربار میں شاہی کنیز جنتری اور ملکہ بھی موجود تھیں۔ اس سپاہی کی لاش بھی مل گئی جسے جنتری نے عبیلا کے بچے کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ شاہی کنیز نے ملکہ کے ساتھ مل کر عبیلا کی گردن اڑانے اور اس کے بچے کو ہلاک کرنے کی سازش کی تھی جو ناکام ہو گئی۔

نہ عبیلا کا سر کٹا اور نہ اس کا بچہ مارا جا سکا۔

عبیلا بھی بچ کر فرار ہو گئی اور بچہ بھی ساتھ لے گئی۔ الٹا شاہی قلعے کے دو سپاہی ہلاک ہو گئے۔ شاہی کنیز اور ملکہ کو بے حد غصہ تھا۔ شاہی کنیز نے ملکہ سے کہا۔

”یہ کوئی خطرناک قاتل ہے اس کو شاید ہماری سازش کا

کر یہ چل گیا ہے۔ اب اس کو سولی پر چڑھانا بڑا ضروری ہو گیا ہے"

ملکہ نے کہا۔

"یہ شخص یقیناً ہمارے حق میں خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ میں حاکم سے سفارش کروں گی کہ وہ اسے سولی پر لٹکا دے کیونکہ یہ ہمارے دو سپاہیوں کا قاتل بھی ہے"

شاہی کنیز نے کہا۔

"ایک سپاہی کی لاش پر تو یہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔"

قلعے کا حاکم تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔ دربار لگ گیا۔ دونوں جانب چاندی کی کرسیوں پر درباری بیٹھ گئے ملکہ حاکم کے ساتھ ہی تخت پر بیٹھی تھی۔ شاہی کنیز جنتری پیچھے کھڑی مورچھل ہلا رہی تھی اور عنبر کے خلاف ملکہ کے کان بھی بھر رہی تھی۔

حاکم نے وزیر سے کہا۔

"قاتل پیش کیا جائے۔"

اسی وقت عنبر کو دربار میں پیش کر دیا گیا۔ اس کو زنجیریں ڈالی ہوئی تھیں۔ عنبر اگر چاہتا تو زنجیریں توڑ سکتا تھا۔ لیکن وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ کیا دربار لگا ہے اور یہ کس دور سے تعلق رکھتے ہیں؟ عنبر نے دربار میں

آتے ہی ارد گرد غور سے دیکھا۔ سامنے حاکم اور اس کی ملکہ تخت پر بیٹھی تھی۔ ملکہ کا لباس، حاکم کا لباس اور داڑھی، بالکل اشوری بادشاہوں ایسی تھی۔ کیا یہ سب کچھ خواب ہے کہ حقیقت؟ عنبر نے سوچا۔

اس نے اپنے بازو پر چٹکی لی۔

اس کی نیند نہ کھلی۔ ظاہر ہوا کہ یہ حقیقت تھی۔ خواب نہیں تھا۔ یقیناً وہ ایک ایسے سیارے پر آ گیا تھا جہاں تاریخ کے پرانے دور پھر سے دہرائے جا رہے تھے۔ وہی لوگ وہی عورتیں دوبارا سامنے آ کر۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر سے کھیل رہی تھیں۔ وزیر نے بلند اور با ادب آواز سے کہا۔

"عالی جاہ! اس شخص نے ہمارے ایک سپاہی کو ضرور قتل کیا ہے کیونکہ یہ اس کی لاش پر جھکا ہوا تھا"

عنبر نے کہا۔

"جناب! میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں"

حاکم نے کہا۔

"خاموش رہو۔ تمہیں صفائی کا پورا پورا موقع دیا جائیگا"

وزیر نے کہا۔

"چونکہ اس شخص نے ہمارے ایک سپاہی کو ہلاک کیا ہے اس لئے ظاہر ہے کہ دوسرے سپاہی کا قاتل بھی یہی ہے۔"

باقی درباریوں نے سر ہلائے کہ بالکل ٹھیک کہا۔ حاکم نے
عنبر سے کہا۔

"تم اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"مجھے اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہنا۔ اس میں کوئی شک
نہیں کہ ان دونوں سپاہیوں کو میں نے ہی قتل کیا ہے مگر یہ
دونوں سپاہی دو بے گناہ جانوں کو مارنے گئے تھے۔ اگر میں
انہیں نہ ہلاک کرتا تو وہ ایک معصوم بچے اور ایک بے گناہ
لڑکی کو قتل کر دیتے"

حاکم نے کہا۔

"کون تھی وہ عورت اور بچہ؟"

اس موقع پر شاہی کنیز نے ملکہ کو ٹھوکا دیا۔ ملکہ نے جھٹ
حاکم کے کان میں کہا کہ یہ شخص مکار اور فریبی ہے اور جھوٹ
بول کر اپنی جان بچانا چاہتا ہے۔

"اس لیے آپ اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں تو اسے
سولی پر چڑھانے کی سزا سنا دیں"

"ٹھیک ہے۔ ایسا ہی ہوگا"

بادشاہ نے اپنی ملکہ کی باتوں میں آکر عنبر کو مردوخ کے
مندر میں آگ کے گڑھے میں ڈال کر بھسم کر دینے کا حکم

دے دیا۔ مردوخ ان اشوری لوگوں کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔
جس کا سب سے بڑا بت بابل کے شہر میں تھا۔ اس کا ایک چھوٹا
بت یہاں محلے کے اندر بھی تھا جس کے آگے کافی گڑھا
کھودا گیا تھا۔ اس گڑھے میں ہر وقت آگ جلتی رہتی تھی۔ یہ
آگ اتنی تیز تھی کہ اس کے قریب کھڑے ہونا اپنی موت کو
دعوت دینا تھا کوئی شخص بھی اس کے قریب نہیں آسکتا تھا۔
یہ آگ کئی سالوں سے جل رہی تھی۔ ہر روز صبح و شام اس میں
دکھوں من لکڑیاں ڈالی جاتی تھیں۔

درباریوں نے حاکم کے فیصلے پر اپنی منظوری بھی دے دی۔
دوسرے روز سورج نکلنے کے ساتھ ہی عنبر کو آگ میں
ڈال دینا تھا۔ عنبر بالکل پریشان نہیں تھا۔ ملکہ اور شاہی کنیز
بڑی خوش تھیں کہ ان کی سازش کامیاب رہی تھی۔ ان کا ایک ایسا
دشمن ہمیشہ کے لئے جل کر بھسم ہو رہا تھا جس کو ان کی سازش
کا پتہ چل چکا تھا۔ عنبر نے جب موت کا حکم سنا تو کہا۔

"اے شہر کے حاکم! تو مجھے نہ مار سکے گا۔ بہتر یہی ہے۔ کہ
اپنا فیصلہ واپس لے لے"

حاکم شہر نے غصے سے عنبر کو دیکھا اور پھر ہاتھ اٹھا کر
کہا۔

"اس گستاخ کو لے جا کر قید میں ڈال دو اور صبح جب

سورج نکلے تو اس کو مردوخ کے نام پر آگ میں ڈال دو"
عنبر کو سپاہی پکڑ کر لے گئے اور قید میں ڈال دیا۔
رات بھر عنبر سوچتا رہا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے؟
ماریا اور ناگ کے یہاں ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔
ظاہر ہے وہ مر تو سکتا نہیں تھا۔ کل بھی وہ زندہ ہی رہے
گا۔ بہرحال جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ حالات کیا شکل اختیار
کرنے والے تھے؟ اس کا عنبر کو کچھ علم نہ تھا۔
رات گذر گئی۔ دن نکل آیا۔
عنبر کو جیل سے باہر قلعے کے اندر لوگوں کا شوروغل
سنائی دینے لگا۔ سمجھ گیا کہ اس کی موت کا منظر دیکھنے کے
لیے لوگ آ رہے ہوں گے۔ اتنے میں قید خانے کا دروازہ
کھلا اور دو لمتڑنگ پہلوان قسم کے آدمی سیاہ نقاب پہنے
اندر آ گئے۔ انہوں نے عنبر کو زنجیروں میں جکڑا اور باہر
لے آئے۔ باہر ایک چھکڑا کھڑا تھا جس کو ایک خچر کھینچ
رہا تھا۔ عنبر کو چھکڑے پر بٹھا کر مردوخ دیوتا کے مندر
میں لے جایا گیا۔
یہ مندر ایک کھلے میدان میں تھا جس کے اردگرد سٹیڈیم
کی طرح سیڑھیاں بنی تھیں۔ ان سیڑھیوں پر لوگ بیٹھے شور
مچا رہے تھے۔ مردوخ کا بہت اونچا بت ایک چبوترے پر

بنا تھا۔ اس کے آگے ایک گہرا گڑھا تھا جس میں آگ جل
رہی تھی۔ یہ آگ بہت بلند شعلوں والی تھی اور لوگ اس
سے ہٹ کر دور دور بیٹھے تھے۔ حاکم شہر اس کی ملکہ، شاہی
جنتری اور دوسرے درباری بھی سامنے بیٹھے تھے۔ عنبر
کو حاکم شہر کے آگے پیش کیا گیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
"مردوخ کے دشمن کو آگ میں پھینک دیا جائے"
اس نے مردوخ کے دو خدمت گاروں کو قتل کیا ہے"
عنبر مسکرا رہا تھا۔ اس کی ہمت پر لوگ کچھ کچھ حیران
بھی تھے۔ اور آپس میں مسکرا بھی رہے تھے۔ عنبر نے
اپنی موت کا آخری بار فیصلہ سن کر کہا۔
"اے حاکم شہر! اے ناسمجھ بادشاہ! میں اب تم پر
اپنا آپ ظاہر کرتا ہوں۔ دیکھ! میں آسمانوں کا دیوتا ہوں
اور مجھے زمین پر ظالموں کو سزا دینے کے لئے بھیجا گیا ہے۔
آگ مجھے نہ جلا سکے گی"
اس پر حاکم شہر طیش میں آ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ غصے سے
کانپ رہا تھا۔
"مردوخ سے بڑھ کر کوئی دیوتا نہیں۔ سپاہیو! اس گستاخ
کو جتنی جلدی ہو سکے آگ میں ڈال دو"
لوگوں نے چیخ چیخ کر شور مچانا شروع کر دیا۔

"آگ میں ڈالو! آگ میں ڈالو!"

عنبر نے سوچا کہ وہ اسی پرانے وحشی زمانے میں پہنچ گیا ہے۔ سپاہی اسے لے کر آگ کی طرف بڑھے۔ الاؤ شعلوں میں بھڑک رہا تھا۔ اس کے قریب جانے کے لیے خاص سپاہی کھڑے تھے۔ انہوں نے اپنے جسموں پر گیلے کپڑے لپیٹ رکھے تھے۔ انہوں نے عنبر کو اوپر اٹھا لیا اور آگ کے الاؤ کے قریب ایک چبوترے پر جا کر اسے آگ میں پھینک دیا۔ عنبر اتنی بڑی آگ میں تربوز کی طرح گر پڑا۔

آگ کے شعلوں نے عنبر کو نگل لیا۔

آگ میں گرتے ہی عنبر کے پاؤں دہکتے ہوئے سرخ انگاروں پر جا لگے۔ خدا جانے یہ آگ کب سے جل رہی تھی۔ اندر سرخ دہکتے کوئلوں کا گہری تہہ والا فرش بن چکا تھا۔ عنبر شعلوں میں کھڑا تھا۔ اس کے ارد گرد آگ کا بھیانک شور تھا۔ شعلے اسے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ ہاں مگر شعلوں کا بے پناہ شور تھا۔

عنبر نے آگ میں ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔

وہ آگ کے الاؤ کے کنارے پر پہنچنا چاہتا تھا۔ اس گڑھے میں ایک غار سا بنا تھا۔ جس میں سے تازہ لکڑیاں آگ میں ڈالی جاتی تھیں۔

عنبر آگ میں چلتا رہا۔ آخر وہ اس سوراخ کے پاس پہنچ گیا۔ اس سوراخ میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ عنبر اس میں سے گذرنے لگا۔ اب اسے باہر سے ٹھنڈی ہوا آنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آگ سے نکل چکا تھا۔ وہ بڑے سکون کے ساتھ غار سے باہر نکل کر آگ کے کنارے آ کر کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"لوگو! میں نے کہا تھا کہ میں آسمانوں سے آیا ہوا دیوتا ہوں۔ مجھ پر آگ اثر نہیں کرے گی۔ دیکھ لو۔ میں آگ میں سے زندہ سلامت باہر نکل آیا ہوں"

عنبر کو آگ سے باہر کھڑے دیکھ کر لوگ دہشت کے مارے اٹھ کھڑے ہوئے۔ عورتوں کی چیخیں نکل گئیں۔ لوگ ایک دوسرے کے اوپر گرنے لگے۔ اور عنبر کی طرف دوڑے۔ مگر وہاں آگ کی تپش اتنی زیادہ تھی کہ کسی کا زندہ رہنا مشکل تھا۔

حاکم شہر ملکہ اور درباریوں نے عنبر کو زندہ آگ میں سے باہر آتے دیکھا تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ بھی فرط حیرت سے اپنی اپنی جگہوں پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ عنبر ان کے سامنے آ کر کھڑے ہو گیا اور بولا۔

"کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں اے حاکم شہر کہ میں آسمان

سے آیا ہوا دیوتا ہوں؟"

حاکم شہر نے ہاتھ باندھ کر سر جھکا دیا۔ دوسرے درباریوں اور ملکہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ عنبر کے کپڑے بھی اسی طرح تھے۔ ذرا سا جلنے کا کہیں نشان نہ تھا۔ جب کہ آگ اتنی زیادہ تھی کہ اگر اس میں پتھر بھی ڈالا جاتا تو پگھل جاتا اور بھاپ بن کر اڑ جاتا۔ عنبر نے سوچا کہ اب اس اصلی قاتل عورت کو اس کے بدعمل کی سزا ملنی چاہیئے۔ اس نے جنتری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اے حاکم شہر اگر تم اپنے شہر کو تباہی سے بچانا چاہتے ہو تو اس شاہی کنیز کو فوراً آگ میں ڈال دو۔ یہ مردوں کا حکم ہے۔"

حاکم شہر نے سر جھکا کر کہا۔

"میں آپ کے حکم کے آگے سر جھکاتا ہوں"

اور حاکم شہر کے حکم پر اسی وقت سپاہیوں نے مکار کنیز جنتری کو اٹھا کر آگ میں ڈال دیا۔ وہ ایک مکھی کی طرح جل کر بھاپ کی طرح اڑ گئی۔ حاکم شہر کی ملکہ اندر سے کانپ رہی تھی۔ اسے اپنے انجام سے خوف آ رہا تھا کیونکہ وہ بھی کنیز کی سازش میں شریک تھی۔ مگر عنبر نے اسے کچھ نہ کہا۔ حاکم شہر نے آگے بڑھ کر عنبر کے پاؤں پر سر

رکھنا چاہا۔ مگر عنبر نے اسے روک دیا اور کہا۔

"سجدہ صرف خدا کو کیا جاتا ہے۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

عنبر کو تخت پر بٹھا کر قلعے کے اندر شاہی محل میں لے جایا گیا۔

سارے شہر میں اس رات چراغاں کیا گیا۔ عنبر کو شہر کا گورنر بنا دیا گیا۔ اس کے رہنے کے لئے ایک خاص محل دے دیا گیا۔ ایک ہفتے بعد آدھی رات کو عنبر گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل میں اس کنوئیں پر گیا جس کے اندر اڑن طشتری چھپائی گئی تھی۔

اس نے جھاڑیوں کو ہٹا کر دیکھا۔

نیچے اڑن طشتری اسی طرح پڑی تھی۔ عنبر واپس آ گیا۔ اب اسے شہر کی ملکیت مل گئی تھی۔ وہ جو کچھ چاہے کر سکتا تھا۔ مگر وہ تو بے غرض تھا۔ اسے کوئی لالچ نہیں تھا۔ اسے تو اپنی بہن ماریا اور بھائی ناگ کی تلاش تھی۔ قسمت کا چکر اسے ایک سیارے سے اڑا کر اس عجیب و غریب دنیا میں لے آیا تھا۔ جہاں تاریخ ایک بار پھر دہرائی جا رہی تھی۔

کبھی کبھی عنبر آدھی رات کو کنوئیں میں اتر کر اڑن طشتری میں جاتا اور وائرلیس پر سگنل دینے اور سگنل سننے کی کوشش

کرتا۔ مگر اسے کامیابی نہ ہوتی۔ ایسے لگتا تھا کہ اس سیارے
کے اوپر آسمان بالکل خالی ہے۔ وائرلیس سیٹ پر کسی
قسم کی کوئی آواز سنائی نہ دیتی۔

ایک بار تو عنبر نے سوچا کہ اڑن طشتری یہاں سے نکال
کر قلعے کی چھت پر لے جائے۔ مگر اس خیال سے ایسا نہ
کر سکا کہ کہیں کوئی اس کا دشمن اسے توڑ پھوڑ کر نہ رکھ
دے۔

دربار میں اس کا سب سے بڑا دشمن وزیر تھا جسے
عنبر سے پہلے شہر کی گورنری کا بھی رتبہ حاصل تھا۔ اس
وزیر کو بڑی سخت خار تھی کہ عنبر نے اس کی گورنری
چھین کر اسے نقصان پہنچایا تھا۔ وہ عنبر سے بدلہ لینے
کی سازش کرتا رہا تھا۔ مگر اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا
سکا تھا۔ وہ اس کی غیر معمولی طاقت سے خوف زدہ بھی
تھا۔ آخر اس نے اپنے خاص نجومی کو بلا کر اس
سے عنبر کے بارے میں زائچہ بنا کر پوچھا کہ یہ کون
ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟

نجومی نے زائچہ بنایا اور اسے دیکھ کر بولا۔

"اے وزیر! یہ نوجوان ایک عام انسان ہے
میرے زائچے کے حساب سے اس نے

جسم پر مینڈک کی چربی میں کوئی خاص دوائی
ملا کر مل رکھی تھی جس کی وجہ سے اس پر آگ
نے اثر نہیں کیا۔"

•

وزیر غائب

●

نجومی کی باتیں سن کر وزیر شیر بن گیا۔ سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ شخص دھوکے باز مکار ہے اور اس نے حاکم شہر سے فریب کھیلا ہے۔ چلو میرے ساتھ ہم ابھی بادشاہ سے جا کر اس مکار کا بھانڈا پھوڑتے ہیں"
نجومی نے کہا۔

"حضور! ایسا نہ کریں۔ عنبر آپ کا دشمن ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بادشاہ کو باتوں میں لگا کر آپ کے خلاف کر دے۔ کیونکہ بادشاہ پر اس کا بڑا اثر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ بادشاہ آپ ہی کو قتل کروا دے"

وزیر خاموش ہو گیا۔

"پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے؟"

نجومی بولا۔

"وہی جو میں آپ کو کہوں۔ سنئے!

میں نے اکثر دیکھا ہے کہ یہ شخص کبھی کبھی آدھی رات کو قلعے سے باہر جنگل میں جاتا ہے۔ آپ تلوار لے کر اس کا پیچھا کریں اور جنگل میں جا کر اسے ہلاک کر دیں۔ صبح جب اس کی لاش ملے گی تو آپ پر الزام بھی نہیں آئے گا اور اس کا کام بھی تمام ہو جائے گا"

وزیر کو نجومی کی یہ ترکیب پسند آئی۔ اس نے نجومی کی ڈیوٹی لگا دی کہ عنبر اب جب آدھی رات کو قلعے سے باہر جائے تو فوراً اسے خبر کی جائے۔ آخر ایک رات آ گئی جب عنبر اپنی اڑن طشتری میں سگنل وغیرہ کرنے قلعے سے باہر نکلا۔ اس نے سیاہ لباس پہنا۔ گھوڑے پر بیٹھا اور قلعے کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔

نجومی نے اسی وقت جا کر وزیر کو خبر کر دی۔

وزیر نے دو سپاہی ساتھ لیے اور عنبر کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ وہ ہتھیاروں سے لیس تھے۔ نیزے بھالے، تلواریں اور تیر کمان ان کے ساتھ تھے۔ قلعے سے تھوڑی دور جا کر ہی انہوں نے عنبر کو دیکھ لیا۔ چاندنی رات تھی۔ عنبر سیاہ لباس میں ملبوس گھوڑے پر سوار جنگل میں چلا جا رہا تھا۔

وزیر بھی اس کے پیچھے لگا رہا۔ جنگل کے بیچ میں کنوئیں کے پاس پہنچ کر عنبر رک گیا۔ گھوڑے سے اترا اور کنوئیں کے کنارے پر کھڑا ہو گیا۔ وزیر نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس کے دونوں سپاہی بھی رک گئے۔ یہ لوگ بھی گھوڑوں سے نیچے اتر آئے اور غور سے دیکھنے لگے کہ عنبر وہاں کیا کر رہا ہے۔ درختوں میں سے چھن چھن کر آتی چاندنی عنبر پر پڑ رہی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ عنبر کنوئیں میں اتر گیا ہے۔ وزیر نے کہا۔

" تم لوگ یہیں ٹھہرو میں آگے جا کر دیکھتا ہوں کہ یہ شخص وہاں کیا کر رہا ہے۔ اگر مجھ پر حملہ ہو گیا تو فوراً میری مدد کو پہنچ جانا۔

دونوں سپاہیوں نے سر جھکا کر کہا۔

" ایسا ہی ہو گا حضور!"

وزیر سپاہیوں کو اسی جگہ درختوں کے درمیان چھوڑ کر چھپ چھپ کر چلتا کنوئیں کی منڈیر پر آ کر بیٹھ گیا اور جھک کر نیچے دیکھنے لگا۔ اسے نیچے جھاڑیوں کے بیچ میں ایک چمکتی ہوئی کوئی گول گول چھت سی نظر آئی۔ بڑا حیران ہوا کہ یہ کیا شئے ہے چند روز پہلے تو یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ اب وہ اس ٹوہ میں تھا کہ عنبر اس چھت کے

نیچے جا کر کیا کر رہا ہے؟

اسے کنوئیں کے اندر سے ہلکی ہلکی ٹوں ٹوں ٹک ٹک کی اور لمبی لمبی سیٹی کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اسے بھلا کیا معلوم تھا کہ یہ آوازیں سگنل کی تھیں جو اڑن طشتری کے اندر اب آنا شروع ہوئی تھیں۔ عنبر وائرلیس سیٹ پر بیٹھا سگنل وصول کر کے انہیں پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر ان سگنلوں میں کوئی پیغام نہ تھا۔ وزیر نے نیچے اترنے کا فیصلہ کیا۔ وہ پتہ کرنا چاہتا تھا کہ یہ شخص کہیں بادشاہ کے خلاف کوئی بہت بڑی توپ تو نہیں بنا رہا؟ کوئی سازش تو نہیں کر رہا؟ اس طرح سے اسے بادشاہ کو اس کے خلاف بھڑکانے میں بڑی مدد مل سکتی تھی۔ کنوئیں کی منڈیر کے ساتھ رسی کی سیڑھی لٹک رہی تھی۔ وزیر اس سیڑھی کی مدد سے نیچے اتر گیا۔

اب اس کے سامنے ایک گول بارہ دری سی تھی جس کی دیواریں چاندی کی طرح چمک رہی تھیں مگر جس میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ صرف ایک ذرا سی کھڑکی کھلی تھی۔ وزیر اس میں سے اندر داخل ہو گیا۔ اندر جاتے ہی اس نے جو جدید سائنسی مشین ڈائیل چمکتے بجھتے سرخ نیلے پیلے بلب اور کمپیوٹر دیکھے تو ایسا چکرایا کہ گرتے گرتے بچا۔ دیوار کے ساتھ لگ کر

حیرت سے در و دیوار کو دیکھنے لگا۔ کہ وہ کس دنیا میں آگیا
ہے ؟

اچانک اس نے ایک جگہ عنبر کو چپکلی سی شے پر جھک
کر بیٹھے دیکھا۔ عنبر کو ہلاک کرنے کا بڑا اچھا موقع تھا۔ وزیر
نے تلوار نکال لی اور عنبر کی طرف رینگنے لگا۔ پھر قریب آ کر
اس نے پیچھے سے وار کر دیا۔ تلوار اٹھا کر پوری طاقت سے
عنبر کے سر پہ ماری۔ تلوار عنبر کی کھوپڑی پر پڑتے ہی دو
ٹکڑے ہو کر گر پڑی۔ عنبر نے پلٹ کر وزیر کی طرف دیکھا
اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں تمہیں آتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ لیکن چاہتا تھا کہ
تم اپنے دل کی حسرت پوری کر لو۔ اور تم پر یہ بھی ظاہر
ہو جائے کہ تم مجھے مار نہیں سکتے۔ کیا اب بھی تمہیں یقین
نہیں آیا کہ میں دیوتا ہوں ؟"

وزیر نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"میں مان گیا ہوں کہ تم دیوتا ہو۔ مجھے معاف کر دو"
عنبر نے کہا۔

"نہیں۔ میں نے کبھی اپنے دشمن کو معاف نہیں کیا۔ خاص طور
پر جب وہ مجھے قتل کرنے کی نیت لے کر آیا ہو"
وزیر کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص اب اسے زندہ نہیں

چھوڑے گا۔ اس نے زور سے چیخ ماری۔ چیخ کی آواز کنوئیں
ہی سے نکل کر سارے جنگل میں گونج اٹھی اس آواز کو
سن کر دونوں سپاہی تلواریں سونت کر کنوئیں کی طرف بھاگے
اور پھر سیڑھی پر سے اتر کر اڑن طشتری میں آ کر حیرت زدہ
سے ہو کر اس کی دیواروں اور چھت کو تکنے لگے۔ ان کے
سامنے فرش پہ وزیر کی لاش پڑی تھی۔

اب عنبر ان کے سامنے نکل آیا۔

"تم نے اپنے آقا کا حال دیکھ لیا ہے۔ تمہارا بھی یہی
حال ہونے والا ہے۔ یہاں سے کوئی اڑن طشتری کا راز لے
کر باہر نہیں جا سکتا۔"

جاخور کی سپاہیوں کو بھلا کیا معلوم تھا کہ وہ کس انسان
سے بات کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے آقا کی لاش دیکھی
اور عنبر کی باتیں سنیں تو حملہ کر دیا۔

انہوں نے اپنے انداز میں ایک گستاخی کر کے کمان میں تیر
جوڑے اور عنبر کے سینے پر چھوڑ دیئے۔ ظاہر ہے تیر عنبر کے
سینے سے ٹکرا کر ٹوٹ کر گر پڑے۔ دوسرے حملے میں بھی
تیروں کا یہی حشر ہوا۔

سپاہیوں نے سمجھا کہ اس شخص نے سینے کے ساتھ لوہے
کی تھالی باندھ رکھی ہے۔

وہ اٹھے اور نیزہ تان کر عنبر کی گردن پر وار کیا۔
نیزہ دوہرا ہو گیا۔ اب وہ گھبرائے۔ کہ کہیں سچ مچ یہ شخص آسمانی دیوتا تو نہیں ہے؟ وہ پیچھے کو بھاگے۔ مگر عنبر نے انہیں مہلت نہ دی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اڑن طشتری کا راز اس کنوئیں سے باہر جائے۔

سپاہی کنوئیں میں طشتری سے باہر نکل رہے تھے کہ عنبر نے انہیں ٹھکانے لگا دیا۔

اس کے بعد وہ وائرلیس پر سگنل سننے کی کوشش کرتا رہا مگر کہیں سے کوئی آواز نہ آئی۔ عنبر رات کے پچھلے پہر کنوئیں سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور واپس محل میں آ گیا۔ اگلے روز شور مچ گیا۔ وزیر اور دو سپاہی غائب ہیں۔ سارے ملک میں انہیں تلاش کیا گیا مگر کہیں بھی سراغ نہ ملا۔

وزیر کے نجومی کو عنبر پر شک تھا کہ اس شخص نے وزیر اور دونوں سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس نے بادشاہ سے جا کر شکائیت کر دی۔ بادشاہ نے کہا۔

"اگر تمہارا خیال ٹھیک بھی ہے تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ شخص آسمانی دیوتا ہے"

نجومی بولا۔

"حضور انور! یہ شخص دیوتا وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ یہ جھوٹا

جعلسازہ ہے"

بادشاہ نے کہا۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ کیا تم نے اس روز دیکھا نہیں کہ وہ آگ میں گرنے کے بعد بھی صیحح سلامت باہر نکل آیا تھا۔ اس حالت میں کہ اس کے سر کا ایک بال بھی نہیں جلا تھا"

نجومی کہنے لگا۔

"حضور! اس جعل ساز نے اس روز اپنے جسم پر ایک ایسی دوائی کی مالش کر رکھی تھی کہ جس پر آگ کا اثر نہیں ہوتا"

"پھر اس کے کپڑے کیوں نہ جل گئے؟ آخر کپڑوں پر تو اس نے مالش نہیں کی تھی"

نجومی سر جھکا کر کہنے لگا۔

"حضور! اس دنیا کے جنگل میں کئی ایسی جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں کہ اگر وہ آپ کی جیب میں بھی ہوں تو آپ کے لباس پر آگ اثر نہیں کرے گی"

بادشاہ سوچ میں پڑ گیا۔ وہ ہاتھ پیچھے باندھ کر ٹہلنے لگا۔ رات کو سونے سے پہلے اس نے اپنی ملکہ سے نجومی کے خدشہ کا اظہار کیا۔ ملکہ تو پہلے ہی عنبر کے خلاف تھی۔ اس نے جھٹ نجومی کی طرف داری کی اور کہا۔

"سرتاج! میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ یہ شخص کوئی دھوکے

بات ہے۔ ضرور اس نے بدن پر کوئی دوا مل رکھی ہوگی۔ بھلا یہ
کیونکر ہو سکتا ہے کہ اتنی بڑی آگ کے شعلوں میں گھر کر بھی نہ
جلے"

بادشاہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ بولا۔

"اگر یہ بات درست ثابت ہوئی تو پھر میں اس پاکھنڈی
کو اپنے ہاتھوں قتل کروں گا"۔

ملکہ نے جلدی سے کہا۔

"مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ یہ شخص آدھی رات کو کبھی کبھی
قلعے سے باہر جاتا ہے"

"وہ کیوں؟" بادشاہ نے تعجب سے پوچھا۔

ملکہ نے کہا

"یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جنگل میں کوئی قبیلہ رہتا ہے یہ
شخص ان کے ساتھ ساز باز کر کے آپ کے خلاف بغاوت
کی تیاریاں کر رہا ہے"

بادشاہ کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔

"اس کی یہ جرأت؟ اگر یہ بات سچ نکلی تو میں اسے ہاتھی
کے پاؤں تلے کچلوا دوں گا"

ملکہ نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔

"آپ خود اس کی تصدیق کروا سکتے ہیں تاکہ دودھ کا

دودھ پانی کا پانی الگ ہو جائے"

"ٹھیک ہے۔ ہم خود اس کی تفتیش کریں گے"

اب بادشاہ نے عنبر کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنی شروع
کر دی۔

ایک رات عنبر اپنی عادت کے مطابق اڑن طشتری پر
جانے کے لئے محل سے نکلا۔ بادشاہ اس کی نگرانی کر رہا تھا۔
وہ بھی سیاہ لبادہ اوڑھ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور عنبر کے
پیچھے پیچھے چل پڑا۔

آدھی رات گذر چکی تھی۔ جنگل میں خاموشی اور اندھیرا تھا۔
بادشاہ کچھ دور رہ کر عنبر کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔
عنبر کنوئیں کے پاس جا کر گھوڑے سے اترا۔ گھوڑا ایک
درخت سے باندھا اور خود کنوئیں میں اتر گیا۔ بادشاہ بھی
اب وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس نے ذرا فاصلے پر درختوں میں
گھوڑے کو باندھا اور کنوئیں کے پاس آ کر نیچے جھانکنے
لگا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک سفید رنگ کی گنبد والی کوئی شے
ہے جس کے اوپر سرخ روشنی کبھی جل رہی ہے کبھی بجھ رہی
ہے۔ بادشاہ نے ساری زندگی اس قسم کی روشنی نہیں دیکھی تھی۔
وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر آہستہ آہستہ کنوئیں کی منڈیر
پر آ کر نیچے جھانکنے لگا۔ حیران ہوا کہ یہ کیا شے ہے؟ اور یہ

شخص اس کے اندر جا کر کیا کر رہا ہے؟ بادشاہ نے ذرا غور
سے دیکھا تو اسے ایک رسی کی سیڑھی لٹکتی نظر آئی۔ وہ نیچے
اتر گیا۔ اڑن طشتری کا دروازہ تھوڑا سا کھلا رہ گیا تھا۔

بادشاہ بے دھڑک طشتری کے اندر چلا گیا۔ اس کے اندر
جاتے ہی عنبر کو پتہ چل گیا کہ کوئی شخص اندر داخل ہوا ہے۔
اس نے ٹی وی کی سکرین کو آن کیا تو وہاں بادشاہ کی تصویر
ابھر آئی۔ عنبر مسکرایا۔

اچھا تو اب بادشاہ بھی میرا پیچھا کر رہا ہے؟ اس نے
مائیکروفون پر کہا۔

"بادشاہ سلامت، خوش آمدید! اگر آپ اچھی نیت سے
آئے ہیں تو میں کچھ نہیں کہوں گا اگر بری نیت سے آئے ہیں
تو پھر یہاں سے آپ کی لاش اٹھانے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔

بادشاہ نے عنبر کی بھاری آواز گونجتی سنی تو چکرا گیا۔
اوپر نیچے دائیں بائیں تکنے لگا کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی
ہے؟ آواز پھر آئی۔

"تم مجھے نہ دیکھ سکو گے۔ میں خود تمہارے پاس آ رہا
ہوں"

اور دوسرے لمحے بادشاہ نے دیکھا کہ سامنے کی چمکتی
ہوئی چاندنی ایسی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا اور عنبر باہر

آ گیا۔ بادشاہ کچھ دیر اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"میں یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ تم مجھے بتاؤ
کہ کیا چاہتے ہو؟ میرا پیچھا کرتے یہاں کیوں آئے ہو؟"

بادشاہ نے کہا۔

"مجھے خبر ملی تھی کہ تم جنگلی قبائل کو میرے خلاف بغاوت
پر اکسا رہے ہو۔ میں اس کی تصدیق کرنے آیا تھا۔"

عنبر نے پوچھا۔

"تو پھر اب تمہارا کیا خیال ہے؟"

بادشاہ چاروں طرف دیکھ کر بولا۔

"یہاں میں کچھ اور ہی دنیا دیکھ رہا ہوں۔ اچھا ایک
بات بتاؤ، تمہارے پاس وہ دوائی کہاں سے آئی ہے
جسے بدن پر ملنے سے آگ اثر نہیں کرتی"

عنبر ہنسا۔

"اس دنیا میں ایسی کوئی دوائی نہیں ہے"

"پھر تم پر آگ نے اثر کیوں نہیں کیا؟"

"اس لیے کہ میں دیوتا ہوں۔ آسمانی دیوتا ہوں"

بادشاہ خاموش ہو گیا۔ پھر بولا۔

"یقین نہیں آ رہا کہ تم دیوتا ہو۔ تم ہماری طرح کے ایک انسان ہو۔ کیا تم نے ہی میرے وزیر کو قتل کیا ہے؟"

عنبر بولا۔

"ہاں!"

"وہ کس لیے؟"

"وہ میرا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ مجھے ہلاک کرنے آیا تھا"

"پھر؟"

"پھر وہی ہوا جو دو دشمنوں کی لڑائی میں ہوا کرتا ہے۔ طاقت ور جیت گیا۔ کمزور مارا گیا۔"

بادشاہ فرش پہ ٹہلنے لگا۔ عنبر نے کہا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

"تم کیا کر سکتے ہو؟" بادشاہ نے پوچھا۔

عنبر نے قریب آ کر کہا۔

"سنو بادشاہ سلامت! تم جس آدمی کے سامنے کھڑے بات کر رہے ہو وہ ایک غیر معمولی انسان ہے"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں ہزاروں سالوں سے اس دنیا میں زندہ ہوں جس عہد سے تم آج گذر رہے ہو، اس عہد سے میں ایک بار گذر چکا ہوں"

بادشاہ پریشان سا ہو کر عنبر کو تکنے لگا۔ عنبر نے کہا۔

"تم ان باتوں کو نہ سمجھ سکو گے۔ میرے ساتھ آؤ"

اور عنبر بادشاہ کو لے کر دوسرے بڑے گول کمرے میں آگیا۔ یہاں دیواروں کے ساتھ ساتھ بڑی پیچیدہ اور مختلف قسم کی مشینیں لگی تھیں۔ بتیاں جل بجھ رہی تھیں، ڈائیل کی سوئیاں کمپیوٹر کے ساتھ حرکت کر رہی تھیں۔ بادشاہ تو دنگ رہ گیا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں۔ جو کچھ وہ دیکھ رہا تھا اس کا اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے کبھی اس قسم کی چیزیں نہ دیکھی تھیں۔

عنبر نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ بادشاہ! اور میری بات کو غور سے سنو!"

بادشاہ ایک جدید قسم کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ عنبر نے ایک بٹن دبایا اور سکرین پر بادشاہ کے قلعے کا منظر آ گیا۔ بادشاہ کھلی آنکھوں سے چھوٹے سے پردے پر قلعے کے سین کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پہلے اس نے سمجھا کہ شاید یہ ساکت تصویر ہے۔ پھر کیا دیکھتا ہے کہ قلعے کے دروازے کے باہر آگ جل رہی ہے اور دو سنتری چل پھر کر پہرہ دے رہے ہیں وہ دم بخود سا ہو کر بولا۔ "یہ ـــــ یہ سب کچھ کیا ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"یہ ٹی وی کیمرے کی کرامت ہے جو طشتری کے باہر ایک سلاخ کے ساتھ لگا ہے۔"

بادشاہ نے سر پکڑ لیا۔

"میں کچھ نہیں سمجھ سکا کہ تم نے کیا کہا ہے"

عنبر بولا۔

"تم سمجھ بھی نہیں سکو گے۔ سنو! میں ایک ایسے سیارے سے اس اڑن طشتری میں بیٹھ کر آسمانوں میں اڑتا ہوا اس دنیا میں آیا ہوں کہ جہاں کے لوگ سائنس میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ تم لوگ گھوڑوں اور رتھوں پر سوار ہو کر جنگ کرتے ہو۔ وہ لوگ راکٹ فائر کرتے ہیں۔ ایک بٹن دباتے ہیں اور دشمن کے شہر میں ایک دھماکا ہوتا ہے اور وہ غائب ہو جاتا ہے"

بادشاہ ماتھے کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے بولا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

عنبر ہنسا۔

"ٹھہرو۔ میں تمہیں اپنی دنیا کی کچھ تصویریں دکھاتا ہوں"

اس کے بعد عنبر نے بادشاہ کو رنگین تصویروں کا ایک البم دکھایا۔ اس میں دوسری جنگ عظیم کی ہولناک تباہیوں کی تصویریں بھی تھیں اور مسجد قرطبہ اور تاج محل کی تصویریں

بھی تھیں۔ بادشاہ ایک ایک تصویر کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے البم میز پر رکھ دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ عنبر نے اسے پانی کے ساتھ ایک سفید گولی کھانے کو دی جسے کھا کر بادشاہ کی طبیعت ایکدم سے بشاش ہو گئی۔

"یہ کیسی دوائی تھی کہ جس نے ایک پل میں مجھے ہلکا پھلکا اور صحت مند کر دیا؟"

عنبر نے کہا۔

"اس قسم کی ہزاروں دوائیاں میری دنیا میں موجود ہیں اور میرے پاس بھی ہیں"

پھر عنبر نے بادشاہ کو اپنا پستول اور گولیاں دکھائیں۔ وہ دیر تک پستول کو ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھتا بھالتا رہا۔ جب عنبر نے اسے بتایا کہ اس میں سے سیسے کی ایک گولی نکلتی ہے۔ جو دشمن کے سینے سے پار ہو جاتی ہے تو بادشاہ کو یقین نہ آیا۔

"آپ قلعے میں اس کا تجربہ کر سکتے ہیں۔ مگر کسی ایسے انسان پر جس کو پھانسی کی سزا ملنے والی ہو"

بادشاہ نے پستول کو میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ میں تمہیں اپنا آقا اور

مالک مانتا ہوں۔ تم مجھ سے زیادہ عظیم اور طاقت ور ہو۔
لیکن اگر تمہاری یہ چیزیں میرے کسی کام نہیں آسکیں تو پھر
ان کا کیا فائدہ؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ مجھے میرے جاسوسوں نے خبر دی ہے کہ
ملک یونان کا ظالم بادشاہ ہینی بال میرے قلعے پر حملہ کرنے
کے لئے اپنی بے پناہ فوج لے کر آ رہا ہے۔ میری فوج اس
کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر اس نے قلعے کا محاصرہ کر لیا تو
ہمارے پاس زیادہ دنوں کے لیے خوراک نہیں ہے۔ ہمیں
بہت جلد قلعے کے دروازے دشمن پر کھولنے پڑ جائیں گے
اور وہ ہمارے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔
وہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ شہر کے مکانوں کو آگ لگا
کر راکھ کا ڈھیر بنا دے گا"

عنبر نے کہا۔

"ہینی بال کی فوج کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے"

بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔

"سچ! کیا تم تیار ہو؟"

عنبر بولا۔

"اس کے لئے ایک شرط ہے"

"وہ کیا؟"

عنبر نے کہا۔

"میں صرف ایک صورت میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں
اور تمہیں ہینی بال سے نجات دلا سکتا ہوں کہ تم اپنے
ملک کے تمام غلاموں کو آزاد کر دو۔ یتیموں کے وظیفے لگوا دو۔
بیوہ عورتوں کی شادیاں کرا دو غریبوں میں ساری زمین تقسیم
کر دو اور ہر بچے بوڑھے کے لئے کھانا پینا مفت کرنے کا
اعلان کر دو"

بادشاہ نے کہا۔

"مجھے یہ شرط منظور ہے"

"ایک بار پھر سوچ لو"

"میں نے سوچ سمجھ کر اس شرط کو منظور کیا ہے"

"تو پھر ہینی بال کا سر تمہارے پاؤں میں ہوگا"

بادشاہ نے عنبر کے ہاتھ چوم لیے۔

ایک ہلکا سا دھچکا لگا۔ سر چکرایا اور بے ہوش ہو گئی۔
پھر جب اسے ہوش آیا تو وہ اکیلی، بغیر گھوڑے کے
شیشے کے ایک سیلنڈر میں کرسی پر بیٹھی تھی۔
اس کے ارد گرد نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک لمحے
کے لیے تو وہ حیران سی ہو کر چاروں طرف تکنے لگی کہ وہ
اچانک کہاں سے کہاں آ گئی ہے۔ لیکن دوسرے ہی پل ماریا
کی حیرانی بے حد خوشی میں بدل گئی۔ کیونکہ عنبر ایک دم سے
سامنے آ گیا۔ سلنڈر کا دروازہ کھل گیا اور اس کا بھائی عنبر
ماریا کے سامنے کھڑا تھا۔ ماریا بھائی کے سینے سے لگ
کر رو پڑی۔

"اب میں کبھی اپنے بھیّا سے الگ نہ ہوں گی۔"
عنبر نے ماریا کے سر پہ ہاتھ پھیر کر کہا۔
"خدا کا شکر ہے کہ مجھے میری بہن پھر مل گئی"
ماریا نے پوچھا۔
"یہ اڑن طشتری کیسی ہے؟ یہ کون سا سیارہ ہے؟"
عنبر نے کہا۔
"یہ ساری باتیں بعد میں بتاؤں گا پہلے مجھے ناگ کو بھی
اوپر آنے دو"
"ناگ؟"

"ہاں! وہ بھی میری شعاعوں کی زد میں ہے"
اور تھوڑی دیر بعد ناگ بھی اڑن طشتری میں ان کے
پاس بیٹھا تھا۔
"تینوں بہن بھائی ایک مدت کے بعد ملے تھے۔ خوب باتیں
ہوئیں۔
اپنی اپنی کہانیاں ایک دوسرے کو بیان کی گئیں۔ آخر میں
عنبر نے اپنی اڑن طشتری کی کہانی سنائی۔ عنبر کی کہانی سب
سے زیادہ دلچسپ اور ولولہ انگیز تھی۔
ناگ بولا۔
"یہ سیاہ عجیب لگتا ہے کہ دنیا کی تاریخ یہاں ایک بار
پھر دہرائی جا رہی ہے"
ماریا بولی۔
"ایسا لگتا ہے کہ دنیا کی روشنی یہاں اب پہنچ رہی ہے اور
اپنے ساتھ نیچے کی دنیا میں گذرے ہوئے سارے واقعات کی
تصویریں اپنے ساتھ لا رہی ہے۔ وہی تصویریں یہاں واقعات
حادثات بن کر ایک بار پھر سے کھیل کھیل رہی ہیں"
عنبر نے ماریا کے خیال پر مسکرا کر کہا۔
"ماریا بہن! تم نے بڑی ٹھیک بات کہی ہے۔ اس کائنات
کے ہر سیارے کی روشنی اس سیارے پر ہونے والے حادثات

کی مکمل فلم لے کر خلا میں سفر کر رہی ہے۔ جس کسی سیارے
پر اس کی روشنی پہنچتی ہے وہاں وہی حادثات پھر سے
دکھائی دینا شروع ہو جاتے ہیں"
ناگ نے کہا۔
"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسی سیارے پر جو حضرت
عیسٰے علیہ السلام کے پہلے کی تاریخ کے واقعات ہو رہے
ہیں یہ محض تصویریں ہیں حقیقت نہیں ہے"
عنبر کہنے لگا۔
"تم اسے خیالی تصویریں بھی کہہ سکتے ہو اور حقیقت بھی۔
بہر حال خیال اور حقیقت میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے"
ماریا نے کہا۔
"بھئی یہ خشک بحث چھوڑو اور یہ بتاؤ اب پروگرام
کیا ہے؟"
عنبر بولا۔
"دلچسپ بات یہ ہے کہ ہم تینوں ایک ایسے سیارے
کی زمین پر اکٹھے ہوئے ہیں جہاں سے ہم اس وقت تک
اڑن طشتری میں آگے سفر نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمیں
یہ یقین نہ ہو جائے کہ ہماری طشتری یہاں سے اڑ
کر خلا میں کسی سورج میں جا کر بھسم نہیں ہو جائے گی"

ماریا نے کہا۔
"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی نامعلوم مدت تک ہمیں
اسی دنیا پر رہنا ہوگا"
"لگتا تو ایسا ہی ہے۔ کم از کم ابھی ہمیں اسی سیارے
کی زمین پر رہنا ہوگا"
پھر عنبر نے کہا۔
"اس ملک کے بادشاہ نے میری شرطیں مان لی ہیں۔
ہمیں اس کی مدد کرنی ہے۔ اس کے ملک پر ایک ظالم
سپہ سالار بادشاہ ہینی بال اپنی ہلاکت خیز فوج لے کر حملہ
کرنے آ رہا ہے"
"ہینی بال؟" ناگ نے تعجب سے پوچھا۔
"ہاں ــــــ وہی ہینی بال جس کے عہد میں ہم ایک بار
دنیا میں زندگی بسر کر چکے ہیں"
ناگ نے ہنس کر کہا۔
"ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ہم ایک ہی فلم کا دوسرا
شو دیکھ رہے ہیں"
"بالکل ایسا ہی ہے"
ماریا نے کہا۔
عنبر کہنے لگا۔

"کل صبح آپ لوگ میرے ساتھ قلعے میں چلیں گے وہاں
میرا ایک شاندار محل ہے۔ میں تمہارا تعارف بادشاہ سے
کراؤں گا"

ماریا نے کہا۔

"میرا تعارف کیسے کراؤ گے؟ میں تو اسے نظر ہی نہیں
آؤں گی"

عنبر کہنے لگا۔

"میں تمہاری آواز کا تعارف کراؤں گا"

اس پر تینوں ہنس پڑے۔

رات گزر گئی۔ تینوں بیٹھے شوق سے باتیں کرتے رہے۔
اتنی دیر بعد ملے تھے انہیں خبر ہی نہ ہوئی کہ کب رات گزر
گئی اور کنوئیں کے باہر دن نکل آیا۔ اس کی ہلکی ہلکی روشنی
اڑن طشتری کی چھت پر سے اندر آنے لگی۔

"میرا خیال ہے اب چلنا چاہیئے۔ لیکن ناگ! تمہیں لباس
بدلنا ہو گا۔ تمہارا لباس زمین والوں کا جدید لباس ہے۔"

عنبر نے ناگ کو ایک اشوری سپاہی کی لاش کا لباس اتار
کر پہنایا اور ان دونوں کو ساتھ لے کر کنوئیں سے باہر آ گیا۔
اڑن طشتری کو جھاڑیوں وغیرہ سے ڈھانپ دیا گیا۔ باہر گھوڑا ایک
ہی تھا۔ عنبر نے گھوڑا اسی جگہ چھوڑ دیا اور یہ لوگ پیدل

جنگل میں سے گزرنے لگے۔ سورج نکل آیا تھا۔ ہر طرف
روشنی پھیل رہی تھی۔ عنبر نے انہیں بتایا کہ وہاں دن چھوٹا
ہوتا ہے۔ اور رات لمبی!

اس طرح باتیں کرتے کرتے تینوں بہن بھائی قلعے کے
دروازے پر آ گئے۔ یہاں پہرے داروں نے عنبر کو
دیکھا تو بگل بجا کر اس کے آنے کا اعلان کیا۔

ماریا نے مسکرا کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے عنبر بھائی نے یہاں اپنا کافی رعب
جما رکھا ہے"

عنبر نے کہا۔

"ذرا قلعے کے اندر چل کر دیکھنا ہماری شان!"

وہ کھائی کے اوپر بنے ہوئے لکڑی کے پل پر سے
گزر کر پرانے قلعے کے دروازے میں سے گزر کر سیدھے
بادشاہ کے محل کی طرف آ گئے۔ بادشاہ اپنے خاص کمرے
میں آرام کر رہا تھا۔ عنبر نے اس وقت بادشاہ سے ملنا
مناسب نہ سمجھا اور ناگ ماریا کو اپنے محل میں لے گیا۔
اس کا عالی شان محل دیکھ کر دونوں ناگ اور ماریا
بڑے خوش ہوئے۔ عنبر نے انہیں ایک ایک شاندار اور
آرام دہ کمرہ دے دیا۔ انہوں نے غسل کیا۔ پھل اور دودھ

پیا اور کچھ دیر آرام کیا۔

دوپہر کے بعد عنبر ان دونوں کو لے کر بادشاہ کے
محل میں آ گیا۔

بادشاہ نے عنبر کے ساتھ ایک سانولے سے نوجوان
کو دیکھا تو پوچھا۔

"عنبر! یہ نوجوان کون ہے تمہارے ساتھ؟"

عنبر نے کہا۔

"میں اسے ملوانے کے لیے ہی آپ کے پاس لایا ہوں
اس سے ملیئے۔ یہ میرا بھائی ناگ ہے۔"

بادشاہ نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ناگ سے ہاتھ
ملایا۔ پھر پوچھا۔

"کل تک تو یہ یہاں نہیں تھا"

عنبر نے کہا۔

"میں نے آج ہی اسے زمین پر سے بلایا ہے"

بادشاہ نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔ جیسے کہہ
رہا ہو کہ تم نے اسے کیسے بلا لیا زمین سے جو کہ کھربوں
میل دور ہے؟ پھر اسے کچھ خیال آیا تو مسکرا کر کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں بھائی! تم سب کچھ کر سکتے ہو"

عنبر نے کہا۔

"ابھی میں آپ کو اپنی بہن سے بھی ملوانے والا ہوں"

بادشاہ نے کہا۔

"اچھا اچھا تو تمہاری پیاری بہن بھی تمہاری زمین سے
آ گئی ہے؟ چلو ہم ملکہ کو لے کر خود اس کی طرف چلتے ہیں۔
وہ یقیناً تمہارے محل میں آرام کر رہی ہو گی"

عنبر نے کہا۔

"جی نہیں۔ وہ اس وقت یہیں موجود ہے"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے کہ میری بہن ماریا اسی جگہ موجود ہے
یعنی آپ کے سامنے اور میرے ساتھ کھڑی ہے اور آپ
دیکھ رہی ہے"

بادشاہ نے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر عنبر سے کہا۔

"عنبر میاں! تم تو پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ بھلا یہ کیسے ہو
سکتا ہے کہ ایک انسان میرے سامنے کھڑا ہو اور مجھے نظر
نہ آئے؟"

عنبر نے کہا۔

"ایسا ہو سکتا ہے اور ایسا ہو رہا ہے"

پھر عنبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن! بادشاہ کو سلام کرو"

ماریا نے کہا۔

"آداب عرض!"

بادشاہ نے جو ایک ایسی عورت کی آواز سنی جو اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی تو وہ ایک بار تو کانپ کر پرے ہٹ گیا۔ عنبر ناگ اور ماریا ہنس پڑے۔

بادشاہ شہ نشین پر بیٹھ گیا اور بولا۔

"میرے عزیز مہمانو! تم بھی بیٹھو اور مجھے اپنی خدمت کا موقع دو"

اتنے میں وہاں پھل وغیرہ آگئے۔ بادشاہ نے کہا۔

"عنبر میاں! تم لوگوں نے بڑی ترقی کی ہے۔ میں کل سے جو کچھ دیکھ رہا ہوں مجھے اس پر یقین نہیں آ رہا۔"

ناگ بولا۔

"ابھی آپ نے میری جادوگری نہیں دیکھی"

"کیا مطلب؟ کیا ابھی کچھ اور بھی دیکھنے کو باقی ہے؟"

"جی ہاں! بہت کچھ باقی ہے" ناگ نے کہا۔

عنبر کہنے لگا۔

"آپ جس شخص یعنی ناگ کو اپنے سامنے بیٹھا پھل کھاتا دیکھ رہے ہیں اصل میں یہ انسان نہیں ہے"

بادشاہ حیرت سے اچھل کر بولا۔

"انسان نہیں ہے؟ تو پھر —— تو پھر یہ کیا ہے؟"

عنبر نے کہا۔ "یہ سانپ ہے"

بادشاہ تڑپ کر پرے ہٹ گیا۔

"کیا کہا، سانپ؟"

"ہاں بادشاہ سلامت سانپ! چونکہ میں نے خود اپنے بہن بھائیوں کا آپ سے تعارف کرانا چاہا تھا اس لیے میں نے آپ سے کوئی پردہ نہیں کیا اور ان دونوں کی خفیہ طاقتیں آپ پر ظاہر کر دی ہیں۔ اس لیے کہ ہم آپ کو اپنا دوست سمجھتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ آپ اپنے ملک کی رعایا کے لیے بڑے نیک کام کریں گے"

بادشاہ نے جھک کر کہا۔

"عظیم انسان عنبر! میں تمہارا ادب کرتا ہوں۔ تمہاری قدر کرتا ہوں۔ تم نے میری بہت بڑی پریشانی کو اپنے سر لیا ہے۔ اگر تم میرے پاس نہ ہوتے تو میں ہینی بال کے حملے کی خبر سن کر یہاں اپنے محل میں آرام سے نہ بیٹھا ہوتا۔"

عنبر بولا۔

"ہینی بال منہ کی کھائے گا اور اپنی ساری فوج مروا کر بھاگ اٹھے گا"

بادشاہ نے کہا۔

"میں اسے زندہ گرفتار کرنا چاہتا ہوں"

عنبر نے کہا۔

"اس کی میں ذمے واری نہیں لیتا۔ میدان جنگ گرم ہوگا۔ آگ برس رہی ہوگی۔ کیا خبر وہ اسی آگ میں جل کر بھسم ہو جائے"

بادشاہ بولا۔

"جیسے تمہاری مرضی عنبر!"

جب ناگ عنبر اور ماریا وہاں سے جانے لگے تو بادشاہ نے کہا۔

"یقین نہیں آتا کہ اتنا دبلا پتلا خوبصورت نوجوان انسان نہیں بلکہ سانپ ہے"

عنبر مسکرایا۔

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ ابھی اس کا اصلی روپ دیکھ لیجے"

پھر اس نے ناگ سے کہا۔

"اپنی کرامت دکھاؤ ناگ تاکہ بادشاہ کو یقین آجائے"

ناگ نے کہا

"بہت بہتر"

بادشاہ ٹکٹکی باندھے ناگ کو تک رہا تھا کہ دیکھیں یہ نوجوان کس طرح سے انسان سے سانپ بن جاتا ہے؟

ناگ نے گہرا سانس لے کر آنکھیں بند کیں اور بادشاہ کے دیکھتے دیکھتے انسان سے ایک سرخ اور سبز بڑا سانپ بن کر محل کے فرش پر کنڈلی مار کر پھن اٹھا کر بیٹھ گیا۔

بادشاہ سناٹے میں آگیا۔

"یہ — یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

عنبر ہنس کر بولا۔

"بادشاہ سلامت! ابھی آپ بہت کچھ دیکھیں گے۔ صرف اتنی سی بات پر آپ کیوں حیران ہو گئے؟ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!"

●

بادشاہ، عنبر، ماریا اور ناگ کو ہم ان کے محل ہی چھوڑ کر ذرا وہاں سے چار سو میل جنوب کی طرف شمالی افریقہ کے ایک میدان میں چلتے ہیں جہاں اس زمانے کے جابر جرنیل ہینی بال کا ایک لاکھ کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ رات کا وقت ہے سپاہیوں کے چھوٹے چھوٹے خیمے سارے میدان میں پھیلے ہوئے ہیں اور جگہ جگہ روشنیاں ہو رہی ہیں۔ سپاہی کہیں کھا پی رہے تھے۔ کہیں شور مچا رہے تھے۔ قہقہے لگا رہے تھے۔ انہیں خوشی اس بات کی تھی کہ وہ بابل کے شہر پر حملہ کرنے جا رہے تھے۔ جہاں

انہیں لوٹ مار کا بے شمار سامان اور مال دولت ملنے
والی تھی۔

انہیں اپنی فتح کا یقین تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ
بابل کے بادشاہ کے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ ہینی
بال کے ایک لاکھ کے لشکر کا مقابلہ کر سکے۔

ہینی بال کے خیمے میں فانوس جل رہا تھا۔ اس کی روشنی
میں یہ ظالم سپہ سالار جو شیر کا خون پی جاتا تھا سونے کے
تخت پر بیٹھا اپنے جرنیلوں سے بابل کے قلعے کو فتح کرنے
کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ وہ بڑا خوش تھا کہ ایک
دولت مند شہر اپنے خزانے اور مال و دولت لے کر
اس کا انتظار کر رہا تھا۔

اس کے سامنے طشت میں بھنا ہوا ثابت مور پڑا تھا
جس کے تکّے وہ کھا رہا تھا۔ اس نے اپنے ایک جرنیل
کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سُنا ہے بابل شہر کا قلعہ بڑا مضبوط ہے"
جرنیل نے کہا۔

"حضور! ہماری پتھر پھینکنے والی منجنیقوں کے آگے
وہ ایک پل بھی نہ ٹھہر سکے گا"

"ہا ہا ہا ہا" ہینی بال ہنسا۔" میں قلعے کی اینٹ سے

ینٹ بجا دوں گا۔ میں بابل شہر کے مکانوں کو اکھاڑ
ر زمین کے برابر کر دوں گا۔ میں وہاں کے لوگوں کے سر
ٹ کر ان کا ایک مینار بناؤں گا"

"ایسا ہی ہو گا سرکار!"

سارے جرنیل جابر ہینی بال کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔
یونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ خوف ناک شخص جو کہتا ہے وہ
ر دیا کرتا ہے۔ بابل کے ساتھ کیا ظلم و ستم ہونے والا
تھا؟ اس سے یہ سارے جرنیل پوری طرح با خبر تھے۔

ہینی بال نے تخت پر پاؤں مار کر کہا۔

"ہم صبح ہونے سے پہلے پہلے کوچ کر جائیں گے"

اور ایسا ہی ہوا۔ ابھی دن کی روشنی ظاہر نہیں ہوئی تھی
ہینی بال کا ایک لاکھ کا لشکر میدان سے روانہ ہو گیا۔
آگے ہاتھی سواریوں کے دستے تھے۔ اس کے پیچھے گھوڑ
وار تھے۔ ان کے پیچھے پیدل فوج رتھوں پر چلی آ رہی
ی۔ بیچ میں ایک شاندار ہاتھی پر ہینی بال اپنے جرنیلوں
ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ارد گرد اس کے جانثاروں
جمگھٹا تھا۔

ابھی اس زبردست لشکر نے چار سو میل کا فاصلہ طے
رنا تھا۔ اس زمانے میں یہ فاصلہ بڑا زیادہ ہوا کرتا تھا۔

سارا دن لشکر سفر کرتا رہا۔ رات کو اس نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ ساری رات آرام کرنے کے بعد اگلے روز پھر یہ لشکر روانہ ہو گیا۔ اسی طرح سات راتیں اور آٹھ دن آرام کرنے اور سفر کرنے کے بعد یہ لشکر ایک ایسے میدان میں پہنچا جہاں اسے دور سے بابل شہر کے قلعے کی برجیاں دکھائی دیں۔

ایک سپاہی نے چیخ کر اعلان کیا۔

"دشمن کا قلعہ نظر آ گیا۔ ہم منزل پہ پہنچ گئے۔"

سارے لشکر میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ خاص ایلچی نے لپک کر سپہ سالار اعظم ہینی بال کو یہ خوش خبری سنائی۔

"حضور انور! دشمن کا قلعہ دکھائی دے گیا ہے۔"

ہینی بال نے خوش ہو کر اس ایلچی کو اپنے گلے سے موتیوں کی قیمتی مالا اتار کر انعام میں بخش دی اور بلند آواز سے کہا۔

"بابل شہر کو اتنا لوٹنا کہ اس کے مکانوں میں ایک ذرہ بھی باقی نہ رہے۔"

دوسری طرف عنبر ناگ، ماریا اور بادشاہ بھی قلعے کے سب سے اوپر والے مینار پر کھڑے ہو کر ہینی بال کے لشکر کو وادی میں داخل ہوتا دیکھ رہے تھے۔ سپاہیوں کا

کا ایک سیلاب تھا جو وادی میں بڑھتا ہی چلا آ رہا تھا۔ زرہ پوش انسانوں کا ایک سمندر تھا جس نے ساری وادی کو اپنے اندر سما لیا تھا۔ بابل کا بادشاہ ایک بار تو خوف سے کانپنے لگا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ عنبر اور ناگ بیچارے کیا کر سکیں گے۔ ناگ سانپ بن کر کتنے سپاہیوں کو ڈس لے گا اور عنبر کتنے سپاہیوں کو اپنے پستول سے ہلاک کر سکے گا؟

اس نے دیوتا مردوخ کے سامنے آگ کا نیا الاؤ روشن کرایا۔ اور اس کی تعریف کے گیت گائے۔ ساری رات مردوخ کے مندر میں دیوتاؤں کی پوجا ہوتی رہی۔ بکرے قربان کئے جاتے رہے۔ ملکہ کا بھی خوف سے برا حال تھا۔ شہر کے وگ غم سے آدھے ہو گئے تھے۔ موت انہیں اپنے سامنے نظر آ رہی تھی۔ بابل کے بادشاہ کے پاس زیادہ سے زیادہ چاس ہزار سپاہی تھے جن میں لڑنے والوں کی تعداد تیس ہزار ے زیادہ نہیں تھی اور مقابلہ ہینی بال کے ایک لاکھ سپاہیوں ے تھا جن کے پاس ہاتھی بھی تھے اور قلعے کی دیوار توڑنے لی منجنیق بھی تھی۔

آدھی رات کو بادشاہ نے عنبر کو اپنے خاص محل میں بلوایا۔ نبر بادشاہ کی خواب گاہ میں آیا تو وہ بے چینی سے ٹہل ا تھا۔ عنبر کو آتے دیکھ کر اس نے کہا۔

"عنبر! کیا ہم لوگ ہینی بال کے عظیم الشان لشکر کا مقابلہ کر سکیں گے؟"

عنبر نے کہا۔

"میں کوشش کروں گا"

"کوشش؟" بادشاہ نے چیخ کر کہا۔ "آہ! کوشش تو ناکام ہو جائے گی میرے بچے!"

عنبر نے کہا۔

"کوشش کامیاب بھی ہو سکتی ہے بادشاہ سلامت!"

ملکہ اداس بیٹھی تھی۔ عنبر کی طرف نفرت سے منہ کر کے بولی۔

"جب سے تم یہاں آئے ہو، ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ بھلا تم اکیلے کیوں کر ہینی بال کی اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کر سکو گے۔

تم نے بادشاہ کو دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔"

عنبر نے ملکہ کی تلخ باتوں کا کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ ملکہ نے بادشاہ کی طرف منہ کر کے کہا۔

"دیوتاؤں کے لیے میری بات اب بھی مان لیں اور ہینی بال کے پاس ایلچی بھیج کر صلح کی بات چیت کریں۔ یہ شخص اس شہر اور اس محل کی اینٹ سے اینٹ بجا

دے گا"

بادشاہ نے عنبر کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا کر سوچ میں ڈوب گیا۔

عنبر نے بادشاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ اپنے شہر کے یتیم بچوں کی سرپرستی کریں گے اور زمین غریبوں میں تقسیم کر دیں گے؟"

"عنبر میں وعدہ کرتا ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں۔ وعدہ کرتا ہوں"

عنبر نے آہستہ سے کہا۔

"پھر دس ہزار ہینی بال بھی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ دشمن کو آنے دیں۔ اس قلعے کے سامنے والے میدان میں دشمن کی لاشوں کا قبرستان بنے گا"

اور عنبر بادشاہ کی خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔

●

ہینی بال کے لشکر نے کس طرف سے حملہ کیا؟
سپہ سالار نے کیا چال چلی؟
رات کے اندھیرے میں ملکہ کے لیے خفیہ قاصد کیا پیغام لایا؟
ناگ نے کیا قیامت مچائی؟
یہ سب حالات اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے۔

بلدیاتی امیدواروں کا تعارف

بچّوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا "عنبر! تم کبھی نہیں مروگے۔" عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ رُوحوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو اہرام مصر کے ایک تہہ خانے کی قبر سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادُو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوف ناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مرجاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— پچاس قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پُورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

ادبی مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور

...ن طشتری کی تلا...

...ستان

... کی تلاش

موت کا تعاقب

موت کا تعاقب ۹۰

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

اُڑن طشتری کی تلاش

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
علمی پرنٹنگ پریس ۱۷ ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل: ۱۹۶۹ء
قیمت: چار روپے

مقامِ اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

فہرست

• رات کی خاموشی میں ۵
• خونی سازش ۱۸
• اڑن طشتری کی تلاش ۳۳
• دو جاسوس ۴۶
• پُراسرار لوگ ۶۲
• ملکہ فرار ہوگئی ۸۰

پیارے بچو!

آدھی رات کو جبکہ قلعے کی دیواروں پر اندھیرا چھایا ہوا ہے ایک پُراسرار سایہ قلعے کی دیوار کی طرف بڑھتا ہے۔ کمند ڈال کر فصیل کے اوپر چڑھتا ہے اور چھپتا چھپاتا ملکہ کی خواب گاہ میں پہنچ جاتا ہے۔ وہ ملکہ کے آگے ہینی بال کی ایک سازش اور ایک تجویز کا انکشاف کرتا ہے۔ ملکہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتی ہے اور وعدہ کرتی ہے کہ آدھی رات کو جب ہینی بال کی فوجیں حملہ کریں گی تو وہ قلعے کا دروازہ کھلوا دے گی۔ اتفاق سے یہ باتیں ماریا سُن لیتی ہے۔ وہ عنبر اور ناگ کو خبردار کر دیتی ہے۔ رات گہری ہوگئی ہے۔ قلعے کے سامنے ہینی بال کا ایک لشکر رینگتا ہوا آکر چھپ جاتا ہے وہ انتظار کر رہا ہے کہ قلعے کا دروازہ کب کھلے گا؟ اتنے میں قلعے کی بُرجی کے اوپر روشنی ہوتی ہے۔

یہ روشنی کیا تھی؟ کیا قلعے کا دروازہ کھلا؟ یہ آپ خود پڑھیں گے۔

•

رات کی خاموشی میں

•

ہینی بال کے زبردست لشکر نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

قلعے کے دروازے بند کرنے کے بعد کھائی کے اوپر پڑا ہوا پُل اُٹھا لیا گیا تھا۔ ناگ، عنبر اور ماریا بھی قلعے میں بند ہو کر رہ گئے تھے۔ شہر میں کھانے پینے کا سامان اتنا موجود تھا کہ لوگ چھ مہینے تک گذارہ کر سکتے تھے۔ ہینی بال کے جاسوسوں نے بھی اُسے خبر دے دی کہ شہر میں کھانے پینے کا کافی سامان موجود ہے۔ ہینی بال نے اپنے خیمے میں اپنے وزیروں کو بُلا کر اجلاس کیا۔ ہینی بال نے کہا۔

"بابل کے بادشاہ کے پاس کافی خوراک موجود ہے۔ میرے جاسوسوں نے خبر دی ہے کہ شہر کے لوگ چھ مہینے سے لے کر ایک برس تک گزارہ کر سکتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے مشکل بات پیدا ہو گئی ہے۔ کیونکہ ہم اتنی دیر تک انتظار نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس اتنی خوراک نہیں ہے کہ ہم ایک برس تک اس میدان میں رہ کر اپنے گھوڑوں، ہاتھیوں اور سپاہیوں کو زندہ رکھ سکیں۔"

ایک وزیر نے کہا۔

"ہمیں پتھر مشینوں سے قلعے پر حملہ کر دینا چاہیئے۔"

دوسرا وزیر بولا۔

"قلعے کی کھائی کا پاٹ بہت چوڑا ہے۔ ہماری مشینوں کے پتھر اتنی تیزی اور اتنے زور سے قلعے کی دیوار کو نہ لگ سکیں گے کہ وہ ٹوٹ سکے۔"

تیسرے وزیر نے کہا۔

"ہمیں آگ برسانے والے تیروں سے شہر میں آگ لگا دینی چاہیئے۔"

"اور پھر ہمارے سپاہی سیڑھی لگا کر شہر کی دیوار پر چڑھ جائیں گے اور اندر جا کر قلعے کا دروازہ کھول دیں گے۔"

ہینی بال ان سب کی باتیں سنتا رہا اور سوچتا رہا۔ اُسے معلوم تھا کہ بابل کے بلند قلعے کی دیوار پر سیڑھیاں لگا کر چڑھنا اتنا آسان نہیں ہے جبکہ اوپر سے کھولتا ہوا تیل پھینکا جائے گا۔ آگ لگانے والے تیر بھی پتھر کی دیواروں کو آگ نہیں لگا سکتے تھے۔ اور وہ ایک برس تک اپنی فوج کو میدان میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے پاس خوراک کا اتنا ذخیرہ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ میدانوں میں فصل بھی نہیں اگی ہوئی تھی۔ جو تھوڑے بہت گندم کے کھیت تھے انہیں فوج کے گھوڑوں، ہاتھیوں نے روند ڈالا تھا۔

ہینی بال غور کر رہا تھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

اُس نے وزیروں کا دربار برخاست کر دیا۔ جب اُس کا خیمہ خالی ہو گیا تو اُس نے تالی بجا کر اپنے خاص غلام کو بلا کر کہا۔

"ہانو کو بلاؤ۔"

ہانو ہینی بال کا خاص آدمی تھا۔ دبلا پتلا تیز طرار اور بڑا چالاک تھا۔

طرابلس کا رہنے والا تھا اور اپنی ذہانت اور مکاری کی وجہ سے سپاہی سے ترقی کرتا کرتا ہینی بال کا خاص دوست بن گیا تھا۔ غلام ہانو کو بلا کر لے آیا۔ خیمے کے اندر ہانو نے جھک کر ہینی بال کو سلام کیا اور ادب سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ خیمے میں شاندار ریشمی قالین بچھے تھے۔ چاندی کے گلدان رکھے تھے۔ چھت سے ایک سنہری سونے کا فانوس لٹک رہا تھا۔ تخت پر خشک اور دوسرے میووں سے لدے ہوئے طشت پڑے تھے۔ ہینی بال نے ہانو کی طرف دیکھا اور مسکرایا۔ پھر اُس کے قریب جا کر اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ہانو! میرے دوست! میں نے تمہیں ایک خاص مقصد کے لئے بلایا ہے۔"

ہانو نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

"غلام اپنے آقا کے لئے اپنا سر بھی کٹوانے کو تیار ہے۔"

ہینی بال کہنے لگا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم میری خاطر اپنا سر کٹوا سکتے ہو۔ مگر مجھے اس وقت تمہارے سر کی ضرورت نہیں ہے۔"

ہانو نے ہینی بال کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا اور کہا۔

"میں اپنی اولاد بھی آپ پر قربان کرنے کو تیار ہوں۔"

ہینی بال مسکرایا۔

"مجھے تمہاری اولاد کی بھی ضرورت نہیں ہے۔"

ہانو نے کہا۔

"تو پھر میں اپنے عظیم بادشاہ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

ہینی بال نے کہا۔

"میری بات غور سے سنو۔"

اور وہ بانو کو لے کر خیمے کے کونے میں بچھے ہوئے تخت پر بیٹھ گیا اور سرگوشی میں اُس سے باتیں کرنے لگا۔ بانو بڑے غور سے ہینی بال کی باتیں سنتا رہا۔ وہ ساتھ ساتھ اپنے سر کو آہستہ آہستہ ہلاتا جاتا تھا۔ جب ہینی بال اپنی بات ختم کر چکا تو بانو نے اٹھ کر ہاتھ سینے پر رکھ کر جھک کر ادب سے سلام کیا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔ اُس کے جانے کے بعد ہینی بال نے اپنی ملکہ کو بلوا کر کہا۔

"میں نے ایک تیر رات کے اندھیرے میں چھوڑا ہے۔"

ملکہ نے مسکرا کر کہا۔

"اندھیرے میں چھوڑا ہوا تیر کبھی اپنے نشانے پر نہیں بیٹھتا۔"

ہینی بال نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"بعض نشانے ایسے ہوتے ہیں کہ جن پر اندھیرے میں چھوڑے ہوئے تیر بھی جا کر لگتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ملکہ نے پوچھا۔

ہینی بال نے کہا۔

"یہ میں ابھی نہیں بتا سکتا۔"

اور وہ تخت پر بیٹھ کر طشت میں سے تازہ سیب اٹھا کر کھانے لگا۔ ساتھ ساتھ وہ کچھ سوچ کر مسکرا بھی رہا تھا۔

دوسرے دن کی تاریک رات!

ہینی بال کے سپاہی اپنے خیموں میں خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ کہیں کہیں لشکر میں خیموں کے سامنے آگ روشن تھی جس کی روشنی میں پہرے دار سپاہی چکر لگا کر پہرہ دے رہے تھے کہ کہیں دشمن شب خون نہ مارے۔ دور قلعے کی فصیل پر گہری خاموشی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

اس اندھیرے اور خاموشی میں لشکر کے دور تک پھیلے ہوئے خیموں میں سے ایک خیمے کا پردہ آہستہ سے ہٹا اور ایک پُراسرار سایہ باہر نکل کر غائب ہو گیا۔ یہ سایہ چند ایک خیموں کے پیچھے سے ہوتا ہوا جب الاؤ کے قریب سے گزرا تو ایک پہرے دار نے زور سے آواز لگائی۔

"رُک جاؤ نہیں تو نیزہ مار دوں گا۔"

پُراسرار سایہ وہیں رُک گیا۔ سپاہی تلوار سونت کر اس کی طرف بڑھا۔ پُراسرار سائے نے اپنا ہاتھ سیاہ لبادے سے باہر نکال کر سپاہی کو دکھایا ہی تھا کہ سپاہی نے جھک کر کہا۔

"آپ جا سکتے ہیں۔"

پُراسرار سایہ آگے بڑھ گیا۔ آخری خیمے کے پاس ایک سیاہ رنگ کا گھوڑا بندھا کھڑا تھا۔ پُراسرار سایہ گھوڑے پر بیٹھ گیا اور اس کا رُخ رات کے اندھیرے میں شہر اور قلعے کی طرف کر دیا۔ رات بڑی اندھیری تھی۔ آسمان پر نیلے ستارے چمک رہے تھے۔ اُن کی مدھم روشنی میں پُراسرار سایہ گھوڑے پر سوار اُسے بھگائے لئے جا رہا تھا۔ کچی مٹی کے میدان میں گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز زیادہ نہیں اُبھر رہی تھی۔

جب قلعے کی کھائی قریب آگئی تو پُراسرار سائے نے گھوڑے کا رُخ مشرق کی طرف کر دیا۔ اب گھوڑے کو کھائی سے کافی پرے ہٹ کر آہستہ آہستہ لئے جا رہا تھا۔ جب وہ کافی آگے نکل گیا تو اس نے گھوڑا روک لیا۔ وہ گھوڑے پر سے اتر آیا۔ اُس نے گھوڑے کو ایک درخت سے باندھا اور زمین پر رینگتا قلعے کی کھائی کی طرف بڑھا۔ کھائی کے کنارے پر جا کر اُس نے پہلی بار سر پر سے کپڑا پرے کھسکا کر اردگرد دیکھا تو پتا چلا کہ یہ ہینی بال کا خاص دوست مکار بانو ہے۔ بانو ایک خاص کام پر اُدھر آیا تھا۔ پتا کرتے ہیں کہ یہ کس مقصد کو لے کر آدھی رات کو خیمے سے نکل کر یہاں پہنچا ہے۔

قلعے کی اونچی دیوار کھائی کے پار کھڑی تھی۔

کھائی پانی سے بھری ہوئی تھی۔ اُس کا پاٹ کافی چوڑا تھا اور یہ قلعے کے ساتھ ساتھ گول چکر لگاتی چلی گئی تھی۔ قلعے کی فصیل پر اس طرف کوئی سپاہی پہرہ نہیں دے رہا تھا۔ بانو آہستہ سے کھائی کے پانی میں اُتر گیا اور سانپ کی طرح بڑی خاموشی سے تیرتے ہوئے کھائی کے دوسرے کنارے کی طرف تیرنے لگا۔

وہ کمال ہوشیاری سے تیر رہا تھا کہ پانی میں ذرا سی بھی آواز پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ ویسے بھی اُس کا رنگ گہرا سانولا تھا۔ اوپر سے اُس نے جسم کو سیاہ لبادے میں لپیٹ رکھا تھا۔ بڑے سکون سے کھائی کے پانی میں تیرتے تیرتے وہ دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ کھائی سے باہر نکل کر وہ کنارے کی جھاڑیوں میں دبک بیٹھ گیا۔ اُسے دو تین سپاہیوں کے زرہ بکتر کی آواز آئی۔

یوں لگا جیسے پہرے دار سپاہی آ رہے تھے۔ بانو جھاڑیوں میں گھس کر لیٹ گیا۔ اتنے میں قلعے کی فصیل کے باہر کھائی کے ساتھ ساتھ چکر لگا کر پہرہ دینے والے سپاہی نمودار ہوئے۔ انہوں نے تلواریں اور نیزے لگا رکھے تھے۔ ڈھالیں اُن کی پیٹھ پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔

"رات بڑی اندھیری ہے۔"

"ہاں! ہینی بال کا لشکر شاید دو ایک روز تک حملہ کر دے۔"

"نہیں! وہ ایسی غلطی ابھی نہیں کرے گا۔ اُس کا خیال ہے کہ شہر کے لوگوں کے پاس خوراک کم ہے وہ اپنے آپ قلعے کا دروازہ کھول دیں گے۔"

"یہ اُس کا وہم ہے۔ ہم لوگ دو برس تک شہر میں بند رہ سکتے ہیں۔"

"ہینی بال کے جاسوس اُسے ایک ایک پل کی خبر دے رہے ہیں۔"

"مگر اُس کے جاسوس قلعے کے اندر کیسے داخل ہو سکتے ہیں؟ ہم تو ہر وقت یہاں پہرہ دیتے رہتے ہیں۔"

"تم ہینی بال کو نہیں جانتے۔ وہ بڑا ہوشیار جرنیل ہے۔ اُس کے جاسوس اندھیرے میں سایہ بن کر اندر داخل ہو جاتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہینی بال کے جاسوس بڑے چالاک ہیں۔"

"کیا اس وقت بھی تو اس کا کوئی جاسوس ہمارے ساتھ ساتھ سایہ بن کر نہیں چل رہا؟"

"ہمیں ہوشیار رہنا ہوگا۔"

اُس وقت دونوں سپاہی ہانو کے قریب سے گزر رہے تھے۔ ہانو نے سوچا کہ اگر ان سپاہیوں نے جھاڑیوں کی تلاشی لے لی تو وہ پکڑا جائے گا۔ اُس نے اپنی کمر میں چھپایا ہوا خنجر نکال کر ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔ وہ ایک سپاہی کو مار کر مرنا چاہتا تھا۔ مرنا تو اُسے بہر حال تھا ہی۔ وہ اپنی جان ہتھیلی پر لے کر ایک بڑے اہم مقصد کو لے کر دشمن کے گھر کے باہر آگیا تھا۔

لیکن اُس کی قسمت اچھی تھی اور بابل والوں کی قسمت بری تھی کہ سپاہی آگے نکل گئے اور ہانو ان کے ہاتھوں سے بچ گیا۔ اگر وہ سپاہی عقل سے کام لیتے ہوئے ذرا جھاڑیوں میں جھانکتے تو ہینی بال کا خاص جاسوس ہانو وہاں انہیں مل جاتا۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔

سپاہی آگے نکل گئے۔ کچھ دور تک ان کے لوہے کے زرہ بکتر اور قدموں کی آواز سنائی دی پھر وہ بند ہو گئی اور وہاں ایک بار پھر رات کی گہری خاموشی چھا گئی۔ ہانو جھاڑیوں میں سے باہر نکل آیا۔ اُس نے اپنے کپڑے نچوڑ کر دوبارہ پہنے۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ سپاہی قلعے کی فصیل کے گرد آدھا چکر لگا کر آئیں گے۔ اس کے حساب سے انہیں کافی دیر بعد واپس اُدھر سے گزرنا تھا۔ اس دوران میں ہانو نے جو کچھ کرنا تھا کر لینا تھا۔

وہ تیزی سے لپک کر قلعے کی فصیل کے پاس آگیا۔

اُس نے لبادے کے اندر سے ایک گٹھڑی سی نکال کر زمین پر رکھی اُسے کھولا اور اُس کے اندر سے گو باہر نکالی۔ گو ایک بڑے گرگٹ کی طرح کا جانور ہوتا ہے جو جس جگہ رُک جائے وہاں اپنے پنجے گاڑ دیتا ہے اور اُسے کوئی

وہاں سے نہیں ہلا سکتا۔ یہ گو جو ہانو نے گٹھڑی سے نکالا خاص طور پر سدھایا ہوا تھا۔ اُس کی کمر کے ساتھ ایک پتلی مگر بڑی مضبوط رسی بندھی تھی۔

ہانو نے گو کو قلعے کی دیوار پر چھوڑ کر اُس کی دم پر ذرا سا کاٹ دیا۔ گو ایک چھوٹے سے مگرمچھ کی طرح دیوار پر بڑی تیزی سے اوپر کی طرف چڑھنے لگا۔ ہانو نے رسی ڈھیلی کر دی۔ گو قلعے کی فصیل کے اوپر جا کر دوسری طرف اتر گیا۔ اب ہانو نے نیچے سے رسی کو آہستہ سے کھینچا۔ دوسری جانب گو دیوار کے ساتھ چمٹ گیا۔ ہانو نے رسی کو زور سے کھینچا۔ گو دیوار کے ساتھ زیادہ زور سے چمٹ گیا۔

"کمند تیار ہے۔ اب مجھے اوپر چڑھنا چاہیئے۔"

اور ہانو رسی کے سہارے قلعے کی دیوار پر چڑھنے لگا۔ چڑھائی آسان نہیں تھی۔ مشکل چڑھائی تھی۔ یہ بھی خطرہ تھا کہ سپاہی واپس نہ آجائیں۔ مگر ہانو کے حوصلے بلند تھے۔ وہ رسی کے سہارے اوپر ہی اوپر چڑھتا جا رہا تھا۔ دور سے دیکھنے پر ایک سیاہ دھبہ لگتا تھا جو قلعے کی دیوار پر اوپر کی جانب رینگ رہا تھا۔

آخر وہ قلعے کی فصیل پر پہنچ گیا۔

قلعے کی فصیل پر پہنچ کر ہانو اسی جگہ فصیل کے پتھروں سے چمٹ گیا۔ اُس نے رسی اوپر کھینچ لی تھی اور اُسے گو کے ساتھ لپیٹ کر کپڑے میں باندھا اور فصیل کے اندر ایک سوراخ میں چھپا دیا۔ اب اُس نے فصیل پر لیٹے لیٹے سر اٹھا کر دائیں بائیں دیکھا فصیل پر دور دور تک کوئی پہرے دار نہیں تھا۔ جس دیوار پر وہ چمٹا ہوا تھا وہ تھوڑی سی اونچی تھی۔

بانو آہستہ سے کُود کر فرش پر آگیا۔ خاموشی۔ پُراسرار خاموشی اور اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ قلعے کا یہ فرش کافی چوڑا تھا اور فصیل کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بُرجیاں بنی تھیں جن کے اندر سپاہی پہرہ دے رہے تھے اور فصیل کے اوپر بڑے بڑے کڑاہوں میں تیل کھول رہا تھا۔ کہ اگر آدھی رات کو بھی دشمن سیڑھی لگا کر فصیل پر چڑھنے کی کوشش کرے تو اُس پر کھولتا ہوا تیل ڈال کر اُسے تباہ کر دیا جائے۔

لیکن انہیں نہیں معلوم تھا کہ ایک خطرناک شخص دیوار کے اوپر پہنچ چکا تھا۔ بانو ایک ایسا شخص تھا کہ اس شہر کے تمام علاقے کو جانتا تھا۔ وہ اس سے پہلے دو تین بار اس قلعے میں آچکا تھا اور شاہی محل کی سیر بھی کر چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شاہی محل میں برقہ نام کی ایک حبشی کنیز کسی زمانے میں بانو کی بیوی رہ چکی تھی۔ برقہ ملکہ کی خاص کنیز تھی۔

بانو فصیل کی دیوار سے اُتر کر چھت پر آیا۔ یہاں سے وہ ایک پرنالے کے ذریعے دوسری چھت پر آگیا۔ یہ شاہی محل کی وہ چھت تھی جس کے نیچے برقہ کنیز کا کمرہ تھا۔ دیوار کے پہلو میں اس کمرے کی کھڑکی تھی۔

بانو نے اوپر سے جُھک کر دیکھا۔ کھڑکی میں اندر جلنے والی شمع کی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

"کیا برقہ جاگ رہی ہے؟ کہیں اُس کے پاس کوئی دوسرا شخص تو نہیں؟"

خطرے کا یہ خیال بانو کے دل میں پیدا ہوا۔ چھت کی منڈیر سے جنگلی پھولوں والی ایک بیل رسے کی طرح نیچے جا رہی تھی۔ یہ بیل برقہ کی کھڑکی کے قریب

سے ہو کر گزرتی تھی۔

بانو نے بیل کے رسے کے ذریعے آہستہ آہستہ دیوار پر نیچے اترنا شروع کر دیا۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے اتر رہا تھا اور بیل کے پتوں میں چُھپا ہوا تھا۔ جب وہ کھڑکی کے قریب آیا تو اُس نے ذرا آگے بڑھ کر کھڑکی کے باہر نکلے ہوئے کھلے پٹ کو ایک ہاتھ سے تھام لیا اور ذرا آگے جُھک کر اندر دیکھا۔

اُس کی پہلی بیوی برقہ کنیز اکیلی تھی۔

وہ ایک چوکی پر بیٹھی کسی کپڑے پر کوئی کڑھائی کر رہی تھی۔ کپڑے کو لکڑی کے چوکھٹے میں لگا رکھا تھا اور گرم رنگدار دھاگے سے اس پر بڑے بڑے پھول بنا رہی تھی۔ بانو یہ دیکھ کر بڑا مطمئن ہوا کہ برقہ کمرے میں اکیلی تھی۔ اُس نے کھڑکی کے اندر چھلانگ لگا دی۔

جونہی وہ دھم سے فرش پر کودا برقہ کنیز کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ بانو نے چیتے کی طرح لپک کر اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور پھر اپنے چہرے کا کپڑا کھول کر کہا۔

"برقہ! میں ہوں۔ تمہارا پہلا شوہر۔"

برقہ نے بانو کو پہچان لیا۔ وہ اور بانو حبشہ میں ایک ساتھ کھیلے کودے تھے بڑے ہوئے تو اُن کی شادی ہو گئی۔ لیکن بعد میں برقہ بابل کی ملکہ کے ہاں چلی گئی اور اُس نے بانو کو چھوڑ دیا۔ بانو نے برقہ کو ہمیشہ گھر میں خوش رکھا تھا اور کبھی کوئی تکلیف نہیں دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ برقہ اُس کی بڑی عزت کرتی تھی۔

"بانو تم؟ تم یہاں کہاں؟"

بانو نے کہا۔

"پہلے یہ کھڑکی بند کر کے شمع گل کر دو اور کوئی مدھم روشنی والا چراغ جلاؤ۔"

برقہ سمجھ گئی کہ بانو اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر کسی خاص کام کے لئے وہاں آیا ہے۔ اُسے یہ خبر مل چکی تھی کہ بانو ہینی بال کا خاص آدمی بن چکا ہے۔ اس حساب سے وہ دشمن کا سپاہی تھا جو بابل کے شاہی محل میں آدھی رات کو گھس آیا تھا۔ اندر سے برقہ خوف زدہ بھی ہو گئی تھی۔

اُس نے شمع گل کر دی اور دھیما چراغ جلا دیا۔

کمرے میں چراغ کی مدھم روشنی بڑی پُراسرار لگنے لگی۔ برقہ بانو کے قریب آ گئی اُس کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا تھا۔ اُس نے سہمی ہوئی سرگوشی میں پوچھا:

"تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"جان ہتھیلی پر رکھ کر آیا ہوں۔"

برقہ نے کہا۔

"کیا تم مجھے یہاں سے لے جانے آئے ہو؟"

بانو مسکرایا۔

"احمق عورت! یہ تم نے کیوں کر سوچ لیا؟ نہیں — میں ایک دوسرا مقصد لے کر یہاں آیا ہوں۔"

"وہ کیا ہے؟" برقہ نے پوچھا۔

"بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں سب کچھ بتاتا ہوں۔"

برقہ قالین پر بیٹھ گئی۔ بانو بھی اُس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اُس نے گہرا

سانس لے کر برقہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"میں — میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں؟"

●

خونی سازش

•

"ملکہ بابل سے میری ملاقات کرادو۔"

برقہ حیرانی سے ہانو کا منہ تکنے لگی کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے۔ ہانو نے کہا۔

"میں ملکہ کو ہینی بال کا ایک خاص پیغام پہنچانا چاہتا ہوں۔ ہینی بال نے مجھے اس مقصد کے لئے یہاں بھیجا ہے۔ میرا یہ کام تمہارے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔"

برقہ نے کہا۔

"تمہاری نیت نیک نہیں ہے۔"

ہانو کہنے لگا۔

"میں بری نیت لے کر نہیں آیا۔ یہ لو میرا خنجر تم اپنے پاس رکھ لو۔"

اور ہانو نے لبادے کے اندر سے خنجر نکال کر برقہ کے آگے پھینک دیا۔ برقہ نے دیکھا۔ چراغ کی مدہم روشنی میں بھی خنجر کی تیز دھار چمک رہی تھی۔ وہ خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ ہانو نے خنجر اٹھا کر برقہ کی طرف بڑھا کر کہا۔

"یہ لو۔ ڈرو نہیں برقہ۔ اسے سنبھال کر رکھ لو۔ جاتی دفعہ میں تم سے لے لوں گا۔"

برقہ نے خنجر لے کر صندوق میں ڈال دیا۔ پھر وہ اُس کے پاس آ کر بولی۔

"تم ملکہ سے کیا بات کہنا چاہتے ہو؟ ہینی بال کا پیغام کیا ہے؟ کیا وہ صلح کرنا چاہتا

ہے؟ اگر ایسی بات ہے تو اُسے دن کی روشنی میں اپنے سفیر کو بھیجنا چاہیئے تھا۔ تم رات کی خاموشی میں چوروں کی طرح چھپ کر کیوں آئے ہو؟"

ہانو نے کہا۔

"اس لئے کہ یہ پیغام ہی ایسا ہے کہ صرف میں ہی ملکہ تک پہنچا سکتا ہوں۔"

برقہ کچھ پریشان سی ہو گئی تھی۔ وہ قالین سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ہانو بھی اُس کے پاس آ گیا۔ کہنے لگا۔

"سنو برقہ! یقین کرو کہ میں بڑی نیک نیت کے ساتھ یہاں تک آیا ہوں اور میں نے اس مقصد کے لئے اپنی زندگی خطرے میں ڈال دی ہے۔ میں تمہاری ملکہ سے ایک خاص بات کرنا چاہتا ہوں۔ تم یوں ہی سمجھ لو کہ یہ صلح کا پیغام ہی ہے۔ اس کی وجہ سے ہزاروں انسانوں کا گشت خون رک جائے گا۔ یہ شہر تباہی و بربادی سے بچ جائے گا بس تم ایک بار مجھے ملکہ سے ملوا دو پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

ہانو نے کچھ اس قسم کی باتیں کیں کہ برقہ تیار ہو گئی۔ اُس نے کہا۔

"تم آج کی رات اسی کمرے میں رہو۔ میں صبح تمہاری ملاقات ملکہ سے کرا دوں گی۔"

ہانو نے برقہ کا ہاتھ چوم کر کہا۔

"میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

رات گزر گئی۔ دن نکلا تو برقہ سیدھی ملکہ کی خواب گاہ میں گئی۔ اُس نے چنگ و بربط پر گیت گا کر ملکہ کو خواب سے بیدار کیا۔ پھر اُسے غسل کروایا۔ اُسے چوزوں کی یخنی بادام ڈال کر پلائی۔ جب ملکہ غسل سے فارغ ہو کر تیار ہو گئی تو اُس نے اُسے ہانو کے بارے میں بتایا کہ ہینی بال نے اپنا ایک خاص آدمی اُس کے لئے ایک خصوصی پیغام دے

کر بھیجا ہے۔ ملکہ نے چونک کر پوچھا۔

"کیا کہا؟ ہمارے دشمن کا ایک آدمی ہمارے محل میں آگیا ہے؟"

برقہ نے کہا۔

"وہ آدمی کبھی میرا خاوند رہ چکا ہے اور کہتا ہے کہ وہ ہینی بال کا ایک ایل
پیغام لے کر آیا ہے جس کی وجہ سے یہ شہر برباد ہونے سے بچ جائے گا۔"

ملکہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کہاں ہے وہ آدمی؟"

"اگر آپ حکم دیں تو میں اُسے ابھی حاضر کئے دیتی ہوں۔"

"ہاں۔ اُسے حاضر کرو۔ لیکن کسی دوسرے انسان کو کانوں کان خبر نہ ہو۔"

"ایسا ہی ہوگا ملکہ عالم!"

برقہ نے ہانو کو محل کے خاص پہرے دار کا لباس پہنایا اور لے کر سیدھا ملکہ کے
کمرے میں آگئی۔ ہانو نے اندر آکر جُھک کر ملکہ کو سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر ایک طرف کھڑا
ہو گیا۔ ملکہ نے تالی بجا کر برقہ سے کہا۔

"تم جا سکتی ہو!"

برقہ چلی گئی۔ جب خواب گاہ میں ملکہ اور ہانو رہ گئے تو ملکہ نے کہا۔

"ہانو! برقہ ہماری پیاری کنیز ہے۔ اُس نے ہمیں بتایا ہے کہ تم اُس کے خاوند رہ
چکے ہو اور ہینی بال ہمارے دشمن کا کوئی پیغام لے کر آئے ہو"

ہانو نے جُھک کر کہا۔

"آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے ملکہ عالم!"

ملکہ نے کہا۔

"کیا پیغام لائے ہو؟"

ہانو نے کہا۔

"ملکہ عالم! میری بات غور سے سنیئے گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہینی بال ایک
زبردست طاقت کا نام ہے۔ یہ ایک سیلاب ہے جس نے ہزاروں شہروں کو تباہ
برباد کر دیا ہے۔ اُس کے آگے بڑے سے بڑا بادشاہ بھی نہیں ٹھہر سکا۔ اُس کے
لشکر نے بڑے بڑے لوہے کے بنے ہوئے قلعوں کے دروازے پاش پاش کر کے
اُن کے حکمرانوں کے سر کاٹ ڈالے ہیں۔ اس کے آگے آپ کا قلعہ کوئی حقیقت
نہیں رکھتا۔ اگر آپ دو برس تک بھی قلعے کے دروازے بند رکھیں تو ہینی بال کے
لشکر آپ کا انتظار کریں گے۔ مگر ہینی بال کو معلوم ہے کہ آپ چھ ماہ سے زیادہ عرصہ
نہیں گزار سکتے۔ اس کے علاوہ ہینی بال کے لشکر کے پاس ایسی مشینیں ہیں جن
کے بڑے بڑے پتھر اس قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجا سکتے ہیں۔"

ملکہ نے برہم ہو کر کہا۔

"کیا تم ہمیں ہینی بال سے خوفزدہ کرانے آئے ہو؟"

ہانو نے جلدی سے کہا۔

"نہیں ملکہ عالم! ایسی بات نہیں ہے!"

"تو پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

ہانو نے صاف صاف لفظوں میں کہا۔

"ملکہ عالم! ہینی بال کو معلوم ہے کہ آپ کے بادشاہ کا ایک بیٹا بھی ہے جو آپ

کا نہیں بلکہ آپ کی پہلی ملکہ کا بیٹا ہے۔ بادشاہ اُسے اپنا ولی عہد بنانا چاہتا ہے۔ ایک بیٹا آپ کا بھی ہے۔ اگر آپ ہینی بال کے ساتھ مل جائیں تو اُس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ آپ کے بیٹے کو اس شہر کا تخت دے کر اُسے بابل کا بادشاہ بنا دے گا۔"

ملکہ نے چہرہ اٹھا کر بانو کو دیکھا۔

"ہینی بال کیا چاہتا ہے؟"

بانو نے کہا۔

"وہ وعدہ کرتا ہے کہ اس شہر کا بادشاہ آپ کا اپنا بیٹا ہوگا۔ سوتیلا بیٹا نہیں۔"

ملکہ کچھ سوچ میں پڑ گئی۔ اُسے یہ معلوم تھا کہ ہینی بال ایک زبردست جرنیل ہے اور وہ اس کے ملک کو فتح کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اُس نے کئی شہروں کو فتح کر کے انہیں تباہ و برباد کر دیا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ اُس کا سوتیلا بیٹا بابل کا بادشاہ بن کر بیٹھ جائے اور اُس کا اپنا بیٹا ساری عمر اُس کی غلامی میں گزار دے۔ ہینی بال کی پیش کش بُری نہیں تھی۔ ملکہ نے بانو سے کہا۔

"کیا ہینی بال اپنے وعدے پر قائم رہے گا؟"

بانو نے تیر نشانے پر لگتا دیکھا تو خوش ہو کر بولا۔

"ملکہ عالم! ہینی بال ایک بہادر جرنیل ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ اُس نے آج تک کسی سے جھوٹا وعدہ نہیں کیا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو میں اپنی جان خطرے میں ڈال کر آپ کے پاس نہ آتا۔ یقین کریں کہ اگر آپ ہینی بال کے ساتھ مل گئیں تو اس شہر کے تخت پر آپ کا بیٹا راج کرے گا نہیں تو وہ ساری زندگی ایک غلام بن کر

زندگی بسر کر دے گا اور اُسے کبھی بابل کا تخت نصیب نہیں ہوگا۔"

ملکہ نے پوچھا۔

"ہینی بال مجھ سے کیا چاہتا ہے؟"

بانو نے کہا۔

"صرف ایک بات کہ — کہ آپ اپنے خاص غلام کو ہدایت کر دیں کہ وہ پرسوں آدھی رات گزرنے کے بعد قلعے کا دروازہ اندر سے کھول دیں۔ بس اس کے بعد آپ کا بیٹا بابل کا حکمران ہوگا۔"

ملکہ ٹہلنے لگی۔ پھر بانو کے قریب آ کر بولی۔

"مجھے منظور ہے۔ مگر یہ راز کسی دوسرے پر ہرگز ہرگز ظاہر نہ ہو۔"

"کبھی نہیں ملکہ عالم! کبھی نہیں!"

اتنا کہہ کر بانو ملکہ بابل کی خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔ ربرتھ اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اُسے لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"کیا ہوا؟ کیا تم کامیاب ہوئے؟"

"ہاں! مگر ایک خاص حد تک۔"

اصل میں بانو ربرتھ کو ساری بات نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اُس نے کہا۔

"اب میں جاتا ہوں۔"

"مگر دن کی روشنی میں تمہارا جانا خطرناک ہوگا۔ بہتر ہے تم رات کے اندھیرے کا انتظار کرو۔"

"ٹھیک ہے۔"

ہانو نے سارا دن برقہ کے کمرے میں گزار دیا۔ جب رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تو وہ خاموشی سے نکلا اور برقہ کی مدد سے سیڑھیاں چڑھ کر قلعے کی چھتوں سے ہوتا ہوا اُس جگہ پر آگیا جہاں اُس کا جانور گو اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ گو کی مدد سے وہ قلعے کی فصیل سے نیچے آگیا۔ کھائی عبور کرنے کے لئے وہ جھاڑیوں کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پیچھے سے ایک سپاہی نے اُس کی گردن پکڑ لی۔

"کون ہو تم؟"

ہانو نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ ایک ہی پہرے دار تھا۔ اُس نے خنجر نکال کر پہرے دار پر حملہ کر دیا۔ حملہ اس قدر اچانک اور شدید تھا کہ پہرے دار سنبھل نہ سکا اور خنجر اُس کے دل میں اُتر گیا۔ وہ گرا اور تڑپ کر مر گیا۔ ہانو نے اُس کی لاش کو وہیں چھوڑا اور کھائی میں کود پڑا۔ کھائی کو تیر کر پار کرنے کے بعد وہ اُس مقام پر آیا جہاں اُس نے گھوڑا باندھ رکھا تھا۔ گھوڑا وہاں نہیں تھا شاید دن میں اُسے کوئی کھول کر لے گیا تھا۔ ہانو نے پیدل ہی اپنے لشکر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ اپنے لشکر میں پہنچ گیا۔

اُس نے پچھلے پہر ہینی بال سے ملنا مناسب نہ سمجھا۔ باقی رات اُس نے آرام کیا۔ دن نکلا تو وہ ہینی بال کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اُسے ملکہ بابل کے ساتھ کی گئی ساری بات سنا دی۔

ہینی بال بڑا خوش ہوا کہ اُس کی سازش کامیاب رہی۔ اُس نے خوشی سے ایک نعرہ لگایا اور ہانو کی طرف ہاتھ پھیلا کر بولا۔

"تم میرے بہترین دوست ہو۔"

پھر اُس نے گلے میں سے قیمتی موتیوں کا ہار اتار کر ہانو کو دے دیا اور کہا۔

"کل آدھی رات کو ہم بابل شہر میں داخل ہو جائیں گے۔"

ہانو نے کہا۔

"مگر حضور! کیا ایسا تو نہیں ہوگا کہ ملکہ بابل اپنے وعدے سے پھر جائے گی!"

ہینی بال زور سے ہنسا۔

"احمق! ہم نے بڑا کاری تیر لگایا ہے۔ یہ ماں کی ممتا کا معاملہ ہے۔ ملکہ بابل اپنے بیٹے کو بابل کا بادشاہ دیکھنا چاہتی ہے وہ کبھی اپنے وعدے سے نہیں پھرے گی۔"

ہانو نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"حضور! کیا آپ اُس کے سوتیلے بیٹے کو بابل کا بادشاہ بنا دیں گے؟"

ہینی بال نے فلک شگاف قہقہہ لگا کر کہا۔

"ہم اُس کے سوتیلے بیٹے کو اُس کی آنکھوں کے سامنے ہلاک کریں گے۔ جو ماں اپنے بیٹے کے لئے اپنے خاوند کو دھوکہ دیتی ہے وہ اس قابل نہیں ہے کہ اُس پر رحم کیا جائے۔"

ہانو نے کہا۔

"مگر حضور! اُس کا بیٹا تو اُس کا اپنا بیٹا ہے۔"

ہینی بال نے کہا۔

"مگر اُس کا خاوند بھی تو اُس کا اپنا خاوند ہے۔"

بانو سوچنے لگا کہ ہینی بال نے بڑی گہری بات کہہ دی تھی۔

اب وہ اگلی رات کا انتظار کرنے لگا۔ اُسے یقین نہیں تھا کہ بابل کی ملکہ اپنے خاص غلام کی مدد سے قلعے کا دروازہ کھلوا دے گی۔ مگر ہینی بال کو پکا یقین تھا کہ آدھی رات کو بابل کے دروازے کھل جائیں گے اور اُس کی فوجیں شہر کے اندر داخل ہو جائیں گی۔

ملکہ بابل دل میں بہت خوش تھی کہ ہینی بال کے ساتھ اُس کی سازش مکمل ہو گئی ہے اور اب اُس کا بیٹا بابل کے تخت پر بیٹھے گا۔ اُس نے آدھی رات کو قلعے کا دروازہ کھلوانے کے لئے اپنے خاص غلام کو بلوایا۔ غلام آیا۔ اُس نے جھک کر سلام کیا۔ ملکہ نے اُسے کہا۔

"میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اپنے آدمیوں کے ساتھ مل کر آج رات قلعے کا دروازہ کھول دینا۔"

جس وقت یہ باتیں ملکہ کی خواب گاہ میں ہو رہی تھیں ٹھیک اُس وقت ماریا عنبر کی شاہی خواب گاہ سے نکل کر یونہی محل کا چکر لگا رہی تھی۔ اُس نے ملکہ کی خواب گاہ میں آوازیں سُنیں تو وہاں آگئی۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ ماریا کو چونکہ کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے وہ بڑی آسانی سے اندر آگئی۔ اُس نے ملکہ بابل کو اپنے خاص غلام کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تو سمجھ گئی کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ وہ ایک طرف ہو کر کھڑی ہو گئی اور ان کی باتیں سننے لگی۔ ملکہ نے کہا۔

"میں نے تمہیں جو کچھ کہا ہے تم نے غور سے سُن لیا ہے ناں؟"

غلام نے سر جھکا کر کہا۔

"سُن لیا ہے ملکہ عالم! آج آدھی رات گزرنے کے بعد قلعے کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔"

"بس میں یہی تم سے کہنا چاہتی تھی۔ قلعے کا دروازہ ہر حال میں کھول دینا ہے۔"

غلام نے کہا۔

"ملکہ عالم! کیا ہینی بال کی فوجیں آج رات بابل کے شہر میں داخل ہو جائیں گی؟"

ملکہ نے غصہ کے عالم میں اُسے جھڑک کر کہا۔

"کیا بکواس کرتے ہو۔ تم کون ہوتے ہو مجھ سے یہ پوچھنے والے۔ خبردار! اگر پھر ایسا سوال کیا تو تمہاری زبان کھینچ دوں گی۔"

غلام نے سر جھکا کر کہا۔

"معاف کر دیں حضور! غلطی ہو گئی۔"

"بس جاؤ۔ اور آج رات قلعے کا دروازہ کھول دینا۔"

"جو حکم ملکہ عالیہ!"

غلام ملکہ کی خواب گاہ سے نکل گیا۔ ماریا نے یہ گفتگو سُنی تو حیران رہ گئی کہ معاملہ تو الٹ گیا ہے۔ فوراً وہاں سے بھاگ کر عنبر کے کمرے میں آئی جہاں ناگ اور عنبر باتیں کر رہے تھے۔ انہیں ساری بات سنائی تو وہ پریشان ہو گئے۔

"یہ تو معاملہ ہی الٹ رہا ہے۔"

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔"

"اب کیا ہوگا؟" ناگ نے کہا۔

عنبر بولا۔

"گھبراؤ نہیں یار۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"
ماریا نے کہا۔

"اگر میں اتفاق سے ٹہلتی ٹہلتی ملکہ کی خواب گاہ کی طرف نہ نکل جاتی تو یہ راز راز ہی رہتا اور کل جب ہم سو کر اٹھتے تو اس شہر پر ہینی بال کا راج ہوتا۔"

"تم نے بالکل ٹھیک کہا۔" ناگ نے کہا۔
عنبر نے ماریا اور ناگ سے کہا۔

"یہ اب تم دونوں کا کام ہے کہ شہر کا دروازہ نہ کھلنے پائے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔"

عنبر اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔ ماریا اور ناگ آدھی رات کے وقت قلعے کی ڈیوڑھی میں آ گئے۔ ماریا نے اُس غلام کو پہچان لیا جو قلعے کا دروازہ کھلوانے کے لئے ڈیوڑھی میں داخل ہو رہا تھا۔ اُس نے اس خطرناک سازش میں ڈیوڑھی کے دونوں پہرے داروں کو بھی شامل کر لیا تھا۔ غلام کو دیکھ کر دونوں پہرے دار کوٹھڑی سے نکل کر سامنے دروازے کے پاس آ گئے۔

دوسری طرف ہینی بال کی فوجیں حملہ کرنے کے لئے اندھیرے میں رینگتی ہوئی قلعے کی کھائی کے پاس پہنچ گئی تھیں۔ انہوں نے اپنے ساتھ کھائی کو عبور کرنے کے لئے ہوا سے پھولے ہوئے مشکیزے اٹھا رکھے تھے۔ وہ قلعے کے کھلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ماریا نے غلام کو دیکھ کر ناگ سے کہا۔

"یہ لوگ دروازہ کھولنے والے ہیں ناگ۔"

"گھبراؤ نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔"

ناگ نے اسی وقت سانپ کا روپ بدل لیا۔ ماریا پہرے داروں کے پاس آ گئی۔ غلام نے پہرے داروں سے کہا۔

"وقت آ گیا ہے۔ دروازہ کھول دو۔"

دونوں پہرے دار آگے بڑھے۔ ابھی انہوں نے قلعے کے دروازے میں چابی گھمائی ہی تھی کہ شوکر کی آواز آئی اور ایک دس فٹ لمبا سانپ پھن اٹھا کر اُن کے سامنے آ گیا۔ پہرے دار ڈر کر پیچھے ہٹے۔ غلام نے تلوار نکالی اور سانپ کو ہلاک کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ پیچھے سے ماریا نے غلام کے سر پر تلوار کا وار کیا وہ چیخ مار کر گرا اور تڑپنے لگا۔

ناگ نے ایک پہرے دار کو ڈس لیا۔ دوسرا پہرے دار پیچھے کو دوڑا۔ ماریا نے اُسے بھی گرا دیا۔ سانپ نے اُس کے گرتے ہی ڈس دیا۔ ناگ پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا۔

"ماریا! واپس چلو۔ قلعے کے اوپر چل کر دیکھتے ہیں۔"

دونوں قلعے کے اوپر والے بُرج میں آ گئے۔ یہاں پہرے دار سپاہی سو رہے تھے شاید اُس مکار غلام نے انہیں کوئی بے ہوشی کی دوا پلا دی تھی۔ کیونکہ ناگ کے بار بار جگانے پر بھی وہ ہوش میں نہ آئے۔ ماریا نے کہا۔

"اندھیرے میں سامنے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ ہینی بال کی فوجیں ضرور کھائی کی دوسری طرف حملہ کرنے کے لئے آ گئی ہوں گی۔"
ناگ نے کہا۔

"میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

ناگ نے عقاب کا رُوپ بدلا اور اڑتا ہوا کھائی کے پار چلا گیا۔ وہ نیچی پرواز کرتے کرتے میدان میں آیا تو اُسے زمین کے ساتھ لگے ہوئے بے شمار سپاہی نظر آئے جو قلعے کے دروازے کے کھُلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ ہزاروں کی تعداد میں تھے اور اُن کے پاس پھُولے ہوئے مشکیزے بھی تھے۔ ہینی بال کا جرنیل ایک طرف جھاڑیوں میں جھک کر بیٹھا قلعے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

عقاب واپس آگیا۔ اُس نے ماریا کو آکر ساری صورت حال بیان کر دی۔ ماریا نے کہا۔

"کہیں یہ لوگ سچ مچ ہی قلعے پر حملہ نہ کر دیں۔"

"اس وقت معلوم ہوتا ہے شاہی فوج سو رہی ہے۔"

ادھر ہینی بال کے جرنیل نے دیکھا کہ وقت گزر رہا ہے اور قلعے کا دروازہ اسی طرح بند ہے تو وہ پریشان ہو کر واپس ہینی بال کے خیمے میں گیا اور ساری بات بیان کی۔ ہینی بال غصے میں آگیا۔ زمین پر پاؤں پٹخ کر گرجا۔

"ملکہ نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا۔ ہم اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

پھر اُس نے خیمے سے باہر آکر بلند آواز سے کہا۔

"قلعے پر حملہ کر دیا جائے۔"

اُسی وقت جنگ کا بگل بجا دیا گیا۔ خیموں میں سوئے ہوئے فوجی ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے اور اپنے اپنے ہتھیار لے کر صفوں میں آن کھڑے ہوئے۔ پتھر پھینکنے والی مشینیں تیار کر دی گئیں۔ کھائی کے کنارے چھپے ہوئے دستے کو حکم دیا گیا کہ جونہی پتھروں سے قلعے میں شگاف پڑے وہ کھائی کو تیر کر پار کریں اور قلعے میں داخل ہو جائیں۔

ماریا اور ناگ قلعے کی فصیل پر کھڑے تھے کہ ایک ایسی آواز آئی جیسے کوئی بڑا سا پتھر پہاڑی سے گرا ہو۔ پھر ایک بہت بڑا پتھر ہوا میں اڑتا ہوا آیا اور دھماکے کے ساتھ قلعے کی دیوار سے ٹکرایا۔ ماریا اور ناگ پریشان ہو کر بولے۔

"دشمن نے رات کو حملہ کر دیا ہے۔"

دونوں وہاں سے نکل کر سیدھے عنبر کے پاس آئے اور حملے کی خبر دی اس وقت تک بادشاہ اور دیگر اُمرا وزرا کو بھی حملے کا پتا چل گیا تھا فصیل پر پہرہ دیتی فوجیں بے ہوش تھیں۔ فوراً اُس کی جگہ دوسری فوجیں بلائی گئیں۔ بڑے بڑے پتھر ہوا میں اُڑتے ہوئے آتے اور قلعے کی دیوار سے ٹکراتے۔ ایک دھماکہ ہوتا اور قلعے کی دیوار ٹوٹ جاتی۔ معاملہ خطرناک تھا فصیل سے ہینی بال کی فوج پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ لیکن اس کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ فوج کے ایک دستے نے مشکیزوں سے کھائی عبور کر لی تھی اور اب بڑی بڑی ڈھالیں اپنے سروں پر رکھے قلعے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

قلعے کے اوپر سے گرم کھولتا ہوا تیل اُن پر ڈالا گیا۔ کئی فوجی مر گئے۔ پتھروں نے قلعے کی دیوار میں شگاف ڈال دیا۔ دشمن کی فوج کا ایک دستہ اُس شگاف سے شہر میں داخل ہو گیا۔ گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ بادشاہ کو ایک ایک پل کی خبر مل رہی تھی۔ وہ پریشان تھا۔ اُسے پتا چل گیا تھا کہ دشمن کی فوج شہر میں داخل ہو گئی ہے۔ اُس نے عنبر سے کہا۔

"ہینی بال آگے بڑھتا آ رہا ہے۔ شاید اب ہمیں شکست کا منہ دیکھنا پڑے۔ ہمارے پاس اتنی فوج نہیں ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"گھبرائیں نہیں بادشاہ سلامت! میں وحشی ہینی بال کی بربریت سے اس شہر

کو تباہ نہیں ہونے دوں گا۔"

بادشاہ نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"تم آسمانی دیوتا ہو۔ میرے شہر کے امن پسند لوگوں کو ہینی بال کے ظلم سے بچا

ہم جنگ نہیں چاہتے۔ مگر ہینی بال ہمارے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجانے، ہمار

بچوں کو قتل کرنے آرہا ہے۔"

عنبر کہنے لگا۔

"ایسا نہیں ہونے دیا جائے گا۔"

یہ کہہ کر عنبر محل سے نکل کر قلعے کے اوپر آگیا۔ وہاں ماریا اور ناگ بھی

تھے۔ عنبر نے کہا۔

"میں اڑن طشتری کی طرف جا رہا ہوں۔ اس شہر کو تباہ نہیں ہونے

جائے گا۔ میں اس شہر کے بچوں عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہیں ہونے دوں گا

جنگ بڑے زوروں پر تھی۔ پتھر قلعے کی فصیل کو توڑ رہے تھے۔ جلتے ہوئے

تیر رات کے اندھیروں کو چیرتے ہوئے قلعے کے اندر گر رہے تھے۔ شگافو

میں گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ زخمیوں کی چیخ و پکار سے شور مچا تھا۔ تلوار

سے تلواریں ٹکرا رہی تھیں۔ عنبر نے ایک برج سے رسا نیچے گرا دیا۔

•

اڑن طشتری کی تلاش

•

عنبر رسّے کی مدد سے قلعے سے نیچے اترنے لگا۔

قلعے کے دروازے بند تھے۔ شگافوں میں خونیں لڑائی ہو رہی تھی۔ سوائے

برج سے رسّی کے ذریعے نیچے اترنے کے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ قلعے کے سپاہیوں

نے عنبر کو نیچے اترتے دیکھا تو چیخ کر کہا۔

"کیوں خودکشی کر رہے ہو؟"

عنبر رسّی کی مدد سے نیچے اتر رہا تھا۔ دشمن کے تیر اُس پر آآ کر گر رہے

تھے مگر اُس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ آخر عنبر نیچے اترنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس

نے کھائی میں چھلانگ لگا دی اور رات کے اندھیرے میں کھائی پار کر گیا۔

اُس طرف لڑائی زیادہ نہیں ہو رہی تھی۔ عنبر جھاڑیوں میں سے ہوتا کنوئیں

والے جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ لڑائی کا شور مچا تھا۔ ہاتھی قلعے کی طرف بڑھ رہے

تھے۔ گھوڑے زور سے ہنہنا رہے تھے۔ سپاہی نعرے لگاتے قلعے پر تیر اور پتھر

پھینک رہے تھے۔

ہینی بال اپنے خیمے کے باہر گھوڑے پر کھڑا لڑائی کا منظر دیکھ رہا تھا۔ رات

ڈھل رہی تھی اور دن کی ہلکی روشنی ظاہر ہو رہی تھی۔ عنبر گھمسان کی جنگ سے بچتا

بچاتا ساتھ والے جنگل کی طرف بڑھتا جا رہا تھا کہ اچانک سامنے سے ہینی بال

کے چار سپاہی نکل آئے۔ انہوں نے عنبر کے سینے پر نیزہ رکھ دیا۔

"دشمن کے جاسوس ہو؟ کیا کرنے آ رہے ہو؟"

عنبر کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ ان وحشی سپاہیوں کے ساتھ بحث
اُس نے نیزہ ہاتھ سے پرے پھینک دیا۔ سپاہی کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اُ
نے تلوار نکال کر دوسرے سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ اس جاسوس کو یہیں ختم کر
چاروں سپاہی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن بھلا عنبر کا وہ کیا بگاڑ سکتے تھے۔
اس لئے کہ عنبر کا وقت ضرور ضائع کر رہے تھے۔ کیونکہ اُدھر ہینی بال کی فوج
ایک حصہ شہر میں داخل ہو کر لوٹ مار کرنے اور آگ لگانے میں مصروف تھا۔

عنبر نے ایک نیزہ کھینچ لیا اور اس میں دو سپاہیوں کو پرو ڈالا۔ دوسر
سپاہی دہشت زدہ ہو گئے۔ کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس شخص پر تلوار کے وا
بیکار جا رہے ہیں۔ دونوں ڈر کر بھاگ گئے۔ وہ یہی سمجھے کہ آدھی رات کو بھوت
آ گیا ہے۔ عنبر وہاں سے بھاگتا ہوا جنگل میں داخل ہو گیا۔ پھر اُس کنوئیں کے کنا
آ گیا جس میں اُس کی اڑن طشتری پڑی تھی۔

وہ رسی کی سیڑھی سے اُتر کر اڑن طشتری میں داخل ہو گیا۔

اُس نے اندر داخل ہوتے ہی بٹن دبا دیا۔ دروازہ اپنے آپ بند ہو چکا تھ
بٹن دبانے سے اڑن طشتری کنوئیں کی تہہ سے اوپر اٹھنا شروع ہو گئی۔ جب کن
سے باہر نکل آئی تو عنبر نے سیٹ پر بنس کے آگے بیٹھتے ہوئے تھراٹل کو پیچھے کر دیا۔

طشتری ذرا ٹیڑھی ہو کر جنگل کے درختوں سے اوپر آ گئی اور پھر وہ میدا
جنگ کی طرف پرواز کرنے لگی۔ اُس کے نیچے سے بڑی تیز روشنی نکل کر ایک بہت

دائرے کی شکل میں زمین پر پڑ رہی تھی۔ میدان جنگ میں بڑے زوروں پر لڑائی
ہو رہی تھی۔ ہاتھیوں گھوڑوں اور سپاہیوں کا ایک شور مچا تھا قلعے کا دروازہ آدھا
توڑ دیا گیا تھا۔ بادشاہ کے سپاہی جان کی بازی لگا کر لڑ رہے تھے۔ مگر ان کی تعداد
بہت کم تھی۔ ہینی بال کے سپاہی بے شمار تھے۔

دن کی روشنی ہو رہی تھی۔ قلعے کی دیوار کے نیچے سپاہیوں کی لاشیں پڑی تھیں
اچانک ہینی بال نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اُسے دور سے ایک عجیب سی گونج سنائی
دے رہی تھی۔ ایسی گونج کی آواز اُس نے زندگی میں کبھی نہیں سُنی تھی۔

"یہ کیسی آواز ہے؟"

اُس نے اپنے وزیروں سے کہا جو گھوڑوں پر سوار اُس کے پاس ہی کھڑے
تھے۔ سب کے سب آسمان کی طرف تکنے لگے۔ دُور آسمان پر ایک گول چاندی کی تھالی
سی آگے بڑھتی چلی آ رہی تھی جس کے نیچے سے بڑی تیز نیلی روشنی نکل رہی تھی۔

"یہ کیا شے چلی آ رہی ہے؟" ہینی بال نے کہا۔

سب کے رنگ فق ہو رہے تھے۔ ہینی بال بھی اُس آسمانی بلا کو دیکھ کر پریشان
ہو رہا تھا۔ انہوں نے سوائے پرندوں کے دنیا کی اور کوئی شے اُڑتے ہوئے نہیں دیکھی
تھی۔ اڑن طشتری ایک زناٹے کی طرح اُن کے سروں پر سے گزر کر آگے میدان
کی طرف نکل گئی جہاں ہینی بال کی فوجیں لڑ رہی تھیں۔

ہینی بال نے چیخ کر تلوار لہرائی۔

"خدائے زیوس! یہ بلائے ناگہانی کیا ہے؟"

کئی وزیر گھوڑوں پر سے گر پڑے۔ ہاتھیوں نے روشنی دیکھی تو ڈر کر ایک طرف

کر بھاگے۔ گھوڑے بدک گئے اور سوار نیچے گر پڑے۔ پتھر پھینکنے والی مشینیں قلعے کی دیوار پر برابر پتھر پھینک رہی تھیں۔ اڑن طشتری اُن کے اوپر آ کر رک گئی پھر اُس میں سے سرخ رنگ کی ایک تیز شعاع دھماکے کے ساتھ نکلی اور مشین پر گری ایک پٹاخہ سا پھٹا اور مشین جل کر بھسم ہو گئی۔ اسی طرح دوسری مشین پر سرخ شعاع گری اور وہ بھی جل کر بھسم ہو گئی۔ ساتھ ہی سپاہی بھی جل کر راکھ ہو گئے۔ اڑن طشتری نے ساری مشینوں کو جلا کر خاک کر دیا۔

ہینی بال گھوڑا بھگانے لگا۔ سواروں نے اُسے روک دیا۔

"حضور! وہاں جانا خطرناک ہو گا!"

اڑن طشتری اب دشمن کے سپاہیوں کے اوپر گھوم رہی تھی اور بار بار سرخ شعاع نیچے پھینک رہی تھی۔ اس شعاع سے دشمن کے سپاہی ہاتھی اور گھوڑے جل کر خاک ہو رہے تھے۔ سپاہیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ قلعے کے اوپر کھڑے بادشاہ کے سپاہی بھی اس طشتری کو دہشت زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے جو اُن کی مدد کر رہی تھی اور اُن کے دشمنوں کو ہلاک کر رہی تھی۔ بادشاہ نے جب سنا کہ آسمان سے کوئی طشتری اُن کی مدد کو آ گئی ہے تو وہ بھی قلعے کی فصیل پر آ گیا اور بُرج میں سے اڑن طشتری کی تباہی کا تماشہ دیکھنے لگا۔

وہ خوش بھی تھا اور حیران بھی تھا۔ اُس کے وزیر بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سارا کھیل دیکھ رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے اُن کا دشمن تباہ ہو رہا تھا۔ سپاہی، ہاتھی، گھوڑے اور پتھر پھینکنے والی مشینیں جل کر راکھ ہوتی جا رہی تھیں۔ ماریا اور ناگ بھی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ بادشاہ نے ناگ

سے کہا۔

"یہ ضرور ہمارا دیوتا عنبر ہے!"

ناگ نے کہا۔

"اس کے سوا اور کون ہو سکتا ہے؟"

بادشاہ کے چہرے پر دہشت بھی تھی۔ اُس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"کہیں یہ طشتری ہمارے قلعے کی فصیل کو نہ برباد کر دے!"

ناگ نے کہا۔

"عنبر احمق نہیں ہے۔ وہ دوست اور دشمن میں تمیز کر سکتا ہے!"

ہینی بال بھی خیمے کے باہر ایک ٹیلے کی اوٹ میں گھوڑے پر سوار اپنے لشکر کی تباہی دیکھ رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ گھوڑے سے اُتر کر خیمے میں آ گیا اور اپنے دیوتا زیوس کے بت کے آگے جھک کر بولا۔

"عظیم دیوتا! میری مدد کرو۔ دشمن کے دیوتاؤں نے میرے لشکر پر حملہ کر دیا ہے۔ وہ میری فوج کو تباہ برباد کر رہے ہیں۔ میری مدد کو آؤ۔ نہیں تو تمہارا نام لینے والا اس دنیا میں کوئی نہیں ہو گا!"

مگر ایک مٹی کا بت ہینی بال کی کیا مدد کر سکتا تھا بھلا؟ عنبر کی اڑن طشتری جدید سائنس کی روشنی میں تیار کی گئی تھی۔ اُسے تو کوئی سائنس کی رُو سے ہی شکست دے سکتا تھا۔ لیکن ہینی بال کے زمانے میں سائنس کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں تھا۔ ہینی بال خیمے سے باہر آ گیا اور خوفزدہ نگاہوں سے اڑن طشتری کو دیکھنے لگا جو

غوطے لگا لگا کر اُس کے فوجیوں کو چُن چُن کر ہلاک کر رہی تھی۔ میدان میں جگہ جگہ
آگ لگی تھی۔ ہاتھی گھوڑے چیختے شور مچاتے بھاگ رہے تھے۔ ہر طرف افراتفری
اور موت کا کھیل شروع تھا۔ لشکر کے سپاہی جدھر منہ اُٹھا بھاگ رہے تھے۔
ہینی بال کے سپہ سالار نے آگے بڑھ کر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"حضور! فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دے دیں نہیں تو ایک بھی سپاہی زندہ
نہیں بچے گا!"

ہینی بال نے ہاتھ اُٹھا کر پسپائی کا حکم دیا اور پاؤں زور زور سے زمین پر
مارتا اپنے خیمے میں چلا گیا۔ اُسی وقت فوجوں کی پسپائی کا بگل بجا دیا گیا۔ یہ تو
ایک رسم پوری کی گئی تھی ورنہ فوج تو پہلے ہی بھاگ رہی تھی۔ بگل کی آواز سن کر
جو بچے کھچے سپاہی بچے ہوئے تھے اور اڑن طشتری کے حملوں سے محفوظ تھے وہ
بھی بھاگ اُٹھے۔

تھوڑی ہی دیر میں میدان خالی ہو گیا۔ سوائے سپاہیوں کے جلے ہوئے
ڈھانچوں اور ہاتھی گھوڑوں کی سیاہ ہڈیوں کے وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ دشمن
کے جو سپاہی قلعے کے اندر داخل ہو چکے تھے انہیں گرفتار کر کے قیدی بنا لیا گیا۔
ہینی بال اپنے وزیروں، سپہ سالاروں اور کمانڈروں کو لے کر برق رفتار گھوڑوں
پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگ گیا۔ بادشاہ، ناگ، ماریا اور دوسرے درباری قلعے کی
فصیل سے دشمن کی تباہی اور ہینی بال کے فرار کا سارا منظر دیکھ رہے تھے۔
میدان بالکل ویران ہو گیا۔

میدان میں ہاتھی، گھوڑوں اور سپاہیوں کی جلی ہوئی لاشیں تھیں اور خ...

اکھڑے پڑے تھے۔ جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ عنبر نے اپنا کام ختم کر کے
اڑن طشتری کو دوبارہ واپس جنگل کی طرف موڑا اور کنوئیں میں لے جا کر چھپا دیا
پھر وہ کنوئیں سے باہر نکلا اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر واپس قلعے میں آ گیا۔ قلعے
میں سپاہیوں، درباریوں، امیروں، وزیروں اور شہریوں نے اس کا نعرے لگا
لگا کر پُرجوش خیر مقدم کیا۔ اُس پر پھولوں کی بارش کی گئی۔

بادشاہ اور ملکہ نے بھی آگے بڑھ کر عنبر کا استقبال کیا۔ ملکہ بھی عنبر کی زبردست
طاقت کی قائل ہو گئی تھی۔ مگر وہ اپنے مقصد میں ناکام ہو چکی تھی۔ اب اُس کا بیٹا
تخت کا وارث نہیں بن سکتا تھا۔ اُسی رات فتح کی خوشی میں شاہی محل میں ایک
شاندار دعوت دی گئی۔ ہر طرف خوشیاں برس رہی تھیں۔ ماریا، ناگ اور عنبر
ایک الگ بارہ دری میں بیٹھے پھل وغیرہ کھا رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ ماریا
کو کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں بادشاہ عنبر کے پاس آیا اور بڑے ادب اور
محبت سے بولا۔

"عظیم دیوتا! میرے اُمرا اور وزیروں کی خواہش ہے کہ آپ دونوں بھائی اُن
کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول کریں!"

عنبر نے کہا۔

"انہیں یہاں بلا لیں!"

بادشاہ نے کہا۔

"وہ تو خود حاضری دینے کو تیار تھے لیکن میں نے اس خیال سے روک دیا کہ
کہیں یہ گستاخی نہ خیال کی جائے!"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ انہیں یہاں بلا لیں۔"

بادشاہ تھوڑی دیر میں اپنے درباریوں کے ساتھ آ کر عنبر اور ناگ کے پاس چاندی کی آرام کرسیوں پر بیٹھ گیا اور باتیں شروع ہو گئیں۔ اُن میں اُشتر نام کا ایک امیر بھی تھا جو اندر سے ملکہ کے ساتھ ملا ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ بادشاہ کا تخت اُلٹ کر ملکہ کے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا جائے۔ اُشتر کو ملکہ نے خاص طور پر اس کام پر لگایا تھا کہ وہ عنبر کی طاقت کا راز معلوم کرے تاکہ اُسے شکست دی جا سکے۔

اُشتر نے عنبر سے باتیں شروع کر دیں اور باتوں باتوں میں اڑن طشتری کا راز معلوم کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

عنبر نے کہا۔

"اڑن طشتری ایک آسمانی طاقت ہے۔ اس راز کو سوائے میرے اور کوئی نہیں جان سکتا اور آپ لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ بہتر یہی ہے کہ اڑن طشتری کے بارے میں آپ سوچنا چھوڑ دیں۔ آپ کا چھوٹا دماغ اڑن طشتری کے بھید کو نہ سمجھ سکے گا۔"

بادشاہ نے کہا۔

"عنبر دیوتا ٹھیک کہتا ہے۔ ہمیں اس موضوع پر دوبارہ گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔"

لیکن عنبر اور ناگ سمجھ گئے کہ اُشتر اڑن طشتری کا بھید کیوں معلوم کرنا چاہتا تھا۔ انہیں شک ہوا کہ یہ شخص ملکہ کا آدمی ہو سکتا ہے۔ عنبر کو اتنا پتا چل چکا تھا کہ ملکہ اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانا چاہتی ہے جس کی وجہ سے وہ بادشاہ کے بھی خلاف

ہے اور اپنے بیٹے کو تخت کا وارث بنانے کی خاطر وہ بادشاہ کو بھی ہلاک کروا سکتی ہے۔

اسی رات ملکہ کی خوابگاہ میں امیر اُشتر اندھیری راہداری سے ہوتا ہوا آیا اور اس نے ملکہ کو ساری صورت حال سے باخبر کیا۔ ملکہ نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے اس طریقے سے ہم اڑن طشتری کے راز کو نہ پا سکیں گے لیکن میں سوچتی ہوں کہ ہمیں راز کو معلوم کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اس اڑن طشتری کو تباہ کر دیا جائے۔ کیونکہ یہی بادشاہ کی طاقت ہے۔ سب سے بڑی طاقت ہے اور یہی ہمارے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔"

اُشتر بولا۔

"مگر اُسے کس طریقہ سے تباہ کیا جائے؟"

ملکہ نے پوچھا۔

"یہ شخص اڑن طشتری کو لے کر گیا کہاں تھا؟"

"یہ کسی کو معلوم نہیں ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اُس نے ضرور اڑن طشتری کو کسی نہ کسی جگہ رکھا ہو گا۔ تم یہ معلوم کرو کہ عنبر نے اڑن طشتری کس جگہ رکھی ہوئی ہے۔ پھر اُسے ہر طریقے سے تباہ کر دو۔ تاکہ بادشاہ کا سب سے زیادہ طاقت ور بازو ٹوٹ جائے اور ہم تخت پر قبضہ کر لیں۔"

اُشتر بولا۔

"میں صبح اڑن طشتری کی کھوج میں اپنے خاص آدمی روانہ کروں گا۔"

ملکہ نے کہا۔

"آدمی بھروسے کے ہونے چاہئیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت سے پہلے ہی ہمارا راز فاش ہو جائے"

اُشتر مسکرایا۔

"ملکہ عالم! اُشتر نے کبھی گڑیاں نہیں کھیلیں۔ آپ بے فکر رہیں۔ میرے آدمی خاص آدمی ہیں۔ وہ مر جائیں گے مگر اپنا راز کسی پر ظاہر نہیں کریں گے"

"ٹھیک ہے۔ صبح اُٹھتے ہی پہلا کام یہی کرو اور پھر مجھے یہ خوشخبری سناؤ کہ تم نے اُڑن طشتری کو برباد کر دیا ہے"

"ایسا ہی ہو گا"

اُشتر چلا گیا۔

ملکہ اپنے بیٹے کو بادشاہ بنانے کے خواب دیکھنے لگی۔

دوسرے روز آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور دن نکلتے ہی ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی۔ ماریا، ناگ اور عنبر اپنے محل میں بیٹھے ناشتے سے فارغ ہو کر آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ناگ نے عنبر سے کہا کہ وہ بادشاہ کو کہے کہ غریب رعایا میں دولت تقسیم کرے اور ان کو زمینیں مفت دی جائیں۔

ماریا بولی۔

"بادشاہ کو اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیئے"

عنبر مسکرایا۔

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ بادشاہ نے کل رات ہی یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ تمام غریب کسانوں میں زمین مفت بانٹ دی جائے اور ہر غریب آدمی کو دس اشرفی

ماہانہ وظیفہ حکومت کی طرف سے ملے گا"

ماریا اور ناگ خوش ہو کر بولے۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ دس اشرفی ماہانہ بڑا کافی وظیفہ ہے اس طرح سے تو اس شہر کے سارے غریب خوشحال ہو جائیں گے"

"ہمارا مقصد بھی یہی تھا کہ اس شہر کے غریب خوشحال ہو جائیں اور کوئی بے چارہ فاقہ کشی کی زندگی بسر نہ کرے"

ماریا بولی۔

"میرا خیال ہے ہینی بال اپنی شکست کا بدلہ لینے ضرور آئے گا"

عنبر نے کہا۔

"جب تک اس کے جاسوس اُسے خبر دیتے رہیں گے کہ ہم یہاں ہیں وہ حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ جس دن ہم اُڑن طشتری لے کر یہاں سے چلے گئے اس کے دوسرے دن ہینی بال اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا"

ناگ نے کہا۔

"اس اعتبار سے تو ہمیں یہاں سے کبھی بھی نہیں جانا چاہیئے"

ماریا بولی۔

"یہ تو ناممکن بات ہے۔ ہمیں یہاں سے واپس اپنی دنیا میں بھی جانا ہے"

عنبر کہنے لگا۔

"سوال یہ ہے کہ ہم واپس اپنی دنیا میں کیسے جائیں گے؟ خدا جانے یہ کون سیارہ ہے جس کی زمین پر ہم آگئے ہیں؟ خدا جانے ہماری زمین یہاں سے کتنی

ہے؟ اور ہم اپنی اڑن طشتری پر وہاں پہنچ بھی سکیں گے کہ نہیں؟"
ناگ نے کہا۔

"بہرحال ہمیں کوشش تو کرنی ہوگی۔ ہم اپنے سائنس کے زمانے میں واپس جانا
چاہتے ہیں۔ اس پرانے زمانے میں ہم کب تک زندگی بسر کر سکیں گے؟"
عنبر بولا۔

"ٹھیک خیال ہے۔ کوشش کریں گے۔ ضرور کریں گے اور میرا خیال ہے
کہ ہم کامیاب بھی ہو سکتے ہیں۔ خلا میں پہنچ کر ہمارا رابطہ کسی نہ کسی سیارے
سے ضرور ہو جائے گا۔ وہ ہماری رہنمائی کر سکے گا لیکن یہاں بیٹھ کر تو ہم کچھ بھی
نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ یہ سیارہ ہمارے زمانے سے بہت پیچھے ہے ہزاروں
سال پیچھے ہے۔"
ماریا بولی۔

"تو پھر ہم یہاں بیٹھ کر وقت کیوں ضائع کریں؟ ہمیں یہاں سے اب
نکل چلنا چاہیئے۔"

"ماریا کا خیال مناسب معلوم ہوتا ہے۔" ناگ نے کہا۔ "ہمیں یہاں سے نکل
جانا چاہیئے۔"
عنبر نے کہا۔

"بہتر ہے۔ اگر آپ لوگ یہی چاہتے ہیں تو ہم دو ایک دن میں یہاں سے
کوچ کر جائیں گے۔ اس اڑن طشتری میں اتنی طاقت ہے کہ وہ خلا میں ہمیں
کسی سمت بھی لے جا سکتی ہے۔"

ادھر کوچ کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف ملکہ کا خاص آدمی
اُشتر اپنے خاص آدمیوں کو اڑن طشتری کی تلاش میں روانہ کر رہا تھا۔ یہ دونوں
سراغ رساں اُشتر کے بڑے ماہر سراغ رساں تھے اور اڑتی چڑیا کے پر گن
لیا کرتے تھے۔ اُشتر نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ ساری بات کو راز میں رکھیں
اور ہر حالت میں اڑن طشتری کے ٹھکانے کو تلاش کرنے کے بعد اُسے اُسی
جگہ تباہ کر کے واپس آئیں۔

•

دو جاسوس

•

دونوں جاسوس اس طرف کو چل پڑے جدھر انہوں نے جنگ کے روز اڑن طشتری کو جاتے دیکھا تھا۔ ان کو یقین تھا کہ جدھر اڑن طشتری آخری بار جاتی دیکھی گئی تھی ادھر ہی کہیں عنبر نے اُسے چھپا کر رکھا ہوگا۔ ویران میدان سے گزر کر آگے جنگل آگیا جو ندی کے ساتھ ساتھ دور تک چلا گیا تھا۔ اس جنگل میں چھوٹے چھوٹے ٹیلے بھی تھے جن پر جنگلی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ ہینی بال کے زمانے کے یہ بڑے مکار اور مشہور جاسوس تھے وہ گھوڑے کے سموں کے نشان دیکھ کر بتا دیا کرتے تھے کہ یہ کس نسل کا گھوڑا ہے اور اُس کا وزن کتنا ہے۔

لیکن مصیبت یہ تھی کہ اڑن طشتری کے پاؤں کے نشان نہیں تھے۔ وہ تو آسمان پہ اڑتی ہوئی جنگل میں کسی جگہ غائب ہوگئی تھی۔ پھر بھی وہ پوری طرح کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح سے انہیں اڑن طشتری کا سراغ مل جائے۔ آج سے تین ہزار سال پہلے کے انسان تھے۔ اندر سے ڈرتے بھی تھے کہ کہیں اچانک آسمان سے اڑن طشتری نمودار ہو کر ان کو بھسم نہ کر ڈالے۔ وہ قدم قدم پر ادھر اُدھر دیکھتے آگے بڑھتے گئے۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی اب رک گئی تھی۔ آسمان اُسی طرح بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ دونوں جاسوس کمر کے ساتھ تلواریں لگائے ہوئے تھے اور بڑے چوکس تھے ایک ایک خنجر انہوں نے ہاتھوں میں بھی پکڑ رکھا تھا کہ ذرا کہیں خطرہ ہو تو فوراً حملہ

کردیں۔ وہ زمین کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے کہ اڑن طشتری کے نیچے اترنے سے کہیں ہوا کے دباؤ کی وجہ سے جھاڑیاں جھکی ہوئی تو نہیں ہیں۔ انہیں بھی معلوم تھا کہ یہ شے جہاں کہیں بھی اتری ہوگی وہاں ہوا کا دباؤ بڑھ گیا ہوگا اور گھاس پھوس ادھر اُدھر اُڑی ہوگی۔

ایک جاسوس اچانک رک گیا اور ایک جھاڑی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"اُسے غور سے دیکھو!"

دوسرے جاسوس نے جھاڑی کو دیکھا۔ بارش میں بھیگی ہوئی جھاڑی اپنی جگہ سے اکھڑ کر دور جا گری تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ تیز ہوا کا کرشمہ تھا۔ جبکہ صبح سے وہاں تیز ہوا بالکل نہیں چلی تھی۔ دوسرا جاسوس کہنے لگا۔

"ہمارا دشمن یہیں کہیں ہے!"

انہوں نے ارد گرد کی زمین کو کھنگالنا شروع کر دیا۔

جاسوس واقعی عقابی نظریں رکھتے ہیں۔ انہوں نے ٹھیک جگہ تلاش کر لی تھی۔ اُن سے تھوڑی دور ہی وہ کنواں تھا جس کے اندر اڑن طشتری چھپی ہوئی تھی۔ آخر وہ تلاش کرتے اور کھوج لگاتے اس کنوئیں کے پاس پہنچ گئے۔ کنواں جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ پھر بھی انہوں نے جھانک کر نیچے دیکھا تو انہیں اڑن طشتری تہہ کے ساتھ لگی ہوئی صاف نظر آگئی۔

"وہ مارا!" ایک جاسوس نے خوش ہو کر خنجر ہوا میں لہرایا۔

"آخر ہم نے دشمن کو تلاش کر لیا۔ اب ہم اُشتر سے بھاری انعام حاصل کر لیں گے!"
دوسرے جاسوس نے جلدی سے کہا۔

"خاموش! ہو سکتا ہے اس خوفناک بَلا کے اندر کوئی ہماری باتیں سن رہا
ہو۔ اب سوچنا یہ ہے کہ اِسے کس طریقے سے تباہ کیا جائے؟"
وہ دیر تک کنارے کی جھاڑیوں میں بیٹھے غور کرتے رہے۔ آخر ایک بولا۔
"ہمیں نیچے اُتر کر اس بَلا کے اندر جانا چاہیئے۔"
دوسرا بولا۔
"اس میں ہماری جان کا خطرہ ہے۔"
"تو پھر کیا کریں؟"
میرا خیال ہے ہم کنوئیں میں گھاس پھونس اور خشک لکڑیاں ڈال کر آگ
لگا دیتے ہیں۔"
"یہ ترکیب اچھی ہے۔"
انہوں نے اِدھر اُدھر سے خشک گھاس اور خشک لکڑیاں اکٹھی کرنی شروع
کر دیں۔ کافی دیر بعد انہوں نے بہت سی لکڑیاں اکٹھی کر لیں اور انہیں کنوئیں میں
پھینکنا شروع کر دیا۔ اڑن طشتری کی چھت ایک ایسی دھات کی بنی ہوئی تھی
کہ اگر اس پر بڑے بڑے پتھر بھی پوری طاقت سے [illegible] جاتے تو کوئی اثر
نہ پڑتا۔ اپنے خیال کے مطابق جب وہ کافی لکڑیاں اور گھاس کنوئیں میں پھینک
چکے تو انہوں نے دو پتھروں کو رگڑ کر آگ کی چنگاری سے خشک گھاس کے گچھے میں
آگ لگائی اور کنوئیں میں پھینک دی۔
کنوئیں میں خشک گھاس نے آگ پکڑ لی۔ لیکن پھر ایسا ہوا کہ آسمان پر
بادل زور سے گرجے اور تیز بارش شروع ہو گئی۔ دیکھتے دیکھتے کنوئیں میں جلتی آگ

بجھ گئی۔ دونوں پریشان ہوئے کہ اب کیا کریں؟
"ہمیں نیچے اُتر کر اس بَلا کے اندر جا کر آگ لگانی چاہیئے۔"
"سوچ لو۔ کیا اس میں خطرہ نہیں ہے؟"
"اگر خطرے کی بات ہوئی تو اوپر آ جائیں گے۔"
"تو پھر چلو۔"
دونوں ایک رسّی کی مدد سے کنوئیں کے اندر اُتر گئے۔
اڑن طشتری کا دروازہ بند تھا۔ انہوں نے اس کے گرد ایک چکر لگایا۔ کوئی
جگہ اندر جانے کی نہیں تھی۔ اچانک ایک جاسوس کی نگاہ ایک سیاہ بٹن پر پڑ گئی
کہنے لگا۔
"ضرور اس سیاہ بٹن میں کوئی بات ہے۔"
اور اُس نے بٹن دبا دیا۔ دوسرے جاسوس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔
اُس کا خیال تھا شاید کوئی دھماکہ ہو۔ گو بٹن دبانے سے اڑن طشتری کا دروازہ کھل
گیا۔ اُن کے سامنے اندر کا منظر تھا۔ کمپیوٹر، مشینیں، ڈائیل اور چمکتی ہوئی چاندی
ایسی چھت۔ دونوں نے ڈرتے ڈرتے اندر قدم رکھا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر
دھڑکتے دلوں کے ساتھ اندر کی مشینوں کو تعجب سے تکنے لگے۔
اُن کے چہرے پر دہشت سی تھی۔ وہ خوف زدہ تھے کہ یہ کیا شئے ہے جہاں
وہ آ گئے ہیں۔ پھر ایک جاسوس خشک لبوں پر زبان پھیر کر بولا۔
"یہ سب کیا ہے؟"
دوسرے نے سر ہلایا۔

"دیوتاؤں کو ہی معلوم ہو گا۔"

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کمرے میں مشینوں کے پاس جا کر انہیں غور سے دیکھنا شروع کر دیا۔ ایک جاسوس نے یونہی کسی لال بٹن کو دبا دیا۔ اُس کے دبتے ہی سامنے سکرین پر ستاروں کا منظر اُبھر آیا اس مشین میں ریکارڈ کی ہوئی ٹیپ تھی جو سکرین پر چلنے لگی۔ آسمان پر ستاروں کو چکر لگاتے اور چمکتے دیکھ کر وہ سہم کر پرے ہٹ گئے۔

"بٹن پھر سے دبا دو نہیں تو آسمان زمین پر آ جائے گا۔"

اُس جاسوس نے جلدی سے بٹن دبا دیا۔ پروجیکٹر رُک گیا اور سکرین پر سے منظر غائب ہو گیا۔

"ان باتوں کو چھوڑو۔ جتنی جلدی ہو سکے اس بَلا کو تباہ کر کے یہاں سے بھاگ چلو۔"

دوسرا جاسوس بولا۔

"یہاں آگ کیسے لگائیں۔"

"میں پتھر اور گھاس ساتھ لایا ہوں۔"

اُس نے جلدی سے پتھروں کو رگڑ کر آگ پیدا کی اور خشک گھاس کو لگا کر اُسے مشینوں پر پھینک دیا۔ مگر آگ یہاں کیا کر سکتی تھی؟ گھاس جل کر بجھ گئی۔

"ایک بار پھر کوشش کرو۔ اِس دفعہ آگ وہاں لگاؤ۔"

سامنے ایک شیشے کا سلنڈر تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ یہ کوئی ریشمی پردہ ہے انہوں نے سلنڈر پر آگ پھینکی تو اچانک حرارت کی وجہ سے کمپیوٹر کی ٹیپ نے چلنا شروع کر دیا۔ کمرے میں آواز گونجی۔

ہیلو! ہیلو چارلی! ہیلو چارلی! الکا سمک ۱۷ ڈگری ۵° ۴

ہیلو چارلی! میں خلا سے بات کر رہا ہوں۔ ہیلو۔۔۔"

اس آواز پر دونوں خوفزدہ ہو کر دیوار کے ساتھ لگ گئے۔ ایک جاسوس دیوار سے کچھ اس طرح سے ٹکرایا کہ ایک ٹائیل پر گر پڑا۔ اُس کے گرنے سے ایک خفیہ بٹن دب گیا اور اڑن طشتری کا دروازہ بند ہو گیا۔ وہ دروازے کی طرف بھاگے۔ انہوں نے اُسے کھولنے کی بہت کوشش کی مگر دروازہ تو بالکل دیوار بن گیا تھا۔ ذرا بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

"اب کیا کریں۔ ہم تو یہاں قید ہو گئے ہیں۔ اب ہم نے یہاں آگ لگائی تو ہم بھی ساتھ ہی جل مریں گے۔"

دوسرے جاسوس نے کہا۔

"ہمیں یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"

"کیا کوشش کر سکتے ہیں؟"

انہوں نے اڑن طشتری کے گول کمرے میں گھوم پھر کر دیکھا۔ وہاں کوئی ایسی شے نہیں تھی جس سے دروازہ توڑا جا سکتا۔ آخر انہوں نے اپنی تلواریں نکال کر دروازے کو کوٹنا شروع کر دیا۔ مگر تیسرے چوتھے وار پر ہی ان کی تلواریں ٹوٹ کر گر پڑیں۔ خالی دستے ان کے ہاتھ میں رہ گئے۔ طشتری کی دیواریں مضبوط سٹیل کی بنی ہوئی تھیں۔ اُن پر تلوار کا ذرا سا نشان بھی نہ بن سکا۔

"اب کیا ہو گا؟"

یہ دونوں جاسوس جنہیں ملک کے خاص آدمی اُشتر نے اڑن طشتری کو تباہ کرنے

کے لئے بھیجا تھا اڑن طشتری میں قید ہو کر رہ گئے تھے۔ دوسری طرف عنبر ناگ
کو ساتھ لے کر کنوئیں پر آ گیا کہ اڑن طشتری کو روانگی کے لئے تیار کیا جائے۔ انہوں
نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ کنوئیں پر آ کر جو عنبر نے جھانک کر
نیچے دیکھا تو پریشان ہو کر بولا۔

"یہ لکڑیاں اور گھاس کس نے نیچے پھینک دیں؟"

ناگ نے کہا۔

"اس میں آگ بھی لگائی گئی تھی جو بارش کی وجہ سے بجھ گئی۔"

عنبر نے کہا۔

"سوائے ملکہ کے اور کسی کی شرارت نہیں ہو سکتی۔ ملکہ نے اڑن طشتری تباہ
کروانے کی کوشش کی ہو گی۔ وہ ہینی بال سے مل کر اپنے بیٹے کو تخت کا وارث
بنانا چاہتی ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ یہاں تک آگ لگانے والے کیسے پہنچے؟ اور اب وہ
کہاں ہیں؟"

عنبر بولا۔

"پہنچ تو سکتے تھے۔ آخر تلاش کرتے کرتے یہاں تک آ گئے ہوں گے انہوں
نے آگ لگانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ سوال دوسرا بڑا اہم ہے کہ وہ
لوگ اب کہاں ہیں؟"

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے آگ لگانے میں ناکام ہو کر یہاں سے بھاگ گئے ہوں گے۔"

"کم بختوں نے ہماری اڑن طشتری کا ٹھکانہ تلاش کر لیا۔ یہ بڑی بات
ہوتی ہے۔"

"وہ اس کا کیا بگاڑ لیں گے؟"

"پھر بھی یہ راز راز ہی رہتا تو اچھا تھا۔"

"بہرحال نیچے چل کر دیکھتے ہیں کہ اڑن طشتری کو اندر سے تو کوئی نقصان
نہیں پہنچا۔"

دونوں کنوئیں سے نیچے آ گئے۔ بٹن دبا کر دروازہ کھولا اور اندر چلے گئے۔
اندر کی فضا کچھ بدلی ہوئی تھی۔ فضا میں گھاس کے دھوئیں کی بو تھی۔ عنبر
نے سونگھ کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے اندر بھی کسی نے آگ لگانے کی کوشش کی ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"مگر وہ لوگ اندر کیسے آ سکتے تھے۔"

"کیا پتہ بٹن کو تلاش کر کے دروازہ کھول کر اندر آ گئے ہوں۔"

"اس کا مطلب ہوا کہ وہ اب بھی اندر ہی ہوں گے۔"

"نہیں۔ بھاگ گئے ہوں گے۔"

"انہیں تلاش کیا جائے۔"

عنبر نے اڑن طشتری کا دروازہ بند کر دیا۔ وہ سلنڈر کے پاس گئے
تو انہیں فرش پر سوکھا گھاس ملا جو تھوڑا سا جل کر بجھ گیا تھا۔

"یہ دیکھو۔ یہاں آگ لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔"

"کمال ہے بھائی! یہ کوئی بڑا بہادر اور مکار آدمی معلوم ہوتا ہے"

"فرش پر دو آدمیوں کے پاؤں کے نشان ہیں۔ یہاں دو آدمی ہیں" انہوں نے اڑن طشتری کی تلاشی لینے کی بجائے ایک بٹن دبا کر کمپیوٹر کو حکم دیا کہ وہ بتائے وہاں اور کون کون ہے؟ کمپیوٹر کی بتی جلی اور پھر آواز آئی۔

"سلنڈر کے پیچھے دو آدمی چھپے ہوئے ہیں"

عنبر اور ناگ لپک کر سلنڈر کے پیچھے گئے۔ وہاں دونوں جاسوس سہمے بیٹھے تھے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ عنبر اور ناگ سر پر آ گئے ہیں تو انہوں نے خنجر نکال کر اُن پر حملہ کر دیا۔ ہینی بال کے زمانے کے لوگ تلوار بازی اور خنجر بازی میں بڑے ہوشیار اور پھرتیلے ہوا کرتے تھے۔ اس اچانک حملے سے ناگ گھبرا گیا۔ کیونکہ اسے نقصان پہنچ سکتا تھا وہ پیچھے ہٹا۔ بھاگ کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ ایک جاسوس خنجر لے کر اس کی طرف بھاگا۔ ناگ نے گہرا سانس لیا اور ایکدم سے چڑیا بن کر اڑن طشتری کی چھت کے ساتھ لٹکے ہوئے راڈ پر بیٹھ گیا۔

ناگ کو ایکدم غائب ہوتا اور پھر چڑیا کے رُوپ میں بدلتا دیکھ کر جاسوس کے اپنے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ خنجر اس کے ہاتھ میں پکڑا ہی رہ گیا اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے چڑیا کو تکنے لگا۔ دوسرے جاسوس نے عنبر پر خنجر سے بھرپور وار کر دیا تھا۔ خنجر عنبر کے سینے میں لگا تھا مگر اُچٹ کر جاسوس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ وہ دوبارا خنجر

اٹھانے کے لئے جھکا تو عنبر نے اُس کی گردن پر ایک ہاتھ مارا۔ اس ہاتھ نے جاسوس کی گردن کو ٹکڑوں میں بدل دیا۔ جاسوس کی لاش فرش پر بے حس و حرکت پڑی تھی۔ دوسرے جاسوس نے اپنے ساتھی کا یہ انجام دیکھا تو گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ پھر کچھ سوچ کر خنجر لہراتا ہوا عنبر پر حملہ آور ہوا۔ عنبر نے اسے بازو سے پکڑ کر زور سے کھینچا۔ جاسوس سامنے والی دیوار سے جا کر زور سے ٹکرایا اور گر پڑا۔

عنبر اس کے سر پر جا پہنچا اور گردن پاؤں پر رکھ کر بولا۔

"تمہیں کس نے بھیجا تھا؟"

اسی اثنا میں ناگ بھی انسان کی شکل میں وہاں آ گیا تھا اور جاسوس اُسے ٹک ٹک تک رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"مجھے نہ مارو۔ میں ابھی بتاتا ہوں"

"جلدی بولو"

"ہمیں ــــ ہمیں ملکہ کے خاص وزیر اُشتر نے اس چیز کو تباہ کرنے کے لئے بھیجا تھا"

عنبر نے ناگ کی طرف رُخ پھیر کر کہا۔

"میرا اندازہ ٹھیک نکلا۔ یہ ساری سازش ملکہ کی ہے"

پھر وہ جاسوس کی طرف منہ کر کے بولا۔

"تمہارے ساتھی کی لاش باہر کنوئیں میں پھینک دی جائے گی مگر تمہیں ہم معاف کر دیں گے تاکہ تم ملکہ کو جا کر بتا سکو کہ پھر کبھی ہمارے

خلاف کوئی سازش کرنے کی کوشش نہ کرے۔ ورنہ اس کا انجام بھی
وہی ہوگا جو تمہارے ساتھی کا ہوا ہے۔"

جاسوس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ عظیم دیوتا ہیں۔ آپ میری جان بخشی کر کے مجھے اپنا غلام بنا لیا
ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا پیغام ملکہ تک پہنچا دوں گا۔"

"اب تم جا سکتے ہو۔"

ناگ نے عنبر سے کہا۔

"یہ اڑن طشتری کے راز کو فاش کر دے گا۔"

عنبر مسکرایا۔

"پھر کیا ہوگا۔ اب یہ راز راز نہیں رہنا چاہیئے۔ ہمیں اپنی طاقت
سب کو دکھانی چاہیئے۔ یہ لوگ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

انہوں نے جاسوس کو کنوئیں سے باہر نکال کر بھگا دیا۔

اس کے بعد وہ دیر تک اڑن طشتری کی مشینوں اور ڈائیلوں کو صاف
کرتے اور چیک کرتے رہے۔ ہر شے بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔

"میرا خیال ہے ہمیں اب یہاں سے کوچ کرنا چاہیئے۔ یہاں رہنے کا
اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"کیا ملکہ کو اس کی مکاری کا مزا نہ چکھایا جائے؟"

ناگ بولا۔

"اس کا بادشاہ کو صدمہ ہوگا۔ اگرچہ وہ ایک سازشی مکار عورت ہے

مگر بادشاہ کی بیوی ہے۔"

"اگر ہم نے اسے یونہی چھوڑ دیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ بعد میں بھی بادشاہ
کو نقصان پہنچائے۔"

"تو پھر یہ اس کی قسمت ہے۔ بادشاہ کو اتنا احمق بھی نہیں ہونا چاہیئے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم آج رات یہاں سے نکل چلیں گے۔"

یہ فیصلہ کر کے عنبر اور ناگ کنوئیں سے نکل کر سیدھے محل پہنچے اور
ماریا کو جا کر اپنے فیصلے کی خبر دی۔ ماریا بولی۔

"میں تمہارے فیصلے سے اتفاق نہیں کرتی۔"

"وہ کیوں؟" عنبر نے پوچھا۔

ماریا بولی۔

"وہ اس لئے کہ آپ لوگ ہوا میں تیر چلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خلا
میں ہر قدم پر خطرہ ہے۔ کیا معلوم ہماری اڑن طشتری خلا میں سفر کرتی
کسی سورج کی کشش کی زد میں آ کر بھسم ہو جائے۔ اور پھر ہمیں یہ
بھی یقین نہیں کہ ہمیں دوبارہ خلا میں کوئی اس زمین کی طرح کا پُرامن
سیارہ ملے گا کہ نہیں۔"

"تمہارا مطلب کیا ہے؟" ناگ نے پوچھا۔

ماریا نے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ہمیں اس پُرسکون دنیا کو چھوڑ کر بغیر کسی وجہ
کے خلا میں پرواز نہیں کرنا چاہیئے۔ کیا خبر خلا میں یہ اڑن طشتری کب تک

ہمارا ساتھ دے؟ کیا معلوم ہم کسی ایسی فضا میں پہنچ جائیں جہاں یہ اڑن طشتری تباہ ہو جائے اور شہاب ثاقب کی طرح آگ بگولا ہو کر فضا میں راکھ بن جائے اس طرح سے ہم بے شمار خطروں کو دعوت دے رہے ہیں۔ میں تو یہی کہوں گا کہ ہمیں اس دنیا میں رہ کر اپنی دنیا سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگرچہ ہم پرانے دور میں آ گئے ہیں۔ پھر بھی ہم اپنی دنیا کے سگنل اپنے سیٹ پر ضرور وصول کر سکتے ہیں۔ جبکہ خلا میں ایسا کرنا دشوار ہو گا کیونکہ خلا میں فضا نہیں ہے۔"

ماریا کی باتیں عقلمندی کی باتیں تھیں۔ دونوں عنبر اور ناگ سوچ میں پڑ گئے۔ ماریا کسی حد تک ٹھیک کہہ رہی تھی۔ ناگ نے سر اٹھا کر کہا۔

"ماریا کی باتیں غور طلب ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خلا میں بے شمار خطرے ہیں۔ ہم ایک اچھی بھلی دنیا کو چھوڑ کر خلا کے خطرات مول لے رہے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"لیکن ہم یہاں کب تک پڑے رہیں گے؟"

ماریا کہنے لگی۔

"یہاں ہم اپنی دنیا سے رابطہ پیدا کریں گے۔ اس کے بعد ہم یہاں سے راستے کی سمت مقرر کر کے روانہ ہوں گے تو بہتر ہو گا۔ یونہی خلا میں نکل جانا اچھا نہیں ہے۔ خلا تو ایک وسیع و بے کراں سمندر ہے۔ خدا جانے ہم کہاں جا کر بھٹک جائیں اور پھر ہمیں یہ

دنیا بھی دیکھنی نصیب نہ ہو۔"

ناگ نے کہا۔

"مجھے تو یوں لگتا ہے کہ ماریا کی باتیں سو فیصدی سچی ہیں اور ہمیں اس کے مشورے پر عمل کرنا چاہیئے اور پھر کوئی خبر نہیں کہ یہی ہماری اصلی دنیا ہو۔"

"کیا مطلب؟" عنبر نے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے ہم اپنی دنیا میں تین ہزار سال پیچھے آ گئے ہوں۔ کیونکہ آپ سب جانتے ہیں کہ وقت کوئی شے نہیں ہے۔ اور اس دنیا میں ہزاروں برس پہلے گزرے ہوئے واقعات اس دنیا کی فضا میں زندہ ہیں۔ انسان اگر چاہے تو واپس اس زمانے میں جا سکتا ہے جو زندہ زمانہ ہے اور جہاں ایک بار پھر پرانا کھیل دہرایا جا رہا ہے۔"

عنبر نے سر کھجا کر کہا۔

"بات تمہاری بھی بڑی معقول ہے ناگ! کچھ کچھ مجھے بھی لگتا ہے کہ یہ وہی ہماری دنیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہم تین ہزار برس پیچھے آ گئے ہیں۔"

ماریا نے کہا۔

"ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ بہرحال اس صورت میں بھی ہمارا اسی زمین پر رہنا بہتر ہے۔ اگر ایک بار ہم خلا میں نکل گئے تو پھر واپس کسی پرسکون سیارے پر اترنا بڑا مشکل ہو جائے گا۔"

عنبر نے کہا۔

"ایسی صورت میں ہمیں اس زمین پر بھی اپنے زمانے کے انتظار کے لئے تین ہزار برس تک زندہ رہنا ہوگا۔"

ناگ بولا۔

"یہاں زندہ رہنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم خلا میں جا کر ختم ہو جائیں۔ یا کسی ایسے سورج کے گرد گھومنا شروع کر دیں جہاں ہماری کبھی نجات نہ ہو سکے اور ابد تک اس کے گرد ہی گردش کرتے رہیں۔"

ماریا نے کہا۔

"اور پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس دنیا کے کسی خطے میں کوئی ایسا انقلاب آ جائے کہ ہم ایک بار پھر اپنے سائنسی زمانے میں پہنچ جائیں میرا مطلب ہے کہ کسی ایسے دروازے سے گذر جائیں جس کی دوسری جانب ہماری سائنسی دنیا آباد ہو۔"

عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا۔ جیسے اُسے ماریا کا خیال پسند آیا ہو۔

"بہتر ہے۔ ہم اسی کرۂ ارض پر اسی زمین پر رہیں گے۔ لیکن ہمیں اس شہر سے نکل جانا ہوگا۔ یہاں ہمارا راز فاش ہو چکا ہے۔ اگرچہ اس کا ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ پھر بھی میں نہیں چاہتا کہ کسی کو اُس جگہ کا علم ہو جائے جس جگہ ہماری اڑن طشتری محفوظ ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"ہمارے لئے یہاں کوئی خاص کشش نہیں ہے۔ ہمارے لئے تو اس دنیا کا ہر خطہ ایک جیسا ہے۔ میری طرف سے آج رات ہی یہاں سے نکل چلو۔"

ناگ بولا۔

"ہم کس طرف جائیں گے؟"

ماریا بولی۔

"یہاں سے نکل کر سوچا جائے گا۔ یہ دنیا بھی بڑی وسیع ہے۔"

بابل شہر سے کوچ کر جانے کا ارادہ کر کے تینوں بہن بھائی شاہی محل میں آ گئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد انہوں نے بادشاہ سے ملاقات کی اور اُسے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ بادشاہ بڑا پریشان ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ناگ اور عنبر اُسے چھوڑ کر چلے جائیں۔ مگر عنبر نے بتایا کہ اُن کا جانا بہت ضروری ہے۔

●

پُراسرار لوگ

•

ملکہ بڑی خوش ہوئی کہ عنبر وغیرہ وہاں سے جا رہے ہیں۔
کیونکہ اس کے راستے میں یہ لوگ ہی سب سے بڑی رکاوٹ تھے
عنبر کو اب ملکہ کی سازش سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ جانے اور اس
کا کام۔ بادشاہ کو دوسری شادی نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ اگر اُس نے
کر لی تھی تو اب سوتیلے بیٹوں کی پریشانیوں کو بھگتے۔ عنبر ماریا اور ناگ
کو اور بھی کام تھے۔ سب سے بڑا کام تو یہ تھا کہ وہ اپنی سائنس کی
ترقی یافتہ دنیا میں واپس جانا چاہتے تھے۔ ان کی سمجھ میں ابھی تک یہ
بات نہیں آئی تھی کہ ہزاروں سال پرانی تہذیب میں آ کر وہ دوبارہ
اپنی تہذیب میں کیوں کر واپس جائیں گے؟
آدھی رات کو انہوں نے بادشاہ سے رخصت لی اور اڑن طشتری
میں بیٹھ کر بابل شہر کے اوپر سے اڑتے ہوئے گذر گئے۔ شہر کے لوگوں
نے سہمی سہمی نظروں اور ڈرے ہوئے چہروں سے انہیں جاتے دیکھا۔
اڑن طشتری ابھی زمین سے تھوڑی سی اوپر اڑ رہی تھی۔ اُس میں سے
نیلے رنگ کی روشنی نکل کر نیچے زمین پر پڑ رہی تھی۔ ماریا نے کہا۔
"ہمیں اڑن طشتری کو کافی بلندی پر لے جانا چاہیئے۔ نیچی پرواز کی

وجہ سے یہاں کے لوگ پریشان ہوں گے"۔
چنانچہ اڑن طشتری کافی بلندی پر پہنچا دی گئی۔ دن نکلا تو عنبر
نے دیکھا کہ نیچے ایک سمندر پھیلا ہوا تھا جس میں بادبانی جہاز چل رہے
تھے۔ ناگ نے اپنی زمین کا نقشہ پھیلا کر دیکھا اور بولا۔
اس نقشے کے حساب سے ہم بحرالکاہل پر سے گذر رہے ہیں مجھے
اب یقین ہو گیا ہے کہ ہم اپنی ہی زمین پر ہیں"۔
ماریا نے کہا۔
"میرا بھی یہی خیال ہے"۔
عنبر بولا۔
"تو پھر ایکدم سے ہم چار ہزار سال پیچھے کس طرح آ گئے؟ ہمارا
سائنسی زمانہ کدھر چلا گیا؟"
ناگ نے کہا۔
"پرانی کتابوں میں کہیں لکھا ہے کہ گزرا ہوا وقت زندہ رہتا ہے
اور انسان کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہے۔ نئے اور پرانے زمانے کے بیچ
میں ایک دیوار ہوتی ہے۔ اگر انسان وہ دیوار پھاند جائے تو ہزاروں برس
پرانے زمانے میں پہنچ جاتا ہے اور اگر ہزاروں برس پرانے زمانے کا
کوئی شخص یہ دیوار پھاند لے تو وہ نئے دور میں آ جائے گا"۔
عنبر نے سر ہلا کر کہا۔
"ہو سکتا ہے یہ بات درست ہو۔ اس حساب سے ہم دیوار پھاند

کر پرانے زمانے میں آ گئے ہیں؟
"بالکل ایسا ہی ہوا ہے" ناگ نے جواب دیا۔
ماریا آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔
"سوال یہ ہے کہ اب ہم کس جگہ سے دیوار پھاندیں کہ نئے زمانے میں داخل ہو سکیں؟"
"بس اب اسی دیوار کی تلاش ہے"
عنبر نے کہا اور ہنس پڑا۔ پھر وہ اڑن طشتری کے گول سوراخ میں سے نیچے دیکھنے لگا۔
"اب ہم پہاڑوں کے اوپر سے گزر رہے ہیں۔ یہ تو ایک پہاڑی سلسلہ ہے۔ میرا خیال ہے جاوا سماٹرا فلپائن کے جوالا مکھی پہاڑ ہیں"
ماریا اور ناگ بھی نیچے تکنے لگے۔
"ایسا ہی لگتا ہے۔ ابھی ان میں سے کئی پہاڑوں کو پھٹنا ہے۔ کمال ہے۔ ہمیں ان تمام باتوں کا پہلے سے علم ہو گیا ہے جو ابھی ہونے والی ہیں"
ناگ ہنسا۔
"ہم دنیا والوں کے سامنے بڑی کامیاب پیشین گوئی کر سکتے ہیں"
عنبر نیچے تک رہا تھا۔
"اب پھر سمندر آ گیا ہے۔ میرا خیال ہے یہ بحر ہند ہے۔ شاید ہم یونان کی طرف جا رہے ہیں"
"مگر ابھی تو یونان کی تہذیب کا بچپن ہو گا۔ ابھی تو اُدھر مصر کی

تہذیب کا عروج ہے"
ناگ اور ماریا بھی اڑن طشتری کے سوراخ میں سے نیچے تکنے لگے۔
پھر عنبر نے ایک خاص سوئچ اون کیا اور سامنے سکرین پر نیچے زمین کی ساری رنگین تصویر آنے لگی۔ وہ زمین سے کافی بلندی پر تھے۔ زمین پر سے اگر کوئی انسان اڑن طشتری کو دیکھنے کی کوشش کرتا تو اُسے وہ ایک دھندلا سا دائرہ معلوم ہوتی جو ہولے ہولے آگے کو حرکت کر رہا ہو۔ اُس زمانے میں اتنی آبادی ہی نہیں تھی کہ لوگ کھیتوں اور میدانوں میں جمع ہوتے۔ سیکڑوں میلوں کے بعد کوئی چھوٹا سا شہر یا گاؤں آتا تھا۔
عنبر بولا۔
"میرا خیال ہے ہم اپنے آبائی ملک مصر کے اوپر سے گزر چکے ہیں"
ناگ نے کہا۔
"ہاں اب بحیرہ روم کے اوپر سے گزر رہے ہیں"
ماریا سکرین پر نظریں جمائے بولی۔
"اس سے پہلے بھی ہم اس دور سے گزر چکے ہیں۔ اب ایک بار پھر اس دور میں سے گزر رہے ہیں اس بار کا تجربہ بڑا دلچسپ ہے۔ پہلے تو ہم خود اس دور کے ساتھ ساتھ گزر رہے تھے۔ ہمیں بالکل علم نہیں تھا کہ کل کیا ہونے والا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ آگے کیا ہو گا کیونکہ ہم ایک بار یہ زمانہ گزار چکے ہیں۔ مثلاً ہمیں معلوم

ہے کہ پومپی کا آتش فشاں پہاڑ پھٹے گا اور پومپی آئی کا شہر نیست و نابود ہو جائے گا۔ ہمیں معلوم ہے کہ نیرو روم کو آگ لگا دے گا ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ قلو پیڑا خود کشی کر لے اور انطنی قتل کر دیا جائے گا بڑا دلچسپ معاملہ بن گیا ہے۔"

عنبر اور ناگ ہنس پڑے۔ عنبر نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں آنے والے حالات کا علم ہو چکا ہے لیکن ہمیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ ہمیں تاریخ کے واقعات کی زنجیر کو توڑنا نہیں ہوگا۔ اگر ہم نے انطنی کو کہہ دیا کہ وہ ہلاک ہو جائے گا اس لئے یہاں سے بھاگ جائے۔ اگر وہ بھاگ گیا تو تاریخ کا سارا سلسلہ تہس نہس ہو جائے گا۔ لہذا ہمیں خاموش رہنا ہوگا اور تاریخ کے بڑے بڑے واقعات میں دخل نہیں دینا ہوگا۔"

ماریا بولی

"یہ تو بڑی مشکل بات ہوگی۔ مثلاً ہمیں معلوم ہے کہ پوم پی آئی کا پہاڑ پھٹنے والا ہے۔ تو کیا ہم لوگوں کو اس تباہی سے آگاہ نہیں کریں گے؟ تاکہ لوگ اس کی بربادی سے بچ جائیں۔"

عنبر نے کہا۔

"ہم لوگوں کو تباہ ہونے سے بچانے کے لئے انہیں خبردار کر سکتے ہیں مگر پہاڑ کو پھٹنے سے نہیں روک سکتے۔ پہاڑ کا معاملہ دوسرا ہے۔ کیونکہ اگر ہم کوشش بھی کریں تو پہاڑ کو پھٹنے سے نہیں روک سکتے۔ مگر انطنی

کو اگر ہم نے اُس کی موت سے خبردار کر دیا تو ہو سکتا ہے وہ مصر چھوڑ کر بھاگ جائے۔ یوں تاریخ کا سلسلہ خراب ہو جائے گا۔ اس لئے ہمیں اس قسم کے واقعات میں دخل نہیں دینا ہوگا۔ ہاں آسمانی تباہیوں مثلاً زلزلہ، سیلاب، طوفان اور جوالا مکھی کے پھٹنے سے ہم لوگوں کو خبردار کر سکتے ہیں تاکہ جتنے آدمی ہماری بات مان کر بچ سکیں بچ جائیں۔"

ناگ نے کہا۔

"ویسے ہماری بات کوئی مانے گا نہیں اور یوں تاریخ کا تقاضا پورا ہو کر رہے گا۔"

عنبر بولا۔

"پھر ٹھیک ہے۔ لوگ اگر ہماری بات نہیں مانیں گے تو بے شک نہ مانیں اور مر جائیں۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

ماریا نے سکرین پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کس قدر گہرا نیلا سمندر ہے! جس سائنسی دور سے ہم نکل کر آئے ہیں اُس دور میں تو یہاں بڑے بڑے جنگی جہاز کھڑے تھے۔ دوسری جنگ عظیم لڑی جا رہی تھی۔ جرمنوں کے بمبار جہازوں پر بمباری کر رہے تھے اور سمندر کے کنارے آباد شہروں میں لمبی لمبی چمنیوں والے کارخانے تھے۔"

عنبر بولا۔

"ہاں! مگر اب دیکھو کہ یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ چار ہزار سال بعد یہاں ایٹمی آبدوزیں گھوم رہی ہوں گی اور جرمنوں کے جیٹ

بمبار بم برسا رہے ہوں گے۔"

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اسی جگہ اترنا چاہیئے۔ یہ علاقہ بڑا حسین اور خوشگوار موسم والا علاقہ ہے۔"

"معلوم نہیں کہ اس علاقے میں کون لوگ حکومت کرتے ہیں؟"

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ چھوٹے چھوٹے شہروں کے حکمران حکومت کر رہے ہوں گے۔ اس زمانے میں تو ہر شہر کا ایک الگ بادشاہ ہوتا تھا۔"

ماریا نے کہا۔

"ہمیں اسی جگہ کسی پہاڑی کے دامن میں اتر جانا چاہیئے۔ یہاں ہمیں اڑن طشتری کو چھپانے کے لئے اچھی خفیہ جگہ مل جائے گی۔"

"جیسی آپ لوگوں کی مرضی۔"

رات کا وقت تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ عنبر نے اڑن طشتری کے تھراٹل کو آگے کی طرف کھینچا اور اڑن طشتری نے ذرا ٹیڑھی ہو کر ایک چکر سا کاٹا اور پھر آہستہ آہستہ نیچے اترنا شروع کر دیا۔ اس اڑن طشتری کی آواز بہت کم تھی۔ وہ ٹیڑھی ہو کر ایک غوطہ لگاتے ہوئے بلند پہاڑوں کے درمیان میں آ گئی۔ پہاڑ پیچھے جا رہے تھے۔ یہ ایک درّہ تھا جس میں سے اڑن طشتری گزر رہی تھی۔ پھر ایک چھوٹی سی وادی آ گئی۔ یہ وادی ایک پیالے کی طرح تھی۔ اس کے دونوں جانب پہاڑیاں تھیں۔

ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی میں وادی میں اگے ہوئے درخت صاف نظر آ رہے تھے۔ عنبر نے اپنی نظریں سامنے سکرین پر جما رکھی تھیں۔ وہ اترنے کے لئے پہاڑیوں میں کوئی موزوں جگہ تلاش کر رہا تھا۔ آخر اس کی نگاہ ایک غار پر پڑی۔ یہ غار کافی کشادہ تھی اور ایک پہاڑی میں واقع تھی۔

"میں اس غار میں اڑن طشتری کو لے کر جا رہا ہوں۔"

ماریا نے کہا۔

"کیا اندر سے غار خالی ہو گا؟"

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے غار خالی ہی ہو گا۔"

عنبر بولا۔

"میں اندر لے جا رہا ہوں۔ اس سے بہتر اور محفوظ جگہ اس ساری وادی میں کہیں نہیں ملے گی۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر نے اڑن طشتری کی رفتار بہت ہلکی کر دی۔ اب اڑن طشتری غار کے منہ پر آ گئی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ غار کے اندر داخل ہو گئی۔ یہ غار کافی کشادہ تھا اور اندر چمگادڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ اڑن طشتری کے اندر جانے سے روشنی ہو گئی اور شور مچا جس کی وجہ سے چمگادڑیں چیختی ہوئی غار سے نکل کر اڑ گئیں۔

آگے جا کر غار بائیں جانب کو گھوم گئی تھی۔ اڑن طشتری بھی ادھر کو مڑ گئی۔ سامنے ایک کھلی جگہ تھی۔ یہاں پہاڑی کی چھت بھی اونچی تھی۔ عنبر

نے بڑے سکون کے ساتھ اڑن طشتری اس کھلی جگہ پر اتار دی۔ زمین کے ساتھ لگتے ہی اڑن طشتری کی مشین رُک گئی۔ باہر کی روشنی بجھ گئی۔ عنبر نے کئی ایک بٹن دبا کر دوسری مشینوں کو بھی بند کر دیا۔ پھر اُس نے مسکرا کر ناگ کی طرف دیکھا اور اٹھتے ہوئے بولا۔

"اُتر تو ہم آئے ہیں اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

ماریا ساتھ والے چھوٹے سے گول کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"میں تھک گئی ہوں۔ ابھی آدھی رات باقی ہے۔ میں سونے جا رہی ہوں۔"

کمرے کا دروازہ کھلا۔ ماریا اندر گئی۔ دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے عنبر تم بھی کچھ دیر آرام کر لو۔ میں باہر جا کر پتہ کرتا ہوں کہ یہاں کے حالات کیا ہیں؟ کون لوگ آباد ہیں اور کونسا بادشاہ حکومت کرتا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس کے لئے ہمیں دن کی روشنی کا انتظار کرنا چاہیئے رات کے اندھیرے میں تم زیادہ معلومات حاصل نہ کر سکو گے۔ کیا خیال ہے؟"

ناگ آرام کرسی پر گرتے ہوئے بولا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔"

اس کے بعد عنبر بھی ایک طرف آرام کرسی پر لیٹ کر سو گیا۔ ناگ بھی آنکھیں بند کر کے آرام کرنے لگا۔

یہ شہر جس کی پہاڑی غار میں عنبر اور ناگ وغیرہ اڑن طشتری لے آئے تھے اروناتھا۔ اس پر ایک ظالم بادشاہ حکومت کرتا تھا جس کا نام ڈوسار تھا۔ یہ پہلے فوج کا سپہ سالار ہوتا تھا۔ اس نے اروناشہر کے نیک دل بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ بادشاہ کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی بھی تھی۔ ڈوسار نے ان دونوں شہزادہ اور شہزادی کو قتل کرنے کے لئے سپاہیوں کو بھیجا۔ دونوں بہن بھائیوں کو ایک وفادار سپاہی نے خبردار کر دیا۔ دونوں شہزادہ اور شہزادی اپنے محل کی پچھلی کھڑکی سے رستے کی مدد سے اُتر کر پہاڑیوں میں فرار ہو گئے۔

جس رات عنبر کی اڑن طشتری اس علاقے کے ایک پہاڑی غار میں آ کر اُتری تھی اُسی رات اس شہر کے سپہ سالار ڈوسار نے بغاوت کر کے بادشاہ کو قتل کر دیا تھا اور تخت پر قبضہ کر کے شہزادی اور شہزادے کو ہلاک کرنے کے لئے سپاہی بھیجے تھے۔ سپاہیوں نے آ کر بتایا کہ دونوں شاہی بہن بھائی بھاگ گئے ہیں۔ ڈوسار کا غصہ انتہا تک پہنچ گیا۔ اُس نے طیش میں آ کر شہزادے اور شہزادی کے محل کے پہریداروں کی گردنیں اُڑا دیں اور اپنے خاص دستے کو حکم دیا۔

"دونوں کو تلاش کر کے زندہ پکڑ کر میرے سامنے لاؤ۔ میں خود اُن کے سر قلم کروں گا۔ وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔"

رات کی تاریکی میں دونوں بہن بھائی یعنی شہزادی اور شہزادہ محل کی کھڑکی سے کود کر بھاگے اور سیدھے پہاڑی وادی میں آ گئے وہ ایک پہاڑی کے پہلو

میں ایک ویران گڑھے میں جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے اور دیوتاؤں کو یاد کر کے دعائیں مانگنے لگے۔ شہزادی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"ظالم ڈوسار نے میرے پیارے باپ کو ہلاک کر دیا۔"

شہزادہ اُسے تسلی دینے لگا۔

"صبر کرو میری بہن! تقدیر کا لکھا ہو کر رہتا ہے۔ وقت آئے گا اور ہم ظالم ڈوسار سے اپنے باپ کا انتقام لیں گے اور اُس سے اپنا تخت حاصل کر لیں گے۔"

شہزادی نے کہا۔

"کاش! میرے بابا جان کی زندگی بچ سکتی۔"

شہزادے نے کہا۔

"قسمت کو یہی منظور تھا۔"

اُدھر شاہی فوج کا ایک خاص دستہ شہزادی اور شہزادے کی تلاش میں قلعے سے نکلا۔ اُن کے ساتھ کُتے بھی تھے۔ کتوں کو شہزادی اور شہزادے کے کپڑوں کی بُو سنگھا دی گئی تھی جس کی وجہ سے وہ سپاہیوں کے گھوڑوں کے آگے آگے دوڑ رہے تھے۔ یہ تو ان کتوں کو وادی کی پہاڑیوں کی جانب سے آ رہی تھی۔ اُدھر شہزادے نے کتوں کے بھونکنے کی آواز سُنی تو وہ گھبرا کر بولا۔

"اُن کے ساتھ کُتے بھی ہیں۔ وہ ضرور اس گڑھے تک پہنچ جائیں گے۔"

"اب کیا ہو گا؟ ہم پکڑے جائیں گے۔" شہزادی نے پریشان ہو کر کہا۔

شہزادہ پریشان تھا۔ اُس نے کہا۔

"ہمیں یہاں سے نکل کر کسی ایسی جگہ چھپنا چاہیئے جہاں سے ہمارے جسم کی بُو کتوں تک نہ پہنچ سکے۔"

دونوں بہن بھائی گڑھے سے نکل کر پہاڑی کی طرف بھاگے۔ وہ پہاڑیوں میں بھاگتے بھاگتے درے سے گزر کر اس جگہ آ گئے جہاں انہیں ایک پہاڑی غار نظر آیا۔ شہزادے نے غار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اس غار میں چلو۔"

شہزادی اور شہزادہ بھاگ کر غار میں داخل ہو گئے۔

یہ وہی غار تھا جس میں اڑن طشتری چھپی ہوئی تھی۔

شہزادہ اپنی بہن شہزادی کو لے کر غار میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اب کتوں کی آوازیں وادی میں قریب سے سنائی دے رہی تھیں۔ شہزادی نے کہا۔

"کُتے یہاں بھی آ جائیں گے۔"

"فکر نہ کرو۔ ہم چھپنے کی کوشش کریں گے۔"

"مگر یہاں تو کوئی بھی ایسی جگہ نہیں جو ہمارے کپڑوں کی بُو کو چھپا سکے۔"

وہ باتیں کرتے کرتے جب غار کا موڑ گھوم کر کھلی جگہ پہنچے تو دم بخود ہو کر جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہ گئے۔ چاندی کی طرح چمکتی ہوئی ایک عجیب و غریب گول گول سی شے جو ایک منزلہ عمارت جتنی تھی ان کے سامنے زمین پر کھڑی تھی۔ اُس کے گول گول سوراخوں سے نیلے رنگ

کی دھیمی روشنی نکل رہی تھی۔ شہزادی نے شہزادے کی طرف حیرت سے دیکھا۔ شہزادہ بھی حیرانی کے سمندر میں گم تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا چیز ہے۔ زندگی میں کبھی بھی اُس نے ایسی شے نہیں دیکھی تھی۔ کُتوں کے بھونکنے کی آوازوں سے معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ غار کے باہر پہنچ رہے ہیں۔

"اب کیا ہوگا؟ وہ تو غار کے منہ پر پہنچ گئے ہیں۔"

شہزادہ چونکا۔ بولا۔

"یہ کیا شے ہے۔ کیا ہم کسی طرح اس کے اندر نہیں جا سکتے؟"

کُتوں کی آوازیں قریب آنے لگیں۔ کُتوں نے شہزادے اور شہزادی کے کپڑوں کی بُو سونگھ لی تھی اور وہ غار کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شہزادے نے گھوم کر اڑن طشتری کا جائزہ لیا۔ اُس وقت اڑن طشتری کے اندر عنبر ماریا اور ناگ آرام کر رہے تھے۔ ناگ کی آنکھ کھُل گئی۔ اُسے یوں لگا جیسے کوئی اڑن طشتری کی دیوار کو ہاتھ سے تھپتھپا رہا ہے۔ اُس نے باہر لگے ہوئے ٹی وی کیمرے کا بٹن دبا کر آن کیا اور سکرین پر شہزادے اور شہزادی کی تصویر آ گئیں۔

ناگ نے دیکھا کہ رومن شہزادوں اور شہزادیوں کے لباس میں ایک خوب صورت نوجوان اور ایک لمبے سنہری بالوں والی رومن لڑکی سہمے ہوئے گھبرائے ہوئے اڑن طشتری کی دیوار کو تھپتھپا رہے ہیں۔ ناگ نے جلدی سے بٹن دبا کر دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلا دیکھ کر شہزادی

اور شہزادہ بغیر یہ سوچے کہ کہیں اندر جانے میں کوئی خطرہ تو نہیں بھاگ کر اندر آ گئے۔ وہ ڈوسار ظالم جرنیل کے سپاہیوں سے اپنی جان بچانا چاہتے تھے۔

اندر آ کر انہوں نے جو ایک چمکیلی سٹیل کی چھت، دیواروں کے ساتھ لگے ہوئے کمپیوٹر، ڈائیل اور پینل دیکھے تو اور زیادہ گھبرا گئے۔ باہر کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ جونہی اڑن طشتری کا دروازہ بند ہوا ان دونوں بُو آنی بند ہو گئی۔ بُو آنی بند ہوئی تو کُتے پہاڑی کے قریب آ کر رک گئے اور واپس وادی کی طرف بھاگے۔ شاہی سپاہیوں نے کُتوں کو دوسری طرف بھاگتے دیکھا تو وہ بھی اُسی طرف روانہ ہو گئے۔ یوں یہ لوگ غار کے اندر آ کر عنبر کی اڑن طشتری کی زیارت نہ کر سکے۔

ناگ مشین کنٹرول روم سے نکل کر شہزادی اور شہزادے کے سامنے آ گیا۔ ناگ کا لباس وہی اپنے سائنسی زمانے کا تھا یعنی سیاہ پتلون، تنگ سفید ٹی شرٹ اور کلائی کے ساتھ گھڑی بندھی تھی۔ پاؤں میں سفید بوٹ تھے۔ شہزادی اور شہزادہ گم صُم ہو کر ناگ کو دیکھ رہے تھے اور دیوار کے ساتھ لگ کر یوں کھڑے تھے جیسے ابھی ان دونوں کو قتل کیا جانے والا ہو۔ دل میں دونوں بہن بھائی یہی سوچ رہے تھے کہ وہ ایک مصیبت سے بچ کر دوسری مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ وہ کبھی ناگ کے لباس کو تکتے کبھی اس کی کلائی پر بندھی سنہری گھڑی کو تکتے اور کبھی گول چمکیلی دیواروں سے لگی مشینوں کو دیکھنے

آخر ناگ نے سنجیدگی سے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں نے تمہیں اندر بلا لیا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ تم کسی سے جان بچا کر بھاگے ہوئے ہو۔ اب بتاؤ تم لوگ کون ہو؟ اور کہاں سے آئے ہو؟"

ناگ نے یہ الفاظ اشوری زبان میں ادا کئے تھے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی زبان تھی جو سارے علاقے میں سمجھی جاتی تھی۔ شہزادہ اور شہزادی اس کی زبان کو زیادہ نہ سمجھ سکے۔ شہزادے نے رومن زبان میں کہا۔

"ہم دونوں بہن بھائی ہیں اور اس ملک کے بادشاہ کے بیٹے ہیں۔"

ناگ نے اب رومن زبان بولنی شروع کر دی اور اپنا پہلے والا سارے کا سارا سوال رومن زبان میں دہرایا اور اُن سے پوچھا کہ وہ کس سے جان بچا کر بھاگ رہے تھے؟ شہزادے نے ناگ کو اپنی ساری بپتا سنا دی۔ ناگ اُن کے ایک ایک لفظ کو بڑے غور سے سُنتا رہا جب انہوں نے اپنی کہانی ختم کی تو ناگ نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ تم لوگ یہاں ہماری پناہ میں ہو۔ ہم تمہاری ہر طرح سے مدد کریں گے۔"

شہزادی نے پوچھا۔

"آپ — آپ لوگ کون ہیں؟"

اتنے میں عنبر بھی دوسرے کمرے سے آ گیا۔ ناگ نے شہزادی اور شہزادے کا عنبر سے تعارف کروایا کہ یہ میرا بھائی عنبر ہے اور میرا نام

ن ہے۔

"اور اس سے زیادہ آپ کو جاننے کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ ہمارے جانے پر بھی آپ کچھ نہ سمجھ سکیں گے۔ بلکہ زیادہ پریشان ہو جائیں گے۔ ریں یہ کہوں کہ یہ ایک سائنسی دور کی انتہائی ترقی یافتہ اڑن طشتری ے جو آسمانوں میں چکر لگاتی اور سیر کرتی ہے تو تمہارے کچھ پلے نہ پڑے گا۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"تمہارے لئے اتنا جاننا ہی بہت ہے کہ تم لوگ ہماری پناہ میں گئے ہو۔ تمہیں یہاں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔"

پھر عنبر اور ناگ نے دونوں شاہی مہمانوں کو ساتھ والے کمرے ے جا کر بٹھایا اور انہیں کھانے کو پھل دیئے۔ عنبر نے اُس سے پوچھا۔

"اب ہمیں بتاؤ کہ یہاں کون لوگ رہتے ہیں؟"

شہزادے کا خوف اب کافی حد تک دُور ہو چکا تھا شہزادی کی بھی ل ہو گئی تھی۔ انہیں کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ یہ کیا شئے ہے جس ے اندر وہ بیٹھے ہیں اور یہ لوگ کس دنیا سے وہاں آ کر غار کے اندر اہ گزیں ہو گئے ہیں۔ لیکن وہ ان کی طرح کے انسان تھے اور اُن سے ن کا رویہ ہمدردانہ تھا۔ شہزادے نے کہا۔

"ہم رومن قوم کے شاہی افراد ہیں۔ ہمارا باپ اس شہر کا بادشاہ تھا۔ ڈوسار ہمارے باپ کا سپہ سالار تھا۔ مگر اُس نے دھوکے کے ساتھ ہمارے باپ کو قتل کر دیا اور تخت پر قبضہ کر لیا۔ ہم دونوں بہن

بھائی جان بچا کر بھاگے۔ فوج کا دستہ گھتے لے کر ہماری تلاش میں
نکلا۔ اگر آپ ہمیں اس چھپکلے مکان میں پناہ نہ دیتے تو فوج کے دشمن
سپاہی ہمیں گرفتار کر کے لے جاتے اور ظالم ڈوسار ہمارے سر کاٹ
کر قلعے کی فصیل کے ساتھ لٹکا دیتا۔"
عنبر نے گہرا سانس لیا اور بولا۔
"تمہاری کہانی بڑی دردناک ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہاری والدہ یعنی
شاہی ملکہ کہاں ہے؟"
شہزادی نے کہا۔
"ہماری والدہ کو ڈوسار نے پہلے ہی قید میں ڈال رکھا تھا اور
مشہور کر دیا تھا کہ وہ ملک چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ ہم ڈر کے مارے
کسی سے بات نہیں کرتے تھے کہ ہم نے اپنی والدہ شاہی ملکہ کو قلعے
کے تہہ خانے میں دیکھا ہے۔"
ناگ نے پوچھا۔
"کیا بادشاہ کو بھی اپنی ملکہ کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا؟"
شہزادے نے کہا۔
"بادشاہ کو بھی معلوم تھا مگر وہ بھی ڈوسار سے ڈرتا تھا۔ اسے اچھی
طرح احساس تھا کہ ڈوسار نے سارے فوجی افسروں اور درباریوں کو
اپنے ساتھ کر رکھا ہے۔ وہ بے بس تھا۔ مجبور تھا۔"
عنبر بولا۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟"
"کیا مطلب؟" شہزادے نے کہا۔
عنبر بولا۔
"میرا مطلب ہے کہ تم دونوں اب کیا سوچ رہے ہو؟"
شہزادے نے کہا۔
"ہم مناسب وقت ملنے پر یہاں سے بھاگ کر کسی دوسرے ملک
میں جا کر پناہ حاصل کر لیں گے۔ اس کے علاوہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

●

ملکہ فرار ہو گئی

ناگ نے کہا۔

"کیا تم اپنے ملک کا بادشاہ نہیں بننا چاہتے ہو؟"

شہزادی اور شہزادے نے چونک کر ناگ اور عنبر کی طرف دیکھا

"یہ — یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

عنبر بولا۔

"ہم تمہیں تمہارا کھویا ہوا تخت واپس لے دیں گے۔ تمہاری والدہ کو آزاد کرائیں گے اور ظالم ڈوسار کو اس کے انجام تک پہنچائیں گے۔"

شہزادے نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کی ہمدردیوں کا شکریہ! لیکن اچھا ہوتا کہ اگر آپ ایسا مذاق میرے ساتھ نہ کرتے کیونکہ ہمارے دل پہلے ہی دکھی ہیں۔"

عنبر نے شہزادے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"شہزادے! یہ مذاق نہیں ہے۔ ہم تمہیں تمہارا تخت ایک دن میں واپس لے کر دے دیں گے۔"

شہزادے کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ ایک چھوٹی سی چمکیلی

ڈبیا میں بیٹھے دو انسان کس طرح سے ایک زبردست اور ظالم فوج کا مقابلہ کر سکیں گے۔

اُس نے کہا۔

"ڈوسار کے پاس بڑی زبردست فوج ہے۔ ہاتھی ہیں، گھوڑے ہیں، دس ہزار لشکریوں کا تیر انداز دستہ ہے۔ دس ہزار بہترین تلوار باز ہیں۔ بیس ہزار نیزہ باز ہیں اور چالیس ہزار جنگی رتھ ہیں۔ تم کس طرح سے اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرو گے؟"

ناگ مسکرایا۔

"یہ سب کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔"

ماریا بھی اپنے کمرے سے نکل کر آچکی تھی اور ساری باتیں ایک طرف کھڑی سن رہی تھی۔ بے خیالی میں اس کے منہ سے نکل گیا۔

"شہزادی کے بال کتنے خوب صورت ہیں۔"

ایک عورت کی آواز سن کر شہزادہ اور شہزادی چونک پڑے۔ اُن کے سامنے اُس وقت صرف دو مرد کھڑے تھے۔ پھر وہ حیران تھے ایک لڑکی کی آواز کہاں سے آئی؟ عنبر اور ناگ اِدھر اُدھر تکنے لگے ماریا کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور ذرا ذرا مسکرانے لگی۔

عنبر نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

"شہزادے! تمہاری بپتا نے ہمیں بڑا متاثر کیا ہے۔ ہم ضرور تمہاری

مدد کریں گے۔"

شہزادی نے کہا۔

"مگر آپ کس طرح سے ہماری مدد کریں گے؟ آپ کے پاس تو کوئی فوج وغیرہ نہیں ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"یہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے کہ ہم کس طریقے سے تمہاری مدد کرتے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"اب تم دونوں شہزادہ اور شہزادی یہاں آرام کرو اور جب تک ہم نہ کہیں کمرے سے باہر مت نکلنا۔"

شہزادہ بولا۔

"کیا ہمیں قید کیا جا رہا ہے؟"

ناگ ہنسا۔

"نہیں ہرگز نہیں۔ مطلب کہنے کا یہ تھا کہ ہو سکتا ہے یہاں کی بعض باتیں دیکھ کر تم لوگ زیادہ حیران ہو جاؤ۔ ویسے اگر تم چاہو تو باہر نکل کر ہمارے راکٹ میں گھوم پھر سکتے ہو۔"

"راکٹ؟ یہ کس زبان کا لفظ ہے؟"

شہزادی کے سوال پر عنبر نے کہا۔

"یہ ہماری زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں؟ یہ تم لوگ

سمجھ سکو گے۔"

شہزادی اور شہزادہ ایک الگ گول کمرے میں جا کر آرام کرنے

۔ جب وہ چلے گئے تو عنبر نے کہا۔

"تخت اس کا اور اس کی ماں کا حق ہے۔ ہمیں اس کی مدد کرنی

ہیے۔ کیا خیال ہے ماریا اور ناگ؟"

دونوں نے عنبر کے خیال کو پسند کیا۔ ناگ بولا۔

سب سے پہلے مجھے قلعے کے اندر جا کر ڈوسار کی طاقت کا اندازہ لگانا

ا ہو گا۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ اس کی فوج کے ہاتھی اور رتھ وغیرہ

ہاں ہوتے ہیں؟"

ماریا نے کہا۔

"اس کے لئے تم ابھی جا کر معلوم کر آؤ تو اچھا ہے۔ تاکہ ہم قلعے پر

لہ کر سکیں۔"

عنبر نے بھی ماریا کے خیال کی تائید کی۔

"ٹھیک ہے ناگ! تم ابھی جا کر سراغ رسانی شروع کر دو اور شام

واپس پہنچ جانا۔"

"ضرور ضرور۔"

یہ کہہ کر ناگ اڑن طشتری سے باہر نکل گیا۔

غار سے باہر آ کر اس نے وادی اور نیلے آسمان کو دیکھا۔ بحیرۂ روم کے

ساحلوں کی وادی ہے۔ درخت ہرے بھرے تھے۔ دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ دُور ایک اونچے سے ٹیلے پر ڈوسار جرنیل کا قلعہ نظر آرہا تھا۔ قلعے کی بُرجیوں پر چاندی سونے کے کلس چمک رہے تھے۔ ناگ نے رومن قوم کے ایک عام آدمی کا لباس پہن رکھا تھا یعنی لمبا سا لبادہ جو کندھے پر اکٹھا ہوگیا تھا۔ سر پر رومال بندھا تھا اور پاؤں میں چپل تھی جس کے تسمے پنڈلیوں تک بندھے تھے۔ وہ اس لباس میں بھی قلعے کے اندر نہیں جا سکتا تھا۔

پس وہیں سے اُس نے ایک سفید کبوتر کی شکل اختیار کی اور اڑتا اڑتا قلعے کے اوپر پہنچ کر ایک بُرجی میں بیٹھ گیا۔ کبوتر بن کر وہ قلعے کے اوپر تو پہنچ سکتا تھا مگر نیچے جا کر لشکر کی تعداد اور دوسری باتوں کی جاسوسی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کام کے لئے ضروری تھا کہ وہ انسان کی شکل اختیار کرے۔ چنانچہ ناگ اڑتا اڑتا قلعے کے اندر آگیا۔ یہ قلعہ شہر کے کونے پر تھا۔ باقی تمام شہر پھیلا ہوا تھا۔

کافی بڑا شہر تھا۔ اک منزلہ مکان دُور تک چلے گئے تھے۔ چوڑی چوڑی سڑکیں تھیں۔ دکانیں کھلی تھیں۔ کہیں رتھ گزر رہا تھا۔ کہیں کسی امیر کی سواری جا رہی تھی۔ ایک امیر پالکی میں بیٹھا تھا۔ غلاموں نے پالکی کندھوں پر اٹھا رکھی تھی۔ مکانوں کی کھڑکیوں پر پردے گرے تھے۔ کہیں غلام عورتیں پانی کے مٹکے سروں پر رکھے حویلیوں کی ڈیوڑھی میں داخل ہو رہی تھیں۔

عنبر کو شہر سے کوئی زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ وہ قلعے کے اندر جا کر فوج کے

[illegible]ے ہیں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ شہر کا چکر لگا کر واپس [illegible]ے کے اندر آگیا اور ایک طرف باغ کے گوشے میں اُتر کر انسانی شکل [illegible]یار کرلی۔ وہ ایک عام رومن شہری معلوم ہو رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ [illegible] عام رومن شہری کسی کام کی وجہ سے ہی قلعے کے اندر آسکتا ہے۔ اس [illegible]ضروری ہے کہ وہ کسی مزدور کی شکل اختیار کرے۔ ناگ نے ایک کٹے [illegible]ئے درخت کی کچھ لکڑیاں کندھے پر رکھیں اور سامنے قلعے کے شاہی [illegible]ل کی طرف روانہ ہوگیا۔

شاہی محل کے ساتھ ہی لشکریوں کی بارکیں بنی ہوئی تھیں جن کے اندر فوجی رہتے تھے۔ ساتھ ہی بڑے بڑے اصطبل تھے جن میں ہاتھی بند تھے۔ گھوڑوں کے اصطبل بھی وہیں تھے۔ گویا اس جگہ سے اسے اس شہر کی فوجی طاقت کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ وہ چلتے چلتے فوجی بارکوں کے پاس گیا۔ ایک سپاہی نے اُسے روک کر کہا۔

"کدھر جا رہے ہو یہ لکڑیاں؟"

ناگ نے کہا۔

"جناب! بارک کے باورچی خانے میں۔"

سپاہی نے ایک ہنٹر اس کی پیٹھ پر مار کر کہا۔

"بدبخت! جلدی کرو۔ معلوم نہیں دوپہر کے کھانے کا وقت ہو رہا ہے"

ناگ کو تکلیف تو بڑی ہوئی مگر وہ پی گیا۔ اس کے سوا کیا کر سکتا تھا لکڑیوں کا گٹھا لے جا کر اس نے باورچی خانے کے باہر ڈال دیا اور چوری

چوری آنکھوں سے باورچی خانے کے اندر تکنے لگا۔ بڑے بڑے چولہوں
پر بکرے کے شوربے کے دیگچے چڑھے تھے۔ ایک موٹی توند والا آدمی باورچی
دیگچوں میں باری باری کفگیر پھیر رہا تھا۔ بھاپ اور گرمی سے اُس کی گنجی
کھوپڑی پر پسینہ چمک رہا تھا۔ ناگ نے کانی آنکھ سے دیکھا کہ ذرا پرے ہاتھیوں
کے اصطبل تھے۔ ناگ نے قریب ہی سے گھاس کا ایک گٹھا اٹھایا اور
ہاتھیوں کے اصطبل کے پاس آکر گھاس ہاتھیوں کے آگے ڈالنے لگا۔

وہ ہر ہاتھی کے پاس جاکر تھوڑی سی گھاس ڈال دیتا۔ ساتھ ہی ساتھ
وہ اندازہ بھی لگا رہا تھا کہ ہاتھیوں کی کل تعداد کتنی ہے۔ اچانک ایک آدمی
نے اُس کی گردن پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔

"تم کون ہو؟"

ناگ نے مسکرا کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"جناب میں کل ہی بھرتی ہوا ہوں۔ میرا باپ ہاتھیوں کا مہاوت تھا۔ وہ
مر گیا تو مجھے یہ نوکری مل گئی۔"

"ٹھیک ہے۔ بک بک بند کرو اور میری چپل کے تسمے کس دو۔ جلدی کرو۔"

ناگ نے جلدی جلدی جھک کر تسمے کسنے شروع کر دیئے۔ رومن سپاہی
نے خوش ہو کر کہا۔

"تم بڑے اچھے اردلی بن سکتے ہو۔ چلو میرے ساتھ۔ میں تمہیں اپنے پاس
رکھوں گا۔"

ناگ بھلا کیسے انکار کرتا۔ اُس کے ساتھ چل پڑا۔ دل میں ایک خیال

ہی تھا کہ شاید اس رومی سپاہی سے ہی فوج کی صحیح تعداد کی سراغ رسانی
ہو جائے۔ رومن سپاہی ناگ کو اپنی بارک میں لے گیا اور وہاں سے جاکر
اُس نے ناگ کو اپنے گھوڑے کی مالش پر لگا دیا۔ ناگ نے خرخرا لے کر
گھوڑے کی مالش شروع کر دی۔ دل میں سوچنے لگا کہ یہ اچھا کام ملا۔
کم بخت زندگی میں کبھی گھوڑے کی مالش بھی نہیں کی تھی۔

دوپہر کے کھانے پر اُسے دو موٹی روٹیاں اور بکرے کی ایک چھوٹی سی
ران مل گئی۔ شام ہوئی تو ناگ نے سوچا کہ واپس جاکر عنبر اور ماریا کو اطلاع
کرنی چاہیئے۔ پس وہ اپنے آقا سے اجازت لے کر باہر نکلا اور کبوتر بن کر
اڑا اور سیدھا پہاڑی کے غار میں آگیا۔ اُس نے عنبر اور ماریا کو سارے
واقعات سنائے اور کہا کہ وہ دو ایک دن میں سارے لشکر کی سراغ رسانی
کرکے واپس آجائے گا۔

"آپ لوگ فکر نہ کریں۔ لشکریوں کے صحیح ٹھکانے کا علم ہو گیا تو ہمیں
بڑی آسانی ہوگی۔"

شہزادہ بھی وہیں موجود تھا۔ اُس نے عنبر سے کہا۔

"اگر کسی طریقے سے ہماری والدہ قلعے کے تہہ خانے سے نکال لی جائے
تو زیادہ مناسب ہوگا۔ کیونکہ خطرہ ہے کہ حملے کے وقت ظالم جرنیل ڈوسار میری
ماں کو انتقام کی آگ میں جل کر ہلاک نہ کر ڈالے۔"

شہزادی نے بھی منت کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں عنبر بھائی! ہماری ماں کو ضرور نکلوا کر یہاں پہنچا دو ہم تمہارا یہ

احسان ساری زندگی نہیں بھولیں گے۔"

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"ناگ بھائی! کیا خیال ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"ایک ماں کو مصیبت سے نکالنا ہمارا فرض ہے۔"

عنبر بولا۔

"تو پھر یہ کام بھی تم ہی کر سکتے ہو۔ جس طرح سے ہو سکے ملکہ کو تہہ خانے سے نکال کر یہاں لے آؤ۔ اگر ہماری ضرورت پڑی تو ہمیں اطلاع کر دینا۔ میں بھی تمہاری مدد کو آ جاؤں گا اب جب تک ملکہ کو ہم حفاظت سے یہاں نہیں لے آتے حملہ نہیں کریں گے۔"

"بہتر ہے۔ اب اجازت دیں۔ میں پوری کوشش کروں گا۔ اگر مدد کی ضرورت پڑی تو اطلاع کر دوں گا۔"

جاتے جاتے ناگ رکا اور شہزادے کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"ملکہ مجھ پر کیسے اعتماد کرے گی کہ مجھے اُس کے بیٹے اور بیٹی نے بھیجا ہے؟"

شہزادی نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اتار کر اُسے دیتے ہوئے کہا۔

"یہ انگوٹھی اپنے پاس رکھو بھائی ناگ! جب تم یہ انگوٹھی میری ملکہ ماں کو دکھاؤ گے تو وہ سمجھ جائے گی کہ تمہیں ہم نے بھیجا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ یہاں آنے پر تیار ہو جائے گی اور تم پر شک نہیں کرے گی۔"

ناگ نے انگوٹھی چھپا کر رکھ لی اور غار سے باہر آ گیا۔ اُس وقت رات چھا گئی تھی۔ قلعے کی طرف مشعلیں جل رہی تھیں۔ ناگ کبوتر بن کر قلعے کی جانب اڑ گیا۔ قلعے کے اندر جا کر وہ پھر سے رومن غلام بن گیا اور سیدھا اپنے رومی آقا کی بارک میں آ کر جھک کر سلام کر کے بولا۔

"حضور معاف کر دینا۔ میری ماں بیمار تھی اُس کی تیمارداری کرتا رہا۔"

رومن سپاہی نے ناگ کی کمر پر زور سے لات مار کر کہا۔

"حرامی! مفت کی روٹیاں توڑنے آ گیا ہے۔ اگر دوبارہ اتنی دیر کی تو میں تمہارے ساتھ تمہاری ماں کو بھی ختم کر دوں گا۔ چل بھاگ اور جا کر میری وردی پالش کر۔"

"جو حکم سرکار۔"

ناگ ڈیوڑھی میں آ کر رومن سپاہی کی تانبے کی زرہ بکتر کو پالش کر کے چمکانے لگا۔ دوسرے روز اُس نے ایک دوسرے غلام سے دوستی گانٹھ لی اور باتوں ہی باتوں میں معلوم کر لیا کہ قلعے کے اُس تہہ خانے کو کونسا راستہ جاتا ہے جہاں ملکہ قید ہے۔ آدھی رات کو جب سارے سپاہی سو گئے۔ قلعے میں خاموشی چھا گئی تو ناگ اپنی بارک کی ڈیوڑھی سے باہر نکلا اور باغ میں آ کر اُس نے سیاہ رنگ کے چھوٹے سے سانپ کی شکل اختیار کر لی۔ اب اُس نے رومی غلام کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا شروع کر دیا۔ وہ

قلعے کی ایک بارہ دری میں آگیا۔

اس بارہ دری کی دوسری جانب قلعے کا ایک چھوٹا سا دروازہ تھا۔ یہاں سے ایک راستہ نیچے تہہ خانے کو جاتا تھا۔ ناگ رینگتا رینگتا قلعے کے دروازے پر آگیا۔ یہاں دیوار کے ساتھ دو مشعلیں روشن تھیں۔ ایک رومن سپاہی چاق و چوبند کھڑا ہاتھ میں نیزہ لئے پہرہ دے رہا تھا۔ اُس نے ناگ کو بالکل نہ دیکھا۔ ناگ سانپ کی شکل میں رینگتا ہوا قلعے کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اندھیرے میں سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ سانپ سیڑھیاں اترنے لگا۔

سیڑھیاں ختم ہوئیں تو ایک دالان آگیا۔ یہاں پھر ایک دروازہ تھا جس کے باہر ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ سانپ اس دروازے میں سے بھی گزر گیا۔ آگے پھر سیڑھیاں تھیں۔ یہ سیڑھیاں اُتر کر سانپ نے دیکھا کہ سامنے ایک دروازہ تھا جس میں سلاخیں لگی تھیں۔ سانپ نے اندر جھانک کر دیکھا۔ یہاں کوئی پہرے دار نہیں تھا۔

سانپ سلاخوں میں سے ہو کر اندر چلا گیا۔ اندر ایک تنگ سا کمرہ تھا جس کے کونے میں ایک دیا جل رہا تھا۔ سانپ دیئے کے قریب آیا تو دیکھا کہ گھاس پھونس کے بستر پر ایک عورت لیٹی ہوئی تھی۔ یہی ملکہ تھی۔ سانپ پرے ہٹ گیا۔ اُسے خطرہ تھا کہ اگر اُس نے اچانک سانپ سے انسانی شکل اختیار کی تو ملکہ ڈر جائے گی اور اُس کے منہ سے چیخ نکل کر پہرے داروں کو خبردار کر دے گی۔

عنبر کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔

پھر اُس نے ایک گہرا سانس لیا اور انسان کی شکل میں آگیا۔ انسانی شکل اختیار کرتے ہی وہ دبے پاؤں ملکہ کے پاس گیا اور اس کو آہستہ سے جگایا۔ ملکہ نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ سمجھی کہ رومی جلاد اسے قتل کرنے کے واسطے لے جانے کے لئے آیا ہے۔ بولی۔

"میں تیار ہوں جلاد! میں ملکہ ہوں۔ اور تم دیکھو گے کہ میں ملکہ کی شان کے ساتھ جان دوں گی۔"

ناگ نے کہا۔

"ملکہ! میں جلاد نہیں ہوں۔"

"تو پھر تم کون ہو؟ کیا کرنے آئے ہو؟"

ملکہ نے پوچھا تو ناگ نے کہا۔

"ملکہ! میری بات غور سے سنو! سب سے پہلے تو یہ ایک نشانی دیکھ لو تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ میں تمہارا ہمدرد ہوں۔"

ناگ نے جیب سے شہزادی کی انگوٹھی نکال کر ملکہ کے آگے رکھ دی۔

ملکہ نے انگوٹھی دیکھی تو ایکدم سے چونک پڑی۔

"یہ — یہ تو میری بیٹی کی انگوٹھی ہے۔ تم نے کہاں سے لی؟"

ناگ نے کہا۔

"یہ انگوٹھی مجھے تمہاری بیٹی نے دی ہے۔"

"کیا — کیا وہ زندہ ہے؟"

"ہاں!"

"اور میرا بیٹا؟ میرا شہزادہ؟ وہ کہاں ہے؟"

"وہ بھی زندہ ہے!"

"کہاں ہیں میرے جگر کے ٹکڑے؟"

ناگ نے کہا۔

"وہ ایک محفوظ جگہ پر ہیں اور میں تمہیں بھی اُن کے پاس پہنچانے کے لئے آیا ہوں!"

"تم کون ہو؟ اور اندر کیسے آگئے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"ملکہ! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے میں تمہارا ہمدرد ہوں اور میرے ساتھ میرے ساتھی بھی ہیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ظالم ڈوسادے تخت و تاج چھین کر تمہارے بیٹے کو دلایا جائے اور تمہیں بادشاہ کی ملکہ ماں بنا کر تمہارا شاہی راج پھر سے بحال کر دیا جائے!"

"مجھے یقین نہیں آرہا!" ملکہ نے کہا۔

ناگ نے کہا

"یقین کریں ملکہ! ایسا ہی ہوگا!"

ملکہ نے کہا۔

"تم مجھے یہاں سے کیسے نکال سکو گے؟ یہاں تو قدم قدم پر جلّاد پہرہ دے رہے ہیں!"

ناگ بولا۔

"جس طرح میں یہاں زندہ سلامت آگیا ہوں اُسی طرح میں آپ کو بھی یہاں سے زندہ سلامت واپس لے جاؤں گا!"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں!"

ناگ نے کہا۔

"آپ تیار رہیں۔ کل رات میں آؤں گا اور آپ کو یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا!"

ملکہ ناگ کا منہ تک رہی تھی کہ یہ تنہا اور اکیلا نوجوان اتنا خطرناک کام کیسے کرے گا۔ ناگ نے کہا۔

"اب میں جاتا ہوں۔ تم سو جاؤ!"

اس کا مطلب یہ تھا کہ ملکہ منہ دوسری طرف کر کے آنکھیں بند کر لے تاکہ وہ ناگ کو سانپ بنتے نہ دیکھ سکے۔ مگر ملکہ نے کہا۔

"مجھے نیند نہیں آرہی۔ تم جاؤ۔ میں ابھی سے تمہارا انتظار کرنے لگوں گی!"

ناگ سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کرے؟ باہر کیسے جائے اتنے میں پہرہ دینے والا سپاہی چکر لگاتا وہاں آگیا۔ اُس نے مشعل کی روشنی اندر ڈال کر دیکھا۔ ناگ ایکدم سے گھاس کے اندر چھپ گیا۔ پہرے دار نے اُسے نہ دیکھا تھا۔ اُس نے ملکہ کو جاگتے دیکھا تو کڑک کر کہا۔

"او بوڑھی عورت تو کیوں جاگ رہی ہے۔ جلدی سے منہ دیوار کے ساتھ کر کے سو جا۔ تیری زندگی کی آج آخری رات ہے۔ کل اس وقت تجھے

پھانسی مل جائے گی۔"

ملکہ نے منہ دوسری طرف کر لیا اور جھوٹ موٹ آنکھیں بند کر لیں ناگ نے اتنی مہلت ہی غنیمت جانی اور گھاس کے ڈھیر میں لیٹے لیٹے سانپ کی شکل اختیار کر لی اور رینگتا ہوا دروازے کی سلاخوں سے باہر نکل گیا۔ اسی طرح سارا راستہ عبور کر کے ناگ سانپ کی شکل میں قلعے کی بارہ دری میں آگیا۔ وہ بارہ دری سے اتر کر بارک کی طرف رینگ رہا تھا کہ ایک رومی سپاہی کی اُس پر نظر پڑ گئی۔

"سانپ!" وہ چلایا۔

اُس کے ساتھ ہی سپاہی نے نیزہ مارا۔ اگر سانپ اُچھل کر پرے نہ ہٹ جاتا تو وہ نیزے میں پرو دیا گیا تھا۔ کم بخت کا نشانہ بڑے غضب کا تھا اس سے پہلے کہ سپاہی دوسرا حملہ کرتا ناگ نے ایک سیاہ چمگادڑ کی شکل بدل لی اور پھڑپھڑ کرتا اڑ گیا۔ سپاہی نے سانپ کی جگہ پر سے ایک سیاہ چمگادڑ کو اڑتے دیکھا تو کچھ حیران سا ہوا۔ جُھک کر سانپ کو تلاش کرنے لگا سانپ کہیں بھی نہیں تھا۔ پھر آسمان کی طرف منہ کر کے چمگادڑ کو تکنے لگا۔ چمگادڑ بھی وہاں نہیں تھا سر کو جھٹک کر آگے چل دیا۔

ناگ چمگادڑ کی شکل میں اڑتا اڑتا اپنی بارک کی ڈیوڑھی میں آنے کی بجائے سیدھا قلعے سے نکل کر غار میں پہنچ گیا۔ انسانی شکل بدل کر اُس نے عنبر کو جگایا اور ساری صورت حال بتائی۔ عنبر نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ کل ملکہ کو پھانسی دینے والے ہیں۔"

"ہاں! اگر اتفاق سے پہرے دار راؤنڈ لگاتا وہاں نہ آجاتا تو مجھے یہ خبر کبھی نہ ہوتی۔"

"پھر تو ملکہ کو ہر حالت میں کل شام تک نکال لانا چاہیئے۔"

"یہی کہنے کے لئے تو میں یہاں آیا ہوں۔"

عنبر نے کہا۔

"میرا ساتھ جانا بیکار ہے۔ ماریا کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ غائب تم بھی ہو سکتے ہو۔ بلکہ تم غائب ہو کر شکل بھی بدل سکتے ہو۔ اڑن طشتری میں اس لئے لے جا کر ملکہ کو اغوا کرنا نہیں چاہتا کہ اس طرح سے وہاں شور مچ جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ ملکہ کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم رات کے اندھیرے میں کسی طرح سے پہریداروں کو ہلاک کرتے ہوئے ملکہ کو لے کر قلعے سے باہر آجاؤ۔ وہاں میں گھوڑے لے کر تمہارا انتظار کروں گا۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ تم ایسا کر سکو گے تو ٹھیک ہے ورنہ میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔"

ناگ نے کہا۔

"تمہارے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے بھائی عنبر! میں اکیلا ہی یہ سارا کام کر لوں گا۔"

عنبر نے پوچھا۔

"تمہیں قلعے کے کسی خفیہ راستے کا علم ہے جہاں سے تم ملکہ کو باہر نکال سکو گے؟"

ناگ بولا۔

"ہاں! پچھمی دیوار کی جانب ایک دروازہ ہے اگرچہ وہاں پر پہرہ رہتا ہے مگر میں وہاں سے ملکہ کو نکال کر لے آؤں گا۔ تم کل آدھی رات گزرنے سے پہلے اُس دروازے والی دیوار کی دوسری طرف گھوڑے لے کر میرا انتظار کرنا۔ میں اسی جگہ سے ملکہ کو لے کر نکلوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"اچھا اب میں جاتا ہوں۔ وہ بدبخت میرا آقا اگر جاگ پڑا تو میری جان کو کھا جائے گا۔"

"کون آقا؟" عنبر نے پوچھا۔

"یہ بعد میں بتاؤں گا۔" ناگ نے ہنس کر کہا اور اڑن طشتری سے باہر نکل گیا۔ غار سے باہر نکل کر وہ ایک بار پھر کبوتر بن کر قلعے کی طرف اڑنے لگا۔ راتوں رات وہ اپنی بارک کی ڈیوڑھی میں آ کر سو گیا۔ اُس کی قسمت اچھی تھی۔ اُس کے رومن آقا کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔

دوسرے دن ناگ نے قلعے کی پچھمی دیوار کا چکر لگا کر ہر شے کا اچھی طرح سے جائزہ لیا۔ اُس نے معلوم کیا کہ دیوار کا دروازہ چھوٹا ہے مگر لوہے کی سلاخوں سے بند ہے اور پیچھے لوہے کی چادر لگی ہے اور باہر سے کچھ نظر نہیں آتا۔ پہرے دار تلواروں نیزوں کے ساتھ وہاں برابر پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ واپس آ گیا۔ اُس کی بارک میں رومن آقا اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

"کم بخت کہاں مر گیا تھا تو؟"

"حضور! آپ کے لئے گلاب کے پھول تلاش کر رہا تھا۔ یہ دیکھئے چند پھول آپ کے لئے لایا ہوں۔"

"الو کی دم! گلاب کے پھول لانے سے تو بہتر تھا کہ باغ سے میرے لئے کچھ سنگترے ہی توڑ لاتا۔"

"حضور! غلطی ہو گئی۔ ابھی جا کر سنگترے توڑ لاتا ہوں۔"

"اب بک بک بند کر اور میرے سر کی مالش کر۔"

رومی آقا نے ڈانٹ کر ناگ سے کہا۔ اور ناگ زیتون کا تیل لے کر اس رومن سپاہی کے سر کے گھنے بالوں کی مالش کرنے لگ گیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ دل میں نقشہ بنا رہا تھا کہ اُس نے رات کو کس جگہ سے کس بھیس میں تہہ خانے میں پہنچنا ہے اور کس طرح سے ملکہ کو ساتھ لے کر وہاں سے باہر نکلنا ہے۔

اُدھر ملکہ بھی پریشان تھی اور سوچ رہی تھی کہ اُس کا ہمدرد جانے آئے یا نہ آئے۔ ملکہ کو معلوم تھا کہ رات کو اُس کی گردن کاٹ دی جائے گی۔ وہ موت سے نہیں ڈرتی تھی مگر اُس کے دل میں صرف ایک خواہش تھی کہ مرنے سے پہلے اپنے بیٹے اور بیٹی کی شکل دیکھ لے۔

رات ہو گئی۔ قلعے میں جگہ جگہ مشعلیں روشن ہو گئیں۔ پھانسی گھر میں ملکہ کی گردن کاٹنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ جلاد نے کلہاڑا تیز کر کے دیوار سے لگا کر رکھ دیا۔ وہ ٹوکری بھی لا کر رکھ دی گئی جس میں ملکہ کے سر کو کٹ کر گرنا تھا۔ اُدھر ناگ اندھیرا ہوتے ہی اپنی ڈیوڑھی سے باہر نکلا۔ ابھی وہ دو قدم ہی گیا تھا کہ

اس کے روحن آقا نے پیچھے سے کڑک کر کہا۔

"او بدبخت! کہاں جاتا ہے اس وقت؟"

ناگ نے رک کر کہا۔

"جناب! ذرا اپنی والدہ کی خبر لینے جا رہا ہوں!"

روحن آقا نے گالی دے کر کہا۔

"خبردار! اگر ایک قدم بھی اٹھایا۔ واپس آ!"

اس کے ساتھ ہی اُس نے اٹھ کر ناگ کو رسی سے باندھ لیا اور کہا۔

"اب میں تمہیں قید کروں گا۔ رات بھر قید رکھوں گا پھر تمہیں بغیر اجازت یہاں سے جانے کا مزہ مل جائے گا!"

ناگ اب یہ دیر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے روحن آقا کی گردن پکڑ کر کہا۔

"احمق کہیں کے تیرا باپ بھی مجھے نہیں روک سکتا!"

روحن آقا نے اپنے غلام کے منہ سے یہ الفاظ سُنے تو ایک بار تو کانپ گیا۔ پھر غصے میں لرزا اور کمر سے خنجر نکال کر ناگ کے سینے میں گھونپنے ہی والا تھا کہ ناگ نے گہرا سانس لیا اور کبوتر بن کر پھڑ پھڑ کرتا اڑ گیا۔ رسی اس کے بازو سے نکل کر نیچے گر گئی۔ خنجر رومی سپاہی کے ہاتھ میں ہی پکڑا رہ گیا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھنے لگا جہاں اندھیرے میں کبوتر گم ہو گیا تھا۔

پھر وہ چکرایا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

ناگ بارہ دری کے پار جا کر ایک درخت پر بیٹھ گیا۔ وہاں سے اُس نے دیکھا کہ تہہ خانے کے پہلے دروازے پر دونوں سپاہی پہرہ دے رہے تھے اور دیوار

کے ساتھ لگی مشعلیں جل رہی تھیں۔ ناگ نے سانپ کا روپ بدلا اور درخت پر سے رینگتا ہوا اتر کر نیچے آگیا۔ اب اس نے رینگتے ہوئے دروازے کی طرف چلنا شروع کیا۔ وہ اندر جانے سے پہلے ان پہریداروں کو ہلاک کرنا چاہتا تھا تاکہ واپسی پر یہ رکاوٹ نہ ڈالیں۔ یہ کام کوئی اتنا مشکل نہیں تھا۔ ناگ نے باری باری اُن دونوں کو ہمیشہ کی نیند سُلا دیا۔ پھر ایک سپاہی کی چمڑے کی تھیلی سے چابی نکال کر دروازہ کھولا اور اندر جا کر دروازے کو اُسی طرح بند کر دیا۔

یہی کام اس نے نیچے جا کر دوسرے دروازے کے پہریداروں کے ساتھ کیا وہاں سے بھی دروازہ کھول کر وہ سیدھا ملکہ کے پاس پہنچ گیا اور اُسے ساتھ لے کر پہلے دروازے سے گزر کر دوسرے دروازے کی طرف جا رہا تھا کہ سامنے سے دو سپاہی آتے نظر آئے۔ یہ ایک تنگ سی راہ داری تھی۔ دونوں سپاہی ایک موڑ پر سے اچانک اُس کے سامنے آگئے تھے۔ سپاہیوں نے ملکہ کو فرار ہوتے دیکھا تو تلواریں نکال کر حملہ کر دیا۔

ناگ نے دیکھا کہ معاملہ خطرناک ہو چکا ہے۔ زیادہ غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ پس اُسی وقت ایک خونخوار شیر کا روپ بدل کر زور سے گرجا اور ایسا پنجہ مارا کہ دونوں سپاہیوں کی گردنیں ٹوٹ گئیں۔ ملکہ نے یہ عالم دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ ناگ انسان کی شکل میں آگیا مگر پریشان تھا کہ اب ملکہ کو کس طرح سے ہوش میں لائے۔ مجبوراً اُسے اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے آخری دروازے میں سے نکل کر باہر آگیا۔ مشعلیں جل رہی تھیں اور دونوں سپاہیوں کی لاشیں وہاں زمین پر پڑی تھیں۔ ناگ

موت کا تعاقب

اے حمید

۵۰ سیریز پہلے شائع ہو چکی ہیں اور
اب مزید پچاس سیریز شائع ہوں گی۔

اتنی مقبولیت کی آخر وجہ کیا؟

- ہر کہانی کے تینوں کردار جیتے جاگتے ہیں
- حیرت انگیز، سنسنی خیز اور پُر اسرار تاریخی کہانی
- ہر ناول کا پلاٹ الگ تھلگ اور اس کے ساتھ ساتھ تاریخی کردار موجود ملے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اب تک ان ناولوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

بچوں کے ادب میں ایک مثالی سیریز!

عنبر، ناگ اور ماریا کی دلچسپ کہانی انشاءاللہ اسی طرح سو سیریز تک اقساط کی صورت میں آپ کو ملتی رہے گی۔ اپنے بکسٹال سے معلومات لیتے رہیں تاکہ ہر سیریز بروقت آپ تک پہنچتی رہے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

لاہور ☆ حیدرآباد ☆ کراچی

آتش فشاں وادی

اے حمید

91
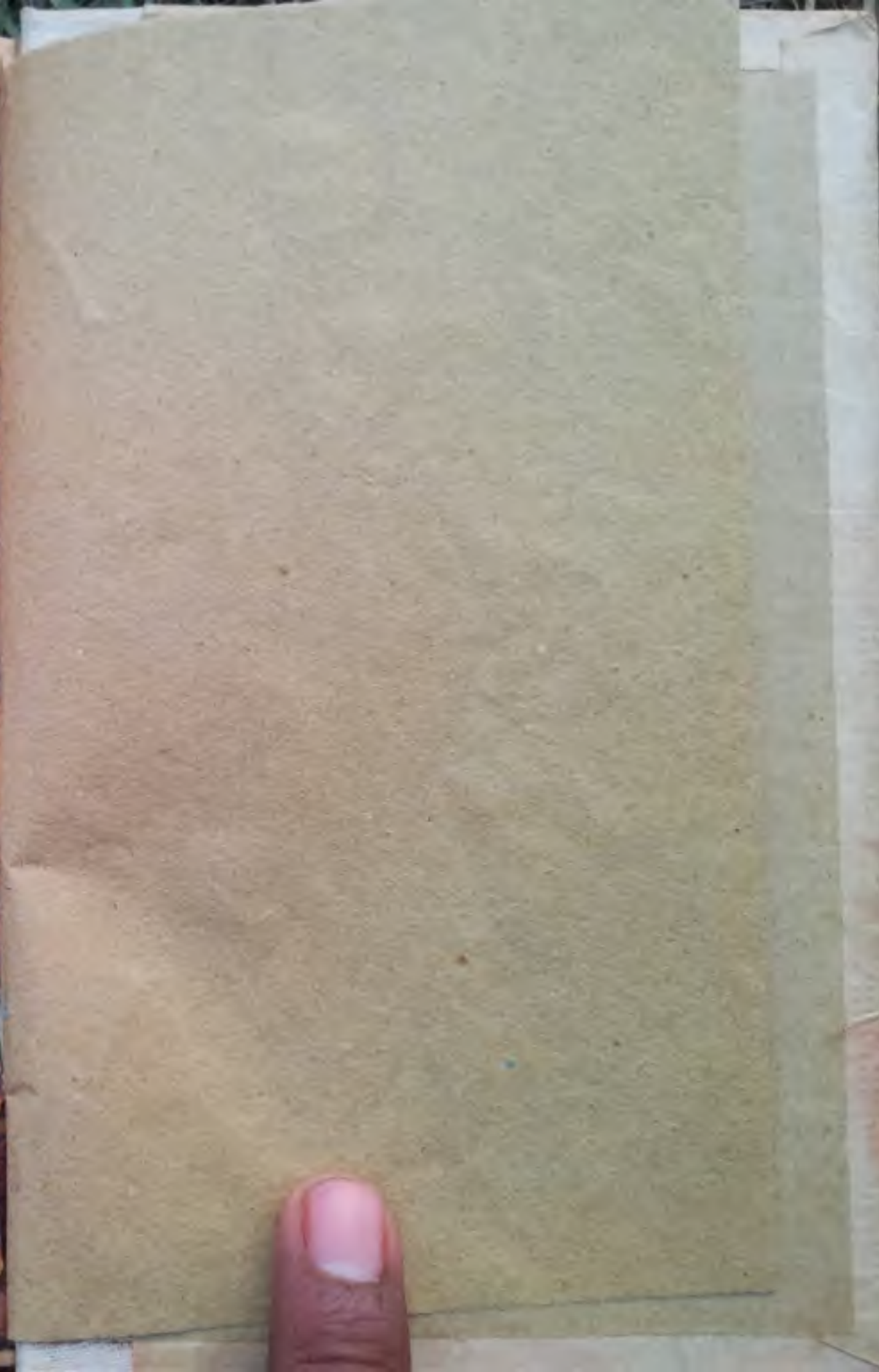
موت کا تعاقب ۹۱
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

آتش فشاں وادی

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

طابع : شیخ نیاز احمد

مطبع : غلام علی پرنٹرز

جامعہ اشرفیہ، اچھرہ، لاہور

SH: GHULAM ALI & SONS (PVT) LAHORE

قیمت RS 10. 00

مقامِ اشاعت:

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز

۱۹۹۔ سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۲/۵۴۰۰۰

- شعلے ہی شعلے
- موت کی روشنی
- قیدی ملکہ
- رومن درندے
- آتش فشاں وادی
- سیاہ پوش

پیارے بچو!

ناگ، عنبر اور ماریا بابل میں آ گئے ہیں۔ وہاں بادشاہ ڈوسار ایک ظالم اور سنگدل حکمران ہے جس نے ملکہ کو قید کر کے اس کے بچوں کی گرفتاری کا حکم دے رکھا ہے۔ شہزادہ اور شہزادی کسی طرح سے بھاگ کر عنبر کے پاس آ جاتے ہیں۔ عنبر انہیں اپنی اڑن طشتری میں پناہ دیتا ہے اور بابل کے بادشاہ پر حملہ کر کے اس کے ملک کو ملکہ کے حوالے کر کے بحیرہ روم کے نیلے سمندروں میں ایک جگہ چٹانوں میں اتر جاتا ہے۔ آدھی رات کو اندھیرے میں ایک سپاہی جو کہ پومپیائی شہر کا پہریدار ہے چٹانوں میں آتا ہے تو اڑن طشتری کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے، عنبر کو معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی ملکہ قید کر کے رومن شہر میں لائی گئی ہے اور کل اسے بھوکے شیروں کے آگے ڈالا جائے گا۔ ناگ ملکہ کو بچانے کے لئے قلعے کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

پھر کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ خود پڑھیں۔

شعلے ہی شعلے

●

آخری دروازہ بالکل سامنے تھا۔

ملکہ ہوش میں آ چکی تھی۔ ناگ نے اسے ساتھ لیا اور رات کے ڈھلتے اندھیرے میں فصیل کے دوازے کی طرف بڑھا۔ یہاں صرف ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ اس پہرے دار کو کوئی خبر نہیں تھی کہ قلعے میں ملکہ کے فرار کا شور مچ گیا ہے۔ وہ اونگھ رہا تھا۔ ناگ کے لئے یہ ایک سنہری موقع تھا۔ اس نے پیچھے سے آ کر پہرے دار پہ حملہ کر کے اسے گرا دیا۔ پہرے دار نے اٹھتے ہی تلوار سونت لی مگر ناگ پہلے ہی خبردار ہو چکا تھا۔ اس نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر ہاتھی کا روپ بدل لیا تھا اور پہرے دار کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر دور گڑھے میں پھینک دیا۔ پھر اس نے ٹکر مار کر دروازہ توڑ ڈالا۔ ملکہ نے پہلے ناگ کو شیر بنتے دیکھا تھا اب وہ اسے ہاتھی کی شکل میں دیکھ رہی تھی اور اس کا رنگ اڑ گیا تھا۔

ہاتھی نے دوبارہ انسان کی شکل بدل لی اور ملکہ کو کہا۔

"جلدی میرے ساتھ آئیں ملکہ! یہ وقت حیران پریشان ہونے

کا نہیں"

ملکہ ناگ کے پیچھے چل دی اور وہ قلعے کی فصیل کے ٹوٹے ہوئے دروازے سے نکل کر باہر آ گئے۔ باہر عنبر گھوڑے لئے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ انہوں نے ملکہ کو گھوڑے پر سوار کروایا اور رات کی تاریکی میں پہاڑیوں کی طرف نکل گئے۔

غار میں پہنچ کر ملکہ نے اپنے بچوں کو دیکھا تو خوشی سے نہال ہو گئی۔ مگر سب سے زیادہ حیرانی اسے اڑن طشتری کو دیکھ کر ہوئی۔

عنبر نے کہا۔

"ملکہ! ابھی آپ کئی ایک چیزیں دیکھیں گی جس پر آپ کو بڑی حیرانی ہو گی۔ بہتر یہی ہے کہ آپ حیران نہ ہوں اور خاموش رہیں۔ بہرحال یہ اب ہمارا فرض بن گیا ہے کہ آپ کے بیٹے کو اس کا تخت واپس دلایا جائے۔ کیونکہ آپ کا بیٹا ہی اس تخت کا جائز حق دار ہے۔"

ملکہ نے کہا۔

"ڈوسار کی فوج بے شمار ہے۔ آپ لوگ اکیلے اس کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ کیا آپ کے پاس فوج کا لشکر ہے؟"

ناگ بولا۔

"ہمارے پاس کئی لشکر ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔"

شہزادے نے کہا۔

"امی جان! اب آپ آرام کریں۔ باقی صبح دیکھا جائے گا۔"

دوسری طرف ڈوسار کو جب خبر ملی کہ ملکہ فرار ہو گئی ہے تو وہ غصے سے کانپنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ سب سے پہلے تو اس نے زندہ بچے پہریداروں کو قتل کر دیا۔ پھر حکم دے دیا کہ ملکہ، شہزادہ اور شہزادی، ان تینوں میں سے جو کوئی، جہاں کہیں بھی ملے اسے اسی جگہ مار ڈالا جائے اور اس کا سر میرے حضور پیش کیا جائے۔ سر پیش کرنے والے کو ایک لاکھ اشرفیاں انعام میں دی جائیں گی۔ اس کے ساتھ ہی سپہ سالار بادشاہ ڈوسار خود بھی ایک دستہ فوج کا لے کر صبح صبح قلعے سے باہر نکل کھڑا ہوا۔

یہ بادشاہ ڈوسار کی بڑی بے عزتی تھی کہ اس کے تینوں شاہی قیدی راتوں رات قلعے کی جیل سے فرار ہو گئے تھے اور اس کے سپاہی کچھ نہ کر سکے تھے۔ غصے سے وہ آگ کا شعلہ بنا ہوا تھا۔ وہ ہر قیمت پر ملکہ، شہزادی اور شہزادے کو پکڑنا چاہتا تھا۔ اسکے ساتھ آگے آگے اس کا خاص وزیر گھوڑے پر جا رہا تھا۔ اس نے ڈوسار سے کہا۔

"آخر یہ لوگ بھاگ کر کہاں جا سکتے ہیں؟ یہیں کہیں چھپے ہوں گے۔"

بادشاہ ڈوسار نے کہا۔

"میں اس بات پر حیران ہوں کہ ملکہ کو فرار کراتے ہوئے فصیل

کا دروازہ ہاتھی نے کیسے توڑا؟ .... یہ ہاتھی
شاہی فیل خانے سے کیسے لایا گیا؟"

وزیر نے کہا۔

"یقین نہیں آتا کہ قلعے میں ہاتھی چڑا کر اس کی مدد حاصل کی گئی
ہو۔ فیل خانہ تو ساری رات بند رہتا ہے۔ پہرے داروں کا کہنا
ہے کہ رات کو کوئی بھی ہاتھی باہر نہیں دیکھا گیا۔

ڈوسار بولا۔

"مگر میرے خاص سپاہی نے ہاتھی دیکھا ہے۔ جس نے فصیل کے
دروازے کو ٹکر ماری تھی۔

وزیر بولا۔

"دیوتا ہی بہتر جانتے ہیں"

بادشاہ ڈوسار نے چلا کر کہا۔

"ہمیں کیوں معلوم نہیں؟ یہی تو میں پوچھنا چاہتا ہوں۔ آخر میرے
آدمی کس مرض کی دوا ہیں؟ میرے پہرے داروں نے ساری دنیا
میں مجھے بدنام کر دیا ہے۔ میرے شاہی قیدی فرار ہو جائیں
اور میں کچھ نہ کر سکوں"

وزیر نے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ ہم ان لوگوں کو بڑی جلدی گرفتار کر لیں گے۔
وہ رات ہی رات میں کہاں جا سکتے ہیں؟ فصیل کے باہر گھوڑوں

کے کھروں کے نشان وادی کی طرف جاتے ہیں۔"

"اس وادی کو گھیرے میں لے کر ایک ایک چپے چپے کی تلاشی کی
جائے۔ یہ میرا حکم ہے۔" اور اس کے بعد بوگیر کتوں کو لایا جائے۔
ہم کتوں کی مدد سے ملکہ اور اس کے بچوں کو تلاش کر کے چھوڑیں
گے۔ وہ ان پہاڑیوں میں کسی جگہ چھپے ہوں گے۔"

دن چڑھے تک فوج نے ساری وادی چھان ماری۔ پہاڑیوں
کا بھی چپہ چپہ دیکھا گیا مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ اصل میں عنبر اور
ناگ کو معلوم تھا کہ لشکری سپاہی ملکہ، شہزادی اور شہزادے کی تلاش
میں پہاڑیوں میں ضرور نکلیں گے۔ پس انہوں نے سب سے پہلے اس
بات پر غور کیا کہ کسی طریقے سے اس غار کے منہ کو چھپا دیا
جائے۔ وقت کم تھا۔ انہوں نے مل کر دن نکلنے سے پہلے پہلے
غار کے منہ کے آگے بے شمار جھاڑیاں لا کر اس طریقے سے
ڈال دیں کہ کسی کو شک ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہاں کوئی غار
بھی ہے۔ یہی لگتا تھا کہ بے شمار جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں۔

جس وقت بادشاہ اپنی فوج کے ساتھ وہاں آیا تو اسے
سوائے جنگلی جھاڑیوں کے وہاں کچھ نظر نہ آیا۔ ڈوسار نے گھوڑا
روک لیا اور جھاڑیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"ان جھاڑیوں میں تیروں کی بارش کر دو۔ اگر میرے دشمن یہاں
چھپے ہوں گے تو ان کے جسم چھلنی ہو جائیں گے۔"

سپاہیوں نے کمانوں میں تیر جوڑے اور ایک ساتھ چھوڑ دیئے۔ بے شمار تیر جھاڑیوں میں گھس گئے۔ اسی طرح نیزوں کی ایک اور باڑ جھاڑیوں پر پڑی۔ کافی تیر پھینکنے کے بعد جب جھاڑیوں میں سے کسی انسان چیخ کی آواز سنائی نہ دی تو وزیر نے کہا۔

"حضور! ان جھاڑیوں میں ہمارے دشمن نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں ندی کے پار والے جنگل میں چل کر انہیں تلاش کرنا چاہیے۔"

فوج کا دستہ ندی کے پار والے جنگل میں آ گیا۔ اس جنگل کا ایک ایک درخت کھنگالا گیا۔ مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ بادشاہ ڈوسار واپس محل میں آ گیا۔ اس نے وزیر سے غصے میں کہا۔

"تم اپنے ساتھ بوگیر کتے اور کچھ سپاہی لے جا کر وادی میں ایک بار تلاش کرو۔ کتے ملکہ کی بو پر ضرور جائیں گے۔ کتوں کو ملکہ کے لباس کا کوئی ٹکڑا سنگھا دیا جائے"

وزیر نے جھک کر کہا۔

"جو حکم حضور!"

اسی وقت چھ بوگیر کتوں کو ملکہ کا ایک پرانا لباس لا کر سنگھا دیا گیا۔ بو سونگھ کر کتے بھونکنے لگے۔ انہیں کھلا چھوڑ دیا گیا۔ کتے وادی کی طرف بھونکتے ہوئے بھاگنے لگے۔ وزیر کے ساتھ چھ سات سپاہی تھے۔ انہوں نے کتوں کے پیچھے اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ کتے اب وادی میں پہنچ گئے تھے۔ ان بدبختوں کو ملکہ کی بو ہوا

ہوا میں برابر آ رہی تھی اور وہ بو کی سمت کو جا رہے تھے۔ یہ بو ایک پہاڑی کی طرف سے آ رہی تھی جو دور کھڑی تھی۔ بو بڑی ہلکی تھی مگر کتے اسے برابر سونگھ رہے تھے اور بھونکتے ہوئے بھاگے جا رہے تھے۔

وزیر نے اپنے خاص سپاہی سے کہا۔

"کتے ٹھیک سمت کو جا رہے ہیں۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ چوکس رہیں"

"بہت بہتر جناب"

اس نے سپاہیوں کو خبردار کر دیا کہ کتے ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ ہوشیار رہنا اور چلتے چلے جانا۔

غار کے اندر ناگ، ماریا اور عنبر کنٹرول روم کے ساتھ والے کمرے میں بیٹھے قلعے پر حملے کے بارے میں سکیم بنا رہے تھے کہ انہوں نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں۔ یہ آوازیں شہزادی اور شہزادے نے بھی سن لی تھیں۔

ملکہ ساتھ والی آرام کرسی پر سو رہی تھی۔ ابھی ابھی انہوں نے ناشتہ کیا تھا۔ ملکہ بہت تکلیفیں برداشت کر چکی تھی اور عمر بھی زیادہ تھی اس لیے وہ سو گئی تھی۔ شہزادے نے سب سے پہلے کتوں کی آواز سنی۔ یہ آوازیں دور وادی سے آ رہی تھیں اور بڑی مدھم مدھم تھیں۔ اس نے چونک کر شہزادی کو دیکھا۔

"وہ لوگ ملکہ کے تعاقب میں کتے لے کر نکل آئے ہیں"
شہزادی بھی پریشان ہو گئی۔
"اب کیا ہو گا؟"
شہزادے نے کہا۔
"عنبر اور ناگ نے بڑا اچھا کیا جو غار کا منہ جھاڑیوں سے
ڈھانپ دیا۔ اب وہ لوگ ادھر کا رخ نہیں کریں گے"۔
"مگر کتے تو غار کے باہر کھڑے ہو کر بھونکتے رہیں گے
انہیں اندر سے ہماری بُو آ رہی ہو گی۔ وہ تو اپنی جگہ سے ہرگز
نہیں ہلیں گے۔ پس اس طرح سے سپاہیوں کو شک ہو گا اور وہ
جھاڑیوں کو اتھل پتھل کر دیکھیں گے اور انہیں غار کا دروازہ مل جائیگا"
شہزادی کی اس بات پر شہزادہ بھی سوچ میں پڑ گیا۔
"بات تو ٹھیک لگتی ہے۔ چلو عنبر اور ناگ سے چل کر بات
کرتے ہیں"
وہ عنبر اور ناگ کے کمرے میں آ گئے۔ عنبر اور ناگ پہلے
ہی کتوں کی آوازیں سن رہے تھے۔ ماریا قریب ہی بیٹھی تھی۔ انہیں
خیال تھا کہ کہیں وہ ماریا کی بات نہ سن لیں، یا کم از کم ان کے
ہوتے ہوئے ماریا بات نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے انہوں نے شہزادی
اور شہزادے کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا۔
"تم فکر نہ کرو۔ واپس کمرے میں جا کر ملکہ کا خیال رکھو۔

اگر وہ اٹھ کر پریشان ہو گئیں تو ان کی خبرگیری کون کرے
گا۔ تم چلو۔ باقی یہ ہم سنبھال لیں گے"
شہزادی اور شہزادہ واپس کمرے میں آ گئے۔ اب ملکہ بھی اٹھ
چکی تھی۔ اس نے بھی کتوں کی آوازیں سن لی تھیں جو اب صاف
صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ پریشان ہوئی تو شہزادی اور
شہزادے نے اس کا حوصلہ بڑھایا اور کہا کہ وہ لوگ اس
گھر کے اندر نہیں آ سکتے۔ آپ بے فکر رہیں۔
باہر کتوں نے غار کے آگے جھاڑیوں کے قریب آ کر
زور زور سے بھونکنا شروع کر دیا تھا۔ وزیر اپنے سپاہیوں
کے ساتھ گھوڑے روک کر وہاں کھڑا ہو گیا۔
"ان جھاڑیوں میں تلاش کرو۔ ہو سکتا ہے ملکہ اور شہزادہ
اسی جگہ چھپے ہوئے ہوں"
سپاہیوں نے گھوڑوں سے اتر کر جھاڑیوں میں نیزے
مار مار کر ملکہ اور شہزادے شہزادی کو تلاش کرنا شروع
کیا۔ جھاڑیاں قدرتی تو تھی نہیں۔ بس اِدھر اُدھر سے کاٹ
کر ڈھیر سا لگا دیا گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ جھاڑیاں
چھٹ گئیں اور پیچھے غار کا دروازہ نظر آ گیا۔
وزیر گھوڑے سے اتر کر غار کے منہ کو غور سے تکنے
لگا۔ اس کے چہرے پر مسرت کی چمک آ گئی۔ کتے غار میں

جانے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔

وزیر نے کہا۔

" حضور ہمارے قیدی اسی غار میں ہیں۔ کتوں کو چھوڑ دیا جائے "

کتے رسیوں کے کھلتے ہی غار میں لپکے۔ وزیر اور سپاہی غار کے باہر کھڑے رہے اُدھر عنبر اور ناگ اڑن طشتری کے دروازے پر کھڑے تھے اور انہوں نے کتوں کے استقبال کا پورا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ جونہی کتے غار کا موڑ گھوم کر اڑن طشتری کے سامنے آئے عنبر نے اڑن طشتری کی دیوار سے لگا ایک بٹن دبایا۔ باہر کے رخ سے ایک نیلی شعاع نکل کر کتوں پر گری اور ایک ہلکے سے دھماکے کے ساتھ کتوں کو جلا کر راکھ کر گئی۔

وہاں اب کتوں کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ عنبر نے اڑن طشتری کا دروازہ بند کر لیا۔ ناگ نے کہا۔

" سپاہی ضرور کتوں کی تلاش میں اندر آئیں گے۔ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ کم بختوں نے غار کا دروازہ دریافت کر لیا ہے۔ ہماری اڑن طشتری کا راز ان پر ظاہر ہو جائیگا "

عنبر نے کہا۔

" انہیں بھی یہاں سے واپس نہیں جانے دیا جائے گا "

جب کتوں کو غار میں گئے دیر ہو گئی اور ان کی آوازیں آنا بھی بند ہو گئیں تو وزیر کو تشویش ہوئی۔ اس نے سپاہیوں سے کہا۔

" اندر جا کر معلوم کرو۔ کتے کہاں جا کر سو گئے ؟ ان کی آوازیں بھی نہیں آ رہی ہیں۔ پتہ کرو کہ کیا وجہ ہے ؟

چھ کے چھ سپاہیوں نے ڈرتے ڈرتے غار کے اندر قدم رکھا۔ ان کے ایک ہاتھ میں ڈھال اور دوسرے ہاتھ میں تلواریں تھیں۔ وہ پرانے زمانے کے سپاہی تھے اور اندر جدید ترین دور کی اڑن طشتری کی بنفشی ہلاکت خیز شعاعیں ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ سپاہی آگے پیچھے اندر جا رہے تھے۔ موڑ گھومتے ہی انہیں سامنے چاندی کی طرح چمکتی ایک بڑی بڑی گول طشتری دکھائی دی۔ وہ ڈر کر وہیں رک گئے اور حیرت سے طشتری کو تکنے لگے۔

طشتری میں سے لال رنگ کی روشنی اوپر کو اٹھ رہی تھی۔

وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

وہ واپس جانے کا سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک طشتری کی دیوار میں سے بنفشی رنگ کی ایک تیز شعاع لپکی اور سپاہیوں کے اوپر آ کر گری۔ ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا اور چھ کے چھ سپاہی غائب ہو گئے۔ غار میں ایک بار پھر گہرا

سناٹا چھا گیا۔ جیسے وہاں کبھی کوئی سپاہی تھا ہی نہیں۔

وزیر غار کے باہر کھڑا تھا۔ سپاہی بھی اندر جا کر گم ہو گئے تھے۔ وہ پریشان ہو کر غار میں داخل ہوا۔ اس کا گھوڑا باہر ہی تھا۔ آدمی چالاک تھا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا اور غار کی دیوار کے ساتھ لگ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ جونہی وہ موڑ گھوما تو اسے سامنے ایک عجیب سی شے دکھائی دی۔ رکا اور تیزی سے واپس بھاگا۔ باہر آ کر گھوڑے پر سوار ہوا اور قلعے کی طرف اٹھ دوڑا۔

وزیر کو غار سے باہر بھاگتے عنبر نے بھی دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے اسی وقت آپس میں مشورہ کیا۔ کہ اب کیا کرنا چاہیئے؟

"وزیر نے یقیناً اڑن طشتری دیکھ لی ہو گی۔ وہ ہماری اڑن طشتری دیکھ کر ہی بھاگا ہے"

ماریا نے کہا۔

"اگر وہ ہماری اڑن طشتری دیکھ بھی لیں تو اس سے ہمیں کیا فرق پڑے گا؟"

ناگ بولا۔

"فرق تو کچھ نہیں پڑے گا۔ لیکن ان کے پاس ہمارا راز وقت سے پہلے چلا جائے گا۔ اس کے علاوہ وہ غار کے منہ پر زبردست آگ لگا کر ہمارے لیے

بہت سی پریشانیاں پیدا کر سکتے ہیں۔ آگ سے بچنا ہمارے لیے بھی بڑی مشکل بات بن جائے گی"

ماریا نے پوچھا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے؟ کیا ہم یہاں سے نکل جائیں؟"

عنبر نے کہا۔

"یہاں سے نکل کر ہم کہاں جا سکتے ہیں؟ کیا اس سارے علاقے میں اس قسم کی غار ہمیں مل جائے گی جہاں ہم اپنی اڑن طشتری رکھ سکیں گے؟"

ناگ نے کہا۔

"یہ تو یہاں سے نکل کر ہی پتہ چل سکے گا"

ماریا نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہم یوں ہی اتنی فکر و پریشانی کر رہے ہیں۔ ہمیں اسی غار میں رہنا چاہیئے۔ بلکہ ہمیں تو اب باہر نکل کر قلعے پر حملہ کر دینا چاہیئے آخر ہم کس بات کا انتظار کر رہے ہیں؟"

عنبر اور ناگ ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ جیسے پوچھ رہے ہوں۔ ٹھیک ہے۔ اب ہم کس بات کا انتظار کر رہے ہیں؟ ہمیں حملہ کر دینا چاہیئے، ماریا نے ایک بار پھر زور دے کر کہا۔

"حملے کا وقت آگیا ہے۔"

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم آج رات حملہ کر دیں گے۔
ٹھیک ہے۔ اب ہمیں مزید انتظار کی ضرورت نہیں۔
ہم آج آدھی رات گذرنے کے بعد حملہ کریں گے۔"

ادھر حملے کا فیصلہ ہو چکا تھا اور دوسری طرف وزیر بھاگم بھاگ قلعے میں آیا اور سیدھا بادشاہ ڈوسار کے محل میں جا کر اسے ساری کہانی سنا ڈالی کہ پہلے کتے غائب ہوئے۔ پھر سپاہی گم ہو گئے۔

"اور جب میں نے آگے جا کر دیکھا تو غار کے اندر ایک عجیب گول سی شئے بیٹھی تھی جس کے سر میں سے لال رنگ کی روشنی باہر نکل رہی تھی"

بادشاہ ڈوسار نے اتنا سنا تو تلوار نکال کر لہرائی۔

"دیوتا زیوس کی قسم! جس بھوت نے میرے قیمتی کتے اور سپاہی ہضم کئے ہیں۔ میں خود اسے جا کر ہلاک کر دوں گا"

وہ یہ سمجھا کہ غار کے اندر کوئی بھوت یا اژدہا قسم کی شے ہو گی۔ وزیر نے کہا۔

"حضور! وہ نہ تو کوئی اژدہا ہے اور نہ کوئی شے نہ کبھی پہلے دیکھی نہ کبھی سنی"

بادشاہ نے کہا

"ہم اپنی فوج کا ایک دستہ لے کر چلیں گے اور اس شئے کو غار کے اندر ہی ختم کر دیں گے"

وزیر نے بادشاہ کو بہتیرا منع کیا مگر وہ نہ مانا اور فوج کا ایک دستہ لے کر غار کے دروازے پر آگیا۔ اس نے سپاہیوں کو حکم دیا۔

"اندر جا کر بھوت پر حملہ کر دو"

سپاہی تلواریں اور نیزے اور ڈھالیں سنبھال کر اندر گھس گئے۔ مگر بھلا بنفشی ایٹمی شعاؤں کے آگے انکی تلواریں اور نیزے کیا کر سکتے تھے۔ جونہی وہ اڑن طشتری کے سامنے آئے اس میں سے بنفشی شعاع نے نکل کر ان سب کو آگ کا شعلہ بنا کر غائب کر دیا۔

جب سارے سپاہی باری باری غار کے اندر بھسم ہو گئے تو بادشاہ پریشان ہو گیا۔ وزیر نے کہا۔

"حضور! بھاگ چلیں۔ یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

بادشاہ نے کڑک کر کہا۔

"میں خود اپنے دشمن کا مقابلہ کروں گا۔ مجھے یقین ہے ملکہ اور شہزادہ اسی غار میں پناہ لئے ہوئے ہیں"

وزیر نے کہا۔

"حضور! وہ تو ٹھیک ہے مگر آپ دیکھتے نہیں کہ غار کے اندر
جو بھی گیا جل کر بھسم ہو گیا۔ آپ کی زندگی رعایا کے لئے بڑی قیمتی
ہے۔ آپ یہاں سے قلعے میں واپس چلے چلیں۔ وہاں جا کر حملے کی
کوئی نئی ترکیب سوچتے ہیں"

بادشاہ کسی صورت وہاں سے جانے پر راضی نہ تھا۔ مگر وزیر
اسے زبردستی وہاں سے لے گیا۔ محل میں جا کر بادشاہ نے شاہی
نجومی کو بلا کر کہا۔

"حساب لگا کر بتاؤ۔ یہ کیا آفت غار کے اندر آ کر بیٹھ گئی ہے"
شاہی نجومی نے ستاروں کا حساب لگایا اور اس کی آنکھیں
کھل گئیں۔ بادشاہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"حضور انور! میرے حساب سے یہ کسی عجیب و غریب ستارے
سے آیا ہوا بھوت ہے جس کی آنکھوں سے ہلاک کرنے والی
شعاعیں نکلتی ہیں"

بادشاہ نے غصے میں آ کر کہا۔

"کیا اس کا کوئی توڑ نہیں ہے؟"

نجومی نے کہا۔

"حضور پر نور! اس کا توڑ میرے حساب کے مطابق کوئی
نہیں ہے"

بادشاہ نے غصے میں گرج کر کہا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے تم بھی"

بادشاہ بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

"ہم اس بھوت کو ختم کر کے دم لیں گے۔ ہم کیا کریں؟"
پھر وہ رک کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم غار میں آگ لگا دیں گے"

اس نے حکم دے دیا کہ قلعے میں جس قدر رال اور تارپین
کا تیل ہے غار میں لے جا کر بہا دیا جائے اور آگ لگا دی
جائے۔ یہ حملہ عنبر اور ناگ کی اڑن طشتری کے لئے خطرناک ہو
سکتا تھا۔ سپاہیوں نے رال اور تارپین کے تیل کے بڑے
بڑے مٹکے سروں پر اور ریڑھوں پر رکھے اور غار کے منہ
پر لے گئے۔ اتفاق سے شہزادہ باہر کھڑا تھا۔ اس نے بھاگ
کر عنبر کو اطلاع دی کہ بادشاہ کے سپاہی غار میں تیل ڈال
کر آگ لگانے والے ہیں۔ ناگ اور عنبر نے جلدی سے انہیں
اڑن طشتری میں بٹھایا۔ دروازہ بند کیا اور تھراٹل آگے بڑھا
دی۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ اڑن طشتری اپنی جگہ سے اٹھی
اور تیزی سے غار سے باہر نکل گئی۔ کیونکہ آگ لگنے کی صورت
میں ان کی اڑن طشتری تباہ ہو سکتی تھی۔

سپاہی باہر رتھوں اور ریڑھوں پر سے رال کے مٹکے

دوسری طرف نکل آئے تھے۔ شہزادی، شہزادہ اور ملکہ اڑن طشتری کے گول شیشوں میں سے نیچے زمین کو تک رہے تھے۔ ملکہ کو تو چکر آ گیا۔ وہ زندگی میں پہلی بار پہاڑیوں اور وادیوں کے اوپر پرواز کر رہے تھے۔ انہیں یہ سب کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ ناگ نے سکرین پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"عنبر! ان پہاڑیوں میں ایسا کوئی غار نہیں ہے جس کے اندر ہم اپنی اڑن طشتری چھپا دیں۔"

ماریا نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں کسی پہاڑی کی سب سے اونچی چوٹی پر اسے کھڑا کر دینا چاہیئے۔"

ناگ بولا۔

"ماریا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہمیں اپنی طشتری پہاڑی کے اوپر رکھ دینی چاہیئے۔ اس طرح سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ پہاڑی کے اوپر آ کر فوج بھی ہماری طشتری کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔ میں اسے روکنے لگا ہوں"

عنبر نے اتنا کہہ کر تھراٹل نیچے کر دیا۔ اڑن طشتری ذرا ایک طرف جھکی اور نیچے پہاڑی کی چوٹی پر آ کر ٹک گئی۔ یہ پہاڑی خاصی اونچی تھی اور چوٹی پر ایک چوڑا تختہ تھا۔ اس جگہ طشتری دور

سے صاف نظر آتی تھی اور دھوپ میں وہ چمک رہی تھی۔

قلعے کی فصیل پر سے فوجیوں نے اور محل کی چھت پر سے بادشاہ ڈوسارہ اور وزیر نے اڑن طشتری کو پہاڑی کی چوٹی پر چمکتے دیکھ لیا تھا۔ وزیر نے کہا۔

"یہ بھوت پہاڑ کے اوپر آ گیا ہے"

ڈوسارہ اندر سے کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ اگر بھوت غار کے اندر ہوتا تو وہ آگ لگا کر اسے نقصان پہنچا سکتا تھا مگر پہاڑی کی چوٹی پر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے وزیر سے کہا۔

"اس دشمن کو ہم کس طرح سے تباہ کر سکتے ہیں؟"

وزیر بولا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کم بخت اس نے ہمارے کئی ایک سپاہی ہلاک کر ڈالے ہیں۔ یہ بھوت اپنے اندر سے کوئی نیلی روشنی پھینکتا ہے جس سے ہر شے بھسم ہو جاتی ہے۔"

بادشاہ بولا۔

"وہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس کو تباہ کیوں کر کیا جائے؟ شہزادی شہزادے اور ملکہ نے اسی بھوت کے اندر پناہ لے رکھی ہے۔ مجھے تو یہ کوئی اڑن کھٹولا لگتا ہے عجیب شئے ہے۔ بڑی تباہی پھیلا سکتا ہے یہ اڑن کھٹولا"

وزیر نے کہا۔

"آپ کا کیا خیال ہے حضور؟ ہمیں اب کیا کرنا چاہیے؟"
"تم کیا مشورہ دیتے ہو؟"
وزیر بولا۔
"میرا مشورہ تو یہ ہے کہ ہمیں آدھی رات کو چھپ کر پہاڑی
پر ہلہ بول دینا چاہیئے تاکہ بے خبری میں اس اڑن کھٹولے کو آگ
لگا کر تباہ کر دیں"
بادشاہ نے وزیر کی طرف دیکھا اور کہا۔
"اچھا خیال ہے۔ لیکن اگر اس اڑن کھٹولے والوں کو ذرا
پتہ چل گیا تو ہمارے سپاہیوں کی خیر نہیں"
"پھر آپ کیا سوچتے ہیں؟"
بادشاہ بولا۔
"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں انتظار کرنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے
یہ اڑن کھٹولا اپنے آپ یہاں سے دفع ہو جائے"
قلعے میں محل میں اور شہر میں لوگوں میں ایک ہراس پھیل گیا
تھا کہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق آ گئی ہے۔ اس مخلوق کے پاس
چاندی کا اڑن کھٹولا ہے جس میں سے شعاع نکلتی ہے۔ یہ موت
کی شعاع ہے۔ جس پر گرتی ہے بھسم ہو جاتا ہے۔ سپاہیوں
پر بھی دہشت چھا رہی تھی۔
ادھر ناگ، عنبر اور ماریا نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

ماریا نے کہا کہ حملہ کر دیا جائے۔ عنبر نے کہا۔
"حملہ کرنے سے بہت سے بے گناہ لوگ بھی مر جائیں گے۔
اس لئے میرا خیال ہے کہ بادشاہ ڈوسارے سے بات چیت کی جائے۔
اگر وہ پر امن طور پر تاج و تخت اس کے جائز وارث شہزادے
کو دینے پر راضی ہو جائے تو اتنی بربادی پھیلانے کی کیا ضرورت
ہے؟"
ناگ بولا۔
"وہ کبھی راضی نہیں ہو گا۔"
عنبر نے کہا۔
"میں اس کے پاس جا کر اسے منانے کی کوشش کروں گا۔"
ماریا بولی۔
"عنبر بھائی! تم اپنا وقت ضائع کرو گے"
عنبر کہنے لگا۔
"مجھے بے گناہ لوگوں کو تباہی سے بچانے کے لئے اس
بادشاہ سے بات چیت کرنی ہی ہو گی۔ تم لوگ میرا انتظار کرو
وہ میرا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔"
میں جاتا ہوں"
اپنے اس فیصلے سے عنبر نے شہزادے اور ملکہ کو بھی آگاہ
کر دیا۔ انہوں نے بھی اس فیصلے کو پسند کیا۔ دوپہر کے بعد عنبر

پہاڑی سے اٹھ کر قلعے کی طرف چل پڑا۔ قلعے کا دروازہ بند
تھا۔ اوپر پہرے دار تیر اٹھائے کھڑے تھے۔ انہوں نے
عنبر کو دیکھا تو ایک تیر اس کے پاؤں کے قریب مار کر کہا۔
"خبردار! آگے نہ بڑھنا۔ کون ہو تم؟"
عنبر نے منہ اوپر اٹھا کر کہا۔
"میں تمہارے بادشاہ سے صلح کی بات چیت کرنے آیا
ہوں۔ مجھے اڑن کھٹولے والوں نے بھیجا ہے"
عنبر کو پتہ چل چکا تھا کہ شہر اور قلعے میں ان کی اڑن
طشتری کو اڑن کھٹولے کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اوپر
سے پہرے دار نے کہا۔
"انتظار کرو۔ ہم بادشاہ کو اطلاع بھجوا رہے ہیں جواب
آنے پر تمہیں بتا دیا جائے گا"
عنبر اسی جگہ کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد قلعے کے دروازے
کی چھوٹی کھڑکی کھل گئی اور ایک سپاہی نے عنبر کو بلا کر کہا۔
"میرے ساتھ آؤ"
وہ عنبر کو لے کر محل میں آگیا۔ بادشاہ محل کی شاہی بارہ دری
میں تخت پر بیٹھا تھا۔ وزیر اور امرا بھی اس کے آس پاس
تھے۔ سپاہی تلواریں لئے اس کی حفاظت کے لئے دائیں بائیں
کھڑے تھے۔ بادشاہ نے عنبر کو گھور کر دیکھا اور اپنے وزیر

سے سرگوشی میں کہا۔
"کم بخت! یہ تو بالکل ہم انسانوں کی طرح ہے"
وزیر نے کہا۔
"کوئی پتہ نہیں اس نے بھیس بدل رکھا ہو"
"کیا مطلب؟" بادشاہ نے سرگوشی میں پوچھا۔
وزیر بولا۔
"مطلب یہ کہ کوئی خبر نہیں یہ اندر سے کوئی بھوت ہو اور
انسان کے روپ میں چل پھر رہا ہو"
بادشاہ نے کہا۔
"میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔ میں اس کا بھوت نکال کر باہر
پھینک دوں گا۔ تم دیکھتے رہو"
پھر بادشاہ نے عنبر کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔
"کون ہو تم؟ کیا کہنے آئے ہو یہاں؟"
عنبر نے دل میں سوچا۔ بڑا احمق بادشاہ ہے۔ اس کو بات
کرنے کی بھی تمیز نہیں۔ یہ ضرور لوگوں کا خون کروائے گا۔ پھر وہ
بادشاہ کی طرف دیکھ کر بولا۔
"میرا نام عنبر ہے"
بادشاہ نے مذاق سے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔
"پھر میں کیا کروں؟ یہ بتاؤ کہ تم کس لئے آئے ہو؟"

عنبر نے کہا۔
"سنو بادشاہ سلامت! ہم ایک دوسری دنیا سے آئے ہیں
اور اس دنیا میں بے انصافی اور ظلم کو نہیں دیکھ سکتے۔ آپ کے
ملک کے تخت کا حق شہزادے اور اس کی ماں کو ہے جن کو آپ
نے قید میں ڈال رکھا تھا اور جو اب ہماری پناہ میں ہیں"
بادشاہ کو غصہ آگیا۔ تخت سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔
"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"
عنبر نے کہا۔
"میں یہ کہنے آیا ہوں کہ اس ملک یا شہر کا تخت اس کے
جائز وارث کے حوالے کیا جائے اور ہم سے جنگ نہ لڑی
جائے۔ کیونکہ جنگ کی صورت میں زبردست تباہی پھیلے گی اور
ہزاروں لوگ مر جائیں گے"
بادشاہ نے تلوار پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔
"تم جانتے ہو کس کو دھمکی دے رہے ہو؟"
عنبر بولا۔
"بادشاہ سلامت! میں دھمکی نہیں دے رہا۔ میں تو حقیقت
بیان کر رہا ہوں۔ اگر آپ نے ہماری سچی بات نہ مانی تو پھر ہم
حملہ کر دیں گے اور خطرہ ہے کہ آپ کی ساری فوج اور یہ
قلعہ نیست و نابود ہو جائیں گے"

بادشاہ غصے سے کانپنے لگا۔ ہاتھ اٹھا کر کڑک کر بولا۔
"گرفتار کر لو اس گستاخ کو اور اسی وقت دیوتا زیوس
کے آگے لے جا کر اس کا سر قلم کر دو"
سپاہی تیزی سے آگے بڑھے اور انہوں نے عنبر کو زنجیریں
ڈال دیں۔
عنبر مسکرایا۔
"بادشاہ سلامت! ان باتوں سے کچھ نہیں ہوگا۔
آپ خواہ مخواہ کھیل کو خراب کر رہے ہیں۔ میں نے
آپ کی بھلائی کی بات کی تھی۔ آپ اپنے ملک میں
تباہی اور موت کو آوازیں دے رہے ہیں ابھی وقت
ہے۔ سوچ لیں۔ جب تیر کمان سے نکل گیا تو پھر
آپ کو موت کے منہ سے کوئی نہ بچا سکے گا۔"
بادشاہ نے اپنی تلوار جلاد کی طرف پھینک کر کہا۔
"اس گستاخ کا سر میرے سامنے اتار دو۔ یہ تمہیں میرا حکم
ہے"
موٹی گردن والے جلاد نے آگے بڑھ کر بادشاہ کی تلوار
سنبھال لی اور عنبر کی گردن پہ مارنے کے لئے اس کی طرف
بڑھا۔ عنبر اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ جلاد نے تلوار لہرائی اور
عنبر کی گردن پر بڑے زور سے ماری۔ تڑاخ کی آواز آئی

اور جلاد کے ہاتھ سے تلوار ٹوٹ کر گر پڑی۔ سب درباری حیران رہ گئے کہ یہ کیوں کر ہو گیا۔ بادشاہ نے چیخ کر کہا۔

"اسے نیزے میں پرو ڈالو"

جلاد نے نیزہ اٹھایا اور عنبر کے سینے میں گھونپ دیا۔ مگر نیزہ عنبر کے سینے سے ٹکرا کر ٹیڑھا ہو گیا۔ اب تو سارے لوگ دنگ رہ گئے۔ بادشاہ نے کہا۔

"یہ کوئی جادوگر ہے۔ اسے آگ میں ڈال دو"

اب عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"بادشاہ! وقت ضائع مت کرو۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہاری تلوار اور نیزہ بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ آگ بھی مجھ پر اثر نہیں کر سکے گی۔ اس لئے اب بھی وقت ہے کہ میری بات مان لو اور اپنے شہر کے لوگوں اور سپاہیوں کو برباد ہونے سے بچا لو"

بادشاہ بڑا ہٹ دھرم اور ضدی تھا۔ اس نے تلوار خود تھامی اور عنبر کے پاس آ کر بولا۔

"میں خود تمہارے جادو کو توڑ دوں گا"

اور تلوار کے بار بار وار عنبر پر کرنے لگا۔ تیسرے وار میں ہی تلوار ٹوٹ گئی۔ اب عنبر نے آگے بڑھ کر ایک جھٹکا دیا اور اس کے جسم سے بندھی ہوئی زنجیریں ٹوٹ کر بکھر گئیں۔

بادشاہ پیچھے ہٹ گیا۔ جلاد نے عنبر پر تیر چلایا۔ بادشاہ نے تیر اندازوں کی طرف حملہ کا اشارہ کیا۔ ایک دم سے پچاس سپاہیوں نے کمانوں میں سے تیر چھوڑے۔ پچاس کے پچاس تیر عنبر کے جسم سے ٹکرا کر نیچے گر پڑے۔ اب عنبر کی باری تھی۔

اس نے اپنے لبادے کی اندرونی جیب سے ریوالور نکال کر اس کا رخ ایک سپاہی کی طرف کیا اور ٹریگر دبا دیا۔

ٹھاہ کی آواز آئی اور گولی سپاہی کے سینے سے پار ہو کر دوسرے سپاہی کو لگی دونوں خون میں لت پت زمین پر گر کر تھوڑا سا تڑپے اور پھر ٹھنڈے ہو گئے۔

دربار پر سناٹا چھا گیا۔ سب حیرت اور دہشت سے عنبر اور سپاہیوں کی لاشوں کو تکتے رہے تھے۔

"یہ کیسے ہو گیا؟ یہ کیوں ہو گیا؟"

یہ جملہ ہر ایک کی زبان پر تھا۔ عنبر نے ریوالور اپنی جیب میں رکھ لیا اور بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"یہ ہماری دنیا کا ایک معمولی سا ہتھیار ہے۔ ہمارے پاس ایسے ایسے ہتھیار ہیں کہ ہم ایک سیکنڈ میں کتنے ہی سپاہیوں کو موت کی نیند سلا سکتے ہیں۔ کیا اب بھی تم ہتھیار نہیں ڈالو گے؟"

بادشاہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم جنگ نہیں کرتے"

عنبر نے کہا۔

"تو پھر تاج و تخت شہزادے کے حوالے کر دو"

بادشاہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"تم لوگ اسے ساتھ لے کر کل آ جاؤ۔ میں تخت اس کے

حوالے کر دوں گا"

اتنا کہہ کر بادشاہ چلا گیا۔ درباری اپنی جگہ کھڑے عنبر کو

تعجب سے تکتے رہے۔

عنبر وہاں سے واپس آ گیا۔ پہاڑی پر آ کر اس نے سار

بات ناگ، ملکہ، شہزادی، شہزادے اور ماریا کو بتا دی۔ ماریا

عنبر کو ایک طرف لے جا کر کہا۔

"مجھے اس کی نیت پر شک ہے۔ بادشاہ ضرور کوئی چال چ

والا ہے۔"

عنبر بولا۔

"وہ کیا کر سکتا ہے۔ اس نے میری طاقت اپنی آنکھوں سے

دیکھ لی تھی۔ اب وہ میرے خلاف کوئی سازش کرنے کی جرأت

نہیں کر سکتا۔"

ماریا نے کہا۔

"تم اس مکار بادشاہ کی باتوں پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ م

شہر میں جا کر معلوم کرتی ہوں کہ وہ کوئی سازش تو نہیں کر ر

"جیسے تمہاری مرضی"

ماریا آدھی رات کو پہاڑی سے اتر کر سیدھا قلعے کے دروازے

پر آ گئی۔ قلعے کا دروازہ بند تھا۔ چھوٹا دروازہ بھی نہ تھا۔

ماریا کسی دوسری جگہ کو تلاش کرنے کے لئے دوسری طرف جانے

ہی والی تھی کہ قلعے کا چھوٹا دروازہ کھلا اور اندر سے ایک سپاہی

نکل کر باہر کو گیا۔ ماریا کے لئے یہ بڑا سنہری موقع تھا۔ وہ بھی

جلدی سے قلعے کے اندر داخل ہو گئی۔

وہ سیدھی بادشاہ کے محل میں آ گئی۔ رات کی خاموشی تھی۔

بادشاہ کی خواب گاہ میں روشنی تھی۔ ماریا خواب گاہ کے دروازے

پر آئی۔ وہاں سخت پہرہ تھا۔ مگر ماریا کے لئے اندر جانا کوئی مشکل

بات نہ تھی۔ جونہی اندر سے ایک کنیز خشک میووں کا طشت لئے

باہر نکلی ماریا بھی اندر چلی گئی۔ اندر جا کر اس نے دیکھا کہ بادشاہ

میز پر چمڑے کا نقشہ پھیلائے اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

اس کا وزیر جنگ اور سپہ سالار بھی اس کے ساتھ تھا۔

ماریا ان کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ نے سپہ سالار

سے کہا۔

"جس وقت صبح وہ شخص عنبر شہزادے کو لے کر محل میں

آئے تمہارا کام یہ ہو گا کہ اڑن کھٹولے والی پہاڑی کے ارد گرد

آگ لگا دو۔ یہ آگ اتنی زیادہ ہونی چاہیئے کہ پہاڑ کی چوٹی پر

رکھا ہوا اڑن کھٹولا جل کر راکھ ہو جائے۔"

سپہ سالار نے کہا۔

"ایسا ہی ہو گا بادشاہ سلامت! ہمارے پاس رال کے

تیل کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ اس کے شعلے سارے کے سار

پہاڑ کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔"

"شاباش!" بادشاہ نے کہا۔

پھر وہ اپنے وزیر جنگ کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے خاص تیر انداز سپاہیوں

چھپا کر رکھو۔ جونہی عنبر شہزادے یا ملکہ کو لے کر محل میں داخ

ہو۔ تمہارے سپاہی شہزادے پر تیروں کی بارش کر کے ا

ہلاک کر دیں گے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری!"

وزیر جنگ بولا۔

"میرے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے بادشاہ سلامت

میں ابھی خفیہ جگہوں پر اپنے سپاہیوں کو چھپائے دیتا ہو

میرے خاص سپاہیوں کے نشانے اتنے صحیح ہیں کہ وہ اڑ

چڑیا کو تیر مار کر گرا سکتے ہیں۔"

"شاباش!"

پھر بادشاہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر ٹہلتے ہوئے بولا۔

"اب دیکھوں گا۔ یہ اڑن کھٹولے والے کس کو میرے

تخت پر بٹھائیں گے؟ میں ان سے ایسا انتقام لوں گا کہ اپنی دنیا

میں جا کر ساری زندگی میرے نام سے ڈرتے رہیں گے۔"

بادشاہ نے کہا۔

"میں ان کی ساری جادوگری نکال کر باہر رکھ دوں گا۔

پہلی بار ان کا پالا ایک بہادر اور ہوشیار بادشاہ سے پڑ رہا ہے"

ماریا یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ اس کا خیال درست نکلا تھا۔

بادشاہ بڑی خطرناک سازش کر رہا تھا۔ عنبر اور اڑن طشتری کو

تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا مگر شہزادے کی زندگی خطرے میں تھی۔

اگر ماریا جاسوسی کرنے وہاں نہ آتی تو یہ لوگ شہزادے کو ضرور

ہلاک کر دیتے۔

ماریا بادشاہ کی خواب گاہ سے باہر نکلی تو اس کا ہاتھ ایک

تپائی پر پڑ گیا۔ تپائی پر ایک سونے کا بڑا چراغ دان رکھا تھا۔ وہ

دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ بادشاہ، سپہ سالار اور وزیر جنگ نے پلٹ

کر دیکھا۔

"یہ کس نے گرا دیا؟" بادشاہ نے پوچھا۔

سپہ سالار نے کہا۔

"میرا خیال ہے زلزلے کا ہلکا سا جھٹکا آیا تھا"

وزیر جنگ نے کہا۔

"ہاں حضور! جھٹکے کو میں نے بھی محسوس کیا تھا۔"

بادشاہ بولا۔

"مگر میں نے محسوس نہیں کیا۔ بہر حال! اب تم لوگ جا کر اپنی اپنی تیاری کرو۔ پہاڑی پر صبح صبح ہی آگ لگ جانی چاہیئے اور سورج نکلنے تک اڑن کھٹولا مجھے پہاڑی کی چوٹی پر نظر نہیں آنا چاہیئے"

سپہ سالار نے مونچھوں کو مروڑتے ہوئے کہا۔

"حضور انور! دن نکلنے کے بعد آپ کو پہاڑ کی چوٹی پر اڑن کھٹولے کی راکھ اڑتی نظر آئے گی"

بادشاہ نے خوش ہو کر اپنے گلے کا ہار اتار کر سپہ سالار کو دے دیا۔

"شاباش! یہ تیرا پہلا انعام ہے۔ اصل انعام تمہیں پہاڑی والے اڑن کھٹولے کو تباہ کرنے کے بعد ملے گا۔"

سپہ سالار خوش ہو کر باہر نکل گیا۔ اب وزیر جنگ اور بادشاہ دوبارہ چمڑے کے نقشے پر جھک گئے جہاں انہوں نے اس پہاڑی پر لال جھنڈا لگا رکھا تھا جس کی چوٹی پر اڑن طشتری رکی کھڑی تھی۔

ماریا نے قلعے کے دروازے پر پہنچ کر دیکھا کہ دروازہ بند ہے۔ پہرے دار پہرہ دے رہا ہے۔ اب وہ باہر کس طرح سے جائے۔ چابیاں پہرے دار کی جیب میں تھیں۔ ماریا کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ انتظار کر سکتی۔ اس نے پیچھے سے آکر پہرے دار کی گردن پہ ایک ہاتھ مارا۔ پہرے دار منہ کے بل گر پڑا۔ ماریا نے

اس کی جیب سے چابی نکال کر قلعے کا چھوٹا دروازہ کھولا اور باہر آگئی۔ ڈیوڑھی سے اس نے ایک گھوڑا بھی پکڑ لیا۔ گھوڑے پہ سوار ہو کر وہ سرپٹ گھوڑا دوڑاتی پہاڑی کی چوٹی پہ آ گئی اور ساری سازش عنبر اور ناگ پہ بے نقاب کر دی۔ دونوں بادشاہ کی مکاری پہ بڑے حیران ہوئے۔ انہیں سخت غصہ بھی آیا کہ کیسا مکار اور بد دیانت شخص ہے۔ عنبر نے کہا۔

"یہ شخص اپنی موت کو آوازیں دے رہا ہے ناگ بھائی! اس کا کوئی علاج نہیں ہے"

ناگ بولا۔

"ان کے سپاہیوں کو آگ کا سامان لے کر آنے دو۔ ان میں سے ایک بھی بچ کر نہ جائے گا۔"

●

قیدی ملکہ

●

آدھی رات کے بعد پہاڑی کے ارد گرد اچانک آگ بھڑک اٹھی۔

آگ کے شعلے ابھی پہاڑی کے دامن میں تھے۔ ناگ نے ان شعلوں کو دیکھ کر عنبر سے کہا۔

"کم بخت سپہ سالار نے آگ کا کھیل شروع کر دیا ہے۔"

ملکہ، شہزادی اور شہزادہ بھی اپنے کمرے کے سوراخوں میں سے پہاڑی کے دامن میں بھڑکتی ہوئی آگ کو دیکھنے لگے۔ ملکہ پریشان ہو گئی۔ اسے وہم ہو گیا تھا کہ یہ آگ اڑن طشتری کو ان کے ساتھ ہی جلا ڈالے گی۔ ماریا نے عنبر کو ایک طرف لے جا کر کہا۔

"اب ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ وقت آگیا ہے کہ اس بدکردار مغرور بادشاہ ڈوسار کو سبق سکھایا جائے۔"

عنبر نے بٹن دبا کر اڑن طشتری کو پہاڑی سے اوپر اٹھا لیا۔ اڑن طشتری میں بیٹھے ہوؤں نے دیکھا کہ پہاڑی کے ارد گرد رال

پھینک کر آگ لگائی گئی تھی۔ عنبر اڑن طشتری کو پہلے اوپر لے گیا پھر وہ اڑن طشتری کو نیچے سپہ سالار کے سر کے اوپر لے آیا سپہ سالار نے بھاگنے کا حکم دیا مگر اڑن طشتری سے بچ کر وہ کہاں بھاگ سکتے تھے۔ اسمیں سے بنفشی شعاعیں نکلیں اور دھماکہ ہوا۔ اسکے بعد زمین پر سوائے راکھ کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

اڑن طشتری نے وادی کا ایک چکر لگایا اور قلعے کے اوپر آگئی۔ قلعے کے اندر شاہی محل میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ اڑن طشتری میں سے شعاعیں نکلیں اور قلعے کے دروازے پر پڑیں۔ اچانک ایک دھماکا ہوا اور قلعے کا دروازہ بھسم ہو کر رہ گیا۔ کئی سپاہی جو وہاں پہرہ دے رہے تھے ہلاک ہو گئے۔ اب اڑن طشتری نے محل کے اوپر چکر لگانے شروع کر دیئے۔ محل کے اوپر دائیں جانب چھت پر ایک بارہ دری تھی جہاں بادشاہ نے اپنا ایک تخت بچھا رکھا تھا۔ یہاں وہ بیٹھ کر گرمیوں کی راتوں کو دربار لگایا کرتا تھا۔

طشتری میں سے ایک شعاع نکلی اور یہ بارہ دری غائب ہو گئی۔

شہر میں شور مچ گیا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی کہ قیامت آگئی ہے۔ بادشاہ پریشان ہو گیا۔ اڑن طشتری نے محل کے ایک اور کمرے کو جلا کر راکھ کر دیا۔ ایک فوجی بارک میں

ہاتھیوں کے لئے گھاس جمع کر کے رکھی گئی تھی۔

اڑن طشتری نے اس کو بھی آگ لگا دی اب طشتری شہر کے اوپر چکر لگا رہی تھی۔

اتنے میں دن نکل آیا۔ طشتری لوگوں کے مکانوں کے اوپر نیچی پرواز کرتے گزر جاتی۔ لوگ سجدوں میں گر پڑے۔ دیوتاؤں کو یاد کرنے لگے اور رونے لگے۔

شاہی بت خانہ قلعے کی دائیں جانب ٹیلے پر تھا۔

اڑن طشتری نے اب اسے نشانہ بنایا۔ شعاع پڑتے ہی بت خانے میں آگ بھڑک اٹھی۔ شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ لوگوں نے جب اپنے دیوتاؤں کو جل کر راکھ ہوتے دیکھا تو ان کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ گھروں سے نکل کر محل کے آس پاس جمع ہو گئے اور بادشاہ سے فریاد کرنے لگے کہ اڑن کھٹولے والوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے جائیں۔

بادشاہ بھی خوف زدہ ہو گیا تھا۔

وہ بھی شاہی محل سے باہر آ گیا۔ اس نے دوبارہ محل پر کھڑے ہو کر صلح کا سفید جھنڈا لہرا دیا۔ عنبر نے اس جھنڈے کو دیکھا تو مسکرا کر ناگ سے کہا۔

"بادشاہ سیدھی راہ پر آ گیا ہے۔"

ناگ بولا۔

"وہ بڑا مکار ہے۔ ہم اسے ہرگز معاف نہیں کریں گے۔"

شہزادے نے کہا۔

"وہ دل سے ہمارا جانی دشمن ہے۔ اس نے ڈر کر ہار مانی ہے۔"

عنبر بولا۔

"فکر نہ کرو۔ اس کا پورا پورا بندوبست کر دیا جائے گا۔"

اڑن طشتری محل کی چھت پر اتر آئی۔

اس میں سے عنبر، ناگ، شہزادہ، شہزادی اور ملکہ نکل کر باہر آ گئے اور بادشاہ نے جھک کر ان کا خیر مقدم کیا۔

"میں اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں اور تخت شہزادے اور ملکہ کے حوالے کرتا ہوں۔"

عنبر نے کہا۔

"یہ سب ٹھیک ہے مگر تمہیں جلا وطن ہونا پڑے گا۔ اگر تم جلا وطنی منظور نہ کرو گے تو پھر تمہیں خودکشی کرنی ہو گی بولو۔ تمہیں دونوں میں سے کون سی سزا پسند ہے؟"

بادشاہ کانپ اٹھا۔ وہ پوری طرح پھنس چکا تھا۔ اب کوئی راستہ فرار کا نہیں تھا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"میں جلا وطن ہونے کو زیادہ پسند کروں گا۔"

اسی روز تخت اور تاج شہزادے کو دے دیا گیا۔ رات

کو تاج پوشی کی رسم بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ اگلے روز عنبر ناگ اور ماریا نے اجازت لی۔ بادشاہ کو اڑن طشتری میں بٹھایا اور اس شہر سے چل دیئے۔ عنبر کا خیال تھا کہ وہ بادشاہ کو کسی دور دراز علاقے میں چھوڑ دے گا جہاں سے وہ ساری زندگی دوبارا اس شہر کا رخ نہ کر سکے۔ دو روز کے سفر کے بعد انہیں شاید قطب شمالی کے علاقے میں ایک برف پوش جزیرہ دکھائی دیا۔ بادشاہ کو اس جزیرے میں اتار کر اڑن طشتری آگے روانہ ہو گئی۔

تین راتیں تین دن تک آسمانوں میں سیر کرنے کے بعد چوتھے روز اڑن طشتری ایک ایسے سمندر کے اوپر پہنچی جس کا پانی گہرا نیلا تھا اور جہاں کئی ایک ہرے بھرے جزیرے تھے۔ ان میں ایک جزیرے میں وادی کی شکل ایک پیالے کی طرح بنی ہوئی تھی اور درمیان میں ایک بہت اونچا پہاڑ کھڑا تھا۔

عنبر نے سکرین پر پہاڑ کو دیکھا اور کہا۔

"راکٹ کو پہاڑ کے اوپر لاؤ۔"

اڑن طشتری پہاڑ کے اوپر آئی تو معلوم ہوا کہ اس کے اندر چوٹی میں ایک گہرا اور چوڑا شگاف ہے جس میں سے سرخ سرخ آگ بہت نیچے دہک رہی ہے اور ہلکا ہلکا

دھواں بھی اٹھ رہا ہے۔ عنبر نے جلدی سے کہا

"یہ تو یوپی کا شہر ہے اور یہ وہی پہاڑ ہے جس نے آج سے کئی ہزار برس پہلے پھٹ کر اس شہر کو راکھ میں ملا کر تباہ کر دیا تھا۔"

ناگ نے کہا۔

"بالکل وہی پہاڑ ہے۔ اور شہر کو دیکھو۔ ساری وادی میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ تو پرانا یوپی آئی کا شہر ہے۔"

ماریا بھی دلچسپی سے سکرین پر پہاڑ کو دیکھنے لگی جو آتش فشاں پہاڑ تھا اور جس کے شگاف میں آگ بہت نیچے تھی۔ یہ آگ کئی سو سالوں سے دھیمے دھیمے سلگ رہی تھی، پہاڑ کبھی نہیں پھٹا تھا۔ دن ابھی نہیں نکلا تھا۔ یوپی آئی کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں سو رہے تھے۔ سارے شہر پر اندھیرا پھیلا تھا۔ صرف شہر کی فصیل میں جو چار دروازے بنے تھے ان کے اوپر ایک ایک مشعل جل رہی تھی۔ شہر کے دروازے بند تھے اور پہرہ لگا تھا۔

اڑن طشتری کو کسی نے بھی نہ دیکھا تھا۔ اس کی آواز بند کر دی گئی تھی اور روشنیاں بھی بجھا دی گئی تھیں تاکہ کوئی دیکھ نہ لے۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے ابھی یہ پہاڑ پھٹا نہیں ہے"

عنبر بولا۔

"ہاں۔ ابھی نہیں پھٹا۔ جب ہی تو سارے کا سارا شہر آباد ہے۔"

ماریا نے ایک کمپیوٹر کو چالو کر دیا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا کہ اس پہاڑ کو پھٹنے میں ابھی کتنے سال باقی رہتے ہیں"

کمپیوٹر نے ایک دو سیکنڈ کے اندر اندر ایک کارڈ نکال کر سامنے ڈال دیا۔

ماریا نے کارڈ اٹھا کر پڑھا اور پھر عنبر کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"بڑی دلچسپ خبر ہے۔ لو خود پڑھ لو"

عنبر اور ناگ نے کارڈ پڑھنا شروع کیا تو اچھل کر رہ گئے۔ کارڈ پر لکھا تھا۔

"پومپیائی۔ پہاڑ آتش فشاں۔ لاوے کا دباؤ ایک لاکھ پونڈ فی انچ مکعب۔ پھٹنے میں صرف ایک ماہ باقی ہے"

ناگ نے جلدی سے کہا۔

"کیا؟ تو گویا ایک مہینے بعد یہ پہاڑ پھٹ کر اس سارے شہر کو تباہ کر دے گا؟"

عنبر بولا۔

"کمپیوٹر نے یہی بتایا ہے"

ماریا بولی۔

"یہ جھوٹ نہیں بولا کرتا۔"

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟" ناگ نے پوچھا۔

عنبر بولا۔

"ہمیں اس شہر میں اتر کر لوگوں کو بتا دینا چاہیے کہ یہاں سے چلے جائیں۔ یہ آتش فشاں پھٹنے کو ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"کیا یہ قدرت کے معاملات میں دخل اندازی تو نہیں ہو گی؟ میرا مطلب ہے اس طرح سے کہیں ہم تاریخ کے واقعات کی زنجیر کو خراب تو نہیں کر دیں گے؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ناگ نے پوچھا۔

ماریا بولی۔

"تاریخ میں یہ واقعہ ایک بار ہو گیا ہے کہ اس پہاڑ نے پھٹ کر اس شہر کو تباہ کر دیا تھا۔ جس زمانے سے ہم آئے ہیں وہاں اس شہر کے کھنڈرات برآمد ہو چکے ہیں۔ تو اب اگر ہم نے اس شہر کو تباہی سے بچانے کی کوشش کی تو تاریخ کی کڑیوں کو پریشان کرنے والی بات ہو گی جس سے

تاریخ کا دھارا تہس نہس ہو جائے گا"
عنبر نے کہا۔
"ٹھیک ہے مگر انسانوں کی جانیں تو بچ جائیں گی۔"
ناگ بولا۔
"مگر جو لوگ اس زمانے میں مر گئے تھے انہیں آپ کس طرح سے زندہ کریں گے؟"
عنبر نے کہا۔
"وہ تاریخ کے صفحات پر مرے تھے۔ اب تو زندہ ہیں"
ماریا بولی۔
"میرا خیال ہے کہ ہم لوگوں کو آنے والے خطرے سے خبردار کر کے کچھ نہ کچھ لوگوں کی جانیں تو بچا سکتے ہیں۔"
ناگ نے کہا۔
"ہم کوشش کر کے دیکھ لیتے ہیں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ لوگ ہماری باتوں پر یقین نہیں کریں گے اور یوں تقدیر کا لکھا ہو کر رہے گا"
ماریا نے کہا۔
"ہم کوشش ضرور کریں گے۔ جتنے لوگ بھی ہماری بات مان کر جان بچا لیں اتنا ہی اچھا ہے"
عنبر نے کہا۔

"یہ ساری باتیں ٹھیک ہیں مگر اس وقت یہ بتاؤ کہ ہم اپنے راکٹ کو کس مقام پر اتاریں؟"
ناگ نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔
"اس وادی میں تو کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ ویسے بھی یہاں اندھیرا ہے"
ماریا مسکرا کر بولی۔
"اگر آتش فشاں پہاڑ پر اتار دیں تو کیا خیال ہے؟"
عنبر بھی ہنسا۔
"مجھے تو کچھ نہیں ہو گا۔ تم لوگ اپنی خیر مناؤ"
وہ اڑن طشتری کو کچھ اوپر لے گئے۔ شہر بوپی آئی کے باہر آگے جا کر سمندر تھا۔ سمندر پہ ستاروں کی دھندلی دھندلی روشنی میں انہیں کئی ایک چٹانیں دکھائی دیں جو سمندر میں سے نکلی ہوئی تھیں۔
"میرا خیال ہے ان چٹانوں میں ضرور کوئی ایسی جگہ مل جائے گی جہاں ہم اپنی اڑن طشتری اتار سکیں گے"
"اچھا خیال ہے" ماریا نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔
ناگ اور عنبر کی نگاہیں سکرین پر تھیں۔ چھوٹی چھوٹی نوکدار چٹانیں سمندر میں سے ابھر کر دور تک چلی گئی تھیں۔ آخر انہوں نے ایک جگہ پسند کر لی۔ یہ دو چٹانوں کے درمیان خشکی کا

ایک ٹکڑا تھا جو چٹانوں کی اوٹ میں چھپا ہوا تھا۔

"یہ جگہ ٹھیک رہے گی۔ دن نکلنے والا ہے۔ میں یہاں اڑن طشتری اتارنے لگا ہوں"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے ہینڈل دبا کر پیچھے کو کر لی۔ اڑن طشتری نے بائیں پہلو پر جھک کر نیچے اترنا شروع کر دیا۔ پھر وہ ڈھلتی رات کے اندھیرے میں سمندر کے درمیان دو چٹانوں کے بیچ سنگلاخ زمین پر آ کر ٹک گئی۔ مشین بند کر دی گئی۔ ناگ نے کمپیوٹر سے موسم کا حال پوچھا۔ کمپیوٹر نے بتایا کہ باہر موسم خوشگوار ہے۔ نہ گرمی ہے نہ سردی ہے کمپیوٹر نے پورا پورا ٹمپریچر بھی بتا دیا۔

تھوڑی دیر میں سورج نکل آیا اور نیلے سمندر پر صبح کی روشنی پھیل گئی۔ عنبر، ناگ اور ماریا اڑن طشتری سے باہر آ گئے۔ انہوں نے تازہ فضا میں گہرا سانس لیا۔ ہوا میں سمندر کی نمی تھی۔ سمندر کا رنگ نیلا تھا۔ اس کی لہریں چٹانوں سے ٹکرا کر جھاگ پیدا کر رہی تھیں۔

"اب یہاں سے خشکی پر کیسے جائیں گے؟" ماریا نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔

"یہ چٹانوں کا سلسلہ ضرور خشکی تک جاتا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ہم سب کو یہاں سے نہیں جانا چاہیئے"

ناگ بولا۔

"میں شہر میں جا کر پتہ کرتا ہوں کہ وہاں کس کی حکومت ہے اور کون لوگ رہتے ہیں"

ماریا نے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی"

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے ہم دونوں کو اسی جگہ رہنا چاہیئے اور ناگ جا کر حالات معلوم کرے"

ناگ نے کہا۔

"میرا بھی یہی مشورہ ہے"

ماریا بولی۔

"لیکن میں تو کسی کو نظر نہیں آتی۔ پھر میرے جانے سے بھلا کیا فرق پڑے گا؟"

عنبر نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن پھر بھی تم کسی خطرے میں پھنس سکتی ہو۔ ناگ تو کبوتر بن کر بھی اڑ سکتا ہے تم کیا کرو گی؟"

ماریا لاجواب سی ہو گئی۔ مگر اس کا دل اس نئے شہر کی سیر کو بے حد چاہ رہا تھا۔ اس نے دل میں طے کر لیا کہ ضرور سیر کرنے جائے گی۔ اور کسی کو نہیں بتائے گی۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

"تم شہر جا کر معلوم کرو کہ یہاں کس قسم کے لوگ ر
ہیں اور کون سا بادشاہ حکومت کر رہا ہے۔ یہ ساری خبریں
جتنی جلدی ہو سکے مجھے لا کر دو۔ ہم تمہارا انتظار کریں گے

"میں بہت جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا"

یہ کہہ کر ناگ چٹانوں کے بیچ میں سے چلتا ہوا سمندر کے
کنارے پر آ گیا۔ اس کا لباس عام رومن شہری کی طرح تھا۔
صورت سے یہی لگتا تھا کہ وہ ایک مسافر ہے کسی رومن شہر
اور وہاں سیر و سیاحت کے لئے آیا ہے۔ دور سے شہر کی فص
اور اس کا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ یہ شہر وادی میں تھا اور آتش
فشاں پہاڑ کے بالکل دامن میں تھا۔

ناگ سوچ رہا تھا کہ ایک ماہ بعد جب آتش فشاں پہاڑ پھٹے
گا تو شہر تو سارے کا سارا کھولتے ہوئے لاوے میں ڈوب
جائے گا۔ وہ اس خیال سے کانپ اٹھا کہ اس دہکتے لاوے میں ش
کے بچے بوڑھے اور عورتیں بھی بھسم ہو جائیں گی۔ اس نے دل
میں سوچ لیا کہ وہ ہر ممکن طریقے سے یہاں کے لوگوں کو آنے
والے خطرے سے خبردار کرنے اور تباہی سے بچانے کی کوش
کرے گا۔

دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ فضا میں ہلکی ہلکی خوشگوار گرمی

سمندر کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

شہر کا دروازہ کھلا تھا۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ ناگ نے
دیکھا کہ بڑے جوان اور صحت مند لوگ تھے عورتوں کے
زیادہ تر بال سنہری اور آنکھیں نیلی تھیں۔ بچے بھی گورے
گورے اور خوبصورت تھے۔ ناگ شہر میں داخل ہو گیا۔ دو
تین آدمیوں اور عورتوں نے ناگ کو ذرا تعجب سے دیکھا۔
کیونکہ ناگ ذرا سانولے رنگ کا تھا اور اتنا خوبصورت
نہیں تھا۔ ناگ شہر کے ایک باغ میں آ گیا۔ یہاں بچے کھیل
رہے تھے۔ کچھ نوجوان ورزش کر رہے تھے۔ سرو کے درختوں
کے پاس سنگ مرمر کی بنچ پر ایک بوڑھا شخص بیٹھا تھا۔
نوجوان اس کے سامنے گھاس پر بیٹھے تھے اور وہ انہیں درس
دے رہا تھا۔

شہر کے درمیان میں بادشاہ کا محل تھا۔ بڑا خوبصورت
محل تھا۔ چار برج تھے جن پر سونے کا پانی چڑھا تھا۔ یہ
برج دھوپ میں چمک رہے تھے۔ بازار چوڑے تھے سڑکیں
پتھر کی بنی تھیں۔ رتھ اور ریڑھے گذر رہے تھے۔ ایک امیر
آدمی کو غلام تخت پر اٹھائے لئے جا رہے تھے۔ اس آدمی
نے اپنے سر پر سونے کے پتوں کی زیتون کی شاخ باندھ رکھی
تھی۔

ایک چوک میں لوگوں کا ہجوم دیکھ کر ناگ آگے ہوا تو
چلا کہ ایک شخص سانپوں کا تماشہ دکھا رہا ہے. جونہی نا
آگے بڑھا۔ سانپ اپنی جگہ پر سن ہو کر رہ گئے۔ انہوں
اپنی گردنیں زمین کے ساتھ لگا دیں۔ سپیرے نے بین بجا
کر انہیں اٹھانے کی بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سا
ناگ کو معلوم تھا کہ سانپ اس کی وجہ سے سر نہیں اٹھا
وہ سپیرے کا کھیل خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ پس وہ آ
بڑھ گیا۔

ایک جگہ فٹ پاتھ پر لکڑی اور پتھر کے بنچ رکھے
لوگ وہاں بیٹھے شربت وغیرہ پی رہے تھے. مزدور
کاٹ رہے تھے۔ اچانک بازار میں ایک طرف سے شور
لوگ بھاگ کر سڑک کے کنارے ہو گئے۔ ناگ نے ایک
آدمی سے پوچھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

اس آدمی نے کہا۔

"کیا تمہیں نہیں معلوم کہ مصر کی ملکہ افروشنی کو زنجیروں میں
کر قلعے کو لے جایا جا رہا ہے؟"

معلوم ہوا کہ رومن بادشاہ نے مصر کے ایک شہر کو
کر کے وہاں کی حکمران ملکہ افروشنی کو قید کر لیا ہے اور

اسے قلعے کی طرف لے جایا جا رہا ہے جہاں اگلے روز اسے
بھوکے شیر کے آگے ڈالا جائے گا۔ رومن بادشاہ بڑے ظالم
ہوا کرتے تھے اور اپنے دشمنوں کو بھوکے شیروں کے آگے
ڈال کر خود ان کی دردناک موت کا تماشہ دیکھا کرتے تھے
ناگ بھی سڑک سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں رومن
فوج کا ایک آہن پوش دستہ نمودار ہوا۔ آگے آگے رومن
سپاہی تھے جنہوں نے نیزے اٹھا رکھے تھے. ڈھالیں کندھوں
پر تھیں۔

ان کے پیچھے پھر ایک دستہ تھا۔ درمیان میں ایک لوہے
کا بڑا سا پنجرہ ریڑھے پر لادا گیا تھا جس میں ایک نازک
سی خوبصورت ملکہ زنجیروں میں جکڑی بند تھی. یہ مصر کی ملکہ
افروشنی تھی۔ اس کے سیاہ بال کھلے تھے اور اس کی آنکھوں
سے آنسو جاری تھے۔ ناگ کے قریب سے ملکہ کا پنجرہ گذرا
تو ناگ نے بڑے غور سے اسے دیکھا. مصر کی ملکہ کے چہرے
پر غم کے گہرے بادل چھا رہے تھے۔ اسے اپنی موت سامنے
نظر آ رہی تھی۔

ناگ کو بڑا غصہ آیا کہ یہ رومن بادشاہ کس قدر ظالم ہے!
اور اس نے دل میں ملکہ کی زندگی بچانے کا فیصلہ بھی کر لیا۔
وہ جلوس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا

کہ قلعہ کس مقام پر ہے تاکہ رات کو وہاں آ کر ملکہ کو بچانے کا کوئی بندوبست کر سکے۔ قلعہ ایک ٹیلے پر تھا۔ رومن سپاہی قیدی ملکہ کو لے کر قلعے میں داخل ہو گئے۔

ناگ وہاں سے واپس آ گیا۔ سمندر کے کنارے آ کر وہ چٹانوں کی طرف چل پڑا۔

ماریا اور عنبر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ناگ نے جا کر ساری باتیں انہیں بیان کر دیں اور کہا کہ شہر پر ایک ظالم رومن بادشاہ حکمران ہے اور خاص بات یہ ہے کہ کل ایک ایسی بے گناہ عورت کو بھوکے شیر کے آگے ڈالا جائے گا جو مصر کی ملکہ ہے۔ مصر عنبر کا وطن تھا۔ اس نے یہ سنا تو وطن کی محبت سے دل مچل اٹھا۔ بولا۔

"میں اپنے وطن کی بے گناہ ملکہ کو ضرور بچاؤں گا یہ ظالم لوگ میرے وطن کی ایک ملکہ کو قتل نہ کر سکیں گے"

ناگ نے کہا۔

"یہ فیصلہ میں بھی کر چکا ہوں۔ تم لوگ یہیں میرا انتظار کرو۔ میں خود ملکہ کو لے کر یہاں آ جاؤں گا"

عنبر نے کہا۔

"تم اکیلا یہ کام شاید نہ کر سکو۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا"

ناگ ہنسا۔

"میرے لئے یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ میں اکیلا ہی کافی ہوں گا۔ تمہیں ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے"

عنبر بولا۔

"ارے بھئی نہیں۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا"

"جیسے تمہاری مرضی!"

جب رات کا اندھیرا گہرا ہو گیا تو عنبر نے ماریا کو راکٹ میں ہی ٹھہرے رہنے کی تاکید کی اور ناگ کو ساتھ لے کر راکٹ سے نکل کر چٹانوں میں سے گذرتا سمندر کے ساحل پر آ گیا۔

دونوں دوست شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہوں نے معلوم کر لیا تھا کہ ٹھیک آدھی رات کے وقت شہر کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ آدھی رات سے پہلے پہلے ملکہ مصر کو قید سے چھڑا کر شہر سے فرار ہو جانا چاہتے تھے۔ لیکن جب وہ شہر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ بادشاہ کے حکم سے شہر کے دروازے اس روز جلدی بند کر دیئے گئے ہیں۔

ناگ نے کہا۔

"اب کیا کریں۔ اس بدبخت بادشاہ نے تو شہر کا دروازہ بند کروا دیا ہے"

عنبر بولا۔

"کسی دوسرے طریقے سے اندر جانے کی کوشش کرتے ہیں
کیونکہ صرف آج کی رات ہے۔ صبح تو ملکہ کو شیروں کے آگے
ڈال دیا جائے گا"

دونوں شہر کی فصیل کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ فصیل کافی
اونچی تھی اور کسی جگہ اوپر جانے کو راستہ نہیں تھا۔ کم بخت
کہیں سے ایک اینٹ بھی اکھڑی ہوئی نہیں تھی۔ عنبر نے کہا۔

"ناگ! تم نے تو قلعہ دیکھا ہے۔ یہ بتاؤ کہ وہ کس جگہ پر
ہے۔ تاکہ ہم اس جگہ جا کر رکیں جہاں قلعہ نزدیک ہو۔

ناگ عنبر کو لے کر شہر کے جنوبی علاقے میں آ گیا۔ پھر
ایک جگہ رک کر بولا۔

"یہاں سے قلعہ بالکل سامنے ہے۔ وہ ٹیلہ یہاں سے قریب
ہی ہے جس پر قلعہ واقع ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"بس اس جگہ سے ہم فصیل کی دیوار پھاندنے کی کوشش
کریں گے۔"

ناگ نے اوپر دیکھا۔

دیوار کافی اونچی تھی۔ اس نے کہا۔

"صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ میں اڑ کر دیوار کی دوسری
طرف جاتا ہوں اور وہاں سے تمہیں اوپر کھینچنے کا کوئی جتن

کرتا ہوں"

عنبر نے کہا۔

"مگر میرے دوسری طرف جانے اور دیوار پھاندنے کی کیا
ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم کسی طرح ملکہ کو نکال لاؤ۔
میں اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گا۔"

ناگ ہنسا۔

"یہی تو میں کہہ رہا تھا کہ تمہارے ساتھ تو آنے کی اتنی
زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ بہرحال ہو سکتا ہے کوئی مصیبت
پڑ جائے۔ اس لئے تم اسی جگہ ٹھہرو۔"

عنبر نے کہا۔

"بھائی وقت بہت کم ہے۔ جلدی سے دیوار کی دوسری
جانب جاؤ۔ خدا جانے آگے کیا مشکلات پیش آئیں۔ زیادہ
دیر نہ لگاؤ"

"بس جا رہا ہوں بھائی۔"

اتنا کہہ کر ناگ پرندہ بن کر اڑا اور دیوار کی دوسری
جانب سے ہو کر اڑتا ہوا شاہی قلعے کے اندر پہنچ گیا۔
یہاں اندھیرا تھا۔ کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ دیوار کے
ساتھ ساتھ کوٹھڑیاں بنی تھیں۔ جہاں دو ایک جگہوں پر رومن
سپاہی نیزے تھامے پہرہ دے رہے تھے۔ کچھ پتہ نہیں

چل رہا تھا کہ ملکہ کس مقام پر قید کر کے رکھی گئی ہے۔ اچانک عنبر نے ایک سپاہی کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک طشت تھا جس میں قینچی رکھی تھی اور درمیان میں موم بتی جل رہی تھی۔

ناگ کو یہ کچھ عجیب سا لگا۔ وہ سپاہی کے اوپر اڑنے لگا۔

ایک سپاہی قریب سے گذرا تو پہلے سپاہی نے اس کے پوچھنے پر بتایا کہ وہ ملکہ مصر کے سر کے بال کاٹنے جا رہا ہے۔

کیونکہ اس کی بیوی کو کسی نجومی نے کہا ہے کہ اگر وہ کسی ایسی عورت کے بال کاٹ کر قبرستان میں دفن کر دے جس کو پھانسی ملنے والی ہو تو اسکے گھر لڑکا پیدا ہوگا۔ دوسرا سپاہی ہنسا۔

"پھر تو تمہارے پو بارہ ہیں یار! اب تو ضرور لڑکا پیدا ہوگا"

"دیوتاؤں کو منظور ہوا تو"

سپاہی آگے بڑھا تو ناگ بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ اسے ملکہ مصر کے پاس جانے کا سراغ مل گیا تھا۔

•

رومن درندے

•

قلعے کی دیوار کے کونے میں سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔

یہاں دو سپاہی نیزے لئے کھڑے تھے۔ طشت والا سپاہی ان سے بھی دو ایک باتیں کر کے سیڑھیاں اتر گیا۔ ناگ نے دیوار پر بیٹھ کر سانپ کی شکل اختیار کی اور رینگتا ہوا نیچے آگیا اور دیوار کے پیچھے سے ہو کر سیڑھیاں اتر گیا۔

سیڑھیاں ٹھنڈے اور تاریک برآمدے میں چلی گئی تھیں۔ یہاں فضا میں نمی تھی اور ٹھنڈک تھی۔ دور روشنی سی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ وہی سپاہی تھا جو طشت میں موم بتی جلائے قیدی ملکہ کے بال کاٹنے جا رہا تھا۔ سانپ رینگتا ہوا سپاہی کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ یہ اندھیرا راستہ ایک لکڑی کے دروازے کے آگے جا کر ختم ہو گیا۔

اس دروازے میں لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی تھیں۔

دروازے کے باہر ایک اونچا لمبا رومن پہرہ دے رہا تھا۔

ڈھال اس کے کندھے پر تھی اور ہاتھ میں نیزہ تھا جو

اس نے زمین پر ٹکا رکھا تھا۔ دروازے پر ایک مشعل جل رہی تھی۔ سپاہی نے پہرے دار سے کوئی بات کی۔ رومی سپاہی نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر داخل ہوا تو ساتھ ہی ناگ بھی سانپ کی شکل میں اندر داخل ہو گیا۔ کمرہ تاریک تھا۔ باہر کی مشعل کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔ اس روشنی میں سانپ نے دیکھا کہ وہی نازک سی خوبصورت ملکہ مصر کونے میں بیٹھی تھی۔ اس کے سیاہ لمبے بال اس کے کندھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ ملکہ نے سپاہی کو دیکھا تو اپنی مصری زبان میں کہا۔

"کیا میرا وقت پورا ہو گیا ہے؟ میں مرنے کے لئے تیار ہوں"

رومن سپاہی نے کہا۔

"نہیں ملکہ! ابھی نہیں۔ تمہیں صبح ہونے سے ذرا پہلے شیروں کے آگے ڈالا جائے گا۔ میں تو صرف تمہارے سیاہ لمبے بال کاٹنے آیا ہوں"

ملکہ نے کہا۔

"بے شک کاٹ لو۔ اب میرے یہ بال میرے کسی کام کے نہیں"

سانپ نے یہ ساری باتیں سنیں تو دل میں سوچا کہ اتنی پیاری ملکہ کے اتنے خوبصورت لمبے بال ہرگز نہیں کاٹنے جانے

چاہئیں۔ وہ پتھریلے فرش پر رینگتے ہوئے سپاہی کے پاس گیا اور بڑے آرام سے اس کی پنڈلی پر ڈس کر اس کے اندر صرف اتنا زہر ڈالا کہ وہ دو تین گھنٹے تک بے ہوش رہے۔ رومن سپاہی کا سارا جسم ایک دم سن ہو گیا اور وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا۔

اسے گرتا دیکھ کر ملکہ ڈر کر پرے ہٹ گئی۔ باہر پہرہ دیتے ہوئے رومن سپاہی نے آواز سنی تو جلدی سے اندر آ گیا۔ اور جھک کر بے ہوش سپاہی کو تکنے لگا۔ "اسے کیا ہو گیا ہے؟"

اس نے ملکہ سے پوچھا اور پھر جیل کی کوٹھڑی میں ادھر ادھر تکنے لگا۔ سانپ کونے میں چھپا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ملکہ کو یہاں سے نکالنے کے لئے اس رومن پہرے دار کو بے ہوش کرنا بھی بڑا ضروری ہے۔ پس وہ پیچھے سے آیا اور پہرے دار کو بھی ڈس دیا۔ وہ بھی پہلے والے سپاہی کے اوپر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اب تو ملکہ پریشان ہو گئی۔ وہ اٹھ کر کونے میں جا گی۔ سامنے قید کا دروزاہ کھلا تھا۔ مگر وہ باہر جاتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ وہ اکیلی تھی۔ کمزور تھی اور باہر قلعے میں جگہ جگہ پہرہ لگا تھا۔

ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ سانپ باہر نکل گیا اور

راہداری میں جا کر اس نے انسان کی جون بدلی۔ وہ ملکہ کے سامنے ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس خیال سے کہ وہ ڈر نہ جائے۔ اندر آکر اس نے ملکہ سے کہا۔

"ملکہ! جلدی سے میرے ساتھ یہاں سے نکل چلو"

ملکہ مصر نے حیرت سے ناگ کو دیکھا اور بولی۔

"تم ——— تم کون ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"میں کون ہوں؟ یہ بعد میں بتاؤں گا۔ تم اس وقت میرے ساتھ یہاں سے چلو"

ناگ نے ملکہ کو ساتھ لیا اور کال کوٹھڑی سے باہر نکل کر راہداری میں آگیا۔ یہاں سے گزرتے ہوئے وہ دوسرے دروازے پر آ گئے۔ یہاں باہر دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ ناگ نے ملکہ کو ایک طرف اندھیرے میں کھڑا کیا اور کہا۔ "ملکہ! یہاں کھڑی رہو۔ میں ابھی آتا ہوں"

وہاں اندھیرا تھا۔ ناگ جلدی سے دوسری طرف نکل کر سانپ بن کر دیوار پر رینگتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔ دونوں پہرے دار کچھ پریشان تھے کہ سپاہی کو اندر گئے دیر ہو گئی ہے وہ واپس کیوں نہیں آیا؟ رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تھی اور بھوکے شیروں کو پنجروں سے کھینچ کر

قلعے کے میدان میں اس جگہ لایا جا رہا تھا جہاں انہیں ملکہ مصر پر چھوڑا جانا تھا۔ شیروں کی گرج دار آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔

ملکہ مصر کا دل ان کی گرج اور بھوکی دھاڑیں سن کر لرز رہا تھا۔ سانپ نے اس دوران میں ایک سپاہی کو ڈس کر گرا دیا۔ دوسرا دوسرا پہرے دار اس کو دیکھنے کے لئے جھکا تو سانپ نے اسے بھی ڈس دیا۔ اب میدان صاف تھا۔ سانپ نے دوبارہ انسان کی جون بدلی اور جلدی سے ملکہ کے پاس آکر بولا۔

"آؤ ملکہ ——— جلدی"

ملکہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ ناگ ملکہ کو لے کر قلعے کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا فیل خانے کے عقب میں آگیا۔ یہاں ہاتھیوں کو باندھنے کے لئے رسّے پڑے تھے۔ ناگ نے ایک رسّے کا گچھا اٹھا کر کندھے پر رکھ لیا اور ملکہ کو لے کر قلعے کی فصیل پر اس جگہ آ گیا جہاں دوسری طرف عنبر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے رسے کو فصیل کی برجی کے ساتھ باندھ دیا اور پھر ملکہ سے کہا۔

"شاید تم یہ کام نہ کر سکو۔ مگر تمہیں اس رسّے کی مدد سے ہی نیچے اترنا ہو گا"

ملکہ نے نیچے جھک کر دیکھا۔ نیچے اندھیرے میں اسے ایک نوجوان ہاتھ ہلاتا دکھائی دیا۔

"یہ کون ہے؟"
ناگ نے کہا۔
"یہ ہمارا ساتھی ہے۔ گھبراؤ نہیں اور جلدی سے نیچے اترنا شروع کر دو۔ رومن سپاہی آ گئے تو مشکل پیدا ہو جائے گی"
ملکہ ڈر رہی تھی۔ اس کی ساری زندگی شاہی محل میں گذری تھی۔ وہ کبھی رستے سے نہیں اتری تھی۔ مگر شیروں کے آگے پڑنے سے بہتر تھا کہ وہ رسّی سے اترتے ہوئے گر پڑے۔ ملکہ نے رسّے کو تھاما اور نیچے اترنا شروع کر دیا۔ ناگ نے اوپر سے رسّے کو تھام رکھا تھا۔ تاکہ وہ دیوار کے ساتھ نہ ٹکرائے۔ آخر ملکہ نیچے اترنے میں کامیاب ہو گئی۔

عنبر نے ملکہ کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ ابھی ناگ نیچے اترنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کی گردن میں رسّی کی کمند ماری اور وہ فصیل سے لڑکھڑایا۔ اگر اسی وقت ناگ سنبھل کر اپنی جون نہ بدلتا تو وہ گر کر ہلاک ہو چکا ہوتا۔ نیچے کھڑے رومن سپاہیوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ کوئی شخص ملکہ کو فرار کروانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ وہ بھاگ کر قلعے کی فصیل کے پاس آئے .... تو انہوں نے ناگ کو فصیل کے اوپر دیکھا۔ اسی وقت اس پر کمند پھینک دی گئی جو ناگ کے گلے میں جا پڑی۔

نیچے کھڑے رومن سپاہیوں نے شور مچا دیا کہ اسے پکڑ لو۔
...یچ لو۔ جانے نہ پائے۔ ابھی انہوں نے رسّی کھینچی ہی تھی کہ
...ی کی کمند میں سے ناگ غائب ہو گیا۔ اور رسّی نیچے گر پڑی۔
...ے سپاہی ششدر ہو کر رہ گئے۔ ایک سپاہی نے چیخ کر کہا۔
"اس نے کمند سے نکل کر دوسری طرف چھلانگ لگا دی ہے۔
...ے باہر جا کر پکڑ لیا جائے۔ ملکہ بھی اس کے ساتھ ہی ہو گی"
...پاہی گھوڑوں پر سوار دروازے کی طرف دوڑے۔ مگر ناگ
... عقاب بن کر ان سے پہلے عنبر کے پاس پہنچ گیا تھا جو رومن
...یوں کے ہوشیار ہو جاتے اور ان کا شور سننے کی وجہ سے ملکہ
...ے کر ایک جگہ جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ ناگ نے عقاب
... انسان کی شکل بدل لی تھی۔
"...کم بختوں کو پتہ چل گیا ہے"
...گ نے کہا۔

عنبر بولا۔
"وہ قلعے سے گھوڑوں پر سوار باہر آ رہے ہیں۔ فکر کی کوئی
... نہیں۔ ہم اسی جگہ چھپے رہیں گے"
"مگر کب تک عنبر؟ دن نکل آیا تو ہمارا اڑن طشتری تک
... مشکل ہو جائے گا"
"دیکھا جائے گا۔ اس وقت بھی ملکہ کی جان خطرے میں ہے۔"

اگر ہم نے بھاگنے کی کوشش کی تو رومن تیر اندازوں کا ایک ہی تیر ملکہ کو ہلاک کر سکتا ہے اور تم بھی زخمی ہو سکتے ہو۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اسی جگہ چھپ کر وقت کا انتظار کیا جائے۔"

رات کا پچھلا پہر تھا۔ مشرق سے زرد زرد چاند ابھرنے لگا۔ جس کی ہلکی زرد روشنی پھیل گئی۔ عنبر ناگ اور ملکہ جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے۔ ملکہ پریشان تھی۔ کہ یہ کون لوگ ہیں؟ اگرچہ وہ اپنی جان بچ جانے پر خوش تھی مگر ابھی اس کی زندگی خطرے سے باہر نہیں ہوئی تھی۔

رومن سپاہیوں کا ایک دستہ قلعے سے نکل کر ارد گرد کے جنگل میں پھیل گیا۔ انہوں نے جھاڑیوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ کمانڈر نے بلند آواز میں کہا۔

"وہ لوگ ابھی دور نہیں گئے ہوں گے۔ ضرور اسی جگہ کہیں چھپے ہوں گے۔ انہیں تلاش کرو۔"

رومن سپاہی نیزے اور تلواریں لے کر جھاڑیوں اور درختوں میں گھس گئے۔ گھوڑوں نے اپنی ٹانگوں سے جھاڑیوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ اب تو عنبر اور ناگ بھی کچھ گھبرائے کہ کم بخت یہ تو سر پہ ہی پہنچ گئے ہیں۔ رومن سپاہی قریب آ رہے تھے۔ وہ جھاڑیوں میں نیزے مار رہے تھے اور بلند آوازیں باتیں بھی

کر رہے تھے۔ ان کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

ملکہ نے کہا۔

"میری قسمت میں تو موت لکھی ہی تھی۔ آپ لوگوں نے اپنی زندگیاں کیوں خطرے میں ڈالیں؟"

ناگ نے کہا۔

"ملکہ! ہم جو کچھ کر رہے ہیں اپنی مرضی سے کر رہے ہیں۔"

عنبر بولا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔"

ناگ نے ملکہ سے کہا۔

"ابھی شاید تم اپنی زندگی کا سب سے عجیب و غریب منظر دیکھو گی۔ مگر تمہیں خاموش رہنا ہو گا اور ڈر کر چیخ نہیں مارنی ہو گی۔ کیا وعدہ کرتی ہو؟"

ملکہ نے پوچھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

ناگ نے کہا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ اگر تم دیکھو کہ میں ہاتھی بن گیا ہوں تو ہرگز ہرگز ڈر کر چیخ نہیں مارنی ہو گی۔ کیا وعدہ کرتی ہو کہ تم گھبراؤ گی نہیں؟"

ملکہ نے سمجھا کہ موت کو سامنے دیکھ کر یہ شخص دیوانہ ہو گیا

ہے۔ اس کا دماغ چل گیا ہے۔ بولی۔

"نہیں گھبراؤں گی"

ملکہ کو ناگ پر ترس آ رہا تھا کہ بے چارہ جوان ہی مارا جا
گا اور موت کے خوف نے اسے مرنے سے پہلے ہی پاگل کر
ہے۔ ناگ نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"عنبر بھائی! ہوشیار ہو جاؤ۔ تمہیں ملکہ کو لے کر میرے
پیچھے جھاڑیوں میں آنا ہو گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں"

ملکہ نے سوچا کہ دونوں بے چارے موت کے ڈر سے پاگل
گئے ہیں۔ اسے اپنی موت تو بالکل سامنے دکھائی دے رہی
مگر اس کے ساتھ ہمدردی کرنے والے ان دو نوجوانوں کی مو
کا اسے بہت افسوس تھا۔ کاش بے چارے اس کی جان بچانے
نہ آتے اور موت سے بچ جاتے۔

رومن سپاہیوں کی آوازیں بہت قریب آ گئی تھیں۔ ایک
نیزہ بالکل قریب جھاڑی میں آ کر لگا۔ ملکہ سمٹ کر عنبر کے سا
جا لگی۔ پھر واقعی اس نے اپنی زندگی کا ایک انوکھا اور حیرت نا
منظر دیکھا۔ کیا دیکھتی ہے کہ اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا نوجوان ناگ
گہرا سانس لینے لگا۔ پھر وہ ایک دم سے غائب ہو گیا اور اس
جگہ ایک بہت بڑا ہاتھی سامنے آ گیا جس کی سونڈ اٹھی ہوئی تھی

اور لمبے لمبے نوکیلے دانت باہر کو نکلے تھے۔ ملکہ کے منہ سے چیخ
نکلنے ہی لگی تھی کہ عنبر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

ہاتھی نے سونڈ لہرا کر زور سے چنگھاڑ ماری اور وہ رومن
سپاہیوں پر دیوانہ وار لپکا۔ اس نے دو سپاہیوں کو سونڈ اٹھا کر
دور پھینک دیا۔ باقی سپاہیوں نے سامنے خونخوار ہاتھی کو دیکھا
تو اس پر نیزے پھینک کر پیچھے کو بھاگے۔ ہاتھی چنگھاڑتا ہوا
ان کے پیچھے لپکا۔ عنبر بھی ملکہ کو لے کر ہاتھی کے پیچھے پیچھے جھاڑیوں
میں چلا۔ ہاتھی نے وہاں افراتفری مچا دی تھی۔

رومن سپاہی جھاڑیوں سے نکل نکل کر بھاگ رہے تھے۔
مگر اب ایسا ہوا کہ پیچھے سے بھی رومن سپاہیوں نے ہاتھی پر
تیروں کی بارش شروع کر دی۔ چاند کی چاندنی میں کافی روشنی
ہو گئی تھی اور دن بھی نکلنے والا تھا۔ اندھیرا زیادہ نہیں تھا۔
ہر شے نظر آ رہی تھی۔ عنبر گھبرا سا گیا۔ کیونکہ وہ رومن سپاہیوں
میں گھر گئے تھے۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"ناگ! سمندر کی طرف بھاگو"

ہاتھی نے عنبر کی آواز سن لی تھی۔ وہ سمندر کی طرف گھوما۔
عنبر بھی ملکہ کو لے کر اس کے پیچھے بھاگا۔ لیکن سامنے بھی رومن
سپاہیوں کا دستہ کھڑا تیر برسا رہا تھا۔ اب خطرہ سر پر آ گیا
تھا۔

تیروں اور نیزوں کی اس بارش سے عنبر بچ سکتا تھا،
مگر ناگ اور ملکہ کے شدید زخمی ہونے کا ڈر تھا۔ یہ لوگ مر
بھی سکتے تھے۔ کیونکہ سپاہی بارش کی طرح ہاتھی پر تیر برسا رہے
تھے۔ ہاتھی رک گیا۔ ملکہ خوف سے زرد ہو رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔
"ناگ! کوئی دوسری ترکیب سوچو، نہیں تو ملکہ کو بچانا مشکل
ہو جائے گا"

ہاتھی نے ایک پل کے لئے اپنی سونڈ اوپر لہرائی اور پھر غائب
ہو گیا۔ ملکہ یہ سب کچھ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ کیا دیکھتی
ہے کہ اب ہاتھی کی جگہ ایک رومن سپہ سالار کھڑا ہے۔ سر پر
تانبے کا چمکدار ہلمٹ ہے۔ کندھے پر ریشمی سرخ فرغل لہرا رہی
ہے۔ کمر کے ساتھ تلوار بندھی ہے۔ پنڈلیوں پر تسمے بندھے ہیں۔
ہاتھ میں چاندی کا ہنٹر ہے۔ ناگ نے ایک رومن سپہ سالار
کی شکل بدل لی ہے۔

ناگ جھاڑیوں سے باہر آگیا اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
"الو کے پٹھو! ہاتھی کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔ ملکہ کو تلاش
کرو نہیں تو میں تم سب کو ملکہ کی جگہ بھوکے شیروں کے آگے
ڈال دوں گا"

رومن سپاہیوں نے جو اپنے سامنے رومن سپہ سالار کو دیکھا
تو ایک دم ادب سے اٹنشن ہو کر کھڑے ہو گئے۔ تیر کمانوں

میں لگے رہ گئے۔ تلواریں نیام میں آگئیں۔ ناگ گرجا۔
"ارے احمقو! میرا منہ کیا تک رہے ہو۔ ملکہ ادھر قلعے کی
فصیل کی طرف ابھی ابھی بھاگ کر گئی ہے۔
اسے پکڑ کر گرفتار کرو اور میرے سامنے لاؤ"

سپاہی فصیل کی طرف گھوڑے دوڑاتے بھاگے۔ تھوڑی
دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ ناگ نے عنبر سے کہا۔
"اب تم لوگ میرے پیچھے پیچھے آؤ"

ناگ رومن سپہ سالار کی وردی میں عنبر اور ملکہ کو لے
کر سمندر کے کنارے چٹانوں کے پاس آگیا۔ یہاں انہیں
کسی نے نہ دیکھا۔ اب سورج نکل آیا تھا اور ہر طرف
روشنی ہو گئی تھی۔ وہ جلدی جلدی چٹانوں کے ساتھ ساتھ
چلتے اس جگہ آگئے جہاں ان کی اڑن طشتری کھڑی تھی۔ ملکہ
نے اڑن طشتری کو دیکھا تو ڈر کر وہیں رک گئی۔
"تم لوگ اصل میں کون ہو اور مجھے کہاں لے جانا
چاہتے ہو"

"ہوش کرو ملکہ! تم زندگی کو چھوڑ کر موت کے منہ میں جا
رہی ہو۔ ہم تمہارے بھائی ہیں"
عنبر نے کہا۔
"میں مصری ہوں۔ میں مصر میں پیدا ہوا۔ یہیں دریائے نیل

کے کنارے پلا بڑھا۔ مجھ پر یقین کرو۔ یہ ناگ ہے میرا
بھائی ہے۔ اندر ہماری بہن ماریا بھی ہے۔ تم اس کے
پاس رہو گی"

ملکہ رک گئی اور کبھی عنبر اور کبھی ناگ کا منہ تکتی اور
کبھی حیرت سے اڑن طشتری کو تکتی کہ یہ کیا بلا کھڑی ہے
عنبر نے ماریا کا اس لئے نام لے لیا تھا کہ ہو سکتا ہے
ملکہ کسی عورت کی موجودگی کا سن کر اڑن طشتری میں جانے
پر راضی ہو جائے۔ ناگ سوچنے لگا کہ اندر جا کر ملکہ نے ماریا
سے ملنے پر اصرار کیا تو وہ کیا کریں گے؟ کیا ماریا سے ملکہ کو
ملوا دیں گے؟

مگر وہ تو اسے نہ دیکھ سکے گی!

ملکہ ان کے ساتھ جانے پر راضی ہو گئی۔ اڑن طشتری کو مگر
پھر بھی شک کی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور اندر جاتے
ہوئے گھبرا رہی تھی۔ عنبر نے بٹن دبایا۔ اڑن طشتری کا
دروازہ کھل گیا۔ اندر ماریا بھی شیشے کے گول سوراخ سے
لگی یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ ملکہ مصر اڑن طشتری کے
اندر جاتے ہی دہشت بھری نظروں سے گول چمکتی دیواروں
پر چمکتی شیشے ایسی چھت اور کمپیوٹروں اور ڈائلوں اور مشینوں
کو تکنے لگی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ ایک بالکل ہی

نئی دنیا میں آ گئی ہے۔

ناگ نے ملکہ مصر سے کہا۔

"ملکہ! آپ اندر جا کر آرام کریں"

ملکہ نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

"آپ کی بہن کہاں ہے؟"

اب ناگ کو اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ اس نے اسے یہ
کیوں کہہ دیا کہ اندر اس کی بہن بھی ہے۔ ناگ نے عنبر کی طرف
دیکھا اور عنبر نے کہا۔

"ہماری بہن ماریا ابھی سو رہی ہے۔ آپ آرام کریں۔
جب وہ اٹھے گی تو اسے آپ سے ملا دیں گے"

ملکہ مصر ضد پر اڑ گئی۔

"نہیں۔ جب تک مجھے یہ نہیں پتہ چلے گا کہ آپ کی بہن
بھی یہاں ہے میں اندر نہیں جاؤں گی"

ناگ نے اپنی خاص زبان میں عنبر سے کہا۔

"اب کیا کریں؟"

عنبر نے کہا۔

"سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ ماریا سے اسکا تعارف
کروا دو۔ یہ ضدی ملکہ ہے ہمیں اس کی جان بچانی ہے۔ یہ
تو اپنی حماقت سے ایک بار پھر اپنی جان خطرے میں ڈال

رہے گی۔"

"بہتر ہے"

ملکہ مصر بیچ میں بول اٹھی۔

"تم لوگ یہ کس زبان میں باتیں کر رہے ہو؟ کیا باتیں کر رہے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"سنو ملکہ مصر! بات اصل میں یہ ہے کہ ہم نے آپ سے اپنا تعارف کروانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ وقت آگیا ہے کہ آپ سے ہم اپنا تعارف کروا دیں۔ لیکن میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ حیران نہ ہوں اور ہماری باتیں سن کر اپنے ہوش و حواس میں رہیں۔ میرا نام ناگ ہے۔ میں اصل میں سانپ ہوں اور سو برس زندہ رہنے کے بعد مجھ میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی ہے کہ میں جو چاہوں شکل اختیار کر سکتا ہوں۔ میں پانچ ہزار برس سے اس دنیا میں زندہ ہوں"

ملکہ منہ کھولے ناگ کی باتیں سن رہی تھی۔ اب عنبر نے کہا۔

"میرا نام عنبر ہے۔ میں آج سے چھ ہزار برس پہلے مصر کے ایک شاہی خاندان میں پیدا ہوا۔ میرے آباؤ اجداد اہرام مصر کے مقبروں میں سو رہے ہیں۔ مجھے ایک بزرگ

نے دعا یا بددعا دی کہ میں کبھی نہیں مروں گا۔ بس میں چھ ہزار برس سے زندہ ہوں۔ اور اب میں تمہارا تعارف اپنی بہن ماریا سے کرواتا ہوں جو اس وقت تمہارے قریب ہی کھڑی ہے"

ملکہ نے چونک کر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ناگ نے کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں ملکہ! ماریا ہماری بہن غائب ہے۔ وہ ہم سب کو دیکھ سکتی ہے مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا یہ اسے بھی کسی کی دعا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے گی اور غائب رہے گی"

پھر عنبر نے ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن! ملکہ مصر کے ساتھ ہاتھ ملاؤ"

ملکہ مصر نے ہاتھ آگے نہ بڑھایا۔ کیونکہ اسے کوئی بھی عورت اپنے قریب نہیں دکھائی دیتی تھی۔ وہ ابھی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اس کا ہاتھ کسی نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ ہاتھ نرم اور نازک تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ یہ کسی لڑکی کا ہاتھ ہے۔ ماریا نے ملکہ مصر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا کر کہا۔

ملکہ! امید ہے آپ نہیں گھبرائی ہوں گی۔ میرا تعارف تو

میرے بھائی نے آپ سے کروا دیا ہے۔ میرا نام ماریا ہے اور
میں علیی عورت ہوں۔ آپ مجھے نہیں دیکھ سکیں مگر میں آپ
کو دیکھ سکتی ہوں"
ملکہ مصر نے جو کچھ سنا اور جو کچھ دیکھا تھا اس پر سوائے
حیران ہونے کے وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اگر وہ ایک عام سی
جاہل لڑکی ہوتی تو شاید اس وقت تک کئی بار غش کھا کر گر
چکی ہوتی۔ لیکن چونکہ وہ شاہی خاندان کی عورت تھی۔ مصر کی ملکہ تھی۔
پڑھی لکھی تھی۔ اس لئے وہ اپنے ہوش و حواس میں تھی۔ اس نے
کوئی جواب نہ دیا۔ ناگ بولا۔
"اب ہم نے اپنا سارا راز آپ پر ظاہر کر دیا ہے اب تو
آپ کو ہم پر اعتبار آ گیا ہو گا کہ ہم آپ کے ہمدرد ہیں"
ملکہ مصر نے پہلی بار زبان کھولی۔
"میں جو کچھ رہی ہوں۔ سن رہی ہوں۔ ایسا میں نے نہ کبھی
سنا نہ کبھی دیکھا۔ جو کچھ بھی ہے۔ میں اسے جادوگری ہی کہوں
گی۔ کیونکہ میرے دربار کے کاہن اعظم نے کہا ہے کہ دنیا میں
صرف جادو کے زور سے ہی انسان آسمانوں کی سیر کر سکتا ہے۔
ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے اور غائب ہو سکتا ہے"
عنبر نے کہا۔
"آپ یہی سمجھیں ملکہ مصر! بالکل یہی سمجھیں کہ ہم جادوگر

[illegible] اور جادو کے زور سے ہی ماریا غائب ہے اور ناگ اپنی شکل
[illegible] لیتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ہمیں زیادہ اس موضوع پر
[illegible] کرنے کی ضرورت نہیں ہے"
ناگ نے کہا۔
"کیا خیال ہے ملکہ مصر؟"
ملکہ نے کہا۔
"آپ نے یہ اڑن کھٹولا کہاں سے لیا؟ اس کی خاص بات
ہے؟"
ماریا نے کہا
"یہ آسمانوں میں اڑ سکتا ہے۔ ہم آسمانوں سے اڑتے ہوئے
[illegible] دنیا میں آئے ہیں"
"کیا آپ کا تعلق کسی دوسری دنیا سے ہے؟" ملکہ نے پوچھا۔
عنبر نے کہا۔
"اصل میں ہم اس دنیا کے رہنے والے ہیں مگر ایک حادثے
[illegible] وجہ سے یہاں سے اڑ کر ایک دوسرے سیارے میں چلے گئے۔
جس وقت اس دنیا سے گئے تو یہاں دنیا ترقی کر چکی تھی۔
[illegible] کا بالکل نیا زمانہ تھا اور لوگ ہوائی جہازوں میں سیریں
[illegible] تے تھے۔ اور بمبار جہازوں سے بمباری کرتے تھے۔ ٹیلی ویژن
[illegible] تے تھے اور ٹیلی فون پر ایک دوسرے سے ہزاروں میلوں سے

گفتگو کرتے تھے۔ اور آپ لوگوں کا زمانہ گذرے کئی سو سال بیت
چکے تھے۔ لیکن جب ہم ایک دوسرے حادثے کی وجہ سے واپس
آئے تو ہم ایک بار پھر تاریخ کے پرانے زمانے میں تھے۔ یعنی
ایک بار پھر مصر کے پرانے عہد سے گذر رہے تھے۔ میرا خیال ہے
کہ آپ اسے زیادہ نہ سمجھ سکیں گی اور آپ کو سمجھنے کی کوشش
بھی نہیں کرنی چاہیئے۔"

ناگ بولا۔

"اب آپ یہ بتائیں کہ ہم آپ کو واپس مصر میں جا کر چھوڑیں
یا آپ کسی اور جگہ جانا چاہتی ہیں؟"

ملکہ مصر نے آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں مصر کی ملکہ ہوں۔ میرے ملک پر رومن درندوں نے حملہ
کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا ہے۔ میرے ماں باپ کو قتل کر کے
میرے بھائیوں کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا۔ میں ان درندوں
سے اس ظلم کا بدلہ لینا چاہتی ہوں۔ میں اپنا ملک ان رومن ڈاکوؤں
سے واپس لینا چاہتی ہوں۔ یہ درندے مجھے بھی بھوکے شیروں
کے آگے ڈالنا چاہتے تھے۔ اگر آپ لوگ میری مدد کو نہ
آتے تو آج میں بھی ان رومن درندوں کے ظلم کا شکار
ہو چکی ہوتی۔"

ناگ نے کہا۔

"آپ کے ساتھ بہت ظلم ہوا ہے۔ ہم آپ کو آپ کا
ملک ان درندوں سے واپس لے کر دیں گے۔"

ملکہ نے پوچھا۔

"مگر آپ کے پاس تو کوئی فوج نہیں۔ آپ رومن لشکر
کا کس طرح سے مقابلہ کریں گے؟"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"یہ آپ دیکھ لیں گی۔"

آتش فشاں وادی

●

اسی رات عنبر اور ناگ نے آپس میں مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے
ناگ نے کہا۔
"اگر ہم نے اس وقت مصر جاکر وہاں حملہ کر دیا تو یہاں
پومپیائی سے رومن لشکر اپنے ساتھیوں کی مدد کو روانہ ہو
جائے گا۔ اس اعتبار سے ہمیں ایک بار پھر رومنوں سے
جنگ کرنی پڑے گی"
عنبر بولا۔
"پھر تمہارا کیا خیال ہے"
ناگ نے کہا۔
"میرا تو خیال ہے کہ ہمیں سب سے پہلے پومپیائی کے
بادشاہ کو قابو میں کرنا چاہیئے تاکہ جب ہم مصر پر حملہ کریں
تو یہ اپنی فوج کی کوئی مدد نہ کر سکے"
"سب سے پہلے تو ہمیں ان سپاہیوں کا مقابلہ کرنا ہوگا
جو ملکہ مصر کی تلاش میں اس طرف بھی آئیں گے"

ان کا مقابلہ ہم بڑی آسانی سے کر لیں گے۔ لیکن ہوسکتا
کہ وہ ادھر کا رخ نہ کریں"
رومن ان پہاڑیوں کی تلاشی ضرور لیں گے۔ وہ ملکہ مصر
ش کرنے میں اپنی ساری کوششیں لگا دیں گے ملکہ
نہ ملنا اور بھاگ جانا ان کے لئے سب سے بڑی
کا باعث ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ روم کا بادشاہ
بھی اس شہر کے بادشاہ کو معزول کر دے"
تمہارا خیال درست ہے۔ تو پھر اس اعتبار سے ہمیں
طشتری کو رومن سپاہیوں سے چھپانے کی کوشش
چاہیئے"
ھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف اڑن طشتری
یک کمرے میں ماریا ملکہ مصر کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی
ات کا کھانا انہوں نے مل کر کھایا تھا۔ ملکہ مصر کے
ایک عجیب تجربہ تھا کہ وہ ایک ایسی عورت کے
یٹھی کھانا کھا رہی ہے جو اسے نظر نہیں آ رہی طشت
اپنے آپ پھل غائب ہونے کے بعد پھر میز پہ
آ جاتا۔
مصر نے مسکرا کر کہا۔
ریا! کیا تمہیں عجیب نہیں لگتا کہ تمہیں خود اپنا آپ

نظر نہیں آ رہا؟ یا کیا تم اپنا آپ دیکھ لیتی ہو؟
ماریا نے کہا۔
"بات تو بڑی عجیب ہے مگر مجھے اپنے ہاتھ پاؤں او
سارا جسم نظر آ جاتا ہے۔ ہاں مجھے دوسرا کوئی شخص نہیں
دیکھ سکتا۔"

ملکہ نے کہا۔
"کیا تم لوگوں نے پرانے مصر میں ہمارے باپ داداؤں
دیکھا ہے؟"

ماریا بولی: "ہاں! ہم نے بڑے بڑے فرعون حکومت کرتے او
پھر اہرام مصر کی قبروں میں جا کر سوتے دیکھے ہیں۔ مگر اب یا
نہیں رہا کہ کس کا کیا نام تھا اور اس کی شکل کیسی تھی

ملکہ مصر نے اڑن طشتری کے کمرے کی شیشے ایسی چھت
دیکھ کر کہا۔
"یہ کس قسم کا اڑن کھٹولا ہے؟ اور بڑے کمرے کے
میں جو گول شیشے کا گلاس سا کھڑا تھا وہ کیا ہے؟"
"تمہارا مطلب سلنڈر سے ہے؟"
"ہاں وہی"

ماریا نے کہا۔ "وہ ایک ایسی مشین ہے کہ اس میں
انسان داخل ہو جائے اور باہر سے ایک بٹن دبایا جائے ت

غائب ہو جاتا ہے اور پھر جہاں چاہے ظاہر ہو جاتا ہے"
ملکہ نے تعجب سے کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

ماریا نے کہا۔ "یہ ایک ایسا سوال ہے جو تم ہر ایک بات
پر کرو گی کیونکہ تم ایسی بے شمار باتیں دیکھو گی کہ تمہیں یقین نہیں
آئے گا اور تم سوچنے لگو گی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر ہم
جس سائنسی دور سے آ رہے ہیں وہاں سب کچھ ہو رہا ہے
وہاں ہزاروں میل پر بیٹھ کر خبریں سنانے والے آدمی کی
شکل ہم ایک ٹی وی سکرین پر دیکھ سکتے ہیں وہاں انسان چاند
پر پہنچ کر واپس آ چکا ہے"

ملکہ مصر ہنس پڑی۔ "تم جادوگروں کی سی باتیں کر رہی ہو۔
بھلا یہ بھی کبھی ہو سکتا ہے کہ انسان چاند پر پہنچ کر پھر وہاں
سے واپس بھی آ جائے؟ یہ ناممکن ہے"

ماریا نے کہا۔ "میں تمہیں سچ کہہ رہی ہوں۔ آؤ میں تمہیں
چاند کی، چاند پر پہنچے ہوئے انسانوں کی اور وہاں سے نظر آنے
والی اپنی زمین کی فلم دکھاتی ہوں"

ماریا ملکہ کو ساتھ لے کر پروجیکشن روم میں لے گئی۔ یہاں
وی سی آر پڑا تھا۔ ماریا نے ایک خاص ٹیپ چڑھا کر بٹن
دبایا تو سکرین پہ ایک راکٹ اڑتا دکھائی دیا۔ جو چاند پہ پہنچ
کر رک گیا۔ پھر اس راکٹ میں سے دو امریکی خلا باز باہر نکلے

اور انہوں نے تھوڑا تھوڑا اچھل کر چاند پر چلنا شروع
دیا۔ ماریا نے کہا۔
"یہ ملک امریکہ کے دو خلا باز ہیں جو زمین سے ایک
میں بیٹھ کر چاند پر پہنچے تھے۔ اب یہ چاند پر اچھل
کر اس لیے چل رہے ہیں کہ چاند پر ہماری زمین
مقابلے میں کشش بہت کم ہے۔ چاند پر فضا اور ہوا بھی
ہے۔ تم دیکھ رہی ہو کہ انہوں نے چاند پر جو ایک جھنڈا
ہے وہ بالکل نہیں پھڑپھڑا رہا بلکہ ساکت کھڑا ہے۔
اسی وجہ سے ہے کہ یہاں پر ہوا نہیں ہے۔"
ملکہ مصر منہ کھولے، آنکھیں پھاڑے وی سی آر
سکرین پر ایک بھیانک مگر بڑا دلچسپ خواب سا دیکھ
تھی۔ اس کے سامنے چاند کی زمین تھی۔ بھوری بھوری۔
اور ویران بے آباد اور اس زمین پر دو پھولے ہوئے سفید
لباس میں ملبوس انسان چہل قدمی کر رہے تھے۔ پھر اس نے
چاند پر سے زمین کو دیکھا جو دور خلا میں اٹکی ہوئی تھی۔
"یہ کیا ہے؟" ملکہ نے پوچھا۔
ماریا نے کہا۔ "یہ ہماری زمین ہے جس پر اس وقت ہم
اور تم بیٹھے ہیں۔"
"یہ گول ہے؟"

"ہاں زمین گول ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور یہ
سورج کے گرد گھومتی ہے"
"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"
"یہ ہو رہا ہے میری پیاری ملکہ مصر! ہماری زمین سورج
کے گرد گھومتی ہے"
ملکہ نے کہا۔ "تو پھر ہمارے دادا سچے تھے جو سورج
کی پوجا کرتے تھے۔"
"نہیں۔ سورج بھی اپنے ارد گرد گھوم رہا ہے اور
یہ بھی اپنی روشنی کے لئے ہائیڈروجن اور ہیلیم گیس کا محتاج ہے۔
اگر یہ دو گیسیں نہ ہوں تو سورج بھی تاریک ہو جائے۔ بجھ
جائے"
ملکہ مصر نے سر تھام لیا۔ "تمہاری باتیں میری سمجھ میں
نہیں آ رہی ہیں"
ماریا ہنسی۔ اور اس نے بٹن بند کر کے وی سی آر بند
کر دیا۔
"ہماری باتیں تمہاری سمجھ میں آ بھی نہیں سکتیں کیونکہ تم
ہم سے ہزاروں برس پیچھے ہو"
ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اور باہر رات آہستہ آہستہ گذر
رہی تھی۔ ملکہ مصر کو نیند آنے لگی۔ ماریا نے اسے آرام دہ

بستر پر سلا دیا وہ اطمینان سے سو گئی اور ماریا بھی ساتھ والے بستر پر لیٹ کر نیند کا انتظار کرنے لگی۔ ناگ بھی سو گیا تھا۔ صرف عنبر جاگ رہا تھا اور ایک مشین پر جھکا اس کے پرزوں کو دیکھ رہا تھا۔ باہر گہرا اندھیرا تھا۔ چاند رات کے پچھلے پہر نکلتا تھا۔

پومپیائی کے بادشاہ پر مصیبت پڑی ہوئی تھی۔ اس نے حکم دے دیا تھا کہ پومپیائی کے سارے شہر اور شہر کے باہر کے جنگل اور وادی کو گھیرے میں لے لیا جائے اور جس طرح سے بھی ہو سکے مفرور ملکہ کو تلاش کر کے واپس قلعے میں لایا جائے۔

ابھی روم کے بادشاہ سیزر کو یہ خبر نہیں پہنچی تھی کہ ملکہ مصر قلعے سے بھاگ گئی ہے۔ پومپیائی کا بادشاہ اس سے پہلے کہ روم کے بادشاہ کو خبر ہو ملکہ کو تلاش کر لینا چاہتا تھا۔ رومن سپاہی ملکہ کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہے تھے۔ وہ وادی اور جنگل میں ملکہ کو تلاش کر رہے تھے۔

چار سپاہیوں کا ایک دستہ ملکہ کو تلاش کرتے کرتے سمندر کے کنارے ان چٹانوں کی طرف آ گیا جدھر اڑن طشتری چھپائی گئی تھی۔ دو سپاہی آگے آگے تھے۔ یہ سمندری چٹانوں میں داخل ہو گئے اور آگے بڑھنے لگے۔ ایک سپاہی نے پیچھے سے آواز

دے کر کہا۔

"بھائی ادھر تمہیں سوائے سمندری گھونگھوں کے بھلا اور کیا ملے گا؟"

آگے والے سپاہی نے پیچھے منہ کر کے کہا۔

"چلو مصر کی ملکہ نہ سہی کچھ سنہری گھونگے ہی پکڑ کر لے جائیں گے"

دونوں پیچھے والے سپاہی قہقہہ مار کر ہنسے۔ آگے والے سپاہی ایک چٹان کے قریب سے ہنسی مذاق کی باتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔ جونہی وہ اس چٹان کا موڑ گھوم کر آگے آئے تو جہاں کھڑے تھے وہیں کھڑے رہ گئے۔ ان کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ اس مشعل کی روشنی میں انہیں آگے ایک عجیب سی گول بہت بڑی طشتری سی دکھائی دی جو چٹانوں کے درمیان خالی زمین پر ٹکی ہوئی تھی۔

پیچھے والے دو سپاہی بھی آگے آ گئے تھے۔ وہ بھی حیرت سے اڑن طشتری کو دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ جیسے پوچھ رہے ہوں کہ یہ کیا ہے؟ اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ وہ چٹانوں کی اوٹ میں ہو گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے کہ یہ کیا شے یہاں آ کر بیٹھی ہوئی ہے؟

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا"

"میں زندگی میں پہلی بار اس قسم کی شے دیکھ رہا ہوں"

"کہیں دیوتا زیوس تو آسمان سے نہیں اتر آیا؟"

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے بھاگ جانا چاہیئے۔ یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

"نہیں—ہمیں آگے بڑھ کر معلوم کرنا چاہیئے کہ یہ کیا چیز ہے؟ آخر ہم مرد ہیں۔ ہمیں حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے۔"

یہ رومن سپاہی باقیوں سے ذرا جرأت والا تھا۔ اس نے دوسروں کا بھی حوصلہ بڑھایا اور کہا۔

"مجھے تو یوں لگتا ہے کہ دشمن کے سپاہیوں نے یہاں چھپ کر ایک قلعہ بنا رکھا ہے۔ ہمیں اس قلعے کی پوری جاسوسی کرکے بادشاہ کو خبر کرنی چاہیئے تاکہ وہ ہمیں انعام دے اور ترقی بھی ملے"

یہ بات باقی تینوں کے دل میں اتر گئی۔ اگرچہ اندر سے وہ ڈر ضرور رہے تھے اور اڑن طشتری کی طرف جاتے ہوئے گھبرا رہے تھے۔ جو سپاہی ان میں سے ذرا حوصلہ مند تھا۔ اس نے کہا۔

"ایسا کرتے ہیں کہ تم یہاں ٹھہرو۔ میں آگے جا کر معلوم کرتا ہوں کہ دشمن اپنے قلعے میں کیا کر رہا ہے؟ کہیں جاگ تو

نہیں رہا"

وہ یہی سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ اڑن طشتری دشمن کا ایک قلعہ ہے جو اس نے لوہے کی چادروں سے راتوں رات بنا ڈالا ہے۔ اس زمانے میں ہر بادشاہ دوسرے کا دشمن ہوا کرتا تھا۔ وہ سپاہی باقی تینوں سپاہیوں کو چٹان کی اوٹ میں چھپا کر اڑن طشتری کی طرف بڑھا۔ جاتے جاتے وہ یہ کہہ گیا کہ اگر میں نے بلند آواز میں چیخ ماری تو تم میری مدد کو آ جانا۔ انہوں نے مشعل بجھا دی تھی۔ سپاہی اب اڑن طشتری کے دروازے کے پاس آ کر رک گیا۔

وہ اندر سے خوف زدہ بھی تھا۔

اندھیرے میں سفید اڑن طشتری بالکل صاف نظر آ رہی تھی۔

اندر ناگ، ماریا اور ملکہ مصر سو رہی تھیں۔ صرف عنبر جاگ رہا تھا جو پچھلے کنٹرول روم میں ایک مشین کو صاف کر رہا تھا۔ دوسری طرف رومن سپاہی نے آگے بڑھ کر اڑن طشتری پر ہاتھ رکھ دیا۔ اندر مشین روم میں ایک سرخ بتی اچانک جلنے بجھنے لگی۔ عنبر نے بتی کو جلتے بجھتے دیکھا تو لپک کر بڑے ہال کمرے میں آ گیا۔ یہاں اندھیرا تھا۔ شیشے کے گول گول سوراخوں میں سے باہر اندھیرے کے سوا کچھ

دکھائی نہ دیتا تھا۔

عنبر ایک سوراخ کے شیشے سے لگ کر باہر دیکھنے لگا۔

اسے دروازے کے پاس ایک رومن سپاہی کھڑا نظر آیا جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا اور چھرا کمر کی پیٹی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ رومن سپاہی ملکہ مصر کی تلاش میں یہاں تک آیا ہے۔ ضرور اس کے ساتھی بھی ہوں گے۔ وہ اکیلا یہاں تک نہیں آ سکتا۔ عنبر ایک جگہ چھپ گیا اور اس نے خفیہ بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی اڑن طشتری کا دروازہ کھل گیا۔

رومن سپاہی نے دروازے کو کھلتے دیکھا تو ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ دروازے کے اندر اندھیرا اندھیرا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا کرے؟ اندر جائے یا نہ جائے؟ اس نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔ اس کے ساتھی چٹان کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔ سپاہی نے دل میں خیال کیا کہ اسے خاموشی سے اندر جا کر دشمن پر شب خون مار کر اسے ختم کر دینا چاہیئے۔ اس طرح سے بادشاہ اسے انعام و اکرام دیگا اور اس کی ترقی بھی ہو جائے گی۔

پس یہ سوچ کر رومن سپاہی اڑن طشتری میں داخل ہو گیا۔ جونہی وہ اندر آیا۔ دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ سپاہی

نے تیزی سے پیچھے گھوم کر دروازے کو دیکھا اور اسے کھولنے کی کوشش کی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ دشمن نے اسے دھوکے سے اندر بلا کر قید کر لیا ہے۔ اس نے نیزہ دروازے پر مارا۔ دروازہ ساکت رہا۔ پھر وہ خنجر نکال کر دروازے کو توڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر دروازہ اپنی جگہ پر قائم رہا۔ رومن سپاہی نے گول شیشے کے سوراخ سے منہ لگا کر باہر دیکھا۔ باہر اندھیرا تھا۔

اتنے میں چھت کا ایک کونا روشن ہو گیا جس کی چمک میں ہال کمرے کی ساری مشین اور کنٹرول کے ڈائیل صاف نظر آنے لگے۔ رومن سپاہی کے ایک ہاتھ میں نیزہ تھا اور دوسرے ہاتھ میں خنجر تھا۔ وہ اپنی جگہ پر جیسے ششدر سا ہو کر مشینوں اور کمپیوٹروں کو تکنے لگا۔ کیا وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے؟ اس نے خنجر پیٹی میں لگا کر زور سے آنکھیں ملیں وہ خواب نہیں دیکھ رہا تھا۔ جو کچھ اسے نظر آ رہا تھا وہ حقیقت تھی۔ رومن سپاہی ایک کمپیوٹر کے پاس آ کر اسے غور سے تکنے لگا۔ پھر اس نے ایک بٹن پر انگلی رکھ کر دبایا تو اچانک مشین میں سے ٹِک ٹِک کی آوازیں آنے لگیں اور پھر ایک کارڈ باہر نکل آیا۔

رومن سپاہی ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

اب اسے آواز سنائی دی۔
"خوش آمدید رومن قوم کے سپاہی!"
سپاہی نے چاروں طرف گردن گھما کر دیکھا اور نیزہ تان لیا۔ "خبردار! آگے بڑھے تو نیزے سے چھلنی کر دوں گا"
اب عنبر اس کے سامنے آ گیا۔ رومن سپاہی نے اپنے سامنے ایک نوجوان کو دیکھا جو اشوری قوم کے لباس میں ملبوس تھا۔ وہ اسے سر سے پاؤں تک دیکھتا رہا پھر بولا۔
"تم کون لوگ ہو؟ یہاں یہ قلعہ تم نے بنایا ہے؟"
عنبر مسکرایا۔ "ہاں! کیا خیال ہے؟ تمہیں پسند آیا؟"
رومن سپاہی نے نیزہ پوری طاقت سے عنبر کے سینے کی طرف اچھال دیا۔
نیزہ سیدھا عنبر کے سینے پر ٹھیک دل کی جگہ پر لگا۔ رومن سپاہی ایک تجربہ کار سپاہی تھا اور کئی جنگوں میں بہادری کے کارنامے سر انجام دے چکا تھا۔ اس کا نشانہ کبھی نہیں چوک سکتا تھا۔ مگر یہ دیکھ کر وہ اور زیادہ حیران ہو گیا کہ نیزہ عنبر کے سینے سے لگ کر مڑ گیا اور نیچے گر پڑا۔
عنبر مسکرایا اور بولا۔
"تم اگر ایک ہزار نیزے بھی پھینکو گے تو ان کا یہی حشر ہو گا"

رومن سپاہی اب خنجر نکال کر عنبر پر حملہ آور ہوا۔ اس نے پوری طاقت سے حملہ کیا تھا۔ اگر عنبر کی جگہ ناگ ہوتا یا کوئی اور شخص ہوتا تو وہ زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔ رومن سپاہی کا خنجر سیدھا عنبر کے پیٹ پر آ کر لگا۔ اگر عنبر کی قسمت میں ہمیشہ کے لئے زندہ رہنا نہ لکھا ہوتا تو یہ خنجر اس کے پیٹ میں گھس کر دوسری طرف سے نکل کر اس کا کام تمام کر چکا تھا۔ مگر ہوا یہ کہ خنجر بھی عنبر کے پیٹ سے لگ کر مڑ گیا اور رومن سپاہی اپنے ہی زور پر خنجر چھوڑ کر فرش پر گر پڑا۔
سپاہی جلدی سے اٹھا اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اور پھٹی ہوئی آنکھوں سے عنبر کو تکنے لگا کہ یہ کس قسم کا انسان ہے؟
عنبر نے مسکرا کر کہا۔
"تم دو بار مجھ پر حملہ کر چکے ہو۔ کیا مجھے اتنی اجازت نہیں دو گے کہ اب ایک بار میں بھی تم پر وار کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ مگر نہیں۔ میں ایسا نہیں کروں گا۔ مجھے تم پر اور تمہارے بچوں پر ترس آتا ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم میرے وار سے مر جاؤ گے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"
رومن سپاہی نے دہشت زدہ نظروں سے عنبر کو تکتے

ہوئے کہا۔
"تم کون ہو؟ کیا تم دیوتا ہو؟"
عنبر نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تم کوئی جادوگر ہو۔ کیونکہ تمہاری شکل دیوتاؤں کی طرح نہیں ہے"
عنبر ہنسا۔ "تم نے ٹھیک کہا۔ میں دیوتا نہیں ہوں۔ مگر میں جادوگر بھی نہیں ہوں"
"پھر — پھر تم کون ہو؟" رومن سپاہی ہکلاتے ہوئے بولا۔
عنبر نے ہال کمرے کی مشینوں کی طرف نگاہیں گھما کر کہا۔
"یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، جادوگری نہیں ہے بلکہ سائنس کی کرامات ہے۔ لیکن تم سائنس کے معنی نہیں سمجھ سکو گے۔ بہرحال تم ہمارے مہمان ہو۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ آؤ میرے ساتھ"
"نہیں نہیں۔ میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں"
رومن سپاہی اب سچ مچ ڈر گیا تھا اور اس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا تھا۔ عنبر نے پوچھا۔
"تمہارے ساتھ اور کون کون ہے؟"
رومن سپاہی نے کہا۔ "میرے ساتھ تین سپاہی اور ہیں"
"انہیں بھی اندر لے آؤ۔ کیونکہ اب تم یہاں سے جا نہیں سکتے۔ تم ہمارے ہاں رہو گے ایک خاص وقت تک۔ ہم اپنے راز کو ابھی فاش کرنا نہیں چاہتے"

رومن سپاہی گھبرا گیا۔ بولا۔
"میرے سپاہی جا چکے ہوں گے۔ انہوں نے اتنی دیر میرا انتظار نہیں کیا ہو گا"
رومن سپاہی نے جھوٹ بولا تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کی جان بچانا چاہتا تھا تاکہ وہ چلے جائیں اور جا کر سپہ سالار کو اڑن طشتری کے بارے میں بتا دیں اور وہ لشکر لے کر حملہ کر سکے۔ عنبر سب سمجھ گیا تھا۔ اس نے کہا۔
"وہ نہیں جا سکتے۔ میں انہیں ابھی تمہارے پاس لا کر کھڑا کر دیتا ہوں۔ فکر نہ کرو"
رومن سپاہی عنبر کا منہ تکنے لگا۔ عنبر نے ایک کمپیوٹر کا بٹن دبایا۔ نیلی روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اڑن طشتری کے کونے میں لگے ہوئے سلنڈر میں گہری نیلی روشنی ہو گئی۔ سلنڈر اس قدر روشن ہوا کہ رومن سپاہی نے آنکھیں بند کر لیں۔ جب دوبارا اس نے آنکھیں کھولیں تو اس سلنڈر میں اس کے تینوں ساتھی کھڑے حیرت سے ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ عنبر نے انہیں سلنڈر سے باہر نکالا تو وہ بھی نیزے تان کر عنبر پر حملہ آور ہو گئے۔ وہ یہ سمجھے کہ ان کے ساتھی کو عنبر نے گرفتار کر رکھا ہے۔
عنبر کو سخت غصہ آ گیا۔ اس نے اپنی پیٹی سے لگی ہوئی

چھوٹی سی گن نکال کر اس میں سے سرخ شعاع ان تینوں پر ڈالی۔ تینوں ایک شعلے میں بدل کر اسی جگہ بھسم ہو کر غائب ہو گئے۔
عنبر نے کہا۔
"اب یہ کبھی واپس اس دنیا میں نہیں آئیں گے۔ کیا تم بھی یہی چاہتے ہو کہ تمہارا انجام بھی ان جیسا ہو؟"
رومن سپاہی خوف سے کانپنے لگا۔
"نہیں ——— میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے تین بچے ہیں۔ میں ان سے بہت پیار کرتا ہوں"
عنبر نے آگے بڑھ کر رومن سپاہی کے کندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور کہا: "تمہارا نام کیا ہے؟"
"کیٹولیس"
عنبر بولا۔ "کیٹولیس! آج سے تم میرے بھائی ہو۔ آؤ میں تمہیں اپنے بھائی ناگ سے ملاتا ہوں۔ اور سنو! حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے ملکہ مصر بھی ہمارے پاس ہے۔ کیا تم بھی ہمارا بھائی بننا پسند کرو گے؟"
کیٹولیس نے کہا۔
"مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ لیکن میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ میں واپس اپنی بیوی بچوں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی بیوی اور بچوں سے بڑی محبت ہے۔ میں انہیں نہیں

چھوڑ سکتا"
عنبر نے کہا۔ "کیٹولیس! مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ تم اپنے بچوں اور بیوی سے محبت کرتے ہو۔ میں ایسے لوگوں کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ اور سنو! ہم ملکہ مصر کو اس کا تخت واپس دلا رہے ہیں اور اگر تمہارے بادشاہ نے مقابلہ کرنا چاہا تو ہم پومپیائی کو بھی فتح کر لیں گے اور ہمیں تم سے کوئی لالچ نہیں ہے۔ تم ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ پھر بھی ہم تمہاری مدد کریں گے۔ کیونکہ تم ایک شریف اور ذمہ دار بہادر فوجی ہو اور اپنے بیوی بچوں سے پیار کرتے ہو۔"
اتنے میں ناگ اور ماریا بھی وہاں آ گئی۔ عنبر نے اپنی خاص زبان میں رومن سپاہی کیٹولیس کا پورا حال بیان کیا اور ماریا کو خبردار کیا کہ وہ آواز نہ نکالے کیونکہ اس نے ماریا کے بارے میں رومن سپاہی کو کچھ نہیں بتایا۔ ناگ نے کیٹولیس سے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا۔
"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر"
کیٹولیس نے بھی مسکرا کر کہا۔
"مجھے بھی بڑی خوشی ہوئی ہے مسٹر ناگ"
اتنے میں دن چڑھ آیا۔ ملکہ مصر بھی جاگ پڑی تھی۔ عنبر نے اسے بھی کیٹولیس سے ملایا۔ کیٹولیس نے کہا۔

"میں آپ لوگوں کا دوست اور بھائی بن چکا ہوں اور ساری زندگی آپ کا دوست اور بھائی ہی رہوں گا۔ لیکن میرا یہاں سے جانا اور اپنے لشکر سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

عینر نے کہا: "ہم تمہیں ایک شرط پر یہاں سے جانے دیں گے کہ تم ہماری اڑن طشتری کا ذکر کسی سے نہیں کرو گے"

کیٹولیس بولا: "میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا راز کسی پر ظاہر نہیں کروں گا"

"پھر تم جا سکتے ہو"

کیٹولیس نے سب سے ہاتھ ملایا اور اڑن طشتری سے نکل کر واپس قلعے میں آگیا۔ اپنے تین ساتھی سپاہیوں کے بارے میں اس نے یہی کہا کہ وہ ملکہ مصر کی تلاش میں جانے کہاں نکل گئے ہیں۔ اس رومن سپاہی نے اپنے وعدے کا ایک بہادر آدمی کی طرح خیال رکھا اور کسی سے اڑن طشتری کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔

●

سیاہ پوش

●

پومپیائی کا رومن بادشاہ ایک رات خود ملکہ مصر کی تلاش میں نکلا۔ اس نے اپنے ساتھ گیارہ سپاہیوں کا ایک دستہ لیا اور قلعے کے باہر کے جنگل اور پہاڑیوں میں آگیا۔ سپاہیوں کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں جن سے وہاں روشنی ہو رہی تھی۔ بادشاہ کو ملکہ مصر کے فرار ہو جانے کا شدید صدمہ تھا۔ وہ اسے اپنی بے عزتی سمجھتا تھا وہ ہر حالت میں ملکہ مصر کو گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ گھومتے پھرتے آخر یہ دستہ سمندر کنارے کی پہاڑی چٹانوں میں بھی آگیا۔ بادشاہ آگے آگے تھا جس کے ساتھ ایک سپاہی گھوڑے پر سوار جلتی ہوئی مشعل لئے چل رہا تھا۔

اچانک چٹانوں کی اوٹ سے نکل کر بادشاہ کی نظر اڑن طشتری پر پڑی۔ جو مشعل کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ بادشاہ وہیں رک گیا۔ سپاہیوں کا دستہ بھی رک گیا۔ ہر ایک شخص حیرت سے اڑن طشتری کو دیکھ رہا تھا کہ یہ کیا شے یہاں آگئی ہے۔ ایک سپاہی نے کہا۔ "بادشاہ سلامت! یہ کوئی بلا ہے واپس چلے چلیں"

بادشاہ نے کہا۔

" یہ ہماری شان کے خلاف ہے کہ ہم ایک بلا سے ڈر کر واپس چلے جائیں۔ ہم اس بلا کا مقابلہ کریں گے"

بادشاہ نے حکم دیا کہ اڑن طشتری کی بلا پر تیروں اور نیزوں کی بارش کر دی جائے۔ سپاہیوں نے اڑن طشتری پر تیروں کی ایک باڑھ ماری۔ اڑن طشتری میں سب لوگ سو رہے تھے۔ اچانک شور ہوا تو سب اٹھ کر بیٹھ گئے۔

" یہ کیا ہے ؟" ملکہ مصر نے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

" شاید وہ احمق لوگ اڑن طشتری پر حملہ کر رہے ہیں۔ تم لوگ بیٹھو۔ میں جا کر دیکھتا ہوں۔"

ناگ نے عنبر اور ماریا کو ساتھ لیا اور بڑے کمرے میں آ کر بٹن دبایا اور باہر والا ٹی وی کیمرہ اون کر دیا۔ کیمرہ اون ہوتے ہی اندر کی سکرین پر باہر کی ساری تصویر آنے لگی۔ انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ پوپیپائی اپنے سپاہیوں کے ساتھ اڑن طشتری پر تیر اور نیزے برسا رہے تھے۔ عنبر مسکرایا۔

" بے وقوف بادشاہ۔ اسے سبق سکھانا چاہیئے۔"

یہ کہہ کر عنبر نے ایک بٹن دبایا۔ اڑن طشتری سے ایک نیلے رنگ کی گہری شعاع نکلی اور اس نے آگے آتے ہوئے

چھ سپاہیوں کو بھسم کر کے رکھ دیا۔ بادشاہ اور دوسرے سپاہی ایک دم پیچھے ہٹ گئے۔ وہ حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کے چھ سپاہی جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ ان کی ہڈیاں تک جل چکی تھیں۔ بادشاہ کو ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر پھر کہا کہ واپس چلے چلو۔ بادشاہ نے نیزہ لہرا کر کہا۔

" میں اس بلا پر حملہ کرنے جا رہا ہوں"

بادشاہ نیزہ لہراتا، گھوڑا دوڑاتا اڑن طشتری کی طرف بڑھا۔ اسے بڑھتا دیکھ کر باقی سپاہی بھی پیچھے لپکے۔ بادشاہ نے نیزہ اڑن طشتری پر اچھالا عنبر نے اندر سے بٹن دبا کر پیچھے کے سپاہیوں کو بھسم کر دیا۔ بادشاہ کو اس نے بچا لیا۔ بادشاہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کے باقی سپاہی بھی جل چکے تھے۔ اب وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ مگر وہ گھبرایا نہیں۔ بلکہ اس نے ایک بار پھر آگے بڑھ کر اڑن طشتری پر حملہ کر دیا۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔

" بڑا دلیر بادشاہ ہے۔ اسے کچھ نہیں کہنا چاہیئے"

" اسی لئے میں نے اس پر موت کی روشنی نہیں پھینکی"

" میرا خیال ہے اسے اندر بلا کر اس سے بات چیت کی جائے تاکہ جنگ نہ ہو اور شہر کی آبادی اور دوسرے بےگناہ سپاہی تباہ ہونے سے بچ جائیں"

"ٹھیک ہے۔ میں اسے بلاتا ہوں"
عنبر نے مائیکروفون کے ساتھ منہ سے جا کر کہا۔
"اے پوم پی آئی کے بادشاہ! ہم کوئی بلا نہیں ہیں۔
اور تم لوگ اپنے لشکر کے سارے نیزے اور سارے تیر
بھی چلا لو تو ہمارے راکٹ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔
کیا تم ہماری بات سن رہے ہو؟"
ایک بھاری آواز گونجتی سن کر بادشاہ دھک سے رہ گیا
اور ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ کسی
آدمی کی اتنی بلند آواز اس نے کبھی نہیں سنی تھی۔ عنبر نے
کہا۔
"ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ ہم تمہیں اپنا دوست بنانا
چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس آؤ۔ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔
کیا خیال ہے؟"
بادشاہ نے کہا
"میں تم لوگوں پر کس طرح اعتبار کر لوں کہ تم میرے
دوست ہو۔ تم نے میرے سپاہیوں کو بھسم کر دیا ہے!"
عنبر نے کہا۔
"ایسا کرنا ضروری تھا۔ سپاہی مرنے مارنے کے لئے
ہی پیدا ہوتا ہے۔ یہ تمہیں دکھانے کے لئے تھا کہ ہم

اگر چاہیں تو تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جا سکتا ہے۔ اندر
آ جاؤ"
اور عنبر نے اڑن طشتری کا دروازہ کھول دیا۔ بادشاہ نے
دیکھا کہ اڑن کٹورے کا دروازہ کھلا تھا اور اندر روشنی ہو
رہی تھی۔ عنبر نے ایک بار پھر کہا۔
"گھبراؤ نہیں۔ ہم وعدے کے بڑے پکے ہیں۔ ہم تمہیں
کچھ نہیں کہیں گے"
بادشاہ اڑن طشتری میں آ گیا۔ اندر داخل ہو کر وہ تعجب
سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ناگ اور عنبر نے آگے بڑھ
کر اس کا خیر مقدم کیا۔ عنبر نے اسے آرام کرسی پر بٹھایا
اور کہا۔
"ملکہ مصر ہماری پناہ میں ہے"
یہ سن کر بادشاہ غصے میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
"وہ میری دشمن ہے۔ میں اسے حاصل کر کے رہوں گا وہ
وہ میری قیدی ہے۔ اسے میرے حوالے کر دو"
ناگ نے کہا۔
"وہ ہماری پناہ میں ہے اور اپنی پناہ میں آئے ہوئے
کسی شخص کو ہم کسی دوسرے کے حوالے نہیں کیا کرتے"
بادشاہ نے خنجر نکال کر ناگ پر حملہ کر دیا۔ اگر ناگ

پھرتی سے پرے نہ ہٹ جاتا تو خنجر اس کے سینے میں گھس
گیا تھا۔ عنبر نے بادشاہ کے سامنے آکر کہا۔

"بادشاہ! میں تمہیں آخری موقع دے رہا ہوں اگر اب
تم نے ایسی حرکت کی تو تمہاری زندگی کی میں ذمے داری نہیں
لے سکتا"

بادشاہ نے عنبر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تمہیں ہمارے قیدی کو پناہ دینے کا کیا حق ہے؟"

"ملکہ مصر پر ظلم ہوا ہے۔ تمہارے گورنر نے مصر پر حملہ
کرکے ملکہ کے سارے خاندان کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ وہاں
کی بے گناہ آبادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ کیا تمہیں
اس بات کا احساس نہیں ہے؟ ملکہ مصر کو دنیا کی کوئی طاقت ہم
سے نہیں چھین سکتی۔ میں تمہیں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ اگر تم
اپنے شاہی خاندان اور رعایا کی بھلائی چاہتے ہو تو اپنے گورنر
کو مصر سے واپس بلا کر مصر کا تخت ملکہ مصر کو واپس کر دو۔
نہیں تو تمہارا انجام بہت برا ہو گا؟"

بادشاہ طیش میں آگیا۔

"میں پوم پی آئی کا بادشاہ ہوں۔ کوئی بھکاری نہیں ہوں۔
کہ ڈر جاؤں گا۔ میں خود ختم ہو جاؤں گا مگر اپنا فتح کیا ہوا
ملک واپس نہیں کروں گا"

ناگ نے عنبر سے اپنی زبان میں کہا۔

"یہ ایک بہادر بادشاہ ہے، یہ بادشاہوں کی طرح جواب
دے رہا ہے۔ اس کی عزت کرنی چاہیئے۔ اسے جانے دو"

عنبر نے کہا۔ "تم جا سکتے ہو بادشاہ سلامت!"

بادشاہ نے غصے سے کہا۔

"میں بہت جلد تم پر حملہ کر کے اپنا قیدی تم سے چھین
کرلے جاؤں گا"

"دیکھا جائے گا" عنبر نے کہا۔

بادشاہ اڑن طشتری سے نکل کر واپس قلعے میں آگیا اور
اس نے اڑن طشتری پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔
شہر میں شور مچ گیا کہ چٹانوں میں کوئی آسمانی بلا آکر اتری
ہے اور بادشاہ اس پر چڑھائی کرنے والا ہے۔

دوسری طرف مصر میں جب رومن گورنر کو مقرر کیا گیا تھا
اس نے طاقت کے نشے میں پومپیائی کے بادشاہ کے خلاف
بغاوت کر دی اور حملے کا حکم دے دیا۔ ادھر پومپیائی
کا بادشاہ اڑن طشتری پر حملے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کہ جاسوسوں
نے اسے آکر خبر دی کہ مصر کا رومن گورنر ایک لاکھ کا
لشکر لے کر پومپیائی پر حملہ کرنے آ رہا ہے۔ بادشاہ پریشان
ہو گیا۔

گورنر مصر کا لشکر دوسرے دن ہی پومپیائی کے قلعے کے سامنے آ کر جمع ہو گیا۔ بڑا زبردست لشکر تھا۔ ایک لاکھ سپاہی ہاتھی گھوڑے اور جنگی رتھ تھے۔ بادشاہ پریشان ہو گیا۔ اتنے بڑے لشکر کا وہ مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے قلعے کے دروازے بند کرنے کا حکم دے دیا۔

گورنر مصر کی فوج نے قلعے پر حملہ کر دیا۔ سارا دن جنگ ہوتی رہی۔ گورنر کی فوجیں دیوار توڑ کر قلعے میں جانے کی کوشش کرتی رہیں مگر زیادہ کامیاب نہ ہو سکیں۔ پھر بھی انہوں نے ایک جگہ دیوار کمزور کر دی۔

رات ہو گئی۔ لڑائی بند ہو گئی۔ بادشاہ محل میں پریشان چکر لگانے لگا۔ اس کے وزیر بھی پریشان تھے۔ کل گورنر مصر کی فوجیں ضرور قلعے میں داخل ہو جائیں گی۔ سب کے دماغ میں یہی بات تھی۔ اب کیا کیا جائے؟ اچانک بادشاہ کے ذہن میں اڑن کھٹولے یعنی اڑن طشتری والوں کا خیال آ گیا۔ اس نے اسی وقت لباس بدلا۔

سیاہ لبادہ اوڑھا اور قلعے کے خفیہ راستے سے گھوڑے پر بیٹھ کر نکلا اور جنگل کے چھپے ہوئے راستے سے ہوتا ہوا سیدھا اڑن طشتری کے پاس آ گیا۔ عنبر اور ناگ جاگ رہے تھے۔ انہوں نے بڑی سکرین پر ایک سیاہ پوش کو دیکھا تو اس

کے آگے شعاع پھینکی۔

زمین پر سے ایک شعلہ دھماکے کے ساتھ اٹھا۔

بادشاہ نے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے۔

ناگ نے کہا۔ "میرا خیال ہے یہ سیاہ پوش بادشاہ ہے"

عنبر نے مائیک پر کہا۔ "کیا تم پومپیائی کے بادشاہ ہو؟"

"ہاں! میں تم سے ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں"

"اندر آ جاؤ" عنبر نے جواب دیا۔

اڑن طشتری کا دروازہ کھول دیا گیا۔ بادشاہ نے گھوڑا باہر باندھا اور خود اندر آ گیا۔ اس نے آتے ہی عنبر سے کہا۔

"میرے شہر پر گورنر مصر نے حملہ کر دیا ہے۔ میں بڑی مصیبت میں ہوں۔ اس نے بغاوت کر دی ہے اس کے ساتھ لاکھوں کا لشکر ہے"

عنبر نے کہا۔

"ہمیں معلوم ہے۔ لشکر کو ہم نے دیکھ لیا ہے۔ کل سارا دن لڑائی ہوتی رہی ہے۔ کیا اب تمہیں یقین آ گیا کہ ہم تمہارے دوست ہیں اور اس وقت سوائے ہمارے اور کوئی دوست تمہارے کام نہیں آ سکتا"

بادشاہ نے کہا۔ "اسی لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں"

ناگ نے کہا۔ "ہم ایک شرط پر تمہاری مدد کرنے کو تیار ہیں

کہ فتح کی صورت میں تمہیں مصر کا ملک اس کی ملکہ کے حوالے کرنا ہو گا۔"

بادشاہ کو اپنا سارا ملک، سلطنت اور تخت و تاج جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ مصر کا ملک ملکہ کے حوالے کر دوں گا"

عنبر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ صبح ہم تمہارے دشمن پر حملہ کر کے اسے تہس نہس کر دیں گے اور اگر تم اس کے بعد اپنے وعدے پر قائم نہ رہے تو تمہارا بھی یہی حشر کیا جائے گا۔"

بادشاہ نے کہا۔

"میں ایک بادشاہ ہوں اور ایک بادشاہ کا عہد کر رہا ہوں"

بادشاہ چلا گیا۔

عنبر اور ناگ اور ماریا نے ملکہ مصر کو ساری کہانی سنائی۔

وہ خوش ہوئی اور بولی۔

"مگر میں گورنر مصر کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔

میں اس سے اپنے ماں باپ اور اپنی رعایا کے قتل کا بدلہ لوں گی۔ ضرور بدلہ لوں گی"

عنبر نے کہا۔

"تمہیں اختیار ہو گا"

دوسرے دن کا سورج طلوع ہوا۔ روشنی ہوئی تو گورنر مصر کی فوجوں نے ایک بار پھر پومپیائی کے قلعے پر حملہ کر دیا۔ گھمسان کا رن پڑ رہا تھا۔ ہاتھیوں کی چنگھاڑیں اور گھوڑوں کی آوازیں اور سپاہیوں کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ گورنر مصر کی فوجیں حملہ کرکے آگے بڑھ رہی تھیں۔ قلعے کی دیوار ٹوٹنے ہی والی تھی کہ گورنر کی فوج نے دیکھا کہ پیچھے آسمان پر ایک اڑن طشتری آگے بڑھ رہی تھی۔

اس طشتری کو بادشاہ بھی اپنے محل کی چھت پر کھڑا دیکھ رہا تھا۔ وہ اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

اس نے اڑن طشتری اڑتے ہوئے آگے بڑھتی دیکھی تو حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ سارے وزیر اور امرا اور پومپیائی کے شہری بھی اپنے اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ کر اڑن طشتری کو ایک آسمانی بلا سمجھتے ہوئے اسے خوف اور حیرت کے ملے جلے احساسات کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔

اڑن طشتری گورنر مصر کی فوجوں کے اوپر آکر ہوا میں رک گئی۔ گورنر مصر کی فوجیں بھی اڑن طشتری کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا بلا ہے جو آسمان سے ان کے سروں کے اوپر نازل ہو گئی ہے۔

عنبر نے ٹارگٹ باندھ کر بٹن دبا دیا۔

اڑن طشتری کے نیچے سے ایک ہی وقت میں کتنی ہی شعاعیں نکل کر فوجیوں پر دھماکے کے ساتھ گریں۔ شعلے اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں فوجی اور گھوڑے ہاتھی ہلاک ہو کر بھسم ہو گئے۔ اڑن طشتری نے آگے بڑھ کر مصر کی باغی فوجوں کو برباد کرنا شروع کر دیا۔

گورنر مصر بھی خیمے سے باہر آ کر دہشت زدہ ہو کر اڑن طشتری کو تکنے لگا۔ اڑن طشتری نے اس کی آدھی سے زیادہ فوج کو دیکھتے دیکھتے ہلاک کر ڈالا۔ پھر اڑن طشتری زمین پر اتر آئی۔

فوجی اسے دیکھ کر بھاگ اٹھے، جس کا جدھر منہ اٹھا وہ ادھر کو ہی فرار ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد میدان خالی ہو گیا۔ اڑن طشتری گورنر مصر کے خیمے کے بالکل سامنے آکر رکی تھی۔ گورنر مصر اپنے سالاروں اور وزیروں کے ساتھ خوف سے زرد ہو کر کھڑا تھا۔ اڑن طشتری میں سے عنبر باہر نکلا۔

وہ سیدھا گورنر مصر کے پاس آیا اور بولا۔

"میں تمہیں ملکہ مصر کے حکم سے گرفتار کرتا ہوں اور ساتھ ہی تمہارے تمام سپہ سالاروں اور وزیروں کو بھی گرفتار کرتا ہوں۔"

مصر کا رومن گورنر عنبر کی زبان سے یہ سن کر دنگ رہ گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی ساری فوج تباہ و برباد ہو گئی تھی اور جس آسمانی بلا نے اس کی فوج کو تباہ کیا تھا اس کا مالک اس کے سامنے کھڑا تھا۔ گورنر نے کہا۔

"تم کون ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"بے کار باتوں کے جواب کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

عنبر نے ناگ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ناگ ان لوگوں کو رسیوں سے باندھ ڈالو"

ناگ رسی لے کر آگے بڑھا تو ایک سپہ سالار نے تلوار سے حملہ کر دیا۔ ناگ کے ہاتھ میں چھوٹا پستول تھی اس نے پستول چلا دی۔ سپہ سالار کے سینے میں گولی لگی اور وہ گر کر تڑپا اور مر گیا۔ ناگ نے بلند آواز میں کہا۔

"اگر پھر کسی نے حرکت کی تو اس کا بھی یہی انجام ہو گا"

عنبر نے آگے بڑھ کر گورنر مصر اور اس کے تین سپہ سالاروں
در تین وزیروں کے ہاتھ ان کی پشت پر رسیوں سے باندھ دیے
ور انہیں دھکیل کر اڑن طشتری کے اندر داخل کر دیا اندر کا حصہ دیکھا تو وہ
سے سن ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے زندگی میں کبھی ایسی شے
نہ دیکھی تھی۔ گول ہموار چمکیلی چھت اور دیوار کے ساتھ لگی کمپیوٹر
کی مشینیں۔ وہ کونے میں بیٹھے تھے اور ٹکر ٹکر ان سب چیزوں
کو دیکھ رہے تھے۔

عنبر اور ناگ بھی اندر آ گئے۔ میدان صاف تھا انہوں
نے اڑن طشتری کو اوپر اٹھایا اور طشتری محل کی طرف
پرواز کرنے لگی۔ اندر بیٹھے ہوئے گورنر مصر اور اس کے
ساتھیوں نے شیشے میں سے دیکھا کہ وہ ہوا میں اڑ رہے ہیں
تو حیران رہ گئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

"یہ تو آسمان کی طرف جا رہی ہے"

ایک وزیر خوف سے چلا اٹھا۔

"ہم مر جائیں گے"

اتنے میں دیوار کے ساتھ لگے لاؤڈ سپیکر میں سے آواز
آئی۔

"خاموش بیٹھے رہو۔ تم کو آسمانوں پر نہیں لے جا رہا
تم کو محل کے اندر لے جا رہے ہیں"

دیوار سے آتی بلند آواز کو سن کر گورنر مصر اور اس کے
ی اور زیادہ پریشان ہو گئے اور دبک کر کونے میں بیٹھ

اڑن طشتری سیدھا محل کی چھت پر جا کر رک گئی۔ وہاں
شاہ اور اس کے وزیر عنبر کا انتظار کر رہے تھے۔ شہر کے
ں نے ایک اڑن کھٹولے کو ان کی مدد کرتے اور پھر محل
چھت کی طرف جاتے دیکھا تو خوشی سے نعرے لگائے۔

"دیوتا زندہ باد! دیوتا زندہ باد"

وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ آسمان سے دیوتا ان کی مدد
ے آئے ہیں۔

بادشاہ نے بھی اپنے وزیروں امیروں اور درباریوں کو یہی کہا تھا
سمانوں سے دیوتا ان کی مدد کرنے آ گئے ہیں۔ بادشاہ نے اپنے
روں امیروں اور سپہ سالاروں سے عنبر اور ناگ کا تعارف کروایا
عنبر کا بے حد شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے عین وقت پر مدد کر کے
سلطنت اور جان و آبرو کو بچا لیا۔

رات کو محل میں زبردست دعوت ہوئی۔ ملکہ مصر بھی مہمان تھی
شاہ نے سب کے سامنے اعلان کیا۔

"آج سے ملکہ مصر کو ان کا ملک، اسکا تاج و تخت اور سلطنت
پس دی جاتی ہے"

لوگوں نے تالیاں بجا کر اس علان کا خیر مقدم کیا۔
دوسرے روز عنبر ناگ اور ماریا نے ملکہ مصر کو ساتھ لیا اور اسے طشتری میں بٹھا کر واپس مصر لے گئے۔ مصر کے لوگوں نے اپنی ملکہ کا شاندار استقبال کیا۔ عنبر نے اڑن طشتری شہر سے باہر دریائے نیل کے کنارے ایک جگہ جھاڑیوں میں اتار دی تھی اور ملکہ کو ایک رتھ پر سوار کروا کر محل کی طرف لے گیا تھا۔ ملکہ کی رسم تاج پوشی کی گئی۔ شہر میں اس خوشی میں چراغاں کیا گیا۔ عنبر ناگ اور ماریا نے گھوم پھر کر اپنے وطن کی گلیوں اور اہرام مصر کو دیکھا۔ ہر شے اسی طرح تھی۔ دریا کنارے عنبر کا پرانا مکان گر چکا تھا اور اس کی جگہ ایک نیا مکان کھڑا تھا جس میں ایک حکیم رہتا تھا۔
عنبر اس حکیم سے جا کر ملا۔ حکیم کو اس نے یہ نہ بتایا کہ وہ کبھی اس گھر میں رہا کرتا تھا۔ دو روز وہاں رہنے کے بعد عنبر ناگ اور ماریا واپس پومپیائی آ گئے۔ کیونکہ اب پوم پی آئی کے آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ اور وہ جلدی سے جلدی جا کر وہاں کے بادشاہ اور شہر کے لوگوں کو اس پہاڑ سے ہونے والی تباہی سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔

پوم پی آئی پہنچ کر اڑن طشتری کو محل کی چھت پر اتار دیا گیا۔
رات کو عنبر اور ناگ نے بادشاہ سے کہا۔
"اب ہم آپ کو ایک ایسی بات بتانے والے ہیں جس کی آپ میں سے کسی کو کوئی خبر نہیں ہے"
"وہ کیا بات ہے عنبر بھائی؟"
بادشاہ نے اشتیاق سے پوچھا۔
عنبر نے کہا۔
"میں آپ لوگوں کو ایک بہت بڑی تباہی سے بچانے کے لئے یہاں آیا ہوں۔ میری بات کو غور سے سنیں اور اس پر عمل کریں"
"میں سن رہا ہوں عنبر! تم بتاؤ۔ میں اس پر ضرور عمل کروں گا"
عنبر نے کہا۔
"آپ کے شہر کے باہر وادی میں بہت بڑا آتش فشاں پہاڑ ہے"
"ہاں کوہ وسی ویوس اس کا نام ہے"
"یہ آتش فشاں ہے"
"ہاں! مگر کئی سو سال سے یہ خاموش ہے اس نے کبھی آگ

نہیں اگلی"

بادشاہ کے اس جواب پر عنبر نے کہا۔

"اب یہ آگ اگلنے والا ہے۔ بہت بڑی آگ اگلنے والا ہے۔ اتنی بڑی آگ کہ یہ ساری وادی سارے شہر، سارے محل اور ایک ایک شے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ یہ وادی سارے شہر کے ساتھ دہکتے ہوئے، کھولتے ہوئے لاوے سے بھر جائے گا جس طرح کہ ایک پیالہ کھولتے ہوئے پانی سے بھر جاتا ہے"

بادشاہ کا چہرہ دہشت سے زرد ہو گیا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو میرے دوست!"

ناگ بولا۔

"ہم ٹھیک کہہ رہے ہیں"

بادشاہ نے کہا۔

"مگر یہ آتش فشاں پہاڑ تو کبھی نہیں گرم ہوا۔ اس نے کبھی آگ نہیں اگلی۔ بلکہ کتابوں میں لکھا ہے اور دانا لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ پہاڑ اب مر چکا ہے۔ ٹھنڈا ہو گیا ہے اور کبھی آگ نہیں اگل سکتا"

عنبر نے کہا۔

"آپ کے دانا لوگ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ انہیں کچھ معلوم نہیں۔ ہم جو کہہ رہے ہیں بالکل حقیقت ہے۔ سچ ہے۔ آج سے ٹھیک دس روز بعد آدھی رات کے بعد یہ پہاڑ پھٹ پڑے گا اور اتنی زبردست تباہی پھیلائے گا کہ تاریخ اس تباہی کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔ لوگ اس تباہی کی کہانیاں سنایا کریں گے اور آنے والی نسلیں اس تباہی کو یاد کر کے کانپ جایا کریں گے"

بادشاہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ وہ بے چین ہو گیا تھا۔ اسے عنبر کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر اسے معلوم تھا کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہے۔ بلکہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہوں گے۔ کیونکہ انہیں آسمانی باتوں کی بھی خبر ہے۔ بادشاہ بیٹھ گیا اور بولا۔

"کیا یہ ہو کر رہے گا؟"

عنبر نے کہا۔

"ہاں! یہ بات مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔ ایسا ہو کر رہے گا"

بادشاہ نے کہا۔

"میں آج ہی شہر میں منادی کروا دوں گا کہ لوگ شہر

کو چھوڑ کر محفوظ جگہوں پر چلے جائیں کیونکہ شہر پر تباہی نازل ہونے والی ہے"

دوسرے روز بادشاہ نے شہر میں منادی کروادی کہ شہر پر ایک ہفتے کے بعد تباہی آنے والی ہے اس لئے شہر کو چھوڑ دیا جائے۔ لوگوں نے پہلے تو غور سے منادی کرنے والے کو سنا۔ پھر اس کے ساتھ مذاق کرنے لگے۔ کئی ایک نے تو منادی کرنے والے کو پیٹ بھی ڈالا۔

"بکواس کرتا ہے۔ بھلا بادشاہ کو کیسے پتہ چل گیا کہ شہر پر تباہی آنے والی ہے"

"بادشاہ کا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے"

بادشاہ نے بڑی کوشش کی کہ لوگ شہر چھوڑ کر چلے جائیں مگر لوگوں نے بادشاہ کی بات پر اعتبار نہ کیا۔ پھر بھی کچھ لوگ اپنے مکان چھوڑ کر چلے گئے۔ جانے والوں سے لوگوں نے مذاق کیا۔ کئی ایک کا اسباب بھی پھینک کر توڑ دیا کہ تم لوگ شہر والوں کو دغا دے کر جا رہے ہو۔

آتش فشاں کے پھٹنے میں دو روز باقی رہ گئے تھے۔

بادشاہ نے اپنے سارے وزیروں، درباریوں اور شاہی خاندان کو اڑن طشتری میں بٹھایا اور اڑن طشتری انہیں لے

کر شہر سے دور سمندر میں ایک جزیرے میں پہاڑ کی چوٹی پر رہ گئی۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر بادشاہ نے ایک محل بنوا رکھا تھا۔ بادشاہ یہاں آ گیا۔ اس محل کی چھت پر سے یوم پی آئی شہر، اس کی وادی اور آتش فشاں پہاڑ دور سے صاف دکھائی دیتا تھا۔

آتش فشاں پھٹنے میں صرف ایک روز باقی رہ گیا۔

شہر میں لوگ بادشاہ اس کے وزیروں اور درباریوں کے خلاف مظاہرے کر رہے تھے کہ وہ انہیں دھوکا دے گئے ہیں۔ شہر میں سے جو لوگ چلے گئے تھے۔ لوگوں نے غصے میں آ کر ان کے مکان جلا کر راکھ کر ڈالے۔

آخر وہ رات بھی آ گئی کہ جب آدھی رات کے بعد آتش فشاں پہاڑ کو پھٹنا تھا اور تباہی مچانی تھی۔

رات بڑی پرسکون تھی۔ آسمان پر نیلے ستارے چمک رہے تھے۔ شہر کے لوگ کچھ سو رہے تھے اور کچھ چائے خانوں کے باہر اور اندر بیٹھے چائے پی رہے تھے اور ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ آدھی رات گزر چکی تھی کہ اچانک زمین آہستہ سے ہلی۔ لوگوں نے کوئی خیال نہ کیا۔ کیونکہ اس طرح کے زلزلے کبھی کبھی یوم پی آئی میں آیا ہی کرتے تھے۔ ایک جھٹکا اور آیا۔ پھر ایک شدید جھٹکا لگا اور

ساتھ ہی پہاڑیں سے گونج اٹھی۔

اب لوگ کچھ گھبرائے اور مکانوں سے بھاگے۔ سوئے ہوئے لوگ اٹھ کر ادھر ادھر بھاگے۔ مگر آتش فشاں نے انہیں مہلت نہ دی۔

آتش پہاڑ قیامت کے دھماکے کے ساتھ پھٹ پڑا اس دھماکے نے شہر کو زمین کے اندر جڑوں تک ہلا کر رکھ دیا۔ بے شمار عمارتیں زلزلے کی وجہ سے گر پڑیں۔ چیخ و پکار مچ گیا۔ لوگ مرنے لگے۔

اس کے ساتھ ہی آتش فشاں پہاڑ میں سے دہکتا ہوا لاوا ایک دریا کی طرح بہہ نکلا اور اس نے شہر کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے لاوا شہر میں داخل ہو گیا اور لوگ اس میں جل کر بھسم ہونے لگے۔ لاوے نے کسی کو اتنی مہلت بھی نہ دی کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر دوسرے مکان تک ہی پہنچ سکے۔ آخر۔۔۔۔۔ کی خبر پینچ نکلی۔

خوش قسمت تھے وہ لوگ جو ایک دو روز پہلے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔

لوگ پچھتا رہے تھے مگر لاوا انہیں پچھتانے کا زیادہ موقع نہیں دے رہا تھا۔ وہ انہیں بھسم کر کے رکھ بنا رہا

تھا۔

بادشاہ اور درباری جزیرے کی پہاڑی پر سے یہ عبرت انگیز منظر دیکھ رہے تھے اور غم زدہ ہو رہے تھے۔ بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کاش اس کے شہر والے اس کی بات مان لیتے۔ عنبر اور ناگ بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ بادشاہ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم لوگ نہ آتے تو آج میرا اور میرے بال بچوں کا بھی یہی حشر ہوتا"

ناگ ماریا اور عنبر اس کے بعد کہاں گئے؟
کیا پوسم پی آئی شہر میں کوئی بچ سکا؟
پھر کیا ہوا؟
یہ آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے۔

موت کا تعاقب

اے حمید

۵۰ سیریز پہلے شائع ہو چکی ہیں اور
اب مزید پچاس ۵۰ سیریز شائع ہوں گی۔

اتنی مقبولیت کی آخر وجہ کیا؟

- ہر کہانی کے تینوں کردار جیتے جاگتے ہیں
- حیرت انگیز، سنسنی خیز اور پُراسرار تاریخی کہانی
- ہر ناول کا پلاٹ الگ تھلگ، اور اس کے ساتھ ساتھ تاریخی کردار موجود ملے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اب تک ان ناولوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں
اور ہو رہے ہیں۔

بچوں کے ادب میں ایک مثالی سیریز!

عنبر، ناگ اور ماریا کی دلچسپ کہانی انشاءاللہ اسی طرح
۱۰۰ سو سیریز تک، اقساط کی صورت میں آپ کو ملتی رہے گی۔ اپنے بک سٹال
سے معلومات لیتے رہیں تاکہ ہر سیریز بروقت آپ تک پہنچتی رہے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

خانہ بدوش جادوگرنی

اے حمید

807

موت کا تعاقب

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

خانہ بدوش جادوگرنی

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
علمی پرنٹنگ پریس، ۱۵ ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل: ۱۹۷۹ء
قیمت: پانچ روپے

مقامِ اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

سفید لڑکی

•

پومپائی شہر تباہ ہو گیا

سارا شہر گرم دہکتے ہوئے لاوے میں اس طرح سے ڈوب گیا جس طرح پیالہ پانی سے بھر جاتا ہے۔ خدا کو یہی منظور تھا۔ تاریخ میں ایسے ہی لکھا ہے، عنبر ماریا اور ناگ کا لوگوں کو خبردار کرنا بھی انہیں نہ بچا سکا۔ صرف بادشاہ اور اس کے خاندان کے لوگ بچ گئے۔ یہ سب کے سب عنبر کے کہنے پر اس کی اڑن طشتری میں سمندر کے اندر پہاڑی کے اوپر آ گئے تھے۔ قدرت نے انہیں بچا لیا۔ بادشاہ اور اس کی ملکہ شہر کی تباہی پر بہت اداس تھے عنبر نے کہا۔

"یہ تباہی اس شہر کے مقدر میں لکھی گئی تھی۔ شاید اس لیے کہ لوگ گناہ کی دلدل میں ڈوب چکے تھے۔ خدا نے اس شہر کو الٹ کر رکھ دیا، اب اس تباہی پر افسوس کرنا بے کار ہے"۔

ناگ نے کہا۔

"اے بادشاہ! اب آپ دوسری وادی میں ایک نیا شہر آباد کریں اور لوگوں کو نیک اور پاک زندگی بسر کرنے کی ہدایت کریں۔ گناہ کی زندگی کا انجام آپ نے دیکھ لیا ہے۔"

بادشاہ بولا۔

"میں سب سے پہلے تم لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میری اور میرے خاندان کی تمہاری وجہ سے جان بچی اس کے بعد میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ سے میرے نئے شہر میں لوگ نیکی کی زندگی بسر کریں گے۔ میں اپنے ملک میں کوئی گناہ نہیں ہونے دوں گا اور ایک خدا کی عبادت کروں گا۔"

عنبر نے کہا۔

"اے بادشاہ! تمہیں اب بھی خداوند کریم کا ہی شکر ادا کرنا چاہیے کہ جس نے تمہاری اور تمہارے خاندان کی جان بچائی۔ تمہارے اندر نیکی باقی تھی جو تمہارے کام آئی۔"

بادشاہ نے وادی کے دوسری جانب ایک نیا شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ بچے کھچے لوگ نئے مکان بنانے لگے عنبر ناگ اور ماریا نے بادشاہ سے اجازت لی اور اُڑن طشتری میں سوار ہو کر اُڑ گئے۔

اڑن طشتری زمین سے کافی بلندی پر اُڑ رہی تھی، کچھ دنوں کے بعد ایک روز آسمان پر دھوپ خوب چمک رہی تھی، موسم بڑا خوشگوار تھا۔ عنبر نے ناگ سے کہا۔

"کمپیوٹر پر معلوم کرو کہ ہم کس جگہ پر ہیں۔"

ناگ نے کمپیوٹر چلا دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک کارڈ کمپیوٹر سے باہر آ گرا۔ اُسے پڑھ کر ناگ نے کہا۔

"ہم اِس وقت ایک ایسے سمندر کے اوپر سے گزر رہے ہیں جو دو براعظموں کے درمیان واقع ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہم بحر الکاہل کے اوپر سے گزر رہے ہیں"

عنبر نے پوچھا

"یہ زمانہ کونسا ہے؟"

ناگ نے پڑھ کر کہا۔

"کمپیوٹر یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ زمانہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی پیدائش سے دو سال پہلے کا ہے۔"

ماریا نے تعجب سے کہا۔

"کیسی عجیب بات ہے کہ ہمارا کمپیوٹر ہمیں ٹھیک ٹھیک زمانہ بتا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی حضرت عیسٰے

علیہ السلام کے دنیا میں تشریف لانے کے لیے زمین کو دو سو برس تک انتظار کرنا ہوگا۔"

عنبر بولا۔

"ہاں ماریا! بڑی عجیب بات ہے۔"

اتنے میں ناگ نے شیشے کے گول سوراخ میں سے نیچے جھانک کر دیکھا۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"دیکھو عنبر! کس قدر خوبصورت جزیرہ نظر آ رہا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ بادلوں میں گھرا ہوا کوئی زمرد سمندر کے بیچ میں رکھا ہے۔"

ماریا اور عنبر نے بھی شیشے کی کھڑکی میں سے جھانک کر نیچے دیکھا۔ واقعی ایک بے حد خوبصورت کافی لمبا چوڑا جزیرہ تھا جو سُرمئی بادلوں میں لپٹا ہوا تھا۔ مگر اس کے ہرے بھرے درخت اور جنگل پھر بھی صاف بادلوں کے بیچ میں سے نظر آ رہے تھے۔ ماریا نے کہا۔

"میرا خیال ہے کیوں نہ اِس حسین جزیرے میں کچھ روز سیر و تفریح کی جائے"

"اچھا خیال ہے" ناگ نے مسکرا کر کہا۔

عنبر نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی"

اور وہ ایک بٹن دبا کر اڑن طشتری کو دور سمندر کی طرف لے گیا۔ طشتری نے بادلوں کے اندر ہی ایک چکر لگایا اور بڑے سکون کے ساتھ آواز پیدا کیے بغیر ہی جزیرے کے جنوب میں ایک جگہ اُتر گئی۔ یہاں اردگرد اونچے اونچے گھنے درخت تھے۔ سیاہ بلند چٹانیں کھڑی تھیں جن پر سبز بیلیں چڑھی تھیں اور پتھروں پر سبز کائی جمی تھی۔ عنبر ماریا اور ناگ اُڑن طشتری سے باہر آگئے۔ ہوا ٹھنڈی اور صاف تھی۔

"بڑی اچھی فضا ہے یہاں کی" عنبر نے کہا

ناگ اور ماریا گہرے گہرے سانس لے رہے تھے۔ ہوا میں درختوں کے پتوں اور جنگلی پھولوں کی ہلکی ہلکی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور کبھی کبھی ہلکی ہلکی بجلی چمک جاتی تھی، جنگل میں سیر کرتے کرتے وہ کچھ دور تک نکل گئے۔

"میرا خیال ہے بارش ہونے والی ہے۔ ہمیں واپس چلنا چاہیئے۔"

ناگ کے اس خیال پر عنبر نے درختوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جانے سے پہلے یہ زرد کیلے اپنے ساتھ لے جانے

چاہییں۔ دیر بعد افریقہ کے زرد کیلے نظر آئے ہیں۔"

درختوں پر زرد کیلوں کے گچھے لٹک رہے تھے۔ انہوں نے چند ایک گچھے توڑ کر ساتھ رکھ لیے اور واپس اڑن طشتری میں آگئے۔ تھوڑی دیر بعد بارش شروع ہوگئی۔ ہلکی ہلکی بارش دیر تک ہوتی رہی، عنبر نے گھڑی دیکھی۔ اس وقت دوپہر کے چار بج رہے تھے۔ انہوں نے کافی بنا کر پی اور زرد کیلے کھائے۔ پھر بارش رُک گئی۔ عنبر اور ناگ آرام کرنے لیٹ گئے۔ ماریا نے کہا۔

"مجھے نیند نہیں آرہی۔ میں ذرا جنگل کی سیر کرنے جا رہی ہوں۔"

ناگ نے کہا۔

"ضرور جاؤ۔ مگر ذرا ہوشیار رہنا۔ نیا نیا جزیرہ ہے۔ کچھ معلوم نہیں کہ یہاں کوئی آدم خور قبیلہ آباد ہو۔"

ماریا مسکرائی۔

"فکر نہ کرو ناگ بھیا۔ میں بھی آدم خوروں کی ماں ہوں۔"

عنبر اور ناگ کھل کھلا کر ہنس پڑے اور ماریا اڑن طشتری سے باہر آگئی۔ اس نے ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے جو بارش میں اُسے بچا سکتے تھے۔ پاؤں میں گھٹنوں تک چمڑے کے بوٹ تھے تاکہ وہ سانپ کے

کاٹنے سے بچ سکے۔ جیب میں ایک چھوٹا سا جرمن ریوالور تھا جس کے میگزین میں بارہ گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ ماریا جب جنگل میں کافی آگے نکل آئی تو اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور محسوس کیا کہ وہ جیبی سائز کا ٹرانسمیٹر اپنے ساتھ نہیں لائی۔ اس ٹرانسمیٹر سے وہ اڑن طشتری میں عنبر اور ناگ سے باتیں کر سکتی تھی۔ اتفاق سے یہ ٹرانسمیٹر اس کے دوسرے کوٹ میں پڑا رہ گیا تھا۔

"مجھے ٹرانسمیٹر کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" ماریا نے سوچا اور جنگل میں آگے بڑھتی گئی۔ بارش کے بعد جنگل کا سبزہ اور ہرے بھرے درخت دھل گئے تھے۔ بڑے گھنے درخت تھے۔ کئی درختوں کے پتے بڑے بڑے چوڑے اور گہرے نیلے تھے۔ جھاڑیوں میں جگہ جگہ سُرخ رنگ کے جنگلی پھول کھلے تھے۔ درختوں پر پرندے بیٹھے چہچہا رہے تھے۔ ایک لنگور نے ماریا کی موجودگی کو محسوس کر کے زور سے چیخ ماری اور شاخ پر جھول کر دوسری جانب نکل گیا۔

لنگور ماریا کو دیکھ تو نہیں سکتا تھا۔ مگر اس کی

چھٹی حس نے اُسے ایک اِنسان کی موجودگی سے
خبردار کر دیا تھا۔ ماریا اِس لنگور کی پریشانی کو
دیکھ کر ہنس پڑی۔ اُس کی ہنسی کی آواز پر ایک
جنگلی طوطا گردن جھکا کر نیچے دیکھنے لگا۔ اس نے
ہنسی کی آواز صاف صاف سُنی تھی۔ مگر اُسے نیچے
کوئی انسان دکھائی نہ دیا۔ طوطے نے انسانی ہنسی کی
نقل اتاری۔ ماریا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ وہ طوطے
سے کھیل رہی تھی۔

طوطے نے بھی ایسا ہی قہقہہ لگایا۔ ماریا نے کہا
"ہیلو!"

طوطے نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے جھک کر
نیچے دیکھا۔ اس کی گول گول آنکھیں پھیل گئیں۔ نیچے
کوئی عورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر یہ
عورت کی آواز کہاں سے آئی تھی؟ طوطے کا حیوانی
ذہن یہ معمہ حل نہ کر سکا اور وہ اُڑ گیا۔ ماریا ہنس
پڑی۔ طوطے سے مذاق کر کے وہ بڑا خوش ہوئی تھی۔
اب ماریا جنگل میں ایک کھلی جگہ پر نکل آئی تھی
اچانک کھٹاک سے ایک تیر اس کے قریب ہی ایک
درخت کے تنے میں آ کر کھب گیا۔ ماریا جلدی سے

پَرے ہٹ کر درخت کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی ایسے
لگتا تھا کہ کسی نے اسے دیکھ کر نشانہ باندھ کر تیر چلایا
تھا۔ تو کیا کوئی اُسے دیکھ رہا تھا۔

ماریا کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ اگر کسی نے اِسے
دیکھ لیا ہے تو اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ اس
نے جلدی سے ریوالور نکال کر ہاتھ میں تھام لیا۔

مگر اُسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ صرف اس کے قہقہے
کی آواز سن کر جزیرے کے وحشی نے آواز کی طرف تیر
چلا دیا تھا۔ ان لوگوں کا نشانہ اس قدر اچھا تھا کہ جہاں
تھوڑی دیر پہلے کھڑے ہو کر ماریا نے طوطے کو
تنگ کرتے ہوئے قہقہہ لگایا تھا تیر ٹھیک اُسی جگہ
آ کر درخت سے لگا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ماریا کو شک
ہو گیا تھا کہ کسی نے اُسے دیکھ لیا ہے۔

وہ دھڑکتے دِل کے ساتھ درخت کی اوٹ میں
ریوالور لیے کھڑی تھی اور آنے والے کا انتظار کر
رہی تھی۔ اتنے میں اُسے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ دو
آدمی جنگلی زبان میں آپس میں باتیں کرتے آگے
بڑھ رہے تھے۔ آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ ماریا
میں بھی یہ طاقت تھی کہ وہ دنیا کی ہر زبان سمجھ لیتی

تھی۔ اس کے بعد ماریا نے دیکھا کہ دو وحشی جنہوں نے ایک موٹا سا کپڑا کمر کے گرد لپیٹ رکھا تھا ہاتھوں میں تیر کمان پکڑے جھاڑیوں میں سے باہر نکلے۔ اُن کے سروں پر اس قدر گھنے بال تھے کہ لگتا تھا جھاڑیاں اُگی ہوئی ہیں۔ ان کے نقش ذرا چپٹے تھے اور رنگ زیادہ کالے نہیں تھے۔ دونوں وحشی پھونک پھونک کر قدم رکھتے جھاڑیوں میں آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ اس جگہ آ کر رُک گئے جہاں درخت کے تنے میں ان کا تیر کھُبا ہوا تھا۔

دونوں وحشی آنکھیں سکیڑ کر بڑے غور سے اردگرد دیکھ رہے تھے۔

"آواز یہاں سے آئی تھی نا؟"

"ہاں! ٹھیک اسی جگہ سے آئی تھی"

"عورت کی آواز تھی"

"ہاں! عورت کی آواز تھی"

"مگر اب وہ کہاں ہے؟"

"بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ اسی جنگل میں کہیں چھپی ہو گی۔ ہم اُسے تلاش کر کے رہیں گے۔"

"مگر یہ کون عورت ہے؟"

"جو بھی ہے۔ ہم اُسے زندہ پکڑیں گے اور سردار کے پاس لے جائیں گے۔ سردار ہمیں انعام دے گا، کوئی خبر نہیں کہ دیوی کے آگے اِس کی قربانی پیش کی جائے"

"چلو اسے تلاش کرتے ہیں"

ماریا نے سوچا کہ اس بات کا فیصلہ کر ہی لینا چاہیئے کہ یہ لوگ اُسے دیکھ سکتے ہیں کہ نہیں؟ پس وہ ریوالور تھام کر اچانک دونوں کے سامنے آ گئی۔ دونوں وحشی اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ماریا نے ہاتھ ان کی طرف لہرایا۔ مگر اُن میں سے کوئی بھی ماریا کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ ماریا نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس نے پستول جیب میں رکھ لیا اور وحشیوں کے پیچھے پیچھے چل دی۔ یوں ہی وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہ لوگ کہاں رہتے ہیں؟ اور اصل میں یہ لوگ کون ہیں؟

دونوں وحشی ایک کھلی جگہ جا کر گھوم گئے۔

یہاں ماریا نے دیکھا کہ درختوں کے نیچے جگہ جگہ کتنی جھونپڑیاں بنی ہیں اور وحشی لوگ چل پھر رہے ہیں۔ سب نے تیر کمان کندھوں پر ڈال رکھے ہیں۔ کہیں کہیں وحشی لوگ عورتیں بھی دکھائی دے رہی تھیں جو جھونپڑیوں کے آگے کام کاج کر رہی تھیں۔ ان لوگوں میں ماریا کو کوئی آدم خوروں والی بات نظر نہ آئی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ

یہ اس قبیلے کے سردار کی جھونپڑی ہے بلکہ محل ہے۔

ماریا کا جی چاہا کہ وہ اندر جا کے اس جھونپڑی کو دیکھے۔ باہر دو وحشی پہرہ دے رہے تھے مگر ماریا کے لیے ان کے بیچ میں سے ہو کر گزر جانا کوئی مشکل بات نہ تھی۔ جھونپڑی اندر سے ایک چھوٹے سے محل کی طرح خوب صورت اور سجی ہوئی تھی۔ فرش پر شیر کی کھالیں بچھی تھیں۔ ایک تخت تھا جس پر ہرن اور شیر کی کھالیں سجی ہوئی تھیں۔ اس پر ہاتھی دانت کی ایک کرسی رکھی تھی جس پر لمبے بالوں اور لمبے کانوں والا سیاہ فام قبیلے کا سردار بیٹھا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں مور کے پنکھوں کا گچھا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں ایک چھرا تھا جس کے دستے پر نیلم اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ سامنے فرش پر ہاتھ باندھے ایک سفید ڈاڑھی والا وحشی بوڑھا کھڑا تھا۔

یہ شاید قبیلے کا پجاری تھا۔ وہ دونوں آپس میں قبیلے کی زبان میں گفتگو کر رہے تھے جسے ماریا بڑی آسانی سے سمجھ رہی تھی۔

سردار کہہ رہا تھا

"میرا فیصلہ اٹل ہے، میں اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا

پجاری:۔ سردار آپ مالک ہیں، بادشاہ ہیں۔ جو چاہے کر سکتے ہیں۔ مگر میں اس قبیلے کے آتش فشاں اگنی دیوتا کا پجاری ہوں۔" میں آپ کو اس راہ پر نہیں جانے دوں گا۔ جو تباہی کی طرف جاتی" ہے۔

سردار:۔ (مور چھل ہلا کر)

میں تباہی کی راہ پر کیسے جا رہا ہوں

پجاری

وہ سفید لڑکی جس سے آپ شادی کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اگنی دیوتا کی قربانی" کے لیے رکھی گئی ہے۔

سفید لڑکی کے ذکر پر ماریا کے کان کھڑے ہو گئے۔

سردار!

میں نے اُسے پہلے ہی اپنے لیے چن لیا تھا۔ اگنی دیوتا کو معلوم ہے۔

پجاری:۔

سردار آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ ہمارا صدیوں سے رواج چلا آتا ہے کہ ہر سال پہلے مہینے کے پندرہ دنوں میں جو بھی اجنبی اس جزیرے پر آتا ہے وہ اگنی دیوتا کی امانت ہوتی" ہے۔ یہ سفید لڑکی اسی سال کے شروع مہینے کے پہلے ہفتے' میں جزیرے پر

ایک ٹوٹی ہوئی کشتی کے پاس بے ہوش پائی گئی تھی۔ اس لیے دستور کے مطابق یہ اگنی دیوتا کی امانت ہے اور اسے اگنی دیوتا کی بھینٹ چڑھایا جائے گا۔ نہیں تو مجھے ڈر ہے کہ اس جزیرے پر اگنی دیوتا کا غضب نازل ہو گا۔

سردار :۔

تم جھوٹ بولتے ہو۔ یہ سفید لڑکی پچھلے سال کے آخری ہفتے میں جزیرے پر پائی گئی تھی۔ اس اعتبار سے مجھے اس کے ساتھ شادی رچانے کا حق حاصل ہے۔

پجاری :۔ (سر جھکا کر)

اگر آپ کی ضد یہی ہے تو میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔

سردار :۔ (غصے میں)

یہ میری ضد نہیں میرا حق ہے۔

پجاری (سر جھکا کر)

جو حکم سردار! آپ کا فیصلہ درست ہے۔

سردار :۔ (خنجر والا ہاتھ ہلا کر)

شادی کی تیاری کی جائے۔ پرسوں چاند رات کو ہم سفید لڑکی سے شادی کریں گے

پجاری (سر جھکا کر) بہت بہتر۔

پجاری باہر نکل گیا۔ سردار بھی کرسی پر سے اُٹھ کر پردہ اٹھا کر جھونپڑی کی دوسری طرف چلا گیا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ والی جھونپڑی میں آ گئی۔ وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ سفید لڑکی کس جگہ پر قید ہے۔ اس جھونپڑی میں ایک عورت بیٹھی بانس کے چوکھٹے میں کپڑا لگائے اس پر کچھ کاڑھ رہی تھی، سردار کو دیکھ کر بولی۔

"آخر تم نے سفید لڑکی سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

سردار :۔ میں اس جزیرے کا بادشاہ ہوں جو چاہے فیصلہ کر سکتا ہوں۔

عورت :۔ اگنی دیوتا تم سے زیادہ طاقتور ہے۔ تم اس کی امانت میں خیانت کر رہے ہو۔

سردار! میں ایسا نہیں کر رہا۔

عورت :۔ اگنی دیوتا غضب میں آ جائے گا۔ آتش فشاں پھٹ پڑے گا۔ جزیرے پر قیامت آ جائے گی۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

سردار :۔ بک بک بند کرو۔

اور سردار باہر نکل گیا۔ عورت خاموش بیٹھی کڑھائی کرتی رہی۔ ماریا اس کے قریب ہی ایک مونڈھے پر بیٹھی یہ ساری باتیں بڑے غور سے سن رہی تھی، صاف معلوم ہو

رہا تھا کہ یہ عورت سردار کی بیوی ہے اور اسے گوارا نہیں کہ سردار کسی دوسری عورت سے شادی کرے۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ سفید لڑکی کون ہے۔ اس جزیرے میں کیونکر آگئی ہے۔ اور اب کس جگہ قید ہے؟

ماریا یہ باتیں سوچ ہی رہی تھی کہ اس عورت نے قریب ہی لٹکتی ہوئی ایک رسی کھینچی۔ باہر ایک گھنٹی بجی۔ ایک سیاہ فام کنیز اندر آگئی۔

"کیا حکم ہے ملکہ صاحبہ"

عورت:۔ شاہی جادوگر کو بلاؤ۔

کنیز:۔ بہتر ملکہ صاحبہ!

کنیز باہر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک کالا بھجنگ سیاہ سوکھا سا زرد آنکھوں والا آدمی اندر آگیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کھوپڑی تھی اور گلے میں شاید انسانی ہڈیوں کی مالا تھی۔ آتے ہی جھک کر بولا۔

"کیا حکم ہے ملکہ؟"

پھر اچانک فضا میں کچھ سونگھ کر بولا۔

"اس فضا سے مجھے ایک اور عورت کی بو آرہی ہے" ملکہ نے چونک کر جادوگر کی طرف دیکھا۔

"تم کیا کہہ رہے ہو۔ یہاں میرے سوا تو کوئی دوسری

عورت نہیں ہے"

جادوگر نے چوڑے بدصورت نتھنے سکیڑ کر کہا "مجھے ایک عورت کی بو برابر آرہی ہے۔"

پھر اس نے کھوپڑی والا ہاتھ آگے پھیلا کر جھونپڑی میں چکر لگانا شروع کر دیا۔ ماریا کچھ پریشان ہو گئی۔ وہ جھونپڑی کے کونے میں جاکر کھڑی ہو گئی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں یہ بدشکل جادوگر اپنے جادو کے زور سے اسے سچ مچ دیکھ ہی نہ لے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ جادوگر میں ابھی اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ غائب ماریا کو دیکھ سکتا، کھوپڑی کی مدد سے اس نے جھونپڑی کی ہر چیز کو ٹٹولا مگر ماریا کو نہ پاکر ملکہ کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"میں اس اجنبی عورت کو دیکھ نہیں سکا مگر مجھے اس کی بو ابھی تک آرہی ہے"

"یہ تمہارا وہم ہے" ملکہ نے کہا۔

پھر ملکہ نے آہستہ سے جھک کر کہا۔

"میں نے تمہیں اس وقت ایک ضروری کام کے لیے بلایا ہے۔ تم میرے رازدار ہو۔ تم ہمیشہ میرے کام آئے ہو۔"

جادوگر:۔ (ادب سے سر جھکا کر) میں نے آپ کا نمک کھایا ہے

ملکہ:۔ میں آپ کی ہر خدمت بجا لانے کے لیے تیار ہوں۔ آپ
حکم کیجیے۔

ملکہ:۔ تم تو جانتے ہو کہ بادشاہ سفید لڑکی سے شادی
کرنا چاہتا ہے۔

جادوگر:۔ جانتا ہوں۔

ملکہ:۔ بلکہ بادشاہ فیصلہ کر چکا ہے اور پرسوں شادی
بھی ہے۔

جادوگر:۔ آپ کیا چاہتی ہیں؟

ملکہ:۔ سفید لڑکی اگنی دیوتا کی امانت ہے۔ میں نہیں
چاہتی کہ بادشاہ پر کوئی عذاب نازل ہو۔ یا اس جزیرے
پر قیامت ٹوٹ پڑے۔ اس لیے کیا تم ایسا جادو نہیں
کر سکتے کہ بادشاہ کی نیت بدل جائے؟

جادوگر:۔ کوشش کر کے دیکھوں گا۔ ویسے بادشاہ کے
دماغ پر اثر ڈالنا بڑی مشکل بات ہے۔

ملکہ:۔ بہرحال تم کوشش کرو۔ اور ہاں۔ یہ بات سوائے
تمہارے اور کسی کو معلوم نہ ہو۔

جادوگر:۔ ہرگز نہیں ملکہ۔ آپ کا راز میرے سینے میں
امانت بن کے رہے گا۔

ملکہ:۔ اب تم جا سکتے ہو۔

جادوگر سر جھکا کر جانے لگا تو ناک سکیڑ کر بولا۔

"کسی غیبی عورت کی بُو ابھی تک آ رہی ہے۔"

ماریا کو اس کمینے کالے بھجنگ جادوگر پر بڑا غصہ آیا
کم بخت اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہا تھا۔ جب وہ جھونپڑی
سے باہر نکلا تو ماریا بھی اس کے پیچھے گئی باہر جاتے ہی ماریا
نے زمین پر سے ایک بانس کا ٹکڑا اٹھایا اور جادوگر کے
سر پر دے مارا۔ بانس کھوکھلا تھا۔ چوٹ زیادہ نہیں لگی مگر
جادوگر نے غصے سے پھنکارتے ہوئے پیچھے دیکھا۔

"کون ہے؟ کس نے مارا ہے یہ بانس؟"

وہاں کوئی بھی نہیں تھا ماریا ہنس پڑی۔ جادوگر کا رنگ
اور کالا ہو گیا۔

"تم۔۔۔۔۔ تم کون ہو؟"

ماریا نے کوئی جواب نہ دیا اور چپکے سے جنگل کی طرف روانہ
ہو گئی۔ اڑن طشتری میں جا کر اس نے عنبر اور ناگ کو ساری
کہانی سنا ڈالی۔ سفید لڑکی کے بارے میں عنبر اور ناگ نے زیادہ
دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ بہرحال ماریا نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ
اس سفید لڑکی کا سراغ لگا کر رہے گی۔ اور اسے اگنی دیوتا سے
ضرور بچائے گی۔

آدھی رات کو اچانک جزیرے کی زمین ہلنے لگی۔

بھونچال آگیا تھا۔ پھر آتش فشاں پہاڑ میں ایک دھماکہ ہوا اور سرخ لاوا اچھل کر باہر گر پڑا۔ جزیرے کے سارے وحشی خوف سے کانپنے لگے۔ وہ سجدے میں گر پڑے اور اگنی دیوتا کی تعریف میں بھجن گانے لگے۔ عنبر اور ناگ اور ماریا بھی جاگ پڑے۔ بھونچال کے جھٹکے بند ہو گئے تھے۔ عنبر اور ناگ پھر سو گئے۔ ماریا جاگتی رہی اور سفید لڑکی کے بارے میں سوچتی رہی اُسے معلوم تھا کہ اَب اُسے ضرور اگنی دیوتا پر قربان کر دیا جائے گا۔ کیونکہ پجاری اعلان کر دے گا کہ دیوتا کی امانت میں خیانت کی وجہ سے اگنی دیوتا کا غضب جزیرے پر نازل ہونے والا ہے۔

اسی وقت بادشاہ اور پجاری جھونپڑی محل سے باہر آکر سجدے میں گر پڑے تھے۔ زلزلے کے جھٹکے رک گئے تھے مگر آتش فشاں پہاڑ کی جانب سے ہلکی ہلکی گڑگڑاہٹ کی آواز کسی وقت سنائی دے جاتی تھی۔ پجاری نے اعلان کیا۔

"اگنی دیوتا غصے میں ہے اس کی قربانی دی جائے۔"

بادشاہ نے اسی وقت ہاتھ باندھ کے کہا۔

"میں معافی مانگتا ہوں اگنی دیوتا سے۔ اے اگنی دیوتا! تمہاری امانت تمہارے پاس حاضر کر دی جائے گی۔"

ڈھول کی تھاپ پر پجاری نے اعلان کیا۔

"کل شام کو چاند نکلتے ہی سفید لڑکی اگنی دیوتا پر قربان کر دی جائے گی۔ اُسے آتش فشاں پہاڑ کی چوٹی سے کھولتے لاوے میں گِرا دیا جائے گا۔"

ماریا کو صبح اس کی خبر ملی کہ سفید لڑکی کو شام کے وقت آتش فشاں پہاڑ میں گرایا جا رہا ہے۔ اب وہ بڑی بے تابی سے سفید لڑکی کی تلاش میں تھی۔ کیونکہ وقت بہت کم تھا اس روز آسمان پر آتش فشاں پہاڑ کے دہانے سے نکلنے والے سیاہ دھوئیں سے آسمان پر اندھیرا چھا گیا تھا اور سورج چھپ گیا تھا۔ جزیرے پر گہری دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ اڑن طشتری کی کمپیوٹر مشین میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی تھی، عنبر اور ناگ اس کی مرمت کر رہے تھے۔ ماریا سیر کے لیے کہہ کر وہاں سے نکل آئی اور سیدھی وحشیوں کی بستی میں آگئی۔

یہاں قربانی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

وحشی عورتیں بھجن گاتی پھولوں کے ہار تیار کر رہی تھیں۔ ایک تختہ بنایا جا رہا تھا جس پر بٹھا کر سفید لڑکی کو آتش فشاں

پہاڑ کے کنارے تک لے جاتا تھا۔ وہ جلد سے جلد سفید لڑکی
تلاش کر کے اسے بچانا چاہتی تھی۔ اس نے دیکھا کہ دو عورتیں
پھولوں کے ہار ٹوکری میں ڈال کر ایک طرف جا رہی تھیں
ماریا کو خیال آیا کہ شاید یہ عورتیں سفید لڑکی کے پاس جا
رہی ہیں وہ ان کے پیچھے چل پڑی ۔

دونوں عورتیں جنگل میں ایک جگہ پہنچ کر رُک گئیں۔
سامنے پہاڑ کے دامن میں ایک جھونپڑی بنی تھی۔ باہر دو
ہٹے کٹے وحشی نیزے اور تیر کمان لیے پہرہ دے رہے تھے
ماریا سمجھ گئی کہ اسی جگہ سفید لڑکی قید ہے۔ دونوں عورتیں
جھونپڑی میں چلی گئیں۔ ماریا بھی اُن کے ساتھ ہی اندر
داخل ہوگئی۔ اندر جا کر کیا دیکھتی ہے کہ ایک سفید نازک
سی لڑکی جس کے سَر کے بال سُرخ ہیں۔ زنجیر کے ساتھ
بندھی ہوئی ہے اور ایک بورے پر سر جھکائے بیٹھی
ہے۔ عورتوں کو دیکھ کر اس نے چہرہ اوپر اٹھایا۔

اس کا چہرہ اداس تھا۔ بے حد اترا ہوا تھا۔ آنکھوں
سے آنسو ٹپک ٹپک کر گالوں پر خشک نشان پڑ گئے
تھے۔ عورتوں نے بھجن گانے شروع کر دیے۔ پھر
سفید لڑکی کو پھولوں کے ہار پہنائے اور اپنی زبان
میں کہا۔

"اگنی دیوتا! قربانی مبارک ہو"!
اور باہر نکل گئیں۔ وحشی پہرے داروں نے بانس
کا دروازہ بند کر دیا۔ اب ماریا اور سفید لڑکی جھونپڑی
میں اکیلی رہ گئیں۔

عورتیں سفید لڑکی کے پاس ایک ٹوکری میں کچھ پھول
رکھ گئی تھیں۔ جس کی طرف لڑکی نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہ
دیکھا۔ ماریا غور سے لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ یورپ کے
کسی ملک کی لگ رہی تھی۔ اس کا لباس اگرچہ پرانا اور
میلا ہوگیا تھا مگر معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کسی اچھے
گھرانے کی لڑکی ہے۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ اس لڑکی کو آتش فشاں
پہاڑ میں پھینکنے کی تیاریاں زور شور سے ہو رہی تھیں
باہر میدان میں ایک منڈپ تیار کیا جا رہا تھا جس میں
پھولوں سے سجا ہوا تخت رکھا تھا۔ اس تخت پر سفید
لڑکی کو بٹھا کر آتش فشاں پہاڑ کے کنارے پر لے جانا
تھا اور پھر اسے تخت سمیت کھولتے ہوئے لاوے
کے کنوئیں میں پھینک دینا تھا۔ اس کے خیال ہی سے
ماریا کا دل لرز گیا۔ وہ جلدی سے جلدی اس لڑکی
کو یہاں سے نکال کر لے جانا چاہتی تھی۔ پہاڑ سے

دھواں برابر اُٹھ رہا تھا۔

کسی وقت گرج سنائی دے جاتی اور وحشی اونچی
آواز میں بھجن گانے لگتے۔ جزیرے پر دھواں پھیل گیا تھا
جس کی وجہ سے دن کی روشنی کم ہو گئی تھی۔ ماریا نے
سوچا کہ سب سے پہلے باہر پہرہ دینے والوں سے
نپٹنا چاہیئے تاکہ فرار کا راستہ صاف ہو جائے۔

پس ماریا دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ باہر
سے بند کر دیا گیا تھا اور کنڈی لگی تھی۔ ماریا نے
دروازے پر دستک دی۔ دستک کی آواز پر باہر
پہرہ دینے والے وحشی اور سفید لڑکی نے چونک
کر دیکھا۔ سفید لڑکی کو ماریا نظر نہ آئی۔ پہرہ دار سمجھے
کہ شاید سفید لڑکی کوئی چیز مانگ رہی ہے۔ اگنی دیوتا
کی بھینٹ ہونے کی وجہ سے انہیں حکم تھا کہ سفید لڑکی
جو کھانے کو مانگے اسے دے دیا جائے۔

ایک پہرے دار نے کنڈی کھول کر اندر جھانکا۔

"کیا بات ہے؟"

یہ الفاظ اس نے اپنی جنگلی زبان میں کہے تھے۔
جنہیں سفید لڑکی بالکل نہ سمجھی۔ وہ پہرے دار کو پھٹی
پھٹی نظروں سے تک رہی تھی۔ اسے اپنا المناک انجام

صاف نظر آ رہا تھا۔ پہرے دار نے دیکھا کہ لڑکی کچھ
نہیں کہہ رہی۔ اس نے غصّے میں دروازہ بند کر دیا اس
دوران میں ماریا جھونپڑی سے باہر نکل چکی تھی۔

باہر جاتے ہی ماریا نے ایک پہرے دار کے کان کے
قریب منہ لے جا کر کہا۔

"میں اگنی دیوتا کی بیوی ہوں۔ میں تمہیں لینے آئی
ہوں۔" کسی غیبی عورت کی آواز سن کر پہرے دار
خوف سے سفید پڑ گیا۔ دوسرے وحشی نے بھی یہ آواز
سن لی تھی۔ وہ بھی تھر تھر کانپنے لگا۔ ماریا نے تیر نشانے
پر لگتا دیکھ کر پھر اسی آواز میں اور ان لوگوں کی جنگلی زبان
میں کہا۔

"بھاگ جاؤ۔ نہیں تو میں تمہیں کھا جاؤں گی۔"

دونوں پہرے دار سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔

بکرے کا سر

اب سفید لڑکی کو وہاں سے نکالنا تھا۔

ماریا کچھ سوچ کر جھونپڑی کی طرف بڑھی۔ اُس نے دروازہ کھولا۔ سفید لڑکی سمجھ گئی کہ اس کی موت کا وقت آگیا ہے۔ اِس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ کھلا، پھر بند ہو گیا۔ مگر اندر کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ سفید لڑکی ڈری کہ یہ کیا بات ہے؟ دروازہ کھول کر اندر کون آیا ہے؟ پھر اُس نے سوچا۔ شاید ہوا نے دروازہ کھول دیا ہوگا۔ لیکن دروازہ تو باہر سے کنڈی چڑھا کر بند کیا گیا تھا۔ اور ہوا بھی نہیں چل رہی۔ پھر یہ کیا راز ہے؟ اب ماریا اس کے قریب آکر کھڑی ہو گئی تھی، وقت بہت نازک تھا۔ اُسے جو کچھ بھی کرنا تھا ابھی کر لینا چاہیئے تھا۔

ماریا نے خاص قسم کی رعب والی آواز بنا کر کہا۔

"سنو اے لڑکی! میں اگنی دیوتا کی بیوی ہوں۔ چلو میرے ساتھ۔ تمھارا وقت آگیا ہے۔ میں تمھیں قربانی کے لیے لینے آئی ہوں۔"

سفید لڑکی خوف سے کانپنے لگی۔ اُسے یقین ہو گیا تھا

کہ یہ آواز اگنی دیوتا کی بیوی کی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ ماریا نے ڈانٹ کر کہا۔

"اُٹھتی کیوں نہیں؛ جلدی کرو۔ نہیں تو میں تمھیں اِسی جگہ ہلاک کر دوں گی۔"

سفید لڑکی جیسے اپنے آپ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔"

ماریا سفید لڑکی کو لے کر جھونپڑی سے باہر آگئی اس نے جھونپڑی کے پیچھے کی طرف جنگل والے علاقے میں چلنا شروع کر دیا۔ سفید لڑکی رُک گئی۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ اگنی دیوتا کی بیوی اُس کے ساتھ نہیں ہے۔ ماریا نے اس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔

"خبردار اگر اِدھر اُدھر بھاگنے کی کوشش کی۔ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ جلدی چلو۔ آگے آگے چلو۔"

سفید لڑکی کا خون خشک ہو رہا تھا۔ اگنی دیوتا کی بیوی اُس کے سر پر کھڑی تھی۔ وہ کانپتے ہوئے آگے آگے چل دی ماریا نے دیکھا کہ لڑکی کے ٹخنوں پر اس زنجیر کا نشان پڑ گیا تھا۔ جس کے ساتھ اسے جھونپڑی میں باندھ کر رکھا گیا تھا اور جسے ماریا نے کھول دیا تھا۔

اتنے میں جنگلیوں کی جھونپڑیوں کی طرف شور اُٹھا، پہرے
داروں نے جاکر بتا دیا تھا کہ اگنی دیوتا کی بیوی نے انہیں
بھگا دیا ہے۔ بادشاہ اور دوسرے لوگ بھاگ کر جھونپڑی
میں آئے تو دیکھا کہ سفید لڑکی غائب ہے۔ ایک شور مچ
گیا۔ بادشاہ نے ہاتھ اُٹھا کر چیخ مار کر کہا۔

"وہ بھاگ نہیں سکتی اسے پکڑ کر لاؤ"

جنگلی نیزے لے کر للکارتے ہوئے جنگل کی طرف لپکے
ماریا نے انہیں اپنی طرف آتے دیکھا تو سفید لڑکی کو
گھسیٹ کر ایک جگہ جھاڑیوں کے پیچھے چھپا دیا۔ پھر اُس
کے کان میں کہا۔

"خاموش بیٹھی رہو۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے"

سفید لڑکی کچھ نہ سمجھ سکی کہ جب اُسے قربانی کے لیے
لے جایا جا رہا ہے تو پھر اگنی دیوتا کی بیوی اُسے
جنگلی لوگوں سے کیوں بچا رہی ہے؟ یہ کیا راز ہے؟
وہ کچھ نہ سمجھ سکی۔ جنگلی اس کے آگے سے بھاگ کر
نکل گئے۔ ماریا نے کہا۔

"بائیں طرف ندی ہے ادھر بھاگو"

سفید لڑکی ندی کی طرف بھاگی۔ پھر وہ ایک جگہ جھاڑیوں
کے پیچھے جاکر کھڑی ہوگئی۔ ماریا بھی اُس کے ساتھ تھی۔

اس نے سفید لڑکی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بیٹھ جاؤ وہ لوگ شاید ادھر آرہے ہیں۔"

سفید لڑکی چھپ کر بیٹھ گئی۔ ندی میں ایک کشتی آ
رہی تھی۔ جس میں جنگلی سوار تھے اور نیزے ہلا ہلا کر
اگنی دیوتا کے نعرے لگا رہے تھے۔ کشتی اُن کے
قریب ہی کنارے پر آگئی۔ جنگلی چھلانگیں لگا کر اُترے
اور جنگل میں گھس گئے۔ سب سے آخر میں ایک جنگلی
نے جھاڑیوں میں کچھ حرکت دیکھی تو رُک گیا۔ پلٹ کر
جھاڑیوں کو تکنے لگا۔ ماریا چوکس ہوگئی۔ اس نے سفید
لڑکی کا کندھا دبایا۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ اب ہلنا نہیں۔

جنگلی نیزہ تانے جھاڑی کے قریب آکر رک گیا۔
ماریا پیچھے سے ہوکر جنگلی کے عقب میں آچکی تھی
وہ یہ خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھی کہ جنگلی سفید لڑکی
کو دیکھ کر چیخ مار کر اپنے ساتھیوں کو بھی خبردار
کر دے اور وہ لوگ سفید لڑکی پر ٹوٹ پڑیں۔
جنگلی جھک کر نیزے سے جھاڑیوں کو پیچھے ہٹانے لگا
اچانک اس کی نظر سفید لڑکی پر پڑی جو جھاڑیوں
میں خرگوش کی طرح سہمی بیٹھی تھی۔

جنگلی چیخ مارنے ہی لگا تھا کہ ماریا نے اُس کے

سر پر زور سے ایک پتھر مار دیا۔ چوٹ شدید تھی۔
چکرا کر گرا اور بے ہوش ہوگیا۔ ماریا نے اُس
نیزہ اُٹھا لیا اور سفید لڑکی سے کہا۔

"جلدی سے اس کشتی میں سوار ہو جاؤ"

ماریا بھی کشتی میں بیٹھ گئی اور اسے زور زور
کھیتی ہوئی جنگل میں دائیں جانب مڑ گئی۔ سفید لڑکی ا
حیران تھی کہ اگنی دیوتا کی بیوی اُسے جنگلیوں سے
لیے بچا رہی ہے۔ کشتی جنگل میں آگے نکل گئی۔ ندی
گھنے درختوں میں سے ہو کر گزر رہی تھی۔ ایک
کنارے پر پتھر کی سیڑھیاں بنی تھیں۔ ماریا نے کشتی سیڑ
کے ساتھ لگا دی۔

"اُتر چلو"، ماریا نے سفید لڑکی سے کہا۔

ماریا اسے لے کر جنگل میں سے گزر رہی تھی کہ
تیر شائیں کر کے اس کے قریب سے نکل کر درخت
میں کھب گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔ نیچے بیٹھ جاؤ"، ماریا چلائی۔

سفید لڑکی بیٹھ گئی۔ ماریا اُسے وہیں چھوڑ کر جدھر
سے تیر آیا تھا اُس طرف کو بھاگی، ذرا فاصلے پر ایک
درخت کے پیچھے دو جنگلی کھڑے تھے۔ وہ سفید لڑکی

کو دیکھ چکے تھے۔ نیزے لے کر اس کی طرف بھاگے۔ ماریا
ان کے راستے میں کھڑی تھی۔ اس سے پہلے کہ جنگلی سفید
لڑکی تک پہنچیں ماریا نے ان دونوں کا کام تمام کر دیا۔
پھر وہ سفید لڑکی کو لے کر ایک طرف بھاگی۔ سامنے
درختوں کا جھنڈ تھا۔

یہی وہ جگہ تھی جہاں اڑن طشتری کھڑی تھی۔

سفید لڑکی نے درختوں میں جا کر جو اچانک ایک عجیب
سی گول گول عمارت کو دیکھا تو وہیں کھڑی کی کھڑی رہ
گئی۔ ماریا نے مسکرا کر کہا۔

"ڈرو نہیں بہن! اب تم ان جنگلیوں سے بچ گئی ہو"

سفید لڑکی کے دل میں اطمینان کی ایک لہر پہلی بار
دوڑ گئی۔ لیکن اُس کی سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں
آ رہی تھی کہ یہ غائب عورت کون ہے؟ کیا یہ کوئی بھوت
ہے؟ سفید لڑکی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر پہلی
بار پوچھا۔

"تم کون ہو؟ — یہ کیا ہے؟"

ماریا نے کہا۔

"میرے ساتھ آؤ۔ آگے بڑھو۔ اندر جا کر سب کچھ بتا
دوں گی۔ بہر حال اب تمہیں فکر نہیں کرنا چاہیے۔"

سفید لڑکی ڈرتے ڈرتے اڑن طشتری کی طرف بڑھی
ماریا نے بٹن دبا کر اس کا دروازہ کھول دیا، سفید لڑکی
اندر جاتے ہوئے گھبرا رہی تھی کہ خدا جانے یہ بھوت
گھر اندر سے کیسا ہو اور اس کے ساتھ وہاں جا کر کیسا
سلوک ہو؟ ماریا نے بڑی محبت سے کہا۔
"بہن آ جاؤ گھبراؤ نہیں۔ میں بھوت نہیں ہوں۔ تمہاری
طرح ایک عورت ہوں۔ بس تم مجھے دیکھ نہیں سکتیں۔ آؤ
میرے ساتھ اندر آجاؤ۔"
سفید لڑکی اڑن طشتری میں داخل ہو گئی، اندر جا کر
وہ اور زیادہ حیران ہو گئی۔ اندر اُسے حیران کرنے کے
لیے بہت کچھ موجود تھا۔ مشینیں۔ ڈائیل۔ جلتی بجھتی سرخ
سبز روشنیاں۔ کمپیوٹر اور قسم قسم کے سوئچ اور پینل پر
لگے ہوئے بٹن۔ عجیب سی گول گول کرسیاں۔ گول چھت
جو چاندی کی طرح چمک رہی تھی۔ سفید لڑکی آنکھیں پھاڑ
حیرت سے تک رہی تھی، اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا
جیسے وہ مرنے کے بعد آسمان کی کسی بستی میں آ گئی ہے
ماریا نے سفید لڑکی کا عنبر اور ناگ سے تعارف کرایا۔ ناگ اور
عنبر نے سفید لڑکی سے ہاتھ ملایا اور بڑی محبت سے مسکرا کر
دیکھا۔ پھر ماریا سے پوچھا۔

"آخر تم اس لڑکی کو جنگلی لوگوں سے بچا لائیں
ماریا۔
شاباش تم نے بہت اچھا کیا۔"
ماریا بولی۔ "میں بھلا ایک بھولی بھالی لڑکی کو ان
درندوں کے رحم و کرم پر کیسے چھوڑ کر آ سکتی تھی۔ وہ
لوگ تو اس بے چاری کو آج شام آتش فشاں پہاڑ میں
جھونکنے والے تھے۔"
سفید لڑکی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
"آپ — آپ کون لوگ ہیں ؟"
سفید لڑکی عنبر اور ناگ کے لباس کو بھی حیرت سے
تک رہی تھی۔ ناگ نے مسکرا کر کہا۔
"اگر تم نے ماریا کے غائب ہونے کو برداشت کر
لیا ہے تو ہماری طرف سے حیرت کرنے کی کوئی وجہ
نہیں ہے۔ ہم تو تمہاری طرح کے انسان ہیں تم دیکھ
رہی ہو۔"
سفید لڑکی اپنی جان بچ جانے کی وجہ سے خوش تھی
اور کچھ مطمئن ہو گئی تھی۔ اس نے کہا۔
"آپ لوگ آسمانوں سے آئے ہیں کیا؟"
عنبر بولا
"ان باتوں کو نہ ہی پوچھو تو اچھا ہے۔"

تمہارے لیے یہی کافی ہے کہ ہم تمہارے ہمدرد ہیں۔ ماریا ہماری بہن ہے۔ اسی طرح تم بھی ہماری بہن ہو۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم اس آدم خوروں کے جزیرے میں کیسے آگئیں؟"

سفید لڑکی نے کہا۔ "پہلے مجھے پانی پلاؤ۔ مجھے پیاس لگ رہی ہے۔" اسی وقت اسے ساتھ والے کمرے میں لے جایا گیا۔ اُسے بہترین ہرن کا گوشت اور روٹی کھلائی گئی۔ پانی پلایا گیا۔ ماریا نے اُسے گرم پانی سے نہلا کر نئے کپڑے پہنائے۔ اُس کے بالوں میں کنگھی کی اور گرم گرم قہوہ پلایا۔ تازہ دم ہو کر سفید لڑکی کی جان میں جان آگئی۔ اس کا چہرہ نکھر آیا تھا۔ اب اُس نے عنبر ناگ اور ماریا کو اپنی کہانی سنائی۔

"میں روم کے ایک سوداگر کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ میرا نام ماریانہ ہے۔ میرا باپ بڑا امیر آدمی ہے۔ اس کی لاکھوں کی جائیداد ہے۔ لیکن میرا چچا اس کا دشمن ہو گیا۔ اس نے سازش کر کے مجھے اور میرے باپ کو سوداگری کے بہانے ایک جہاز میں سوار کرایا اور چھ روز کے سمندری سفر کے بعد ایک جزیرے پر چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ یہاں سے دو روز کے فاصلے پر ایک جزیرہ

ہے جہاں میرے باپ اکیلے رہ گئے۔ اُس جزیرے پر ہمیں ایک دن ہی گزرا تھا کہ اس جزیرے کے وحشی مجھے ایک رات اٹھا کر یہاں لے آئے اور اگنی دیوتا پر قربان کرنے والے تھے کہ آپ نے مجھے بچا لیا۔"

ماریا نے پوچھا۔

"تمہارا باپ ابھی تک اُسی جزیرے میں ہے۔"

ماریانہ نے کہا۔

"ضرور وہ وہیں ہو گا اور میرے لیے پریشان ہو گا۔ خدا جانے اُس پر کیا گذری ہو گی۔"

عنبر نے پوچھا

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ جزیرہ یہاں سے دو روز کے فاصلے پر ہے؟"

"ہاں۔" ماریانہ نے کہا۔ "یہ وحشی جب مجھے وہاں سے اٹھا کر لائے تو کشتی سمندر میں دو روز تک سفر کرتی رہی تھی۔"

ناگ نے کہا۔ "ماریانہ بہن! فکر نہ کرو۔ ہم تمہیں تمہارے باپ کے پاس لے جائیں گے۔"

ماریانہ نے رو کر کہا۔ "مجھے جلدی میرے باپ کے پاس لے چلو۔ خدا جانے اس جزیرے میں آدم خوروں نے اُسے پکڑ لیا ہو۔"

عنبر بولا۔

"گھبراؤ نہیں ماریانہ! ہم کل صبح یہاں سے نکل چلیں گے اب تم آرام کرو۔"

اُدھر جب سفید لڑکی کہیں نہ ملی تو جنگلیوں کے بادشاہ نے غضبناک ہوکر ان دونوں پہرے داروں کو مروا دیا جو جھونپڑی کو چھوڑ کر بھاگ آئے تھے، سارے جزیرے میں سفید لڑکی کی تلاش شروع ہوگئی۔ شام ہو رہی تھی اندھیرا پھیل رہا تھا۔ آتش فشاں پہاڑ سے اب دھماکے کم ہوگئے تھے۔ بادشاہ پریشان تھا کہ دیوتا اُس پر ناراض ہوکر کسی وقت بھی عذاب نازل کردیں گے۔

جنگل میں ماریانہ کو تلاش کرتے کرتے وحشیوں کی ایک ٹولی اُڑن طشتری کے پاس بھی نکل آئی۔ انہوں نے جو اُڑن طشتری میں سے روشنی نکلتی دیکھی تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ کچھ پیچھے کو بھاگے۔ بادشاہ اور شاہی جادوگر اور جنگلیوں کو خبر ہوگئی۔ وہ بھاگتے ہوئے وہاں آگئے۔ اور اُڑن طشتری کے سامنے کھڑے ہوکر اسے حیرت سے تکنے لگے

بادشاہ نے شاہی جادوگر سے کہا۔

"یہ کیا چیز ہے؟ بتاؤ۔"

جادوگر نے غور سے اڑن طشتری کو دیکھا اور بولا۔

"بادشاہ سلامت! یہ تو کوئی بھوت ہے۔ اس پر حملہ کر دیا جائے۔"

بادشاہ نے حملے کا حکم دے دیا۔ اسی وقت اُڑن طشتری پر تیروں اور نیزوں کی بارش شروع ہوگئی۔ ناگ عنبر ماریا اور ماریانہ نے شور سُنا تو کھڑکیوں سے دیکھا کہ باہر شعلوں کی روشنی میں وحشی کھڑے تھے اور بادشاہ بھی ساتھ تھا اور اُڑن طشتری پر تیر برسائے جا رہے تھے ماریانہ گھبرا گئی۔

"اب کیا ہوگا۔ یہ لوگ تو یہاں بھی پہنچ گئے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"انہیں ان کی موت یہاں کھینچ لائی ہے۔"

ناگ نے ایک بٹن دبا دیا۔ اُڑن طشتری میں سے روشنی کی ایک تیز شعاع نکل کر جنگلی لوگوں پر گری۔ اس کے گرتے ہی دھماکہ ہوا اور کچھ جنگلی جل کر بھسم ہوگئے، دوسرے پیچھے ہٹے۔ بادشاہ نے گرج کر کہا۔

"شاہی جادوگر! اپنا جادو کرو اور اِس بھوت کو موت کی نیند سلا دو۔"

شاہی جادوگر نے آگے بڑھ کر ایک کنکر پر کچھ منتر پڑھ کر پھونکا اور اُسے اُڑن طشتری پر پھینک دیا۔ اُڑن

طشتری کو کچھ بھی نہ ہوا۔ عنبر نے دوسرا بٹن دبایا۔ ایک اور
شعاع نکلی اور جادوگر پر بجلی بن کر گری۔ وہ بھی بھسم ہو
گیا۔ اب دوسرے جنگلی بادشاہ کا حکم پا کر آگے بڑھے۔ اُڑن
طشتری میں سے ایک ہی وقت میں چھ سات تیز شعاعیں نکلیں
اور آدھے سے زیادہ جنگلی جل کر خاک سیاہ ہو گئے۔
دوسرے حملے میں اور جنگلی جل مرے۔

اب بادشاہ وہاں سے اُٹھ دوڑا۔ میدان صاف ہو گیا
ماریانہ کی جان میں جان آئی۔ آدھی رات کو ایک بار پھر جنگلی
لوگوں نے اُڑن طشتری پر حملہ کیا، صرف ناگ جاگ رہا تھا۔ ایک
جنگلی اُڑن طشتری کے دروازے تک آگیا۔ اُس نے زور سے
نیزہ اُڑن طشتری پر مارا۔ ناگ نے اُس پر شعاع پھینکی۔
وہ بھک سے اُڑ گیا۔ باقی بھاگ گئے۔

دن نکلا تو عنبر نے اُڑن طشتری کو اُڑنے کے لیے تیار
کر دیا۔ پھر اُس کے نیچے سے تیز روشنی نکلی اور اُڑن
طشتری ہوا میں اوپر کو اُٹھنے لگی۔ وہ درختوں کے اوپر
آگئی۔ اور پھر اس نے آگے بڑھ کر درختوں کے اوپر ایک
چکر لگایا اور وحشیوں کے جھونپڑوں کے اوپر آگئی، وحشی
جھونپڑوں سے باہر نکل آئے۔ وہ ڈر گئے تھے۔ انہوں نے
ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور سجدوں میں گر گئے۔

عنبر مسکرایا۔
"آخر جنگلی لوگ ہیں مگر بہادر بہت ہیں۔"
ناگ نے کہا۔
"ماریانہ! ہم سمندر کی طرف جا رہے ہیں۔ اب تم ہمیں
راستہ دکھانا کہ جزیرہ کس طرف ہے۔"
ماریانہ نے کہا۔
"یہاں سے مشرق کی طرف چلو۔ آگے جا کر ذرا جنوب کی
طرف گھوم جائیں گے۔ وہاں سے دو روز کے سفر کے بعد
جزیرہ آجائے گا۔"
عنبر ہنسا
"دو روز تو کشتی میں لگے تھے۔ اری پگلی! ہم تو تھوڑی
دیر میں جزیرے پر پہنچ جائیں گے۔"
ماریانہ نے حیرانی سے آنکھیں جھپکا کر کہا۔
"کیا یہ اڑن کھٹولا اتنا تیز اُڑتا ہے؟"
"تم خود دیکھ لینا" ماریا نے ہنس کر کہا
اڑن طشتری کی کھڑکی کے شیشے میں سے ماریانہ نے نیچے
زمین اور سمندر دیکھا تو اُسے چکر آگیا۔ اس نے زندگی میں
کبھی زمین اور سورج کو بلندی سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ کبھی
ہوا میں نہیں اُڑی تھی۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ عنبر نے

اُسے کاؤچ پر لٹا دیا۔

"تم آرام کرو ماریانہ! جزیرہ آئے گا تو انہیں بتا دیا جائے گا!"

اڑن طشتری سمندر کے اوپر اُڑی جا رہی تھی اس کی رفتار کافی تیز تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد عنبر نے دور ایک جزیرے کے ساحل کو دیکھا۔ اُس نے اڑن طشتری کو نیچے کر دیا۔ وہ جزیرے پر خاموشی سے اترنا چاہتا تھا تاکہ اگر ماریانہ کا باپ آدم خوروں کی قید میں بھی ہو تو آدم خوروں کو اُن کے آنے کی خبر نہ لگے۔ ماریانہ نے کھڑکی میں سے دیکھ کر کہا۔

"یہی وہ جزیرہ ہے۔"

اُڑن طشتری بڑی خاموشی سے جزیرے کے جنوبی ساحلی ریت پر اتار دی گئی۔ یہاں سے آگے اس قدر گھنا جنگل تھا کہ وہاں اڑن طشتری کے اتارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ریت پر ایک بہت بڑی چٹان تھی۔ اس چٹان کی اوٹ میں اڑن طشتری کھڑی تھی عنبر نے ناگ سے کہا

"تم باہر جا کر پتا کرو کہ اس جزیرے پر ماریانہ کا باپ کس جگہ پر ہے؟"

"بہت بہتر"

ناگ اُڑن طشتری سے باہر نکل گیا۔ جنگل میں جا کر اس نے سیاہ عقاب کا روپ بدلا اور درختوں کے اوپر جزیرے پر اُڑنا شروع کر دیا۔ جزیرہ کافی لمبا چوڑا تھا۔ مگر بالکل بے آباد لگ رہا تھا۔ ناگ اڑتے اڑتے جزیرے کے شمال کی جانب آیا تو اُسے کچھ جھونپڑے نظر آئے۔ ایک جگہ آگ جل رہی تھی کچھ ننگ دھڑنگ وحشی آگ کے گرد بیٹھے تھے، ناگ وہاں اتر پڑا اور ایک درخت کی شاخ پر بیٹھ کر وحشیوں کو تکنے لگا۔ ایک وحشی کی نظر بھی درخت پر پڑ گئی اس نے تیر کمان اُٹھا کر کہا۔

"عقاب"

اور پھر اس کی کمان سے ایک تیر سَن کی آواز کے ساتھ نکلا اور ناگ کی قسمت اچھی تھی کہ نشانہ چوک گیا۔ تیر اس کی گردن کے قریب سے ہو کر نکل گیا، ناگ پھڑپھڑا کر اڑ گیا اور دوسرے درختوں میں جا کر بیٹھ گیا اور نیچے تکنے لگا۔ وحشیوں نے اسے یہاں بھی دیکھ لیا۔ اور اس پر تیروں کی بارش کر دی، ناگ کو اُن وحشیوں پر بڑا غصہ آیا کہ کم بخت اس کی جان کے دشمن ہو گئے

بہرحال اپنی جان بچانا بھی اس کا پہلا فرض تھا۔
وہ درخت سے اڑ گیا۔ اس نے جزیرے کا ایک چ
لگایا۔ وہ بہت نیچی اڑان کر رہا تھا، جزیرہ کافی ب
تھا۔ سوائے ان وحشیوں کے جو آگ جلا کر بیٹھے تھے
کو اور کوئی انسان وہاں نظر نہ آیا۔ اچانک ناگ کی نظر
چٹان پر پڑی۔ اس چٹان کے اوپر ایک بکرے کا
بانس پر ٹنگا تھا۔

انوکھا جزیرہ

•

ناگ اس چٹان پر اُتر آیا تھا۔
کیا دیکھتا ہے کہ سامنے درختوں کے جھنڈ میں سے کچھ
وحشی لوگ تلواریں لیے چٹان کی طرف بڑھے چلے آ رہے
ہیں۔ ناگ عقاب کی شکل میں چٹان کے اوپر بیٹھا یہ
سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ وحشی چٹان کے قریب آ کر رک
گئے۔ ایک وحشی نے آگے بڑھ کر چٹان میں کسی جگہ کوئی
پتھر ہٹایا۔ وہاں ایک چھوٹا سا غار نکل آیا۔ سارے
وحشی غار کے اندر داخل ہو گئے۔

ناگ کو شک ہوا کہ ہو نہ ہو سفید لڑکی کا باپ اسی
غار میں قید ہے۔ اب وہ اندر کس طرح سے جائے۔
اگر سانپ بن کر گیا تو خطرہ تھا کہ وحشی اسے تلواریں
مار مار کر ٹکڑے کر دیں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ
باہر کھڑا انتظار کرتا رہے اور اندر وحشی لڑکی کے
باپ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور پھر اُسے کڑاؤ میں
ابال کر چٹ کر جائیں۔ ناگ ابھی سوچ ہی رہا تھا کیا

کرے، کیا نہ کرے؟ کہ غار میں سے وحشی لوگ باہر نکلنا شرو
ہو گئے۔ سب سے آگے ایک وحشی تھا۔

اس وحشی کے ہاتھوں میں بالوں کا گچھا تھا۔ ضرور
یہ لوگ لڑکی کے باپ کے بالوں کو کاٹ کر لے آئے تھے
ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ لڑکی کے باپ کا سر
کاٹ کر نہیں لے آئے۔ جب یہ لوگ جنگل میں درختو
کے پیچھے گم ہو گئے تو ناگ چٹان کے اوپر سے نیچے اتر
آیا۔ اس نے سوچا کہ انسان کی شکل میں اندر جانا ٹھیک
نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے اندر کوئی وحشی پہرہ دے ر
ہو۔ اس لیے ناگ نے یہی مناسب خیال کیا کہ وہ سان
کی شکل میں اندر جا کر پہلے حالات کا جائزہ لے۔

پس وہ اسی وقت سانپ بن گیا اور غار کے منہ
رکھے ہوئے پتھر کے پیچھے ایک سوراخ سے غار میں دا
ہو گیا۔ غار کے اندر اندھیرا تھا۔ راستہ تنگ تھا، بس ای
آدمی جھک کر گزر سکتا تھا۔ آگے جا کر غار کھلا ہو گیا
سانپ رینگتا چلا گیا۔ غار دائیں جانب مڑ گیا۔ سامنے اک
کوٹھڑی سی بنی تھی جس کے آگے مشعل جل رہی تھی
اس کی روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ کوٹھڑی کا دروا
نہیں تھا۔

اس کے باہر ایک وحشی تلوار ہاتھ میں لیے پہرہ
دے رہا تھا۔ ضرور لڑکی کا قیدی باپ اس کوٹھڑی
میں ہو گا۔ یہ سوچ کر ناگ نے دیوار پر آگے کی
طرف رینگنا شروع کر دیا۔ اب آگے روشنی تھی اور
وہ دیوار پر رینگتا ہوا نظر آ سکتا تھا۔ وحشی بڑا چوکس
ہو کر پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ چھت کی طرف ہو گیا اور
آہستہ آہستہ رینگتا ہوا کوٹھڑی کے اندر داخل ہوا، کوٹھڑی
کے اندر اندھیرا تھا۔ مگر باہر جلتی مشعل کی ہلکی ہلکی روشنی
اندر بھی آ رہی تھی۔

ناگ نے غور سے چاروں طرف دیکھنا شروع کیا۔
اُسے کونے میں ایک انسان کا سمٹا ہوا سایہ نظر آیا ناگ
رینگتا ہوا کونے میں آ گیا۔ اوپر دیوار سے اس نے دیکھا
کہ ایک بوڑھا آدمی جس کے کپڑے تار تار ہو چکے تھے
رسیوں کے ساتھ ایک پتھر سے بندھا سکڑا بیٹھا تھا اس
کے سر کے بال کٹے ہوئے تھے۔ ضرور یہی ماریانہ کا
باپ ہو گا۔ یہ سوچ کر ناگ واپس آ گیا۔

اب وہ سب سے پہلے باہر پہرہ دیتے ہوئے
وحشی سے نپٹنا چاہتا تھا۔ اس نے باہر آ کر کونے میں
سمٹ کر غور سے پہرے دار کو دیکھنا شروع کر دیا۔

پہرے دار کی گردن اوپر اُٹھی ہوئی تھی، سر کے لمبے بال
گردن پر پڑے تھے تلوار کندھے پر رکھی تھی اور
مشعل کی روشنی میں وہ چاروں طرف گھور گھور کر
دیکھ رہا تھا۔ شاید اس نے اپنے ارد گرد سانپ کی
خاص قسم کی بو سونگھ لی تھی، جنگلی لوگ بڑے ہوشیار ہوتے
ہیں اور انہیں جانوروں کی بو آجاتی ہے

اس وحشی نے بھی سانپ کی خاص قسم کی بو کو محسوس
کر لیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ چوکنا ہو کر ادھر ادھر
دیکھ رہا تھا۔ ناگ کچھ حیران سا ہوا کہ یہ وحشی چاروں
طرف گھور گھور کر کیا دیکھ رہا ہے۔ کہیں وہ اسے تلاش
تو نہیں کر رہا؟ اتنے میں وحشی کی نظر سانپ پر پڑ چکی تھی
اُس نے سانپ کو دیوار کے ساتھ کونے میں ایک جگہ سمٹ
کر بیٹھے دیکھ لیا تھا۔

بس پھر کیا تھا وحشی نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر۔ تاک
کر اپنی تلوار سانپ کی طرف اچھال دی۔ اگر ناگ پھرتی نہ
دکھاتا تو آج اس کا کام تمام ہو گیا تھا۔ تلوار اس کے
قریب آکر پتھروں سے لگ کر اچھلی اور دور جا گری۔ وہاں
سے پتھروں میں سے چنگاریاں سی چھوٹیں اور پتھر کے ٹکڑے
اڑ کر ناگ کے جسم کو لگے۔ اب ناگ نے اپنا بچاؤ شروع

گیا۔ کیونکہ وحشی نے زمین پر رکھا ہوا تیر کمان اٹھا لیا تھا۔
اور نشانہ باندھ کر ناگ پر دو تیر چلا چکا تھا، یہ دونوں تیر
ناگ کے دائیں بائیں آکر گرے تھے۔

ناگ اچھل کر چھت کی طرف بھاگا۔ مگر مکار وحشی کی نظریں
اس کا برابر پیچھا کر رہی تھیں۔ اُس کے پاس کافی تیر تھے
اور وہ ایک کے بعد دوسرا تیر پھینکے جا رہا تھا، ناگ کی جان
عجب مصیبت میں پھنس گئی تھی۔ اب اس کے پاس سوائے
اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ کوئی ایسی شے بن کر وحشی
کے سامنے آئے کہ جس پر اُس کے تیروں کا زیادہ اثر
نہ ہو سکے۔

وحشی کمان میں جوڑ جوڑ کر تیر چلا رہا تھا، اچانک کیا
ہوا کہ اُس کے سامنے اندھیرے سے نکل کر ایک لمبی
سونڈھ اور لمبے نوکیلے دانتوں والا خوفناک ہاتھی چنگھاڑتا
ہوا بڑھا۔ وحشی کی جان ہوا ہو گئی۔ اُس نے پہلے کبھی
کوئی ہاتھی نہ دیکھا تھا۔ جزیرے پر کوئی ہاتھی نہیں تھا
وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ تیر کمان اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔
وہ باہر کی طرف بھاگا مگر ناگ نے اسے مہلت نہ دی
اور سونڈ بڑھا کر اُسے لپیٹ لیا۔

ناگ نہیں چاہتا تھا کہ وہ باہر جا کر دوسرے وحشیوں کو

خطرے سے آگاہ کردے۔ اُس نے وحشی کو اپنی سونڈ
میں لپیٹ کر اوپر اٹھایا اور پھر زور سے زمین پر پٹخ د
وحشی کی ہڈی پسلی ایک ہوگئی اور وہ اگلی دنیا کی طر
نکل گیا۔ کچھ شور اندر بیٹھے ماریانہ کے باپ نے
سن لیا تھا۔ اور حیران تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ پھر اُ
نے مشعل کی روشنی میں ہاتھی کی ایک جھلک دیکھی تو دنگ
گیا کہ یہ ہاتھی غار میں کہاں سے آگیا؟ پہلے تو وہ سمجھا کہ
جزیرے کے آدم خوروں نے ہاتھی کسی جگہ چھپا کر رک
تھا جسے وہ اب سامنے لے آئے ہیں اور شاید اس پ
بٹھا کر وہ اُسے لینے آئے ہیں تاکہ بڑی شان سے آ
آگ میں پکایا جائے۔ لیکن پھر اچانک خموشی چھا گئی
پھر کسی ہاتھی کی آواز آئی اور نہ اس کے بعد کوئی آ
خود ہی اندر آیا۔

ماریانہ کا باپ کمزور نظروں سے باہر دیکھنے کی کو
کر رہا تھا۔ اچانک اندھیرے میں اسے ایک نوجوان
دیا۔ جس نے شہر کے لوگوں ایسے کپڑے پہن رکھے
بڑا حیران ہوا کہ یہ نوجوان اس جزیرے میں اور پ
غار میں کہاں سے آگیا؟ ابھی وہ اس طرف حیرانی
دیکھ ہی رہا تھا [illegible] نے قریب آکر پوچھا

"کیا آپ ماریانہ کے باپ ہیں؟"

"ہاں ۔ ۔ ۔ مگر ۔ ۔ ۔ مگر تم کون ہو؟ کیا تم میری
بیٹی کو جانتے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"نہ صرف جانتا ہوں بلکہ وہ اس جزیرے میں اِس
وقت موجود ہے۔ اور ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔"

ماریانہ کا باپ سر پر ہاتھ مار کر بولا۔

"یہ تم نے میرے ساتھ کیا ظلم کر دیا کہ میری بیٹی کو
بھی اس جزیرے پر لے آئے۔ میں تو مرنے والا ہی
تھا لیکن میری بیٹی کو موت کے منہ میں کیوں دھکیل رہے
ہو۔ تمہیں کس نے کہا تھا کہ ان آدم خوروں کی بستی میں
میری بچی کو بھی لے آؤ۔"

ناگ مسکرایا۔

"آپ گھبرائیں نہیں۔ آپ کی بچی بڑی محفوظ جگہ پر ہے
اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور ہم آپ کو بھی اس
جگہ لے جا رہے ہیں۔"

ماریا کا باپ سر جھکا کر بولا۔

"اس جزیرے پر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جو ان ظالم
آدم خوروں کی نظروں سے بچی ہوئی ہو۔ جو کوئی بھی ایک

باراس جزیرے پر آگیا اِن آدم خوروں کی خوراک بن کر رہ جا

ناگ نے کہا۔

"اِن باتوں کو چھوڑیئے اور میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔"

اور ناگ نے ماریانہ کے باپ کے پاؤں اور ہاتھوں پر بندھی ہوئی رسّیاں کھولنا شروع کر دیں۔ ماریانہ کا باپ بولا۔

"ابھی ابھی مَیں نے غار میں ایک ہاتھی دیکھا تھا۔ یہ ہاتھی کہاں سے آگیا تھا۔؟"

ناگ نے کہا۔

"آپ کا وہم ہوگا۔ یہاں ہاتھی کس طرح سے آسکتا ہے"

ناگ ماریانہ کے باپ کی رسیّاں کھول رہا تھا اور اسے بالکل خبر نہیں تھی کہ آدم خور اپنے شکار کو لینے آرہے ہیں۔ آدم خور تلواریں لہراتے غار کے دروازے پر آ کر رُک گئے۔ انہوں نے پتھر ہٹایا اور غار میں داخل ہو گئے۔ اندر آکر انہوں نے اپنے ساتھی کی لاش دیکھی تو شور مچا دیا۔

اس کا شور سن کر ناگ اور ماریانہ کا باپ پریشان ہو گئے۔

ماریانہ کا باپ تو نیم بے ہوش ہوگیا۔ اسے اپنی موت سامنے نظر آنے لگی تھی۔ ناگ بھی پریشان ہوا کہ پندرہ بیس آدم خوروں کا مقابلہ کس طرح سے کیا جائے گا؟"

ناگ نے جلدی سے آخری رسی کھولتے ہوئے ماریانہ کے باپ سے کہا۔

"کونے کے پتھروں کے پیچھے چھپ جاؤ اور خبردار اپنی جگہ سے نہیں ہلنا۔"

ماریانہ کا بوڑھا باپ جلدی سے پتھروں کے پیچھے چھپ گیا، وحشی کوٹھڑی کی طرف تلواریں لہراتے ہوئے بڑھے کہ دیکھیں اُن کا شکار اندر ہے کہ نہیں؟ اسی دوران میں ناگ نے ایک بھیانک چہرے والے ایک بہت بڑے اژدہا کا روپ دھار لیا اور اس کے منہ سے آگ نکلنے لگی۔ اس آگ کی پچکاری نے دیکھتے دیکھتے چھ سات آدم خوروں کو جلا کر بھسم کر دیا۔

اپنے سامنے ایک خوفناک اژدہا کو دیکھ کر جس کے منہ سے آگ نکل رہی تھی آدم خور ڈر کے پیچھے کو بھاگے۔ اژدہا ان کے پیچھے لپکا۔ آدم خور غار سے باہر نکل کر چٹانوں کے پیچھے چھپ گئے، اب انہوں نے اژدہا پر تیر چلانے شروع کر دیے۔ یہ حملہ ناگ کے لیے خطرناک ہو

سکتا تھا۔ وہ واپس غار میں گھس گیا۔ اس نے ایک
بار پھر انسان کی شکل اختیار کی اور بھاگ کر ماریانہ
کے باپ کے پاس آیا۔ وہ پتھروں کے پیچھے سہما
بیٹھا تھا۔ شاید اس نے اژدہا کو دیکھ لیا تھا۔ وہ
حیران ہو رہا تھا کہ یہ ہاتھی کے بعد اژدہا غار میں
کہاں سے آگیا۔ ناگ نے آتے ہی کہا۔

"جلدی سے باہر نکل چلو۔ میرے ساتھ آؤ"

وہ اٹھ کر ناگ کے پیچھے پیچھے چلا۔ ناگ نے
غار کے منہ پر آکر باہر دیکھا۔ آدم خور تیر کمانوں
میں جوڑے ہوئے ہولے ہولے غار کی طرف بڑھ رہے تھے ناگ
نے واپس پلٹ کر کہا۔

"میرے کندھے پر بیٹھ جاؤ"

ماریانہ کا باپ اس کا منہ تکنے لگا۔

"مگر تم مجھے لے کر کیسے دوڑو گے۔ قدم قدم پر
آدم خور تیر کمان لیے کھڑے ہیں؟"

ناگ نے غصے میں آکر کہا۔

"باتیں نہ بناؤ جلدی کرو بیٹھو میرے کندھے پر"

ماریانہ کا باپ چپ چاپ ناگ کے کندھے پر
بیٹھ گیا۔ ناگ اسے لے کر غار کے دروازے پر

آیا۔ پھر ماریانہ کے باپ نے دیکھا کہ وہ کسی انسان کی
بجائے ایک بہت بڑے راج ہنس کے کندھے پر
بیٹھا ہے۔ یہ راج ہنس کسی گھوڑے کی طرح بڑا تھا
اور وہ غار سے باہر نکل کر بجلی ایسی تیزی کے ساتھ
اڑا اور پلک جھپکنے کے ساتھ چٹانوں اور درختوں
کے اوپر آگیا۔ آدم خور پہلے تو حیران ہو کر پیچھے ہٹے
پھر انہوں نے راج ہنس پر تیر برسانے شروع کر دیے
مگر راج ہنس ان کی زد سے باہر تھا اور آسمان
پر اڑ رہا تھا۔

ماریانہ کا باپ سہما ہوا راج ہنس کے کندھوں
سے چمٹا بیٹھا تھا اور نیچے زمین کو دیکھ دیکھ کر ڈر رہا
تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار ہوا میں اڑا تھا اور نیچے درختوں
اور چٹانوں کو چھوٹا ہوتا دیکھ دیکھ کر گھبرا رہا تھا سب
سے زیادہ تو اسے اس بات کی حیرانی تھی کہ ایک انسان
اچانک راج ہنس کیسے بن گیا، ہو نہ ہو یہ شخص جادوگر
ہے اور یہی ہاتھی بنا تھا۔

راج ہنس اڑتے اڑتے اس جگہ پر آگیا جہاں سمندر
کے کنارے چٹان کے پاس اڑن طشتری کھڑی تھی۔ وہ نیچے
اتر آیا زمین پر اترتے ہی ناگ پھر سے انسان بن گیا

اور ماریانہ کے باپ نے دیکھا کہ وہ اسی طرح انسان کے کندھوں پر بیٹھا ہے۔ ناگ نے اسے نیچے اتار دیا۔ ماریانہ کا باپ کبھی اڑن طشتری کو اور کبھی ناگ کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

اڑن طشتری میں سے ماریا اور عنبر نے ناگ کو دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔ ناگ ماریانہ کے باپ کو لے کر اندر داخل ہو گیا۔ ماریانہ کا باپ اندر داخل ہو کر اُڑن طشتری کی مشینوں کو دیکھ کر اور پاگل ہو گیا۔ عنبر نے اُس سے ہاتھ ملا کر کہا۔

"آپ گھبرائیں نہیں۔ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ بہرحال آپ کی پیاری بیٹی آپ کا انتظار کر رہی ہے۔"

اُس نے ماریانہ کو آواز دی۔ وہ دوسرے کمرے سے نکل کر آئی اور اپنے باپ سے لپٹ گئی۔ ماریانہ کے باپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ دیر تک اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ بھوک پیاس اور مصیبتوں نے ماریانہ کے باپ کو ادھ موا کر رکھا تھا۔ اسی وقت سے نہلا کر نئے کپڑے دیے گئے۔ اسے بہترین کھانا

کھلایا گیا اور پھر وہ سو گیا۔ شام کو سو کر اُٹھا تو عنبر سے پوچھنے لگا۔

"میرے بیٹے آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ یہ کیا شے ہے۔ میں نے اس قسم کی شے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کچھ بھی نہیں سمجھ سکیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ اس بارے میں سوال نہ کریں، بس یہ سمجھ لیں کہ ہم آپ کی مدد کے لیے آئے تھے۔ ماریانہ ہماری بہن ہے اور ہم اس کی مدد کرنا چاہتے تھے۔"

ماریانہ نے کہا۔

"پاپا! خدا کا شکر ہے کہ آپ زندہ مل گئے۔ یہ لوگ بڑے ہمدرد انسان ہیں انہوں نے مجھے بھی موت کے منہ سے بچایا ہے۔"

ماریانہ کا باپ بولا۔

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان دیکھتے دیکھتے راج ہنس بن جائے؟"

ناگ نے ہنس کر کہا۔

"ابھی آپ بہت سی باتیں دیکھیں گے کہ جن پر

آپ حیران ہوں گے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ خاموش رہیں۔ کیونکہ اَب ہم آپ کو لے کر آپ کے شہر روم جا رہے ہیں جہاں آپ کے سوتیلے بھائی نے آپ کی جائیداد اور محل واپس لے کر آپ کو دینا ہے۔"

"تو آپ نے میری ساری کہانی سن رکھی ہے۔"

"ہمیں آپ کی بیٹی نے سب کچھ بتا دیا تھا۔"

عنبر نے کہا۔

"ہم رات آرام کریں گے اور صبح اس جزیرے سے روم شہر کی طرف اڑ جائیں گے۔"

"ماریانہ کے باپ نے تعجب سے پوچھا۔

"اڑ جائیں گے"

ماریانہ نے کہا۔

"ہاں پاپا! یہ مکان ایک اڑن کھٹولا ہے اور ہوا میں اڑتا ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ماریانہ کا باپ بولا

"آپ کل خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے"

آدھی رات کو جبکہ اڑن طشتری میں سوائے ناگ کے سب لوگ سو رہے تھے۔ جزیرے کے آدم خور وحشی اپنے شکار کو تلاش کرتے کرتے ساحل سمندر پر بھی آ گئے۔ انہوں

نے مشعلیں جلا رکھی تھیں اور نیزے ہاتھوں میں تھے۔ اب جو انہوں نے ایک چٹان کے پاس ایک چمکتی ہوئی گول گول اڑن طشتری دیکھی تو اپنی جگہ پر ایک پل کے لیے بت بن کر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ وہ حیران تھے کہ یہ کیا شے ہے اور یہاں کیسے آ گئی؟

ناگ بھی اڑن طشتری کی کھڑکی میں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ آدم خور اڑن طشتری کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے اڑن طشتری پر تیر چلا دیا جو اس کی مضبوط سطح سے ٹکرا کر اچٹ کر دور جا پڑا۔ اس کے ساتھ ہی آدم خوروں نے تیروں کی بارش شروع کر دی اور شور مچانا شروع کر دیا۔

شور کی آواز سن کر ماریانہ۔ ماریانہ عنبر اور ماریانہ کا باپ بھی جاگ پڑے۔ انہوں نے آدم خوروں کو حملہ کرتے دیکھا تو ماریانہ کا باپ اور ماریانہ گھبرا گئی۔

"اب کیا ہو گا؟ یہ لوگ ہمارے اڑن کھٹولے کو آگ لگا دیں گے"

عنبر نے کہا۔

اگر یہ خود آگ میں جل کر بھسم جائیں تو پھر تم کیا کہو گی"

"ماریانہ کے باپ نے پریشان ہو کر کہا۔

"وہ خود کیسے جلیں گے وہ تو اڑن کھٹولے کو آگ لگانے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ وہ ہمیں زندہ جلا کر راکھ کر دیں گے"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"عنبر کیا خیال ہے۔ اِن آدم خوروں کو سبق سکھا دیا جائے؛ خدا جانے اِن ظالموں نے کتنے انسانوں کو ہلاک کر کے پکا کے کھایا ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ ان آدم خوروں کو ان کے گناہوں کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔"

عنبر نے کہا۔

"ضرور ملنی چاہیے"

اس کے ساتھ ہی ناگ نے پینل پر بیٹھ کر بٹن دبا دیا۔ بٹن کے دبتے ہی اڑن طشتری میں سے آگ کا ایک شعلہ سا نکل کر آدم خوروں کی طرف لپکا۔ اِس آگ کے دھماکے میں کتنے ہی آدم خور بھک سے اڑ گئے۔ خوف زدہ ہو کر باقی آدم خور پیچھے کو دوڑے۔ پھر رک کر آگے بڑھے۔ ناگ نے ایک حملہ اور کیا۔ اس بار بھی کتنے ہی آدم خور بھسم ہو گئے۔ اب میدان صاف تھا۔

ماریانہ کی حویلی

باقی رات آرام سے کٹ گئی۔

کسی آدم خور نے دوبارہ اڑن طشتری پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کی۔ صبح ہوئی جزیرے میں روشنی پھیل گئی تو عنبر نے روم کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ ناگ پینل پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے لیور دبا کر سٹک آگے کو کر دی۔ اڑن طشتری کے نیچے سے ایک ہلکے سے شور کے ساتھ روشنی خارج ہونے لگی اور اس کے ساتھ ہی اڑن طشتری اوپر اٹھی اور درختوں کے اوپر آ گئی۔ ناگ نے ایک دوسرا بٹن دبایا اور وہ جزیرے پر اڑنے لگی۔

آدم خوروں نے جب اڑن طشتری کو جزیرے کے اوپر اڑتے دیکھا تو خوف سے پاگل ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ اڑن طشتری نے جزیرے پر ایک چکر لگایا اور پھر وہ سمندر کے اوپر آ کر مغرب کی طرف روانہ ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

ماریانہ کا باپ یہ سارا نظارہ حیرت سے دیکھ رہا تھا تجارت کے سلسلے میں اس نے کئی بار بادبانی بحری جہا

یں سمندر میں سفر کیا تھا مگر ہوا میں سفر کرنے کا یہ پہلا
موقع تھا۔ وہ اڑن طشتری کے ایک ایک پرزے۔ ایک
ایک بٹن کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ مگر اس کی سمجھ میں
کچھ نہیں آرہا تھا۔ نیچے سمندر کی لہریں چھوٹی چھوٹی ٹنگ
رہی تھیں اور اڑن طشتری اس کے اوپر تیزی سے
اڑی جا رہی تھی۔ عنبر نے راستے کا نقشہ سیٹ کر دیا تھا اور
وہ نقشے کے مطابق جا رہے تھے۔

روم کا ملک وہاں سے کافی دُور تھا۔ مگر راڈار
اور نقشہ ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ دوپہر کے وقت اڑن
طشتری کی سکرین پر ناگ عنبر ماریانہ اور ماریانہ نے
دور سمندر میں ایک ہرے بھرے ملک کو ابھرتے ہوئے
دیکھا۔ نقشہ بتا رہا تھا کہ یہی ملک روم کا ملک ہے۔
ماریانہ کے باپ نے بھی اپنے ملک کو پہچان لیا اور
کہا۔

"یہی میرا وطن ہے"

اڑن طشتری اب اٹلی کے جنگلوں اور پہاڑوں پر
اڑ رہی تھی۔ آدھ گھنٹے بعد وہ روم کی وادی میں آ
گئے۔ ماریانہ کے باپ نے خوشی سے اچھل کر کہا
"یہ میرا وطن ہے روم۔ میرا شہر ہے، وہ دیکھو سامنے

والی پہاڑی پر دیوی کا مندر ہے۔ اس کے عقب میں شہر
کی شمالی سمت میں میرا مکان ہے"
عنبر نے ناگ سے کہا۔

"اڑن طشتری کو کسی محفوظ جگہ پر اتار دو۔ اسے شہر
میں لے جانا ٹھیک نہیں۔"

اڑن طشتری کافی اونچی اڑ رہی تھی۔ آسمان پر
بادل چھائے ہوئے تھے جس کی وجہ سے شہر کے
لوگ اسے نہیں دیکھ سکے تھے۔ ناگ نے بادلوں
کے اندر ہی اندر اڑن طشتری کو گھما کر ۵۰ ڈگری
پر موڑ دیا۔ سکرین پر اب ان کے سامنے ایک
پہاڑی ڈھلان تھی۔ جہاں اونچے اونچے درخت
کھڑے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"ان درختوں میں کسی جگہ اڑن طشتری کو اتار
دو" ناگ نے کہا۔

"درخت بڑے گھنے ہیں۔ میں کوشش کر رہا
ہوں کہ مجھے اترنے کے لیے کوئی محفوظ جگہ مل جائے"
آخر ایک جگہ نظر آگئی جہاں درختوں کے درمیان ایک
چھوٹا سا زمین کا خالی ٹکڑا تھا جہاں گھنی جھاڑیاں
اُگی تھیں اور ارد گرد اونچی اونچی چٹانیں کھڑی تھیں۔

ہیں یہاں اتارنے لگا ہوں۔"

ناگ نے اڑن طشتری کو گھمایا اور بڑے سکون کے ساتھ اُسے اتار دیا۔ مشین بند ہو گئی۔ ناگ نے بٹن اوف کر دیے۔ انہوں نے شیشے کی گول کھڑکیوں میں سے جھانک کر باہر دیکھا۔ آسمان پر گہرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ ایک دو بار بادل زور سے گرجا اور پھر بارش شروع ہو گئی، بارش بڑی موسلا دھار تھی۔ اڑن طشتری میں بالکل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ صرف چھت پر بارش گرنے کی ہلکی ہلکی آواز آ رہی تھی۔

عنبر نے کافی بنائی۔ سب نے پی۔ ماریا کا تعارف ابھی ماریانہ کے باپ سے نہیں کرایا گیا تھا۔ اس خیال سے کہ وہ اور زیادہ حیران ہو جائے گا۔ ماریانہ نے عنبر سے کہہ دیا تھا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے عنبر نے ماریانہ سے کہا

"ماریانہ اب تمہیں ہماری رہنمائی کرنی ہوگی۔"

ماریانہ نے کہا۔

"میں تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔ یہ میرا شہر

ہے۔ میں اس کے چپے چپے سے واقف ہوں"

عنبر مسکرایا۔ ناگ نے کہا۔

"نہیں ماریانہ! تمہیں ہمارے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ بس تم صرف ہمیں اپنے مکان کا پتہ بتا دو اور اپنے سوتیلے چچا کا حلیہ بیان کر دو۔"

ماریانہ کا باپ بولا۔

"یہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں"

پھر اُس نے بتایا کہ اس کا حویلی نما شہر کے مغرب ـ پہاڑی میں واقع محلے میں سمندر کے ـ ہے۔ اس کی چھت کے اوپر ایک سنگِ مرمر کا بت لگا ہے۔ یہ عورت کا بت ہے جس نے ہاتھ میں بربط تھام رکھا ہے۔

"میرے سوتیلے بھائی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ ایک آنکھ سے محروم ہے۔ اُس نے بائیں آنکھ پر سیاہ چمڑا چڑھا رکھا ہے۔ اس کا نام اناطونی ہے۔"

عنبر نے کہا

"بس ٹھیک ہے اب یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو!

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اُسے قتل کر دیا جائے یا یہ
چاہتے ہو کہ اُسے پکڑ کر تمہارے سامنے پیش
کیا جائے ؟"

ماریانہ کے باپ نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ جس طرح اس نے مجھے اور
میری بیٹی کو بے یار و مددگار آدم خوروں کے
جزیرے پر چھوڑ دیا تھا۔ اسی طرح اسے بھی آدم
خوروں کے جزیرے پر چھوڑ دیا جائے۔"

ناگ نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا۔"

بارش ابھی موسلا دھار ہو رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"اگر ہم نے بارش کے رُکنے کا انتظار کیا تو دیر
ہو جائے گی کیونکہ بارش رکنے والی نہیں ہو رہی
بادل بڑے گھنے ہیں۔"

ناگ بولا۔

"میں نکل جاتا ہوں"

عنبر نے کہا۔

"تمہیں یہاں کے لوگوں ایسا لباس پہننا ہوگا تاکہ
تمہیں اجنبی نہ خیال کیا جائے۔"

پھر عنبر نے اڑن طشتری کے خاص کمرے میں سے ناگ کو
رومن لباس لا کر دیا جو چمڑے کی جیکٹ، ایک لمبے
چغے اور چپل پر مشتمل تھا۔ ناگ نے بارش سے بچنے
کے لیے سر پر ایک لمبا سا اوورکوٹ نما کمبل ڈال لیا
اور وہ اڑن طشتری سے باہر نکل گیا۔ نکلنے سے پہلے
اس نے رومن قوم کا سکہ اور ایک ریوالور جیب میں
رکھ لیا تھا جس میں گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ وہ پہاڑی
کی ڈھلان پر سے آنے لگا۔ بارش خوب ہو رہی تھی کیچڑ
کی وجہ سے اس کا پاؤں پھسل جاتا تھا۔ ناگ نے ایک
درخت کی اوٹ میں کھڑے ہو کر ایک گہرا سانس لیا اور
عقاب بن کر اڑنا شروع کر دیا۔ وہ پہاڑی سے اتر
نیچے وادی میں آگیا۔ اڑتے اڑتے وہ بھیگ گیا۔ مگر وہ
پروں کو زور سے جھٹک دیتا تھا جس سے بارش کے قطرے
گر جاتے تھے۔ آخر اس نے ایک کچی سڑک دیکھی جو شہر
روم کی طرف جا رہی تھی وہ اس سڑک پر آکر ایک جگہ
درخت کے سائے میں اتر گیا۔

یہاں وہ پھر سے انسان کی شکل میں آگیا۔

ابھی اُسے کھڑے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ ایک بوڑھا
آدمی بھی وہاں آکر کھڑا ہوگیا اور اپنی موٹی فرغل جھاڑ

کر رومن زبان میں بولا۔

"بڑی بارش ہو رہی ہے۔ روم میں ایسی بارشیں ہوا ہی کرتی ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"ہاں! ایسی بارشیں بہت ہوتی ہیں"

ناگ کا رنگ اتنا گورا نہیں تھا۔ رومن لوگوں کے رنگ گورے تھے۔ اس بوڑھے آدمی نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم مجھے رومن نہیں لگتے۔ کیا تم باہر سے آئے ہو"

ناگ نے کہا۔

"ہاں میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ تاجر ہوں۔ پرانے تاریخی برتنوں کا کاروبار کرتا ہوں۔ سال میں دو ایک بار روم آنا پڑتا ہے۔"

"خوب! یہاں تم کس جگہ ٹھہرے ہوئے ہو؟"

اب ناگ پریشان ہوا کہ کیا بتائے وہ کس جگہ ٹھہرا ہوا ہے۔ اسے تو کسی محلے کا نام بھی نہیں آتا تھا پھر بھی گول مول سا جواب دیتے ہوئے بولا۔

"شمالی محلے کی سرائے میں اترا ہوں، میں ہمیشہ وہیں ٹھہرا کرتا ہوں۔"

شاید وہ بوڑھا کچھ اور پوچھتا کہ اندر سڑک پر ایک بگھی دکھائی دی بوڑھے کی توجہ بھی اس طرف ہو گئی۔

"گاڑی آ گئی میرا خیال ہے یہ گاڑی تمہیں شمالی محلے میں پہنچا دے گی۔ میں بھی وہیں جا رہا ہوں"

ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ دل میں پریشان ضرور ہوا کہ بوڑھا اس کے ساتھ کیوں جا رہا ہے۔ خدا جانے شمالی محلے میں جا کر کسی مصیبت میں ڈال دے، اتنے میں دو گھوڑوں والی پرانی قسم کی بگھی جو مسافروں کو لاتی لے جاتی تھی۔ درخت کے آگے آ کر رک گئی۔ ایک موٹا بھینسے ایسا رومن نوجوان منہ سر کمبل میں لپیٹے اوپر بیٹھا تھا۔ اُس نے چلا کر کہا۔

"جلدی سے سوار ہو جاؤ"

ناگ اور بوڑھا رومن بگھی میں گھس گئے۔ یہاں کتنے ہی آدمی پہلے ہی سے ٹھنسے ہوئے تھے۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ اترنے ہی والا تھا کہ بگھی ہوا سے باتیں کرنے لگی، موسلا دھار بارش میں بگھی کچے اور پھر شہر کے پتھریلے راستوں سے ہوتی ہوئی روم شہر کے گنجان علاقوں سے گزرتی شمالی محلے میں آ کر ایک جگہ رک گئی۔

بوڑھے رومن نے کہا۔

"شمالی محلہ آگیا ہے"

ناگ چھلانگ لگا کر بگھی سے باہر آگیا۔ بوڑھا بھی اس کے پیچھے اتر پڑا۔ بارش ابھی تک ہو رہی تھی بوڑھا ناگ کو کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ناگ لپک کر ایک بازار کے کونے میں مڑ گیا اور سامنے ایک ایسی دوکان نظر آئی جس کے اندر آگ جل رہی تھی اور کچھ رومن لکڑی کے بڑے میزوں کے آس پاس بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور کافی پی رہے تھے۔ سردی یہاں بہت زیادہ تھی۔ ناگ نے سوچا کچھ وقت اس دکان یا ہوٹل یا سرائے میں جا کر گزارنا چاہیے تا کہ دماغ ٹھکانے آئے۔

ناگ دوکان کے اندر آکر ایک میز کے ساتھ لگی لکڑی کی بنچ پر بیٹھ گیا۔ دوکان یا ہوٹل کی فضا بڑی خوشگوار اور نیم گرم تھی۔ کچھ لوگوں نے گھوم کر ناگ کو دیکھا کیونکہ اس کا رنگ سانولا تھا اور صاف لگتا تھا کہ مقامی آدمی نہیں ہے۔ پھر یہ لوگ اپنے اپنے کام میں لگ گئے نوکر نے آکر رومن زبان میں ناگ سے پوچھا۔

"کیا کھاؤ گے؟ کیکڑا۔ بھینسے کی زبان، ریچھ کا مغز یا سور کی ران؟" ناگ نے ناک سکوڑ کر کہا۔

"ان میں سے کچھ بھی نہیں کھاؤں گا، مجھے تو صرف گرم گرم قہوہ کی پیالی لا کر دے دو۔"

رومن ذکر نے نفرت سے منہ دوسری طرف کر لیا اور چلا گیا۔ ناگ کا خیال تھا کہ شاید وہ قہوہ نہیں لائے گا۔ مگر تھوڑی دیر بعد وہ ایک تانبے کے مگ میں قہوہ بھر کر لے آیا۔ ناگ نے جیب سے پیسے نکال کر اُسے دیدیئے کیونکہ اُسے معلوم ہو گیا تھا کہ یہاں خریدے ہوئے سودے کے پیسے پہلے ادا کر دیے جاتے ہیں۔

ناگ بڑے آرام سے قہوہ پینے لگا۔ دکان کی فضا بڑی نیم گرم اور پر سکون تھی۔ باہر سردی تھی مگر یہاں سردی بالکل نہیں تھی۔ گرم گرم قہوے کا ایک گھونٹ پینے کے بعد ناگ نے اپنے بدن میں سکون محسوس کیا۔ اب اس نے دوسرے گاہکوں کا جائزہ لیا۔ ناگ نے دیکھا کہ دور میز کے ساتھ بیٹھے ہوئے دو ہٹے کٹے رومن سپاہی اُسے گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں اور آپس میں ہنس بھی رہے ہیں۔ صاف لگتا تھا کہ وہ اس کے رنگ کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

ناگ نے زیادہ خیال نہ کیا اور قہوہ پیتا رہا اور سوچتا رہا کہ بارش کے بعد وہ ماریانہ کے

چچا اناطولی کا مکان تلاش کر کے اس کی حویلی میں
جائے گا اور اسے کسی طرح سے اغوا کرنے کی کوشش
کرے گا۔ کیونکہ عنبر کا حکم یہی تھا کہ اسے اغوا کر
کے لایا جائے تاکہ اسے بھی آدم خور جزیرے
میں چھوڑ دیا جائے۔

ابھی ناگ نے آدھا قہوہ ہی پیا تھا کہ وہی
دونوں رومن سپاہی اپنی جگہ سے اُٹھے اور ناگ
کی طرف بڑھے۔ ان کے جسموں پر سپاہیوں کی
وردی تھی۔ چمڑے کا لباس تھا۔ سینے پر لوہے کی
ڈھال چڑھی تھی اور کمر کے ساتھ خنجر لٹک رہے
تھے۔ وہ بڑے اونچے لمبے اور ہٹے کٹے تھے۔
بالکل بھینسے لگ رہے تھے۔ موٹی گردنیں تھیں
اور بازو ریچھ کے بازوؤں کی طرح لٹک رہے تھے
دونوں ناگ کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ پھر
ایک سپاہی نے جھک کر ناگ کو دیکھا۔ اور کہا۔

"ارے کالے کوّے! کیا تم قبرستان سے
آئے ہو؟"

ناگ کو غصہ تو بڑا آیا مگر وہ پی گیا۔ مسکرا کر بولا۔
"جی ہاں! میں قبرستان سے آیا ہوں۔"

اس پر انہوں نے قہقہہ لگایا۔ پھر دوسرے سپاہی نے
ناگ کے سر پر زور سے ایک چپت لگائی اور کہا۔
"حرامی! قبرستان کے کتے"

ناگ کا خون ایک دم کھول اُٹھا۔ اس نے اُٹھ کر
ایک زور دار گھونسہ سپاہی کے منہ پر مارا۔ مگر اس
پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ اس نے
طیش میں آکر ناگ کو زبردست گالی دی اور خنجر نکال
کر ناگ پر زبردست حملہ کر دیا۔ ناگ اچھل کر پرے
ہٹ گیا۔ دکان کے سارے لوگ اپنی اپنی جگہوں پر
کھڑے ہو کر مقابلہ دیکھنے لگے اور اپنے سپاہیوں
کا حوصلہ بڑھانے لگے۔

"مار ڈالو۔ اس کالے کوّے کو۔ یہ رومن نہیں
ہے۔ یہ افریقہ کا کالا بندر ہے۔"

کوئی کہتا ہے۔

"اس کالے غلام کو ختم کر دو۔"

رومن سپاہیوں کا حوصلہ بڑھ گیا۔ دونوں نے خنجروں
سے ناگ پر حملہ کر دیا۔ اب ناگ کے لیے اپنا بچاؤ کرنا
مشکل ہو رہا تھا۔ وہ خواہ مخواہ اس شہر میں فساد نہیں
کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ ایک بڑے اہم مشن پر

وہاں آیا تھا اور یہ مشن خاموشی سے انجام دینا چاہتا تھا لیکن یہ بدکردار رومن سپاہی اُسے لڑائی جھگڑے پر اُکسا رہے تھے بلکہ اُسے قتل کرنا چاہتے تھے۔

ایک سپاہی نے بڑی پھرتی سے خنجر ناگ کی کمر پر مارا۔ اگر ناگ اچھل کر دور نہ ہوتا تو خنجر نے اس کا کام تمام کر ڈالا تھا۔ ابھی وہ سنبھلا ہی تھا کہ دوسرے سپاہی نے خنجر لہرا کر ایک نعرہ لگایا اور بھینسے کی طرح ناگ کی طرف دوڑا کہ خنجر اس کے سینے سے پار کر دے۔ اب ناگ کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ اپنی جان بچائے۔ تیزی کے ساتھ اتنی تیزی کے ساتھ کہ دکان میں بیٹھے کسی کو خبر نہ ہو سکی کہ کیا ہو گیا ہے۔ ناگ نے ریوالور نکال کر نالی کا رُخ سپاہی کی طرف کیا اور فائر کر دیا۔

ایک دھماکہ ہوا اور آگے بڑھتا ہوا رومن سپاہی ایک گینڈے کی طرح جھٹکا کھا کر منہ کے بل گرا اور اس کے سینے سے سرخ خون کا فوارہ نکل پڑا۔ یہ دیکھ کر سب پر دہشت طاری ہو گئی، ہر شخص اپنی جگہ پر کھڑے کا کھڑا رہ گیا، کسی کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ دھماکہ کس چیز کا تھا اور رومن سپاہی کو کس شے نے زمین

پر گرا دیا اور وہ کیا چیز تھی جس نے اسے خون میں نہلا دیا اس کا ساتھی اپنے دوست کی لاش اور خون دیکھ کر غصے سے پاگل ہو گیا اس نے ناگ پر خنجر سے حملہ کر دیا ناگ نے ریوالور ہاتھ میں پکڑے رومال میں چھپا رکھا تھا۔ وہ دکان سے باہر نکل رہا تھا کہ سپاہی اس کی طرف جھپٹا۔ ناگ نے ریوالور اٹھا کر سیدھا کیا اور دوسرا فائر کر دیا دوسرا رومن سپاہی بھی سینے کو تھام کر گر پڑا۔ گولی اس کے سینے پر لگی تانبے کی ڈھال میں سے گزر کر اس کے دل کو چیرتی دوسری طرف نکل گئی تھی۔ وہ گرتے ہی خون میں ڈوب کر تڑپنے لگا۔

"پکڑو پکڑو! قاتل کو پکڑو"

ناگ بازار میں نکل آیا۔ وہ بھاگا۔ لوگ قاتل قاتل پکڑو۔ پکڑو، پکڑو کا شور مچاتے اس کے پیچھے بھاگے۔ بازار میں اب بارش رک گئی تھی، ہر کوئی قاتل کا سن کر ناگ کے پیچھے دوڑ پڑا۔ اب حالت یہ ہو گئی کہ ناگ آگے آگے بھاگ رہا ہے اور لوگوں کا ہجوم اس کے پیچھے پیچھے ہے، کوئی پتھر مار رہا ہے کوئی لکڑی اس پر پھینک رہا ہے۔ ایک دوکان میں کچھ سپاہی بیٹھے تھے انہوں نے جو دیکھا کہ ایک قاتل بھاگا جا رہا ہے تو انہوں

نے اُسی جگہ سے نیزے ناگ پر اچھالے۔

ناگ گھبرا گیا کہ جان مصیبت میں پھنس گئی ہے۔ اب یہاں سے فرار ہونے کا وقت آگیا ہے۔ اس نے پن کر لوگوں کی طرف دیکھا اور کھڑا ہو گیا۔ اسے رکتے دیکھ کر ایک پل کے لیے لوگ بھی اپنی جگہوں پر رک گئے۔ ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر لوگوں نے دہشت بھری نظروں سے دیکھا کہ قاتل ایک دم سے غائب ہو گیا اور اسی جگہ پر سے ایک سیاہ عقاب زناٹے کے ساتھ آسمان کی طرف اُڑ گیا۔

"جادوگر تھا۔ جادوگر تھا یہ۔ بھاگو! بھاگو!"

کسی نے چلا کر کہا اور سب لوگ خوف کے مارے وہاں سے بھاگ گئے۔ ناگ اُڑتا اُڑتا شہر کے شمالی کنارے چلا گیا۔ اب سامنے سمندر کا ساحل تھا جس کے ساتھ ہی وہ بستی شروع ہو جاتی تھی۔ جہاں ماریانہ کے باپ کی حویلی تھی جس پر اس کے سوتیلے بھائی نے قبضہ کر رکھا تھا۔ ناگ یہاں اتر پڑا۔ وہ ایک جگہ سمندر کے کنارے جھاڑیوں میں اترا اور وہیں سے انسان کی شکل میں آکر باہر نکلا۔

سمندر میں دور بادبانی جہاز کھڑے تھے۔ کنارے پر

ماہی گیروں کی جھونپڑیاں تھیں۔ دوسری طرف بندرگاہ تھی جہاں کئی ایک کشتیاں اور بادبانوں والے تجارتی جہاز کھڑے تھے۔ زمین پر بارش کی وجہ سے کیچڑ تھا۔ ایک ریڑھا ناگ کے قریب سے گزرا جس پر سامان لدا ہوا تھا۔ ناگ نے شمالی محلے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

وہاں مکانوں کی قطار کھڑی تھی۔ ایک پتھریلے فرش والی گلی اندر جاتی تھی۔ ناگ ماریانہ کے باپ کی بتائی ہوئی نشانیوں کے مطابق آگے بڑھتا چلا گیا۔ آخر وہ اس مکان کے باہر پہنچ گیا۔ جس کی چھت پر ایک عورت کا بت لگا تھا جس نے اپنے ایک ہاتھ میں بربط تھام رکھا تھا۔

یہی مکان تھا ماریانہ کے باپ کا۔ ناگ نے اوپر سے نیچے تک مکان کو دیکھا۔ محل کی طرح کا مکان تھا۔ ایک کھلی سنگِ مرمر کے ستونوں والی ڈیوڑھی تھی۔ جس کے دروازے پر ایک رومن پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ اس کے قریب جا کر سلام کر کے کہنے لگا۔

"بھائی میں راستہ بھول گیا ہوں۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہاں مسافروں کے لیے رات گزارنے کے لیے کوئی سرائے کہاں پر ہے؟"

پہرے دار نے کہا۔

"تم کون ہو اور یہاں کس طرح آ گئے؟"

ناگ نے انکساری سے کہا۔

"بھائی میں سکندریہ کا رہنے والا ہوں۔ یہاں نوکری کی تلاش میں آیا تھا۔ پردیسی ہوں۔ مجھے راستوں کا پتہ نہیں ہے۔"

اتفاق سے وہ رومن پہریدار بھی سکندریہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے ناگ کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور بولا۔

"بھائی میں بھی سکندریہ میں پیدا ہوا تھا۔ نوکری کا چکر مجھے یہاں کھینچ لایا۔"

ناگ نے کام بنتا دیکھ کر کہا۔

"تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی بھائی! کیا تم مجھے اس شاندار حویلی میں کوئی کام دلا سکتے ہو؟ میرا مطلب ہے کہ جس سے میری روٹی کا گزر بسر ہو جائے۔"

پہرے دار نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ مالک باہر گیا ہوا ہے۔ وہ کل آ جائے گا۔ میں اس سے بات کر کے تمہیں کوئی نہ کوئی کام ضرور دلا دوں گا۔ آج کی رات تم کو اگر کوئی جگہ نہیں مل رہی تو بے شک میرے ہاں سو جانا۔"

ناگ نے کہا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔ بھائی! تمہارا نام کیا ہے؟"

رومن پہرے دار نے کہا۔

"میرا نام آگسٹس ہے۔"

"خدا تمہیں سلامت رکھے آگسٹس بھائی! میں بڑی خوشی سے تمہارے ہاں ٹھہروں گا لیکن مجھے اتنی اجازت دو کہ میں بندرگاہ پر رکھی ہوئی اپنی گٹھری لے آؤں۔"

"ضرور، ضرور لے آؤ۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

ناگ آگسٹس کو سلام کر کے پھر جلدی آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ وہاں سے وہ سیدھا اڑتے اڑتے اڑن طشتری میں آیا اور سارے حالات کی خبر دی۔ عنبر ماریا اور ماریانہ اور اس کا باپ بڑے خوش ہوئے۔ ناگ نے ایک چھوٹی سی کپڑوں کی گٹھڑی بنائی اور واپس شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

●

خانہ بدوش جادوگرنی

رات ناگ نے ماریانہ کی بڑی حویلی میں بسر کی۔
آگسٹس نے ناگ کو کھانا بھی کھلایا۔ ناگ کے ساتھ وہ دیر تک باتیں کرتا رہا۔ دوسرے روز حویلی کا مالک یعنی ماریانہ کا سوتیلا چچا بھی واپس آگیا۔ آگسٹس نے ناگ کو ماریانہ کے چچا یعنی اناطولی کے سامنے پیش کیا۔ ناگ نے دیکھا کہ ماریانہ کے باپ نے اپنے سوتیلے اور ظالم بھائی کے بارے میں جو نشانی بتائی تھی۔ وہ بالکل ٹھیک تھی۔ اناطولی کی ایک آنکھ کانی تھی۔ اور اس پر سیاہ چمڑے کا نقاب چڑھا تھا۔ یہ شکل و صورت سے ایک چالاک اور پتھر دل آدمی لگتا تھا۔ اس نے ناگ کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور پوچھا۔

"تم رومن نہیں ہو۔ کیا تم مصری ہو؟"
ناگ اس شخص کی قیافہ شناسی پر بہت حیران ہوا۔
جی ہاں میں مصر میں پیدا ہوا تھا۔ میرا باپ جڑی

بوٹیوں کا کاروبار کرتا تھا۔ میں بچپن ہی میں یتیم ہو گیا تھا۔ اب بے کار تھا۔ سوچا روم چلوں۔ شاید یہاں کوئی کام مل جائے۔"
اناطولی نے آگسٹس کی طرف دیکھ کر کہا۔
"اسے اصطبل میں گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لیے رکھ لو"
پھر ناگ کی طرف منہ کر کے بولا۔
"اگر تم نے چوری کرنے کی کوشش کی تو میں تمہیں بھوکے شیروں کے آگے ڈال دوں گا۔ سمجھے"
"آپ بے فکر رہیں جناب میں ایمانداری سے نوکری کروں گا۔"
ناگ کے اس جواب پر اناطولی نے گردن ذرا سی ہلائی اور پھر باہر نکل گیا۔ ناگ نے آگسٹس کا شکریہ ادا کیا کہ اس کی وجہ سے اسے کام مل گیا تھا۔ اب ناگ کو اصطبل ہی میں رات کو سونے کے لیے جگہ مل گئی۔ ناگ شام کے بعد حویلی سے نکل کر سیدھا اڑن طشتری والی جگہ پر آیا اور اس نے عنبر کو بتایا کہ نوکری مل گئی ہے۔ اب انہوں نے سکیم تیار کرنی شروع کر دی کہ کس طریقے سے اناطولی کو اغوا کیا جائے گا۔
ناگ کو نوکری کرتے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ اناطولی کو

اغوا کرنا مشکل دکھائی دے رہا تھا کیونکہ اناطولی کسی جگہ
ٹک کر نہیں بیٹھتا تھا۔ ابھی یہاں ہے تو ابھی شہر سے
باہر چل پھر رہا ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہر وقت ایک خوفناک
اور خونخوار کتا رہتا تھا۔ جو اس کی حفاظت کرتا تھا۔ اس
کے علاوہ ایک حبشی غلام بھی تلوار سے مسلح ہر وقت اناطولی
کے ساتھ رہتا تھا۔

اس کے باوجود ناگ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ آئندہ
دو ایک دنوں میں اناطولی کو اغوا کر کے لے جائے گا۔
خواہ اس کے لیے اسے کچھ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ ایک
رات ناگ گھوڑوں کو چارہ ڈال کر ان کی مالش کر رہا
تھا کہ آگسٹس اِدھر سے گزرا۔ وہ مسکرا کر بولا۔

بھائی ناگ! فارغ ہو کر میری طرف آنا۔ تمہیں مصر کا
قہوہ پلاؤں گا۔"

"ابھی آیا بھائی آگسٹس"

ناگ کو اپنے وطن کا قہوہ پینے کا بہت شوق تھا چنانچہ
وہ کام سے فارغ ہو کر سیدھا آگسٹس کی کوٹھری کی
طرف آ گیا۔ رات خنک تھی۔ مشعلیں روشن تھیں۔ حویلی میں
بھی مشعلوں کی روشنی ہو رہی تھی۔ آگسٹس کوٹھری کے
باہر بیٹھا تھا۔ اس نے گرم فرغل اوڑھ رکھی تھی ناگ اس

پاس جا کر بیٹھ گیا۔ آگسٹس نے قہوہ بنا کر پلایا۔

ہو پسند آیا"

گ نے دو ایک گھونٹ پی کر اس کی بہت تعریف کی

کہا۔

ج مجھے اپنا پیارا وطن مصر یاد آ گیا۔ تمہارا بہت
شکریہ آگسٹس"

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ حویلی کی طرف سے
کے زور زور سے بھونکنے کی آواز آئی، یہ اناطولی
کتے کے بھونکنے کی آواز تھی۔ آگسٹس کے کان کھڑے
ئے۔

ور کوئی گڑبڑ ہے، یہ کتا اس طرح کبھی نہیں بھونکتا"
ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے کہ حویلی کی طرف سے
لی کی بلند آواز سنائی دی۔

گسٹس! جلدی یہاں آؤ"

ناگ بھی آگسٹس کے ساتھ ہی چل دیا۔ حویلی میں جا کر دیکھا
طولی نے تلوار ہاتھ میں تھامی ہوئی ہے۔ دو تین غلام
خنجر لیے کمرے میں اور باہر باغ میں کسی چیز کو تلاش کر
ہیں۔ کتا ذرا دور جھاڑیوں کے پاس کھڑا زور زور سے
نک رہا ہے۔ آگسٹس نے جاتے ہی پوچھا۔

"کیا حکم ہے آقا؟"

اناطولی بولا۔

"ابھی ابھی یہاں میں نے ایک سانپ دیکھا تھا۔ سیاہ
ناگ تھا۔ پھن پھیلائے میری طرف بڑھا۔ اگر میں جلدی
سے اُٹھ کر دوسری طرف نہ بھاگتا تو اس نے میرا کام تمام
کر دیا تھا۔

"کہاں ہے میرے آقا سانپ"

"الو کے پٹھے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کہاں ہے تو
تمہیں بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ انہی جھاڑیوں میں کہیں
گھس کر غائب ہو گیا ہے۔ اسے تلاش کر کے ہلاک
کر دو۔"

پھر اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم بھی سانپ کو تلاش کرو۔ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو"
ناگ نے کہا۔

"جو حکم میرے آقا"

اور وہ بھی سانپ کو تلاش کرنے لگا، ناگ کو بھلا سانپ
تلاش کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ ایک سیکنڈ کے اندر
اندر سانپ کو اپنے حضور طلب کر سکتا تھا بلکہ اسے یقین
تھا کہ سانپ اگر باغ میں کسی جگہ ہے تو وہ بھی ناگ کی

[وجو]دگی سے پریشان ہو گیا ہو گا۔ اس نے سوچا کہ اناطولی
[پر] اپنا اعتبار جمانے کا اچھا موقعہ ہے۔ یوں ہی اِدھر اُدھر
[تلا]ش کرنے کے بعد ناگ ایک طرف کھڑا ہو گیا پھر
[انا]طولی کی طرف پلٹ کر بولا۔

"میرے آقا اگر آپ حکم دیں تو میں سانپ کو حاضر
[کر] سکتا ہوں"

اناطولی نے حیرانی سے ناگ کو دیکھا اور کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

ناگ بولا

"مجھے ایک ایسا منتر آتا ہے کہ اگر میں اُسے پڑھ کر
[پھ]ونکوں تو سانپ جہاں کہیں بھی ہو گا نکل کر میرے
[س]امنے پیش ہو جائے گا۔ اور مجھے سجدہ کرے گا۔"

اناطولی نے جلدی سے کہا

"تو پھر منتر پھونکتے کیوں نہیں۔ جلدی کرو۔ کیا سوچ
[ر]ہے ہو؟"

ناگ نے ایک گہرا سانس لے کر منہ سے سیٹی کی آواز
نکالی اور پھر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا اصل میں
وہ ہوا میں سانپ سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے آواز
دے کر سانپ کو بلایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو میرے

سامنے آجاؤ۔ سانپ کوبرا تھا اور سمندر کنارے کی دلدل سے
اِدھر آگیا تھا۔ وہ جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا تھا اس نے
بھی ناگ دیوتا کی موجودگی کو محسوس کرلیا تھا اور
پریشان سا تھا کہ ناگ دیوتا اِدھر کیسے آگیا؛ اب
جو اس نے ناگ کی آواز سنی تو جلدی سے نکل
کر باہر آگیا۔ سامنے کیا دیکھتا ہے کہ ناگ دیوتا انسانی
شکل میں کھڑا ہے۔ سب نے دیکھا کہ سانپ جھاڑی میں
سے رینگتا ہوا ناگ کی طرف بڑھا۔ آگسٹس اور دوسرے
غلاموں نے سانپ کو ہلاک کرنا چاہا مگر ناگ نے ہاتھ
اٹھا کر انہیں منع کر دیا۔

"خبردار یہ کام نہ کرنا۔"

اناطولی نے بھی انہیں روک دیا۔ کوبرا سانپ پھن
اٹھائے ناگ کی طرف بڑھا چلا آیا۔ سب لوگ
ڈر کر پرے ہٹ گئے کہ سانپ ان کو ڈس نہ
دے۔ ناگ اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ آگسٹس بھی سہم گیا۔
اناطولی نے دیکھا کہ سانپ بڑا زہریلا ہے۔ اس نے
ناگ سے کہا۔

"یہ تمہیں ڈس دے گا اسے کچل دو۔"

ناگ نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

خاموش رہیں میرے آقا۔"

اناطولی کو غصہ ضرور آیا کہ اس کا غلام یہ کس گستاخی
سے اس سے بات کر رہا ہے۔ مگر وہ خاموش رہا کیونکہ
اس کی جان پر بنی تھی۔ کوبرا سانپ اب ناگ کے
سامنے آچکا تھا۔ اس نے سامنے آتے ہی اپنا پھن سمیٹ
لیا اور پھر سب کے سامنے اپنا سر ناگ کے آگے جھکا
کر زمین پر لگا دیا۔

اس منظر کو دیکھ کر سب لوگ حیران رہ گئے اناطولی
تو بہت ہی متاثر ہوا۔ ناگ سانپ سے اس کی زبان
میں باتیں کرتا رہا۔ اس نے سانپ کو حکم دیا کہ وہ
وہاں سے چلا جائے۔ اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کرے
کیونکہ وہاں اس کی زندگی کو سخت خطرہ تھا۔

"اگر اس وقت میں یہاں پر نہ ہوتا تو یہ لوگ
تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔ اب یہاں سے بھاگ
جاؤ اور پھر کبھی اِدھر نہ آنا۔"

"جو حکم میرے عظیم ناگ دیوتا۔"

سانپ نے سر اٹھا کر ناگ کا ایک بار پھر شکریہ ادا
کیا اور سمندر کی طرف رینگنے لگا۔ اناطولی نے سانپ کو
جاتے دیکھا تو جلدی سے کہا۔

"اسے ہلاک کیوں نہیں کرتے۔ یہ بھاگ رہا ہے۔"
ناگ نے کہا۔
"نہیں نہیں اسے کوئی کچھ نہ کہے۔ یہ کسی کو اب
کچھ نہیں کہے گا۔ یہ یہاں پھر کبھی نہیں آئے گا۔"
اناطولی نے تلوار لہرا کر کہا۔
"تم بکواس کرتے ہو۔ بھلا سانپ بھی کبھی انسان کا
دوست ہوا ہے؟ یہ پھر آئے گا۔ اس نے میرا گھر دیکھ لیا
ہے اور یہ مجھے ہلاک کر دے گا۔"
ناگ اسے منع ہی کرتا رہا اور اناطولی نے تلوار سے
سانپ پر حملہ کر دیا۔ سانپ پہلے ہی چوکنا تھا۔ وہ ایک
طرف ہٹ گیا لیکن اس کے ساتھ ہی سانپ نے اچھل کر
اناطولی پر حملہ کر دیا اور اس کی کلائی پر ڈس دیا اور
جھاڑیوں کی طرف رات کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔ اناطولی
چیخ مار کر گرا اور چلایا۔
"مجھے سانپ نے ڈس لیا۔ مجھے بچاؤ۔"
ناگ نے سوچا کہ اسے مرنے دے۔ پھر خیال آیا کہ نہیں
ابھی اسے ماریانہ کے باپ کے پاس لے جانا ہے اور
پھر جائیداد اس سے وصول کرنی ہے۔ ناگ نے اناطولی
کو اٹھا کر خوابگاہ میں پہنچا دیا۔

"فکر نہ کریں آقا۔ ابھی زہر جسم سے دور کر دوں گا۔"
اناطولی کو پسینے آنے لگے تھے۔ زہر نے اپنا اثر کرنا
شروع کر دیا تھا۔ ناگ نے کہا۔
"فکر نہ کریں۔ میں زہر کا ابھی علاج کرتا ہوں۔"
"نہیں نہیں۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں مر رہا ہوں۔ یہ
بڑا خطرناک سانپ تھا۔ اس کا زہر میرے جسم میں چلا جا
رہا ہے۔"
ناگ نے کہا۔
"میں زہر کا اثر ختم کر دوں گا آقا! فکر نہ کریں۔"
اور پھر ناگ نے منتر پڑھ کر اس جگہ پر پھونکنا شروع
کر دیا۔ جہاں سانپ نے کاٹا تھا۔ تھوڑی دیر ہی میں زہر
کا اثر ختم ہو گیا۔ اور اناطولی بھلا چنگا ہو کر اٹھ کر بیٹھ
گیا۔ وہ ناگ کی قابلیت پر خوش بھی تھا اور بے حد
حیران بھی تھا۔
"تم نے تو کمال کر دیا۔ تم غلام بننے کے لیے پیدا نہیں ہوئے
آج سے تم میرے خاص دوست ہو اور میری حویلی کا
سارا انتظام تمہارے حوالے ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ تم میرے
وزیر بن گئے ہو۔ کیا تم کو یہ عہدہ منظور ہے۔؟" ناگ نے
شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے اور کیا چاہیئے جناب! آپ کا بہت بہت شکریہ"

اب ناگ کو ہر جگہ چلنے پھرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اناطولی ناگ سے مشورہ کیے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ وہ دو ایک روز میں اناطولی کے ساتھ شکار کے لیے لے جائے گا اور پھر اڑن طشتری کے قریب لاکر اسے قید کرے گا۔ اب ایسا اتفاق ہوا کہ اناطولی کے ہاں اس کی ایک خانہ بدوش واقف عورت کا گزر ہوا۔ یہ عورت زبردست جادوگرنی تھی۔ اس نے آتے ہی ناگ کو دیکھا تو اس کے دل کا سارا حال سمجھ گئی اس نے ناگ سے تو کچھ نہ کہا اور اناطولی کو ساتھ لے کر ایک کمرے میں آگئی اور بولی۔

"یہ شخص ناگ تمہارا دشمن ہے اور تمہیں اغوا کرنے کے لیے آیا ہے۔"

اناطولی اس خانہ بدوش عورت کا منہ تکتا رہ گیا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو بی اماں! ناگ تو میرا خاص دوست ہے۔ اس نے میری جان بچائی ہے۔"

عورت بولی!

"ٹھیک ہے۔ وہ تمہیں ابھی مارنا نہیں چاہتا۔ وہ تمہیں یہاں سے اغوا کرکے لے جانا چاہتا ہے۔ میری بات پر اعتبار

کرو۔ میرا جادو کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔"

اناطولی غضب میں آگیا۔

"میں اس شخص کو ابھی جاکر ختم کردوں گا۔"

خانہ بدوش نے کہا۔

"اس کیلئے تمہیں بڑی ہوش سے کام لینا ہوگا۔ یہ شخص کون ہے؟ تم نہیں جانتے۔ میں جانتی ہوں۔ میرے جادو نے مجھے بتایا ہے کہ یہ شخص زبردست طاقت رکھتا ہے اور یہ شاید کسی زمانے میں سانپ تھا اور اب انسان کی شکل میں چل پھر رہا ہے۔"

اناطولی نے کہا۔

"شاید اسی لیے اس نے میرے زہر کو ختم کر دیا تھا اور سانپ نے اس کے آگے آکر اسے سجدہ بھی کیا تھا۔"

خانہ بدوش عورت نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"بالکل ٹھیک! میرا جادو کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔"

"پھر میں کیا کروں۔ اس شخص کو کیوں کر ہلاک کروں؟"

خانہ بدوش عورت نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ایسا کرو۔ جب رات کو یہ شخص ناگ سو رہا ہو تو اس کے کمرے میں گھس کر اسے قتل کردو۔ مگر خبردار! اگر تم سے ذرا بھی چوک ہوگئی اور یہ جاگ پڑا تو تمہاری خیر نہیں۔ یہ

شخص بڑی زبردست طاقت کا مالک ہے۔"

اناطولی کچھ ڈر بھی گیا کہ خدا جانے ناگ کیا کر دے۔ اُسے غصّہ بھی بڑا تھا کہ وہ ایک قاتل کو پال رہا ہے۔ اس نے کہا۔

"فکر نہ کرو بی اماں! میں آج رات ہی اس کا کام تمام کر دوں گا۔"

ناگ نے بھی خانہ بدوش عورت کو شک کی نظر سے دیکھا تھا۔ اس کا ماتھا ٹھنکا تھا کہ یہ عورت کالا علم جانتی ہے مگر اس نے کوئی خیال نہ کیا اور اپنے کام میں لگا رہا۔ رات کو وہ آگسٹس کے پاس جا کر ادھر اُدھر کی باتیں کرتا تھا۔ پھر اپنے کمرے میں جا کر سو گیا۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا وہ بہت تھک گیا تھا۔ اُسے بہت جلد نیند آ گئی آدھی رات کو اناطولی تلوار لے کر اس کے کمرے کی طرف آیا۔ اس نے کھڑکی میں راہ نکالی اور کمرے میں آ گیا۔ طاق میں روغن کا دیا جل رہا تھا۔ اناطولی نے دیکھا کہ ناگ بے سدھ ہو کر بستر پر سو رہا تھا۔ وہ ہولے ہولے اس کی طرف بڑھا۔ اسے خانہ بدوش جادوگرنی کا خیال آیا۔ اس نے کہا تھا کہ بڑی ہوشیاری سے کام لینا۔ اناطولی پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔

خوش قسمتی تھی ناگ کی کہ اسے ٹھیک اس وقت ایک مچھر نے کاٹ کھایا۔ اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ہاتھ سے مچھر کو مارا۔ اناطولی ایک دم پردے کے پیچھے چھپ گیا۔ ناگ کو فوراً احساس ہوا کہ کوئی کمرے میں ہے۔ وہ بھی ہوشیار ہو گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر کمرے میں دیکھا۔ اسے دروازے کا پردہ ہلتا نظر آیا۔ سمجھ گیا کہ کوئی اس کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ اس نے یہی ظاہر کیا کہ وہ سو رہا ہے۔ بلکہ وہ جھوٹ موٹ کے خراٹے بھی لینے لگا۔

اناطولی نے جب ناگ کے خراٹوں کی آواز سنی تو سمجھا کہ وہ سو گیا ہے۔ پس وہ پردے میں سے نکل کر تلوار لیے ناگ کے پلنگ کی طرف بڑھا۔ اب دیے کی روشنی میں اناطولی نے بھی ناگ کو دیکھ لیا کہ وہ تلوار لیے اس کو قتل کرنے کے لیے آ رہا ہے۔ وہ چوکس ہو گیا۔ جونہی اناطولی اس کے پلنگ پر حملہ کرنے کے لیے آیا۔ ناگ نے گہرا سانس لیا اور غائب ہو گیا۔ اناطولی نے بستر پر سے ناگ کو غائب ہوتے دیکھا تو ششدر رہ گیا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

ناگ کہاں گیا؟ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ آدمی بستر پر لیٹے لیٹے اچانک غائب ہو جائے۔ پھر اسے خانہ بدوش عورت

کی بات یاد آ گئی۔ کہ یہ شخص بڑی زبردست طاقت کا مالک ہے۔ وہ کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ناگ کہیں بھی نہیں تھا۔ مگر ناگ ایک چھوٹے سے سیاہ سانپ کی شکل میں بستر کی چادر کے اندر ہی تھا۔ موقع ملتے ہی وہ پلنگ سے نیچے اتر آیا۔ اب ناگ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اناطولی کو ڈس کر بے ہوش کر دے گا اور پھر آج ہی رات اُسے اغوا کر لے گا۔

اناطولی نے ابھی اپنی حیرانی پر قابو نہیں پایا تھا کہ اُسے دیوار کے ساتھ کھڑے کھڑے محسوس ہوا کہ کسی شے نے اسے ٹخنے پر کاٹا ہے۔ اس نے جھک کر پاؤں کو دیکھا تو اسے چراغ کی روشنی میں ایک چھوٹا سا سانپ نظر آیا جو بستر پر چڑھ رہا تھا۔ اناطولی نے چیخ مارنے کی کوشش کی تاکہ وہ نوکروں کو بلا سکے مگر اس کا حلق خشک تھا۔ اس کے گلے میں سے آواز نہ نکل سکی۔ اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔

اتنے میں اس نے ایک بار پھر اسی سانپ کو ناگ کی شکل میں انسان بن کر بستر پر لیٹے دیکھا۔ ناگ اس کی طرف گھور کر اپنی لال لال آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ ناگ بستر سے اٹھ کر اناطولی کے پاس آیا اور اس کے کندھے پر

ہاتھ رکھ کر بولا۔

میں جانتا ہوں اب تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ تم ایک انگلی بھی اپنی مرضی سے ہلا سکو۔ لیکن تم نے مجھے قتل کرنے کا ارادہ کر کے کوئی اچھی بات نہیں کی۔ میں تمہیں یہاں ہلاک کرنے نہیں آیا تھا۔ اگرچہ ماریانہ اور اس کے باپ کو آدم خوروں کے جزیرے میں پھینک کر تم نے ایک گھناؤنا جرم کیا ہے کہ تمہیں ہلاک کر دینے میں مجھے کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ پھر بھی میں نے تم پر رحم کیا بہرحال اب میں تم کو یہاں سے لے جاؤں گا۔“

اناطولی کا سارا جسم لرز رہا تھا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر کر فرش پر پڑی تھی۔ وہ ناگ کی باتیں پوری طرح سن رہا تھا مگر خود نہیں بول سکتا تھا۔ اس کا سارا بدن پتھر بن رہا تھا پھر وہ فرش پر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ وہ ناگ سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ اسے کہاں لے جانا چاہتا ہے مگر نہ پوچھ سکا۔

اناطول بے ہوش ہو کر گرا تو ناگ نے اسے ایک چادر میں اس طرح لپیٹ دیا کہ وہ لپٹا ہوا قالین لگ رہا تھا پھر وہ اصطبل میں گیا اور ایک گھوڑے کو نکال کر حویلی کے پچھواڑے آ گیا۔ وہ اناطول کے بے ہوش جسم کو کندھے پر اٹھا کر حویلی

کی ڈیوڑھی سے گزر رہا تھا کہ اچانک پہریدار نے اُسے دیکھ
لیا اور شور مچا دیا۔

شور سنکر خانہ بدوش جادوگرنی جھٹ باہر آگئی۔ اسے
پہلے ہی فکر تھی کہ اناطولی آج رات ناگ کو قتل کرنے جا
رہا ہے۔ کہیں اس سے کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ ناگ نے بیہوش
اناطولی کو ایک طرف رکھ دیا اور پہریدار کو گھونسہ مار کر گرا
دیا۔ اب جادوگرنی خانہ بدوش عورت بھی وہاں آگئی تھی
اس نے ناگ کو دیکھا تو سب کچھ سمجھ گئی، جلدی سے ایک منتر
پھونک کر ناگ پر جادو کر دیا۔

اس جادو کا اثر ناگ پر اتنا ہوا کہ اس کا سر گھومنے
لگا۔ سمجھ گیا کہ جادوگرنی نے وار کر دیا ہے۔ اسی وقت ناگ
نے ایک گہرا سانس لیا اور ایک منتر پھونک کر ہوا میں ہاتھ
ہلایا اور خاص سرگوشی کی زبان میں اس علاقے کے تمام سانپوں
کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ پلک جھپکتے میں ایک درجن ناگ پھن
پھیلائے اِدھر اُدھر سے نکل کر وہاں آگئے۔ جادوگرنی نے
منتر پھونکا اور سارے سانپ پتھر بن گئے۔

ناگ نے اپنا وار خالی جاتے دیکھا تو گہرا سانس لیا اور چمگادڑ
بن کر جادوگرنی کی گردن سے چمٹ گیا۔ اس نے جادوگرنی کی
گردن میں اپنے تیز دانت گاڑ کر اس کا خون پینا شروع کر

ا۔ جادوگرنی نے بڑی کوشش کی کسی طرح سے چمگادڑ کو مار کر
ے گرے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ پھر اس نے منتر پھونکنا
ا مگر ڈر گئی کہ چمگادڑ پر جادو کیا تو اس کی گردن بھی
تھ ہی چلی جائے گی۔

چمگادڑ نے اپنے تیز نوکیلے پنجے جادوگرنی کی گردن میں
ڑ رکھے تھے اور اس کا خون دھڑا دھڑ پی رہی تھی جادوگرنی
غنودگی طاری ہو گئی اور وہ دھڑام سے گر پڑی۔ شور
ن کر حویلی کے دوسرے نوکر بھی بھاگتے ہوئے آگئے۔ انہوں
ے جادوگرنی کی گردن سے چمگادڑ چمٹی دیکھی تو خنجر سے اُسے
ہارنے کے لیے بڑھے۔ ناگ اس عرصے میں پھر سے انسان بن
کر سامنے آگیا اور اس کے ساتھ ہی بارہ کے بارہ سانپ پھر
ے زندہ ہو گئے۔

انہوں نے نوکروں پر حملہ کر دیا۔ اس وقت آگسٹس بھی وہاں
موجود تھا۔ اس نے ناگ کو دیکھ کر کہا۔

"ناگ! دوست! یہ کیا ہو رہا ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"تمہارے مجھ پر بڑے احسان ہیں۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں
گا۔ اس لیے تم میرے معاملے میں دخل مت دینا۔ یہ اناطولی ہے
جو بے ہوش پڑا ہے۔ اس نے اپنے سوتیلے بھائی اور اس

کی بیٹی ماریانہ کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے۔ میں اِسے لے
جا رہا ہوں۔"

نوکروں نے آگے بڑھ کر اپنے مالک کو بچانا چاہا مگر
سانپ پھن اٹھا کر اس کی طرف لپکے۔ نوکر وہاں سے بھاگ
گئے۔ ناگ نے اناطولی کو اٹھایا اور باہر گلی میں آگیا۔ جہاں
گھوڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ناگ نے اناطولی کو
گھوڑے پر ڈالا۔ پھر خود بھی سوار ہوا اور رات کے اندھیرے
میں گلی سے باہر نکل گیا۔

باہر آتے ہی اس نے گھوڑے کو سرپٹ دوڑانا شروع کر
دیا اور تھوڑی دیر بعد شہر سے باہر درختوں کے جھنڈ کے
درمیان ڈھلان پر کھڑی اڑن طشتری میں آگیا۔ عنبر پہرے
پر تھا۔ اس نے ایک گھوڑ سوار کو اڑن طشتری کی طرف آتے
دیکھا تو سمجھ گیا کہ ناگ ہے اور بے ہوش اناطولی کو لا رہا
ہے۔ اس نے اڑن طشتری کا دروازہ کھول دیا۔

سوداگر کی بیٹی

اناطولی کو ہوش آیا تو وہ اڑن طشتری میں بیٹھا تھا۔
اس کے سامنے ماریانہ کا باپ اور ماریانہ بھی بیٹھی
عنبر ناگ بھی وہاں موجود تھے۔ اناطولی اڑن طشتری
کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گیا۔ عنبر نے اسے سمجھایا کہ وہ
جگہ پر آگیا ہے کہ وہاں سے واپس نہیں جا سکتا۔ ماریانہ
کے باپ نے کہا۔

"اناطولی! تو سمجھتا تھا کہ ہم دونوں باپ بیٹی آدم خوروں
کی خوراک بن جائیں گے۔ مگر خدا نے ہمیں بچا لیا۔ اب تمہاری
سزا ہے کہ تمہیں آدم خوروں کے اسی جزیرے پر چھوڑ دیا
جائے گا۔ اور میں اپنی جائیداد پر پھر سے قبضہ کر لوں گا۔"
اناطولی نے رحم کی درخواست کی مگر ماریانہ کے باپ نے کہا
"جو دوسروں پر رحم نہیں کھاتا اس پر بھی رحم نہیں
کھایا جائے گا۔"

اسی روز دوپہر سے پہلے اڑن طشتری اناطولی کو لے
کر جزیرے کی طرف اڑ گئی۔ اناطولی اڑن طشتری کو ہوا
میں سمندر کے اوپر اڑتا دیکھ کر غش کھانے والا تھا کہ عنبر

نے اُسے سہارا دیا اور کہا۔

"بہتر ہے کہ تم آدم خور جزیرے میں جا کر غش کھانا کیوں کہ

ایک بار تمہیں وہاں بھی غش کھانا ہے جبکہ آدم خور تمہیں بھون

کر کھانے کے لیے لے جا رہے ہوں گے۔"

اناطولی کو آدم خور جزیرے میں چھوڑ دیا گیا۔

اڑن طشتری نے اسے درختوں کے پاس سمندر کے کنارے

چھوڑا اور وہ ہوا میں اُڑ گئی۔ اناطولی حسرت سے اڑن طشتری

کو اڑتے دیکھتا رہا۔ اب اُسے احساس ہوا تھا کہ جو کسی کے

لیے گڑھا کھودتا ہے۔ وہ ایک نہ ایک دن ضرور اس گڑھے

میں گرتا ہے۔ اڑن طشتری ابھی نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی

تھی کہ اناطولی کو شور سنائی دیا۔ ایک طرف سے آدم خور جنگلی

نیزے لہراتے اس کی طرف دوڑے چلے آ رہے تھے۔ اناطولی

ڈر کر بھاگا۔

آدم خور اس کے پیچھے دوڑے اور کچھ دور جا کر اناطولی کو

پکڑ لیا اور پھر اس کے گلے میں رسی باندھ کر اسے اس

جھونپڑے کی طرف لے چلے جہاں وہ صبح بھون کر کھانے سے

پہلے اپنے شکار کو رات بھر رکھا کرتے تھے۔

ماریانہ اور اس کا باپ پھر سے اپنی حویلی میں آ گئے اور

ناگ عنبر اور ماریانہ وہاں سے اڑن طشتری لے کر آسمانوں

کی طرف پرواز کر گئے۔ آسمانوں پر اڑتے اڑتے رات ہو گئی

آسمان ستاروں سے بھر گیا۔ عنبر اور ناگ سکرین کو دیکھ رہے

تھے۔ جہاں آسمان پر ستاروں کے موتی بکھرے ہوئے تھے۔ زمین

بہت نیچے رہ گئی تھی، عنبر نے اٹھ کر ایک مشین کو دیکھا جس

پر یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کسی عہد سے گزر رہے ہیں۔ یہاں

زمانہ قبل از مسیح کا عہد نظر آ رہا تھا۔ اچانک مشین تیزی سے

چلنے لگی۔ عنبر نے ناگ کو بلایا۔

"ناگ! ذرا اس مشین کو دیکھو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے

زمانے سے بہت آگے نکل گئے ہیں۔"

ناگ نے مشین پر جھک کر دیکھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

وہ قبل از مسیح سے آگے نکل آئے ہیں اور اب یا پانچ برس

بعد کا زمانہ آ گیا ہے۔ گویا وہ رومن دور کے آخری عہد

میں تھے۔ عنبر بڑا حیران ہوا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ وقت ہمارے ساتھ کھیل رہا ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"نیچے چل کر دیکھنا چاہیے۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا۔ بہر حال نیچے چل کر بھی دیکھ لیتے

ہیں۔"

انہوں نے اڑن طشتری کو نیچے کرنا چاہا۔ مشین نے نیچے

آنے سے انکار کر دیا۔ اب وہ پریشان ہو گئے کہ یہ کیا بات ہوئی۔ ساری رات وہ اڑن طشتری کو نیچے لانے کی کوشش کرتے رہے۔ آخر صبح ہوئی تو وہ کامیاب ہوئے۔ انہوں نے اڑن طشتری کو زمین کی طرف لانا شروع کر دیا۔ نیچے دیکھا تو ایک خوبصورت شہر کے گنبد نظر آئے۔ اور عمارتیں! جن کی چھتیں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔

"یہ کون سا شہر ہو سکتا ہے ناگ!"

"یہ تو نیچے چل کر ہی پتہ چلے گا"

انہوں نے شہر سے دور ایک صحرا میں کھجوروں کے جھنڈ کے پیچھے جہاں ایک اونچا ٹیلا تھا اڑن طشتری اتار دی۔ یہاں ٹیلے کی اوٹ تھی اور ویران جگہ تھی۔ انہیں یقین تھا کہ اس جگہ کسی کی نظر اڑن طشتری پر نہیں پڑے گی۔ دور انہیں اونٹوں کی ایک قطار جاتی نظر آئی۔ عنبر نے کہا۔

"ہم عرب علاقے میں آ گئے ہیں۔ شاید وہ کوئی قافلہ شہر میں داخل ہو رہا ہے۔"

ناگ نے دیکھا اور کہا۔

"کتنا خوبصورت منظر ہے"

ماریا بھی جاگ اٹھی تھی اور اڑن طشتری کی کھڑکی میں سے یہ سارا نظارہ دیکھ رہی تھی۔ وہ بولی!

"ہم کونسے شہر میں آ گئے ہیں؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"راتوں رات ہم چھ سو برس آگے نکل گئے ہیں ماریا۔ اور یہ [illegible]

[illegible]ی عرب علاقہ ہے۔"

"چل کر معلوم کرنا چاہیئے" ماریا نے کہا۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے ماریا کو شہر میں جا کر حالات معلوم کرنے چاہئیں کہ یہ کونسا شہر ہے اور کون سا بادشاہ یہاں حکومت کر رہا ہے"

ناگ نے کہا۔

"ماریا کی بجائے اگر میں چلا جاؤں تو کیا خیال ہے؟"

عنبر نے کہا۔

ماریا کے جانے کا ایک فائدہ یہ ہو گا کہ وہ کسی کو نظر نہیں آئے گی اور بڑی آسانی سے ساری معلومات لے کر واپس آ جائے گی۔ تم گئے تو لوگ تمہارے لباس کو ہی دیکھنا شروع کر دیں گے۔ کیوں ماریا؟ تمہارا کیا خیال ہے۔"

"ماریا نے خوش ہو کر کہا۔

"ایک نئے شہر کی سیر کرنا تو مجھے بے حد پسند ہے۔ میں ہی اس شہر میں جاؤں گی۔"

تھوڑی دیر بعد ماریا اڑن طشتری سے نکل کر شہر کی طرف چل پڑی۔ صحرا میں کھجوروں کی قطاروں کے نیچے سے ہو کر ایک کچا راستہ شہر کی طرف جاتا تھا۔ ماریا اس راستے پر چلنے لگی۔ اس کے آگے ایک اونٹ بھی جا رہا تھا۔ ایک بدو کے ہاتھ میں اونٹ کی مہار تھی۔ اونٹ پر سوکھی لکڑیوں کا گٹھا لدا ہوا تھا۔ ماریا شہر کے قریب پہنچ گئی۔ شہر کا دروازہ کافی بڑا اور اونچا تھا۔ شہر کی دیوار کے اوپر برجی بنی تھی جس میں شاید سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔

شہر کا بڑا لکڑی کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ لوگ عربی لباس پہنے آجا رہے تھے۔ ماریا بھی شہر میں داخل ہو گئی۔ بڑا الف لیلوی شہر تھا۔ بازار تنگ تھے۔ اونچے مکانوں کے خوبصورت جھروکوں کے آگے پردے گرے ہوئے تھے۔ دکانیں کھلی تھیں۔ خرید و فروخت ہو رہی تھی۔ ایک سپیرا سانپ کا تماشا دکھا رہا تھا۔ ماریا چلتے چلتے ایک حویلی کے سامنے آگئی۔ یہاں کچھ لوگ کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ حویلی کا دروازہ بند تھا۔ اس کے باہر ایک حبشی غلام اداس کھڑا تھا۔ ماریا قریب جا کر لوگوں کی باتیں سننے لگی۔ وہ عربی اور قبطی زبانوں میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی باتوں سے ماریا کو معلوم ہوا کہ اس شہر کا نام انطاکیہ ہے

اور ایک مسلمان گورنر وہاں کا انتظام کرتا ہے جو مسلمان خلیفہ کے ماتحت ہے۔ اور اس حویلی میں کوئی امیر تاجر رہتا ہے جس کی اکلوتی بیٹی بستر مرگ پر پڑی ہے اور زندگی کی آخری گھڑیاں پوری کر رہی ہے۔

ایک آدمی نے کہا۔

"وہ چھ روز سے بے ہوش ہے۔ اس کا بچنا بہت مشکل ہے۔"

ماریا کو خیال آیا کہ عنبر اس لڑکی کو اچھا کر سکتا ہے کیوں نہ وہ عنبر کو جا کر بلا لائے۔ تاکہ اس بے چاری لڑکی کی جان بچ جائے۔ عنبر جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے میں ماہر ہے۔ پس ماریا اسی وقت واپس اڑن طشتری میں گئی اور اس نے عنبر کو سارا حال کہہ سنایا۔ عنبر نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم یہاں بیٹھو میں جا کر اس بچی کا حال دیکھتا ہوں۔"

عنبر اسی وقت اڑن طشتری سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ماریا کے بتائے ہوئے پتے پر وہ بہت جلد حویلی کے باہر پہنچ گیا۔ لوگ اب بھی ادھر ادھر کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ ہر طرف سوگ کی فضا طاری تھی۔ حبشی غلام بھی سر جھکائے دروازے پر کھڑا تھا۔ عنبر نے اسے جا کر سلام کیا اور کہا۔

"میں تمہارے مالک سے ملنا چاہتا ہوں"

حبشی نے سر اٹھا کر عنبر کو دیکھا۔ عنبر رومن لباس میں تھا۔ اس نے سمجھا کہ شاید کوئی رومی ہے۔ کاروباری بات کرنے اس کے مالک سے ملنے آیا ہوگا۔ اس نے کہا۔

"مالک اس وقت نہیں مل سکتے ان کی بیٹی بیمار ہے بس کوئی دم کی مہمان ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"میں اس کا علاج کرنے آیا ہوں۔ میرا نام عنبر ہے۔ اور میں الحمدللہ مسلمان ہوں۔"

حبشی کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔

"کیا تم کوئی حکیم ہو"

"ہاں میں حکیم ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ سے پوری امید ہے کہ وہ میری دوا سے اس بچی کو پھر سے زندگی عطا کر دے گا۔"

حبشی جلدی سے عنبر کو اندر لے گیا۔ ایک سجے ہوئے خوبصورت کمرے میں شاندار پلنگ بچھا تھا جس پر ایک نازک سی لڑکی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا رنگ زرد تھا اور وہ بے ہوش تھی۔ سانس اکھڑ رہا تھا۔ حبشی نے مالک کو بتایا کہ یہ صاحب حکیم ہیں اور بی بی کا علاج کرنے آئے ہیں۔ مالک نے

چونک کر عنبر کو دیکھا اور بولا۔

"خدا کے لیے حکیم صاحب! میری بچی کو بچالیں یہ میری جان کا ٹکڑا ہے اور میری بیوی کی بڑی قیمتی نشانی ہے۔ اگر یہ زندہ نہ رہی تو میں بھی زندہ نہ رہوں گا۔"

عنبر نے دیکھا کہ کمرے میں دو ایک کنیزیں ہاتھ باندھے کھڑی تھیں۔ عنبر لڑکی پر جھک گیا بولا۔ "بچی کا نام کیا ہے۔؟"

اس کے باپ نے کہا۔

"فاطمہ بن عمر۔ میرا نام عمر ہے اور میری بچی کا نام فاطمہ ہے"

عنبر نے دیکھا کہ فاطمہ کے سانس اکھڑے ہوئے تھے۔ اس نے اس کی آنکھوں کی پلکیں ہٹا کر دیکھا۔ وہ سفید پڑ گئی تھیں اس نے کچھ غور کیا۔ سوچا اور پھر تاجر عمر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"کیا یہاں بازار سے قرطاش درخت کے پتے مل سکتے ہیں؟" تاجر نے کہا۔

"قرطاش درخت تو ہمارے گھر میں اُگا ہوا ہے۔"

اس نے کنیزوں سے کہا کہ جلدی سے قرطاش کے پتے توڑ لائیں پھر عنبر کی طرف دیکھ کر بولا۔

"بھلا اس معمولی درخت کے پتوں سے کیا ہوگا۔ اس شہر کے بڑے سے بڑے حکیم میری بچی کا علاج کر چکے ہیں اور کوئی فائدہ نہیں ہوا۔"

عنبر مسکرایا۔

"قرطاش کے پتوں کا سوائے میرے کسی کو علم نہیں ہے کہ ان میں شفا ہے اور اس بیماری کا علاج یہی پتے ہیں۔"

اتنے میں کنیزیں ایک طشتری میں قرطاش کے درخت کے سبز سبز پتے ڈال کر لے آئیں۔ تاجر عمر مایوس ہو چکا تھا اسے یقین نہیں تھا کہ عنبر ان معمولی سے پتوں سے اس کی بچی کا علاج کر سکے گا۔ بہر حال دنیا امید پر قائم ہے اور وہ بھی اس امید میں عنبر کو تکنے لگا کہ شاید اللہ اپنا فضل کر دے۔ عنبر نے پتوں کو لے کر ایک پیالے میں ڈالا۔ پھر انہیں توڑ کر کچل دیا۔ پھر گرم پانی منگوا کر اس میں انہیں بھگو کر دھویا۔ ان میں سیاہ نمک ملایا۔ پھر پانی میں ڈال کر اس کا عرق بنایا اور ایک ایک قطرہ کر کے بچی فاطمہ کے ہونٹوں پر ٹپکانے لگا۔

لڑکی کے ہونٹ جڑے ہوئے تھے اور خشک تھے۔ دوائی کا قطرہ جونہی خشک ہونٹوں پر گرتا وہ جذب ہو جاتا۔ اسی طرح آدھی دوائی لڑکی کے ہونٹوں پر ہی جذب ہو گئی۔ کنیزیں اور تاجر عمر بے تابی سے یہ علاج دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی کے ہونٹ کھل گئے۔ اب عنبر نے دوائی لڑکی کے حلق میں

پکانی شروع کر دی۔ جب ساری دوائی ختم ہو گئی تو لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔

تاجر عمر سجدے میں گر پڑا اور خدا کا شکر بجا لایا پھر اس نے عنبر کا بے حد شکریہ ادا کیا کہ جس کی دوائی ے اس کی بچی کی جان بچ گئی۔ فاطمہ نے اپنے باپ کو پکارا

"بابا"

"میری بچی!" اور اس کا باپ اپنی بیٹی سے لپٹ گیا اور خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عنبر نے کہا۔

"اب اسے آرام کی ضرورت ہے۔ دوپہر تک یہ انشاء اللہ تندرست ہو جائے گی۔" تاجر خوشی سے نہال ہو گیا تھا۔ اسے اپنی بچی کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی اس وقت سارے شہر میں یہ خبر پھیل گئی کہ روم سے کوئی حکیم آیا ہے۔ جس نے اپنے علاج سے تاجر عمر کی قریب المرگ بچی کو ٹھیک کر دیا ہے۔ تاجر عمر نے اسی وقت غریبوں اور مسکینوں میں اشرفیاں تقسیم کرنی شروع کر دیں۔ دوپہر کو فاطمہ ٹھیک ٹھاک ہو گئی۔

اسے پھلوں کا رس پلایا گیا اور وہ اپنے باپ سے باتیں کرنے لگی۔

"بابا مجھے کیا ہو گیا تھا؟"

باپ نے کہا۔
"کچھ نہیں بیٹی! تم بے ہوش ہو گئی تھیں۔ انہوں
تمہاری جان بچا لی ہے۔"
ناظمہ نے عنبر کو شکریے بھری نظروں سے دیکھا
عنبر نے کہا۔
"میں نے صرف علاج کیا ہے بیٹی! زندگی تمہیں اللہ
تعالیٰ نے دی ہے۔"
تاجر نے دوپہر کے کھانے پر عنبر سے پوچھا کہ وہ
کون ہے اور کس ملک سے آیا ہے؟"
عنبر نے کہا۔
"بس یوں سمجھ لیں کہ میں ایک حکیم ہوں۔ اور جڑی
بوٹیوں کی تلاش میں ملک ملک جنگل جنگل گھومتا پھرتا
ہوں۔ آج صبح اس شہر میں داخل ہوا تو پتہ چلا کہ ایک
بچی بیمار ہے اور حکیم اس کی زندگی سے مایوس ہو چکے
ہیں۔ میں نے سوچا کہ اس کا علاج کر کے دیکھنا چاہیے۔

تاجر عمر نے کہا۔
"بھائی! مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ اگر آپ کچھ روز میرے
غریب خانے پر ٹھہر جائیں۔"

عنبر نے کچھ سوچ کر کہا
"ہم فقیر لوگ ہوتے ہیں اور جنگل جنگل گھومتے رہتے
ہیں۔ میں اس وقت شہر سے باہر صحرا کے ایک نخلستان
میں ایک عرب بدو کے ہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ ہاں
یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک اس شہر میں ہوں
آپ سے روزانہ ملاقات کرنے آیا کروں گا۔"
شام کو عنبر تاجر عمر سے اجازت لے کر واپس اڑن
طشتری میں آ کر بیٹھ گیا۔ ماریا اور ناگ نے بیمار
لڑکی کے بارے میں پوچھا تو اس نے ساری بات
بیان کر دی۔ ماریا کو بڑی خوشی ہوئی کہ لڑکی کی
جان بچ گئی۔ عنبر نے کہا۔
اس شہر کا نام انطاکیہ ہے اور اس شہر کا گورنر
ایک مسلمان ہے جو خلیفہ وقت کے زیر نگرانی
حکومت کرتا ہے۔"
"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہم مسلمان کے
شہر میں ہیں۔" ناگ نے کہا۔
ماریا بولی
"میرا جی چاہتا ہے کہ اس لڑکی کو جا کر دیکھوں"
عنبر نے کہا۔

"کل میرے ساتھ چل چلنا۔"

"بہت بہتر" ماریا نے کہا۔

دوسرے روز عنبر اور ناگ اڑن طشتری کی کمپیوٹر مشین کو ٹھیک کرنے میں لگ گئے۔

ماریا نے کہا۔ "تم لوگ تو بہت مصروف ہو گئے ہو اس لیے میں اکیلی ہی ناظمہ کے گھر جاتی ہوں۔"

عنبر نے کہا۔ "بے شک اکیلی جاؤ مگر جلدی واپس آ جانا۔ دیر ہو گئی تو ہمیں فکر ہو گی۔"

ماریا مسکرا کر بولی۔

"میں کوئی بچی تھوڑی ہوں۔ فکر کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔"

ماریا اڑن طشتری سے نکل کر سیدھی آ گئی اور تاجر عمر کی حویلی میں داخل ہوئی۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا باہر حبشی پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا کے لیے اتنا کھلا دروازہ کافی تھا۔ وہ ڈیوڑھی سے گزر کر اوپر ناظمہ کے کمرے میں آ گئی۔ اس نے دیکھا کہ وہ پلنگ پر بیٹھی ہے اور ایک کنیز سے مسکرا کر باتیں کر رہی ہے کنیز کے ہاتھ میں پھلوں کے شربت کا گلاس ہے ناظمہ نے گلاس لے کر پیا اور کنیز کو خالی گلاس واپس کرتے

بولی "اب تم جاؤ۔ میں آرام کروں گی۔"

معلوم ہوا کہ اس کا باپ باہر کام کے سلسلے میں گیا ہوا ہے۔ کنیز چلی گئی۔ اب کمرے میں سوائے ماریا اور ناظمہ کے اور کوئی نہیں تھا۔ ماریا نے پلنگ کے قریب آ کر دیکھا۔ ناظمہ بڑی پیاری سی لڑکی تھی۔ وہ ریشمی چادر اوڑھے بڑے سکون سے لیٹی تھی اور اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں شاید سونے کی کوشش کر رہی تھی۔

ماریا اسے کچھ دیر پیار سے دیکھتی رہی۔ وہ اسے بلا کر خوف زدہ نہیں کرنا چاہتی تھی اس نے سوچا کہ اب اسے واپس جانا چاہیے تاکہ ناظمہ آرام کر سکے وہ واپس پلٹی اور کمرے سے باہر آ گئی۔ اس نے دروازہ بند کر دیا ایک کنیز نے جو دروازہ ہلتے دیکھا تو لپک کر وہاں آئی اور دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور پھر دروازہ بند کر کے چلی گئی۔

ماریا کو اس کی حرکت کچھ عجیب سی لگی۔ وہ نیچے اترنے لگی۔ ڈیوڑھی میں اس نے پھر اسی کنیز کو دیکھا۔ وہ کونے میں ایک حبشی غلام سے کھسر پھسر کر رہی تھی۔ ماریا ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اسے کچھ شک ہوا کنیز ایک طرف بھاگ گئی۔ حبشی باہر نکل گیا۔ ماریا نے حبشی کا تعاقب

کرنا شروع کرادیا۔ شہر کی تنگ گلیوں میں سے ہوتا
حبشی ایک پرانے مکان میں داخل ہو گیا۔
ماریا کو چونکہ کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا اس لیے وہ
بھی حبشی کے ساتھ ہی مکان میں چلی گئی۔ مکان کی ڈیوڑھی
سے گزر کر سامنے صحن آگیا۔ صحن کے آگے ایک برآمدہ تھا جس
میں ایک تخت پر گاؤ تکیہ لگائے ایک طوطے ایسی ناک
والا مکار دبلا پتلا آدمی بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ حبشی نے
جا کر اسے جھک کر سلام کیا اور اس کے کان میں کچھ کہا
وہ آدمی بولا۔
"یہاں کوئی نہیں ہے کھل کر بات کرو"
حبشی نے عبرانی اور عربی ملی جلی زبان میں کہا
"اے میرے آقا ابن فیروز! ناظمہ اس وقت گھر
میں بالکل اکیلی ہے۔"
ابن فیروز نے مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا
"اب عمر سے انتقام لینے کا وقت آگیا ہے۔ میں اس
کی بیٹی کو اغوا کر کے اس سے زبردستی شادی کروں
اسے اس بری طرح ذلیل کروں گا کہ وہ ساری زندگی
نہ بھلا سکے گا۔" پھر اس نے حبشی کی طرف اشرفیوں کی ایک
تھیلی پھینک کر کہا۔

"جاؤ اور ناظمہ کو بے ہوش کر کے اٹھا کر لے آؤ
اور دیکھنا ہرگز ہرگز کسی کو تمہاری خبر نہ ہو"
حبشی بولا۔
"آقا یہ کام رات کے اندھیرے میں ہو سکے گا۔"
"ٹھیک ہے تم جس طرح مناسب سمجھو کرو۔ بہرحال
آج رات ناظمہ میری حویلی میں ہونی چاہیئے۔ میں ایک
مولوی صاحب کا انتظام کر رکھوں گا۔ آج رات ہی
ناظمہ سے نکاح پڑھا دیا جائے گا۔"
حبشی نے جھک کر کہا۔
"ایسا ہی ہو گا۔"
حبشی اشرفیوں کی تھیلی کمر کے گرد باندھ کر سلام
کر کے باہر نکلا۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی واپس ہوئی
اس خطرناک سازش کا سن کر وہ بڑی حیران ہوئی
تھی۔ سمجھ گئی کہ یہ کمینہ شخص ابن فیروز ناظمہ کے
باپ کا دشمن ہے اور اس سے دشمنی کر رہا ہے۔ ماریا
مسکرائی اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ ناظمہ کو
اغوا نہیں ہونے دے گی۔ وہ جلدی جلدی ناظمہ کے
گھر کی طرف آئی اس خیال سے کہ وہ ناظمہ کو یا اس
کے باپ کو کسی طریقے سے باخبر کر دے گی تاکہ وہ

آج کی رات وہاں سے کہیں چلے جائیں۔ جب ماریا
ناظمہ کے مکان میں پہنچی تو حویلی کے باہر تالا پڑا
تھا اور پہرے دار غلام باہر پہرہ دے رہا تھا۔
اس وقت وہ نمک حرام حبشی بھی آگیا اس نے پہریدار
سے تالا لگنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔
"آقا اپنی بچی کو لے کر اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں
گیا ہے۔"
"کب واپس آئے گا آقا؟" نمک حرام نے پوچھا
"کوئی خبر نہیں"
ماریا بھی سوچ میں پڑ گئی کہ اب وہ کیا کرے؟
کیا وہاں ناظمہ کی واپسی کا انتظار کرے یا چلی جائے
اور شام کو پھر آئے۔؟

حویلی کی چڑیل

ماریا اس وقت واپس عنبر اور ناگ کے پاس آگئی
اس نے ناظمہ کے اغوا کی سازش کا انہیں بتایا
تو عنبر نے کہا۔
"وہ بڑی نیک لڑکی ہے اسے ضرور بچانا چاہیئے
اور یہ کام تم بڑی آسانی سے کر سکتی ہو۔ اگر تم
چاہو تو ناگ تمہارے ساتھ چلا جاتا ہے۔"
ماریا نے کہا۔
"میرا خیال ہے یہ کام میں اکیلی ہی کرنا چاہوں گی"
ماریا جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ ایک بہادر لڑکی
تھی اور اس نے بڑے بڑے بہادری کے کام کیے
تھے۔ اسی وجہ سے ناگ اور عنبر نے اس کے ساتھ
جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی ویسے بھی وہ دونوں
اڑن طشتری کی کمپیوٹر مشین کی مرمت میں مصروف تھے۔
ماریا کو اڑن طشتری سے نکلتے نکلتے شام ہو گئی۔
شام کے بعد وہ وہاں سے چلی اور شہر کے اندر عمر
کی حویلی کے پاس آگئی وہاں آئی تو ہر طرف سوگ

کی فضا تھی۔ معلوم ہوا کہ تاجر عمر کی اکلوتی بیٹی ناظمہ
کو کسی نے اغوا کر لیا ہے۔ ماریا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔
نمک حرام حبشی اپنا وار کر گیا تھا۔ ماریا تیزی سے
حویلی میں داخل ہو گئی۔ وہاں ہر کوئی پریشان تھا
ناظمہ کے باپ کو غشی کے دورے پڑ رہے تھے ساری
کنیزیں اور غلام غم میں سر جھکائے نڈھال تھے۔ ماریا
نے اس کنیز کو تلاش کیا جو حبشی سے سازباز کر رہی
تھی۔ وہ اسے کہیں بھی نظر نہ آئی شاید وہ اپنا کام
کر کے جا چکی تھی۔

ماریا نے ابن فیروز کا مکان دیکھا تھا۔ وہ سیدھی وہاں
پہنچی۔ وہاں بھی تالا لگا تھا۔ شاید ابن فیروز جوابی حملے
یا بدنامی کے ڈر سے ناظمہ کو لے کر وہاں سے کہیں
دوسری جگہ چلا گیا تھا۔ ماریا پریشان ہو گئی کہیں ایسا
نہ ہو کہ وہ اِدھر اُدھر تلاش کرتی رہ جائے اور وہ
بدمعاش ابن فیروز ناظمہ سے شادی کر لے۔

ماریا ابن فیروز کی حویلی سے باہر نکل رہی تھی
کہ اس نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جس نے یہودی
عورتوں جیسا لباس پہن رکھا تھا وہ مکان کے پیچھے
دروازے پر آ کر رک گئی اس نے دائیں بائیں دیکھا

اور پھر چابی لگا کر تالا کھولا اور مکان کے اندر چلی گئی۔
ماریا بھی جلدی سے اس کے ساتھ اندر آ گئی۔

ماریا کو اس عورت پر شک پڑ گیا تھا کہ ضرور یہ
بھی سازش میں شریک ہے اور کوئی خاص چیز وہاں
سے لینے آئی ہے۔ یہودی عورت نے مکان کے اندر
جا کر دیکھا شمع روشن کی اور اس کی روشنی میں ایک
کمرے میں جا کر ایک صندوق کھولا اور اس میں سے
کچھ تلاش کرنے لگی۔ ماریا اس کے قریب کھڑی ہو کر غور
سے دیکھنے لگی۔

یہودی عورت نے صندوق میں سے ایک سیاہ رنگ
کی شیشی نکالی۔ اس کا کاک کھول کر دیکھا اور پھر
صندوق بند کر کے واپس ہوئی۔ ماریا نے سوچا کہ
اس عورت سے جو کچھ حاصل کرنا ہے اسی وقت پوچھا
جا سکتا ہے۔ مکان سے باہر جا کر ایسا نہ ہو سکے گا۔
پس ماریا نے پھونک مار کر شمع گل کر دی۔

شمع کے گل ہوتے ہی کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔
یہودی عورت سہم گئی۔ ماریا نے اس کے ساتھ ہی
دروازہ اندر سے بند کر دیا اور خاص قسم کی
آواز نکال کر کہا۔

"میں اس حویلی کی چڑیل ہوں بتاؤ ناظمہ کہاں ہے اگر تم نے نہ بتایا تو میں اسی وقت تمہیں ہلاک کر ڈالوں گی۔"

یہودی عورت تھر تھر کانپنے لگی اس کے منہ سے صرف اتنا نکلا۔

"دریا کنارے سبز روشنیوں والے مکان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اور غش کھا کر گر پڑی۔ ماریا نے اسے وہیں چھوڑا اور حویلی سے نکل کر دریا کی طرف روانہ ہوگئی دریا شہر کی دوسری جانب بہتا تھا۔ اب رات ہو گئی تھی اس نے دریا کے کنارے پر پہنچ کر دور سے ایک مکان دیکھا جس کے اوپر والی برجی سے سبز روشنیاں نکل رہی تھیں وہ سمجھ گئی کہ یہ ہی وہ مکان ہے جس کے بارے میں یہودی عورت نے بتایا ہے۔

اس مکان کے سارے دروازے بند تھے۔ کسی کمرے میں کوئی روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ ماریا کو آخر ایک کھڑکی میں شمع کی دھیمی سی روشنی نظر آ گئی۔ اب سوال یہ تھا کہ اس کھڑکی تک کیوں کر پہنچا جائے۔ ماریا نے ادھر اندھر دیکھا۔ دریا میں ایک کشتی جا رہی تھی۔ باقی سب جگہ اندھیرا تھا۔ اتنے میں ماریا کو ایک سایہ مکان کی

طرف بڑھتا نظر آیا۔ وہ چوکنی ہو گئی۔ سایہ مکان کے قریب آ کر رُک گیا۔

سائے نے اپنے پیچھے دیکھا جب اُسے یقین ہوگیا کہ اس کا پیچھا کوئی نہیں کر رہا تو وہ مکان کے عقبی دروازے پر آ کر رکا اور اس نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔ کسی نے جھٹ دروازہ کھول دیا۔ ماریا اس سائے کے بالکل قریب کھڑی تھی۔ وہ سائے کے ساتھ ہی مکان کے اندر چلی گئی اور ہلکی روشنی میں وہی حبشی نمک حرام کھڑا تھا۔ اس نے سائے سے کہا

"بڑی دیر کر دی تم نے۔ جلدی چلو آقا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

سائے نے لبادہ اتار دیا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی وہ سیدھی دوسری منزل کی تہ نشین میں پہنچی۔ یہاں ابن فیروز بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ عورت کو دیکھ کر اس نے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"خالہ جلدی کرو میں تمہارا انتظار کر رہا تھا وہ کمبخت یہودن ابھی تک بے ہوشی کی دوا لے کر نہیں پہنچی۔ جس طرح بھی ہو ناظمہ کو بے ہوش کردو

وہ بہت شور مچا رہی ہے۔ کم بخت بے ہوش ہو
جائے پھر بعد میں مولوی کو بلا کر نکاح بھی پڑھا
لیا جائے گا۔"
خالہ نے کہا۔
"میں اسے بے ہوش کیے دیتی ہوں مگر نکاح
کے لیے اس کے ہوش میں آنے کی کیا ضرورت ہے
نکاح نامہ تیار ہے اس پر ناظمہ کا انگوٹھا لگا لیں
گے اور پھر بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"
ابنِ فیروز بولا۔
"تو پھر جلدی سے اسے جا کر بے ہوش کر دو۔
بدبخت نے تہہ خانے میں ادھم مچا رکھا ہے۔"
خالہ کمرے کے ایک دروازے سے نکل کر سیڑھیاں
اترنے لگی۔ ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی سیڑھیاں
ایک تہہ خانے میں چلی گئیں۔ اب ناظمہ کے رونے
کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ بار بار اپنے باپ کو
آوازیں دے رہی تھی۔ ایک عورت اسے قابو
کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تہہ خانے میں مدھم دیا
جل رہا تھا۔ ناظمہ کی ایک ٹانگ زنجیر کے ساتھ بندھی
تھی۔ خالہ نے جاتے ہی کہا۔

"میری بچی! میں تمہارے باپ کا پیغام لے کر
آئی ہوں۔"
ناظمہ نے خالہ کی طرف دیکھا۔
"کیا میرا باپ آ رہا ہے؟ کیا وہ مجھے اس ظالم
ابنِ فیروز کے چنگل سے بچا لے گا۔ میں مر جاؤں
گی مگر اس سے بیاہ نہیں کروں گی۔"
خالہ نے ناظمہ کو پچکارتے ہوئے کہا
"گھبرانے کی بات نہیں بیٹی، تم جہاں کہو گی، ہم
تمہاری شادی وہیں کرائیں گے۔"
اور پھر اس مکار عورت نے ناظمہ کے سر پر ہاتھ
پھیرتے ہوئے ایک رومال اس کی ناک پر رکھ
دیا جو بے ہوشی کی دوائی میں بھیگا ہوا تھا۔
ناظمہ کو ایک ہچکی سی آئی اور وہ بے ہوش ہو گئی
اس عورت نے دوسری عورت سے کہا۔
"اسے چھوڑ دو۔ اب یہ کچھ نہیں کر سکے گی۔"
دونوں عورتیں باہر نکل گئیں۔ اب تہہ خانے میں
ماریا اور بے ہوش ناظمہ کے سوا اور کوئی نہیں تھا
ماریا جھک کر ناظمہ کو دیکھنے لگی۔ وہ بے ہوش تھی اس
کے منہ سے بے ہوشی کی دوا کی تیز بو آ رہی تھی۔

ماریا کو معلوم تھا کہ بے ہوشی کی دوا کا توڑ ایک منتر
ہے جسے خاص طور پر ناگ نے اسے یاد کرا رکھا
تھا یہ منتر اسے ایک جوگی نے آج سے دو ہزار
سال پہلے بتایا تھا۔

ماریا نے وہ منتر پڑھ کر ناظمہ کے منہ پر پھونک
ماری۔ طاق میں ایک دیا جل رہا تھا جس کی دھیمی
روشنی میں ناظمہ نے اچانک آنکھیں کھول دیں اور
اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہاں اسے کوئی نظر نہ آیا ماریا
کو ڈر تھا کہ کہیں یہ لڑکی پھر سے نہ چیخنا چلانا شروع
کر دے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو اوپر سے وہ عورتیں
پھر آ جائیں گی اور اسے دوبارہ بے ہوش کر دیں
گی۔ بس ماریا کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اپنا
آپ ناظمہ پر ظاہر کر دے اور اسے بتا دے کہ وہ
اس کی ہمدرد ہے اور اس کی مدد کرنے آئی ہے
ہو سکتا تھا کہ ناظمہ ڈر جائے۔ مگر یہ خطرہ ہر
حالت میں ماریا کو مول لینا ہی تھا۔ اُس نے
آہستہ سے کہا۔

" ناظمہ میری آواز سن کر ڈرنا نہیں۔ میں تمہاری
طرح ایک لڑکی ہوں۔ جادو کے ذریعے مجھے غائب

کر دیا گیا ہے۔ میں تمہاری مدد کرنے آئی ہوں"

یہ تین جملے ماریا نے جلدی سے ادا کر دیے اور
اب ناظمہ کے چہرے پر ان جملوں کے اثر دیکھنے لگی ناظمہ
نے گردن گھما کر جدھر سے آواز آئی تھی ادھر دیکھا اور
جب اسے کوئی نظر نہ آیا تو وہ بے ہوش ہو گئی ماریا
نے ایک بار پھر منتر پڑھ کر پھونکا۔ ناظمہ کو ہوش آ گیا ماریا
نے اس کے کندھے پر محبت سے ہاتھ رکھ دیا۔

" پیاری بہن! دیکھ لو میرا ہاتھ بالکل تمہارے ہاتھ
کی طرح ہے۔ یقین کرو میں کوئی بھوت نہیں ہوں
کوئی روح بھی نہیں ہوں۔ ایک لڑکی ہوں صرف
ایک جادوگر نے مجھ پر جادو کر کے مجھے غائب کر دیا
ہے۔ میں تمہاری مدد کرنے آئی ہوں۔ میں تمہیں یہاں
سے نکال کر تمہارے باپ کے پاس لے جاؤں گی۔"

اس پر ناظمہ نے ماریا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

" کتنی عجیب بات ہے کہ جن ہاتھوں کو میں نے
تھام رکھا ہے وہ مجھے بالکل نظر نہیں آ رہے۔ کیا
تم زندہ ہو؟"

ماریا نے ناظمہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں اور
آنکھوں سے لگایا۔ "میری پیاری بہن! تم اپنے ہاتھوں

سے مجھے محسوس کر سکتی ہو۔ دیکھ لو میں ایک لڑکی ہوں میرے بال تمہاری طرح لمبے ہیں۔ اب ان باتوں کو چھوڑو اور جلدی سے یہاں سے نکلنے میں میری مدد کرو۔" ناظمہ نے کہا۔

"میں کیا کر سکتی ہوں۔ میرے پاؤں میں تو لوہے کی زنجیر پڑی ہے۔"

"فکر نہ کرو میں اسے ابھی توڑتی ہوں۔ تم میرا انتظار کرو" اور ہاں اگر کوئی تہہ خانے میں آئے تو اسی طرح پھر سے اپنے آپ کو بے ہوش ظاہر کرنا یہ کہہ کر ماریا تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی اب اسے کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جس کی مدد سے وہ لوہے کی زنجیر توڑ سکے۔ آخر اُسے ایک کونے میں کلہاڑی پڑی مل گئی۔ وہ کلہاڑی لے کر تہہ خانے میں آ گئی اس نے کلہاڑی کی مدد سے زنجیر کی ایک کڑی اس طریقے سے توڑ ڈالی کہ اسے پھر سے بند کیا جا سکے۔

"اب تم آزاد بھی ہو اور گرفتار بھی۔ میں اوپر جا کر تمہارے یہاں سے نکلنے کا انتظام کرتی ہوں گھبرانا بالکل نہیں۔ میں ابھی واپس آ جاؤں گی۔"

ناظمہ نے کہا۔

"بہن! جلدی آ جانا۔ یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

اچانک وہی ونار خالہ تہہ خانے میں داخل ہوئی اور بولی۔

"یہ تم کس سے باتیں کر رہی ہو اور تم ہوش میں کیسے آ گئیں۔"

خالہ بڑی حیران تھی کہ اس نے تو ناظمہ کو بڑی تیز بے ہوشی کی دوا دی تھی۔ کم از کم چار گھنٹے تک ناظمہ کو بے ہوش رہنا چاہیے تھا۔ وہ غور سے ناظمہ کی آنکھوں میں تکنے لگی۔

"تم کیسے ہوش میں آ گئیں"

ناظمہ کے پاس اب اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ پھر سے بے ہوش ہو جاتی کہنے لگی۔

"خواب میں ایک عورت نے آ کر میرے منہ پر پانی ڈالا اور مجھے ہوش آ گیا۔ میں اس سے باتیں کر رہی تھی اس نے کہا ہے کہ وہ میری مدد کرے گی اور مجھے یہاں سے نکال کر لے جائے گی۔"

مکار خالہ نے قہقہہ لگایا۔

"لڑکی اب سب کچھ بھول جاؤ۔ آج سے تم ابن فیروز کی بیوی ہو۔ تمہارا نکاح اس کے ساتھ ہو گیا ہے۔ چلو اوپر چلو۔ تم اس کی بیوی ہو۔ میں تمہیں ہوش میں لاکر اوپر لے جانے کے لیے آئی ہوں"

ناظمہ نے چیخ مار کر کہا۔

"ہرگز نہیں! میں اوپر نہیں جاؤں گی۔ میں اس نمک حرام کمینے کی بیوی نہیں ہوں۔"

"بکواس بند کرو"! خالہ نے ایک زوردار تھپڑ مار دیا۔ ناظمہ کے ہونٹوں سے خون نکلنے لگا۔ ناظمہ نے جھک کر چابی سے زنجیر کا تالا کھولنا چاہا تو یہ دیکھ حیران رہ گئی کہ زنجیر کی ایک کڑی پہلے ہی سے کھلی تھی۔

"یہ کس نے زنجیر کھول دی؟ کون آیا تھا یہاں؟"

ناظمہ نے کہا۔

"میں کبھی نہیں بتاؤں گی"

"ابھی معلوم ہو جائے گا"

مکار عورت نے زنجیر کھول دی اور تالی بجائی۔ دو وحشی اندر آگئے۔

"اس لڑکی کو اٹھا کر اوپر لے چلو"

دونوں حبشیوں نے ناظمہ کو پکڑ کر گھسیٹا۔ ایک حبشی نے اسے اپنے کندھے پر بوری کی طرح ڈال لیا اور سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر چلا گیا۔ اسے جس کمرے میں پلنگ پر پھینک دیا گیا وہاں پہلے سے ابن فیروز موجود تھا۔ حبشی چلے گئے تو ابنِ فیروز نے ہنٹر نکال کر زور سے ناظمہ کے بدن پر مارا اور کڑک کر کہا۔

اگر تم نے شور مچایا تو میں تمہاری کھال ادھیڑ لوں گا۔ تم اب میری بیوی ہو۔"

———— ❖ ————
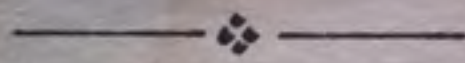
ناظمہ کو ماریا نے ابن فیروز کے چنگل سے کس طرح نکالا؟
عنبر اور ناگ وہاں سے اڑن طشتری لے کر کدھر گئے؟
اس کا حال آپ اس ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے

بچّوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا "عنبر! تم کبھی نہیں مروگے"۔ عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ رُوحوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——————

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو اہرام مصر کے ایک تہہ خانے کی قبر سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادُو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——————

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوف ناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مرجاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——————

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— پچاس قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پُورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

ادبی مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور

افریقہ کے گھنے جنگلات میں مکمل ہونے والا دلچسپ اور ہنگامہ خیز ایڈونچر

— عمران سیریز میں ایک یادگار اضافہ —

بلیک فیس

مصنف — مظہر کلیم ایم اے

بلیک فیس — یہودیوں کی خفیہ بین الاقوامی تنظیم — جس نے پُراسرار طور پر پاکیشیا میں اہم مشن مکمل کرنا چاہا — لیکن —؟

بلیک فیس — جس کا ہیڈکوارٹر افریقہ کے انتہائی گھنے اور خوفناک جنگلوں میں تھا — جہاں وحشی قبائل اور خونخوار درندوں کی کثرت تھی۔

بلیک فیس — جس کے خلاف کارروائی کے لئے عمران اور اس کے ساتھیوں کو خونخوار اور وحشی قبائلیوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔

بلیک فیس — جس کے ہیڈکوارٹر کے نیچے دنیا کے انتہائی خوفناک کاسمک میزائلوں کی لیبارٹری تھی — لیکن عمران نے ہیڈکوارٹر اور لیبارٹری کی تباہی کے لئے کام کرنے سے انکار کر دیا — کیوں —؟

انتھونی — بلیک فیس کا ایک ایسا ایجنٹ — جو ذہانت

عمران سیریز میں انتہائی دلچسپ اور یادگار ایڈونچر کہانی

مکمل ناول

ڈیزرٹ کمانڈوز

مصنف — مظہر کلیم ایم اے

ڈیزرٹ کمانڈوز خوفناک صحرا میں موجود یہودیوں کی اہم ترین لیبارٹری کے محافظ۔
ڈیزرٹ کمانڈوز جنہیں خاص طور پر علی عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کے خاتمے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

کرنل ابا کر — ڈیزرٹ کمانڈوز کا چیف۔ جو چاہتا تھا کہ ایک بار عمران اپنے ساتھیوں سمیت اس کے مقابل آجائے اور جب اس کی خواہش پوری ہوئی تو؟

ڈاکٹر درانی — پاکیشیا کا قابل فخر سائنسدان جسے یہودیوں نے اغوا کر کے صحرا میں موجود اپنی لیبارٹری میں پہنچا دیا۔ کیوں ——؟

ڈیتھ آف فیوچر — ایک ایسا خوفناک ہتھیار جو اس لیبارٹری میں تیار کیا جا رہا تھا اور جب عمران اپنے ساتھیوں سمیت اس لیبارٹری کو تباہ کرنے نکلا تو؟

- وہ لمحہ جب عمران اپنے ساتھیوں سمیت طوفانی صحرا میں اس طرح پھنس گیا کہ زندگی بچانا ناممکن ہو گیا ——؟
- وہ لمحہ جب عمران اور اس کے ساتھیوں کے سروں پر کرنل ابا کر قہر بن کر ٹوٹ پڑا۔
- ڈیزرٹ کمانڈوز اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے درمیان ہونے والی ایک ایسی جنگ کہ ریت کے ذرے بھی خوف سے اپنی چمک کھو بیٹھے۔

عمران سیریز میں انتہائی دلچسپ اور ہنگامہ خیز ایڈونچر

ڈبل مشن

مصنف ـــ مظہر کلیم ایم اے

- ایک ایسا مشن ـــ جسے دو بار پورا کیا گیا ـــ کیسے ـــ ؟ کیا پہلی بار مشن مکمل نہ ہوا تھا ـــ یا ـــ ؟
- ایک ایسا مشن ـــ جس میں پہلی بار شاگل نے پاکیشیا آکر فیلڈ میں کام کیا ـــ انتہائی حیرت انگیز سچوئیشن۔
- ایک ایسا مشن ـــ جس میں شاگل نے پاکیشیا میں علی الاعلان اپنا مشن مکمل کر لیا لیکن عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس بے بس ہو کر رہ گئے ـــ کیا وہ واقعی بے بس تھے ـــ یا ـــ ؟
- ایک ایسا مشن ـــ جس میں شاگل اور مادام ریکھا بیک وقت عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کے مقابل آئے اور پھر خوفناک ہنگاموں کا آغاز ہو گیا۔
- ایک ایسا مشن ـــ جس میں کافرستان کی ملٹری انٹیلی جنس کے ایک کرنل نے عمران اور اس کے ساتھیوں کی مدد کی لیکن دراصل یہ ایسا ٹریپ تھا جس کا عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کو آخری لمحے تک احساس نہ ہو سکا ـــ کیوں ـــ ؟ کیا کرنل رائے عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس سے زیادہ ہوشیار تھا ـــ یا ـــ ؟
- ایک ایسا مشن ـــ جس میں عمران اور اس کے ساتھی مادام ریکھا اور شاگل دونوں کے مقابل بیک وقت ناکام ہو گئے۔ کیوں اور کیسے ـــ ؟
- ایک ایسا مشن ـــ جسے عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس نے ہر لحاظ سے مکمل کر لیا ـــ لیکن اس کے باوجود عمران کو دوبارہ یہی مشن مکمل کرنا پڑا ـــ انتہائی حیرت انگیز سچوئیشن۔

- قدم قدم پر چونکا دینے والے واقعات
- تیز رفتار ایکشن اور اعصاب کو منجمد کر دینے والا سسپنس۔
- کامیابی اور ناکامی کے درمیان پنڈولم کی طرح حرکت کرتی ہوئی ایک ایسی منفرد دلچسپ اور حیرت انگیز کہانی جسے جاسوسی ادب میں مدتوں یاد رکھا جائیگا۔

یوسف برادرز۔ پاک گیٹ ملتان

عمران سیریز میں ایک یادگار اور ناقابل فراموش ایڈونچر

مکمل ناول

گرین گارڈ

مصنف مظہر کلیم ایم اے

گرین گارڈ * یہودیوں کی بین الاقوامی لیکن خفیہ تنظیم جس کی کارروائیوں سے اسرائیل کے صدر بھی بے حد مطمئن تھے۔

گرین گارڈ * جس کے تحت ڈوم نامی تنظیم بنائی گئی تھی جس کے دو سیکشن پوری دنیا کے مسلمانوں کے خلاف خوفناک اور تباہ کن کارروائیوں میں مصروف رہتے تھے۔

ڈاکٹر کمال * ایک پاکیشیائی سائنس دان۔ جو ایکریمیا سے اس لئے واپس بھجوا دیا گیا تھا کہ اس کا ذہنی توازن درست نہ رہا تھا اور وہ قابل علاج نہ تھا لیکن گرین گارڈ کے پاس اس کا علاج تھا۔ پھر ——؟

وہ لمحہ * جب گرین گارڈ نے عمران پر پاکیشیا میں ہی اچانک حملہ کر دیا اور عمران کئی ماہ کے لئے معذور ہو کر رہ گیا۔ پھر ——؟

* ڈاکٹر کمال کا فارمولا جسے گرین گارڈ صرف یہودیوں کے لئے ریزرو کرنا چاہتا تھا۔ ایسا فارمولا تھا جس پر انسانی آبادی کے مستقبل کا انحصار تھا۔

وہ لمحہ * جب جولیا کی سربراہی میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کی ٹیم ڈاکٹر کمال اور فارمولا حاصل کرنے کے لئے بھیجی گئی۔ لیکن ——؟

* عمران نے ٹائیگر کو مشن پر بھیجا کہ وہ جولیا اور اس کے ساتھیوں کے تحت کام کرے لیکن کیا ٹائیگر کے لئے ایسا ممکن تھا ——؟

وہ لمحہ * جب ٹائیگر تمام رکاوٹوں کو توڑتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ اکیلا؟

وہ لمحہ * جب جولیا کی سربراہی میں ٹیم نے بھرپور جدوجہد کی مگر کیا عمران کے بغیر وہ آگے بڑھ سکتے تھے۔ یا ——؟

* ڈوم تنظیم کے دو سیکشن باری باری مقابل آئے۔ انتہائی تجربہ کار اور تیز طرار لوگ۔ لیکن انجام کیا ہوا اور کیسے ہوا ——؟

وہ لمحہ * جب ٹائیگر نے پاکیشیا سیکرٹ سروس پر برتری ثابت کر دی۔ کیوں اور کیسے ——؟

انتہائی دلچسپ، جسمانی فائٹس، تیز رفتار ایکشن اور منجمد کر دینے والے سسپنس سے بھرپور ایک یادگار اور ناقابل فراموش ایڈونچر

ناشران

خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان

Ph 061-4018666

Mob0333-6106573

عمران سیریز میں ایک خوفناک اور دھماکہ خیز ناول

عمران کی موت

مصنف :- مظہر کلیم - ایم - اے

ماسٹر کلرز :- پیشہ ور خوف ناک قاتلوں کی بین الاقوامی تنظیم جس کا ہر ممبر قتل کرنے میں بے پناہ مہارت رکھتا تھا۔

ماسٹر کلرز :- جس کے ہر ممبر نے اپنے اپنے انداز میں عمران پر مسلسل اور خوف ناک قاتلانہ حملے شروع کر دیئے۔

ماسٹر کلرز :- جنہوں نے عمران کے فلیٹ۔ رانا ہاؤس اور زیرو ہاؤس کے پرخچے اڑا دیئے۔ کیسے ؟

پے در پے اور خوف ناک حملوں کے سامنے اکیلا عمران کب تک ٹھہر سکتا تھا۔

ماسٹر کلرز اور عمران کے درمیان خوفناک اور اعصاب شکن تصادم۔

کیا عمران خوفناک قاتلوں کی اس تنظیم کے ہاتھوں بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا یا موت عمران کا مقدر ہو چکی تھی

خوفناک اور مسلسل ایکشن سے بھرپور کہانی

یوسف برادرز پبلشرز بک سیلرز پاک گیٹ ملتان

عمران سیریز میں ایک دلچسپ اور یادگار ایڈونچر

مکمل ناول

جیوش پاور

مصنف

مظہر کلیم ایم اے

جیوش پاور۔ یہودیوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم جس کے بیک وقت دو ہیڈ کوارٹر تھے۔ کیوں ——؟

جیوش پاور۔ جس نے مسلم تنظیم ضرب مسلم کے سرکردہ افراد کے نام اور ٹھکانوں پر مشتمل مائیکرو کیسٹ حاصل کرنے کے لئے شوگرانی سفارت کار کو اغوا کر لیا۔ کیوں ——؟

جیوش پاور۔ جس کے خلاف کام کرنے سے عمران نے صاف انکار کر دیا لیکن پھر وہ آمادہ ہو گیا۔ کیوں ——؟

وہ لمحہ۔ جب عمران پوری ٹیم کی بجائے صرف جولیا کو ساتھ لے کر مشن پر روانہ ہو گیا اور پھر جولیا کی ایسی صلاحیتیں سامنے آنے لگیں کہ عمران بھی حیران رہ گیا۔ کیوں اور کیسے ——؟

وہ لمحہ۔ جب عمران کی اماں بی نے جولیا کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی بہو بنانے کا اعلان کر دیا۔ کیوں اور کیسے ——؟

وہ لمحہ۔ جب جولیا نے جیوش پاور کے دو سپیشل سپر ایجنٹس کے ساتھ اکیلے فائٹ کی۔ ایسی فائٹ جس کا ہر لمحہ موت کا لمحہ بن کر رہ گیا۔ کامیابی کسے ملی ——؟

ایک ایسا مشن جس میں طویل عرصے بعد کے جولیا نے کھل کر اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔

وہ لمحہ۔ جب ایک بار پھر عمران نے جیوش پاور کے خلاف حرکت میں آنے سے انکار کر دیا اور ایکسٹو اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ کیوں ——؟

انتہائی دلچسپ، منفرد اور یادگار ناول

ناشران

خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان

Ph 061-4018666

Mob0333-6106573

عمران سیریز میں ایک دلچسپ، منفرد اور یادگار ناول

= = = = = = = = = = = =

سپیشل نمبر

مکمل ناول

کالی دنیا

مصنف مظہر کلیم ایم اے

کالی دنیا = کالے جادو کی دنیا جس میں شیطان کی بڑی اور طاقتور قوتیں ملوث تھیں۔

کالی دنیا = پاکیشیا اور کافرستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے لاکھوں کالے جادو کے ماہر جو عوام الناس کو کالے جادو کی مدد سے سیدھے راستے سے ہٹا دینے میں صدیوں سے مصروف ہیں۔

کالا جادو = گندگی، بدروحوں، بھوتوں اور شیطانوں پر مبنی ایسا جادو جسے سریع الاثر اور انتہائی طاقتور سمجھا جاتا ہے۔

کالا جادو = جس کا شکار مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ کیوں ---؟

کالا جادو = جس کے خلاف عمران، صفدر اور کیپٹن شکیل نے مشترکہ جدوجہد کی۔ پھر ---؟

وہ لمحہ = جب جولیا، صالحہ اور تنویر نے کالے جادو کے خلاف کام کرنے سے انکار کر دیا۔ کیوں؟ کیا وہ بھی کالے جادو کا شکار ہو گئے تھے۔ یا ---؟

کالو کاریگر = پاکیشیا میں کالے جادو کا سب سے بڑا عامل جس نے عمران اور اس کے ساتھیوں کو ایک شیطانی کنویں میں قید کر دیا۔ پھر کیا ہوا ---؟

راج کالا = کافرستان میں کالے جادو کا سب سے بڑا عامل جو انسانوں کا خون پیتا تھا اور جو پوری قوت سے عمران اور اس کے ساتھیوں سے ٹکرا گیا۔

پھر کیا ہوا ---؟

کلجگ = کالے جادو کی مرکزی مورتی جسے تباہ کرنے سے کالے جادو کا تار و پود بکھر جاتا لیکن عمران اور اس کے ساتھی اس تک پہنچ جانے کے باوجود کالے جادو کے خطرناک حربے کا شکار ہو گئے۔ کیوں اور کیسے۔ انجام کیا ہوا ---؟

کالے جادو کی گندی اور خوفناک طاقتوں اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے درمیان ایسی جنگ جو روشنی اور اندھیرے کی جنگ تھی۔
لیکن انجام کیا ہوا؟

سحر و فسوں میں لپٹی ایک ایسی جدوجہد جس کا ہر لمحہ یادگار ثابت ہوا

ناشران

خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ
ارسلان پبلی کیشنز
اوقاف بلڈنگ
پاک گیٹ
ملتان
Ph 061-4018666
Mob0333-6106573

خطرناک چٹانیں

اے حمید

موت کا تعاقب

موت کا تعاقب ۹۳

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

خطرناک چٹانیں

اے حمید

اے حمید

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
علمی پرنٹنگ پریس، ۱۸ ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انار کلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل: ۱۹۷۹ء
قیمت: چار روپے پچاس پیسے

مقامِ اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انار کلی، لاہور

فہرست:

شمع بجھ گئی
جوگی کی پڑیا
پراسرار فقیر
عنبر بھیر گیا
ناگ کو مار ڈالا
دمشق کا ڈاکو
خطرناک پٹھانیں!

پیارے بچو!
آپ پچھلی قسط میں پڑھ چکے ہیں کہ ناظمہ تاجر
کی بیٹی کو ابن فیروز اغوا کر کے اپنی حویلی میں لے گیا تھا۔ا
اسے زنجیروں میں جکڑ کر قید میں ڈال دیا۔ ماریا اس حویلی میں
پہنچ گئی اور اسے وہاں سے بھگا کر اپنی اڑن طشتری میں لے
آئی۔ ابن فیروز اس کی ٹوہ میں نکل کھڑا ہوا۔ اس کا ایک دوست
بوڑھی فقیرنی کا بھیس بدل کر اڑن طشتری کے قریب گیا
اور اس نے مکاری سے ناظمہ کو پھر سے اغوا کر لیا۔ اب عنبر
اور فیروز نے زبردست حملے کی سکیم بنائی۔ انہوں نے فیصلہ
کر لیا کہ وہ ابن فیروز کو زندہ نہیں چھوڑیں گے اور ناظمہ کو
ہر حالت میں واپس لائیں گے ادھر ابن فیروز نے ناظمہ کو بیہوش
کر کے گھوڑے پر ڈالا اور ایک قافلے میں شامل ہو کر ملک شام
کی طرف روانہ ہو گیا۔ عنبر اور ناگ بھی اڑن طشتری پر اس کے
تعاقب میں نکلے۔ قافلے پر راستے میں ڈاکہ پڑا اور ڈاکوؤں
نے ابن فیروز کو قتل کر دیا اور ناظمہ کو اٹھا کر لے گئے۔۔۔
پھر کیا ہوا؟ یہ آپ خود پڑھیں۔

شمع بجھ گئی

ناظمہ نازک سی لڑکی تھی۔
ظالم ابن فیروز کا کوڑا کھا کر نیم جان سی ہو کر پلنگ پہ گر پڑی۔
ابن فیروز اس پہ برس پڑا۔ اسے برا بھلا کہنے لگا۔ بار بار یہی کہتا۔
"میں نے تمہارے باپ سے بدلہ لیا ہے۔ اب تم کو ساری زندگی
میرے اس قید خانے میں میری بیوی بن کر رہنا ہو گا۔ دیکھوں گا کہ
کون تمہیں یہاں آ کر میرے پنجے سے چھڑاتا ہے"۔
ابن فیروز نے کمرے کو باہر سے تالا لگایا اور تیسری منزل پر چلا گیا۔
ادھر ماریا حویلی کے باہر کسی ایسی شے کا بندوبست کرنے گئی تھی کہ
جس میں چھپا کر وہ ناظمہ کو وہاں سے لے جائے۔ کہیں سے اسے ایک سیاہ
چادر مل گئی تھی۔ اس نے سوچا کہ ناظمہ کو اس چادر میں لپیٹ کر وہ وہاں
سے نکال لے جائے گی۔ جب ماریا سیاہ چادر لے کر تہہ خانے میں آئی
تو دیکھتی کیا ہے کہ ناظمہ وہاں پہ موجود ہی نہیں۔ تہہ خانہ خالی ہے۔ زنجیر
ٹوٹی پڑی ہے۔ اس نے سوچا شاید ناظمہ اکیلی ہی بھاگ گئی ہے اور وہ ماریا
کا انتظار نہیں کر سکی۔ یہ اس نے غلطی کی۔ ماریا کو خیال آیا۔ اگر وہ پکڑی

گئی تو پھر کبھی یہاں سے فرار نہ ہو سکے گی۔

یہی سوچتی ہوئی ماریا تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والی منزل میں آگئی۔ وہ ایک کمرے کے قریب سے گزر رہی تھی کہ اسے اندر سے ابن فیروز کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی کنیز سے کہہ رہا تھا۔

"خبردار! اب اگر ناظمہ اس مکان سے باہر گئی تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔"

ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ناظمہ اسی مکان میں ہے۔ ماریا کو یہ بڑا اچھا سراغ مل گیا تھا۔ وہ تو وہاں سے جا رہی تھی۔ اب سوال یہ باقی رہ گیا تھا کہ ماریا کو کس جگہ تلاش کیا جائے؟ ماریا نے حویلی کے کمروں کی تلاشی لینا شروع کر دی۔ آخر وہ اس کمرے میں آئی جس میں ناظمہ نیم بے ہوش پڑی تھی۔ اس نے دروازہ کھولنا چاہا تو اندھیرے میں اسے محسوس ہوا کہ دروازے پر تالا لگا ہے۔ ماریا کے لئے تالا کھولنا کوئی مشکل نہ تھا۔ اس نے ایک ہاتھ کا زور لگا کر تالا مروڑ دیا۔ تالا کھل کر اس کے ہاتھ میں آگیا۔

اس نے دروازہ تھوڑا سا کھولا اور جلدی سے اندر داخل ہو گئی۔ اسے معلوم تھا کہ ابن فیروز کسی وقت بھی وہاں آسکتا ہے۔ اس لئے اسے جو کچھ بھی کرنا تھا جلدی کرنا تھا۔ کمرے میں ایک دھیمی سی شمع جل رہی تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ ناظمہ ایک پلنگ پر پڑی ہے۔ ماریا نے جاتے ہی اسے ہوش میں لانے کی ترکیبیں شروع کر دیں۔ تھوڑی دیر بعد ناظمہ کو ہوش

آگیا۔

"ناظمہ! جلدی سے یہ چادر اوڑھ کر میرے ساتھ آؤ۔"

ناظمہ نے گھبرا کر کہا۔

"تم ـــ تم کہاں ہو؟"

"تم مجھے نہیں دیکھ سکتیں۔ اس طرف چل پڑو۔ نیچے کی طرف۔"

ناظمہ اگرچہ ادھ موئی تھی مگر وہ اس قید خانے سے جلدی سے جلدی بھاگ جانا چاہتی تھی۔ اس لئے وہ چادر اوڑھ کر باہر نکل آئی۔ دوسری منزل کی سیڑھیاں اتر کر وہ پہلی منزل پہ آگئی۔ یہاں اس نے دیکھا کہ ڈیوڑھی کی طرف جانے والی راہداری میں ایک شمع جل رہی ہے اور ایک حبشی پہرہ دے رہا ہے۔ ناظمہ دیوار کے ساتھ لگ گئی۔ اب اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ ماریا کہاں ہے۔ کیونکہ وہ اسے دیکھ نہیں سکتی تھی۔ وہ آواز بھی نہیں دے سکتی تھی۔

ماریا کو بھی اس بات کا علم تھا۔ وہ ڈرتی تھی کہ کہیں ناظمہ گھبرا کر اسے آواز نہ دے دے۔ پس وہ جلدی سے ناظمہ کے پاس آگئی اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر بولی۔

"فکر نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

اب ماریا نے دیکھا کہ حبشی بڑا چوکس تھا۔ جاگ رہا تھا۔ اس کی کمر کے ساتھ خنجر لگا تھا۔ ماریا نے ناظمہ کے کان میں کہا۔

"تم اسی جگہ کھڑی رہو۔ میں اس حبشی کی خبر لیتی ہوں۔"

ماریا آگے بڑھی۔ حبشی راہداری میں ایک پتھر کے بنچ پر بیٹھا تھا.... اچانک اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کے پاس کھڑا ہے۔ اس نے کسی کے سانس لینے اور قدموں کی چاپ کی آواز سنی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر سوچنے لگا کہ بھلا کون ہو سکتا ہے۔ وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا وہ اپنے وہم پر ہنس پڑا۔ لیکن یہ اس کا وہم نہیں تھا۔ ماریا اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔ اب ماریا کا حملہ کرنے کا وقت آ گیا تھا۔

حبشی اپنے دھیان میں بیٹھا تھا کہ اچانک کسی نے اس کی گردن پر زوردار ہاتھ مارا۔ ہاتھ میں اتنی طاقت تھی کہ وہ بوکھلا گیا۔ ابھی وہ سنبھل کر کمر سے خنجر نکال ہی رہا تھا کہ ماریا نے دوسرا ہاتھ مار دیا۔ حبشی لڑکھڑا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ ماریا نے سرگوشی میں ناظمہ کو آواز دی۔

"جلدی کرو۔ ڈیوڑھی کے دروازے کی طرف بڑھو۔"

ناظمہ ڈیوڑھی کے دروازے کی طرف آ گئی مگر دروازے پر آ کر انہوں نے دیکھا کہ ایک بہت خونخوار کتا اور دو حبشی ننگی تلواریں لئے پہرہ دے رہے تھے۔ کتے نے غیبی عورت اور ناظمہ کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ بھونکنے لگا۔ اسے بھونکتا دیکھ کر پہرے دار حبشی چوکنے ہو گئے۔

"یہاں کون ہو سکتا ہے۔"

"کوئی اجنبی ضرور ہے ورنہ کتا کبھی نہ بھونکتا۔"

"تم جا کر دیکھو۔ ادھر راہداری میں کوئی چور تو نہیں آ گیا!"

"چور کی موت آئی ہے جو ادھر آئے گا۔"

"تم جا کر دیکھو تو سہی!"

حبشی کتے کو ساتھ لے کر راہداری کی طرف بڑھا۔ ماریا کے لئے یہ ایک نازک گھڑی تھی۔ اس نے ناظمہ کو پکڑ کر آگے کی طرف گھسیٹنا شروع کر دیا۔ کان میں کہا۔

"جلدی سے پیچھے چلو اور کسی کمرے میں چھپ جاؤ۔"

ناظمہ پیچھے کی طرف بھاگی۔ سامنے ایک کوٹھڑی تھی۔ اس کوٹھڑی میں شاید پہرے دار رہتا تھا۔ وہ جا کر کوٹھڑی میں چھپ گئی۔ ماریا اسی جگہ کھڑی رہی۔ کیونکہ اسے تو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اب حبشی اپنے ساتھ کتے کو لئے راہداری میں اس جگہ نمودار ہوا جہاں طاق میں شمع جل رہی تھی۔ آگے پہرے دار بے ہوش حبشی فرش پر پڑا تھا۔ ماریا کو معلوم تھا کہ اگر اس نے اپنے بے ہوش ساتھی کو دیکھا تو وہ ایک دم سے شور مچا دے گا۔ ساری حویلی کے لوگ جاگ پڑیں گے اور پھر بڑی مشکل پیش آئے گی۔ ماریا لپک کر بے ہوش حبشی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

دوسرا حبشی کتے کی زنجیر تھامے پھونک پھونک کر قدم رکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ کتا بھونک رہا تھا۔ جونہی وہ بے ہوش حبشی کے قریب آیا تو رک گیا اور جھک کر اپنے ساتھی کو تکنے لگا۔ بس یہی وقت تھا کہ جب ماریا نے پوری طاقت سے ایک ہاتھ حبشی کی گردن پر مارا۔ وہ بھی اپنے بے ہوش ساتھی کے اوپر گرا اور بے سدھ ہو گیا۔

کتا اکیلا ہی بھونک رہا تھا۔ اس کا منہ غیبی ماریا کی طرف تھا۔ کیونکہ کتے
کو ماریا کی بو آرہی تھی۔ اس کتے کا منہ بند کرنا بہت ضروری تھا کیونکہ
اس کی آواز سے ہی سارے گھر والے وہاں آسکتے تھے۔ ماریا نے آگے
بڑھ کر کتے کی گردن کو دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا اور اوپر اٹھا لیا۔۔۔
کتے کا گلا بند ہوتا گیا اور پھر ماریا نے دو تین زوردار جھٹکے دیئے اور
وہ اس کے ہاتھوں میں مردہ ہو کر نیچے گر پڑا۔

اس کام سے فارغ ہو کر ماریا کوٹھڑی کی طرف بھاگی۔ اس نے ناظمہ
کو دیکھا۔ وہ کونے میں کھڑی تھی اور خوف سے کانپ رہی تھی۔

"ابھی باہر مت نکلنا ناظمہ! ابھی ایک پہرے دار حبشی باقی ہے۔"

ماریا تیزی سے کوٹھڑی سے باہر نکلی اور ڈیوڑھی میں آگئی۔ دوسرا
حبشی وہاں کھڑا اس طرف دیکھ رہا تھا جدھر اس کا ساتھی کتا لے کر گیا تھا
اب کتے کی آواز بھی نہیں آرہی تھی۔ وہ آگے بڑھا۔ اس نے اپنے ساتھی
کو آواز دے کر پکارا۔ کوئی جواب نہ آیا۔ اتنے میں اوپر والی منزل میں ایک
شور سا مچ گیا۔ غلاموں اور کنیزوں کی آوازیں آنے لگیں۔ پھر ابن فیروز
کی آواز گونجی۔

"دروازہ بند کر دو۔ خبردار کوئی باہر نہ نکلنے پائے۔"

یہ سن کر باقی بچا ہوا پہرے دار حبشی ہوشیار ہو گیا۔ اس نے وہیں سے
بلند آواز میں کہا۔

"آقا! دروازہ بند ہے۔"

پھر وہ بھاگ کر دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں ابن فیروز
دوسرے نوکروں کے ساتھ نیچے آگیا۔ شمع جلا دی گئی۔ روشنی ہو
گئی۔ وہ گھبرایا ہوا اور پریشان تھا۔ اس نے کہا۔

"دوسرے پہرے دار کہاں مر گئے؟ ناظمہ غائب ہے۔ دیکھو
دوسرے لوگ کہاں ہیں؟"

بہت جلد انہوں نے دونوں بے ہوش حبشی پہرے داروں اور
مرے ہوئے کتے کو برآمدے میں پڑا دیکھ لیا۔ وہاں بھی روشنی کر
دی گئی۔ اب وہاں ہر شے صاف نظر آرہی تھی۔ حبشیوں کو ہوش
میں لایا گیا۔ انہوں نے گردن سہلاتے ہوئے بتایا کہ کسی نے
زور سے ان کی گردنوں پر مکا مارا تھا۔ کتا مر چکا تھا۔ ابن فیروز
نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک نازک لڑکی کے مکا مارنے سے
ہٹا کٹا حبشی بے ہوش ہو جائے اور کتا مر جائے۔ ضرور اس کے
ساتھ کوئی دوسرا آدمی بھی ہے۔"

اس نے حکم دیا کہ حویلی کے سارے کمروں کی تلاشی لی جائے
ایک دم سے سارے ملازم اور کنیزیں کمروں کی تلاشی لینے لگے
ابن فیروز خود حویلی کے بند دروازے کے آگے حبشی غلام کے ساتھ
کھڑا تھا۔ گھر میں ہر طرف روشنیاں کر دی گئی تھیں۔ ماریا لپک کر
اسی کمرے میں آگئی تھی جہاں ناظمہ سیاہ چادر میں لپٹی کونے میں

ایک صندوق کے پیچھے دبکی بیٹھی تھی۔ ناظمہ گھبرائی ہوئی تھی۔ ماریا
نے سرگوشی میں کہا۔

"خبردار! کسی قیمت پر آواز مت نکالنا۔ میں سارا کام سنبھال
لوں گی۔ تم خاموش بیٹھی رہو۔"

اتنے میں ایک غلام اس کوٹھڑی میں بھی آگیا۔ اس کے ہاتھ
میں شمع تھی۔ اس نے ناظمہ کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔
وہ اس صندوق کی طرف بڑھا جس کے پیچھے ناظمہ چھپی ہوئی تھی
اسی وقت ماریا نے غلام کی گردن پر دونوں ہاتھ مار دیئے۔ ضرب
اس قدر شدید تھی کہ غلام کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی ا
وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ شمع اس کے ہاتھ سے گر کر بجھ
گئی۔

ماریا نے ناظمہ سے کہا۔

"تم اسی جگہ چھپی رہو۔ میں ابھی آتی ہوں۔ خبردار! یہاں
ہلنے کی ہرگز ہرگز کوشش نہ کرنا۔ نہیں تو سارا بنا بنایا
بگڑ جائے گا۔"

ناظمہ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے کانپتی آ
میں کہا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

ماریا اس کی طرف سے مطمئن ہو کر کوٹھڑی سے باہر آگئی

وہ سیڑھی چڑھ کر اوپر والی منزل میں آئی اور بالکونی میں کھڑی
ہو کر نیچے آواز دی۔

"ناظمہ اوپر ہے۔ جلدی سے اوپر آجاؤ میرے آقا!"

ابن فیروز نے سمجھا کہ کوئی کنیز اوپر سے بولی ہے۔ وہ مسکرایا۔

"کم بخت بھاگ کر کہاں جا سکتی تھی!"

اور مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھنے
لگا۔ ماریا بڑی تیزی سے نیچے اترنے لگی۔ ابن فیروز اوپر جا
رہا تھا۔ ماریا نیچے اتر رہی تھی۔ ابن فیروز نے محسوس کیا کہ کوئی
سیڑھیاں اتر رہا ہے۔ اس نے رک کر اوپر سیڑھیوں میں دیکھا
روشنی میں اسے سیڑھیاں خالی نظر آئیں۔

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے!"

ماریا اس کے قریب سے ہو کر نیچے اتر گئی۔ ابن فیروز کو
نیچے اترنے کی آواز صاف آئی۔ وہ پیچھے کو مڑا۔ اس نے دیکھا
کہ نیچے کی سیڑھیاں بھی خالی تھیں۔ اسے کبھی گمان بھی نہیں ہو
سکتا تھا کہ کوئی ایسی عورت سیڑھیاں اتر رہی ہے جو نظر نہیں آ
رہی۔ وہ اوپر چڑھ گیا۔ اس دوران میں ماریا بھاگ کر ناظمہ
کے پاس پہنچ چکی تھی۔

"جلدی سے باہر نکلو اور راہداری میں کھڑی ہو جاؤ۔ میری
سیٹی کی آواز پر فوراً دروازے کی طرف لپکنا۔"

ماریا کوٹھڑی سے نکل کر حویلی کے بڑے دروازے پر
جہاں ابھی تک وہ حبشی خنجر لئے پہرہ دے رہا تھا۔ وقت بہت
تھا۔ ماریا اس کے پاس آکر اس کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ ا
حبشی نے بھی اپنے قریب کسی انسان کے سانس لینے کی آ
صاف سنی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"کون ہے؟"

پھر فوراً ہی اپنی حماقت پر ہنس پڑا۔ کیونکہ شمع کی ر
میں وہاں کوئی دوسرا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسی وقت ماریا نے
پوری طاقت سے ایک ہاتھ حبشی کی گردن پر مار دیا۔ دھ
کی آواز کے ساتھ ہی حبشی کے حلق سے ایک معمولی سی آ
نکلی اور وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ ماریا نے جھک کر دیکھ
حبشی بے ہوش ہو چکا تھا۔ ماریا نے اس کی جیب سے
کی چابی نکالی اور بڑا قفل کھول دیا۔ پھر اس نے سیٹی بج
ناظمہ دیوار کے ساتھ لگی اسی سیٹی کا انتظار کر رہی تھی۔
دروازے کی طرف لپکی۔ دروازہ آدھا کھلا تھا۔ وہ تیزی سے
سے باہر نکل گئی۔ اسے اپنے پیچھے ابن فیروز کی اونچی او
پریشان آوازیں سنائی دیں۔

"پکڑو! پکڑو!! وہ بھاگنے نہ پائے۔ جلدی کرو بدبخت
ساتھ دھوکا ہوا ہے۔"

لیکن وقت گزر چکا تھا۔ اس وقت ناظمہ ماریا کے ساتھ حویلی
سے باہر تاریک گلی میں بھاگی جا رہی تھی۔ دریا کنارے آکر
وہ رک گئی۔

"ہائے! میں تھک گئی ہوں۔"

ناظمہ کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ ہانپ رہی تھی۔ ماریا
نے کہا۔

"تمہیں دریا کے ساتھ ساتھ کھجوروں کے جھنڈ تک بھاگنا
ہوگا۔ جلدی کرو۔ نہیں تو وہ لوگ آکر تمہیں پکڑ لیں گے۔"

ناظمہ نے بھاگنا شروع کر دیا۔ کھجوروں کے جھنڈ کے
پاس جاکر وہ بے دم ہو کر زمین پر لیٹ گئی اور زور زور سے
سانس لینے لگی۔ ماریا نے سوچا کہ اب اسے کس طرح سے لے
جایا جائے؟ ابھی کافی راستہ باقی تھا۔ اتنے میں حویلی کی
جانب سے گھوڑوں کی سرپٹ دوڑنے کی آوازیں آئیں۔ ماریا
نے ستاروں کی روشنی میں دیکھا۔ دور حویلی کی گلی سے گھوڑ
سوار نکل رہے تھے اور ٹھیک اسی طرف آ رہے تھے جدھر
کھجوروں کا جھنڈ تھا۔ ماریا کچھ پریشان ہو گئی۔

جوگی کی پڑیا

ماریا نے گھوڑ سواروں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر ناظمہ سے کہا۔
"جلدی سے ان جھاڑیوں کے پیچھے چھپ جاؤ۔ وہ لوگ ادھر کو ہی آ رہے ہیں۔"

گھوڑ سوار دریا کنارے کھجوروں کے جھنڈ کی طرف گھوڑے دوڑاتے چلے آ رہے تھے۔ ماریا خموشی سے اندھیرے میں کھجور کے درخت کے پاس کھڑی انہیں قریب آتا دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ اسے معلوم تھا کہ ناظمہ جھاڑیوں میں چھپی ہوئی ہے اور وہ لوگ آگے گزر جائیں گے۔ پھر بھی اسے وہم تھا کہ اگر کسی کو شک پڑ گیا تو یہاں ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ اب ایسا ہوا کہ گھوڑ سوار کھجوروں کے جھنڈ کے پاس آ کر رک گئے۔ جو گھوڑ سوار سب سے آگے تھا اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"چار آدمی اس جگہ رک جائیں اور گھات لگا کر بیٹھیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے شکار ادھر سے گزرے۔"

چار گھوڑ سوار اس جگہ رک گئے اور باقی آگے نکل گئے یہ ایک نئی مصیبت آن پڑی تھی۔ ماریا کے لئے ناظمہ کو لے کر فرار ہو جانا بڑا مشکل ہو رہا تھا۔ چاروں گھوڑ سواروں نے اپنے گھوڑے درختوں میں ایک جگہ باندھے اور خود وہ تلواریں سونت کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور اس راستے کو دیکھنے لگے جدھر گھوڑ سوار گئے تھے۔ وہ جھاڑی ان سواروں کے بالکل پاس ہی تھی جس میں ناظمہ چھپی ہوئی تھی۔ ماریا کو خطرہ تھا کہ اگر ناظمہ نے غلطی سے ذرا سا کھانسا بھی تو اس کی خیر نہیں ہے اور وہ پکڑی جائے گی۔ پھر ہو سکتا ہے ماریا کے لئے بھی ان چار سواروں سے اسے بچانا مشکل ہو جائے۔

وہ آہستہ آہستہ کھسکتی ہوئی ناظمہ کی جھاڑی کے پاس آ گئی۔ اگرچہ اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا مگر وہاں خشک پتوں پر چلنے پھرنے سے آواز پیدا ہوتی تھی اور ایسا ہی ہوا۔ ماریا کے کھسک کھسک کر چلنے کے باوجود پتوں پر چرچراہٹ سی ہوئی ایک سوار نے پلٹ کر دیکھا۔

"یہ آواز کیسی تھی؟"

دوسرے نے کہا۔

"آواز میں نے بھی سنی تھی۔"

"مگر یہاں تو کوئی نہیں۔"

"ہو سکتا ہے کوئی بلی یا لومڑ بھاگ کر گزر گیا ہو!"

رات اب آخری دموں پر تھی۔ ستارے ماند پڑنے لگے تھ
آسمان پر صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے لگی تھی۔ ماریا اسی جگہ ر
گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر آگے بڑھی اور ناظمہ کے پاس
پہنچ کر جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ کہیں وہ اچا
چیخ نہ مار دے۔

خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا۔ ان کم بخت سواروں نے تلواریں
ہاتھوں میں تھام رکھی تھیں۔ ذرا سی غلطی بھی خطرناک ہو سکتی تھی کیو
اگرچہ ماریا کسی کو نظر نہیں آتی تھی مگر وہ تلوار کے زخم سے ہلاک
ہو سکتی تھی۔ یہ تو صرف عنبر ہی تھا جس پر کسی قسم کا وار کوئی
اثر نہیں کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ماریا نے ناظمہ کو بھی بچا کر
وہاں سے لے جانا تھا۔

ماریا نے ناظمہ کے کان میں آہستہ سے کہا۔
"گھبرانا بالکل نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم بالکل نہ
بولنا۔ میری کسی بات کا جواب دینے کی کوشش نہ کرنا۔
انتظام ہو جاتا ہے۔"

ماریا نے سوچنا شروع کر دیا۔ اس کا دماغ تیزی سے چل رہا
صبح کی روشنی ہونے سے پہلے پہلے وہ ناظمہ کو وہاں سے نکال کر
جانا چاہتی تھی۔ دن کی روشنی میں ناظمہ کا وہاں سے جانا سخت

مشکل ہو جائے گا۔ کھجوروں کے جھنڈ میں ابھی اندھیرا تھا۔ ناظمہ
کو تسلی دے کر ماریا جھاڑیوں سے نکل کر باہر آگئی۔ اس نے دیکھا
کہ گھوڑے ذرا دور ایک درخت کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔
ماریا چاہتی تھی کہ کسی طریقے سے ایک گھوڑا کھول کر ناظمہ کو اس
پر بٹھا کر وہاں سے لے اڑے اور اڑن طشتری کے پاس پہنچ
جائے۔

اس نے پہلا کام یہ کیا کہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی گھوڑوں کے
پاس آگئی۔ اس نے ایک گھوڑے کو آہستہ سے کھول دیا۔ گھوڑا
اسی جگہ کھڑا رہا۔ اگرچہ اس کی رسی کھل گئی تھی۔ گھوڑوں نے ایک
انسان کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ ذرا سا ہنہنائے۔ اس
پر چاروں سواروں نے پلٹ کر گھوڑوں کی طرف دیکھا۔

"وہاں کون ہے؟" ایک نے کہا۔

دوسرا جلدی سے اٹھ کر گھوڑوں کے پاس گیا۔ ماریا جلدی سے
ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ سوار
نے آکر گھوڑوں کو پچکارا۔ ان کی گردنوں پر پیار سے ہاتھ پھیرا
ماریا کی خوش قسمتی تھی کہ اس سوار کی نظر کھلے ہوئے گھوڑے
کی رسی پر نہ پڑی۔ واپس آکر وہ بولا۔

"وہاں کوئی نہیں۔ سب خیریت ہے۔"

اب وہ چاروں پھر گھات لگا کر بیٹھ گئے۔

"بھائی! یہاں تو ابھی تک کوئی نہیں آیا۔"

"کیا خیال ہے آگے چل کر دیکھا جائے؟"

"نہیں نہیں۔ سردار کا حکم ہے کہ ہمیں اسی جگہ رہ کر انتظ
کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ بیٹھے رہو۔ مجھے کیا ہے۔"

ماریا اب کھسکتی ہوئی بڑی احتیاط سے قدم اٹھاتی، خشک
پتوں سے بچتی، جھنڈ سے نکل کر دریا کی طرف آگئی۔ دریا
کے کنارے آکر اس نے زور سے آواز نکالی۔

"بچاؤ...... بچاؤ...... بچاؤ۔"

اس آواز پر چاروں سوار چونکے اور جدھر سے آواز
آئی تھی ادھر کو لپکے۔ اس عرصے میں ماریا بھی بھاگ کر
واپس جھنڈ میں آگئی تھی۔ اس نے جھاڑیوں میں آکر ناظمہ
سے کہا۔

"جلدی سے نکل کر گھوڑوں کی طرف آؤ۔"

ناظمہ جھاڑی سے نکل کر گھوڑوں کی طرف بھاگی۔ ماریا اس گھو
پر سوار ہو گئی تھی جسے اس نے پہلے ہی کھول دیا تھا۔ یہ گھوڑا
سے الگ ہو کر باہر آگیا تھا۔ ناظمہ کو ماریا اس پر سوار نظر نہیں
آرہی تھی مگر وہ سوار ہو چکی تھی۔ اس نے کہا۔

"فوراً گھوڑے پر پیچھے سوار ہو جاؤ۔"

ناظمہ ذرا سا اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ گئی۔ اب اس نے
صاف محسوس کیا کہ ماریا بھی گھوڑے پر سوار ہے۔ ناظمہ کے سوار
ہوتے ہی ماریا نے ایڑ لگائی۔ گھوڑا ایک دم سے دوڑ پڑا۔ گھوڑے
کو دوڑتے دیکھ کر دوسرے سوار ادھر کو بھاگے۔

"ارے وہ بھاگ گئی۔ جلدی سے پیچھا کرو۔"

سواروں نے صبح کی پھیلتی ہلکی ہلکی روشنی میں صاف دیکھ لیا
تھا کہ گھوڑے پر ایک عورت سیاہ چادر اوڑھے بیٹھی ہے۔ وہ ماریا
کو تو بالکل نہیں دیکھ سکتے تھے۔ تینوں سوار ناظمہ کے گھوڑے
کے پیچھے لگ گئے۔ ماریا بڑی ماہر گھوڑ سوار تھی۔ ہزاروں
سالوں سے وہ گھوڑے دوڑاتی چلی آ رہی تھی۔ اس کا گھوڑا دریا
کے کنارے تیزی سے بھاگا جا رہا تھا۔ تین گھوڑ سوار بھی اس کا
پیچھا کر رہے تھے۔ ایک گھوڑ سوار وہیں درختوں میں رہ گیا تھا۔

ماریا کے گھوڑے نے دریا کے کافی آگے جا کر رخ بدل لیا
اب وہ کھجور کے درختوں کے درمیان والے پکے راستے پر بھاگا
جا رہا تھا۔ سوار برابر اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ ماریا کا گھوڑا کھجور
کے درختوں سے نکل کر اس چٹان کی طرف ہو گیا جس کی اوٹ
میں اڑن طشتری کھڑی تھی۔

عنبر اور ناگ رات بھر ماریا کے لئے پریشان رہے تھے۔ انہیں
یقین تھا کہ ماریا ہوشیار لڑکی ہے۔ اسے کچھ نہیں ہو سکتا

پھر بھی ناگ رات کو حویلی کا ایک چکر لگا آیا تھا۔ مگر وہاں سوائے اندھیرے گھر کے اسے کچھ دکھائی نہیں دیا تھا۔ اس وقت صبح ہو رہی تھی۔ ناگ جاگ رہا تھا۔ عنبر اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ ناگ نے طلوع ہوتے سورج کی روشنی میں دریا کی جانب ایک سیاہ پوش گھوڑ سوار کو دیکھا جو سرپٹ گھوڑا دوڑاتے اس کی طرف بھاگا چلا آ رہا تھا۔

ناگ ہوشیار ہو گیا۔ کیونکہ اس کے پیچھے اس نے تین گھوڑ سواروں کو بھی دیکھ لیا جو اس کا تعاقب کرتے بھاگے چلے آ رہے تھے۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ وہ پینل پر بیٹھ کر تیار ہو گیا اور سکرین آن کر دی۔ سیاہ پوش گھوڑ سوار قریب آ رہا تھا۔ وہ سیدھا اڑن طشتری کی طرف آ رہا تھا۔ تعاقب کرنے والے تینوں گھوڑ سوار اب اس کے قریب آ گئے تھے اور تلواریں لہرا کر اس پر حملہ کرنے والے تھے۔

ناگ نے سوچا ضرور کوئی گڑبڑ ہے اور اگلے گھوڑے پر ضرور ماریا سوار ہو گی ورنہ اسے سیدھا اڑن طشتری کی طرف آنے کی کیا ضرورت تھی۔ ناگ نے آگ برسا[illegible]نے والے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ دشمن گھوڑ سوار اب ماریا کے گھوڑے کے بالکل قریب آ چکے تھے۔ خطرہ تھا کہ اگر ناگ آگ کی شعاع پھینکتا تو ماریا کا گھوڑا بھی بھسم ہو جاتا۔ ناگ نے اڑن طشتری کے لاؤڈ سپیکر پر آواز دی۔

"ماریا! اگر تم ہو تو مجھے حملے کے لئے موقع دو۔"

یہ الفاظ اس نے اپنی خفیہ زبان میں کہے تھے۔ ماریا نے ناگ کی آواز سن لی تھی۔ اس نے گھوڑے کی رفتار ایک دم کم کر دی اور دائیں طرف کو گھوم گئی۔ اس طرح سے تعاقب کرنے والے سواروں کو دھوکا ہوا اور وہ آگے نکل گئے۔ اب ان کے درمیان فاصلہ پڑ گیا اور دشمن ناگ کی زد میں آ گئے۔ ماریا کا گھوڑا اڑن طشتری کے قریب آ گیا تھا۔

ناگ نے بٹن دبا دیا۔

گھوڑ سواروں نے دیکھا کہ سامنے ایک عجیب و غریب عمارت جو گول ہے اور چاندی کی طرح چمک رہی ہے کھڑی ہے۔ ابھی وہ حیران ہی ہو رہے تھے کہ اس میں سے ایک سرخ شعاع بجلی کی سی تیزی کے ساتھ نکل کر ان پر گری۔ دو گھوڑ سوار دوں سمیت جل کر خاک ہو گئے۔ تیسرے سوار نے جلدی سے گھوڑے کو موڑ لیا اور واپس بھاگا۔

ماریا کا گھوڑا اب اڑن طشتری کے باہر رک گیا تھا اور ہانپ رہا تھا اس نے ناظمہ کو نیچے اتارا۔ خود بھی اتری اور اڑن طشتری میں آ گئی ناظمہ بڑی حیران تھی کہ یہ کیسی جگہ ہے اور کیسی عمارت ہے۔ ناگ نے دروازہ کھول دیا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی ماریا نے یہ کہہ کر اپنی موجودگی کا ثبوت دیا۔

"میں آگئی ہوں ناگ بھائی! یہ ناظمہ ہے۔ تاجر عمر کی بیٹی"۔
ناگ نے اڑن طشتری کی کھڑکی میں سے باہر جھانکتے ہوئے
کہا۔

"یہ تو آگئی ہے مگر ایک گھوڑ سوار نے اڑن طشتری دیکھ
لی ہے۔ وہ واپس چلا گیا ہے"۔

اتنے میں عنبر بھی جاگ پڑا۔ وہ بھی باہر تکنے لگا۔ ماریا
ساری رات کی کہانی انہیں بیان کی۔ ناظمہ کو انہوں نے بڑے
آرام سے ایک کمرے میں لے جا کر بٹھا دیا۔ ماریا نے دیکھا کہ
ناظمہ تعجب سے اڑن طشتری کی چھت، دیواروں، روشنیوں اور
مشینوں کو دیکھ رہی ہے۔

"بہن ماریا! یہ ـــــ یہ کون سی جگہ ہے؟"
ماریا نے مسکرا کر کہا۔
"اسے تم نہیں سمجھ سکوگی۔ بہر حال یہ ہمارا گھر ہے۔ عنبر اور ناگ
میرے بھائی ہیں"۔
ناظمہ نے کہا۔
"ان سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ گھوڑ سوار کہاں گئے؟"
ماریا بولی۔
"دو جل کر بھسم ہو گئے۔ ایک بھاگ گیا"۔
ناظمہ نے ڈر کر کہا۔

"وہ تو جا کر خبر کر دے گا۔ اب ہماری خیر نہیں۔ ابن فیروز
کے آدمی ہمارے اس مکان پر حملہ کر دیں گے"۔
ماریا مسکرائی۔
"فکر نہ کرو۔ اگر وہ آئے تو یہاں سے زندہ واپس نہ جا
سکیں گے"۔

پھر ماریا نے ناظمہ کا منہ ہاتھ دھلایا۔ اسے ناشتہ کروایا اور
اڑن طشتری کی سیر کرائی۔ یعنی اڑ کر سیر نہیں کرائی بلکہ اسے
اندر کے سارے کمرے اور مشینیں دکھائیں۔ ناظمہ حیرانی سے ایک
ایک چیز کو دیکھ رہی تھی۔

"اس کا نام کیا ہے ماریا؟ یہ مکان تم نے کب بنوایا؟"
ماریا نے ہنس کر کہا۔
"یہ مکان ہم نے بنوایا نہیں بلکہ اسے دور دیس سے اڑا کر
لائے ہیں"۔
"تو ـــ تو کیا یہ اڑتا ہے؟ کیا یہ اڑن کھٹولہ ہے؟"
"ہاں! یہ اڑن کھٹولہ ہے۔ یہ ہوا میں اڑتا ہے۔ کیا تم اس کی سیر
کروگی"۔
ناظمہ نے خوف سے منہ پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔
"نہیں نہیں۔ میں آسمان پر نہیں اڑنا چاہتی۔ مجھے تم میرے
باپ کے پاس پہنچا دو"۔

عنبر نے ناظمہ کے سر پہ ہاتھ پھیر کر کہا۔

"ہم پر بھروسہ کرو بہن۔ ہم تمہارے بہن بھائی ہیں۔ بہت جلد تمہیں تمہارے باپ کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔"

ادھر جو گھوڑ سوار بچ گیا تھا اس نے کھجوروں کے جھنڈ سے اپنے ساتھی کو لیا اور بھاگم بھاگ سیدھا ابن فیروز کے پاس پہنچا اور جا کر ساری کہانی بیان کی۔ ابن فیروز کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے دس بارہ گھوڑ سوار غلام ساتھ لئے اور بھاگتا ہوا اڑن طشتری والی جگہ پر آ گیا مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

"تم لوگ جھوٹ بولتے ہو، یہاں تو کچھ بھی نہیں۔"

گھوڑ سوار نے کہا۔

"مجھ سے چاہے جس کی قسم لے لیں آقا! اسی جگہ ایک سفید چمکتی ہوئی گول گول شے کھڑی تھی۔ اس کے اندر سے ایک سرخ روشنی نکل کر ہم پر گری تھی جس کی زد میں آ کر میرے ساتھی مارے گئے۔ یہ دیکھیں یہ زمین یہاں سے کالی سیاہ ہے۔ یہ ان گھوڑ سواروں کی لاشوں کے نشان ہیں۔"

ابن فیروز نے دیکھا کہ ریت پر ایک جگہ سیاہ جلا ہوا نشان تھا جیسے کوئی شے وہاں جل کر بھسم ہو گئی ہو۔ اڑن طشتری کی آگ نے گھوڑوں اور سواروں کی ہڈیاں تک نہیں چھوڑی

تھیں۔ ساری جل کر راکھ ہو گئی تھیں۔ بہرحال اسے یقین آ گیا کہ ایسا ضرور ہوا ہو گا۔ مگر سوال یہ تھا کہ وہ اڑن طشتری کہاں چلی گئی؟

"لیکن حملہ کرنے والے کہاں ہیں؟"

"خدا جانے کہاں بھاگ گئے ہیں۔"

ابن فیروز نے کہا۔

"اب تمہارا یہ فرض ہے کہ شام ہونے سے پہلے پہلے ان لوگوں کو تلاش کرو جنہوں نے میرے دو بہترین گھوڑ سواروں کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"جو حکم میرے آقا!"

"ابھی جاؤ۔ دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔"

وہ گھوڑ سوار چلا گیا۔ ابن فیروز بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں سے واپس ہوا۔

اصل میں ناگ اور عنبر اس خطرے کے پیش نظر کہ لوگوں کو اڑن طشتری کی خبر ہو جائے گی، وہاں سے اڑن طشتری کو کسی دوسری جگہ اڑا کر لے گئے تھے۔ یہ کام انہوں نے زمین سے تھوڑی اوپر اڑ کر کیا تھا تاکہ زیادہ اوپر جانے سے شہر کے لوگوں کو خبر نہ ہو جائے۔ انہوں نے اڑن طشتری کو ایک ویران سی جگہ پر دریا کی دوسری جانب صحرا میں لے جا کر کھڑا کر دیا تھا

یہاں ایک پرانی عمارت کے کھنڈر تھے۔ اس عمارت کے پہلو میں
اڑن طشتری رک گئی۔
عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اب ناظمہ کو اس کے باپ کے ہاں جا
کر چھوڑ آنا چاہیئے۔"
ناگ بولا۔

"اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ مکار ابن فیروز دوبارہ
اپنے ساتھیوں کی مدد سے اسے اغوا کرلے گا۔"
"پھر اس لڑکی کا کیا کریں۔"
ماریا بولی۔

"میرا خیال ہے کہ ہم اس کے باپ کو یہاں بلوا لیتے ہیں۔"
عنبر بولا۔

"اس سے کیا ہوگا۔ خواہ مخواہ وہ یہاں آکر پریشان ہوگا۔
آخر وہ یہاں رہ تو سکتا نہیں۔ ناظمہ کو لے جائے گا اور خطرہ بھی
اس کے سر پر منڈلاتا رہے گا۔"
ناگ نے کہا۔

"تو پھر اس کا ایک ہی علاج ہے کہ ابن فیروز کو یہاں بلوا کر
قید کر دیا جائے اور ناظمہ کو اس کے باپ کے حوالے کر دیا
جائے تاکہ وہ باقی زندگی سکون سے بسر کر سکے۔"

"ابن فیروز کو قید کر کے ہم اس کا اچار ڈالیں گے؟"
عنبر نے پوچھا۔
ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"اتنا بڑا مرتبان ہمارے پاس نہیں ہے کہ جس میں ایک
آدمی کا اچار ڈالا جا سکے۔ بہرحال ہم اسے کسی ویران جزیرے
پر پھینک سکتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اس جزیرے سے بھی کسی نہ کسی طرح
واپس آجائے اور بعد میں ناظمہ کے لئے مصیبت کا باعث
بن جائے۔"

یہ بات ماریا نے کہی تھی۔ عنبر نے سوچ کر کہا۔

"تو پھر اسے لے جا کر ہم گہرے سمندر میں گرا دیں گے
اس نے بھی تو ناظمہ کی زندگی برباد کرنے کی قسم کھا رکھی ہے
اس کا زندہ رہنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہاں البتہ ایسا کرنے سے ناظمہ کی زندگی مزید محفوظ رہ سکتی
ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"تو پھر ابن فیروز کو یہاں لانے کا کام ناگ انجام دے گا۔"
ناگ نے کہا۔

"اس بدبخت کو یہاں لانے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھے آپ لوگ

حکم کریں۔ میں اسے اس کے گھر میں ہی جا کر ختم کر آتا ہوں۔"
عنبر نے تالی بجا کر کہا۔
"ارے اس طرف تو ہمارا دھیان ہی نہیں گیا۔ بالکل ٹھیک ہے
ناگ! تم آج ہی جاؤ اور ابن فیروز کو جا کر اس کے انجام تک
پہنچا آؤ۔ کیونکہ جب تک وہ زندہ ہے ہماری بہن ناظمہ کی زندگی
خطرے میں رہے گی اور اب تو وہ اسے ہرگز ہرگز نہیں چھوڑے
گا۔"

ناگ نے سر جھکا کر کہا۔
"جو حکم میرے آقا!"
اور عنبر اور ماریا دونوں ناگ کی اس حرکت پر ہنس پڑے۔
ادھر ناگ رخصت ہوا ادھر ابن فیروز اپنے خاص دوست کو لے کر
ناظمہ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ اسے یقین تھا کہ اڑن کھٹولہ جس
پر بٹھا کر کوئی ناظمہ کو لے گیا ہے۔ اس جگہ سے زیادہ دور نہیں
گیا ہو گا۔ وہ دریا کی دوسری جانب آ گیا اور گھوڑوں پر سوار دونوں
دریا کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف نکل گئے۔ دن چڑھ آیا تھا۔
دھوپ چمک رہی تھی۔ صحرا میں دور دور تک کوئی انسان دکھائی
نہیں دیتا تھا۔

ادھر ناگ سیدھا ناظمہ کے باپ کے گھر پہنچا۔ اس کی حالت بہت
خراب تھی۔ وہ بستر پہ پڑا تھا۔ ناگ نے اپنے آپ کو حکیم عنبر کا

بھائی ظاہر کیا اور اسے تاجر عمر کے پاس جانے کی اجازت مل گئی
تاجر عمر نے ناگ کو دیکھ کر کہا۔
"تم حکیم عنبر کے بھائی ہو؟ خدا کے لئے عنبر کو بلاؤ۔ اسے کہو کہ
میرا گھر لٹ گیا ہے۔ میرے پاس آئے۔ میری بچی کو کہیں سے
ڈھونڈ کر لائے۔"
ناگ نے کہا۔
"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ ذرا ان غلاموں
اور کنیزوں کو یہاں سے بھجوا دیں۔"
تاجر عمر نے اسی وقت وہاں تخلیہ کروا دیا۔ ناگ نے کہا۔
"ناظمہ ہمارے پاس ہے۔"
اتنا سننا تھا کہ تاجر عمر کے چہرے پر خوشی کی چمک آ گئی۔ وہ
ناگ سے لپٹ گیا۔
"کیا تم سچ کہہ رہے ہو بھائی!"
"ہاں بھائی! ناظمہ ہمارے گھر میں ہے اور اسے ہم اس لئے
یہاں نہیں لا رہے کہ ابن فیروز سازش کر کے اسے دوبارہ یہاں
سے اغوا کروا لے گا۔"
تاجر عمر نے کہا۔
"میں اسے قتل کر دوں گا۔"
ناگ نے کہا۔

"آپ شریف آدمی ہیں۔ ایسا نہ کر سکیں گے۔ اس لئے ہم نے یہی بہتر سمجھا ہے کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ اپنی بچی کو تسلی دیں اسے ملیں اور پھر واپس آجائیں۔ اس عرصے میں ہم ابن فیروز کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ وہ مر جائے گا تو سارا کام ٹھیک ہو جائے گا۔"

تاجر ظفر نے کہا۔

"اسے ختم کر دو۔ اس بدبخت نے کتنے لوگوں کو قتل کروایا ہے۔ اس نے میری زندگی جہنم بنا رکھی ہے۔"

"تو پھر آپ یہاں انتظار کریں۔ میں ابن فیروز کا کام تمام کرنے جا رہا ہوں۔ واپسی پہ آپ کو اپنے ساتھ لیتا جاؤں گا۔"

ناگ، ناظمہ کے باپ کو تسلی دے کر وہاں سے نکلا اور سیدھا ابن فیروز کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوسری طرف ابن فیروز اپنے دوست کے ساتھ صحرا میں اڑن کھٹولے کی تلاش میں چکر لگا رہا تھا کہ اسے ایک درخت کے نیچے ایک جوگی بیٹھا نظر آیا۔ ابن فیروز نے اس کے پاس جا کر پوچھا کہ اس نے ادھر کوئی عجیب سی شے اڑتے یا زمین پر اترتے دیکھی ہے؟ جوگی نے مسکرا کر کہا۔

"بھائی! میں نے تو کسی اڑن کھٹولے کو نہیں دیکھا لیکن تیری قسمت مجھے بتا رہی ہے کہ دشمن تیری گھات میں لگا ہے۔"

"کیا مطلب؟" ابن فیروز گھوڑے سے اتر کر جوگی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس کا دوست بھی وہاں آ بیٹھا۔

"جوگی بابا! کیا تم قسمت کا حال بتا دیتے ہو؟"

"کیوں نہیں۔"

"تو پھر بتاؤ کہ جس لڑکی کو میں نے اغوا کیا تھا وہ کہاں ہے؟"

جوگی مسکرایا۔ اس نے ریت پر کچھ نشان بنائے۔ ان کو غور سے تکتا رہا۔ پھر منہ کو اوپر اٹھا کر غور سے ابن فیروز کو دیکھا۔ آنکھیں بند کر کے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔

"سنو! جس لڑکی کو تم نے اغوا کیا تھا وہ ایک نیک پارسا لڑکی ہے۔ تم نے بہت برا کیا۔ اس کی بددعا تم کو لگ گئی ہے وہ لڑکی اس وقت ایسے لوگوں کے اڑن کھٹولے میں ہے جو اس دنیا کے نہیں ہیں اور بڑے کرنی والے لوگ ہیں۔ تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ تمہاری تلاش میں ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ابن فیروز کچھ گھبرا گیا۔

"مطلب یہ کہ ایک آدمی جس کی آنکھیں نسواری ہیں اور جو اصل میں ایک سانپ ہے، جو انسان کی شکل میں چل پھر رہا ہے تمہارے پیچھے لگا ہے۔ وہ تمہیں ہلاک کرنے گھر سے چلا ہے۔ تم

اس سے نہیں بچ سکو گے۔"

"پھر میں کیا کروں مہاراج؟ مجھے کوئی راستہ بتائیے۔ میں آپ کو جو مانگیں گے دوں گا۔"

ابن فیروز پریشان ہو گیا تھا۔ جوگی نے ریت پر بنے ہوئے نشان دیکھ کر کہا۔

"اس سے بچنا بڑا مشکل ہے۔"

ابن فیروز نے تھیلی سے سونے کی ڈھیر ساری اشرفیاں نکال کر جوگی کے قدموں میں ڈال دیں اور ہاتھ باندھ کر بولا۔

"جوگی مہاراج! میری جان بچا لیجئے میں آپ کا گھر سونے سے بھر دوں گا۔"

جوگی نے سونے کی اشرفیاں دیکھیں تو خوشی سے نہال ہو گیا اور ہاتھ اوپر اٹھا کر بولا۔

"بچہ! جا تیرا کلیان ہو گا۔ پر دشمن خطرناک ہے۔ کوئی بات نہیں ہم تمہیں ایک پڑیا دیتے ہیں۔ اسے پانی کے ساتھ کھا لے۔ اس کے بعد تجھ پر سانپ کے زہر کا اثر بالکل نہیں ہو گا۔ تجھے اژدھا بھی کاٹ لے گا تو تجھے کچھ نہیں ہو گا۔ تو زندہ رہے گا۔"

پھر جوگی نے ابن فیروز کو اپنی گٹھڑی میں سے ایک پڑیا نکال کر دی۔ ابن فیروز لوٹے میں سے پانی لے کر اسے کھا گیا۔ جوگی نے کہا۔

"اب آرام سے گھر چلا جا۔ تیرا دشمن سانپ ہے۔ وہ تجھے ضرور کاٹے گا۔ پر تجھ پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔"

ابن فیروز خوشی خوشی گھر واپس آ گیا۔ اس نے اپنے دوست سے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ ایک ایسا آدمی اس کا پیچھا کر رہا ہے جو اصل میں ایک سانپ ہے اور انسان کے روپ میں زندہ ہے۔

"کتنی عجیب بات ہے دوست! کیوں نہ اس آدمی کو قید کر لیا جائے۔"

"اس سے کیا ہو گا۔ سانپ کو بھی کبھی کسی نے گھر میں پالا ہے؟ وہ تو کبھی نہ کبھی ضرور دھوکہ دے جائے گا۔ تمہیں زہر کچھ نہیں کہے گا۔ مگر گھر میں دوسرے لوگ بھی تو ہیں۔ انہیں کچھ ہو گیا تو کون ذمے دار ہو گا؟"

ابن فیروز نے کہا۔

"ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مگر ناظمہ کو کہاں تلاش کیا جائے؟" دوست نے کہا۔

"جیسا کہ ہمارے سپاہی نے کہا تھا۔ وہ ایک عجیب سی شے کے اندر چلی گئی تھی جیسے ہم اڑن کھٹولہ ہی کہیں گے۔ اب وہ شے دریا کنارے نہیں ہے۔ ظاہر ہے وہ اڑ کر کسی دوسری جگہ چلی گئی ہے۔ وہ ضرور اسی صحرا میں کہیں آس پاس ہو گی۔ ہم کل اس کی

تلاش میں ایک بار پھر نکلیں گے۔"

ابن فیروز نے کہا۔

"میرا خیال ہے۔ صحرا کے مغرب میں ایک کھنڈر ہے۔ ہم نے وہ جگہ نہیں دیکھی۔ بہر حال میری جاسوس عورت ناظمہ کے گھر پر ہی رہتی ہے۔ اگر ناظمہ گھر آگئی تو مجھے فوراً اطلاع ہو جائے گی۔ اسے اس وقت اغوا کر لیا جائے گا۔"

دوست نے کہا۔

"ابھی تو ہمیں اس دشمن کا انتظار ہے جو سانپ ہے۔ لیکن آدمی کی شکل میں زندہ ہے اور تمہیں ہلاک کرنے آ رہا ہے۔"

"ہاں میں اس کا انتظار کروں گا لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب مجھ پر اس کے زہر کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ انسان کی شکل میں نہیں بلکہ سانپ کے روپ میں کسی وقت یہاں آئے گا اور تمہیں ڈسے گا۔"

"ہاں۔ مگر مجھے کیا پروا ہے اب!"

شام کو ابن فیروز کی جاسوسہ نے آکر اطلاع دی کہ ناظمہ ابھی تک گھر واپس نہیں آئی مگر اس کا باپ بڑا خوش ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے اسے اس کی بچی مل گئی ہے۔

ابن فیروز سمجھ گیا کہ ناظمہ کے باپ کو ان لوگوں نے یہ خوش خبری

سنا دی ہوگی کہ ناظمہ زندہ ہے اور ان کے اڑن کھٹولہ میں ہے۔

کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ اور نظر رکھو۔ ناظمہ جیسے ہی گھر آئی، مجھے اطلاع کر دینا۔"

کنیز جاسوسہ چلی گئی۔

○

پُراسرار فقیر

ناگ نے دوپہر کے بعد بھی ابن فیروز کے گھر کا چکر لگایا۔
اسے یہی اطلاع ملی کہ وہ ابھی نہیں آیا۔ شام کو ناگ پھر آیا تو
معلوم پڑا کہ وہ واپس گھر آگیا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو یمن کا ایک
نجومی ظاہر کیا اور ابن فیروز سے ملاقات کی۔ ابن فیروز نے ناگ
کی آنکھوں میں غور سے دیکھا۔ وہ جوگی کے بتانے کے مطابق
نسواری تھیں اور ناگ پلک نہیں جھپکتا تھا۔ اس کا صاف مطلب
یہی تھا کہ وہ سانپ ہے۔ ابن فیروز سمجھ گیا کہ اس کا دشمن اس
کے گھر میں آگیا ہے۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ اسے ختم کر
دے۔ اس سے پہلے کہ وہ سانپ بن کر اسے کاٹے وہ اس کا
خاتمہ کر دے۔ یہ سوچ کر ابن فیروز نے ناگ کی بڑی آؤ بھگت
کی اور کہا۔

"نجومی صاحب! آپ کا نام کیا ہے۔ آپ سے مل کر مجھے بڑی خوشی
ہوئی ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"میرا نام طلال ہے۔"

ابن فیروز بولا۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے طلال صاحب! کہ آپ میرے غریب خانے
پر تشریف لائے۔ آپ آج کی رات میرے غریب خانے پر ہی آرام
فرمائیں۔"

ناگ تو یہی چاہتا تھا۔ بڑا خوش ہوا۔ ابن فیروز نے کہا۔

"آپ کے سونے کے لئے اوپر کی منزل پہ ایک الگ کمرہ آپ
کو دے دیا جائے گا۔ آپ بے فکر ہو کر وہاں آرام کریں۔"

رات کا کھانا کھانے کے بعد ابن فیروز نے یونہی ناگ سے کہا۔

"آپ نجومی ہیں تو میری قسمت کا حال بتائیں کہ میرا مستقبل
کیسا ہے؟"

ناگ نے اس کا ہاتھ دیکھ کر کہا۔

"آپ کی قسمت بڑی اچھی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ کو کسی
کی تلاش ہے۔"

ابن فیروز دل میں ہنسا کہ اس شخص کو یہ ساری باتیں پہلے
سے ہی معلوم ہیں۔ کہنے لگا۔

"کیا وہ مجھے مل جائے گا جس کی مجھے تلاش ہے۔"

"ضرور مل جائے گا۔ ضرور مل جائے گا۔"

ابن فیروز مسکرایا۔

"اچھا تو اب آپ آرام کریں۔ کل صبح دوبارہ باتیں ہوں گی۔"
ناگ کو غلام اس کے کمرے میں اوپر والی منزل میں لے گیا
یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ کھڑکی کے ساتھ بستر لگا تھا مگر کھڑکی بند
تھی۔ ناگ نے غلام سے کہا۔

"یہ کھڑکی کھول دو۔ میں تازہ ہوا میں سونے کا عادی ہوں۔"
غلام کو سختی سے حکم تھا کہ کھڑکی نہیں کھولی جائے گی۔ اس
نے ادب سے کہا۔

"جناب عالی! یہ کھڑکی تو دیر سے بند ہے۔ کبھی نہیں کھولی گئی۔"
ناگ نے کہا۔

"مگر آج اسے کھول دو۔"
غلام نے جھجک کر کہا۔

"حضور! میرے آقا کا حکم ہے کہ کھڑکی نہیں کھولی جائیگی۔"
"یہ بات ہے تو پھر رہنے دو۔ اب تم جاؤ میں آرام کروں گا۔"
"خدا حافظ۔"

غلام چلا گیا تو ناگ کو کچھ شک ہُوا۔ اس نے کھڑکی کو دیکھا۔ اس
پر تالا لگا تھا اور میخوں سے ایک لکڑی اس طرح سے ٹھونک دی
گئی تھی کہ تالا کھل بھی جائے تو کھڑکی نہیں کھل سکتی تھی۔ اس
کمرے میں سوائے اس کھڑکی کے باہر جانے کا اور کوئی راستہ نہیں
تھا۔ روشندان بھی نہیں تھا۔ ناگ نے خطرے کی بُو سونگھی۔ کہیں

ایسا تو نہیں ہے کہ اس شخص کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا
ہے اور اب یہ مجھے ہلاک کرنے کی ترکیب کر رہے ہیں۔ ناگ
ہوشیار ہو گیا۔

وہ بستر پہ لیٹ کر چھت کو گھورنے لگا اور سوچنے لگا۔

اسے آج کی رات سونا نہیں تھا۔ اگر سو گیا تو ہو سکتا ہے
کہ ابن فیروز کا حملہ کامیاب ہو جائے۔ ناگ آدھی رات تک جاگتا
رہا۔ اس کے بعد اسے نیند آنے لگی۔ مگر وہ جاگتا رہا۔ اب اس کے
حملہ کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ وہ سانپ بن کر بستر سے نیچے اتر آیا۔
فرش پہ رینگتا ہُوا وہ دروازے سے باہر نکل رہا تھا کہ اس
نے ایک غلام کو دیکھا جو خنجر لئے اس کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا
غلام کو ناگ نے کچھ نہ کہا۔ ویسے وہ سمجھ گیا کہ ابن فیروز نے اسے
ناگ کو ہلاک کرنے کے واسطے بھیجا ہے۔

ناگ خاموشی سے سیڑھیاں اتر کر ابن فیروز کی بُو لیتا اسکی
خواب گاہ میں آگیا۔ ابن فیروز اپنے بستر پہ لیٹا ہُوا تھا۔

سانپ بڑے آرام سے اندر گیا۔ اس نے اس کے پاؤں پر
کاٹ دیا۔ ناگ بڑی خوشی سے واپس اپنے کمرے میں آگیا۔
یہاں غلام اسے نہ پا کر واپس جا چکا تھا۔ اس نے مالک کو جا کر
اطلاع دی۔ ابن فیروز جاگ رہا تھا۔ اس نے اپنے ٹخنے کو دیکھا۔
وہاں سانپ کے کاٹنے کا نشان تھا۔ اس نے غلام سے کہا۔

"اب جاؤ۔ وہ شخص اپنے بستر پر سویا ملے گا۔ اسے جاتے ہی ہلاک کر دو۔"

غلام چلا گیا۔ ابن فیروز نے اسے یہ بات بالکل نہ بتائی کہ جس شخص کو وہ مارنے جا رہا ہے وہ سانپ بن کر اسے بھی ڈس سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ غلام ڈر جائے گا اور ہلاک کرنے سے باز آ جائے گا۔ اب وہ زہر کا اثر محسوس کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر جوگی کی پڑیا بڑی سچی تھی۔ اس پر زہر کا بالکل اثر نہیں ہو رہا تھا۔

دوسری طرف غلام نے دیکھا کہ ناگ بستر پر لیٹا تھا۔

وہ آرام سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر اندھیرا تھا مگر اس اندھیرے میں بھی اسے ناگ کا بستر دکھائی دے رہا تھا۔ غلام کے ہاتھ میں چمکتا ہوا خنجر تھا۔ وہ دبے پاؤں بستر کی طرف آیا اور قریب آ کر رک گیا۔ پھر اس نے ایک دم سے خنجر سوئے ہوئے شخص کے سینے میں بھونک دیا۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ اندر کوئی انسان نہیں ہے۔ غلام نے جلدی سے لحاف اور کمبل پرے پھینک دیا۔ اس کے اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے گھبرا کر کمرے میں چاروں طرف دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر اسے اپنے پاؤں پر کسی کا نرم نرم لمس محسوس ہوا۔ اس نے گھبرا کر نیچے دیکھا۔ اندھیرے میں اسے کچھ نظر نہ آیا۔

پھر اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے پاؤں پر کاٹا ہے۔ اس نے اپنے پاؤں کو جھٹک دیا اور اندھیرے میں پاؤں پر ہاتھ پھیرا۔ وہاں کسی کیڑے کے کاٹنے کا چھوٹا سا نشان تھا۔ کہیں یہ سانپ تو نہیں؟ غلام کے بدن میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ اسی دوران میں ناگ کے زہر نے اثر کرنا شروع کر دیا تھا۔ غلام باہر کو بھاگا۔ وہ راہداری میں سے گزر رہا تھا کہ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور وہ گر پڑا۔

ناگ اس کے جاتے ہی پھر سے انسان کی شکل میں آ گیا اور بستر پر آرام سے کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا۔ وہ بڑا خوش تھا کہ اس نے ایک ہی رات میں دو ظالموں کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ دن چڑھ گیا ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اب اس کے گھر سے رخصت ہونا چاہتا تھا تاکہ ناظمہ کے باپ کو ساتھ لے کر اڑن طشتری میں اس کی بیٹی کے پاس چلا جائے۔ وہ کمرے سے باہر نکل کر نیچے صحن میں آیا تو ابن فیروز کو ایک پلنگ پر آرام سے بیٹھا دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

آج شاید زندگی میں پہلی بار ناگ خود حیران ہوا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ اس کے زہر سے ابن فیروز بچ جائے گا۔ اس نے کافی زہر اس کے جسم میں داخل کر دیا تھا۔ ابن فیروز بھی ناگ کے ذہن کے خیالات کو پڑھ رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"تشریف لائیے نجومی صاحب! ناشتہ ہم آپ کے ساتھ ہی کریں گے۔"

ناگ شرمندہ سا ہو کر اس کی طرف آیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسے یوں لگا گویا ابن فیروز کو سارے راز کا علم ہو گیا ہے۔ مگر سوال یہ تھا کہ اس پر زہر بے اثر کیوں رہا۔ کہیں اس نے کوئی دوائی تو نہیں کھالی جس کی وجہ سے وہ زہر سے بچ گیا ہے ناگ نے سوچا۔ لیکن ایسی دوائی کہاں سے آسکتی تھی؟ ابن فیروز نے اسے غلام کے بارے میں بھی کچھ نہ بتایا کہ وہ مر چکا ہے۔ حویلی کے دوسرے نوکروں کو بھی خبردار کر دیا گیا تھا کہ وہ مرے ہوئے غلام کے بارے میں ناگ سے کوئی بات نہ کریں۔

ناگ نے ابن فیروز کے ساتھ ناشتہ کیا۔ ابن فیروز ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ پھر اس نے ناگ سے کہا۔

"میرے آباؤ اجداد ایران سے آ کر یہاں آباد ہو گئے تھے وہ بڑے ماہر جنگ باز تھے اور انہوں نے بہترین اسلحہ جمع کر رکھا تھا۔ اگرچہ میں نے تجارت کا کام شروع کر دیا اور سپہ گری کو خیر باد کہا پر میرے پاس آج بھی اپنے باپ دادا کے وقت کی بہترین تلواریں، ڈھالیں اور نیزے خنجر موجود ہیں۔ ان تلواروں اور خنجروں کے دستے ہاتھی دانت کے ہیں جن پر بڑے قیمتی ہیرے موتی جڑے ہیں۔ میں سوائے اپنے بہترین دوستوں کے اور کسی کو

کبھی اپنا عجائب خانہ نہیں دکھاتا۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں یہ عجائب گھر دکھا سکتا ہوں۔"

ناگ کچھ اور سوچ رہا تھا۔ وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا تھا کہ ابن فیروز اصل میں کون ہے؟ کہیں یہ کوئی زبردست جادوگر تو نہیں؟ کہیں اس کے پاس جادو کی ایسی طاقت تو نہیں کہ جس کی وجہ سے اس پر زہر کا کوئی اثر نہیں ہوا؟ وہ یونہی دماغ کو تازہ کرنے کے لئے ابن فیروز کے ساتھ اس کا عجائب خانہ دیکھنے چلا گیا۔

یہ ناگ کی غلطی تھی۔ عجائب خانہ حویلی کی نچلی منزل کے ایک تہہ خانے میں تھا۔ سیڑھیاں اتر کر وہ دونوں ایک تہہ خانے میں آ گئے۔ یہاں دیواروں پر بڑا قیمتی اسلحہ لگا ہوا تھا۔ تلواریں خنجر، نیزے اور تیر کمان۔ ناگ بڑی دلچسپی سے ان چیزوں کو دیکھنے لگا۔

اس دوران میں ابن فیروز دروازے کی طرف کھسکتا چلا گیا۔ ناگ کو کوئی خبر نہ ہوئی۔ خبر اسے اس وقت ہوئی جب لوہے کا بڑا مضبوط دروازہ کھڑاک سے بند ہو گیا اور باہر سے تالا لگانے کی آواز آئی۔ اس نے جلدی سے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ وہ قید کر دیا گیا تھا۔ اس تہہ خانے میں کوئی کھڑکی یا روشن دان تک نہیں تھا اب ناگ پریشان ہو گیا۔ اسے خیال آیا کہ اس نے تہہ خانے کے عجائب

گھر میں آ کر سخت غلطی کی ہے۔

مگر اب پچھتاوے کیا ہووت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت! وقت گزر چکا تھا۔ دوسری طرف سے ابن فیروز کی دھیمی سی آواز آئی۔

"ناگ! مجھے معلوم ہے تم ایک سانپ ہو اور انسان کی شکل میں زندہ ہو۔ اب تم ساری زندگی اس قید خانے میں رہو گے اور اگر تم میں اتنی طاقت نہ ہوئی تو اسی جگہ سسک سسک کر دم توڑ دو گے۔ بہرحال اب تم یہاں سے نکل نہ سکو گے۔ تم مجھے مارنے آئے تھے اور میں نے تمہیں قید کر لیا۔ میں تم سے زیادہ طاقتور ہوں۔ اب ناظمہ کو مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔"

ابن فیروز قہقہہ لگا کر غائب ہو گیا۔ اس کی آواز گم ہو گئی۔ اس سرد، ویران تہہ خانے میں ناگ اکیلا رہ گیا تھا۔ وہاں سوائے تلواروں، خنجروں اور نیزوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ ایک طرف پرا[illegible] سا پلنگ پڑا تھا۔ ناگ اس پر بیٹھ گیا۔ اور غور کرنے لگا کہ [illegible] یہاں سے کس طرح باہر جا سکتا ہے۔ دروازہ بڑا مضبوط تھا۔ لو[illegible] کی کافی موٹی چادر تھی جو اگر وہ ہاتھی بن کر اسے ٹکر مارتا تو وہ نہیں ٹوٹ سکتی تھی۔

ناگ نے اسی وقت ہاتھی کا روپ بدل لیا اور پوری طاقت [illegible] دروازے کو ٹکر ماری مگر دروازے پر کوئی اثر نہ ہوا۔ شاید یہ درو[illegible] دیواروں کے پتھروں میں بڑی مضبوطی سے پھنسا دیا گیا تھا۔ نا[illegible]

پھر سے انسان کے روپ میں آ گیا۔ اب اس نے باریک سانپ بن کر سارے کمرے میں گھوم پھر کر دیکھا کہ شاید کہیں سے کوئی چھوٹی سی درز یا کوئی سوراخ ہی مل جائے جس میں سے وہ نکل کر باہر چلا جائے مگر دیواروں کے پتھر بڑے زبردست مسالے کے ساتھ ایک دوسرے سے جوڑے گئے تھے۔ کسی جگہ معمولی سی درز بھی نہیں تھی۔ لوہے کا دروازہ بھی دیواروں میں اس طرح سے پھنسا ہوا تھا کہ کسی درز یا سوراخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ناگ ناامید نہیں ہوا تھا مگر وہ پریشان ضرور ہو گیا تھا۔

ادھر جب کافی دن نکل آیا اور ناگ واپس اڑن طشتری میں نہ پہنچا تو عنبر اور ماریا کو فکر ہوئی۔ آخر ناگ کیوں واپس نہیں آیا۔ کہاں چلا گیا؟ عنبر نے کچھ تشویش سے کہا۔

"کہیں اسے کوئی حادثہ تو نہیں پیش آ گیا؟"

ماریا نے کہا۔

"ایسا کبھی نہیں ہوا۔ پھر آج کیسے کر ہو سکتا ہے۔"

"حادثہ تو کسی وقت بھی پیش آ سکتا ہے ماریا! کیا خبر وہاں اس پر کسی نے جادو کر دیا ہو۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ اس علاقے میں جادوگری کسی زمانے میں اپنے عروج پر پہنچی ہوئی تھی۔"

ماریا بولی۔

"تو پھر میں جا کر معلوم کرتی ہوں۔"

عنبر نے کہا۔

"تم نے اگر ناگ کو تلاش کر بھی لیا تو تم اس کی زیادہ مدد نہ کر سکو گی۔ اس صورت میں میرا جانا زیادہ ضروری ہے"۔

"جیسے تمہاری مرضی!"

عنبر نے پستول میں بارہ گولیاں بھریں۔ اسے فرغل کے اندر چھپایا اور شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ناظمہ نے عنبر کو جاتے دیکھا تو کچھ پریشان ہو کر ماریا سے پوچھا۔

"ماریا بہن! عنبر بھائی کہاں جا رہے ہیں؟ — ناگ ابھی تک کیوں نہیں آیا؟ — وہ میرے باپ کو لینے گیا تھا"۔

ماریا نے اسے اصل بات نہ بتائی۔ بس صرف اتنا کہا۔

"عنبر ایک ضروری کام سے جا رہا ہے۔ ناگ میرا خیال ہے کہ آج شام تک تمہارے والد کو لے کر یہاں پہنچ جائے گا۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں"۔

مگر ناظمہ کا دل کہہ رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ اس نے کہا۔

"تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہیں ماریا بہن؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ناگ بھائی کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو؟"

ماریا ناظمہ کی ذہانت پر بڑی حیران ہوئی کہ کس قدر قیافہ شناس ہے۔ جلدی سے کہا۔

"ارے نہیں ناظمہ! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بھلا ناگ کو بھی کوئی حادثہ پیش آ سکتا ہے۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ اس میں چھپی ہوئی بڑی طاقتیں ہیں"۔

ناظمہ نے کہا۔

"وہ تو میں جانتی ہوں۔ مگر اس کے باوجود ناگ ابھی تک میرے بابا کو لے کر کیوں نہیں آیا؟"

ماریا نے کہا۔

"تم یونہی فکر کر رہی ہو۔ آرام سے اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

دل میں ماریا بھی پریشان تھی کہ خدا جانے ناگ کے ساتھ کیا حادثہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ناگ پر حملہ ہو سکتا ہے اور وہ کسی مہلک حملے میں ہلاک بھی ہو سکتا ہے کہیں ایسا نہ ہو گیا ہو کہ وہ سانپ بن کر فیروز پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا ہو اور ابن فیروز نے اس پر تلوار کا وار کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو۔

ماریا کا دل بوجھل ہو گیا۔ اس کا دل چاہتا کہ وہ بھی عنبر کے پیچھے پیچھے ناگ کی تلاش میں نکل جائے۔ لیکن وہ اڑن طشتری کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ ناظمہ کمرے میں جا کر پلنگ پر لیٹ گئی تھی اور اپنے بابا کو یاد کر کے آنسو بہا رہی تھی۔ ماریا پینل پ

بیٹھ کر سکرین کو تکنے لگی۔ ٹی وی سکرین پر باہر کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ صحرا میں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ دریا کے کنارے کی جانب ایک آدمی اونٹ پر لکڑیاں لادے شہر کی جانب جا رہا تھا۔

ماریا کو پھر ایک آدمی نظر آیا جو اڑن طشتری والے کھنڈر کی جانب چلا آ رہا تھا۔ اس کے ڈاڑھی تھی۔ سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ پرانے کپڑوں میں تھا اور ہاتھ میں کشکول تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ کوئی فقیر ہے اور بھیک مانگتا پھرتا ہے مگر وہ اڑن طشتری کی طرف کس لئے آ رہا تھا۔ شاید یہ کھنڈر میں آرام کرنے آ رہا ہو۔ ماریا غور سے سکرین کو دیکھ رہی تھی۔ اب فقیر قریب آ گیا تھا اور وہ بھی منہ اٹھا کر اڑن طشتری کو تک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر حیرت اور دہشت تھی۔

ماریا نے سوچا کہ یہ شخص خواہ مخواہ ادھر آ نکلا ہے۔ فقیر کھنڈر کے پاس آ کر دیوار کی اوٹ میں ہو گیا اور چھپ کر اڑن طشتری کی جانب دیکھنے لگا۔ ماریا نے ایک بٹن دبایا۔ اس کے ساتھ ہی اڑن طشتری کے سامنے والے موٹے شیشوں پہ نیلے رنگ کے شیشے آن گرے۔ اب باہر سے کوئی شخص بھی اندر کچھ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اتنے میں فقیر کھنڈر کی دیوار کی اوٹ سے باہر نکل آیا اور اڑن طشتری کے قریب آ کر کھڑا ہو

گیا۔ وہ شاید یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ کوئی عمارت ہے۔ کم از کم ماریا کو یہی خیال آیا۔ کیونکہ اب فقیر نے بھیک مانگنے کے لئے صدا لگائی تھی۔

"خدا کے نام پر خیرات دو بابا۔"

ماریا پریشان ہو گئی کہ یہ احمق کہاں سے آ گیا۔ اگر وہ دشمن بن کر آتا یا اڑن طشتری پر حملہ کرتا تو ماریا اس کو ایک سیکنڈ میں ہلاک کر سکتی تھی۔ مگر وہ تو فقیر بن کر آیا تھا۔ وہ باہر نکل کر اسے بھیک بھی نہیں دے سکتی تھی۔ فقیر اپنی جگہ سے نہیں ہٹ رہا تھا۔ وہ بار بار بھیک کے لئے صدا لگا رہا تھا۔

"خدا کے نام پہ بابا!"

ماریا پریشان ہو گئی۔ یہ بلا تو چمٹ ہی گئی تھی۔ اچانک اس نے سوچا کہ کیوں نہ ناظمہ کو بلا کر اس فقیر کو کچھ دینے کے لئے کہے۔ کم از کم اس طرح سے یہ مصیبت راستے سے تو ہٹ جائے گی۔ ماریا، ناظمہ کو جا کر بلا لائی اور سکرین پر فقیر کو دکھا کر بولی۔

"یہ ایک فقیر ہے جو باہر کھڑا بار بار صدا لگا رہا ہے۔ یہ ہماری اڑن طشتری کو کوئی محل سمجھ رہا ہے۔ جلدی سے جا کر اسے یہ ایک اشرفی خیرات کر آؤ تاکہ یہ اپنی راہ لے۔"

ناظمہ نے اشرفی لی اور اڑن طشتری کے پچھلے دروازے سے باہر نکل کر فقیر کے سامنے آگئی۔ فقیر نے ناظمہ کو دیکھا تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ اسی کو تو اغوا کرنے وہاں آیا تھا یہ فقیر ابن فیروز کا ایک خاص دوست تھا اور اسی کے کہنے پر ناظمہ کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

○

عنبر بھپھر گیا
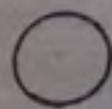
ماریا سکرین پہ فقیر کو دیکھ رہی تھی۔

فقیر نے ناظمہ کو دیکھ کر مسکرا کر کچھ کہا جسے ماریا نہ سن سکی۔ ناظمہ نے ہاتھ بڑھا کر اشرفی اسے دی۔ فقیر نے اشرفی لے کر کشکول میں ڈالی اور اس کے ساتھ ہی انتہائی پھرتی سے سیٹی بجائی۔ اس کے ساتھ ہی بجلی ایسی تیزی کے ساتھ کھنڈر سے ایک سیاہ رنگ کا گھوڑا برق رفتاری سے دوڑتا ہوا اس کے پاس آگیا۔ فقیر نے ناظمہ کو پکڑ کر اچھالا اور پھر خود بھی گھوڑے پر بیٹھ کر وہاں سے بھاگ گیا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوگیا کہ ماریا دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس نے اڑن طشتری سے روشنی کی شعاع پھینکی مگر گھوڑا ہوا سے باتیں کرتا ہوا صحرا میں دور نکل چکا تھا۔ ماریا لپک کر باہر آگئی اور گھوڑے کو ناظمہ سمیت صحرا میں غائب ہوتے بے بسی سے دیکھتی رہ گئی۔

اسے اڑن طشتری اڑانی نہیں آتی تھی ورنہ وہ اڑن طشتری لے کر گھوڑے کے سر پر آجاتی اور اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑتی۔

مگر ناظمہ اس کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی اور وہ کچھ نہ کر سکی تھی۔ وہ ہاتھ ملتی رہ گئی۔ پریشان ہو کر اڑن طشتری میں آ کر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ اب کیا کرے؟

ادھر عنبر سیدھا ناظمہ کے باپ کے ہاں پہنچا۔ وہ ناظمہ کی راہ دیکھ رہا تھا۔ عنبر نے اسے سارا حال سنایا کہ ناگ غائب ہے اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔ تاجر عمر بھی پریشان ہو گیا۔ بولا۔

"کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ ابن فیروز کے غلاموں نے اسے مار ڈالا ہو۔ تم نہیں جانتے ابن فیروز بڑا مکار ہے۔ وہ کئی آدمیوں کو اسی طرح قتل کر چکا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"تم مجھے ابن فیروز کے گھر کا پتہ بتاؤ۔ میں خود جا کر معلوم کرتا ہوں کہ حالات کیا ہو گئے ہیں؟"

تاجر عمر نے عنبر کو فیروز کی حویلی کا ٹھکانہ بتایا۔ عنبر وہاں سے چل دیا — اب وہ شہر میں ابن فیروز کی حویلی کے باہر کھڑا تھا۔ باہر دروازے پر ایک غلام پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے پہرے دار غلام سے کہا۔

"کیا میں تمہارے مالک سے مل سکتا ہوں؟"

غلام نے پوچھا۔

"تم کون ہو اور میرے آقا سے کس لئے ملنا چاہتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"اچھا میں پھر آؤں گا۔"

عنبر نے سوچا کہ اس طرح سے ابن فیروز سے ملنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ بہتر یہ ہے کہ کسی دوسرے بھیس میں آ کر یہاں ملا جائے۔ پس عنبر وہاں سے سیدھا اڑن طشتری میں آ گیا۔ یہاں آ کر ماریا نے اسے ناظمہ کے اغوا کا قصہ سنایا تو وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اب اسے ناگ کے ساتھ ساتھ ناظمہ کو بھی ڈھونڈ کر لانا تھا۔

اس نے ماریا سے کہا۔

"ماریا بہن! تم اڑن طشتری سے ہرگز باہر مت نکلنا۔ اسے اندر سے بند رکھنا۔ میں بہت جلد لوٹ آؤں گا۔ ہو سکتا ہے مجھے دو ایک دن لگ جائیں۔ گھبرانا نہیں۔ میں کامیاب ہو کر واپس آؤں گا۔"

عنبر نے ایک غریب بوڑھے کا بھیس بدلا اور سیدھا ابن فیروز کی حویلی کے باہر آ گیا۔ اس نے پہرے دار سے کہا کہ وہ غریب ہے بے کار ہے۔ کیا اسے نوکری مل جائے گی؟ پہرے دار نے اسے بھگانا چاہا۔ اتنے میں ابن فیروز نے کھڑکی میں سے جھانک کر نیچے دیکھا۔

"یہ کیا شور مچا رکھا ہے نیچے تم لوگوں نے۔"

پہرے دار کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عنبر نے جھک کر ابن فیروز کو سلام کیا اور کانپتی آواز میں کہا۔

"حضور کا اقبال بلند ہو۔ میں بوڑھا ہوں۔ شہر میں بھوکا مارا مارا پھرتا ہوں۔ اگر حضور کے در پہ نوکری مل جائے تو ساری زندگی دعائیں دوں گا۔"

ابن فیروز نے عنبر کے پھٹے پرانے کپڑوں کو دیکھ کر اس پر ترس کھاتے ہوئے پہرے دار سے کہا۔

"اسے کسی کام پر لگا دو۔"

عنبر بڑا خوش ہوا۔ وہ یہی چاہتا تھا۔ اسے باورچی خانے میں برتن دھونے پر لگا دیا گیا۔ شام تک عنبر باورچی خانے میں کام کرتا رہا۔ رات کو وہ ایک کنیز کے ساتھ کھانے کا طشت اٹھا کر ابن فیروز کے کمرے میں گیا۔ ابن فیروز اپنے ایک دوست کے ساتھ بڑے مزے سے دیوان پر ریشمی گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھا تھا۔ کنیز نے کھانا میز پر رکھ دیا۔ عنبر نے بھی باقی کا طشت قالین پر رکھ دیا۔

ابن فیروز کے دوست نے عنبر کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"یہ بوڑھا کون ہے؟ پہلے تو میں نے اسے یہاں کبھی نہیں دیکھا؟"

ابن فیروز کہنے لگا۔

"یہ ایک غریب آدمی ہے۔ بے چارہ شہر میں بھوکوں مر رہا تھا۔ میں نے سوچا بوڑھا آدمی ہے۔ زندگی کے جو چار دن باقی رہ گئے ہیں میرے ہاں پڑا رہے گا۔"

عنبر نے جھک کر سلام کیا اور دل میں ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔ ابن فیروز کو کیا خبر تھی کہ جس بوڑھے کی زندگی کے وہ چار دن سمجھ رہا ہے وہ پانچ ہزار برس سے زندہ ہے اور جانے ابھی کتنے ہزار برس اسے اور زندہ رہنا تھا۔ عنبر ان دونوں کی باتیں سننا چاہتا تھا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ناظمہ کو اغوا کر کے ابن فیروز کا دوست اسی جگہ لائے گا۔

عنبر نے ایک طشت میں کچھ پھل رکھے اور اسی بہانے سے وہ ابن فیروز کے کمرے کی طرف آ گیا۔ دروازے پر آ کر اس نے دائیں بائیں دیکھ کر تسلی کی کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ پھر کان لگا کر اندر ہونے والی باتیں سننے لگا۔ ابن فیروز کا دوست کہہ رہا تھا۔

"میں نے تمہارے لئے جان کی بازی لگا دی تھی۔"

ابن فیروز بولا۔

"میں تمہارا شکر گزار ہوں دوست! میں نے تمہیں جو دس ہزار سونے کی اشرفیاں دی ہیں یہ تمہارے کام کی اصل قیمت نہیں ہے۔ میں تمہارے احسان کا بدلہ کبھی نہیں دے سکتا۔"

اس کا دوست ہنسا۔ پھر بولا۔

"مگر یار! وہ جو عجیب سی عمارت ہے اس میں سے ایک تیز روشنی میرے پیچھے نکلی تھی۔ میرا تو خیال ہے کہ یہ کسی جادوگر کا کام ہے۔"

ابن فیروز بولا۔

"ارے نہیں دوست! میرا خیال ہے کہ روم کے بازی گر اس قسم کے گھر بنا کر رہا کرتے ہیں۔ یہ گھر پہیوں پر چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے روم یا سپین کے بازی گر وہاں اترے ہوں۔ بہر حال ناظمہ میرے قبضے میں آ چکی ہے۔ اب مجھے ان لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

عنبر سمجھ گیا کہ ناظمہ ابن فیروز کے پاس آ چکی ہے۔ اب باقی یہ معلوم کرنا تھا کہ ناظمہ کو ان لوگوں نے کس جگہ رکھا ہوا ہے؟ عنبر دروازے سے کان لگائے باتیں سن رہا تھا کہ ادھر سے اچانک ایک کنیز سامنے آ گئی۔ عنبر نے جلدی سے دروازے کو آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ کنیز نے عنبر کی طرف ذرا گھور کر دیکھا اور آگے نکل گئی۔

اندر سے ابن فیروز نے آواز دی۔

"کون ہے باہر؟"

عنبر نے کہا۔

"حضور! پھل لایا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟"

ابن فیروز نے اندر سے آواز دی۔

"آ جاؤ۔"

عنبر پھل کا طشت لئے اندر چلا گیا۔ ابن فیروز کو اس وقت عنبر کا آنا برا لگا۔ اس نے منہ بنا کر کہا۔

"تم وقت بے وقت ادھر کیوں آتے رہتے ہو؟"

عنبر نے ہکلا کر کہا۔

"نہیں حضور! میں تو آپ کی خدمت کے لئے آتا ہوں۔ یہ پھل بڑے تر و تازہ تھے۔ میں نے سوچا کہ آپ کی خدمت میں پیش کر دوں۔"

"اچھا اب دفع ہو جاؤ اور خبردار دوبارہ مت آنا۔"

"بہت بہتر حضور!"

عنبر خاموشی سے سر جھکا کر باہر نکل گیا۔ اس کا مقصد پورا نہیں ہوا تھا۔ اسے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ ناگ کہاں ہے؟ اور ناظمہ کو کس جگہ قید رکھا گیا ہے۔

عنبر باورچی خانے میں چلا گیا۔ رات کو اس نے تھوڑا بہت کھانا کھایا اور نوکروں سے باتیں کرتا رہا۔ پھر اپنی کوٹھڑی میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ اسے باہر کسی کے تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔ عنبر نے کان ادھر لگا دیئے۔ آواز دور ہوتی چلی گئی

عنبر کو کچھ شک ہوا۔ وہ کوٹھڑی سے باہر نکل کر ایک ستون کے پیچھے جا کر چھپ گیا کہ دیکھے معاملہ کیا ہے؟

برآمدے میں اندھیرا تھا۔ دور کونے میں ایک دیا جل رہا تھا۔ اس کی روشنی وہیں تک محدود تھی۔ اتنے میں ایک کنیز طشت لئے ایک کمرے سے نکلی اور ڈیوڑھی میں آکر ایک آدمی سے باتیں کرنے لگی۔ ڈیوڑھی میں شمع کی ہلکی ہلکی روشنی میں عنبر نے دیکھا کہ وہ ابن فیروز کا وہ دوست ہے جو کھانے کے کمرے میں ساتھ بیٹھا تھا۔ عنبر ستون کے ساتھ اور پیچھے لگ گیا۔ اس آدمی نے کہا۔

"تمہیں کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

کنیز نے کہا۔

"جی نہیں حضور!"

"دھیان سے جانا۔ جاؤ اب!"

کنیز مکان سے نکل گئی۔ وہ آدمی اوپر چلا گیا۔ عنبر تیزی کے ساتھ ستون کے عقب سے نکلا اور گلی میں آکر اس نے کچھ فاصلہ رکھ کر کنیز کا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ کنیز گلی میں سے نکل کر ایک بازار میں آگئی۔ ابھی رات کا پہلا حصہ گزر رہا تھا۔ پھر بھی بازار میں رونق نہیں تھی۔ لوگ دکانیں بند کر کے اپنے اپنے گھروں میں جا چکے تھے۔ بازار کے لیمپ دھیمے دھیمے جل رہے

شہر کے دروازے
نے عنبر برابر کنیز کا پیچھا کر رہا تھا۔ اب وہ
کی طرف آگئی۔ دروازہ کھلا تھا۔ یہاں سے نکلی تو دریا کے ساتھ
ساتھ چلنے لگی۔

پھر ایک چار دیواری کے دروازے پر آکر رک گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا کہ کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ عنبر جلدی سے پرے ہو کر ایک مکان کی اوٹ میں ہو گیا۔ کنیز اس چار دیواری میں داخل ہو کر اندھیرے میں گم ہو گئی۔ عنبر بھی چار دیواری کے اندر آگیا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے ان کی ہلکی ہلکی روشنی میں اس نے دیکھا کہ وہ ایک قبرستان تھا پرانی قبریں پھیلی ہوئی تھیں۔ آگے جا کر اسے قبروں کے درمیان ایک چبوترہ نظر آیا۔ جس پر ایک گنبد والی کوٹھڑی بنی تھی۔

عنبر نے کنیز کو اس کوٹھڑی میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ رک گیا اور کنیز کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد کنیز واپس آگئی۔ جب وہ قبرستان سے نکل گئی تو عنبر چبوترے پر آیا۔ وہ کوٹھڑی میں داخل ہونے لگا تھا کہ کسی نے پوری طاقت سے خنجر اس کی پشت میں گھونپ دیا۔

"تعاقب کر رہا تھا کمبخت! اب مزہ چکھ لے!"

عنبر گر پڑا۔ اس نے ایسے ظاہر کیا جیسے وہ مر گیا ہو۔ حملہ کرنے والا اس پر جھکا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ زندہ ہے یا مر گیا۔

وہ خنجر کمر کے ساتھ لٹکا رہا تھا۔ عنبر نے ایک دم سے اسے اپنے اوپر کھینچ لیا۔ پھر اسی کا خنجر نکال کر اسے ختم کر دیا۔ اس کے بعد اس کی لاش کو گھسیٹ کر ایک پرانی قبر کے سوراخ میں ڈال کر اوپر جھاڑیاں ڈال دیں۔

اب وہ کوٹھڑی میں آگیا۔

اندر ایک دیا جل رہا تھا۔ اس کی روشنی میں عنبر نے ناظمہ کو دیکھا کہ ایک چارپائی پر پڑی ہے اور سسکیاں بھر رہی ہے کھانے کا طشت پاس ہی زمین پر پڑا ہے۔ اس نے عنبر کو دیکھا تو خوشی سے بولی۔

"عنبر بھائی! تم آگئے۔"

عنبر نے کہا۔

"بڑی مشکل سے آیا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔"

"باہر حبشی تلوار لئے کھڑا ہے۔"

"وہ اپنی قبر میں آرام کی نیند سو رہا ہے۔"

عنبر ناظمہ کو لے کر قبرستان سے نکلا اور دریا کنارے آگیا۔ اب اس نے دریا کے ساتھ ساتھ صحرا کے کھنڈر کی جانب چلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس کچے راستے پر سے گزر رہے تھے جس کے آگے جا کر کھنڈر کے پاس ان کی اڑن طشتری کھڑی تھی۔ عنبر نے اڑن طشتری کے پاس جا کر خاص طریقے

سے دروازے پر ہاتھ مارا۔ ماریا اندر جاگ رہی تھی۔ اس نے خاص آواز سنی تو جلدی سے گول سوراخ میں سے جھانکا۔ باہر عنبر اور ناظمہ کھڑے تھے۔ ماریا نے دروازہ کھول دیا۔ عنبر نے ناظمہ کو اس کے حوالے کر کے کہا۔

"اسے سنبھالو۔ مجھے ابھی ناگ کا پتہ لگانا ہے اور جلدی واپس جانا ہے۔ خبردار! اب ہرگز ہرگز اس طشتری سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا!"

یہ کہہ کر عنبر بڑی تیزی سے باہر نکلا اور واپس شہر میں آگیا۔ یہاں بازار سنسان پڑے تھے۔ وہ حویلی کے پاس آیا تو خوش قسمتی سے پہرے دار وہاں نہیں تھا۔ عنبر حویلی کے اندر جا کر ڈیوڑھی میں سے گزرتا اپنی کوٹھڑی میں آکر لیٹ گیا۔

دن نکلا تو وہ باورچی خانے میں آگیا اور دوسرے نوکروں کے ساتھ مل کر ناشتہ تیار کرنے لگا۔ وہ ناشتہ لے کر اوپر گیا تو معلوم ہوا کہ ابن فیروز وہاں نہیں ہے۔ عنبر کا ماتھا ٹھنکا کہ ضرور اسے پتہ چل گیا ہوگا۔ وہ دوسرے کاموں میں لگ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ابن فیروز آگیا۔ وہ بے حد پریشان تھا۔ اس کا دوست بھی اس کے ساتھ تھا۔ ابن فیروز تیز تیز چلتا اپنے کمرے میں آگیا۔ اندر دونوں کی تیز تیز باتیں ہونے لگیں جسے سننے کی عنبر کو ضرورت نہ تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ناظمہ کے فرار کے بارے میں باتیں کر رہے

ہوں گے۔ اب عنبر ناگ کی تلاش میں تھا۔ دوپہر تک ابن فیروز
واپس نہ آیا۔ وہ ناشتہ کیئے بغیر اپنے دوست کے ساتھ نکل گیا تھا
وہ رات کو آیا اور پہلے سے زیادہ غصے میں تھا۔ صاف لگتا تھا
کہ وہ ناظمہ کو حاصل نہ کر سکنے اور اس کے فرار سے پریشان
ہے۔ سارے گھر کی فضا خراب ہو گئی تھی۔

رات کا کھانا لے کر عنبر کنیز کے ساتھ جانے لگا تو کنیز نے
اسے کہا۔

"آج مالک کھانا نہیں کھائیں گے۔"

"وہ کیوں؟" عنبر نے پوچھا۔

"کہہ جو دیا۔ چپ رہو۔ مالک سخت غصے میں ہیں۔"

عنبر نے باورچی سے باتیں شروع کر دیں۔ اتنے میں ایک
غلام نے آکر کہا۔

"عنبر بوڑھے! تجھے مالک یاد کر رہے ہیں۔"

عنبر گھبرایا کہ ضرور اسے پتہ چل گیا ہے۔ وہ ابن فیروز کے
کمرے میں آیا تو وہ بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ عنبر نے جاکر
جھک کر سلام کیا تو وہ غصے میں اس سے بولا۔

"رات تم میرے کمرے کے باہر کھڑے ہماری باتیں کیوں
سن رہے تھے؟"

عنبر نے کہا۔

"میرے آقا! میں تو پھل لے کر اندر آ رہا تھا۔"

"بکواس کرتے ہو۔ تم جاسوس ہو۔ سچ سچ بتاؤ تمہیں کس نے
یہاں بھیجا ہے۔"

"حضور! میں تو ایک غریب و بے بس بوڑھا ہوں۔ آپ نے
مجھے پناہ دی ہے۔ آپ کی جان و مال کو دعائیں دے رہا ہوں۔"

"خاموش بوڑھے کتے!"

پھر اس نے تالی بجائی۔ دو ہٹے کٹے غلام اندر آ گئے۔

"اسے لے جاکر تہہ خانے میں بند کر دو۔"

حبشی گھسیٹتے ہوئے عنبر کو نیچے لے گئے اور ایک تہہ خانے
میں لے جاکر اسے بند کر دیا۔ عنبر کے لئے وہ تہہ خانہ کوئی
حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اسے تو یہ معلوم کرنا تھا کہ ناگ کہاں
ہے! ساری رات وہ تہہ خانے میں پڑا رہا۔ صبح کو ابن فیروز
اپنے دونوں غلاموں کے ساتھ اندر آیا اور بولا۔

"اگر تم سچ سچ بتادو کہ میرے غلام کو قتل کرنے کے بعد تم
ناظمہ کو کہاں لے گئے ہو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ نہیں تو
ابھی تمہاری گردن تن سے جدا کر دی جائے گی۔"

عنبر نے کہا۔

"حضور! مجھے کچھ معلوم نہیں ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں
نے کسی کو قتل نہیں کیا۔"

ابن فیروز نے عنبر کو گالی دی۔ اس پر عنبر نے اپنی بناوٹی داڑھی نوچ کر پھینک دی اور ابن فیروز کو گریبان سے پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ وہ اوندھے منہ گر پڑا۔

"ذلیل آدمی! تیرا باپ بھی اگر چاہے تو اب ناظمہ کی ہوا تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

حبشی عنبر پر ٹوٹ پڑے۔

ابن فیروز نے چیخ کر کہا۔

"اس کا قیمہ کر دو۔"

دونوں حبشی تلواریں مار مار کر عنبر کے جسم کو کاٹنے لگے مگر وہاں کوئی اثر ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ تلواریں گویا کسی سخت چٹان سے ٹکرا کر واپس آ رہی تھیں۔ آخر حبشیوں کی تلواریں ٹوٹ گئیں اور دستے ان کے ہاتھوں میں رہ گئے۔ عنبر نے دونوں حبشیوں کی گردنوں کو پکڑ کر اس زور سے ان کے سر ٹکرائے کہ ان کی کھوپڑیاں پاش پاش ہو گئیں۔ وہ دونوں مر گئے۔ یہ ماجرا دیکھ کر ابن فیروز باہر کو بھاگا۔

عنبر نے اس کا پیچھا کیا۔ مگر وہ غائب ہو چکا تھا۔

عنبر نے سارے گھر میں اسے تلاش کیا مگر ابن فیروز کہیں نظر نہ آیا۔ سارے گھر کے نوکر عنبر کے پیچھے پڑ گئے۔ غلاموں نے اس پر حملے کئے مگر عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے ایک غلام

کی گردن توڑ دی۔ دوسرے کا سر کھول دیا۔ تیسرے کی ٹانگیں توڑ کر پھینک دیں۔ باقی غلام بھاگ گئے۔ کنیزیں سہمی ہوئی کھڑی تھیں اور کانپ رہی تھیں۔ عنبر نے ایک کنیز سے کہا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ نجومی ناگ یہاں کس جگہ قید ہے؟"

اصل میں سوائے ابن فیروز کے کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ ناگ کس جگہ پر قید ہے۔ عنبر جب ناکام ہو گیا تو اس نے سب نوکروں کو ایک جگہ جمع کر کے کہا۔

"سنو! اب صرف ایک آدمی رہ گیا ہے جس سے میں پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہوں اور وہ ہے ابن فیروز کا دوست۔۔۔ خبردار اگر کسی نے اس کو بتایا کہ میں ناگ کی تلاش میں یہاں آیا ہوں تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

سب نوکروں نے کہا۔

"ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔"

رات ہوئی تو ابن فیروز کا دوست اندر آگیا۔ اس نے ابن فیروز کا پوچھا تو عنبر نے کہا۔

"وہ اپنے کمرے میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔"

دوست نے کہا۔

"تم کون ہو، تمہیں میں نے پہلے کبھی یہاں نہیں دیکھا؟"

کیونکہ اب عنبر کی داڑھی نہیں تھی۔ اس نے جواب دیا۔

"میں آپ کے دوست ابن فیروز کا بھانجہ ہوں۔ آج ہی مصر سے آیا ہوں۔"

ابن فیروز کا دوست بڑبڑاتا ہوا ابن فیروز کے کمرے میں آگیا۔ کمرہ خالی تھا۔ اتنے میں عنبر بھی وہاں آگیا۔ اس نے دروازہ بند کر لیا اور اس سے کہا۔

"میری بات غور سے سنو! میرا نام عنبر ہے۔ میں نے ناظمہ کو قبرستان سے اغوا کر لیا ہے۔ میں نے تمہارے پہرے دار کو ہلاک کر دیا ہے کیونکہ اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ اب میں تم سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میرا دوست ناگ کہاں ہے؟"

وہ شخص ایک دم آگ بھبھوکا ہو کر بولا۔

"نمک حرام! میں نے تجھے پہچان لیا۔ تو بوڑھے کے بھیس میں، یہاں جاسوسی کرنے آیا تھا۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اور اس کے ساتھ ہی اس شخص نے خنجر نکال لیا۔ عنبر ہنس رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

"تم اپنی موت کو بلا رہے ہو۔ یہ خنجر میرا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ اسے میان میں واپس رکھ لو اور مجھے بتاؤ کہ میرا بھائی ناگ کس جگہ قید ہے؟"

اس شخص نے عنبر پر حملہ کر دیا اور خنجر اس کے پیٹ پر مارا خنجر اچٹ کر گر پڑا۔ عنبر نے اس شخص کا گلا پکڑ لیا اور دو تین جھٹکے دے کر کہا۔

"بول! ناگ کہاں ہے؟"

وہ شخص تھر تھر کانپنے لگا۔

"مجھے اپنے باپ کی قسم ہے۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ ناگ کس جگہ قید ہے۔ میری جان بخش دو۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا—!"

عنبر نے اسے چھوڑ دیا اور اپنی کوٹھڑی میں آگیا۔ اب اسے ابن فیروز کا انتظار تھا۔ رات گہری ہو گئی تھی۔ حویلی میں ہر طرف خاموشی چھائی تھی۔ ابن فیروز وہاں سے بھاگ کر سیدھا صحرا میں اسی جوگی کے پاس پہنچا جس نے اسے پڑیا کھلائی تھی۔ جوگی اپنی کٹیا میں بیٹھا تھا۔ ابن فیروز نے جا کر سارا حال سنا دیا۔ جوگی مسکرایا اور کہنے لگا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ وہ بڑے طاقتور لوگ ہیں۔ ان کے ساتھ لڑائی کرنے کی کوشش نہ کرنا۔"

ابن فیروز گڑگڑایا۔

"حضور! اب میرے حال پر کچھ کرم کریں۔ میں آپ کی خدمت کے لئے یہ ایک ہزار اشرفیاں لایا ہوں۔"

جوگی نے کہا۔

"میں جھوٹ بول کر اپنے گورو کو ناراض نہیں کروں گا۔ یہ اشرفیاں تم اپنے ساتھ ہی لے جاؤ۔ تمہارے لئے میں جو کچھ کر سکتا تھا میں نے کر دیا۔ میں تمہیں ناگ کے زہر سے بچا سکتا تھا۔ اس کے آگے میں مجبور ہوں۔"

ابن فیروز نے ناامید ہو کر کہا۔

"حضور! یہ لوگ ایک عجیب سے مکان میں رہتے ہیں۔ اس سے روشنی کی ایک شعاع نکلتی ہے۔ جس پر وہ شعاع پڑ جائے وہ جل کر بھسم ہو جاتا ہے۔"

جوگی بڑے غور سے ابن فیروز کی باتیں سن رہا تھا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

"بابا! یہ لوگ پرلوک سے آئے ہیں۔ یہ بڑے کرنی والے ہیں۔ ان سے لڑائی مول نہ لو۔ نہیں تو یہ تمہیں ایسی سزا دیں گے کہ تمہاری آنے والی نسلیں بھی اس کو فراموش نہ کر سکیں گی۔"

ابن فیروز بولا۔

"مہاراج! آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر میں بھی ڈرنے والا نہیں ہوں۔ صحرا کا پانی پیا ہے میں نے بھی — میں مقابلہ کروں گا میں اس مکان کو آگ لگا کر راکھ کر دوں گا جس میں یہ لوگ رہتے ہیں۔"

جوگی مسکرایا۔

"بابا! اب تم جاؤ اور مقابلہ کرو اگر کر سکتے ہو۔ میری تمہیں اب بھی یہی ہدایت ہے کہ ان سے ٹکر لینے کا خیال دل سے نکال دو۔"

ابن فیروز واپس ہوا۔

ناگ کو مار ڈالا

ناگ کو تہہ خانے میں ایک رات اور ایک دن گزر گیا تھا۔

اب وہ پریشان ہو گیا کہ عنبر اور ماریا کیا سوچ رہی ہوں گی۔ بھوک پیاس تو اسے لگتی ہی نہیں تھی۔ یعنی اگر وہ چاہے تو کئی روز تک بغیر کچھ کھائے پیئے گزار سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہاں سے نکلنے کی کوئی ترکیب کرنی چاہیے۔ اچانک اسے خیال آیا کہ وہ سانپوں کی مدد حاصل کر سکتا ہے۔ مصیبت یہ تھی کہ وہ سانپ وہاں آئیں گے کدھر سے۔ کیونکہ تہہ خانہ لوہے اور پتھر کی دیواروں سے بنایا گیا تھا۔ اس کے باوجود ناگ نے سانپوں کو بلانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس نے آنکھیں بند کر کے دھیان کیا اور سانپوں کو آوازیں دیں۔ اس علاقے میں ارد گرد جتنے سانپ تھے وہ بھاگتے ہوئے تہہ خانے کے فرش کے نیچے آ گئے۔ سانپوں نے بل بنانا شروع کر دیئے۔ زمین کھودتے کھودتے آخر وہ تہہ خانے کے فرش پر نکل آئے۔ کوئی پچاس کے قریب چھوٹے بڑے سانپ تھے۔

انہوں نے ناگ کے سامنے آتے ہی سر جھکا دیئے۔ سب سے بڑے سانپ نے کہا۔

"ناگ دیوتا! ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ہمارے ملک میں تشریف لائے۔ ہمارے لئے کوئی خدمت ہو تو فرمایئے!"

ناگ نے کہا۔

"اس سامنے والی دیوار میں سوراخ کر دو۔ بس تم لوگوں کی اسی خدمت کی مجھے ضرورت ہے۔"

بڑے سانپ نے سر جھکا کر کہا۔

"یہ بھی کوئی مشکل کام ہے حضور! ابھی سوراخ کئے دیتے ہیں۔"

سارے کے سارے سانپ باری باری پتھر میں سوراخ کرنے لگ گئے۔ کوئی ایک گھنٹے کی کوشش کے بعد پتھر کے بیچ کی جگہ پر انہوں نے ایک چھوٹا سا سوراخ کر دیا۔

ناگ نے کہا۔

"اب تم جا سکتے ہو۔"

سانپوں نے سر جھکا کر خدا حافظ کہا اور باری باری زمین کے سوراخ میں گم ہوتے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ناگ نے فوراً ایک پتلے سے سبز سانپ کا روپ دھارا اور تہہ خانے کی دیوار کے سوراخ میں سے باہر نکل گیا۔ باہر آتے ہی اس نے

تازہ ہوا میں گہرا سانس لیا اور دیوار پر رینگتا ہُوا حویلی کی
ڈیوڑھی کی طرف چل پڑا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی
تھی!

ناگ رینگتا ہُوا ڈیوڑھی میں سے گزر رہا تھا کہ اسے
عنبر کی بُو محسوس ہوئی۔ وہ رک گیا اور جدھر سے عنبر کی بُو آ رہی
تھی ادھر کو چل دیا۔ برآمدے کی دیوار کے پاس ایک کوٹھڑی
تھی جس کے اندر سے عنبر کی بُو آ رہی تھی۔ سانپ کوٹھڑی
کی درز میں سے اندر چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سچ مچ عنبر
ایک بستر میں سو رہا ہے۔

ناگ اسی وقت انسان کی شکل میں آگیا اور عنبر کو جگا
کر بولا۔

"تم یہاں کہاں عنبر بھائی؟"

عنبر آنکھیں ملتا ہُوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ تمہاری شکل پھر سے دیکھی۔ میں تو
سمجھا تھا کہ تم کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہو۔
ماریا بھی بے حد پریشان تھی۔"

ناگ نے کہا۔

"ویسے میں تو ایک بڑی مصیبت میں پھنس ہی گیا تھا۔
کم بخت ابن فیروز نے دھوکے سے ایک ایسے تہہ خانے میں

بند کر دیا تھا جس کی دیواریں پتھر کی اور دروازہ لوہے کا تھا
بس کسی نہ کسی طرح نکل کر آگیا ہوں۔ اب یہ بتاؤ کہ ناظمہ
کہاں ہے؟"

عنبر نے اسے بتایا کہ ناظمہ کو میں نے پھر سے اڑن طشتری
میں پہنچا دیا ہے اور اب ابن فیروز کی تلاش میں ہوں کہ اس سے
بدلہ لیا جائے کیونکہ اگر ہم ناظمہ کو اس کے باپ کے حوالے
کر کے یہاں سے چلے گئے تو وہ ان لوگوں کو زندہ نہیں
چھوڑے گا۔ ان کی حویلی کو آگ لگا دے گا اور ناظمہ کے باپ
کو قتل کرا دے گا۔"

ناگ نے کہا۔

"اس کم بخت کو میں نے پورے زور کے ساتھ ڈسا تھا
مگر حیرانی ہے کہ پھر بھی زندہ بچ گیا۔ یہ بات آج تک میری
سمجھ میں نہیں آئی۔"

"ہو سکتا ہے اس کے خون میں ایسے اثرات ہوں کہ اس
پر زہر کا اثر نہ ہوتا ہو۔ کیونکہ بعض لوگوں کے خون پر زہر
کا اثر نہیں ہُوا کرتا۔ میں نے ایسے آدمی دیکھے ہیں۔"

"بس پھر یہ بھی ان ہی آدمیوں میں سے ہے مگر تم فکر نہ
کرو اسے میں کسی دوسرے طریقے سے جہنم میں پہنچا
دوں گا۔"

عنبر نے کہا۔
"میرا خیال ہے کہ اب وہ اس جگہ شاید نہیں آئے گا۔"
"نہیں ـــ وہ ضرور آئے گا۔ تم واپس ماریا کے پاس جاؤ۔
میں اس موذی قاتل کا انتظار کروں گا۔"
عنبر واپس اڑن طشتری میں آ گیا۔ ناگ حویلی میں ہی ابن
فیروز کا انتظار کرنے لگا۔ سارا دن وہ انتظار کرتا رہا مگر ابن
فیروز نہ آیا۔ رات کو ناگ بھی واپس آ گیا۔ وہ اپنے ساتھ ناظمہ
کے باپ کو بھی اڑن طشتری میں لے آیا۔ باپ نے بیٹی کو
گلے لگا لیا۔ خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عنبر
نے تاجر عمر کو سمجھایا کہ ابھی ناظمہ کا گھر واپس جانا ٹھیک
نہیں!
"ابن فیروز ایک مکار دشمن ہے۔ وہ اگر زندہ رہا تو مزید
وار کرے گا۔ اس لئے جب تک اس کا کام تمام نہیں ہو
جاتا ہمارے پاس ہی ناظمہ رہے تو بہتر ہے۔"
ناظمہ کا باپ بولا۔
"جیسے آپ لوگوں کی مرضی ہوگی ویسا ہی ہم کریں گے۔ ابن
فیروز میرا پرانا دشمن ہے۔ وہ میرے گھر کو تباہ کرنے کی پوری
کوشش کرے گا۔ میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ ناظمہ اسی
جگہ رہے۔ جب میرا دشمن ختم ہو جائے گا تو پھر میں اسے

بلا لوں گا۔"
تاجر عمر واپس اپنے گھر چلا گیا۔
ناگ نے سوچا کہ ابن فیروز کو جب تک یہ خبر ملتی رہے گی
کہ ناگ اس کے گھر میں ہے وہ واپس گھر نہیں آئے گا اس
لئے یہی بہتر ہے کہ کسی دوسری شکل میں اس کا انتظار کیا جائے
پس اس نے ایسا کیا کہ ہر روز صبح و شام ایک سنہری چڑیا کے
روپ میں ابن فیروز کی حویلی میں جاتا اور پتہ کرتا کہ وہ ابھی
آیا ہے یا نہیں۔ ابن فیروز ایک دوست کے ہاں چھپا ہوا تھا
اور جوابی حملہ کرنے کی سازش کر رہا تھا۔
ابن فیروز کے دوست کا نام شہ رخ تھا۔ وہ بڑا چالاک
عیار اور مکار جاسوس تھا۔ کسی زمانے میں بادشاہ مصر کا خاص
جاسوس رہ چکا تھا۔ بھیس بدلنے میں بڑا ماہر تھا۔ عورت کا
روپ اس طرح سے بدلتا کہ کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا۔
ابن فیروز نے اس سے مدد مانگی اور کہا۔
"میں چاہتا ہوں کہ جہاں میرے دشمن کا اڈہ ہے اسے
تباہ کر دیا جائے۔"
"یہ کون سی بڑی بات ہے۔ مجھے بتاؤ کہ تمہارا دشمن کس جگہ
رہتا ہے۔"
ابن فیروز نے کہا۔

"یہ لوگ کوئی جادوگر قسم کے ہیں۔ شہر سے باہر کھنڈر کے
پاس انہوں نے ایک جادو کا گھر بنا رکھا ہے۔ اس میں رہتے
ہیں۔ اگر تم کسی طرح سے ان کے گھر میں جا کر انہیں تباہ
کر سکو تو میں ساری زندگی تمہارا احسان نہیں بھولوں گا اور
تمہیں منہ مانگا انعام بھی دوں گا۔"

شہ رخ گردن اکڑا کر بولا۔

"میں ان کے جادو گھر کو تہس نہس کر دوں گا۔ مجھ سے
وہ بچ نہیں سکتے۔ میں اگر چاہوں تو آسمان کے تارے توڑ
کر بھی لا سکتا ہوں۔"

ابن فیروز کو بڑا حوصلہ ہوا۔ اس نے سونے کی اشرفیوں
کی ایک تھیلی اسے دے کر کہا۔

"یہ تمہارے ضروری خرچ کے لئے ہے۔ جب تم میرے
دشمنوں کو ختم کر دو گے تو میں تمہیں اور دولت دوں گا اور
ہاں ـــ وہاں ناظمہ بھی رہتی ہے۔ اسے ضرور کسی طریقے سے
پہلے اغواء کر کے مجھ تک پہنچانا ہو گا۔ پھر اس گھر کو تباہ
کرنا ہو گا۔"

"ایسا ہی ہو گا۔"

"تم ناظمہ کو پہچان لو گے نا؟"

"کیوں نہیں۔ میں نے اسے اس کے باپ کے گھر کئی بار

دیکھا ہے۔"

پس شہ رخ نے ضروری تیاری شروع کر دی۔ اس نے
ایک ضعیف عورت کا روپ بدلا اور لاٹھی ہاتھ میں لے کر
گلے میں منکے مالائیں ڈال کر صحرا میں اس طرف چل پڑا
جہاں ابن فیروز نے اسے بتایا تھا کہ جادو گھر یعنی اڑن
طشتری ہے۔ شہ رخ بالکل ایک بوڑھی عورت معلوم ہو
رہا تھا۔ شہر سے باہر نکل کر وہ کھجوروں کے بیچ میں سے
جانے والے کچے راستے پر آ گیا۔ یہاں سے باہر نکلا تو اس
کے سامنے ہی صحرا شروع ہو رہا تھا۔ دور ایک جگہ اسے
کھنڈر کی ٹوٹی پھوٹی عمارت نظر آئی۔ شہ رخ اس طرف آ گیا
کھنڈر کے پاس آ کر اس نے نگاہ ڈالی تو سامنے اسے ایک
عجیب سی شے نظر آئی۔ یہ ایک چمکتی ہوئی گول عمارت تھی جس
کی گول دیواروں میں گول گول سوراخ تھے جو چمک رہے تھے۔
شہ رخ ایک پل کے لئے اس عجیب و غریب چیز کو دیکھتا
ہی رہ گیا۔ پھر وہ کمر پہ ہاتھ رکھے بوڑھی عورت کی طرح لاٹھی
کے سہارے چلتا ہوا اڑن طشتری کے قریب آیا۔ اس وقت صبح
کا پہلا پہر تھا۔ ناشتے کے بعد ناگ عنبر کے ساتھ شہر گیا ہوا
تھا۔ ماریا سو رہی تھی اور ناظمہ اکیلی اپنے کمرے میں بیٹھی گول
سوراخ میں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس نے جو ایک بوڑھی عورت

کو لاٹھی ٹیکتے اپنی طرف آتے دیکھا تو اسے غور سے تکنے لگی۔
شہ رخ نے قریب آکر شیشے کی کھڑکی میں سے ناظمہ کو دیکھ لیا۔ اس کی کامیابی اس کے سامنے تھی۔ اب ذرا مکاری اور ہوشیاری کی ضرورت تھی۔ شہ رخ نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔
"بیٹی! بھوک لگی ہے۔ خدا کے نام پر بوڑھی عورت کو کچھ کھانے کو دو۔ اللہ تمہارا بھلا کرے گا۔"
ناظمہ کو اس عورت کی حالت دیکھ کر بڑا ترس آیا۔ اس نے باورچی خانے میں جا کر کھانے کی چیزیں لیں۔ انہیں رومال میں لپیٹا اور اڑن طشتری کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ یہ اس کی غلطی تھی۔ کیونکہ عنبر نے خاص طور پر منع کر رکھا تھا کہ اڑن طشتری کا دروازہ کبھی نہ کھولا جائے۔ ناظمہ کو بوڑھی عورت پر ترس آ گیا تھا۔ شہ رخ نے ناظمہ کو جادو گھر سے باہر آتے دیکھا تو خوشی سے اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ شکار خود بخود اس کے جال میں آ رہا تھا۔ اس نے جیب سے وہ رومال نکال لیا جس میں بے ہوشی کی دوائی پڑی تھی۔
ناظمہ نے کہا۔
"یہ لو مائی۔ کھانا کھا لو۔"
شہ رخ لاٹھی کے سہارے لڑکھڑاتا ہوا ناظمہ کے پاس آیا اور دعائیں دینے لگا۔

"بیٹی! خدا تمہیں سلامت رکھے۔ تم نے ایک غریب بوڑھی عورت کو کھانا دیا۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔"
کھانا لے کر شہ رخ نے اپنے تھیلے میں ڈال لیا اور پھر بڑی پھرتی سے جیب سے رومال نکال کر ناظمہ کے ناک پر رکھ دیا۔ ناظمہ تڑپی۔ شور مچانے لگی مگر شہ رخ نے اس کا منہ بری طرح ہاتھ سے بند کر رکھا تھا۔ اس دوران میں ناظمہ پر دوائی نے اثر کر دیا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ شہ رخ نے اسے اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور کھنڈر میں لے جا کر ایک طرف چھپا دیا۔ ایسے معلوم تھا کہ ناظمہ کم از کم ایک گھنٹے تک بے ہوش رہے گی۔
وہ بھاگم بھاگ شہر پہنچا اور وہاں سے ایک گھوڑا لے آیا۔ بے ہوش ناظمہ کو گھوڑے پر ڈالا اور راستے دریا کے کنارے کنارے ویران علاقوں سے چل کر اپنے گھر لے آیا۔ وہ اپنی کامیابی پر اتنا خوش تھا کہ خوشی سے اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ اس نے بے ہوش ناظمہ کو ایک کمرے میں بند کر کے اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔ دروازے کو باہر سے تالا لگا دیا۔ پھر مکان کو باہر سے بند کر کے تالا ڈالا اور ابن فیروز کو جا کر خوش خبری سنائی۔ ابن فیروز خوشی سے اچھل پڑا۔ اسی وقت شہ رخ کو سونے کی اشرفیاں دیں اور گھوڑے پر سوا

ہو کر بھاگم بھاگ اس کے گھر آ گیا۔

ناظمہ کو اس وقت ہوش آ چکا تھا۔ اپنے آپ کو قید میں دیکھا
تو سر پیٹ کر رہ گئی۔ سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ ظلم ہو گیا۔ دھوکا
ہو گیا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ پانی سر سے گزر چکا تھا۔ اس نے
بوڑھی عورت پر اعتبار کر لیا تھا۔ اسے اڑن طشتری سے باہر
نہیں آنا چاہئے تھا۔

اتنے میں ابن فیروز اندر آ گیا۔ اس کو دیکھ کر ناظمہ کانپ
گئی۔ ابن فیروز نے قریب آ کر ناظمہ کو بالوں سے پکڑ کر
جھنجھوڑا اور گرج کر کہا۔

"بول! اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔"

ناظمہ نے کہا۔

"مجھے میرا [illegible]
کو بوڑھی عورت [illegible] خدا مجھے بچائے گا۔"

ابن فیروز نے گھمنڈ میں آ کر کہا۔

"دیکھ لوں گا تمہارا خدا تمہیں کیسے مجھ سے بچاتا
ہے۔ میں اب تمہیں اس ملک سے ہی لے جاؤں گا۔ ملک
روم جا کر تم سے شادی کر لوں گا اور پھر تم کبھی اپنے شہر،
اپنے گھر کا منہ نہ دیکھ سکو گی۔"

ناظمہ سر جھکا کر چپ چاپ بیٹھی رہی۔ ابن فیروز نے دروازے
پر تالا ڈال دیا اور باہر آ گیا اور شہ رخ سے ملک روم جانے کا

ر کرنے لگا۔ شہ رخ نے اس کے خیال کو پسند کیا اور کہا۔
یں بھی تمہیں یہی کہوں گا کہ تمہارا اس وقت یہاں رہنا
ب نہیں۔ تم ناظمہ کو لے کر کچھ عرصے کے لئے باہر
جاؤ۔"

ابن فیروز بولا۔
یں آج ہی جا کر پتہ کرتا ہوں کہ یہاں سے روم کی
ب قافلہ کب روانہ ہو گا۔

شہ رخ نے کہا۔
پرسوں صبح کو ایک قافلہ ملک شام کی طرف جا رہا ہے۔
نہیں مشورہ دوں گا کہ تم اس قافلے کے ساتھ یہاں سے
جاؤ۔ شام جا کر تم وہاں سے کوئی دوسرا قافلہ پکڑ لینا کیونکہ
سکتا ہے روم کو جانے والا قافلہ ابھی اس ہفتے یہاں سے
نہ ہو۔"

"ہاں۔ تمہارا یہ خیال مجھے پسند آیا ہے۔ میں تیاری کرتا ہوں
کل صبح میں یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ تم ایسا کرو کہ میرے
ے میری کچھ ضروری چیزیں جا کر لے آؤ۔ کیونکہ ناگ کی وجہ
میں اپنے گھر نہیں جا سکتا۔"

"تم اسی جگہ ٹھہرو۔ میں تمہارے گھر جا کر تمہاری چیزیں لے
تا ہوں۔"

ابن فیروز نے کہا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

شہ رخ، ابن فیروز کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا اور ابن فیروز مکان کو تالا لگا کر اوپر والی شہ نشین میں جاکر کھڑکی کے پاس بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ وہ باہر بھی نگاہ رکھنا چاہتا تھا کہ کوئی شخص ناظمہ کے سراغ میں وہاں نہ پہنچ جائے۔

ماریا یونہی ناشتہ کرکے سوگئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہی اس کی آنکھ کھلی تو کمرے سے باہر آکر اس نے ناظمہ کو آواز دی۔

"ناظمہ بہن! کہاں ہو تم؟"

مگر ناظمہ وہاں ہوتی تو جواب دیتی۔ ماریا نے سب جگہ اسے تلاش کیا۔ وہ کہیں بھی نہیں تھی۔ اب تو ماریا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ باہر دیکھا۔ صحرا میں دھوپ چمک رہی تھی۔ وہ اڑن طشتری سے باہر آگئی۔ اس نے ریت پر پاؤں کے نشان دیکھے۔ یہ کئی ایک نشان تھے۔ سمجھ گئی کہ کوئی دھوکہ ہوگیا ہے اور کسی نے ناظمہ کو اغوا کر لیا تھا۔ کیونکہ اڑن طشتری کا دروازہ بھی کھلا تھا۔ ماریا پریشان ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ اڑن طشتری کو اکیلا چھوڑ کر بھی نہیں جا سکتی تھی۔

اتنے میں ناگ اور عنبر بھی آگئے۔

...ہیں اس حادثے کی خبر ہوئی تو وہ بھی پریشان ہوگئے۔ یہ
...رنج تھا کہ ناظمہ کو اغوا کر لیا گیا تھا۔ ان کے ساتھ بھی ایسا
...پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ دشمن مکاری اور ہوشیاری میں
...ے گیا تھا۔ وہ ماریا کو کیا کہتے۔ اس کا بھی کوئی قصور نہیں
...ں نیند آگئی تھی اسے ـــ اب کیا ہو سکتا تھا۔ عنبر اور
...نے کھنڈر کے پاس جاکر گھوڑے کے سموں کے نشان
...یہ نشان کچے راستے سے ہوکر شہر کی طرف جا رہے تھے۔
...ے جاکر یہ نشان بھی دوسرے گھوڑوں کے نشانوں میں گڈمڈ
...تھے۔ ناگ اور عنبر واپس آگئے اور سوچنے لگے کہ ناظمہ کو
...اش کیا جائے۔ ناظمہ کے باپ کو انہوں نے یہ خبر نہیں
...۔ وہ اسے یہ بری خبر سنانا بھی نہیں چاہتے تھے۔

...نے کہا۔

...شخص ہمارے لئے مصیبت بن گیا ہے۔ اس کا اسی وقت
...کر دیتے تو اچھا تھا۔"

...ا رہے یہ اپنے گھر نہیں گیا ہوگا۔ بلکہ کسی خاص جگہ ناظمہ
...ر چھپ گیا ہوگا۔"

...بولا۔

...مجھے تو خطرہ ہے کہ کہیں یہ شہر سے نہ نکل جائے۔"

...ر نے ماتھے پر انگلی رکھ کر کہا۔

"یہ اچھا خیال ہے۔ ابن فیروز ضرور اس شہر سے بھاگ نکلنے
کی سوچ رہا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ کارواں سراؤں میں جاکر
اسے تلاش کرنا چاہئے۔"

"اس شہر کی ایک ہی کارواں سرائے ہے جہاں سے قافلے
روم کو جاتے ہیں۔"

ناگ اور عنبر کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ایک دوسری کاروا
سرائے بھی ہے جہاں سے قافلے ملک شام کو جاتے ہیں۔ اگر د
شام کو جانے والے قافلوں کی سرائے میں جاتے تو وہ ناظ
حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن وہ روم جانے والی کارواں سرائے
پہنچے تو انہیں پتہ چلا کہ وہاں سے ایک قافلہ ایک ہفتے کے
جلئے گا۔

ناگ نے کہا۔

"میں اس قافلے پہ نظر رکھوں گا۔ اگر ابن فیروز یہاں آ
تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

ساری رات عنبر اور ناگ اور ماریا جاگ کر سوچتے رہے کہ ا
کہاں ناظمہ کو تلاش کیا جا سکتا ہے؟

عنبر نے کہا۔

"میں ابن فیروز کی حویلی کو نگاہ میں رکھوں گا۔ تم رومی کارو
سرائے کی دیکھ بھال کرتے رہنا۔ ہم ضرور ناظمہ کو بچانے میں کا

ہو جائیں گے۔"

دوسری طرف رات بسر کرنے کے بعد منہ اندھیرے ابن فیروز
اور اس کے دوست نے ناظمہ کو دوا سنگھا کر بے ہوش کیا اور اسے
گھوڑے پر ڈال کر شام کی کارواں سرائے میں آگئے۔ لوگوں کو
انہوں نے یہی بتایا کہ یہ اس کی بیوی ہے۔ بیمار ہے۔ علاج
کے لئے شام جا رہے ہیں۔ قافلہ منہ اندھیرے ہی انطاکیہ سے
روانہ ہو گیا۔ ابن فیروز نے اپنے دوست کا شکریہ ادا کیا اور
بے ہوش ناظمہ کو ساتھ لے کر ملک شام کی طرف چل پڑا۔

دمشق کا ڈاکو

ایک ہفتہ گزر گیا۔ ناظمہ کا کہیں سراغ نہ ملا۔
اس کے باپ کو آخر بتانا پڑا کہ ناظمہ دوبارہ اغوا کر لی
گئی ہے اور اس کا کھوج لگانے کی پوری کوشش ہو رہی
ہے۔ ناظمہ کا باپ سر پیٹ کر رہ گیا۔ غم سے اس کا بُرا
حال ہو گیا۔ عنبر اور ناگ نے اسے بڑی تسلی دی مگر وہ
پریشان رہا۔
"خدا کے لئے میری بچی کو کہیں سے تلاش کرو۔ وہ
میرا دشمن اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"
ناگ نے کہا۔
"آپ ہمیں صرف ایک ہفتے کی مہلت دے دیں اس عرصے
میں ہم ابن فیروز اور ناظمہ کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ خواہ وہ زمین
کے اندر ہی کیوں نہ چھپا ہوا ہو۔"
تاجر عمر غم سے نڈھال تھا۔ آنکھوں میں آنسو لئے اپنی حویلی
میں چلا گیا۔

دوسرے روز ماریا نے ناگ سے کہا۔
"روم جانے والا قافلہ کل صبح روانہ ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے
ہمیں آج ہی کارواں سرائے میں جاکر مسافروں کی دیکھ
بھال شروع کر دینی چاہیے۔ ابن فیروز اگر اس قافلے سے
جائے گا تو وہ آدھی رات کو کارواں سرائے پہنچ جائے گا۔"
عنبر بولا۔
"ناگ! یہ کام تم کرو۔ تم ابھی چلے جاؤ اور نظر رکھو۔ جونہی
ابن فیروز نظر آئے تو اسے وہیں پکڑ کر قابو کر لو خواہ اس
کے لئے تمہیں کسی بھوت کا روپ کیوں نہ بدلنا پڑے۔"
ناگ نے کہا۔
"بھوت تو خیر میں نہیں بن سکتا۔ ہاں اسے قابو ضرور
کر لوں گا۔"
ناگ کارواں سرائے کی طرف چلا گیا۔ ماریا اڑن طشتری کو
اندر سے بند کر کے بیٹھ گئی۔ عنبر ابن فیروز کی حویلی میں آ
گیا کہ شاید یہاں سے کوئی سراغ مل جائے۔ کارواں سرائے
میں روم جانے والے مسافر تیاریاں کر رہے تھے۔ کیونکہ قافلہ
آدھی رات کو روانہ ہونے والا تھا۔ سرائے کی دیوار کے ساتھ
ساتھ اونٹوں کی قطار لگی تھی۔
اونٹ بیٹھے جگالی کر رہے تھے۔ ان پر سوداگروں اور

دوسرے مسافروں کا مال لادا جا رہا تھا۔ ناگ بھی مسافر کی شکل میں وہاں بھیس بدلے گھوم رہا تھا۔ اس نے داڑھی بڑھا رکھی تھی۔ اس خیال سے کہ اگر ابن فیروز اسے دیکھ لے تو پہچان نہ سکے۔ سرائے کے صحن میں کچھ عورتیں چادریں اوڑھے بیٹھی تھیں۔ ناگ نے اس طرف جا کر ایک ایک عورت کو تکنا شروع کیا تو ایک آدمی نے آکر غصے سے کہا۔

"کیا سمجھ کر ادھر آگئے ہو؟ چلو بھاگو یہاں سے۔ یہاں پردے دار عورتیں بیٹھی ہیں۔"

ناگ نے مسکرا کر ادب سے کہا۔

"بھائی! میں اپنی بہن کی تلاش میں ہوں۔"

وہ شخص بولا۔

"کسی دوسری جگہ جا کر اسے تلاش کرو۔"

ناگ سلام کر کے دوسری طرف آگیا۔ اسے یقین تھا کہ اگر ان میں ناظمہ ہوتی تو وہ ضرور اسے دیکھ کر آواز دیتی۔ لیکن اسے کیا خبر تھی کہ ناظمہ تو اس وقت ایک قافلے کے ساتھ ملک شام کی طرف روانہ ہو چکی تھی اور صحراؤں سے گزر رہی تھی آدھی رات کو قافلہ تیار ہو گیا۔ ناگ نے ایک ایک مسافر کو دیکھا۔ ابن فیروز ان میں کہیں نہیں تھا۔ عورتوں میں بھی اسے ناظمہ کہیں دکھائی نہ دی۔

"یا خدا! وہ کہاں گم ہو گئی؟"

ناگ یہی سوچتا رہا۔

قافلہ شہر کی سرائے سے نکل کر اپنے سفر پہ روانہ ہو گیا۔ ناگ اسے دیکھتا رہ گیا۔

جب وہ واپس ہونے لگا تو ایک نوجوان بدو اس کے قریب سے گزرتے ہوئے بولا۔

"بھائی! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کتنی دیر سے لوگوں میں کسی کو تلاش کرتے پھر رہے ہو۔ کیا تمہارا کوئی گم ہو گیا ہے؟"

ناگ نے آہ بھر کر کہا۔

"بھائی! کیا بتاؤں۔ میرا ایک نوکر میری زندگی بھر کی پونجی ایک ہزار سونے کی اشرفیاں لے کر بھاگ گیا ہے میں اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔ سوچا یہاں آ کر بھی دیکھ لوں کہ کہیں وہ اس قافلے کے ساتھ روم کی طرف نہ فرار ہو رہا ہو۔"

بدو نے کہا۔

"پھر یہاں تمہارا نوکر ملا نہیں؟"

ناگ بولا۔

"تم دیکھ ہی رہے ہو کہ قافلہ چلا گیا ہے اور میں اب بھی

اپنے نوکر کی تلاش میں ہوں۔"

بدو نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ ملک شام کی طرف چلا گیا ہو۔"

ناگ نے کہا۔

"اگر ملک شام کو بھی جاتا تو یہاں سے معلوم ہو [illegible] تھا۔"

بدو نے کہا۔

"وہ کیسے معلوم ہو سکتا تھا۔ ملک شام کو جانے والے قافلے تو دوسری سرائے سے جاتے ہیں۔"

ناگ ایک دم چونک پڑا۔

"کیا کہا؟.... کیا یہاں کوئی اور سرائے بھی ہے؟"

بدو نے کہا۔

"بڑے میاں! تم مسافر معلوم ہوتے ہو۔ تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ اس شہر کی دو سرائیں ہیں۔ ایک یہ سرائے ہے جہاں سے ملک روم کو قافلے جاتے ہیں۔ ایک دوسری سرائے اور ہے جہاں سے ملک شام کو قافلے روانہ ہوتے ہیں ـــ!"

ناگ نے پوچھا۔

"یہ دوسری سرائے کہاں ہے؟"

بدو بولا۔

"وہ سرائے شہر کے مشرق میں شامی باغ کے پاس ہے۔ مگر ملک شام جانے والا قافلہ تو کل صبح روانہ ہو چکا ہے۔"

ناگ ناامید سا ہو کر بولا۔

"اب کیا ہو سکتا ہے پھر؟ مجھے یقین ہے کہ میرا نوکر اسی قافلے کے ساتھ چلا گیا ہے۔"

بدو نے کہا۔

"تم نے غلطی کی بڑے میاں! تمہیں دوسری سرائے میں پہنچ کر شام جانے والے قافلے کی بھی پڑتال کرنی چاہئے تھی۔ خیر! اب کیا ہو سکتا ہے!"

ناگ نے پوچھا۔

"دوسرا قافلہ کب روانہ ہوگا؟"

بدو نے کہا۔

"دونوں سراؤں میں ہر جمعہ کی رات کو قافلے روانہ ہوتے ہیں۔ اب یہاں سے ایک ہفتے بعد قافلہ چلے گا اور شامی باغ والی سرائے سے اگلے جمعہ کی رات کو پچھلے پہر قافلہ روانہ ہوگا۔"

"شکریہ بھائی! تمہارا بہت بہت شکریہ!"

ناگ واپس اڑن طشتری میں آگیا۔ عنبر اور ماریا بھی وہاں موجود تھے۔

ناگ نے کہا۔

"ہم سے غلطی ہو گئی۔ اگر شامی باغ والی سرائے میں جاکر دیکھتے تو ہو سکتا تھا کہ ناظمہ کا سراغ مل جاتا۔"

عنبر بولا۔

"ویسے ہم اب بھی اس قافلے کو صحرا میں پکڑ سکتے ہیں۔"

اس خیال سے ناگ اچھل پڑا۔

"ارے! یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ ہمارے پاس اڑن طشتری ہے۔ ہم بڑی آسانی سے قافلے کی روٹ کے اوپر اوپر اڑتے ہوئے قافلے کو راستے میں پکڑ سکتے ہیں۔"

ماریا بولی۔

"اگر تم اڑن طشتری لے کر قافلے کے اوپر گئے تو وہاں تمہارا تماشہ بن جائے گا۔ وہ لوگ خوف زدہ ہو جائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ محافظ سپاہی تم پر حملہ کر دیں۔"

عنبر نے کہا۔

"حملہ کر کے وہ ہمارا کیا بگاڑ لیں گے ماریا بہن! ہمیں ہر حالت میں ناظمہ کو تلاش کرنا ہے اور ہم ہر خطرہ مول لے کر اسے تلاش کر کے رہیں گے۔"

ماریا بولی۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ یہ معلوم کر لو کہ شام کو جانے والا قافلہ

صحرا میں کس طرف سے گزرتا ہے اور ہم اڑن طشتری لے کر اس کی تلاش میں روانہ ہو جاتے ہیں۔"

عنبر بولا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ ناگ! تم شامی کارواں سرائے میں جاکر معلوم کرو کہ صحرا میں یہ قافلہ کن راستوں پر سفر کرتا ہے۔"

ناگ اسی وقت شامی باغ والی سرائے میں آگیا۔ اس نے ایک آدمی سے پوچھا۔

"شام جانے والے قافلے کا راستہ کدھر سے جاتا ہے؟"

اس آدمی نے پہلے تو ناگ کو سر سے پاؤں تک دیکھا پھر بولا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

کیونکہ عام طور پر ایسی معلومات ڈاکو حاصل کیا کرتے تھے۔ ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"بھائی! میں ڈاکو نہیں ہوں۔ میں تو اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ میری ایک بہن اس قافلے میں سفر کر رہی ہے۔ مجھے اسکو ایک ضروری پیغام پہنچانا ہے۔"

اس آدمی نے ناگ کو قافلے کا روٹ بتا دیا۔ ناگ نے واپس آ کر اس صحرا کا نقشہ کھول کر عنبر اور ماریا کو اس کے روٹ سے آگاہ کیا۔

عنبر نے صحرا کے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ قافلہ اگر کل صبح کو چلا ہے تو ابھی تک اس مقام پر ہی پہنچا ہو گا۔"

ماریا بولی۔

"یہ یاد رکھیں کہ یہ قافلے دوپہر کو سفر نہیں کرتے آرام کرتے ہیں۔ زیادہ سفر رات کو کرتے ہیں۔"

ناگ بولا۔

"اس حساب سے بھی قافلہ ابھی زیادہ دور نہیں گیا ہو گا۔ ہم راستے میں اسے پکڑ سکتے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"ہمیں آج شام یہاں سے کوچ کر جانا چاہئے۔"

ناگ نے ناظمہ کے باپ کو جا کر اپنی ساری سکیم بتا دی اور کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ انشاءاللہ اگر ابن فیروز اسی قافلے کے ساتھ ہوا تو ہم ناظمہ کو لے کر ہی واپس آئیں گے۔"

وہ کہنے لگا۔

"خدا تمہارا حامی و مددگار ہو۔ جب تک تم واپس نہیں آؤ گے۔ میری جان سولی پر ٹنگی رہے گی۔ خدا کرے کہ تم میری بچی کو لے کر واپس آؤ۔"

"انشاءاللہ! کوشش تو ہماری یہی ہے۔ اگر اس قافلے میں وہ ہوئی تو وہ ضرور ہمارے ساتھ واپس آئے گی۔"

تاجر عمر نے کہا۔

"میں بے چینی سے اپنی بیٹی کا انتظار کروں گا۔"

عنبر اور ناگ واپس اڑن طشتری میں آ گئے۔

اب وہ شام ہونے کا انتظار کر رہے تھے تاکہ اندھیرے میں اڑن طشتری کو لے کر اڑیں۔ دوسری طرف ملک شام کو جانے والا قافلہ اپنے راستے پر سفر کر رہا تھا۔ دوپہر کے وقت قافلہ ایک جگہ درختوں کے جھنڈ دیکھ کر رک گیا۔ مسافروں نے اونٹوں سے اتر کر درختوں کے نیچے دریاں بچھا دیں اور آرام کرنے کو بیٹھ گئے۔ کچھ کھانا وغیرہ پکانے لگے۔ اونٹ ایک قطار میں بیٹھ کر مزے سے جگالی کر رہے تھے۔ ابن فیروز نے ناظمہ کو بھی ایک طرف لٹا دیا۔ اب اسے ہوش آ گیا تھا۔ ابن فیروز نے خنجر دکھا کر اسے ڈرا دیا تھا کہ اگر اس نے شور مچانے کی کوشش کی تو وہ خنجر مار کر اسے ہلاک کر دے گا۔ اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

ناظمہ سہمی ہوئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ یہ شخص اسے ضرور مار ڈالے گا۔ اس کے علاوہ یہاں قافلے میں اس کا ہمدرد ہی

لون تھا۔ وہ اپنی قسمت پر صبر شکر کر کے بیٹھ گئی تھی کہ اب
جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ قافلے کا سردار بھی ایک جگہ اپنے ساتھیوں
کے پاس بیٹھا قہوہ پی رہا تھا۔ اتنے میں دور سے گرد اڑتی
نظر آئی۔ سب ادھر دیکھنے لگے۔ ایک خطرہ سب کے دلوں
میں پیدا ہوا کہ کہیں یہ سلطان ڈاکو تو نہیں؟ کیونکہ اس
علاقے میں سلطان ڈاکو نے تباہی مچا رکھی تھی۔

مسافر گھبرائے تو سردار نے کہا۔

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ سلطان ادھر نہیں آئے
گا۔ یہ کوئی قافلہ گزر رہا ہے۔"

لیکن بہت جلد گرد میں سے بے شمار ڈاکو گھوڑوں پر سوار
نمودار ہو گئے۔ ان کے آگے آگے سلطان ڈاکو ننگی تلوار لہراتا
گھوڑا دوڑاتے چلا آ رہا تھا۔ مسافر گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے
سردار کا رنگ بھی زرد پڑ گیا۔ اس کے محافظ کم تھے اور پھر
وہ سلطان ڈاکو کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ خود بھی خوف
سے لرزنے لگے تھے۔

سلطان ڈاکو کے آدمیوں نے سارے قافلے کا گھیرا ڈال لیا
اور ننگی تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے۔

سلطان ڈاکو نے گرج کر کہا۔

"خبردار! اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو اس کی گردن اتار دی

ئے گی۔"

بھلا کسی کی کیا مجال تھی کہ ذرا بھی چوں کرتا۔ ہر ایک کو
پنی جان کے لالے پڑے تھے۔ سلطان نے اپنے آدمیوں کو حکم
یا کہ قافلے کا سارا سامان لوٹ لیا جائے۔ ڈاکوؤں نے نعرے
ئے اور اونٹوں پر سارا مال لاد کر اپنے ساتھ کر لیا——
بن فیروز ایک طرف ناظمہ کو لئے بیٹھا تھا۔ اس نے اس ڈر
ے کہ کہیں ڈاکو اسے اغوا نہ کر لیں ناظمہ کے اوپر سیاہ
ادر ڈال دی تھی۔ کیونکہ وہ سارے قافلے میں سب سے زیادہ
وبصورت تھی۔

سلطان ڈاکو گھوڑے سے اتر آیا اور اس نے دور سے
مہ کو دیکھا تو قریب آ کر چادر الٹ دی۔ پھر قہقہہ مار کر ہنسا

"ہوں! یہ لڑکی تو میری کنیز بننے کے لئے پیدا ہوئی
ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

ابن فیروز نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"حضور! اسے معاف کر دیں۔ یہ بیمار ہے۔"

سلطان نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ہم اس کا دمشق میں علاج کرائیں گے۔"

ابن فیروز نے جب ناظمہ ہاتھ سے جاتی دیکھی تو نہ جانے اس
کے دل میں کیا آئی کہ خنجر نکال کر سلطان ڈاکو پر حملہ کر دیا۔ یہ

اس کی موت کی نشانی تھی۔ سلطان ڈاکو کی آنکھوں میں خون
اتر آیا۔

"تمہاری یہ ہمت کہ دمشق کے سلطان ڈاکو پر حملہ کرو۔"

اور اس کے بعد سلطان نے تلوار کا ایک ہاتھ مارا اور
ابن فیروز کی گردن کٹ کر ریت پر گر پڑی اور اس کا دھڑ
الگ ہو کر تڑپنے لگا۔

یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو گیا کہ ناظمہ کو یقین آیا ہی نہیں
کہ ابن فیروز مر گیا ہے۔ سارے مسافر بھی تھر تھر کانپنے لگے۔
سلطان ڈاکو نے تلوار لہرا کر کہا۔

"کسی نے حملہ کرنے کی جرأت کی تو اس کا انجام بھی یہی
ہو گا۔"

اس کے بعد ڈاکوؤں نے سارا مال اونٹوں پر لادا۔ ناظمہ کو
اور دوسری عورتوں کو گھوڑوں پر بٹھایا اور لے کر دمشق کی
طرف روانہ ہو گئے۔ شام کے وقت ڈاکو دمشق کے باہر صحرائی
چٹانوں کے بیچ میں ایک ویران مقام پر آ کر رک گئے۔ یہاں
آ کر ڈاکو سلطان نے ایک چٹان کے پاس آ کر زور سے کہا۔

"کھل جا سم سم!"

چٹان ایک دم سے اپنی جگہ سے سرک گئی۔ سامنے ایک غار
نکل آیا۔ ڈاکو گھوڑوں سمیت اس غار کے اندر چلے گئے۔ ان کے

لے کے بعد سلطان ڈاکو نے بلند آواز سے کہا۔

"بند ہو جا سم سم!"

غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ چٹان پھر اسی جگہ پر آ کر رک گئی
کوؤں نے مال غنیمت کو ایک جگہ ڈھیر کر دیا اور عورتوں کو
الگ جگہ پر بند کر دیا۔

سلطان نے کہا۔

"ان تمام عورتوں کو کل دمشق کے بازار میں لے جا کر
خت کر دیا جائے۔"

ناظمہ کی طرف دیکھ کر اس نے کہا۔

"اس عورت ناظمہ کو غار میں ہی رہنے دیا جائے۔ یہ ہماری
مت کیا کرے گی۔ ہم اسے فروخت نہیں کریں گے۔"

یہ سن کر ناظمہ کی جان ہوا ہو گئی۔ اگر اسے فروخت کر دیا جاتا
اسے امید تھی کہ شاید وہاں سے کبھی فرار ہو جائے۔ لیکن
کوؤں کے غار سے اس کا نکل کر بھاگ جانا بہت مشکل تھا۔
ر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ڈاکوؤں نے شام ہونے سے پہلے پہلے دمشق
ی منڈی میں لے جا کر تمام عورتوں کو دس ہزار اشرفیوں کے
وض فروخت کر ڈالا۔ ناظمہ غار کے اندر ہی رہی۔

اب عنبر اور ناگ کی طرف چلتے ہیں۔

شام کا اندھیرا پھیلا تو انہوں نے اڑن طشتری کو اڑا دیا۔

شہر کے باہر سے ہوتے ہوئے وہ دریا کے اوپر سے اڑتے ہوئے صحرا کی جانب مشرق کی سمت کو چلے گئے۔ یہی وہ صحرا تھا جہاں سے ایک راستہ صدیوں سے ملک شام کی طرف جاتا تھا اور اس راستے پر سینکڑوں سالوں سے قافلے سفر کر رہے تھے۔ ابھی آسمان پہ شفق کی سرخی باقی تھی کہ ان کی اڑن طشتری تیز رفتاری کے ساتھ اس مقام پر آگئی۔ جہاں انہیں دور صحرا میں مشعلوں کی روشنی میں ایک قافلہ جاتا نظر آیا۔ عنبر نے سکرین پر اس قافلے کو دیکھ کر کہا۔

"یہی وہ قافلہ ہے۔ میرا خیال ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"ہمیں اڑن طشتری ان سے ذرا فاصلے پہ جاکر کھڑی کرنی چاہیئے۔"

ماریا بولی۔

"یہ صحرا ہے۔ آپ پیچھے طشتری کھڑی کر کے آگے جائیں گے تو قافلہ آگے نکل چکا ہوگا۔ ہمارے پاس کوئی گھوڑا بھی نہیں ہے کہ جلدی سے بھاگ کر قافلہ پکڑ سکیں۔"

"یہ تو ٹھیک بات ہے۔" ناگ نے کہا۔

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم آگے جاکر کسی جگہ جہاں درختوں کے جھنڈ

ہاں۔ اڑن طشتری کھڑی کر دیتے ہیں اور پھر قافلے کا انتظار کرتے ہیں۔"

تجویز بڑی اچھی تھی۔ چنانچہ اڑن طشتری کو قافلے سے دور دور رکھ کر پہلو سے ہو کر یہ لوگ آگے نکل گئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ قافلے والے اڑن طشتری کو دیکھیں۔ آگے بھی صحرا اسی طرح تھا۔ کچھ فاصلے پہ انہیں کھجور اور ببول کے جھنڈ نظر آئے۔ ماریا نے سکرین پہ دیکھ کر کہا۔

"میرا خیال ہے یہ جگہ بڑی موزوں رہے گی۔ یہاں اڑن طشتری اتار کر ہم قافلے کا انتظار کریں گے۔"

ناگ نے بٹن دبا کر جھنڈوں کا رخ کیا۔ ان درختوں میں جا کر اڑن طشتری زمین پہ اتار لی گئی۔ یہاں بڑی اچھی طرح سے اڑن طشتری اونچے اونچے درختوں اور جھاڑیوں میں چھپ گئی تھی۔ وہ اڑن طشتری سے باہر نکل آئے اور درختوں سے دور ہٹ کر آنے والے قافلے کی راہ دیکھنے لگے۔ اب رات نے اپنی سیاہ چادر صحرا پہ پھیلا دی تھی لیکن ستاروں نے آسمان پہ نکل کر اپنی ہلکی ہلکی روشنی بکھیرنی شروع کر دی تھی۔

دور سے قافلے والوں کی مشعلیں قریب آرہی تھیں۔

عنبر نے کہا۔

"ہمیں یہی ظاہر کرنا ہے کہ ہم شام سے واپس انطاکیہ جا رہے

ہیں اور قافلے کے انتظار میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" ناگ بولا۔

ماریا اڑن طشتری میں ہی تھی۔ قافلہ اب قریب آگیا تھا۔
قافلے والوں نے دو آدمیوں کو کھجوروں کے درختوں کے
پاس کھڑے ہاتھ ہلاتے دیکھا تو سردار نے اونٹ کی مہار
روک لی۔ وہ پہلے ہی ڈرا ہوا تھا۔ سوچا شاید دوسری بار
ڈاکو آگئے۔

عنبر نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ سردار نے کہا۔

"کیا بات ہے بھائی؟"

عنبر نے کہا۔

"کیا آپ کے قافلے میں ناظمہ نام کی کوئی عورت سفر کر
رہی ہے؟"

سردار نے کہا۔

"بھائی! ہمارے قافلے میں بہت سی عورتیں سفر کر رہی
تھیں۔ راستے میں ڈاکہ پڑا۔ سلطان ڈاکو نے ہمارا سارا مال
اسباب لوٹ لیا اور ساری عورتیں اغوا کر کے لے گیا۔ اب تو
ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم سب لٹے پٹے ہیں۔"

ناگ اور عنبر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

"کہاں ڈاکہ پڑا تھا؟"

"پچاس میل پیچھے۔ نخلستان کے پاس۔ دوپہر کے وقت۔ جب
ہم آرام کر رہے تھے۔"

ناگ نے پوچھا۔

"کیا نام تھا اس ڈاکو کا؟"

"سلطان ڈاکو۔"

عنبر بولا۔

"کیا اس قافلے میں ایک ایسی عورت بھی تھی جس نے سیاہ
چادر اوڑھ رکھی تھی اور ایک کانی آنکھ والا آدمی اس کے
ساتھ تھا۔"

سردار نے کہا۔

"ہاں! ایک ایسا آدمی ہمارے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ اس کے
ساتھ ایک بہت خوبصورت عورت بھی تھی۔ جس کو اس نے یہ
ظاہر کیا تھا کہ وہ بیمار ہے۔"

ناگ بولا۔

"کیا اس عورت کے گال پہ سیاہ تل بھی تھا؟"

"ہاں! سیاہ تل بھی تھا اور اس کے بال گھنگھریالے تھے۔"

"بالکل وہی ناظمہ تھی۔" عنبر نے کہا۔ "کیا تمہیں معلوم ہے کہ
ڈاکو کس طرف گئے ہیں۔"

سردار بولا۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ دمشق شہر میں جا کر ان عورتوں کو فروخت کر دیں گے۔"

ناگ نے کہا۔

"ہمیں دمشق جا کر ناظمہ کو تلاش کرنا ہوگا۔ وہ کسی نہ کسی امیر کے ہاں کنیز بن چکی ہوگی۔ ہم اسے پھر سے خرید لیں گے۔"

سردار نے کہا۔

"ایک بات میں نے تمہیں نہیں بتائی۔"

"وہ کیا؟" عنبر نے پوچھا۔

سردار نے کہا۔

"سلطان ڈاکو نے ناظمہ کو دیکھ کر کہا تھا کہ اس عورت کو سنبھال کر رکھو۔ اسے میں نے اپنی خدمت کے لئے چن لیا ہے میں اسے اپنی کنیز بناؤں گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں سلطان ڈاکو کو تلاش کرنا ہوگا۔"

سردار ہنس دیا۔

"مورکھ انسانو! کیا باتیں کر رہے ہو۔ شاید تم سلطان ڈاکو کو نہیں جانتے۔ سلطان ڈاکو اس علاقے کا سردار اور چنگیز خان ہے۔ اس کے لئے کسی کو قتل کرنا ایک معمولی بات ہے۔ سلطان ڈاکو سے دمشق کا بچہ بچہ کانپتا ہے۔ بھلا تم اس سے اپنی عورت کو کس طرح سے برآمد کر سکو گے۔ بہتر یہی ہے کہ ہماری

طرح سے تم بھی صبر شکر کر کے بیٹھ رہو اور اپنی جان کی خیر مناؤ۔"

یہ کہہ کر سردار نے اشارہ کیا۔ قافلہ پھر سے آگے روانہ ہو گیا۔ عنبر اور ناگ وہاں اکیلے رہ گئے۔ جب قافلہ آگے نکل گیا تو وہ اڑن طشتری کی طرف چلے۔ اندر جا کر انہوں نے کہا۔

"ماریا! ہوشیار ہو جاؤ۔ اب ہمارا مقابلہ دمشق کے سب سے بھیانک اور خونخوار ڈاکو سے ہے۔"

پھر انہوں نے ساری بات ماریا کو سنا دی۔

"سلطان ڈاکو کو اس علاقے کا چنگیز خان کہا جاتا ہے۔ وہ ناظمہ کو اغوا کر کے لے گیا ہے اور اس نے ابن فیروز کو ہلاک کر دیا ہے۔"

"یہ تو اچھی بات ہوئی کہ ایک دشمن مارا گیا ہے۔ اب سلطان ڈاکو باقی ہے۔ خدا نے چاہا تو اس ظالم کے پنجے سے بھی ناظمہ کو رہا کرا لیا جائے گا۔"

عنبر نے کہا۔

"اب ہماری منزل دمشق ہے۔ کہتے ہیں سلطان ڈاکو دمشق کے ارد گرد کے بنجر پہاڑوں میں کسی جگہ رہتا ہے اور سارے علاقے میں ڈاکے مارتا رہتا ہے۔"

ناگ بولا۔

"میرا خیال ہے ہمیں راتوں رات دمشق پہنچ کر کسی مناسب

جگہ پر اڑن طشتری کو اتار دینا چاہئے۔"

اڑن طشتری اس وقت صحرا کے درختوں سے اوپر اٹھی اور اس نے صحرا کے آسمان پر اڑنا شروع کر دیا۔ نقشے پر دمشق کی جگہ نشان لگا کر مشین کو ایک جگہ پر فکس کر دیا گیا تھا۔ اڑن طشتری بڑی تیز رفتاری کے ساتھ دمشق کی طرف اڑی جا رہی تھی۔ آدھی رات کے بعد اڑن طشتری دمشق شہر کے اوپر چکر لگا کر باہر کے علاقے میں ایک ویران جگہ پر کھنڈروں کے درمیان خاموشی سے اتر گئی۔

○
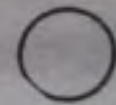
خطرناک چٹانیں

عنبر اور ناگ اڑن طشتری میں ہی صبح کا انتظار کرتے رہے۔ صحرا میں دن کی روشنی پھیلی تو عنبر اور ناگ اڑن طشتری سے باہر نکل آئے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ تھی۔ انہوں نے باہر سے اڑن طشتری کو دیکھا کہ محفوظ جگہ پر ہے یا نہیں۔ یہ جگہ بڑی چھپی ہوئی تھی اور یہاں کوئی راستہ نہیں آتا جاتا تھا۔ یہ قافلوں کے راستے سے دور ہٹ کر جگہ تھی۔ اردگرد کھنڈر پھیلے ہوئے تھے جن کے سرخ ستون چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ دور سے اڑن طشتری بالکل نظر نہیں آتی تھی۔

عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس جگہ سے بہتر جگہ یہاں اور کوئی نہیں ہے اڑن طشتری اسی جگہ رہے گی اور کیا خیال ہے کہ دمشق کون کون جائے گا۔"

ماریا نے کہا۔

"ظاہر ہے آپ مجھ کو نہیں جانے دیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"کیوں نہیں بھیجیں گے۔ ضرورت پڑی تو تمہیں ضرور دمشق روانہ کیا جائے گا۔ لیکن اس وقت تو ہم چاہتے ہیں کہ شہر میں جاکر جائزہ لیا جائے کہ شہر کیسا ہے؟ ۔ کیسے لوگ ہیں یہاں کے ـــ اور خاص طور پر کیا کسی کو معلوم ہے کہ سلطان ڈاکو کن جنگلوں یا صحرا کے کس علاقے میں اکثر دیکھا جاتا ہے۔"

ناگ کہنے لگا۔

"اور یہ کام ظاہر ہے کہ ہم دونوں میں سے کوئی ایک ہی کر سکتا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں یہاں آرام کروں گی۔ آپ لوگ جائیں اور شہر کی سیر کر آئیں۔"

عنبر ہنسا۔

"سیر کرنے جاتے تو تمہیں ضرور ساتھ لے جاتے۔ ہم تو ایک مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں ماریا اور دعا کرو کہ ہمیں سلطان ڈاکو کا کچھ اتا پتہ مل جائے۔"

عنبر اور ناگ نے غسل کرنے کے بعد عربی لباس پہنا اور صحرا میں اس طرف روانہ ہو گئے جدھر دمشق کا شہر آباد تھا ـــ اور جس کے سبز گنبد اور کلس دور سے دھوپ میں

ـنے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

ـاریا نے اڑن طشتری کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا ـ شیشے کی کھڑکی سے لگی عنبر اور ناگ کو صحرا میں جاتے ـیکھتی رہی۔ جب وہ دونوں صحرا کے ٹیلوں میں ماریا کی ـظروں سے اوجھل ہو گئے تو وہ اپنے کمرے میں جا کر آرام ـے لیٹ گئی۔

عنبر اور ناگ دمشق کے شہر میں داخل ہو گئے۔

یہ ایک بڑا خوبصورت اور پر اسرار شہر تھا جیسا کہ انہوں ـنے الف لیلے کی کہانیوں میں پڑھا تھا۔ شہ نشینوں والے ـمکان تھے جن کے چھجے بازار میں باہر کو نکلے ہوئے تھے ـدکانوں پر ہر قسم کا سامان بک رہا تھا۔ عرب عورتیں خرید و فروخت کر رہی تھیں۔ گھر صاف ستھرے تھے۔ گلیاں ضرور تنگ و تاریک تھیں۔ ان گلیوں میں حویلیوں کی ٹھنڈی ڈیوڑھیاں تھیں جن کے دروازوں پر دربان تلواریں لئے کھڑے تھے۔

یہ امیروں کے گھر تھے۔ ناگ نے عنبر سے کہا۔

"پر اسرار شہر ہے۔ دیکھو روغن زیتون اور پھل کس افراط سے بک رہا ہے۔ لوگوں کے چہروں سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کو کھانے کو بہت ملتا ہے۔"

"ہاں! امیر شہر ہے۔ مگر ادھر دیکھو فقیر بھی بہت ہیں اور
کس طرح سے گڑگڑا گڑگڑا کر بھیک مانگ رہے ہیں۔"
اتنے میں کچھ فقیروں نے عنبر اور ناگ کو بھی گھیر لیا۔
عنبر کو تجربے نے بتایا تھا کہ کسی شہر کے فقیروں کو اس
شہر کے بڑے بڑے راز معلوم ہوتے ہیں ـــــ اس نے سوچا
کہ کیوں نہ کسی فقیر سے پوچھا جائے کہ سلطان ڈاکو
کس مقام پر ہوتا ہے۔ عنبر نے فقیروں کو خیرات دی اور
پھر ایک فقیر کو جو ان سب میں سے مکار نظر آتا تھا الگ
لے جا کر کہا۔
"میں تمہیں پانچ اشرفیاں دوں گا مگر مجھے میرے ایک
سوال کا جواب دو۔"
فقیر نے کہا۔
"کونسا سوال ہے اے امیر؟"
عنبر نے کہا۔
"کیا تم بتا سکتے ہو کہ سلطان ڈاکو یہاں کس جگہ پر
رہتا ہے؟"
فقیر نے کہا۔
"ڈاکو کے بارے میں اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کہاں
رہتا ہے تو خلیفہ کے سپاہی اسے پکڑ کر پھانسی پر نہ

چڑھا دیں۔"
ناگ نے کہا۔
"کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ عام طور پر کس علاقے
میں گھومتا پھرتا ہے۔"
فقیر بولا۔
"سنا ہے کہ قازان کی چٹانوں میں وہ دیکھا گیا ہے شاید
وہیں کسی جگہ اس کی کمین گاہ ہے۔"
عنبر نے فقیر کو پانچ اشرفیاں دے کر کہا۔
"تمہارا شکریہ۔"
فقیر نے خوش ہو کر کہا۔
"کیا تم ڈاکوؤں کے ساتھی ہو یا خلیفہ کے سپاہی ہو جو
سلطان ڈاکو کو پکڑنے آئے ہو؟"
ناگ نے کہا۔
"ہم خلیفہ کے سپاہی ہیں۔ کسی سے ذکر نہ کرنا۔"
فقیر بولا۔
"اگر تم مجھے ایک اشرفی اور دے دو تو میں کسی سے بات
نہیں کروں گا۔"
عنبر ہنسا اور اس نے ایک اشرفی مزید فقیر کی ہتھیلی پر رکھ
دی۔ پھر وہ ناگ سے بولا۔

"یہ تو پتہ چل گیا کہ سلطان ڈاکو کا ٹھکانہ قازان کی چٹانوں اور کھنڈروں میں ہے۔"
ناگ نے کہا۔

"یہ چٹانیں دمشق سے پچاس میل دور ایک ویران بنجر صحرا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ میں یہاں سے ایک بار گزرا تھا۔"
عنبر نے پوچھا۔

"تو کیا ہم قازان کی چٹانوں میں چلیں؟"
ناگ بولا۔

"میرا خیال ہے اس طرح سے تو ہمیں سلطان ڈاکو کی تلاش کافی مہنگی پڑے گی اور مشکل بھی۔ بہتر ہے کہ ہم دمشق شہر میں اور معلومات بھی حاصل کریں۔"
عنبر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اس فقیر سے بڑھ کر معلومات ہمیں کوئی نہیں دے گا۔"

"بہرحال ذرا اس شہر کی سیر ہی کر لیں۔ شاید کوئی اور کڑی مل جائے جو ہمیں سلطان ڈاکو تک پہنچانے میں مدد دے سکے۔"

اب انہوں نے دمشق شہر کی گلیوں میں گھومنا پھرنا شروع کر دیا۔ یہ نیم روشن گلیاں تھیں۔ تنگ بھی اور پراسرار بھی۔

جن گلیوں پر اوپر چھت پڑی تھی۔ مکانوں کے دروازے محرابی
ے۔ ایک مکان کے قریب سے گزرتے ہوئے انہوں نے ایک مرد
ر عورت کی آوازیں سنیں۔ عورت کی آواز میں درد و غم تھا۔
کہہ رہی تھی۔

"علی بابا! مجھے کیا معلوم تھا کہ میری غلطی کی سزا میرے
اوند قاسم کو بھگتنی پڑے گی۔ تمہاری بیوی نے جب ترازو
رے گھر سے منگوایا تو میں نے اس کے ایک پلڑے کے
چے موم چپکا دی۔ جب ترازو تمہارے گھر سے واپس آیا
نیچے سونے کی ایک اشرفی موم کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔
یں نے اپنے خاوند قاسم کو بتایا کہ علی بابا کے گھر
نے کہاں سے دولت آگئی ہے کہ وہ اشرفیاں ترازو میں
رہے ہیں۔ اس نے تم سے بات کی اور معلوم کر لیا کہ یہ
لت تم نے قازان کے غاروں میں کسی ڈاکو کے غار سے
ل کی ہے۔ پس وہ بھی اونٹ لے کر دولت سمیٹنے چلا
کل سے وہ گیا ہے اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔"

عنبر اور ناگ نے قازان کی چٹانوں کا ذکر سنا تو ان
کان کھڑے ہو گئے۔ عنبر نے ناگ کو آنکھوں ہی آنکھوں
اشارہ کیا کہ وہ دیوار کے قریب ہو کر کھڑکی کے ساتھ
ن لگائے۔ ناگ نے ایسا ہی کیا۔ اندر سے کسی مرد کی

آواز آئی۔ شاید وہ علی بابا ہی تھا۔

"بھابی! قاسم نے بڑی غلطی کی کہ ڈاکو سلطان کی غار میں چلا گیا۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ویسے اس نے مجھ سے غار کا دروازہ کھولنے کا اسم پوچھ لیا تھا لیکن اسے یہ خطرہ دولت کے لالچ میں مول نہیں لینا چاہئے تھا۔ بہرحال میں جاکر پتہ کرتا ہوں۔"

ایسا لگا جیسے کوئی باہر آرہا ہے۔ عنبر اور ناگ جلدی سے گلی کی اوٹ میں ہوگئے۔ اس مکان سے ایک ادھیڑ عمر کا آدمی گدھا لے کر باہر نکلا اور گلی میں ایک طرف چل پڑا۔ عنبر اور ناگ نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

عنبر نے کہا۔

"کیسی عجیب بات ہے کہ ہم علی بابا کے دور میں آگئے ہیں اور قسمت ہمیں علی بابا کے گھر میں لے آئی ہے۔ ہم نے تاریخ میں یہ کہانی پڑھی ہوئی ہے۔ علی بابا کو بالکل معلوم نہیں ہے کہ ڈاکوؤں کے غار میں اسے قاسم کی لاش ملے گی۔"

ناگ مسکرایا۔

"حیرت انگیز بات ہے میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں یہ سوچ کر کہ ہم ماضی میں آچکے ہیں ر گزرے ہوئے

واقعات، گزری ہوئی کہانیاں ایک بار پھر دہرائی جارہی ہیں یقیناً اس علی بابا کے گھر میں مرجینا نوکرانی بھی ہوگی۔ ڈاکوؤں کا سردار تیل کے خالی کپوں میں ڈاکوؤں کو چھپا کر ایک روز ان کی حویلی میں آئے گا اور پھر جیسا کہ کہانی چلتی ہے سارے واقعات دہرائے جائیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ الف لیلے کی ساری کہانیاں سچی ہیں۔۔؟"

ناگ بولا۔

"معلوم تو ایسا ہی ہو رہا ہے۔"

عنبر نے چونک کر کہا۔

"ارے! علی بابا تو گلی میں کہیں گم ہو گیا ہے۔ جلدی سے آگے جاکر دیکھو۔"

ناگ اور عنبر دوڑ پڑے۔ باہر آکر انہوں نے دیکھا کہ علی بابا بازار میں گدھے پر سوار چپ چاپ ایک طرف چلا جارہا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"کیسا مسکین بن کر چلا جارہا ہے یہ بڈھا! کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ اس بڈھے نے جس کے پاس گھوڑا بھی نہیں ہے ڈاکوؤں کا سارا خزانہ اپنی حویلی میں ڈال رکھا

ہے ۔؟"

ناگ ہنس پڑا۔

"عجیب بات ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"اب اس کا برابر پیچھا کرتے رہنا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ گم ہو جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمیں سلطان ڈاکو کے اصلی ٹھکانے کا پتہ چل گیا۔"

ناگ نے کہا۔

"بلکہ ایک ایسا آدمی مل گیا جو سلطان ڈاکو کے غار کی طرف جا رہا ہے۔"

"ہاں! کتنی خوش نصیبی کی بات ہے۔ مگر ناگ! شہر سے باہر جا کر یہ گدھے پر سوار ہو جائے گا۔ ہم کیا پیدل ہی اس کے ساتھ ساتھ چلیں گے؟ کہیں ہم پیچھے نہ رہ جائیں؟"

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں کسی جگہ سے دو گھوڑے خرید لینے چاہئیں۔"

"ایسا نہ ہو کہ ہم گھوڑے ہی خریدتے رہ جائیں اور علی بابا غائب ہو جائے۔"

"یہ بھی خطرہ ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ اگر یہ آگے نکل گیا تو

میں عقاب بن کر اس کے ساتھ ساتھ اڑوں گا اور سلطان ڈاکو کے غار کو دیکھ کر واپس آ کر تمہیں وہاں پہنچا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

علی بابا نے یہ کیا کہ شہر سے باہر نکلتے ہی وہ گدھے پر سوار ہو گیا اور اس راستے پر آ گیا جو درختوں میں سے گزر کر صحرا میں قازان کی پہاڑی چٹانوں اور کھنڈروں کی طرف جاتا تھا۔ ناگ اور عنبر برابر اس کا پیچھا کر رہے تھے۔ درختوں سے نکلا تو علی بابا نے خدا جانے گدھے کے کان میں کیا بات کہی کہ وہ دُلکی چال چلتے ہوئے دوڑنے لگا۔ کم بخت کافی تیز دوڑنے لگا تھا۔ عنبر اور ناگ بہت پیچھے رہ گئے۔ اب ناگ نے کہا۔

"عنبر بھائی! مجبوری ہے۔ تم اسی طرح چلتے چلے آؤ۔ میں عقاب بن کر علی بابا کا پیچھا کرتا ہوں۔ تم اسی راستے پر چلے آنا۔ میں واپس پلٹ کر تمہیں غار کی طرف لے چلوں گا۔"

"اب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ تم عقاب بن کر اڑ جاؤ۔ میں اسی راستے پر چلا آ رہا ہوں۔"

ناگ نے اسی وقت عقاب کا روپ بدلا اور کافی بلندی پر جا کر علی بابا کے سر کے اوپر اڑنا شروع کر دیا۔ اوپر سے اسے علی بابا چھوٹا سا نظر آ رہا تھا۔ مگر اس کا گدھا کافی تیز دوڑ رہا تھا۔ اب صحرا شروع ہو گیا تھا۔ دھوپ کافی تیز تھی۔ مگر پھر بھی

برداشت ہو سکتی تھی۔ کیونکہ موسم سردیوں کا تھا۔ کھنڈروں ٹیلوں
اور خشک بنجر پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں کافی دیر تک سفر کرنے
کے بعد سامنے اونچی اونچی خشک سیاہ اور سرخ چٹانیں شروع
ہو گئیں۔ عقاب نے سوچا کہ ہو نہ ہو یہی قازان کی چٹانیں
ہیں اور سلطان ڈاکو کا غار آ گیا ہے۔

علی بابا ایک چٹان کے عقب میں جا کر رک گیا۔

وہ گدھے سے اترا اور اس نے ہاتھ اٹھا کر چٹان کی طرف
منہ کر کے "کھل جا سم سم" کہا۔ چٹان کھل گئی۔ علی بابا اندر گیا
اندر قاسم کی لاش ٹنگی ہوئی تھی۔ علی بابا پریشان ہو گیا۔ اسے
معلوم تھا کہ قاسم کا یہی انجام ہو گا۔ اس نے لاش گدھے پر لاد
دی۔ مگر قاسم کی ایک جوتی اندر رہ گئی۔ علی بابا لاش لے کر
باہر نکلا ——— "بند ہو جا سم سم" کہہ کر غار کا دروازہ بند کیا
اور واپس روانہ ہو گیا۔

عقاب نے اوپر سے وہ چٹان دیکھ لی تھی جس کے اندر
غار تھا۔ ناگ اڑتا اڑتا واپس عنبر کے پاس آ گیا۔ دھوپ اور
تھکن کی وجہ سے عنبر راستے میں ہی ایک جگہ بیٹھ گیا تھا۔
ابھی وہ شہر کے پاس ہی تھا۔ ناگ نے آ کر اسے بتایا کہ
میں غار کی چٹان دیکھ آیا ہوں۔ ڈاکوؤں کا مسکن وہیں ہے۔
عنبر نے کہا۔

"یار ناگ! سفر کا معاملہ ٹیڑھا ہے۔ گھوڑا ہمارے پاس
نہیں ہے۔ جانے کیوں آج میں بھی تھک گیا ہوں۔ میرا
خیال ہے کہ اس وقت تم جا کر ذرا غار کا اندر سے جائزہ لو
اور یہ معلوم کر کے آؤ کہ ناظمہ اندر ہے کہ نہیں۔ پھر میں بھی
چلا چلوں گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی! تم واپس چلے جاؤ۔ اڑن طشتری میں
جا کر آرام کرو۔ میں ابھی غار کو دیکھ بھال کر آتا ہوں۔"

عنبر وہاں سے واپس ماریا کے پاس چلا گیا تاکہ اسے
بھی جا کر سارا حال سنائے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اڑن
طشتری میں اکیلی رہے۔ کوئی بھی مصیبت آ سکتی تھی۔ ناگ
نے عقاب بن کر اڑان لی اور آسمان کی بلندیوں پر اڑتے
اڑتے غار والی چٹان کے سامنے پہنچ گیا۔ اب وہ نیچے اتر
آیا۔ چونکہ اس نے علی بابا کی کہانی پڑھ رکھی تھی اس لئے
اسے یاد تھا کہ "کھل جا سم سم" کہنے سے غار کا دروازہ کھل
جائے گا۔

پس اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"کھل جا سم سم!"

ایک گھڑ گھڑ ایسی آواز کے ساتھ غار کا منہ کھل گیا۔
چٹان کھسک کر پرے ہٹ گئی۔ ناگ جلدی سے غار کے

اندر داخل ہو گیا۔ اندر جاتے ہی اس نے پلٹ کر ہاتھ اٹھائے اور کہا۔

"بند ہو جا سم سم!"

غار کا منہ چٹان کی دیوار گرنے سے دوبارہ بند ہو گیا۔ ناگ نے دیکھا کہ غار کے اندر جگہ جگہ خالی صندوق اوندھے پڑے ہیں۔ بوریاں الٹی پڑی ہیں۔ صرف چاندی کے بڑے بڑے برتن اور قیمتی قالین اور ریشمی لباس پڑے ہیں۔ ہیرے جواہرات جس قدر بھی ڈاکوؤں نے لوٹ کر وہاں جمع کر رکھے تھے وہ سارے کے سارے علی بابا لوٹ کر لے گیا تھا یعنی یہ بڈھا ڈاکوؤں کا بھی بڑا سردار نکلا تھا۔ جو ڈاکوؤں کو لوٹ کر لے جائے بھلا اس کی کیا بات ہے۔ ناگ دل ہی دل میں ہنس دیا۔ اب اسے ناظمہ کی تلاش تھی کیونکہ وہ اسی کی تلاش کے لئے وہاں آیا تھا۔ غار میں آگے کئی ایک کھوہ پہاڑی کی دیوار میں بنے ہوئے تھے۔ ناگ نے ایک ایک کھوہ کو اندر جا کر دیکھا۔ وہاں کوئی انسان نہیں تھا۔

اس نے ناظمہ کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔ اس کی آواز غار میں گونج اٹھی مگر ناظمہ کی آواز ایک بار بھی جواب میں کسی طرف سے سنائی نہ دی۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ یا خدا! ناظمہ کہاں گم ہو گئی؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ سلطان ڈاکو

اسے یہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ لے گیا ہو۔ ناگ نے دیکھا کہ ایک راستہ اوپر کو جاتا تھا۔ وہ اوپر آیا تو یہاں بھی ایک چھوٹی سی کھوہ بنی ہوئی تھی۔ مگر افسوس! کہ یہ بھی خالی تھی۔ ہاں — یہاں ایک قالین بچھا تھا جس پر ریشمی تکیئے لگے تھے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی رہتا تھا۔ ناگ ناامید ہو کر نیچے آ گیا۔

ابھی وہ باہر جانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک دم سے گھڑ گھڑ کی آواز پیدا ہوئی اور غار کا منہ کھل گیا۔ ناگ سمجھ گیا کہ ڈاکو آ گئے ہیں۔ اس نے غار کی روشنی میں باہر کئی ایک گھوڑوں پر سوار ڈاکوؤں کو دیکھا۔ ناگ جلدی سے ایک طرف ہو گیا۔ ڈاکو گھوڑوں پر سوار ہنستے گاتے قہقہے لگاتے لوٹ کا مال لئے اندر آ گئے۔ ان کا سردار سلطان ڈاکو سب سے آگے تھا۔

اچانک ڈاکو نے چھت کی طرف دیکھ کر چیخ ماری۔

"لاش کہاں چلی گئی؟"

غار میں سناٹا چھا گیا۔ ہر کوئی حیرانی سے چھت کو تک رہا تھا۔ سردار نے گرج دار آواز میں کہا۔

"لاش کون لے گیا؟ — تلاش کرو — میرا چور اندر ہو گا۔"

ڈاکو گھوڑوں سے اتر کر بجلی کی تیزی کے ساتھ ادھر ادھر دوڑے۔ ناگ ابھی سنبھل بھی نہ سکا کہ ڈاکوؤں نے اسے پکڑ کر اس کے دونوں بازو رسی سے باندھ دیئے۔ اب ناگ مشکل میں تھا۔ کیونکہ اگر وہ کوئی جانور بھی بن جاتا تو رسی اس کے ساتھ ہی بندھی رہتی۔ وہ پریشان ہو گیا۔ اس کو سلطان ڈاکو نے دیکھا تو تلوار نکال کر اس کی طرف بڑھا۔

"تم یہاں کیسے آ گئے؟ کیا تمہیں غار کا اسم معلوم ہے تمہیں ضرور معلوم ہے۔ دوسرا کوئی یہاں داخل نہیں ہو سکتا۔" سلطان ڈاکو نے تلوار لہرائی اور بھوکے شیر کی طرح ناگ کی طرف بڑھا۔ تلوار بجلی کی طرح ناگ کی آنکھوں کے سامنے لہرا گئی!!

کیا ڈاکو ناگ کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا؟

ناظمہ کا کیوں کر کھوج لگا؟

عنبر اور ماریا پر کیا بیتی؟

یہ آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے!!!

سانپ کی آواز

اے حمید

موت کا تعاقب

سرز

وقت کا تعاقب ۹۴
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

سانپ کی آواز

اے حمید

غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

- سانپ کی آواز
- چھلانگ لگا دو
- ماریا کہاں چلی گئی
- جنگلی لڑکیاں
- مقدس روح
- نئی مصیبت

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز
جامعہ اشرفیہ، اچھرہ، لاہور

قیمت

مقام اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

پیارے بچو!

آپ پڑھ چکے ہیں کہ عنبر نے ناظمہ کو کس مشکل کے ساتھ اور کن
مصیبتوں میں پڑ کر اس کے باپ کے پاس پہنچایا۔ اس کے بعد وہ اڑن
طشتری لے کر آسمان کی طرف اڑ گئے۔ اچانک آسمان پہ بادل کا ایک
ٹکڑا آ کر رک گیا۔ پھر اس ٹکڑے میں سے ایک شعاع نکلی اور اڑن
طشتری سے ٹکرائی۔ اڑن طشتری کا ایک حصہ اڑ گیا۔ عنبر، ناگ اور ماریا
اڑن طشتری سے کود گئے لیکن تیز ہوائیں انہیں کہاں سے کہاں لے
گئیں۔ عنبر کسی اور جگہ، ماریا کسی دوسری جگہ اور ناگ کسی اور ہی
جنگل میں جا کر اتر گیا۔ بارش موسلا دھار ہو رہی تھی۔ بجلی رہ رہ کر
چمک رہی تھی۔ بادلوں کی کڑک نے جنگل سر پہ اٹھا رکھا تھا۔ ناگ نے
بارش میں ہی جنگل میں ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ بجلی چمکی تو اسے
دور درختوں میں ایک پرانی عمارت دکھائی دی۔ ناگ نے سوچا کہ اس
پرانی عمارت میں رات بسر کی جائے۔ کل سوچا جائے گا کہ عنبر۔۔
اور ماریا کو کس جگہ پہ تلاش کروں۔

اس کے بعد کیا ہوا؟
آگے آپ خود پڑھیے!
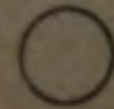
سانپ کی آواز

ناگ کی آنکھوں کے سامنے ڈاکو سلطان کی تلوار چمکی۔
اس خوفناک ڈاکو نے سینکڑوں انسانوں کو قتل کیا تھا
اس کے لئے ناگ کی گردن اڑانا کوئی انوکھی بات نہیں
تھی۔ یہ ایسی ہی آسان بات تھی جیسے کوئی آدمی چاقو سے
گاجر کاٹ ڈالے۔ مگر ناگ بھی غافل نہیں تھا۔ جونہی ڈاکو
تلوار لہراتا اس کی طرف بڑھا اس نے ایک گہرا سانس
لیا اور ایک ننھی سی چڑیا بن کر اڑ گیا۔
ڈاکوؤں نے چڑیا کو نہ دیکھا بلکہ یہی دیکھا کہ ناگ
غائب ہو گیا ہے۔ سارے کے سارے ڈاکو دنگ رہ
گئے۔ سردار تو تلوار کو پکڑے دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا کہ
وہ آدمی جو ابھی اس کے سامنے کھڑا تھا کہاں چلا گیا۔
اس کے ہاتھ بھی رسیوں میں بندھے تھے۔
سب ڈاکو بت بنے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔
آخر سردار سلطان چاروں طرف نظریں گھما کر بولا۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ وہ ــــ وہ کہاں چلا گیا"
ایک ڈاکو نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔
"سردار! میں نے ایک چڑیا کو اڑتے دیکھا تھا۔"
سردار نے طیش میں آ کر کہا۔
"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ آدمی چڑیا بن کر اڑ گیا
مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ یہ جادو ہے
خوف ناک جادو ہے۔"

دوسرا ڈاکو بولا۔
"سردار! یہ کوئی جادوگر تھا۔ یہ جادو کے ذریعے ہی
غار میں آیا تھا۔"

ڈاکو ادھر ادھر چڑیا کو تلاش کرنے لگے۔ سردار کچھ
گھبرا گیا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسا نظارہ کبھی نہیں
دیکھا تھا کہ ایک آدمی اس کی تلوار کے نیچے سے غائب ہو
جائے۔ ناگ چڑیا بن کر اڑ گیا تھا اور غار کی چھت میں
ایک جگہ کھوہ میں بیٹھا یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ غار
کا دروازہ بند تھا۔ ناظمہ یہاں نہیں تھی۔ اب وہ یہ
چاہتا تھا کہ ڈاکوؤں کی گفتگو سے یہ معلوم کرے کہ
ناظمہ کہاں ہے مگر سردار ناظمہ کے بارے میں کوئی بات
نہیں کر رہا تھا۔ اس نے علی بابا کے چچا قاسم کی چھوڑی ہوئی

ایک جوتی اٹھا کر کہا۔
"جو غائب ہو گیا ہے اس کو چھوڑو۔ لاش کی ایک
جوتی یہاں رہ گئی ہے۔ جو شخص لاش کو یہاں سے
نکال کر لے گیا ہے۔ وہی شخص ہمارا لوٹا ہوا مال
یہاں سے چرا کر لے گیا ہے۔"
پھر اس نے ایک ڈاکو کو آگے بلا کر کہا۔
"عبدل! تم یہ جوتی لے کر شہر جاؤ اور پتہ کر کے آؤ
کہ یہ جوتی جس شخص کی ہے وہ کہاں رہتا تھا؟"
عبدل نے جوتی تھیلے میں ڈالی اور کہا
"میں ابھی جاتا ہوں سردار!"
عبدل ڈاکو نے غار کے منہ پر جا کر زور سے آواز
دی۔
"کھل جا سم سم!"
غار کا چٹانی دروازہ گڑگڑاہٹ کے ساتھ اپنی جگہ سے
کھسک گیا۔ عبدل ڈاکو گھوڑے پر سوار وہاں سے نکل گیا۔
ناگ چڑیا بنا غار کی چھت میں چھپا رہا۔ سردار سلطان اپنے
ایک خاص ڈاکو دوست کو ساتھ لے کر غار کے ایک کھوہ
میں آ گیا۔ ناگ نے سوچا کہ ضرور سلطان ڈاکو یہاں اپنے
دوست سے راز کی باتیں کرے گا۔ پس وہ چھت سے اترا

اور اڑتا ہوا کھوہ کے اندر چلا گیا۔

سلطان ڈاکو نے چڑیا کو نہیں دیکھا تھا۔ سردار ایک طرف چوکی پر بیٹھ گیا اور طشت میں سے سیب اٹھا کر کھانے لگا۔

اس کا ساتھی بولا۔

"اس عورت کے بارے میں اب آپ کا کیا ارادہ ہے سردار؟"

سردار سیب کھاتے کھاتے ہاتھ ہلا کر بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اسے تاجر زید کے ہاتھ بیچ دوں مجھے امید ہے کہ وہ اس عورت کے بدلے مجھے ایک لاکھ اشرفیاں دے دے گا۔"

"اتنی بھاری رقم وہ شاید نہ دے۔"

"اگر وہ نہیں دے گا تو میں اس کا سر کچل دوں گا وہ کروڑ پتی سوداگر ہے۔ اس نے میری کنیز کو پسند کیا ہے۔ اسی لئے میں اسے زید کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ کل میں اس کے پاس جا کر اپنی رقم لے آؤں گا۔"

ساتھی نے کہا۔

"سردار! آپ نہ جائیں۔ میں جا کر لے آؤں گا۔"

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔ تم ہی چلے جانا۔"

ناگ سمجھ گیا کہ یہ باتیں جس عورت کے بارے میں ہو رہی ہیں وہ ناظمہ ہی ہے۔ اب وہ سردار کے ساتھی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس ڈاکو کے ساتھ ہی جائے گا تاکہ جہاں ناظمہ رکھی گئی ہے وہ جگہ معلوم کی جائے۔ سوال یہ تھا کہ یہ ڈاکو کس وقت جائے گا؟ ـــــ سردار نے کہا تھا کہ وہ کل جائے گا۔ پھر ناگ کیا کرے؟ ـــــ کیا اسی غار میں بیٹھا دوسرے دن کا انتظار کرے یا چلا جائے؟ ـــــ ناگ نے سوچا کہ چلا جانا چاہئے۔ ہاں! وہ کل پھر یہاں آئے گا۔ یہ سوچ کر ناگ اڑ کر غار کے دروازے پر آ گیا۔ یہاں کوئی ڈاکو نہیں تھا۔ غار کا دروازہ بند تھا۔

چڑیا پھر سے ناگ بن گئی۔

اس نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر زور سے کہا۔

"کھل جا سم سم!"

اس آواز کے ساتھ ہی غار میں اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے ڈاکو دروازے کی طرف بھاگے کہ یہ کون ہے جو ان کی اجازت کے بغیر باہر نکل رہا ہے۔ ڈاکوؤں نے دور سے دیکھا کہ وہی آدمی جو ان کے ہاتھوں سے غائب ہو گیا تھا۔ دروازے کے پاس کھڑا ہے۔ انہوں نے دور

سے ہی شور مچا دیا اور اس کی طرف نیزے پھینکے۔
دروازہ آدھا کھل چکا تھا۔ نیزے اور کلہاڑیاں ناگ کے
قریب آکر گریں۔

ناگ نے گہرا سانس لیا اور عقاب بن کر پھڑپھڑاتا
ہوا غار سے باہر اڑ گیا۔ سردار سلطان بھی بھاگ کر
وہاں آیا اور عقاب کو اڑ کر جاتے دیکھتا رہا۔ یہ وہی
جادوگر تھا۔

اس نے سوچا۔

"دشمن جادوگر ہمارے سارے راز لے کر بھاگ گیا
ہے۔"

سردار سلطان نے سر پہ ہاتھ مار کر کہا۔

"اس جادوگر کو قتل کرنا چاہئے تھا۔"

مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ناگ جا چکا تھا۔ ڈاکو غار کے
دروازے پر کھڑے پہاڑوں کے اوپر عقاب کو اڑتے ہوئے
دیکھ رہے تھے۔ ناگ اڑتے ہوئے اڑن طشتری پر آگیا
اس نے ماریا اور عنبر کو سارے حالات بتائے کہ سردار
سلطان ڈاکو نے ناظم کو دمشق کے کسی کروڑ پتی تاجر زید
کے پاس رکھ چھوڑا ہے اور وہ اس کے ہاتھ ناظم کو ایک
لاکھ اشرفیوں کے عوض بیچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

عنبر نے فکر مند ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں زید کا پتہ لگانا ہوگا
کہ وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے؟"

ماریا نے کہا۔

"وہ ایک کروڑ پتی تاجر ہے۔ اس کا پتہ لگانا کوئی
مشکل بات نہیں ہے۔"

ناگ بولا۔

"سلطان ڈاکو کا ساتھی بھی تو زید کے پاس اپنے سردار
کا پیغام لے کر جا رہا ہے۔ کیوں نہ میں اس کے ساتھ ساتھ
جاؤں۔"

عنبر نے کہا۔

"بڑا اچھا خیال ہے۔ کل تمہیں غار کے باہر بیٹھ کر انتظار
کرنا ہوگا۔ جونہی ڈاکو باہر نکلے تم اس کا تعاقب کرنا شروع
کر دینا اور تاجر زید کے گھر کا پورا پتہ لگا کر واپس آنا۔"

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں ــــ ادھر سلطان ڈاکو کا ساتھی
جبل قاسم کی جوتی کا ایک پاؤں لے کر پتہ کرتا کرتا آخر
اس موچی کے پاس پہنچ گیا جس نے وہ جوتی بنا کر قاسم کو
دی تھی۔ پھر جس طرح کہ آپ علی بابا کی کہانی میں پڑھ
چکے ہیں۔ ڈاکو نے علی بابا کے گھر کو نشان لگایا اور خود

واپس سلطان ڈاکو کے پاس غار میں آگیا۔ سلطان اپنے ساتھی کی کامیابی پر بڑا خوش ہوا۔ اس نے اسے انعام میں اپنا ہار اتار کر دے دیا۔ دوسرے روز سلطان ڈاکو تو اپنے دو ساتھی لے کر علی بابا کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اور اس کا دوست زید تاجر کے گھر کی طرف چلا۔ ناگ صبح سے غار کے باہر ایک چٹان کے اوپر کبوتر کی شکل میں بیٹھا ڈاکوؤں کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا جونہی اس نے ڈاکو کو گھوڑے پر سوار باہر نکلتے دیکھا وہ بھی اس کے سر کے اوپر کافی بلندی پر اڑنے لگا۔ ڈاکو شہر کے جنوبی دروازے کی جانب سے داخل ہوا۔

اس علاقے میں بڑے خوشنما باغ تھے۔ ان باغوں میں ایک باغ کے اندر بڑی خوبصورت حویلی تھی جو دور سے ایک محل لگتا تھا۔ اس کے کلس چاندی کے تھے جو دن کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ ڈاکو نے حویلی کے دروازے پر جا کر اپنا نام بتایا اور کہا کہ وہ تاجر زید سے ملنے آیا ہے۔ پہرے دار نے اپنے آقا کو جا کر ڈاکو کا پیام دیا۔ زید نے اسے بلا لیا۔ ناگ جو کہ ایک کبوتر کی شکل میں زید کے محل کی برجی پر بیٹھا تھا اب ایک چھوٹی سی چڑیا بن کر نیچے اتر آیا۔ اس نے کوشش کی

کہ وہ محل کے اندر داخل ہو جائے۔

لیکن دروازے اس طرح بند تھے کہ وہ اندر نہ جا سکا۔ بہر حال وہ باہر ہی ایک بارہ دری کی چھت پر بیٹھ کر ڈاکو کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔

ڈاکو نے اندر جا کر زید کو سلام کیا۔ یہ کروڑ پتی تاجر ادھیڑ عمر کا آدمی تھا جس کی ڈاڑھی میں سفید بال آنے شروع ہو گئے تھے۔ تاجر نے ڈاکو کو پہچان لیا اور جان لیا کہ یہ سلطان کا ہی آدمی ہے۔ ڈاکو نے اپنا تعارف کروایا۔ تاجر نے ایک آنکھ ٹیڑھی کر کے ڈاکو کو دیکھا اور کہا۔

"تمہارے سردار نے کیا پیغام بھیجا ہے؟"

ڈاکو نے کہا۔

"جناب عالی! میرے مالک نے کہا ہے کہ وہ اپنی چہیتی کنیز کے عوض ایک لاکھ اشرفیوں سے کم پر راضی نہیں ہوں گے۔"

تاجر بولا۔

"کیا یہ ان کا آخری فیصلہ ہے؟"

"جی ہاں! انہوں نے مجھے یہی کہلوا کر بھیجا ہے۔"

تاجر کچھ دیر سر جھکائے غور کرتا رہا۔ پھر اس نے اپنی

مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تمہیں رقم مل جائے گی۔ ہم اس کنیز کو کسی حالت میں بھی اپنے سے الگ کرنا پسند نہیں کرتے۔"

اس کے ساتھ ہی تاجر نے تالی بجائی۔ ایک بوڑھا ملازم لمبا سا چغہ پہنے اندر آیا اور سر جھکا کر بولا۔

"حکم میرے آقا!"

تاجر نے کہا۔

"اس شخص کو اسی وقت ایک لاکھ اشرفیوں کی تھیلی ادا کر دی جائے۔"

"جو حکم میرے آقا۔"

بوڑھا ملازم اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک لاکھ اشرفی کی تھیلی پکڑی تھی۔

ڈاکو نے ایک لاکھ اشرفی کی تھیلی دیکھی تو اسکی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ اسے یقین تھا کہ سردار اسے بہت انعام دے گا۔ وہ ایک لاکھ اشرفی کی تھیلی لے کر تاجر زید کی حویلی سے باہر نکلا۔ اس کے بعد جب اوپر سے ناگ نے دیکھا کہ ڈاکو اکیلا ہی باہر آیا ہے تو وہ سمجھ گیا کہ ناظمہ اندر تاجر کے محل میں ہی ہو گی۔ پس اب اس کے لئے اندر جانا آسان

تھا۔ وہ بارہ دری سے اڑ کر باغ کے ایک درخت پر آ کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اس محل کے اندر کس بھیس میں جائے۔ کافی دیر سوچنے کے بعد وہ درخت سے اتر کر جھاڑیوں کے پیچھے آ کر بیٹھ گیا۔

شاید زندگی میں پہلی بار اس نے ایک بوڑھی عورت کا روپ بدل لیا۔ اس کے گلے میں سبز منکوں کی مالائیں تھیں۔ سر پر سرخ رومال بندھا تھا۔ وہ شکل صورت سے خانہ بدوش نجومی عورت لگتی تھی جو قسمت کا حال بتاتی ہیں۔ ناگ نے دیکھا کہ باغ میں ایک بارہ دری کے پاس ایک عورت پھول چن چن کر ٹوکری میں رکھ رہی ہے۔ ناگ اس کے پاس جا کر مسکرایا۔

"بیٹی! تمہاری قسمت میں بڑی دولت لکھی ہے۔ تمہیں تو کسی بادشاہ کے محل میں راج کرنا چاہئے تھا۔"

اس عورت نے اپنے سامنے ایک خانہ بدوش نجومی عورت کو دیکھا تو ٹوکری زمین پر رکھ کر اس کے قریب آ گئی۔

"اماں! میری قسمت کا کچھ اور حال بتاؤ۔ میں تو یہاں ایک باندی بن کر زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں۔ میری تقدیر میں بادشاہ کے محل میں بھلا راج کرنا کہاں؟"

ناگ نے اس کا ہاتھ دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری بچی! گھبراؤ نہیں۔ تمہارے حالات بڑی جلدی پلٹنے والے ہیں۔ یہاں ایک کسی دوسرے ملک کا شہزادہ آئے گا۔ وہ تمہیں پسند کرکے یہاں سے لے جائے گا۔ پھر وہ اپنے ملک میں جاکر تم سے شادی کرے گا اور تمہیں اپنی ملکہ بناکر راج کرے گا۔"

ناگ کی چکنی چپڑی باتوں سے مالن اس کی گرویدہ ہوگئی۔ ناگ نے باتوں باتوں میں اس سے محل کے سارے راز معلوم کرلئے مگر وہ یہ نہ بتا سکی کہ اس کے مالک تاجر زید نے جو نئی کنیز ناظمہ خریدی ہے وہ کہاں ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ تاجر نے ناظمہ کو کسی خفیہ جگہ پر رکھا ہے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو۔ خدا جانے یہ کروڑپتی تاجر ناظمہ کی موجودگی کو کس لئے راز رکھنا چاہتا تھا۔ ناگ نے سوچا کہ کسی طریقے سے اس محل کے اندر رہنے کا کوئی بندوبست کرنا چاہئے تاکہ وہاں رہ کر ناظمہ کا کھوج لگا سکے۔ اس نے مالن کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بیٹی! اب میں جاتی ہوں۔ پھر آؤں گی۔"

مالن نے کہا۔

"اماں! تم رہتی کہاں ہو؟"

ناگ بولا۔

"بیٹی! میں اس شہر میں پردیسی ہوں۔ یہاں بھلا میرا کون ہے جس کے پاس جاکر ٹھہروں گی۔ بس ایک سرائے کی کوٹھڑی میں پڑی ہوں۔"

ناگ نے جان بوجھ کر یہ کہا تھا کہ مالن کا شوق تیز ہو اور وہ اسے اپنے ہاں رہنے کی دعوت دے دے۔

ایسا ہی ہوا۔

مالن بولی۔

"اماں! تم میرے گھر میں کیوں نہیں آجاتیں۔ میں محل کے اندر ہی باغ کے کونے والے مکان میں اکیلی رہتی ہوں۔"

یہی تو ناگ چاہتا تھا۔ بولا۔

"نہیں بیٹی! میں نہیں چاہتی کہ تمہیں تکلیف دوں۔ میرا کیا ہے آج یہاں کل وہاں۔ جہاں سینگ سمائے گا پڑ رہوں گی۔"

مالن نے کہا۔

"نہیں اماں! مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ تم میرے ہاں ٹھہرو اور پھر جب وہ شہزادہ آئے گا تو تم مجھے خبر بھی تو کر دو گی۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔ اچھا تم کہتی ہو تو میں تمہارے ہاں ٹھہر جاتی ہوں۔"

ناگ نے مالن کے گھر محل کے اندر باغ میں ٹھکانہ بنا لیا۔ شام کو آ کر اس نے عنبر اور ماریا کو ساری بات بیان کر دی اور کہا کہ وہ تاجر زید کی حویلی میں ناظمہ کو نہیں دیکھ رہا۔

عنبر نے تعجب سے کہا۔

"پھر وہ کہاں چلی گئی؟"

ماریا بولی۔

"میرا خیال ہے کہ تاجر زید نے اسے کسی دوسرے تاجر کو تحفے کے طور پر نہ پیش کر دیا ہو۔ یہ عرب تاجر اکثر ایسا کرتے رہتے ہیں۔"

عنبر بولا۔

"اب اس کا کیسے پتہ چلایا جائے؟"

ناگ نے کہا۔

"میں پوری پوری کوشش کروں گا کہ ناظمہ کا سراغ لگ سکے۔"

عنبر نے کہا۔

"تم کسی طرح تاجر زید تک رسائی حاصل کرو۔ اس کی

دوستی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اس محل میں صرف وہی ایک ایسا آدمی ہے کہ جس سے تمہیں ناظمہ کا کھوج مل سکتا ہے۔"

ناگ بولا۔

"میں صبح سب سے پہلے یہی کوشش کروں گا۔ میرے لئے تاجر زید تک پہنچنا کوئی اتنی مشکل بات بھی نہیں ہے میں ایک نجومی عورت کے روپ میں وہاں رہ رہی ہوں اور یہ امیر لوگ نجومیوں کی تلاش میں رہتے ہیں تاکہ انہیں اپنی قسمت اور دولت کے بارے میں حالات معلوم ہوتے رہیں۔"

ماریا نے کہا۔

"اگر میری ضرورت محسوس ہو تو میں بھی حاضر ہوں۔"

ناگ مسکرا کر بولا۔

"نہیں بہن! ابھی تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ اگر ایسا وقت آیا تو میں سب سے پہلے تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔"

رات شروع ہوئی تو ناگ نے ایک بار پھر نجومی عورت کا بھیس بدلا اور تاجر زید کے باغ کی جانب روانہ ہو گیا۔ مالن اس کی راہ دیکھ رہی تھی۔

"ماں! تم کہاں چلی گئی تھیں۔ میں تو پریشان ہو گئی تھی!"
ناگ نے بوڑھی عورت کی آواز میں کھانستے ہوئے کہا۔
"ارے بیٹی! بھلا میں کہاں جاؤں گی بس سرائے میں
ہی ایک عورت پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ قسمت کا حال پوچھنے
لگی تو یہ وقت آ گیا!"

اس کے بعد انہوں نے کھانا کھایا اور ناگ نے تاجر
زید کے بارے میں باتیں شروع کر دیں۔ ناگ کو معلوم
ہوا کہ تاجر زید نجومیوں کو بہت پسند کرتا ہے اور ان کی
تلاش میں رہتا ہے۔ اس نے مالن سے کہا کہ وہ اسکے
بارے میں تاجر زید سے بات کرے۔

"میں اسے آنے والی زندگی کے سارے حالات بتا
دوں گی!"

مالن نے کہا۔
"آج کل میرا آقا ایک بات کے لئے بہت پریشان ہے!"
"وہ کون سی پریشانی ہے تمہارے آقا کو؟" ناگ نے
شوق سے پوچھا۔

مالن کہنے لگی۔
"میرے آقا کا ایک ہی لڑکا ہے جو دس برس کا ہے
اس کو ایک بیماری لگ گئی ہے جس نے آقا کو بے حد

پریشان کر رکھا ہے!"
"کون سی بیماری ہے مجھے بھی تو بتاؤ!"
مالن بولی۔
"عجب قسم کی بیماری ہے۔ وہ روز بروز سوکھتا جا رہا
ہے۔ جو کچھ کھاتا ہے اس کو ذرا نہیں لگتا۔ چہرہ زرد
ہو رہا ہے۔ آنکھیں اندر کو دھنسنے لگی ہیں!"
ناگ نے کہا۔
"آخر حکیم لوگ اس کا علاج کیوں نہیں کرتے؟"
مالن نے کہا۔
"حکیم لوگ کہتے ہیں کہ اس لڑکے کو ہر تیسرے
روز رات کو اندھیرے میں کوئی زہری سانپ آ کر
سونگھ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کمزور ہوتا جا
رہا ہے!"

ناگ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ تاجر زید تک پہنچنے کا بڑا
اچھا موقع اسے ملنے والا تھا۔
اس نے کہا۔
"لوگ اس سانپ کو مارتے کیوں نہیں؟"
"ساری ساری رات پہرہ دیا جاتا ہے مگر پھر بھی خدا
جانے کہاں سے سانپ آ کر اسے سونگھ جاتا ہے۔ حکیم

لوگ کہتے ہیں کہ یہ ایسا طاقتور سانپ ہے کہ اگر یہ دور کسی جگہ سے لڑکے کی طرف منہ کر کے بھی سانس اپنی طرف کھینچے تو لڑکے پر اثر ہو جاتا ہے۔"

ناگ مسکرایا۔

"اگر میں اس کا علاج کر دوں تو تمہارا آقا مجھے انعام میں کیا دے گا؟"

مالن تو خوشی سے جھوم اٹھی۔

"اماں! اگر تم میرے آقا کے بیٹے کو ٹھیک کر دو تو وہ تمہیں منہ مانگا انعام دے گا۔"

ناگ بولا۔

"تو چلو! مجھے اس کے پاس لے چلو۔"

مالن نے کہا۔

"ایسے نہیں۔ تم مجھے صبح اس سے بات کر لینے دو۔"

دوسرے دن مالن نے کسی طرح سے اپنے آقا سے بات کی تو وہ کہنے لگا۔

"لاکھوں روپے اپنے بچے کے علاج پر خرچ کر چکا ہوں۔ کوئی سپیرا، کوئی حکیم، کوئی سنیاسی ایسا نہیں جسے نہ دکھایا ہو۔ ان لوگوں سے علاج نہ ہو سکا تو یہ تمہاری خانہ بدوش نجومی عورت بھلا کیا علاج کرے گی۔"

مالن نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

"آقا! مجھے یقین ہے کہ ہمارے شہزادے کا علاج اس نجومی عورت کے پاس ہی ہے۔ وہ ضرور بچے کو اچھا کر دے گی۔ آپ نے جہاں اتنے لوگوں سے علاج کروائے ہیں وہاں اس عورت کو بھی آزما کر دیکھ لیں۔"

تاجر زید نے سر ہلا کر کہا۔

"اچھا! لے آؤ اسے بھی۔"

مالن خوشی خوشی ناگ کے پاس آئی۔

"اماں! آقا نے تمہیں بلایا ہے۔ دیکھنا اب میری بات کی لاج رکھنا۔ میں نے اس کے سامنے تمہاری تعریفوں کے بڑے پُل باندھے ہیں۔"

ناگ ہنسا۔

"گھبراؤ نہیں — تمہاری تعریفوں کے سارے پُل سلامت رہیں گے۔"

اور ناگ بوڑھی عورت کے روپ میں تاجر کے پاس پہنچ گیا۔ تاجر اس وقت اپنی خواب گاہ میں بچے کے پلنگ کے پاس چاندی کی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ دو کنیزیں بچے کو پنکھا جھل رہی تھیں۔

تاجر زید نے ناگ کی طرف بے نیازی سے دیکھا جیسے

"اسے یقین ہو کہ یہ بوڑھی عورت اس کے بچے کو ہرگز ہرگز اچھا نہ کر سکے گی۔ ناگ نے آگے بڑھ کر پلنگ پر لیٹے ہوئے بچے کو دیکھا۔ وہ بہت کمزور ہو گیا تھا۔ ناگ نے اس کی آنکھوں کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ اس کو سانپ آ کر سونگھ جاتا ہے۔ لڑکے کے قریب سے ایسی بُو آ رہی تھی جو سانپ کی بُو تھی اور جسے صرف ناگ ہی محسوس کر سکتا تھا۔

اس نے تاجر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"فکر کی کوئی بات نہیں۔ آپ کا بیٹا اچھا ہو جائے گا۔"

تاجر نے نجومی خانہ بدوش عورت کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مگر کیسے اچھا ہو گا؟"

ناگ نے کہا۔

"میں اسے اچھا کر دوں گی۔"

"کیا تم میرے بچے کی بیماری کو سمجھ گئی ہو بڈھی عورت!"

ناگ کو تاجر زید کا یہ انداز اچھا نہ لگا۔ پھر بھی چونکہ اس کی دوستی حاصل کرنا ضروری تھا اور ناگ اسی کام کے لئے وہاں آیا تھا اس لئے صبر سے پی گیا۔

کہنے لگا۔

"آپ کے بچے کو سانپ کے سونگھنے کی بیماری ہے۔"

تاجر نے سر جھکا کر پھر اٹھایا اور بولا۔

"تم نے کوئی نئی بات نہیں بیان کی۔ یہ مرض تو سب حکیموں نے بتا رکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس بیماری کا علاج کیا ہے؟"

ناگ کہنے لگا۔

"علاج میرے پاس ہے۔"

تاجر زید کو اب کچھ امید ہو گئی تھی کہ شاید یہ بوڑھی عورت اس کے بچے کو ٹھیک کر دے۔ بولا۔

"اگر تم میرے بچے کو اچھا کر دو تو میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔"

ناگ نے کہا۔

"ایک بار پھر سوچ سمجھ لو۔ کیا تم اپنے وعدے پر قائم رہو گے۔"

"کیا مطلب؟" تاجر نے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔

"مطلب یہ کہ میں نے جو انعام آپ سے مانگا وہ آپ مجھے دے دیں گے یا وعدے سے پھر جائیں گے"

تاجر کہنے لگا۔

"میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ اگر میرا بیٹا

تندرست ہو گیا تو تم جو مانگو گی اور وہ میرے اختیار میں ہوا تو میں تمہیں ضرور دے دوں گا۔"
ناگ نے کہا۔
"ٹھیک ہے۔ میں آج رات بچے کا علاج کروں گی۔"
رات کو ناگ نے مریض لڑکے کے پلنگ کے اردگرد ایک چاندی کی چوکی رکھ دی۔ اس پر دودھ کا ایک پیالہ رکھ دیا۔ خود ایک طرف بیٹھ گیا۔ پاس ہی اس نے لڑکے کے باپ تاجر زید کو بھی بٹھا لیا۔

جب رات آدھی گزر گئی تو ناگ نے محسوس کیا کہ سانپ وہاں نہیں آتا بلکہ دور سے کسی جگہ پر سے اسے سونگھ کر چلا جاتا ہے۔ اب ضروری ہو گیا تھا کہ سانپ کو وہاں بلایا جائے۔ یہ کام ناگ کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا۔ اس نے رات کے ٹھیک بارہ بجے آنکھیں بند کر کے تاجر زید کو یہ تاثر دیا کہ جیسے وہ کوئی جادو کا منتر پڑھ رہا ہے۔ اصل میں وہ سانپوں کی زبان میں اس خاص سانپ کو آواز دے رہا تھا جو تاجر کے بیٹے کو آکر سونگھ جاتا تھا۔

وہ سانپ دمشق کے صحرا کا ایک بڑا خطرناک سانپ تھا جس کے سر پر لمبے بال تھے۔ یہ سانپ حویلی کے باغ میں

ایک جگہ گلاب کی جھاڑیوں میں بیٹھا تھا اور اپنے شکار کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے اسے ناگ دیوتا کی سرگوشیاں سنائی دے رہی ہیں!

○
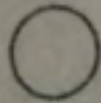
چھلانگ لگا دو

سانپ ایک دم سے ہوشیار ہو گیا۔

اس نے گردن اوپر اٹھائی۔ پھن پھیلایا اور زبان بار بار باہر نکال کر ناگ دیوتا کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے سر کے بال بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ ناگ دیوتا کی آواز صاف آ رہی تھی۔ سانپ، جدھر سے آواز آ رہی تھی ادھر کو چل پڑا۔ یہ آواز اسے اسی کمرے میں لے گئی جہاں اس کا شکار پلنگ پر نیم بے ہوش لیٹا تھا۔ پلنگ کے پاس ہی چاندی کی چوکی پر دودھ کا پیالہ رکھا تھا قریب ہی ناگ بوڑھی عورت کے روپ میں اور لڑکے کا باپ تاجر زید بیٹھے تھے۔ تاجر زید نے جونہی ایک سبز اور سیاہ رنگ کے بھیانک سر والے سانپ کو کمرے میں آتے دیکھا تو وہ خوف سے پرے ہٹ گیا۔ ناگ نے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر واپس بٹھا دیا۔

"سانپ! سانپ!"

ایک غلام چلاتا ہوا آیا اور خنجر نکال کر سانپ کو مارنے لگا کہ ناگ نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"خبردار! اسے مت مارنا۔ اسے آنے دو۔"

سانپ قالین پر رینگتا ہوا بڑے ادب سے آگے آ کر کنڈلی مار کر بیٹھا اور پھر گردن اس نے ناگ کی طرف منہ کر کے قالین کے ساتھ لگا دی۔ تاجر زید کانپ رہا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں سانپ اس کو ڈس نہ لے۔ کنیزیں پرے ہٹ گئی تھیں۔ غلام دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے تھے۔ تلواریں اور خنجر ان کے ہاتھوں میں تھے۔ ایک غلام نے کمان میں تیر چڑھا کر سانپ کا نشانہ باندھ رکھا تھا کہ اگر سانپ اس کے آقا پر حملہ کر دے تو وہ سانپ پر تیر چلا کر اسے ہلاک کر دے۔

ناگ نے سانپ سے کہا۔

"کیا تم ہی اس بچے کو آ کر سونگھا کرتے تھے؟"

سانپ نے ادب سے کہا۔

"ہاں! میرے دیوتا!"

ناگ کی بات تاجر سن سکتا تھا مگر سانپ کی آواز نہیں سن سکتا تھا۔

ناگ بولا۔

"اچھا! اب سن لو۔ خبردار آگے سے یہاں قدم نہ رکھنا اور اس بچے کو ہرگز ہرگز تنگ نہ کرنا۔"

سانپ بولا۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر میرے آقا!"

ناگ نے تاجر زید سے کہا۔

"سانپ نے کہہ دیا ہے کہ وہ اب کبھی اس گھر میں نہیں آئے گا۔ آپ کے بچے کو آئندہ کبھی سر جھکنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اس لیے ساتھ ہی ساتھ میں چاہتی ہوں کہ وہ بچے کے اندر سے اپنا پھیلایا ہوا زہر باہر کھینچ لے۔ اس کے لئے میں ابھی سانپ کو حکم دینے لگی ہوں کہ وہ بچے کے جسم سے اپنا زہر کھینچ لے۔ اس کے لئے سانپ بچے کی ٹانگ پر منہ رکھ کر سانس واپس کھینچے گا آپ کو ڈرنا نہیں ہے۔ سانپ میرے حکم کے بغیر کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ کیا آپ کو منظور ہے۔"

تاجر نے گھبرا کر کہا۔

"کہیں میرے بچے کو سانپ ڈس تو نہ لے گا۔"

ناگ ہنس پڑا۔

"یہ تو آپ وہم بھی نہ کریں۔ سانپ صرف بچے کی ٹانگ پر منہ رکھ کر سانس واپس کھینچے گا۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا

کہ آپ کے بچے کو ابھی ہوش آ جائے گا اور صبح تک اس کا رنگ جو اب زرد ہے سرخ ہو جائے گا۔"

تاجر زید مجبور ہو گیا کہ وہ ناگ کو اجازت دے دے کیونکہ وہ اپنے بیٹے کو پوری طرح تندرست دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔

"میں اجازت دیتا ہوں۔"

اب ایک خوفناک منظر شروع ہوا۔ کنیزوں اور غلاموں کے چہرے سہم گئے۔

ناگ نے سانپ کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"چلو! بچے کے جسم سے اپنا زہر کھینچ لو۔"

سانپ نے سر جھکا کر پلنگ کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ پلنگ کے پاس آ کر وہ رک گیا۔ اس نے گردن اٹھا کر پھن پھیلایا اور پھر اپنا منہ بچے کی ننگی پنڈلی پر رکھ دیا۔ اس وقت تاجر اور دوسرے غلام اور کنیزوں کے اپنے سانس رک سے گئے تھے۔ تاجر زید کا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ سانپ نے تھوڑی دیر کے بعد منہ اوپر اٹھایا۔ پھر آہستہ آہستہ رینگتا ہوا واپس ناگ کے سامنے آ کر گردن جھکا دی۔

ناگ نے کہا۔

"چلو! اب اپنے حصے کا دودھ پی کر یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

سانپ نے چاندی کی چوکی پر رکھے پیالے میں سے دودھ پینا شروع کر دیا۔ دودھ پی کر اس نے آخری بار سر جھکا کر ناگ کو سلام کیا اور قالین پر رینگتا ہوا واپس نکل گیا۔

سانپ کے جانے کے بعد ناگ نے کہا۔

"بس اب یہ سانپ کبھی ادھر کا رخ نہیں کرے گا۔"

تاجر زید نے اپنے بچے کو جھک کر دیکھا۔ اسے ہوش آ چکا تھا۔ اس نے اپنی کمزور آنکھوں سے باپ کو دیکھا اور آہستہ سے مسکرا کر کہا۔

"بابا جان!"

"میرے بچے!" تاجر زید نے بچے کو چوم لیا۔

اس نے اپنے بچے کو ایک لمبی مدت کے بعد مسکراتے دیکھا تھا۔ اب اس نے ناگ سے کہا۔

"میں اپنا وعدہ پورا کروں گا میری بہن! مانگو کیا مانگتی ہو۔ اگر میرے اختیار میں ہوا تو میں تمہارے سوال کو پورا کروں گا۔"

ناگ نے کہا۔

"مجھے اپنی کنیز ناظمہ بخش دو۔ بس یہی میری خواہش ہے اور یہی میرا سوال ہے۔"

تاجر زید نے یہ سوال سن کر اپنا سر پکڑ لیا۔ ناگ نے کہا۔

"مجھے امید ہے کہ تم اپنا وعدہ مردوں کی طرح نبھاؤ گے۔"

تاجر زید نے سر اٹھا کر کہا۔

"میری بہن! کاش تم چند روز پہلے مجھ سے یہ سوال کرتیں۔ اس وقت یہ کنیز میرے گھر میں ہی تھی۔ لیکن اب تو میں اسے اپنے ایک گہرے دوست کو دے چکا ہوں۔ تم میری حویلی کی دوسری کوئی بھی کنیز اپنی خدمت کیلئے لے جا سکتی ہو۔"

ناگ خاموش ہو گیا۔ تاجر زید جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ یقیناً ناظمہ اس کے گھر میں نہیں تھی۔ مالن نے بھی اس سے اس خطرے کا اظہار کیا تھا کہ شاید ناظمہ حویلی میں نہیں ہے۔ اب ناگ کیا کر سکتا تھا۔

اس نے کہا۔

"نہیں میرے بھائی! مجھے اسی کنیز کی ضرورت تھی۔ بہر حال

مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا دوست کہاں رہتا ہے۔ اس کا نام کیا ہے؟ میں کوشش کروں گی کہ وہ اس کنیز کو میرے ہاتھ فروخت کر دے۔"

تاجر زید نے ناگ کو بتایا کہ اس کے دوست کا نام جبار ہے اور وہ دمشق میں زیتون کے تیل کا کاروبار کرتا ہے۔

ناگ وہاں سے جبار کے گھر پہنچا۔ وہاں جاکر اسے پتہ چلا کہ جبار کے ہاں سے علی بابا نام کا ایک تاجر ناظمہ کنیز کو خرید کر لے گیا ہے۔ علی بابا وہ شخص تھا کہ جس کے بھائی کی لاش ڈاکو سلطان کے غار میں سے غائب ہو گئی تھی۔ ناگ واپس اڑن طشتری میں آگیا۔ اس نے عنبر اور ماریا کو سارے حالات بیان کئے۔

عنبر بولا۔

"علی بابا کی حویلی دمشق شہر کے اندر ہے۔ یہ آدمی ڈاکوؤں کی دولت سے مالا مال ہوا ہے۔ ناظمہ کو اس کے ہاں سے لانا مشکل ہوگا۔ علی بابا کو دولت کا لالچ نہیں ہے۔ اس لئے وہ ناظمہ کو فروخت نہیں کرے گا۔ اسے ہمیں وہاں سے اغوا کرنا پڑے گا۔"

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں ایک بار کوشش کر کے دیکھ لینا چاہئے۔ میں آج ہی علی بابا کے ہاں جاکر ناظمہ سے ملاقات کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مجھے دیکھ کر وہ ضرور میرے ساتھ بھاگ چلے گی۔"

ماریا نے کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر ناظمہ کو وہاں سے بھگائیں گے کیسے؟"

عنبر بولا۔

"اسی لئے تو میں کہہ رہا ہوں کہ اسے وہاں سے اغوا کرنا پڑے گا اور یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ ناگ! تم یہ کام نہیں کر سکتے تو میں چلا جاتا ہوں۔"

ناگ نے کہا۔

"بھلا میں یہ کام کیوں نہیں کر سکتا۔ میں ابھی جاکر کرتا ہوں۔ علی بابا کی حویلی میں نے دیکھی ہوئی ہے۔"

ناگ اسی روز علی بابا کی حویلی میں آگیا۔ یہ حویلی بڑی بڑی تھی۔ علی بابا کو نئی نئی ڈاکوؤں کی دولت ہاتھ لگی تھی۔ اس نے حویلی کو اندر سے بالکل ایک محل کی طرح سجا رکھا تھا۔ ناگ ایک تاجر بن کر علی بابا کے پاس گیا۔ علی بابا نے اسے دیوان خانے میں بٹھایا اور پوچھا کہ وہ کس مال کی تجارت

کرتا ہے!"

ناگ نے کہا

"میں ہندوستان کے گرم مسالے اور خوشبوؤں کا کاروبار کرتا ہوں۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو میرا ایک قافلہ ایک ہفتے کے بعد دمشق پہنچنے والا ہے۔ میں اس کا مال آپ کے پاس فروخت کرنے کو تیار ہوں۔"

علی بابا سمجھا کہ ناگ کوئی بہت بڑا تاجر ہے۔ وہ اس سے بڑا متاثر ہوا۔ اس نے اسی وقت غلام کو قہوہ اور خشک میوے لانے کو کہا۔ ناگ کا خیال تھا کہ شاید ناظمہ یہ چیزیں لائے مگر اس کی جگہ وہاں ایک سیاہ فام حبشی خشک میووں کا طشت اٹھائے ہوئے آگیا۔ ناگ کی نگاہیں حویلی میں ناظمہ کو تلاش کر رہی تھیں مگر وہ اسے کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ ناگ نے علی بابا پر کافی اثر ڈال دیا اور دوستی بھی کر لی۔ علی بابا نے رات کو اسے کھانے پر بلایا۔

ناگ کو امید تھی کہ کھانے پر شاید ناظمہ سے ملاقات ہو جائے۔

علی بابا نے کھانے پر بڑا تکلف کیا تھا۔ قسم قسم کا بھنا ہوا گوشت اور پلاؤ پکا تھا۔ کنیزیں اور غلام کھانے کے طشت لئے خدمت کر رہے تھے۔ مگر ناظمہ کہیں دکھائی نہیں دے

رہی تھی۔ علی بابا نے ناگ کو دعوت دی کہ وہ رات اسی کے مکان میں سوئے۔ ناگ یہی چاہتا تھا۔ اس نے علی بابا کی دعوت اسی وقت قبول کر لی۔ اس امید پر کہ شاید رات کو ناظمہ سے ملاقات ہو جائے۔ علی بابا سے پوچھنا وہ مناسب نہیں سمجھتا تھا کیونکہ ہو سکتا تھا اس کو شک ہو جاتا کہ یہ شخص اس کی کنیز کو اغوا کرنے آیا ہے۔

ناگ کو حویلی کی چھت پر دریا کی جانب سلایا گیا۔ سونے سے پہلے ایک بوڑھی کنیز دودھ اور شہد لے کر ناگ کے پاس آئی۔ یہ ناگ کی آخری امید تھی۔ اس نے بوڑھی کنیز کے آگے جیب سے اشرفیوں کی تھیلی نکال کر ڈالتے ہوئے کہا۔

"میری بہن! یہ اشرفیوں کی تھیلی تمہاری ہے مگر مجھے ایک بات بتا دو کہ یہاں ناظمہ نام کی کوئی کنیز بھی ہے۔"

اشرفیوں کی تھیلی دیکھ کر بوڑھی کنیز کی باچھیں کھل گئیں بولی۔

"بھائی! اس نام کی کنیز یہاں کوئی نہیں مگر یہاں جتنی بھی کنیزیں ہیں وہ اپنے اصلی نام سے نہیں پکاری جاتیں۔ ہمارے آقا نے ان کے الگ نام رکھ چھوڑے ہیں اور وہ انہی ناموں سے پکاری جاتی ہیں۔"

ناگ بولا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ کیا کوئی ایسی کنیز یہاں پر ہے جو
خوبصورت ہو. جس کے بال سنہری اور گھنگھریالے ہوں"
بوڑھی کنیز نے کہا.

"ہاں ایک کنیز اس حلیے کی ضرور ہے. اسے چند
ہوئے مالک نے کسی تاجر سے خریدا ہے."
ناگ نے خوشی سے اچھل کر کہا.

"بالکل یہی کنیز ہے جس کے لئے میں تمہیں کہہ رہا تھا"
بوڑھی کنیز نے کہا.

"اس کنیز کا نام مرجینا ہے. یہ نام ہمارے مالک نے
رکھا ہے."

ناگ نے بوڑھی کنیز کی خوشامد کرتے ہوئے کہا.

"میری بہن! کیا تم کسی طرح مجھے اس کنیز مرجینا سے
ملا سکتی ہو. میں اس کی تلاش میں بڑی دور سے آیا ہوں
بس اسے اس کے ایک بھائی کا پیغام دے [illegible] سے واپس
بھیج دوں گا. میں اسے یہاں سے اغوا کرنے نہیں آیا. تم
مجھ پر یقین کرو اور اگر تم نے مجھے مرجینا سے ملا دیا تو
میں تمہیں اتنی ہی اشرفیاں اور دوں گا."

سونے کی اور اشرفیاں ملنے کا سن کر بوڑھی کنیز لالچ میں
آگئی اور مرجینا کو وہاں بھیجنے کا وعدہ کرکے چلی گئی۔

اس نے جاتے ہی مرجینا سے بات کی اور ناگ کا حلیہ
بھی بتایا. وہ فوراً بھاگی بھاگی ناگ کے پاس چھت پر آ
گئی. ناگ نے ناظمہ کو اور ناظمہ نے ناگ کو پہچان لیا.
دونوں ایک دوسرے سے مل کر بے حد خوش ہوئے. بوڑھی
کنیز جا چکی تھی.
ناگ نے کہا.

"خدا کا شکر ہے تم سے ملاقات ہو گئی. میں عنبر اور
ماریا تمہاری تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں. تمہارے
باپ کا تمہاری جدائی میں برا حال ہے."
ناظمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے.

"میرے باپ نے میرے لئے بڑے غم اٹھائے ہیں. میں
اب جلد ہی اس کے پاس چلی جاؤں گی."

ناگ نے کہا.
"کیا تم اس وقت میرے ساتھ نہیں چل سکتیں؟ ہماری
اڑن طشتری شہر سے باہر صحرا میں ایک جگہ رکی ہوئی ہے
ہم صرف تمہارا انتظار کر رہے ہیں."

مرجینا یعنی [illegible] نے کہا

"علی [illegible] کے مجھ پر بڑے احسان ہیں. اس نے میرے
ساتھ [illegible] سلوک کیا اور مجھے اپنی بیٹیوں کی طرح یہاں

رکھا ہوا ہے۔ یہ بڑا نیک آدمی ہے۔ اس کو ڈاکوؤں کے غار سے دولت مل گئی ہے جس میں سے اس نے آدھا حصہ خیرات کر دیا ہے۔"

ناگ بولا۔

"ان باتوں کا تمہارے یہاں سے جانے کے ساتھ کیا تعلق ہے ناظمہ؟"

ناظمہ کہنے لگی۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ ڈاکوؤں نے علی بابا کا گھر دیکھ لیا ہے۔ وہ آج یا کل یہاں حملہ کرنے والے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی بھیس بدل کر یہاں آئیں گے میں اس کڑے وقت میں علی بابا کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی تم مجھے زرد چار روز کی مہلت دے دو۔ اس کے بعد میں تمہارے ساتھ یہاں سے چلی جاؤں گی۔ بلکہ مجھے پوری پوری امید ہے کہ آقا علی بابا خود مجھے تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دے دے گا۔"

ناگ بولا۔

"ٹھیک ہے اگر تم ایسا ہی چاہتی ہو تو ہم تمہارا انتظار کریں گے۔ ہماری اڑن طشتری دریا کے دوسری طرف نخلستان میں دائیں طرف زیتون کے درختوں کے جھنڈ

میں کھڑی ہے۔"

"فکر نہ کرو میں بہت جلد وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

"ویسے میں بھی چار روز بعد یہاں آ کر تمہارا پتہ کرتا جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اچھا اب میں جاتی ہوں۔"

ناظمہ چلی گئی۔ رات علی بابا کی حویلی میں بسر کرنے کے بعد اگلے روز ناگ نے اس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور مال فروخت کرنے کا وعدہ کر کے وہاں سے سیدھا عنبر اور ماریا کے پاس آ گیا اور انہیں ساری بات سنائی۔

دوسرے روز جیسا کہ آپ کہانی میں پڑھ چکے ہیں ڈاکوؤں کا سردار سلطان ڈاکو ایک تاجر کے بھیس میں اپنے چالیس چوروں کے ساتھ علی بابا کے گھر پر اترا۔ اس نے ان چوروں کو بڑے بڑے تیل کے خالی کپّوں میں چھپا رکھا تھا۔ پھر رات کو مرجینا کو زیتون کے تیل کی ضرورت پڑ گئی۔ وہ تیل کے ایک کپّے میں سے تیل نکالنے کے لئے گئی تو اسے پتہ چلا کہ اندر تو ڈاکو چھپے ہوئے ہیں ــــ بس پھر کہانی میں جس طرح بیان کیا گیا ہے مرجینا نے سارے کے سارے چوروں کو

گپھوں کے اندر ہی ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ڈاکوؤں کے سردار کو بھی ہلاک کر ڈالا۔

سات روز بعد ناگ نے پھر ناظمہ سے ملاقات کی تو وہ علی بابا سے اجازت لے کر اس کے ساتھ روانہ ہو گئی علی بابا نے مرجینا کو آزاد کر دیا تھا۔

عنبر اور ماریا بڑے خوش ہوئے۔ انہوں نے ناظمہ کو ساتھ لیا اور اڑن طشتری فضا کی بلندیوں میں اٹھ گئی۔ دن بھر کے سفر کے بعد اڑن طشتری واپس انطاکیہ پہنچ گئی۔ جہاں عنبر نے ناظمہ کو اس کے باپ کے حوالے کیا وہ بے حد خوش ہوا۔ بیٹی کو دیکھ کر اس کے تن میں پھر سے جان آ گئی تھی۔ انہوں نے ایک ہفتہ انطاکیہ شہر میں ناظمہ کے گھر میں قیام کیا اور پھر ان سے رخصت ہو کر اڑن طشتری پر سوار اپنے سفر پہ روانہ ہو گئے۔

ان کی کوئی منزل نہیں تھی۔

اڑن طشتری آسمان کی بلندیوں پر اڑی چلی جا رہی تھی یہ اس قدر اونچی تھی کہ نیچے سے لوگوں کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ تین روز اور تین راتیں سفر کرنے کے بعد چوتھے روز عنبر اڑن طشتری کو زمین کی طرف لے آیا۔ زمین کی طرف آتے ہوئے انہوں نے محسوس کیا کہ سکرین پر تیز

روشنی ابھر رہی ہے۔ عنبر نے ناگ کی طرف دیکھا۔

"یہ روشنی کیسی ہے ناگ؟"

ماریا بھی سکرین کو تکنے لگی۔ روشنی ایک بادل کے چھوٹے سے گولے سے نکل رہی تھی۔ پھر ان کی اڑن طشتری کو ایک دھچکا لگا اور ماریا گرتے گرتے بچی۔

عنبر نے کہا۔

"اوپر لے چلو۔"

ناگ نے بٹن دبایا اور اڑن طشتری ایک دم فضا میں اوپر ہی اوپر بلند ہوتی چلی گئی۔ روشنی برابر انکا پیچھا کر رہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں سکے تھے کہ یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے۔ اڑن طشتری آسمان پر اتنی اونچی چلی گئی تھی کہ نیچے زمین دھندلی نظر آنے لگی تھی۔ ناگ نے ماڈار کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آخر یہ روشنی کہاں سے آ سکتی ہے؟"

ماریا کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے جن لوگوں کی اڑن طشتری پر ہم سوار ہیں اور سیریں کرتے پھر رہے ہیں وہی لوگ ہیں اور ہم پہ حملہ کر رہے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"ماریا کا خیال ٹھیک لگتا ہے۔ ہمیں اپنا بچاؤ کرنا ہوگا کیونکہ اگر اڑن طشتری کو دشمن نے تباہ کر دیا تو تم لوگ ہلاک ہو سکتے ہو۔"

ناگ بولا۔

"ہمیں فوراً پیراشوٹ باندھ لینے چاہئیں۔"

انہوں نے اسی وقت پیراشوٹ باندھ لئے۔ اڑن طشتری آگے ہی آگے جا رہی تھی۔ روشنی زیادہ چندھیا دینے والی ہو گئی تھی۔ اچانک ایک دھماکہ ہوا۔ ایک تیز نیلی شعاع بادلوں میں سے نکل کر اڑن طشتری کے پہلو میں لگی۔ اسکے ساتھ ہی اڑن طشتری کا ایک حصہ ٹوٹ کر الگ ہوا اور زمین کی طرف گرنے لگا۔ ہوا تیزی سے اندر داخل ہوئی اور اڑن طشتری ایک طرف جھک کر زمین کی طرف گرنے لگی۔ عنبر نے چلا کر کہا۔

"کود جاؤ باری باری۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر نے باہر چھلانگ لگا دی۔ اس کے بعد ماریا نے چھلانگ لگا دی۔ ناگ نے چھلانگ لگائی تو اس کے پیراشوٹ کی رسی اڑن طشتری میں الجھ گئی۔ وہ اڑن طشتری کے ساتھ لٹکتے ہوئے نیچے جانے لگا۔ ناگ نے حوصلہ نہ ہارا۔ اسے یاد آیا کہ اس کی جیب میں چاقو ہے۔

اس نے بڑی کوشش کے بعد جیب سے چاقو نکال کر رسی کو کاٹ دیا۔ رسی کے کٹتے ہی وہ زمین کی طرف ہوا میں گرنا شروع ہو گیا۔

اس عرصے میں وہ ماریا اور عنبر سے کافی آگے نکل چکا تھا کیونکہ اڑن طشتری کی رفتار کافی تیز تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی ناگ کو ایک جھٹکا لگا اور پیراشوٹ کھل گیا۔ ناگ آہستہ آہستہ پھولے ہوئے پیراشوٹ کے ساتھ زمین کی طرف آنے لگا۔ اس نے نیچے دیکھا۔ اسے نیچے سوائے درختوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ ناگ نے ماریا اور عنبر کے بارے میں سوچا کہ خدا جانے وہ کس جگہ اترے ہوں گے۔

اتنا ناگ کو معلوم تھا کہ وہ کافی آگے نکل آیا ہے اڑن طشتری کے ٹکڑے خدا جانے کس جگہ گر کر تباہ ہو چکے تھے۔ ناگ اپنی قسمت پر مسکرایا۔ ایک بار پھر ان تینوں میں جدائی پڑ گئی تھی۔ پیراشوٹ آہستہ آہستہ ہوا میں نیچے اتر رہا تھا۔ ناگ کو زمین پر آتے ہوئے کافی دیر لگی۔ کیونکہ وہ کافی بلندی سے گرا تھا۔ آدھے راستے میں ہی ناگ کو بادلوں نے گھیر لیا تھا۔ وہ کافی اوپر سے بادلوں میں بجلی کو چمکتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ بادلوں میں سے گزر کر نیچے آیا تو وہاں بارش ہو رہی تھی۔

ناگ نے دیکھا بادلوں نے چاروں طرف تمبو سا تان رکھا تھا۔ بارش موسلا دھار ہو رہی تھی۔ بارش کی بوچھاروں نے اس کے کپڑے بھگو دیئے۔ آخر اس کا پیراشوٹ درختوں میں الجھ گیا۔ ناگ درختوں کی شاخوں میں آکر پھنس گیا۔ خدا کا شکر تھا کہ وہ زخمی نہ ہوا۔ اس نے چاقو نکال کر رسیاں کاٹیں اور درخت پر سے زمین پر اتر آیا۔

بارش زور و شور سے ہو رہی تھی۔ چھاجوں پانی برس رہا تھا۔

درختوں کے نیچے بارش کا زور کم تھا۔ ناگ نے محسوس کیا کہ وہ ایک گھنا جنگل ہے۔ گھنے موٹے موٹے تنوں والے درخت چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ جس وقت انہوں نے اڑن طشتری سے چھلانگ لگائی تھی تو اس وقت شام ہو رہی تھی۔ اب جنگل میں آکر ناگ کو شام کے اندھیرے نے گھیرنا شروع کر دیا۔ وہ ایک موٹے درخت کے تنے سے لگ کر بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ماریا اور عنبر کہاں اترے ہوں گے۔

فضا میں سردی تھی۔ ناگ کے کپڑے بھی بھیگے ہوئے تھے اسے سردی لگنے لگی۔ بارش تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی اندھیرا بھی بڑھ رہا تھا۔ رات چھا گئی تھی۔ ناگ نے سوچا کہ

آخر وہ کب تک وہاں پڑا رہے گا۔ اس کو ہمت کر کے کوئی ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جہاں وہ بارش سے محفوظ رہ کر رات بسر کر سکے۔ پس وہ اٹھا اور اس نے درختوں میں ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔

جنگل میں اندھیرے اور بارش میں چلنا مشکل کر دیا تھا راستہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ناگ درختوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک بار بجلی زور سے چمکی۔ اس کی روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر ایک عمارت بنی ہے۔ بجلی کی تیز چمک میں ناگ اتنا ہی دیکھ سکا۔ بہرحال ناگ کو تسلی ہوئی کہ اسے ایک ٹھکانہ تو مل گیا جہاں وہ بارش سے بچ سکے گا۔ اس نے مکان کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اب وہ انتظار کر رہا تھا کہ بجلی دوسری بار چمکے تو وہ راستہ دیکھے۔ بادل گرج رہے تھے۔ اتنے میں کڑاکا ہوا اور بجلی نے جنگل کو روشن کر دیا۔

تیز روشنی ایک پل کے لئے جنگل کو چکا چوند کر گئی۔ اس روشنی میں ناگ نے دیکھا کہ مکان بالکل سامنے ہی درختوں میں گھرا ہوا تھا۔ ناگ نے جلدی جلدی اس مکان کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ وہ مکان کے پاس آکر رک گیا اور نظریں اٹھا کر دیکھا۔ بارش اور اندھیرے میں

بجلی کی ہلکی ہلکی چمک میں وہ اتنا ہی دیکھ سکا کہ مکان کی عمارت بہت پرانی تھی۔ وہ کسی پرانے مندر سے ملتی جلتی تھی۔ ناگ کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کس ملک میں ہے اور کس شہر کے قریب ہے؟

بارش اور سردی سے بچنے کے لئے ناگ ایک دم سے پرانی عمارت میں داخل ہو گیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ ناگ عمارت کی ڈیوڑھی میں کھڑا ہو کر جائزہ لینے لگا۔ اس کی جیب میں لائٹر پڑا رہ گیا تھا۔ اس نے لائٹر جلا کر دیکھا۔ ڈیوڑھی خالی تھی۔ فرش کے پتھر اکھڑے ہوئے تھے۔ ایک طرف دیوار میں دروازہ تھا جس کے کواڑ غائب تھے۔ ناگ اس دروازے میں سے گزر کر دوسری طرف آیا۔ وہاں ایک کشادہ دالان تھا جس کے درمیان میں پتھر جوڑ کر ایک چبوترہ سا بنایا گیا تھا۔

ناگ آگے بڑھا تو دیوار میں ایک بُت بنا تھا۔ ناگ نے لائٹر کی روشنی میں بُت کے قریب جا کر دیکھا۔ یہ کسی حسین عورت کا بُت تھا مگر اس کا ایک بازو ٹوٹا ہوا تھا۔ دوسرے بازو میں ایک تھالی پکڑی تھی جس میں ایک چھوٹا سا ہاتھی تراشا گیا تھا۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہ کوئی پرانا مندر ہے جو اب اجڑ چکا ہے۔ ناگ نے ادھر ادھر دیکھا۔ ایک کونے میں کچھ

لکڑیاں پڑی تھیں۔ ناگ نے لکڑیوں کو اٹھا کر ایک طرف دیوار کے آگے رکھا اور لائٹر سے آگ جلائی۔

آگ کی گرمی میں اس نے باری باری اپنے سارے کپڑے سکھائے۔ خود بھی آگ تاپ کر جسم کو گرم کیا اور اب عنبر اور ماریا کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔ اسے نیند آگئی اور وہ سو گیا۔ جب وہ سو کر اٹھا تو اس نے محسوس کیا کہ مندر کے باہر جنگل میں بارش تھم چکی ہے مگر رات ابھی ویسی ہی اندھیری تھی۔ ابھی رات کا اندھیرا ویسے ہی چاروں طرف چھایا ہوا تھا جسے گہرے بادلوں نے اور زیادہ گمبھیر بنا دیا تھا۔

ناگ نے کروٹ بدلی اور ایک بار پھر سو گیا۔ ابھی اس کی آنکھ لگی ہی تھی کہ اچانک اسے کھٹکا سا محسوس ہوا۔ ناگ نے اٹھ کر چاروں طرف اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی آگ بجھ چکی تھی۔ انگارے راکھ میں دبے ہوئے تھے۔ ناگ نے لائٹر نہ جلایا۔ اس لئے کہ کسی آنے والے کو اپنی موجودگی کا احساس نہیں دلانا چاہتا تھا۔ ناگ نے اب کچھ آوازیں سنیں ایسا لگا جیسے باہر کچھ لوگ مندر کے دروازے پر گھوڑوں سے اترے ہوں اور باتیں کر رہے ہوں۔

ناگ جلدی سے اٹھ کر اندھیرے میں دیوار کی اوٹ میں

ہو گیا۔ اتنے میں اسے روشنی نظر آئی جو آہستہ آہستہ اندر آ
رہی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ کسی نے مشعل ہاتھ میں تھام رکھی
ہے۔ ناگ نے محسوس کیا کہ اگر وہ انسان کے روپ میں
وہاں کھڑا رہا تو ہو سکتا ہے کہ آنے والے اسے دیکھ لیں
پس اس نے ایک گہرا سانس لیا اور ایک چھوٹے سے سانپ
کا جیس بدل کر دیوار کے ساتھ چپک گیا اور پتھروں کی
درز میں چھپ کر دیکھنے لگا کہ یہ آنے والے لوگ کون
ہیں ——؟

مشعل کی روشنی اب دالان میں آ چکی تھی۔

ناگ نے دیکھا کہ ایک آدمی نے مشعل ہاتھ میں تھام
رکھی ہے اور اس کے پیچھے پیچھے دو آدمی ہاتھوں میں
ننگی تلواریں لئے چلے آ رہے ہیں اور ہنس ہنس کر
آپس میں باتیں بھی کر رہے ہیں۔ مشعل دیوار کے
ساتھ لگا دی گئی۔ اس آدمی نے جھک کر بجھی ہوئی آگ کو
دیکھا اور پھر اسے تلوار کی نوک سے کریدا۔ نیچے سے انگارے
چمکنے لگے۔ اس نے چونک کر پیچھے اپنے ساتھیوں کو
دیکھا اور جنوبی ہند کی زبان میں بولا۔

"یہاں کوئی آیا تھا۔"

دونوں آدمی بھی وہاں آ کر آگ کو تکنے لگے۔ پھر انہوں

شعل کی روشنی میں چاروں طرف دیکھا۔ وہاں کوئی بھی
تھا۔ اتنے میں پیچھے سے ایک اور آدمی اندر آیا۔ اس
ہاتھ میں بھی تلوار تھی اور اس نے اپنے کندھے پر ایک
اٹھا رکھی تھی۔ یہ شخص مونچھوں والا بارعب آدمی
سر پر پگڑی باندھ رکھی تھی۔ جب اسے بتایا گیا کہ
کے دالان میں کسی نے آگ جلائی تھی تو اس مونچھوں
نے بوری کو زمین پر ایک طرف رکھا اور جھک کر
کو تکنے لگا۔

"اس ویران جنگل میں کون آ سکتا ہے؟"

دوسرے نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کوئی جنگلی آدمی ہو راناجی!"

راناجی اسی بارعب آدمی کا نام تھا جو ان کا سردار لگتا تھا۔

ابی نے کہا۔

"جنگلی آدمی اول تو اس جنگل میں کہیں نہیں ہیں۔
ے جنگل کے آدمی اپنی جھونپڑیوں میں ہوتے ہیں....
یں کیا ضرورت ہے کہ آدھی رات کو اس اجاڑ مندر میں
ر آگ جلا کر تاپیں۔"

"تو پھر کون ہو سکتا ہے راناجی؟"

"کوئی بھی ہو۔ جب آئے گا تو اس سے نمٹ لیا جائیگا

تم بوری کو کھول کر راجکماری کا منہ تو کھولو۔ کہیں دم
نہ جائے۔"

ایک آدمی نے جلدی سے بوری کو کھولا تو اندر ایک
خوبصورت نازک سی لڑکی بے ہوش پڑی تھی۔ ا
بڑی قیمتی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ بال کالے اور لمبے
مشعل کی روشنی میں صاف لگ رہا تھا کہ وہ کسی
کی بیٹی راجکماری ہے۔

○
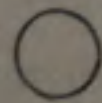
ماریا کہاں چلی گئی؟

راناجی نے کہا۔

"راجکماری کے پاؤں زنجیر سے باندھو۔ اس کے آگے
ی کا لوٹا اور پھل رکھو —— اور یہاں سے جلدی چلو ابھی
یں بہت کام کرنا ہے۔"

"بہت بہتر راناجی!"

راناجی کے آدمیوں نے بے ہوش راجکماری کے ایک
ؤں میں لوہے کا تنگ کڑا ڈال کر اس کے ساتھ زنجیر
ئی اور زنجیر کو ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ ناگ یہ
ب کچھ دیکھ رہا تھا۔ دوسرے آدمی نے بے ہوش راجکماری
ے قریب پانی سے بھرا ہوا ایک لوٹا اور ایک ٹوکری میں
چھ امرود رکھ دیئے۔

رانا بولا۔

"بجھی ہوئی آگ نے مجھے شک میں ڈال دیا ہے۔ لیکن
ں سے بہتر محفوظ جگہ سارے جنگل میں اور کوئی نہیں ہے

اور پھر یہ ہمارا پرانا ٹھکانہ ہے۔ اس لئے میں چاہوں
ہمارا ایک آدمی یہاں چھپ کر پہرہ دے اور راجکما
خیال رکھے۔ اگر کوئی شخص یہاں آئے تو اسے فوراً
کردیا جائے۔"

ایک ساتھی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"راناجی! میں یہاں پہرہ دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم دوپہر تک واپس آنے کی کوشش
اتنا کہہ کر راناجی نے اپنے دوسرے ساتھیوں کو
کیا۔ وہ سب دالان سے چلے گئے۔ پھر ناگ نے دیوا
ساتھ چپٹے چپٹے باہر گھوڑوں کے ہنہنانے اور پھر ان
ٹاپوں کی آوازیں سنیں جو جنگل میں دور ہوتے ہوتے
گئیں۔ خدا جانے یہ لوگ چور تھے۔ ڈاکو تھے۔ باغی تھے
تھے؟ — ناگ کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسے اتنا ضرور
کہ یہ لوگ اس راجکماری کو کسی محل سے اغوا کر کے
ہیں۔ راناجی کے آدمیوں کے جانے کے بعد ناگ نے د
سے کھسکنا شروع کیا۔

وہ رینگتے رینگتے اس جگہ دیوار پر آگیا جہاں را
بے ہوش پڑی تھی اور ایک ڈاکو پہرہ دے رہا تھا۔ کچھ
تک تو ڈاکو ٹہلتا رہا۔ پھر اس نے [illegible] گٹھڑی میں سے ایک

اٹھایا اور اسے کھانا شروع کر دیا۔ کھانے کے بعد وہ بجھی ہوئی
آگ کے پاس بیٹھ گیا۔ راکھ کریدی اور تلوار پاس رکھ کر
آگ تاپنے لگا۔

یہ دیوار وہ تھی جس پر مشعل جل رہی تھی۔ اسکی روشنی
میں راجکماری کے گلے میں پڑا ہوا سونے کا تعویذ چمک رہا
تھا۔ ڈاکو نے تعویذ اتارنے کی ایک دو بار کوشش کی مگر
کامیاب نہ ہوسکا۔ اتنے میں راجکماری کو ہوش آگیا۔ اس نے
بڑی بڑی آنکھیں گھما کر چاروں طرف دیکھا۔ پھر وہ سہم کر
بیٹھ گئی۔ پہرے دار ڈاکو نے ٹوٹے ہوئے دانت نکال کر
ہنستے ہوئے کہا۔

"اب زیادہ تڑپنے، پھڑکنے اور شور مچانے کی ضرورت
نہیں ہے۔ تم ہماری قید میں ہو اور یہاں سے تمہیں کوئی
آزاد نہیں کرا سکتا۔"

راجکماری کے چہرے پر خوف کی زردی تھی۔ اس کی بڑی
بڑی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے غمگین آواز میں کہا۔

"مجھ پر ترس کھاؤ۔ مجھے میری راج ماتا کے پاس پہنچا
دو۔ وہ میرے غم میں مرجائے گی۔"

پہرے دار نے قہقہہ لگایا۔

"اری پگلی! ہم بھی تو یہی چاہتے ہیں کہ وہ تیرے غم میں

مرجائے۔ پھر تیرا بیاہ راج منتری سے کردیں گے تو مہارانی
بن جائے گی اور راج منتری تیرے مرنے کے بعد راجہ بن کر
تخت پر بیٹھ جائے گا۔"

ناگ یہ ساری زبان سمجھ رہا تھا۔ گویا یہ ایک بڑی ہی
زبردست سازش کی گئی تھی۔ راج منتری نے اپنے محل کی
راجکماری کو ان ڈاکوؤں کے ذریعے اغوا کروا دیا تھا تاکہ وہ
زبردستی اس سے شادی کرکے راج گدی پر قبضہ جمائے
ناگ کو راجکماری کی بھولی بھالی صورت پر بڑا ترس آیا۔ وہ
روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر پہرے دار ڈاکو سے کہہ رہی تھی۔

"بھگوان کے لئے مجھے محل میں جانے دو۔ میں راج منتری
سے بیاہ نہیں کرسکتی۔ میں راج ماتا کے پاس جاؤں گی۔ راج
منتری راکھشس ہے۔ اس نے میرے پتا جی کو قتل کروایا
اس نے میرے بڑے بھائی کو قتل کروایا۔ وہ قاتل ہے
اب وہ میری ماں کی جان کے پیچھے پڑا ہے۔"

ڈاکو نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"کیا بیکار کی باتیں کر رہی ہے راجکماری! تمہیں اب وہی
کرنا ہوگا جو ہماری اور راج منتری کی مرضی ہوگی۔ راج منتری
نے ہمارے راناجی سے وعدہ کیا ہے کہ اگر ہم تمہیں اغوا کر
کے اس کے ساتھ تمہاری شادی کروا دیں اور راج ماتا کو بھی

ہلاک کردیں تو راج منتری ہمارے راناجی کو اپنا خزانہ منتری
بنالے گا۔"

راجکماری نے کہا۔

"بھگوان کے لئے میری ماتا جی پر رحم کرو۔ اس کو معاف
کردو۔"

ڈاکو بولا۔

"راناجی کسی کو معاف کرنا نہیں جانتا۔ وہ ایک خونخوار
آدم خور شیر ہے۔ اسی نے تمہارے باپ کو خنجر سے ہلاک
کیا تھا۔ اسی نے تمہارے بھائی کی گردن اڑائی تھی اور اب
اس کے لئے تمہاری بوڑھی ماں کو مارنا کوئی مشکل بات
نہیں ہے۔"

راجکماری سسکیاں بھر کر رونے لگی۔ ناگ سے اس کی
حالت دیکھی نہ جا رہی تھی مگر وہ خاموش تھا۔ وہ سارے
حالات سے باخبر ہو چکا تھا۔ اب وہ موقع کا انتظار کر
رہا تھا۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ راجکماری کو
ان درندوں کے چنگل سے ضرور چھڑائے گا۔ اب وہ کھسکتا
کھسکتا اس جگہ پر آگیا جہاں پہرے دار ڈاکو آگ کے
پاس بیٹھا آگ تاپ رہا تھا۔
ناگ چھت کے پتھروں میں آگیا۔ اب ڈاکو بالکل اکیلے

نیچے تھا۔

کیا وہ ڈاکو پر چھلانگ لگا دے؟

ایسا کرنا خطرناک بھی ہو سکتا تھا کیونکہ ڈاکو کے پاس ہی اس کی تلوار پڑی تھی۔ اگر فرض کیا کہ ناگ چھت پر سے ڈاکو کے اوپر کود کر گرتا ہے تو ڈاکو تیزی سے ہاتھ مار کر اسے پرے پھینک دیتا ہے اور پھر اس سے پہلے کہ ناگ اس پر حملہ کرکے اسے ڈس لے ڈاکو تلوار اٹھا کر پہلے حملہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور ناگ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔

ناگ نے سوچا کہ حملہ نیچے اتر کر کرنا چاہیے۔

پس چھت پر سے رینگتا، دیوار پر سے ہوتا ہوا نیچے زمین پر آ گیا۔ مشعل کی روشنی میں زمین پر ہر شے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ راجکماری رونے کے بعد تھک کر اب اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔ اچانک اس کی نظر ایک سیاہ سانپ پر پڑی جو آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے ڈاکو کے پیچھے سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ راجکماری ایک دم خاموش ہو گئی۔ اس نے سانپ کو دیکھ کر بالکل شور نہ مچایا۔ مگر اس کے چہرے پر گھبراہٹ آ گئی تھی۔ چور نے اس کی گھبراہٹ کو محسوس کرتے ہوئے جونہی پیچھے دیکھا تو تڑپ کر اٹھا۔

لیکن اس عرصے میں سانپ نے اچھل کر حملہ کر دیا۔ سانپ نے ڈاکو کے پاؤں پر ڈسا اور بے حد خطرناک زہر اس کے خون میں شامل کر دیا۔ ڈاکو نے تلوار اٹھا کر سانپ پر حملہ کرنا چاہا مگر تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ پھر سارا جسم لرزنے لگا اور راجکماری کے دیکھتے دیکھتے وہ دھڑام سے فرش پر گرا اور اس کے منہ سے سیاہ رنگ کا جھاگ نکلنے لگا۔ وہ تھوڑی دیر تڑپا لرزا اور پھر مر گیا۔

یہ سارا تماشہ راجکماری خوشی اور حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دشمن اس کی آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر گیا تھا۔ وہ خوش ہو رہی تھی کہ آخر بھگوان نے اس کی سن لی اور ایک سانپ کو اس کی مدد کے لئے بھیج دیا۔ سانپ ڈاکو کو ہلاک کرنے کے بعد خاموشی سے رینگتا ہوا دالان سے نکل گیا۔ راجکماری نے دشمن کے ہلاک ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بے بس پایا کیونکہ وہ زنجیر میں جکڑی ہوئی تھی۔

یہ زنجیر مضبوط لوہے کی تھی اور ایک نازک بدن والی راجکماری کے لئے اسے توڑ کر آزاد ہونا ایک ناممکن بات تھی۔ اس نے بھگوان کے آگے ہاتھ باندھ کر دعا کی۔

اے بھگوان! تو نے مجھے اس موذی سے بچایا ہے۔
اب مجھے اس زنجیر سے بھی آزاد کر دے۔"
ابھی وہ دعا مانگ کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ کیا دیکھتی
ہے کہ ایک سانولا نوجوان اندر داخل ہوا اور اس کے
قریب آ کر بولا۔

"بھگوان نے تمہاری دعا سن لی ہے اور مجھے تمہاری مدد
کے لئے بھیجا ہے۔"

راج کماری نے حیرانی اور خوشی سے ناگ کو دیکھا۔ یہ
ناگ ہی تھا۔ جو سانپ کا بدن چھوڑ کر اب اپنی انسانی
شکل میں اس کے پاس آیا تھا۔ ناگ نے یہ ظاہر کیا کہ گویا
اسے کسی بات کی کوئی خبر نہیں ہے۔ اس نے فرش پر پڑی
لاش دیکھ کر کہا۔

"یہ لاش کس کی ہے؟ معلوم ہوتا ہے یہ تمہارا دشمن تھا اور
بھگوان نے اسے ہلاک کر دیا ہے۔"

راجکماری بولی۔

"پہلے میرے پاؤں کی زنجیر توڑ دو بھائی! پھر میں تمہیں
اپنی درد بھری کہانی سناؤں گی۔"

ناگ نے ایک پتھر اٹھا کر زنجیر کے نیچے رکھا۔ دوسرے
پتھر سے ایک ہی ضرب لگائی۔ زنجیر ٹوٹ گئی۔ ناگ نے

راج کماری کو پانی پلایا۔ پھر پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے لڑکی؟ تم کون ہو اور یہاں یہ لوگ تمہیں
کہاں سے لائے ہیں۔"

اگرچہ ناگ کو اس کی ساری کہانی کی خبر تھی مگر وہ یہ
نہیں چاہتا تھا کہ راجکماری کو اس پر شک پڑے کہ وہ
سارے حالات جانتا ہے۔ اس نے ایک بار پھر راج کماری
کی زبان سے وہ ساری کہانی سنی جس کی اسے پوری خبر
تھی۔ کہانی سن کر ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور بولا۔

"تمہارے بھگوان نے تمہاری مدد کے لئے پہلے سانپ کو
بھیجا کہ اس ڈاکو کو ہلاک کرے۔ پھر مجھے یہاں بھیج دیا۔"

راجکماری بولی۔

"تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"راج کماری کوشلیا جی! ان باتوں کے لئے ابھی بہت
وقت پڑا ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں یہاں سے نکلنا
چاہیے تاکہ راناجی کے یہاں آنے سے پہلے پہلے ہم راتوں
رات نکل جائیں۔"

راج کماری بولی۔

"میرا راج محل یہاں سے ایک رات اور ایک دن کے سفر پر

ہے۔ ہم پیدل وہاں تک کیسے پہنچیں گے۔"
ناگ نے کہا۔
"پہلے یہاں سے تو نکلیں۔ پھر اس کے بارے میں بھی غور کریں گے۔"

ناگ راجکماری کو لے کر مندر سے باہر آگیا۔ اپنے بارے میں ناگ نے کچھ نہ بتایا۔ رات ڈھلنا شروع ہو گئی تھی۔ آسمان پر ابھی تک گہرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور خطرہ تھا کہ کسی وقت بھی بارش شروع ہو سکتی ہے۔ ناگ نے راجکماری کو ساتھ لیا اور ایک طرف جنگل میں چلنا شروع کر دیا۔ وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ راناجی سے لڑنے کی بجائے سب سے پہلے جتنی جلدی ہو سکے راجکماری کو وہاں سے دور لے جائے۔ کیونکہ اس کی اور راناجی کی لڑائی میں راجکماری کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ تھا۔

ناگ کو اس جنگل میں چھوڑ کر اب ہم ذرا عنبر اور ماریا کی خبر لیتے ہیں:

ماریا کا پیراشوٹ اڑن طشتری سے گرتے ہی فضا میں کھل گیا تھا۔ شاید وہ بھی زندگی میں پہلی بار ہوا میں چھلانگ لگا رہی تھی۔ ہوا میں اڑتے ہوئے اسے بڑا عجیب سا لگ رہا تھا اگر کوئی آج کے زمانے میں ماریا کے پیراشوٹ کو دیکھتا تو

ضرور حیران ہوتا کہ ایک پیراشوٹ بغیر ہوا بازکے کھلا ہوا نیچے اترتا چلا آرہا ہے۔

ماریا جس علاقے کے اوپر آئی وہاں بھی جنگل تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا پیراشوٹ ایک کھلی جگہ کی طرف چلا آرہا ہے۔ وہ بڑے آرام سے نیچے اتر آئی۔ سب سے پہلا کام اس نے یہ کیا کہ پیراشوٹ سے اپنے آپ کو آزاد کیا۔ اس کی ترکیب عنبر نے ان دونوں کو سمجھا دی تھی۔ ماریا جنگل میں گھاس پر گری تھی۔ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔ اسے کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ پیراشوٹ پھینک کر اس نے جنگل کا جائزہ لیا۔ یہ بڑا گھنا سا جنگل تھا۔ دور ایک طرف درختوں میں سے دھواں سا اٹھ رہا تھا جس کا صاف مطلب یہی تھا کہ وہاں کوئی آبادی ہے۔

ماریا نے اس طرف چلنا شروع کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید عنبر اور ناگ بھی اسی طرف جنگل میں کسی جگہ اترے ہوں گے۔ چلتے چلتے وہ درختوں کے درمیان آگئی۔ شام ہو رہی تھی۔ دھوپ درختوں پر سے اپنا دامن سمیٹ رہی تھی۔ پچھواڑوں میں رات کے سائے ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ماریا بے فکری سے گھاس پر چلی جا رہی تھی۔ اسے ذرا بھی خبر نہ ہوئی کہ چند قدم پر جنگلی لوگوں نے ہاتھی کو پکڑنے کے لئے

ایک بڑا گہرا گڑھا کھود کر اوپر گھاس ڈال رکھی ہے۔

وہ مزے سے چلی جا رہی تھی کہ اچانک اس کا پاؤں گھاس میں دھنسا اور پھر وہ دھڑام سے گھاس کے ساتھ ہی نیچے گڑھے میں گر گئی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ گھاس کے ساتھ ہی گری اور بچ گئی۔ ورنہ کسی نہ کسی ہڈی کے ٹوٹ جانے کا خطرہ تھا۔ ماریا گھاس پر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اوپر دیکھا۔ یہ کافی گہرا گڑھا تھا اور دیواریں بہت بلند تھیں۔ ماریا اگر سارے جسم کی طاقت خرچ کر کے بھی اچھلتی تو اس گڑھے کی دیواروں سے باہر نہیں نکل سکتی تھی۔

اس گڑھے میں ہی ماریا کو رات ہو گئی۔ جب رات کا اندھیرا جنگل میں چاروں طرف چھا گیا تو وہ ہاتھی جس کے لئے جنگلیوں نے یہ پھندہ لگایا تھا اپنی جگہ سے نکل کر تالاب کی طرف پانی پینے چل پڑا۔ تالاب کو جانے کے لئے یہی راستہ تھا۔ ہاتھی چلتے چلتے جب اس گڑھے کے پاس آیا جو اس کو پھانسنے کے لئے بنایا گیا تھا تو وہ رک گیا۔ اس نے سونڈ اوپر کر کے زور سے دو تین بار چیخ ماری۔ گویا اس بات کا اعلان کیا کہ وہ بچ گیا ہے اور آگے روانہ ہو گیا۔

اس کی چیخ ماریا نے سنی تو سہم کر دیوار سے لگ گئی.....

دوسری طرف یہی آوازیں جب جنگلیوں نے اپنی جھونپڑیوں میں

پہنچے ہیں تو خوشی سے نعرے لگاتے اور بڑے جوش سے گڑھے کی طرف بھاگے۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہاتھی پھنس گیا ہے۔ اب مزے سے جا کر اس کی تکا بوٹی کریں گے اور کھائیں گے۔ گڑھے کی گھاس والی چھت غائب تھی۔ وہ بڑے خوش ہوئے اور گڑھے کے ارد گرد ناچنے لگے۔ جونہی انہوں نے مشعل کی روشنی میں گڑھے کے اندر دیکھا تو دنگ رہ گئے۔ گڑھے میں ہاتھی کہیں نہیں تھا۔

جنگلی حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ گڑھے کے اوپر ڈالی ہوئی گھاس کی چھت تو گڑھے کے اندر جا گرے اور ہاتھی وہاں نہ ہو۔ زمین پر انہیں ہاتھی کے پاؤں کے نشان نظر آ گئے۔ یہ نشان "تالاب کی طرف" جا رہے تھے۔ وہ تالاب کی طرف چلے ہی تھے کہ ایک درخت کے پیچھے سے اچانک چیخ مار کر چالاک ہاتھی باہر نکلا اور وحشیانہ انداز میں جنگلیوں کی طرف حملے کے لئے دوڑا۔ جنگلیوں نے ہاتھی کو اپنی طرف آتے دیکھا تو گھبرا گئے اور مشعل والے کے ہاتھ سے مشعل گر پڑی۔ دو تین جنگلیوں نے ہاتھی پر نیزے بھی پھینکے مگر یہ نیزے ہاتھی کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ اس نے لپک کر دو جنگلیوں کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اور دو کو اپنے پاؤں تلے دبا کر کچل دیا۔ سونڈ والوں کو اس نے

گھما کر درخت کے ساتھ اس طرح سے پٹخا کہ ان کا کچومر نکل گیا۔ باقی لوگ بھاگ گئے۔

یہ ایک آدم خور ہاتھی تھا اور ایک عرصے سے جنگل میں اس نے دہشت پھیلا رکھی تھی۔ انسان کی بُو اسے دور سے آ جاتی تھی۔ جنگلی چیختے چلاتے وہاں سے بھاگ گئے۔ ہاتھی نے جنگل میں کچھ دور تک ان کا تعاقب کیا اور پھر واپس آ گیا۔ گڑھے کے پاس سے گزرتے ہوئے ہاتھی رک گیا۔ اسے گڑھے میں سے انسان کی بو آ رہی تھی۔ اس نے سونڈ جھکا کر گڑھے میں نیچے دیکھا۔

اندھیرے میں اسے کچھ نظر نہ آیا مگر انسان کی بُو برابر وہاں سے آ رہی تھی۔ نیچے دیوار کے ساتھ لگی ماریا نے بھی اوپر ہاتھی کو دیکھا کہ وہ جھک کر گڑھے میں دیکھ رہا ہے۔ وہ ڈر گئی۔ سمجھ گئی کہ یہ آدم خور ہے اور اسے انسان کی بُو آ رہی ہے ابھی ابھی اس نے ہاتھی کی چیخ اور جنگلیوں کی بھاگ دوڑ کی آوازیں سنی تھیں۔ مرنے والے جنگلیوں کی چیخیں بھی سنی تھیں۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ ہاتھی کچھ جنگلیوں کو ہلاک کر چکا ہے۔

اسے ایک تسلی تھی کہ ہاتھی گڑھے میں نہیں اتر سکتا۔ وہ تھوڑی دیر وہاں رک کر آگے نکل جائے گا۔ لیکن سوال یہ

تھا کہ وہ اس گڑھے میں سے کیسے نکلے گی؟ وہاں ایسی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ رات گزر گئی۔ ماریا گڑھے میں ہی سو گئی تھی۔ اس کی آنکھ کھلی تو گڑھے میں سورج کی روشنی درختوں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔ اب اس نے باہر نکلنے کی ترکیبوں پر سوچ بچار شروع کر دی۔

وہ گھاس کا رسہ بنا سکتی تھی۔ مگر رسہ اوپر اچھال کر کیا کرے گی؟ اس کے آگے کوئی ایسا ہک کہاں سے لائے گی جو باہر جا کر کسی درخت سے اٹک جائے۔ یہ خیال بھی بیکار تھا۔ اب ماریا نے اپنے آپ کو خدا کے بھروسے پر چھوڑ دیا کہ جو ہو گا اس کے لئے ٹھیک ہو گا اور خدا اس کے باہر نکلنے کی کوئی نہ کوئی سبیل بنا دے گا۔

دوپہر ہو گئی۔ پھر دھوپ گڑھے میں سے غائب ہو کر باہر نکل گئی۔ گویا شام کی آمد آمد تھی۔ اتنے میں کچھ لنگور گڑھے کے اوپر آ کر نیچے گڑھے میں جھانکنے لگے۔ انہیں کچھ نظر نہ آیا تو پرے ہٹ گئے۔ پھر شام بھی ہو گئی۔ جنگل میں پرندوں نے چہچہانا شروع کر دیا۔ جوں جوں رات ہو رہی تھی۔ پرندے درختوں پر خاموش ہونے لگے تھے۔ پھر رات کا اندھیرا ہو گیا۔ جنگل میں چاروں طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ ماریا گڑھے میں کتنی دیر سے قید تھی۔ وہ پریشان ہو گئی۔ وہ باہر آنے کیلئے

بے تاب تھی مگر باہر آنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

شاید آدھی رات گزر رہی تھی کہ ماریا نے کچھ لوگوں کی آواز سنی۔ اس نے کان ان آوازوں پر لگا دیئے۔ شاید یہ جنگلی لوگ تھے جو تیز تیز باتیں کرتے گڑھے کی جانب چلے آ رہے تھے۔ آوازیں گڑھے کے اوپر آ کر رک گئیں۔ ماریا میں بھی یہ طاقت تھی کہ وہ دنیا کی ہر زبان سمجھ لیتی تھی۔ اس نے سنا ایک جنگلی کہہ رہا تھا۔

"گھاس کا چھپر اندر گڑھے میں گرا ہے۔ اسے اندر سے اٹھایا جائے۔"

دوسرے نے کہا۔

"نہیں نہیں۔ ہم نیا بنائیں گے۔"

پھر ایک جنگلی بولا۔

"اس کی کیا ضرورت ہے۔ دیر ہو جائے گی۔ میں نیچے جا کر چھپر اٹھا لاتا ہوں۔ تم رسی نیچے کرو۔"

ماریا خاموشی سے یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ اس کے دل میں امید کی ایک کرن چمکی۔ کیونکہ اگر رسی نیچے پھینکی گئی تو وہ بھی رسی کو پکڑ کر باہر نکل جائے گی۔ اس نے اوپر دیکھا۔ ایک جنگلی مشعل لے کر گڑھے کے کنارے پر کھڑا ہو گیا۔ اندر اس کی روشنی آنے لگی مگر چونکہ ماریا غائب تھی اس

لئے وہ کسی جنگلی کو نظر نہ آ سکی۔

اتنے میں ایک موٹا مضبوط رسا گڑھے کے اندر پھینک دیا گیا۔ پھر ایک ناٹے قد کا جنگلی اس رسے کے ساتھ لٹک کر گڑھے میں آ گیا۔ اس نے بانس کا چھپر جو کہ ایک جگہ سے ٹوٹ گیا تھا اٹھا کر رسی کے ساتھ باندھ دیا پھر رسے [illegible] اور آواز دی۔

"اوپر کھینچو۔"

گڑھے سے باہر نکلنے کا یہ آخری موقع تھا۔ ماریا لپک کر رسے کی طرف گئی۔ اس نے نیچے لٹکتے رسے کے سرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کے لٹکتے ہی اوپر سے رسہ کھینچنے والوں کو ایک جھٹکا لگا اور وزن ایک دم سے بڑھ گیا۔ کیونکہ اس کے ساتھ اب ماریا بھی لٹکی ہوئی تھی۔ اوپر سے جنگلی نے آواز دی۔

"ارے کم بخت! یہ تو نے رسے کے ساتھ کیا باندھ دیا ہے۔ اس کا بوجھ بڑھ گیا ہے۔"

نیچے سے جنگلی نے کہا۔

"میں نے کچھ نہیں باندھا۔"

مگر بوجھ اسے بھی محسوس ہوا تھا۔ رسا اس کے ہاتھ میں [illegible] سے [illegible] تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے نیچے سے کوئی رسے کو

کھینچ رہا ہے۔ اس نے جھک کر نیچے دیکھا۔ نیچے کوئی بھی نہیں
تھا۔ رسے کا دوسرا سرا اسے صاف خالی لٹکتا دکھائی دے رہا تھا
اوپر سے جنگلیوں نے پھر آواز لگائی۔

"ارے! یہ رسّا بوجھل کیوں ہے۔"

نیچے والے نے تنک کر کہا۔

"آدم خوروں کی اولادو! کیوں بک بک کر رہے ہو۔ جلدی
سے مجھے باہر کھینچو۔ مجھے اندر کسی ہاتھی کی روح کا آسیب
لگتا ہے۔"

اوپر والوں نے دو ایک ہاتھ مار کر رسّا اوپر کھینچ لیا۔ جنگلی
اوپر آگیا۔ ماریا نے بھی جلدی سے گڑھے کے کناروں کو پکڑا
اور باہر آگئی۔

"ارے تیرا بوجھ ایکدم کیوں بڑھ گیا تھا۔"

"میرا بوجھ اس لئے بڑھ گیا تھا کہ نیچے سے کوئی ہاتھی کی روح
رسے کو کھینچ رہی تھی۔ جانے کتنے ہاتھیوں کو ہم نے اس گڑھے
میں ڈال کر ہلاک کیا ہے۔"

سب جنگلی ہنسنے لگے۔ ماریا کی کسی کو خبر نہ ہو سکی۔ ماریا
ایک طرف کھڑی ان جنگلیوں کی باتیں سنتی رہی۔ انہوں نے بڑی
پھرتی سے چھپر کو مرمت کیا۔ اس کو گڑھے کے اوپر ڈالا۔ اوپر
گھاس بکھیری اور واپس اپنے جھونپڑوں کی طرف چلے گئے

انہوں نے ہاتھی کے لئے پھر سے پھندہ تیار کر لیا تھا۔ اب ہاتھی
کو تالاب کی طرف آتے ہوئے اس میں گرنا تھا۔

ماریا کو بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ ان جنگلی
لوگوں کی جھونپڑیوں کی طرف چلنا چاہئے۔ وہاں ضرور کچھ نہ کچھ کھانے
کو مل جائے گا۔ چنانچہ وہ رات کے اندھیرے میں ادھر کو روانہ
ہوئی جدھر وہ جنگلی گئے تھے۔ جنگل میں اندھیرا تھا۔ درختوں سے
اوپر کہیں چاند اپنی روشنی بکھیرنے لگا تھا مگر یہ روشنی نیچے تک
نہیں پہنچ سکتی تھی۔ کیونکہ نیچے پتوں کا گھن بہت تھا۔

دور درختوں میں ماریا نے جھونپڑوں کے باہر جلتے دیئے
دیکھے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں جنگلی رہتے تھے۔ ماریا قریب آگئی
جھونپڑوں میں پہنچ کر جنگلی آرام کرنے کے لئے پھر لیٹ گئے
تھے۔ باہر چند ایک وحشی نیزے لئے پہرہ دے رہے تھے ماریا
اب اس تلاش میں تھی کہ وہ جگہ کہاں ہے جہاں ان لوگوں نے
کھانے پینے کی چیزیں رکھی ہیں؟

ایک جھونپڑی کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔ اندر ایک تیل کا دیا
جل رہا تھا۔ ماریا جلدی سے اس جھونپڑی کے اندر آگئی کونے
میں امرودوں اور ناریلوں کا ڈھیر لگا تھا۔ ایک طرف کیلوں کے
زرد گچھے پڑے تھے۔ ماریا نے جلدی جلدی کچھ کیلے اور امرود
کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی پھر اسی جگہ بانس کی دیوار کے ساتھ

لگ کر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد اسے نیند آ گئی۔

جب آنکھ کھلی تو دن نکل آیا تھا مگر باہر روشنی بہت کم تھی۔ ماریا نے اٹھ کر آنکھیں ملیں۔ انگڑائی لی اور باہر آ کر دیکھا آسمان کالے سیاہ بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ بڑی سیاہ گھٹا تھی ایسے لگتا تھا کہ اگر اب بادلوں نے برسنا شروع کیا تو بارش نہیں رکے گی اور جل تھل ایک کر دے گی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ جنگلی شاید جنگل میں ہاتھی کی لاش اٹھانے گئے ہوئے تھے کیونکہ رات یقیناً ہاتھی گڑھے میں گر کر پھنس چکا تھا۔

پیچھے جھونپڑوں میں جنگلیوں کی عورتیں اور بچے ہی رہ گئے تھے۔ کالی کالی عورتیں اپنے ننگ دھڑنگ بچوں کو نہلا دھلا کر شکرقندی اور امرود کھانے کو دے رہی تھیں۔ کچھ عورتیں قریب ہی گندے جوہڑ پر بیٹھی کپڑے دھو رہی تھیں۔

اتنے میں ماریا نے دیکھا کہ کچھ لوگ دریا کی طرف سے جھونپڑوں کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ ان کے کپڑے بڑے اچھے تھے۔ رنگ سفید تھے۔ صاف لگتا تھا کہ انگریز ہیں۔ یہ چھ سات لمبے تڑنگے آدمی تھے۔ انہوں نے تلواریں اور نیزے اٹھا رکھے تھے ان کے پیچھے بھی نیزوں والے وحشی تھے۔ یہ وحشی کسی دوسرے جنگل کے معلوم ہو رہے تھے کیونکہ انہوں نے ان علاقوں میں پہلے کبھی [illegible] تھے۔ جھونپڑوں کے قریب

آ کر یہ لوگ جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ وہ آدمی بھی چھپ گئے ماریا حیران ہوئی کہ یہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں اور یہاں کس لئے آئے ہیں؟

عورتیں، لڑکیاں اور بچے ان لوگوں سے بے خبر اپنے اپنے کام میں لگے تھے کہ اچانک جھونپڑوں میں ایک گول سی شے آ کر گری۔ وہ پھٹی۔ معمولی سا دھماکہ ہوا۔ پھر اس گول شے میں سے دھواں نکل کر تیزی سے جھونپڑوں کے اوپر پھیل گیا۔ اس کو سونگھتے ہی عورتیں اور بچے بے ہوش ہو گئے۔

ماریا وہاں سے بھاگ چکی تھی۔ جب اس دھوئیں کا اثر کچھ کم ہوا تو ماریا نے دیکھا کہ جھونپڑوں میں گہری خاموشی ہے۔ پھر کچھ بچوں کے رونے اور عورتوں کے چلانے کی آوازیں دینے کی آوازیں آئیں۔ ماریا جاگ کر جھونپڑوں کی طرف گئی۔ وہاں اس نے یہ نظارہ دیکھا کہ بوڑھی عورتوں نے کچھ بے ہوش اور کچھ نیم بے ہوش بچوں کو اٹھا رکھا تھا۔

عورتوں کی آوازیں سن کر جنگل سے ان کے وحشی آدمی بھی وہاں آ گئے۔ عورتوں نے روتی آوازوں میں انہیں بتایا کہ دریا کی طرف سے سفید لوگ آئے تھے۔ انہوں نے جھونپڑوں میں دھواں کر دیا جس سے بچے بے ہوش ہو گئے۔ عورتیں بھی بے ہوش ہو گئیں۔ پھر وہ لوگ ان کی جوان لڑکیوں کو اٹھا کر

لے گئے ہیں۔

یہ سننا تھا کہ وحشی جنگلی غصے سے بپھر گئے۔ وہ شور مچاتے دریا کی طرف بھاگے۔ ماریا بھی ان کے پیچھے ہو گئی۔ مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ لوگ ناکام واپس آئے۔ غم سے نڈھال تھے۔ ان کی بہنوں کو انگریز سفید فام لوگ اغوا کر کے لے جا چکے تھے!
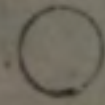
جنگلی لڑکیاں

جنگلی لوگ رو پیٹ کر چپ ہو گئے۔ ماریا کو معلوم ہوا کہ سال میں کبھی کبھی شمال سے سفید لوگ آ کر ان کی عورتوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں اور پھر انہیں دوسرے ملکوں میں لے جا کر امیر تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ مشرقی ملکوں میں ماریا اس قسم کی ایک عورتوں کی منڈی دیکھ چکی تھی جہاں دکانوں پر عورتیں بکتی تھیں۔ ماریا کو بڑا صدمہ ہوا کیونکہ جو لڑکیاں اٹھائی گئی تھیں ان کی مائیں رو رو کر بُرا حال کر رہی تھیں۔ ماریا نے سوچا کہ ان بے چاری سیدھی سادی بے گناہ ماؤں کی مدد کرنی چاہیئے۔

اس کو ایک یہ بھی خیال تھا کہ جانے عنبر اور ناگ کس جگہ اترے ہیں؟ پھر خیال آیا کہ چلو نکل چلو۔ شاید اسی طرح عنبر اور ناگ سے بھی ملاقات ہو جائے۔ وہ دریا کی طرف چل پڑی۔ آسمان پر کالی گھٹا اسی طرح چھائی ہوئی تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ دریا چڑھاؤ پر تھا۔ اگرچہ اس کا پاٹ زیادہ چوڑا نہیں تھا مگر

پانی کا بہاؤ بڑا تیز تھا۔ ماریا نے سوچا کہ سفید لوگ ظاہر ہے
کسی کشتی یا جہاز پر سوار ہو کر یہاں تک آئے ہوں گے
پھر ان کا جہاز کہاں چلا گیا۔ جتنی دیر میں جنگلی دریا پر
گئے وہ غائب ہو چکے تھے۔ ضرور وہ لوگ جنگل کے راستے
جا رہے ہیں اور ان کا جہاز یا کشتی دور آگے جا کر کسی
جگہ موجود ان کا انتظار کر رہی ہوگی۔

یہ سوچ کر ماریا نے خدا کا نام لیا اور جنگل میں دریا
کے کنارے کنارے چل پڑی۔ چلتے چلتے ابھی وہ دریا کے
آخری گھاٹ پر ہی پہنچی تھی کہ ایک دم سے بوندا باندی
شروع ہو گئی۔ ماریا نے دیکھا کہ ایک پگڈنڈی جنگل کے
اندر چلی گئی تھی۔ ماریا اس پگڈنڈی پر آ گئی۔ اسنے سوچا کہ
شاید جنگل کے اندر اسے بارش سے بچنے کو جگہ مل جائے
جنگل کے اندر بارش کم تھی۔ بارش کے قطرے درختوں
کے گھنے پتوں میں ہی رک جاتے تھے۔

ماریا جنگل میں کافی اندر نکل آئی۔ ایک جگہ اس نے
بڑی سی چٹان دیکھی جس پر جنگلی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں
اور ان کا رنگ سیاہ پڑ چکا تھا۔ اس چٹان کے اندر ایک
گڑھا سا بن گیا تھا۔ ماریا اس گڑھے میں جا کر بیٹھ گئی۔
یہ چھوٹا سا شگاف تھا جو چٹان کے پہلو میں ہزاروں سال

پڑا ہوا تھا۔

ماریا نے ابھی چٹان کے شگاف میں آ کر دم ہی لیا تھا کہ
جنگل میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ یہ بارش اتنی
زیادہ تھی کہ گھنے درختوں کے اندر سے ہو کر نیچے آ رہی
تھی۔ ماریا نے ہرنوں کی ایک ڈار کو اپنے گھروں کی طرف
بھاگتے دیکھا۔ اس کے بعد ایک ریچھ بھاگتا ہوا آیا۔ اس کو
بارش میں اور کوئی جگہ نہ ملی تو وہ سیدھا اس چٹان کی طرف
گیا جہاں ماریا نے پناہ لے رکھی تھی۔

ماریا ریچھ کو دیکھ کر ایک دم سے پرے ہٹ گئی۔
ریچھ چٹان کی دیوار کے ساتھ آ کر لگ گیا۔ ریچھ چونکہ
جنگلی جانور تھا اس لئے اسے انسان کی باقاعدہ بُو آ رہی تھی
اس نے جدھر سے بُو آ رہی تھی ادھر دیکھا مگر وہاں اسے کوئی
انسان نہ دکھائی دیا۔ بڑا حیران ہوا کہ یہ اتنی تیز بُو آ رہی ہے
اور انسان بھی نہیں ہے۔ اس نے اس طرف بڑھنا شروع کر دیا
جدھر ماریا کھڑی تھی۔ ابھی وہ ایک قدم بڑھا ہی تھا کہ جنگل
شیر کی گرج سے گونج اٹھا۔

ریچھ کا اگلا اٹھا ہوا قدم اسی جگہ رک گیا۔ شیر کی گرج نے
اسے بھی پریشان کر دیا تھا۔ اس نے گردن کو دو تین بار
فضا میں تھوتھنی اٹھا کر بلند کیا اور پھر ایک طرف کو بھاگ

کھڑا ہُوا۔ ماریا نے سکھ کا سانس لیا۔ اب اسے یہ خطرہ تھا کہ کہیں شیر صاحب ادھر تشریف نہ لے آئیں۔ اور وہی ہُوا۔ یعنی دوسرے ہی لمحے ایک طاقتور جوان شیر درختوں سے نکل کر سامنے آگیا۔ بارش میں وہ بھیگ رہا تھا اور اس نے جب منہ اوپر اٹھا کر ایک گرج دار آواز نکالی تو درختوں میں پناہ لئے ہوئے پرندے پھڑپھڑا کر اڑ گئے۔

شیر نے گردن گھما کر دائیں بائیں دیکھا۔ اس کی دم بار بار حرکت کر رہی تھی۔ پھر اچانک پیچھے سے "سن" کر کے ایک تیر آیا اور شیر کی گردن میں گڑ گیا۔ شیر اچھلا اور دھاڑتا ہُوا بھاگا مگر دو قدم چل کر گر پڑا۔ ماریا سمجھ گئی کہ جو تیر اسے لگا ہے وہ زہریلا تھا۔ اور یہ تیر کسی وحشی نے چلایا ہو گا اب ماریا اس جنگلی وحشی کا انتظار کرنے لگی جس نے تیر چلایا تھا۔

اتنے میں درختوں کے بیچ میں سے دو سفید آدمی اپنے جنگلی ساتھیوں کو لے کر باہر آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی شیر کی گردن تلوار سے کاٹ کر الگ کر لی۔ شیر کو ڈولی ڈنڈا کر کے جنگلیوں نے اٹھایا اور ایک طرف کو چل پڑے۔ سفید آدمیوں کو دیکھ کر ماریا چونک اٹھی۔ یہ تو وہی آدمی تھے جنہوں نے جنگلیوں کی لڑکیوں کو اغوا کیا تھا۔ ماریا کا خیال

[illegible]ت نکلا۔ یہ لوگ ابھی تک جنگل میں ہی چھپے ہوئے تھے [illegible]ید اپنے جہاز کا انتظار کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ شیر ڈلیا [illegible]ں کھالیں اور سر بھی اکٹھے کر رہے تھے۔

ماریا چٹان کے شگاف سے نکل کر ان لوگوں کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ جنگل میں بارش ہو رہی تھی۔ سفید لوگوں نے لمبے لمبے بھاری چغے سے ڈال رکھے تھے۔ ماریا کا لباس بھیگ گیا تھا۔ آگے جا کر جنگل گھنا ہو گیا جس کی وجہ سے روشنی بھی کم تھی۔ چلتے چلتے یہ سفید فام لوگ ایک طرف کو مڑ گئے۔ ماریا بھی ان کے پیچھے پیچھے رہی۔

اب سامنے ایک ٹیلہ آگیا جس کے پاؤں میں ایک سوراخ بنا ہُوا تھا۔ سوراخ کا دہانہ اتنا تھا کہ آدمی جھک کر اندر جاتا تھا۔ سفید فام لوگ اور دوسرے جنگلی اس کے اندر جھک کر داخل ہو گئے۔ ماریا بھی کچھ دیر کے بعد اندر چلی گئی۔ اسے یقین تھا کہ ان لوگوں نے جنگلی لڑکیوں کو اسی جگہ چھپایا ہُوا ہے۔ اندر تیل کا دیا جل رہا تھا اور اندر سے غار کی چھت اونچی ہو گئی تھی۔ ماریا نے دیکھا کہ ایک جانب شیر کی کھالوں کا ڈھیر پڑا ہے۔ دونوں سفید فام ایک طرف بیٹھ کر کچھ پینے لگے۔ پھر انہوں نے اپنی زبان میں باتیں شروع کر دیں۔ ان کی باتوں سے ماریا کو بڑی مایوسی ہوئی۔

معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے ایک بادبانی جہاز میں جنگلی لڑکیوں
کو آگے روانہ کر دیا ہے۔ یہ لوگ اب دوسرے بادبانی جہاز کا
انتظار کر رہے تھے۔ ماریا نے سوچا کہ اسے ان لوگوں کے
پیچھے لگا رہنا چاہئے کیونکہ آخر یہ بھی وہیں پہنچیں گے جہاں
وہ لوگ اور جنگلی لڑکیاں ہیں۔ دوپہر کے بعد ایک وحشی
بھاگتا ہوا اندر آیا اور بولا۔

"مالک! جہاز دریا میں آ گیا ہے۔"

یہ سن کر دونوں سفید فام جلدی سے اٹھے۔ شیروں کی
کھالیں اور سر وحشیوں کے کندھوں پر لادے اور تلواریں
کندھوں پر رکھ کر دریا کی طرف روانہ ہو گئے۔ ماریا بھی ساتھ
ساتھ چلی۔ جنگل میں سے نکل کر وہ دریا پر آئے تو ذرا فاصلے
پر ایک چھوٹا بادبانی جہاز کھڑا تھا۔ اس قسم کے جہازوں کی
دو منزلیں ہوتی تھیں اور اندر چھ سات چھوٹے چھوٹے
کمرے بنے ہوتے تھے۔ ایسے جہاز عام طور پر چھوٹا موٹا سامان
ادھر ادھر پہنچانے کے کام آتے تھے۔

آج کل اس قسم کے جہازوں کا کام سٹیمروں سے لیا جاتا
ہے۔ جہاز پر لال جھنڈا لہرا رہا تھا۔ ان سفید فاموں نے ہاتھ
ہلائے۔ جہاز پر سے ایک کشتی اتاری گئی۔ اس میں ایک
ملاح سوار تھا۔ کشتی دریا کے کنارے آ کر لگ گئی۔ دونوں

سفید فام اس میں سوار ہو گئے۔ ایک وحشی نے اپنے آقا سے
مزدوری مانگی تو دوسرے سفید فام نے تلوار کا ایک ہاتھ مار کر
اسے زمین پر گرا دیا۔ وہ بے چارا ایک پل میں تڑپ کر
مر گیا۔ دوسرے نے اپنے ساتھی کا انجام دیکھا تو سر پر پاؤں
رکھ کر بھاگ کھڑا ہوا!

ماریا جلدی سے کشتی کے ایک طرف سوار ہو گئی۔ کشتی
تیزی سے جہاز کی طرف چلنے لگی۔ جس نے وحشی کو بے گناہ
مار ڈالا تھا اس کی ایک آنکھ کانی تھی۔ ماریا نے دل ہی دل میں
اس کو کانا سفید کہہ کر یاد کرنا شروع کیا۔ وہ اس سفید کانے
کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس
سفید کانے سے وحشی مزدور کے قتل کا بدلہ ضرور لے گی۔
کشتی تھوڑی دیر بعد بادبانی جہاز کے ساتھ جا کر لگ گئی۔
دونوں سفید فام رسی کی سیڑھی کی مدد سے اوپر چڑھ گئے۔ ان
کے بعد کشتی کو اوپر اٹھا لیا گیا۔

ماریا کشتی کے اندر ہی بیٹھی رہی۔ وہ کشتی کے ساتھ ہی
اوپر جہاز پر پہنچ گئی۔ جہاز کا عرشہ یعنی اوپر کا ڈیک مختصر
تھا۔ کونے میں لکڑی کے پرانے دو چار صندوق پڑے تھے
ایک جگہ پرانے بانوں کے گٹھے رکھے تھے۔ اس جہاز پر سارے
سفید فام کام کرتے تھے۔ صرف دو تین کالے تھے جن کو جہاز

کی صفائی کے کام پر لگایا گیا تھا۔

ماریا کشتی سے اتر کر ڈیک یعنی عرشے پر آ گئی۔ کشتی کے
اوپر آتے ہی جہاز نے لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیئے تھے۔
بادبانوں میں ہوا کے بھرتے ہی اس نے دریا میں ایک طرف
چلنا شروع کر دیا۔ بارش ابھی تک اسی طرح ہو رہی تھی۔
ماریا عرشے پر ایک چھپر کے سائے میں کھڑی تھی۔ سب لوگ
نیچے تھے۔ صرف اوپر سامنے کی جانب ایک بوڑھا سفید فام
ایک بادبان کی رسی باندھ رہا تھا۔ رسی باندھ کر اس نے بادبان
کا رخ ایک خاص زاویے پر کر دیا اور ٹوپی اتار کر اسے
نچوڑتا ہوا نیچے اتر گیا۔ کچھ دیر تک تو ماریا وہاں کھڑی رہی
پھر وہ تھک گئی۔ سوچا کہ نیچے چلنا چاہئے۔ وہ کب تک یہاں
کھڑی رہے گی۔ نہ معلوم ابھی دریا میں کتنا سفر باقی ہے۔
آخر نیچے جانا پڑے گا۔ ماریا عرشے کی سیڑھی پر آ گئی۔ یہ سیڑھی
لکڑی کی تھی۔ نیچے بھی جا رہی تھی۔ چھ سات سیڑھیاں اتر کر
ہی دوسری منزل آ گئی۔ یہاں تنگ سا راستہ تھا جس کے
دونوں جانب چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔

اب حالت یہ تھی کہ اگر ماریا وہاں کھڑی ہوتی اور کوئی
ملاح وہاں سے گزرتا تو اس کا جسم ماریا کے جسم سے رگڑ کھاتا
کیونکہ راستہ تنگ تھا۔ ماریا کی سب سے اہم ضرورت اس وقت

ی کہ وہ کسی کوٹھڑی یعنی کیبن میں چلی جائے۔ اس نے
نی کوٹھڑیوں کے دروازوں میں سے جھانک کر دیکھا۔
ر ملاح بیٹھے اپنے اپنے کام میں لگے تھے۔ کوئی بھی کیبن
نہیں تھا۔ کونے والی آخری کوٹھڑی رہ گئی تھی۔ وہاں
ر ماریا نے دیکھا کہ وہاں آدمی تو کوئی نہیں ہے مگر آدھی
ٹھڑی آٹے کی بوریوں، خشک میووں اور شیر کی کھالوں سے
ری ہوئی ہے۔ ایک کونے میں جلانے والی لکڑیوں کا ڈھیر
ا تھا۔ ماریا کے لئے یہ جگہ بڑی محفوظ تھی۔

اس نے خشک میووں کی بوریوں کے اوپر ایک طرف اپنے
لے جگہ بنا لی۔ ایک بوری کا منہ ذرا سا کھلا تھا۔ ماریا نے اندر
ھ ڈال کر خشک خوبانیوں اور میووں سے بھر کر مٹھی باہر نکالی
ر مزے سے کھانی شروع کر دی۔ یہاں دیوار پر چھت کے
ساتھ لگا ایک چھوٹا سا سوراخ دیکھا جس پر لوہے کی سلاخیں
ڑھی تھیں۔ اس سوراخ میں سے تازہ ہوا بھی اندر آ رہی تھی
ور باہر کا نظارہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ ماریا نے چہرہ سلاخوں
ے ساتھ لگا کر باہر دیکھا۔

دریا کے کنارے کنارے جنگل پیچھے کو جا رہے تھے۔ جہاز
آرام سے آگے کی طرف چلا جا رہا تھا۔ آسمان پر بادل ہی
بادل تھے۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ دریا کا پانی لہریں

کی صفائی کے کام پر لگا یا گیا تھا۔

ماریا کشتی سے اتر کر ڈیک یعنی عرشے پر آگئی۔ کشتی کے
اوپر آتے ہی جہاز نے لنگر اٹھا کر بادبان کھول دیئے تھے۔
بادبانوں میں ہوا کے بھرتے ہی اس نے دریا میں ایک طرف
چلنا شروع کر دیا۔ بارش ابھی تک اسی طرح ہو رہی تھی۔
ماریا عرشے پر ایک چھپر کے سائے میں کھڑی تھی۔ سب لوگ
نیچے تھے۔ صرف اوپر سامنے کی جانب ایک بوڑھا سفید فام
ایک بادبان کی رسی باندھ رہا تھا۔ رسی باندھ کر اس نے بادبان
کا رخ ایک خاص زاویے پر کر دیا اور ٹوپی آتار کر اسے
نچوڑتا ہوا نیچے اتر گیا۔ کچھ دیر تک تو ماریا وہاں کھڑی رہی
پھر وہ تھک گئی۔ سوچا کہ نیچے چلنا چاہئے۔ وہ کب تک یہاں
کھڑی رہے گی۔ نہ معلوم ابھی دریا میں کتنا سفر باقی ہے۔ اسے
آخر نیچے جانا پڑے گا۔ ماریا عرشے کی سیڑھی پر آگئی۔ یہ سیڑھی
لکڑی کی تھی۔ نیچے بھی جا رہی تھی۔ چھ سات سیڑھیاں اتر کر
ہی دوسری منزل آگئی۔ یہاں تنگ سا راستہ تھا جس کے
دونوں جانب چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔

اب حالت یہ تھی کہ اگر ماریا وہاں کھڑی ہوتی اور کوئی
ملاح وہاں سے گزرتا تو اس کا جسم ماریا کے جسم سے رگڑ کھاتا
کیونکہ راستہ تنگ تھا۔ ماریا کی سب سے اہم ضرورت اسوقت

ی کہ وہ کسی کوٹھڑی یعنی کیبن میں چلی جائے۔ اس نے
ی کوٹھڑیوں کے دروازوں میں سے جھانک کر دیکھا۔
ر ملاح بیٹھے اپنے کام میں لگے تھے۔ کوئی بھی کیبن خ
نہیں تھا۔ کونے والی آخری کوٹھڑی رہ گئی تھی۔ وہاں
ر ماریا نے دیکھا کہ وہاں آدمی تو کوئی نہیں ہے مگر آدھی
ٹھڑی آٹے کی بوریوں، خشک میووں اور شیر کی کھالوں سے
ری ہوئی ہے۔ ایک کونے میں جلانے والی لکڑیوں کا ڈھیر
ا تھا۔ ماریا کے لئے یہ جگہ بڑی محفوظ تھی۔

اس نے خشک میووں کی بوریوں کے اوپر ایک طرف اپنے
لئے جگہ بنالی۔ ایک بوری کا منہ ذرا سا کھلا تھا۔ ماریا نے اندر
تھ ڈال کر خشک خوبانیوں اور میووں سے بھر کر مٹھی باہر نکالی
ر مزے سے کھانی شروع کر دی۔ یہاں دیوار پر چھت کے
ساتھ لگا ایک چھوٹا سا سوراخ دیکھا جس پر لوہے کی سلاخیں
لگی تھیں۔ اس سوراخ میں سے تازہ ہوا بھی اندر آرہی تھی
ر باہر کا نظارہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ ماریا نے چہرہ سلاخوں
کے ساتھ لگا کر باہر دیکھا۔

دریا کے کنارے کنارے جنگل پیچھے کو جا رہے تھے۔ جہاز
آرام سے آگے کی طرف چلا جا رہا تھا۔ آسمان پر بادل ہی
بادل تھے۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ دریا کا پانی لہریں

مار رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سیلاب آ رہا ہو۔ ماریا بوریوں پر لیٹ گئی اور اسے نیند نے آ لیا۔

وہ ساری رات سوئی رہی۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو سوراخ میں سے دن کی ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔ ماریا نے کچھ خشک کھجوروں سے ناشتہ کیا۔ اب اسے گرم گرم قہوے کی ضرورت محسوس ہوئی جو اسے وہاں نہیں مل سکتا تھا۔ وہ بوریوں سے اتر کر کوٹھڑی کے دروازے پر آ گئی۔ وہ نہا کر کپڑے بھی تبدیل کرنا چاہتی تھی۔

اس نے دیکھا کہ ملاح ایک طرف تولیے کندھوں پر رکھے جا رہے ہیں۔ سمجھ گئی کہ ادھر غسل خانہ ہو گا۔ وہ بھی اس طرف چلی۔ ماریا ایک طرف کھڑی ہو کر انتظار کرنے لگی کہ غسل خانہ خالی ہو تو وہ بھی اندر جائے۔ آخر خدا خدا کر کے غسل خانہ خالی ہوا تو وہ اندر جا کر نہانے لگی۔ نہا کر باہر نکلی تو پرانے کپڑے اس نے پہن رکھے تھے۔ کپڑے بدلنے کی ضرورت تھی وہ ایک خوبصورت سے کیبن میں آ گئی۔ یہ جہاز کے کپتان کا کیبن تھا۔ جو اس وقت وہاں نہیں تھا۔ ماریا نے اس کے بستر کی چادر اٹھا کر لپیٹی۔ پرانے کپڑے نچوڑ کر آگ پر سکھائے پھر جب وہ سوکھ گئے تو انہیں دوبارہ پہنا۔ بستر کی چادر اپنے ساتھ لی تاکہ بوریوں پر بستر بن جائے اور اسے اپنی

کوٹھڑی میں بوریوں کے اوپر رکھ کر گرم گرم قہوے کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ اسے معلوم تھا جہاز کا باورچی خانہ کدھر ہے۔

باورچی خانے میں آگ جل رہی تھی۔ آگ پر ایک بڑی پتیلی میں قہوہ ابل رہا تھا۔ ایک سفید فام موٹا باورچی قہوہ گلاسوں میں ڈال کر ساتھ باجرے کی خشک روٹی اور چھل ہر ایک کو دے رہا تھا۔ چند ایک ملاح تھے۔ یہ میزوں کے گرد بیٹھے ہوئے آرام سے ناشتہ کر رہے تھے۔

ماریا نے ایک خالی گلاس اٹھا لیا اور باورچی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ باورچی کو گلاس نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ تو ماریا کے ہاتھ میں آتے ہی غائب ہو گیا تھا۔ باورچی آرام سے بیٹھا اپنا ناشتہ کر رہا تھا جس پر ماریا نے آگے بڑھ کر وہ ڈونگا اٹھا لیا جس کے ساتھ باورچی قہوہ ڈالتا تھا۔ باورچی نے جو نظریں گھما کر دیکھا تو ڈونگا غائب تھا۔ اس دوران میں ماریا نے قہوہ اپنے گلاس میں ڈال لیا تھا۔ باورچی نے جب دوبارہ اچانک ڈونگے کو اپنی جگہ پر آتے دیکھا تو وہ اچھل پڑا۔

"یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟" وہ بول اٹھا۔

"کیا ہوا موٹے؟" ایک ملاح نے کہا۔

باورچی بولا۔

"یہ ڈونگا ابھی ابھی میری آنکھوں سے غائب ہوا تھا۔ ا
پھر اپنی جگہ پر آگیا ہے"۔

سارے ملاح ہنسنے لگے۔

"موٹا پاگل ہو گیا ہے۔ اسے دریا میں پھینک دو"۔

ایک ملاح نے دور سے ایک امرود پھینکا جو موٹے
باورچی کے گنجے سر سے ٹکرا کر دور جا پڑا۔

"ارے موٹے! یہ امرود کھالے۔ تیری نظر ٹھیک ہو
گی"۔

تیسرا ملاح بولا۔

"اس کی نظر نہیں۔ دماغ خراب ہے"۔

"تو پھر اسے جوتے مارو دوستو!"

اس پر سارے کے سارے ملاح قہقہہ لگا کر ہنس
مگر باورچی برابر ڈونگے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سچا تھا۔
نے واقعی قہوے کے ڈونگے کو غائب ہوتے اور پھر دو
ظاہر ہوتے دیکھا تھا اور بلاشبہ ایسا ہی ہوا تھا۔ اس نے
"دوستو! تم چاہے جو کہہ لو۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں
میری آنکھوں کے سامنے سے یہ ڈونگا غائب ہوا ہے
دوبارہ ظاہر ہوا ہے"۔

ایک ملاح نے اٹھ کر اپنا خالی گلاس ملاح کے آگے
رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے الو کے پٹھے! یہ دیکھ۔ میں اپنا خالی گلاس تیری
آنکھوں کے سامنے رکھتا ہوں۔ اس سے کہو کہ یہ غائب ہو
جائے۔ یہ کیوں غائب نہیں ہوتا؟"

ماریا یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی اور کونے میں ایک
طرف بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی۔ اب جو اس نے دیکھا کہ معاملہ
دلچسپ ہوتا جا رہا ہے اور غریب باورچی پر کوئی اعتبار
نہیں کر رہا۔ ہر ملاح اس کا مذاق اڑا رہا ہے تو وہ اپنی
جگہ سے اٹھی اور باورچی کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ وہی
ملاح اپنا خالی گلاس اس کے سامنے رکھے کہہ رہا تھا۔

"ارے الو کی دم! اب اس گلاس کو غائب کر کے دکھا"۔

سارے ملاح وہاں کھڑے موٹے گنجے باورچی کو مذاق
مذاق میں مجبور کر رہے تھے کہ وہ گلاس کو غائب کرے
ماریا نے بڑے آرام سے ہاتھ آگے بڑھایا اور گلاس اٹھا
لیا۔ سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کیونکہ گلاس ان
کے سامنے سے ایک دم سے غائب ہو گیا تھا۔ وہ ایکدم سے
کو حیرت سے تکنے لگے۔ باورچی اپنی جگہ سے اچھل کر بھوت
بھوت کہتا پرے ہو کر کھڑا ہو گیا۔ ماریا نے گلاس دوبارہ

اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس پر ملاح گھبرا کر باہر کو دوڑے۔

"بھوت! بھوت! یہاں بھوت ہے۔"

یہ خبر کپتان کو پہنچی تو وہ جلدی سے باورچی خانے میں آیا۔ اس نے اس گلاس کا معائنہ کیا جو غائب ہو گیا تھا۔ پھر مسکرا کر کہنے لگا۔

"مجھے تو اس میں غائب ہونے والی کوئی بات نظر نہیں آتی۔"

موٹے باورچی نے کہا۔

"جناب! یہ میری آنکھوں کے سامنے دوبار غائب ہوا ہے۔"

دوسرے ملاح بول پڑے۔

"ہاں جناب! ایک بار غائب ہوتے تو ہم نے بھی دیکھا ہے۔"

کپتان نے گلاس دوبارہ اپنی جگہ پر رکھ کر کہا

"تم سب لوگوں نے ضرور بھنگ پی رکھی ہے۔ چلو اپنا اپنا کام کرو۔ بھاگو!"

ملاح اپنی اپنی جگہوں پر جا کر کام میں لگ گئے۔

اس وقت ماریا ڈیک پر کونے میں ایک جگہ کھڑی دریا کا منظر دیکھ رہی تھی۔ شام ہونے والی تھی۔ آسمان پر اسی طرح بادل چھائے ہوئے تھے۔ رات کے کھانے پر ماریا کپتان

کیبن کے پاس سے گزری تو اسے اندر باتوں کی آواز آئی۔ وہ راستے میں کھڑی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ دروازہ کھلا ہے۔ وہ اندر چلی گئی اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ کپتان کے ساتھ وہی دونوں سفید فام جن میں سے ایک کانا تھا، بیٹھے تھے۔ کپتان کہہ رہا تھا۔

"اگر موسم ٹھیک رہا اور ہوا اسی طرح چلتی رہی تو ہم ٹھیک وقت پر منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

سفید کانا بولا۔

"ابھی کتنے دنوں کا سفر باقی ہے؟"

کپتان مسکرایا۔

"ابھی پورے سات دن لگیں گے۔ ابھی تو ہم دریا میں ہیں پھر پانچ دن کا سمندر کا سفر باقی ہے۔"

یہ سن کر ماریا تو پریشان ہو گئی۔ یہ کم بخت تو سمندر کا سفر بھی کرنے والے تھے۔ خدا جانے کس ملک کو جا رہے تھے۔ عنبر اور ناگ کو وہ کہاں تلاش کرے گی۔ اس کا تو خیال تھا کہ یہ لوگ دریا میں سفر کرتے اسی ملک کے اندر کسی شہر میں جائیں گے جہاں وہ عنبر اور ناگ کو بھی تلاش کرے گی۔ اب نقشہ ہی بدل گیا تھا۔

کانے کے ساتھی نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ خدا کرے کہ موسم ٹھیک رہے۔"
پھر کانے نے کپتان سے پوچھا۔
"تم نے لڑکیاں جن لوگوں کے حوالے کیں وہ اعتبار کے آدمی تھے نا؟"
کپتان بولا۔
"کیوں نہیں جناب! ہم جس کام کی اجرت لیتے ہیں اس کی تکمیل پوری دیانتداری سے کرتے ہیں۔ آپ نے ہمیں چلد لڑکیاں دی تھیں۔ میں نے چاروں کی چاروں لڑکیاں اپنے آدمیوں کے حوالے کر کے تاکید کر دی تھی کہ وہ آپ کے آدمیوں تک پہنچا دیں۔ وہ لوگ الیور پہنچنے ہی والے ہوں گے۔"

ماریا کو یاد آگیا کہ الیور نام کا جزیرہ بحر الکاہل میں تھا۔ تو کیا یہ لوگ الیور جا رہے ہیں؟ ماریا خاموشی کے ساتھ وہاں سے نکلی اور سیدھی اپنی کوٹھڑی میں آ کر بوریوں پر لیٹ گئی۔ اب اس کے سامنے ایک لمبا سمندری سفر تھا۔ شاید آدھی رات کو جہاز سمندر میں داخل ہونے والا تھا!
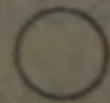
مقدس روح

جہاز آدھی رات کو سمندر میں داخل ہو گیا۔
ماریا اس وقت سو رہی تھی۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو دیوار کے سوراخ میں سے کیا دیکھتی ہے کہ جہاز سمندر میں چلا جا رہا ہے۔ ایک پل کے لیئے اس نے سوچا کہ یہ چھوٹا سا جہاز کیا اتنے بڑے سمندر میں سفر کر سکے گا؟ پھر اسے خیال آیا کہ یہ لوگ ناجائز طور پہ یہ کاروبار کرتے ہیں اور انہیں اس سمندر میں سفر کا کافی تجربہ ہے۔ یہ لوگ جزیرہ الیور پہنچ جائیں گے۔ ویسے بھی سمندر پرسکون تھا۔ کسی طوفان کے آثار نہیں تھے۔ ابھی سمندر میں پانچ دن تک سفر کرنا تھا۔ اگر جہاز بڑا ہوتا تو اس کی رفتار بھی تیز ہوتی اور شاید دو روز میں ہی یہ سفر ختم ہو جاتا مگر یہ جہاز چھوٹا تھا۔
چار روز تک جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔ پانچویں روز کالا سفید فام کسی کام سے اس کوٹھڑی میں آگیا جہاں ماریا نے پناہ لے رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ٹوکری تھی۔ شاید وہ خشک

میوے لینے آیا تھا۔ اتفاق سے ماریا اس وقت بوریوں سے
نیچے اتری ہوئی تھی اور باہر نکلنے والی تھی۔ کانے سفید نے
اوپر جاکر بوری کو کھلا دیکھا تو حیران ہوا کہ یہ خشک میوے
یہاں سے کون چوری کر رہا ہے۔ اس نے باہر جاکر
کپتان کو اطلاع دی۔

"جناب: آپ کے سٹور سے ملاح خشک میوے چراتے
ہیں!"

کپتان نے ہنس کر کہا۔

"تو کیا وہاں سے سونا چوری کریں گے۔ ٹھیک ہے
ہمارے ملاحوں کو خشک میووں کا بہت شوق ہے۔"

کانا سفید بڑبڑاتا ہوا واپس آگیا۔ کوٹھڑی میں آکر
اس نے بوری کو رسی کے ساتھ اچھی طرح سی دیا اور
چلا گیا۔ ماریا کو یہ شخص زہر لگتا تھا۔ ویسے بھی یہ بڑا
ظالم تھا اور اس نے ایک جنگلی کو اس کی آنکھوں کے سامنے
ہلاک کیا تھا۔ ماریا اس جنگلی کے خون کا اس سفید فام کانے
سے بدلہ لینا چاہتی تھی۔

وہ ناشتے کے لئے باورچی خانے میں آگئی۔ یہاں کچھ
ملاح بیٹھے کھاپی رہے تھے۔ گنجا باورچی اپنی جگہ پر مزے
سے بیٹھا تھا اور ہنس ہنس کر ملاحوں سے باتیں کر رہا تھا

وہ انہیں قہوہ پیالوں اور ڈونگوں میں ڈال ڈال کر دے
رہا تھا۔ ماریا بھی اس کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی۔ وہ کسی
خالی ڈونگے کی تلاش میں تھی کہ اس نے دیکھا کہ وہی کانا
سفید فام ناشتہ کے لئے آرہا ہے۔ ایک میز پر بیٹھ کر اس
نے کہا۔

"میرے لئے ابلی ہوئی مرغی، انڈے اور قہوہ لاؤ۔"

باورچی بے چارہ اس بدخصلت انسان سے بہت ڈرتا تھا
کیونکہ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ دو منٹ
میں معمولی سی بات پر بھی انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس
نے کہا۔

"جو حکم جناب!"

پھر ایک نوکر نے پلیٹ میں ابلی ہوئی مرغی کی ٹانگ،
دو ابلے ہوئے انڈے اور قہوے کا ڈونگا رکھا اور کانے کے
آگے جاکر لگا دیا۔ کانے کی کانی آنکھ پھڑکی۔ مرغی کی
ٹانگ اور انڈے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا تھا۔ ماریا کو
شرارت سوجھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور کانے کے پاس
آکر کھڑی ہوگئی۔

پھر اس نے بڑے آرام سے ہاتھ بڑھا کر کانے کی
پلیٹ میں سے انڈہ اور مرغی کی ٹانگ اٹھالی۔ کانا سفید فام

سکتے میں آگیا۔ اس کی پلیٹ میں سے مرغی اور انڈہ اس کی ایک آنکھ کے دیکھتے دیکھتے غائب ہو گیا تھا۔ وہ اٹھ بیٹھا اور غصے میں بولا۔

"یہ کیا ماجرا ہے؟"

باورچی نے دور سے پوچھا۔

"کیا بات ہے جناب!"

اور جب کانے نے بتایا کہ اس کی پلیٹ میں سے مرغی اور ایک انڈہ غائب ہو گیا ہے تو سب لوگ دہشت زدہ سے ہو کر رہ گئے۔ انہیں اس روز والا بھوت یاد آ گیا۔ گنجا باورچی بے چارہ تو تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے کہا۔

"حضور! جہاز پر کسی آسیب نے حملہ کر دیا ہے۔ پہلے بھی ایک ڈونگا غائب ہو گیا تھا اور پھر واپس آ گیا تھا۔"

کانے نے غرا کر کہا۔

"بکواس بند کرو حرامی گنجے! یہ سب تمہاری شرارت ہے۔ تم نے جادو کے زور سے میری مرغی اور انڈہ غائب کیا ہے۔ میں ابھی تمہیں اس کا مزہ چکھاتا ہوں۔"

اور کانا کمر سے خنجر نکال کر باورچی کی طرف بڑھا۔ ماریا یہ کس طرح گوارا کر سکتی تھی کہ بے گناہ باورچی کو سزا ملے

اس نے آگے بڑھ کر کانے سفید فام کے آگے ٹانگ رکھ دی۔ وہ الجھ کر منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔ سب ملاح ہنسنے لگے۔ کانا پریشان ہو گیا۔ غصے میں چلایا۔

"میں تم لوگوں کو سمجھ لوں گا۔ تم سب حرامی پلّے ہو۔ تم کو اس گستاخی کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔"

اور کانے نے ایک ملاح کے سینے میں خنجر گھونپ دیا وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ وہاں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ اتنے میں کپتان بھی وہاں آگیا۔ کپتان کانے کو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ کیونکہ اس نے ہزاروں روپے دے کر جہاز کو کرائے پر لے رکھا تھا۔ وہ کانے کو ساتھ لے کر اوپر چلا گیا۔ ماریا نے دیکھا کہ زخمی ملاح دم توڑ چکا تھا۔ گویا کانے سفید فام نے ایک اور انسان کو ہلاک کر دیا تھا۔ ماریا نے فیصلہ کیا کہ اس سفید فام کانے کو اب وہ زندہ نہیں چھوڑے گی۔

کانا سفید فام اب موت سے نہیں بچ سکتا تھا۔

پانچویں روز دور سے جزیرہ نظر آنے لگا۔ ملاحوں اور سفید آدمیوں نے بڑی خوشی منائی۔ جہاز آہستہ آہستہ ہوا کے دوش پر چلتا ہوا جزیرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ جزیرہ کافی وسیع تھا۔ مگر بے آباد تھا۔ صرف چند ایک وحشی

قبیلے آباد تھے۔ سفید فام بردہ فروشوں نے اس جزیرے کو
اپنا اڈہ بنا رکھا تھا۔ وہ مختلف علاقوں سے لڑکیوں کو اغوا
کر کے یہاں لا کر رکھتے تھے اور پھر وہاں سے دوسرے
ملکوں میں لے جا کر فروخت کر دیتے تھے۔ دوپہر کے بعد
جہاز جزیرے کے کنارے پر جا لگا۔

ملاح چھلانگیں لگا کر اتر گئے۔ دونوں سفید فام اور
جہاز کا کپتان جزیرے میں ایک پتلی سی پگڈنڈی پر ہو
لئے جو اندر جنگل کی طرف چلی گئی تھی۔ ماریا بھی انکے
ساتھ ساتھ تھی۔ وہ تھوڑا سا پیچھے رہ کر ان کا تعاقب کر
رہی تھی۔ تینوں جنگل میں کافی دور تک چلنے کے بعد ایک
کافی بڑی جھونپڑی کے باہر جا کر رک گئے۔ یہ جھونپڑی
کیلے کی چھت کی تھی اور اس کا دروازہ بانس کا تھا۔ کانے
نے سیٹی بجائی۔ اندر سے ایک کالا حبشی باہر نکلا۔ اس
نے دونوں سفید فاموں کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا۔ سر
جھکایا اور کہا۔

"جناب! اندر تشریف لائیں۔"

دونوں سفید لوگوں نے کپتان کو رخصت کرتے ہوئے کہا
"کپتان! اب تم جا سکتے ہو۔ تمہاری رقم آج شام کو تمہیں
مل جائے گی۔ تمہارا واپس جانے کا کب ارادہ ہے؟"

کپتان نے کہا۔

"جس روز آپ چلنے کو کہیں گے چل پڑوں گا۔"

کانا بولا۔

"میرا خیال ہے ہم دو روز بعد یہاں سے لڑکیوں کو لے کر
جدہ کی طرف کوچ کر جائیں گے۔ تم پرسوں شام تک جہاز
میں خوراک پانی کا ذخیرہ بھر رکھو۔"

"ٹھیک ہے۔"

کپتان سلام کر کے چلا گیا۔ کانے نے اسے کچھ سونے
کی اشرفیاں دے دی تھیں۔ اب دونوں سفید فام جھونپڑے
میں چلے گئے۔ ماریا بھی ان کے پیچھے پیچھے گئی۔ اندر جا کر
دیکھا کہ جھونپڑا کافی بڑا ہے۔ پہلو میں بانس کا ایک اور
دروازہ ہے۔ ظاہر ہے ادھر بھی کوئی کمرہ بنا ہو گا۔ ماریا نے
سوچا کہ لڑکیاں ضرور اسی طرف ہوں گی۔ وہ ایک طرف
کھڑی ہو کر ان کی باتیں سننے لگی۔ اندر دو سفید فام اور
بیٹھے پھل کھا رہے تھے۔ کانا ان میں سب سے آگے
تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہی ان کا سردار ہے۔

کانے نے کہا۔

"کل چار لڑکیاں ہی ہم اغوا کر سکے ہیں۔ یہ بڑی شرم
کی بات ہے۔"

"باس! کیا کریں۔ ہم نے جس قبیلے پر بھی حملہ کیا وہاں
بوڑھی عورتیں تھیں یا بچے تھے۔ جوان لڑکی کہیں بھی نہیں
تھی!"

"تم ان بچوں کو ہی اغوا کر لاتے۔ ہم انہیں بصرے
کی منڈی میں غلام بنا کر بیچ دیتے۔"

"باس! تم نے تو کہا تھا کہ صرف جوان لڑکیاں ہی اغوا
کی جائیں۔"

"الو کے پٹھے! کچھ اپنی عقل سے بھی کام لیا کرو۔ جب
کچھ نہ ملے تو پھر جو کچھ ملے اسے اٹھا لینا چاہیے۔"

"اچھا باس! مگر اب کیا ارادہ ہے؟"

کانے نے سر کھجا کر کہا۔

"پرسوں رات کو میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے نکل جانا
چاہیے۔ ابھی بصرے پہنچتے پہنچتے بھی چھ روز لگیں گے۔
ان عرصے میں ملاحوں کا خرچہ برداشت کرنا ہوگا۔ بہتر ہے
کہ ہم جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل چلیں۔ دو روز ملاح
یہاں ضرور ٹھہریں گے۔ ویسے تو کپتان کہہ رہا تھا کہ میں
کل ہی روانہ ہو جاتا ہوں مگر مجھے معلوم ہے اس کے ملاح
دو روز سے پہلے جہاز میں سوار نہیں ہوں گے۔ وہ جزیرے
میں آرام کریں گے اور چل پھر کر ٹانگوں کی تھکان کو

دور کریں گے۔"

"ٹھیک ہے باس! پرسوں رات کو ہی سہی۔ اگر ہم لوگ
پرسوں رات کو بھی یہاں سے چل پڑیں تو اگلے ہفتے میں
بصرے پہنچ جائیں گے۔ ابھی برساتیں شروع ہونے میں
دو ہفتے باقی ہیں۔"

کانا بولا۔

"مگر پہلے تو بڑی بارش تھی۔"

"ہاں باس! کبھی کبھی برسات پہلے شروع ہو جاتی
ہے لیکن یہاں ابھی شروع نہیں ہوئی۔ دو ہفتوں کے
بعد بارشوں کا موسم ضرور شروع ہو جائے گا۔"

"اسی لئے تو میں چاہتا ہوں کہ یہاں سے برساتیں
شروع ہونے سے پہلے نکل چلا جائے۔"

"ہم ضرور پرسوں رات کو یہاں سے کوچ کر جائیں
گے باس! میں کپتان کو جا کر ابھی خبر دیتا ہوں۔"

ماریا ان کو اسی طرح باتیں کرتا چھوڑ کر بانس کا دروازہ ذرا
سا کھسکا کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا
کمرہ تھا جس کے فرش پر صرف چٹائی بچھی تھی۔ اس چٹائی پر
کونے میں سمٹی ہوئی چار سانولی رنگت والی جنگلی
لڑکیاں سہمی ہوئی بیٹھی تھیں۔ ماریا کے اندر داخل ہونے

سے دروازہ ذرا سا کھلا تو کانے کی نظر پڑ گئی۔ اتفاق سے وہ دروازے کو ہی تک کر بات کر رہا تھا۔ اس نے جو دروازے کو کھلتے اور پھر بند ہوتے دیکھا تو چونک کر بولا۔

"یہ اندر کون گیا ہے؟"

"کیا مطلب؟ یہاں تو ہمارے سوا کوئی نہیں ہے پھر اندر کون جا سکتا ہے؟"

کانے کو باورچی خانے والا واقعہ یاد آ گیا۔ باورچی نے کہا تھا اس جہاز پر کوئی بھوت بھی ہمارے ساتھ سفر کر رہا ہے۔ پھر اس کی پلیٹ سے مرغی غائب ہو گئی تھی تو کیا بھوت سفر کرتے کرتے یہاں بھی آ گیا ہے؟ کانا سفید فام بولا۔

"دیکھو! کوئی شخص اندر تو نہیں ہے؟"

اسی وقت باقی تینوں سفید فام لپک کر دروازے کی طرف گئے۔ انہوں نے دروازہ کھولا اور جلدی سے اندر داخل ہو کر ادھر ادھر تکنے لگے جیسے کسی کی تلاش میں ہوں۔ ان کو آتا دیکھ کر جنگلی لڑکیاں سہم کر اور زیادہ سمٹ گئیں۔ سفید آدمیوں نے کمرے میں چاروں طرف غور سے دیکھا۔ پھر باہر آ کر دروازہ بند کیا اور کانے کے پاس جا کر کہا۔

"جناب! اندر تو سوائے چار لڑکیوں کے اور کوئی بھی نہیں ہے۔"

"کیا تم ٹھیک کہتے ہو؟"

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

"لیکن دروازہ میں نے خود اپنے آپ کھلتے اور بند ہوتے دیکھا ہے۔"

"ہو سکتا ہے ہوا نے کھول دیا ہو۔"

"یہاں اتنی تیز ہوا کہاں سے آ جائے گی۔ بہرحال تم ذرا خبردار رہنا۔"

"ضرور باس!"

ماریا دوسرے کمرے میں جنگلی لڑکیوں کے قریب کھڑی تھی۔ بے چاری لڑکیاں خوف سے پریشان تھیں اور اپنے گھر بار اور ماں باپ کی یاد میں آنسو بہا رہی تھیں۔ ماریا انہیں تسلی دینا چاہتی تھی کہ مت گھبراؤ۔ میں آ گئی ہوں۔ اب میں تم لوگوں کو تمہارے گھروں میں واپس پہنچا کر ہی دم لوں گی۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے ڈر تھا کہ یہ لڑکیاں گھبرا کر چلانا یا بھوت بھوت کا شور نہ مچانا شروع کر دیں اور بنا بنایا کام خراب ہو جائے۔ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ماریا باہر آ گئی۔ اسوقت

کمرے میں صرف کانا سفید فام تھا۔ باقی تینوں سفید فام جا چکے تھے۔

ماریا کا اب پروگرام یہ تھا کہ جہاز میں ان چاروں لڑکیوں کو سوار کروا کر جہاز کو اغوا کیا جائے اور واپس ہندوستان کے جنوبی ساحل پر لے جا کر ان لڑکیوں کو ان کے گھروں میں پہنچایا جائے۔ یہ بڑا مشکل کام تھا۔ اوّل تو ان لڑکیوں کو یہاں سے کس طرح اٹھا کر جہاز پر لادا جائے پھر جہاز کو اغوا کرنا بھی جان جوکھم کا کام تھا۔ مگر ماریا فیصلہ کر چکی تھی اور اسے یقین تھا کہ وہ یہ کام ضرور کر گزرے گی۔

ماریا جھونپڑے سے نکل کر باہر جزیرے کے جنگل میں آ گئی۔

وہ سیر بھی کر رہی تھی اور سوچ بھی رہی تھی کہ کونسی ترکیب پر عمل کیا جائے۔ آخر اس کو یہی ترکیب مناسب نظر آئی کہ جب پرسوں سفید فام ان لڑکیوں کو جہاز پر سوار کرا دیں تو جہاز کو اغوا کر لیا جائے۔ یہ بھی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن ماریا کے لئے ان بے وقوف جنگلی لڑکیوں کو جھونپڑے سے نکال کر جہاز تک لے جانا بڑا مشکل مرحلہ نظر آتا تھا۔ اگر وہ اپنے آپ کو ان پر ظاہر

کر دے تو ہو سکتا تھا کہ وہ گھبرا جائیں اور شور مچا دیں یا پھر رونے اور چیخنے چلانے لگیں۔

بہر حال ماریا یہ خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔

اس نے پرسوں کا انتظار شروع کر دیا۔ جزیرے پر ملاح سیر و شکار میں مصروف تھے۔ دو روز تک ماریا نے بھی جزیرے کی خوب سیر کی۔ ملاحوں نے لکڑی کے بڑے بڑے ڈرموں میں میٹھا پانی بھر کر جہاز پر رکھ دیا تھا۔ انہوں نے پھل بھی کافی جمع کر لئے تھے۔ وہ رات آ گئی جس رات جہاز کو جزیرے سے کوچ کر جانا تھا۔

ماریا کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں سفید فام آدمی لڑکیوں کو آدھی رات کے وقت جہاز پر سوار نہ کرا دیں کیونکہ پھر اسے جہاز اغوا کرنے کا وقت نہیں مل سکتا تھا۔ اس کی دعا قبول ہوئی اور جنگلی لڑکیاں شام کے وقت ہی جہاز پر سوار کرا دی گئیں۔ انہیں رسیوں سے ایک دوسری کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔ وہ رو رہی تھیں۔ سفید فام اور ایک حبشی انہیں گھسیٹتے ہوئے جہاز پر لے گئے اور ان کو ایک کوٹھڑی میں بند کر کے باہر موٹا سا تالا لگا دیا۔

ماریا یہی چاہتی تھی۔ ایک طرح سے ان سفید آدمیوں نے ماریا کا آدھا کام کر دیا تھا۔ اب صرف جہاز کو اغوا کرنے

کا کام باقی رہ گیا تھا۔ اس پر ماریا کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔ سب سے بڑی مشکل بات یہ تھی کہ یہ جہاز بادبانی تھا۔ یعنی ہوا کی وجہ سے چلتا تھا اس لیے ایک دم سٹارٹ ہو کر جزیرے سے دور نہیں ہو سکتا تھا بلکہ پہلے اس کے بادبانوں میں ہوا بھرتی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ کنارے سے دور ہونا شروع ہو جاتا۔ اس لیے ملاح جہاز کو اغوا ہوتا دیکھ کر بڑی آسانی سے تیر کر اس پر سوار ہو سکتے تھے۔ پھر وہ کیا کرے؟

کیا جزیرے پر ہی تمام ملاحوں کو ہلاک کر دے؟ ماریا خواہ مخواہ کسی کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتی تھی۔ جہاز آدھی رات کو روانہ ہونے والا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ جب یہ ملاح جہاز کے بادبان کس لیں تو ماریا کسی طرح سے جہاز پر قبضہ کرے اور جہاز کو لے کر چلی جائے۔ سوال یہ تھا کہ قبضہ کیسے کرے۔ جب ملاح بادبان کھولیں گے تو ظاہر ہے سارے ملاح اور سفید فام تلواریں وغیرہ لے کر جہاز پر سوار ہو چکے ہوں گے۔ وقت کم تھا اور مقابلہ سخت۔

سوچتے سوچتے ماریا کا دماغ تھک گیا۔ آخر اس نے سر کو جھٹک کر اپنے آپ سے کہا۔

"جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں نے اتنے اتنے مشکل کام کئے ہیں۔ یہ چھوٹا سا جزیرہ میرے آگے کیا حیثیت رکھتا ہے۔"

اس خیال نے ماریا کو نئی طاقت دی اور اس کا دماغ تیزی سے چلنا شروع ہو گیا۔ چاروں لڑکیاں جہاز کے ایک کیبن میں سوار ہو چکی تھیں۔ ماریا نے جہاز پر جا کر جائزہ لیا۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔ سورج مغرب میں غروب ہو رہا تھا۔ اس کی لالی سمندر کی لہروں کو سرخ کر رہی تھی۔ کچھ ملاح ادھر ادھر کام میں لگے تھے۔ تینوں سفید فام کنارے پر آگ جلائے بیٹھے تھے اور شکار کا گوشت بھون رہے تھے۔ آخر رات ہو گئی۔ جہاز پر ہر شے لادی جا چکی تھی۔ جب رات گہری ہوئی تو سفید فام کانے نے حکم دیا کہ جہاز کے بادبان کھول دیئے جائیں۔ دو ملاح ستونوں پر چڑھ گئے اور انہوں نے بادبان کھول دیئے۔ بادبانوں میں ہوا بھر گئی۔

ہوا خوب چل رہی تھی۔ ماریا عرشے پر کھڑی تھی۔ جہاز کا لنگر اٹھانے کے لئے دو ملاح کنارے پر گئے۔ ان کو لنگر اٹھا کر سمندر میں چھلانگ لگانی اور پھر تیر کر جہاز کی سیڑھی کے ذریعے جہاز پر سوار ہونا تھا۔ ماریا

کے لئے اب وقت بہت کم تھا۔ جہاز نے لنگر اٹھتے ہی
جزیرے سے ہٹنا شروع کر دیا۔

اس وقت سفید آدمی عرشے کے جنگلے کے ساتھ لگ
کر کھڑے تھے اور لنگر اٹھا کر سمندر میں چھلانگیں
لگانے والے ملاحوں کو دیکھ رہے تھے۔ جہاز کے اوپر
مشعلیں جل رہی تھیں۔ ان کی روشنی میں دونوں ملاح
سمندر میں تیرتے چلے آ رہے تھے۔ جہاز کی رفتار بہت
کم تھی۔ ماریا نے سوچا کہ اگر اس وقت سفید آدمیوں
کو سمندر میں گرایا گیا تو وہ تیر کر بھی واپس آ سکیں
گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ جہاز کی رفتار تیز ہو لے اور
جہاز کھلے سمندر میں چلا جائے۔

ملاح جہاز کے اوپر آ گئے تھے۔ اب جہاز جزیرے
سے دور ہٹ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد جزیرہ کافی دور رہ گیا
اور جہاز کھلے سمندر میں آ گیا۔ رات کے اندھیرے میں
سمندر کی لہریں بڑی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔
سفید فام اب اپنے اپنے کیبنوں میں جا کر بیٹھ گئے تھے
ماریا سوچتی رہی۔ اب وہ صبح کے وقت ہی حملہ کر سکتی
تھی!

رات کو وہ اپنی کوٹھڑی میں آ کر بوریوں پر لیٹ گئی۔

یہ جہاز اب بحیرہ عرب کی طرف جا رہا تھا۔ رات گزر گئی
دن نکلا تو ماریا نے باورچی خانے میں جا کر اپنے دستور
کے مطابق ناشتہ کیا اور عرشے پر آ کر حالات کا جائزہ
لینے لگی۔ کیا دیکھتی ہے کہ دونوں سفید فام جنگلے پر جھکے
سمندر میں تیرتی مچھلیوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے
ہیں۔ ماریا کے لئے یہ بڑا نادر موقع تھا۔ وہ قدم قدم
چلتی ان کے پیچھے آ کر رک گئی۔

اب زیادہ انتظار کرنا خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس کے
بعد ہو سکتا تھا کہ اسے ایسا سنہری موقع نہ ملے۔ ماریا نے
ایک زبردست دھکے کے ساتھ دونوں سفید آدمیوں
کو سمندر میں گرا دیا۔ ان دونوں کی ایک چیخ بلند
ہوئی اور وہ سمندر کی لہروں میں غوطے کھانے لگے۔
ان کی چیخ ایک ملاح نے سن لی تھی۔ اس نے شور مچا دیا
اسی وقت جہاز کے بادبان اتار دیئے گئے اور ملاح کشتی
اتارنے لگے تاکہ دونوں آدمیوں کو بچایا جا سکے۔

ماریا نے حملہ شروع کر دیا تھا۔ جو ملاح کشتی اتار رہے
تھے ماریا نے ان کو بھی سمندر میں دھکا دے دیا۔ اب
وہاں شور مچ گیا کہ دو ملاح بھی سمندر میں گر گئے ہیں
اس پر دوسرے ملاح اور کپتان بھی پریشان ہو گیا۔ وہ

جنگلے پر جھک کر ملاحوں کو لہروں پر ہاتھ پاؤں مارتے دیکھنے لگا۔

اس نے چیخ کر کہا۔

"کشتی گراؤ۔ کشتی گراؤ۔"

سفید فام سمندر میں ڈوب رہے تھے کیونکہ انہیں اتنا زیادہ تیرنا نہیں آتا تھا۔ کشتی سمندر میں اتاری جانے لگی تو ماریا نے دو اور ملاحوں کو سمندر میں دھکیل دیا اس کے بعد اس نے پیچھے سے آکر کپتان کو بھی سمندر میں دھکا دے دیا۔ اب صرف تین ملاح باقی رہ گئے تھے۔ جو ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ ماریا نے دیکھا کہ سمندر میں کپتان اور دوسرے ملاح ہاتھ اٹھا اٹھا کر شور مچا رہے ہیں اور بار بار کہہ رہے ہیں۔

"کشتی پھینکو۔ کشتی گراؤ سمندر میں۔"

ماریا اس انتظار میں تھی کہ باقی تین ملاحوں سے بھی چھٹکارا حاصل کرے۔ ان میں سے ایک ملاح بوڑھا تھا اور یہ بڑا تجربہ کار تھا۔ ماریا نے اس کی جان بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اس کی مدد سے باقی سفر طے کرنا چاہتی تھی۔ موقع دیکھ کر ماریا نے باقی دو ملاحوں کو بھی سمندر میں دھکا دے ڈالا۔ اتنے میں موٹا گنجا باورچی نیچے سے

بھاگ کر اوپر آگیا۔ اس نے جب سنا کہ کوئی عجیب طاقت باری باری سب کو سمندر میں گرا رہی ہے تو وہ چیخ کر کہنے لگا۔

"میں نے کہا تھا کہ اس جہاز پر کوئی بھوت سوار ہے۔ سب نیچے آجاؤ۔ مرنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر اپنی جانیں بچاؤ۔"

اب باقی صرف بوڑھا ملاح، گنجا باورچی اور کانا سفید آدمی رہ گئے تھے۔ کانا سفید آدمی خوف کی وجہ سے نیچے بھاگ گیا تھا۔ ماریا نے ایک طرح سے جہاز پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے جہاز کے بادبان کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔ کیونکہ جہاز سمندر میں کھڑا ہو چکا تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ کپتان اور دوسرے ملاح تیر کر ایک بار پھر جہاز کی طرف آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سفید آدمیوں کو تو سمندر کی موجیں نگل چکی تھیں۔

باورچی اور دوسرے بوڑھے ملاح نے جب جہاز کے بادبانوں کو اپنے آپ کھلتے دیکھا تو وہ خوف سے زرد ہو گئے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ جہاز کے بادبان کھل گئے اور ہوا نے جہاز کو سمندر میں دھکیلنا شروع کر دیا۔ جہاز اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

باورچی کانپ رہا تھا۔ اس کا موٹا پیٹ کانپ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر آسمان کی طرف دیکھا اور گڑگڑا کر کہا۔

"اے خدا! میری جان بچا لے۔ پیچھے گھر میں میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ مجھ پر رحم کر۔"

بوڑھا ملاح بڑبڑانے لگا۔ وہ بادبانوں کو دیکھ رہا تھا۔

"اس جہاز پر کسی روح نے قبضہ کر لیا ہے۔ خدا ہم پر رحم کرے۔"

باورچی بولا۔

"روح ہم پر مہربان ہے۔ اس نے ہمیں کچھ نہیں کہا۔ وہ ہمیں بھی ہلاک کر سکتی تھی۔ اس کی کیا وجہ ہے بابا؟"

بوڑھا ملاح مسکرایا۔

"ہمیں اس کے لئے روح کا شکریہ ادا کرنا چاہئے یقیناً وہ ہم پر مہربان ہے۔ شاید وہ ہم سے کوئی کام لینا چاہتی ہے۔ مگر وہ کام کیا ہے؟ ہمیں نہیں معلوم۔"

ماریا بوڑھے ملاح کی گفتگو سن رہی تھی۔ ان باقی بچے ہوئے لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے کا یہی وقت تھا۔ پس ماریا نے قریب آ کر کہا۔

"بابا! میں ایک نیک دل روح ہوں۔ ظالم اپنے انجام کو پہنچے۔ ان لوگوں کے گناہوں کی فہرست بڑی لمبی تھی۔"

ماریا کی آواز سن کر باورچی تو سجدے میں گر پڑا اور لرزتے ہوئے بولا۔

"اے مقدس روح! مجھے کچھ نہ کہنا۔ میں تمہارا غلام ہوں۔ میں تم پر اعتقاد رکھتا ہوں۔"

ماریا نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی۔ جن لوگوں نے انسانوں پر ظلم کئے تھے ان سے میں نے بدلہ لے لیا ہے۔ تم بے ضرر ہو۔ اٹھو اور میری باتیں تم دونوں غور سے سنو۔"

باورچی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ملاح بھی ہمہ تن گوش تھا۔

ملاح نے کہا۔

"اے مقدس روح! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم ہم سے کیا کام لینا چاہتی ہو؟"
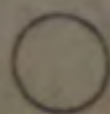
نئی مصیبت

ماریا نے کہا۔

"میں اس وقت سے اس جہاز میں سوار ہوں جب سے یہ بدمعاش سفید فام بے گناہ جنگلی لڑکیوں کو ان کے گھروں سے اغوا کر لائے ہیں۔ میں نے ان لڑکیوں کو بچانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اب میں چاہتی ہوں کہ جہاز کا رخ ہندوستان کے ساحل کی طرف موڑ دیا جائے تاکہ ان لڑکیوں کو ان کے ماں باپ کے پاس پہنچایا جا سکے۔"

بوڑھے ملاح نے کہا۔

"اے مقدس روح! میں ہر حکم کے لئے تیار ہوں۔ ایسا ہی ہوگا۔ میں ابھی جہاز کا رخ ہندوستان کی طرف موڑ دیتا ہوں۔"

اور اس نے بادبانوں کی رسیاں کچھ اس طرح کھینچیں کہ جہاز نے نصف چکر کھایا اور مشرق کی طرف روانہ ہو

گیا۔

موٹے باورچی کی طرف دیکھ کر ماریا نے کہا۔

"تم ایک نیک دل شخص ہو۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ اچھے اچھے کھانے پکا کر جنگلی لڑکیوں کو کھلاؤ۔ اور ابھی جاکر ان لڑکیوں کی رسیاں کاٹ ڈالو اور انہیں آزاد کر دو۔ انہیں خوش خبری سناؤ کہ مقدس روح نے انہیں آزاد کر دیا ہے اور اب انہیں ان کے ماں باپ کے پاس لے جایا جا رہا ہے۔"

باورچی ہاتھ باندھ کر بولا۔

"اے مقدس روح! یہاں ابھی آپ کا ایک دشمن باقی ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"ہاں! مجھے یاد آیا۔ ابھی کانا سفید آدمی باقی ہے۔ ٹھیک ہے تم ایسا کرو کہ سب سے پہلے اسے کسی طرح سے اوپر لے آؤ۔ میں ابھی اس سے بھی نپٹ لیتی ہوں۔"

بوڑھا ملاح جہاز کے چکر کو بڑی مہارت سے گھماتے ہوئے جہاز کو ایک خاص زاویے پر رکھے ہوئے تھا۔ باورچی جلدی سے نیچے چلا گیا۔ کانا سفید آدمی اپنی کوٹھڑی میں بیٹھا تھا اور سوراخ میں سے سمندر کی طرف دیکھ رہا

تھا۔اس نے موٹے باورچی کو اندر آتے دیکھا تو گھبرا کر بولا۔

"جہاز کا رخ کیوں موڑ دیا گیا ہے؟"

باورچی نے کہا۔

"حضور! نائب کپتان نے کہا ہے کہ ذرا اوپر آئیں اور حکم دیں کہ جہاز کدھر کو لے جایا جائے؟ کیونکہ اب آپ ہی کپتان ہیں۔"

کانا بولا۔

"مگر یہ جہاز کا رخ کس نے موڑا ہے؟"

باورچی نے کہا۔

"حضور! ہوا تیز ہے۔ بادبان کام نہیں کر رہے۔ آپ اوپر تشریف لا کر خود دیکھ لیں اور حکم دیں کہ جہاز کدھر کو ڈالا جائے۔"

کانا سفید آدمی یہ سن کر بڑا خوش ہوا کہ اسے جہاز کا کپتان بنا دیا گیا تھا۔ ایک طرح سے باقی ساتھیوں کے مرنے پر اسے تسلی بھی ہوئی تھی کہ اب وہ چاروں جنگی رڈیوں کو فروخت کر کے ساری دولت کا اکیلا مالک ہو گا۔ وہ جلدی جلدی سیڑھیاں پھلانگتا اوپر آ گیا۔ اوپر ماریا اس کا انتظار کر رہی تھی۔ بوڑھے ملاح نے گھوم

ر کانے کی طرف دیکھا۔ باورچی بھی اوپر آ کر ایک طرف ڑا ہو گیا۔ یہ لوگ اس کی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ موت اس ظالم کانے کو اوپر کھینچ لائی ہے۔ کانے نے اوپر آتے ہی کہا۔

"جہاز کا رخ مشرق کی بجائے مغرب کی طرف کر دو۔ یہ تم جہاز کو واپس کس لئے جا رہے ہو؟"

بوڑھا ملاح کہنے لگا۔

"حضور! چرخی اختیار سے باہر ہوئی جا رہی ہے۔ آپ خود آ کر دیکھ لیں۔"

"ہٹو پیچھے۔ میں خود جہاز کو چلاؤں گا۔ میں اب اس جہاز کا کپتان ہوں۔ اگر کسی نے میرا حکم نہ مانا تو میں اسے موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔"

باورچی نے دل میں کہا۔

"پیارے! تم کسی کو کیا موت کے گھاٹ اتارو گے تمہیں تو خود موت اپنے پاس بلا رہی ہے۔"

ماریا چاہتی تھی کہ ذرا کانے سے دو دو باتیں بھی ہو جائیں۔ سب سے پہلا کام ماریا نے یہ کیا کہ نیچے جانے والے راستے کا دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔ تالا لگنے کی آواز سن کر کانے نے مڑ کر پیچھے دیکھا اور بولا۔

"یہ تالا کس نے ڈال دیا؟"
ماریا نے کہا۔
"میں نے!"
عرشے پر ایک ایسی عورت کی آواز سن کر جو نظر نہیں
آ رہی تھی کانا سفید آدمی ششدر سا ہو کر رہ گیا۔
"یہ ـــ یہ کس کی آواز تھی؟"
اس نے بوڑھے ملاح اور پھر باورچی کی طرف دیکھ
کر کہا۔ باورچی سر ہلا کر بولا۔
"میں نے تو کوئی آواز نہیں سنی کپتان صاحب!"
بوڑھا ملاح بھی کہنے لگا۔
"جی ہاں کپتان صاحب! میں نے بھی کوئی آواز نہیں
سنی۔ شاید آپ کے کان بج رہے ہیں۔"
اب ماریا نے بھی کہا۔
"اور ہاں۔ میں نے بھی کوئی آواز نہیں سنی کپتان
صاحب ـــ کانے کپتان صاحب!"
اس پر کانا چکر کھا گیا۔ گھبرا کر گردن ادھر ادھر
گھما کر بولا۔
"یہ ـــ یہ پھر عورت کی آواز آئی ہے۔ کیا تم لوگ
نہیں سن رہے ہو؟"

بوڑھے ملاح اور باورچی نے ایک زبان ہو کر کہا۔
"نہیں کپتان صاحب! ہم نے تو کوئی آواز نہیں
سنی ـــ!"
ماریا نے کہا۔
"میں نے بھی کسی عورت کی آواز نہیں سنی۔"
کانا سفید آدمی دہشت سے پیچھے ہٹا۔
ماریا نے کہا۔
"سنو اے قاتل کانے! میں اس جہاز کی مقدس روح
ہوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں دو آدمیوں کو
بغیر کسی وجہ کے قتل کرتے دیکھا ہے۔ میں تمہیں
اس جرم کی سزا دوں گی۔ جہاز کے جنگلے کے پاس جا
کر سمندر کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔"
"نہیں ـــ نہیں۔"
یہ کہہ کر کانا دروازے کی طرف بھاگا۔ نیچے جانے
والے دروازے پر تالا لگا تھا۔ اس نے زور سے لات
ماری مگر دروازہ نہ ٹوٹ سکا۔
ماریا نے گرجدار آواز میں کہا۔
"اے بدبخت ڈاکو! اب تمہارے لئے سوائے سمندر
کے اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ یا تو تم خود بخود سمندر میں

چھلانگ لگا دو اور یا پھر مجھے تمہیں دھکا دینا پڑے گا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

کانا خوف سے پھیلی ہوئی ایک آنکھ سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر بولا۔

"تم — تم کون ہو؟"

ماریا نے کہا۔

"میں ایک مقدس روح ہوں۔ مگر اس وقت تمہاری موت کا فرشتہ ہوں۔ مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

کانا عرشے پر بھاگنے لگا۔ ماریا ایک طرف کھڑی ہو کر اس کے بھاگنے دوڑنے کا تماشہ کرنے لگی۔ اسے ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ کہیں اس بھاگ دوڑ میں اس سے ٹکرا کر وہ خود سمندر میں نہ گر جائے۔ اس لئے اب اس نے کانے کو جلدی سے جلدی ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور بھاگتے ہوئے کانے کو ایک ایسا دھکا دیا کہ وہ چیخ مار کر سمندر میں منہ کے بل گر پڑا۔

سمندر میں گرتے ہی اس نے ہاتھ پاؤں مارنے اور چیخنا چلانا شروع کر دیا لیکن بہت جلد سمندر کی لہروں نے اسے اپنے اندر دفن کر لیا۔ اس کی موت کے ساتھ ہی جہاز پر ماریا کا قبضہ مکمل ہو گیا۔ اس نے بوڑھے

باورچی سے کہا۔

"اب نیچے جا کر جنگلی لڑکیوں کو آزادی کی خوشخبری سناؤ اور انہیں اوپر دھوپ اور کھلی ہوا میں لے آؤ۔"

"جو حکم مقدس روح۔"

باورچی خوش خوش نیچے چلا گیا۔ بوڑھے ملاح نے ادب سے کہا۔

"اے مقدس روح! جب ہم لڑکیوں کو ان کے ماں باپ کے پاس چھوڑ دیں گے تو پھر ہمارے لئے کیا حکم ہو گا۔"

ماریا کہنے لگی۔

"یہ میں اس کے بعد فیصلہ کروں گی۔"

کیونکہ ماریا کو ابھی عنبر اور ناگ کو بھی تلاش کرنا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ اسے اسی جہاز میں سفر کرنے کی پھر ضرورت پیش آ جائے۔ تھوڑی ہی دیر میں چاروں لڑکیاں خوش خوش ہنستی مسکراتی اوپر عرشے پر آ گئیں اور دھوپ اور روشنی میں سمندر کی طرف منہ کر کے لمبے لمبے سانس لینے لگیں۔ وہ بہت خوش تھیں۔

باورچی نے کہا۔

"تمہیں مقدس روح کا شکریہ ادا کرنا چاہئے کیونکہ

اس [illegible] جہ سے ہی تمہیں آزادی ملی ہے۔"
ایک لڑکی نے کہا۔
"مقدس روح کہاں ہے۔ ہم دل و جان سے اس کا شکریہ ادا کریں گی۔"
اب ماریا نے کہا۔
"میں تمہارے پاس ہی کھڑی ہوں۔"
ماریا کی آواز سنتے ہی چاروں لڑکیاں ایک دم سناٹے میں آگئیں اور پھر جھٹ سجدے میں گر پڑیں۔ ماریا نے کہا۔
"اپنے سر اٹھاؤ۔ سجدہ صرف خدا کے آگے کرنا چاہئے کسی انسان یا روح کے آگے سجدہ جائز نہیں۔ اٹھو اور میری بات غور سے سنو۔"
چاروں لڑکیوں نے سر اوپر اٹھائے اور جدھر سے ماریا کی آواز آ رہی تھی ادھر کو منہ کر کے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔ ماریا نے کہا۔
"مجھے تم پر اور تمہارے غریب ماں باپ پر ترس آ گیا تھا۔ میں تمہارے ماں باپ کو دیکھ چکی ہوں جو تمہاری جدائی میں رو رہے ہیں۔ اب جب تم ان کے پاس جاؤ گی تو وہ بہت خوش ہوں گے۔ لیکن خبردار کسی کے آگے

میرا ذکر نہیں کرنا۔ صرف خدا کا شکر ادا کرنا کیونکہ خدا کی مرضی اور مہربانی سے تمہیں آزادی ملی ہے۔ میرا تو محض ایک بہانہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ خدا نے مجھے تمہاری مدد کے لئے بھیجا ہے۔"
ایک لڑکی کہنے لگی۔
"اے مقدس روح! ہم تمہاری باتوں پر دل و جان سے عمل کریں گے۔ ہم خدا کا شکر ادا کرتی ہیں جس نے ہم پر رحمت کی بارش کی۔ پھر تمہارا شکریہ ادا کرتی ہیں کہ تم نے ہمیں ان ظالم درندوں سے نجات دلائی۔"
ماریا نے کہا۔
"بس اب جہاز پر آزادی سے چلو پھرو۔ خوب کھاؤ پیو۔ کیونکہ تمہارے دشمنوں کو خدا نے ان کے انجام تک پہنچا دیا ہے۔"
لڑکیاں خوشی سے جھوم اٹھیں اور پھر جنگی انداز میں عرشے پر رقص کرنے لگیں۔ باورچی اور ملاح ان کے خوشی کے رقص کو دیکھ کر بڑے خوش ہو رہے تھے۔ پھر گنجے موٹے باورچی نے بھی ان کے ساتھ ہی بھاری کمر مٹکا مٹکا کر رقص کرنا شروع کر دیا۔ ماریا اسے رقص کرتے دیکھ کر بڑا ہنسی۔

اس کے بعد باورچی نے دوپہر کے لئے بڑی شاندار مچھلی بنا کر سب کو کھلائی۔

ماریا نے کہا۔

"تھوڑی سی مچھلی مجھے بھی کھلاؤ۔"

باورچی نے کہا۔

"اے مقدس روح! روحیں تو کچھ نہیں کھایا کرتیں۔"

ماریا نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر میں تمہاری پکائی ہوئی مچھلی ضرور کھاؤں گی۔"

باورچی نے سر جھکا کر کہا۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے مقدس روح!"

اور اس نے ایک تھالی میں مچھلی کا ایک ٹکڑا رکھ کر میز پر سجا دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میز پر سے مچھلی کا ٹکڑا غائب ہو گیا۔ باورچی نے کہا۔

"اے مقدس روح! کیا وہ تم ہی تھیں جس نے میرے ڈونگے غائب کئے تھے۔"

ماریا ہنس دی۔

"ہاں! وہ میں ہی تھی۔"

باورچی نے پوچھا۔

"کیا تمہیں بھوک بھی لگتی ہے مقدس روح؟"

ماریا نے جھٹ کہا۔

"نہیں۔ بھوک تو مجھے کبھی نہیں لگتی۔ مگر جب کبھی دنیا میں انسانوں کے درمیان آتی ہوں تو بھوک محسوس ہوتی ہے۔ پھر میں کبھی کبھی اپنی مرضی کی کوئی شے کھا لیتی ہوں۔"

اس وقت باورچی خانے میں ان دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ ماریا نے کہا۔

"یہ بات جنگلی لڑکیوں کو نہ بتانا ورنہ وہ پریشان ہو جائیں گی کہ ایک روح کو بھوک کیسے لگتی ہے۔"

باورچی نے مسکرا کر کہا۔

"اے مقدس روح! میں کبھی ان سے ذکر تک نہیں کروں گا۔"

ماریا نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم ذرا گرما گرم قہوے کا ایک ڈونگا ادھر کرو۔"

"جو حکم اے مقدس روح۔"

بادبانی جہاز بحرِ ہند میں سفر کر رہا تھا۔ اس سمندر میں ہر وقت بڑی بڑی لہریں اٹھتی رہتی ہیں۔ اس لئے جہاز

زیادہ ڈولنے لگا تھا۔ یہ موسم بھی خراب تھا۔ ایک رات خوب بارش ہوئی اور تیز ہواؤں نے سمندر میں طوفان ایسی کیفیت پیدا کردی۔ لہروں نے چھوٹے سے بادبانی جہاز کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا۔ لڑکیاں گھبرا گئیں۔ ماریا نے انہیں تسلی دی۔

"فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خدا نے تم لوگوں کی لمبی عمریں لکھی ہیں۔ وہ تمہیں اپنی پناہ میں رکھے گا۔"

باورچی بھی پریشان تھا۔ بوڑھا ملاح عرشے پر بادبان کھول رہا تھا کیونکہ تیز ہوا میں بادبانوں کے پھٹنے اور جہاز کے الٹنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ بادبانوں کو لپیٹ کر وہ نیچے آگیا۔

ماریا اس کے قریب جاکر بولی۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے بابا! طوفان جلدی ہی گزر جائے گا۔"

بوڑھے ملاح نے کہا۔

"مقدس روح! طوفان زیادہ ہے اور ہمارے جہاز نے کبھی سمندری طوفانوں میں سفر نہیں کیا۔ ہم تو اسے پرسکون پانیوں میں ایسے موسم میں لے جاتے ہیں جب

طوفان کا خطرہ نہیں ہوتا۔"

ماریا بولی۔

"پھر کیا ہوا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

ساری رات طوفان جاری رہا اور جہاز لہروں پر کھلونے کی طرح ڈولتا رہا۔ دن چڑھا تو طوفان تھم چکا تھا۔ سورج کی روشنی نے سمندر کو شیشے کی طرح چمکا دیا تھا۔ ماریا اور باورچی اوپر آگئے۔ بوڑھا ملاح ان کے پیچھے پیچھے تھا تاکہ بادبانوں کی رسیاں کھول دی جائیں۔ ابھی وہ عرشے پر آئے ہی تھے کہ اچانک ان کی نظر سمندر میں شرق کی طرف اٹھ گئی۔

ایک جہاز سمندر میں بادبان کھولے ان کی طرف آرہا تھا۔ بوڑھا ملاح آنکھیں سکیڑے بڑے غور سے جہاز کو دیکھ رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے کہ یہ جہاز کون سا ہے؟

ماریا نے پوچھا۔

"بابا! تم کیا دیکھ رہے ہو؟"

بوڑھا ملاح کہنے لگا۔

"کچھ نہیں مقدس روح! کوئی تجارتی جہاز ہے اور سماٹرا کے جزیروں کی جانب سے مال لے کر آرہا ہوگا۔"

باورچی خوش ہو کر بولا۔

"ہمارے قریب سے گزرے گا۔ مسافروں کو سلام کریں گے۔ بڑا مزہ آئے گا"

جوں جوں جہاز قریب آ رہا تھا۔ بوڑھا ملاح کچھ زیادہ سنجیدہ ہوتا جا رہا تھا۔ کیونکہ اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔ ماریا بھی بڑے غور سے جہاز کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ملاح کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بابا! تجارتی جہازوں کے بادبان اتنے لمبے نہیں ہوتے"

بوڑھے ملاح نے کہا۔

"مقدس روح کا خیال درست ہے۔"

"پھر تمہارے خیال میں یہ جہاز کس کا ہو سکتا ہے؟"

"مقدس روح! یہ باتیں تو ہم سے زیادہ تمہیں معلوم ہونی چاہئیں۔ کیونکہ روحیں تو غیب کا حال جان جاتی ہیں"

ماریا نے جلدی سے کہا۔

"زمین پر بھیجنے کے بعد خدا نے مجھ سے غیب کا حال جاننے کی طاقت عارضی طور پر واپس لے لی ہے۔ اب میں طاقتور تو بہت ہوں مگر غیب کا علم نہیں رکھتی۔ یہ علم تو صرف خدا کو زیب دیتا ہے۔"

ملاح کی نگاہیں ابھی تک اس جہاز پر جمی ہوئی تھیں جو مشرق کی جانب سے برابر ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جوں جوں اس کی تصویر صاف ہو رہی تھی۔ بوڑھے ملاح کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ باورچی اب نیچے چلا گیا تھا۔ اچانک بوڑھے ملاح کا چہرہ اتر گیا۔ وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"خطرہ —— زبردست خطرہ"

"کیا ہوا؟" ماریا نے پوچھا۔

"یہ تجارتی جہاز نہیں ہے بلکہ بحری ڈاکوؤں کا جہاز ہے"

بحری ڈاکوؤں کا نام سن کر ماریا کے جسم میں ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ یہ خودسر، سرپھرے، جاہل اور سنگدل بحری ڈاکو ہمیشہ ماریا کے لئے دردسر بنے تھے۔ کم بختوں کو سوائے لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے اور کوئی کام نہیں آتا تھا۔ ماریا نے غور سے سمندر کی طرف دیکھا۔ واقعی ایک بحری ڈاکوؤں کا جہاز تھا جس کے اوپر کھوپڑی اور دو ہڈیوں کا سیاہ جھنڈا دور سے پھڑپھڑاتا نظر آ رہا تھا۔

ملاح نے کہا۔

"اب کیا حکم ہے مقدس روح! کیونکہ یہ ڈاکو تو ہمارے جہاز کو توپیں مار مار کر غرق کر دیں گے اور لڑکیوں کو بھی اغوا کر لیں گے۔"

ماریا نے ایک پل کچھ سوچ کر کہا۔

"ہم ایک نیک مقصد لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ خدا ہماری حفاظت کرے گا۔ تم ایسا کرو کہ جہاز کے بادبان لپیٹ کر لنگر سمندر میں ڈال دو۔ تاکہ جہاز اسی جگہ کھڑا ہو جائے۔ پھر نیچے جا کر سب سے نچلے کمرے میں رہگیروں کو لے جا کر بند کر دو۔ باہر تالا ڈال دو۔ باورچی سے کہو کہ وہ اوپر آنے کی ہرگز ہرگز کوشش نہ کرے۔ تم اوپر آجانا جلدی کرو!"

بوڑھے ملاح نے نیچے جا کر ایسا ہی کیا۔ پھر وہ اوپر عرشے پر آ کر بحری لٹیروں کے جہاز کو دیکھنے لگا۔ جو اب قریب آ رہا تھا۔ ماریا نے اسے سمجھا دیا کہ جب بحری ڈاکوؤں کا جہاز قریب آئے تو وہ ڈاکوؤں کے سردار سے یہی کہے کہ وہ سمندر میں بھٹک گیا ہے اور اس کے پاس کوئی مسافر نہیں۔ صرف خشک میووں کی بوریاں ہیں جو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

بوڑھا ملاح بڑا تجربہ کار تھا اور اس قسم کے خطروں سے کئی بار گزر چکا تھا۔ ماریا اس سے ذرا ہٹ کر پرے کھڑی تھی اور جہاز کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے تک رہی تھی۔

بحری ڈاکوؤں کا جہاز اب اتنے قریب آ گیا تھا کہ اس کے عرشے اور رسوں سے لٹکے ہوئے ڈاکوؤں کے چہرے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ بڑے خونخوار چہرے تھے ہر ایک کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ ماریا اس قسم کے بڑے ڈاکوؤں سے نپٹ چکی تھی۔ وہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر طرح سے تیار تھی!
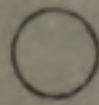
بحری ڈاکوؤں نے ماریا کے جہاز کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟
ناگو پر جنگل میں کیا گزری ؟
عنبر پیراشوٹ کے ذریعے کس ملک اور کس جنگل میں گرا ؟

یہ آپ
اس ناول کی اگلی قسط میں
پڑھ سکیں گے!

انوار الادب لائبریری
تغلق روڈ۔ کوٹلہ تولیخان۔ ملتان

پُراسرار اور رومانی ناول :

ہر ناول میں ایک سنسنی خیز واقعہ اور خوفناک کہانی

- طوطے کی موت
- شہزادہ جان عالم
- پُراسرار پٹاخے
- کالا شیر
- پانچ قدم پر موت
- گورکا پھول
- حاتم کا باپ
- مسلمان
- دھوئیں کی مخلوق
- شاد آباد
- فسانۂ آزاد (حصہ اول)
- فسانۂ آزاد (حصہ دوم)
- فسانۂ آزاد (حصہ سوم)
- فسانۂ آزاد (حصہ چہارم)
- انوکھی دنیا
- سڑک کے بچے
- شاہ جنات اور عالم
- یہ غازی
- بادشاہ اور تین قلندر
- ہمت کرے انسان تو
- ٹیڈی بوائے (حصہ اول)
- ٹیڈی بوائے (حصہ دوم)
- پہلا مجاہد
- زمرد محل
- چھل سی اک شہزادی
- پنکھ

بچوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا "عنبر! تم کبھی نہیں مرو گے"۔ عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ زدوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو اہرام مصر کے ایک تہہ خانے کی قبر سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوف ناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مرجاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— ۱۰۰ قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان
ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پُورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

ادبی مارکیٹ ● چوک انارکلی ● لاہور

موت کا تعاقب ۹۵
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

خونی قبرستان

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر
علمی پرنٹنگ پریس ملا ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اول: ۱۹۶۹ء
قیمت: پانچ روپے

مقام اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی۔ لاہور۔

اُداس لڑکی

بحری لٹیروں کا جہاز اب بالکل سامنے آ گیا تھا۔

ماریا ایک طرف کھڑی یہ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ تماشہ ابھی ہو گا۔ خدا جانے یہ ڈاکو بوڑھے ملاح اور باورچی کے ساتھ کیا سلوک کریں۔ کہیں آتے ہی ان کی گردنیں نہ اڑا دیں۔ ماریا جانتی تھی یہ بحری ڈاکو بڑے وحشی اور خونی ہوتے ہیں۔ انسانوں کو یونہی گاجر مولی کی طرح قتل کر دیتے ہیں۔ ڈاکوؤں کا جہاز کافی بڑا تھا اور اس میں ایک پرانی قسم کی توپ بھی لگی تھی یہ توپ انہوں نے شاید اس لیے نہیں چلائی تھی کہ ماریا کا جہاز چھوٹا تھا۔ اور انہوں نے کوئی مقابلہ بھی نہیں کیا تھا۔

بوڑھا ملاح سٹور سے ایک تھال خشک میووں کا بھر کر لے آیا تھا۔ اس تھال میں اس نے صلح کے شگون کے طور پر ایک اناس بھی رکھا تھا۔ گنجا باورچی خوف سے کانپتے ہوئے ملاح کے پیچھے کھڑا تھا۔ ڈاکو تلوا

اور خنجر لیے اپنے جہاز پر اپنے سردار کے حکم کا انتظار
کر رہے تھے۔ کئی ڈاکو رسّوں پر چمٹے ہوئے تھے کہ
جونہی سردار حملے کا حکم دے تو وہ ماریا کے جہاز میں
رسّوں کی مدد سے کود جائیں۔ اتنے میں بحری لٹیروں
کا سردار اپنے جہاز کے ڈیک پر آ کر کھڑا ہو گیا۔
اس کے ہاتھ میں لمبی تلوار تھی۔ وہ ہٹا کٹا آدمی تھا۔ سر
پر سیاہ رومال بندھا تھا۔ کانوں میں موٹی موٹی سنہری
بالیاں تھیں۔ آنکھیں سرخ تھیں اور وحشت ٹپک رہی
تھی۔ وہ بڑی بے رحمی کے انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اس
نے اشارہ کیا۔

فوراً رسّا اس کی طرف پھینک دیا گیا۔ سردار اپنے
تین ڈاکوؤں کے ساتھ ماریا کے جہاز میں کود گیا۔
اب وہ چل کر بوڑھے ملاح کے سامنے آیا اور تھال
میں پڑے خشک میووں کو دیکھ کر قہقہہ لگاتے
ہوئے بولا۔

"ساتھیو! کیا ہم اس جہاز پر شادی رچانے
آئے ہیں؟"

سارے ڈاکو قہقہے لگانے لگے۔ سردار نے بوڑھے
[illegible] کی آنکھوں میں جھک کر دیکھا اور کہا۔

"میری دلہن کہاں ہے؟" —
بوڑھے ملاح نے ادب سے کہا۔
"سردار! ہم آپ سے رحم کی درخواست کرتے ہیں۔
ہم آپ سے دوستی کے خواہشمند ہیں۔"
سردار نے تلوار سے ڈیک کے فرش پر ٹیک
لگا کر کہا۔

"تم نے ابھی تک میرے سوال کا جواب نہیں دیا
میں نے پوچھا تھا۔ اگر میں یہاں شادی کرنے آیا
ہوں تو میری دلہن اور جہیز کہاں ہے؟"
باورچی تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اُسے لگ رہا تھا
کہ سردار ابھی ان کی گردنیں کاٹ کر رکھ دے گا۔
بوڑھے ملاح نے کہا۔
"سردار! ہمارے جہاز میں سوائے کھانے پینے کی
چیزوں کے اور کچھ نہیں ہے۔ ہم خشک میوے
لے کر ہندوستان کو جا رہے ہیں۔"
سردار نے ایک دم غصے میں آ کر کہا۔
"بکواس کرتے ہو۔"
پھر اس نے ماریا کے دیکھتے دیکھتے تلوار بوڑھے
ملاح کے پیٹ میں گھونپ دی۔ میووں کا تھال

کرنے سے اپنے آپ دوسرے جہاز پر چلی گئی تھی۔ سردار بھی واپس جہاز پر آگیا۔

"جہاز کو آگے بڑھاؤ۔" سردار نے چلا کر کہا۔

ڈاکوؤں کا جہاز سمندر میں آگے بڑھا۔ جب ماریا کا جہاز تھوڑا پیچھے رہ گیا تو سردار نے تلوار لہرا کر کہا۔

"اسے آگ لگا دی جائے۔"

جہاز سے ایک توپ چلی۔ جس کا گولہ ماریا کے جہاز کو جا کر لگا۔ ڈاکوؤں نے آگ والے تیر چلا کر بادبانوں کو آگ لگا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ماریا کا چھوٹا جہاز جلنے لگا اور پھر اسے جلتا چھوڑ کر ڈاکوؤں کا جہاز سمندر میں روانہ ہوگیا۔ اس کی منزل کوئی نہیں تھی۔ بحری قزاق سمندر میں ڈاکے مارتے پھرا کرتے تھے۔ مہینوں بعد جب لوٹ مار کا کافی سامان جمع ہو جاتا تو کسی بندرگاہ پر جاکر وہ لوٹ کا سامان اونے پونے بیچ کر خوراک اور اشرفیاں حاصل کر لیتے تھے۔

ماریا نے اب جہاز کا جائزہ لینا شروع کیا۔ یہ بڑا جہاز تھا۔ ڈاکو ستر اسی کے قریب تھے۔ اوپر نیچے کیبن بنے تھے۔ سردار کا کیبن سیڑھیاں اُتر کر ساتھ ہی تھا۔ ماریا جانتی تھی کہ موٹا باورچی نیچے باورچی خانے

میں ہی ہوگا۔ وہ اس کو مل کر اپنی موجودگی کے بارے میں اطلاع دینا چاہتی تھی۔ اس نے سیڑھیاں اُتر کر راہداری میں دیوار کے ساتھ لگ کر بڑی احتیاط سے چلنا شروع کیا۔ باورچی خانہ کونے میں تھا۔ وہاں سے پیاز لہسن اور بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو آرہی تھی۔

ماریا اندر آگئی۔ باورچی خانہ کھلا تھا۔ مگر بڑا گندا اور دھوئیں سے بھرا ہوا۔ ماریا کی آنکھیں گنجے باورچی کو تلاش کر رہی تھیں۔ آخر اس نے اسے دیکھ لیا وہ انگیٹھیوں کے پاس ایک طرف بنچ پر بیٹھا تھا اور ڈاکو کھانا کھاتے ہوئے اس سے ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ ماریا باورچی کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی۔ جب ڈاکو اِدھر اُدھر ہوئے تو اس نے جھک کر باورچی کے کان میں کہا

"ایڈگر! میں آگئی ہوں۔ فکر نہ کرنا۔"

باورچی ایڈگر نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

"اے مقدس رُوح اب کیا ہوگا؟"

ماریا نے سرگوشی میں کہا۔

"جو ہوگا اچھا ہوگا۔ تم یہاں کام کرتے رہو۔ میں نیچے لڑکیوں کے پاس جاکر انہیں تسلی دیتی ہوں۔"

"بہت اچھا۔ مقدس روح! میرے پاس بھی آتے

رہنا۔

"ضرور آؤں گی۔ میں تمہارے پاس ہی ہوں۔"

اتنے میں ایک ڈاکو نے باورچی کے سر پر دھپ مار کر کہا۔

"اے حرامی موٹے! یہ کس سے باتیں کر رہا تھا؟"

باورچی ایڈگر نے مسکرا کر کہا۔

"حضور میں بھلا کس سے باتیں کرتا تھا۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ بس ذرا اپنے آپ سے باتیں کر کے دل بہلا رہا تھا۔"

"کیا تو پاگل ہے؟"

ایڈگر بولا:

"اصل میں حضور مجھے اپنے آپ سے باتیں کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ یہ کوئی نقصان پہنچانے والی عادت تو نہیں ہے۔"

ڈاکو زور سے ہنسا۔

"تو پاگل ہے۔ اگر پھر اپنے آپ سے باتیں کیں تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ سمجھے!"

ایڈگر نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"کبھی نہیں کروں گا حضور! کبھی نہیں کروں گا۔"

ڈاکو نے گنجے باورچی کی چمکتی چندیا پر زور سے ہاتھ مار کر

کہا: "کیا نہیں کرو گے؟"

"اپنے آپ سے باتیں حضور!"

"ایسا کہو نا۔"

اور ڈاکو چلا گیا۔ باورچی ایڈگر نے ادھر منہ کر کے کہا۔

"مقدس رُوح! تم میرے پاس ہی ہو کیا؟"

"ہاں۔" ماریا نے آہستہ سے کہا۔

ایڈگر ڈرتے ڈرتے کہنے لگا۔

"یہ لوگ تو میرا حلیہ خراب کر کے رکھ دیں گے۔ کہیں مجھے مار کر سمندر میں نہ پھینک دیں۔"

ماریا نے کہا۔

"ایڈگر حوصلہ کرو ہمت سے کام لو۔ تم مرد ہو ابھی تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ ان خونی ڈاکوؤں کے چنگل سے نکلنا ہے۔ لڑکیوں کو آزاد کرانا ہے۔"

باورچی ناامیدی کے عالم میں اِدھر اُدھر تکنے لگا۔

ماریا نے کہا:

"اچھا میں جا رہی ہوں۔"

ماریا باورچی خانے سے باہر نکل آئی۔ اب وہ جنگی لڑکیوں کو تلاش کرنے لگی۔ اس نے کئی کیبن دیکھے۔ کسی جگہ بھی لڑکیاں نہیں تھیں۔ آخر اسے جہاز کے

نیچے، تیسری منزل میں قید خانے کا سراغ مل گیا۔ یہ ایک
کوٹھڑی سی تھی جس کا دروازہ لوہے کا تھا اور بند تھا
باہر ایک ڈاکو چل پھر کر پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا کو
علم تھا کہ لڑکیوں کے لئے کھانا وغیرہ لے کر کوئی نہ کوئی
ڈاکو رات کو ضرور آتا ہوگا۔ ماریا اگر چاہتی تو اس
پہرے دار کو وہیں ڈھیر کرکے دروازہ توڑ' اندر جاکر
لڑکیوں سے ملاقات کر سکتی تھی۔ لیکن ایسا کرنا مصیبت
میں پڑنے کے برابر تھا۔ ابھی اتنی جلدی کی ضرورت بھی
نہیں تھی۔ ابھی پورے جہاز سے اس نے مقابلہ کرنا تھا۔
وہ لڑکیوں کو قید خانے سے نکال بھی لیتی تو کہاں لے کر
جاتی؟ اس نے تو سارے کا سارا جہاز اغوا کرنا تھا
یا کسی بندرگاہ پر لڑکیوں کو اُتار لینا تھا۔

لڑکیوں سے ملاقات ضروری بھی نہیں تھی کیونکہ وہ
جنگلی لڑکیاں تھیں اور مقدس رُوح کی آواز سُن کر ڈر
بھی سکتی تھیں۔ اگرچہ اس سے پہلے انہوں نے مقدس
رُوح سے ملاقات کی ہوئی تھی۔ پھر بھی جنگلی لڑکیاں وحشی
پن میں نہ جانے کیا کر بیٹھتیں۔ اس لئے ماریا نے سوچ
کر پہلے جہاز سے فرار ہونے یا اس پر قبضہ کرنے کی
سکیم پر غور کرنا چاہئے۔ وہ اکیلی تھی۔ بوڑھا ملاح

مر چکا تھا ورنہ اس سلسلے میں وہ اس کی مدد کر سکتا تھا۔
ماریا نے سب سے پہلے تو اپنے لئے رات بسر کرنے
کے ٹھکانے کی تلاش شروع کردی۔ اس نے کتنے ہی
بحری جہازوں میں چھپ کر سفر کیا تھا اور ہر بار اس کی
قسمت میں جہاز کا سٹور روم ہی لکھا تھا جہاں وہ رات
بسر کرتی۔ اس بار بھی وہ سٹور روم کی تلاش میں نکل پڑی
سٹور روم میں کبھی کبھار ہی ملاح آتے تھے۔ اس لئے
وہ بڑی محفوظ جگہ تھی۔ بحری لٹیروں کے اس جہاز کا
سٹور روم بھی تیسری اور نچلی منزل میں تھا۔

سٹور روم کیا بس کباڑ خانہ تھا۔ دنیا جہان کی الابلا
یہاں پھینک رکھی تھی۔ ایک کونے میں لکڑی اور بانس
کے بڑے بڑے گول ٹوکرے تھے جن میں لوٹا ہوا مال
بھرا ہوا تھا۔ بوریاں تھیں جن میں آٹا تھا۔ شکر بھی
تھی۔ ایک بوری باداموں کی تھی۔ ماریا نے کونے میں
اپنے لئے جگہ بنالی۔

دوسرے روز ماریا نے موٹے باورچی سے ملاقات کی۔
اسے بتایا کہ وہ فرار کے منصوبے پر غور کر رہی ہے اور
جونہی جہاز کسی بندرگاہ پر رُکا وہ لڑکیوں کو وہاں سے
نکال کرلے جائے گی۔ موٹا بولا۔

"مجھے بھی اپنے ساتھ لے جانا اے مقدس روح!
ان ڈاکوؤں کے پاس مجھے مت چھوڑ دینا۔"
ماریا نے ہنس کر کہا:
"تم یہاں مزے میں ہو۔ تمہیں جانے کی کیا ضرورت
ہے۔ کھاتے پیتے رہو گے۔"
باورچی نے ہاتھ باندھ کر کہا:
"ارے نہیں اے مقدس رُوح! ان ڈاکوؤں کا کیا
بھروسہ ہے۔ جانے کس وقت میرے سالن میں نمک
کم رہ جائے اور یہ میری گردن قلم کر دیں۔ خدا کیلئے
مجھے ان وحشیوں کے پاس مت چھوڑنا۔"
ماریا بولی:
"اچھا کوئی بات نہیں۔ تمہیں ساتھ لیتی جاؤں گی۔
لیکن ابھی تمہیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اس جہاز کی اگلی منزل
کونسی ہے۔ تم ڈاکوؤں کی باتوں پر دھیان رکھنا میں
تم سے ملتی رہوں گی۔"
"بہت بہتر میں کھوج میں رہوں گا۔"
جہاز کو سمندر میں سفر کرتے تیسرا روز تھا کہ ماریا
موٹے باورچی سے ملنے گئی۔ وہ اکیلا بیٹھا دیگ میں
چمچہ چلا رہا تھا۔ ماریا نے قریب جاکر اسے بلایا تو وہ

اس سے کہنے لگا:
"مقدس روح میں تمہاری تلاش میں ہی تھا۔"
"کیوں خیریت تو ہے؟" ماریا نے پوچھا۔
باورچی نے اپنے گول گول ڈیلے گھما کر ارد گرد دیکھا
باورچی خانہ بالکل خالی تھا۔ پھر بھی وہ سرگوشی میں بولا:
"جہاز آج دوپہر کو ایک جزیرے پر لگ رہا ہے۔
یہ جزیرہ ڈاکوؤں کا اڈہ ہے۔ یہاں غلاموں اور لونڈیوں
کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ جہاز یہاں چار روز
ٹھہرے گا۔"
باورچی نے کافی معلومات مہیا کر رکھی تھیں۔ ماریا نے
خوش ہوکر کہا:
"شاباش! تم بڑے اچھے جاسوس ہو۔"
اس دوران میں ماریا نے مناسب خیال کیا کہ جنگی
لڑکیوں سے جاکر ملاقات کی جائے اور انہیں تسلی دی
جائے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے ڈاکو انہیں یہاں کسی دوسرے
بڑے بحری ڈاکو کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ ماریا سیدھی
قید خانے میں گئی۔ دروازے پر ایک ڈاکو پہرہ دے
رہا تھا۔ پہرہ کیا دے رہا تھا بس مزے سے زمین
پر بیٹھا گنا چوس رہا تھا۔ ماریا چاہتی تھی کہ وہ ذرا

دیر کے لئے ادھر اُدھر ہو تو اندر جاکر لڑکیوں کو اطلاع
ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ ایک ڈاکو نے آکر کہا
"ارے الّو کی دم فاختہ تو یہاں کیا کر رہا ہے؟
اوپر بھاگ کر جا۔ جہاز جزیرے پر لگنے والا ہے۔
اوپر ضرورت ہے۔"
وہ کہنے لگا۔ "اور یہاں تیرا باپ پہرہ دے گا؟"
"ارے باپ کے بچے! یہ لڑکیاں بھاگ کر کہاں
گی اب؟ چل اوپر اُٹھ!"
دونوں ڈاکو اوپر چلے گئے۔ ماریا وہاں اکیلی رہ
بڑا سنہری موقع تھا۔ قید خانے کے دروازے پہ تالا
تھا۔ تالا کھولنا ماریا کے لئے کوئی مشکل کام نہیں
اس نے آگے بڑھ کر تالے کو ہاتھ میں تھاما اور
جھٹکا دیا۔ تالا کھل کر اس کے ہاتھ میں آگیا۔ و
دروازہ کھول کر اندر گئی اور جاتے ہی دروازہ بھ
بند کر دیا۔ اندر اندھیرا تھا۔ لڑکیاں کونے میں
ہوئی تھیں۔ انہوں نے دروازہ کھلتے دیکھا تھا۔
اب وہ انتظار کر رہی تھیں کہ کوئی اندر آئے
اندر کوئی بھی نہ آیا۔ وہ پریشان ہو کر اٹھ بیٹھیں۔
ماریا نے کہا:

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ میں مقدس رُوح ہوں
اور تمہیں تسلی دینے آئی ہوں کہ فکر نہ کرو۔ میں تمہارے
ساتھ ہوں۔"
لڑکیاں ایک دم خوش ہوگئیں۔ ایک بولی "ہائے کیں
"مقدس روح! ہمیں ان لٹیروں سے نجات دلا کر ہمارے
ماں باپ کے پاس پہنچا دو۔"
ماریا نے کہا۔
"اسی لئے تو میں تمہارے ساتھ سفر کر رہی ہوں
فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جہاز آج دوپہر کو
ایک جزیرے پر لگ رہا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں اس سمندر
کے بارے میں کچھ پتہ ہے؟"
دوسری لڑکی نے کہا۔
"یہ کالا پانی ہے۔ یہاں سے مشرق کو ہمارا ملک
ہے۔ بس میں اتنا جانتی ہوں۔"
تیسری لڑکی نے کہا۔
"اپنے ملک کے ساحل پر پہنچ کر میں آگے راستہ بتا
سکتی ہوں۔ ایک دریا ہے جو کالے پانی میں گرتا ہے۔
یہ دریا اندر جاکر گھنے جنگلوں میں ہوتا ہماری بستی کے
قریب سے گزرتا ہے۔"

ماریا نے کہا:

"ہاں وہاں جاکر تو کچھ مجھے بھی پتہ لگ جائے گا۔
تم لوگ تسلی رکھو۔ میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔"

چوتھی لڑکی بولی:

"مقدس رُوح یہ ڈاکو کہیں ہمیں اس جزیرے میں
تو نہیں دیں گے؟"

ماریا نے کہا:

"اگر انہوں نے بیچ بھی دیا تو کوئی پرواہ نہیں۔ میں
تمہارے ساتھ ہوں گی اور تمہیں ہر حالت میں
نکال لاؤں گی۔ میرا منصوبہ یہ ہے کہ اس جزیرے
سے ہم کسی کشتی یا کسی چھوٹے جہاز میں بیٹھ کر
پانی کے مشرقی ساحل کی طرف فرار ہو جائیں گے۔"

جنگی لڑکیوں کو تسلی دے کر ماریا اوپر عرشے پر آ
دھوپ سمندر پر چمک رہی تھی۔ بڑا پُرسکون دن تھا
سمندر کے نیلے پانی میں ہلکی ہلکی موجیں اٹھ رہی
سامنے ایک سرسبز درختوں سے بھرا ہوا جزیرہ آہستہ
قریب آرہا تھا۔ جزیرے پر کچھ لوگ بھی نظر آرہے
جو شاید جہاز کا انتظار کر رہے تھے۔ ماریا نے
محسوس کیا کہ ان کے پاس ڈاکوؤں سے مختلف

ں۔ ثابت ہو رہا تھا کہ یہ جزیرہ بھی ڈاکوؤں نے ہی
آباد کر رکھا ہے اور یہاں غلاموں، لونڈیوں اور لوٹے
ہوئے مال کا سودا ہوتا ہے

تھوڑی دیر بعد بحری ڈاکوؤں کا جہاز جزیرے کے کنارے
جاکر لگ گیا۔ جہاز کے کنارے کے ساتھ لگتے ہی وہاں
کے لوگوں نے اسے گھیر لیا۔ ڈاکو قہقہے لگاتے شور
مچاتے نیچے اترنے لگے۔ سردار نے اپنے خاص آدمیوں
کو اشارہ کیا۔ یہ چاروں آدمی نیچے چلے گئے۔ ماریا
اوپر ڈیک پر کھڑی جزیرے کو دیکھ رہی تھی کہ یہاں
سے فرار ہونے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ جزیرہ میں
بڑی رونق تھی۔ کنارے پر چھوٹی چھوٹی کئی ایک کشتیاں
کھڑی تھیں۔ دو تین چھوٹے جہاز بادبان پھیلائے جزیرے
سے ذرا فاصلے پر سمندر میں تیر رہے تھے۔ صاف معلوم
ہوتا تھا کہ جزیرے پر سبھی جرائم پیشہ لوگ رہتے ہیں

ماریا جزیرے کا جائزہ لے رہی تھی اور ادھر سردار
کے خاص آدمیوں نے نیچے جاکر چاروں لڑکیوں کے ہاتھ
رسیوں سے باندھے۔ پھر انہیں لوہے کے ایک سلاخ
دار بڑے پنجرے میں بند کرکے تالا لگایا اور پنجرے کو

کو پنجرے میں قید دیکھا تو پریشان ہوئی کہ یہ لوگ
ان کو لے کر کہاں جا رہے ہیں؟ ڈاکوؤں کے سردار
نے پنجرے کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"یہ لونڈیاں میں ایک لاکھ اشرفیوں سے کم پر
فروخت نہیں کروں گا۔ سُن لو جزیرے والو!"

کنارے پر کھڑے لوگوں نے تالیاں بجا کر اور ہاتھ
لہرا لہرا کر ڈاکوؤں کے سردار کو خوش آمدید کہا۔
پھر پنجرے کو ایک گاڑی پر لاد کر جزیرے کی ایک کچی
سڑک پر روانہ کردیا گیا۔ چھ ڈاکو تلواریں اور خنجر
لگائے گاڑی کے ساتھ تھے۔ ماریا بھی جہاز سے اُتر
کر ساتھ ہولی۔ وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ جنگلی لڑکیوں
کو کس جگہ لے جایا جا رہا ہے۔

گاڑی کو ایک بیل کھینچ رہا تھا۔ ایک ڈاکو گاڑی
کے اوپر بیٹھا تھا۔ پانچ ڈاکو گاڑی کے ساتھ ساتھ
چل رہے تھے۔ کچا راستہ ناریل اور پام کے گھنے
جنگل کی طرف گھوم گیا۔ آگے جا کر ایک پتھروں کا
بنا ہوا مکان آگیا۔ جس کی چھت پر درختوں کی
[illegible] جگہ [illegible] ہوئی تھیں۔ اس مکان کا ایک
[illegible] محسوس کیا کہ ان کے پاس ڈاکوؤں سے تعلق

کرتی تھیں۔ اس اصطبل میں لڑکیوں کا پنجرہ داخل
کرکے باہر سے اصطبل کا دروازہ بند کرکے تالا لگا دیا
گیا۔ ڈاکو گاڑی لے کر واپس چلے گئے۔

ماریا کچھ دیر وہاں کھڑی ڈاکوؤں کو جاتے دیکھتے رہی
جب وہ درختوں میں گم ہوگئے تو ماریا نے اصطبل کے
دروازے کے پاس جاکر تالہ کھولا، اندر گئی اور پنجرے
میں قید لڑکیوں سے جاکر کہا:

"گھبراؤ نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

[illegible] لڑکیاں رونے لگیں۔

"مقدس رُوح! خدا کے لئے ہمیں اس مصیبت سے
نجات دلاؤ۔ تم مقدس رُوح ہو۔ تم سب کچھ کر
سکتی ہو۔"

ماریا مسکرائی۔ سوچنے لگی۔ ان بے چاریوں کو کیا
خبر کہ میں بھی ایک حد تک کچھ کرسکتی ہوں اور میں
بھی انسان کی طرح ایک انسان ہوں۔ بس یہی فرق
ہے کہ میں نظر نہیں آتی اور مجھ میں طاقت ان لوگوں
سے زیادہ ہے۔ بہرحال ماریا نے انہیں تسلی دی اور
کہا کہ وہ فکر نہ کریں۔ جونہی اُسے موقع ملا، وہ
انہیں وہاں سے نکال کر لے جائے گی۔ اس کام سے

فارغ ہو کر ماریا جزیرے کے اس حصے میں آ گئی جہاں آبادی تھی۔

ماریا نے دیکھا کہ مکان ایک منزلہ تھے اور چھتیں ڈھلانی۔ پرانے خستہ حال گندے مکان تھے۔ لوگ بھی گندے اور اکھڑ قسم کے تھے۔ بازار میں جگہ جگہ دوسرے ملکوں سے سمگل کی ہوئی چیزیں بک رہی تھیں۔ ڈاکو اشرفیاں دے کر چیزیں خرید رہے تھے۔ ایک ریستوران یعنی ہوٹل سا تھا جہاں بڑا شور تھا۔ ماریا نے اندر جھانک کر دیکھا۔ ایک لڑکی کو میز پر کھڑا کر دیا گیا تھا۔ لوگ اس کے ارد گرد کھڑے اسے مذاق کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔ لڑکی اداس تھی اور اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

خونی لٹیرے

ماریا ہوٹل کے اندر آ گئی۔

اندر گرمی اور شور تھا۔ ماریا نے لڑکی کو غور سے دیکھا۔ اس کا لباس عربوں ایسا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ لڑکی مسلمان ہے اور کسی اچھے گھرانے کی ہے۔ لڑکی کی بولی دی جا رہی تھی۔ ایک موٹا سا آدمی سٹول پر کھڑا پکار رہا تھا۔

"دس ہزار۔ دس ہزار ایک۔ پندرہ ہزار پندرہ ہزار"

لوگ بڑھ چڑھ کر بولی دے رہے تھے۔ ایک لنگڑے اور بڈھے سے ادھیڑ عمر آدمی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"بیس ہزار"

اس سے بڑھ کر کسی نے بولی نہ دی۔ بیس ہزار پر لڑکی لنگڑے کے حوالے کر دی گئی۔ لنگڑے نے لڑکی کو بازو سے پکڑا اور اسے گھسیٹتا ہوا ایک طرف سے نکال کر ہوٹل کے باہر لے گیا۔ ماریا بھی اس کے پیچھے گئی۔ جانے کیوں اُسے لڑکی پر ترس آ گیا تھا اور اس نے اس

کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لنگڑے نے لڑکی کو
جزیرے کے کونے پر ایک مکان میں بند کر دیا۔ وہاں
اس کے غلام پہرہ دے رہے تھے۔ ماریا کچھ دیر
وہاں کھڑی سوچتی رہی۔ پھر واپس ہوئی اور چوک میں
آگئی۔ وہاں ڈاکوؤں کا سردار اعلان کر رہا تھا۔

"میرے پاس دنیا کی حسین ترین لونڈیاں ہیں۔ میں
کل ان کی نیلامی کروں گا۔ جزیرے والو! کل اشرفیوں
کی تھیلیاں لے کر یہاں آنا۔"

اور لوگ قہقہے مار کر ہنسنے اور شور مچانے لگے۔ اس
کا مطلب یہ تھا کہ جنگلی لڑکیوں کو بھی دوسرے دن
نیلام کیا جا رہا تھا۔ ماریا نے سوچا کہ آج رات ان
لڑکیوں کو وہاں سے نکال لے جانا چاہیئے۔ کیونکہ
کوئی پتہ نہیں کہ کل لڑکیاں نیلام ہونے کے بعد کہاں
کہاں لے جائی جائیں۔ پھر انہیں ایک جگہ اکٹھا کرنا
بہت مشکل ہو جائے گا۔

وہ سمندر کے ساتھ ساتھ چل پھر کر کسی ایسی کشتی
یا چھوٹے جہاز کا کھوج لگانے لگی جس میں وہ لڑکیوں
کو فرار کرا سکے۔ کشتیاں کتنی ہی کھڑی تھیں۔ ایک
چھوٹے جہاز پر ماریا کی نظر پڑی۔ یہ جہاز کنارے

سے ہٹ کر سمندر میں ابھری ہوئی ایک چٹان کے ساتھ
کھڑا تھا۔ اس کا لنگر نہیں تھا بلکہ اسے ایک
موٹے رسے سے چٹان کے ساتھ باندھا گیا تھا۔

ماریا کو یہ جہاز فرار ہونے کے لیئے موزوں لگا۔
وہ اوپر سے ہو کر چٹان کے پاس آگئی۔ یہاں تک
راستہ سمندر میں ابھرے پتھروں کے اوپر سے ہو کر
جاتا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی پتھریلی سڑک بن گئی تھی۔
جہاز کا عرشہ خالی تھا۔ ماریا رسّی کی سیڑھی کی مدد سے
اس جہاز پر آگئی۔ جہاز کے کونے میں ایک آدمی
بیٹھا رسیوں کے گچھے بنا رہا تھا۔ ماریا نے اس قسم کے
چھوٹے بادبانی جہازوں میں کئی بار سفر کیا تھا۔ دروازے
سے ایک سیڑھی نیچے جاتی تھی۔ ماریا نیچے آگئی۔

دوسری منزل میں تین کمرے تھے جو چھوٹے چھوٹے
تھے۔ ایک باورچی خانہ تھا۔ اسی میں سٹور روم تھا۔
یہ سارے کمرے خالی تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ اس جہاز
کے ملاح جزیرے پر سیر و تفریح کے لئے گئے ہیں۔
ماریا کو یہ جہاز پسند آگیا۔ وہ اوپر آگئی۔ اس نے
سر اٹھا کر دیکھا۔ جہاز کے بادبان لپیٹے ہوئے تھے۔
اور بالکل نئے تھے۔ اس قسم کے نئے بادبانوں میں

ہوا کافی بھر جاتی ہے اور ان کی رفتار تیز ہوتی ہے۔

ماریا کے لئے اب ضروری تھا کہ آدھی رات کو چاروں جنگلی لڑکیوں اور اس کے بعد عرب لڑکی کو اس جہاز میں لایا جائے۔ سب سے مشکل کام عرب لڑکی کو لانے کا تھا۔ کیونکہ اسے ماریا کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ پھر بھی ماریا نے جہاز سے نکل کر اس مکان کا رُخ کیا جس میں عرب لڑکی قید تھی۔

دوپہر ڈھل رہی تھی۔ مکان کے باہر ایک غلام سٹول پر بیٹھا پہرہ بھی دے رہا تھا اور ہاتھ میں طوطا پکڑے اس سے اپنی زبان میں باتیں بھی کر رہا تھا۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ ماریا چپکے سے دروازے میں سے گزر کر اندر چلی گئی۔ اندر سے مکان کافی کھلا تھا۔ لنگڑا وہاں نہیں تھا۔ صحن میں ناریل کا ایک درخت اُگا ہوا تھا۔ سامنے برآمدے میں ایک کمرہ تھا جس پر تالا لگا تھا۔ ماریا نے اس کمرے کے دروازے کے ساتھ لگ کر اندر دیکھنے کی کوشش کی۔ مگر دروازے میں کوئی سوراخ نہیں تھا۔ اندر سے کوئی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ ماریا ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کیا ترکیب کی جائے کہ [illegible] ڈیوڑھی میں سے وہی موٹا لنگڑا آتا دکھائی دیا۔ اُس

کے ساتھ غلام بھی تھا۔

ماریا پرے ہٹ گئی۔ موٹے نے غلام سے کہا۔

"لونڈی کو کھانا کھلایا کہ نہیں؟"

غلام بولا: "کھلا دیا تھا میرے آقا۔"

"رات کو اسے دودھ بھی پلا دینا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس دُبلی عرب لڑکی کو موٹا تازہ کر کے آگے بیچ دوں۔ پچاس ہزار سے کم پر فروخت نہیں کرونگا۔ ہاں۔"

موٹا لنگڑا قہقہے لگاتا اوپر چلا گیا۔ غلام طوطے سے باتیں کرتے باہر نکل کر دروازے پر بیٹھ گیا۔ ماریا کو پتہ چل گیا کہ عرب لڑکی اس کمرے میں ہے۔ برآمدے میں اب کوئی نہیں تھا۔ دروازے پر چھوٹا سا تالا لگا تھا۔ ماریا نے قریب جا کر تالے کو کھولا۔ دروازے کا ایک پٹ اندر کو کیا اور خاموشی سے کمرے میں جا کر دروازہ پھر اس طریقے سے بند کر دیا کہ باہر سے کوئی دیکھے تو اُسے شک نہ ہو۔

عرب لڑکی ایک پلنگ پر لیٹی چھت کو تک رہی تھی اس نے دروازہ کھلتے دیکھا تو اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اب وہ اس بات پر حیران تھی کہ دروازہ کھلا، بند ہوا مگر اندر کوئی نہیں آیا۔ کمرے میں ایک شمع دان میں چراغ

روشن تھا۔ اس کی روشنی میں کمرے کی ہر شے نظر
آ رہی تھی۔ عرب لڑکی جلدی سے پلنگ کی پٹی کے ساتھ
لگ کر کمرے میں ادھر ادھر آنکھیں کھول کر تکنے لگی۔
پھر خشک سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

"کون —— کون ہے؟"

ماریا عرب لڑکی کے قریب ہی کھڑی تھی۔ سوچ رہی
تھی کہ اس لڑکی سے کس طرح سے گفتگو شروع کرے۔
کہیں وہ ڈر نہ جائے۔ وقت گزر رہا تھا۔ ماریا کو
خطرہ مول لینا ہی تھا۔ چاہے لڑکی ڈر جائے۔ اس
نے آہستہ سے کہا۔

"میں تمہارے خاندان کی ہمدرد رُوح ہوں۔
مجھ سے ڈرنا نہیں۔ میں تمہاری مدد کے لئے
یہاں آئی ہوں۔ میں نے ہمیشہ تمہارے خاندان
والوں کی مصیبت میں مدد کی ہے۔"

عرب لڑکی نے ایک ایسی عورت کی آواز سنی جو اسے
نظر نہیں آ رہی تھی تو وہ ڈر گئی۔ خوف سے اس کا رنگ
زرد پڑ گیا اور وہ پیچھے ہٹ کر سمٹ کر بیٹھ گئی اور جدھر
سے آواز آئی تھی ادھر پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکنے لگی۔

"تم —— تم —— کون؟"

وہ جملہ پورا نہ کر سکی۔ اس کی آواز بیٹھ گئی۔ وہ بڑی
سہمی ہوئی تھی۔ ماریا جلدی سے بولی۔

"گھبراؤ نہیں بہن۔ میں تمہاری مدد کرنے
آئی ہوں۔ میں ایک مقدس رُوح ہوں۔
میں نے ہر مشکل وقت میں تمہارے خاندان
والوں کی مدد کی ہے۔ میں تمہاری مدد کو بھی آگئی
ہوں۔ میں ایک عرصے سے تم لوگوں سے
دُور تھی۔ اس لئے مجھے نہیں معلوم کہ تم لوگ
اب کس شہر میں رہتے ہو۔"

لڑکی نے کہا۔

"ہمارا گھر بصرے میں ہے۔ میرا باپ بصرے کا
تاجر ہے۔ میں ایک روز سہیلیوں کے ساتھ سیر
کرنے سمندر کے کنارے آگئی تھی کہ ان ڈاکوؤں
نے مجھے اغوا کر لیا اور اب یہاں بیٹھی اپنی
قسمت کو رو رہی ہوں۔"

ماریا بولی۔

"قسمت کو بیٹھ کر رونے سے کچھ نہیں ہوگا۔ تمہیں
تھوڑی سی ہمت کرنی ہوگی اور پھر میں تمہیں یہاں
سے نکال کر لے جاؤں گی۔

"میں کیا کر سکتی ہوں ۔ باہر پہرہ بیٹھا ہے۔"
"پھر کیا ہوا ۔ پہرے داروں کو میں سنبھال لوں گی ۔ تم ایسا کرو کہ آدھی رات کو میرا انتظار کرنا ۔ میں آؤں تو میرے ساتھ چل پڑنا ۔ باقی کام میں سنبھال لوں گی ۔"
"بہت اچھا ۔ میں آدھی رات کو تیار رہوں گی ۔"
ماریا چلی گئی ۔ بڑی جلدی ایک مسئلہ درست ہو گیا تھا ۔ عرب لڑکی ذرا نہ گھبرائی تھی ۔ شاید اپنے خاندان کی روح سمجھ کر اسے خوف محسوس نہیں ہوا تھا ۔ ماریا وہاں سے سیدھی جنگلی لڑکیوں کے پاس گئی اور انہیں بھی خبردار کر دیا کہ وہ آدھی رات کو تیار رہیں ۔
" آج رات ہم نے یہاں سے فرار ہو جانا ہے ۔ میں نے جہاز دیکھ لیا ہے ۔ اس جہاز میں ہم یہاں سے کوچ کر جائیں گے ۔"
ماریا نے شام کے وقت آکر جہاز کا ایک بار پھر جائزہ لیا ۔ اس کے باورچی خانے میں کھانے پینے کا کافی سامان پڑا تھا ۔ اب وہ وہاں سے سیدھا ڈاکوؤں کے جہاز پر گنجے باورچی کے پاس گئی ۔ اسے ساری بات سمجھائی اور کہا ۔

" تم رات کو اس جہاز سے نکل کر دوسرے جہاز کے پاس چٹانوں کی اوٹ میں میرا انتظار کرنا ۔"
گنجے باورچی نے کہا ۔
" اے مقدس رُوح ! جہاز کے پہرے دار کا کیا ہوگا ۔"
" اس کی تم فکر نہ کرو ۔"
اور ماریا واپس اسی جہاز کی طرف چل پڑی جسے انہوں نے آج رات اغوا کرنا تھا ۔ اب وہاں تین پہریدار یا ملاح موجود تھے جو اِدھر اُدھر کاموں میں لگے ہوئے تھے ۔ ان کے پاس لمبے لمبے خنجر تھے جو کمر میں لٹک رہے تھے ۔ ماریا کے لئے کام مشکل ہو رہا تھا ۔ پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور جہاز کی اچھی طرح پڑتال کی کہ بادبان کب اور کس طرف سے کھولے جائیں گے ۔ رسّہ جو چٹان کے ساتھ بندھا تھا کس جگہ سے کاٹا جائے گا ۔

رات پڑتے ہی جہاز چٹان کی اوٹ میں اندھیرے میں ہو گیا ۔ ملاحوں نے جو شکل و صورت سے ڈاکو لگ رہے تھے جہاز پر چراغ جلا دیا ۔ اس کی روشنی بڑی ہلکی تھی ۔ پھر بھی اس میں ملاح چلتے پھرتے دکھائی

دے رہے تھے ۔ ماریا عرشے پر ایک طرف خاموش
کھڑی یہ دیکھ رہی تھی کہ دوسرے لوگ کون کون جہاز
پر آتے ہیں ۔ رات گزرتی چلی گئی ۔ جہاز پر چوتھا ملا
کوئی نہ آیا ۔ ماریا نے اب جہاز پر قبضہ کرنے کی
تیاری شروع کردی ۔ وہ ان ملاحوں کو جہاز کے ایک
کمرے میں قید کر دینا چاہتی تھی تاکہ وہ بھاگ کر
دوسرے لوگوں کو جہاز کے اغوا کی خبر نہ کرسکیں۔
اتنے میں ایک بھاری بھرکم ریچھ ایسا آدمی اوپر آیا
"ارے گدھو! کہاں ہو تم؟"

تینوں ملاح اوپر آگئے ۔ انہوں نے جھک کر اس
آدمی کو سلام کیا ۔ وہ آدمی بھالو کی طرح جھوم رہا
تھا ۔ اس کی کمر میں ایک ننگی تلوار لٹک رہی تھی ۔
"لاؤ کچھ کھانے کو لاؤ ۔ جلدی حرام خورو!"
"ابھی لائے حضور!"

تینوں ملاح نیچے چلے گئے ۔ ماریا نے سوچا کہ اس
وقت حملہ شروع کردینا چاہیئے ۔ اگر دیر کردی تو کام
خراب ہو جائے گا ۔ پس وہ تینوں ملاحوں کے پیچھے
پیچھے جہاز کے نیچے چلی گئی ۔ تینوں ملاح باورچی
خانے میں گھس گئے اور لکڑی کی رکابیوں میں بھنا

ا گوشت وغیرہ ڈالنے لگے ۔ وہ آپس میں باتیں
ی کر رہے تھے ۔ ماریا بھی باورچی خانے میں آگئی
ی ۔ اس نے کونے میں رکھا ہوا ایک ڈنڈا اٹھا
یا ۔ پیچھے سے آکر بڑے آرام سے اس نے ایک
لاح کے سر پر ڈنڈا مارا ۔ وہ بے ہوش ہو کر گرا۔
دسرا اس کی طرف بڑھا ۔ اس کے سر پہ بھی ڈنڈا
ڑا اور وہ بھی بے ہوش ہو کر گر پڑا ۔ تیسرا باہر
ھاگنے ہی والا تھا کہ اُسے بھی دروازے کے پاس
اریا نے گرا لیا۔

تینوں ملاح بے ہوش پڑے تھے ۔ ماریا نے جلدی
لدی ان کے ہاتھ پاؤں کپڑوں سے باندھ ڈالے۔
ر منہ میں کپڑے ٹھونس دیئے ۔ اس کام سے فارغ
و کر اس نے باورچی خانے کا دروازہ باہر سے بند کرکے کنڈی
گادی ۔ اب اوپر والا آدمی رہ گیا تھا جو مضبوط،
ر طاقت ور تھا ۔ مگر ماریا کے لیے اس سے
مٹنا زیادہ مشکل نہیں تھا ۔ ماریا اوپر آگئی ۔ وہ بھالو
راغ کی روشنی میں عرشے کے فرش پر بیٹھا کھانے
ا انتظار کر رہا تھا ۔ جب دیر ہو گئی تو وہ اُٹھ
ر نیچے کو چلا۔

ماریا نے اسے نیچے جانے دیا۔ وہ باورچی خانے
کے دروازے کی کنڈی کھول کر اندر داخل ہی ہوا
تھا کہ اس کے سر پر ایک زور دار ڈنڈا پڑا اور
وہ بے ہوش ہو کر دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ ماریا
نے جلدی جلدی اس کے ہاتھ پیر باندھ کر اس کے
منہ میں بھی کپڑا ٹھونس دیا۔ تاکہ یہ لوگ ہوش میں
آنے کے بعد شور نہ مچا سکیں۔

ابھی رات آدھی نہیں گزری تھی۔ لیکن ماریا اب
آدھی رات کا انتظار نہیں کرسکتی تھی۔ چاروں ملاحوں
کو ایک کیبن میں بند کرنے کے بعد ماریا تیزی سے
چلتی ہوئی عرب لڑکی کے گھر پہنچی۔ عرب لڑکی
ماریا کا انتظار کر رہی تھی۔ غلام پہرے دار طوطا
کندھے پر بٹھائے پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا نے قریب
جا کر دیکھا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگا اونگھ رہا تھا۔
ماریا نے اس کا طوطا کندھے سے اٹھا کر اڑا دیا۔
غلام کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے طوطے کو اُڑتا دیکھا
تو اس کے پیچھے بھاگا۔

طوطا باغ کی جھاڑیوں میں جا گھسا۔ غلام اُسے
ڈھونڈنے لگا۔ ماریا کو موقع مل گیا۔ وہ جلدی سے

حویلی میں داخل ہو کر عرب لڑکی کے کمرے میں آگئی۔

"جلدی یہاں سے نکل چلو!"

عرب لڑکی نے مقدس رُوح کی آواز سنی تو دروازے
میں آگئی۔ ماریا نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں یہاں سے
سیدھی سمندر کے کنارے مغربی چٹان کی طرف چلو۔
اس چٹان کے پہلو میں ایک چھوٹا جہاز کھڑا ہے۔ اس
جہاز پر سوار ہو جاؤ۔ میں دوسری لڑکیوں کو لیکر
آتی ہوں۔"

عرب لڑکی نے کہا۔

"مجھے اکیلی جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ کیا تم میرے
ساتھ نہیں چلوگی۔ مقدس رُوح!"

"اچھا تو پھر جلدی چلو۔"

ماریا نے عرب لڑکی کو ساتھ لیا اور جلدی جلدی جہاز
کی طرف چل پڑی۔ چٹان کے قریب سے گزرتے
ہوئے اُسے گنجا باورچی نظر آیا۔ ماریا نے کہا۔

"ایڈگر! اس عرب لڑکی کو ساتھ لے کر جہاز پر سوار
ہو جاؤ۔ یاد رکھنا۔ نیچے کیبن اور باورچی خانے میں
تین ملاح بے ہوش پڑے ہیں انہیں وہیں رہنے دینا۔"

"ٹھیک ہے۔"

اس کام سے فارغ ہو کر ماریا سیدھی چاروں جا
لڑکیوں کے پاس گئی۔ چاروں لڑکیاں آدھی رات ک
وقت ماریا کا بے تابی سے انتظار کر رہی تھیں۔
نے جاتے ہی پہرے دار کو ٹھکانے لگا دیا۔ ا
لڑکیوں کو ساتھ لے کر جہاز پر آگئی۔ جزیرے پ
خاموشی اور اندھیرا چھا رہا تھا۔ انہیں راہ میں ک
قسم کی تکلیف نہ ہوئی۔ جہاز پر آتے ہی ماریا ن
گنجے باورچی کو حکم دیا کہ جہاز کے بادبان کھول دی
جائیں۔ باورچی ایڈگر نے رسہ کھولا اور ساتھ ہ
بادبان بھی کھول دیئے۔ رات کا وقت تھا۔ سم
پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

جہاز کے بادبانوں میں ہوا بھرتے ہی اس نے آ
آہستہ جزیرے کے کنارے سے ہٹنا شروع کر دیا۔ با
ایڈگر نے جہاز کا وہیل سنبھال لیا۔ جہاز جزیرے س
دُور ہوتا گیا۔ اتنے میں ایک ملاح نے جہاز کو
دیکھا تو شور مچا دیا۔ جہاز کے ملاح تلواریں لے کر
کنارے پر آگئے۔ کچھ ملاحوں نے سمندر میں چھلانگیں
لگا دیں اور تیرتے ہوئے جہاز کی طرف بڑھے۔

مگر اب وقت گذر چکا تھا۔ جہاز کے قریب آکر
بھی ملاح اس کے اوپر نہ چڑھ سکے اور جہاز سمندر
میں اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگا۔ باقی ساری رات
جہاز سمندر میں سفر کرتا رہا۔ دن چڑھا تو باورچی
ملاح ایڈگر عرشے پر دھوپ میں آگیا۔ اس کو ماریا
نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے آواز دی۔

"مقدس رُوح!"

ماریا قریب ہی کھڑی تھی۔

"کیا ہے ایڈگر؟"

"مقدس رُوح! ان چاروں ملاحوں کا کیا کریں؟"
ماریا نے مسکرا کر کہا۔

"میرا خیال ہے ان کے پکوڑے بنا کر ہمیں کھلاؤ۔"
ایڈگر بھی ہنسا۔ اتنے میں عرب لڑکی اور چاروں
لڑکیاں بھی اوپر آگئیں۔ وہ دھوپ میں ایک دوسری
سے باتیں کرنے لگیں۔ ایڈگر نے ماریا سے کہا۔

"میں نے ناشتہ تیار کرنا ہے اور باورچی خانے میں
ڈاکو ملاح قید ہیں۔"

ماریا نے کہا۔ "میرے ساتھ نیچے آؤ۔"
ایڈگر ماریا کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ نیچے آکر ماریا

نے ایڈگر سے کہا۔

"کہیں سے مضبوط رسّی لے لو۔"

ایڈگر نے ایک کونے سے رسّی لے لی۔ باورچی خانے کا دروازہ کھول کر ماریا نے اندر دیکھا۔ تینوں ملاح بے ہوش پڑے تھے۔ ماریا نے ایڈگر کے ساتھ مل کر ان کی اچھی طرح سے مشکیں کس دیں۔ اس کے بعد انہوں نے ساتھ والے کیبن میں جاکر بھالو ملاح کو بھی رسّی سے جکڑ دیا۔ پھر باری باری ان چاروں کو اوپر عرشے پہ لایا گیا۔ پھر ایک ایک کر کے انہیں سمندر میں پھینک دیا گیا۔ چاروں خونی ڈاکو سمندر کی لہروں میں گم ہو گئے۔

بادبانی جہاز مشرق کی جانب ٹھیک سمت پر جا رہا تھا۔ دو روز کے سفر کے بعد آخر انہیں ہندوستان کا مغربی کنارہ نظر آگیا۔ پھر وہ دریا دیکھا گیا جو آگے جاکر جنگلی لڑکیوں کی بستی سے گذرتا تھا۔ جہاز دریا میں داخل ہو گیا۔ ادھر دوپہر کے بعد جنگلی آدمیوں نے ایک چھوٹے بادبانی جہاز کو دریا میں آکر کنارے پر لگتے دیکھا تو انہوں نے اس پہ تیروں کی بارش کر دی وہ سمجھے کہ شاید وہی لوگ حملہ کرنے پھر آگئے ہیں۔

ماریا نے چاروں جنگل لڑکیوں کو اوپر بلا لیا۔ لڑکیوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر چیخ کر اپنی زبان میں کہا۔

"ہم تمہاری لڑکیاں ہیں۔ ہم دشمن نہیں ہیں۔"

جنگلیوں نے اپنی عورتوں کو دیکھا تو رُک گئے۔ اس کے بعد ماریا نے انہیں ایڈگر کے ساتھ اُن کے ماں باپ کے پاس روانہ کر دیا۔ جنگلیوں نے ایڈگر کی خوب آؤ بھگت کی انہیں پھل اور شکر قندی سے لاد دیا۔ رات بھر دریا میں رکنے کے بعد ماریا کا جہاز دوسرے روز صبح صبح سورج نکلنے کے ساتھ ہی عرب لڑکی کو لے کر بصرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

سمندر پُر سکون تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ سمندر کی ہلکی ہلکی موجیں جہاز کے پیندے سے آ کر ٹکرا رہی تھی۔ ایڈگر باورچی خانے میں ناشتہ تیار کر رہا تھا۔ ماریا ناگ اور عنبر کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ خدا جانے وہ کہاں ہوں گے۔

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ ناگ راج کماری کو باغی لٹیروں کی قید سے چھڑا کر اس کے ملک میں راج ماتا کے ہاں لے جا رہا تھا راج ماتا کے منتری نے

سازش کر کے راج کماری کو اغوا کروا دیا تھا تاکہ
جنگل میں جا کر چھپ کر اس سے بیاہ کر لے اور پھر
راج پاٹھ پر قبضہ کر لے۔ ناگ ہندوستان کے گھنے جنگل
میں سے گزر رہا تھا۔ راج کماری اس کے ساتھ تھی
دونوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ رات آ گئی۔ ناگ نے
ایک جگہ رات بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔

یہاں ایک چٹان نے آگے بڑھ کر سائبان سا تان
رکھا تھا۔ ناگ نے راج کماری سے کہا۔

"بہن! تم یہاں آرام کرو۔ میں دور ہٹ کر پہرہ
دوں گا۔"

راج کماری نے کہا

"بھیا ناگ! اپنی حفاظت کرنا۔ یہ جنگل سانپوں سے
بھرا ہوا ہے۔"

ناگ مسکرایا۔

"مجھے سانپ کچھ نہیں کہتے۔ ہاں۔ تمہاری حفاظت بھی
میں ہی کروں گا۔ سانپ تمہیں بھی کچھ نہیں کہے گا۔"

اور اس کے ساتھ ہی راج کماری کو چٹان کے
پاس لٹا کر ناگ ذرا دور جا کر ایک درخت کے نیچے
بیٹھ گیا۔ آج رات وہ نہیں سونا چاہتا تھا۔ اور جاگ

کر راج کماری کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔ راج کماری نے
کچھ پھل کھا کر پانی پی لیا تھا۔ وہ نرم نرم گھاس پر
لیٹی اپنی ماں راج ماتا کو یاد کر رہی تھی۔ وہ سوچ
رہی تھی کہ وہ جاتے ہی راج منتری کو دیس نکالا دلوا
دے گی۔ پھر اسے خیال آیا کہ راج منتری بڑا سازشی
انسان ہے۔ اس نے سپہ سالار کو بھی ساتھ ملا رکھا
ہے۔ وہ طاقتور ہے اور اسے اپنی جگہ سے ہٹا کر
شہر سے باہر نکلوانا آسان نہیں۔

اس قسم کے خیالات میں کھوئی راج کماری کو جانے
رات کے کس لمحے نیند آگئی اور وہ سو گئی۔

ہاتھی آگیا

رات آدھی گزری تھی کہ آسمان پہ بجلی چمکی۔

ناگ جاگ رہا تھا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ گھنے درختوں کی شاخوں میں اسے آسمان نظر نہیں آ رہا تھا۔ گہرا اندھیرا تھا۔ بجلی ایک بار پھر چمکی۔ بادلوں کی گرج سنائی دی اور ساتھ ہی بارش شروع ہو گئی۔ ناگ لپک کر راج کماری کی طرف گیا۔ اس نے راج کماری کو جگا کر کہا۔

"بارش ہونے لگی ہے۔ ہمیں کسی سائے میں چلا جانا چاہئے۔"

پاس ہی ایک ٹیلے کا چھجا آگے کو بڑھا ہوا تھا۔ وہاں گھنی جھاڑیاں تھیں۔ ناگ نے راج کماری کو ایک محفوظ جگہ بٹھا دیا۔ راج کماری پھر سو گئی۔ ناگ جاگ رہا تھا۔ جانے کیوں اسے خطرے کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ اتنے میں اسے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ ناگ چوکنا ہو کر جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپ کر

دیکھنے لگا۔ دو گھوڑ سوار جنگل میں نظر آئے۔ ٹیلے کے پاس آ کر وہ گھوڑوں سے اتر گئے۔

"اس ٹیلے کے سائے میں بارش سے پناہ مل سکتی ہے۔"

"چلو۔ وہیں چلتے ہیں۔"

دونوں نے اپنے گھوڑے درختوں کے نیچے کھڑے کئے اور ناگ سے ذرا فاصلے پر جھاڑیوں کے پاس آ کر پتھروں پر سائے میں بیٹھ گئے۔ ان کے حلیے ناگ کو ڈاکوؤں ایسے معلوم ہوتے۔ کاندھوں پر ڈھالیں لگی تھیں۔ تلواریں لٹک رہی تھیں۔ اندھیرے میں ان کی شکلیں زیادہ صاف دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

اب ناگ کو ڈر تھا کہ کہیں راج کماری نیند میں بڑبڑانے نہ لگے یا اٹھ کر نہ بیٹھ جائے۔ وہ ان ڈاکوؤں سے خوامخواہ لڑائی مول لینا نہیں چاہتا تھا۔

بجلی کا کڑاکا گرجا تو راج کماری کی آنکھ کھل گئی۔ ناگ نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور کان کے پاس منہ لے جا کر آہستہ سے کہا۔

"آواز بالکل نہ نکالنا۔ پاس ہی ڈاکو بیٹھے ہیں۔"

راج کماری ڈر گئی اور سہم کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ناگ ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک ڈاکو

نے کہا۔

"اگر ہم بارش کے رکنے کا انتظار کرتے رہے تو وقت نکل جائے گا۔ ہمیں اس طوفانی رات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

دوسرا ڈاکو بولا۔ "تو کیا ہم اس وقت جا کر ڈاکہ ماریں اور لڑکی کو اغوا کر کے لے جائیں؟"

"ہاں۔ ہمیں اس وقت چل کر حملہ کر دینا چاہئے چوکیدار کی جھونپڑی زیادہ دور نہیں ہے۔ اس کی لڑکی کے عوض جاگیردار ہمیں دو ہزار اشرفیاں ضرور انعام میں دے دے گا۔"

"تو پھر چلو۔"

دونوں ڈاکو جھاڑیوں میں سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بارش میں بھیگتے جنگل میں روانہ ہو گئے۔ ناگ نے راج کماری سے کہا

"راج کماری! میرا دل چاہتا ہے کہ میں غریب چوکیدار کی لڑکی کو ان بدمعاش ڈاکوؤں سے بچاؤں اس لیے تم اسی جگہ چٹان کی کھوہ میں بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔ میں ان ڈاکوؤں کے پیچھے جا رہا ہوں۔"

راج کماری نے کہا۔ "لڑکی کو بچانا بڑی اچھی بات ہے۔

مگر وہ ڈاکو تو گھوڑوں پر سوار ہیں۔ تم پیدل چل کر ان کا پیچھا کس طرح سے کر سکو گے؟"

ناگ بولا: "اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں انہیں پکڑ لوں گا۔ تم اس جگہ میرا انتظار کرنا۔ میں بہت جلد واپس آ رہا ہوں۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔ میں اسی جگہ تمہیں ملوں گی۔"

راج کماری کو چٹان کی کھوہ میں چھوڑ کر ناگ جنگل میں اس طرف چل دیا جدھر دونوں ڈاکو گئے تھے۔ بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ بادل بھی گرج رہے تھے۔ جنگل کے درخت رات کے اندھیرے میں بھوت لگ رہے تھے۔ اور ان کی گھنی جھاڑیوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ جب ناگ نے محسوس کیا کہ وہ راج کماری سے کافی دور نکل گیا ہے تو اس نے عقاب کا روپ بدلا اور درختوں کے اوپر آسمان میں اڑنے لگا۔

کچھ دور جا کر اس نے دیکھا کہ دونوں ڈاکو گھوڑے دوڑاتے جنگل کی ایک کچی سڑک پر بھاگے جا رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی ندی عبور کرنے کے بعد وہ ایک جگہ رک گئے۔ سامنے ٹیلے کی اوٹ میں ایک جھونپڑا

نے کہا۔

"اگر ہم بارش کے رکنے کا انتظار کرتے رہے تو وقت نکل جائے گا۔ ہمیں اس طوفانی رات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

دوسرا ڈاکو بولا۔ "تو کیا ہم اس وقت جا کر ڈاکہ ماریں اور لڑکی کو اغوا کر کے لے جائیں؟"

"ہاں۔ ہمیں اس وقت چل کر حملہ کر دینا چاہیے چوکیدار کی جھونپڑی زیادہ دور نہیں ہے۔ اس کی لڑکی کے عوض جاگیردار ہمیں دو ہزار اشرفیاں ضرور انعام میں دے دے گا۔"

"تو پھر چلو۔"

دونوں ڈاکو جھاڑیوں میں سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور بارش میں بھیگتے جنگل میں روانہ ہو گئے۔ ناگ نے راج کماری سے کہا

"راج کماری! میرا دل چاہتا ہے کہ میں غریب چوکیدار کی لڑکی کو ان بدمعاش ڈاکوؤں سے بچاؤں اس لیے تم اسی جگہ چٹان کی کھوہ میں بیٹھ کر میرا انتظار کرو۔ میں ان ڈاکوؤں کے پیچھے جا رہا ہوں۔"

راج کماری نے کہا۔ "لڑکی کو بچانا بڑی اچھی بات ہے۔

مگر وہ ڈاکو تو گھوڑوں پر سوار ہیں۔ تم پیدل چل کر ان کا پیچھا کس طرح سے کر سکو گے؟"

ناگ بولا۔ "اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں انہیں پکڑ لوں گا۔ تم اس جگہ میرا انتظار کرنا۔ میں بہت جلد واپس آ رہا ہوں۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔ میں اسی جگہ تمہیں ملوں گی۔"

راج کماری کو چٹان کی کھوہ میں چھوڑ کر ناگ جنگل میں اس طرف چل دیا جدھر دونوں ڈاکو گئے تھے۔ بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ بادل بھی گرج رہے تھے۔ جنگل کے درخت رات کے اندھیرے میں بھوت لگ رہے تھے۔ اور ان کی گھنی جھاڑیوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ جب ناگ نے محسوس کیا کہ وہ راج کماری سے کافی دور نکل گیا ہے تو اس نے عقاب کا روپ بدلا اور درختوں کے اوپر آسمان میں اڑنے لگا۔

کچھ دور جا کر اس نے دیکھا کہ دونوں ڈاکو گھوڑے دوڑاتے جنگل کی ایک کچی سڑک پر بھاگے جا رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی ندی عبور کرنے کے بعد وہ ایک جگہ رک گئے۔ سامنے ٹیلے کی اوٹ میں ایک جھونپڑا

بنا ہوا تھا۔ ڈاکوؤں نے گھوڑے باہر باندھے اور جھونپڑے کا دروازہ توڑ کر اندر گھس گئے۔ بوڑھا چوکیدار اور اس کی لڑکی سو رہے تھے۔ شور سن کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔

"کون ہے؟"

ڈاکوؤں نے بوڑھے کو گردن سے پکڑ کر کونے میں پھینک دیا۔ اور لڑکی کو کھینچ کر باہر لے آئے۔ بوڑھا ان کی منتیں کرنے لگا کہ اس کی بیٹی پر رحم کرو۔ مگر ڈاکوؤں کے دل پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔ لڑکی بھی رو رہی تھی اور ہاتھ جوڑ کر کہہ رہی تھی۔

"خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو۔ مجھے میرے بابا سے جدا نہ کرو۔"

ایک ڈاکو نے لڑکی کے منہ پر زور سے طمانچہ مار دیا۔

"بکواس بند کر۔ نہیں تو تمہارے بابا کی گردن اڑا دوں گا۔"

لڑکی سہم گئی۔ ڈاکوؤں نے لڑکی کو زبردستی اٹھا کر گھوڑے پر ڈال لیا۔ بادل زور سے گرج اٹھا۔ بجلی چمکی جس کی روشنی میں ڈاکوؤں کو اپنے سامنے درختوں

میں ایک بھیانک ہاتھی کا سایہ نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہی ہاتھی کی دل ہلا دینے والی چنگھاڑ سے جنگل گونج اٹھا۔

"ہاتھی۔ بھاگو!"

مگر ہاتھی کی چنگھاڑ سن کر گھوڑے بدکے اور الف ہو گئے۔ دونوں سوار اور لڑکی گھوڑوں پر سے گر پڑے ہاتھی اب ان کے سر پر آ گیا تھا یہ ایک خوفناک لمبے لمبے کانوں اور نکیلے دانتوں والا پہاڑ ایسا ہاتھی تھا۔ ہاتھی نے آگے بڑھ کر ایک ڈاکو کو اپنی سونڈ میں لپیٹا اور اوپر اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ ڈاکو کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ وہیں بے ہوش ہو گیا۔ دوسرا ڈاکو جنگل میں بھاگا۔ ہاتھی گھوم کر مڑا اور بھاگتے ڈاکو کا پیچھا کرنے لگا۔ ہاتھی کی چنگھاڑ سے جنگل لرز رہا تھا۔

ڈاکو آگے آگے اندھیرے جنگل میں بھاگ رہا تھا۔ ہاتھی اس کے پیچھے دوڑا چلا آ رہا تھا۔ ڈاکو نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ہاتھی اس کے سر پر پہنچ گیا تھا۔ اس کے سامنے ایک چھوٹا سا تالاب آ گیا۔ ڈاکو نے اس میں چھلانگ لگا دی کہ شاید اسی طرح سے اس کی جان بچ جائے۔ مگر یہی اس کی زندگی کی آخری غلطی تھی کیونکہ اس نے جس تالاب میں چھلانگ لگائی تھی وہ دلدل تھی۔

تالاب کی دلدل میں گرتے ہی ڈاکو کے پاؤں
کیچڑ میں نیچے اترنے لگے وہ گھبرا گیا۔ اس نے جلدی
سے اوپر اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر اس کے پاؤں اور
زیادہ نیچے دھنس گئے۔ اب دلدل نے اسے نگلنا
شروع کر دیا۔ جتنی وہ اوپر اٹھنے کی کوشش کرتا اتنا
ہی دلدل میں دھنستا چلا جاتا۔ آخر دلدل اس کی گردن
تک پہنچ گئی۔ ہاتھی کنارے پر کھڑا اس خونی ڈاکو کی
موت کا منظر خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ جب دلدل
ڈاکو کے منہ تک آئی تو اس نے ایک چیخ ماری۔ چیخ
ابھی اس کے ہونٹوں پر ہی تھی کہ دلدل نے اس کا
منہ بھی نگل لیا۔ بجلی چمکی تو ہاتھی نے دیکھا کہ ڈاکو دلدل
میں غائب ہو گیا تھا۔ ہاتھی نے سونڈ اوپر اٹھا کر خوشی
کا ایک نعرہ لگایا اور واپس چلا

جھونپڑی کے پاس جا کر اس نے دوبارہ ناگ کی
شکل بدل اور جھونپڑے میں آ کر چوکیدار کو تسلی دی
اور کہا

"بابا! اب فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ڈاکو
مارے گئے ہیں!"

چوکیدار نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ۔

"اگر خدا میری مدد کو ہاتھی نہ بھیجتا تو یہ ظالم میری
پچی کو اغوا کر کے لے جا چکے تھے!"

ناگ نے ڈاکوؤں کے گھوڑوں کو پکڑ لیا۔ ایک گھوڑے پر وہ خود
سوار ہوا اور دوسرے گھوڑے کو ساتھ لے کر وہ
جنگل میں سے گزرتا اس چٹان کے پاس آ گیا جہاں
ج کماری اس کا انتظار کر رہی تھی ناگ کو گھوڑے
سوار دیکھ کر اس نے کہا۔

"یہ گھوڑے کہاں سے آ گئے؟"

ناگ نے ساری کہانی بیان کر دی کہ کس طرح جنگل
کا ں سے ایک ہاتھی نے نکل کر ڈاکوؤں کو ان کے
ام تک پہنچایا۔ حالانکہ ہاتھی وہ خود تھا مگر اس نے
ج کماری کو کچھ نہ بتایا۔ اب بارش ختم گئی تھی۔ آسمان
صبح کی روشنی بھی جھلکنے لگی تھی۔ ناگ نے راجکماری
دوسرے گھوڑے پر سوار کرایا اور اس کے محل کی
ت روانہ ہو گیا۔

جنگل سے باہر نکلے تو سامنے ایک سرسبز میدان
ا۔ آگے کھیت تھے۔ دھوپ خوب چمک رہی تھی
ر دور راج کماری کے محل اور شہر کی دیواریں دکھائی
ے رہی تھیں۔ راج کماری نے خوش ہو کر کہا۔

وہ ہمارا شہر ہے۔ ہمارا محل ہے۔ وہاں میری ماں
میری یاد میں رو رہی ہو گی۔ وہ مجھے دیکھ کر کتنی
خوش ہو گی۔ مگر راج منتری جل جائے گا۔ وہ مجھے
ایک بار پھر اغوا کروانے یا قتل کروانے کی ضرور
کوشش کرے گا۔ وہ ہماری راج گدی پر قبضہ کرنا
چاہتا ہے اور جب تک میں زندہ ہوں۔ راج ماتا
زندہ ہے وہ اس سازش میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔"

ناگ نے کہا: "راج منتری اپنی ناپاک کوشش میں ہرگز
کامیاب نہیں ہو گا۔ راج گدی پر تم ہی بیٹھو گی اور
اپنی مرضی سے شادی کرو گی۔"

راج کماری نے کہا: "جس راج کمار سے میں نے
شادی کرنی ہے اُسے بھی راج منتری نے قید خانے
میں ڈال رکھا ہے۔"

ناگ بولا: "گھبراؤ نہیں۔ میں اسے بھی قید خانے سے
نجات دلاؤں گا۔"

اسی طرح باتیں کرتے اور گھوڑے دوڑاتے وہ
شہر کی دیوار کے پاس پہنچ گئے۔ دروازے پر سپاہی
پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے راج کماری کو دیکھ
کر خوشی سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ شہر میں

ایک دم خبر پھیل گئی کہ کھوئی ہوئی راج کماری واپس
شہر میں آ گئی ہے۔ محل میں بھی یہ خبر پہنچ گئی۔
راج منتری پریشان ہو کر محل سے باہر آ گیا۔ راج ماتا
تو خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔ راج کماری
گھوڑے پر سوار بڑی شان سے چلی آ رہی تھی۔ ناگ
بھی گھوڑے پر سوار اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

راج منتری نے منہ رکھنے کے لیے جھوٹ موٹ
خوشی کا اظہار کیا اور اعلان کیا کہ راج کماری کی
واپسی کی خوشی میں محل میں دو روز تک جشن منایا
جائے گا۔ راج کماری کو راج ماتا نے گلے لگا لیا اور
اسے لے کر محل میں چلی گئی۔ ناگ بھی اس کے ساتھ
ساتھ تھا۔

راج منتری ایک بار پھر پریشان ہو گیا۔ راج کماری
جب تک زندہ تھی یا اس کی بیوی نہیں بن جاتی
تب تک وہ راج گدی پر قبضہ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ رعایا
راج کماری کو پسند کرتی تھی۔ راج منتری زبردستی تخت
پر قبضہ کر کے رعایا کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔
اب اس نے اپنے وزیر سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا
چاہئے۔

آخر اس نے فیصلہ کیا کہ پہلا کام تو یہ کیا جائے
تہہ خانے میں قید راج کماری کے منگیتر کو قتل کر
جائے تاکہ ایک دشمن تو ختم ہو۔ اس کے بعد راج
اور راج کماری کو کھانے میں آہستہ آہستہ زہر د
مار دیا جائے۔ راج منتری نے اپنے ایک خا
غلام کو حکم دیا کہ تہہ خانے میں جا کر راج کمار
قتل کر دیا جائے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اسی رات نا
بھی راج کماری کے کہنے پر اس کے منگیتر راج کما
کی تلاش میں تہہ خانے کی طرف گیا۔ راج کماری
اسے تہہ خانے کا پورا راستہ بتا دیا تھا۔

محل کی راہداریوں میں چراغ جل رہے تھے۔
جگہ پہرہ تھا۔ کوئی چڑیا بھی وہاں پر نہیں مار
سکتی۔ پھر ناگ کس طرح سے وہاں جا سکتا تھا؟
ناگ کے پاس تو تہہ خانے میں جانے کے
ذریعے تھے۔ پس ناگ نے ایک سیاہ رنگ کے
سانپ کا روپ بدلا اور راہداریوں کی چھت پر
ہوتا ہوا تہہ خانے کے دروازے پر پہنچا تو
دیکھتا ہے کہ ایک آدمی منہ سر لپیٹے چلا جا رہا
ناگ نے اس کا کوئی خیال نہ کیا اور راج کما

کے بتائے ہوئے راستے پر رینگتا چلا گیا۔ بائیں جانب گھوما
تو سامنے تہہ خانہ تھا۔ باہر ایک سپاہی پہرہ دے رہا
تھا۔ سپاہی نے سانپ کو نہ دیکھا۔ وہ رینگتا ہوا تہہ خانے
کی سلاخوں میں سے اندر داخل ہو گیا۔ اتنے میں وہ
آدمی بھی سپاہی کے پاس آ کر رُک گیا اس نے ایک انگوٹھی
نکال کر سپاہی کو دکھائی۔ یہ راج منتری کی اپنی خاص
انگوٹھی تھی اُسے دیکھتے ہی سپاہی نے سر جھکایا اور وہاں
سے چلا گیا۔

وہ آدمی راج منتری کا بھیجا ہوا غلام تھا جو راج کمار
کو قتل کرنے آیا تھا۔ غلام نے جیب سے چابی نکالی
قید خانے کا تالا کھولا اور اندر آ گیا راج کمار سر جھکائے
کونے میں پتھر کی سِل پر بیٹھا تھا دیوار پر ایک ننھا سا
دیا جل رہا تھا۔ کونے میں سانپ بھی دیوار کے ساتھ
لگا بیٹھا تھا۔ راج کمار نے غلام کو آتے دیکھا تو سر
اٹھا کر پوچھا۔

"میرے لیے کیا حکم بھیجا ہے راج منتری نے؟"
غلام نے بغل میں سے چھرا نکال کر کہا۔
"اس نے تمہارا سر منگوا بھیجا ہے۔ کیا تم
تیار ہو؟"

بہادر راج کمار نے کہا۔
"میں تیار ہوں۔ لیکن اگر تم مقابلہ کر کے میرا سر
لے جاتے تو میرے دل میں کوئی حسرت نہ رہتی۔"
غلام ہنسا۔ "اب یہ حسرت تمہارے دل میں ہی رہ
جائے گی۔ دو زانو ہو کر سر جھکا دو تاکہ میں تمہاری
گردن سے تمہارا سر الگ کر دوں۔ میرے پاس وقت
بہت کم ہے۔"

راج کمار نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا
"اے خدا! اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں تمہاری
مرضی کے آگے سر جھکاتا ہوں۔"

اور راج کمار نے سر جھکا دیا۔ غلام چھرا ہاتھ میں
لے کر آگے بڑھا تاکہ راج کمار کا سر کاٹ کر اتار
دے کہ اچانک ایک جانب سے پھنکار کی غضب ناک
آواز آئی۔ غلام نے پلٹ کر دیکھا ایک سیاہ ناگ زمین
سے پانچ فٹ اوپر کو اٹھا پھن پھیلائے جھوم رہا تھا
اور اپنی لال لال آنکھوں سے غلام کو گھور رہا تھا۔
غلام پر جیسے سانپ کی آنکھوں نے جادو کر دیا۔
پتھر کا بت بنا کھڑا سانپ کو تکتا رہا۔ راج کمار سہم کر
پرے ہٹ گیا۔

سانپ نے آہستہ آہستہ آگے بڑھنا شروع کیا غلام
ایک دم جیسے ہوش میں آ گیا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر
چھرا لہرایا اور زور سے سانپ کی طرف پھینکا۔ سانپ نے
گردن ایک طرف کر لی۔ یہ بڑا خطرناک حملہ تھا۔ اس حملے
سے ناگ ہلاک ہو سکتا تھا۔ ناگ نے اس قسم کا خطرہ
شاید پہلے کبھی مول نہیں لیا تھا۔ بہرحال غلام کا وار خالی
گیا تھا اور اب حملہ کرنے کی باری سانپ کی تھی۔ اس
نے پھن آگے کو مارا۔ غلام گر پڑا۔ سانپ اس کی گردن پر
آ گیا اور جھک کر غلام کی آنکھوں میں گھورنے لگا۔

غلام کا سارا جسم پسینے میں تربتر ہو گیا۔

اور پھر راج کمار نے دیکھا کہ سانپ نے بڑی تیزی
سے غلام کی گردن پہ دوبار ڈس دیا اور اندھیرے میں
غائب ہو گیا۔ غلام کا جسم سانپ کے زہر سے سُن ہو گیا
پھر وہ پتھر بن گیا اور مر گیا۔ راج کمار اٹھا اور دروازے
کی طرف بڑھا۔ دروازے میں ناگ انسان کی شکل میں نمودار
ہوا اور بولا۔

"میرے ساتھ چلے آؤ۔ راج کماری نے مجھے تمہیں لانے
کے لیے بھیجا ہے۔ جلدی کرو۔ وقت کم ہے۔"

راج کمار کو ناگ نے غلام کے کپڑے پہنا دیئے اور

اندھیرے میں اُسے راہداریوں سے گزارتا راج کمار
کے محل میں لے آیا۔ راج کماری نے اپنے ہنگیتر کو
تو خوشی سے نہال ہو گئی۔ ناگ نے کہا۔

"ہمارا سب سے بڑا دشمن راج منتری ابھی باقی
ہے جب تک وہ زندہ ہے تم غیر محفوظ ہو اور
اس راج گدی پر خطرہ منڈلاتا رہے گا۔"

راج کمار بولا: "اگر آپ لوگ مجھے اجازت دیں تو
صبح ہونے سے پہلے پہلے اسے جا کر ختم کر دوں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔ تمہارا راج کماری اور راج ماتا کے
پاس رہنا بہت ضروری ہے راج منتری کو میں سنبھال لوں گا"

راج کمار نے کہا: "میری سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہ
آئی کہ وہ سانپ کہاں سے آ گیا جس نے غلام کو ڈس کر
میری جان بچائی؟"

راج کماری بولی: "اسے خدا نے تمہاری مدد کے لیے
بھیجا تھا کنور جی!"

ناگ مسکرایا: "راج کماری ٹھیک کہتی ہے۔ خدا نے تمہاری
مدد کی اور تمہاری جان بچ گئی۔ اب تمہیں راج کماری
کے محل میں ہی راج ماتا کے ساتھ رہنا ہو گا۔ کیونکہ
راج منتری کو جب اپنے غلام کی لاش کی خبر ملی تو وہ غصے

تمہیں قتل کرنے خود آئے گا۔
سے دیوانہ ہو جائے گا اور
پھر جب اُسے تمہارے غائب ہونے کا پتہ چلے گا تو وہ
سارے محل میں تمہیں تلاش کرے گا۔
وہ مجھے ساری زندگی تلاش نہیں کر سکے گا
راج کمار بولا:
ناگ بھائی!"

"ٹھیک ہے۔ اس کے باوجود تمہیں یہاں سے باہر
نہیں نکلنا چاہیے۔"

رات گزر گئی۔ دن چڑھا تو راج منتری کو خبر ملی کہ غلام
کو سانپ نے ڈس دیا ہے۔ اور راج کمار قید خانے سے
بھاگ گیا ہے۔ راج منتری غصے سے نیم پاگل ہو گیا۔ اس
نے اپنے خفیہ سپاہیوں کو حکم دیا کہ سارے محل کی تلاشی
لی جائے اور راج کمار جہاں ملے اُسے اسی جگہ ختم کر دیا
جائے اور جس نے اسے پناہ دے رکھی ہو اُسے بھی اسی
وقت قتل کر دیا جائے۔

سپاہی محل کے کونے کونے میں پھیل گئے۔
راج کمار راج ماتا کے محل میں اوپر والے کمرے میں چھپا
ہوا تھا۔ سپاہی تلاشی لیتے ہوئے وہاں بھی آ گئے ناگ
وہاں نہیں تھا۔ سپاہیوں نے تلاشی لینی شروع کر دی۔ وہ
اوپر والے کمرے میں بھی گئے۔ اس کمرے پر تالا لگا تھا

راج ماتا اور راج کماری گھبرا رہی تھیں۔ سپاہیوں نے چابی مانگی تو راج ماتا نے کہا۔

"یہ کمرہ تو کئی سالوں سے بند پڑا ہے۔ اس کی چابی ہمارے پاس نہیں ہے۔"

سپاہیوں نے تالا توڑ دیا اور کمرے میں داخل ہو گئے۔ راج کماری اور راج ماتا کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اب راج کمار کو سپاہیوں سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ اتنے میں ناگ وہاں آ گیا۔ راج کماری نے اسے حالات سے باخبر کیا تو ناگ نے جلدی سے کہا۔

"تم دونوں کمرے میں جا کر بیٹھو میں سپاہیوں کی خبر لیتا ہوں۔ خبردار تم میں سے کوئی بھی باہر نہ نکلے۔"

دونوں ماں بیٹی کو کمرے میں دھکیل کر ناگ اوپر آ گیا۔ اس نے دروازے میں سے جھانک کر اندر دیکھا۔ سپاہی تلاشی لے رہے تھے۔ راج کمار اوپر پرچھتی میں صندوقوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ ایک سپاہی نے اوپر اشارہ کرکے کہا "اس پرچھتی میں بھی تلاش کرو۔"

دو سپاہی تلواریں لے کر اوپر چڑھ گئے۔ صندوقوں کے پیچھے راج کمار باہر نکل آیا اور للکار کر بولا۔

"کوئی آگے بڑھا تو اس کی خیر نہیں۔"

راج کمار کے ہاتھ میں ایک لوہے کی سلاخ تھی۔ سپاہی اس پر ٹوٹ پڑے۔ راج کمار بہادر نوجوان تھا۔ اس نے نیچے چھلانگ لگا دی۔ اب مقابلہ شروع ہو گیا۔ ایک سپاہی گرا تو راج کمار نے اس کی تلوار چھین کر لڑنا شروع کر دیا۔ مگر سپاہی زیادہ تھے۔ راج کمار اتنے سارے سپاہیوں کا مقابلہ کرتے کرتے تھک گیا۔ وہ کونے میں جا لگا۔ چاروں سپاہی اس پر تلواروں سے حملے کرنے لگے۔ ناگ تیزی سے اندر آ گیا۔ سپاہی راج کمار پر تلواریں چلا رہے تھے۔ راج کمار ان کے وار بڑی مشکل سے بچا رہا تھا کہ اچانک کمرے میں ہاتھی کی چنگھاڑ گونج اٹھی۔

سپاہیوں نے گھبرا کر پیچھے دیکھا کہ یہ ہاتھی اوپر کمرے میں کہاں سے آ گیا۔ لیکن اس دوران میں ہاتھی نے ایک سپاہی کو اٹھا کر چھت پر پٹخ دیا تھا اور دوسرے کو پاؤں تلے ڈال کر کچل کر رکھ دیا تھا۔ دوسرے سپاہی باہر کو جاگے مگر ہاتھی نے انہیں بھی سونڈ سے پکڑ کر نیچے گرا دیا۔ سپاہیوں کی تلواریں گھبراہٹ میں گر پڑی تھیں وہ ششدر تھے کہ یہ ہاتھی کہاں سے آ گیا۔ اتنا بڑا اور خوفناک ہاتھی انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ راج کمار بھی سہما ہوا کونے میں دبکا تھا کہ جانے اب ہاتھی اس

کے ساتھ کیسا سلوک کرے؟ ہاتھی نے پانچوں پہاہیوں کو ہلاک کیا اور سونڈ ہلاتا باہر نکل گیا۔ اس کے باہر جاتے ہی راج کنور کی جان میں جان آئی۔ وہ تیزی سے لپک کر نیچے راج ماتا اور راج کماری کے کمرے میں آ گیا۔

"اوپر ہاتھی آ گیا ہے"۔

راج کماری اور راج ماتا نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

موت کی سُرنگ

ہاتھی غائب ہو چکا تھا ناگ نیچے آ گیا۔ راج کمار نے اسے بھی ہاتھی کے بارے میں بتایا۔ ناگ نے کہا۔

"ہاتھی آیا تھا۔ چلا گیا ہے۔ اب ہمیں راج منتری سے نمٹنا ہے۔ ہاتھی ہماری مدد کرنے آیا تھا۔ اُسے بھول جانا چاہئے"۔

پھر اس نے راج ماتا سے پوچھا کہ محل میں کوئی ایسی خفیہ جگہ ہے جہاں کچھ دنوں کے لئے راج کمار اور راج کماری کو چھپا دیا جائے؟ راج ماتا نے کہا۔

"ایک خفیہ تہہ خانہ ہے جس کو میری خواب گاہ سے راستہ جاتا ہے۔ اس تہہ خانے میں ان دونوں کو چھپایا جا سکتا ہے"۔

ناگ نے راج کماری سے کہا۔

"راج کماری! کیا تم دو ایک دن کے لیے وہاں رہ لو گی"۔

راج کماری نے کہا۔

"کیوں نہیں رہ لوں گی۔ اگر یہ ضروری ہے تو میں
ضرور تہ خانے میں رہ لوں گی اور پھر راج کمار بھی تو
میرے ساتھ ہی ہو گا"۔

ناگ نے کہا۔

"بلکہ میرا خیال ہے کہ راج ماتا کو بھی تم لوگوں کے
ساتھ ہی جانا چاہیے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ راج منتری
کوئی سخت قدم اٹھائے۔ کیا خیال ہے راج ماتا آپ کا؟"

"تم جس طرح کہو گے ہم اسی طرح کریں گے بیٹا!
اگر تم اسی میں ہماری بہتری سمجھتے ہو تو میں آج شام
کو ہی دونوں بچوں کرے کر خواب گاہ والے خفیہ
تہ خانے میں چل جاؤں گی"۔

ناگ نے کہا: "بالکل ٹھیک بات ہے۔ آپ لوگ
شام ہونے کا انتظار نہ کریں بلکہ ابھی۔ اس وقت وہاں
چلے جائیں۔ کیوں کہ راج منتری کے پاس اوپر والے
کمرے میں پڑی سپاہیوں کی لاشیں بھی گئیں تو وہ
غصے میں بپھر جائے گا۔

اسی وقت راج ماتا، راج کماری اور راج کمار شاہی
خواب گاہ والے تہ خانے میں چلے گئے۔ یہ تہ خانہ

ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جہاں ضرورت کی ہر شے موجود تھی
ناگ انہیں تہ خانے میں چھوڑ کر اوپر آ گیا۔ محل میں وہ
اجنبی تھا۔ راج منتری نے اسے دیکھا نہیں تھا۔ ناگ چاہتا
تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے راج منتری کا کام تمام کر دیا
جائے اور وہ اس کام سے فارغ ہو کر ماریا اور منبر
کی تلاش میں روانہ ہو۔ وہ راج ماتا کے کمرے میں
کھڑکی کے پاس کھڑا نیچے محل کے باغ میں دیکھ رہا تھا۔
اس نے دیکھا کہ راج منتری بڑے غصے کے عالم
میں اوپر کی طرف چلا آ رہا ہے۔ دو سپاہی اس کے
پیچھے پیچھے چلے آتے ہیں۔

ناگ سمجھ گیا کہ سپاہیوں کی موت کی اسے خبر کر
دی گئی ہے۔ راج منتری کی نگاہ کھڑکی کی طرف اٹھ
گئی۔ راج ماتا کے کمرے کی کھڑکی میں ایک اجنبی کو
دیکھ کر راج منتری نے اشارے سے پوچھا کہ یہ
کون ہے؟ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر کہا۔

"حضور! یہ راج کماری کا بھائی ہے"۔

"کون سا بھائی؟ ہم نے تو آج تک اسے نہیں دیکھا"۔

"حضور! راج کماری اسے اپنا بھائی ہی کہتی ہے"۔

"بکواس بند کرو اور اس شخص کو گرفتار کر کے میرے

سامنے پیش کرو۔"

"جو حکم سرکار۔"

سپاہی تلوار نیام سے نکال کر اوپر کی منزل کی طرف بڑھا۔

ناگ نے یہ سارا کھیل دیکھ لیا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ گیا اور آنے والے سپاہی کا انتظار کرنے لگا۔ سپاہی نے دھڑاک سے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور تلوار ہاتھ میں لئے اندر آ کر بولا۔

"تم جو کوئی بھی ہو۔ میرے سامنے آ جاؤ۔ راجہ نے تمہاری گرفتاری کا حکم دیا ہے۔"

کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ سپاہی نے ادھر ادھر تلاش کیا۔ آخر کہاں چلا گیا؟ ابھی تو کھڑکی میں کھڑا نیچے دیکھ رہا تھا۔ یہاں سے باہر جانے کا اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ اگر باہر جاتا تو سیڑھیوں پر اُسے مل جاتا۔ پھر یہ نوجوان کہاں رفو چکر ہو گیا؟

ناگ کمرے میں واقعی نہیں تھا۔ وہ ایک ننھی سی چڑیا کی شکل میں وہاں سے اڑ گیا تھا۔ اور اس وقت راج منتری کی بارہ دری کی چھت پر بیٹھا راج منتری کے واپس اپنے محل میں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

کوئی دیر بعد راج ماتا کے محل کے دروازے میں راج منتری نمودار ہوا۔ وہ بے حد غصے میں تھا اور سپاہیوں کو ڈانٹ ڈپٹ رہا تھا۔

"نمک حراموں تمہارے ہوتے ہوئے راج ماتا، راج کمار اور راج کماری۔ تینوں بھاگ گئے۔ میں تم سب کو پھانسی لٹکا دوں گا۔ کم بخت کہتے ہیں۔ اوپر ہاتھی آ گیا تھا۔ حرام خورو! ہاتھی اُوپر کہاں سے آ سکتا ہے؟"

پھر اس نے کھڑے ہو کر اونچی آواز میں کہا۔

"اگر آج رات تک تم لوگوں نے راج ماتا راج کماری اور راج کمار کے سر میرے سامنے لا کر نہ رکھے تو میں تم سب کو اندھے کنوئیں میں پھنکوا دوں گا۔"

ناگ چڑیا کے روپ میں بارہ دری کی چھت پر بیٹھا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ راج منتری اپنے محل میں آ گیا اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اُس نے اپنے خاص نجومی کو بلوایا اور اس کے آگے اپنی مصیبت بیان کر کے کہا۔

"گورو جی! بھگوان کے لیے مجھے بتائیے کہ میری قسمت میں راج گدی لکھی ہے کہ نہیں۔ کم بخت یہ راج کماری

اور راج ماتا پھر غائب ہو گئے ہیں۔"
نجومی نے سر جھکا کر کہا۔
"ابھی زائچہ بنا کر بتائے دیتا ہوں مہاراج"
یہ نجومی بڑا تجربہ کار بوڑھا تھا اور اس کی بات کبھی
جھوٹ نہیں ہوتی تھی۔ اُس نے اسی وقت زائچہ بنا
اور پھر خاموش ہو گیا۔ راج منتری نے پریشان ہو کر
"کیا بات ہے گورو جی! آپ خاموش کیوں ہو گئے
نجومی بولا۔
"سرکار! جان کی امان پاؤں تو عرض کروں"
"ہاں ہاں جلدی کہو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں
کچھ نہیں کہیں گے۔ جلدی بتائیے۔ ہماری قسمت میں
کیا لکھا ہے؟"
نجومی نے کہا۔
"سرکار میرا زائچہ بتا رہا ہے کہ آپ کی جان سخت
خطرے میں ہے۔ آج کی رات آپ پر بہت بھاری
ہے۔ اگر آپ اسی محل میں رہے تو آپ زندہ نہیں
بچ سکیں گے۔"
راج منتری کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔
"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں گورو جی؟"

"حضور! یہ میں نہیں کہہ رہا۔ بلکہ میرا زائچہ اور آپ
کی قسمت بول رہی ہے۔"
"کوئی علاج؟"
"کچھ نہیں سرکار! زائچہ بڑا صاف صاف بول رہا ہے
اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ آج کی رات راج منتری
جی اگر محل میں رہے تو زندہ نہیں بچ سکیں گے۔ یہ
دیکھیے۔ ایک سیاہ ناگ پھن اٹھائے آپ کے ستارے
کے اوپر جھکا ہوا ہے۔"
راج منتری ڈر گیا۔ جلدی سے بولا۔
"تو پھر میں کیا کروں گورو جی؟"
"آپ جیسے بھی ہو راج محل سے کسی دوسری جگہ
چلے جائیں۔"
"کیا موت اُس جگہ نہیں آ جائے گی۔ یہ سانپ اس
جگہ بھی میرا پیچھا نہیں کرے گا؟"
نجومی بولا۔
"اگر آپ زمین کے نیچے جا کر کسی جگہ چھپ جائیں
تو سانپ وہاں آپ کو تلاش نہیں کر سکے گا۔ وہ جگہ
محل سے باہر ہونی چاہیے۔"
راج منتری نے کہا۔

میں خفیہ سُرنگ کی مدد سے شاہی محل سے نکل
کر پہاڑی کے تہ خانے میں چلا جاتا ہوں۔"
جلدی کریں۔ وقت گزرتا جا رہا ہے۔ میں آپ کے
زائچے میں کالے ناگ کی پھنکار کی آوازیں سن رہا ہوں
یہ آوازیں قریب سے قریب آتی جا رہی ہیں"
راج منتری خوف سے اُچھل پڑا۔
مجھے کب تک وہاں رہنا ہو گا؟"
زیادہ سے زیادہ دو روز تک آپ پہاڑی کے
اندر والے تہ خانے میں رہیں گے اس کے بعد آپ
کے ستارے سے وبال ٹل جائے گا۔"

راج منتری اسی وقت اٹھا اور ایک خفیہ راستے سے
گزر کر اس سُرنگ میں آ گیا جو شاہی محل کے نیچے ہی
نیچے سے نکل کر محل سے ایک میل دور ایک پہاڑی
کے اندر چلی گئی تھی۔ یہاں ایک تہ خانہ بنایا گیا تھا
جس میں راجہ کے لئے زندگی کی تمام سہولتیں موجود تھیں
راج منتری نے اپنے دو وفادار سپاہی ساتھ لئے اور
سُرنگ سے ہوتا ہوا تہ خانے میں پہنچ گیا۔
ادھر ناگ نے شاہی محل میں کبھی چڑیا، کبھی بلی اور
کبھی سانپ کی شکل میں راج منتری کی تلاش شروع کر دی

راج منتری اُسے کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ناگ
پریشان ہو گیا کہ یہ بدبخت کہاں گم ہو گیا؟ محل میں
کوئی سپاہی بھی راج منتری کے بارے میں کوئی بات
نہیں کر رہا تھا۔ ناگ بلی کی شکل میں نیچے والے
تہ خانے کا چکّر بھی لگا آیا تھا۔ وہاں بھی راج منتری
نہیں تھا۔
ناگ واپس اوپر آ رہا تھا کہ اس نے دو سپاہیوں
کو آپس میں باتیں کرتے دیکھا۔ ناگ بلی کی شکل میں
اُن کے قریب آ کر پیار سے میاؤں میاؤں کرنے لگا۔
سپاہی نے خوش ہو کر بلی کو اٹھا کر گود میں بٹھا لیا۔
اور سر پر ہاتھ پھیر کر پیار کرنے لگا۔
"بڑی پیاری بلی ہے۔ مگر پہلے اسے محل میں کبھی
نہیں دیکھا۔"
دوسرا سپاہی بولا۔ "کہیں باہر سے آ گئی ہو گی۔ آج کل
تو محل میں عجیب عجیب باتیں ہوتی رہتی ہیں۔"
پہلا سپاہی بولا۔ "تو پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ راج منتری
کہاں چلے گئے ہیں؟"
"بھئی۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں ہاں شام کو شاہی
باورچی کی زبانی سنا تھا کہ راج منتری کا کھانا جائیگا

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ شاہی محل میں ہی ہیں۔"

"مگر شاہی محل میں تو وہ کہیں بھی نہیں ہیں۔"

"شاید کسی جگہ چھپ گئے ہوں۔"

"کس سے ڈر کر؟"

"راج منتری کے بھی دشمن ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر راج منتری کسی جگہ محل کے اندر ہی چھپے ہوئے ہیں تو وہ سرنگ والے تہ خانے میں ہی ہوں گے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"کیا تم کبھی اس تہہ خانے میں گئے ہو؟"

"ایک دو بار گیا تھا جب راج ماتا کو وہاں قید رکھا گیا تھا۔ ویسے تو وہاں آرام کی ہر شے موجود ہے۔ مگر بڑی خوفناک جگہ ہے۔"

"میں وہاں کبھی نہیں گیا؟ اس کا راستہ محل کے نیچے سے جاتا ہے کیا؟"

"ہاں بھئی۔ شاہی حمام کے ساتھ ایک سیڑھی نیچے اترتی ہے۔ بس وہیں سرنگ کا دروازہ ہے۔ ہر وقت پہرہ لگا رہتا ہے وہاں۔"

"چلو چھوڑو یار۔ ہمیں کی[illegible]ان دشمن کو بھی وہاں

دے جائے۔"

ناگ بلی کے روپ میں سپاہی کی گود میں بیٹھا یہ سب کچھ سُن رہا تھا۔ بلی کا روپ بدلنا اس کے لئے بڑا فائدہ مند رہا تھا۔ اسے سرنگ کے راستے کا پتہ چل گیا تھا۔ سپاہی نے اٹھتے ہوئے بلی کو پیار کیا تو وہ اچھل کر دُور بھاگ گئی۔ اب بلی کو حمام کی تلاش تھی۔ بلی محل کے باغ میں آ گئی۔

یہاں ناگ نے پھر سے انسان کا روپ دھارا۔ اب وہ راج محل کے ایک سپاہی کے بھیس میں تھا۔ اسے دیکھ کر کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ باہر کا آدمی ہے۔ محل میں چل پھر کر اُس نے آخر حمام کا پتہ لگا لیا۔ حمام میں صرف راجہ کے خاندان کے لوگ ہی نہایا کرتے تھے۔ یہ پرانا حمام تھا۔ اب وہاں کوئی نہیں نہاتا تھا۔ حمام کے ساتھ ہی ایک اندھیری سیڑھیاں نیچے کو جاتی تھیں۔ ناگ نے وہاں کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا اور نیچے اُتر گیا۔ اب اس کے سامنے ایک تنگ سا راستہ تھا جو بائیں جانب مُڑ گیا۔ آگے دروازہ تھا۔

دروازے پر ایک ہٹا کٹا سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔

سپاہی نے ایک اور سپاہی یعنی ناگ کو آتے دیکھا
تو بولا۔
"تم کس لئے ادھر آئے ہو؟"
ناگ نے کہا۔
"یار اوپر پھرتے پھرتے تنگ آ گیا تھا۔ سوچا ذرا
تمہارے پاس بیٹھ کر گپ شپ ہی کر لوں۔"
پہرے دار نے مشعل کی روشنی میں غور سے ناگ
کو دیکھ کر کہا۔
"میں نے تمہیں پہلے کبھی محل میں نہیں دیکھا۔ تم
کون ہو؟"
ناگ نے جلدی سے کہا۔
"اصل میں میں روپ نگر سے کل ہی آیا ہوں۔
راج منتری کے چچا نے مجھے یہاں بھجوایا ہے۔"
پہرے دار کو کچھ شک سا پڑ گیا۔ بولا۔
"تم ادھر کیوں آئے ہو؟"
"یار کہہ جو دیا کہ ذرا جی بہلانے تمہارے پاس
آگیا ہوں۔"
"میں نے یہاں کوئی کھیل تماشہ تو نہیں لگا رکھا۔
اب تم ایسا کرو کہ جدھر سے آئے ہو اُدھر کو

ہی چپ چاپ چلے جاؤ۔"
ناگ نے کہا۔
"اچھا میں تمہیں جادو کا تماشہ دکھاؤں؟"
"کیا مطلب؟" پہرے دار نے پوچھا۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"
ناگ مسکرا دیا۔
"یار بات یہ ہے کہ میں نے کچھ عرصہ افریقہ کے
جنگلوں میں گزارا ہے۔ وہاں میری ملاقات ایک جادوگر
سے ہو گئی تھی۔ اس نے مجھے جادو سکھا دیا۔ اپنے
جادو کا کمال دکھاؤں تمہیں؟"
"تم کس قسم کا جادو چاہتے ہو؟"
ناگ بولا۔ "مثلاً میں ایسا منتر پڑھوں گا کہ جس کے
اثر سے اس علاقے کے سارے سانپ زمین سے
نکل کر میرے پاس آ جائیں گے۔"
"یہ تو سپیرے جوگی بھی کرتے ہیں۔ اس میں ایسی
انوکھی بات کیا ہے۔" پہرے دار نے بے دلی سے کہا۔
ناگ نے کہا۔
"اچھا تو پھر میں تمہیں ایک اور جادو دکھا سکتا ہوں۔"
"وہ کیا؟"
"وہ یہ کہ میں خود انسان سے سانپ بن سکتا ہوں۔"

پہرے دار نے گھور کر ناگ کو دیکھا اور کہا۔
"تم مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو کیا؟"

ناگ کہنے لگا۔
"ہرگز نہیں۔ تم جس جانور کا نام لو۔ میں وہی جانور بن جاؤں گا۔ ہاتھی۔ شیر۔ گھوڑا۔ بکری۔ لومڑ سانپ مگرمچھ۔ تم نام تو لے کر دیکھو۔"

پہرے دار نے سوچا کہ یہ کوئی پاگل سپاہی ہے جو شاید پہرہ دیتے دیتے دیوانہ ہو گیا ہے اور اب اس کا دماغ خراب کرنے وہاں آ گیا ہے۔ اس نے کہا۔

"تو چلو پھر مگرمچھ بن کر یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

پہرے دار نے تو مذاق میں کہا تھا۔ مگر اِدھر کیا ہوا کہ ناگ نے مسکرا کر آنکھیں بند کیں۔ ایک گہرا سانس لیا اور دوسرے لمحے پہرے دار سپاہی کی خوف سے چیخ نکل گئی۔ کیوں کہ اس کے سامنے فرش پر ایک بھیانک منہ والا لمبا مگرمچھ اس کی طرف دیکھ کر غرا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ مگرمچھ پہرے دار پر حملہ کرتا وہ سر پر پاؤں رکھ کر

بھاگ گیا۔

ناگ اب اس کا پیچھا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اوپر جانے کی بجائے ناگ نے انسان کا روپ دھارا اور دروازے کا تالا توڑ کر سُرنگ میں داخل ہو گیا سُرنگ میں اندھیرا تھا اور راستہ تنگ تھا۔ چھت بھی زیادہ اونچی نہیں تھی۔ ناگ آگے بڑھتا چلا گیا۔ کافی دور تک چلنے کے بعد ناگ کو دور ایک روشنی نظر آئی۔

یہاں سے سرنگ دائیں جانب مڑ گئی تھی اور دیوار کے ساتھ ایک چراغ جل رہا تھا۔ ناگ دائیں جانب مڑنے کے بعد کوئی سو قدم چلا ہو گا کہ ایک اور روشنی نظر آئی۔ یہ ایک بڑا چراغ تھا جو دیوار میں لگا تھا۔ ناگ دیوار کے ساتھ ساتھ لگ کر چل رہا تھا۔ چراغ کی روشنی میں ناگ نے ایک دروازہ دیکھا جو بند تھا۔ ناگ دروازے کے پاس آ کر رک گیا۔ ایک سوراخ میں سے اس نے اندر دیکھا۔ بڑا سجا سجایا کمرہ تھا۔ قالین بچھا تھا۔ مسہری لگی تھی دیوار پر تلواریں لگی تھیں۔

... منتری مسہری پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ اس کے

ہاتھ میں مور کے پر کا قلم تھا۔ سونے کی دوات پاس رکھی تھی اور کسی تختی پر وہ کچھ لکھ رہا تھا۔ ناگ کا شکار اُس کے سامنے تھا ابھی وہ اندر جانے کی ترکیب پر غور ہی کر رہا تھا کہ سرنگ میں شور ہوا۔ یوں لگا جیسے سپاہی اندر بھاگے آ رہے ہیں۔ ناگ جلدی سے سانپ بن کر سرنگ کی چھت سے جا لگا۔

اتنے میں چھ سات سپاہی تلواریں لہراتے بھاگتے ہوئے آئے اور انہوں نے راج منتری کا دروازہ کھٹکھٹایا راج منتری نے دروازہ کھول کر غصّے میں کہا۔

"کیا شور مچا رکھا ہے تم لوگوں نے؟"

ایک سپاہی نے جھک کر کہا۔

"سرکار! ادھر کوئی مگرمچھ تو نہیں آیا؟"

راج منتری نے چونک کر کہا

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا؟ یہاں مگرمچھ کہاں سے آ سکتا ہے"

سپاہی بولا۔

"سرکار! یہ کہتا ہے کہ ایک جادوگر سپاہی کی شکل میں آیا تھا۔ پھر وہ مگرمچھ بن کر سُرنگ میں اتر گیا ہے"

"بکواس بند کرو اور بھاگو یہاں سے" راج منتری نے کہا۔

پھر کچھ سوچ کر بولا۔

"ٹھہرو۔ دو آدمی یہاں پہرہ دو۔ باقی چلے جاؤ"

راج منتری کو نجومی کی پیشگوئی یاد آ گئی تھی کہ آج کی رات اُس پر بھاری ہے۔ سوچا جانے موت مگرمچھ کے روپ میں ہی اس کا پیچھا کر رہی ہو۔ وہ ڈر گیا تھا۔ اُسے کچھ کچھ یقین سا ہونے لگا تھا کہ موت اس کا برابر پیچھا کر رہی ہے۔ دو سپاہی دروازے کے باہر کھڑے ہو کر پہرہ دینے لگے۔ باقی چلے گئے راج منتری نے دروازہ بند کر کے اندر سے تالا لگا لیا مگر اس دوران میں ناگ سانپ کے روپ میں رینگتا ہوا کمرے کے اندر داخل ہو چکا تھا۔

اب رات ہو گئی تھی۔ راج منتری مسہری پر لیٹ گیا لکھنے کو اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ جب تھک گیا تو مسہری پر بیٹھ گیا۔ کمرے کی چھت پر فانوس روشن تھا۔ اس کی روشنی میں اچانک جیسے راج منتری کو کچھ نظر آیا اور خوف سے اس کا سارا جسم پسینے میں بھیگ گیا۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اُس کے سامنے ایک چھ فٹ لمبا سانپ کنڈلی مارے

اپنا پھن پورا کھولے اُسے اپنی لال لال خونی آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ سانپ کا چہرہ بڑا ڈراؤنا تھا۔ اس کے ماتھے پر سیاہ بال تھے اور وہ بار بار اپنی دوشاخ زبان باہر نکال رہا تھا۔ سانپ آگے بڑھا۔ راج منتری مسہری پر کھڑا ہو گیا۔ اب اُس نے زور سے چیخ ماری چیخ کی آواز سن کر باہر پہرہ دیتے سپاہی نے زور سے دھکا مار کر دروازے کی کنڈی توڑ ڈالی اور تلوار لہراتا اندر آگیا اس دوران میں سانپ نے راج منتری کو کاٹ لیا تھا وہ مسہری پر گرا تڑپ رہا تھا۔ سپاہی نے سانپ پر تلوار سے وار کیا سانپ اُچھل کر مسہری کی دوسری جانب جا گرا۔ سپاہی نے دوسری طرف آکر وار کرنا چاہا مگر سانپ اچانک غائب ہو گیا۔ اب دوسرا سپاہی بھی تلوار لئے وہاں آ گیا تھا۔ راج منتری کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔ وہ دم توڑ رہا تھا۔

"سانپ کو مارو۔ سانپ کدھر چلا گیا؟"

سپاہی نے چلا کر کہا۔ سانپ کہیں نہیں مل رہا تھا۔ پھر ایک چڑیا مسہری کی چھت پر سے پھُرر کر کے اڑی اور کھُلے دروازے میں سے نکل کر سرنگ کی تاریکی میں غائب ہو گئی۔

خونی قبرستان

ناگ وہاں سے سیدھا راج ماتا کے پاس آیا۔ اس نے بتایا کہ راج منتری ختم ہو گیا ہے اور اب وہ راج گدی کے مالک ہیں۔ اگلے روز راج کمار اور راج کماری کا بیاہ ہو گیا اور راج ماتا نے راج کمار کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر ناگ نے اجازت لی اور ماریا اور عنبر کی تلاش میں وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر سے نکلا تھا۔ راج ماتا کے سپاہی اُسے کافی دور تک چھوڑنے آئے تھے پھر ناگ نے ان کو واپس بھیج دیا اور اکیلا ہی جنگل کی طرف چل پڑا۔

وہ ساحل سمندر کی طرف جانا چاہتا تھا تاکہ وہاں سے کسی جہاز پر سوار ہو کر ملک عراق بصرے یا یمن کی طرف چلا جائے۔ کیوں کہ اس کا دل کہتا تھا کہ ان علاقوں میں اس کی ملاقات ماریا یا عنبر سے ہو جائے گی جنگل میں داخل ہوتے ہی اس نے گھوڑے کو آزاد کر دیا

اور خود باز کی شکل میں آسمان پر اڑنا شروع کر دیا۔
سارا دن وہ اڑتا رہا۔ رات کو اُس نے جنگل میں ایک جگہ آرام کیا اور صبح کو پھر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ دوسرے روز دوپہر کے بعد اُسے دور سے سمندر نظر آ گیا۔ اُس نے جہازوں کے بادبان بھی دیکھے سمندر دیکھ کر ناگ بڑا خوش ہوا۔ بندرگاہ پر رونق تھی ناگ نے دوبارہ انسان کی شکل بدلی اور پتہ لگایا تو اسے معلوم ہوا کہ ایک جہاز شام کے وقت وہاں سے ملک بصرے کو روانہ ہونے والا ہے۔ ناگ کے پاس کرائے کے پیسے نہیں تھے۔ اس نے سوچا کہ اس طرح سے بغیر کرائے کے جہاز میں سفر کرنا ٹھیک نہیں ہوگا۔

پس وہ بندرگاہ سے دور صحرا میں ایک جگہ درختوں کے پاس چلا گیا۔ اس نے سانس کھینچ کر منتر پڑھا تو ایک سانپ ریت کے ٹیلے میں سے نکل کر اس کے آگے جھک کر بیٹھ گیا۔

"اے ناگ دیوتا! میری خوش قسمتی ہے کہ آپ اس علاقے میں تشریف لائے۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔ مجھے آپ کی خدمت کرکے بے حد خوشی ہوگی۔"

ناگ نے کہا۔
مجھے بصرہ جانا ہے۔ میرے پاس کرائے کے پیسے نہیں ہیں۔ کیا یہاں کوئی خزانہ دفن ہے؟"
سانپ نے کہا۔
"ناگ دیوتا! خزانہ تو اس سارے علاقے میں کہیں نہیں ہے۔ لیکن میرے بل میں ایک عرصے سے سونے کی اشرفیوں کی ایک تھیلی رکھی ہے۔ میں وہ آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔"
"جلدی سے لے آؤ۔ مجھے اشرفیوں کی ہی ضرورت ہے۔"
ناگ نے جھٹ خوش ہو کر کہا۔
"جو حکم میرے دیوتا!" اور سانپ چلا گیا۔
تھوڑی دیر بعد سانپ واپس آیا تو اُس نے منہ میں ایک تھیلی اٹھا رکھی تھی۔ یہ تھیلی سونے کی اشرفیوں سے بھری ہوئی تھی۔ سانپ نے تھیلی ناگ کے قدموں میں ڈال کر سر جھکا کر کہا۔
"اسے قبول کرو میرے دیوتا!"
"شکریہ میرے بھائی۔ اب تم جا سکتے ہو۔"
سانپ نے جھک کر ناگ کو سلام کیا اور وہاں سے چلا گیا۔ ناگ نے دیکھا تھیلی سونے کی اشرفیوں سے بھری

ہوئی تھی۔ سب سے پہلے تو ناگ نے بندرگاہ کی دکانوں
پر جاکر اپنے لیے بڑے اچھے اچھے قیمتی کپڑے خرید
کر پہنے۔ پھر کرایہ ادا کرکے بحری جہاز میں سوار ہو گیا۔
اپنے کپڑوں سے وہ کوئی سوداگر تاجر لگتا تھا۔ شام
کے وقت جہاز پر چراغ اور مشعلیں روشن کر دی گئیں
شام کے بعد ہوا ساحل سے سمندر کی طرف چلنے لگی
تو جہاز کا لنگر اٹھا کر اس کے بادبان کھول دیئے گئے۔
جہاز نے سمندر میں سفر شروع کر دیا۔
موسم بڑا اچھا تھا۔ سمندر میں کوئی طوفان نہیں تھا۔
تین دن تک جہاز بڑے سکون کے ساتھ سمندر میں
سفر کرتا رہا۔ چوتھے روز آسمان پر اچانک بادل چھا
گئے اور بارش شروع ہو گئی۔ پھر تیز ہوائیں چلنے لگیں
اور سمندر میں اٹھتی بڑی بڑی لہروں نے جہاز کو اچھالنا
شروع کر دیا۔ جہاز کے بادبان سمیٹ دیئے گئے تھے۔
پھر بھی طوفان اس قدر شدید تھا کہ جہاز الٹ گیا۔
ناگ اس وقت جہاز کے عرشے پر دروازے میں
کھڑا تھا کہ ایک پہاڑ ایسی لہر آئی اور جہاز سے ٹکرا
گئی۔ لہر نے جہاز کو اٹھا کر ایک قلابازی دی اور
پھر اسے کھلونے کی طرح الٹا کر کے سمندر میں پٹخ دیا

اس دوران میں ناگ باز بن کر جہاز سے اڑ چکا تھا وہ
آسمان پر چکر لگا رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے
جہاز کچھ دیر تک لہروں پر ہچکولے کھاتا رہا اور پھر
سمندر میں غرق ہو گیا۔
اب سمندری لہروں کے سوا وہاں کچھ نہیں تھا۔
ناگ نے اندازے کے ساتھ ایک طرف اڑنا
شروع کر دیا۔ سارا دن وہ اڑتا رہا۔ پھر وہ تھک
گیا۔ مگر وہاں بیٹھ کر آرام کرنے کی کوئی جگہ نہیں تھی
چاروں طرف سمندر ہی سمندر تھا۔ مجبور ہو کر ناگ
ایک مچھلی بن کر سمندر میں تیرنے لگا۔ ابھی وہ سمندر
کی لہروں میں تھوڑی دُور ہی گیا تھا کہ اچانک اپنے
پیچھے اُسے یوں لگا جیسے لہریں ادھر ادھر ہل رہی ہوں
اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک نوکیلے دانتوں والی شارک
مچھلی اسے ہڑپ کرنے کے لیے چلی آ رہی تھی۔
ناگ نے بہتیرا بچنے کی کوشش کی مگر شارک بڑی
بھوکی تھی۔ وہ ناگ کو ہڑپ کرنے کے لیے برابر آگے
بڑھی چلی آ رہی تھی۔ اب ناگ کے لیے اپنی جان بچانا
ضروری ہو گیا تھا۔ اُس نے سمندر میں تیرتے تیرتے
ایک وھیل مچھلی کی شکل بدل لی۔ اور شارک کی طرف

پلٹا۔ شارک نے جو اچانک سمندر میں ایک پہاڑ ایسی وھیل مچھلی کو نمودار ہوتے دیکھا تو دُم دبا کر بھاگ گئی۔

ناگ نے وھیل مچھلی کی شکل میں ہی مغرب کی طرف تیز تیز سفر کرنا شروع کر دیا۔ کیوں کہ وھیل مچھلی کی رفتار تیز ہوتی ہے۔ ساری رات ناگ وھیل مچھلی کی شکل میں سمندر میں سفر کرتا رہا۔ دوسرے روز ناگ نے دُور موجوں پر ایک چھوٹا بادبانی جہاز دیکھا۔

اتفاق کی بات دیکھئے کہ یہ جہاز ماریا کا تھا۔ اس وقت ماریا جہاز کے کیبن میں عرب لڑکی کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ باورچی گنجہ ایڈگر پانی کی بالٹی لے کر اوپر سمندر میں پھینکنے آیا تو اس کی نظر ایک سیاہ وھیل مچھلی پر پڑی جو طوفانی انجن کی طرح جہاز کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے بالٹی وہیں چھوڑی اور نیچے جا کر شور مچا دیا۔

"وھیل! مقدس روح وھیل مچھلی!"

ماریا نے سُنا تو جلدی سے اوپر آئی۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک بھاری بھرکم پہاڑ ایسی وھیل مچھلی اس کے جہاز کی طرف بڑھی چلی آ رہی ہے۔ ماریا نے ایڈگر سے کہا۔

"جہاز کا رُخ موڑ دو۔ اس مچھلی سے بچنے کی کوشش کرو۔ اگر یہ ہماری جہاز سے ٹکرا گئی تو جہاز کے ٹکڑے اُڑ جائیں گے۔"

باورچی نے جہاز کا رُخ موڑ دیا۔ اب عرب لڑکی بھی اوپر عرشے پر آ گئی تھی۔ اور خوف زدہ نظروں سے وھیل کو دیکھ رہی تھی۔

ادھر ناگ نے دیکھا کہ جہاز کا رُخ موڑ دیا گیا ہے تو سوچا کہ اسے کوئی پرندہ بن کر جہاز پر جانا چاہئے کیونکہ اگر وہ وھیل کی شکل میں گیا تو جہاز طوفانی موجوں سے اُلٹ جائے گا۔ پس ناگ نے ایک بار پھر باز کی شکل اختیار کر لی۔

اچانک ایڈگر باورچی خوشی سے چلایا۔

"وھیل سمندر میں غائب ہو گئی ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ وھیل سمندر کے نیچے سے آ کر جہاز پر حملہ کر دے۔ ہمیں ہوشیار رہنا ہو گا۔"

اتنے میں ماریا نے دیکھا کہ ایک سفید عقاب آسمان پر اڑتا چلا آ رہا ہے۔ وہ عقاب کو غور سے دیکھنے لگی۔ عرب لڑکی نے کہا۔

"سمندر میں عقاب کبھی نہیں آتے۔ یہ کہاں سے آ گیا؟"

گنجے باورچی نے بھی غور سے عقاب کو دیکھا اور بولا۔

"میں نے زندگی میں کبھی عقاب کو سمندر کے اوپر اڑتے نہیں دیکھا۔"

ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ ایک خوشگوار ماحول اس کے دل میں پیدا ہوا۔ کہیں یہ ناگ تو نہیں؟ اب عقاب آ کر جہاز پر بیٹھ گیا۔ ماریا کو ناگ کی اور ناگ کو ماریا کی خوشبو آنے لگی۔ ماریا نے چلاّ کر کہا۔

"ناگ! کیا یہ تم ہو؟"

گنجے باورچی اور عرب لڑکی نے اچانک دیکھا کہ عقاب غائب ہو گیا۔ اور اس کی جگہ ایک سانولے رنگ کا نوجوان کھڑا ہے۔ عرب لڑکی تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ ماریا نے آگے بڑھ کر ناگ کا ہاتھ تھام لیا۔

"ناگ بھائی! خدا کا شکر ہے کہ تمہاری شکل دیکھنی نصیب ہوئی۔ عنبر کہاں ہے؟"

ناگ بولا۔

"ماریا بہن! میں بھی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا

ہوں کہ جس نے اپنے فضل سے کام لے کر ایک بچھڑے ہوئے بھائی کو بہن سے ملا دیا۔ لیکن عنبر کی مجھے کوئی خبر نہیں ہے۔ اُس نے ہمارے ساتھ ہی اڑن طشتری سے چھلانگ لگائی تھی۔ اللہ نے چاہا تو جس طرح تم سے ملاقات ہو گئی ہے اسی طرح ایک روز عنبر بھی مل جائے گا۔"

ایڈگر اور عرب لڑکی ان دونوں کی باتیں حیرانی سے سن رہے تھے۔ اب ماریا نے جو انہیں نظر نہیں آ رہی تھی کہا۔

"ایڈگر اور میری بہن! غور سے سنو! یہ میرا بھائی ناگ ہے۔ تم دیکھ چکی ہو کہ اس میں اتنی طاقت ہے کہ غائب ہو کر جس شکل میں چاہے ظاہر ہو جائے اس طرح میں بھی ایک لڑکی ہوں۔ انسان ہوں ہمیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ ہم غائب ہو سکتے ہیں میں آج تم پر یہ راز ظاہر کرتی ہوں کہ میں کوئی روح نہیں ہوں بلکہ ایک انسان ہوں اور جادو کے زور سے مجھے غائب کر دیا گیا ہے۔"

ماریا نے ناگ کا تعارف باورچی ایڈگر اور عرب لڑکی سے کرایا ناگ نے مسکرا کر کہا۔ "تم تو وہیل مچھلی کو دیکھ کر ضرور ڈر گئے [illegible] ایڈگر سر کھجا کر بولا۔

"جناب! ہمارے تو ڈر کے مارے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے"

عرب لڑکی نے کہا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ایک انسان وھیل مچھلی بھی بن سکتا ہے"

ماریا نے ہنس کر کہا۔

"اگر ایک لڑکی غائب ہو سکتی ہے تو ایک انسان مچھلی بھی بن سکتا ہے"

ناگ، ماریا عرب لڑکی اور گنجے باورچی کا یہ سفر سمندر میں چھ روز تک جاری رہا۔ ساتویں روز جہاز بصرے کی بندرگاہ سے کچھ دور سمندر کے کنارے جا لگا۔ ماریا نے ناگ سے کہا کہ وہ عرب لڑکی کو ساتھ لے کر اس کے باپ کے گھر پہنچا آئے۔ ماریا اور ایڈگر باورچی جہاز پر ہی رہے۔ ناگ عرب لڑکی کو لے کر شہر کی جانب روانہ ہو گیا۔ کھجوروں کے خود رو درختوں اور صحرائی راستوں سے گزرتے دونوں شہر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ عرب لڑکی ناگ کو لے کر اپنے گھر پہنچ گئی۔ اس کے باپ نے اپنی بچی کو دیکھا تو خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو

آ گئے۔ اُسے اپنی بیٹی کے ملنے کی کوئی امید نہیں تھی ناگ نے لڑکی کے باپ کو بتایا کہ اس کی بچی کو رہزن اٹھا کر لے گئے تھے۔ باپ سجدے میں گر گیا اور خدا کا شکر بجا لایا۔ اس نے ناگ کا بھی بہت شکریہ ادا کیا۔

"میری خواہش ہے کہ تم رات ہمارے غریب خانے پر ہی بسر کرو اور کل واپس جاؤ"

ناگ نے کہا۔

"میری بہن ماریا جہاز پر اکیلی ہے۔ میں رات نہیں ٹھہر سکتا۔ خدا نے چاہا تو پھر کبھی ملاقات ہو گی"

ناگ نے اجازت لی اور واپس روانہ ہوا دن کا وقت تھا مگر آسمان پر بادل چھا رہے تھے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ان علاقوں میں جب بادل آئیں تو وہ بن برسے کبھی واپس نہیں جاتے۔ بارش ہو کر رہتی ہے۔ اسی لیے ناگ جلدی جلدی چل رہا تھا۔ وہ پرانے قبرستان میں سے گزر رہا تھا۔ یہاں جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں جن کے بیچ میں بے شمار کچی قبریں تھیں۔ قبرستان میں سے گزرتے ہوئے اچانک بجلی چمکی بادل گرجا اور بارش شروع ہو گئی

بارش ایک دم سے موسلا دھار شروع ہو گئی۔ ناگ
بارش سے بچنے کے لئے اِدھر اُدھر تکنے لگا۔ قریب
ہی کھجوروں کا ایک جھنڈ تھا۔ ناگ اس طرف بھاگا۔
کھجوروں کا یہ جھنڈ بڑا گھنا تھا۔ جھاڑیوں نے درختوں
کے تنوں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ بارش بڑی تیز ہو رہی
تھی۔ ناگ پر درختوں نے سایہ ڈال رکھا تھا جس کی
وجہ سے وہ بارش سے بچا ہوا تھا۔ ویسے تو وہ
پرندہ بن کر بھی جا سکتا تھا۔ لیکن موسلا دھار بارش
میں پرندوں کو بھی اڑنے میں کافی مشکل پیش آتی ہے
اور پھر ناگ کو اتنی جلدی بھی نہیں تھی۔ وہ چاہتا تھا
کہ تھوڑی دیر انتظار کرے۔ تاکہ بارش گزر جائے۔
بادل سیاہ تھے جن کی وجہ سے وہاں اندھیرا سا چھا گیا
تھا۔ ناگ نے دیکھا کہ قبرستان کے مغربی پرانے دروازے
میں سے ایک جنازہ اندر داخل ہوا۔ جنازے کے
ساتھ چھ سات آدمی تھے۔ انہوں نے بارش میں ہی
جنازے کو درختوں کے نیچے رکھ دیا۔ جنازہ رکھ کر
سوائے دو آدمیوں کے باقی سب چلے گئے۔ دونوں
آدمیوں نے جنازے کے اندر سے ایک ترپال نکال کر
جنازے کے اوپر ڈال دی اور درختوں کے پیچھے

چلے گئے۔
ناگ کو ان کی حرکتیں بڑی پُر اسرار لگ رہی تھیں
بارش اسی طرح ہو رہی تھی۔ ناگ جھاڑیوں جھاڑیوں
ہوتا ایک جگہ چھپ کر دیکھنے لگا کہ وہ دونوں
وہاں کیا کر رہے ہیں۔ ناگ نے دیکھا کہ وہ ایک
پکی قبر کے پاس بیٹھے اس کے چبوترے کی ایک دیوار
کو کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہوں نے بہت
جلد ایک چوڑی سِل باہر نکال کر رکھ دی۔ پھر وہ
اٹھے اور جنازے کو اس پکی قبر کے پاس لے آئے
ترپال اتار کر پرے رکھ دی اور مردے کو کفن
سمیت نکال کر قبر کے سوراخ میں داخل کر دیا۔
پھر انہوں نے دیوار کی سِل دوبارا جوڑی اور
جنازے کی چارپائی اٹھا کر قبرستان سے نکل گئے۔
ناگ کے دل میں خیال آیا کہ ان لوگوں نے
نئی قبر کھودنے کی بجائے پرانی پکی قبر میں مردے
کو کس لئے دفن کیا ہے۔ بارش کی تیزی ختم ہو گئی
تھی اور اب ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ ناگ
نے جھک کر قبر کے چبوترے کی دیوار کو کھول دیا۔
سِل اتار کر پرے رکھی اور سر اندر ڈال کر دیکھا۔

اندھیرے میں اُسے کفن میں لپٹا ہوا مردہ نظر آیا۔ پاس ہی ایک دوسرے مردے کی ہڈیوں کا پنجر بھی پڑا تھا۔ ناگ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

وہ گردن باہر نکالنے لگا تھا کہ اسے گہرا سانس لینے کی آواز سنائی دی۔ وہ وہیں رُک گیا۔ قبر میں سانس کون لے سکتا تھا؟ کہیں یہ سانس مردے نے تو نہیں لیا؟ تو کیا یہ مردہ زندہ ہے؟ ناگ نے لپک کر تازہ مردے کا کفن اس کے چہرے سے ہٹایا۔ ان کی ہلکی ہلکی روشنی قبر کے سوراخ میں سے اندر آ رہی تھی۔ ناگ نے دیکھا کہ کفن کے اندر ایک تیرہ چودہ سال کا ایک معصوم اور خوبصورت لڑکا لپٹا پڑا ہے۔ ناگ نے محسوس کیا کہ لڑکا ہولے ہولے گہرے سانس لے رہا ہے۔

ناگ بڑا حیران ہوا کہ اس لڑکے کو زندہ کیوں دفن کر دیا گیا؟ پھر خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کہ لوگ اسے مردہ سمجھ کر اٹھا لائے ہوں۔ بہر حال ناگ نے مردے کو قبر میں سے باہر نکال کر ریت پر لٹا دیا۔ لڑکے کے منہ پر بارش کی بوندیں پڑیں تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے ناگ کو دیکھا تو تعجب سے پوچھا۔

میں کہاں ہوں؟ تم — تم کون ہو؟

یہ بات لڑکے نے عربی زبان میں کہی تھی۔ ناگ نے بھی اسی زبان میں کہا۔

"یہ سب باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلے تم یہ بتاؤ کیا تم اٹھ کر بیٹھ سکتے ہو؟"

لڑکے نے سر ہلاتے ہوئے کمزور سی آواز میں کہا۔ "کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔"

لڑکا کفن میں سے آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے تازہ ہوا میں لمبے سانس لئے اور ناگ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"کیا میں زندہ دفن کر دیا گیا تھا؟"

"ہاں۔ اگر میں یہاں نہ ہوتا تو تم زندہ دفن ہو چکے تھے اور پھر شاید تمہیں یہاں سے کوئی نہ نکال سکتا۔" لڑکے نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یا اللہ! تیرا شکر ہے۔ بے شک جسے تو بچانا چاہے اُسے کوئی نہیں مار سکتا۔"

ناگ نے کہا: "میرا خیال ہے کہ تمہیں یہاں سے نکل کر میرے ساتھ چلنا چاہیے۔ کیا میں تمہیں تمہارے گھر پہنچا دوں؟"

"نہیں نہیں۔ میں اب سمجھ گیا ہوں۔ وہ لوگ مجھے زندہ دیکھ کر دوبارہ قتل کر دیں گے۔ میں گھر نہیں جاؤں گا۔ وہاں میرے بھی دشمن ہیں۔"

"تو پھر میرے ساتھ چلو۔"

ناگ نے لڑکے کو ساتھ لیا اور قبرستان سے نکل کر سمندر کی طرف چلنے لگا جہاں اس کا جہاز کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ بارش اب رک گئی تھی۔ لڑکا آہستہ آہستہ چل رہا تھا اُسے چلنے میں کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ ناگ نے پوچھا۔

"کیا یہ قبرستان بہت پرانا ہے؟"

لڑکے نے کہا۔

"ہاں: یہ بہت پرانا قبرستان ہے اور اسے خونی قبرستان کہتے ہیں۔

اندھا کنواں

جہاز پر پہنچ کر لڑکے نے بتایا کہ اس کا نام عدنان ہے۔

"میرے ماں باپ مر چکے ہیں۔ میرا باپ میرے لئے لاکھوں کی جائیداد چھوڑ گیا ہے۔ ایک بڑی حویلی ہے۔ دو باغ ہیں۔ بے شمار زمینیں ہیں اور ہزاروں اونٹ ہیں۔ میں ان سب کا اکیلا وارث ہوں۔ مگر میرے باپ کا سوتیلا بھائی یعنی میرا چچا میری جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے کئی بار مجھے قتل کروانے کی کوشش کی مگر میرے وفادار نوکر مجھے خبر کر دیا کرتے اور میں بچ جاتا۔ آج صبح اس نے ایک عورت کے ہاتھ سے مجھے انار کا شربت بھیجا۔ میں نے غلطی سے پی لیا اور اس کے بعد میں بے ہوش ہو گیا۔"

ناگ نے کہا: "اور تمہارے چچا نے اعلان کروا دیا کہ تم مر گئے ہو اور پھر اس کے آدمی تمہیں ایک پرانی قبر میں

آ کر دفنا گئے۔ تاکہ تمہاری قبر کا نشان بھی کسی کو
معلوم نہ ہو۔"
"ایسا ہی ہوا۔"
ناگ نے عدنان کا تعارف ماریا سے کروانے کی
ضرورت نہ سمجھی۔ اس نے عدنان کی خاطر تواضع کی۔
رات کو جہاز پر ہی اسے رکھا۔ صبح ہوئی تو ناگ
نے عدنان سے کہا۔
"اب یہ میرا فرض ہو گیا ہے کہ میں تمہاری مدد
کروں اور تمہیں تمہارا جائز حق واپس دلاؤں۔ تمہارے
سوتیلے چچا کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ تمہاری جائیداد
پر قبضہ کرے اور تمہیں قتل کرنے کی کوشش کرے
بہرحال اسے اس کے کئے کی سزا ضرور مل کر رہے گی۔"
عدنان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بولا
"آج اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو میں اس بدحالی
میں کبھی نہ مبتلا ہوتا۔"
ناگ نے کہا۔
"فکر نہ کرو۔ مجھے اپنے باپ کی جگہ سمجھو۔ میں تمہاری
ہر طرح سے مدد کروں گا۔"
عدنان بولا: "آپ میری خاطر اپنی جان مصیبت

ہیں کیوں ڈالتے ہیں۔ میرا چچا بڑا خونی ہے۔ اس
کے سارے نوکر ڈاکو ہیں۔ کسی انسان کے خون
سے ہاتھ رنگنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے وہ
ہر وقت مرنے مارنے پر تلے رہتے ہیں۔"
ناگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"تم میرے ساتھ چلو۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"
عدنان نے گھبرا کر کہا۔
"نہیں نہیں۔ خدا کے لئے مجھے وہاں نہ لے جائیں
آپ بھی میرے ساتھ وہاں نہ جائیں۔ وہ ہم دونوں
میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"
ناگ نے کہا۔ "تم اٹھو تو سہی۔ تمہیں کوئی کچھ
نہیں کہے گا۔"
عدنان نے کہا: "میرے بزرگ! میں نہیں چاہتا کہ
میری خاطر آپ بھی اپنی جان مصیبت میں ڈالیں"
"مجھے بھی کچھ نہیں ہوگا۔ انشاءاللہ۔ حق دار کو حق
مل کر رہے گا۔"
ناگ نے کیبن میں جا کر ماریا سے کہا۔
"ماریا بہن! میں عدنان کو لے کر اس کے گھر جا
رہا ہوں اگر مجھے دیر ہو گئی تو میرا انتظار کرنا۔"

"ناگ بھائی! جلدی آنے کی کوشش کرنا۔"

"میں پوری کوشش کروں گا۔"

ناگ نے عدنان کو ساتھ لیا اور شہر کی جانب روانہ ہوا۔

عدنان کی بڑی حویلی شہر سے باہر ایک باغ میں تھی۔ باغ کے دروازے پر حبشی غلام پہرہ دے رہے تھے۔ عدنان نے کہا۔

"آپ مجھے ساتھ نہ لے جائیں۔ میں یہیں کسی جگہ آپ کا انتظار کروں گا۔"

ناگ نے سوچا عدنان کا خیال مناسب ہے۔ اس نے عدنان کو ایک پرانے کھنڈر کی کوٹھری میں چھوڑا اور خود حویلی کے باغ پر آ کر رک گیا۔ حبشی غلام نے تلوار آگے کرتے ہوئے پوچھا۔

"کون ہو تم؟ کس سے ملنا چاہتے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"میں یمن کا سوداگر ہوں اور تمہارے آقا ہرمز سے کاروباری سلسلے میں ملنا چاہتا ہوں۔"

حبشی غلام نے اندر پیغام بھجوا دیا۔ اندر سے جواب آیا کہ سوداگر کو بھیج دو۔

"جاؤ" حبشی نے گستاخی سے کہا۔

ناگ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور باغ میں آ گیا بڑا حسین باغ تھا۔ اناروں اور آڑوؤں کے درخت قطار میں کھڑے تھے۔ پھولوں کے تختوں کے بیچ میں شفاف پانی کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ ایک طرف سنگ مرمر کی بنی ہوئی شاندار حویلی تھی۔ غلام اور کنیزیں باغوں میں کام کر رہی تھیں۔ ناگ کو حویلی کے سامنے ایک باغ میں ریشمی قالین پر بٹھا دیا گیا۔

اتنے میں عدنان کا سوتیلا خونی چچا ہرمز بھی آ گیا۔ بھاری بھرکم، کرخت چہرے اور سرخ آنکھوں والا آدمی تھا۔ اس نے اتنے ہی غور سے ناگ کو دیکھا اور بولا۔

"تم تو سوداگر نہیں لگتے۔"

ناگ پریشان سا ہوا کہ کم بخت کی نظر بڑی گہری ہے۔ اس قدر تیز مطالعہ اس کے چہرے کا کبھی کسی نے نہیں کیا تھا۔ ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ! مگر میں جواہرات کا سوداگر ہوں اور یمن سے بصرے کی سیر و سیاحت کو آیا تھا۔ آپ کی بڑی تعریف سنی اور یہاں چلا آیا۔"

"کیا تمہارے پاس جواہرات ہیں؟" ہرمز نے قالین

پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ناگ نے کہا۔

"جواہرات بڑے قیمتی تھے۔ میں شہر میں اجنبی ہوں۔ اس لیے انہیں ساتھ لانا مناسب نہیں سمجھا۔ اگر آپ اجازت دیں تو ابھی جا کر لے آتا ہوں"

"اجازت ہے۔ کیونکہ جب تک جواہرات نہیں ہوں گے ہم کوئی بات نہیں کر سکیں گے"

ناگ نے جاتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس ایک غلام بھی ہے۔ بڑا خاندانی غلام ہے۔ ابھی کم سن ہے۔ اگر آپ اسے خریدنا پسند فرمائیں تو میں اُسے بھی لیتا آؤں؟"

"اجازت ہے"

ناگ سلام کر کے باغ سے باہر آ گئے۔ کھنڈر کی کوٹھری میں جا کر اُس نے عدنان کو ایک سیاہ چادر اوڑھائی اور ساتھ لے کر حویلی کے باغ میں آ گیا۔ ہرمز ابھی اُسی باغ میں ریشمی قالین پر گاؤ تکیہ لگائے اپنے نوکروں کے ساتھ بیٹھا تھا۔

عدنان ڈر رہا تھا کہ یہ شخص اُسے آگ میں دھکیل رہا ہے۔ اُس نے ناگ سے کہا بھی کہ وہ اسے وہاں نہ لے جائے۔ مگر ناگ اُسے لے کر

غ میں آ گیا۔

جناب عالی! یہ ہے میرا وہ قیمتی غلام جس کی میں نے آپ سے بات کی تھی"

ہرمز نے انگوروں کا گچھا اٹھاتے ہوئے کہا۔

مگر میرے جواہرات کہاں ہیں۔ ہمیں وہ بھی دکھاؤ"

ناگ نے کہا۔

"یہی میرا سب سے قیمتی ہیرا ہے"

اور اس کے ساتھ ہی عدنان کی چادر کھینچ دی

ہرمز نے عدنان کو دیکھا تو اس کا رنگ زرد ہو گیا ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ ایکدم سے اٹھ کر تلوار پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"تم —— تم ابھی زندہ ہو؟"

ناگ نے عدنان کے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"اے شیطان! عدنان زندہ ہے۔ کیوں کہ تم اب مرنے والے ہو"

ہرمز بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور پھر چیخ کر بولا۔

"ان دونوں کو قتل کر دو"

ہرمز کے وفادار غلام تلواریں نکال کر ناگ اور

عدنان کی طرف بڑھے۔ کسی حد تک ناگ کی یہ بے وقوفی تھی۔ کیوں کہ وہ لوگ عدنان کو نقصان پہنچا سکتے تھے ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ ایک شیر گرجتا ہوا حملہ کرنے والے نوکروں پر جھپٹا اور ایک سیکنڈ میں ان میں سے چار کی گردنیں مروڑ کر رکھ دیں۔ باقی خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے۔ ہرمز کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ ایک آدمی کیسے غائب ہو گیا اور اُس کی جگہ ایک آدم خور شیر کہاں سے آ گیا؟ کیا یہ شخص کوئی افریقی جادوگر تھا؟

اب شیر نے ہرمُز پر چھلانگ لگائی۔ ہرمُز نے تلوار سے اپنا بچاؤ کرنا چاہا مگر کہاں ایک زبردست آدم خور شیر اور کہاں تلوار۔ شیر ہرمُز کے اوپر آ کر گرا۔ ہرمز فرش پر گر پڑا اور اس کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اب اس کے لیے اٹھنا نا ممکن تھا۔ شیر پھر سے ناگ کے روپ میں آ گیا۔ اس نے عدنان کے وفادار نوکروں کو جمع کر کے کہا۔

"سنو! مجھے خدا نے عدنان کی مدد کے لیے بھیجا ہے کیوں کہ عدنان حق پر ہے۔ یہ شخص خونی ہے۔ اس

نے دھوکے سے عدنان کو مروا کر اس کی جائداد پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اب یہ شخص ساری زندگی بستر پر ایڑیاں رگڑتا رہے گا۔ کیوں کہ اس کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور یہ اٹھ نہیں سکتا۔ اس کو اس کے ظلم کی سزا مل گئی ہے۔"

ناگ نے عدنان کو پھر سے اس کی جائیداد اس کے حوالے کر دی۔ عدنان کے وفادار نوکروں اور غلاموں نے خوشی سے نعرے لگائے اور ہرمُز کے ساتھیوں کو چُن چُن کر ہلاک کر ڈالا۔ یہ سارا کام دوپہر سے پہلے پہلے ختم ہو گیا۔ دوپہر کے بعد ناگ نے عدنان سے اجازت لی اور واپس جہاز پہ پہنچ کر ماریا کو ساری کہانی کہہ سنائی۔ ماریا بڑی خوش ہوئی کہ ایک یتیم بچے کو اس کا حق مل گیا۔

اسی روز ناگ نے جہاز کو سمندر میں ڈال دیا۔

اس خیال سے کہ عنبر کو تلاش کیا جائے۔

اب آئیے ذرا عنبر کی خبر لیتے ہیں کہ اس کے ساتھ کیا گذری اور وہ کہاں زندگی کے دن بسر کر رہا ہے۔

اڑن طشتری سے پیراشوٹ کے ذریعے چھلانگ

لگانے کے بعد وہ دیر تک ہوا میں اڑتا رہا۔ کیونکہ اڑن طشتری کافی بلندی پر پرواز کر رہی تھی اس لیے اُسے زمین تک آتے آتے بہت دیر لگی۔ عنبر کی نظریں زمین کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ جب فضا صاف ہوئی تو اس نے زمین کی طرف دیکھا۔ اُسے زمین پر ایک دائرہ نظر آیا جس کے اندر دو چوڑی پٹی کے خط ایک دوسرے کو کاٹ کر گزرتے تھے۔ عنبر حیران ہوا کہ یہ شکل کس نے بنائی ہے اور کس غرض کے واسطے بنائی گئی ہے؟

پیراشوٹ عنبر کو لے کر آہستہ آہستہ زمین پر اتر آیا اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ وہ ٹھیک اس دائرے کے اندر آن کر گرا۔ زمین پر چھوٹی چھوٹی گھاس اُگی ہوئی تھی۔ عنبر نے اٹھ کر پیراشوٹ کو لپیٹ کر ایک طرف پھینکا اور خود اس دائرے کے باہر نکلنے کے لیے آگے بڑھا اور یہ دائرہ کافی کشادہ تھا۔ وہ ایک چوڑی پٹی پر چل رہا تھا۔ آگے دائرے کی گولائی کا کنارہ آ گیا۔ عنبر نے جونہی دائرے کی لکیر کو پار کرنے کی کوشش کی اسے ایک دھکا سا لگا اور وہ نیچے گر پڑا۔ اس دھکے کے ساتھ ہی دائرے کی لکیریں سے

آگ کا ایک شعلہ بھڑک کر آسمان کی طرف بلند ہوا اور بجھ گیا۔ عنبر زمین پر سے اٹھا اور سوچنے لگا کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟ پھر اسے خیال آیا کہ شاید یہ اس کا وہم تھا۔ اس نے دوسری بار دائرے کی لکیر کو پار کرنے کی کوشش کی تو اسے ایک بار پھر زبردست دھکا لگا۔ اس بار وہ ہوشیار تھا اس لیے اُسے کچھ نہ ہوا۔ دھکا اتنا سخت تھا کہ اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور مر جاتا۔ دھکے کے ساتھ ہی ایک بار پھر پہلے کی طرح لکیریں سے آگ کا شعلہ بلند ہو کر بجھ گیا۔

عنبر کو خیال آیا کہ ضرور یہاں کسی نے جادو ٹونا کر رکھا ہو گا اب اُس نے سوچا کہ لکیر کو پار کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ بھاگ کر آئے اور دوسری طرف چھلانگ لگا دے۔ پس اس نے دوڑنا شروع شروع کر دیا۔ دوڑتے دوڑتے اس نے زور سے چھلانگ لگائی۔ اسے ایک بار پھر اس طرح زور سے دھکا لگا۔ مگر اس دفعہ وہ دھکے کے زور سے دائرے کی دوسری جانب جا کر گر پڑا۔
دائرے کی لکیریں سے اسی طرح شعلہ بلند ہوا اور

بجھ گیا۔

عنبر اب دائرے کی حدود سے نکل چکا تھا۔ اس نے اٹھ کر دائرے کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ لکیر گھاس کی بنی تھی۔ آگ کا اس گھاس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ عنبر نے چاروں طرف دیکھا۔ میدان میں جھاڑیاں اگی تھیں۔ دور جنگل کے اونچے اونچے گھنے درخت نظر آ رہے تھے۔ ذرا بائیں جانب ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا۔ جس پر جنگلی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔

عنبر نے اس ٹیلے کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اس خیال سے کہ شاید ٹیلے کے پار کوئی بستی ہو جہاں سے وہ معلوم کر سکے کہ وہ کس ملک میں ہے۔ چلتے چلتے عنبر ٹیلے کے پاس آ گیا۔ یہ ٹیلہ کالے پتھر کا تھا اور اس کے اوپر کہیں کہیں کانٹے والی جھاڑیاں اگی تھیں۔ عنبر کو ایک بکری جھاڑیوں میں پتے کھاتی نظر آئی۔ بکری نے بھی تھوتھنی اٹھا کر عنبر کو دیکھا اور پھر اچھلتی کودتی ایک طرف کو بھاگ گئی۔

عنبر ٹیلے کی دوسری طرف آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک پتھریلی عمارت کا گنبد سا بنا ہوا ہے۔ گنبد کے اوپر ایک گدھ کا مجسمہ بنا ہے۔ عمارت ایک منزلہ تھی اور پرانی معلوم

ہو رہی تھی۔ عنبر ٹیلے کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا اور غور کرنے لگا کہ یہ عمارت کس کی ہو سکتی ہے؟ شکل سے لگتا تھا کہ کوئی پرانی عمارت ہے جس میں آتش پرست آگ کی پوجا کرتے ہوں گے۔

اتنے میں عمارت کے شکستہ دروازے میں سے دو گھوڑ سوار باہر نکلے ان کے حلیے وحشی لوگوں ایسے تھے۔ انہوں نے سروں پر تانبے کے کنٹوپ پہن رکھے تھے۔ عمارت سے باہر آ کر وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور سرپٹ دوڑاتے ٹیلے کی جانب سے آگے نکل گئے عنبر ٹیلے کی ایک جھاڑی کے پیچھے ہو گیا تھا۔

عنبر ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ آگے جانے یا نہ جانے کہ اچانک کسی نے پیچھے سے اس کے گلے میں لوہے کی زنجیر ڈال کر اسے کسنا شروع کر دیا۔ عنبر نے پلٹ کر دیکھا۔ وہی دونوں گھوڑ سوار کھڑے اسے غضبناک آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ عنبر نے گردن میں کستی ہوئی زنجیر کو پکڑ لیا اور کہا۔

"تم کون ہو اور مجھے اس طرح کیوں قید کر رہے ہو؟"

یہ الفاظ عنبر نے عربی زبان میں کہے تھے۔ جسے وہ نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے اپنی زبان میں ایک دوسرے

کر کہا۔

"کوئی اجنبی جاسوس ہے۔ ضرور حبشہ کے جادوگر زردوشی نے ہمارے عبادت خانے کی جاسوسی کرنے کے لیے اسے بھیجا ہے۔"

ان الفاظ کو عنبر سمجھ گیا تھا۔ مگر اس نے یہی ظاہر کیا کہ وہ ان کی زبان نہیں جانتا۔ وہ دونوں اسے کھینچتے ہوئے عمارت کے اندر لے گئے۔ عنبر نے اس لیے بھی مقابلہ نہ کیا کہ وہ دیکھنا چاہتا تھا یہ لوگ کون ہیں اور یہاں کیا کرتے ہیں۔ کیوں کہ ایک بات کا اسے یقین تھا کہ وہ لوگ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔

عمارت اندر سے بھی شکستہ سی تھی۔ چھت نیچی تھی۔ ایک اندھیرا راستہ آگے کو جا کر مڑ گیا۔ سامنے ایک اور دروازہ آ گیا۔ پھر سیڑھیاں اتر کر ایک اور دروازہ آیا جس کے باہر مشعل روشن تھی۔ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا۔

"اسے قید کر دو۔ آقا کو ابھی چل کر اطلاع کرتے ہیں۔ وہ ہمیں ضرور انعام دے گا کہ ہم نے دشمن کے ایک خطرناک جاسوس کو پکڑا ہے۔"

"ہاں چلو۔"

اور وہ دونوں عنبر کو گھسیٹتے ہوئے اس کمرے میں لے گئے جہاں اندھیرے میں ایک مدھم چراغ روشن تھا۔ اس کی دیوار میں ایک سوراخ تھا۔ انہوں نے عنبر کو اس سوراخ کے اندر دھکیل کر کہا۔

"اب تم قیامت تک یہاں سے باہر نہیں نکل سکتے۔"

سوراخ کے اندر گرتے ہی عنبر کافی نیچے فرش پر جا پڑا۔ اس نے اٹھ کر اوپر دیکھا۔ سوراخ اس سے کوئی دس فٹ کی اونچائی پر تھا۔ گویا وہ ایک اندھے کنوئیں میں پھینک دیا گیا تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ وہاں اندھیرا ہے۔ یہ ایک تنگ سی جگہ تھی جہاں زمین پر مٹی کے ڈھیر تھے اور کونے میں گھاس پھونس پڑی تھی۔ عنبر اس گھاس پر بیٹھ گیا اور غور کرنے لگا کہ وہ کہاں آ گیا ہے اور اب یہاں سے کس صورت میں باہر نکلے گا۔ کیونکہ وہ اتنی اونچی چھلانگ نہیں لگا سکتا تھا۔

نہ جانے وہ کتنی دیر اس اندھے کنوئیں میں پڑا رہا ہو گا کہ اچانک سوراخ میں ہلکی سی روشنی ہوئی۔ پھر کسی نے ایک مشعل ڈال کر نیچے دیکھا۔ عنبر نے اوپر دیکھا۔ ایک رسی کی سیڑھی نیچے لٹکائی گئی۔ اوپر سے کسی نے کہا۔

"اوپر چڑھو۔"

یہ الفاظ حبشہ کی زبان میں کہے گئے تھے۔ عنبر سیڑھی کے ذریعے اوپر چڑھنے لگا۔ سوراخ کے قریب پہنچا تو ایک آدمی نے جس کی سُرخ آنکھیں اندھیرے میں سانپ کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں جلدی سے اس کی گردن میں زنجیر ڈال کر اسے کس دیا۔ اور پھر دونوں آدمی اسے کھینچ کر اوپر لائے اور ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ دو تین اندھیری راہداریوں میں سے گزرنے کے بعد اسے ایک کھلے کمرے میں لایا گیا جہاں دیواروں پر انسان کی کھوپڑیوں اور انگلیوں کی ہڈیوں کے ہار لٹکے ہوئے تھے۔ کہیں تلواریں اور نیزے سجے تھے۔ بیچ میں ایک جگہ آگ روشن تھی۔ آگ کے الاؤ کے پاس ہی ایک پتھر کا چبوترہ بنا تھا جس کے اوپر گدھ کا پتھر کا مجسمہ بنا تھا۔

عنبر کو مجسمے کے قریب لا کر ایک پتھر کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ دونوں آدمی چلے گئے۔ عنبر نے چاروں طرف غور سے دیکھا۔ یہ کوئی عبادت گاہ لگتی تھی۔ فضا میں عجیب سی بدبو رچی ہوئی تھی۔ جیسے آگ میں انسانی گوشت جل رہا ہو۔ گدھ کے مجسمے کی آنکھوں میں لال لال پتھر، جواہرات کی طرح چمک رہے تھے۔

یہ کافی بڑا مجسمہ تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ عبادت گاہ کا دروازہ کھلا اور سب سے پہلے ایک ایسا شخص داخل ہوا جس نے اپنے جسم کو شیر کی کھال سے ڈھانپ رکھا تھا۔ بال لمبے تھے۔ گردن میں ہڈیوں کا ہار تھا۔ چہرہ سیاہ آنکھیں سرخ اور وحشت ناک تھیں۔ اس کے ہاتھ میں کسی جانور کی ہڈی تھی۔

اس کے پیچھے چھ سات آدمی تھے جنہوں نے اپنے سروں پر تانبے کے خول پہن رکھے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔ یہ شیر کی کھال والا شخص کوئی خطرناک جادوگر لگتا تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ ان لوگوں کا سردار یا سب سے بڑا کاہن ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر عنبر کو گھور کر دیکھا اور اپنی زبان میں کہا۔

"تم کون ہو اور یہاں تمہیں کس نے بھیجا ہے؟"

عنبر نے اسی زبان میں کہا۔

"میرا نام عنبر ہے۔ میں جڑی بوٹیوں کا تاجر ہوں اور جنگلوں میں گھوم پھر کر جڑی بوٹیاں تلاش کرتا ہوں۔"

کاہن جادوگر نے حیران ہو کر عنبر کو دیکھا

"تم ہماری زبان بھی جانتے ہو۔ ضرور تم جاسوس ہو۔

تمہیں ہماری زبان سکھا کر یہاں بھیجا گیا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"میں ان علاقوں میں اکثر گھومتا رہتا ہوں اور جڑی بوٹیاں تلاش کرتا رہا ہوں۔ اس لیے مجھے اس علاقے کے لوگوں کی زبان آتی ہے۔"

کاہن نے ہڈی والا ہاتھ ہوا میں اٹھا کر کہا۔

"اسے قید میں ڈال دو۔ اسے زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔"

دوسرے آدمی آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر کی گردن میں زنجیر ڈال کر اُسے گھسیٹا اور واپس سوراخ میں سے نیچے اندھے کنوئیں میں پھینک دیا۔

عنبر وہاں ساری رات اور سارا دن پڑا رہا۔ اس عرصے میں اوپر سے رسّی کے ذریعے اسے اُبلے ہوئے چاول اور پانی دیا گیا۔ تین روز کے بعد عنبر کو بادلوں کی گرج کی آواز سنائی دی۔ وہ سمجھ گیا کہ باہر بارش ہو رہی ہے اور آسمان پر بادل جمع ہیں۔ پھر اسے اوپر لوگوں کے گیت گانے کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ آوازیں ایسی تھیں جیسے کوئی جماعت بین کر رہی ہو۔

عنبر چپ چاپ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا اور

ہی ماریا کے بارے میں سوچتا رہا کہ خدا جانے ان کے پیراشوٹ انہیں کہاں لے گئے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد اسے اوپر بین کرنے یا مذہبی گیت گانے کی آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ ایک خاموشی اور سناٹا چھا گیا۔ یہ خاموشی کچھ دیر چھائی رہی۔ پھر اوپر روشنی ہوئی۔ عنبر نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا سوراخ میں سے رسّی کی سیڑھی نیچے پھینکی گئی تھی۔ اوپر سے آواز آئی۔

"اس پر چڑھ کر باہر آؤ۔"

گدھ

اوپر جاتے ہی عنبر کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔

عنبر کو واپس اسی کھلے کمرے میں یعنی عبادت گاہ میں لایا گیا۔ یہاں اب کئی لوگ دیوار کے ساتھ ساتھ ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ دیواروں پر مشعلیں جل رہی تھیں۔ بیچ میں آگ کا الاؤ روشن تھا۔ وہی کاہن جادوگر چبوترے پر دوزانو بیٹھا تھا اور سر جھکا کر گدھ کے بُت کے سامنے اشلوک پڑھ رہا تھا۔ عنبر کو ستون کے ساتھ لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ کچھ دیر اشلوک پڑھنے کے بعد کاہن نے اٹھ کر چاروں طرف نظر ڈالی اس کے ہاتھ میں آج انسان کی کھوپڑی تھی۔ کھوپڑی اس نے فضا میں بلند کی اور کہا۔

"اے دیوتا! ہم تیرے نام پر قربانی کے لیے تیار ہیں تو ہمیں کالا جادو دے۔ ہمارے کھیتوں میں اناج اُگا۔ ہماری بکریوں کو دودھ دے اور ہمارے دشمنوں کو ختم کر دے۔" سب لوگوں نے ہاتھ اٹھا کر ایک ہی زبان میں کہا

"ایسا ہی ہو اے دیوتا!"

عنبر سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔ اسے گدھ کے بُت پر قربان کیا جانے والا تھا۔ عنبر دل میں ہنسا۔ اُس نے سوچا کہ ان لوگوں پر اپنی طاقت کا لوہا منوانے کا اس سے اچھا موقع اسے نہیں ملے گا۔ پس وہ قربانی کے لیے تیار ہو گیا۔ کاہن جادوگر نے اپنی سرخ شعلہ بار آنکھوں سے عنبر کو دیکھا اور پھر چیخ مار کر کہا۔

"قربانی کے لیے تیاری کی جائے۔"

اس وقت دو آدمی آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر کی قمیض اتار کر پھینک دی۔ دو آدمی آئے۔ انہوں نے عنبر کے جسم پر زیتون کا تیل مل دیا۔ پھر ایک آدمی آیا۔ اس نے عنبر کے سر پہ پھولوں کا گجرا باندھ دیا۔ اس کے بعد چار آدمیوں نے آگے بڑھ کر عنبر کو اٹھایا اور گدھ کے بُت کے سامنے لکڑی کے تختے پر لا کر ڈال دیا۔ اور اس کے ہاتھ پاؤں زنجیروں سے اس طرح سے جکڑ دیئے کہ وہ ہل نہیں سکتا تھا۔

اب کاہن جادوگر عنبر کے سر پہ [illegible] کھڑا ہو گیا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے منہ ہی منہ میں اشلوک پڑھنے شروع کر دیئے۔ پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"دوسری لڑکی کو لایا جائے۔"

اس پر عنبر چونکا۔ اب اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ اس کے پاس ہی دوسرا تختہ کس کے لئے ڈالا گیا تھا۔ گویا یہ لوگ کسی لڑکی کی بھی قربانی دینے والے تھے۔ کاہن کا حکم سن کر دو آدمی جلدی سے ایک طرف کو بھاگے۔

اب وہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ الاؤ میں آگ جل رہی تھی۔ کاہن جادوگر منہ ہی منہ میں برابر اشلوک پڑھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں ہی ایک لڑکی کو لایا گیا جس کے دونوں ہاتھ اس کی پیٹھ پر رسّی سے بندھے ہوئے تھے اس کے لمبے بال کھلے تھے۔ سر جھکا تھا۔ چہرے پر موت کی مُردنی تھی۔ اس کا رنگ زرد تھا۔ وہ بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ مگر موت کے خوف سے وہ مردہ ٹہنی کی طرح جھکی ہوئی تھی۔

اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔ کاہن نے اشلوک پڑھتے پڑھتے اس کی طرف کھوپڑی والے ہاتھ کا اشارہ کر کے کہا۔

"اسے بھی لٹا دیا جائے۔"

دیکھتے دیکھتے کاہن کے آدمیوں نے اس بے کس و مجبور

لڑکی کو بھی لکڑی کے تختے پر لٹا کر باندھ دیا گیا۔ لڑکی بے چاری نے کوئی حرکت نہ کی۔ وہ تو خوف سے آدھی پہلے ہی مر چکی تھی۔ اب عنبر کو یہ ڈر تھا کہ کہیں اس لڑکی کو پہلے ہلاک نہ کر دیا جائے۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے اس پر حملہ کیا جائے تاکہ اس کی طاقت کا سب کو علم ہو جائے اور لڑکی کی جان بچ جائے۔ اگر انہوں نے لڑکی کو پہلے ہلاک کرنے کی کوشش کی تو پھر اُسے مقابلے کے لیے رسّیاں تڑا کر اٹھ پڑنا ہوگا۔

اتنے میں کاہن نے لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"پہلے اس لڑکی کو دیوتا پر قربان کیا جائے۔"

وہی ہوا جس کا عنبر کو ڈر تھا۔ لڑکی کو پہلے قتل کیا جا رہا تھا۔ اب عنبر کے لیے وہاں بے بسی کی حالت میں پڑے رہنا ممکن نہ رہا تھا۔ اس نے آواز دے کر کہا۔

"سنو اے کاہن! اس لڑکی سے پہلے مجھے قربان کرو تو یہ تمہارے لیے اچھا ہوگا۔"

کاہن نے حقارت سے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم کون ہوتے ہو میرے معاملات میں دخل دینے والے؟ خبردار! اگر پھر آواز نکالی تو میں تمہاری زبان

تمہارے تالو سے کھینچ دوں گا"۔

پھر اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

"لڑکی کی قربانی شروع کی جائے"۔

اسی وقت دو آدمی خنجر لے کر لڑکی کی طرف بڑھے لڑکی نے خوفزدہ نظروں سے انہیں دیکھا اور ڈر سے کانپنے لگی۔ موت اس کی آنکھوں کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"رحم کرو ظالمو۔! مجھ پر رحم کرو"

کاہن نے کھوپڑی والا ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"قربانی شروع کرو"۔

ٹھیک اسی وقت عنبر نے ایک جھٹکا کھایا اور اس کی ساری رسیاں اور زنجیریں ٹوٹ کر پرے جا گریں۔ کاہن جادوگر اور دوسرے لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو تلواریں لے کر اس کی طرف بڑھے اور حملہ کر دیا عنبر نے ایک آدمی سے تلوار چھین لی اور لڑائی شروع ہو گئی۔ عنبر کے جسم پر جو تلوار لگتی وہ ٹوٹ کر گر پڑتی جبکہ عنبر نے دیکھتے دیکھتے چار آدمیوں کو ہلاک کر کے رکھ دیا۔ اب کاہن نے جادو کا منتر پھونکا اور کھوپڑی عنبر کی طرف پھینکی۔ کھوپڑی عنبر کے سر پر

آکر آگ کا گولا بن گئی اور اس نے عنبر کو آگ کے شعلوں میں لپیٹ لیا۔

سب پیچھے ہٹ گئے۔ انہیں یقین تھا کہ اب عنبر اس آگ میں جل کر راکھ ہو جائے گا۔ کاہن نے ایک قہقہہ لگایا۔ لوگ نعرے لگانے لگے۔

"کاہن کی جے ہو! کاہن کی جے ہو"۔

لیکن تھوڑی دیر بعد لوگوں نے دیکھا کہ آگ بجھ گئی ہے اور عنبر اس میں سے صحیح و سلامت باہر نکل آیا ہے عنبر کو زندہ دیکھ کر جادوگر کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"اس پر تیروں کی بارش کر دو۔ یہ کوئی جادوگر ہے"۔ عنبر پر تیر برسنا شروع ہو گئے۔ لیکن تیروں کے ساتھ ہی وہی ہوا کہ عنبر کے جسم پر یوں پڑتے جیسے کسی پتھر کی چٹان سے ٹکرا رہے ہوں۔ اس کے جسم سے ٹکرا کر تیر نیچے گر پڑتے تھے۔ اس جادوگری کو دیکھ کر کاہن پریشان ہو گیا۔ اب عنبر نے کہا۔

"سنو کاہن! تم اپنا جادو مجھ پر ضائع کر رہے ہو۔ میں مر نہیں سکتا۔ ہاں تمہیں اور تمہارے سارے آدمیوں کو ہلاک کر سکتا ہوں۔ اس لیے میرے راستے سے

تمہارے تارو سے کھینچ دوں گا۔"
پھر اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔
"لڑکی کی قربانی شروع کی جائے۔"
اسی وقت دو آدمی خنجر لے کر لڑکی کی طرف بڑھے
لڑکی نے خوفزدہ نظروں سے انہیں دیکھا اور ڈر
سے کانپنے لگی۔ موت اس کی آنکھوں کے سامنے آکر
کھڑی ہو گئی تھی۔ اس نے چیخ کر کہا۔
"رحم کرو ظالمو۔! مجھ پر رحم کرو"
کاہن نے کھوپڑی والا ہاتھ اٹھا کر کہا۔
"قربانی شروع کرو۔"
ٹھیک اس وقت عنبر نے ایک جھٹکا کھایا اور اس
کی ساری رسیاں اور زنجیریں ٹوٹ کر پرے جا گریں۔
کاہن جادوگر اور دوسرے لوگوں نے یہ حالت
دیکھی تو تلواریں لے کر اس کی طرف بڑھے اور حملہ کر دیا
عنبر نے ایک آدمی سے تلوار چھین لی اور لڑائی شروع
ہو گئی۔ عنبر کے جسم پر جو تلوار لگتی وہ ٹوٹ کر گر پڑتی
جبکہ عنبر نے دیکھتے دیکھتے چار آدمیوں کو ہلاک کر
کے رکھ دیا۔ اب کاہن نے جادو کا منتر پھونکا اور
کھوپڑی عنبر کی طرف پھینکی۔ کھوپڑی عنبر کے سر پر

جا کر آگ کا گولا بن گئی اور اس نے عنبر کو آگ کے
شعلوں میں لپیٹ لیا۔
سب پیچھے ہٹ گئے۔ انہیں یقین تھا کہ اب عنبر
اس آگ میں جل کر راکھ ہو جائے گا۔ کاہن نے
ایک قہقہہ لگایا۔ لوگ نعرے لگانے لگے۔
"کاہن کی جے ہو! کاہن کی جے ہو۔"
لیکن تھوڑی دیر بعد لوگوں نے دیکھا کہ آگ بجھ گئی
ہے اور عنبر اس میں سے صحیح و سلامت باہر نکل آیا ہے
عنبر کو زندہ دیکھ کر جادوگر کے ہاتھوں کے طوطے اڑ
گئے۔ اس نے چیخ کر کہا۔
"اس پر تیروں کی بارش کر دو۔ یہ کوئی جادوگر ہے۔"
عنبر پر تیر برسنا شروع ہو گئے۔ لیکن تیروں کے ساتھ
بھی وہی ہوا کہ عنبر کے جسم پر یوں پڑتے جیسے کسی
پتھر کی چٹان سے ٹکرا رہے ہوں۔ اس کے جسم سے ٹکرا
کر تیر نیچے گر پڑتے تھے۔ اس جادوگری کو دیکھ کر کاہن
پریشان ہو گیا۔ اب عنبر نے کہا۔
"سنو کاہن! تم اپنا جادو مجھ پر ضائع کر رہے ہو۔
میں مر نہیں سکتا۔ ہاں تمہیں اور تمہارے سارے آدمیوں
کو ہلاک کر سکتا ہوں۔ اس لیے میرے راستے سے

ہٹ جاؤ۔"

جادوگر نے زمین پر سے ایک کنکر اٹھا کر اس پر کچھ پڑھا اور زور سے عنبر کی طرف پھینک دیا۔ کنکر ایک بہت بڑا پتھر بن کر عنبر کے سر پر گرا۔ یہ پتھر کسی انسان کو کچل کر اس کا بھرکس نکال سکتا تھا۔ لیکن عنبر کے سر پر گرتے ہی وہ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا

اب کاہن پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے دوسرا منتر کیا۔ وہ بھی بیکار گیا۔ عنبر نے زمین پر سے خنجر اٹھا کر کاہن کی طرف پھینکا۔ خنجر کاہن کے دل پر لگا اور وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ اس کے سینے سے خون نکلنے لگا اور وہ تڑپنے لگا۔ اس کے ساتھی عنبر کی طرف بڑھے۔ عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"تم لوگ اپنی جانیں ضائع نہ کرو۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں تمہارے سردار سے بڑھ کر جادوگر ہوں اور مجھ پر موت کا ہاتھ نہیں بڑھ سکتا۔ تم میں سے کوئی بھی آگے آیا وہ مر جائے گا۔ اس لیے میری اطاعت کرو اور میرا حکم مانو۔ آج سے میں تمہارا سردار کاہن ہوں گا۔"

لوگ اپنی جگہوں پر رُک گئے۔ عنبر نے آگے بڑھ کر لڑکی کو رسیوں سے آزاد کر دیا اور کہا۔

"بہن! میرے پاس رہنا۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہاری جان بچ گئی۔"

کاہن مر رہا تھا۔ اس نے مرتے مرتے کہا۔

"گدھ والے آئیں گے اور میری موت کا بدلہ تم سے ضرور لیں گے۔"

اتنا کہہ کر کاہن مر گیا۔ عنبر کی سمجھ میں اس کا یہ فقرہ بالکل نہ آیا کہ گدھ والے آئیں گے اور تم سے بدلہ لیں گے سے کیا مراد ہے؟ اس نے لڑکی کو ساتھ لیا اور ٹیلے سے باہر آ گیا۔ سارے آدمی اس کے آگے جھک کر کھڑے ہو گئے۔ عنبر نے ان سے کہا۔

"تم لوگ اسی جگہ ٹھہرو۔"

پھر اُس نے ایک بوڑھے آدمی کو ساتھ لیا اور ٹیلے سے باہر آ کر ایک درخت کے پاس کھڑے ہو گئے۔ عنبر نے کہا۔

"بابا! یہ گدھ والے لوگ کون ہیں؟"

بوڑھا خوف زدہ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"گدھ والے لوگ آسمانوں سے آتے ہیں۔ جب چاند

کی چودھویں تاریخ ہوتی ہے تو ان کا رتھ آسمان سے نمودار ہو کر یہاں اترتا ہے اور وہ اس مندر میں آ کر رہتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔"

عنبر نے سوچا کہ یہ بوڑھا یونہی وہم میں مبتلا ہے اور گدھ والوں کے بارے میں جو باتیں کر رہا ہے وہ کاہن کے جادو کے اثر کے تحت کر رہا ہے۔ اس نے بوڑھے کو واپس مندر میں بھیج دیا اور لڑکی سے پوچھا۔

"بہن تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں سے آئی ہو؟"

لڑکی نے کہا

"میرا نام مختالیہ ہے اور میرا گاؤں یہاں سے قریب ہی ہے۔ میں اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ رہتی ہوں۔ ایک روز جنگل میں بکریاں چرا رہی تھی کہ یہ لوگ مجھے پکڑ کر یہاں لے آئے۔ خدا کے لیے مجھے میری ماں کے پاس پہنچا دو۔ وہ میری یاد میں رو رو کر ہلکان ہو رہی ہو گی۔"

"ضرور۔ میں ابھی تمہیں تمہاری ماں کے پاس پہنچائے دیتا ہوں۔"

عنبر لڑکی کو ساتھ لے کر اس کے گاؤں میں آ گیا۔ اس کی ماں نے رو رو کر اپنا بُرا حال کر رکھا تھا۔ اپنی بیٹی کو دیکھ کر اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے بیٹی کو

گلے لگا لیا۔ لڑکی نے بتایا کہ اگر عنبر وہاں نہ آتا تو وہ کبھی زندہ سلامت اس کے پاس نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ماں نے عنبر کا شکریہ ادا کیا۔ عنبر ایک رات ان کے ہاں رہا اور دوسرے روز وہاں سے چلنے لگا تو اُسے اچانک خیال آیا کہ کہیں کاہن کی بات سچ نہ ہو۔ یعنی کہیں سچ مچ چودھویں رات کو آسمان سے کوئی مخلوق نیچے زمین پر نہ اترتی ہو۔

عنبر کو اس دائرے کا خیال آیا جس پر وہ پیراشوٹ کے ذریعے اترا تھا۔ یقیناً وہ کسی اڑن طشتری کا ہوائی اڈہ معلوم ہوتا تھا۔ ہو سکتا ہے کوئی آسمانی مخلوق وہاں آتی ہو۔ اس خیال کے ساتھ ہی عنبر نے عورت سے پوچھا۔

"ماں! آج چاند کی کتنی تاریخ ہے؟"

"بارہ تاریخ ہے میرے بیٹے!"

اس کا مطلب یہ تھا کہ صرف دو دن باقی تھے۔ عنبر نے یہ دو دن وہیں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

چاند کی چودہ تاریخ کی شام کو عنبر وہاں سے نکلا اور ٹیلے کی طرف آ گیا۔ وہاں خاموشی تھی۔ اس نے پرانی عمارت میں جا کر دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سارے لوگ کہیں چلے گئے ہیں۔ گدھ کا مجسمہ ویسے ہی کھڑا تھا۔ عنبر عمارت سے باہر آ گیا۔ اب شام رات میں بدل

گئی تھی۔ چاند آسمان میں چمک رہا تھا۔ رات گہری ہونے لگی۔ چاندنی نے ہر طرف ہلکی ہلکی روشنی کر رکھی تھی عنبر ٹیلے کی اوٹ میں ایک جگہ چھپ گیا۔

یہاں سے اسے وہ میدان دور سے صاف نظر آ رہا تھا جس میں وہ پُر اسرار دائرہ بنا تھا۔ جہاں کاہن کے مطابق آسمانی مخلوق چاند کی چودھویں رات کو اترا کرتی تھی وہاں گہری خاموشی تھی۔ دور کسی وقت گیدڑ کی آواز ابھر کر ڈوب جاتی تھی، جب رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تو عنبر کے کانوں میں ایک عجیب سی آواز ٹکرائی۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کوئی گول چکر پوری رفتار سے چل رہا ہو۔ یا جیسے کوئی لٹو اس کے پاس ہی گھوم رہا ہو۔ گھوں گھوں کی آواز تھی اور قریب ہوتی جا رہی تھی۔ عنبر نے آسمان کی طرف گھور گھور کر دیکھنا شروع کر دیا۔ اچانک اس نے آسمان پر ایک ستارے کو دیکھا تو زمین کی طرف چلا آ رہا تھا۔ یہ ستارہ بڑی تیز رفتاری سے نیچے اتر رہا تھا۔ عنبر اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ نیچے آ کر اس نے دائرے کی شکل میں چکر لگانا شروع کر دیا۔ یہ ستارہ اب ایک اڑن طشتری کی شکل میں بدل گیا تھا۔ اس اڑن طشتری کی شکل کسی گدھ سے ملتی جلتی تھی۔

مگر نیچے سے اس کا پینڈا ویسے ہی گول تھا جیسا کہ عنبر اڑن طشتری کا تھا۔ اوپر سے اس نے گدھ کی طرح پر پھیلا رکھے تھے۔ اور درمیان میں گدھ کا سر بھی بنا ہوا تھا۔ اس کے نیچے سے ہلکے سبز رنگ کی دھیمی دھیمی روشنی کبھی جل رہی تھی اور کبھی بجھ رہی تھی۔ عنبر کے لیے اب شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ کوئی آسمانی مخلوق ہے جو اس اڑن طشتری کے ذریعے زمین پر مہینے میں ایک بار چکر لگاتی ہے۔

عنبر ٹیلے کی اوٹ میں چھپ کر بڑے غور سے اڑن طشتری کو دیکھنے لگا۔ اڑن طشتری کی شکل گدھ سے ملتی جلتی تھی۔ یہ اب چکر کاٹ کر اس دائرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جو میدان میں بنا ہوا تھا۔ اس کی آواز بہت ہی کم تھی اور بالکل لٹو کی طرح گھوم رہی تھی بس ایسے لگ رہا تھا جیسے قریب ہی کوئی بڑا لٹو زور سے گھوم رہا ہے جبکہ عنبر والی اڑن طشتری کی آواز اس سے زیادہ تھی۔

اڑن طشتری میدان کے دائرے میں اتر گئی۔

عنبر کو دور سے بہت کم دکھائی دے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دیکھا کہ میدان کی طرف سے چار سائے ٹیلے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ چاند کی روشنی میں ان کے

سروں پر تانبے کے سرخ خول چمک رہے تھے۔
وہ ٹیلے کے قریب آئے تو عنبر نے دیکھا کہ چاروں آدمیوں نے لوہے کے خول سارے جسم پر چڑھا رکھے ہیں۔ اُن کے قد عام انسانوں جتنے تھے۔ سر کے اوپر ایک سلاخ باہر نکلی تھی۔ جیسے ریڈیو کا چھوٹا سا ایریل ہوتا ہے۔

وہ آدمی ٹیلے کے قریب سے گزرے تو عنبر کو سگنلوں کی آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی آدمی ٹرانسمیٹر کے پاس بیٹھا کسی کو سگنل دے رہا ہو۔ چاروں آدمی تانبے کی سرخ وردی میں تھے۔ اور ان کے چہرے بالکل دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ٹیلے کے پاس سے نکل کر چاروں آدمی پرانی عمارت میں داخل ہو گئے۔

ایک بار پھر وہاں خاموشی چھا گئی۔ عنبر نے سوچا اگر اس کی جگہ وہاں ماریا ہوتی تو وہ اڑن طشتری میں جاکر دیکھتی کہ وہاں کیا ہے یا پھر عمارت میں جاکر معلوم کرتی کہ یہ لوگ اندر کیا کر رہے ہیں؟ عنبر چونکہ نظر آ جاتا تھا اس لیے وہ جا کر پتہ نہیں کر سکتا تھا آخر کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد اس نے سوچا کہ جا کر معلوم کرنا چاہیے۔ کہ یہ لوگ عمارت کے اندر کیا کر رہے ہیں۔
پس عنبر ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر چھپ چھپ کر

عمارت کی طرف بڑھا وہ پیچھے کی طرف سے آیا۔ یہاں گہرا اندھیرا تھا۔ عمارت کی پچھلی دیوار میں کوئی کھڑکی نہیں تھی۔ عنبر نے غور سے دیوار کے ساتھ لگ کر کسی سوراخ کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر اسے کامیابی نہ ہوتی وہاں کوئی کھڑکی یا سوراخ نہیں تھا۔

وہ واپس آنے کا سوچ رہا تھا کہ اچانک ایک کھٹکا سا ہوا۔ عنبر تیزی سے پیچھے ہٹ کر مٹی کے ایک ڈھیر کے عقب میں چھپ گیا کیا دیکھتا ہے کہ دیوار ایک جگہ سے تھوڑی سی شق ہو گئی یہ کوئی خفیہ کھڑکی تھی جو کھل گئی۔ اس میں سے ایک تانبے کے سر نے باہر جھانک کر دیکھا اور کھڑکی دوبارہ بند کر دی۔

عنبر دبے دبے قدم اٹھاتا دیوار کے پاس اس جگہ گیا جہاں کھڑکی کھلی تھی۔ اس نے ہاتھ لگا کر دیکھا۔ یہ ایک خفیہ کھڑکی بنی ہوئی تھی۔ مگر افسوس کہ وہاں کوئی ایسا سوراخ نہیں تھا کہ جس کے ساتھ آنکھیں لگا کر وہ اندر کا نظارہ کر سکتا۔ عنبر نا امید ہو کر واپس ہوا۔ ابھی وہ دیوار کے ساتھ ہی تھا کہ کسی نے اس کی گردن پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ یہ ہاتھ بیحد ٹھنڈا اور سخت تھا۔ عنبر کو یوں لگا جیسے کسی زنبور یا پلاس نے اس کی گردن کو

لوہے کے شکنجے میں جکڑ دیا ہے۔ اب وہ گردن کو موڑ نہیں سکتا تھا
عنبر اگر چاہتا تو زور لگا کر اس شکنجے کو گردن میں ہی توڑ
سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا نہ کیا وہ اڑن طشتری والوں کے
راز کو حل کرنا چاہتا تھا۔ اتنے میں پیچھے سے کسی نے باریک سی آواز
میں کہا: "آگے آگے چلو!"

یہ الفاظ عنبر کی اپنی زبان میں تھے۔ عنبر کو علم تھا کہ آسمانی
مخلوق میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ ہر انسان کی زبان معلوم
کر کے اسی زبان میں بات کر لیتے ہیں۔ عنبر خاموشی سے آگے آگے
چل پڑا۔ اسے عمارت کے عقبی دروازے میں سے اندر لے جایا
گیا۔ یہ وہی کمرہ تھا جہاں چبوترے پر گدھ کا بت بنا ہوا تھا۔ عنبر
نے دیکھا کہ کاہن جادوگر کی لاش چبوترے پر رکھی ہے۔ جادوگر کا
وہی بوڑھا ساتھی ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ تانبے کے لباس والے
تین خلائی آدمی بھی پاس ہی کھڑے ہیں۔

خلائی انسان جب عنبر کو لے کر اندر آیا تو بوڑھا بولا۔

"اے میرے آسمانی دیوتاؤ! یہی وہ نوجوان ہے جس نے
ہمارے پجاری کو خنجر مار کر ہلاک کیا تھا!"

تانبے کے انسانوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر
اپنی آنکھوں کے سوراخوں میں سے عنبر کو گھورنے لگے۔ عنبر کو چبوترے
پر لا کر کھڑا کر دیا گیا۔ ایک خلائی انسان نے جھک کر عنبر کو دیکھا۔ عنبر

نے بھی دیکھا کہ خلائی انسان کے تانبے کے خول میں سے اس کی
سرخ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ان آنکھوں کا رنگ انار کے دانوں کی
طرح گہرا سرخ تھا اور وہ بجلی کے چھوٹے سے بلب کی طرح جل
رہی تھیں۔ اس کے سوا عنبر کو اس خلائی انسان کا اور کچھ نظر نہ آیا۔

خلائی انسان نے دوسرے انسان کی طرف دیکھ کر اپنی زبان میں
بات کی۔ عنبر صاف صاف یہ زبان بھی سمجھ گیا حالانکہ یہ زبان سگنل کی زبان
تھی اور ایسی آواز آ رہی تھی جس میں کبھی کبھی ریڈیو سے سگنلوں کی آیا
کرتی ہے۔ وہ خلائی انسان دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے اس کے جسم سے کچھ عجیب سی شعاعیں نکلتی محسوس ہو رہی
ہیں۔ اس میں تابکاری معلوم ہوتی ہے۔"

دوسرا خلائی انسان عنبر کے قریب آ کر جھکا۔ پھر سیدھا ہوا اور
اپنے ساتھی کو اسی سگنل کی زبان میں بولا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اس دنیا میں رہنے والوں میں
بعض اوقات کچھ ایسے کیمیکل جمع ہو جاتے ہیں جو تابکاری کی شعاعیں
پھینکنے لگتے ہیں۔"

"یہ چھپ کر ہمیں کیوں دیکھ رہا تھا؟ ضرور یہ ہماری خبر لینے
آیا ہو گا۔ اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو یہ جا کر ہمارے بارے میں
لوگوں کو خبردار کر دے گا اور ہمارے لیے یہاں اپنا کام پورا کرنا مشکل
ہو جائے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس آدمی کو اب چھوڑنا نہیں چاہیے یہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔"
"کیا اسے ہلاک نہ کر دیں؟"

"نہیں! اس سے بھی کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں گے ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے خفیہ مشن میں کام آ سکے۔ اسے لے جا کر بند کر دو۔"
خلائی انسان نے عنبر کی گردن میں اپنے ہاتھ کا شکنجہ ڈالا اور اسے کھینچتا ہوا اڑن طشتری کی طرف چلا۔ میدان والے دائرے میں اڑن طشتری چاندنی میں خاموش کھڑی تھی۔ قریب آ کر عنبر نے دیکھا کہ یہ زیادہ بڑی نہیں تھی مگر بڑی چمکیلی اور پُراسرار تھی طشتری کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ عنبر کو ایک چھوٹے سے کمرے میں بند کر دیا گیا۔ دیواریں خالص سٹین لیس سٹیل کی تھیں اور کوئی کھڑکی دروازہ نہیں تھا۔ دروازہ دیوار کے ساتھ ہی مل گیا تھا۔ عنبر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ آگے اس کے ساتھ کیا بیتے گی اور ماریا ناگ سے اب وہ کہاں اور کیسے مل سکے گا۔؟

عنبر کی دوبارہ ملاقات ناگ۔ اور ماریا سے کہاں ہوئی؟
یہ آسمانی مخلوق زمین پر کیا کرنے آئی تھی؟
عنبر کے ساتھ انھوں نے کیا سلوک کیا؟
ان سوالوں کے جواب آپ کو اسی ناول کی اگلی قسط میں ملیں گے۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اس آدمی کو اب چھوڑنا نہیں چاہیے یہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔"

افریقہ کے گھنے جنگلات میں مکمل ہونے والا دلچسپ اور ہنگامہ خیز ایڈونچر

—— عمران سیریز میں ایک یادگار اضافہ ——

بلیک فیس

مصنف —— مظہر کلیم ایم اے

بلیک فیس —— یہودیوں کی خفیہ بین الاقوامی تنظیم —— جس نے پُراسرار طور پر پاکیشیا میں اہم مشن مکمل کرنا چاہا —— لیکن —— ؟

بلیک فیس —— جس کا ہیڈ کوارٹر افریقہ کے انتہائی گھنے اور خوفناک جنگلوں میں تھا —— جہاں وحشی قبائل اور خونخوار درندوں کی کثرت تھی۔

بلیک فیس —— جس کے خلاف کارروائی کے لئے عمران اور اس کے ساتھیوں کو خونخوار اور وحشی قبائلیوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔

بلیک فیس —— جس کے ہیڈ کوارٹر کے نیچے دنیا کے انتہائی خوفناک کاسمک میزائلوں کی لیبارٹری تھی —— لیکن عمران نے ہیڈ کوارٹر اور لیبارٹری کی تباہی کے لئے کام کرنے سے انکار کر دیا —— کیوں —— ؟

انتھونی —— بلیک فیس کا ایک ایسا ایجنٹ —— جو ذہانت

عمران سیریز میں انتہائی دلچسپ اور یادگار ایڈونچر کہانی

مکمل ناول

ڈیزرٹ کمانڈوز

مصنف مظہر کلیم ایم اے

ڈیزرٹ کمانڈوز خوفناک صحرا میں موجود یہودیوں کی اہم ترین لیبارٹری کے محافظ۔

ڈیزرٹ کمانڈوز جنہیں خاص طور پر علی عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کے خاتمے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

کرنل ابا گر ڈیزرٹ کمانڈوز کا چیف۔ جو چاہتا تھا کہ ایک بار عمران اپنے ساتھیوں سمیت اس کے مقابل آجائے اور جب اس کی خواہش پوری ہوئی تو؟

ڈاکٹر درانی پاکیشیا کا قابل فخر سائنسدان جسے یہودیوں نے اغوا کر کے صحرا میں موجود اپنی لیبارٹری میں پہنچا دیا۔ کیوں ——؟

ڈیتھ آف فیوچر ایک ایسا خوفناک ہتھیار جو اس لیبارٹری میں تیار کیا جارہا تھا اور جب عمران اپنے ساتھیوں سمیت اس لیبارٹری کو تباہ کرنے نکلا تو؟

- وہ لمحہ جب عمران اپنے ساتھیوں سمیت طوفانی صحرا میں اس طرح پھنس گیا کہ زندگی بچانا ناممکن ہو گیا ——؟
- وہ لمحہ جب عمران اور اس کے ساتھیوں کے سروں پر کرنل ابا گر قہر بن کر ٹوٹ پڑا۔
- ڈیزرٹ کمانڈوز اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے درمیان ہونے والی ایک ایسی جنگ کہ ریت کے ذرے بھی خوف سے اپنی چمک کھو بیٹھے۔

عمران سیریز میں انتہائی دلچسپ اور ہنگامہ خیز ایڈونچر

ڈبل مشن

مصنف ——— مظہر کلیم ایم اے

- ایک ایسا مشن —— جسے دوبار پورا کیا گیا —— کیسے ——؟ کیا پہلی بار مشن مکمل نہ ہوا تھا —— یا ——؟
- ایک ایسا مشن —— جس میں پہلی بار شاگل نے پاکیشیا آکر فیلڈ میں کام کیا —— انتہائی حیرت انگیز سچوئشن۔
- ایک ایسا مشن —— جس میں شاگل نے پاکیشیا میں علی الاعلان اپنا مشن مکمل کر لیا لیکن عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس بے بس ہو کر رہ گئے —— کیا وہ واقعی بے بس تھے —— یا ——؟
- ایک ایسا مشن —— جس میں شاگل اور مادام ریکھا بیک وقت عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کے مقابل آئے اور پھر خوفناک ہنگاموں کا آغاز ہو گیا۔
- ایک ایسا مشن —— جس میں کافرستان کی ملٹری انٹیلی جنس کے ایک کرنل نے عمران اور اس کے ساتھیوں کی مدد کی لیکن درصل یہ ایسا ٹریپ تھا جس کا عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کو آخری لمحے تک احساس نہ ہوسکا —— کیوں ——؟ کیا کرنل رائے عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس سے زیادہ ہوشیار تھا —— یا ——؟
- ایک ایسا مشن —— جس میں عمران اور اس کے ساتھی مادام ریکھا اور شاگل دونوں کے مقابل بیک وقت ناکام ہو گئے۔ کیوں اور کیسے ——؟
- ایک ایسا مشن —— جسے عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس نے ہر لحاظ سے مکمل کر لیا —— لیکن اس کے باوجود عمران کو دوبارہ یہی مشن مکمل کرنا پڑا —— انتہائی حیرت انگیز سچوئشن۔

- قدم قدم پر چونکا دینے والے واقعات
- تیز رفتار ایکشن اور اعصاب کو منجمد کر دینے والا سسپنس۔
- کامیابی اور ناکامی کے درمیان پنڈولم کی طرح حرکت کرتی ہوئی ایک ایسی منفرد دلچسپ اور حیرت انگیز کہانی جسے جاسوسی ادب میں مدتوں یاد رکھا جائیگا۔

یوسف برادرز۔ پاک گیٹ ملتان

عمران سیریز میں ایک یادگار اور ناقابل فراموش ایڈونچر

مکمل ناول

گرین گارڈ

مصنف مظہر کلیم ایم اے

گرین گارڈ * یہودیوں کی بین الاقوامی لیکن خفیہ تنظیم جس کی کارروائیوں سے اسرائیل کے صدر بھی بے حد مطمئن تھے۔

گرین گارڈ * جس کے تحت ڈوم نامی تنظیم بنائی گئی تھی جس کے روسیکشن پوری دنیا کے مسلمانوں کے خلاف خوفناک اور تباہ کن کارروائیوں میں مصروف رہتے تھے۔

ڈاکٹر کمال * ایک پاکیشیائی سائنس دان۔ جو ایکریمیا سے اس لئے واپس بھجوا دیا گیا تھا کہ اس کا ذہنی توازن درست نہ رہا تھا اور وہ قابل علاج نہ تھا لیکن گرین گارڈ کے پاس اس کا علاج تھا۔ پھر ——؟

وہ لمحہ * جب گرین گارڈ نے عمران پر پاکیشیا میں ہی قاتلانہ حملہ کر دیا اور عمران کئی ماہ کے لئے معذور ہو کر رہ گیا۔ پھر ——؟

* ڈاکٹر کمال کا فارمولا جسے گرین گارڈ صرف یہودیوں کے لئے ریزرو کرنا چاہتا تھا۔ یہ ایسا فارمولا تھا جس پر انسانی آبادی کے مستقبل کا انحصار تھا۔

وہ لمحہ * جب جولیا کی سربراہی میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کی ٹیم ڈاکٹر کمال اور فارمولا حاصل کرنے کے لیے بھیجی گئی۔ لیکن ——؟

* عمران نے ٹائیگر کو مشن پر بھیجا کہ وہ جولیا اور اس کے ساتھیوں کے تحت کام کرے لیکن کیا ٹائیگر کے لیے ایسا ممکن تھا ——؟

وہ لمحہ * جب ٹائیگر تمام رکاوٹوں کو توڑتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ اکیلا؟

وہ لمحہ * جب جولیا کی سربراہی میں ٹیم نے بھرپور جدوجہد کی مگر کیا عمران کے بغیر وہ آگے بڑھ سکتے تھے۔ یا ——؟

* ڈوم تنظیم کے دو سیکشن باری باری مقابل آئے۔ انتہائی تجربہ کار اور تیز طرار لوگ۔ لیکن انجام کیا ہوا اور کیسے ہوا ——؟

وہ لمحہ * جب ٹائیگر نے پاکیشیا سیکرٹ سروس پر برتری ثابت کر دی۔ کیوں اور کیسے ——؟

انتہائی دلچسپ، جسمانی فائٹس، تیز رفتار ایکشن اور منجمد کر دینے والے سسپنس سے بھرپور ایک یادگار اور ناقابل فراموش ایڈونچر

ناشران
خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ
ارسلان پبلی کیشنز
اوقاف بلڈنگ
پاک گیٹ ملتان
Ph 061-4018666
Mob0333-6106573

عمران سیریز میں ایک خوفناک اور دھماکہ خیز ناول

عمران کی موت

مصنف :- مظہر کلیم - ایم - اے

ماسٹر کلرز :- پیشہ ور خوف ناک قاتلوں کی بین الاقوامی تنظیم جس کا ہر ممبر قتل کرنے میں بے پناہ مہارت رکھتا تھا

ماسٹر کلرز :- جس کے ہر ممبر نے اپنے اپنے انداز میں عمران پر مسلسل اور خوف ناک قاتلانہ حملے شروع کر دیئے۔

ماسٹر کلرز :- جنہوں نے عمران کے فلیٹ۔ رانا ہاؤس اور زیرو ہاؤس کے پرخچے اڑا دیئے۔ کیسے ؟

پے در پے اور خوف ناک حملوں کے سامنے اکیلا عمران کب تک ٹھہر سکتا تھا

ماسٹر کلرز اور عمران کے درمیان خوفناک اور اعصاب شکن تصادم۔

کیا عمران خوفناک قاتلوں کی اس تنظیم کے ہاتھوں بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا یا موت عمران کا مقدر ہو چکی تھی

خوفناک اور مسلسل ایکشن سے بھرپور کہانی

یوسف برادرز پبلشرز بک سیلرز پاک گیٹ ملتان

عمران سیریز میں ایک دلچسپ اور یادگار ایڈونچر

مکمل ناول

جیوش پاور

مصنف
مظہر کلیم ایم اے

جیوش پاور۔ یہودیوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم جس کے بیک وقت دو ہیڈ کوارٹر تھے۔ کیوں ——؟

جیوش پاور۔ جس نے مسلم تنظیم ضرب مسلم کے سرکردہ افراد کے نام اور ٹھکانوں پر مشتمل مائیکرو کیسٹ حاصل کرنے کے لئے شوگرانی سفارت کار کو اغوا کر لیا۔ کیوں ——؟

جیوش پاور۔ جس کے خلاف کام کرنے سے عمران نے صاف انکار کر دیا لیکن پھر وہ آمادہ ہو گیا۔ کیوں ——؟

وہ لمحہ۔ جب عمران پوری ٹیم کی بجائے صرف جولیا کو ساتھ لے کر مشن پر روانہ ہو گیا اور پھر جولیا کی ایسی صلاحیتیں سامنے آنے لگیں کہ عمران بھی حیران رہ گیا۔ کیوں اور کیسے ——؟

وہ لمحہ۔ جب عمران کی اماں بی نے جولیا کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی بہو بنانے کا اعلان کر دیا۔ کیوں اور کیسے ——؟

وہ لمحہ۔ جب جولیا نے جیوش پاور کے دو سپیشل سپر ایجنٹس کے ساتھ اکیلے فائٹ کی۔ ایسی فائٹ جس کا ہر لمحہ موت کا لمحہ بن کر رہ گیا۔ کامیابی کسے ملی ——؟

ایک ایسا مشن جس میں طویل عرصے بعد کے جولیا نے کھل کر اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔

وہ لمحہ۔ جب ایک بار پھر عمران نے جیوش پاور کے خلاف حرکت میں آنے سے انکار کر دیا اور ایکسٹو اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ کیوں ——؟

انتہائی دلچسپ، منفرد اور یادگار ناول

ناشران
خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ
ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان
Ph 061-4018666
Mob0333-6106573

عمران سیریز میں ایک دلچسپ، منفرد اور یادگار ناول

سپیشل نمبر

مکمل ناول

کالی دنیا

مصنف مظہر کلیم ایم اے

کالی دنیا = کالے جادو کی دنیا جس میں شیطان کی بڑی اور طاقتور قوتیں ملوث تھیں۔

کالی دنیا = پاکیشیا اور کافرستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے لاکھوں کالے جادو کے ماہر جو عوام الناس کو کالے جادو کی مدد سے سیدھے راستے سے ہٹا دینے میں صدیوں سے مصروف ہیں۔

کالا جادو = گندگی، بدروحوں، بھوتوں اور شیطانوں پر مبنی ایسا جادو جسے سریع الاثر اور انتہائی طاقتور سمجھا جاتا ہے۔

کالا جادو = جس کا شکار مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ کیوں—؟

کالا جادو = جس کے خلاف عمران، صفدر اور کیپٹن شکیل نے مشترکہ جدوجہد کی۔ پھر—؟

وہ لمحہ = جب جولیا، صالحہ اور تنویر نے کالے جادو کے خلاف کام کرنے سے انکار کر دیا۔ کیوں؟ کیا وہ بھی کالے جادو کا شکار ہو گئے تھے۔ یا—؟

کالو کاریگر = پاکیشیا میں کالے جادو کا سب سے بڑا عامل جس نے عمران اور اس کے ساتھیوں کو ایک شیطانی کنویں میں قید کر دیا۔ پھر کیا ہوا—؟

راج کالا = کافرستان میں کالے جادو کا سب سے بڑا عامل جو انسانوں کا خون پیتا تھا اور جو پوری قوت سے عمران اور اس کے ساتھیوں سے ٹکرا گیا۔ پھر کیا ہوا—؟

کلجگ = کالے جادو کی مرکزی مورتی جسے تباہ کرنے سے کالے جادو کا تار و پود بکھر جاتا لیکن عمران اور اس کے ساتھی اس تک پہنچ جانے کے باوجود کالے جادو کے خطرناک حربے کا شکار ہو گئے۔ کیوں اور کیسے۔ انجام کیا ہوا—؟

کالے جادو کی گندی اور خوفناک طاقتوں اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے درمیان ایسی جنگ جو روشنی اور اندھیرے کی جنگ تھی۔
لیکن انجام کیا ہوا؟

سحر و فسوں میں لپٹی ایک ایسی جدوجہد جس کا ہر لمحہ یادگار ثابت ہوا

ناشران

خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ
ارسلان پبلی کیشنز
اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ
ملتان
Ph 061-4018666
Mob0333-6106573

کھوپڑی

اے حمید

۱۱ع

موت کا تعاقب ۹۶
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

ہلتی کھوپڑی

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
علمی پرنٹنگ پریس ۵۰ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انار کلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل : ۱۹۷۹ء

قیمت : چار روپے پچاس پیسے

مقامِ اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انار کلی، لاہور

روشن تختی

•

عنبر اڑن طشتری میں قید کر دیا گیا تھا۔

اُس نے چھوٹے سے کمرے کو غور سے دیکھا بھالا۔ یہ کوئی دس فٹ لمبا اور دس ہی فٹ چوڑا ایک مربع کمرہ تھا۔ اس میں کوئی دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ فرش، چھت اور دیواریں ایک ہی رنگ کی تھیں۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ چھوٹی سی مشین رکھی تھی جس میں رنگ رنگ کے بٹن لگے تھے۔ عنبر نے دیوار کو ایک جگہ سے ہلانے کی کوشش کی مگر وہ بے حد مضبوط تھی۔ اُسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ آیا اڑن طشتری اڑ رہی ہے یا ایک جگہ پر کھڑی ہے۔ تانبے کے خول والی یہ مخلوق زمین پر کوئی خطرناک منصوبہ لے کر آئی تھی۔ عنبر اس راز کو حل کرنا چاہتا تھا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ آسمانی مخلوق کیا کرنا چاہتی ہے۔ مگر اس کے لئے ضروری تھا کہ پہلے وہ اس قید خانے سے آزاد ہو۔

عنبر نے مشین کے پاس کھڑے ہو کر غور سے اُسے دیکھا۔ اس قسم کی مشین عنبر نے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ اس نے ایک بٹن دبایا تو آواز آئی۔

"مسٹر عنبر! دوسرا بٹن دبانے کی کوشش نہ کرنا!"

آواز بڑی صاف تھی اور کمرے کی دیوار میں لگے ہوئے کسی خفیہ لاؤڈ سپیکر سے آ رہی تھی۔ عنبر کے دل میں اب شدید خواہش پیدا ہوئی کہ وہ دوسرا بٹن بھی دبائے۔ اُس نے دوسرا بٹن بھی دبا دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہی آواز پھر اُبھری۔

"مسٹر عنبر! اب بھی وقت ہے باز آ جاؤ۔"

عنبر نے تیسرا بٹن بھی دبا دیا۔ تیسرے بٹن پر آواز نے پھر کہا۔

"مسٹر عنبر! میں تمہیں آخری بار خبردار کر رہا ہوں کہ چوتھے بٹن کو ہرگز ہرگز نہ دبانا۔ نہیں تو تمہاری زندگی ختم کر دی جائے گی اور تم اپنی موت کے خود ذمے دار ہو گے۔"

عنبر ہنس پڑا۔ وہ سمجھ گیا کہ آسمانی مخلوق کو ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ مر نہیں سکتا۔ چنانچہ اُس نے چوتھا بٹن بھی دبا دیا اس بٹن کا دبنا تھا کہ کمرے کا فرش جہاں وہ کھڑا تھا اپنی جگہ سے کھسک گیا۔ فرش اس طرح سے کھسکا کہ عنبر اڑن طشتری کے باہر فضا میں لڑھک گیا۔

اب اسے معلوم ہوا کہ اڑن طشتری فضا میں اڑ رہی تھی۔ عنبر نے ہوا میں گرتے ہی نیچے دیکھا۔ اڑن طشتری شاید ابھی ابھی اپنے اڈے سے اڑی تھی۔ کیونکہ زمین کے پہاڑ اور میدان اور جنگل عنبر کو صاف نظر آ رہے تھے۔ اگر اڑن طشتری خلا میں پرواز کر رہی ہوتی تو اسے سوائے زمین کے گولے کے اور کچھ نظر نہ آتا عنبر ہوا میں نیچے زمین کی طرف تیزی سے گر رہا تھا۔ تیز ہوا

کے جھونکے اُس کے جسم کی کھال پر اپنا زبردست دباؤ ڈال رہے تھے۔ عنبر کی جگہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو اُس کی کھال اُتر جاتی اور وہ ہوا میں ہی ہلاک ہو جاتا۔

عنبر نے دیکھا کہ وہ جنگل میں اُتر رہا ہے۔ زمین کے قریب پہنچ کر ہوا کا دباؤ کم ہو گیا تھا۔ عنبر نے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلا دیئے اس سے اُس کے گرنے کی رفتار کم ہو گئی۔ پھر ایک جھٹکے کے ساتھ وہ درختوں میں آن گرا۔ اس کے گرنے سے درختوں کی ٹہنیاں ٹوٹ پھوٹ گئیں مگر عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ ایک معمولی خراش تک بھی نہ آئی۔ زمین پر کھڑے ہو کر اس نے دیکھا کہ وہ جنگل میں ہے۔ وہ اُس جگہ پہنچنا چاہتا تھا جہاں آسمانی مخلوق نے زیر زمین اپنی تجربہ گاہ بنا رکھی تھی۔

عنبر نے ایک طرف اندازے سے چلنا شروع کر دیا۔

اُدھر اڑن طشتری سے اس کے گرتے ہی وہاں خطرے کا الارم بج گیا۔ آسمانی مخلوق نے دیکھا کہ عنبر کے کمرے کا فرش اپنی جگہ سے کھسکا ہوا ہے۔ وہ سمجھ گئے کہ احمق دنیا والے نے بٹن دبا کر اپنے آپ کو موت کے منہ میں دھکیل دیا ہے۔ یہ اڑن طشتری اوپر ایک سیارے پر جا رہی تھی۔ دنیا کی فضا سے نکلتے ہی اڑن طشتری کی رفتار روشنی کی رفتار میں بدل گئی۔ یعنی خلا میں پہنچنے کے بعد اڑن طشتری نے ایک لاکھ

چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے سفر کرنا شروع کر دیا۔

چند لمحوں میں اڑن طشتری کہکشاں میں تھی اور پھر کہکشاں کے ایک پُر اسرار بادلوں اور گیسوں میں ڈوبے ہوئے سیارے پر اتر گئی۔ اس سیارے کی زمین کا رنگ سرخ تھا اور یہاں نہ کوئی درخت تھا اور نہ گھاس۔ ہر طرف چٹیل میدان تھے۔ یہاں کالے رنگ کے گول گول پہاڑ جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے بڑے بڑے پتھروں کو گول کر کے لڑھکا دیا ہے۔

تانبے کی مخلوق یہاں تانبے کے خول پہنے جگہ جگہ چل پھر رہی تھی۔ اڑن طشتری کا کمانڈر اپنے عملے کے ساتھ اڑن طشتری سے نکل کر سیدھا ایک گول گنبد والے محل میں داخل ہو گیا۔ یہ تانبے کا محل تھا اور اس میں اس سیارے کا سب سے بڑا سائنس دان جو اس سیارے کا بادشاہ بھی تھا، ایک لیبارٹری میں تجربے کر رہا تھا۔ اس نے بھی تانبے کا خول پہن رکھا تھا۔ کمانڈر کو دیکھ کر اس نے کہا

"کیا خبر لائے ہو؟"

کمانڈر نے اپنی زبان میں کہا۔

"زمین پر بے پناہ آکسیجن اور فاسفورس ہے۔ ہم ایک ہفتے کے اندر اندر زمین سے ساری آکسیجن اور فاسفورس ایک بڑے

سلینڈر میں جمع کر کے لے آئیں گے۔"

سائنس دان نے خوش ہو کر کہا۔

"شاباش! فاسفورس جس قدر زمین کے اندر ہے اور جس قدر انسانوں کی ہڈیوں میں ہے سارے کا سارا سلینڈروں میں بند کر کے یہاں ہفتے کے اندر اندر آجانا چاہیئے۔ نہیں تو اس سیارے کی فضا زہر آلود ہو جائے گی اور ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکے گا۔"

کمانڈر نے کہا۔

"فکر کی کوئی بات نہیں جناب عالی! ہم نے زمین پر جو زمین دوز لیبارٹری بنائی ہے اس کی مشین نے زمین کی فضا میں سے آکسیجن اور زمین کے اندر سے فاسفورس اکٹھا کرنا شروع کر دیا ہے۔"

سائنس دان بولا۔

"یہ کام تمہیں بڑی احتیاط سے کرنا ہوگا دنیا والوں کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ اگر کسی کو پتہ چل جائے تو اُسے اسی وقت ہلاک کر کے اس کی ہڈیوں کا بھی سارا فاسفورس کھینچ لو۔"

کمانڈر نے کہا۔

"جناب ایک نوجوان ہمیں اڈے کے آس پاس مل گیا تھا۔ اُسے ہم نے اڑن طشتری میں قید کر دیا لیکن اُس بدنصیب نے ہر تھا بٹن دبا دیا اور زمین پر گر کر تباہ ہو گیا۔"

سائنس دان نے پوچھا۔

"وہ مزدور دنیا والوں کا کوئی سائنس دان ہوگا کہ جس نے بٹن دبانے کی کوشش کی۔ بہرحال وہ مرگیا اچھا ہوا۔ آئندہ سے احتیاط برتنا۔ اگر تمہاری زمین دوز لیبارٹری کے آس پاس کوئی بھی دنیا کا انسان چلتا پھرتا نظر آئے اُسے اندر لے جا کر مار ڈالنا اور ہڈیوں کا فاسفورس نکال کر جمع کر لینا۔"

"ایسا ہی ہوگا جناب۔"

"اور ہاں" سائنس دان نے کہا۔ "یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ ہم لوگ مر نہیں سکتے۔ جب تک کہ کوئی شخص ہمارے تانبے کے جسموں کو آگ نہ لگا دے۔ زمین پر ہماری سب سے بڑی دشمن آگ ہے اور ہمارے تانبے کے خول کو آگ لگانا آسان کام نہیں ہے۔ اب تم فوراً واپس جاؤ اور اپنا کام شروع کر دو۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک ہفتے کے اندر اندر زمین پر رہنے والے تمام انسانوں کو ہلاک کر کے اُن کی آکسیجن اور فاسفورس سارے کا سارا اکٹھا کر کے یہاں لے آؤ تاکہ ہم یہاں اپنی زندگی کو تباہی سے بچا سکیں۔ کیونکہ یہاں آکسیجن اور فاسفورس نہ ملا تو ہمارے سیارے پر ایک بھی شخص زندہ نہ رہ سکے گا۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

کمانڈر نے سر جھکایا اور باہر نکل گیا۔

کمانڈر نے اپنے عملے کے لوگوں کو ساتھ لیا۔ اڑن طشتری میں

سوار ہوا اور اُسے اڑا کر زمین کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسری طرف عنبر جنگلوں میں سے گزرتا آخر اس مقام پر دوبارہ پہنچ گیا جہاں زمین کے اندر آسمانی مخلوق نے ساری دنیا کے لوگوں کو ہلاک کرنے کا خطرناک منصوبہ شروع کر رکھا تھا۔ زمین دوز لیبارٹری کا خفیہ دروازہ ایک چٹان کے پیچھے جھاڑیوں کے اندر تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ جھاڑیوں کے اندر زمین کھدی ہوئی تھی اور ایک ڈھلان سامنے لوہے کے بڑے مضبوط دروازے تک چلی گئی تھی جو بند تھا۔ دروازے کے اوپر اور ارد گرد جھاڑیاں ڈال کر اسے چھپا دیا گیا تھا۔

اچانک عنبر کو کسی اڑن طشتری کی آواز سنائی دی۔

وہ جلدی سے درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے چھپ کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ اُسے آسمان پر وہی گدھ والی اڑن طشتری نیچے آتے دکھائی دی۔ عنبر کے دیکھتے دیکھتے اڑن طشتری زمین پر درختوں کے درمیان پوشیدہ مقام پہ اتر آئی۔ اُس کا دروازہ کھلا اور وہی کمانڈر جس نے عنبر کو قید کیا تھا باہر نکل آیا۔ اس کے ساتھ اڑن طشتری کے عملے کے چار آسمانی آدمی بھی تھے۔ یہ سارے کے سارے تانبے کے خول میں بند تھے۔

وہ درختوں اور جھاڑیوں میں سے گزرتے لیبارٹری کے دروازے پر آ کر رک گئے۔ کمانڈر نے بائیں جانب ایک مقام پر

ہاتھ رکھ کر کوئی بٹن دبایا۔ دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ سارے لوگ اندر چلے گئے۔ اُن کے اندر جاتے ہی دروازہ اپنے آپ بند ہوگیا۔ دروازہ کھلنے کا راز عنبر کو معلوم ہوگیا تھا۔ اب وہ انتظار کر رہا تھا کہ کچھ وقت گزرے تو وہ بھی اندر داخل ہو جائے۔ عنبر جنگل میں اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ جب کوئی گھنٹہ گزر گیا تو عنبر دروازے کے پاس آگیا۔ اُس نے بائیں جانب لگا ہوا بٹن دبا دیا۔ دروازہ خود بخود کھل گیا۔

عنبر کود کر دروازے کے اندر چلا گیا۔ اُس کے اندر جاتے ہی دروازہ خود بخود بند ہوگیا۔ عنبر ایک سیاہ سُرنگ میں تھا۔ دُور سُرنگ کی چھت پر ایک دھیما سا بلب روشن تھا۔ عنبر تیزی سے آگے گیا۔ بلب کی روشنی میں اُس نے سُرنگ کو ایک طرف گھومتے دیکھا تو وہ بھی اُدھر کو ہی چلا گیا۔ آگے سیڑھیاں نیچے اُتر رہی تھیں۔ عنبر سیڑھیاں اُتر گیا۔ اب ایک اور دروازہ آگیا۔ عنبر نے اُسے ذرا سا دھکا دیا۔ دروازہ کھُل گیا۔ مگر اُس کے ساتھ ہی ایک الارم زور سے بج اٹھا۔

ساری لیبارٹری میں شور مچ گیا۔

آسمانی مخلوق نکل کر اُس جگہ آگئی جہاں عنبر کھڑا تھا۔ عنبر کو اُسی وقت گرفتار کر کے کمانڈر کے سامنے لے جایا گیا۔ کمانڈر نے عنبر کو پہچان لیا کہ وہ وہی شخص ہے جس نے اڑن طشتری

میں سے چھلانگ لگائی تھی۔ وہ اس بات پر بڑا حیران ہوا کہ یہ شخص اتنی بلندی سے گرنے کے بعد زندہ کس طرح بچ گیا؟ اس آسمانی مخلوق میں اتنی طاقت اور اہلیت تھی کہ وہ دنیا والوں کی زبان اور آواز میں باتیں کر سکتے تھے۔ اگرچہ اُن کی آواز باریک اور منمنی سی نکلتی تھی۔ کمانڈر نے قریب آکر عنبر کو تانبے کے سر کے پیچھے سے چمکتی ہوئی اپنی گول گول بغیر پپوٹوں کی آنکھوں سے دیکھا اور پوچھا۔

"تم زندہ کس طرح بچ گئے؟"

عنبر نے کہا۔

"اڑن طشتری ابھی زیادہ بلندی پر نہیں تھی اور پھر میں دریا میں گرا تھا!"

عنبر ان لوگوں پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ مر نہیں سکتا۔

کمانڈر نے کہا۔

"مگر اب تم نہیں بچ سکو گے۔ تم نے دوسری بار ہماری لیبارٹری میں آنے کی جرأت کر کے اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیئے ہیں۔ اب تمہیں بڑی آسانی کے ساتھ ہلاک کر دیا جائے گا۔ لیکن ہم تمہارے ساتھ ایک رعایت کریں گے۔ یعنی تمہیں اس طرح سے مارا جائے گا کہ تمہیں تکلیف

اُسے اتنی سُن گُن مل چکی تھی کہ یہ لوگ زمین پر انسانوں کو ہلاک کر کے ان کے اجزا وغیرہ جمع کر کے ساتھ لے جانے کے لئے آئے ہیں عنبر نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ان لوگوں کو ختم کر دے گا۔

کمرے میں سوائے ایک تانبے کی میز کے اور کچھ نہیں تھا عنبر کو وقت کا کوئی احساس نہیں تھا۔ اس کے پاس گھڑی نہیں تھی۔ وہاں کسی جگہ اُس نے دیوار پر گھڑی نہیں دیکھی تھی۔ کافی وقت گزرنے کے بعد دیوار اپنی جگہ سے ہٹی۔ سامنے تانبے کے خول والے دو آدمی کھڑے تھے۔ انھوں نے عنبر کو ساتھ لیا اور ایک ایسے کمرے میں آ گئے جہاں کمانڈر دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھا تھا۔

بیچ میں ایک تانبے کا قد آدم سلینڈر کھڑا تھا۔ اُس کے ساتھ تانبے کی تاریں نکل کر بجلی کے سوئچ بورڈ کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہی وہ بجلی کی بھٹی والا سلینڈر ہے جس کے اندر اُسے ڈال کر بھسم کیا جائے گا۔ یہ بڑی خوفناک موت تھی۔ یعنی کسی زندہ جیتے جاگتے انسان کو تانبے کے سلنڈر میں ڈال کر گیارہ ہزار سے بھی زیادہ وولٹ کی بجلی کی زد چلا دینا ایک کرب ناک موت تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اتنی بجلی سے آدمی تو جل کر ایک سیکنڈ میں راکھ بن

بہت کم ہو۔ تمہیں ایک کیپسول میں ڈال کر ایک بھٹی میں ڈالا جائے گا جس میں تم ایک سیکنڈ کے اندر اندر بھسم ہو جاؤ گے تمہاری کھال اور چربی راکھ بن جائے گی اور تمہاری ہڈیوں کا سارا فاسفورس کیپسول میں ایک جگہ جمع ہو جائے گا۔"

عنبر نے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔"

کمانڈر نے تعجب سے پوچھا۔

"کیا تمہیں موت سے خوف نہیں آتا؟"

عنبر نے کہا

"جو چیز اب آنی ہی ہے اس سے کیا ڈرنا؟"

کمانڈر نے کہا۔

"شاباش! تم بڑے بہادر انسان ہو۔ ہم تمہاری ہڈیوں کا فاسفورس اپنے عظیم سائنس دان بادشاہ کو خاص طور پر تحفے کے طور پر پیش کریں گے۔"

پھر اُس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ آسمانی مخلوق عنبر کو وہاں سے پکڑ کر لے گئی۔ اُسے ایک کمرے میں لے جا کر بند کر دیا گیا۔ یہ کمرہ بھی چھوٹا سا تھا اور اس قدر مضبوط دھات کا بنا ہوا تھا کہ عنبر کوشش کے باوجود اس کی دیواروں اور دروازے کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکا۔ اب وہ صبر کر کے بیٹھ گیا

جاتا ہے۔

کمانڈر نے اشارہ کیا۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر سلینڈر کا دروازہ کھول دیا۔ دوسرے نے عنبر کو سلینڈر کے اندر دھکیل کر دروازہ بند کر دیا۔ عنبر نے اپنے آپ کو تانبے کی ایک بوتل میں بند پایا۔ اس کے دائیں بائیں تانبے کی بوتل کی دیواروں پر لٹو سے لگے تھے جن میں سے بجلی کی رو آنے کے بعد شعلے نکلنے والے تھے۔

کمانڈر نے آگے بڑھ کر خود سلینڈر کا دروازہ بند کر کے بولٹ لگا دیا۔ پھر سارے لوگ سلینڈر سے کافی دور ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔ کمانڈر دیوار کی طرف وہاں گیا جہاں بجلی کا سوئچ بورڈ لگا تھا۔ اس نے جاتے ہی ایک ہتھی کو نیچے کھینچ دیا۔

"زوں" کی زبردست آواز کے ساتھ سلینڈر میں ہزاروں وولٹ بجلی جہنم کی آگ اور زلزلے کا دھماکہ بن کر پھیل گئی۔ تانبے کا سلینڈر دیکھتے دیکھتے کانپا اور پھر آگ سے دہک کر سرخ ہو گیا۔ کمانڈر نے جب دیکھا کہ سلینڈر آگ میں دہک گیا اور اب اس کے اندر بند کیے گئے انسان کا سوائے ہڈیوں کے فاسفورس کے اور کچھ نہیں بچا ہو گا تو اس نے بجلی کی رو بند کر دی۔ کوئی آدھے گھنٹے تک یہ لوگ اسی جگہ بیٹھے رہے۔ جب سلینڈر ذرا ٹھنڈا ہوگیا تو کمانڈر نے اشارہ کیا۔ ایک آدمی نے لمبی سلاخ کی مدد سے تانبے کے خول کا دروازہ کھول دیا تاکہ جلے ہوئے عنبر کی راکھ اور ہڈیوں کا فاسفورس باہر ایک

ٹرے میں گر پڑے۔

لیکن ان لوگوں کی گول گول آنکھیں دہشت سے پھٹ گئیں اور وہ اپنی جگہوں سے اچھل پڑے جب انہوں نے دیکھا کہ سلینڈر کا دروازہ کھلتے ہی عنبر مسکراتا ہوا باہر نکل آیا۔ کمانڈر تو دہشت سے پرے ہٹ گیا۔ دوسرے آدمی بھی ایک دوسرے کے ساتھ لگ کر عنبر کو دہشت زدہ نظروں سے تکنے لگے۔ کمانڈر نے چیخ کر کہا۔

"اسے گرفتار کر لیا جائے!"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے گرفتار کر کے کیا کرو گے کمانڈر! تم نے دیکھ لیا ہے کہ تم مجھے ہلاک نہیں کر سکتے۔ پچھلی بار بھی میں اپنی مرضی سے قید ہو گیا تھا اور اڑن طشتری سے چھلانگ لگا کر بھی زندہ رہا۔ اس بار بھی میں اپنی مرضی سے قید ہو رہا ہوں۔ تم بے شک مجھے قید کر لو۔"

کمانڈر کے اشارے پر عنبر کو پکڑ کر کمرے میں بند کر دیا گیا۔

اسی وقت کمانڈر نے اپنے سیارے میں عظیم سائنس دان کو وائرلیس پر اطلاع کر کے اس سارے واقعے کی خبر کر دی۔ عظیم سائنس دان نے جب یہ سنا کہ زمین پر ایک ایسا انسان موجود ہے جو مر نہیں سکتا تو اس نے فوراً وائرلیس پر کمانڈر کو خفیہ اطلاع دی۔

"اسے ہر حالت میں جس طرح بھی ہو سکے اوپر پہنچا دو۔"

کمانڈر نے کہا۔

"سر اس کو اوپر پہنچانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اُسے ٹیلی وائز کر دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے ایسا ہی کرو۔ فریکوئنسی میری لیبارٹری کی سیٹ کرنا۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔"

"او کے سر۔"

کمانڈر نے اسی وقت فریکوئنسی سیٹ کر دی اور ایک خاص قسم کی مشین کے آگے جا کر بیٹھ گیا۔

عنبر اپنے قید خانے میں بیٹھا ماریا اور ناگ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک کمرے کی فضا روشن ہو گئی۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ اس کا سارا جسم سفید ہو گیا۔ پھر اس پر جیسے نیند چھانے لگی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے دیکھا کہ وہ ایک تانبے کے میز پر لیٹا ہے اور اُس کے اوپر عظیم سائنس دان جھکا ہوا ہے۔

"میں نے تمہیں خاص طور پر یہاں منگوایا ہے۔ فکر نہ کرو۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔"

عنبر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ عظیم سائنس دان نے بھی تانبے کا خول پہن رکھا تھا جس کے سر میں سے دو آنکھیں اُسے دیکھ رہی تھیں۔ عنبر نے کہا۔

"تم نے مجھے اوپر کیوں بلایا ہے؟"

عظیم سائنس دان نے کہا۔

"ہم تمہیں اپنا دوست بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔"

"کس لئے؟"

"کیونکہ تم ہمیں پسند آ گئے ہو۔"

"تم جھوٹ کہتے ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم مجھ سے متاثر ہوئے ہو۔ تمہاری سب سے بڑی موت کی مشین کو میں نے شکست دے دی ہے۔"

عظیم سائنس دان ہنسا اور کہنے لگا۔

"تم بڑے ہوشیار انسان ہو۔ اچھا یوں ہی سمجھ لو کہ ہم تم سے متاثر ہوئے ہیں۔ اور یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس وہ کونسی طاقت ہے جس کے بل پر تم موت سے بچ گئے اور اتنی زیادہ آگ بھی تمہیں جلا کر بھسم نہ کر سکی۔"

عنبر نے کہا۔

"اس کا جواب میں تمہیں اس وقت دوں گا جب تم مجھے واپس میری زمین پر پہنچا دو گے۔"

سائنس دان بولا۔

"اس بات کو بھول جاؤ۔ تم اب واپس اپنی دنیا میں کبھی نہیں جا سکتے۔ اور پھر تم وہاں جا کر اب کیا کرو گے۔"

"کیوں۔ کیا وہاں میرا گھر نہیں ہے؟"
عظیم سائنس دان بولا۔
"ایک ہفتے کے بعد تمہاری زمین پر سوائے جلی ہوئی راکھ کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ نہ درخت، نہ جنگل، نہ سمندر، نہ جھیلیں اور نہ کوئی انسان۔"

"کیا مطلب؟" عنبر نے حیرانی سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ......"

اور پھر عظیم سائنس دان نے عنبر پر سارا راز کھول دیا کہ وہ دنیا سے ساری آکسیجن اور فاسفورس جمع کرنے والے ہیں اور یہ فاسفورس ایک ہفتے کے اندر اندر پورا ہو جائے گا جس کے بعد دنیا میں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ نہ کوئی جاندار اور نہ کوئی درخت اور پانی۔ عنبر کانپ کر رہ گیا۔ اُسے پہلے ہی خدشہ تھا کہ یہ لوگ کسی مار پر دنیا میں آئے ہیں۔ اب اس کی تصدیق خود عظیم سائنس دان نے کر دی ہے۔ تو کیا دنیا تباہ ہو جائے گی۔ ماریا اور ناگ بھی ختم ہو جائیں گے؟ کیا دنیا میں لاکھوں بچے مر جائیں گے؛ نہیں نہیں ایسا نہیں ہوگا کبھی نہیں ہوگا۔ ان لوگوں کو کسی طرح اس بھیانک منصوبے سے روکنا ہوگا۔ مگر یہ اس طرح سے نہیں رکیں گے ان کے ساتھ مل کر کوئی ترکیب چلنی پڑے گی۔
عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ میں خود دنیا والوں سے تنگ آچکا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"
عظیم سائنس دان بڑا خوش ہوا۔ اُس نے عنبر کے شانے پر اپنا تانبے کا ہاتھ رکھ کر کہا۔
"شاباش میرے دوست! مجھے تم سے اسی عقلمندی کی امید تھی آج سے تم ہمارے دوست ہو۔ اور ہاں یہ ضرور بتاؤ کہ تم نے یہ طاقت کہاں سے حاصل کی ہے کہ آگ بھی تمہیں نہیں جلا سکتی۔"
عنبر نے کہا۔
"یہ راز میں آہستہ آہستہ تم لوگوں کو ضرور بتا دوں گا۔ اس وقت تو میں تمہاری دنیا کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔"
عظیم سائنس دان نے کہا۔
"ضرور ضرور۔ تم ہمارے دوست ہو۔ تم جہاں چاہو سیر کر سکتے ہو۔ ہمارے ستارے کی زمین اب تمہاری زمین ہے۔"
عنبر لیبارٹری یعنی اس تانبے کے گول گنبد والے محل سے باہر آگیا اور اس نے دیکھا کہ چاروں طرف گول پہاڑ ہیں۔ گول گنبدوں والے چھوٹے چھوٹے مکان میدان میں بکھرے پڑے تھے۔ سڑکوں پر تانبے کے خول والے لوگ آجا رہے تھے۔ عنبر کے گلے میں عظیم سائنس دان نے ایک خاص قسم کی تانبے کی تختی لٹکا دی تھی جو چمک رہی تھی اور جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ انسان

ہمارا دوست ہے اسے کچھ نہ کہا جائے۔ عنبر کو اس سیارے کی مخلوق غور سے دیکھ رہی تھی مگر کوئی اُسے کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔

عنبر چلتے پھرتے ایک گول پہاڑی کے پاس آگیا۔ اُس پہاڑی کے اندر غار بنے تھے۔ باہر تانبے کے خول والے پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر نے عظیم سائنس دان کی گفتگو سے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ لوگ اگر کسی چیز سے ڈرتے ہیں تو وہ آگ ہے۔ عنبر کے گلے میں چونکہ تختی تھی اس لئے اُسے یہاں کسی نے نہ روکا۔ عنبر غار میں آگیا۔ یہاں ہر غار میں ایک ایک اڑن طشتری کھڑی تھی۔ گویا یہ اڑن طشتریوں کے ہینگر تھے۔

عنبر ایک اڑن طشتری کے پاس جانے لگا تو اُسے روک دیا گیا۔

"تم یہاں تک ہی آسکتے ہو۔ اس سے آگے نہیں جا سکتے۔"

عنبر نے سر جھکا کر شکریہ ادا کیا اور واپس غار سے باہر نکل آیا۔ غار کے باہر عظیم سائنس دان کھڑا تھا۔ اور عنبر کو گہری نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس نے عنبر کو ساتھ لیا اور واپس لیبارٹری کی طرف چل دیا۔

راستے میں اس نے عنبر سے کہا۔

"دوست! اگر تمہارے دل کے کسی کونے میں یہ خیال سر اٹھا رہا ہے کہ تم یہاں سے فرار ہو سکتے ہو تو اسے نکال کر باہر پھینک دو۔

کیونکہ تم کسی بھی اڑن طشتری تک نہیں پہنچ سکو گے اور اگر پہنچ بھی گئے تو اُسے اڑا نہیں سکو گے۔ کیونکہ ہر اڑن طشتری کا خاص سوئچ میری لیبارٹری میں لگا ہوا ہے۔ جب تک اسے نہ آن کیا جائے اڑن طشتری اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہل سکتی۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"عظیم سائنس دان! بھلا مجھے ایک ایسی دنیا میں واپس جا کر کیا کرنا ہے جس کی زندگی صرف ایک ہفتہ رہ گئی ہے اور جہاں ایک ہفتے کے بعد سوائے تباہی و بربادی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔"

عظیم سائنس دان نے کہا۔

"شاباش! تم عقلمند بھی بہت ہو۔ میں تم سے یہی امید کرتا ہوں کہ تم عقلمندی سے کام لیتے ہوئے اب اسی سیارے کو اپنا گھر اور اپنی دنیا سمجھو گے اور ہمیں وہ راز بتا دو گے کہ جس کی وجہ سے تم پر آگ اثر نہیں کرتی۔"

عنبر نے یونہی پوچھا۔

"عظیم سائنس دان! تم یہ راز معلوم کر کے کیا کرو گے؟"

عظیم سائنس دان بولا۔

"کیا کروں گا؟ ابھی بتاتا ہوں۔ ہمارے سیارے کی مخلوق کے لئے آگ موت ہے۔ ایک خاص عمر تک پہنچ کر ہمارے تانبے کے خول میں اپنے آپ آگ لگ جاتی ہے اور ہم مر جاتے ہیں۔

یعنی آگ ہمارے لئے موت لے کر آتی ہے۔ یا یوں سمجھ لو کہ ہماری موت آگ کی شکل میں آتی ہے۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کونسی طاقت تمہارے پاس ہے کہ جس کی وجہ سے آگ جسم پر اثر نہیں کرتی تو ہم امر ہو جائیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"اگر میں تمہیں یہ راز بتا دوں تو کیا پھر تم دنیا والوں کو ہلاک کرنے سے باز آ جاؤ گے؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ پھر تم لوگوں کو آکسیجن اور فاسفورس دنیا سے لانے کی کیا ضرورت ہوگی جب کہ میں تمہیں ہمیشہ زندہ رہنے کا راز بتا دوں گا۔"

عظیم سائنس دان نے کہا۔

"میرے دوست! تمہارا راز ہمیں بڑھاپے کی موت سے بچا لے گا لیکن آکسیجن اور فاسفورس کی ہمیں اپنی نسل کو آگے چلانے کے لئے ضرورت ہے۔ ہمارے پاس اس کا ذخیرہ ختم ہو رہا ہے۔ اس کے بغیر ہم اپنے بچوں کو بڑا نہیں کر سکتے۔ اگر ہم دنیا سے آکسیجن اور فاسفورس اکٹھی کر کے نہ لائے تو ہمارے بچے بڑھاپے تک بچے ہی رہ جائیں گے اور یہ موت سے بھی زیادہ بھیانک بات ہوگی۔"

عنبر اب سمجھ گیا کہ ان لوگوں نے تو دنیا کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر

رکھا ہے اور یہ بھی کہ اس خطرناک منصوبے سے باز نہیں آئیں گے اب وہ تانبے کے گنبد والی لیبارٹری میں پہنچ چکے تھے۔ عنبر کو ایک ایسا کمرہ دے دیا گیا جہاں دنیا کی آسائش کی ہر شے موجود تھی۔ شاید عظیم سائنس دان نے عنبر کے لئے وہاں کی ہر ضروری شے ٹیلی وائز کر کے اوپر منگوائی تھی۔ ٹوتھ برش، کپڑے، تولیہ، صابن، دلیے اور چائے کے ڈبے، دودھ کے ڈبے، پھلوں اور ترکاریوں اور ٹھنڈے گوشت کے ڈبے۔ عنبر ان لوگوں کی ترقی پر بڑا حیران ہوا کہ یہ کس طرح ان چیزوں کو ذرات میں بدل کر دوبارہ اشیا میں تبدیل کر لیتے ہیں۔ سیارے پر سورج دن میں چھ سات بار طلوع ہو کر غروب ہوتا تھا۔ ساتویں بار سورج غروب ہوتا تو رات پڑ جاتی پھر کوئی چھ گھنٹے کے بعد طلوع ہو جاتا۔ گویا یہاں رات چھ گھنٹوں کی تھی۔

عنبر بستر پہ لیٹ کر غور کرنے لگا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہیئے؟

●

لنگر ڈال دو

•

ماریا اور ناگ کا بحری جہاز سمندر میں چلا جا رہا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا۔ گنجا باورچی بڑے شوق سے کیکڑوں کا شوربہ بنا رہا تھا۔ ناگ نے خاص طور پر یہ شوربہ بنوایا تھا ماریا کیبن میں سو رہی تھی۔ ناگ جہاز کو ایک خاص رُخ پر ڈال کر عرشے کے پاس کرسی پر بیٹھا سمندر کی نیلی نیلی خوبصورت لہروں کو دیکھ رہا تھا اور عنبر کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ کہاں ہوگا؟ کس حال میں ہوگا اور اس سے اب کس طرح ملاقات ہوگی؟

ان کا جہاز بحر اوقیانوس کے پانیوں میں شمالی برِ اعظم کی طرف جا رہا تھا۔ ان کی ویسے تو منزل کوئی نہیں تھی۔ انہیں کسی جگہ بھی پہنچ کر اپنے ساتھی عنبر کو تلاش کرنا تھا۔ ماریا نے اس امید کا اظہار کیا تھا کہ انہیں بحیرہ روم کے ساحلی علاقوں میں چل کر عنبر کو تلاش کرنا چاہیئے کیونکہ وہ انہی علاقوں میں پیراشوٹ سے گرا ہوگا۔ ان کے جہاز کو بحر اوقیانوس میں سے نکل کر بحیرہ روم میں داخل ہونا تھا۔

سورج نکلا ہوا تھا۔ موسم خوشگوار تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا لہروں سے

ساتھ کھیلتی ہوئی چل رہی تھی۔ ناگ کرسی پر بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگا تھوڑی دیر بعد ناگ کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے محسوس کیا کہ اسے پسینہ آ رہا تھا۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ ہوا بالکل بند ہو گئی ہے اور فضا میں حبس ہو گیا ہے۔

ناگ اٹھ کر نیچے گیا۔ اس نے دیکھا کہ باورچی ایڈگر نے کھانا میز پر لگا دیا تھا۔

"سر کھانا تیار ہے۔ آپ کا پسندیدہ شوربہ حاضر ہے!"

ناگ نے کہا۔

"ہوا بند ہو گئی ہے۔ خطرہ ہے کہ کہیں آندھی وغیرہ نہ آ جائے!"

ایڈگر یعنی گنجہ باورچی جیسا کہ آپ کو معلوم ہی ہے بڑا پرانا ملاح تھا اور اسے جہاز رانی کا بڑا تجربہ تھا۔ وہ انجینئر بھی رہ چکا تھا اور جہاز کو طوفانوں میں چلانے کا بھی بڑا ماہر تھا۔ اس نے اوپر جا کر فضا کو دیکھا۔ نیچے آیا اور ناگ سے بولا۔

"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ یہ حبس کسی آندھی کی طرف اشارہ کر رہا ہے لیکن میرے اندازے کے مطابق جب تک ہم کھانا کھائیں گے آندھی نہیں آئے گی!"

ناگ نے کہا۔

"تو پھر ماریا کو بھی بلا لاؤ کہ کھانا کھا لے!"

ایڈگر نے مسکرا کر کہا۔

"سر! ماریا کو تو آپ ہی بلا سکتے ہیں۔ مجھے تو وہ بی بی نظر نہیں آتی۔ اسے بلاؤں گا کہاں سے؟"

اور ناگ مسکراتا ہوا اوپر ماریا کے کیبن کی طرف چل دیا۔ ماریا کا کیبن کھلا تھا۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ کرسی اور پلنگ بھی خالی تھا۔ لیکن ناگ کو معلوم تھا کہ ماریا اندر ہی ہے۔ بہت جلد اس نے دیکھا کہ پلنگ درمیان میں سے اس طرح نیچے ہو چکا تھا جیسے اس پر کوئی سو رہا ہو۔ ناگ نے آواز دی۔

"ماریا!"

دو تین آوازوں کے بعد ماریا کی آواز آئی۔

"میں جاگ پڑی ہوں ناگ بھیا! کیا بات ہے؟"

"نیچے آکر کھانا کھا لو۔ سمندر میں ہوا بند ہو گئی ہے۔ طوفان کا خطرہ ہے۔ جلدی سے کھانے سے فارغ ہو جائیں تو اچھا ہے۔"

"آ رہی ہوں۔"

ماریا نے کیبن کی گول کھڑکی کے شیشے سے باہر جھانک کر دیکھا۔ سمندر بالکل ساکن تھا۔ جو چھوٹی چھوٹی لہریں پہلے اٹھ رہی تھیں اب وہ بھی نہیں اٹھ رہی تھیں۔ اس نے بال سمیٹ کر باندھے۔ چادر اوڑھی اور سیڑھیاں اتر کر نیچے باورچی خانے میں آگئی۔ ایڈگر اور ناگ میز پر بیٹھے تھے۔ ماریا

بھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ناگ کو تو خیر ماریا کے کپڑوں کی مہک آگئی تھی۔ ایڈگر نے کہا۔

"بی بی ماریا ابھی تک نہیں آئی کیا وجہ ہے؟"

ناگ نے ہنس کر کہا۔

"وہ آگئی ہے۔"

"کہاں ہے؟"

اتنے میں ایڈگر نے دیکھا کہ میز پر سے شوربے کا پیالہ اپنی جگہ سے خود بخود اٹھا اور دوسری طرف جا کر رک گیا۔ پھر ایک چمچ اپنے آپ شوربہ نکال کر اپنے پیالے میں ڈالنے لگا۔ ایڈگر مسکرا کر کہنے لگا۔

"ارے ہاں! بی بی ماریا تو آگئی ہے۔"

ماریا کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔

"ایڈگر چچا! میں تو کب کی آکر بیٹھی ہوئی تھی۔"

"اری بیٹی! ایک تو تمہارے اس غائب ہونے نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ تم کہاں ہو اور کب سے ہو۔ خیر اب جلدی سے کھانا کھا کر اپنے کیبن میں جا کر آرام کرو۔ کیونکہ کوئی پتہ نہیں ہمارے کھانا کھانے تک آندھی شروع ہو جائے۔"

وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔ ابھی انہوں نے مشکل

کھانا ختم کیا ہی تھا کہ جہاز نے ڈولنا شروع کر دیا۔ ایڈگر
پلیٹ میز پر رکھ کر بولا۔

"سمندر چڑھنا شروع ہو گیا ہے۔" میں اوپر جاتا ہوں۔"

اور ایڈگر منہ پونچھتا ہوا باورچی خانے سے نکل گیا۔ ناگ
نے بھی ہاتھ دھو کر تولیے سے صاف کئے اور ماریا سے کہا۔

"ماریا! تم اپنے کیبن میں جا کر آرام کرو۔ باہر نکلنے کی کوئی
ضرورت نہیں۔"

ماریا بولی۔

"بھیا! ایسی خطرے کی کیا بات ہے بھلا؟"

ناگ بولا۔

"ماریا بہن! میرا ہزاروں سال کا تجربہ کہہ رہا ہے کہ یہ کوئی
معمولی طوفان نہیں ہے۔"

ماریا ڈر گئی۔ کہنے لگی۔

"ہائے خدایا رحم کر۔ ایسی باتیں تو زبان پر نہ نکالو ناگ بھیا"

ناگ نے سر جھٹک کر کہا۔

"آثار کچھ ایسے ہی نظر آ رہے ہیں۔"

اور وہ بھی ایڈگر کے پیچھے پیچھے اوپر چلا گیا۔ ماریا نے کھانا
ختم کر کے منہ ہاتھ دھویا اور اپنے کیبن میں جا کر بیٹھ گئی۔ اس
نے کھڑکی کے شیشے میں سے باہر دیکھا۔ سمندر کا پانی اوپر نیچے

ہونا شروع ہو گیا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے بہت بڑے دودھ کے
برتن میں ابال آنے والا ہو۔ اس کی چھٹی حس نے بھی اسے خبردار
کر دیا کہ کوئی زبردست طوفان آ رہا ہے۔ وہ پلنگ پر چادر اوڑھ
کر لیٹ گئی کہ اگر طوفان آئے بھی تو وہ سو رہی ہو۔ ان سمندری
طوفانوں سے وہ تنگ آ چکی تھی۔

ناگ نے عرشے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا کہ بوڑھا تجربہ
کار ایڈگر لنگر ڈالنے والی مشین کے پہلو میں ہوا دان کے پاس
کھڑا ماتھے پر ہتھیلی کا چھجا کئے دور سمندر میں کچھ دیکھنے کی
کوشش کر رہا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو انکل؟"

ایڈگر اسی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے ناگ کی بات کا کوئی
جواب نہ دیا۔ پھر یہ کہہ کر نیچے اتر گیا۔

"میں دوربین لے آؤں۔"

ناگ نے بھی اس طرف دیکھا جدھر ایڈگر دیکھ رہا تھا۔
اسے سوائے ایک دھندلی لکیر کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ اتنے
میں انکل ایڈگر دوربین لے آیا اور اسے آنکھوں پر لگا کر دیکھنے
لگا۔ ایک منٹ تک وہ بڑے غور سے سمندر کے مشرقی جانب دیکھتا
رہا۔ پھر دوربین ناگ کی طرف بڑھا کر کچھ گھبرائی ہوئی آواز
میں بولا۔

"معاملہ کچھ خطرناک لگ رہا ہے۔"

ناگ نے دوربین آنکھوں کے ساتھ لگائی تو ایک بار
تو وہ بھی کانپ سا گیا۔ کیونکہ اس نے سمندر میں دور مشرق کی
طرف ایک ایسی دھند کا بادل اپنی طرف بڑھتے دیکھا جس
میں اسے سمندر کی بلند ترین لہریں اُچھل اُچھل کر گرتی نظر
آرہی تھیں۔

"انکل ایڈگر! یہ تو کوئی خوفناک طوفان ہے۔"

"ہاں۔ جلدی سے لنگر گرادو۔"

انہوں نے لنگر سمندر میں پھینک دیا اور انجن بند کر دیئے
جہاز ایک جگہ سمندر میں رُک گیا۔ سمندر میں اب ہلکا ہلکا
طوفان آنا شروع ہو گیا۔ ہوا چلتے چلتے ایکدم سے تیز
ہونے لگی تھی۔ ہوا کی سیٹیاں سی سنائی دینے لگی تھیں
عرشے پر جس قدر چھوٹا بڑا سامان رکھا تھا اُسے دوسری منزل
میں پھینک دیا گیا۔ تانی ہوئی ترپالیں اور موم جامے اتار
دیئے گئے۔

جہاز اب دائیں سے بائیں ہلنے لگا تھا۔ آسمان پر جہاں
ابھی تھوڑی دیر پہلے سورج چمک رہا تھا اب کالی گھٹا جھوم
جھوم کر چھانے لگی تھی اور سیاہ بادلوں میں بجلی رہ رہ کر
چمک اٹھتی تھی۔ بجلی کے چمکنے کے ساتھ ہلکی ہلکی گرج بھی سنائی

دے رہی تھی۔ پھر بادلوں میں بجلی اتنی روشنی کے ساتھ چمکی کہ
سارا جہاز سفید ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی زبردست دھماکے کے
ساتھ بادل گرج اٹھا اور دیر تک اس کی گڑگڑاہٹ سے سمندر
لرزتا، گونجتا رہا۔

ایکدم سے بارش شروع ہو گئی۔ انکل ایڈگر نے بلند آواز
سے کہا۔

"ناگ بیٹا! نیچے چلے جاؤ۔ طوفان قریب آگیا ہے۔"

ناگ نے دوربین لگا کر بارش کی چادر میں سے اُس لہر کو
دیکھنے کی کوشش کی جو تھوڑی دیر پہلے دور سمندر کے مشرقی کناروں
سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اُس وقت وہ لہر ایک بہت عظیم الشان
اونچے بلند پہاڑ کی شکل میں جہاز کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ہواؤں
کا شور بادلوں کی گرج اور سمندر کی لہروں کی چیخ و پکار میں ناگ
نے بلند آواز میں کہا۔

"انکل ایڈگر! طوفانی لہر بہت اونچی ہے وہ ہمارے جہاز کی
طرف بڑھ رہی ہے۔"

انکل آخری ترپال نیچے پھینک کر چیختے ہوئے بولا۔

"جلدی سے نیچے چلے جاؤ ناگ! میں برج پر جا رہا ہوں۔"

بارش میں بھیگتے ہوئے ناگ نیچے چلا گیا۔ انکل ایڈگر بارش
میں تقریباً شرابور ہو چکا تھا۔ سمندری بارشیں بڑی قیامت کی ہوتی

ہیں۔ ذرا دیر بارش ہو تو آدمی ہڈیوں تک بھیگ جاتا ہے۔ انکل ایڈگر نے موم جامے کا لمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر تیزی سے برج روم میں آگیا۔ اس کمرے کے چاروں طرف موٹے موٹے شیشے لگے تھے۔ اس کی حیثیت بالکل ہوائی اڈے کے ٹاور کی طرح ہوتی ہے۔ انکل ایڈگر نے ریڈار کی طرف دیکھا۔ ریڈار پر سوائے دھند اور سیاہی کے اور کچھ نہیں تھا۔ پھر اس نے برج ہاؤس کی دُور بین لگائی۔ اوپر تک اٹھتی ہوئی لہر اب قریب آگئی تھی۔ انکل ایڈگر نے برج ہاؤس کی سیڑھیاں پھلانگ کر طے کیں اور عرشے پر بارش میں دوڑتا ہوا نچلی منزل میں آکر مشین روم میں پہنچ گیا۔ اس نے بند مشینوں کے درمیان میں سے گزر کر ایک بہت بڑے بورڈ کے پاس جاکر ہتھی نیچے گرا کر جہاز کی ساری بجلی بند کر دی۔ بجلی کی موٹر ایکدم سے رُک گئی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی حادثہ ہو جائے اور جہاز میں آگ لگ جائے۔

ابھی وہ مشین روم سے واپس ہی مڑ رہا تھا کہ طوفانی لہر جہاز سے ٹکرا گئی۔ ایسے لگا جیسے جہاز کسی پہاڑ سے ٹکرا گیا ہو۔ انکل ایڈگر منہ کے بل فرش پر گر پڑا۔ اگر مشین صاف کرنے والی روئی کا ڈھیر سامنے نہ ہوتا تو اس کے باقی بچے ہوئے سارے کے سارے بوڑھے دانت ٹوٹ کر باہر نکل آتے۔

اس وقت ناگ ماریا کو حالات سے خبردار کرنے اس کے

کیبن میں داخل ہی ہو رہا تھا کہ جہاز کو ایک زبردست دھکا لگا اور وہ پیچھے کاریڈار میں گر پڑا۔ کیبن سے ماریا کی چیخ سنائی دی۔

"ناگ!"

"ماریا! تم ٹھیک ہو؟"

"ہاں بھیا! تم ٹھیک ہو کیا؟"

"ہاں۔ میں ٹھیک ہوں۔ یہ طوفانی لہر تھی۔ کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر لو اور باہر ہرگز نہ نکلنا۔"

یہ کہہ کر ناگ اوپر آگیا۔ وہ عرشے میں جاکر انکل ایڈگر کی خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اتنے میں اُسے نچلی منزل سے آواز آئی۔

"ناگ! میں اوپر آرہا ہوں۔"

یہ انکل ایڈگر کی آواز تھی۔ ناگ وہیں رُک گیا۔ اتنے میں انکل ایڈگر اپنی گنجی کھوپڑی پر موم جامے کی ٹوپی جماتے ہوئے اوپر آکر بولا۔

"بڑا خطرناک دھماکہ تھا۔ اگر چھوٹا جہاز ہوتا تو کب کا سمندر کی تہہ میں ڈوب چکا ہوتا۔"

"انکل اوپر کہاں جا رہے ہو؟"

"برج ہیڈ میں جاکر نقصان کا اندازہ کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

دونوں اوپر عرشے پر آئے تو دیکھا کہ سمندر کی طوفانی لہر عرشے

پر رکھی ہوئی تمام ایک چیزوں کو بہا کر ساتھ ہی لے گئی تھی۔ جنگلے کے دو کھمبے ٹوٹ چکے تھے اور خدا جانے کہاں تھے۔ برج ہیڈ کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ چونکہ وہ موٹی شیشے تھے اس لئے ٹوٹ کر بھی اپنی جگہ پر جمے ہوئے تھے۔

ایڈگر اور ناگ زبردست بارش اور بادلوں کی گرج میں سیڑھیاں چڑھ کر برج ہیڈ میں آگئے۔ مشینیں، وائرلیس اور راڈار ابھی تک صحیح سلامت تھے۔ انکل ایڈگر نے دوربین لگا کر سمندر میں دیکھا اُسے ایک دوسری لہر اٹھتی نظر آئی جو پہلی لہر سے زیادہ بلند تھی اس نے جلدی سے دوربین ہٹا کر کہا۔

"ناگ! جلدی نیچے چلو!"

اور وہ خود بھی دوربین ہٹا کر نیچے کی طرف بھاگا۔ جلدی جلدی سیڑھیاں اُتر کر وہ عرشے پر آئے اور جنگلے اور آہنی سلاخوں اور کھمبوں کو تھام تھام کر وہ نچلی منزل کی سیڑھیوں میں آگئے۔ جہاز بُری طرح لہروں کے ساتھ اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ نیچے وہ سیدھا ماریا کے کیبن میں آگئے۔

"ماریا!"

"بھیا ناگ!"

"گھبرانے کی بات نہیں ماریا بہن! شاید طوفان ابھی زیادہ شدید ہو!"

ماریا نے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

"پریشان کر دیا ہے ان سمندری طوفانوں نے میں تو کہتی ہوں کسی ساحل پر پہنچ کر اس جہاز کو فروخت کر دیں گے اور پھر کسی سمندری سفر کا نام نہیں لیں گے!"

ابھی اس نے بات ختم ہی کی تھی کہ دوسری لہر جہاز سے ٹکرا گئی۔ یہ دھماکہ پہلے سے زیادہ خوفناک تھا۔ یوں لگا جیسے کسی نے جہاز کو اٹھا کر سمندر میں پٹخ دیا ہو۔ ایک قیامت خیز چیخ بلند ہوئی اور جہاز کھلونے کی طرح گھومنے لگا۔ انکل ایڈگر نے کہا۔

"لنگر ٹوٹ گیا ہے!"

"اب کیا ہوگا؟" ماریا گھبرا گئی تھی۔

"تم لوگ اس کیبن سے باہر مت نکلنا!"

یہ کہہ کر انکل ایڈگر مشین روم کی طرف بھاگا۔ جہاز سمندر کی طوفانی لہروں کے رحم و کرم پر تھا اور ایک کھلونے کی طرح اوپر نیچے اور دائیں بائیں گھوم رہا تھا۔ انکل ایڈگر نے جاتے ہی بجلی کی موٹر چلا دی۔ مشین روم میں اندھیرے کی بجائے روشنی ہو گئی پھر اس نے باری باری دونوں مشینوں کو چلا دیا۔ انجن گڑگڑاہٹ کے ساتھ چلنا شروع ہو گئے۔ انکل ایڈگر یہاں سے لپک کر اوپر آگیا اور کسی نہ کسی طرح وہ گرتے پڑتے برج ہیڈ میں پہنچ گیا اور اس نے وہیل کو گھماتے ہوئے جہاز کو کنٹرول کرنا شروع

کر دیا۔ جہاز جو ایک سیکنڈ پہلے شترِ بے مہار کی طرح طوفان میں چکر کھا رہا تھا اب ایک طرف کو ہو گیا اور اس نے جنوب کی طرف چلنا شروع کر دیا کیونکہ جس وقت انجن چلے تو اس کا رُخ جنوب کی طرف تھا۔ انکل ایڈگر نے اس کا رُخ موڑنا مناسب نہ سمجھا۔

جہاز اُبھرتی ڈوبتی لہروں پر ہچکولے کھاتا طوفان میں ایک مست ہاتھی کی طرح آگے بڑھ رہا تھا۔ ماریا کا سر چکرانے لگا تھا۔ وہ کیبن میں پلنگ کو بازوؤں سے تھام کر لیٹی ہوئی تھی ناگ اسے کیبن میں چھوڑ کر اوپر آگیا۔ اُس نے گرتی بارش کی جھالر میں ایڈگر کو دیکھا جو برج ہیڈ میں وہیل کو کنٹرول کئے ہوئے تھا۔ طوفانی ہوا چل رہی تھی جہاز کبھی ایک طرف کو ہو جاتا اور کبھی لہریں اُسے دوسری طرف جھکا دیتی تھیں ناگ ریلنگ کو پکڑ پکڑ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ ہر لمحے خطرہ تھا کہ کہیں اس کا ہاتھ نہ چھوٹ جائے اور وہ سمندر میں نہ گر پڑے۔ بڑی مشکل سے وہ برج ہیڈ کو جانے والی سیڑھی تک پہنچا۔ اب وہ بارش اور زبردست ہوا کے تھپیڑوں میں اوپر چڑھنے لگا۔ سمندری لہریں جہاز کے ساتھ ساتھ بڑے شور کے ساتھ ٹکرائیں اور پھر پانی اڑا کر جہاز کو ایک طرف دھکیل دیتیں۔ اوپر سے ایڈگر نے ناگ کو دیکھا تو چیخ کر کہا۔

"ناگ! واپس کیبن میں چلے جاؤ!"

ناگ نے چلا کر کہا۔

"نہیں۔ میں اوپر آرہا ہوں!"

اور وہ اوپر پہنچ گیا۔ وہ پانی میں شرابور ہو چکا تھا۔ برج ہیڈ میں لہروں کا شور اتنا زیادہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کی آواز نہ سُن سکتے۔ پھر بھی انہیں اونچی آواز میں بات کرنی پڑتی تھی۔

"ہم کس طرف کو جا رہے ہیں ایڈگر؟"

ایڈگر نے بلند آواز میں کہا۔

"جنوب کی طرف!"

ناگ نے کہا۔

"یہ سمندری راستہ اجنبی ہے۔ کہیں ہمارا جہاز سمندر کے اندر چھپی ہوئی کسی چٹان سے نہ ٹکرا جائے!"

ایڈگر بولا۔

"ہم مجبور ہیں۔ جہاز پر میرا کنٹرول نہیں رہا لہروں کا زور بے پناہ ہے!"

"اسے مغرب کی طرف موڑنے کی کوشش کرو!"

"اس وقت سے کوشش کر رہا ہوں مگر طوفان کے آگے میری کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہو رہی!"

گھٹائیں بڑے زور سے برس رہی تھیں۔ بجلی کڑک رہی

تھی۔ ہوا آندھی بن کر چل رہی تھی۔ جہاز لہروں کے رحم و کرم
پر تھا۔ اتنا خوفناک سمندری طوفان انھوں نے پہلے کبھی نہیں
دیکھا تھا۔ ناگ کو ماریا کی فکر تھی کہ اس کی طبیعت زیادہ خراب
نہ ہو جائے۔ اگر خدا نخواستہ جہاز ڈوب گیا تو وہ خود تو پرندہ بن
کر آسمان پر اڑنا شروع کر دے گا لیکن ماریا اور ایڈگر کو وہ
بچا سکے گا۔ ان کا کیا بنے گا؟ کیا یہ لوگ سمندر میں ڈوب جائیں گے
نہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن سمندر میں جس قدر طوفان
برپا تھا اس کو دیکھ کر یہی معلوم ہوتا تھا کہ جہاز نہ بچ سکے گا۔

جہاز کی رفتار بھی کافی تیز ہو گئی تھی۔

ایڈگر وہیل پر کھڑا بڑی مشکل اور محنت کے ساتھ جہاز کو
بچانے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔ وہ اپنی ساری طاقت اور تجربہ
خرچ کر رہا تھا۔

جہاز تھا کہ مست ہاتھی بن کر سمندر میں ایک طرف بڑھتا
ہی چلا جا رہا تھا۔ ہر لمحے یہی احساس ہوتا کہ جہاز اب ڈوبا کہ اب
ڈوبا۔ یہ حالت تین گھنٹے تک جاری رہی۔

آخر تین گھنٹے کے قیامت خیز طوفان کے بعد بارش اور آندھی
کا زور کم ہونا شروع ہو گیا اور آخر طوفان تھم گیا۔ ایڈگر اور ناگ
نے نیچے جا کر ماریا کو آواز دی۔ وہ پلنگ پر نیم جان پڑی تھی۔ ناگ نے
اسے اٹھا کر گرم گرم کافی پینے کو دی۔

"خدا کا شکر ہے کہ طوفان ختم ہو گیا۔"

"ہاں ماریا بہن! ہمیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ آج ایڈگر
انکل نے کمال کر دیا۔ اگر انکل ایڈگر نہ ہوتا تو اس جہاز کا طوفان
سے بچ کر نکل جانا بڑی مشکل بات تھی۔"

ایڈگر نے اپنی گیلی ٹوپی نچوڑ کر سر پر جماتے ہوئے کہا۔

"یہ تو میرا فرض تھا بہر حال اگر خدا کی مرضی ساتھ شامل نہ ہوتی
تو میرا فرض اور میرا تجربہ بھی اس جہاز کو ڈوبنے سے نہیں بچا
سکتا تھا۔ میرے اللہ! کس قدر بھیانک طوفان تھا۔"

ماریا کی طبیعت کافی پی کر سنبھل گئی تھی اور اب وہ پلنگ پر
دراز ہو کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ اس نے کہا۔

"مجھے نیند آ رہی ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"ہاں! تم آرام کرو ماریا۔"

ایڈگر نے کہا۔

"ناگ! اوپر چل کر جائزہ لیتے ہیں کہ کیا کیا نقصان ہوا ہے۔ میرا
خیال ہے ہمیں عرشے کا ٹوٹا ہوا جنگلہ تو ابھی مرمت کرنا ہو گا۔"

"ہاں انکل ایڈگر چلو چل کر دیکھتے ہیں۔"

اور وہ دونوں نچلی منزل کی سیڑھیاں چڑھ کر عرشے پر آ گئے۔
سمندر میں ابھی تک لہریں اٹھ رہی تھیں مگر ان کا وہ زور اب نہیں

رہا تھا۔ بارش ختم ہو چکی تھی۔ ہوا کا زور بھی ٹوٹ چکا تھا۔ وہ طوفانی علاقہ عبور کر کے برج ہیڈ پر آ گئے۔

ایڈگر نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جہاز کی رفتار کو کنٹرول کرنے کے لئے وہیل کو ایک مقام پر متعین کر دیا۔ پھر جھک کر ریڈار کی مرمت کرنے لگا۔ ناگ نے دُور بین کے ساتھ آنکھیں لگا کر سمندر میں جنوب کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ اُسے دور ایک لکیر سی نظر آئی۔ اُس نے ایڈگر سے کہا۔

"ایڈگر! مجھے زمین نظر آ رہی ہے۔"

ایڈگر نے ناگ کے ہاتھ سے دُور بین لے کر غور سے دیکھا اور بولا۔

"بحری نقشے پر اس سمندر کی جانب کسی ملک کی سر زمین نہیں ہے۔"

"تو پھر یہ لکیر کیا ہے؟" ناگ نے سوال کیا۔

ایڈگر کچھ دیر تک بڑے غور سے اس سیاہ لکیر کو دیکھتا رہا جو آہستہ آہستہ ابھر رہی تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"سوائے زمین کے یہ لکیر اور کیا ہو سکتی ہے مگر سوال یہ ہے کہ یہ ملک کونسا ہے؟"

ناگ بولا۔

"ہو سکتا ہے یہ کوئی جزیرہ ہو۔"

ایڈگر نے دُور بین ناگ کو پکڑا دی اور خود ایک نقشے کو کھول کر غور سے جھک کر دیکھنے لگا۔ اس نقشے پر کمپاس کی مدد سے اُس نے چند ایک نشان بنائے اور پھر چھوٹے چھوٹے نقطوں کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"یہ اگر کوئی جزیرہ ہے تو کسی بھی سمندری راستے میں نہیں آتا۔ نقشے پر جن جزیروں کے نشان بنے ہوئے ہیں وہ یہاں سے دو ہزار میل دور ہیں۔"

ناگ نے چونک کر کہا۔

"کیا ہم طوفان میں راستے سے بھٹک گئے ہیں؟"

"ایسے ہی لگتا ہے اور پھر یہ ایک قدرتی بات ہے۔ ہمیں ایک بہت بڑے طوفان نے گھیر لیا تھا۔ طوفانوں میں پھنسے ہوئے جہاز اپنے راستے سے کبھی کبھی بہت دُور نکل جاتے ہیں مگر دو ہزار میل دُور نکل جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تو پھر ہم کہاں پر ہیں؟"

"ہم جہاں بھی ہیں وہ جگہ عام تجارتی سمندری راستوں سے بہت ہٹ کر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ادھر سے کبھی کوئی جہاز نہیں گزرا۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس علاقے میں جو جزیرہ بھی آئے گا یا آ رہا ہے وہ غیر آباد ہو گا۔"

غیر آباد جزیرے کا سُن کر ناگ ناامید ہو گیا۔ وہ غیر آباد جزیروں میں زندگی کے دن گزار گزار کر تنگ آ گیا تھا۔ اُس نے

دور بین میں دیکھا کہ سیاہ لکیر قریب آ رہی ہے۔ اس
مطلب یہ تھا کہ ان کے جہاز کو سمندر کی لہریں بڑی تیز
سے اس لکیر کی طرف لے جا رہی تھیں۔ دور بین کا
رکھتے ہوئے وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور سانس لے کر بولا۔

"ہمیں نئی مصیبتوں کے مقابلے کے لئے تیار رہنا چاہیئے
ظاہر ہے اگر یہ جزیرہ غیر آباد ہے تو یہاں جنگلی درندے بھی ہونگے
ایڈگر نے کہا۔

"ہاں۔ ایسا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ استوائی علاقہ ہے۔ گرم مرطوب
خطہ ہے۔ یہاں کے جزیروں میں گھنے جنگل ہوتے ہیں اور جہاں
گھنے جنگل ہوں وہاں جنگلی جانوروں مثلاً سانپ، مگرمچھ وغیرہ کا ہونا
لازمی ہوتا ہے۔"

ناگ نے پوچھا۔

"انکل ایڈگر! کیا ہمارے پاس اتنا اسلحہ ہے کہ اس جزیرے
میں جنگلی جانوروں کا کچھ عرصہ تک مقابلہ کر سکیں؟"
ایڈگر نے ہنس کر کہا۔

"کاش ہمارے پاس جرمن فوج کا اسلحہ ہوتا۔ لیکن بہرحال
ہمارے پاس اس وقت دو رائفلیں۔ ایک مشین گن اور گولیوں
کی ایک پیٹی موجود ہے۔"

"میرے خیال میں یہ ہمارے لئے کافی ہوں گی۔"

"ہاں! لیکن ساری زندگی بسر کرنے کے لئے کافی نہیں
ہوں گی۔"

ناگ نے چونک کر کہا۔

"تو کیا ہمیں اس جزیرے میں ساری زندگی بسر کرنی ہوگی؟"
ایڈگر بولا۔

"ہمارے پاس جہاز کے انجنوں کے لئے تیل کافی نہیں ہے۔"

"کیا ہم یہاں سے کسی ملک کی سرزمین کے لئے جہاز
کا رُخ نہیں بدل سکتے؟"

"اس طرح ہم بہت بڑا خطرہ مول لیں گے۔ ہو سکتا ہے ہم
کسی سرزمین کی تلاش میں سمندر میں سفر کر رہے ہوں
اور بیچ میں تیل ختم ہو جائے۔ پھر ہم کیا کریں گے؟"

ناگ نے سوچا کہ انکل ایڈگر کا اندازہ بالکل صحیح تھا۔ اس
نے ایک لمحہ خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے انکل! ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

ایڈگر نے ٹوپی اتار کر اپنی گنجی چندیا پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"ہمیں اس جزیرے میں اتر کر سوچنا ہوگا کہ آگے کیا کریں
اور کس طرف جائیں۔ ویسے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ جزیرہ آباد ہو
اور یہاں سے ہمیں تیل وغیرہ مل جائے۔"

ناگ نے پوچھا۔

پاس اسلحہ بھی تو ہے۔ پھر ہمیں ان آدم خوروں سے ڈرنے
کی کیا ضرورت ہے؟"

ایڈگر سے باتیں کرتے کرتے ناگ کو ماریا کی خوشبو محسوس ہوئی۔
وہ سمجھ گیا کہ ماریا نیچے کیبن سے نکل کر اوپر آگئی ہے۔ ایڈگر کو احساس
نہیں ہوا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"ماریا! تم تو آرام کر رہی تھیں؟"

ایڈگر نے چونک کر کہا۔

"ارے میاں! یہاں ماریا کہاں ہے جس سے تم باتیں
کر رہے ہو؟"

اتنے میں ماریا نے کہا۔

"انکل میں تو کب سے یہاں کھڑی تمہاری باتیں سن رہی
ہوں۔"

اس پر ایڈگر نے چونک کر ارد گرد دیکھا۔ اُسے ماریا
نظر تو نہیں آسکتی تھی۔ مگر اس نے محسوس ضرور کیا کہ ماریا اس
کے قریب ہی کھڑی ہے۔

ماریا بولی۔

"میں آرام کرتے کرتے تھک گئی تھی اس لئے اوپر آگئی۔ کیا کوئی
جزیرہ آرہا ہے؟ میں نے آپ کی باتیں سن لی ہیں۔ خدا نہ کرے کہ
اس جزیرے میں ہمیں آدم خوروں سے پالا پڑے۔"

ایڈگر نے ہنس کر کہا۔

"پھر کیا ہوا ماریا بیٹی! میں انہیں انسانی گوشت کی بجائے تھری
ناٹ تھری کی گولیاں کھلاؤں گا۔ پوری پیٹی بھری ہوئی ہے ان گولیوں
کی ہمارے پاس۔"

ماریا نے بھی جھٹ کہا۔

"فکر نہ کرو انکل۔ جب تک میں تمہارے پاس ہوں تمہیں اپنی بندوق
میں سے تھری ناٹ تھری کی گولی چلانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔"

ایڈگر نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ہاں بھئی یہ بات تو ہم بھی مانتے ہیں۔"

ناگ دوربین لگائے اس پہاڑی سلسلے کو دیکھ رہا تھا جو
اب بہت قریب آگیا تھا اور جہاں اُسے لہراتے ناریل کے
درخت واضح طور پر نظر آنے لگے تھے۔ اس نے کہا۔

"انکل یہاں ناریل کے بے شمار درخت ہیں۔"

"اگر ناریل کے درخت ہیں تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ
جنگلی قبیلے ضرور ہوں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ آدم خور نہ ہوں۔"

جہاز کی رفتار ایڈگر نے کم کر دی۔ کیونکہ اب جہاز لہروں کی
وجہ سے کنارے کے زیادہ قریب ہو رہا تھا۔ جزیرہ اب سامنے
ابھر آیا تھا۔ اس کے پہاڑ کافی اونچے اونچے تھے اور گھنے
جنگلوں سے بھرے ہوئے تھے۔ جہاز اس کی طرف بڑھ رہا تھا

چلا جا رہا تھا۔ ایڈگر نے مشین روم میں جا کر جہاز کے انجنوں کی رفتار بالکل ہی کم کر دی اور اوپر جا کر لنگر کی مشین کے پاس کھڑا ہو گیا۔

"جزیرے کے پاس پانی کم ہو گا۔ خطرہ ہے جہاز ریت میں نہ پھنس جائے۔ اس لئے میں جہاز کا لنگر اسی جگہ پھینک رہا ہوں۔"

پھر اس نے برج ہیڈ ہی سے ایک بٹن دبا کر جہاز کے انجن بند کر دیئے۔ انجن بند ہونے کے باوجود سمندر کی لہریں جہاز کو آہستہ آہستہ جزیرے کی طرف لئے جا رہی تھیں۔ ناگ نے کہا۔

"انکل! سمندر کی گہرائی کا خیال رکھنا۔"

"گھبراؤ نہیں بیٹا! چالیس برس سے سمندر میں جہاز چلا رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں جزیرے سے کتنی دور تک پانی گہرا ہوتا ہے اور کس جگہ سے سمندری چٹانوں کے شروع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔"

اس وقت انکل ایڈگر کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی جنگی جہاز کا تجربہ کار کپتان ہے۔ وہ لنگر کی مشین کی ہتھی پر ہاتھ جمائے بڑی گہری نظروں سے جزیرے کے ساحل کی طرف اور کبھی سمندر کی لہروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جزیرہ قریب سے قریب تر آ رہا تھا۔ اب اس کا ریتیلا ساحل صاف نظر آنے لگا تھا جہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اچانک ایڈگر نے بلند آواز میں کہا۔

"لنگر ڈال دو۔"

اس نے اس طرح سے حکم دیا تھا جیسے وہ کسی بہت بڑے جہاز کا کپتان ہو اور اس کے نوکر ملاح اس کے حکم کا انتظار کر رہے ہوں۔ اس حکم پر اس نے خود ہی عمل کیا اور لنگر پھینکنے والی ہتھی اوپر اٹھا دی۔ ایک زوردار گڑگڑاہٹ کے ساتھ لنگر بڑی تیزی سے سمندر میں اترنے لگا۔ لوہے کی بھاری زنجیر چرخی پر سے گھومتی ہوئی شرارے پھینک رہی تھی۔ لنگر سمندر کی گہرائیوں میں جا کر ریت میں دھنس گیا اور جہاز ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ رک گیا۔ ان کے سامنے اب ایک اور ویران جزیرہ تھا۔

•

ہلتی کھوپڑی

●

ماریا کو جہاز میں تنہا رہنے دیا گیا۔

ناگ اور ایڈگر نے جہاز پر سے کشتی سمندر میں اتاری اور اسے کھیتے ہوئے جزیرے کے ساحل کے ساتھ آن لگے۔ کشتی کو انہوں نے کھینچ کر ریتلے ساحل پر کر لیا اور جزیرے کے درختوں کو دیکھنے لگے۔ یہ ناریل کے درختوں کی گھنی قطار تھی جو کنارے کے ساتھ ساتھ نیم دائرے کی شکل میں مشرق سے مغرب تک چلی گئی تھی۔ درختوں میں ناریلوں کے گچھے لٹک رہے تھے اور طوفان کی وجہ سے جگہ جگہ ریت پر بھی ناریل گرے پڑے تھے۔ کچھ درخت بھی ٹوٹ کر گرے ہوئے تھے۔ ریت پر سمندر کی طوفانی لہروں نے یہاں سے وہاں تک گھونگھے، سیپیاں اور مرے ہوئے کیکڑے پھیلا دیئے تھے۔

ساحل دور دور تک بغیر کسی آبادی اور انسان کے تھا۔ ناگ نے کہا۔

"ایسا لگتا ہے کہ یہاں کوئی انسان نہیں رہتا۔"

ایڈگر کہنے لگا۔

"میرا تجربہ یہی کہتا ہے کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ جل نار درختوں سے بھرا ہوا جزیرہ ہو تو وہاں کوئی جنگلی قبیلہ آباد نہ ہو۔"

ناگ بولا۔

"ہمیں اندر چل کر دیکھنا چاہیئے۔"

"ضرور۔"

ایک بندوق گولیوں سے بھر کر ایڈگر نے اپنے کندھے پر اٹھا رکھی تھی۔ وہ ریت پر چلتے ہوئے سامنے ناریل کے گھنے درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو گئے۔ دن ڈھلنے لگا تھا اور آسمان پر ہلکے ہلکے بادل ابھی تک تیر رہے تھے۔ طوفان کے بعد فضا میں حبس سا ہو گیا تھا۔ یہاں گرمی تھی اور جنگل کے گھنے درختوں میں فضا بڑی بوجھل اور مرطوب تھی۔ وہ دونوں درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان سے ہو کر گزر رہے تھے۔ ناگ نے زمین پر اگی ہوئی لمبی گھاس اور درختوں کے تنوں سے لپٹی جھاڑیاں اور بیلوں کو دیکھ کر کہا۔

"یہاں کوئی چھوٹی سے چھوٹی پگڈنڈی بھی نہیں ہے جس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ ادھر سے کبھی کسی انسان کا گزر نہیں ہوا۔"

ایڈگر کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھنی چاہئے۔ ہم جنگل

کے نشان وہاں پڑتے ہیں جہاں مہذب انسان رہتے ہوں جنگلی لوگ عام طور پر جھاڑیوں کے پیچھے سے بے ترتیبی کے ساتھ گزرتے ہیں اس لئے ان کے راستے صرف اپنے گھروں کے آس پاس ہی ہوتے ہیں ساحلوں کے قریب نہیں ہوتے۔

"ہمیں آگے چل کر معلوم ہوگا۔ ہمیں ہوشیار ضرور رہنا چاہئے"

"میں نے بندوق میں گولیاں بھر رکھی ہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کوئی جنگلی درندہ ہی حملہ کر دے"

یونہی باتیں کرتے وہ جنگل کے اس حصے میں پہنچ گئے جہاں انہیں ایک عجیب سی شے نظر آئی۔ یہ ایک گول جھونپڑی سی تھی جس کی مخروطی چھت کے اوپر ایک انسانی کھوپڑی بانس کے ساتھ ٹنگی تھی۔ جھونپڑی زیادہ بڑی نہیں تھی اور اس کا کوئی دروازہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایڈگر نے ناگ کا بازو کھینچ کر اُسے جھاڑیوں کی آڑ میں کر لیا اور بانس پر ٹنگی ہوئی کھوپڑی کو دیکھ کر بولا۔

"یہ کیا راز ہے؟"

"انسانی کھوپڑی لگتی ہے مجھے تو!"

"صاف نظر آتا ہے کہ انسانی کھوپڑی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں ضرور آبادی ہے۔ کوئی وحشی آدم خور قبیلہ رہتا ہے"

ناگ بولا۔

"ہو سکتا ہے یہ لوگ آدم خور نہ ہوں اور یہ کسی مردے کی کھوپڑی کاٹ کر لٹکا دی ہو"

"وہ کس لئے بھلا؟"

"اس لئے کہ ہو سکتا ہے یہ لوگ مردوں کی کھوپڑیوں کی پوجا کرتے ہوں۔ پھر یہ کسی کی قبر بھی ہو سکتی ہے"

ایڈگر نے آہستہ سے کہا۔

"میں نے اپنی زندگی کا کافی حصہ ویران زمینوں کی سیاحت میں گزارا ہے۔ میں نے تو آج تک کسی جزیرے میں اس قسم کی قبر نہیں دیکھی"

"تو پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ کسی زندہ انسان کا سر کاٹ کر لٹکا دیا گیا ہے؟" ناگ نے پوچھا۔

ایڈگر سر کھجا کر بولا۔

"کم از کم اب یہ انسان زندہ نہیں ہے"

"میرا تو خیال ہے کہ آگے چل کر دیکھنا چاہئے کہ اس جھونپڑی کے اندر کیا ہے؟"

ناگ آگے جانا چاہتا تھا۔ ایڈگر نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"اتنی جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں کچھ دیر اور غور کرنا چاہئے"

ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ بانس کے ساتھ لٹکی ہوئی کھوپڑی خود بخود حرکت کرنے لگی۔ وہ دائیں بائیں اوپر نیچے ہل رہی تھی جیسے وہ کسی کی بات پر سر ہلا رہی ہو۔ ایڈگر تو ڈر گیا۔ اُس نے زندگی میں اس قسم کی جادوگری کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"ناگ! تم دیکھ رہے ہو کہ یہ میرا وہم ہے"

"کیا؟" ناگ نے یونہی بھولپن سے کہا۔

"ارے یہی۔ وہ دیکھو۔ وہ پھر ہل رہی ہے"

"کیا ہل رہی انکل ایڈگر؟"

دراصل ناگ اپنی لمبی زندگی میں اس قسم کی جادوگریاں بے شمار دیکھ چکا تھا۔ اس نے جادوگری کے علاوہ بھی کھوپڑیوں کو چلتے پھرتے اور اڑتے دیکھا تھا اس لئے وہ خوفزدہ نہیں تھا۔ ہاں سوچ میں ضرور پڑ گیا تھا کہ یہ کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اس کے سوال پر ایڈگر نے اس کا بازو کھینچ کر کہا۔

"کیا تمہاری آنکھیں نہیں ہیں ناگ! وہ دیکھو سامنے کھوپڑی ہل رہی ہے"

"ہاں وہ؟ - ارے ہاں وہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں"

"اور تمہیں کوئی ڈر محسوس نہیں ہو رہا؟" ایڈگر نے تعجب سے پوچھا۔

"اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔ ظاہر ہے کھوپڑی ہل رہی

ہے تو اسے ضرور کوئی ہلا رہا ہوگا۔ اپنے آپ تو ہرگز نہیں ہل سکتی"

ایڈگر نے زچ ہو کر کہا۔

"یار تم بھی کمال کے آدمی ہو۔ ارے میاں دیکھتے نہیں کھوپڑی اپنے آپ ہل رہی ہے"

ناگ نے کہا۔

"یہ تو وہاں جا کر ہی معلوم ہو سکے گا۔ تم تھوڑی دیر یہاں چھپے رہو۔ میں جا کر معلوم کرتا ہوں کہ اصل قصہ کیا ہے؟"

ایڈگر اگرچہ بڑا پرانا اور تجربہ کار ملاح تھا اور بڑی بڑی مصیبتوں سے گزر چکا تھا لیکن وہ بھوت پریت کے معاملے میں بڑا ڈرپوک تھا۔ اس سے پہلے بھی جب ماریا نے اس کا شوربے کا پیالہ گم کیا تھا تو وہ چیخ مار کر باورچی خانے سے بھاگ گیا تھا۔ اب ناگ جانے لگا تو اس نے کہا۔

"خدا کے لئے جلدی واپس آجانا۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ تم بالکل نہ جاؤ۔ یہ خطرہ مول ہی نہ لو تو اچھا ہے۔ کھوپڑی ہلتی ہے تو ہلتی رہے۔ ہمارا کیا بگاڑتی ہے"

ناگ نے آہستہ سے کہا۔

"میں انسان کی شکل میں نہیں جاؤں گا انکل۔ میں سانپ بن کر جاؤں گا"

"تو بھائی پھر بھی جلدی واپس آجانا۔"

"انکل ایڈگر ڈرتے کیوں ہو تمہارے پاس تو بھری ہوئی بندوق بھی ہے۔"

"ارے میاں! جنگلی جادوگروں کو تم نہیں جانتے۔ یہ بندوق کی نالی میں گولی جام کر سکتے ہیں۔"

ناگ نے انکل ایڈگر کے کندھے کو دبا کر اسے تسلی دی اور خود جانے کے لئے آگے بڑھا ہی تھا کہ اچانک انہوں نے دو جنگلی وحشیوں کو دیکھا کہ ایک طرف درختوں میں سے نکل کر جھونپڑی کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ ایڈگر نے ناگ کو پیچھے کھینچتے ہوئے کہا۔

"شی! وہ لوگ آ رہے ہیں۔"

ناگ اور ایڈگر شاخوں کے پیچھے ہو گئے اور جنگلی آدمیوں کو تکنے لگے۔ ان کے رنگ گہرے سانولے تھے۔ جسم پر سوائے ایک لنگوٹی کے اور کوئی کپڑا نہ تھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ کندھوں پر تیر کمان تھے۔ ایک نے ہاتھ میں ایک پوٹلی سی پکڑ رکھی تھی۔ وہ کسی زبان میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ ان کی صرف آواز ہی ناگ تک پہنچ رہی تھی۔ جھونپڑی کے پاس آ کر وہ کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے جھونپڑی کی طرف دیکھا جو اب بالکل حرکت نہیں کر رہی تھی۔ پھر ایک جنگلی نے

جھونپڑی کی گھاس پھونس کی بنی گول دیوار میں ایک جگہ ہاتھ ڈال کر باہر کو کھینچا تو چھوٹا سا دروازہ کھل گیا۔ وہ دونوں اس دروازے میں سے اندر داخل ہو گئے۔ ایڈگر نے کہا۔

"یہ اندر کیا کرنے گئے ہیں؟"

"خدا معلوم کیا کرنے گئے ہیں!"

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کوئی قبیلہ آباد ہے۔ میرا خیال درست نکلا۔ اب یہ معلوم نہیں کہ یہ قبیلہ آدم خور ہے یا نہیں۔ مجھے یقین ہے یہ آدم خور ہو گا۔ کیونکہ اوپر لٹکی ہوئی انسانی کھوپڑی اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔"

"پھر کیا خیال ہے انکل ایڈگر! ناگ نے ایڈگر کو چھیڑتے ہوئے پوچھا۔

ایڈگر نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ واپس جہاز میں چل کر سوچا جائے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔"

ناگ نے ایڈگر کا کندھا دبا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابھی نہیں۔ میں تو جب تک اس کھوپڑی کا راز معلوم نہ کر لوں گا یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"

ایڈگر نے ناامید ہو کر کہا۔

"پھر میں بھی تمہارے ساتھ ہی رہوں گا۔"

اتنے میں دونوں وحشی جھونپڑی سے باہر آگئے۔ اب ان
کے ہاتھ میں پوٹلی نہیں تھی۔ وہ اندر یہ پوٹلی کسی کو دے آئے تھے
جھونپڑی کے دروازے کو بند کرکے دونوں جنگلی واپس چلے گئے۔ جب
وہ جنگل میں نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تو ناگ نے کہا۔
"تم یہیں ٹھہرو انکل۔ میں جاکر معلوم کرتا ہوں کہ اندر کون ہے۔"
ناگ نے انکل ایڈگر کو جھاڑیوں میں چھوڑا اور خود وہاں سے
نکل کر سانپ کا روپ بدل کر جھونپڑی کی طرف رینگنے لگا۔ جھونپڑی
کے قریب پہنچ کر اس نے ایک چکر لگایا۔ پھر ایک جگہ سے
جھونپڑی کے اندر داخل ہوگیا۔ اندر داخل ہوتے ہی سب سے
پہلی چیز جو اسے نظر آئی وہ ایک عورت تھی۔ دبلی پتلی پرانے
کپڑوں والی گورے رنگ کی عورت جس کے سنہری بال کھلے تھے
اور جو جھونپڑی کے درمیان بانس کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ پوٹلی
اس کے سامنے کھلی پڑی تھی جس میں سے وہ شکر قندی نکال
کر کھا رہی تھی۔

جھونپڑی میں ایک چھوٹا سا تیل کا چراغ جل رہا تھا جس
کی روشنی میں عورت کا خوفزدہ چہرہ بالکل سپاٹ نظر آرہا
تھا۔ اس کی گالوں کی ہڈیاں کچھ کچھ باہر کو نکلی ہوئی تھیں جس
کی وجہ محض خوف، دہشت اور فاقہ تھی۔ اس عورت نے
جھونپڑی میں سانپ کو داخل ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ ناگ

نے سوچا کہ اگر وہ اس کے سامنے سانپ سے انسان بن گیا
تو شاید دہشت سے اس عورت کا ہارٹ فیل ہو جائے۔ اس
لئے بہتر یہی ہے کہ باہر جاکر انسان کی شکل بدلی جائے اور
پھر وہاں آکر عورت سے بات چیت کی جائے اور پتہ لگایا
جائے کہ یہ کون ہے اور یہاں اسے کس لئے قیدی کیا گیا ہے
بس ناگ اسی طرح رینگ کر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

باہر جاتے ہی اس نے دوبارہ انسان کی شکل بدلی اور
جھونپڑی کی دیوار میں سے ٹٹول ٹٹول کر دروازہ تلاش کر لیا۔
اس نے تیزی سے دروازہ کھولا اور اندر آگیا۔ عورت نے
ایک اپنے جیسے لباس والے انسان کو دیکھا تو ہکی بکی ہو کر
اسے تکتی رہ گئی۔

"تم — تم کون ہو؟"

ناگ نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا اور قریب جاکر بیٹھ
گیا اور بولا۔

"بہن! پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہیں یہاں ان لوگوں
نے کس لئے قید کر رکھا ہے؟"

عورت نے ایک مہذب نوجوان کو اپنے سامنے ہمدردی
کی باتیں کرتے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ناگ
نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"بہن! اپنی ساری کہانی جلدی سے بیان کرو تاکہ میں
تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔
ناگ نے دیکھا کہ اس عورت کا ایک پاؤں بڑی مضبوط
رسّی کے ساتھ باندھ کر جھونپڑی کے بانس سے باندھ دیا گیا
تھا۔ ایک چھوٹی سی رسّی بانس کے ساتھ اوپر تکونی چھت تک
بھی جا رہی تھی۔ عورت نے کہا۔
"خدا کے لئے تم یہاں سے چلے جاؤ اور اپنی جان بچاؤ نہیں
تو یہ لوگ تمہیں بھی قید کر لیں گے اور آگ پر زندہ بھون کر
کھا جائیں گے۔"
ناگ نے کہا۔
"میری بہن! تم میری فکر نہ کرو۔ میرا خدا مالک ہے۔ تم
اپنی بات کہو کہ تم کون ہو اور یہاں کیسے پہنچ گئیں؟"
عورت نے کہا۔
"میرا نام ایلزبتھ ہے۔ میں لندن یونیورسٹی میں جغرافیے کی
طالب علم تھی اور ایک پارٹی کے ساتھ افریقہ جا رہی تھی کہ
راستے میں ہمارے جہاز کو آگ لگ گئی۔ میں اپنی جان بچا کر
کسی طرح اس جزیرے میں پہنچ گئی۔ میرے ساتھ میرے ایک
پروفیسر بھی تھے۔ ان جنگلی آدم خوروں نے ہمیں گرفتار کر کے یہاں
قید کر دیا۔ دو روز ہوئے انہوں نے میری آنکھوں کے سامنے

میرے پروفیسر کو آگ پر کھولتے پانی میں ڈال کر اُبالا اور
پھر اس کے گوشت کو نمک لگا کر کھا گئے۔ تم نے جھونپڑی
کے اوپر لٹکی ہوئی کھوپڑی ضرور دیکھی ہو گی؟"
"ہاں ہاں دیکھی ہے۔"
"وہ ہمارے پروفیسر صاحب کی کھوپڑی ہے۔"
"لیکن وہ ہل کیوں رہی تھی؟"
عورت نے کہا۔
"انہوں نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ جس وقت مجھے بھوک
لگے میں رسّی کھینچ کر کھوپڑی کو ہلا دیا کروں۔ اس وقت مجھے بڑی
بھوک لگی تھی۔ چنانچہ میں نے رسی کھینچ کر کھوپڑی کو ہلانا شروع
کر دیا۔ ان کے پہرے دار نے جو یہاں سے قریب ہی ایک
درخت پر تیر کمان لئے ہر وقت پہرہ دیتا رہتا ہے۔ ہلتی ہوئی
کھوپڑی کو دیکھ کر اطلاع کر دی اور یہ لوگ میرے لئے شکر
قندی لے کر آ گئے۔"
"تمہیں کتنے روز یہاں قید میں ہو گئے ہیں؟"
"آج گیارھواں دن ہے۔"
"یہ لوگ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں؟"
"میں ان کی زبان نہیں سمجھتی مگر ان کے اشاروں سے میں نے
یہ اندازہ لگایا ہے کہ ان کا کوئی تہوار آنے والا ہے۔ یہ مجھے اس

تہوار پر بھون کر میری ضیافت اڑانا چاہتے ہیں۔"

ایلزبتھ کی آنکھوں میں خوف کے مارے آنسو بھی خشک ہو چکے تھے۔ اس نے ناگ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"خدا کے لئے یہاں سے بھاگ جاؤ اور اپنی جان بچاؤ۔ ان لوگوں کو ذرا بھنک بھی پڑ گئی تو یہ تمہیں کبھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

ناگ نے کہا۔

"تم نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ میں اس جزیرے میں کیسے پہنچا ہوں؟ اور یہ کہ میں کون ہوں؟"

ایلزبتھ بولی۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم جو کوئی بھی ہو ایک مہذب نوجوان لگتے ہو اور میں نہیں چاہتی کہ تم ان آدم خور وحشیوں کا تر نوالہ بنو۔ اس لئے یہاں سے نکل جاؤ۔"

ناگ نے کہا۔

"میں تمہیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"نہیں نہیں۔ میرے لئے اپنی جان خطرے میں مت ڈالو۔ تم اپنی جان بچاؤ۔ میرے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے وہ میری قسمت میں ہی لکھا ہے۔"

ناگ نے الزبتھ کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

"الزبتھ! تم مجھے اپنی بہن کی طرح عزیز ہو۔ تو پھر تم خود ہی

بتاؤ کہ کیا ایک بھائی اپنی بہن کو تکلیف میں دیکھ کر بھاگ سکتا ہے؟"

الزبتھ لاجواب ہو گئی۔ اُسے کچھ کچھ یقین سا ہونے لگا کہ شاید یہ نوجوان اس کی جان بچا سکے۔ اب اُسے روشنی کی ایک ہلکی سی کرن نظر آ رہی تھی۔ اُس نے کہا۔

"تم کون ہو اور مجھے بچا کر یہاں سے کیسے نکالو گے؟ مجھے تو تم خود کوئی مصیبت زدہ مسافر لگتے ہو جو طوفان کے باعث اپنا جہاز ڈبو کر اس خونی جزیرے میں پہنچ گیا ہو۔"

ناگ بولا۔

"اس جزیرے پر صبح والے طوفان نے ہی مجھے پہنچایا ہے مگر خدا کا شکر ہے کہ میرا جہاز نہیں غرق ہوا۔ جہاز میرے پاس ہی ہے۔ یعنی سمندر میں کھڑا ہے۔"

"جہاز سمندر میں کھڑا ہے؟"

جہاز کا سُن کر الزبتھ خوشی سے نہال ہو گئی۔ اس نے ناگ سے کہا۔

"مجھے اپنے جہاز پر لے چلو۔ خدا نے تمہیں رحمت کا فرشتہ بنا کر میرے پاس بھیجا ہے۔ اب میں لندن میں اپنے ماں باپ کا منہ دیکھ سکوں گی۔"

ناگ نے الزبتھ کے پاؤں کی رسّی کھولنے کی کوشش شروع

کر دی۔ الزبتھ کے ہلنے جلنے سے وہ رسّی بھی ہلنے لگی جس کے ساتھ اوپر کھوپڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس ہلتی کھوپڑی کو دور درخت میں چھپے وحشی پہرے دار نے دیکھ کر تیر چلا کر جنگل کے دوسرے حصے میں اپنے ساتھیوں کو خبر کر دی کہ قیدی عورت بلا رہی ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے الزبتھ کو خاص تہوار کے موقع پر قربان کر کے کھانا تھا اس لئے وہ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے تھے۔ تیر وحشیوں کی جھونپڑیوں کے بیچ میں آکر گرا تو سردار نے اپنے ایک آدمی کو بلا کر کہا۔

"گوری عورت کو کسی شے کی ضرورت ہے۔ جا کر معلوم کر دیا"

جنگلی آدم خور نے سر جھکا کر کہا۔

"اچھا سردار"

اور وہ نیزہ ہاتھ میں تھامے درختوں میں ہرن کی طرح ناچتا ہوا سیدھا الزبتھ کے جھونپڑے کے باہر پہنچ گیا اس کے قدموں کی آواز ناگ نے نہیں سنی تھی وہ الزبتھ کے پاؤں کی رسّی کھولنے میں لگا ہوا تھا کہ اچانک جھونپڑی کا دروازہ کھلا اور وحشی اندر آگیا۔ اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ یہ آدم خور جھونپڑی کے عقب سے آیا تھا اور اگر ناگ نے جھاڑیوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا اسے آتے نہیں دیکھا تھا نہیں تو وہ

اسی جگہ سے گولی چلا کر آدم خور کو ہلاک کر سکتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جھونپڑی کے اندر اس کا ساتھی ناگ گیا ہوا ہے۔

ناگ الزبتھ کی رسی کھول رہا تھا کہ ایکا ایکی آدم خور اس کے سر پر جا کھڑا ہوا۔ آدم خور بھی اندر ایک اجنبی نوجوان کو دیکھ کر چکر کھا کر رہ گیا کہ یہ ایک نیا انسان کہاں سے آگیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ناگ رسّی کھول کر ان کے مقدس شکار کو بھگانے کی کوشش کر رہا ہے۔ دونوں کی نگاہیں ملیں ایک بجلی سی چمکی اور خونی نیزہ دھم کی آواز کے ساتھ آدم خور کے ہاتھ سے نکل کر ناگ کے بازو سے رگڑ کھاتا ہوا اس کے پاس ہی زمین میں گڑ گیا۔ آدم خور نے اتنی پھرتی سے وار کیا تھا کہ ایک بار تو ناگ بھی حیران رہ گیا۔ الزبتھ کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ آدم خور نے وار خالی جاتے دیکھا تو خنجر نکال کر ناگ پر حملہ کر دیا۔

دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔

ناگ نے محسوس کیا کہ آدم خور زیادہ طاقتور ہے اور اگر اس نے اپنا بچاؤ نہ کیا تو وہ اسے خنجر مار کر ہلاک کر دے گا۔ ذرا سی دیر اس کی موت کا سبب بن سکتی تھی۔ خطرہ مول لینے کا وقت نہیں تھا۔ پس ناگ نے ایک سیکنڈ کے اندر اندر آدم خور کے نیچے پڑے

ہوئے گہرا سانس لیا اور دوسرے لمحے جب آدم خور خنجر اٹھا کر ناگ کے سینے میں گھونپنے ہی والا تھا کہ وہ لڑکھڑایا اور یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ ایک لمحے پہلے اس کے بازوؤں میں جو انسان تھا وہ ایک لمبا سانپ بن چکا ہے اور اس نے اُسے گردن پر ڈس بھی دیا ہے۔

آدم خور کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی لیکن سانپ کے زہر کے اثر کی وجہ سے وہ بلند نہ ہو سکی اور حلق میں ہی دب کر رہ گئی۔ آدم خور پر زہر نے لرزہ طاری کر دیا۔ وہ کانپنے لگا۔ اس کا جسم دھڑام سے زمین پر گر پڑا اور وہ مر گیا۔ ناگ اسی وقت واپس انسان کی شکل میں آ گیا۔

یہ حیرت ناک ڈرامہ الزبتھ نے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تھا اور وہ نیم بے ہوش ہو گئی تھی۔ خوف سے اس کا چہرہ پھیل گیا تھا۔ ناگ نے جلدی سے اس کی رسّی کھولی اور کہا۔

"گھبراؤ نہیں الزبتھ بہن! میں ایک ایسا جادو جانتا ہوں جس کو پڑھنے سے میں انسان سے سانپ بن جایا کرتا ہوں"

الزبتھ اُسے ٹکٹکی باندھے تک رہی تھی۔

"تم ۔۔۔ تم جادوگر۔۔۔؟"

"ہاں ہاں بھئی کہہ جو رہا کہ میں جادوگر ہوں۔ بس اب اٹھو اور جلدی سے میرے ساتھ بھاگ چلو"

الزبتھ کو یقین ہو چکا تھا کہ یہ نوجوان کوئی بہت بڑا جادوگر ہے۔ اس نے کہا۔

"ایک پہرے دار درختوں میں بیٹھا اس جھونپڑی کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔ اُس نے دیکھ لیا تو اس کے زہریلے تیر سے ہم نہیں بچ سکیں گے"

ناگ نے کہا

"تم اسی جگہ ٹھہرو۔ پہلے میں اس کی خبر لیتا ہوں"

ناگ الزبتھ کی آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر سانپ بن گیا الزبتھ نے خوف کے مارے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ ناگ تیزی سے رینگتا ہوا سب سے پہلے ایڈگر کے پاس گیا اور انسان کی شکل میں آ کر اسے جلدی جلدی ساری کہانی سنائی اور کہا کہ اب وہ پہریدار کو ہلاک کرنے جا رہا ہے تاکہ الزبتھ کو جھونپڑی سے نکال کر جہاز تک پہنچایا جائے۔ ایڈگر نے کہا۔

"میں بندوق سے اسے مار ڈالوں گا۔ تم یہیں ٹھہرو"

ناگ بولا۔

"نہیں نہیں۔ بندوق کی آواز سے سارا قبیلہ ہوشیار ہو جائے گا میں خاموشی سے یہ کام کرنا چاہتا ہوں۔ تم ایسا کرو کہ واپس ساحل پر جا کر کشتی کی حفاظت کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی آدم خور ادھر پہنچ کر کشتی لے جائے۔ میں الزبتھ کو لے کر تمہارے پاس ابھی پہنچ رہا ہوں"

"ٹھیک ہے۔"

ایڈگر جھاڑیوں میں سے نکل کر واپس کشتی کی طرف چلا گیا۔ ناگ نے اُسی وقت ایک جنگل طوطے کا روپ بدلا اور اڑتا اڑتا درختوں میں اس آدم خور کو تلاش کرنے لگا جو کسی درخت پر بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ آخر اس نے آدم خور کو ایک جگہ دیکھ لیا۔ کم بخت نے بڑی محفوظ جگہ بنا رکھی تھی۔ ایک گھنے درخت کے اندر دو شاخے پر ایک تختہ ڈال کر وہ آلتی پالتی مار کر بیٹھا تھا اور کمان میں زہریلا تیر چڑھائے جھونپڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ کچھ حیران بھی تھا کہ اس کا جو ساتھی ابھی ابھی جھونپڑی میں گیا تھا ابھی تک واپس کیوں نہیں آیا؟

اتنے میں آدم خور نے دیکھا کہ زرد چونچ والا ایک طوطا اس کے درخت میں ذرا اوپر والی شاخ پر آ کر بیٹھ گیا ہے۔ طوطا بھی آدم خور کی طرف گردن ٹیڑھی کر کے تک رہا تھا۔ آدم خور نے سوچا کہ اس طوطے کو زندہ پکڑنا چاہیئے۔ اس نے اٹھ کر طوطے کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اچانک کسی طرف سے ایک سیاہ سانپ نے نمودار ہو کر اُس کی کلائی پر کاٹ دیا۔ وہ تڑپ کر پیچھے ہٹا۔ اس نے خنجر نکال کر سانپ پر حملہ کرنا چاہا مگر سانپ تو غائب ہو چکا تھا۔ طوطا بھی درخت کی شاخ پر اب نہیں تھا۔

آدم خور کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اسی طوطے نے سانپ بن کر

اُسے ڈسا تھا۔ اُس نے جلدی سے اپنی کلائی پر جہاں سانپ نے کاٹا تھا خنجر لگایا۔ خون نکلنے لگا۔ وہ زہر چوس چوس کر نیچے تھوکنے لگا لیکن اس کو پتہ ہی نہیں تھا کہ اسے ایک ایسے سانپ نے ڈسا ہے جس کے زہر کا اثر تو اس کے سارے جسم میں پہنچ چکا ہے چنانچہ وہ درخت پر بیٹھے بیٹھے لرزنے لگا۔ اور پھر اس کے جسم سے گویا جان نکلنی شروع ہوئی اور وہ ایک بے جان شاخ کی طرح نیچے گر پڑا۔

اس عرصے میں ناگ واپس الزبتھ کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"جلدی نکل چلو الزبتھ۔ راستہ صاف ہے۔ پہرے دار اب وہاں نہیں ہے۔"

الزبتھ ناگ کے ساتھ باہر آ گئی۔ وہ دس گیارہ دنوں سے جھونپڑی میں قید تھی۔ اس سے ٹھیک طرح سے چلا نہیں جاتا تھا۔ لیکن زندہ رہنے کی تڑپ نے اسے اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا۔ ناگ اسے ساتھ لے کر درختوں میں سے نکل کر سمندر کے ساحل پر آ گیا۔ الزبتھ نے جلدی سے ناگ کو پیچھے کھینچ لیا۔

"وہاں کوئی کھڑا ہے۔"

ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"وہ اپنا ہی آدمی ہے الزبتھ بہن! بلکہ تمہارے ملک انگلستان کے ایک علاقے ویلز کا رہنے والا پرانا ملاح ایڈگر ہے۔"

الزبتھ نے ویلز کا نام سُنا تو بولی۔
"کاش میں واپس اپنے وطن پہنچ سکوں!"
"ہم تمہیں تمہارے وطن پہنچانے کی پوری پوری کوشش
کریں گے!"
ناگ نے الزبتھ کو انکل ایڈگر سے ملایا۔ دونوں انگریزی زبان
میں باتیں کرنے لگے اور کشتی جہاز کی طرف روانہ ہوگئی۔ الزبتھ
نے سمندر میں اتنا بڑا جہاز کھڑے دیکھا تو پوچھا۔
"یہ جہاز کس کا ہے؟"
ناگ نے کہا۔
"یہ انکل ایڈگر کا جہاز ہے!"
ایڈگر نے مسکرا کر کہا۔
"ہاں بیٹی! یہ میرا جہاز ہے۔ میں اس جہاز کا انجینئر بھی
ہوں۔ باورچی بھی ہوں اور مالک بھی ہوں!"
الزبتھ کے چہرے پر ایک عرصے کے بعد مسکراہٹ آئی تھی
کشتی کو دور سے ماریا نے آتے دیکھ لیا تھا۔ ایک لڑکی کو کشتی
میں دیکھ کر وہ بھی تعجب کرنے لگی کہ یہ سفید فام انگریز لڑکی کون
ہو سکتی ہے۔ پھر سوچا کہ شاید یہ اس جزیرے میں پھنس گئی ہوگی
اور ناگ اسے بچا کر لا رہا ہے۔ کشتی جہاز کے پاس آکر رک گئی
ناگ نے اوپر منہ کر کے آواز لگائی۔

"ماریا سیڑھی نیچے پھینکو!"
الزبتھ نے پوچھا۔
"کیا کوئی ماریا بھی جہاز پر ہے؟"
ناگ نے کہا۔
"ہاں! میری چھوٹی بہن ہے!"
ایڈگر نے کہا۔
"ہم تمہیں اس سے ملائیں گے!"
ناگ مسکرایا۔ الزبتھ نے کہا۔
"کیا بات ہے تم دونوں مسکرا کیوں رہے ہو؟"
ایڈگر بولا۔
"تمہیں اوپر جا کر خود ہی اس ہنسی کا راز معلوم ہو جائے گا
میرا مطلب ہے جب تم ماریا سے ملو گی۔ اگر تم مل سکو گی تو!"
اتنے میں اوپر سے رسّی کی سیڑھی پھینک دی گئی۔ ساتھ
ہی دو رسّے بھی پھینکے گئے۔ الزبتھ نے محسوس کیا کہ رسّی اور
سیڑھی اوپر سے ضرور پھینکی گئی تھی مگر پھینکنے والی ماریا کہیں
نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے وہ جہاز کے
جنگلے کے پیچھے کھڑی ہو۔ دونوں رسّوں کے ساتھ کشتی باندھ دی
گئی تاکہ اوپر جا کر اسے کھینچا جا سکے۔ سیڑھی پر سب سے پہلے
ایڈگر پھر الزبتھ اور اس کے بعد ناگ چڑھنے لگا۔ جہاز کے

عرشے پر پہنچ کر الزبتھ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ کہنے لگی۔

"میں موت کے منہ سے نکل کر آئی ہوں ناگ بھائی! میں خدا کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہوگا"

"ہاں الزبتھ! تمہیں خدا کا ہر حال میں شکر ادا کرنا چاہئیے!"

الزبتھ نے عرشے پر جنگلے کے ساتھ لگ کر پوچھا۔

"ماریا کہاں ہے انکل ایڈگر؟"

انکل ایڈگر نے ناگ کی طرف دیکھا۔ گویا پوچھ رہا ہو۔ کیوں میاں کیا کہوں اسے؟" ناگ نے مسکرا کر کہا۔

"تم بھی یہیں تھی۔ میرا خیال ہے نیچے کیبن میں چلی گئی ہوگی۔ نیچے چل کر تمہارا تعارف کرواتے ہیں"

انکل ایڈگر اور ناگ رسّی کی مدد سے ایک چرخی کو گھما کر کشتی کو اوپر کھینچنے لگے۔ الزبتھ عرشے پر ٹہل رہی تھی۔ وہ جہاز کی دوسری جانب جنگلے کے پاس چلی گئی۔ اچانک کیلے کا چھلکا اس کے بالکل قریب آ کر گر پڑا۔ الزبتھ چونک کر پرے ہٹ گئی اور کیلے کے چھلکے کو تکنے لگی کہ یہ کہاں سے آ گیا؟ بات یہ ہوئی تھی کہ ماریا اس کے قریب ہی کھڑی کیلا کھا رہی تھی۔ اس نے کیلا چھیل کر عرشے کے فرش پر پھینک دیا تھا۔ جتنی دیر تو کیلا ماریا کے ہاتھ میں رہا نظر ہی نہ آیا۔ جب چھلکا اس کے ہاتھ سے جدا ہو کر گرا تو نظر آ گیا۔

الزبتھ کچھ ڈر سی گئی تھی۔ اُسے ناگ کی بات یاد آ گئی۔ وہ انسان سے سانپ بن گیا تھا اُس کی آنکھوں کے سامنے اور اس نے کہا تھا کہ وہ جادوگر ہے۔ تو کیا اس جہاز پر بھی جادو کا اثر ہے؟ کیا یہاں بھوت پریت رہتے ہیں اور یہ چھلکا کسی بھوت نے کیلا کھا کر پھینکا ہو؟

الزبتھ ابھی یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ اسے کسی عورت کے چھینکنے کی بالکل قریب سے آواز آئی۔ یہ ماریا چھینکی تھی۔ چھینک اُسے اچانک آ گئی تھی۔ اُس نے اُسے دبانے کی بہت کوشش کی مگر وہ چھینک ہی کیا جو دب جائے۔ چھینک کی آواز کے ساتھ ماریا کی چھینک نکل گئی اور الزبتھ اچھل کر پرے ہٹ گئی۔ پھر وہ ناگ اور ایڈگر کی طرف بھاگی جو جنگلے کے ساتھ لٹکی ہوئی کشتی کی رسّی باندھ رہے تھے۔ ناگ نے الزبتھ کو خوفزدہ دیکھا تو سمجھ گیا کہ ماریا نے کوئی کرامت دکھائی ہوگی۔

"کیا بات ہے الزبتھ بہن! تم پریشان کیوں ہو؟"

الزبتھ نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"وہاں۔ وہاں۔ ابھی ابھی میں نے ایک عورت کی چھینک کی آواز سنی ہے"

ناگ نے ایڈگر کی طرف اور ایڈگر نے ناگ کی طرف دیکھا۔ گویا ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں کہ الزبتھ سے ماریا کا راز کس

طرح سے چھپایا جائے گا جبکہ ابھی اُسے اتنا سفر طے کر کے
میں پہنچانا ہے۔ ناگ نے کھسیانا سا ہو کر کہا۔

"کوئی بات نہیں الزبتھ بہن! میں نے تمہیں کہا تھا کہ
جادوگر ہوں تو یہ ایسا ہے کہ میں ہر وقت چوکنا رہنے
کوشش کرتا ہوں۔ یہ چھینک کسی ایسی جنگلی عورت کی تھی جو
جزیرے میں ہے مگر میرے جادو کے اثر سے اس کی آواز یہاں
تک پہنچ گئی تاکہ میں ہوشیار اور خبردار رہوں۔"

"اچھا!"

الزبتھ حیران و پریشان تھی۔ اس کے چہرے سے صاف
ظاہر تھا کہ اس پر ناگ کی دلیل نے کوئی زیادہ اثر نہیں کیا۔ وہ
الزبتھ کو اپنے ساتھ نیچے لے گئے اور ایک کیبن میں اُسے بٹھا
کر تلی ہوئی مچھلی، کیکڑوں کا گرم شوربہ اور پھل کھلایا۔ پھر ایڈ
نے کہا۔

"بیٹی الزبتھ اب تم غسل کر کے نئے کپڑے پہن لو۔ یہ میں
نے کپڑے رکھ دیئے ہیں۔"

الزبتھ نے زرد رنگ کا گاؤن اور کرتہ دیکھ کر کہا۔

"انکل یہ کپڑے کہاں سے آئے ہیں؟"

"بیٹی یہ ماریا کے ہیں۔"

"مگر ماریا کہاں ہے۔ کہیں دکھائی نہیں دے رہی۔"

بیٹی! بات یہ ہے کہ وہ دکھائی نہیں دیتی۔"

کیا مطلب؟" الزبتھ نے چونک کر پوچھا۔

یڈگر نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

میرا مطلب ہے کہ وہ آج کہیں دکھائی نہیں دے رہی۔ بس
یں باورچی خانے میں مصروف ہوگی۔ تم نہا دھو کر کپڑے بدلو۔
وہ بھی فارغ ہو جائے گی تو تمہیں ملا دیں گے۔"

ایڈگر کیبن سے باہر نکل گیا۔ وہ اس الجھن میں تھا کہ الزبتھ
نظر نہ آنے والی ماریا سے مل کر کیا اثر ہوگا؟ اگرچہ ناگ
ے بتا دیا تھا کہ الزبتھ نے اسے انسان سے سانپ
دیکھ لیا ہے اور وہ اس قسم کے تجربے سے گزر چکی ہے
اسے جادوگر سمجھتی ہے۔ پھر بھی جب اس نے محسوس کیا
وہ ایک ایسی لڑکی سے باتیں کر رہی ہے جو نظر نہیں آ رہی
س پر کیا گزرے گی؟

ایڈگر کیبن سے نکل کر باورچی خانے کی طرف جا رہا تھا کہ
نے کپتان کے کیبن میں ناگ کو دیکھا جو اکیلا ہی کسی سے
کر رہا تھا۔ ایڈگر کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگتی تھی کہ وہ ماریا
باتیں کر رہا ہے۔ ایڈگر بھی اندر چلا گیا۔ اُس نے کہا کہ
بتھ بار بار ماریا کا پوچھ رہی ہے۔ اس کے ساتھ ماریا کا
ن کیسے کرایا جائے گا۔ ماریا نے کہا۔

"انکل! میرا خیال ہے کہ ہمارا سفر لمبا ہے اس کو بتا دینا چاہیئے کہ میں غائب عورت ہوں۔"

"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے۔"

ناگ نے کہا۔

"لیکن کہیں اس کے ذہن پر اس کا بُرا اثر نہ پڑ جائے کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اس راز کو انگلستان پہنچنے تک راز میں ہی رہنے دیں؟"

•

رات کا حملہ

•

ماریا نے کہا۔

"بڑی مشکل ہو جائے گی۔ ہم اس راز کو زیادہ دیر تک نہیں چھپا سکیں گے۔"

ناگ کہنے لگا۔

"تو پھر الزبتھ کو بلا کر بتا دیں کہ۔۔۔"

ایڈگر کہنے لگا۔

"یہ کام میں خود کر لوں گا۔ تم مجھ پر چھوڑ دو۔"

رات ہو گئی۔ انہوں نے سوائے ماریا کے ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ ماریا کا کھانا اس کے کیبن میں پہنچا دیا گیا تھا۔ ایڈگر نے یہ طے کیا تھا کہ وہ دوسرے روز بڑے اطمینان سے پوری کہانی بیان کر کے الزبتھ کو بتائے گا کہ ماریا کیوں نظر نہیں آتی تاکہ وہ مطمئن ہو جائے اور ان کا سفر کسی دشواری اور ڈرامے کے بغیر گزر جائے اور وہ سکون کے ساتھ الزبتھ کو انگلستان پہنچا دیں۔ ایڈگر خود بھی انگلستان واپس اپنے گھر چلا جانا چاہتا تھا۔ ماریا اور ناگ کا بھی یہی پروگرام تھا کہ وہ

دیکھا اور اعلان کر دیا کہ سانپوں کا کاٹا ہے۔ سردار نے کہا۔

"ہمارے شکار کی رسّی تو سانپ نہیں کھول سکتا۔ ہمارا مقدس شکار کس نے کھول کر بھگا دیا ہے؟"

یہ بات غور کرنے والی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ کسی نے مقدس شکار کو وہاں سے بھگایا ہے۔ وہ کون ہو سکتا ہے؟ ابھی شام نہیں ہوئی تھی۔ سورج سمندر میں غروب ہونے والا تھا۔ دھوپ سنہری ہو گئی تھی۔ سردار بڑا ماہر کھوجی تھا۔ اُس نے جھک کر قدموں کے نشان دیکھ لئے۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"زمین پر تین انسانوں کے قدموں کے نشان ہیں۔ ایک انسان جا کر پھر واپس آیا ہے۔ یہ نشان میرے آدمیوں کے ہیں۔ یہ ننگے پاؤں تھے۔ یہ نشان بوٹوں کے ہیں۔ یہ نشان اس عورت کے پاؤں کا ہے جو یہاں قید تھی اور جسے یہ دو آدمی بھگا کر لے گئے۔"

پھر اُس نے اور جھک کر دیکھا تو بولا۔

"جھونپڑی کے اندر سے ایک سانپ باہر نکلا تھا۔ یہاں آکر سانپ ایکدم غائب ہو گیا ہے۔ اُس کے درخت پر چڑھنے کا نشان بھی نہیں ہے۔"

کم بخت نے کھوج پورے کا پورا لگا لیا تھا۔ پھر وہ قدموں کے نشان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ باقی آدم خور بھی تیزی سے جائے اٹھائے

انگلستان جا کر اس بحری جہاز کو فروخت کر کے ویلز کے علاقے میں مکان خرید کر رہائش اختیار کر لیں گے اور ماریا کو مکان میں انکل ایڈگر کی دیکھ بھال میں رکھ کر وہ خود عنبر کی تلاش میں نکلے گا۔ الزبتھ کو اس لئے بھی ماریا کا راز بتایا جا رہا تھا تاکہ ویلز میں الزبتھ ماریا کی سہیلی بن کر رہ سکے اور وہ اکیلی پیچھے بور نہ ہو۔

کھانا کھانے کے بعد یہ لوگ اپنے اپنے کیبن میں جا کر سو گئے۔

ادھر ایسا ہوا کہ جب آدم خور واپس نہ آیا تو سردار نے ایک اور آدمی کو الزبتھ کی جھونپڑی میں بھیجا کہ جا کر معلوم کرو کہ کیا بات ہے اُس نے اتنی دیر کہاں لگا دی۔ یہ آدم خور جب جھونپڑی کی طرف جا رہا تھا کہ سب سے پہلے راستے میں اُسے پہرے دار کی پھولی ہوئی زہر آلود لاش ملی۔ پھر وہ بھاگ کر جھونپڑی میں گیا تو دیکھا کہ وہاں بھی اس کے ایک ساتھی کی پھولی ہوئی زہر آلود لاش پڑی ہے۔ دونوں کو کسی خطرناک سانپ نے ہلاک کیا تھا اور الزبتھ یعنی ان کا مقدس شکار غائب تھا۔

آدم خور نے وہیں ایک ایسی چیخ ماری کہ سارے قبیلے کو ایکدم سے خبر ہو گئی۔ سردار بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ جھونپڑی کے پاس آ گیا۔ دونوں لاشوں کو قبیلے کے آدم خور جادوگر حکیم نے

بڑے پُر اسرار انداز میں اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔
پاؤں کے نشان ان لوگوں کو جنگل سے نکال کر باہر سمندر کے
کنارے لے آئے۔ یہاں آتے ہی سردار نے جو سمندر کی طرف
دیکھا تو دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنے پیچھے آنے والوں کو اسی جگہ روک
دیا اور جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو جانے کا حکم دیا۔

سارے آدم خور جھاڑیوں کے پیچھے ہو گئے۔ سردار نے دیکھا
کہ سمندر میں کنارے سے کوئی تین فرلانگ کے فاصلے پر ایک
بڑا بحری جہاز لنگر ڈالے کھڑا تھا۔ باقی آدم خور بھی منہ کھولے
جہاز کو تک رہے تھے کہ یہ جہاز یہاں کدھر سے آ گیا۔ اس
طرف جہاز کبھی بھول کر ہی آتے تھے۔ اس سے پہلے کوئی پانچ
برس ہوئے کہ ایک جہاز آ کر لگا تھا اور وہ بھی بحری ڈاکوؤں
کا جہاز تھا۔ اس کے پندرہ بحری ڈاکو یہ آدم خور اغوا کر کے کھا
گئے تھے۔ دوسرے آدم خوروں کو تو یہ خوشی ہوئی کہ اس جہاز
کے آدمیوں کو اب وہ مزے لے کر کھائیں گے۔ ان کے لئے تو
گویا خوراک کا جہاز آ گیا تھا۔ مگر سردار کو یقین ہو گیا تھا کہ اس
کا مقدس شکار یعنی الزبتھ جس کو انہوں نے مقدس تہوار پر
دیوتاؤں کے آگے قتل کر کے بھون کر کھانا تھا اسی جہاز میں
لے جایا گیا ہے۔ غصے سے وہ کانپنے لگا۔ پھر کچھ سوچ کر آہستہ
سے بولا۔

"ہمارا شکار ہم سے چھین لیا گیا ہے۔ وہ اس جہاز پر ہے۔
ہمیں اس جہاز پر حملہ کر کے اسے آگ لگا دینی چاہیئے۔ اس
کے آدمیوں کو کھا جانا ہے اور اپنے مقدس شکار کو لا کر تہوار
کے روز قربان کرنا ہے"!

سب نے ایک ساتھ نیزے اٹھا کر کہا۔

"ہم حملہ کریں گے"!

سردار نے انہیں روکتے ہوئے کہا۔

"نہیں! تم احمق ہو۔ سارے کے سارے جنگلی ہو۔ کیا تم سمجھتے
ہو کہ یہ شہر کے لوگ ویسے ہی جہاز میں بیٹھے ہوں گے کہ تم آؤ
اور ان کو قابو میں کر کے لے آؤ؟ الو کے پٹھو! ان لوگوں کے پاس
گولیوں والے ہتھیار ہوتے ہیں۔ بارود ہوتا ہے۔ اس لئے
ہمیں سازش کے ساتھ حملہ کرنا ہوگا۔ ان کی ایک کشتی کنارے پر
آ کر بھی رکی تھی۔ میں ریت پر قدموں کے نشانوں کے ساتھ کشتی کا بڑا
نشان بھی دیکھ رہا ہوں۔ یہاں سے کشتی سمندر میں گھسیٹی گئی تھی
واپس میرے ساتھ چلو"!

اور سردار انہیں واپس جھونپڑوں میں لے گیا۔ سردار تھا
تو آدم خور مگر بڑا ہوشیار اور چالاک تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ جہاز
والوں کے پاس بارود کے ہتھیار ہوں گے۔ ایسے ہتھیار اس نے
بحری ڈاکوؤں کے پاس دیکھے تھے جن سے ایک گولی نکلتی ہے اور

آدمی مر جاتا ہے۔ اس لئے وہ دن کی روشنی میں جہاز پر حملہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ رات کے اندھیرے میں حملہ کرنا چاہتا تھا۔ جہاز کو اس نے دیکھ لیا تھا کہ کس جگہ پر کھڑا ہے۔
شام تک آدم خور سردار اپنے حملے کے طریقوں پر غور کرتا رہا۔
جب رات نے جزیرے کو اپنی سیاہ چادر میں چھپا لیا تو وہ اپنے جانثار آدم خوروں کے ساتھ نکلا۔ یہ لوگ گہرے سانولے رنگ کے تھے اور جسم پر سوائے لنگوٹیوں کے اور کچھ نہ تھا۔ اندھیرے میں وہ بالکل دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ یہ جنگل سے نکل کر جب ساحل سمندر پر آئے تو جھک جھک کر چلنے لگے۔ بائیں جانب دور ایک جگہ انہوں نے ایک کشتی چھپا رکھی تھی۔ یہ ایک لمبوتری جوتی کی طرح کی کشتی تھی جس میں پچاس کے قریب آدم خور چھپ کر بیٹھ گئے۔

انہوں نے تیر کمان، خنجر اور نیزے ساتھ رکھ لئے تھے۔
کشتی آہستہ آہستہ سمندر کے اوپر سے ہو کر جہاز کی طرف بڑھنے لگی۔ رات طوفانی دن کے بعد پُر سکون تھی۔ آسمان صاف ہو گیا تھا۔ ستارے چمکنے لگے تھے۔ ان ستاروں کی ہلکی نیلی روشنی میں جہاز ایک سیاہ دھبے کی طرح سمندر میں کھڑا تھا۔
آدم خوروں کی کشتی دھیرے دھیرے جہاز کے قریب آ رہی تھی۔ جہاز کے اوپر کوئی لیمپ نہیں جل رہا تھا۔ ناگ اور ایڈگر نے اس

کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ عرشے پر اندھیرا تھا۔ آدم خور بڑے سکون کے ساتھ اور بغیر کوئی آواز پیدا کئے کشتی کو جہاز کے پیندے کے ساتھ پچھلے حصے میں لے آئے۔ یہاں انہوں نے لنگر کی موٹی زنجیر کے ساتھ کشتی کو باندھ دیا۔ سردار نے اشارہ کیا اور دیکھتے دیکھتے آدم خور بندروں کی طرح زنجیر کو پکڑ کر جہاز کے اوپر عرشے کے جنگلے پر پہنچ گئے۔
کشتی میں صرف چھ سات آدم خور رہے۔ باقی اوپر چڑھ گئے۔ سردار بھی اُن کے ساتھ ہی تھا۔ عرشے پر پہنچ کر سردار نے منہ سے ہلکی سی سیٹی کی آواز نکال کر جو کسی پرندے کی آواز سے ملتی تھی آدم خوروں کو عرشے کے جنگلے کے ساتھ ساتھ لیٹ جانے کو کہا۔ سارے آدم خور جنگلے کے ساتھ عرشے کے فرش پر لیٹ گئے۔ سردار نے اندھیرے میں غور سے چاروں طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں اندھیرے میں ہر شے کو صاف صاف دیکھ لینے کی عادی تھیں۔
سردار نے چند آدم خوروں کو اشارے سے اپنے پیچھے آنے کو کہا اور اس دروازے کی طرف بڑھا جہاں سے سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ سردار اس سے پہلے بحری ڈاکوؤں کے جہاز دیکھ چکا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ جہاز میں ایک نچلی منزل بھی ہوتی ہے جس کے چھوٹے چھوٹے کمروں میں لوگ رات کو سوتے ہیں۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ سردار نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ اس جگہ آ گئے

جہاں ایک ہوادان لگا تھا۔ اس قسم کے ہوادان پرانے گراموفون باجوں کے بھونپو کی طرح کے ہوتے ہیں جو جہاز کے اوپر عرشے پر لگے ہوتے ہیں تاکہ نچلی منزلوں میں تازہ ہوا جا سکے۔ سردار نے جانور کی بولی میں کچھ اشارہ کیا۔ ایک آدم خور نے اپنی کمر کے گرد لپٹی ہوئی رسی کھول کر اس کا ایک سرا کمر کے ساتھ باندھا اور دوسرا سرا باہر ہوادان کے ستون سے باندھا اور ہوادان میں اتر گیا۔

ہوادان میں وہ لٹک گیا تھا اور اندھیرے میں اترتا چلا جا رہا تھا۔ آخر اس کے پیر فرش پر لگ گئے۔ اس نے کمر سے بندھی رسی کھول کر اوپر پھینک دی۔ رسی کھینچ لی گئی۔ آدم خور نے اندھیرے میں خوف سے دیکھا۔ اصل میں وہ ایک گودام میں نکل آیا تھا۔ کبھی یہاں تیسرے درجے کے مسافر سفر کیا کرتے تھے لیکن اب اسے گودام میں بدل دیا گیا تھا جہاں دنیا جہان کا کاٹھ کباڑ جمع تھا۔

آدم خور ٹٹولتا ٹٹولتا اس دروازے تک آگیا۔ یہاں آدم خور کو اس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ اندر سے آکر سیڑھیوں کا دروازہ کھول دے تاکہ باقی لوگ نیچے جا کر حملہ کر سکیں۔ انہیں ابھی تک یہ خبر نہیں تھی کہ اس جہاز میں صرف تین انسان سفر کر رہے ہیں جن میں سے ایک مسافر یعنی ماریا نظر نہیں آتی۔ باقی فالتو الزبتھ ہی تھی جس کو دوبارہ گرفتار کرنے یہ آدم خور وہاں آئے تھے۔

یہ آدم خور گودام سے باہر کاریڈار میں آگیا۔ یہاں کونے میں ایک دھیما سا چراغ جل رہا تھا۔ اس کی ہلکی روشنی میں آدم خور لکڑی کی دیوار کے ساتھ پیٹھ لگائے آگے بڑھتا چلا گیا۔ سامنے ایک سیڑھی آگئی جو تنگ تھی۔ اس سیڑھی نے آدم خور کو جہاز کی دوسری منزل میں پہنچا دیا۔ اس منزل میں وہ کیبن تھے جہاں الزبتھ، ماریا، ناگ اور انکل ایڈگر آرام کر رہے تھے یہاں سے وہ سیڑھی اوپر عرشے پر جاتی تھی جس کا دروازہ اس آدم خور نے جا کر کھولنا تھا اور جس کے باہر اس کے ساتھی انتظار کر رہے تھے کہ دروازہ کھلے اور ہم حملہ کر دیں۔

اتفاق ایسا ہوا کہ ٹھیک اسی وقت ماریا کو کیبن میں بڑی گرمی لگی۔ اس نے سوچا کہ اوپر عرشے پر جا کر ہوا میں سونا چاہیے طوفان کے بعد حبس بڑا ہو گیا تھا۔ ماریا پلنگ پر سے اٹھی۔ اس نے دروازہ کھولا اور کاریڈار میں آگئی۔ اسے اپنے پیچھے ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ اس نے رک کر پیچھے دیکھا کہ یہ آہٹ کیا تھی لیمپ کی ہلکی ہلکی روشنی میں اسے ایک کالا سایہ دیوار کے ساتھ لگا دکھائی دیا۔ ماریا ایک طرف ہٹ کر اسے غور سے دیکھنے لگی ایک بات کا اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ اپنے آدمیوں میں سے کوئی نہیں ہے۔ ورنہ اسے اس طرح چوری چوری آنے کی کیا ضرورت تھی بھلا؟

سایہ اس کے قریب آگیا۔ یہ آدم خور تھا۔ آدم خور کو تو ماریا کبھی نظر ہی نہیں آسکتی تھی اس لئے وہ اپنی طرف سے بڑے اطمینان کے ساتھ پھونک پھونک کر قدم رکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔
اس نے ماریا کے کیبن کے پاس آکر دروازے کے ساتھ منہ لگا کر شاید کچھ سونگھنے کی کوشش کی۔ پھر دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا دروازہ کھلا تھا۔ کیونکہ ماریا ابھی ابھی اندر سے باہر نکلی تھی۔
آدم خور کیبن کے اندر چلا گیا۔ اب ماریا نے اسے غور سے دیکھ لیا تھا اور وہ سمجھ گئی تھی کہ جزیرے کا کوئی جنگلی ہے جو آدھی رات کو وہاں یا چوری کی نیت سے آیا ہے اور یا یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ وہ عورت یہاں تو نہیں جس کو انہوں نے قید کر رکھا تھا اور جو اب فرار ہو گئی ہے۔ ماریا کے وہم میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ عرشے پر مسلح آدم خوروں کی ایک پارٹی حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑی ہے اور یہ ان کا جاسوس ہے جو دروازہ کھولنے اور معلومات حاصل کرنے آیا ہے۔
ماریا بھی آدم خور کے پیچھے ہی کیبن میں داخل ہو گئی۔
آدم خور اندھیرے میں ایک ایک شے کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں نیزہ تھا اور اس کی زرد آنکھیں چیتے کی آنکھوں کی طرح اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔ ماریا نے اس قسم کے کئی ایک واقعات سے گزر چکی تھی۔ وہ بڑے اطمینان سے دیوار

کے قریب کھڑی اس آدم خور کی ایک ایک حرکت کو غور سے دیکھ رہی تھی۔
آدم خور کے کان بڑے حساس تھے۔ وہ جزیرے کی خاموشی میں پلا بڑھا تھا۔ وہ خاموشی میں ہلکی سے ہلکی آواز کو بھی پہچان لیتا تھا ایک بار جو ماریا نے گہرا سانس لیا تو اس نے چونک کر اس طرف دیکھا جدھر سے سانس لینے کی آواز آئی تھی۔ مگر وہاں تو کوئی انسان بھی نہیں تھا۔ حالانکہ ماریا ٹھیک اسی جگہ کھڑی تھی جس جگہ پر آدم خور کی نظر پڑی تھی۔ لیکن ماریا آدم خور کو دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔
آدم خور کی چھٹی حس کبھی غلط نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کا دل اُسے صاف کہہ رہا تھا کہ کیبن میں کسی نے گہرا سانس لیا ہے۔ لیکن انسان وہاں کوئی نہیں تھا اس لئے آدم خور نے سوچا کہ اب باہر نکل چلنا چاہیئے تاکہ اوپر جا کر دروازہ کھولا جائے وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا تو ماریا نے بھی ٹھیک اسی وقت سوچا کہ اس شخص کو کیبن میں ہی قید کر دینا چاہیئے۔ پھر خیال آیا کہ یہ شور مچائے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اسے بے ہوش کر دیا جائے۔
پس ماریا نے پیچھے سے آکر آدم خور کے سر پر ایک تانبے کا گلدان دے مارا۔ آدم خور چکرا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ ماریا نے اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر کس کر باندھ دیئے۔ پھر

پاؤں بھی رسّی سے باندھے اور اُسے پلنگ کے نیچے لاکر ڈال دیا۔ یہاں سے نکل کر وہ سیدھی ناگ اور ایڈگر کے کیبن میں آئی۔ انہیں جگایا اور بتایا کہ ابھی ابھی ایک جنگلی انسان کو وہ بے ہوش کرکے آرہی ہے۔

"یہ کہاں سے آگیا؟" ناگ نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

ایڈگر نے کہا۔

"میں نہ کہتا تھا کہ ہم الزبتھ کو لے تو آئے ہیں مگر یہ آدم خور ہمارا تعاقب کریں گے۔ ہم میں سے کسی کو ضرور اوپر پہرے پر ہونا چاہیئے تھا۔ اب پتہ نہیں یہ اندر کہاں سے آیا ہے اور اوپر اس کے ساتھی بھی موجود ہوں گے۔"

"میں اوپر جاکر پتہ کرتی ہوں۔"

"تم دروازہ کھولوگی تو وہ کھلے دروازے میں سے نیچے آکر حملہ کردیں گے۔ کیا معلوم ان کی تعداد زیادہ ہو۔"

ایڈگر کا خیال ٹھیک تھا۔ ناگ نے کہا۔

"ہمیں اسلحہ لے کر اوپر جانا چاہیئے اور حملہ کردینا چاہیئے۔"

ایڈگر بولا۔

"ہم اندھیرے میں انہیں نہیں دیکھ سکیں گے۔ انہوں نے پوزیشن لے رکھی ہوگی۔ اگر ان کا ایک زہریلا تیر بھی ہمیں لگ گیا تو ہم بچ نہ سکیں گے۔ ان کے نشانے غضب کے

ہوتے ہیں۔"

"پھر کیا کریں؟" ناگ نے پوچھا۔

ایڈگر کہنے لگا۔

"میں ابھی بندوق لے کر اوپر جاتا ہوں اور سب کو بھون کر رکھ دیتا ہوں۔"

ناگ بولا۔

"یہ ہماری حماقت ہوگی۔ ہمیں بالکل نہیں معلوم کہ ان کی تعداد کتنی ہے۔ وہ ہمارے جہاز کو آگ لگا کر ہمیں پریشانی میں مبتلا کرسکتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں اور ماریا باہر جاکر معلوم کرتے ہیں کہ وہ لوگ کتنی تعداد میں حملہ کرنے آئے ہیں۔"

ماریا اور ناگ عرشے کو اوپر جانے والی سیڑھی کی طرف بڑھے۔

عرشے پر رات کے اندھیرے میں سردار اپنے آدم خور ساتھیوں کو لئے انتظار کررہا تھا کہ جو وحشی نمودار ہوا ان کی راہ سے نیچے گیا ہے وہ اوپر آکر دروازہ کھولے۔ ناگ سیڑھیوں میں دروازے کے پاس آکر ماریا سے کہنے لگا۔

"میں جون بدل کر باہر نکلوں گا۔ تم دروازہ کھولو وہ لوگ ضرور دروازہ کھلنے کا انتظار کررہے ہوں گے۔"

ناگ نے سانپ کی جون بدل لی اور سیڑھیوں کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔ ماریا نے آہستہ سے دروازہ کھول دیا۔ باہر عرشے پر سردار نے دروازہ کھلتے دیکھا تو ہلکی سی سیٹی مار کر اپنے آدمیوں کو خبردار کیا اور آگے بڑھا۔ مگر اسے بڑی حیرانی ہوئی اس کا آدمی دروازہ کھول کر باہر نہیں نکلا تھا۔ وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سیڑھیوں میں دیکھ رہا تھا۔ سیڑھیاں اندھیرے میں خالی تھیں۔ اس نے آہستہ سے اپنے آدمی کے لئے سیٹی بجائی۔

نیچے سے کسی نے بھی اس سیٹی کا جواب نہ دیا۔

سردار پیچھے ہٹ آیا۔ پھر وہ اپنے آدمیوں کو عرشے کے کونے میں جنگلے کے پاس لے گیا اور سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگا۔

"وہ کہاں چلا گیا؟ کیا کسی نے نیچے اسے قتل کر دیا ہے؟ پھر دروازہ کس نے کھولا ہے؟"

"ضرور یہاں کوئی بدروح آگئی ہے سردار!"

"بدروح؟"

سردار بھی توہم پرست تھا۔ یہ لوگ بدروحوں چڑیلوں اور آسیب سے بہت خوف کھاتے تھے۔ ماریا نے بھی یہی سوچا کہ بجائے انہیں ہلاک کرنے کے انہیں ڈرا کر بھگا دینا چاہیئے۔ ماریا ان آدم خوروں کے بالکل قریب عرشے پر کھڑی تھی۔ سردار نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ میں نیچے جا کر مقدس شکار کو تلاش کرتا ہوں۔"

اور اس سے پہلے کہ ماریا اس کو کسی طریقے سے روکتی سردار اندھیرے میں بڑی تیزی سے عرشے کی سیڑھیاں اتر گیا۔ ماریا کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ناگ کہاں سانپ بن کر بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے سوچا نیچے ایڈگر اور الزبتھ ہیں۔ سردار نیزہ اور خنجر لئے ہوئے ہے۔ یہ لوگ بڑے ظالم قسم کے آدم خور ہوتے ہیں۔ کہیں الزبتھ یا ایڈگر کو ہلاک ہی نہ کر دے۔ پس وہ سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔ اس کے بھاگنے سے تختے پر آواز پیدا ہوئی تو آدم خوروں نے سہمی ہوئی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"بدروح!"

"شی۔"

"بھاگ چلو۔"

"سردار نیچے گیا ہے۔"

"بدروح ہمیں ہلاک کر دے گی۔"

"سردار بھی ہمیں بھون کر کھا جائے گا۔"

آدم خور اسی قسم کی باتیں کرتے خاموش ہو گئے اور عرشے پر ہی ایک طرف چھپ کر بیٹھے رہے۔ ماریا سیڑھیاں اتر تی چلی

گئی۔ ناگ اس وقت جہاز کے عقب میں رینگتا ہوا جہاز کے پہلو میں آگیا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ سمندر میں آدم خوروں کی کشتی کہاں پر ہے؟ اس نے دیکھا کہ جہاز کے لنگر کے ساتھ کشتی بندھی ہوئی ہے اور اس میں سات آٹھ آدم خور نیزے کمانیں اور خنجر لئے چھپ کر بیٹھے ہیں۔ گویا وہ حملے کی پوری تیاری کر کے آئے تھے۔

ناگ واپس ہوا۔ اب اسے ماریا نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ کہاں چلی گئی؟ دوسرے آدم خور رات کے اندھیرے میں جنگلے کے ساتھ لگ کر عرشے کے تختے پر بیٹھے تھے۔ نیزے انہوں نے ہاتھوں میں تھام رکھے تھے۔

ناگ ماریا کی تلاش میں عرشے پر جنگلے کے ساتھ ساتھ رینگنے لگا۔ اندھیرے میں ایک سیاہ رنگ کا سانپ بھلا کیسے نظر آ سکتا تھا۔ لیکن یہ جنگلی لوگ تھے۔ سانپ بچھو کی بُو سونگھ لیتے تھے۔ ایک آدم خور نے بیٹھے بیٹھے ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔

"سانپ کی بُو آ رہی ہے۔"

دوسرے نے ذرا توجہ دی تو اُسے بھی بُو آنے لگی۔ اب سارے آدم خوروں نے سانپ کی بُو سونگھ لی تھی۔ بُو بڑی تیز تھی۔ انہوں نے جلدی سے اپنے ارد گرد کا جائزہ لیا۔ سانپ وہاں نہیں تھا۔ پھر وہ اُٹھے اور جدھر سے بُو آ رہی تھی ادھر جھک

کر چلنے لگے۔ انہوں نے نیزے تان رکھے تھے تاکہ سانپ کو کچل دیا جائے۔ ناگ سانپ کی شکل میں بڑے مزے سے رینگتا ہوا سیڑھیوں کی طرف چلا جا رہا تھا کہ اچانک اس نے فرش پر اپنے پیچھے انسانی قدموں کی چاپ سُنی۔ اس نے پلٹ کر جو دیکھا تو دو آدم خور وحشی نیزے لئے اس کے سر پہ پہنچ چکے تھے۔

ناگ اگر ذرا سی غفلت کر جاتا تو مارا گیا تھا۔

بس ایک سیکنڈ کا فرق رہ گیا۔ ادھر نیزہ گرا ادھر ناگ تڑپ کر پرے ہٹ گیا۔ نیزہ عرشے کے فرش کی لکڑی میں دھنس گیا۔ ناگ بھاگ کر سیڑھیاں اتر گیا۔ آدم خور وحشی اسے نیچے جاتا دیکھتے رہ گئے چونکہ سردار کا حکم نہیں تھا اس لئے وہ عرشے پر ہی رہ گئے۔

نیچے کیا ہو رہا تھا؟ یہ بھی معلوم کرتے ہیں۔

سردار کو اس قسم کے بحری جہازوں کے نقشے کا علم تھا اس نے کاریڈار میں جاتے ہی دائیں بائیں کیبن دیکھنے شروع کر دیئے۔ ایڈگر تو باورچی خانے میں تھا۔ الزبتھ نے غلطی کی تھی کہ اپنے کیبن کا دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ سردار آندھی کی طرح دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ اسے اپنے مقدس شکار کی اندر سے بُو آ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ الزبتھ پلنگ پر نیم دراز تھی۔ الزبتھ نے آدم خور سردار کو لیمپ کی دھیمی روشنی میں پہچان کر چیخ مار دی چیخ کی آواز پر ایڈگر باورچی خانے سے بھاگا۔ ماریا کیبن میں پہلی

اس وقت تک سردار الزبتھ کا منہ بند کر کے اس کو بغل میں دبوچ کر باہر گھسیٹ رہا تھا۔ پیرا سے معلوم ہو گیا تھا کہ اس جہاز پر زیادہ لوگ نہیں ہیں۔

جونہی وہ دروازے سے نکل کر راہ داری یعنی کاریڈار میں آیا ماریا نے اس کے آگے ٹانگ کر دی۔ سردار منہ کے بل گرا الزبتھ بھی اس کے ساتھ ہی گری۔ وہ حیران ہو کر اٹھا کہ اس کے آگے ٹانگ کس نے رکھ دی تھی۔ اندھیرے میں وہ کچھ نہ دیکھ سکا اتنے میں ایڈگر بھی وہاں آگیا۔ اس کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ اس نے بندوق سردار کی گردن پر رکھ کر کہا۔

"خبردار۔ یہیں رُک جاؤ۔"

ایڈگر ان وحشی لوگوں کی کچھ کچھ بولی جانتا تھا۔ سردار ایک بہادر وحشی تھا۔ وہ بندوق سے بالکل نہ گھبرایا۔ بلکہ اس نے چیتے کی طرح پلٹ کر ایڈگر کے ہاتھ سے بندوق اس طرح چھینی کہ ایڈگر آگے کی طرف فرش پر منہ کے بل گر پڑا۔ سردار اس کی کھوپڑی پر بندوق کا دستہ مارنے ہی والا تھا کہ ماریا نے پیچھے سے اس کی بندوق پکڑ کر زور سے کھینچی۔ سردار پیچھے کی طرف گرا اور بندوق ماریا کے ہاتھ میں جاتے ہی غائب ہو گئی۔

ایڈگر فرش پر سے اٹھا۔ الزبتھ بھی سردار کی گرفت سے نکل گئی۔ ماریا نے سردار کی گردن پر اس زور سے مکا مارا کہ وہ

بوکھلا گیا کہ یہ مکے کون برسا رہا ہے۔ اتنے میں ناگ بھی وہاں آگیا۔ وہ سانپ کی شکل میں تھا۔ آتے ہی اس نے شیر کی شکل اختیار کر لی اور زور سے دھاڑ مار کر سردار کی گردن پر اپنا پنجہ رکھ دیا۔ سردار فرش پر پڑے پڑے تھر تھر کانپنے لگا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ شیر کہاں سے آگیا ہے۔ اس نے سوچا شاید یہ لوگ شیر پکڑ کر لے جا رہے ہیں اور وہ کھل گیا ہے۔

ایڈگر نے جلدی سے سردار کے ہاتھ پیچھے باندھ ڈالے۔ ماریا ابھی چونکہ الزبتھ پر اپنا آپ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے وہ کچھ نہ بولی اور پرے کھڑی رہی کہ اگر سردار کوئی حرکت کرے تو وہ پھر حملہ کر دے۔ مگر شیر کی وجہ سے سردار کی جان ہوا ہو چکی تھی۔ ایڈگر [illegible] کو کیبن کے اندر دھکیل کر کیبن کا دروازہ بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا۔

ناگ پھر سے انسانی شکل میں آگیا۔ اس نے الزبتھ سے کہا۔

"تم ٹھیک ہو نا الزبتھ؟"

الزبتھ کا دم خشک ہو چکا تھا۔ سانس لیتے ہوئے بولی۔

"خدا نے مجھے بچا لیا۔ مگر یہ شیر۔۔۔"

ناگ نے کہا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ میرے پاس جادو ہے جس
کے زور سے میں جو چاہوں بن جاتا ہوں"
الزبتھ بولی۔
"اگر تم نہ آتے تو یہ شخص مجھے اغوا کر کے لے جا چکا تھا"
ایڈگر اور ناگ الزبتھ کو دوسرے کیبن میں لے گئے۔ انہوں نے
اسے اندر پلنگ پر آرام کرنے اور دروازہ اندر سے بند رکھنے کو کہا
اور باہر نکل آئے۔ ماریا باہر کھڑی تھی۔ ماریا بولی۔
"اوپر ان کے آدمی کھڑے ہیں"
ناگ نے کہا۔
"سمندر میں ان کی کشتی بھی ہے۔ میں چھ سات آدم خور حملہ کرنے
کے لئے سردار کے سگنل کا انتظار کر رہے ہیں"
ایڈگر بولا۔
"وہ سگنل تو اب انہیں میں دوں گا۔ ابھی ان سب کو بھون کر
رکھ دیتا ہوں"
"نہیں انکل ایڈگر اس کی ضرورت نہیں ہے" ناگ نے کہا
"پھر ان کو بھگانے کا کام میں کر لوں گی"
یہ کہہ کر ماریا اوپر چلی گئی۔ عرشے پہ آدم خور اپنے سردار کا انتظار
کر رہے تھے۔ ماریا ان کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ لوگ ماریا کو
نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ماریا نے آسمان کی طرف دیکھا۔ رات گہری ہو چکی

تھی اور آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے منہ کے آگے
ہاتھ رکھ کر ایک دردناک لمبی آواز بلند کی جیسے کوئی بھٹکی ہوئی
روح جنگل میں رات کو بین کر رہی ہو۔
آدم خوروں نے آواز سنی تو خوف زدہ ہو کر ایک دوسرے
کا منہ تکنے لگے۔ ماریا نے دوسری بار ان کے بالکل قریب جا کر
آواز پھر سے لگائی۔
"بد روح آگئی" ایک آدم خور نے چیخ کر کہا۔
اس کے ساتھ ہی ان سبھوں نے باری باری سمندر میں چھلانگیں
لگا دیں۔ ماریا زور سے ہنس پڑی۔ آدم خور تیرتے ہوئے کشتی پر
آگئے۔ کشتی میں بیٹھے آدم خوروں نے بھی رونے کی آواز سنی تھی۔
انہوں نے پوچھا۔
"کیا ہوا؟"
"بد روح آگئی ہے"
اتنا سننا تھا کہ سب آدم خور کشتی لے کر کنارے کی طرف
اٹھ دوڑے۔ ماریا انہیں ستاروں کی روشنی میں جزیرے
کی طرف جاتے دیکھتی رہی۔ جب کشتی رات کے اندھیرے میں
کھو گئی تو وہ نیچے آئی اور اس نے ناگ کو بتایا۔
"وہ لوگ بھاگ گئے ہیں"
اس کے بعد انہوں نے بے ہوش آدم خور کی نیم مرد

لاش کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ سمندر میں گرتے ہی اُسے
ہوش آگیا اور اس نے جزیرے کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔
اب جہاز پر صرف سردار رہ گیا تھا۔ سردار کیبن میں اکیلا
فرش پر بیٹھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر بندھے ہوئے
تھے۔ وہ وہاں سے فرار ہونے کی ترکیبوں پر غور کر رہا تھا۔

ایڈگر ناگ اور ماریا نے الزبتھ کو کیبن میں لے جا کر سُلا
دیا اور تسلی دی کہ سردار قید ہو چکا ہے اور اب وہ بے فکر
ہو کر سو جائے۔ رات زیادہ گزر گئی تھی۔ ماریا اور دوسرے
لوگ بھی اپنے اپنے کیبنوں میں جا کر آرام کرنے کو لیٹ گئے
جاتے جاتے ناگ نے سوراخ میں سے اندر دیکھا۔

سردار بندھے ہوئے ہاتھ پشت پر رکھے اونگھ رہا تھا
اصل میں سردار اونگھ نہیں رہا تھا بلکہ انتظار کر رہا تھا کہ
ان لوگوں کے قدموں کی آوازیں آنا بند ہوں، جہاز پر
خاموشی چھائے اور وہ وہاں سے فرار ہونے کی ترکیب پر
عمل کرے۔ جونہی چاروں طرف جہاز پر خاموشی ہوئی۔ آدم
خور سردار ہوشیار ہو گیا۔ آدم خور قبیلے کے سردار یونہی سردار
نہیں بنا دیئے جاتے تھے۔ انہیں سردار بننے کے لئے بڑے
سخت امتحانوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ جن میں ایک امتحان یہ بھی
ہوتا ہے کہ اگر وہ قید ہو جائیں تو وہ کیونکر فرار ہوں۔ انہیں

سو طریقوں سے باندھا جا ... ور وہ فرار ہو جانے میں
کامیاب ہو جاتے تھے۔

پس سردار نے اپنا کام شروع کر دیا۔
اس نے ہاتھ پیچھے رکھے ہی رکھے کچھ اس طرح سے
ہاتھ جلائے کہ رسی کی گرہ کھل گئی۔ چند سیکنڈ کے اندر
اندر وہ رسی کھول کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اب کیبن سے باہر نکلنا
تھا۔ اس نے اپنے حبشیوں ایسے گھنے بالوں میں لگا چھوٹا
سا چاقو باہر نکالا۔ اسے کیبن کے تالے میں گھمایا اور تالہ
کھل گیا۔ سردار دبے پاؤں کیبن سے باہر راہداری
میں نکل آیا۔

اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کا مقدس شکار کس جگہ
یدہ ہے مگر اس وقت وہ اپنی جان بچا کر بھاگنا چاہتا تھا۔
اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ دوسری رات آئے گا اور
اپنے مقدس شکار کو نکال کر لے جائے گا۔ وہ سیڑھیاں
چڑھ کر عرشے پر آیا۔ وہاں اس کے آدمیوں میں سے
کوئی بھی نہیں تھا۔ بڑا حیران ہوا کہ یہ لوگ کہاں چلے گئے
سمجھ گیا کہ ان کو بھی بھگا دیا گیا ہے۔ سمندر میں کشتی بھی نہیں
تھی۔ اس نے عرشے پر سے بانہیں پھیلا کر چھلانگ لگا دی
سمندر میں اس کے گرنے کی آواز کسی نے بھی نہ سنی کیونکہ

جہاز کے کیبن میں سبھی سو رہے تھے۔ سردار تیرتا ہوا جزیرے پر پہنچ گیا۔ دوسرے آدم خوروں نے اُسے بتایا کہ جہاز پر بدروح نے حملہ کر دیا تھا۔ سردار نے انہیں ڈانٹ کر کہا۔

"بکواس بند کرو۔"

پھر اس نے بتایا کہ جہاز پر ایک شیر بھی بند ہے اور یہ لوگ اُسے پکڑ کر کہیں لے جا رہے ہیں۔ بہرحال کل رات ہمیں حملہ کرنا ہوگا۔

"یہ کام میں خود کروں گا۔ دیوتاؤں کا مقدس شکار ہمیں ہر قیمت میں واپس لانا ہوگا۔"

•

آدم خور سردار

•

دوسرے دن آسمان پر کالے بادل چھا گئے۔ ناگ کا ارادہ تھا کہ جزیرے سے جس قدر جلدی ہو سکے [illegible] چاہیے۔ ماریا کا بھی یہی خیال تھا مگر ایڈگر نے سیاہ بادلوں اور ہوا کو دیکھ کر کہا کہ اس موسم میں سفر کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

"ہو سکتا ہے سمندر میں طوفان آ جائے اور ہم کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔ کیونکہ جہاز کا ریڈار سسٹم ابھی تک ٹھیک [illegible] کر رہا۔"

موسم واقعی خراب ہو رہا تھا۔ تیز ہوا بھی چلنے لگی ہلکے ہلکے گرج بھی شروع ہو گئے تھے۔ ناگ کہنے لگا۔

"تو پھر ہمیں بیکار نہیں بیٹھنا چاہیے اور راڈار کی مرمت ہی کر دینا چاہیے۔ عرشے کا جنگلہ بھی ایک طرف سے ٹوٹا ہے۔"

ایڈگر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کل تک اگر موسم ٹھیک ہو گیا تو ہم کل شام کو کسی وقت یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ ویسے ہمیں یہاں پر کوئی زیادہ خطرہ بھی نہیں ہے۔"

جہاز ہے تو ٹھیک ہے لیکن ہمیں چوکس رہنا ہوگا۔ کیونکہ ایک
برج سے ہم نے جزیرے کے آدم خوروں کا مقدس شکارا اٹھا کر
لے آئے ہیں۔"

"آخر وہ کیا کر لیں گے ناگ بھائی؟ ہمارے پاس اسلحہ بارود
بازیادہ ہے کہ ہم اس جزیرے کو فتح کر سکتے ہیں۔"

ناگ نے کہا

"ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ ہم صرف دو آدمی ہیں اور جزیرہ
معلوم کتنے آدم خوروں سے بھرا پڑا ہے۔"

ہر قسیمہ یا کہنے لگی۔

"ایڈگر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی کچھ ناشتہ کا بھی بندوبست
ہا؟"

"ہیں تو بھول ہی گیا۔ کیا الزبتھ بھی جاگ گئی ہے؟"

ہیں الزبتھ بھی بالوں کو سنوارتی ہوئی عرشے پر آگئی۔ اس
نے آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں کو دیکھا تو بولی۔

"موسم خراب ہونے لگا ہے انکل ایڈگر!"

"ہاں بیٹی! اسی لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ کل روانہ ہوں گے۔"

"نہیں نہیں انکل! میں اس جہنم سے نکل جانا چاہتی ہوں۔"

ناگ کہنے لگا۔

وہ تو ٹھیک ہے الزبتھ مگر خراب موسم میں سفر کرنا درست

نہیں ہوگا۔"

ماریا کچھ کہنے لگی تھی کہ اس خیال سے کہ الزبتھ کو ابھی اس کے
بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ الزبتھ کچھ ناامید سی ہو گئی۔

ایڈگر بولا۔

"آؤ میرے ساتھ باورچی خانے میں جا کر ناشتہ کرتے ہیں۔ آج
میں تمہیں خالص انگریزی کافی پلاؤں گا۔"

ایڈگر اور الزبتھ نیچے چلے گئے۔ وہاں ماریا اور ناگ رہ گئے۔

ماریا کہنے لگی۔

"عنبر کا ابھی تک کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ خدا جانے وہ کہاں ہے
اور کس حال میں ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"حال تو اس کا اچھا ہی ہوگا ویسے ہمیں پتہ چلنا چاہیئے کہ وہ
کہاں پر ہے۔ مجھے امید ہے کہ انگلستان میں الزبتھ اور ایڈگر کو چھوڑ
کر ہم یورپ میں ہی کسی جگہ ہمیں مل جائے۔"

ماریا نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"چلو پھر ناشتہ کرتے ہیں۔"

ناگ بولا۔

"تم کیبن میں ہی ٹھہرنا۔ میں تمہارا ناشتہ وہیں لے کر
آ جاؤں گا۔"

ماریا جھلا کر بولی۔

"یہ ایک الگ مصیبت ہے۔ آخر ہم کب تک الزبتھ سے اپنا راز چھپائیں گے؟"

"ابھی یہاں سے نکل چلیں تو اس کا تعارف تمہارے ساتھ کروا دیا جائے گا۔"

ماریا اپنے کیبن کی طرف چل دی۔ ناگ باورچی خانے میں آگیا اس نے ایک تھالی میں اپنا اور ماریا کا ناشتہ رکھا اور ماریا کے کیبن میں آگیا۔ الزبتھ نے اسے دو آدمیوں کا ناشتہ لے جاتے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے جب ناشتہ کر لیا تو کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے ایڈگر سے باتیں کرنے لگی۔ موسم زیادہ گہرا ہو گیا۔ بادل جھک آئے تھے۔ الزبتھ اوپر عرشے پر آگئی تو اس نے دیکھا کہ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے اور عرشے کا فرش گیلا ہو رہا ہے۔

وہ نیچے سیڑھیاں اترنے لگی۔ راہداری میں ایک کیبن کے قریب سے گزر رہی تھی کہ کیبن کا دروازہ اچانک کھلا اور ماریا کسی کام سے باہر نکلی۔ اس وقت الزبتھ سامنے تھی۔ دونوں کی ٹکر ہو گئی۔ الزبتھ کے منہ سے نکل گیا۔

"معاف کیجیے!"

مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ کچھ ڈر گئی۔ ماریا کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا

تھا۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی وہ ایک طرف کھڑی ہو کر الزبتھ کو تکنے لگی۔ الزبتھ کچھ حیران سی تھی۔ پھر اس نے کیبن میں جھانک کر دیکھا۔ ناگ اس کی طرف پیٹھ کیے کرسی پر بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ جو حادثہ ہوا تھا اس کو اس کا علم نہیں تھا۔ الزبتھ نے اندر آ کر کہا۔

"ناگ! کیا تم بھوتوں پر یقین رکھتے ہو؟"

ناگ نے چونک کر الزبتھ کو دیکھا۔

"آؤ بیٹھو الزبتھ۔ کیوں خیریت تو ہے؟ آج تمہیں بھوتوں کا خیال کیوں آنے لگا؟"

پھر الزبتھ نے بتایا کہ ابھی ابھی اس کے جسم سے کوئی ہوائی انسان کا جسم ٹکرا گیا ہے۔

ناگ سمجھ گیا کہ ہوائی انسان کون تھا۔ ہنس کر بولا۔

"بھلا ہوائی انسان یہاں کہاں سے آگیا۔ میرا خیال ہے تمہیں وہم ہوا ہے۔"

"نہیں۔ میں نے اپنے جسم کے ساتھ ایک جسم کو ٹکراتے خود محسوس کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ کسی عورت کا جسم ہے۔"

ناگ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ ضرور اس بحری جہاز کے سابق کپتان کی بیوی کی روح ہو گی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں نے سن رکھا ہے کہ اس جہاز کا جو پہلا کپتان تھا اس کی ایک بیوی تھی۔ بڑی سلیقہ مند اور بڑی خوبصورت ایک روز وہ عرشے پر کھڑی سمندر کی سیر دیکھ رہی تھی کہ اچانک جہاز کو ایک دھچکا لگا اور وہ اچھل کر سمندر میں گر پڑی۔ کسی کو خبر نہ ہوئی اور وہ بے چاری ڈوب گئی۔ کہتے ہیں کئی دنوں تک وہ اس جہاز کے عرشے پر کھڑی ملاحوں کو دکھائی دیتی رہی۔ پھر لوگوں نے کہا کہ اس کی روح جہاز میں رات کو گشت لگایا کرتی ہے۔"

الزبتھ ڈر گئی۔

"میرے خدا! میں تو رات کو اب اکیلے کیبن میں نہیں سو سکوں گی۔ کیا خبر یہ روح مجھے تنگ کرنے پھر آجائے۔"

ناگ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ روح کسی کو تنگ نہیں کرتی۔ بس جہاز میں گھومتی پھرتی رہتی ہے۔"

بات آئی گئی ہو گئی۔ مگر ماریا نے دوپہر کے کھانے کے بعد ناگ سے کہہ دیا کہ الزبتھ پر یہ راز کھول دیا جائے کہ وہ ماریا تھی جس کا غائب جسم اس کے ساتھ ٹکرا گیا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اس طرح سے وہ زیادہ ڈرنے لگے گی۔ بہر حال میں ایڈگر انکل سے مشورہ کروں گا۔ اگر اس نے بھی یہی مشورہ دیا تو آج رات کھانے پر تم دونوں کا تعارف کروا دیا جائے گا۔"

رات کا کھانا باورچی خانے میں ہی لگایا گیا۔ ایڈگر نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا کہ ماریا کا راز الزبتھ پر ظاہر کر دیا جائے۔ بات ناگ نے شروع کی اور ادھر ادھر کی جادوگری کی باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"الزبتھ یہ تو تم جانتی ہی ہو کہ مجھے جادو آتا ہے اور میں جادو کے زور سے کوئی بھی شکل بدل سکتا ہوں۔"

"ہاں یہ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ تم سانپ بنے اور پھر شیر بن گئے۔"

ناگ نے کہا۔

"تو اب میں تم سے یہ کہنے والا تھا کہ میری ایک بہن بھی ہے۔"

"بہن! بڑی خوشی کی بات ہے۔ مگر وہ کہاں ہے؟"

"اسی جہاز میں۔"

"اسی جہاز میں!" الزبتھ نے تعجب سے پوچھا۔ "تم نے آج تک مجھے اس سے ملایا کیوں نہیں۔ کہاں ہے وہ! میں نے تو

اسے جہاز میں کہیں نہیں دیکھا۔ انکل ایڈگر نے بھی کبھی اس کے بارے میں بات نہیں کی"

ناگ مسکرایا اور کہنے لگا۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ میری یہ بہن جو ہے نا اور جس کا نام ماریا ہے اس پر ایک ایسا جادو کر دیا گیا ہے کہ وہ غائب ہو گئی ہے۔ مطلب یہ کہ وہ تو سب کو دیکھ سکتی ہے مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا"

الزبتھ کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ وہ ٹکٹکی باندھے ناگ کو تک رہی تھی۔

"جادو سے غائب ہے؟ مگر تم تو جادوگر ہو۔ کیا تم اس کے جادو کا توڑ نہیں کر سکتے؟"

"قصہ یہ ہے کہ ماریا پر افریقہ کے ایک بہت بڑے جادوگر نے جادو کر رکھا ہے۔ اس کا علاج اب ایک ہی ہے کہ ایک سال تک میں اس پر منتر پڑھ کر پھونکتا رہوں تو وہ پھر سے انسان کی شکل میں نظر آنے لگے گی۔ اور ابھی صرف دو مہینے گزرے ہیں۔ گویا ابھی ماریا کے نظر آنے میں آٹھ مہینے باقی ہیں"

"کہاں ہے وہ؟" الزبتھ نے پوچھا۔

ایڈگر کہنے لگا۔

"صبح کیبن کے سامنے تم جس عورت سے ٹکرا گئی تھیں

وہ ماریا ہی تھی"

الزبتھ اچھل پڑی۔

"کیا سچ ہے یہ؟ تو کیا وہ بھوت نہیں تھا؟ بحری جہاز کے کپتان کی بیوی کی روح نہیں تھی؟"

"ہرگز نہیں" ناگ نے جھٹ کہا۔ "وہ تو میں نے یونہی تمہاری دل لگی کے لئے یا یہ کہ تم سے یہ راز چھپانے کے لئے ایک کہانی بنائی تھی۔ میں تمہیں آرام سے یہ راز بتانا چاہتا تھا"

پھر ناگ نے ماریا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ماریا بہن! الزبتھ سے ملو"

اب ماریا نے ہنستے ہوئے میٹھے لہجے میں کہا۔

"کیا حال ہے بہن الزبتھ؟"

الزبتھ نے ماریا کی آواز سنی تو ایکدم سے چونک پڑی۔ یہ شیریں آواز اس بائیں جانب والی خالی کرسی سے آئی تھی۔ الزبتھ نے ڈرتے ڈرتے خالی کرسی کی طرف دیکھا اور پھر کھلی کھلی آنکھوں سے کبھی ناگ اور کبھی ایڈگر کی طرف تکنے لگی ایڈگر نے مسکراتے ہوئے اپنی گنجی کھوپڑی کو سہلایا اور بولا۔

"ہاں ہاں بیٹی! اسی کرسی پر ہماری ماریا بیٹھی ہے"

ناگ نے کہا۔

"ماریا! الزبتھ سے ہاتھ نہیں ملاؤ گی؟"

الزبتھ نے اچانک محسوس کیا کہ کسی نے اس کا ہاتھ اپنے نرم نرم زنانہ ہاتھ میں تھام لیا ہے۔ الزبتھ ڈر کر پرے ہٹ گئی۔ ماریا بولی۔

"ڈرو نہیں الزبتھ! میں ماریا ہوں۔ ناگ کی اور تمہاری بہن اس کم بخت افریقہ کے جادوگر کی وجہ سے میں غائب ہوں اور کسی کو نظر نہیں آ رہی۔ ناگ بھیا مجھ پر منتر پھونک رہا ہے میں اسی سال کے آخر میں پھر سے نظر آنے لگوں گی۔"

ان باتوں سے الزبتھ کی کچھ تسلی ہو گئی تھی۔ وہ ذرا سا مسکرائی اور اس نے اپنا ہاتھ خالی کرسی کی طرف بڑھایا تو اس کا ہاتھ ماریا کے جسم سے ٹکرا گیا۔ اسے بڑا عجیب لگا کہ وہ ایک ایسی عورت کے جسم کو چھو رہی ہے جو اسے نہیں دکھائی دے رہی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے پہلا اور انوکھا تجربہ تھا۔ اس نے ماریا کے سر پر ہاتھ پھیر کر اس کے لمبے ریشمی بالوں کو چھوا۔ پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

"میں کبھی کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی۔"

ناگ ہنس دیا۔

"دیکھی تو تم نے اب بھی نہیں۔"

الزبتھ نے کہا۔

میرا مطلب ہے کہ کبھی آج تک ایسی عورت سے واسطہ نہیں

پڑا جو نظر نہ آ رہی ہو مگر میرے پاس زندہ بیٹھی سانس لے رہی ہو اور میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر دبا رہی ہو۔"

ماریا اور ایڈگر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ ناگ نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس راز پر سے بڑے سکون کے ساتھ اور خیریت کے ساتھ پردہ اٹھ گیا۔ نہیں تو ہمارا خیال تھا پتہ نہیں الزبتھ پر اس کا کیا اثر ہو۔"

الزبتھ کہنے لگی۔

"تم لوگوں نے کچھ اس طریقے سے یہ راز مجھ پر افشا کیا ہے کہ مجھے کچھ زیادہ عجیب سا نہیں لگا۔"

ایڈگر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں کھانا شروع کر دینا چاہیئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ماریا کے ساتھ یہ کھانا بھی غائب ہو جائے۔"

سب ہنس پڑے اور پھر کھانا کھانے لگے۔

رات کو کھانے کے بعد ماریا اور الزبتھ ایک کیبن میں جا کر اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئیں اور باتیں کرنے لگیں۔ الزبتھ بڑی خوش تھی کہ اسے جہاز پر ایک سہیلی مل گئی تھی۔ دوسرے کیبن میں ناگ آرام کر رہا تھا اور ایڈگر ابھی باورچی خانے میں ہی تھا اور راڈار کا ایک پرزہ لا کر اس کی مرمت کر رہا تھا۔

جزیرے پر رات گہری ہو چکی تھی۔ بادل سمندر پر جھکے ہوئے

تھے اور بارش برابر ہو رہی تھی۔ ہوا اتنی تیز نہیں تھی کہ سمندر میں
طوفان کا خطرہ ہوتا۔ جب رات آدھی گزر گئی اور جہاز میں الزبتھ
ماریا، ناگ اور ایڈگر سو گئے تو جزیرے کے ساحل سے ایک کشتی
جہاز کی طرف روانہ ہوئی۔ اس میں آدم خور سردار اور اس کا
ایک وفادار ساتھی سوار تھے۔ ان کے پاس صرف خنجر تھے اور
سردار نے ایک مٹی کے آب خورے میں کسی جڑی بوٹی کا تیز
عرق ڈال رکھا تھا۔ اس عرق کی بو اس قدر تیز تھی کہ اگر کسی
انسان کو سنگھا دی جائے تو وہ فوراً بے ہوش ہو جاتا تھا۔

کشتی بادلوں والی اندھیری رات میں سمندر میں خاموشی سے
جہاز کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ جہاز پر کہیں بھی روشنی نہیں تھی۔
اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سردار کشتی کو جہاز کے عقبی جانب
لے گیا جہاں جہاز کا لنگر سمندر میں گرا ہوا تھا۔ کشتی بڑے
آرام سے لنگر کے پاس لے جا کر رسّی کی مدد سے باندھ دی
گئی۔ سردار نے اشارے سے اپنے ساتھی کو بتایا کہ وہ اوپر
جا رہا ہے۔ اس نے اپنے جسم پر سیاہ رنگ کا کوئی پینٹ
کر رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ اندھیرے میں بالکل ہی نظر
نہیں آ رہا تھا۔

جہاز کے نشیب و فراز سے سردار واقف ہو چکا تھا۔ وہ
ایک بار بندر کی طرح لنگر کی آہنی زنجیر سے لٹکتا ہوا اوپر جہاز

ے رسّے پر چڑھ گیا۔ مٹی کا آبخورہ اس کے گلے میں لٹک
ا تھا۔ عرشے پر جا کر اس نے جنگلے کے ساتھ ساتھ کھسکتے
ئے آگے چلنا شروع کر دیا۔ سیڑھیوں کا دروازہ اس
ے بالکل سامنے تھا۔ اسے معلوم تھا کہ دروازہ بند ہو گا۔ اس
ال سے کہ شاید دروازہ کھلا ہو اس نے قریب جا کر اُسے
ہستہ سے اندر کی طرف دبایا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ سردار
پاس سوچنے کے لئے وقت نہیں تھا۔ وہ سب کچھ پہلے ہی سوچ
ر آیا ہے۔ اس نے کمر کے گرد لپٹی ہوئی رسّی کھولی۔ اسے
دان کے ساتھ کس کر باندھا پھر اس رسّی کی مدد سے
دان میں داخل ہو کر لٹک گیا اور بڑی آہستگی کے ساتھ
ے اترنے لگا۔

یہ ایک بہت بڑا خطرہ تھا۔ لیکن مقدس دیوتاؤں کے شکار
واپس لانے کے لئے اسے سب کچھ کرنا ہی تھا خواہ اس
سردار کی جان ہی کیوں نہ چلی جاتی۔ وہ آہستہ آہستہ ہوادان
اندھیرے میں نیچے اترتا گودام کے اندر پہنچ گیا۔ یہاں تاریکی تھی
لک کے پاؤں فرش کے ساتھ لگ گئے۔ رسّی کو وہیں لٹکتے چھوڑ
سردار احتیاط سے قدم اٹھاتا گودام سے نکل کر راہداری میں
یا۔ یہاں ایک دھیما سا لیمپ جل رہا تھا۔ اس نے ایک کیبن
ے باہر ٹھہرے ہو کر کچھ سونگھنے کی کوشش کی۔ اندر سے دو خراٹوں

کی بُو آ رہی تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ اندر الزبتھ کے علاوہ کوئی دوسرا
عورت بھی سو رہی ہے۔

بدقسمتی دیکھیے کہ رات کو ماریا اور الزبتھ باتوں میں ا
محو ہو گئیں کہ انہیں کیبن کے دروازے کو کنڈی لگانا یا
نہ رہا۔ آدم خور سردار نے آہستہ سے دروازے کو دبایا
وہ اندر کی طرف کھل گیا۔ سردار کی خوشی سے باچھیں کھ
گئیں۔ اس نے اندر داخل ہو کر دیکھا۔ اندھیرے میں ا
کی آنکھوں نے الزبتھ کو ایک پلنگ پر سوتے ہوئے دیکھ
تھا۔ اس نے دبے پاؤں اس کے قریب جا کر فرش پر آ
رکھ دیا اور اس کے منہ پر سے ڈھکن کھول دیا۔ پاس
ایک پلنگ خالی تھا۔ یہ سردار کو خالی نظر آ رہا تھا حقیقت
اس پر ماریا گہری نیند سو رہی تھی۔ آبخورے کا ڈھکن کھ
ہی اس میں سے بڑی ہی تیز بُو کیبن کی فضا میں شامل ہو
گئی۔ اس کی بُو نے بہت جلد الزبتھ اور اس کے ساتھ ہی
ماریا کو بھی بے ہوش کر دیا۔ پانچ منٹ کے بعد آدم خور س
اندر آیا۔ اس نے الزبتھ کو ہلا جلا کر دیکھا۔ وہ مکمل طور
بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ والے پلنگ پر ما
بھی بے ہوش ہو گئی تھی۔

سردار نے آبخورے کے منہ پر ڈھکن لگا کر ا

ے اپنے گلے میں لٹکایا۔ الزبتھ کو ایک کھلونے کی طرح
را اپنے کندھے پر رکھا اور کیبن میں سے نکل کر راہداری
زرتا دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھ کر دروازے کے پاس
دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس نے بڑی آہستگی کے ساتھ
ے کی کنڈی اتار دی۔ دروازہ کھولا اور باہر عرشے

پھر اس نے ہوا دان میں سے رسّی اوپر کھینچ لی اور
میں جا کر کسی جانور کی ہلکی سی آواز نکالی۔ کشتی میں سوار
ور نے بھی جواب میں اس قسم کی سیٹی کی آواز منہ سے نکالی
ار نے الزبتھ کی کمر کے گرد رسی باندھ کر اسے نیچے لٹکا
سردار کا ساتھی کشتی کو جہاز کی دیوار کے بالکل ساتھ لے
بے ہوش الزبتھ کو کشتی میں ڈال کر رسی کھول دی گئی۔ سردار
طرح لنگر کی زنجیر کو پکڑ کر نیچے کشتی میں اتر آیا۔
اپنی فتح پر وہ پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اس کے خیال میں مقدس
نے اس کی مدد کی تھی اس لیے وہ مقدس شکار کو واپس لانے
اسیاب ہو گیا تھا۔ دونوں نے چپو سنبھال لیے اور بڑی تیز رفتاری
ساتھ کشتی کو ساحل کی طرف کھینے لگے۔ یہ جنگلی آدم خور بڑے
ست ملاح ہوتے ہیں۔ آن کی آن میں کشتی ساحل کے ساتھ
انہوں نے کشتی کھینچ کر جھاڑیوں میں چھپائی اور بے ہوش

دیکھا تو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ اس بارش میں کوئی بھی عرشے
پر سیر کر کے اپنے کپڑے نہیں بھگو سکتا۔ پھر بھی اس نے ماریا
کو آواز دی کہ شاید وہ برساتی اوڑھے جنگلے سے لگ کر کھڑی ہو
ماریا کو تین مرتبہ پکارا مگر کوئی جواب نہ آیا۔

اب ایڈگر کو کچھ تشویش ہوئی پھر خیال آیا کہ شاید رات کو ناگ
اندر سے دروازہ بند کرنا بھول گیا ہے۔ اس کی طبیعت بہرحال
کچھ بے چین سی ہو گئی۔ وہ سیڑھیاں اتر کر ناگ کے کیبن میں آ گیا
اسے جگایا اور پوچھا کہ وہ رات سیڑھیوں والا دروازہ بند کرنا
بھول گیا تھا؟ ناگ نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"دروازے کی کنڈی تو میں نے خود لگائی تھی۔"

"تو پھر وہ کس نے کھول دیا؟"

"کیا دروازہ کھلا تھا؟"

"ہاں۔"

ناگ جلدی سے بستر چھوڑ کر اٹھ بیٹھا۔

"جلدی سے الزبتھ کا پتہ کرو۔"

اب ایڈگر بھی پریشان ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی انہیں معلوم
ہو گیا کہ الزبتھ اپنے بستر پر نہیں ہے۔ انہوں نے ماریا کو آوازیں دیں
وہ بھی خاموش تھی۔ ناگ نے اس کے پلنگ کو ٹٹول کر دیکھا ماریا
موجود تھی۔ مگر بے ہوش تھی۔ کیبن میں ایک ناگوار سی بو پھیلی ہوئی

بلکہ اگر ہو سکا تو اسے کسی نہ کسی طرح ان آدم خوروں کی قید
سے چھڑا بھی لاؤں گا۔"

آخر اسی رائے پر اتفاق کیا گیا کہ ناگ جزیرے پر جائے گا او
الزبتھ کو بچا کر کے لائے گا۔ ناگ نے جلدی جلدی تھوڑا بہت
ناشتہ کیا۔ کافی کی ایک پیالی حلق میں انڈیلی اور گرتی بارش میں
عرشے پر آ کر ایک گہرا سانس لیا اور باز کی شکل اختیار کر کے ہوا
میں بلند ہوا اور جزیرے کی طرف پرواز کر گیا۔ بارش میں اگرچہ
اسے اڑنے میں تھوڑی سی دقت ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس کے پر گیلے
ہو رہے تھے۔ لیکن چونکہ جزیرہ زیادہ دور نہیں تھا اس لئے وہ
بہت جلد جنگل میں جا کر ایک درخت پر اتر کر اس کی شاخ پر بیٹھ
گیا۔ اس نے جنگل کا جائزہ لیا۔ وہ آدم خوروں کے ٹھکانے سے ا
کچھ دور تھا۔ وہ پر پھیلا کر اڑا اور اڑتے اڑتے اس جگہ آ گیا جہا
نیچے آدم خوروں کے جھونپڑے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک بات
سے اس کی تسلی ہو گئی کہ قربانی کی تیاریاں نہیں ہو رہی تھیں۔ گو
الزبتھ جہاں بھی تھی ابھی زندہ تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ کس شکل میں
آدم خوروں کے جھونپڑے میں اترے کہ آرام سے الزبتھ کو تلا
کر سکے۔ اگر وہ سانپ بن کر جاتا ہے تو کسی نے دیکھ لیا تو اُسے
ہلاک کرنے کی کوشش کرے گا۔ باز کی شکل میں وہ جھونپڑوں کے
اندر نہیں جا سکتا تھا۔ ویسے بھی یہ لوگ باز کو دیکھ تیروں سے ا

تھی۔ بڑی مشکل کے ساتھ ماریا کو ہوش میں لایا گیا۔ وہ کچھ نہ بتا سکی
کہ وہ کب اور کس طرح سے بے ہوش ہوئی۔ اصل میں وہ تو سوتے
میں ہی بے ہوش کر دی گئی تھی۔ الزبتھ کی گمشدگی کا سن کر وہ
بھی پریشان ہو گئی۔

"ظاہر ہے جزیرے کے آدم خور رات کو آکر اسے اٹھا کے
لے گئے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔

"کمال کی بات یہ ہے کہ تم لوگ بھی اپنے کیبن کا تالہ اندر
سے لگانا بھول گئے۔"

ماریا نے کہا۔

"بدقسمتی ہو گئی ناگ بھیا! رات ہم باتوں میں اس قدر کھو
گئے کہ مجھے نیند نے جکڑ لیا اور ہم تالہ لگانا بھول گئے۔"

"سوال یہ ہے کہ وہ لوگ کدھر سے اندر آئے کہ انہوں نے
اندر آکر سیڑھیوں کا دروازہ کھول دیا۔"

ناگ بولا۔

"وہ ہوادان کے ذریعے نیچے گودام میں اترے ہوں گے اور
پھر الزبتھ کے کیبن میں آگر کوئی ایسی دوائی انہوں نے وہاں چھڑکی
جس سے الزبتھ کے ساتھ ماریا بھی بے ہوش ہو گئی اور وہ
اُسے اٹھا کر لے گئے۔"

ایڈگر نے کہا۔

"ان کے پاس بے ہوش کرنے والی دوا کہاں سے آگئی؟"

"ان کے پاس ایسی ایسی جڑی بوٹیاں ہوتی ہیں کہ اگر زخم پر
لگا دیں تو اسی وقت زخم مل جائے اور پھر ان جزیروں میں ایسی
جڑی بوٹیاں تو عام مل جاتی ہیں کہ جن کے عرق میں سے اس قدر
تیز بُو نکلتی ہے کہ اگر انسان کچھ دیر اسے سونگھتا رہے تو بے
ہوش ہو جاتا ہے۔"

"الزبتھ کو بھی اس قسم کی کسی بوٹی کا عرق سنگھایا گیا ہوگا۔"

ماریا بولی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اب الزبتھ کو واپس لانے کی ترکیب
پر بھی غور کرنا چاہیئے۔ کیونکہ آدم خور تو اب اُسے زندہ نہیں
چھوڑیں گے۔"

ناگ کہنے لگا۔

"الزبتھ نے مجھے بتایا تھا کہ اسے دیوتا کے تہوار کے دن قربان
کیا جائے گا اور تہوار میں ابھی چار روز باقی ہیں۔ کیونکہ یہ تہوار
چاند کی پہلی تاریخ کو ہوتا ہے جب چاند کی باریک بالی آسمان پر
شام کے وقت نکلتی ہے اور ابھی چاند نکلنے میں چار دن رہتے ہیں
اس طرح سے ہمارے پاس وقت ہے۔"

ایڈگر کہنے لگا۔

النزہتھ کو اٹھا کر جنگل کے اندر لے گئے۔

اسی وقت وہاں سب کو معلوم ہو گیا کہ سردار مقدس شکار کو واپس لے آیا ہے۔ آدم خوروں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ دیوتا ان پر خوش تھے۔ وہ دیوتاؤں کے غصے اور انتقام سے بچ گئے تھے۔ النزہتھ کو اس بار جزیرے میں آدم خوروں کے جھونپڑوں کے درمیان ایک گڑھے کے اندر کھدے ہوئے تہہ خانے میں بند کر دیا گیا۔ یہ تہہ خانہ ایک قبر کے اندر بنی ہوئی لحد کی طرح تھا۔ اندر اتنی جگہ تھی کہ ایک انسان بیٹھ سکتا تھا۔ وہ کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اندر پانی کا گھڑا اور کچھ پھل رکھ کر لحد کے منہ پر لکڑی کا جنگلا چڑھا دیا گیا۔ یہ جنگلا اس قدر مضبوط تھا کہ اگر شیر بھی اس پر پنجے مارے تو نہیں ٹوٹ سکتا تھا۔

رات گزری تو بادلوں کی گرج سے سب سے پہلے انکل ایڈگر کی آنکھ کھلی۔ اس نے جماہی لے کر انگیٹھی جلائی اس پر پانی گرم کرنے کے لئے کیتلی رکھی۔ پھر موسم کی خبر لینے اور ذرا کھلی تازہ ہوا لینے کے لئے کاریڈار میں سے گزرتا سیڑھیاں چڑھ کر عرشے کے دروازے کے پاس آیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کنڈی کھولنے کی کوشش کی تو دیکھا کہ دروازے کی زنجیر اتری ہوئی تھی۔ حیران ہوا کہ دروازہ اندر سے کس نے کھول دیا۔ سوچا شاید ماریا وغیرہ عرشے پر تازہ ہوا میں سیر کر رہی ہو۔ عرشے پر آگر

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہمیں سستی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آدم خور النزہتھ کے پھر سے اغوا یا فرار ہو جانے کے ڈر سے اُسے کہیں دور دراز علاقے میں، میرا مطلب ہے جزیرے کے کسی ایسے حصے میں اندر کی طرف لے جائیں کہ ہمیں اس کا سراغ تک نہ مل سکے۔ اس لئے ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کرنا چاہیئے۔"
ماریا نے کہا۔

"میرے خیال میں ہمیں سستی نہیں کرنی چاہیئے۔ کوئی پتہ نہیں یہ آدم خور النزہتھ کو اتنی مہلت نہ دیں۔ ہمیں اس کی زندگی بچانے کے لئے فوراً حرکت میں آجانا چاہیئے۔ اگر آپ لوگ تیار نہیں ہیں تو میں جا کر النزہتھ کو واپس لانے کی کوشش کرتی ہوں۔"
ناگ نے کہا۔

"تمہارا جانا بے کار ہو گا۔ کیونکہ تم النزہتھ کو تو غائب کر نہیں سکو گی۔ ہاں کچھ آدم خوروں کو ہلاک ضرور کر دو گی۔ مگر اس طرح سے ہمارا مقصد حل نہیں ہو گا وہ تو النزہتھ کو پھر بھی مار ڈالیں گے۔"
ایڈگر نے کہا۔

"تو پھر کیا ارادہ ہے؟ کیا النزہتھ کو ہم بھول جائیں؟"
ناگ کہنے لگا۔

"یہ ہم نے کب فیصلہ کیا ہے؟ میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ اسی جہاز میں ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں اور النزہتھ کی خبر لاتا ہوں۔

کا شکار کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ باز کے پر یہ لوگ اپنے سروں پر بڑے شوق سے باندھتے ہیں۔

بلکہ ابھی وہ درختوں کے اوپر اڑ ہی رہا تھا کہ ایک آدم خور کی اس پر نظر پڑ گئی اور اس نے تیر چلا دیا۔ کم بخت غضب کے نشانہ باز تھے یہ لوگ۔ زہر آلود تیر ناگ کے بالکل قریب سے ہو کر آسمان کی طرف نکل گیا۔ ناگ بڑی تیزی سے غوطہ کھا کر دوسری طرف نکل گیا۔ پھر وہ ایک گنجان درخت میں اُتر آیا اور سوچنے لگا کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ سوچتے سوچتے اُسے ایک خیال آ گیا۔

کیوں نہ وہ ایک آدم خور کا روپ دھار لے؟ لیکن اس میں ایک مصیبت تھی کہ آدم خور اُسے پہچان جائیں گے کہ یہ کوئی باہر کے قبیلے سے آیا ہے اور یوں اس کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ کیونکہ سارے آدم خور ایک دوسرے کی شکلوں سے واقف تھے۔ اپنے درمیان ایک اجنبی کو دیکھ کر وہ شک میں پڑ سکتے تھے اور اس پر حملہ کر سکتے تھے۔ پھر کیا کرنا چاہیئے سوچتے سوچتے ناگ نے آخر میں یہی فیصلہ کیا کہ اُسے ایک چھوٹا سا پرندہ بن کر نیچے جانا چاہیئے۔ پس وہ ایک چھوٹی سی زرد رنگ کی افریقی چڑیا بن گیا۔ اس قسم کی چڑیاں ان علاقوں میں بہت ہوتی ہیں۔ ناگ چڑیا بن کر آدم خوروں کی جھونپڑیوں کے پاس

ایک بانس پر آ کر بیٹھ گیا اور چونچ جھکا کر ان لوگوں کی حرکتوں کا جائزہ لینے لگا۔

اتنے میں اس نے دیکھا کہ ایک آدم خور ایک پیالہ لئے ایک طرف جا رہا ہے۔ ناگ اس کے ساتھ ساتھ اڑنے لگا آدم خور درختوں کے درمیان ایک گڑھے میں اُتر گیا۔ ناگ گڑھے کے کنارے آ کر بیٹھ گیا۔ یہی وہ گڑھا تھا جس کے اندر والی کھوہ میں الزبتھ قید تھی۔

•

ناگ نے الزبتھ کو کس طرح آدم خوروں سے بچایا؟
عنبر تانبے کی آسمانی مخلوق کے سیارے سے کیسے واپس آیا؟
کیا ماریا اور عنبر دوبارہ مل سکے؟
ان سوالوں کا جواب آپ کو اسی ناول کی اگلی قسط میں ملے گا۔

•

بچّوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر پانچ ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا "عنبر! تم کبھی نہیں مروگے"۔ عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ رُوحوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو اہرام مصر کے ایک تہہ خانے کی قبر سے اُسے ملتی ہے۔ وہ جادُو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوف ناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مرجاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— پچاس قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پُورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

ادبی مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور

آپ کے محبوب مصنف مظہر کلیم ایم۔ اے عمران سیریز کا
ایک اور شاہکار ناول پیش کرتے ہیں

بے جرم مُجرم

ایسے مجرم جن کا جُرم یہی تھا کہ انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا
دنیا کے تیرہ ملکوں کے سیکرٹ ایجنٹ بے جرم مجرم کیخلاف
میدانِ عمل میں آگئے ——— کیوں ——— ؟
عمران خود ان مجرموں کا دشمن ہوگیا۔ صرف اس لئے کہ انہوں
نے جرم کیوں نہیں کیا تھا۔
منفرد پلاٹ، انوکھی کہانی، آفسٹ طباعت و کتابت۔ شائع ہوگئی ہے

ناشران
یوسف برادرز پبلشرز بُکسیلرز پاک گیٹ ملتان

افریقہ کے گھنے جنگلات میں مکمل ہونے والا دلچسپ اور ہنگامہ خیز ایڈونچر

—— عمران سیریز میں ایک یادگار اضافہ ——

بلیک فیس

مصنف —— مظہر کلیم ایم اے

بلیک فیس —— یہودیوں کی خفیہ بین الاقوامی تنظیم —— جس نے پُراسرار طور پر پاکیشیا میں اہم مشن مکمل کرنا چاہا —— لیکن —— ؟

بلیک فیس —— جس کا ہیڈ کوارٹر افریقہ کے انتہائی گھنے اور خوفناک جنگلوں میں تھا —— جہاں وحشی قبائل اور خونخوار درندوں کی کثرت تھی۔

بلیک فیس —— جس کے خلاف کارروائی کے لئے عمران اور اس کے ساتھیوں کو خونخوار اور وحشی قبائلیوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔

بلیک فیس —— جس کے ہیڈ کوارٹر کے نیچے دنیا کے انتہائی خوفناک کاسمک میزائلوں کی لیبارٹری تھی —— لیکن عمران نے ہیڈ کوارٹر اور لیبارٹری کی تباہی کے لئے کام کرنے سے انکار کر دیا —— کیوں —— ؟

انتھونی —— بلیک فیس کا ایک ایسا ایجنٹ —— جو ذہانت

عمران سیریز میں انتہائی دلچسپ اور یادگار ایڈونچر کہانی

مکمل ناول

ڈیزرٹ کمانڈوز

مصنف — مظہر کلیم ایم اے

ڈیزرٹ کمانڈوز خوفناک صحرا میں موجود یہودیوں کی اہم ترین لیبارٹری کے محافظ۔

ڈیزرٹ کمانڈوز جنہیں خاص طور پر علی عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کے خاتمے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

کرنل ابا کر ڈیزرٹ کمانڈوز کا چیف۔ جو چاہتا تھا کہ ایک بار عمران اپنے ساتھیوں سمیت اس کے مقابل آجائے اور جب اس کی خواہش پوری ہوئی تو؟

ڈاکٹر درانی پاکیشیا کا قابل فخر سائنسدان جسے یہودیوں نے اغوا کر کے صحرا میں موجود اپنی لیبارٹری میں پہنچا دیا۔ کیوں ——؟

ڈیتھ آف فیوچر ایک ایسا خوفناک ہتھیار جو اس لیبارٹری میں تیار کیا جا رہا تھا اور جب عمران اپنے ساتھیوں سمیت اس لیبارٹری کو تباہ کرنے نکلا تو؟

- وہ لمحہ جب عمران اپنے ساتھیوں سمیت طوفانی صحرا میں اس طرح پھنس گیا کہ زندگی بچانا ناممکن ہو گیا ——؟
- وہ لمحہ جب عمران اور اس کے ساتھیوں کے سروں پر کرنل ابا کر قہر بن کر ٹوٹ پڑا۔
- ڈیزرٹ کمانڈوز اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے درمیان ہونے والی ایک ایسی جنگ کہ ریت کے ذرے بھی خوف سے اپنی چمک کھو بیٹھے۔

عمران سیریز میں انتہائی دلچسپ اور ہنگامہ خیز ایڈونچر

ڈبل مشن

مصنف — مظہر کلیم ایم اے

- ایک ایسا مشن — جسے دو بار پورا کیا گیا — کیسے — ؟ کیا پہلی بار مشن مکمل نہ ہوا تھا — یا — ؟
- ایک ایسا مشن — جس میں پہلی بار شاگل نے پاکیشیا آکر فیلڈ میں کام کیا — انتہائی حیرت انگیز سچوئشن۔
- ایک ایسا مشن — جس میں شاگل نے پاکیشیا میں علی الاعلان اپنا مشن مکمل کر لیا لیکن عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس بے بس ہو کر رہ گئے — کیا وہ واقعی بے بس تھے — یا — ؟
- ایک ایسا مشن — جس میں شاگل اور مادام ریکھا بیک وقت عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کے مقابل آئے اور پھر خوفناک ہنگاموں کا آغاز ہو گیا۔
- ایک ایسا مشن — جس میں کافرستان کی ملٹری انٹیلی جنس کے ایک کرنل نے عمران اور اس کے ساتھیوں کی مدد کی لیکن در اصل یہ ایسا ٹریپ تھا جس کا عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کو آخری لمحے تک احساس نہ ہو سکا — کیوں — ؟ کیا کرنل رائے عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس سے زیادہ ہوشیار تھا — یا — ؟
- ایک ایسا مشن — جس میں عمران اور اس کے ساتھی مادام ریکھا اور شاگل دونوں کے مقابل بیک وقت ناکام ہو گئے۔ کیوں اور کیسے — ؟
- ایک ایسا مشن — جسے عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس نے ہر لحاظ سے مکمل کر لیا — لیکن اس کے باوجود عمران کو دوبارہ یہی مشن مکمل کرنا پڑا — انتہائی حیرت انگیز سچوئشن۔

- قدم قدم پر چونکا دینے والے واقعات
- تیز رفتار ایکشن اور اعصاب کو منجمد کر دینے والا سسپنس۔
- کامیابی اور ناکامی کے درمیان پنڈولم کی طرح حرکت کرتی ہوئی ایک ایسی منفرد دلچسپ اور حیرت انگیز کہانی جسے جاسوسی ادب میں مدتوں یاد رکھا جائیگا۔

یوسف برادرز۔ پاک گیٹ ملتان

عمران سیریز میں ایک یادگار اور ناقابل فراموش ایڈونچر

مکمل ناول

گرین گارڈ

مصنف مظہر کلیم ایم اے

گرین گارڈ * یہودیوں کی بین الاقوامی لیکن خفیہ تنظیم جس کی کارروائیوں سے اسرائیل کے صدر بھی بے حد مطمئن تھے۔

گرین گارڈ * جس کے تحت ڈوم نامی تنظیم بنائی گئی تھی جس کے دو سیکشن پوری دنیا کے مسلمانوں کے خلاف خوفناک اور تباہ کن کارروائیوں میں مصروف رہتے تھے۔

ڈاکٹر کمال * ایک پاکیشیائی سائنس دان۔ جو ایکریمیا سے اس لئے واپس بھجوا دیا گیا تھا کہ اس کا ذہنی توازن درست نہ رہا تھا اور وہ قابل علاج نہ تھا لیکن گرین گارڈ کے پاس اس کا علاج تھا۔ پھر ---؟

وہ لمحہ * جب گرین گارڈ نے عمران پر پاکیشیا میں ہی قاتلانہ حملہ کر دیا اور عمران کئی ماہ کے لئے معذور ہو کر رہ گیا۔ پھر ---؟

* ڈاکٹر کمال کا فارمولا جسے گرین گارڈ صرف یہودیوں کے لئے ریزرو کرنا چاہتا تھا۔ ایسا فارمولا تھا جس پر انسانی آبادی کے مستقبل کا انحصار تھا۔

وہ لمحہ * جب جولیا کی سربراہی میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کی ٹیم ڈاکٹر کمال اور فارمولا حاصل کرنے کے لیے بھیجی گئی۔ لیکن ---؟

* عمران نے ٹائیگر کو مشن پر بھیجا کہ وہ جولیا اور اس کے ساتھیوں کے تحت کام کرے لیکن کیا ٹائیگر کے لئے ایسا ممکن تھا ---؟

وہ لمحہ * جب ٹائیگر تمام رکاوٹوں کو توڑتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ اکیلا؟

وہ لمحہ * جب جولیا کی سربراہی میں ٹیم نے بھرپور جدوجہد کی مگر کیا عمران کے بغیر وہ آگے بڑھ سکتے تھے۔ یا ---؟

* ڈوم تنظیم کے دو سیکشن باری باری مقابل آئے۔ انتہائی تجربہ کار اور تیز طرار لوگ۔ لیکن انجام کیا ہوا اور کیسے ہوا ---؟

وہ لمحہ * جب ٹائیگر نے پاکیشیا سیکرٹ سروس پر برتری ثابت کر دی۔ کیوں اور کیسے ---؟

انتہائی دلچسپ، جسمانی فائٹس، تیز رفتار ایکشن اور منجمد کر دینے والے سسپنس سے بھرپور ایک یادگار اور ناقابل فراموش ایڈونچر

ناشران

خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان

Ph 061-4018666

Mob0333-6106573

عمران سیریز میں ایک خوفناک اور دھماکہ خیز ناول

عمران کی موت

مصنف :- مظہر کلیم - ایم - اے

— ماسٹر کلرز :- پیشہ ور خوف ناک قاتلوں کی بین الاقوامی تنظیم جس کا ہر ممبر قتل کرنے میں بے پناہ مہارت رکھتا تھا —

— ماسٹر کلرز :- جس کے ہر ممبر نے اپنے اپنے انداز میں عمران پر مسلسل اور خوف ناک قاتلانہ حملے شروع کر دیئے —

— ماسٹر کلرز :- جنہوں نے عمران کے فلیٹ۔ رانا ہاؤس اور زیرو ہاؤس کے پرخچے اڑا دیئے۔ کیسے ؟

— پے در پے اور خوف ناک حملوں کے سامنے اکیلا عمران کب تک ٹھہر سکتا تھا —

— ماسٹر کلرز اور عمران کے درمیان خوفناک اور اعصاب شکن تصادم —

— کیا عمران خوفناک قاتلوں کی اس تنظیم کے ہاتھوں بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا یا موت عمران کا مقدر ہو چکی تھی —

خوفناک اور مسلسل ایکشن سے بھرپور کہانی

یوسف برادرز پبلشرز بک سیلرز پاک گیٹ ملتان

عمران سیریز میں ایک دلچسپ اور یادگار ایڈونچر

مکمل ناول

جیوش پاور

مصنف
مظہر کلیم ایم اے

جیوش پاور۔ یہودیوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم جس کے بیک وقت دو ہیڈ کوارٹر تھے۔ کیوں —— ؟

جیوش پاور۔ جس نے مسلم تنظیم ضرب مسلم کے سرکردہ افراد کے نام اور ٹھکانوں پر مشتمل مائیکرو کیسٹ حاصل کرنے کے لئے شوگرانی سفارت کار کو اغوا کر لیا۔ کیوں —— ؟

جیوش پاور۔ جس کے خلاف کام کرنے سے عمران نے صاف انکار کر دیا لیکن پھر وہ آمادہ ہو گیا۔ کیوں —— ؟

وہ لمحہ۔ جب عمران پوری ٹیم کی بجائے صرف جولیا کو ساتھ لے کر مشن پر روانہ ہو گیا اور پھر جولیا کی ایسی صلاحیتیں سامنے آنے لگیں کہ عمران بھی حیران رہ گیا۔ کیوں اور کیسے —— ؟

وہ لمحہ۔ جب عمران کی اماں بی نے جولیا کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی بہو بنانے کا اعلان کر دیا۔ کیوں اور کیسے —— ؟

وہ لمحہ۔ جب جولیا نے جیوش پاور کے دو سپیشل سپر ایجنٹس کے ساتھ اکیلے فائٹ کی۔ ایسی فائٹ جس کا ہر لمحہ موت کا لمحہ بن کر رہ گیا۔ کامیابی کسے ملی —— ؟

ایک ایسا مشن جس میں طویل عرصے بعد کے جولیا نے کھل کر اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔

وہ لمحہ۔ جب ایک بار پھر عمران نے جیوش پاور کے خلاف حرکت میں آنے سے انکار کر دیا اور ایکسٹو اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ کیوں —— ؟

انتہائی دلچسپ، منفرد اور یادگار ناول

ناشران

خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان

Ph 061-4018666

Mob0333-6106573

عمران سیریز میں ایک دلچسپ، منفرد اور یادگار ناول

= = = = = = = = = =

سپیشل نمبر

مکمل ناول

کالی دنیا

مصنف مظہر کلیم ایم اے

کالی دنیا = کالے جادو کی دنیا جس میں شیطان کی بڑی اور طاقتور قوتیں ملوث تھیں۔

کالی دنیا = پاکیشیا اور کافرستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے لاکھوں کالے جادو کے ماہر جو عوام الناس کو کالے جادو کی مدد سے سیدھے راستے سے ہٹا دینے میں صدیوں سے مصروف ہیں۔

کالا جادو = گندگی، بدروحوں، بھوتوں اور شیطانوں پر مبنی ایسا جادو جسے سریع الاثر اور انتہائی طاقتور سمجھا جاتا ہے۔

کالا جادو = جس کا شکار مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ کیوں ---؟

کالا جادو = جس کے خلاف عمران، صفدر اور کیپٹن شکیل نے مشترکہ جدوجہد کی۔ پھر ---؟

وہ لمحہ = جب جولیا، صالحہ اور تنویر نے کالے جادو کے خلاف کام کرنے سے انکار کر دیا۔ کیوں؟ کیا وہ بھی کالے جادو کا شکار ہو گئے تھے۔ یا ---؟

کالو کاریگر = پاکیشیا میں کالے جادو کا سب سے بڑا عامل جس نے عمران اور اس کے ساتھیوں کو ایک شیطانی کنویں میں قید کر دیا۔ پھر کیا ہوا ---؟

راج کالا = کافرستان میں کالے جادو کا سب سے بڑا عامل جو انسانوں کا خون پیتا تھا اور جو پوری قوت سے عمران اور اس کے ساتھیوں سے ٹکرا گیا۔ پھر کیا ہوا ---؟

کلجگ = کالے جادو کی مرکزی مورتی جسے تباہ کرنے سے کالے جادو کا تار و پود بکھر جاتا لیکن عمران اور اس کے ساتھی اس تک پہنچ جانے کے باوجود کالے جادو کے خطرناک حربے کا شکار ہو گئے۔ کیوں اور کیسے۔ انجام کیا ہوا ---؟

کالے جادو کی گندی اور خوفناک طاقتوں اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے درمیان ایسی جنگ جو روشنی اور اندھیرے کی جنگ تھی۔
لیکن انجام کیا ہوا؟

سحر و فسوں میں لپٹی ایک ایسی جدوجہد جس کا ہر لمحہ یادگار ثابت ہوا

ناشران

خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ
ارسلان پبلی کیشنز
اوقاف بلڈنگ
پاک گیٹ
ملتان
Ph 061-4018666
Mob0333-6106573

منظہر کلیم ایم اے کا عمران سیریز میں ایک تہلکہ خیز شاہکار

کایا پلٹ

مصنف: منظہر کلیم ایم اے

- ایک انتہائی سنسنی خیز اور ایکشن سے بھرپور ناول۔
- ایسے مجرم جنہوں نے عمران اور پوری سیکرٹ سروس کی کایا پلٹ دی۔
- عمران جو ممبران کو اپنے ایکسٹو ہونے کا یقین دلاتا پھرتا تھا۔ مگر اس کی بات پر کوئی یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔
- صفدر سیکرٹ سروس کا سب سے دلیر ممبر اپنی کایا پلٹنے کے بعد ایک حقیر چیونٹی سے بھی خوف کھانے لگا۔
- مجرموں نے سیکرٹ سروس کی کایا کیوں پلٹی ——— ؟ وہ کیا چاہتے تھے ——— ؟ کیا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ؟
- کیا عمران مجرموں کی کایا پلٹنے میں کامیاب ہوا ——— یا ——— نہیں۔

★ آج ہی طلب فرمائیں ★

عمران سیریز میں ایک دلچسپ اور انوکھا ایڈونچر

ناواشنگو

مصنف
مظہر کلیم ایم۔اے

• ناواشنگو جو تبت کے پراسرار شرپا قبیلے کا سردار اور خوفناک جنگلوں کا محافظ تھا۔

• ناواشنگو۔ ایک ایسا عجیب اور دلچسپ کردار جس نے عمران کو بھی چکرا کر رکھ دیا۔

• خوف ناک اور پُراسرار جنگلوں میں قائم ہونے والا ایک ایسا خفیہ اڈہ جو پاکیشیا پر خوفناک تباہی لانے کے لئے تعمیر کیا جا رہا تھا۔ اور جسے ہر لحاظ سے ناقابل تسخیر بنا دیا گیا تھا۔

• وہ لمحہ جب فضا میں اڑنے والا جہاز عمران اور سیکرٹ سروس سمیت خوفناک پہاڑیوں سے آٹکرایا۔ ایک ایسا لمحہ جس کا لازمی نتیجہ موت تھا۔ عمران اور سیکرٹ سروس کی موت مگر......؟

• ناواشنگو۔ جس نے عمران اور اس کے ساتھیوں پر سٹین گن کا فائر کھول دیا۔ اور وہ سب مردہ چھپکلیوں کی طرح زمین پر گرنے لگے۔

کیا وہ سب ہلاک ہو گئے؟

• ناواشنگو۔ جس نے عمران اور اس کے ساتھیوں کو سطح زمین سے سو فٹ نیچے زندہ دفن ہونے پر مجبور کر دیا۔

• کیا خوف ناک جنگلوں میں موجود ناقابل تسخیر اڈہ عمران اور اس کے ساتھیوں نے تسخیر کر لیا۔ یا وہ سب موت کے اندھے کنوئیں میں دھکیل دیئے گئے۔

خوف ناک جنگلوں کا محافظ۔ پُراسرار شرپا قبائل کے انتہائی حیرت انگیز سردار ناواشنگو اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے درمیان ناقابل تسخیر مگر تباہ کن اڈے کی خاطر ہونے والی ایک ایسی ذہنی اور جسمانی جنگ۔ جس کا ہر لمحہ آپ کو یقیناً چونکا کر رکھ دے گا۔

ایکشن اور سسپنس سے بھرپور ایک ایسا منفرد ایڈونچر جو ہر لحاظ سے آپ کے معیار پر پورا اترے گا

عمران سیریز میں ایک دلچسپ اور منفرد ایڈونچر

مکمل ناول

ریورس سرکل

مصنف مظہر کلیم ایم اے

≡ کارمن کے سائنس دان ڈاکٹر ہیر اللہ کو اغوا کر لیا گیا اور کارمن سیکرٹ سروس اسے تلاش کرنے میں ناکام رہی۔ پھر ——؟

≡ کارمن سیکرٹ سروس کے چیف اور عمران کے دوست جونیئر نے ڈاکٹر ہیر اللہ کی برآمدگی میں عمران سے مدد کی درخواست کی لیکن عمران نے انکار کر دیا۔ کیوں ——؟

≡ وہ لمحہ جب سر سلطان نے عمران کو سائنس دان ڈاکٹر ہیر اللہ کی واپسی کے لئے سیکرٹ سروس کی ٹیم بھجوانے کا کہا لیکن عمران نے انکار کر دیا۔ کیوں؟

≡ وہ لمحہ جب عمران کو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ہیر اللہ کو اغوا نہیں کیا گیا بلکہ اغوا کا ڈرامہ رچایا گیا ہے اور ایسا ایک بین الاقوامی یہودی تنظیم مورگو نے کرایا ہے تو عمران مشن پر کام کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ پھر ——؟

≡ وہ لمحہ جب عمران کو معلوم ہوا کہ یہودی پوری دنیا میں مسلمانوں کے خاتمے کے لئے ایک فارمولے ریورس سرکل پر کام کر رہے ہیں اور یہ فارمولا اغوا شدہ کارمن سائنس دان ڈاکٹر ہیر اللہ کا ہے تو عمران نے اس فارمولے اور اس سائنس دان دونوں کے خاتمے کا فیصلہ کر لیا۔

≡ مورگو۔ یہودیوں کی ایک خفیہ تنظیم۔ جس کی شاخیں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے خاتمے کے لئے مورگو نے بڑی طاقتور تنظیمیں مقابلے پر اتار دیں لیکن کیا عمران اور اس کے ساتھی کسی سے رک سکے۔ یا ——؟

≡ سٹار کیمپ۔ مورگو کا ایسا تربیتی سنٹر جہاں مورگو کے لئے ایجنٹ تیار کئے جاتے تھے اور اس سنٹر میں کوئی اجنبی داخل نہ ہو سکتا تھا۔ عمران اور اس کے ساتھیوں نے بھی کوشش کی۔ مگر ——؟

≡ لارڈ ووڈجی۔ مورگو کا چیف۔ جو ایک دور دراز شہر کے محل میں رہتا تھا لیکن عمران وہاں بھی پہنچ گیا۔ کیسے ——؟

تیز رفتار ایکشن لمحہ بہ لمحہ بدلتے ہوئے واقعات اور
بے پناہ سسپنس پر مبنی ایک دلچسپ اور یادگار ایڈونچر

ناشران

خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

عمران سیریز میں ایک دلچسپ، انوکھا اور یادگار ایڈونچر

سپیشل اسٹیشن

مکمل ناول

مصنف مظہر کلیم ایم اے

:::::: ایک ایسا مشن جس میں عمران اور اس کے ساتھیوں کو روکنے کی کافرستانی حکومت نے ہر حکومتی کوشش کر ڈالی۔ مگر ——؟

:::::: ایک ایسا مشن جس کے لئے کافرستان کے انتہائی خطرناک اور گھنے جنگلات میں سے گزرنا لازمی تھا۔

:::::: ایسے جنگلات جن میں اب بھی قدیم وحشی قبائل کی حکمرانی تھی اور ان وحشی قبائل کی حدود سے کسی اجنبی کا صحیح سلامت گزر جانا ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ پھر ——؟

شاہینہ لارا :: ایک پاکیشیائی نژاد ایکریمین لڑکی، جسے عمران، جولیا اور اپنے ساتھیوں کے اعتراض کے باوجود اپنی بیوی بنا کر مشن پر ساتھ لے گیا۔ کیوں ——؟

نازیہ :: صالحہ کی دوست جو تنویر کی بیوی بن کر مشن پر ساتھ گئی۔ کیوں اور کس لئے ——؟

وہ لمحہ :: جب جولیا کو کیپٹن شکیل کی بیوی بنا کر پیش کیا گیا۔ تنویر اور جولیا کا کیا ردعمل تھا ——؟

وہ لمحہ :: جب دو کلومیٹر چوڑی دلدل کو جوزف کی وجہ سے پار کر لیا گیا۔ جوزف کا ایسا کارنامہ جس نے عمران کو بھی حیرت زدہ کر دیا۔

وہ لمحہ :: جب جوزف کی صلاحیتیں جنگل میں اپنے عروج پر پہنچ گئیں۔

وہ لمحہ :: جب سپیشل اسٹیشن کے گرد ایک دھات کا کور عمران اور اس کے ساتھی باوجود کوشش کے نہ توڑ سکے اور مشن ناکام ہو گیا۔ کیا واقعی ——؟

وہ لمحہ :: جب عمران کے ساتھیوں نے عمران کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا مگر عمران ناکام واپسی پر بضد رہا۔ پھر کیا ہوا ——؟

وہ لمحہ :: جب بظاہر ناممکن مشن کو عمران نے اپنی ذہانت سے ممکن بنا دیا اور سب ساتھیوں نے بے اختیار اسے سپر جینیس قرار دے دیا۔

وہ لمحہ :: جب کافرستان کے صدر نے بھی برملا عمران کو سپر جینیس قرار دے دیا۔

انتہائی پراسرار، دلچسپ واقعات، خوفناک جنگلات اور خطرناک دلدلوں میں ناقابل یقین جدوجہد پر مبنی انوکھا اور یادگار ایڈونچر

ناشران
خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ
ارسلان پبلی کیشنز۔ اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان
Ph 061-4018666
Mob0333-6106573

خلائی قبر

اے حمید

موت کا تعاقب نمبر ۹۷
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

خلائی قبر

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور • حیدرآباد • کراچی

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹر،
[illegible] پرنٹنگ پریس [illegible] ہسپتال روڈ لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اوّل: ۱۹۸۸ء
قیمت: چار روپے

مقامِ اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز
ادبی مارکیٹ چوک انارکلی، لاہور

الزبتھ بچ گئی

ناگ چڑیا کے روپ میں بیٹھا دیکھتا رہا۔

آدم خور پیالہ لے کر گڑھے میں اتر گیا تھا اور اب ڈھلانی دیوار کے اندر بنی ہوئی ایک قبر ایسی جگہ کے پاس آ کر اس نے پیالہ اندر کر دیا۔ ناگ نے دیکھا کہ اندر سے الزبتھ نے ہاتھ باہر کر کے پیالہ تھام لیا۔ شاید پیالے میں دودھ تھا۔ دودھ پی کر الزبتھ نے پیالہ واپس کر دیا۔ آدم خور پیالہ لے کر واپس چلا گیا۔ وہاں دو آدم خور کلہاڑیاں اور نیزے اٹھائے پہرہ دے رہے تھے۔

ناگ نے سوچنا شروع کر دیا کہ ان لوگوں کے چنگل سے الزبتھ کو بچانے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے!

الزبتھ کو بچانا ضروری تھا اور ناگ کے ذہن میں ایک ہی ترکیب آ رہی تھی کہ وہ اپنے آپ کو دیوتا ظاہر کر کے اُن کے سامنے آ جائے۔ اس میں ایک خطرہ تھا کہ اگر آدم خوروں کو ذرا سا بھی شک پڑ گیا

تو وہ اسے اور الزبتھ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اگر
وہ اسے کچھ نہ کہہ سکیں گے تو الزبتھ کو ضرور اسی وقت
ہلاک کر دیں گے۔ اس لئے بڑی احتیاط کی ضرورت تھی۔
ناگ چڑیا بنا ابھی تک کھڈ کے اوپر کنارے پر بیٹھا
ان آدم خوروں کو دیکھ رہا تھا جو وہاں پہرہ دے
رہے تھے۔

ان دونوں پہرہ داروں کو ختم کرنا ناگ کے لیے کوئی
مشکل کام نہیں تھا۔ سوال یہ تھا کہ اس کے بعد الزبتھ کو
یہاں سے کیوں کر نکال کر لے جائے گا؟ وقت گزرتا جا رہا
تھا۔ ناگ نے سوچا کہ یہاں سے تو الزبتھ کو نکالا جائے۔
پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ یہ سوچ کر اس نے سانپ
کا بھیس بدل لیا اور رینگتا ہوا پہرہ داروں کے عقب
میں آ گیا۔

آدم خور بڑے چاق و چوبند ہو کر ایک دوسرے کے
آمنے سامنے اس قبر کے آگے کھڑے تھے جس میں الزبتھ
قید تھی۔ ناگ رینگتے رینگتے ایک آدم خور کے پیچھے آیا
اور اس نے اُچک کر اس کی پنڈلی پر ڈس دیا اور جھاڑیوں
میں غائب ہو گیا۔ آدم خور زہر کے اثر سے گر پڑا۔ دوسرا
اس کی طرف بڑھا تو ناگ نے اُسے بھی ڈس دیا۔ زہر نے

ان کے گلے بند کر دیئے تھے اور وہ بول نہ سکتے تھے۔ نہیں تو ہو
سکتا تھا کہ وہ چیخ مار کر دوسرے آدم خوروں کو خبردار کر دیتے۔
ناگ اسی وقت انسان کی شکل میں آ گیا اور الزبتھ کو آہستہ سے
آواز دی۔ الزبتھ قبر سے باہر آ گئی۔
"ناگ بھیا! تم آ گئے؟ مجھے معلوم تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔"
"جلدی سے اب یہاں سے نکل چلو!"
آدم خور زمین پر پڑے انہیں وہاں سے بھاگتا دیکھ رہے تھے
اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ نہ حلق سے آواز نکال سکتے تھے اور نہ
اٹھ کر ان پر تیر چلا سکتے تھے۔ ناگ نے الزبتھ کو ساتھ لیا اور
جزیرے کے درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے سے ہوتا دوسری
طرف نکل گیا۔ سامنے سمندر کا کنارہ آ گیا۔ ناگ کو اس جزیرے کے
راستوں کا کچھ علم نہیں تھا۔ بدقسمتی سے وہ اس جگہ نکل آیا جہاں
آدم خور قربانی کے لیے ایک چبوترہ سجا رہے تھے۔
الزبتھ نے اپنے سامنے آدم خوروں کو دیکھا تو ایکدم سے بولی۔
"ناگ! وہ لوگ....."

اس کی آواز پر آدم خوروں نے چونک کر دیکھا اور الزبتھ کو
پہچان کر تیروں کی بارش کر دی۔ معاملہ خراب ہو گیا۔ ناگ نے
اسی وقت ایک ہیبت ناک ہاتھی کا روپ بدل لیا اور طوفان کی طرح
آدم خوروں کے پاس جا کر انہیں ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ آدم خور

ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ کئی ایک مارے گئے۔ الزبتھ جھاڑیوں
میں چھپی بیٹھی تھی۔ ناگ اس کے پاس آگیا۔

اتنے میں سردار کو بھی خبر ہو گئی کہ لڑکی بھاگ گئی ہے۔
وہ اپنے آدمیوں کو لے کر وہاں آگیا۔ ناگ انسان کی شکل میں
آچکا تھا۔ اس نے الزبتھ سے کہا۔

"الزبتھ اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ میں ان کے
دیوتا کا روپ بدلوں اور ان کے سامنے آجاؤں۔"

پس اس نے ایک ایسی شکل اختیار کی کہ اس کے سر پر
لمبے لمبے سینگ تھے اور گلے میں کھوپڑیوں کی مالا اور دونوں
ہاتھوں میں انسانی سر تھامے ہوئے تھے۔ اس نے الزبتھ کو ساتھ
لیا اور آدم خوروں کے سامنے آکر گرج دار آواز میں بولا۔

"میں دیوتا ہوں۔ سمندروں اور جزیروں کا دیوتا ہوں۔ میں
اپنی قربانی کو ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہوں۔ اگر کسی نے
حرکت کی تو میں اسے جلا کر بھسم کر دوں گا۔

آدم خور سردار نے جب ایک بھیانک والے دیوتا کو سامنے
دیکھا تو سر سے پاؤں تک کانپ اٹھا۔ اس نے ہتھیار پھینک دیے
اور سجدے میں گر گئے۔ اسے دیکھ کر دوسرے وحشی بھی سجدے
میں گر گئے۔ ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی ترکیب کام کر گئی
تھی سردار نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"اے دیوتا! ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ خود تشریف

لائے۔ آپ کی قربانی حاضر ہے۔"

سردار کی طرف ہاتھ بڑھا کر ناگ نے کہا۔

"میں تم پر بہت خوش ہوں۔ میری دعا ہے اب تمہارے گھر
لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوں اور تمہارے جزیرے پر پھل خوب
لگیں گے۔ اچھا اب میں جا رہا ہوں۔"

الزبتھ ناگ کی شکل دیکھ کر ڈر رہی تھی۔ ناگ نے الزبتھ کو
اشارہ کیا اور کہا۔

"چلو میرے ساتھ۔

الزبتھ ناگ کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ سارے آدم خور پرے
پرے ہٹ گئے۔ ناگ نے سوچا کہ وہ اب کدھر جائے گا۔ ایک
ہی صورت تھی کہ کشتی میں سوار ہو کر جہاز کی طرف چلا جائے
کشتی سمندر کے کنارے رکھی ہوئی تھی۔ ناگ اس میں جا کر سوار ہو گیا۔
وہ کشتی میں دیوتا کی طرح کھڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں
انسانی سر پکڑے ہوئے۔ الزبتھ سے اس نے کہا۔

"کشتی کو سمندر کی طرف چلانا شروع کر دو۔"

سردار اپنے آدمیوں کے ساتھ کنارے پر ہاتھ باندھے کھڑا
تھا۔ ناگ نے گرج کر کہا۔

"تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔ دفع ہو جاؤ نہیں تو میں اس
آتش فشاں پہاڑ کا دہکتا ہوا لاوا تم پر گرا دوں گا۔"

سارے آدم خور ڈر کر وہاں سے بھاگ گئے سردار بھی چلا گیا۔ اور ذرا دور درختوں کے پیچھے کھڑے ہو کر نگ کی طرف دیکھنے لگے۔

ناگ نے کہا۔ "کشتی اور کھلے سمندر میں آگے سے موڑ کر جہاز کی طرف لے آنا۔"

الزبتھ نے کہا۔ "خدا کے لیے اپنی انسانی شکل میں آ جاؤ۔ تمہیں دیکھ کر تو میرا دم نکلا جا رہا ہے۔"

ناگ نے کہا۔ "وہ لوگ ابھی تک مجھے دیکھ رہے ہیں اگر میں نے اسی وقت حلیہ بدل لیا تو وہ حملہ کر دیں گے۔"

الزبتھ کشتی کو کھینچتی رہی اور کشتی کھلے سمندر میں آ گئی۔ اُن کا جہاز ذرا دُور کھڑا تھا۔ اب ناگ نے کہا۔

"کشتی کو جہاز کی طرف لے آؤ۔"

جہاز کے اوپر ایڈگر کھڑا تھا۔ ماریا بھی ضرور اُس کے پاس ہی کھڑی ہوگی۔ ایڈگر نے جو ایک سینگوں والے دیو کو دیکھا کہ اس کے ہاتھوں میں انسانی سر ہیں اور وہ الزبتھ کو کشتی میں لئے جہاز کی طرف بڑھ رہا ہے تو چیخ کر بولا۔

"کوئی جن ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔"

ماریا اس کے پاس ہی کھڑی تھی۔ کہنے لگی۔

"گھبراؤ نہیں ایڈگر چچا! یہ ناگ ہی ہے۔"

"ناگ؟ مگر۔ مگر۔ اس کے سر پر سینگ ہیں۔"

"تو پھر کیا ہوا؟ ناگ جیسی چاہے شکل اختیار کر سکتا ہے۔"

جہاز کے قریب آ کر ناگ نے اوپر دیکھا اور ایڈگر سے کہا۔

"ایڈگر چچا! یہ ذرا انسانوں کے سر پکڑنا۔"

ایڈگر نے اُچھل کر کہا

"خدا کے لیے ان کو واپس سمندر میں پھینک کر یہاں آنا۔"

ناگ زور سے ہنسا۔ اس کے ہنسنے سے جہاز ہلنے لگا۔ کیونکہ وہ بہرحال ایک طوفانی دیوتا کے رُوپ میں تھا۔ الزبتھ نے سہم کر کہا۔

"خدا کے لیے ناگ بھیا اب اپنی شکل میں آ جاؤ۔"

ناگ کہنے لگا۔

"وہ لوگ شاید اب بھی ہمیں دیکھ رہے ہیں۔"

"تو پھر کیا ہوا؟ تم شکل بدل لو۔"

ناگ نے گہرا سانس لیا اور دوبارہ اپنی اصل شکل اختیار کر لی۔ الزبتھ نے سکھ کا سانس لیا۔ انہوں نے جلدی جلدی جہاز پر سوار ہو کر کشتی کو اوپر کھینچا۔ سیڑھی کو جنگلے کے ساتھ باندھا اور ناگ نے چلا کر کہا

"لنگر اٹھا کر جہاز کے انجن سٹارٹ کر دو۔"

انجن ایڈگر نے اسی وقت لنگر کی مشین اون کر دی۔ زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ جہاز کا لنگر اوپر اٹھنے لگا۔ ایڈگر لپک کر نیچے گیا اور اس نے دونوں انجن چلا دیئے۔ جہاز نے کھلے سمندر کی طرف حرکت شروع کر دی۔ ایڈگر وہاں سے بھاگ کر اوپر برج ہیڈ پر آ گیا اور اس نے وھیل کو کنٹرول کرنا شروع کر دیا۔ ناگ نے ماریا اور الزبتھ کے ساتھ عرشے پر جا کر دیکھا۔ سارے آدم خور وحشی ساحل سمندر پر کھڑے جہاز کی طرف دیکھ کر زور زور سے ہاتھ ہلا رہے تھے۔

شاید انہیں احساس ہو چکا تھا کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے لیکن اب وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ جہاز کھلے سمندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اچانک ناگ نے کہا۔

"میں ذرا جا کر معلوم کرتا ہوں کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔"

الزبتھ نے اسے روکا۔ ماریا نے بھی کہا۔

"آپ جانے کیا ضرورت ہے ناگ بھیا؟"

"یونہی ذرا تفریح کے طور پر جا رہا ہوں"

اور ناگ نے اسی وقت زرد چڑیا کا روپ بدلا اور

اڈاری مار کر پھُر پھُر سے جزیرے کی طرف اُڑ گیا۔ وہ ہوا میں اُڑتا اُڑتا جزیرے پر پہنچ گیا۔ سردار اپنے آدم خور وحشیوں کے ساتھ سمندر کے کنارے پر کھڑا غصے میں بول رہا تھا۔ ایک آدم خور کہہ رہا تھا۔

"وہ دیوتا نہیں تھا۔ ہمارے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔"

سردار کہہ رہا تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم لوگوں نے خود نہیں دیکھا کہ دیوتا کے سر پر سینگ تھے اور ہاتھ میں انسانی سر تھے۔ کوئی انسان ایسا بھیس بدل سکتا"

ناگ اس وقت ان کے سروں کے اوپر پرواز کر رہا تھا۔ وہ درختوں میں چلا گیا۔ وہاں جا کر اس نے ایک بار پھر اسی دیوتا کا بھیس بدلا اور آدم خوروں کے سامنے آ گیا اور بولا۔

"کیا تم لوگ مجھ پر شک کرتے ہو؟ کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں آیا کہ میں تمہارا دیوتا ہوں؟ جس کو یقین نہیں ہے وہ سامنے آئے تاکہ میں اسے کچا چبا جاؤں۔"

سردار نے سر جھکا کہا۔

"عظیم دیوتا! یہ نادان ہیں۔ بھلا کون ہے جو آپ پر شک کرے گا۔ آپ ہمارے دیوتا ہیں۔"

آدم خوروں نے جب دیوتا کو ایک بار پھر اپنے درمیان دیکھا تو ڈر گئے اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ ناگ نے کہا۔

"دیکھو! میں تمہیں اپنے دیوتا ہونے کا ثبوت دیتا ہوں۔ اب میں شیر کے روپ میں آنے لگا ہوں۔"

اور دوسرے لمحے آدم خوروں نے دیکھا کہ اُن کے سامنے دیوتا کی جگہ ایک گھنے بالوں والا شیر کھڑا دھاڑ رہا تھا۔ کئی ایک آدم خور وہاں سے بھاگ اُٹھے۔ دو بے ہوش ہو گئے ناگ نے ایک دم سے شیر کی جگہ ہاتھی کا روپ بدل لیا۔ ہاتھی کو دیکھ کر وحشی لوگ اور زیادہ خوف زدہ ہو گئے۔ ناگ نے ہاتھی کے بعد ایک اژدہا کا روپ بدلا تو سارے آدم خور دیوتا کی جے کے نعرے لگانے لگے اور اژدہا کے آگے سجدہ ریز ہو گئے۔ ناگ اژدہا سے واپس پھر دیوتا کی شکل میں آ گیا اور بولا۔

"اب میں جا رہا ہوں۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ آج کے بعد سے تم آدم خوری نہیں کرو گے۔ اگر تم نے پھر کسی انسان کو کھایا تو میں اس جزیرے کو سمندر میں غرق کر دوں گا۔"

سردار نے ہاتھ سینے پر رکھ کر کہا۔

"عظیم دیوتا! ہم تیری قسم کھا کر کہتے ہیں کہ آئندہ سے ہم کسی انسان کو نہیں کھائیں گے۔"

"بہت خوب۔ لیکن اگر تم لوگوں میں سے کسی نے بھی اس وعدے کو توڑا تو مجھے خبر ہو جائے گی اور میں اسی جگہ سے ایسا پتھر پھینکوں گا جو اس جزیرے پر بہت بڑا پہاڑ بن کر گرے گا۔ اور جزیرے کو اپنے ساتھ ہی سمندر میں غرق کر دے گا۔"

سردار نے کہا۔

"عظیم دیوتا! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے اب میں جا رہا ہوں۔"

ناگ نے سمندر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ سارے آدم خور اُسے دیکھ رہے تھے۔ وہ سمندر کے اندر داخل ہو گیا۔ جب پانی اُس کے منہ کے پاس آ گیا تو اُس نے ایک گہرا سانس لیا اور چڑیا بن کر ہوا میں اڑ گیا۔

اُسے چڑیا بن کر اڑتے سردار کے علاوہ دوسرے آدم خوروں نے بھی دیکھا

انہوں نے خوشی سے نعرہ لگایا

"عظیم دیوتا اڑ گیا ہے۔"

جہاز کے عرشے پر ماریا ایڈگر اور الزبتھ کھڑے چڑیا

کو جہاز کی طرف آتے دیکھا کر خوش ہو رہے تھے ۔ الزبتھ
نے کہا۔

"ناگ آ رہا ہے"

ناگ جہاز کے عرشے پر آکر دوبارہ انسانی شکل میں
آ گیا اور مسکرا کر بولا۔

"اب وہ لوگ کبھی کسی بے گناہ انسان کو ہلاک کر کے
نہیں کھائیں گے۔ میں انہیں ایسا ڈرا کر آیا ہوں کہ وہ کسی
انسان کو کھانے کی کبھی جرأت نہیں کریں گے۔"

ایڈگر نے کہا۔ "یہ بڑا اچھا کام کیا تم نے ناگ!
آؤ اب میرے ساتھ برج ہیڈ پر اور ذرا نقشہ دیکھ کر
بتاؤ کہ ہم ٹھیک جا رہے ہیں؟"

دونوں برج ہیڈ کی طرف اور الزبتھ ماریا کے ساتھ
نیچے اپنے کیبن کی طرف آگئیں ۔ ناگ نے نقشہ دیکھا اور
پھر جہاز کی سمت معلوم کر کے کہا۔

"چچا! جہاز ایک ڈگری بائیں طرف کو جا رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟" ایڈگر نے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ جہاز کی سمت تھوڑی سی غلط ہے۔ اس
طریقے سے جہاز چلتا رہا تو ہم ایک دو ہفتے کے بعد کسی
اجنبی جگہ پر نکل آئیں گے۔"

ایڈگر نے وہیل کو گھماتے ہوئے کہا۔

"طوفان نے جہاز کو کافی نقصان پہنچایا ہے۔ میں نیچے
جا کر اس کے گیئر کو ٹھیک کرتا ہوں۔"

ایڈگر نے تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد جہاز کے
گیئر کو درست کر کے جہاز کی سمت ٹھیک کر لی اور وہ
اپنے صحیح راستے پر چلنے لگا۔ جہاز کو ہم اس جگہ کھلے
سمندر میں چھوڑتے ہیں اور واپس جا کر ذرا عنبر کی خبر
لیتے ہیں کہ وہ کس عالم میں ہے؟

عنبر تانبے کے خول والوں کے ستارے، پر لیبارٹری میں
اپنے کمرے میں بیٹھا دماں کے فرار اور دنیا بھر کے انسانوں
کو بچانے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ عظیم سائنس دان سے اس
نے وعدہ کیا تھا کہ وہ شام تک اس کو اپنے زندہ رہنے
کا راز بتا دے گا۔ اب عنبر سوچ رہا تھا کہ وہ عظیم
سائنس دان کو کیا راز بتائے گا؟ راز صرف اتنا تھا کہ وہ مر
نہیں سکتا تھا۔ اور بس ——— اس کا سائنس دان کو کیا فائدہ
ہوگا؟ اور وہ کیسے دنیا والوں کو ہلاک کرنے سے باز آئے
گا؟ عنبر یہی سوچ رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ اپنے آپ
الگ ہوا اور تانبے کے خول والا سائنس دان اندر داخل ہوا۔

"مسٹر عنبر! مجھے امید ہے کہ تمہیں اپنا وعدہ یاد ہوگا۔

"ہاں جناب مجھے یاد ہے۔ لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ آپ کو سوائے اس کے کیا بتا سکتا ہوں کہ مجھ پر آگ پتھر اور گولی اثر نہیں کرتی۔"

"آخر اس کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی۔ تم نے کوئی خاص دوائی پی رکھی ہوگی۔ کوئی خاص انجکشن لگوا رکھا ہوگا۔ بس ہمیں صرف اتنا بتا دو کہ وہ انجکشن یا دوائی کونسی ہے جس کی وجہ سے تم مر نہیں سکتے اور خاص طور پر آگ تم پر اثر نہیں کر سکتی۔"

سائنس دان کے اس سوال پر عنبر سوچ میں پڑ گیا اس نے سوچا کہ کس طرح ان لوگوں کو دنیا والوں کو ہلاک کرنے سے روکنا چاہیے اس نے کہا۔

"میں آپ کو دس روز کے بعد بتا سکوں گا۔"

سائنس دان ہنس پڑا۔

"تم دنیا والوں کو تباہی سے بچانا چاہتے ہو؟ لیکن میرے دوست! ایسا نہیں ہو سکے گا۔ تم راز بتاؤ خواہ نہ بتاؤ۔ دنیا والوں کی مکمل بربادی میں صرف چھ روز باقی رہ گئے ہیں۔

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ سوچنے لگا۔ یہ کم بخت تو فیصلہ کر چکے ہیں اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کل شام کو اپنا راز فاش کر دوں گا۔"

سائنس دان نے کہا۔

"اگر تم نے کل شام تک ہمیں اپنا راز نہ بتایا تو ہم پرسوں ہی دنیا کے سارے انسانوں کو ہلاک کر دیں گے اور یقیناً ان لوگوں میں تمہارے بہن بھائی بھی ہوں گے۔ تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ ہم سائنس میں کس قدر ترقی کر چکے ہیں اور ہمارے لئے دنیا کی ساری آکسیجن اور انسانوں کے جسموں سے سارا فاسفورس نکال لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔"

اتنا کہہ کر سائنس دان چلا گیا۔

عنبر گہری سوچ میں گم گیا۔ رات آ گئی۔ بس رات کیا آئی۔ یونہی باہر ہلکا سا اندھیرا چھا گیا اور بس —— یہ وقت اس ستارے کے لوگوں کے سونے کا وقت تھا۔ وہ وقت دیکھ کر سوتے تھے۔ کیونکہ سورج تو دن میں کئی بار طلوع ہو کر غروب ہوتا تھا۔ عنبر اسی وقت کچھ نہ کچھ کر گزرنا چاہتا تھا۔ جب اس کے حساب سے رات گہری ہو گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ ستارے کے لوگ گہری نیند میں کھو چکے ہوں گے۔ تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا دیوار کے پاس آیا تو دیوار کا دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔ عنبر خاموشی سے لیبارٹری سے نکل کر دروازے کی طرف چل پڑا۔

لیبارٹری میں خاموشی تھی۔ شاید عظیم سائنس دان سو گیا تھا۔

عنبر بڑے دروازے سے بھی نکل گیا۔ باہر آتے ہی اس نے چاروں طرف دیکھا۔ سورج چھٹی کر کے ساتویں بار غروب ہو گیا تھا اور تھوڑی دیر بعد اسے ایک بار پھر مشرق کی طرف سے طلوع ہونا تھا۔ وہ سورج کی روشنی پھیلنے سے پہلے پہلے کچھ کر گزرنا چاہتا تھا۔

وہ بڑی احتیاط سے چاروں طرف دیکھتا ہوا اس پہاڑی کی طرف روانہ ہوا جس کے غاروں میں اڑن طشتریاں جمع کر رکھی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ وہاں سخت پہرہ ہوگا۔ پھر وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا آگے بڑھتا چلا گیا۔ پہاڑی کے قریب آ کر اس نے پہرے داروں کو دیکھا جو ہاتھ میں ایٹمی گن لیے کھڑے تھے غار کا دروازہ بند تھا عنبر ایک جگہ گول پتھروں کی اوٹ میں ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اب وہ اسے کیا کرنا چاہیئے؟

وقت گزر رہا تھا۔ اس نے غور سے جائزہ لیا۔ بائیں جانب سے گول گول پتھروں کی ایک قطار سی پہاڑی کی طرف چلی گئی تھی۔ عنبر نے اٹھ کر دیوار کے پیچھے سے ہو کر پہاڑی کی طرف کھسکنا شروع کر دیا۔ آخر وہ کمر جھکا کر کھسکتا کھسکتا پہاڑی کے عقب میں پہنچ گیا۔ یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ بڑی ویرانی تھی۔ وہ بائیں جانب سے ہو کر پہاڑی کی گول دیوار کے ساتھ

ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ دیوار ختم ہوئی تو اسے تانبے کا ایک تار نظر آیا جو دیوار میں سے باہر نکلا ہوا تھا۔ عنبر نے اسے غور سے دیکھا تو محسوس ہوا کہ وہ کوئی خفیہ چابی ہے۔ لیکن اس نے تار کو چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور دیوار جہاں ختم ہوتی تھی وہاں سے آگے جھانکا۔ اُدھر بھی کوئی نہیں تھا۔ ذرا آگے ہوا تو سامنے دو اور تانبے کے خول والے پہرے دار کھڑے تھے۔

ان پہرہ داروں کے ہاتھوں میں ایٹمی بندوقیں تھیں۔ ان بندوقوں سے ایک ایسی شعاع نکلتی تھی جو ہر شے کو بھسم کر دیتی تھی۔ عنبر اس بندوق سے نہیں ڈر رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ وہ ہر کام خاموشی اور رازداری کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ وہ پہرے داروں کو دیکھ کر واپس اسی جگہ آ گیا جہاں دیوار میں تانبے کا تار نکلا ہوا تھا۔

⊙

خلائی قبر

عنبر نے تار کو چھوا۔

اس کا خیال تھا شاید کہیں کوئی خطرے کا الارم بج اٹھے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی۔ رات گزرنے میں تھوڑا وقت ہی رہ گیا تھا۔ مشکل سے دو گھنٹے باقی تھے۔ پھر سورج کو نکل آنا تھا۔ اور یہاں سورج ایکدم سے نکل آتا تھا اور آسمان کے بیچ میں آجاتا تھا۔ عنبر نے تار کو پکڑ کر تھوڑا سا اپنی طرف کھینچا تو بڑی ہی آہستگی سے پتھر کی دیوار ایک جگہ سے ہٹ گئی اور ایک سوراخ پیدا ہو گیا۔

عنبر سمجھ گیا کہ یہ اڑن طشتریوں کے ہنگروں کی طرف جانے کا کوئی خفیہ راستہ ہو گا۔ اسے بھی کسی ایسے ہی راستے کی تلاش تھی۔ وہ سوراخ میں سے اندر داخل ہو گیا۔ آگے اندھیرا تھا۔ وہ ایک پل کے لیے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ پھر اندھیرے میں اسے ایک راستہ نظر آیا۔ یہ تنگ سا راستہ تھا اور پہاڑی کے اندر چلا گیا تھا۔ عنبر نے آگے چلنا شروع

کیا۔ راستہ بائیں جانب مڑ گیا۔

اب اسے ہلکی روشنی دکھائی دی۔ عنبر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا روشنی کے زیادہ قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ سامنے ہال کمرہ ہے اور تین اڑن طشتریاں ساتھ ساتھ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھڑی ہیں۔ یہ اڑن طشتریاں بڑی خوبصورت اور کافی بڑی تھیں۔ عنبر اڑن طشتریوں کی ایٹمی مشینری سے خوب واقف تھا اور اسے انہیں چلانے کا تجربہ تھا۔ دبے دبے قدم اٹھاتا ہوا وہ ایک اڑن طشتری کے پاس جا کر رک گیا۔

اس نے دیکھا کہ ہر اڑن طشتری کے اوپر پہاڑی کی چھت میں شگاف تھا یہ اس واسطے رکھا گیا تھا تاکہ اڑن طشتری اوپر اٹھ کر پہاڑی سے باہر نکل سکے۔ عنبر نے اڑن طشتری کے دروازے کو جھک کر دیکھا۔ دروازے کے ساتھ ہی زرد رنگ کا ایک ننھا سا بٹن تھا۔ عنبر نے بٹن دبایا۔ دروازہ کھل گیا۔ عنبر اڑن طشتری میں داخل ہو گیا۔ اس نے گھوم پھر کر اڑن طشتری کی ساری مشینوں کا جائزہ جائزہ لیا۔ ہر شے اپنی اپنی جگہ پر بالکل ٹھیک تھی۔

عنبر نے اس اڑن طشتری میں فرار کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہاں سے نکل کر وہ دوسری اڑن طشتری میں گیا اسے معلوم تھا کہ اڑن طشتری کے کمپیوٹر کنٹرول کے ایک خاص پرزے کو اگر نکال لیا جائے تو اڑن طشتری اڑ نہیں سکتی۔ عنبر نے

اور سوراخ میں سے باہر نکل آیا۔ اس نے باہر آکر تانبے کی تار کو دوبارہ کھینچا تو دیوار بالکل مل گئی۔

عنبر واپس لیبارٹری والے اپنے کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔ دونوں کمپیوٹر کنٹرول اس نے آتے ہوئے پہاڑی کے دامن میں ایک جگہ زمین میں دبا دیئے تھے۔ ایک گھنٹے بعد دن نکل آیا۔ سائنسدان سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے کہا۔

"مسٹر عنبر! تمہیں سن کر شاید خوشی نہ ہو کہ تمہاری دنیا گئے ہوئے ہمارے آدمیوں نے پرسوں دنیا کے سارے انسانوں پر ایکدم حملے کا پروگرام طے کر لیا ہے۔"

عنبر کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس غرض سے اس نے پوچھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ساری دنیا کے انسانوں کے جسموں سے ایکدم سے فاسفورس نکال لیا جائے۔"

عظیم سائنسدان ہنسا اور بولا۔

"شاید تمہیں اب بھی یقین نہیں آیا کہ ہم لوگ سائنس میں تمہاری دنیا والوں سے بہت آگے ہیں۔ ہمارے آدمیوں نے زمین پر جو لیبارٹری بنا رکھی ہے اس میں ایک تانبے کی مخروطی مشین لگی ہے۔ اس مشین کا بٹن دبانے سے اس

میں سے شعاعیں نکلنا شروع ہو جائیں گی۔ یہ شعاعیں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے ساری دنیا کے انسانوں کے پاس پہنچ کر انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیں گی۔ اور انہیں ہلاک کر کے ان کے جسموں سے سارا فاسفورس نکال کر اسے توانائی میں تبدیل کر کے واپس ہماری لیبارٹری میں پہنچا دیں گی جہاں سے ہم اس توانائی کو فاسفورس میں تبدیل کر کے ایک مشین میں اکٹھا کریں گے۔ اور پھر اسے شعاعوں کی مدد سے اوپر اپنے ستارے میں بیم اپ کر لیں گے۔ کہو، اب یقین آیا تمہیں کہ نہیں؟"

عنبر یہی معلوم کرنا چاہتا تھا۔ بولا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگ سائنس میں ہم سے بہت آگے ہو۔ لیکن اگر کسی حادثے کی وجہ سے تانبے کی مخروطی مشین خراب ہو جائے یا تباہ ہو جائے تو پھر کیا کرو گے؟"

سائنسدان بولا۔

"اول تو ایسا ہونا ناممکن ہے۔ زمین کی لیبارٹری میں اس مشین کی بے حد احتیاط کی جا رہی ہے اور اگر کسی حادثے کی وجہ سے ہماری مشین خراب بھی ہو جاتی ہے تو ہم اوپر سے دوسری مشین نیچے روانہ کر دیں گے۔" عنبر نے کہا۔

"آپ لوگوں کا بیم اپ کرنے والا مشین تو پانچ ایک

عجیب و غریب چیز ہے۔ کاش ہماری دنیا کے سائنسدان آ کر یہاں دیکھتے کہ آپ لوگوں نے سائنس میں کس قدر ترقی کی ہے۔

سائنسدان اپنی تعریف سن کر بے حد خوش ہوا۔ کہنے لگا۔

"ہم نے بڑی محنت کے بعد انسانوں اور سامان کو شعاعوں میں تبدیل کرکے دنیا میں پھینکنے والا سٹیشن بنایا ہے ابھی صرف ایک ہی سٹیشن بن سکا ہے۔ دوسرا سٹیشن اس لئے کبھی نہیں بن سکتا کہ اتنی طاقتور شعاعیں اس ستارے پر نہیں ہیں کہ وہ دو سٹیشنوں کو چلا سکیں۔"

عنبر نے بات کو نئی رُخ دینا چاہا۔ بولا۔

"فرض کر لیا جائے کہ دوسرے کسی سیارے سے کسی شہاب ثاقب کا ٹکڑا آ کر تمہاری لیبارٹری کے عین اُپ سٹیشن پر گرتا ہے۔ سٹیشن تباہ ہو جاتا ہے تو پھر کیا ہوگا؟"

سائنسدان نے مسکرا کر کہا

"مسٹر عنبر! ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ ہم نے اپنی لیبارٹری کے اوپر دو میل تک ایسی شعاعیں پھیلا رکھی ہیں جو شہاب ثاقب کو اپنی گرمی سے پگھلا کر رکھ دیتی ہیں۔ اس طرح سے ہمارے سٹیشن کو ہرگز ہرگز کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔"

عنبر نے کہا۔ "نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ فرض کیا جائے اگر ایسا ہو جائے تو پھر کیا ہوگا؟ کیا آپ پھر بھی اپنے آدمی اور مشینیں نیچے شعاعوں کے ذریعے بھیج سکیں گے؟"

سائنس دان نے کہا۔

"نہیں۔ پھر ہم ایسا نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ صرف یہی ایک سٹیشن ہے اور اسی جگہ وہ مشین لگی ہے جو انسان اور سامان کو شعاعوں میں بدل کر انتہائی برق رفتاری کے ساتھ نیچے زمین پر پھینکتی ہے اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی مشین نہیں ہے۔"

عنبر نے پوچھا۔ "کیا آپ دوسری مشین نہیں بنا سکتے؟"

سائنس دان بولا۔ "بنا سکتے ہیں مگر اس میں بڑی دیر لگے گی۔ اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس مشین میں جو ریڈیم استعمال کیا گیا ہے وہ ایک مشین کے لیے ہی کافی ہے اور یہ ریڈیم ہمارے سیارے کی ساری زمین کا عرق ہے۔ بس اس کے علاوہ ہمارے سیارے پر ریڈیم کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے اور اگر ریڈیم نہیں ہوگا تو دوسری مشین ہمارے لئے بیکار ہوگی۔ کیونکہ ہم اس کے لیے ریڈیم پیدا نہ کر سکیں گے۔ اسی لیے ہمارے آدمی جو زمین پر گئے ہیں انہیں خاص طور پر یہ ہدایت بھی

کی گئی ہے کہ وہ زمین پر سے سارا ریڈیم بھی اکٹھا کر کے لے آئیں۔"

عنبر مسکرایا۔ اس کو جس قسم کی معلومات کی ضرورت تھی وہ اُسے مل چکی تھیں۔ ایک بات کھُل کر سامنے آ گئی تھی کہ اگر بیم اپ سٹیشن کو تباہ کر دیا جائے تو یہ لوگ ساری زندگی نہ تو اپنے سیارے سے نیچے ہماری زمین پر دوبارہ آ سکیں گے اور نہ پھر زمین پر گئے ہوئے ان کے آدمی اوپر آ سکیں گے۔ اس وقت عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اسے تباہ کر کے وہاں سے جائے گا۔

وہ سارا دن اُس نے ایک انتہائی طاقتور ٹائم بم بنانے میں صرف کر دیا۔ لوہے کا یہ بم چھوٹا سا تھا۔ انتہائی مضبوط اور دس اِنچ موٹی لوہے کی چادر کے اندر لپٹا ہوا تھا۔ آدھی رات کو اس نے یہ بم بیم اپ شعاعی سٹیشن کی خاص ریڈیم والی مشین کے نیچے چھپا کر لگا دیا اور اُس کا وقت دو گھنٹے بعد پھٹنے پر مقرر کر دیا۔ گویا اس بم کو دو گھنٹے بعد پھٹ کر سارے سٹیشن کو تباہ و برباد کر کے اِن شیطانی لوگوں سے دنیا والوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لینا تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کر عنبر اس گول پہاڑی کی طرف چلا جہاں اڑن طشتریاں تھیں۔ تانبے کے تار کو کھینچ کر وہ اندر داخل ہو گیا۔ وہ ایک اڑن طشتری میں جا کر بیٹھ گیا۔ باقی دونوں اڑن طشتریوں کے کمپیوٹر کنٹرول اس

نے نکال کر ضائع کر دیئے تھے جن کی وجہ سے اب یہ دونوں اڑن طشتریاں بیکار ہو گئی تھیں اور اڑ نہیں سکتی تھیں۔ عنبر اب جلد سے جلد وہاں سے فرار ہو جانا چاہتا تھا۔ ایک بات کا اسے یقین تھا کہ یہ لوگ اڑن طشتری میں بیٹھ کر اس کا تعاقب نہیں کر سکتے۔

اس نے اڑن طشتری میں محسوس کیا کہ وہاں پانی نہیں ہے پانی بنانے والی آکسیجن کی مشین باہر پڑی تھی۔ وہ طشتری سے باہر آ گیا۔ آکسیجن کی مشین کے پاس جا رہا تھا کہ اچانک تانبے کے خول والے پہرے دار کی نظر اس پر پڑ گئی وہ کسی کام سے اندر آ گیا تھا۔ اس نے عنبر کو دیکھا تو وہیں سے ایٹمی گن کا فائر کر دیا۔ لیکن عنبر پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

عنبر کو خطرہ ہوا کہ کہیں وہ الارم کر کے سب لوگوں کو خبردار نہ کر دے۔ اس نے آگے بڑھ پہرے دار کو ایک زوردار دھکا دیا۔ اس دھکے کا پہرے دار پر کوئی اثر نہ ہوا۔ مگر اس کی گن دور جا پڑی۔ عنبر نے تیزی سے لپک کر گن اٹھائی اور فائر کر دیا۔ گن کی شعاعیں پہرے دار پر پڑیں اور اسے جلا کر خاک کر گئیں۔ اس شور کی وجہ سے دوسرا پہریدار بھی اندر آ گیا۔

اس نے آتے ہی عنبر پر فائر کر دیا۔ ادھر عنبر نے بھی فائر

کر دیا۔ دوسرا پہرے دار بھی جل کر راکھ ہو گیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر عنبر نے پانی بنانے والی آکسیجن اور ہائیڈروجن کی مشین اٹھا اپنی اڑن طشتری میں رکھی۔ دروازہ بند کیا اور پینل پر بیٹھ کر مشین چلا دی۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ اڑن طشتری زمین پر سے اوپر اٹھی اور بڑے سکون کے ساتھ چھت کے سوراخ میں سے باہر نکل گئی۔ باہر آتے ہی عنبر نے مشین کی رفتار ایک دم تیز کر دی۔

اڑن طشتری ہزاروں میل فی سیکنڈ کی رفتار کے ساتھ اوپر کو اٹھی۔ ایک زبردست دھکا لگا جس نے عنبر کو اٹھا کر چھت سے پہنچ دیا۔ اس کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اس کی ہڈیوں کا چورا بن جاتا مگر عنبر کو کچھ نہ ہوا۔ اڑن طشتری نے سیارے کا ایک چکر لگایا۔ اور خلا میں پرواز کر گئی۔

اس کے اڑتے ہی عظیم سائنسدان کو معلوم ہو گیا کہ عنبر فرار ہو گیا ہے۔ اس نے اسی وقت الارم بجا دیا۔ سپاہی عنبر کے تعاقب کے لیے اڑن طشتری کی طرف بھاگے مگر معلوم ہوا کہ دونوں اڑن طشتریاں بیکار ہو چکی ہیں عظیم سائنسدان نے چیخ کر کہا۔

"عنبر کی اڑن طشتری کو راڈار پر تلاش کرو اور شعاعی مشین پر اس کا زاویہ مقرر کرو۔ میں اس کی طشتری میں جا کر

اسے گرفتار کر کے واپس لاؤں گا۔

سائنسدان کے ساتھیوں نے ایسا کرنے سے منع کیا۔

"سر آپ ایسا نہ کریں۔ آپ اکیلے اس شخص کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ اس پر آگ اثر نہیں کرتی۔"

عظیم سائنسدان نے کہا۔

"میرے پاس بے ہوش کرنے والی دوائی ہے میں اس دوائی کی مدد سے بے ہوش کر کے اڑن طشتری واپس لے آؤں گا۔

ایسا ہو سکتا تھا۔ بس اسی وقت راڈار پر عنبر کی طشتری کو تلاش کر کے زاویہ مقرر کر دیا گیا۔ سائنسدان بیم اپ والی شعاعی مشین کے سلنڈر میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے سائنسدان نے ٹھیک وقت پر بٹن دبا دیا۔ سائنسدان سیارے سے شعاع بن کر عنبر کی اڑن طشتری میں پہنچ گیا۔ اس وقت عنبر مشین روم میں تھا۔

اچانک اسے اوپر پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ چوکنا ہو گیا سے احساس ہوا کہ سیارے سے کوئی شعاع بن کر اوپر گیا ہے۔ کیونکہ ابھی شعاعی سٹیشن کے بم کے پھٹنے میں ایک منٹ باقی تھا۔ عنبر نے اسی وقت ایک آکسیجن ماسک نکال کر پر پہن لیا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ جو کوئی بھی سیارے

سے اس کی طشتری میں آیا ہے۔ وہ اسے بے ہوش کر کے
قابو کرنے کی کوشش کرے گا۔ اور عنبر بے ہوش ہو سکتا
عنبر ہوشیار ہو چکا تھا۔ ادھر عظیم سائنسدان بھی بڑا چالاک تھا
اس نے خود بھی ماسک پہن رکھا تھا۔ اور کمرے میں اس
نے بے ہوشی کی دوا پھیلا دی تھی تاکہ عنبر اوپر آتے
ہی بے ہوش ہو جائے۔ یہ دوا بے حد تیز تھی۔ عنبر
ایک جگہ مشینوں کے پیچھے چھپ گیا۔

سائنس دان نے جب دیکھا کہ عنبر وہاں نہیں ہے
تو اس نے اڑن طشتری کا رخ واپس اپنے سیارے
کی طرف موڑ دیا۔ رخ کے مڑتے ہی اڑن طشتری کو
ایک دھچکا سا لگا۔ عنبر نے دیوار پر لگی سکرین میں دیکھا
کہ اس کی اڑن طشتری واپس مڑ رہی تھی اسے خطرے
کا احساس ہو گیا۔ سمجھ گیا کہ سائنس دان خود اوپر آ
چکا ہے اور اس نے اڑن طشتری کا رخ موڑ دیا ہے
اب وہ نیچے چھپ کر نہیں بیٹھا رہ سکتا تھا۔

وہ تیزی سے اوپر آ گیا۔
کیا دیکھتا ہے کہ سائنس دان مشینوں کے سامنے کھڑا
ہے۔ کمرے میں ہلکی ہلکی دھند پھیلی ہوئی تھی۔ یقیناً یہ
بے ہوشی کی دوائی تھی۔ عنبر کو گیس ماسک میں دیکھ کر

سائنس دان کو سخت مایوسی ہوئی۔ اس نے آگے بڑھ کر
عنبر پر حملہ کر دیا تاکہ وہ اس کا گیس ماسک کس طریقے
اتار پھینکے۔ مگر سائنس دان بوڑھا تھا۔ اس میں اتنی
طاقت نہیں تھی کہ عنبر کا مقابلہ کر سکتا۔ عنبر نے اسے
اٹھا کر فرش پر دے مارا۔

پھر اس نے جلدی سے بٹن دبا کر اڑن طشتری کا
رخ دوبارہ اپنی زمین کی طرف پھیر دیا۔ تب اس نے
سائنس دان کو پکڑنا چاہا تو وہ اٹھ کر کمپیوٹر کنٹرول کی
طرف بھاگا تاکہ اڑن طشتری کو بیکار کر دے۔ عنبر
اچھل کر سائنسدان کے اوپر گرا۔ سائنس دان گر پڑا۔ عنبر
نے اسے اٹھا کر دو مشینوں کے درمیان دے مارا۔ سائنسدان
وہاں پھنس کر رہ گیا عنبر تانبے کی زنجیر نکال کر سائنسدان کو
اسی جگہ جکڑ کر رکھ دیا اس کے بعد عنبر نے

ایک خاص بٹن دبایا جس سے اڑن طشتری کی چھت
پر ایک سوراخ نمودار ہو گیا۔ یہاں سے تازہ ہوا اندر
آنے لگی اور بے ہوشی کی دوائی کا غبار باہر جانا شروع
ہو گیا۔ عنبر نے جب دیکھا کہ دوائی کا سارا غبار کمرے
سے صاف ہو گیا ہے تو گیس ماسک اتار دیا۔
فضا بالکل صاف ہو چکی تھی۔ اس نے چھت کا سوراخ

بند کر دیا اور سائنس دان سے کہا۔

"تم انسانیت کے دشمن ہو۔ تم ایک شیطانی طاقت کے طور پر کام کر رہے تھے اور تم نے پوری انسانیت کو تباہ کرنے کا جال پھیلایا تھا مگر خدا کا شکر ہے کہ اللہ نے انسانوں کو اور زمین کو بچا لیا۔"

سائنسدان نے کہا۔

"عنبر! یہ تمہاری بھول ہے۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ اگر تم نے مجھے ہلاک بھی کر دیا۔ تو میرے ساتھی بیم اپ سٹیشن کی مدد سے شعاعیں بن کر تمہاری زمین پر حملہ کر دیں گے اور تمہاری زمین پر کسی جاندار کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ ایٹمی شعاعوں سے تمہاری عمارتوں، جھیلوں اور پہاڑوں کو بخارات بنا کر فضاؤں میں اڑا دیں گے۔"

عنبر نے کہا۔ "اور شاید تمہیں بھی یہ علم نہیں ہے کہ تمہارے بیم اپ سٹیشن میں ایک ایسا طاقتور بم لگا آیا ہوں۔ جو آدھ گھنٹے بعد پھٹنے والا ہے اور جو تمہارے سٹیشن کو ہمیشہ کے لیے برباد کرکے رکھ دے گا۔"

سائنس دان اپنی جگہ سے اچھلا اور پھر سنجیدہ آواز میں "میرے سائنس دان دوسرا سٹیشن بنا لیں گے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"اس کے لیے ریڈیم کہاں سے لائیں گے وہ؟ کیا تمہیں

ہیں معلوم کہ تمہارے سیارے میں جس قدر ریڈیم تھا وہ ی سٹیشن خرچ ہو چکا ہے اور اس سٹیشن کے تباہ ہونے کے ہ تمہارے سیارے پر ریڈیم کہیں سے بھی نہیں مل سکے گا۔

سائنس دان خاموش ہو گیا۔ اسے بے بس کر دیا گیا تھا۔ وہ ہ گیا تھا کہ اسے شکست ہو چکی ہے۔ عنبر نے کہا۔

وہ میں سکرین کھول رہا ہوں۔ تم اس پر اپنے سٹیشن کی باہی کا منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے"

عنبر نے بڑے ٹیلی ویژن کی سکرین کھول دی اور بٹن دبا ہ سوئی کا رخ سائنسدان کے سیارے کی طرف کر دیا۔ سکرین پر سیارے کی لیبارٹری میں بیم اپ سٹیشن کی تصویر ابھر آئی۔ عنبر بولا۔

"اس تصویر کو پہچانتے ہو نا؟ یہ تمہارے اسی بیم اپ شعاعی سٹیشن کی تصویر ہے جس پر تمہیں بڑا فخر ہے۔"

سائنسدان نے دیکھا کہ بیم اپ سٹیشن اس کی لیبارٹری کا تھا اور وہاں اس کے ساتھی سائنسدان بیٹھے کام میں مصروف تھے۔ عنبر نے کہا۔

"ان میں سے کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ اسی سٹیشن میں ایک خاص جگہ پر میں نے ایک بڑا ہی طاقتور ٹائم بم لگا رکھا ہے جس کی سوئی بڑی تیزی سے گردش کر رہی ہے۔ اور جب وہ ایک خاص وقت کے بعد بارہ پر

پہنچے گی تو ایک بھیانک دھماکہ ہو گا۔ اور انسانیت کے خلاف
تمہارے سارے منصوبے اور تمہارے سارے بڑے شیطان
کے چیلے سائنسدان ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائیں گے۔ اب
تم اس سٹیشن کو تکتے رہنا۔
کیونکہ بم میں اب صرف ۲۵ منٹ رہ گئے ہیں۔"

عظیم سائنسدان کی عقل جواب دے چکی تھی۔ اسے شکست
ہو چکی تھی۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ اپنی
تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس نے
آخری بار عنبر سے اپیل کی اور کہا۔

"مسٹر عنبر! اگر تم میری جان بخشی کر دو تو میں تم سے
وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بعض ایسے قیمتی راز بتا دوں گا
کہ تم ساری کائنات پر حکومت کرنے لگو گے۔"

عنبر نے کہا۔

"کائنات پر صرف خدا کی حکومت ہے اور وہی حکومت
کے لائق ہے۔ کسی انسان میں اتنا اختیار نہیں ہے کہ
کائنات پر حکم چلا سکے اس واسطے تمہاری یہ لالچی باتیں مجھ
پر اثر نہیں کر سکتیں۔ تم شیطان کے چیلے ہو بلکہ شیطان ہو۔
اس لیے تمہیں زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ کیونکہ تم زندہ
رہ کر کبھی نہ کبھی ضرور انسانوں کا قتل عام کرنے کے

منصوبے پر عمل شروع کر دو گے۔"

سائنسدان خاموش ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

"لیکن مرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی آنکھوں
سے اپنے سٹیشن کی تباہی کا حال ضرور دیکھ لو"

عنبر نے الٹی گنتی شروع کر دی۔ بم پھٹنے میں صرف دس
منٹ رہ گئے تھے۔ سائنسدان کی نظریں سکرین پر جمی ہوئی
تھیں۔ جس پر اس کے شعاعی سٹیشن کی تصویر صاف دکھائی
دے رہی تھی۔ اس کے ساتھی سائنسدان وہاں مختلف
کاموں میں لگے ہوئے تھے اور اپنے بڑے شیطان کی
واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

عنبر نے کہا۔

"یہ سب شیطانی طاقتوں کے نمائندے ہیں انہیں بھی
اس شیطانی مشین کے ساتھ ہی ختم ہو جانا چاہیے۔

اب صرف پانچ منٹ رہ گئے تھے۔

اب تین منٹ رہ گئے تھے۔

اب صرف ایک منٹ رہ گیا تھا۔

پھر دس سیکنڈ باقی رہ گئے۔ عنبر نے کہا۔

"سکرین پر نظریں جمائے رکھنا عظیم سائنسدان بم پھٹنے
ہی والا ہے"

اور ٹھیک جب سوئی بارہ پر پہنچی تو سائنسدان
نے دیکھا کہ سکرین پر ابھری ہوئی شعاعی سٹیشن کی تصویر
ایک بھیانک دھماکہ ہوا جس کی آواز اسے سنائی نہ
مگر اس نے دیکھا کہ شعاعی سٹیشن کی ساری مشین ایک
اپنی جگہ سے اچھلیں اور پھر وہاں سوائے گرد اور آ
کے شعلوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ عنبر نے کہا۔
"خدا کا شکر ہے کہ تباہی و بربادی کا یہ آلہ اپنی
تباہی کا باعث بن گیا۔"
سائنسدان نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور کہا۔
"اب میرے بارے میں تمہارا کیا فیصلہ ہے؟"
عنبر نے کہا۔
"فیصلہ میں کر چکا ہوں۔ تمہیں تانبے کے ایک
میں بند کر کے خلا میں چھوڑ دیا جائے گا۔ اور پھر
ابد تک خلا میں چکر لگاتے رہو گے۔ آکسیجن اور
کی کمی سے تم اندر ہی ہلاک ہو جاؤ گے لیکن تمہا
لاش خول میں بند خلاؤں میں بھٹکتی پھرے گی ایک
بھوکی روح کی طرح۔
سائنسدان نے کوئی جواب نہ دیا۔ عنبر نے سائنس
کو مشینوں کے درمیان سے نکالا۔ اس کی زنجیروں کو

زیادہ کس دیا۔ پھر اسے لے کر اڑن طشتری کے عقب میں
ایک چھوٹے سے کمرے میں آگیا۔ جہاں ایک سلنڈر
دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ عنبر نے اس کا دروازہ
کھول کر کہا۔
"یہ تمہاری خلائی قبر ہوگی۔
اور پھر شیطانی سائنسدان کو اندر دھکیل کر اس کا دروازہ
بند کر کے ویلڈ کر دیا۔ عنبر نے ایک خاص بٹن کو دبا
دیا۔ اس بٹن کے دبتے ہی سلنڈر نے اپنی جگہ سے
کھسکنا شروع کر دیا۔ عنبر نے دوسری مشین کے پاس
جا کر ایک چھوٹے سے لیور کو اوپر کھینچ دیا۔ لیور کے
کھنچتے ہی دیوار میں ایک سوراخ نمودار ہو گیا۔ سلنڈر سیدھا
ہو کر اس سوراخ کی طرف بڑھنے لگا۔ جب وہ سوراخ
میں داخل ہو گیا تو عنبر نے ایک سرخ بٹن کو دبا دیا۔
سرخ بٹن کے دبتے ہی سلنڈر میں سے آگ کا نیلا شعلہ
بھڑکا ایک دھماکہ ہوا اور سلنڈر راکٹ کی طرح اڑن طشتری
کے سوراخ سے نکل کر خلاؤں میں گم ہو گیا۔
عنبر نے چھت کا سوراخ دوبارہ بند کر دیا۔ اس نے
انسانیت کے سب سے بڑے قاتل کو ہمیشہ ہمیشہ کے
لئے ختم کر دیا تھا۔ اب وہ کچھ دیر کے بعد سلنڈر کے اندر مر

جائے گا۔ اور پھر اس کی لاش سلنڈر کی قبر میں بند خلاؤں
خدا جانے کب تک بھٹکتی رہے گی۔ عنبر نے اڑن طشتری
کی رفتار اور تیز کر دی۔ وہ روشنی کی رفتار سے آدھی رفتار
پر زمین کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی اڑن طشتری مختلف قسم
کے سیاروں اور ستاروں کے قریب سے گذرتی ہوئی اپنی
منزل کی طرف رواں تھی۔

اڑن طشتری ایک دن اور ایک رات تک سفر کرتی
رہی۔ عنبر پرسوں سے پہلے پہلے زمین پر پہنچ جانا چاہتا تھا
کیونکہ پرسوں شیطانی سائنسدان کے چیلوں نے زمینی
سٹیشن سے شعاعوں کی خوفناک مشین کے ذریعے سارے انسانوں
کو ہلاک کر دینا تھا دوسرے دن دوپہر کے وقت عنبر نے
سکرین پر زمین کے گولے کو ابھرتے دیکھا۔ اپنی
پیاری زمین کو دیکھ کر اسکی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی
وہ دیر تک اپنی خوبصورت رنگوں والی زمین کو تکتا رہا۔ جس
کے اوپر نیلے رنگ کے سمندر کی پٹی اور بھورے بادل
اور جنگل صرف نظر آ رہے تھے۔

اڑن طشتری بے پناہ رفتار کے ساتھ اڑی جا رہی
تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے تھوڑی دیر میں ہی زمین کا گولہ کافی
بڑا ہو گیا۔ اور اب زمین کے براعظموں کا نقشہ صاف نظر

آنے لگا تھا۔ اور پھر اڑن طشتری ایک زبردست دھچکے
کے ساتھ زمین کے مدار میں داخل ہو گئی۔ عنبر نے اڑن طشتری
کو کنٹرول کرتے ہوئے اسے اس طرف کر دیا۔ جہاں زمین
کے ایک جنگل میں تانبے کے خول والوں نے تباہی کا
سٹیشن قائم کر رکھا تھا اور جہاں خطرناک ہلاکت کی مشین لگی تھی

○

ایٹمی حملہ

عنبر نے اڑن طشتری کو جنگل میں اتار لیا۔

وہ کافی فاصلے پر اترا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ خلائی سیٹشن
پر سیارے کی مخلوق راڈار کے ذریعے اڑن طشتری کو دیکھ
لے گی۔ اور اس کا خیال درست تھا۔ خلائی مخلوق نے ز
کی اڑن طشتری کو دیکھ لیا تھا۔ انہیں یہ غلطی لگی کہ شاید ان
کے اپنے آدمی سیارے سے زمین پر آئے ہیں۔ وہ
اڑن طشتری کی تلاش میں جنگل میں نکل آئے۔ انہیں ایک بات
کی بڑی حیرانی تھی کہ اگر یہ ان کے اپنے آدمی تھے تو انہوں
اڑن طشتری کو خلائی سیٹشن کے قریب کیوں نہیں اتارا؟ یہ
انہیں یقین تھا کہ طشتری میں ان کے اپنے آدمی ہی آئے
ہوں گے۔ دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا۔ ممکن تھا کہ مشین میں
خرابی کی وجہ سے وہ خلائی سیٹشن کے قریب نہ اتر
سکے ہوں۔

دو خلائی انسان ایٹمی گنیں ہاتھوں میں لیے اڑن طشتری
کی تلاش جنگل میں نکل آئے تھے۔ وہ کمپیوٹر اور ٹرانسمیٹر کی

مدد سے اڑن طشتری کو تلاش کر رہے تھے۔ آخر انہوں
نے ایک جگہ درختوں کے درمیان طشتری کا سراغ لگا لیا۔
اڑن طشتری کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئے تو انہوں
نے محسوس کیا کہ طشتری کو چھوا کیا گیا ہے کیونکہ مشین اس حساب سے
کام نہیں کر رہی تھیں۔ جس حساب سے ان کے آدمی انہیں
چلایا کرتے ہیں۔ ضرور کسی غیر آدمی کے ہاتھ لگے تھے۔ ایک
خلائی بولا۔

"مجھے زمینی آدمی کی شعاعیں محسوس ہو رہی ہیں۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ عنبر اوپر سے اڑن طشتری اغوا
کر کے لے آیا ہے؟"

"ضرور ایسا ہی ہوا ہے"

"ہمیں عظیم سائنسدان سے بات کرنی چاہیئے۔

انہوں نے اسی وقت دوسرے کمرے میں جا کر وائرلیس
پر عظیم سائنس دان سے بات کرنے کی کوشش کی۔ لیکن
انہیں یہ سن کر حیرانی ہوئی کہ عظیم سائنسدان عنبر کی تلاش
میں گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔

"تو کیا عنبر فرار ہو چکا ہے؟"

"یہاں بڑی افسوسناک باتیں ہوئی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ عظیم
سائنسدان لاپتہ ہے جس کے بارے میں یقین ہے کہ

عنبر نے اسے ہلاک کر کے خلا میں پھینک دیا ہو گا۔ دوسرا
حادثہ یہ ہوا ہے کہ شعاعی مشین بالکل تباہ ہو کر رہ گئی
ہے۔ اس میں عنبر نے ٹائم بم رکھ دیا تھا۔ جس نے پھٹ
کر ساری مشینوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اب نہ تم لوگ شعاعوں
کے ذریعے اوپر آ سکتے ہو اور نہ ہم میں سے کوئی نیچے
جا سکتا ہے۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ لیبارٹری میں ایک
عجیب قیامت مچی ہے۔ شعاعی مشین کے لیے ریڈیم یہاں
بالکل نہیں ہے اور اگر تم لوگ اڑن طشتری میں ریڈیم لے
کر آؤ بھی تو تمہیں کافی دیر لگ جائے گی۔ کیونکہ جس رفتار
سے عنبر اڑن طشتری لے کر نیچے گیا ہے تم اتنی رفتار
سے اڑو گے اور جل کر بھسم ہو جاؤ گے۔"

"پھر ہمارے بارے میں کیا حکم ہے؟"

"تم لوگ زمینی سٹیشن پر اپنے کام کی رفتار تیز کر
دو۔ جو کام تم نے کل کرنا تھا وہ آج ہی کر دو۔ ہم
دنیا والوں سے انتقام لیں گے۔

زمین پر سے آکسیجن اور انسانوں کے اندر سے
فاسفورس کھینچنے والی مشین چلا دو۔ ہم چاہتے ہیں کہ ایک

گھنٹے کے اندر اندر زمین پر رہنے والے تمام انسانوں
کا خاتمہ ہو جائے اور تم ایسا کرو کہ سارا فاسفورس آکسیجن
اور ریڈیم اڑن طشتری میں رکھ کر اوپر پرواز شروع کر دو۔
رفتار ہرگز ہرگز زیادہ نہ بڑھانا۔ زیادہ سے زیادہ تم ایک برس میں
یہاں پہنچ جاؤ گے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ زمین پر
تم لوگ ہلاک کر دیئے جاؤ۔ بس اب جلدی سے اپنا کام
شروع کر کے ہمیں اطلاع دو۔"

"یس سر!"

وائرلیس بند کر کے خلائی آدمیوں نے ایک دوسرے
کی طرف دیکھا۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔"

"عنبر کو تلاش کرو۔"

"کہیں وہ اس طشتری میں ہی نہ چھپا ہوا ہو۔"

"تم اسے ڈھونڈو میں خلائی سٹیشن والوں کو وائرلیس
پر مشین چلانے کا حکم دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے"

ایک خلائی آدمی اڑن طشتری کی نچلی منزل کی طرف چلا
گیا اور دوسرے نے وائرلیس پر خلائی سٹیشن سے رابطہ قائم
کرنے کی کوشش شروع کر دی تھوڑی دیر بعد زمین کے خلائی

سٹیشن سے آواز آئی۔

"ہیلو! خلائی سٹیشن نمبر ایک"

"دیکھو! میں تمہیں ایک اہم پیغام دینے والا ہوں میرے حکم کو غور سے سنو!"

"حکم!"

"زمین پر بسنے والے انسانوں کو ہلاک کرنے والی مشین کو ......"

ابھی آدھا جملہ ہی اس خلائی مخلوق نے ادا کیا تھا کہ اس کی گردن پر ایٹمی شعاع آکر بھڑک اٹھی۔ ایک دھماکہ ہوا اور خلائی آدمی جل کر راکھ بن گیا۔ وائرلیس پر دوسری طرف سے برابر آوازیں آرہی تھیں۔

ہیلو! ہیلو! ہیلو!

دھماکے کی آواز نچلی منزل میں دوسرے خلائی آدمی نے بھی سنی تھی۔ وہ سب کام چھوڑ کر اوپر کی طرف بذریعہ لفٹ بھاگا۔ اس اثنا میں عنبر ایک ستون کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ خلائی آدمی نے اپنے ساتھی کی راکھ دیکھی تو اچھل کر دور ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ عنبر وہاں موجود ہے اور اسی نے اس کے ساتھی کو ہلاک کر دیا ہے وہ چھپنے کی کوشش میں عنبر کے قریب آگیا اس کی پیٹھ

عنبر کی طرف تھی۔ یہ عنبر کے لیے بڑا آسان نشانہ تھا۔ وہ اس آدمی کو زندہ رکھنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ پس اس نے ایٹمی گن کا رخ خلائی آدمی کی طرف کر کے بٹن دبا دیا۔

ایک اور دھماکہ ہوا اور دوسرا خلائی آدمی بھی جہنم میں چلا گیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر عنبر اڑن طشتری سے نکل کر خلائی سٹیشن کی طرف چل پڑا۔ اسے راستے کا علم تھا۔ خلائی سٹیشن کے سارے علاقے سے وہ واقف تھا۔ اور اسے جنگل کے درختوں میں خلائی سٹیشن کا دروازہ دکھائی دیا جس [illegible] ایک حصہ گھنی جھاڑیوں کی شاخوں میں نظر آرہا تھا۔

دروازہ بند تھا۔ عنبر نے بائیں پہلو میں دیوار کے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر بٹن دبایا۔ دروازہ آہستہ سے کھل گیا۔ عنبر بڑی تیزی سے اندر داخل ہو گیا۔ راہداری نیم روشن تھی۔ کچھ اندھیرا تھا۔ کچھ دھیمی روشنی تھی۔ عنبر جلدی جلدی دبے پاؤں چلتا راہداری کے آگے جا کر بائیں طرف مڑ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ ایک تہہ خانے میں وہ مشین [illegible] ہے جس کو چلانے سے زمین پر ساری انسانیت ایک منٹ کے اندر اندر تباہ ہو سکتی ہے۔

عنبر کسی نہ کسی طرح اس [illegible] اس مشین تک پہنچنا چاہتا تھا۔

تہہ خانے کو جانے والا دروازہ تنگ سا تھا اور اس کے باہر ایک خلائی آدمی سر پر سرخ رنگ کا کولا سا پہنے ہاتھ میں ایٹمی گن لیے بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر کو اس کی ایٹمی گن سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لیکن وہ شور مچا کر سب لوگوں کو خبردار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس طرح سے وہ عنبر کو بے ہوش کرنے والی گیس چھوڑ کر اسے بے ہوش کر سکتے تھے۔ اگر فرض کر لیا کہ وہ گیس ماسک پہن کر بے ہوش ہونے سے بچ جائے تو بھی وہ تیزی سے مشین چلا کر کم از کم اس علاقے میں رہنے والے انسانوں کی زندگیاں ختم کر سکتے تھے۔

اس لیے عنبر بڑی احتیاط کے ساتھ چل رہا تھا۔

دروازے پر پہرے دیتے خلائی آدمی نے آہٹ سنی تو چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔ اسی وقت عنبر کی گن کا منہ اس کی طرف اٹھا۔ ایک ہی وقت میں دونوں کی گنوں سے ایٹمی شعاعیں نکل کر ایک دوسرے پر گریں۔ عنبر کے جسم پر گرنے والی ایٹمی شعاعوں نے اس کا کچھ نہ بگاڑا۔ جب کہ عنبر کی گن سے نکلی ہوئی ایٹمی شعاع نے

پہرے دار کو بھسم کر دیا۔

دھماکہ ضرور ہوا تھا جس کی آواز سٹیشن میں سنی گئی تھی۔ عنبر اس عرصے میں دروازے میں سے گزر کر ان سیڑھیوں تک پہنچ چکا تھا جو نیچے تباہی کی مشین کی طرف جا رہی تھیں۔ سیڑھیوں میں ایک بلب جل رہا تھا۔ عنبر سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اس کمرے میں آ گیا جس کے وسط میں تباہی کی مشین لگی ہوئی تھی۔ مشین پر سبز بلب جل رہا تھا۔ عنبر کو دیکھ کر مشین کی دوسری طرف سے دو خلائی انسان ایٹمی گنیں لے کر اس کے سامنے آ گئے اور انہوں نے اپنی زبان میں کہا۔

"کون ہو تم؟"

اور اس سے پہلے کہ عنبر جواب دیتا دوسرے نے گن فائر کر دی۔ ایٹمی شعاع عنبر کے سر پر پڑی اور بجھ گئی۔ دوسرے خلائی انسان نے بھی گن فائر کی مگر عنبر پر اسکا کوئی اثر نہ ہوا۔ عنبر نے باری باری دو فائر کیے اور دونوں خلائی آدمی اچھلے، گرے اور پھر دیکھتے دیکھتے جل کر راکھ بن گئے۔ عنبر نے تیسرا فائر تباہی کی مشین پر کر دیا۔ ایٹمی شعاع مشین سے ٹکرائی تو ایک زبردست دھماکے کے ساتھ نیلا شعلہ بلند ہوا اور مشین نے دھڑا دھڑ جلنا شروع کر دیا۔

سارے خلائی سٹیشن کے خطرے کے الارم چیخنے لگے۔ ہر طرف ایک بھگدڑ مچ گئی۔ خلائی انسان ادھر اُدھر بھاگے پھر رہے تھے۔ تہہ خانے میں آگ لگ چکی تھی اور سیڑھیوں میں سے نیلے رنگ کا گاڑھا دھواں اوپر آ رہا تھا۔ سب خلائی آدمیوں نے گیس ماسک پہن لیے تھے۔ مگر یہ دھواں عنبر کو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا اور اوپر بھی شعلے بھڑک رہے تھے۔ گویا سیڑھیاں آگ میں گھر چکی تھیں۔ چاروں طرف نیلے رنگ کی آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

عنبر اُن شعلوں میں سے بڑے آرام سے گزرتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گیا۔ اُسے بے حد خوشی ہو رہی تھی کہ اُس نے سٹیشن کو تباہ کر کے پوری دنیا کے انسانوں کو تباہی سے بچا لیا تھا۔ خلائی آدمیوں نے آگ میں سے عنبر کو آتے دیکھا تو خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔ کیونکہ آگ اُن کے لیے موت تھی جبکہ یہ شخص آگ میں سے بڑے آرام سے چلتا باہر آ رہا تھا۔

"اسے گرفتار کر لو"

سٹیشن کے خلائی کمانڈر نے حکم دیا۔ اس کے نائب

نے کہا

"سر! شاید آپ نہیں جانتے کہ یہ عنبر ہے اور اس پر کوئی شے اثر نہیں کرتی۔ ہاں اگر کسی طرح اس پر کلوروفارم کی گیس پھینکی جائے تو یہ بے ہوش ہو سکتا ہے۔"

"تو کلوروفارم کی گیس لاؤ۔"

اتنے میں عنبر اُن کے قریب آ گیا تھا اور اُس نے اپنی اینٹی گن میں سے دو فائر کر کے دونوں کو اسی جگہ راکھ بنا کر گرا دیا۔ باقی خلائی انسان بھاگ کھڑے ہوئے۔ عنبر راہداریوں میں سے بھاگتا ہوا۔ دروازے کی طرف بڑھا۔ سارے کمروں میں آگ پھیل رہی تھی۔ پلاسٹک اور سٹیل کی دیواریں آگ سے دہک کر پگھلنے لگی تھیں۔

عنبر چاہتا تھا کہ وہ سٹیشن کے دروازے کو قابو میں کرے تاکہ ان شیطانوں میں سے کوئی بھی باہر نہ نکل سکے۔ دروازے میں اسے ایک پہرے دار نے روکا۔ لیکن وہ خود ہی جل کر بھسم ہو گیا۔ عنبر دروازے سے نکل کر باہر آ گیا اور سامنے درختوں میں جا کر نشانہ باندھ کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں دروازہ کھلا اور خلائی آدمی باہر کو لپکے۔ عنبر اسی انتظار میں تھا۔ اُس نے اینٹی گن کا بٹن دبا دیا۔ گن میں سے شعاعوں کی بارش دروازے پر شروع ہو گئی۔

دیکھتے دیکھتے کتنے ہی خلائی انسان جل کر راکھ بن گئے۔ دروازے کو آگ لگ گئی۔ وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ اردگرد کے پتھر دھماکوں سے اڑ گئے۔ عنبر لپک کر دروازے کے سامنے آگیا اور اس نے راہداری میں ایٹمی گن فائر کرنی شروع کر دی۔ راہداری میں دھماکے سے آگ لگ گئی۔ راہداری کی آگ آگے بڑھ کر تہہ خانے کی آگ سے مل گئی۔

اب ایک بھیانک دھماکہ ہونے والا تھا۔

عنبر دوڑتا ہوا جنگل میں آکر اڑن طشتری میں گھس گیا اور اُسے چلا دیا۔ اڑن طشتری زمین پر سے بلند ہوئی اور اُس نے فضا میں جا کر جنوب کی طرف اڑنا شروع کر دیا۔ ابھی عنبر تھوڑی ہی دُور گیا ہوگا کہ زمین پر اس جگہ جہاں خلائی سٹیشن تھا ایک نیلے رنگ، کا شعلہ بھڑک کر آسمان کی طرف بلند ہوا۔ جیسے کوئی بہت بڑا آتش فشاں ابل پڑا ہو۔ اور پھر ایک دھماکے کی آواز آئی جس کی لہروں نے اڑن طشتری کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ خلائی شیطانوں کا خلائی سٹیشن تباہ ہو چکا تھا اور اُس کے اندر کام کرنے والے سارے کے سارے انسانیت کے دشمن اپنے انجام کو پہنچ چکے تھے۔

عنبر اڑن طشتری کو لے کر آسمان کی بلندیوں کی طرف نکل گیا۔ وہ کافی بلندی پر جا کر پرواز کرنا چاہتا تھا تاکہ لوگوں کو اڑن طشتری کا علم نہ ہو سکے۔ لیکن زیادہ بلندی پر جانے سے اُسے زمین کے نقشے اور جگہوں کو پڑھنے میں بڑی دقت ہو رہی تھی۔ اُسے کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کہاں اور کس علاقے پر پرواز کر رہا ہے۔ آخر اس نے زمین کے قریب آنے کا خطرہ مول لے لیا۔ بات اصل میں یہ تھی کہ وہ جدید سائنس کے دور میں آ چکا تھا جبکہ جیٹ ہوائی جہاز اڑتے تھے اور مختلف ملکوں کے راڈار سکرین اُن کی سرحدوں پر لگے ہوئے تھے۔

اس وقت عنبر سپین کے ملک کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ کہ جبرالٹر کی چٹانوں پر لگے ہوئے راڈار نے اس کی اڑن طشتری کو دیکھ لیا۔ سپین کی فضائیہ میں کھلبلی مچ گئی کہ یہ کیا شے اُن کے ملک کے اوپر پرواز کر رہی ہے! اسی وقت سپین کی فضائیہ کے دو زبردست طاقت والے جیٹ طیارے فضا میں بلند ہوئے اور انہوں نے اڑن طشتری کی طرف پرواز شروع کر دی۔ دوسری طرف عنبر نے بھی اپنی سکرین پر دیکھ لیا کہ دو ہسپانوی جیٹ طیارے اس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ عنبر مسکرایا۔ وہ ان لوگوں سے ذرا

کھیل تماشہ کرنا چاہتا تھا۔

اس نے اڑن طشتری کی رفتار تیز کر کے اس کا رخ اوپر کی طرف کر دیا۔ اڑن طشتری دیکھتے دیکھتے۔ جیٹ جہازوں کے سکرین سے غائب ہو گئی۔ انہوں نے نیچے کنٹرول سے کہا۔

"اڑن طشتری غائب ہو گئی ہے۔ وہ ہمیں دکھائی نہیں دے رہی ہے"

نیچے سے آواز آئی

"یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ وہ ضرور یہیں کہیں ہو گی اسے تلاش کرو۔ وہ ہمارے ملک کی سلامتی کے لیے خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔"

"او کے سر"

مگر جیٹ میں بھلا اتنی طاقت کہاں تھی کہ وہ پچاس ساٹھ ہزار میل فی منٹ کی رفتار سے اڑنے والی اڑن طشتری کا مقابلہ کر سکتے۔ چند لمحے ہی بھٹکنے کے بعد انہوں نے کنٹرول کو اطلاع دی کہ اڑن طشتری کہیں بھی نظر نہیں آ رہی۔

"تلاش جاری رکھی جائے"

اب عنبر اڑن طشتری کو نیچے پرواز کر کے جیٹ طیاروں کے اوپر لے آیا۔ ہوا بازوں نے ایک دوسرے کو وائرلیس پر اڑن طشتری کی اطلاع دی اور کنٹرول سے کہا۔

"وہ چیز نظر آ گئی ہے۔ وہ ہمارے بالکل اوپر ہے اور ہم خطرے میں ہیں۔"

"اسے تباہ کر دو۔"

یہ کنٹرول والوں کا ایک احمقانہ حکم تھا۔ ہوا بازوں نے جیٹ کا منہ اوپر کر کے اڑن طشتری پر فائر کیا۔ لیکن انہیں کیا معلوم تھا۔ کہ اڑن طشتری جس دھات سے بنائی گئی تھی۔ اس پر آگ یا بارود اثر نہیں کرتا تھا۔ راکٹ اڑن طشتری کے پیندے سے ٹکرا کر پلٹا اور فضا میں بکھر گیا اور اڑن طشتری ویسے ہی اڑتی رہی۔ ہوا بازوں نے دوسرا تیسرا اور چوتھا راکٹ چھوڑ دیا

ان راکٹوں کا بھی وہی حشر ہوا۔ اب وہ گھبرا گئے کہ اگر اڑن طشتری نے حملہ کر دیا تو شاید وہ زندہ نہ بچ سکیں گے۔ انہوں نے نیچے کنٹرول کو اطلاع کر دی کہ ہمارے راکٹ اڑن طشتری کا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔ کنٹرول والوں نے کہا۔

"فوراً نیچے آ جاؤ"

جیٹ ہوائی جہاز غوطہ لگانے لگے تو اڑن طشتری سے ایک شعاع نکلی جس سے دونوں ہوائی جہازوں پر گر کر ان کے ایک ایک انجن کو تباہ کر دیا جہاز ڈگمگائے۔ اور

شکل سے کنٹرول کر لیا۔ عنبر نے اوپر وائرلیس سے
ہوا بازوں سے کہا۔

"تم لوگ احمق ہو۔ میں کوئی خلائی انسان نہیں ہوں بلکہ
تمہاری زمین کا ایک انسان ہوں۔ مجھ سے بات کرنے کی
بجائے تم نے مجھے ہلاک کرنے اور میری اڑن طشتری کو
تباہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ تم سچ مچ احمق ہو۔ میں
نے تمہارے ایک ایک انجن تباہ کرکے اپنی زمین کا بدلہ لے لیا
ہے۔ میں چاہتا تو تمہارے جہازوں کے ٹکڑے بھی اڑا سکتا
تھا۔ لیکن میں تمہاری طرح احمق نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ انسانوں
کی زندگیوں سے کھیلتا پھروں۔"

ہوا باز نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

"کہہ جو دیا کہ تمہاری طرح کا انسان ہوں۔"

"یہ اڑن طشتری کہاں سے لا رہے ہو؟"

"اس کا جواب میں نیچے آکر تمہیں دوں گا۔ میں نیچے آکر
سپین کی سرزمین پر اپنی بہن ماریا اور بھائی ناگ کو تلاش کرنا
چاہتا ہوں۔ میں نیچے اتر رہا ہوں۔"

ہوا باز نے کہا۔

"ہو سکتا ہے تم ہماری زمین کے لیے خطرناک ثابت ہو۔
اس لئے میں کنٹرول سے اجازت لئے بغیر تمہیں اپنے ملک

میں اُترنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"میں تمہاری اور تمہارے کنٹرول والوں کی اجازت کے
بغیر بھی نیچے اتر سکتا ہوں۔"

"ہم تمہیں اڑا دیں گے۔"

"وہ تم اڑانے کی کوشش کر چکے ہو۔ تم دیکھ چکے ہو کہ
تمہارے گولے اور راکٹ مجھ پر اثر انداز نہیں ہو رہے۔"

"ہم تمہاری طشتری پر آگ کی بارش کر دیں گے۔"

"اس طرح سے یہ اڑن طشتری تباہ ہو جائے گی۔ میں
نہیں مر سکتا۔ یہ اڑن طشتری ایک سائنس کی حیرت انگیز ایجاد
ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہارا کنٹرول ٹاور اتنا احمق نہیں ہے
کہ وہ سائنس کی اتنی قیمتی شے برباد کر دے۔"

کنٹرول والوں سے بات کی گئی تو انہوں نے کہا۔

"اڑن طشتری کو اترنے کی اجازت دے دو۔"

عنبر نے کہا

"شکریہ! دوستو! میں نیچے آ رہا ہوں۔"

دونوں جیٹ ہوائی جہاز عنبر کے راستے سے ہٹ گئے۔
کنٹرول ٹاور نے عنبر کی رہنمائی شروع کر دی۔ اصل میں وہ
اڑن طشتری کو اپنی مرضی کے مطابق اتارنا چاہتے تھے اور

یہ جگہ تھی ایک پہاڑ کی چوٹی پر بنی ہوئی تجربہ گاہ جہاں ان دنوں
سپین میں ایٹمی راکٹوں پر تحقیق ہو رہی تھی۔ عنبر نے اس پر
کوئی اعتراض نہ کیا اور اس نے اڑن طشتری پہاڑی کے اوپر
ایک بلند چاردیواری کے اندر اتار دی۔

اڑن طشتری کو ہسپانوی مسلح فوجیوں نے گھیرے میں لے
لیا۔ انہوں نے مشین گنیں اٹھا رکھی تھیں اور ان کا رخ اڑن
طشتری کی طرف تھا۔ اڑن طشتری کا دروازہ کھلا اور اس میں
سے عنبر باہر نکل آیا۔ اس نے دیکھا کہ سامنے فوجی مشین گنیں
لیے اس کو گھیرے میں لیے کھڑے ہیں تو اسے بڑا غصہ آیا
کہ یہ کم بخت کیا حرکت کر رہے ہیں۔ اچھا انہیں سبق
سکھایا جائے گا۔ ابھی انہیں کچھ نہیں کہنا چاہیئے۔

یہ سوچ کر عنبر نے باہر آ کر ایک میجر سے کہا۔

"اسلام علیکم! کیا یہ سپین کا ملک ہے؟"

میجر نے کہا۔

"ہاں! کیا تم مسلمان ہو؟"

"ہاں میں مسلمان ہوں اور ایک ایسے سیارے سے
آیا ہوں جہاں مسلمانوں کی حکومت ہے"

میجر نے اپنے فوجیوں کی طرف دیکھا اور عنبر سے کہا۔

"ہمیں افسوس ہے کہ آپ کو رسمی طور پر ہم حراست

میں لے رہے ہیں۔"

دراصل اوپر ہائی کمانڈ سے انہیں حکم دیا گیا کہ اڑن
طشتری کا معاملہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس کوئی
ایٹمی ہتھیار ہو اس لیے جو کوئی بھی اڑن طشتری سے نکلے
اس کے ساتھ سختی سے پیش نہ آیا جائے۔ بس حراست
میں لیا جائے۔

عنبر نے سوچا کہ ابھی ان سے الجھنا ٹھیک نہیں۔ کیا
ضرورت پڑی ہے۔ وہ تو سپین میں ماریا اور ناگ کو تلاش
کرنے آیا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرنے کی کیا
پڑی ہے۔ عنبر نے یہ سوچا کر کہا۔

"ٹھیک ہے تم لوگ مجھے حراست میں لے سکتے ہو لیکن
اس اڑن طشتری کی تلاشی نہیں لے سکتے۔ میں نے دروازہ
بند کر دیا ہے۔ اب اس دروازے کو تمہارے ملک
کی ساری کنجیاں بھی نہیں کھول سکتیں۔ تم اس کے دروازے
کو توڑ کر اندر جا سکتے ہو لیکن یاد رکھو کہ میں نے اندر
ایک ایٹم بم رکھ دیا ہے جو دروازہ کھلنے یا ٹوٹنے سے
ہی پھٹ کر تمہارے ملک کی آدھی آبادی کو ایک سیکنڈ
کے اندر اندر ہلاک کر کے رکھ دے گا۔"

اس دھمکی کا بڑا اثر ہوا۔ میجر نے حکم دے دیا کہ

اڑن طشتری کے قریب بھی نہ جایا جائے۔ اس ایٹم بم
سلسلے میں ہائی کمانڈ کو بھی اطلاع کر دی۔ اوپر سے
یہی حکم آیا کہ اڑن طشتری کو حفاظت میں لے لیا جائے
اور اس کے دروازے کے قریب کسی کو نہ جانے دیا
جائے۔ عنبر کو حراست میں لے کر اسی پہاڑی کے زیر
قلعے کے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ ان لوگوں کو ابھی تک
عنبر کی طاقت کے بارے کچھ علم نہیں تھا۔ تھوڑی دیر
گزری تھی۔ کہ عنبر سے پوچھ گچھ شروع ہو گئی۔ دو میجر عنبر
کے دائیں بائیں بیٹھ گئے اور انہوں نے اس سے سوالات
کرنے شروع کر دیئے۔

عنبر ان کے سوالوں کے ہنس ہنس کر جواب دے رہا تھا

"تمہارا نام؟"

"عنبر"

"کیا تم مسلمان ہو؟"

"ہاں"

"کہاں سے آئے ہو؟"

"آسمان کے ایک سیارے سے جہاں بھی مسلمان آباد ہیں"
اس پر دونوں میجر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے
گویا انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ عنبر سچ بول رہا ہے۔ لیکن

اڑن طشتری اس بات کا بہت بڑا ثبوت تھا کہ وہ آسمانی
سیارے سے آ رہا ہے۔ ایک میجر نے کہا۔

"تم کہتے ہو کہ تمہارے جہاز میں ایٹم بم لگا ہوا ہے
کیا یہ سچ ہے؟"

"جی ہاں"

"تم ایک انتہائی خطرناک ایٹم بم لے کر ہمارے ملک میں
اتر آئے ہو کیا یہ جرم نہیں ہے؟"

عنبر نے کہا۔ "میں خود نہیں اترا بلکہ اتارا گیا ہوں"
اس پر وہ دونوں میجر لاجواب سے ہو گئے۔ عنبر نے کہا
"جو ایٹم بم میری اڑن طشتری میں لگا ہوا ہے وہ اس
وقت تک نہیں چل سکتا جب تک کہ میرے علاوہ کوئی
شخص اس کا دروازہ نہیں کھولتا۔ اسی لئے میں نے آپ
لوگوں کو خبردار کر دیا ہے کہ کوئی شخص بھی میری اڑن طشتری
میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرے۔"

اچانک ایک میجر نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم کسی سیارے
سے نہیں آئے بلکہ تم روس کے جاسوس ہو اور ایک ہوائی
جہاز کو اڑن طشتری کی شکل دے کر ہمارے علاقے پر
جاسوسی کرتے پھر رہے تھے اور ہمارے فوجی اڈوں کی

تصویریں اُتار رہے تھے۔ کیوں نہ اس جرم میں تمہیں گ
سے اڑا دیا جائے؟

عنبر نے مسکرا کر کہا
"اس سے کیا فرق پڑے گا؟"

"کیا مطلب؟" میجر نے حیرانی سے پوچھا۔ "یعنی تم م
جاؤ گے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا؟"

عنبر نے کہا۔ "میں مروں گا تو فرق پڑے گا نا۔ او
اگر میں مروں ہی نہ تو پھر؟"

میجر پریشان ہو گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ ایک چالاک
شخص ہے اور انہیں بے وقوف بنا رہا ہے۔ انہوں نے
عنبر کے ساتھ تشدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ انہیں
یقین تھا کہ یہ شخص تشدد کے بعد سارا راز اگل دے گا
کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور کس ملک
کے لیے جاسوسی کر رہا ہے۔ اس وقت عنبر کو ایک زیرزمین
لفٹ کے ذریعے اس کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں انسانوں
کو اذیت دینے کا سازو سامان لگا ہوا تھا۔ شکنجے تھے۔
کانٹے دار تختے تھے اور بجلی کا جھٹکا دینے والی مشینیں
تھیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ ان لوگوں کے ارادے کیا ہیں۔ وہ
دل میں اُن کی عقل پر ہنسا کہ احمق آدمیوں کو کچھ خبر نہیں

کہ مجھ پر اس قسم کی اذیتوں کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اُس
نے سوچا کہ چلو تھوڑی دیر کے لیے تماشہ ہی سہی۔

عنبر کی لاش

ہسپانوی فوج کا ایک جنرل آکر سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

دونوں میجر اس کے دائیں بائیں کھڑے ہوگئے۔ عنبر کو ایک چوکی پر بٹھا دیا گیا۔ دو جلاد اس کے قریب آکر کھڑے ہو گئے۔ جنرل نے کہا۔

"میں تمہیں ایک بار پھر موقع دیتا ہوں کہ جو کچھ ہم پوچھنا چاہتے ہیں اس کے صحیح صحیح جواب ہمیں دے دو۔ نہیں تو خواہ مخواہ سخت تکلیف اٹھا کر بھی تم بک پڑو گے۔

عنبر نے بڑے اطمینان سے کہا

"آپ لوگ میری بات پر یقین کیوں نہیں کرتے، مگر میرا خیال ہے کہ آپ اپنے سارے ہتھیار مجھ پر استعمال کر کے دیکھ لیں۔ تھوڑی دیر بعد ہی آپ کو اپنی شکست تسلیم کرنی پڑے گی۔

جنرل نے جلاد کو اشارہ کیا۔ جلاد نے عنبر کی گردن

کے گرد اور دونوں کلائیوں میں بجلی کی ننگی تاریں باندھ دیں۔ خود پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ جنرل نے جلاد کو اشارہ کیا۔ جلاد نے سوئچ اون کر دیا۔ بجلی کی تیز رو بیٹری سے نکل کر ننگی تاروں میں سے ہوتی عنبر کے جسم سے ٹکرائی۔ عنبر خاموش بیٹھا مسکراتا رہا۔ اسے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ جنرل نے جلاد کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"سوئچ بورڈ ٹھیک کرو۔ بجلی فیل ہو گئی ہے"

جلاد نے اسی وقت لپک کر بجلی کو چیک کیا۔ بجلی کی رو برابر تاروں میں آ رہی تھی۔

"سر! بجلی ٹھیک آ رہی ہے"

"پھر اس پر اثر کیوں نہیں ہو رہا" جنرل چلایا۔

جلاد نے دوبارہ سوئچ کو اون کیا۔ بجلی تیزی سے عنبر کے جسم سے ٹکرائی اور اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جلاد نے جنرل کی طرف دیکھا۔ میجر بھی حیران تھے کہ معاملہ کیا ہے

جنرل اٹھ کر عنبر کے قریب آیا۔

"بجلی بند کرو"

بجلی کی رو کاٹ دی گئی۔ جنرل نے حکم دیا

"دوسری تانبے کی تاریں گیلی کر کے اس شخص کے جسم کے باندھی جائیں۔"

اسی وقت دوسری تاریں لائی گئیں اور جنرل کے
سامنے عنبر کے سارے جسم پر باندھ دی گئیں۔ اور جنرل
نے اپنی نگرانی میں سوئچ کو پھر سے چیک کرایا اور
پلگ لگا کر کہا۔
"اب آن کر دو۔"
سب پیچھے ہٹ گئے۔ بٹن دبا دیا گیا۔ پلگ میں سے
ایک ننھا سا شعلہ نکلا۔ جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ بجلی
کی رو آ گئی ہے مگر عنبر اسی طرح اپنی جگہ پر بیٹھا
مسکراتا رہا۔ کہنے لگا۔
"ابھی آپ کچھ اور تماشے بھی دیکھیں گے میں تو محض
تماشہ دیکھنے کے لیے ایسا کر رہا ہوں۔ آپ کو جو کرنا ہے
پہلے کر لیں۔ اس کے بعد میں اپنا کام شروع کروں گا۔"
جنرل نے میجروں کی طرف دیکھ کر اپنی زبان میں کہا۔
"ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"
ایک میجر بولا۔ سر! ڈاکٹر کو بلا کر اس کا جسمانی معائنہ
کرایا جائے۔
اسی وقت فوجی ڈاکٹر کو بلا لیا گیا۔ ڈاکٹر نے عنبر
کے سارے جسم کو چیک کیا۔ پھر بولا۔
"ہر شے اپنی جگہ پر ٹھیک کام کر رہی ہے۔"

"پھر اس پر بجلی کے کرنٹ کا اثر کیوں نہیں ہو رہا؟"
ڈاکٹر نے سر ہلا کر کہا۔
"اس کا میں کیا جواب دے سکتا ہوں۔ یہ تو خدا
کی قدرت معلوم ہوتی ہے۔"
جنرل نے چیخ کر کہا۔
"تم لوگ احمق ہو۔ ہٹ جاؤ یہاں سے"
پھر اس نے جلاد کو حکم دیا۔ کہ عنبر کے دونوں پاؤں
شکنجے میں جکڑ کر اس ٹخنے توڑ دیے جائیں۔ عنبر مسکرایا۔
"ٹھیک ہے۔ ایک امتحان اور سہی"
جلاد نے موٹی رسی عنبر کے دونوں ٹخنوں میں باندھی
اور اس کا سرا شکنجے کی مشین کے ساتھ باندھ دیا۔ جنرل
نے حکم دیا اور مشین کا بٹن دبا گیا۔ مشین کی چرخی آہستہ
آہستہ چلنے لگی۔ رسی اس کے اردگرد لپٹی جا رہی تھی۔
عنبر کے ٹخنوں کے گرد رسی کسی جانے لگی۔ جب رسی
خوب تن گئی اور ایسا لگ رہا ہے کہ بس اب ایک
سیکنڈ میں عنبر کے دوران ٹخنے کڑاک کی آواز ساتھ ٹوٹ
جائیں گے جنرل نے کہا۔
"میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ بتاؤ تم کس ملک
سے آئے ہو اور تمہارے دوسرے ساتھی سپین میں کہاں

کہاں کام کر رہے ہیں ؟"

عنبر نے کہا۔ میں نہیں بتاؤں گا۔

عنبر نے یونہی مذاق میں ایسا کہہ دیا تھا۔ وہ جنرل کو غصہ دلا کر چاہتا تھا کہ وہ اپنا آخری ہتھیار بھی اس پر استعمال کرے تاکہ بعد میں عنبر اس کا بدلہ لے سکے۔ جنرل نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ جلاد نے مشین کو چلا دیا۔ چرخی آہستہ آہستہ الٹے رخ گھومنے لگی۔ وہاں جو لوگ کھڑے تھے وہ ٹخنوں کے ٹوٹنے کی آواز کا انتظار کرنے لگے۔ بس اب ہڈیاں ٹوٹی کہ ٹوٹیں۔

کھٹاک کی آواز آئی۔ سب نے ایک سیکنڈ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ دوبارہ آنکھیں کھولیں تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کیونکہ ان کے سامنے عنبر بڑے سکون سے بیٹھا تھا اور چرخی کی رسی ٹوٹ چکی تھی۔ یہ آواز عنبر کے ٹخنوں کے ٹوٹنے کی نہیں بلکہ رسی کے ٹوٹنے کی تھی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ چرخی بے حد مضبوط تھی۔ رسی بھی بے حد مضبوط تھی۔ ان کے ٹوٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پھر ایسا کیوں کر ہو گیا۔ جنرل نے قریب آ کر عنبر کے ٹخنوں کو غور سے دیکھا۔ ڈاکٹر نے بھی اس کی ہڈیوں کا معائنہ کیا مگر وہاں تو

رسی کا ہلکا نشان بھی نہیں تھا۔

ٹخنے کی ہڈیاں اپنی جگہ پر بالکل صحیح سلامت تھیں۔ وہ چکرا کر رہ گیا اس نے اذیت کا تیسرا طریقہ آزمانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے حکم سے جلاد نے عنبر کو ایک ستون کے ساتھ خوب کس کر باندھ دیا پھر ایک سپاہی رائفل لے کر تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے جنرل کے حکم سے عنبر کی ران کا نشانہ لیا۔ مقصد یہ تھا کہ عنبر کی ران کو گولی مار کر زخمی کر دیا جائے تاکہ اسے تکلیف بھی ہو اور وہ مرے بھی نہ۔

عنبر یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھتا رہا۔ اس نے اتنا کہا۔

"جنرل! تم اپنی گولی ضائع کرو گے۔"

جنرل نے کہا۔

"اس بار ایسا نہ ہو سکے گا۔ مسٹر عنبر! میں اگر چاہوں تو یہ گولی تمہارے دل کے پار ہو سکتی ہے۔"

عنبر نے قہقہہ لگایا۔

"جنرل تم لوگ میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ سپین میں مسلمانوں نے نو سو سال تک حکومت کی ہے میں ان کی تاریخی یادگاروں کی سیر کرنا چاہتا تھا اور تم

لوگوں نے میرا اس طرف وقت ضائع کرنا شروع کر دیا ہے۔ بہرحال میرا خیال ہے کہ میں تمہاری شاندار گاڑی میں بیٹھ کر اب قرطبہ اور غرناطہ کے خوبصورت محلات کی سیر کروں گا۔"

جنرل نے ہاتھ کا اشارہ کر دیا۔ سپاہی نے ٹریگر دبا دیا۔ دھماکے کی آواز کے ساتھ رائفل میں سے گولی نکلی اور سیدھی عنبر کی ران پر جا لگی۔ سب نے دیکھا کہ گولی عنبر کی ران کے ساتھ لگ کر اچھلی اور ساتھ والی دیوار سے لگ کر ایک میز کے کنارے کو توڑتی ہوئی فرش میں جا گھسی۔

جنرل اور ڈاکٹر بھاگ کر عنبر کے پاس گئے اور انہوں نے غور سے اس کے زخم کو تلاش کرنا شروع کیا جو وہاں کہیں بھی نہیں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ گولی اس کی ران میں سے نکل کر دیوار سے ٹکراتی ہوئی فرش میں جا دھنسی ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ گولی عنبر کی ران کے گوشت سے اچٹ کر دور گری ہے۔ یہ واقعہ ڈاکٹر کو حیران کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس نے سرنج لے کر اس کی سوئی عنبر کی ران میں داخل کرنے کی کوشش کی مگر عنبر کا

گوشت گویا لوہے کا بن گیا تھا۔ سوئی ٹوٹ کر رہ گئی۔

ڈاکٹر نے جنرل کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جنرل! یہ میں خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھ رہا ہوں۔ میرا علم یہاں بے بس ہوگیا ہے۔"

جنرل نے بھی جھک کر عنبر کی ران کو دیکھا وہاں گولی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اور سرنج کی ٹوٹی ہوئی سوئی ڈاکٹر کے ہاتھ میں پکڑی رہ گئی تھی۔ جنرل بھی تعجب کر رہے تھے۔ آخر عنبر نے کہا۔

"جنرل! بہتر یہی ہے کہ اب تم لوگ میری طاقت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی شکست تسلیم کر لو۔ کیونکہ اب اگر میں چاہوں تو تم سب کو ہلاک کر سکتا ہوں اور تمہاری گولیاں دستی بم اور تلواریں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ کیا خیال ہے۔"

جنرل نے پستول نکال لیا۔

"میں کبھی شکست تسلیم نہیں کروں گا۔ میں تمہیں اپنے پستول سے شوٹ کر دوں گا۔"

اور جنرل نے پستول کی ساری گولیاں باری باری عنبر کے جسم پر ختم کر دیں۔ اس کے بعد بھی عنبر مسکراتا

رہا۔ اسے کچھ نہ ہوا تھا۔ اب عنبر سے صبر نہیں ہو
رہا تھا۔ اس نے تھوڑا سا زور لگا کر رسّہ جس کے
ساتھ وہ بندھا ہوا تھا توڑ دیا وہ آزاد ہو کر سامنے آ گیا
اس نے جنرل کے ہاتھ سے پستول لے کر اسے
یوں مروڑ دیا جیسے وہ گنّے کا کوئی کھلونا ہو اور
اسے توڑ مروڑ کر زمین پر پھینک کر بولا۔

"میں اگر چاہوں تو تمہاری حکومت کو تہس نہس کر
سکتا ہوں مگر میرا یہ مشن نہیں ہے میں ہسپانیہ کی سیر
کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اس کی فضاؤں میں مجھے ابھی
تک مسلمانوں کی اذانوں کی آواز سنائی دے رہی ہیں۔

اور عنبر کمرے سے باہر نکل گیا۔ کسی کو روکنے
کی ہمت نہ ہوئی۔ جب وہ عقوبت خانے سے باہر آ کر
قلعے کی دھوپ میں نکل آیا تو پیچھے سے جنرل نے
اسے آواز دی۔

"مسٹر عنبر!"

عنبر نے مڑ کر دیکھا۔ جنرل تیز تیز قدموں سے
اس کی طرف آ رہا تھا۔ عنبر رک گیا۔ جنرل کے
پیچھے پیچھے دونوں میجر اور ڈاکٹر بھی تھے۔ جنرل نے
عنبر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا اور کہا۔

"میں تمہاری طرف سپین کی حکومت کی طرف سے
دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ میرے ساتھ آؤ میں تمہیں
سپین کی تاریخی عمارتوں کی سیر کراؤں گا۔"

جنرل نے عنبر کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ پھر اسے
شہر کی تاریخی یادگاروں کی سیر کرانے لے گیا۔ یہاں غرناطہ کے
محل اور قرطبہ کی مسجد تو نہیں تھی اور نہ ہی الحمرا کے
خوبصورت باغ تھے لیکن پھر بھی وہاں مسلمانوں کی پرانی
یادگاریں باقی تھیں۔ کھانے کے بعد جنرل نے عنبر سے
باتوں ہی باتوں میں پوچھا کہ اس کی طاقت کا راز کیا ہے؟
اصل میں جنرل نے ہائی کمانڈ کو ساری بات بتا دی تھی
اور اوپر سے اُسے حکم ملا تھا کہ عنبر کے ساتھ دوستی
ڈال کر اس سے راز معلوم کرنے کوشش کرو۔ عنبر
بھی احمق نہیں تھا۔ سب کچھ سمجھتا تھا۔ اس نے مسکرا
کر کہا۔

"جنرل! میری طاقت کا راز یہ ہے کہ میں کدو کا
شوربہ کھاتا ہوں"

جنرل نے کہا۔

"وہ تو میں بھی کھاتا ہوں"

عنبر بولا۔

"میرا خیال ہے تم حلوہ کدو کا شوربہ کھاتے ہو گے"

"نہیں میں صرف کدو کا شوربہ بھی کھاتا ہوں۔"

"تو پھر آج سے حلوہ کدو کھایا کرو۔"

جنرل نے کہا۔

عنبر! تم میرے دوست ہو۔ مجھ سے مذاق نہ کرو

میں تمہارا مداح ہوں اور ایک طرح سے تمہارا مرید ہو گیا

ہوں۔ کیا تم اپنے مرید کو اپنی طاقت کا راز نہیں

بتاؤ گے۔

"ضرور بتاؤں گا مگر ابھی نہیں مسٹر جنرل۔"

"پھر کب؟"

"وقت آنے پر۔"

"وہ وقت کب آئے گا؟"

"جب وہ وقت آئے گا۔"

اور عنبر زور سے ہنس دیا۔ جرنیل نے کھسیانا سا

ہو کر کہا۔

"تم بڑے مزاحیہ نوجوان ہو۔ تمہاری ظرافت سے

میں بڑا خوش ہوا ہوں لیکن...... لیکن ایک بات

ضرور ہے کہ تمہاری اڑن طشتری کے ایٹم بم کے بارے

میں میری حکومت بہت پریشان ہے۔"

عنبر نے انگڑائی لے کر کہا۔

"مسٹر جرنیل! حکومت کو پریشان رہنے دو۔ حکومتیں

پریشان ہی رہیں تو اچھا ہے"

"نہیں میرے دوست! میں تمہارا یہ احسان کبھی نہ

بھولوں گا اگر تم مجھے ایٹم بم کے بارے میں بتا دو"

عنبر کو یہ علم تھا کہ اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ اڑن

طشتری میں ایٹم بم نہیں ہے تو یہ لوگ اسی وقت اڑن

طشتری پر قبضہ کر لیں گے۔ اس نے کہا۔

"وقت آنے پر وہ بھی بتا دوں گا۔"

بات آئی گئی ہو گئی۔ شام کو جرنیل ڈاکٹر کو ساتھ

لے کر ہیڈ کوارٹر اس معاملے کی پوری رپورٹ دینے گیا۔

وہاں وزارت دفاع کا سیکرٹری بھی تھا۔ دو جرنیل بھی

تھے۔ وہ یقین نہیں کر رہے تھے کہ ایک آدمی میں

اتنی طاقت بھی ہو سکتی ہے کہ اس پر گولی اثر نہ کرے۔

سیکرٹری نے کہا۔

"تم نے ایک حربہ ابھی تک نہیں آزما کر دیکھا"

"وہ کونسا جناب؟ ہم نے تو سارے طریقے

آزما کر دیکھ لیے ہیں؟"

سیکرٹری نے کہا۔

"کیا عنبر پر کلوروفارم بھی کچھ اثر نہیں کرتا؟ میرا مطلب ہے کہ اگر اسے بے ہوش کر دینے والی دوائی سنگھائی جائے تو کیا۔ وہ بے ہوش نہیں ہو گا؟"

ڈاکٹر اور جرنیل ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ یہ طریقہ واقعی انہوں نے ابھی تک نہیں آزمایا تھا۔ سیکرٹری نے کہا۔

"جاؤ اور عنبر کو بے ہوش کر کے دیکھو اگر وہ بے ہوش ہو جائے تو مجھے اطلاع دو۔"

ڈاکٹر اور جرنیل اسی رات واپس آ گئے۔ ڈاکٹر نے کلوروفارم کی شیشی جیب میں رکھی اور جرنیل کو ساتھ لے کر عنبر کے مکان میں آ گیا۔ عنبر ایک کمرے میں پلنگ پر لیٹا ہوا تھا اور ناگ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک جرنیل کے ساتھ ڈاکٹر اندر آیا۔

"گڈ ایوننگ مسٹر عنبر!"

عنبر مسکرایا۔

"کیا کوئی اور طریقہ سوجھا ہے آپ لوگوں کو؟"

"نہیں مسٹر عنبر! ہم تو تمہارے ساتھ یہ طے کرنے آئے ہیں۔ کہ صبح کیا پروگرام ہے۔"

"بہت خوب! آؤ بیٹھو اور صبح کا پروگرام طے کرتے ہیں۔ میں سب سے پہلے غرناطہ جا کر الحمرا کے باغات دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔۔"

عنبر جرنیل کے ساتھ مل کر باتیں کرنے لگ گیا ڈاکٹر اس کے پیچھے بیٹھا تھا۔ وہ کھسک کر ذرا آگے ہو گیا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کلوروفارم کی شیشی نکال کر سارا کلوروفارم اپنے سفید رومال پر انڈیلا اور مٹھی بند کر دی پھر ایک ہی جست کے ساتھ اس نے رومال عنبر کی ناک کے ساتھ لگا دیا۔ کلوروفارم اس قدر تیز تھا کہ عنبر نے تھوڑی سی جدوجہد کی مگر اس کا ایک ہی سانس عنبر کو بے ہوش کرنے کے لیے کافی تھا عنبر بے ہوش ہو کر بستر پر گر پڑا۔

جرنیل نے اسی وقت سیکرٹری کو فون پر بتایا کہ عنبر کلوروفارم سونگھنے سے بے ہوش ہو گیا ہے۔

"بہت خوب ہم آ رہے ہیں۔"

آدھی رات کو سیکرٹری دفاع اور دوسرا جرنیل بھی وہاں پہنچ گیا۔ انہوں نے بے ہوش عنبر کو غور سے دیکھا۔ وہ بالکل بے ہوش تھا۔ ڈاکٹر نے اسے اور کلوروفارم سنگھا دیا۔ تاکہ عنبر کو اچانک ہوش نہ آ جائے

جرنیل نے سیکرٹری سے کہا۔
"آپ بے ہوش کر کے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟"
سیکرٹری نے کہا۔
"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایسے آدمی کا زندہ رہنا
ہمارے لیے بے حد خطرناک بات ہو گی یہ اگر چاہے
تو ہمارا تختہ الٹ سکتا ہے اور سارے سپین پر
اور سارے یورپ پر قبضہ کر سکتا ہے اس لیے
اسے ختم کر دیا جائے اور اس کا یہی ایک طریقہ
ہے کہ بے ہوش ہونے کے بعد اس کے منہ میں
انتہائی مہلک زہریلی گیس چھوڑ دی جائے۔ پھر یہ
اپنی موت آپ مر جائے گا۔
جرنیل بولا۔
"کیا ہم اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال نہیں
کر سکتے؟"
"کر سکتے ہیں مگر اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہے
ہم اس پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ کوئی شخص اس کی
ضمانت نہیں دے سکتا۔ کل کو اگر یہ ہمارے خلاف
بھی ہو گیا۔ تو پھر ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا۔ اور
پھر یہ مسلمان ہے جس کے ملک پر ہم نے قبضہ

کر رکھا ہے یہ ہم نے کبھی نہ کبھی ضرور ہمیں دھوکہ
دے جائے گا اور ہم سے بدلہ لے گا اس لیے
میرا خیال یہی ہے کہ اسے جتنی جلدی ہو سکے ختم کر دیا جائے۔"
جرنیل غور کرنے لگا۔ اس نے اپنے دونوں فوجی
افسروں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے تجویز پر غور کرنے کے
بعد فیصلہ دے دیا کہ عنبر کو زہریلی گیس سے ہلاک
کر دیا جائے۔ انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ عنبر زہریلی گیس
سے بھی نہیں مر سکتا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ زہریلی
گیس سے عنبر بے ہوش ہو سکتا ہے تو وہ ہلاک
بھی ہو سکتا ہے۔ جرنیل نے ڈاکٹر کو اشارہ کر کے
اپنے قریب بلایا اور کہا کہ عنبر کو زہریلی گیس سے ہلاک
کر دیا جائے۔
ڈاکٹر نے کہا۔
"بہتر یہ ہے کہ اسے نیچے لیبارٹری میں لے
جایا جائے۔ وہاں ہمارے پاس سب سے خطرناک
زہر سائنائیڈ موجود ہے ہم اس کے حلق میں سائنائیڈ
زہر کی گیس ڈالیں گے۔"
اسی وقت بے ہوش عنبر کو سٹریچر پر ڈال کر قلعے
کے ہسپتال کے نیچے بنی ہوئی لیبارٹری میں پہنچا

دیا گیا۔ سیکرٹری دفاع، جرنیل اور دونوں فوجی افسر ایک طرف سٹریچر کے پاس ہی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر نے تمام نرسوں وغیرہ کو وہاں سے بھجوا دیا تھا۔

ڈاکٹر نے ایک الماری میں سے سائنائیڈ زہر کی شیشی نکال کر ایک نلکی کے ذریعے بوتل میں ڈالی جس میں کوئی سیال شے پہلے ہی موجود تھی۔ زہر بوتل میں گیا تو وہاں گیس پیدا ہوئی۔ ڈاکٹر نے شیشے کی نلکی عنبر کے منہ کے اندر حلق میں اتار دی۔

ڈاکٹر نے جرنیل کی طرف دیکھا اور کہا۔

”میں زہریلی گیس اس کے حلق میں چھوڑنے لگا ہوں یہ زہر ایسی ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ تالاب میں ڈال دیا جائے تو سارا شہر وہ پانی پینے سے ہلاک کیا جا سکتا ہے“

سیکرٹری نے کہا۔

”جلدی سے اپنا کام ختم کرو ڈاکٹر۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ زہر کس قدر خطرناک ہے“

”یس سر!“ ڈاکٹر نے سر ہلا کر کہا۔

پھر اس نے زہریلی گیس بھری بوتل کو اوپر کر دیا اور ایک ہک کو دبا دیا۔ ہک کے دبتے ہی زہریلی گیس

...ی سے نکل کر شیشے کی نلکی میں سے گذر کر عنبر
...ے حلق میں جانا شروع ہو گئی وہاں بیٹھے ہوئے
...ی عنبر کو بغور دیکھ رہے تھے جب
...اری زہریلی گیس عنبر کے جسم میں چلی گئی تو ڈاکٹر
...نے نلکی الگ کر لی اور عنبر کے دل کا معائنہ کیا
...ر کے دل کی دھڑکن بند ہو چکی تھی۔

ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تجربہ کامیاب رہا سر! عنبر مر چکا ہے؟

جرنیل نے ڈاکٹر کو شاباش دی اور سیکرٹری کی
...ف دیکھ کر کہا۔

”لاش کا کیا کیا جائے؟

”سر میرا خیال ہے کہ لاش کو سمندر میں پھینک
...جائے“

یہ سیکرٹری کا خیال تھا۔ اس نے جرنیل سے کہا۔

”میں چاہتا ہوں کہ اس شخص کی لاش کو ایسی
...پھینکا جائے جہاں سے اس کی ایک ہڈی بھی
...امت نہ رہے“

”تو پھر اسے کفن میں بند کر کے پہاڑی کی
...میں دفن کر دیا تو بہتر ہے“

"ہاں ۔ کوہ اراوٹ کے غار میں ہم اسے دفن کر سکتے ہیں۔"

"تو دیر کس بات ہے۔ لاش کو اٹھایا جائے۔"

خوفناک ڈاکہ

عنبر کی لاش کو لکڑی کے صندوق میں بند کر دیا گیا۔ صندوق کے اوپر تختہ کیلوں سے اچھی طرح سے ٹھونک دیا گیا۔ اُسے خفیہ گاڑی میں رکھ کر قلعے کے جنوب میں کوہ اراوٹ کے تاریک اور پُرپیچ دشوار گزار غار میں لایا گیا۔ سیکرٹری، جرنیل اور دونوں فوجی افسر وہاں موجود تھے۔ سخت زمین بڑی کوشش اور محنت کے بعد کھود کر قبر بنائی گئی۔ اور اس کے اندر عنبر کی لاش والا صندوق اُتار کر اوپر سے پتھر اور مٹی ڈال کر قبر کو بند کر دیا گیا۔

جرنیل نے ہاتھ جھاڑ کر کہا۔

"ہم نے اپنے دشمن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔"

وہ لوگ عنبر کی لاش کو دفن کرنے کے بعد واپس غار سے نکل کر قلعے میں آ گئے۔ جرنیل نے ہیڈ کوارٹر

کو اطلاع کر دی کہ عنبر کو ہلاک کرکے زمین کے اندر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دبا دیا گیا ہے۔ ہیڈ کوارٹر نے جرنیل سیکرٹری دفاع اور ڈاکٹر کے لئے خدمت کے خاص تمغے دینے کا اعلان کیا۔ یہ لوگ بڑے خوش ہوئے۔ مگر تقدیر ان کی مسرتوں پر مسکرا رہی تھی۔

آدھی رات کو آسمان بادلوں میں چھپ گیا۔ بجلی چمکنے اور بادل گرجنے لگے۔ پھر بارش شروع ہو گئی۔ کوہ الموت کے غار میں گہری تاریکی تھی۔ ایک گیدڑ بارش سے بچنے کے لئے غار میں آ گیا اور منہ اوپر اٹھا کر شور مچانے لگا۔ پھر شاید اپنی ہی آواز سے ڈر کر وہاں سے بھاگ گیا۔

اس بارش اور طوفان میں ایک جیپ غار کے دروازے پر آ کر رکی۔ اس جیپ میں سے دو آدمی ایک چھوٹا سا صندوق لے کر اترے ان کا تیسرا ساتھی جیپ میں ہی بیٹھا رہا۔ اس نے جھک کر کہا۔

"کیا میں بھی آؤں؟"

"نہیں۔ تم جیپ میں ہی رہو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔"

یہ تینوں ملک کے نامی گرامی چور تھے۔ صبح انہوں نے شہر میں ایک بہت بڑے بینک کو لوٹا تھا اور اس کی دولت لے کر اب غار میں کسی جگہ دفن کرنے آئے

تھے تاکہ جب معاملہ رفع دفع ہو جائے تو اپنی دولت وہاں سے نکال کر کسی دوسرے ملک کی راہ لیں۔ دونوں چوروں نے چمڑے کی جیکٹیں پہن رکھی تھیں۔ صندوق میں کم از کم دو کروڑ ڈالر کے کرنسی نوٹ اور سونا بھرا ہوا تھا۔ صندوق کو اٹھائے وہ غار میں آ گئے۔

ایک چور آگے آگے تھا اور ٹارچ سے روشنی کر رہا تھا۔

ٹارچ کافی طاقتور تھی۔ اس کی روشنی میں غار کے پتھر اور سنگ ریزے صاف صاف نظر آ رہے تھے۔ غار کا موڑ گھوم کر وہ ایک جگہ رک گئے۔ انہیں غار میں ایک قبر نظر آئی۔

"یہ کس کی قبر ہے؟" ایک چور نے پوچھا۔

دوسرے نے کندھے اچکا کر کہا۔

"خدا جانے کس کی قبر ہے۔ میرا خیال ہے کہ پرانے زمانے کا کوئی مسلمان دفن ہے۔ اسے اسی طرح پڑا رہنے دو اور اس سے ذرا پرے ہٹ کر گڑھا کھودتے ہیں۔"

انہوں نے کندھے پر سے دولت سے لدا ہوا صندوق اتار کر نیچے رکھ دیا اور پھاوڑے سے زمین کھودنی شروع کر دی۔ زمین سخت تھی اس لئے انہیں کھودتے

ہوئے وقت ہو رہی تھی۔ باہر بادلوں کی ہلکی ہلکی گرج
سنائی دے رہی تھی۔ جب گڑھا کھد گیا تو دونوں چوروں
نے صندوق اُس کے اندر دفن کر کے اوپر پتھر وغیرہ بکھیر
دیئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر دونوں چور غار سے باہر
آ گئے اور گرتی بارش میں جیپ میں بیٹھ کر وہاں سے
چلے گئے۔

اُن کے جانے کے بعد بارش زیادہ تیز ہو گئی۔
عنبر کی اچانک آنکھ کھل گئی۔ بے ہوشی کی دوا کا اثر
زائل ہو چکا تھا۔ زہریلی گیس کا اثر بھی ختم ہو گیا تھا۔
اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک صندوق میں بند ہے۔ اس
کے سر کے اوپر لکڑی کا تختہ ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ اُسے
مردہ سمجھ کر یا مردہ کرنے کے بعد صندوق میں بند کر کے
دفن کر دیا گیا ہے۔ بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ وہ
زندہ دفن ہو جائے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر لکڑی کے
تختے کو اکھاڑنا چاہا مگر اس کے اوپر پتھروں اور مٹی کا
بوجھ لدا ہوا تھا۔ عنبر کو دشواری پیش آئی۔
اُس نے پہلو میں سے کفن کی لکڑی کو اکھاڑ دیا۔ کیوں کہ
پہلوؤں کی جانب ریتلی مٹی ذرا نرم تھی۔ اب اس نے
زمین کو کھودنا شروع کیا۔ جب سوراخ بڑا ہوا تو وہ

کفن سے باہر نکل آیا اور اُس نے سوراخ میں رینگنا
شروع کیا۔ ساتھ ساتھ وہ ہاتھوں سے زمین کھودتا بھی
جاتا تھا۔ مٹی کو الگ الگ ہٹاتا جا رہا تھا۔ جس طرح کہ
انسان سمندر میں تیرتا ہے۔ آگے پھر مٹی بڑی نرم تھی۔
اصل میں یہ مٹی ساتھ والے دوسرے گڑھے کی جس میں
ابھی ابھی چور خزانے کا صندوق دفن کر کے گئے تھے۔
عنبر کا ہاتھ ایک اور صندوق سے ٹکرایا۔ اُس نے دیکھا۔
صندوق چھوٹا اور لکڑی کا تھا وہ مٹی ہٹاتا ہوا صندوق کے
اوپر آ گیا۔ صندوق کے اوپر مٹی کافی نرم تھی۔ چنانچہ وہ بڑی
آسانی سے سوراخ کو زیادہ بڑا کرتا گڑھے سے باہر آ گیا۔
اس نے صندوق کو غور سے دیکھا۔ صندوق بند تھا۔ عنبر نے
صندوق کو کھولا تو اس کے اندر سونے کی چھ سات اینٹیں
اور امریکی ڈالروں کے نوٹوں کی گڈیاں رکھی تھیں۔
وہ سمجھ گیا کہ یہ کارنامہ کسی چور کا ہے جو کہیں ڈاکہ
ڈالنے کے بعد دولت اس جگہ چھپا گیا ہے۔ عنبر نے گڑھے
میں مٹی بھر کر اُسے دوبارہ اسی طرح سے بند کر دیا اور
غار میں سے نکل کر باہر آ گیا۔ باہر بارش ہو رہی تھی۔
آسمان اندھیرے بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ رات خدا جانے
کتنی گزر چکی تھی۔ سردی بھی کافی ہو رہی تھی۔ عنبر غار کے

سفر پر ہی ایک جگہ بیٹھ کر بارش کے رُکنے کا انتظار کرنے لگا۔

آخر خدا خدا کرکے بارش رُکی تو عنبر وہاں سے چلا۔ یہ ایک پہاڑی سلسلہ تھا اور ایک سڑک پہاڑی کے ساتھ ساتھ شہر کو جا رہی تھی۔ راستے میں ایک جانب اُس نے وہ قلعہ دیکھا جس کے اندر اُسے اذیت دی گئی تھی۔ عنبر وہاں سے گزر گیا اور شہر میں داخل ہوا۔ بارش اور سردی اور رات کی وجہ سے شہر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سڑکیں گیلی ہو رہی تھیں۔

اُسے ایک ہوٹل میں روشنی نظر آئی تو وہاں آ گیا۔

عنبر نے اُس صندوق میں سے کچھ ڈالر نکال کر جیب میں رکھ لئے تھے تاکہ اُس کی ضرورت پوری ہو سکے۔ جنگل میں اپنی اڑن طشتری میں جانے سے پہلے وہ کافی کا ایک گرم گرم پیالہ پینا چاہتا تھا۔ یہ ہوٹل رات کا ہوٹل تھا۔ اندر دو تین بوڑھے گاہک بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ عنبر ایک میز پر بیٹھ گیا۔ قریب ہی گیس کا ہیٹر جل رہا تھا۔ ہوٹل کی اندر کی فضا گرم تھی۔ بیرا آیا تو عنبر نے کافی کا ایک پیالہ منگوایا اور پینے لگا۔ کافی پی کر جب وہ خوب گرم ہو گیا تو اُس نے ڈالر نکال کر بیرے کو دیا۔

بیرے نے ڈالر لے جا کر کاؤنٹر پر کھڑے مالک کو دیا تو اس نے اُسے غور سے دیکھا۔ پھر ایک کاپی نکال کر اس میں لکھے ہوئے نمبر کو ڈالر کے نمبر سے ملایا۔ پھر عنبر کو دیکھا جو آرام سے بیٹھا باہر سڑک کو دیکھ رہا تھا۔ جہاں سے کبھی کبھی کوئی کار گزر جاتی تھی۔

ہوٹل کے مالک نے نیچے جھک کر فون پر پولیس کو اطلاع کر دی۔ عنبر نے سوچا کہ بیرا ابھی تک ریزگاری واپس لے کر کیوں نہیں آیا؟ اُس نے بیرے کو بلانے کے لئے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ بیرے نے آکر ریزگاری عنبر کے حوالے کر دی۔ عنبر اُٹھ کر باہر جانے لگا تو اچانک دروازے پر پولیس کے آدمیوں نے اُسے گھیر لیا۔

پولیس افسر نے آگے بڑھ کر عنبر سے کہا۔

"تم کون ہو اور سو ڈالر کا جو نوٹ تم نے ابھی ابھی تڑوایا ہے وہ کہاں سے حاصل کیا ہے؟"

اب عنبر بات کی تہہ تک پہنچ گیا تھا۔ دل میں سوچنے لگا کہ خواہ مخواہ ایک نئے جھنجھٹ میں پھنس گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ ڈالر کا نوٹ چوروں نے بنک سے چرایا تھا جس کا سیریل نمبر پولیس نے شہر کے تمام دکانداروں اور ہوٹل والوں کو دے رکھا ہوگا۔

عنبر نے پولیس افسر سے کہا

"میں ایک جگہ آرام سے بیٹھ کر بات کرنا چاہتا ہوں۔"

پولیس افسر نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ وہ لوگ باہر چلے گئے۔ پولیس افسر نے عنبر کو ساتھ لیا اور ہوٹل کے ایک خالی کیبن میں جا کر بیٹھ گیا۔

"اب بتاؤ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

عنبر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ چوروں نے ڈالر کس جگہ سے چوری کئے ہیں۔

پولیس افسر نے بتایا کہ

"یہ رقم ایک بنک میں ڈاکہ ڈال کر حاصل کی گئی ہے اس کے ساتھ سونے کی اینٹیں بھی ہیں۔ سپین کا یہ سب سے بڑا ڈاکہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سیدھے سیدھے بتا دو کہ تمہارے ساتھی کہاں پر ہیں اور یہ رقم تم نے کس جگہ سے حاصل کی ہے؟"

عنبر نے کہا۔

"میں مصر کا رہنے والا ہوں اور سپین میں روزگار کی تلاش میں آیا ہوں۔ آج صبح ریلوے سٹیشن پر مجھے ایک آدمی ملا جس نے کہا کہ اسے ایک مزدور کی ضرورت ہے۔ میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ مجھے ہوائی اڈے پر لے گیا

جہاں سے ایک اٹیچی کیس میرے حوالے کر کے کہا کہ میں اسے ریلوے سٹیشن پر موجود اس کے ساتھی کو پہنچا دوں۔ میں نے یہ کام کر دیا تو اس نے مجھے سو ڈالر کا یہ نوٹ دے دیا۔ بس اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

پولیس آفیسر عنبر کی طرف دیکھ کر ہنسا۔

"مسٹر تمہارا نام کیا ہے؟"

"عنبر"

"مسٹر عنبر! مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اب میں تمہیں تھانے لے جا رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ تھانے میں ہمارے پاس ایسا انتظام ہے کہ تم سچی بات بتانے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ کیا خیال ہے؟"

عنبر سمجھ گیا کہ تھانے میں لے جا کر اس پر تشدد کیا جائے گا۔ اور خواہ مخواہ پھر یہی سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جس کا سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا کہ وقت ضائع ہوگا۔ اس نے کہا۔

"آفیسر! ایک بات میں تم سے بڑی صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ تم مجھے تھانہ چھوڑ کر جہنم میں بھی لے جاؤ گے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

اصل میں عنبر دولت کے صندوق کو ان لوگوں سے
چھپانا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ یہ دولت
اپنے ملک لے جائے اور اسے غریبوں میں تقسیم کر دے۔
آفیسر نے پستول پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
"مجھے افسوس ہے کہ اگر تم میرے ساتھ چلنے پر
راضی نہ ہوئے تو پھر مجھے......"
عنبر وہاں لوگوں کے سامنے تماشہ نہیں دکھانا چاہتا
تھا۔ اس نے کہا۔
"چلو — میں چلنے پر تیار ہوں"
پولیس آفیسر عنبر کو ساتھ لے کر تھانے میں آ گیا۔ اسے
تھانے کے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔ اسے نیند
آ رہی تھی۔ بارش کا طوفان تھم گیا تھا۔ وہ سونے
ہی والا تھا کہ آفیسر دو سپاہیوں کے ساتھ اندر آ گیا
سپاہیوں نے آتے ہی عنبر کی کنپٹی پر زور سے مکے برسانے
شروع کر دیئے۔ مگر ایسا ہوا کہ دونوں سپاہی اپنے
ہاتھ پکڑ کر زمین پر بیٹھ کر درد سے تلملانے لگے۔
آفیسر نے حیرانی سے کہا
"کم بخت! یہ کیا کر رہے ہو؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟"
ایک سپاہی نے کہا۔

"سر! اس شخص کی کھال پتھر کی طرح سخت ہے"
آفیسر نے اٹھ کر عنبر کو بالوں سے پکڑ کر نیچے گرانے
کی کوشش کی مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ وہ تڑپ کر
ہٹا اور عنبر کو گھورنے لگا۔ عنبر کے بالوں کو
تے ہوئے اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس
کانٹے دار تاروں کو پکڑ لیا۔ اس نے عنبر کی طرف
تے ہوئے کہا۔
"تم — تم کون ہو؟"
"جن —" عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔
سپاہی اور آفیسر ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ آفیسر
حکم دیا۔
"اسے بند کر دو۔ صبح انسپکٹر جنرل کو اطلاع دی
گی"
عنبر کو کمرے میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا گیا۔
کا پچھلا پہر ابھی باقی تھا۔ سپاہی چلے گئے تو عنبر نے
کہ جس کمرے میں اسے بند کیا گیا تھا وہ ایک
سا کمرہ تھا اور چھت کے ساتھ ایک کمزور روشنی والا
روشن تھا۔ دیوار کے اوپر صرف ایک روشندان تھا۔
وہاں سے فرار ہونا چاہتا تھا تاکہ جلدی سے جلدی

اپنی اڑن طشتری میں پہنچ جائے۔ مگر فرار ابھی ناممکن دکھائی
دے رہا تھا۔ اس سوچ بچار میں دن چڑھ گیا۔ دروازہ کھلا
اور آفیسر اپنے ساتھ کوتوال کو لے کر اندر آ گیا۔ انہوں
نے عنبر کا غور سے معائنہ کیا۔ عنبر نے کہا۔
"اگر میں تمہیں ڈاکوؤں کے ٹھکانے پر لے جاؤں تو
کیا تم لوگ میری جان چھوڑ دو گے؟"
کوتوال نے مونچھوں کو تاؤ دے کر کہا۔
"ہاں! اگر تم ٹھیک نشانے پر ہمیں لے جاؤ"
تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔
"تو پھر میرے ساتھ چلیں۔ ابھی"
کوتوال نے دو سپاہیوں کو ساتھ لیا۔ کار میں اپنے درمیان
عنبر کو بٹھایا اور کار نے عنبر کی ہدایت کے مطابق شہر
سے باہر جنگل کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ عنبر انہیں اس
مقام پر لے گیا جہاں ڈھلانی علاقے کے جنگل میں ایک
جگہ اس کی اڑن طشتری تھی۔ کوتوال اور سپاہی پستول کا
رخ عنبر کی طرف کئے بیٹھے تھے۔ ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا۔
کوتوال نے کہا۔
"مسٹر! تم ہمیں دھوکہ نہیں دے سکتے۔ ہم اس علاقے
کے چپے چپے سے واقف ہیں۔"

عنبر نے کہا۔
"مجھے دھوکہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کار اس کی
سامنے والی پہاڑی کی ڈھلان کے قریب روک لینا۔"
کار ایک جگہ چھوٹی سی چٹان کے ساتھ اگے ہوئے بھاری
بھرکم درخت کی چھاؤں میں روک دی گئی۔ آسمان پر بادل
[illegible]ے گئے تھے۔ سورج بادلوں میں چھپا ہوا تھا جس کی وجہ
سے دن کی روشنی بہت کم تھی۔ کوتوال نے کہا۔
"پہلے تم اترو"
عنبر مسکراتے ہوئے بولا۔
"مجھ پہ شک نہ کرو کوتوال صاحب! میں تمہیں ٹھیک
اسی جگہ لایا ہوں جہاں رات میں نے ڈاکوؤں کو نوٹوں سے
بھرا ہوا صندوق لے کر جاتے دیکھا تھا اور انہوں نے
مجھے ایک سو ڈالر دیئے تھے۔
کوتوال نے پستول تان کر کہا۔
"تم آگے آگے چلو"
عنبر انہیں لے کر اڑن طشتری کے پاس آ گیا۔ اور
جھاڑیوں میں سے اڑن طشتری کی طرف اشارہ کر کے بولا۔
"یہاں ڈاکو داخل ہوئے تھے" وہ اس مکان کے اندر
رہتے ہیں۔"
اڑن طشتری کو دیکھ کر کوتوال اور سپاہی حیرت میں
ڈوب گئے۔

"یہ — یہ کیا شے ہے؟"
عنبر نے کہا۔
"ڈاکوؤں کی کمین گاہ ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں اندر لئے چلتا ہوں۔"
"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بھی ڈاکوؤں کے ساتھی ہو۔"
عنبر نے کہا۔
"تم ایسا ہی سمجھ لو۔ اب تم سے کوئی بات نہیں چھپا سکتا۔ ڈاکو میرے ساتھی ہیں۔ مگر میں ان کے ڈاکوں سے تنگ آ گیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ لوگ انہیں گرفتار کر لیں۔"
کوتوال بولا۔
"شاباش؟ تم نے بڑا اچھا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن یاد رکھو اگر تم نے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی تو تمہاری خیر نہیں ہے۔"
"ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں خفیہ دروازے سے اس کمین گاہ کے اندر جاؤں گا اور پھر اشارہ کروں گا۔ میرے اشارے پر تم لوگ بھی اندر آ جانا۔"
یہ کہہ کر عنبر اڑن طشتری کی طرف بڑھا۔ اُس نے بٹن دبا کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ اُس کے پیچھے بند ہو گیا۔ اندر جاتے ہی عنبر نے تھوڑی دیر کے بعد دوبارا بٹن دبایا اور پھر اشارہ کر کے پولیس کو اندر آنے کی دعوت دی۔

کوتوال اور سپاہیوں نے ریوالور تان لیے اور پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے اڑن طشتری میں داخل ہو گئے۔ اندر آتے ہی دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ عنبر نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔
"شی! ڈاکو ساتھ والے کمرے میں نوٹ گن رہے ہیں۔"
کوتوال نے آہستہ سے کہا۔
"ہم انہیں رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتے ہیں۔"
عنبر سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔
"میں تمہیں ایک کمرے میں لے جاتا ہوں۔ وہاں سے میں ایک دیوار کی خفیہ راہداری کھول دوں گا۔ جو اس کمرے کو جاتی ہے جہاں اس وقت ڈاکو بیٹھے نوٹ گن رہے ہیں۔"
"بالکل ٹھیک ہے۔" کوتوال خوش ہو کر بولا۔ "مسٹر عنبر! میں حکومت کو تمہارے انعام کی خاص طور پر سفارش کروں گا۔"
عنبر مسکرایا۔
"میری خواہش ہے کہ یہ انعام تم حاصل کر لو۔ اب میرے ساتھ آؤ۔"

عنبر نے کوتوال اور دونوں سپاہیوں کو ساتھ لیا
اور اڑن طشتری کے نیچے والے ایک کمرے میں انہیں
لے آیا۔ اس کمرے میں جب وہ لوگ داخل ہو
گئے تو عنبر نے کہا۔

"آپ لوگ اسی جگہ ٹھہریں میں باہر لے جا کر سامنے
والی دیوار کا خفیہ دروازہ کھولتا ہوں"

کوتوال اور سپاہی ابھی جواب بھی نہ دینے پائے
تھے کہ عنبر کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے باہر نکلتے
ہی دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا اور ساتھ ہی بجلی کا
تالا بھی لگ گیا۔ یہ اس قدر مضبوط تالا تھا کہ اسے
دنیا کا کوئی انسان نہیں کھول سکتا تھا۔ پولیس کے آدمیوں
کو بالکل احساس نہ ہوا کہ وہ ایک انتہائی مضبوط اڑن
طشتری میں قید ہو چکے ہیں جہاں سے اب وہ عنبر کی
مرضی کے بغیر کبھی باہر نہیں نکل سکیں گے۔ جب عنبر کو
گئے دیر ہو گئی اور خفیہ دروازہ نہ کھلا تو کوتوال کو
پریشانی نے گھیر لیا۔ کہنے لگا۔

"کہیں ہمارے ساتھ دھوکہ تو نہیں کیا گیا؟"

ایک سپاہی بولا۔

"مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے سر"

"مجھے بھی" دوسرے نے ہاں میں ہاں ملا دی۔

کوتوال ابھی جواب دینے ہی والا تھا کہ کمرے میں
لگے ہوئے کسی خفیہ لاؤڈ سپیکر سے عنبر کی آواز آئی۔

"مسٹر کوتوال! تم اب اس کمرے سے قیامت تک
نہیں نکل سکتے۔ ہاں اگر میں چاہوں تو انہیں آزاد کر سکتا
ہوں۔ لیکن میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا۔

کوتوال اور سپاہی اپنی جگہوں سے اچھل سے پڑے۔
کوتوال نے کہا۔

"تم — تم کہاں سے بول رہے ہو؟"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"اسی اڑن طشتری سے"

"اڑن طشتری؟" کوتوال کی آواز سہمی ہوئی تھی۔
عنبر کی آواز آئی۔

"ہاں مسٹر پولیس آفیسر! تم اس وقت ایک ایسی
عجیب وغریب اڑن طشتری میں قید ہو جو تمہاری دنیا سے
کروڑوں نوری سال کے فاصلے پر ایک سیارے سے
آئی ہے"

"کیا — کیا کہہ رہے ہو؟ ہمیں باہر جانے دو"
عنبر کی آواز آئی۔

"میرا خیال ہے تمہیں ہمارے سیارے کی سیر کرنی چاہیئے۔ میں تمہیں لے کر دنیا سے اُڑ کر اپنے سیارے پر جاؤں گا۔ جہاں سے تم بوڑھے ہو کر بھی واپس نہ آ سکو گے۔"

اب تو کوتوال اور سپاہی سچ مچ گھبرا گئے۔ ایک سپاہی نے پستول نکال کر کہا۔

"سر! یہ شخص جھوٹ بول رہا ہے۔ یہ ہمیں گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ یقین کریں اس کمرے کو ہم توڑ کر باہر نکل سکتے ہیں۔"

ان کی باتیں عنبر سُن رہا تھا۔ اس کی آواز پھر آئی

"تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں، تو بے شک طاقت آزما کر دیکھ لو۔ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔

کوتوال نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے دروازے کو زور زور سے دھڑ دھڑانا شروع کر دیا۔ مگر ایسا لگتا تھا کہ وہ دروازہ گویا پتھر کا بنا ہوا ہے۔ سپاہیوں کے کندھے زخمی ہو گئے مگر دروازہ اپنی جگہ سے ایک انچ کا ہزارواں حصہ بھی اپنی جگہ سے نہ ہل سکا۔ اب وہ پریشان ہو گئے انہیں محسوس ہوا کہ عنبر ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ وہ یقیناً

کسی آسمانی اڑن طشتری میں قید ہو چکے ہیں اور اب باہر نکلنا اُن کے بس میں نہیں ہے۔ کوتوال نے کہا۔

"مسٹر عنبر! اگر تم وعدہ کرو کہ ہمیں آزاد کر دو گے تو ہم تمہاری ہر شرط تسلیم کرنے پر تیار ہیں۔

عنبر کی آواز آئی۔

"کیا تم اس کیس کے سلسلے میں میرا پیچھا کرنا چھوڑ دو گے"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ ڈاکے کے بارے میں پھر کبھی تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔ بلکہ تمہارا کہیں نام تک بھی نہیں لوں گا۔"

عنبر نے کہا۔

"کیا تم وعدہ کرتے ہو کہ یہاں سے نکل کر تم کسی سے اڑن طشتری کے بارے میں کوئی بات نہیں کرو گے؟"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری اڑن طشتری کا کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر میں تمہیں ابھی آزاد کئے دیتا ہوں۔"

اس گفتگو کے دو منٹ بعد کمرے کا دروازہ ایک طرف ہٹ گیا اور عنبر مسکراتا ہوا اندر آیا۔

"تم آزاد ہو مسٹر آفیسر"

الفاظ ابھی اُس کے منہ میں ہی تھے کہ کوتوال نے

پستول کا فائر کر دیا۔ گولی عنبر کے سر پر لگی۔ سپاہیوں
نے بھی عنبر پر پستول میں سے ایک ایک گولی فائر
کر دی یہ دونوں گولیاں بھی عنبر کے سینے میں آ کر لگیں۔
کوتوال اور سپاہی بڑے خوش ہوئے۔ کیونکہ گولیاں ٹھیک
نشانے پر لگی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اب عنبر کی
لاش فرش پر تڑپ رہی ہوگی۔ مگر ہوا یہ کہ تینوں
گولیاں عنبر کے جسم سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑیں اور
عنبر اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر وہ غصے کے ساتھ بولا۔

"تم لوگ جھوٹے ہو۔ تم نے اپنے وعدے کا خیال
نہیں کیا اور مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب میں
تمہیں زیادہ نہیں چھوڑوں گا۔"

کوتوال نے اشارہ کیا اور اس کے سپاہیوں نے دھڑا دھڑ
عنبر پر فائرنگ شروع کر دی۔ انہوں نے اپنے اپنے
پستول کی ساری گولیاں عنبر پر خالی کر دیں مگر عنبر
پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔

گرینگو

عنبر نے کہا۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ مجھ کو تمہارے
پستولوں کی گولیاں ہلاک نہیں کر سکیں۔"

اس نے زمین پر گری ہوئی ساری گولیاں اٹھا
کر کوتوال کے منہ پر دے ماریں۔

"ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈال لو۔"

کوتوال اور سپاہی تھر تھرا رہے تھے انہیں یقین
ہو گیا تھا کہ عنبر نے جو کہا تھا کہ میں جن ہوں تو
ٹھیک ہی کہا تھا۔ وہ یقیناً جن تھا۔ وہ انسان
نہیں تھا۔ اور پھر کسی آسمانی ستارے کی مخلوق تھا۔
جس پر گولی بھی اثر نہیں کرتی تھی۔ کوتوال نے ہاتھ
جوڑے اور ڈری ہوئی رحم طلب آواز میں بولا۔

"ہماری جان بخشی کر دو اے عظیم جن! ہم
یہاں سے چلے جائیں گے اور کسی سے ساری زندگی
تمہارا ذکر نہیں کریں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ آج دوپہر کے کھانے پر
میں تم لوگوں کی ہڈیوں کا شوربہ بنا کر پی جاؤں۔

کیوں؟ کیا خیال ہے تمہارا؟"

عنبر نے آگے بڑھ کر کوتوال کی موٹی توند پر انگلی
رکھ کر دباتے ہوئے کہا۔ کوتوال کی ٹانگیں خوف
سے کانپنے لگیں۔

"خدا کے لیے میرے چھوٹے بچوں پر
ترس کھاؤ۔

میری جان بخش دو۔ میں تمہارا یہ احسان ساری
زندگی نہیں بھولوں گا"

عنبر نے دوسرے سپاہیوں کی طرف دیکھا اور کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تمہیں ایک صندوق میں بند کر
دوں۔ اور پھر اڑن طشتری کو خلا میں لے جا کر
صندوق کو باہر پھینک دوں۔ خدا کی قسم تم سیارہ
بن کر جب تک یہ دنیا قائم ہے آسمان کی وسعتوں
میں سیر کرتے رہو گے"

کوتوال عنبر کے قدموں پر گر کر رونے لگا۔

"اے عظیم جن! ایسا نہ کرنا۔ میرے بچے بلک

بلک کر مر جائیں گے۔ میری بیوی زندہ درگور ہو
جائے گی۔ رحم کرو۔ رحم کرو ہم پر!"

عنبر زور سے ہنسا

"بڑے بزدل ہو تم پولیس آفیسر! اچھا میں تمہارے
بال بچوں کا خیال کرتے ہوئے تمہیں کچھ نہیں کہوں
گا۔ میرے ساتھ آؤ"

عنبر نے ان تینوں پولیس والوں کو ساتھ لیا اور
اڑن طشتری کے دروازے پر لا کر بولا۔

"میرے پاس ایک ایسی مشین ہے کہ جو تمہارا پیچھا
کرے گی۔ میرے راڈار پر تمہاری آواز ہمیشہ
آتی رہے گی۔ اگر تم لوگوں نے کسی سے میری
اڑن طشتری کے بارے میں بات کی تو مجھے یہاں
خبر ہو جائے گی پھر میں تمہیں جہاں کہیں بھی تم ہو
گے۔ ایٹمی شعاع سے جلا کر بھسم کر دوں گا۔

کوتوال نے کہا۔

"میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم کسی سے کبھی بھی
تمہارا اور تمہاری اڑن طشتری کا ذکر نہیں کریں گے
بھلا ہمیں موت کے منہ میں جانے کی کیا پڑی ہے؟
کیا ہمیں ہمارے بچے عزیز نہیں ہیں"

باقی دونوں سپاہیوں نے بھی کہا۔

"ہمیں معاف کر دو جن! یقین کرو ہم یہاں سے جاتے ہی سب کچھ بھلا دیں گے"

"شاباش! مجھے تم سے یہی امید ہے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اس کا خمیازہ تمہیں ہر حالت میں بھگتنا پڑے گا۔ اب تم جا سکتے ہو!"

اور وہ لوگ دروازے سے کود کر باہر نکلے اور جنگل میں غائب ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد عنبر نے آرام کیا۔ شام کو وہ اڑن طشتری کو اٹھا کر پہاڑیوں میں اس جگہ لے گیا۔ جہاں غار کے اندر سونے اور ڈالروں سے بھرا ہوا صندوق دفن تھا۔ اڑن طشتری اس نے چٹان کی اوٹ میں کھڑی کر دی اور خود غار میں داخل ہو گیا۔ پھاوڑا اس نے اپنے ساتھ ہی رکھ لیا تھا۔ اپنی پرانی قبر کے پاس جا کر زمین کھودی اور صندوق کو باہر نکال کر اسے غار کے دروازے تک گھسیٹتا ہوا لے آیا۔ پھر اس نے صندوق کو کندھے پر اٹھایا اور غار سے باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ اچانک کسی نے اسے زور سے دھکا دیا اور وہ گر گیا اور صندوق پرے جا پڑا۔

اس کے ساتھ ہی پستول کا فائر ہوا اور گولی عنبر کے کندھے کے اوپر سے گزر کر پیچھے پتھر سے جا لگی جہاں سے ٹکڑے اڑ گئے۔

عنبر نے دیکھا۔ اس کے سامنے دو آدمی چمڑے کی جیکٹوں میں ملبوس پستول لیے کھڑے تھے۔ یہ وہ چور تھے جنہوں نے بنک میں ڈاکہ مار کر یہ خزانہ لوٹا تھا: اور وہ عنبر کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی کے ماتھے پر زخم کا لمبا نشان تھا اس نے مڑ کر اپنے ساتھی سے کہا۔

"گریگو! اسے ختم کر دو۔ تمہارا نشانہ کبھی خطا نہیں گیا۔ پھر یہ گولی اسے کیوں نہیں لگی۔؟"

گریگو نے اپنے زرد دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"سوری باس! اس بار نشانہ خطا نہیں جائے گا"

اور گریگو نے پستول کا نشانہ لے کر عنبر کے سینے پر گولی مار دی۔ گولی ٹھیک اس جگہ سینے پر لگی۔ جہاں عنبر کا دل دھڑک رہا تھا۔ عنبر نے جھوٹ موٹ زور سے چیخ مار کر دل پر ہاتھ رکھا اور اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔ گریگو نے ہنس کر پستول

کی نال میں پھونک ماری اور بولا۔

"باس! اب تو تم خوش ہو۔ میں نے اسے مار ڈالا ہے۔"

اس نے خوش ہو کر کہا۔

"شاباش گرینگو! تم بڑے اعلیٰ نشانچی ہو۔ میں تمہیں مان گیا ہوں۔ لیکن یہ شخص کہاں سے آ گیا؟ اسے ہمارے خزانے کا کیسے پتہ چلا؟"

گرینگو بولا۔

"باس! شاید یہ بدبخت اس وقت ہمارا پیچھا کر رہا تھا جب ہم خزانہ غار کے اندر رکھ رہے تھے"

باس نے عنبر کی لاش کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

"چلو اچھا ہوا کہ اس کا کام تمام ہو گیا خود ہی ہمارے دام میں آ گیا۔ اگر ہم ذرا دیر کر دیتے تو یہ تو خزانہ لے اڑا تھا۔ اب صندوق کو اٹھاؤ اور باہر جیپ میں لے جا کر رکھ دو۔"

گرینگو بولا۔

سوری باس! میں اکیلا اسے نہیں اٹھا۔ تمہیں بھی میرا ساتھ دینا ہو گا۔

باس نے جھنجھلا کر کہا۔

"بڑے کمینے اور ہڈ حرام ہو تم۔ اٹھاؤ۔ چلو"

اور وہ صندوق کو اٹھانے کے لیے جھکے۔ عنبر نے یہ سارا ڈرامہ محض تفریح کے لیے کھیلا تھا۔ مگر اب پانی سر سے گزرنے والا تھا۔ اگر وہ ذرہ دیر پڑا رہتا تو دونوں ڈاکو خزانہ لے جا چکے ہوتے۔ اس لیے اب وقت آ گیا تھا کہ وہ ان پر اپنا آپ ظاہر کرے پس جس وقت چور گرینگو صندوق کو اٹھانے کے لیے نیچے جھکا تو عنبر نے ذرا سا کھانس کر ایسی آواز نکالی جیسے کوئی بکرا بول رہا ہو۔ اس کی آواز پر گرینگو ڈر کر اچھلا اور پرے جا گرا۔

اس کے باس نے بھی پلٹ کر عنبر کی لاش کو دیکھا۔ عنبر ابھی تک مذاق کرنے کے موڈ میں تھا۔ باس نے گرینگو کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ آواز کس کی تھی گرینگو؟"

"اس لاش کی تھی"

"تو کیا یہ بدبخت ابھی زندہ ہے؟"

"تو پھر آواز تمہارے باپ نے نکالی تھی

"کسی بکرے کی آواز تھی یہ تو"

"بکرا یہاں کہاں سے آ گیا؟ اس وقت تو مجھے تم

بھی بکرا لگ رہے ہو"

"باس! یہ تو مرا ہوا ہے

گرنیگو نے پستول جیب سے نکال کر اوپر تلے تین گولیاں عنبر کے جسم پر فائر کر دیں اور ہنس کر بولا۔

"باس! کیوں میری گولیاں ضائع کروا رہا ہے۔ یہ تو مردہ ہے مردہ.....

"چلو اٹھاؤ صندوق"

وہ صندوق اٹھانے کے لیے جھکے تو عنبر نے ایک آنکھ کھول کر دونوں چوروں کو دیکھا اور کہا۔

"کہاں لے جا رہے ہو اس صندوق کو؟"

اس آواز پر دونوں گھبرا کر وہیں بیٹھ گئے انہوں نے تڑپ کر عنبر کو دیکھا۔ عنبر اسی طرح مرا ہوا نظر آیا۔

"یہ کون بول رہا ہے؟" یہ تو مردہ ہے کیا اس کا بھوت یہاں آ گیا ہے"

عنبر نے آنکھیں کھول کر ایک ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔

"میں بھوت نہیں ہوں۔ بلکہ میں خود ہوں"

اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مردے کو زندہ ہوتے دیکھ کر دونوں چور اسے سہمی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے لگے۔

"تم..... تم مردہ نہیں ہو؟"

"میں مردہ ہوں" عنبر یہ کہہ کر مسکرانے لگا۔

گرنیگو نے چیخ کر کہا۔

"باس! اسے ختم کر دو۔ معلوم ہوتا ہے گولیاں نشانے پر نہیں لگیں"

اب عنبر اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے گرنیگو کے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔

احمق۔ اپنی گولیاں ضائع نہ کرو"

باس نے فوراً پیٹی کے ساتھ لگا ہوا خنجر نکال کر عنبر پر حملہ کر دیا۔ دو وار اس نے سیدھے عنبر کے سینے پر کیے اور ایک وار اس کی گردن پر کیا۔ عنبر کو تو کچھ نہ ہوا مگر باس کے ہاتھ سے خنجر ٹوٹ کر گر پڑا۔ اور اس کا ہاتھ بھی زخمی ہو گیا۔

"گرنیگو اسے قتل کر دو"

گرنیگو نے چاقو نکال کر عنبر کی پیٹھ میں گھونپنا چاہا مگر چاقو تو جیسے کسی چٹان سے ٹکرایا تھا۔ اس کے

ہاتھ میں ہی چاقو کا پھل ٹوٹ گیا اور گرینگو کے
ہاتھ سے خون نکلنے لگا۔ اب وہ خوف زدہ ہو
چکے تھے۔ کیونکہ انہیں یقین ہو تھا۔ کہ ان کا پالا کسی
زمینی مخلوق سے نہیں ہے۔ عنبر نے ایک زور
دار ہاتھ باس کی گردن پر مارا۔ ہاتھ اس قدر زبردست
تھا کہ باس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔ اور وہ
گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔ گرینگو نے اپنے باس کا
انجام دیکھا تو ہاتھ باندھ کر گگھیا کر بولا۔

"مسٹر بھوت! مجھے معاف کر دے میری جان
بخشی کر دو"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"تم تو مجھے قتل کر رہے تھے"

گرینگو اس کے قدموں پر گر پڑا۔

غلطی ہو گئی مسٹر بھوت! مجھے معاف کر دو۔ میں
تمہارے پاؤں پڑتا ہوں"

عنبر نے ٹھوکر سے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اٹھو اور اس صندوق کو اپنے سر پر اٹھا کر میرے
ساتھ آؤ"

گرینگو نے بڑی مشکل سے صندوق اٹھا کر اپنے

سر پر رکھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے وہاں سے
باہر آیا۔ غار کے ایک پہلو میں ان کی جیپ کھڑی تھی
عنبر نے کہا۔

"اس طرف چلو۔ میری جیپ ادھر کھڑی ہے"

اور عنبر گرینگو کو لے کر چٹان کی اوٹ میں اس
مقام پر آ گیا جہاں اس کی اڑن طشتری کھڑی تھی
اڑن طشتری کو تو گرینگو دیکھنے کا دیکھتا رہ گیا اس
نے زندگی میں کبھی اس قسم کا ہوائی جہاز نہیں دیکھا
تھا۔ عنبر نے آگے بڑھ کر بٹن دبایا۔ اڑن طشتری
کا دروازہ کھل گیا۔ عنبر نے کہا۔

"صندوق اندر لے آؤ"

گرینگو صندوق اٹھائے اندر آ گیا۔ اس نے صندوق
ایک طرف دیوار کے ساتھ رکھ دیا اور آنکھیں پھاڑ
پھاڑ کر اڑن طشتری کی مشینوں اور کمپیوٹروں اور ڈائلوں
کو دیکھنے لگا۔ اس کی پریشانی اور حیرانی دیکھ کر عنبر
نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ کیا ہے"

گرینگو نے سر ہلا کر کہا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ یہ کیا ہے

بجے
"مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ میں کوئی خواب دیکھ
رہا ہوں۔ تم ایک ایسے انسان ہو جس پر چاقو
خنجر اور گولی اثر نہیں کرتی۔ یہ ایسا ہوائی جہاز ہے
جس کی مثال ساری دنیا میں کہیں نہیں ہے۔"
عنبر نے ہنس کر کہا۔
"گرینگو! تم ایک سنگدل مگر سیدھے سادھے آدمی
ہو۔ کیا تم میرے ساتھ رہو گے؟" "ہاں"
"تم کون ہو اور کہاں جانے والے ہو"
عنبر نے کہا۔
"میں جہاں بھی گیا تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا"
"کیا تم کسی دوسری دنیا میں جانے کا ارادہ رکھتے ہو"
"شاید۔ کیا تم میرے ساتھ دوسری دنیا میں چلو گے"
گرینگو نے کہا۔ "میں اس دنیا سے تنگ آ گیا
ہوں۔ پولیس ایک سال سے میرا پیچھا کر رہی ہے۔ اس
نے میرا جینا حرام کر دیا ہے۔ میں تمہارے ساتھ
تم جہاں بھی لے جاؤ گے چلا جاؤں گا۔ لیکن
میں زندہ رہوں گا"
"کیوں نہیں۔ تم ضرور زندہ رہو گے۔ مگر فی الحال
میں دوسری دنیا جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا

اس لیے بے فکر ہو جاؤ"
عنبر نے گرینگو کو اپنی اڑن طشتری کی سیر کرائی۔
وہ خوف زدہ بھی تھا اور حیرت زدہ بھی۔ سوچ
رہا تھا کہ جانے کس دنیا سے کہ [illegible]
گیا ہے۔ عنبر نے کہا۔
"میں یہ دولت یہاں کے غریب لوگوں میں تقسیم
کرنا چاہتا ہوں۔ خاص طور پر مسلمانوں میں کیا تم بتا
سکتے ہو یہاں مسلمان کہاں [illegible] ہیں"
گرینگو نے کہا۔
"جناب! اس ملک [illegible] ایک [illegible]
کسی دوسرے ملک میں جا کر آپ مسلمانوں کی امداد کر
[illegible]
"خیر کوئی بات نہیں۔ یہ اس ملک کی دولت
ہے اور اس ملک کے انسانوں کا حق ہے اس لیے
میں یہاں کے ضرورت مند لوگوں میں اس دولت
کو بانٹوں گا خواہ وہ عیسائی ہی کیوں نہ ہوں"
رات کو عنبر کے پاس بیٹھ کر گرینگو نے سپین
کے غریب علاقوں کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے

فیصلہ کیا کہ وہ صبح ان لوگوں کی بستی میں جا کر دولت تقسیم کر دیں گے۔ لیکن گریگو ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی نیت خراب ہو چکی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی [illegible] دولت لے کر وہاں سے فرار [illegible]
عنبر نے [illegible] نے اپنے ذہین میں ایک منصوبہ بنا لیا تھا اور رات کے اندھیرے کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ وہاں سے وہ رات کے اندھیرے میں ہی فرار [illegible] سکتا تھا۔
عنبر نے کہا:
[illegible] جہاں [illegible] گیا تمہیں

کیا گریگو اپنے خطرناک منصوبے میں کامیاب ہو سکا؟
عنبر نے سپین میں کیا [illegible] دنیا سے [illegible]
یہ آپ اسی ناول کی اگلی قسط میں پڑھیں گے۔

ختم شد

بچوں کے اس قسط وار ناول کا ہیرو عنبر کئی ہزار سال سے زندہ ہے۔ قبرستان میں ایک جادوگر نے اسے کہا تھا "عنبر! تم کبھی نہیں مرو گے"۔ عنبر بادبانی جہاز پر سمندری طوفانوں کا مقابلہ کرتا سب سے پہلے مُردہ ژدوں کے جزیرے میں پہنچتا ہے۔ یہاں ایک لڑکا ناگ اس سے آن ملتا ہے۔ وہ اصل میں ایک سانپ ہے مگر لڑکے کے بھیس میں ہے۔ وہ جب چاہے سانپ بن جاتا ہے اور جب چاہے لڑکا بن جاتا ہے ——

ماریا ایک ایسی لڑکی ہے جو اہرام مصر کے ایک تہہ خانے کی قبر سے اسے ملتی ہے۔ وہ جادو کے اثر سے غائب ہے۔ وہ سب کو دیکھتی ہے مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا ——

تینوں بہن بھائی اپنے حیرت انگیز، پُراسرار اور خوف ناک سفر پر نکلتے ہیں —— بادشاہ مر جاتے ہیں —— مگر وہ زندہ رہتے ہیں ——

یہ قسط وار ناول انسان کی ہزاروں سالہ تاریخ کے ہر دروازے سے گزر کر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

—— پچاس قسطوں میں ——

ایک مکمل اور سنسنی پیدا کرنے والی داستان

ہر ناول ایک مکمل دلچسپ اور پُراسرار کہانی —— پورا ناول

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

ادبی مارکیٹ ◉ چوک انارکلی ◉ لاہور

عنبر اور خونی جزیرہ

اے حمید

آزادی پاکستان کی چھتیسویں سالگرہ پر
دعا گو ہیں کہ اللہ جل شانہ
سرزمین پاک کو
تو ویلیات سے محفوظ رکھے

موت کا تعاقب

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

عنبر اور خونی جزیرہ

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز

لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

باہتمام شیخ نیاز احمد پرنٹرز
علمی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ، لاہور
سے چھپوا کر چوک انارکلی لاہور سے شائع کیا۔

اشاعت اول: ۱۹۸۲ء
قیمت: ۴/- روپے

مقام اشاعت:
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ چوک انارکلی، لاہور

* آگ کا بھوتنا
* شاہی ہار
* سمندر اور طوفان
* آگ میں پھینک دو
* عنبر اور خونی جزیرہ

پیارے بچو!

عنبر اڑن طشتری میں بیٹھ کر خلائی مخلوق کی سرزمین سے فرار ہو کر زمین کے ایک جنگل میں اتر گیا ہے۔ خلائی مخلوق نے زمین کو تباہ کرنے کی جو خوفناک سکیم بنائی تھی عنبر اسے تہہ و بالا کر چکا ہے۔ وہ جنگل میں جا رہا تھا کہ ڈاکو گرینگو سے ان کا مقابلہ ہو گیا۔ گرینگو کے ساتھی مارے گئے۔ عنبر نے ڈاکو گرینگو کو قید کر کے اڑن طشتری میں ڈال دیا۔ گرینگو اڑن طشتری کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اُس نے ایک خطرناک سکیم بنائی۔ آدھی رات کو جب عنبر اپنے کیبن میں سو رہا تھا تو ڈاکو گرینگو اٹھا اور اُس نے . . . . .

اس سے آگے خود پڑھیں تو زیادہ لطف آئے گا

آگ کا بھوتنا

ڈاکو گرینگو نے ایک خطرناک سکیم تیار کی تھی۔

جب رات آدھی گزر گئی تو گرینگو اپنے بستر سے اٹھا۔ اسے معلوم تھا کہ عنبر اڑن طشتری کے اوپر والے کمرے میں سونے گیا تھا۔ عنبر کو اگرچہ نیند کی ضرورت نہیں تھی پھر بھی یہ سوچ کر رات بھر وہ جاگ کر کیا کرے گا۔ یونہی لیٹ گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔ گرینگو ڈاکو بڑے آہستہ آہستہ پاؤں اٹھاتے اڑن طشتری کی اوپر والی منزل پر آ گیا۔ اس نے عنبر کو دیکھا کہ سو رہا ہے۔ خزانے کا صندوق اس کے پاس ہی پڑا ہوا تھا۔ گرینگو نے دیوار پر لگا ہوا سرخ پمپ اور سلنڈر اٹھا لیا۔ اس سلنڈر میں آگ بجھانے والی گیس بھری ہوئی تھی۔ یہ گیس اگر آدمی کے اندر چلی جائے تو وہ بیہوش ہو جاتا ہے۔ گرینگو نے خود ماسک پہن لیا۔ اور گیس کو چھوڑ دیا۔ کمرے میں ایک دم سے گیس بھر گئی۔ عنبر ہڑبڑا کر اٹھا مگر گیس اس کے دماغ میں پہنچ گئی تھی۔ وہ نیم بے ہوش سا ہو کر ایک طرف گیا کہ بٹن دبا کر کھڑکی کھول دے مگر گرینگو نے گیس کا رُخ اس کی طرف کر دیا۔ عنبر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

گرینگو یہی چاہتا تھا۔ وہ صندوق کو گھسیٹتا ہوا اڑن طشتری کے دروازے

پر سے آیا۔ پھر اسے دھکا دے کر نیچے گرایا اور خود بھی اس کے اوپر چھلانگ
لگا دی۔ اڑن طشتری کا دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ گرینگو جنگل کے اندھیرے
میں صندوق کو گھسیٹتا ہوا کافی دُور تک لے گیا۔ پھر اُس نے اُسے کسی نہ
کسی طرح اپنے سر پہ اٹھایا اور جنگل میں روانہ ہو گیا۔ یہاں اُسے ایک درخت
کی کھوہ دکھائی دی۔ اس میں کافی گہرا سوراخ تھا۔ گرینگو نے صندوق میں سے
سارے نوٹ اور سونے کی اینٹیں نکال کر اس کھوہ کے اندر بھر دیں اور
اوپر مٹی اور پتھر ڈال کر اُوپر درخت کی شاخیں اور پتے بکھیر دیئے۔

اب کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ اس درخت کے اندر کروڑوں روپے
کا خزانہ دبا ہوا ہے۔ گرینگو نے اپنے لئے کچھ ڈالر رکھ لئے تھے۔ اب وہ شہر کی
طرف بھاگا۔ شہر وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ بڑی سڑک پر آگیا۔ ایک
ٹرک نے اسے لفٹ دے دی شہر میں آکر وہ ایک گمنام سے ہوٹل میں کمرہ
لے کر سو گیا۔ ادھر جب عنبر کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ گیس اپنے آپ فضا میں
جذب ہو چکی تھی۔ سب سے پہلے اُس نے صندوق کو تلاش کیا۔ خزانے کا
صندوق غائب تھا۔ سمجھ گیا کہ ڈاکو گرینگو لے کر بھاگ گیا ہے۔ وہ اڑن طشتری
سے باہر نکل کر جنگل میں آگیا۔ اُس نے جنگل کا کونہ کونہ تلاش کیا مگر اسے
گرینگو کہیں نہ ملا۔ خزانہ بھی کہیں نہ ملا۔ عنبر شہر کی طرف چل پڑا۔ دن کے وقت
وہ شہر میں آگیا۔ لوگ سڑکوں پر کاروں اور سکوٹروں اور بسوں میں سوار
دفتروں کی طرف جا رہے تھے۔ عنبر ان میں گرینگو کو پہچاننے کی کوشش کر رہا
تھا اُسے بڑا افسوس تھا کہ جس خزانے کو وہ غریبوں میں بانٹنا چاہتا تھا وہ

گرینگو لے اُڑا۔

دوپہر کو وہ ایک ہوٹل میں آگیا۔ اُس نے یہاں نہانے کے بعد یونہی
ذرا دیر بیٹھنے کے لئے کھانا کھایا۔ قہوہ لے کر آرام کرسی پہ بیٹھ گیا اور آتے جاتے
کو تکنے لگا۔ شام ہو گئی مگر گرینگو کہیں نظر نہ آیا۔ عنبر نا امید ہو کر واپس جنگل
کی طرف چل پڑا کہ اپنی اڑن طشتری میں سوار ہو کر ناگ اور ماریا کی تلاش
میں جائے۔ وہ خزانے سے مایوس ہو چکا تھا۔

جنگل میں آتے آتے رات کا اندھیرا چھا گیا۔ ادھر گرینگو بھی ایک جیپ
لے کر جنگل میں خزانہ لینے آچکا تھا۔ وہ جنگل میں اس درخت کے قریب ہی
جیپ لے کر کھڑا تھا جس کے اندر خزانہ دبا ہوا تھا۔ اس کو جب یقین ہو گیا
کہ وہاں اور کوئی نہیں ہے تو اُس نے درخت کے اندر سے نوٹ اور سونے
کی اینٹیں نکال نکال کر جیپ میں لادنی شروع کر دیں۔ جب سارا خزانہ لادا
جا چکا تو جیپ سٹارٹ کی اور جنگل میں سے واپس روانہ ہوا۔

عنبر کو جیپ کی آواز سنائی دی تو چوکنا ہو گیا۔ مگر وہاں درخت اتنے
تھے کہ جیپ کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ بھاگ کر اڑن طشتری میں آ
گیا۔ اُس نے اڑن طشتری کے دروازے بند کئے اور بٹن دبا دیا۔ اڑن طشتری
فضا میں بلند ہو کر درختوں کے اُوپر آگئی اور پھر آہستہ آہستہ اڑنے لگی۔
ادھر گرینگو نے بھی اڑن طشتری کی آواز سن لی تھی۔ اُس نے جیپ کی سپیڈ تیز کر دی
اور جنگل سے باہر نکل کر شہر کو جانے والی سڑک پر آگیا۔ سڑک پر آکر اس کی جیپ
دوڑنے لگی۔ عنبر بھی اڑن طشتری لے کر جنگل سے باہر آگیا۔ اس نے اوپر ہی

سے گریگو کی جیپ دیکھ لی کہ اندھیرے میں روشنیاں بجھائے شہر کی طرف بھاگی جا رہی ہے۔

عنبر اڑن طشتری کو گریگو کی جیپ کے اوپر لے آیا۔ عین اوپر آ کر اس نے اڑن طشتری میں سے مقناطیسی شعاعیں نیچے پھینکنا شروع کیں۔ گریگو کی جیپ کا انجن جام ہو کر بند ہو گیا۔ اور پھر مقناطیسی شعاعوں نے اسے زمین پر سے اوپر اٹھا لیا۔ جب جیپ زمین سے بیس تیس گز بلند ہوئی تو گریگو نے ڈر کر چھلانگ لگا دی۔ وہ پتھروں پر گرا اور اس کی دونوں ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔

عنبر جیپ کو اڑن طشتری کے اندر لے آیا۔ اس نے اب گریگو کو بھلا دیا تھا۔ جیپ میں سے سارے نوٹ اور سونے کی اینٹیں نکال کر اس نے جیپ کو اڑن طشتری سے باہر نیچے پھینک دیا۔ اور خود اڑن طشتری کو لے کر شہر کے اوپر سے ہوتا ہوا دوسری طرف اونچے پہاڑوں کے درمیان ایک چوڑے ٹیلے پر درختوں کے درمیان اتر گیا۔ باقی رات اس نے وہیں اڑن طشتری کے اندر ہی گزار دی۔ صبح ہوتے ہی اس نے سارے نوٹ اور سونے کی اینٹیں تھیلوں میں بھریں اور پہاڑی سے اتر کر شہر کی طرف چلا۔ راستے میں اسے غریب لوگوں کے جہاں جہاں گھر نظر آئے وہ وہاں وہاں چپکے سے نوٹوں کی گڈیاں ڈالتا چلا گیا۔

دوپہر تک اس نے ساری دولت غریب لوگوں کے گھروں میں تقسیم کر دی سونے کی اینٹیں بھی اسی طرح وہ لوگوں کے گھروں میں ڈالتا چلا آیا تھا۔ یہ علاقہ

بے حد غریب لوگوں کا تھا اور یہاں ایسے لوگ رہتے تھے جن کو دو وقت کا کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ واپس اپنی اڑن طشتری کی طرف آیا کہ اس کو لے کر ناگ اور ماریا کی تلاش میں نکلے۔ عنبر اڑن طشتری میں جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے اسے سٹارٹ کیا اور پہاڑی کے اوپر سے ایک چکر لگا کر اس کا رخ سمندر کی طرف پھیر دیا۔

عنبر کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے ناگ ماریا سے اس کی ملاقات کھلے سمندر میں کہیں ہو جائے۔ نہیں تو وہ انگلینڈ کی طرف نکل جائے گا۔ اڑن طشتری کو وہ زمین سے اتنی بلندی پر لے آیا کہ یہاں کوئی ہوائی جہاز اس کا پیچھا نہیں کر سکتا تھا۔ پھر وہ سمندر کے اوپر آ گیا۔ ادھر سیارے کی لیبارٹری میں اس نے جو ٹائم بم لگایا ہوا تھا وہ اپنے وقت پر پھٹ پڑا۔ اس کے پھٹتے ہی سیارے کی تو می فضا جل کر راکھ ہو گئی۔ تمام سائنس دان جو دنیا کو تباہ کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے اس آگ میں جل کر راکھ ہو گئے۔ لیبارٹری کے بھسم ہوتے ہی اس کی شعاعیں سیدھی خلا میں سے ہو کر اڑن طشتری سے آ ٹکرائیں۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی اڑن طشتری میں آگ لگ گئی۔

عنبر نے گھبرا کر پیرا شوٹ کے ذریعے باہر چھلانگ لگا دی۔ اڑن طشتری فضا میں ہی جل کر خاک ہو گئی۔ عنبر پیرا شوٹ کے ساتھ نیچے اترنے لگا۔ نیچے چاروں طرف سمندر ہی سمندر پھیلا ہوا تھا۔ اسے سمندر تک آتے کافی دیر لگی۔ وہ سمندر میں آ کر گرا۔ سمندر کی بلند موجوں نے اسے اپنے اندر چھپا لیا۔ عنبر اپنے زور میں سمندر کے نیچے تک چلا گیا۔ پھر ابھر کر اوپر آ گیا۔ اس نے اپنا پیرا شوٹ اتار کر سمندر

میں پھینک دیا اور اس کی لہروں پر لیٹ گیا۔ وہ ڈوب نہیں سکتا تھا
لہریں اسے اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھنے لگیں۔

ناگ اور ماریا اور الزبتھ بھی اپنے چچا ایڈگر کے جہاز میں اسی سمندر میں
سفر کر رہے تھے ایک روز دن کی روشنی میں ماریا اور الزبتھ جہاز کے
عرشے پر کھڑی لہروں کا نظارہ کر رہی تھیں کہ ماریا کو دور سمندر میں کوئی
شے تیرتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے ناگ کو بلا کر کہا۔

"دیکھو وہ کیا شے لہروں میں تیر رہی ہے"؟

ناگ نے کہا۔

"کوئی ٹوٹا ہوا درخت لگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زمین آ رہی
ہے کیوں کہ درخت زمین کی نشانی ہوتے ہیں"۔

اتنے میں چچا ایڈگر بھی اوپر آ گیا۔ ماریا نے اسے وہ شے دکھائی تو اس
نے بھی یہی کہا کہ کوئی درخت لگتا ہے۔ عنبر نے بھی دور سے جہاز کو دیکھ
لیا تھا۔ مگر اسے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس جہاز میں
ناگ اور ماریا سفر کر رہے ہیں۔ اتنے میں بادل گھر گھر کر آ گئے اور تیز ہوا
چلنے لگی۔ سمندر میں بڑی بڑی لہریں اٹھنا شروع ہو گئیں جس کی وجہ سے عنبر
جہاز سے کافی دور چلا گیا اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

سارا دن سمندر میں تیز ہواؤں کی وجہ سے طوفان آتا رہا۔ شام ہوئی
تو طوفان ختم ہو گیا۔ اتنی دیر میں عنبر سمندر میں کہیں سے کہیں نکل چکا تھا لہریں
اسے اور جہاز سے بہت دور لے گئی تھیں اگر اس وقت ناگ ماریا

کی بات کا یقین کر کے اوپر سمندر کا ایک چکر لگاتا تو وہ عنبر کو مل سکتا تھا۔
مگر تقدیر میں جو لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ ان کا جہاز دوسرے دن [illegible]
کے ساحل کے ساتھ جا لگا۔ ایڈگر نے جہاز کا ٹیکس ادا کر کے اسے بندرگاہ
پر کھڑا کیا اور الزبتھ اور ناگ کو ساتھ لے کر الزبتھ کے ماں باپ کے گھر کی
طرف روانہ ہو گیا۔ ماریا بھی ان کے ساتھ تھی مگر وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔
وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر الزبتھ کے مکان پر پہنچ گئے۔ الزبتھ کے باپ
اور ماں نے اپنی بیٹی کو دیکھا تو خوشی سے اسے گلے لگا لیا۔ ناگ اور
ایڈگر سے ہاتھ ملایا۔ ان کا شکریہ ادا کرتے ان کی زبان نہیں تھکتی تھی۔
ماریا کو کسی نے نہ پوچھا۔ پوچھتے بھی کیسے وہ تو کسی کو نظر ہی نہیں آتی تھی۔

لیکن ماریا بڑی خوش تھی کہ اس کی سہیلی الزبتھ اتنی مصیبتوں کے بعد
اپنے گھر ماں باپ کے پاس پہنچ گئی ہے۔ اسی روز شام کو ماریا نے الزبتھ
سے اجازت لی۔ ناگ اور ایڈگر چچا نے الزبتھ کے ماں باپ کو خدا حافظ کہا
اور وہ الزبتھ کے گھر سے نکل کر اپنے جہاز کی طرف چل پڑے۔ جہاز پر آ کر
ایڈگر نے ناگ سے پوچھا کہ اب ان کا کیا پروگرام ہے؟ ناگ نے کہا۔

"میں اور ماریا تو عنبر کو اسی ملک میں رہ کر تلاش کریں گے
آپ اگر جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"چچا ایڈگر تمہارے ساتھ بڑے اچھے دن گزرے ہیں۔ تم ہمیں
بہت یاد آؤ گے"۔

میں پھینک دیا اور اس کی لہروں پر لیٹ گیا۔ وہ ڈوب نہیں سکتا تھا
لہریں اسے اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھنے لگیں۔

ناگ اور ماریا اور الزبتھ بھی اپنے چچا ایڈگر کے جہاز میں اسی سمندر میں سفر کر رہے تھے ایک روز دن کی روشنی میں ماریا اور الزبتھ جہاز کے عرشے پر کھڑی لہروں کا نظارہ کر رہی تھیں کہ ماریا کو دُور سمندر میں کوئی شے تیرتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے ناگ کو بلند کر کے کہا۔

"دیکھو وہ کیا شے لہروں میں تیر رہی ہے؟"

ناگ نے کہا۔

"کوئی ٹوٹا ہوا درخت لگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زمین آ رہی ہے کیوں کہ درخت زمین کی نشانی ہوتے ہیں"۔

اتنے میں چچا ایڈگر بھی اوپر آ گیا۔ ماریا نے اسے وہ شے دکھائی تو اس نے بھی یہی کہا کہ کوئی درخت لگتا ہے۔ عنبر نے بھی دور سے جہاز کو دیکھ لیا تھا۔ مگر اسے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ اس جہاز میں ناگ اور ماریا سفر کر رہے ہیں۔ اتنے میں بادل گھر گھر کر آ گئے اور تیز ہوا چلنے لگی۔ سمندر میں بڑی بڑی لہریں اٹھنا شروع ہو گئیں جس کی وجہ سے عنبر جہاز سے کافی دور چلا گیا اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

سارا دن سمندر میں تیز ہواؤں کی وجہ سے طوفان آتا رہا۔ شام ہوئی تو طوفان تھم گیا۔ اتنی دیر میں عنبر سمندر میں کہیں سے کہیں نکل چکا تھا لہریں اسے اس جہاز سے بہت دُور لے گئی تھیں اگر اس وقت ناگ ماریا

کی بات کا یقین کر کے اُڑ کر سمندر کا ایک چکر لگاتا تو وہ عنبر کو مل سکتا تھا۔ مگر تقدیر میں جو لکھا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ ان کا جہاز دو دن بعد انگلینڈ کے ساحل کے ساتھ جا لگا۔ ایڈگر نے جہاز کا ٹیکس ادا کر کے اسے بندرگاہ پر کھڑا کیا اور الزبتھ اور ناگ کو ساتھ لے کر الزبتھ کے ماں باپ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ماریا بھی ان کے ساتھ تھی مگر وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر الزبتھ کے مکان پر پہنچ گئے۔ الزبتھ کے باپ اور ماں نے اپنی بیٹی کو دیکھا تو خوشی سے اسے گلے لگا لیا۔ ناگ اور ایڈگر سے ہاتھ ملایا۔ ان کا شکریہ ادا کرتے ان کی زبان نہیں تھکتی تھی۔ ماریا کو کسی نے نہ پوچھا۔ پوچھتے بھی کیسے وہ تو کسی کو نظر ہی نہیں آتی تھی۔

لیکن ماریا بڑی خوش تھی کہ اس کی سہیلی الزبتھ اتنی مصیبتوں کے بعد اپنے گھر ماں باپ کے پاس پہنچ گئی ہے۔ اسی روز شام کو ماریا نے الزبتھ سے اجازت لی۔ ناگ اور ایڈگر چچا نے الزبتھ کے ماں باپ کو خدا حافظ کہا اور وہ الزبتھ کے گھر سے نکل کر اپنے جہاز کی طرف چل پڑے۔ جہاز پر آ کر ایڈگر نے ناگ سے پوچھا کہ اب ان کا کیا پروگرام ہے؟ ناگ نے کہا۔

میں اور ماریا تو عنبر کو اس ملک میں رہ کر تلاش کریں گے۔
آپ اگر جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں"۔

ماریا نے کہا۔

"چچا ایڈگر تمہارے ساتھ بڑے اچھے دن گزرے ہیں۔ تم ہمیں بہت یاد آؤ گے"۔

ایڈگر کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ کہنے لگا۔
"ماریا بیٹی! اگرچہ میں تمہیں دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن مجھے ایسا لگتا
ہے کہ تم ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے رہتی ہو۔ مجھے تم
سے اپنی بیٹی کی طرح پیار ہو گیا تھا۔ کاش میں تمہارے
ساتھ رہ سکتا لیکن میں ملاح ہوں سمندر کا مسافر ہوں خشکی
پر زیادہ دیر نہیں ٹک سکتا!"
ایڈگر کو ناگ اور ماریا نے بھیگی آنکھوں سے الوداع کہا۔ وہ اپنا
جہاز لے کر سمندروں کی طرف نکل گیا۔ ناگ اور ماریا بندرگاہ سے شہر
کے ریلوے سٹیشن پر آ گئے۔ یہاں انہوں نے فرسٹ کلاس ویٹنگ روم
کے غسل خانوں میں خوب مزے سے غسل کیا۔ تازہ دم ہو کر ریلوے
سٹیشن کے چائے والے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ انگریزوں کی ترقی کا زمانہ تھا۔
انگریز کا بڑا رعب ہوا کرتا تھا۔ یہاں بیرے اگرچہ انگریز تھے مگر وہ کالے
آدمیوں کے ساتھ بڑا بڑا سلوک کرتے تھے۔ کالا آدمی آرڈر دیتا تو بڑی بے دلی
سے آرڈر لیتے۔ کتنی دیر تک اسے پوچھتے ہی نہیں تھے۔
ناگ کا رنگ بھی سانولا تھا۔ عنبر کی طرح وہ بھی مصر کا رہنے والا تھا۔
صورت ہی سے لگتا تھا کہ وہ انگریز نہیں ہے۔ ماریا اگرچہ اس کے سامنے
کرسی پر بیٹھی تھی مگر اسے تو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ انگریز بیرے نے
ناگ کو دیکھ لیا تھا مگر اس کے پاس جان بوجھ کر نہ آیا۔ جب ناگ نے
اسے آواز دی تو دور ہی سے مکاری کے ساتھ مسکرا کر بولا۔

"آیا سر!"
لیکن اس کے بعد پھر بھول گیا اور دوسرے انگریز گاہکوں کی خدمت
میں لگا رہا۔ ماریا نے کہا
"یہ بڑا مغرور انگریز بیرا ہے۔"
ناگ نے کہا۔
"ہر کوئی مفت خورے تو نہیں ہیں۔ یہاں آتے ہیں تو بل بھی ادا کریں گے۔"
ماریا بولی۔ "مگر وہ تو تمہیں شاید مفت خورا سمجھ رہا ہے۔"
ناگ نے کہا: "تو پھر میرا خیال ہے اسے سبق سکھانا چاہئے۔
تھوڑا سا۔ کیا خیال ہے؟"
"اچھا خیال ہے" ماریا نے کہا۔
ناگ مسکراتے ہوئے بولا۔
"تو پھر تم ہی کوئی کام دکھاؤ اس وقت ——"
ماریا نے محسوس کیا کہ ذرا قریب ایک میز پر بیٹھے دو بڈھے انگریز بار
بار ناگ کی طرف تک رہے تھے کہ یہ اکیلا کس سے باتیں کر رہا ہے۔ ماریا
نے کہا۔
"یہ دو آدمی تمہیں شاید پاگل سمجھ رہے ہیں!"
ناگ نے آہستہ سے کہا۔
"ان سے ہم بعد میں نمٹ لیں گے پہلے تم اس انگریز بیرے کی
اولاد کو تو مزہ چکھاؤ۔ کم بخت ابھی تک ہمارے پاس آرڈر لینے نہیں آیا۔"

ماریا نے دیکھا کہ انگریز بیرا ٹرے میں کھانے کی پلیٹیں سجائے بڑی شان سے ایک میز کی طرف جا رہا تھا جہاں ایک لال لال منہ والا کوئی بڑا امیر انگریز گاہک بیٹھا کھانے کا انتظار کر رہا تھا۔ ماریا اٹھ کر اس میز کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ انگریز بیرا بڑی شان سے اٹھلا اٹھلا کر چلتا ایک ہاتھ میں کھانے سے سجا ہوا ٹرے سنبھالے چلا آ رہا تھا۔ جونہی وہ میز کے قریب آیا ماریا نے اپنی ٹانگ آگے کر دی۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ماریا اپنے ارادے سے جس وقت چاہے اپنے جسم کو ٹھوس بنا سکتی تھی۔ ورنہ عام طور پر اس کا جسم ہیروں کی طرح کا ہوتا تھا کہ جس کو کوئی نہیں چھو سکتا تھا۔ انگریز بیرا ماریا کی ٹانگ سے ٹکر کھا کر منہ کے بل گرا۔ ٹرے الٹ کر سیدھا انگریز گاہک کے کپڑوں پر جا پڑا اور اس کے شاندار کپڑے شوربے اور سالن میں تر ہو گئے۔

بس پھر کیا تھا۔ اس انگریز کا پارہ چڑھ گیا۔ اس نے سارا کمرہ سر پر اٹھا لیا۔ مینجر بھاگا بھاگا آ گیا۔ وہ بھی بیرے کو گالیاں دینے لگا کہ اُلو کے پٹھے تمہیں ذرا تمیز نہیں کہ شریف گاہکوں کے آگے کھانا کیسے لے جاتے ہیں۔ انگریز بیرا بار بار کہہ رہا تھا کہ جناب کسی نے میرے آگے ٹانگ کر دی تھی۔ مینجر نے کہا۔

"یہاں تو ارد گرد کوئی گاہک نہیں۔ پھر کس نے ٹانگ اڑا دی؟"

گاہک چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"میں اس ریسٹورنٹ روم کو بند کرا دوں گا۔ میرے کپڑے ابھی ڈرائی کلین کرائے جائیں۔"

مینجر بڑی مشکل سے انگریز گاہک کو اپنے ساتھ کمرے میں لے گیا۔ تاکہ اس

کپڑوں کو ڈرائی کلین کروانے کا انتظام کیا جا سکے۔

انگریز بیرا شرمندہ سا ہو کر خالی ٹرے میں زمین پر سے پلیٹیں اٹھا اٹھا کر رکھنے لگا۔ وہ بار بار آس پاس دیکھ رہا تھا کہ آخر وہ کون شخص تھا جس نے اس کے آگے ٹانگ رکھ کر گرا دیا تھا۔

دوسری بار وہ باہر نکلا تو ناگ نے اسے اپنی طرف بلایا۔ انگریز بیرا پہلے ہی غصے میں تھا۔ اوپر سے ایک کالے آدمی نے بلایا تو نفرت سے منہ دوسری طرف کر کے ساتھ والی میز پر جا کر آرڈر لینے لگا۔ ماریا یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ ابھی اس کا دماغ ٹھکانے نہیں آیا۔ ایک حملہ اور کرنا چاہئے۔ ماریا اب اسی میز کے پاس چلی گئی۔ جہاں انگریز بیرا کاپی میں انگریز گاہک عورتوں کا آرڈر لکھ رہا تھا۔ اس کے لمبے کوٹ کی دُم پیچھے لٹک رہی تھی۔ ماریا نے میز پر سے سگریٹ لائٹر اٹھا کر اسے روشن کیا اور انگریز بیرے کے کوٹ کی دُم کو آگ لگا دی۔ پہلے تو بیرے کو پتہ نہ چلا۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ دھواں کہیں سے اٹھ رہا ہے اس کے ساتھ ہی اس نے چیخ ماری۔ کیوں کہ آگ اس کے آدھے کوٹ کو لگ چکی تھی۔ وہ آگ والے بھوتنے کی طرح وہاں سے بھاگ کر اندر چلا گیا۔

ماریا اور ناگ زور سے ہنس پڑے۔

وہ بوڑھے انگریز جو پہلے بھی ناگ کو اکیلے ہی اکیلے کسی سے باتیں کرتے سن چکے تھے اب جو انہوں نے اس کے ساتھ ایک لڑکی کے قہقہے کی آواز سنی تو ان پر خوف سا چھا گیا۔ ناگ کو وہ کوئی بھوت پریت سمجھتے ہوئے وہاں

سے اُٹھے اور ہوٹل سے باہر نکل گئے۔

ناگ نے ماریا سے کہا

"انگریز بیرا تو اب یہاں نہیں آئے گا۔ کیوں کہ وہ تو اس وقت تک ہسپتال جا چکا ہوگا۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ تم خود ہی اندر جا کر کچھ کھانے کو لے آؤ۔"

ماریا نے کہا

"اچھا میں کچھ کھانے کو لاتی ہوں اندر سے؟"

اور ماریا ناگ کے سامنے والی کُرسی سے اٹھ کر جدھر باورچی خانہ تھا اُدھر چلی گئی۔ اس کا خیال تھا کہ ادھر ہی گئی ہوگی۔ کیوں کہ اُسے تو وہ بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ میز پر اکیلا رہ گیا۔

ایک انگریز جھومتا جھامتا اندر داخل ہوا اور اس کی میز پر اس کرسی پر آ کر بیٹھ گیا جس پر ماریا بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس نے ناگ سے اجازت بھی نہ لی۔ ناگ نے اس کو کہا کہ اس کرسی پر ایک دوست بیٹھا ہوا ہے۔

"آپ دوسری میز پر چلے جائیں۔ میرا دوست باتھ روم تک گیا ہے۔"

انگریز نے کہا۔

"کوئی بات نہیں وہ آئے گا تو میں چلا جاؤں گا!"

ناگ کو بڑا غصہ آیا۔ مگر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ جس کی یہ کرسی ہے وہ خود اُسے اٹھا لے گی۔ وہ انگریز ادھر ادھر کی بونگیاں مارنے لگا۔ اور

ہندوستانی کالوں کے بارے میں نفرت اُگلنی شروع کر دی۔ ناگ کو اور زیادہ غصہ آیا ایک بار تو اس کا جی چاہا کہ اس انگریز کو مزا چکھا دے۔ لیکن خاموش رہا اور غصے کو پی گیا۔

اتنے میں اسے ماریا کی تیز خوشبو آئی۔ سمجھ گیا کہ ماریا آ گئی ہے اس نے اونچی آواز میں کہا

"دوست! تم آ گئے ہو؟"

ماریا نے ناگ کے کان میں کہا۔ "ہاں"

بد دماغ انگریز نے ناگ کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

"تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟ کیا تم پاگل خانے سے بھاگ کر آئے ہو؟"

ناگ نے کہا۔

"جس دوست کی یہ کرسی ہے وہ آ گیا ہے"۔

بد دماغ انگریز ادھر ادھر تکنے لگا۔ پھر قہقہہ لگا کر بولا۔

"تم ضرور کسی پاگل خانے سے بھاگ کر آئے ہو۔ یہاں تو تمہارا دوست کہیں نظر نہیں آتا"!

ناگ نے کہا۔ "کیا تم اس سے ملنا چاہتے ہو؟" تو

انگریز بولا۔

"ہاں ذرا ملاؤ تو سہی اپنے غیبی دوست سے تاکہ میں اس کے بعد پاگل خانے والوں کو ٹیلی فون کر دوں کہ بھئی تمہارا ایک پاگل بھاگ کر یہاں

گیا ہے اُسے آ کرلے جاؤ۔"

ناگ نے کہا۔

"بہت اچھا۔ اب میرے دوست سے ملنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

اور اس نے آواز دے کر کہا "دوست! ان سے ملو۔"

اس کے ساتھ ہی ایک زوردار طمانچہ انگریز کے منہ پر آکر لگا۔ چٹاخ کی آواز آئی۔ لوگوں نے ناگ کی میز کی طرف دیکھا۔ بد دماغ انگریز منہ پر ہاتھ رکھے کانپ رہا تھا۔

ناگ نے کہا

"کیا اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا کہ یہاں میرا ایک دوست بیٹھا تھا۔ اچھا تھوڑا تعارف اور کرائے دیتا ہوں۔"

اس نے ماریا سے کہا۔ "ذرا ایک بار پھر ہاتھ ملاؤ"

اور ماریا نے دوسرا طمانچہ بھی جڑ دیا۔ انگریز تو چیخ مار کر اٹھا اور نو دو گیارہ ہو گیا۔ ماریا اپنی کرسی پر بیٹھ گئی اس نے سینڈوچز اور کبابوں والی پلیٹ میز پر رکھ دی پلیٹ جب تک اس کے ہاتھ میں تھی غائب تھی جونہی میز پر آئی ظاہر ہو گئی۔

ناگ مزے لے کر کباب اور سینڈوچ کھانے لگا۔ ماریا بھی کباب کھانے لگی۔ لوگ اب ناگ کو شک کی نظر سے تک رہے تھے۔ کیونکہ دو بار اس کے قریب سے لوگ ڈر کر جاگے تھے اور وہ ہوا میں باتیں کرتا ہوا بھی سنا گیا تھا ایک گاہک نے مینجر سے جا کر شکایت کر دی۔ مینجر جلدی سے باہر آیا

اس نے بیروں سے پوچھا کہ جس میز پر ناگ بیٹھا کباب اور سینڈوچز کھا رہا ہے اس کا آرڈر کس نے سپلائی کیا ہے۔ سب بیروں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ انہوں نے ناگ کا کوئی آرڈر نہیں لیا۔

"تو پھر وہ کباب کہاں سے لا کر کھا رہا ہے۔"

مینجر غصے میں آکر ناگ کی میز کے پاس آگیا۔ اگرچہ وہ سخت غصے میں تھا لیکن پھر بھی چہرے پر بڑی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا۔

"آپ کا بیرا کون ہے؟"

ناگ نے کہا "میرا بیرا میرے سامنے بیٹھا ہے۔"

ماریا نے زور سے ناگ کے پاؤں پر پاؤں مارا۔ ناگ پاؤں پکڑ کر اوئی اوئی کرنے لگا۔ مینجر نے کہا۔

"مسٹر میرے ساتھ مذاق کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم نے یہ نہ بتایا کہ یہ کباب سینڈوچز تم نے کہاں سے لئے ہیں تو میں پولیس کو اطلاع کر دوں گا۔ کیونکہ تم نے یہ کباب ہمارے ہوٹل سے چرائے ہیں

ناگ نے کہا

"مسٹر مینجر میں نے کہہ دیا ہے کہ میرا بیرا جس نے مجھے یہ کباب لا کر دیئے ہیں میرے سامنے بیٹھا ہے اگر تم کہو تو میں تمہارا تعارف کروائے دیتا ہوں۔"

ناگ نے ماریا سے کہا۔

"اے میرے بیرے! اس مینجر سے بھی ذرا ایک ہاتھ ملاؤ۔"

پٹاخ کی آواز کے ساتھ ماریا کا ایک زوردار تھپڑ مینجر کے منہ پر جا پڑا۔ وہ اچھل کر پیچھے جا گرا۔

"یہ ...... یہ کیا بدتمیزی ہے۔ میں ابھی پولیس کو بلاتا ہوں"

وہ فون کی طرف بھاگا ہی تھا کہ ماریا نے آگے ٹانگ کر دی۔ مینجر اُلٹے کرنٹ کے بل گر پڑا۔ اس کا سر میز سے ٹکرایا اور وہ زخمی ہو گیا۔ بیرے اُسے اٹھا کر اندر لے گئے۔

ناگ نے کہا۔

"میرا خیال ہے یہاں سے کافی زخمی ہسپتال پہنچائے جا چکے ہیں اب ہمیں واپس جانا چاہیئے کیا خیال ہے تمہارا؟"

ماریا نے کہا۔

"بڑا اچھا خیال ہے"

دونوں ریلوے سٹیشن کے باہر آ گئے۔

یہ ۱۹۳۵ء کا لندن تھا۔ اور دوسری جنگ شروع ہونے والی ہی تھی۔ ناگ نے ماریا سے کہا۔

"میرا خیال ہے عنبر ہمیں ملا تو ہم اپنے واپسی کے سفر کی اس سے بات کریں گے"

ماریا بولی

"ہاں ناگ! میں بھی سفر کرتے کرتے اب تھک گئی ہوں۔ اب ویسے بھی ۱۹۸۰ء آ جائے گا۔ وہاں سے ہمیں واپس لوٹنا ہی پڑے گا۔ ہم اپنے گھروں کو

پانچ ہزار سال پیچھے چھوڑ آئے ہیں"

ناگ بولا۔

"بڑا خوبصورت زمانہ پیچھے چھوڑا ہے ہم نے۔ یہ تو بڑا مشینی دور ہے جس میں ہم آ گئے ہیں۔ وہ ہمارے زمانے کا سکون اور خاموشی اور خوبصورتی اس زمانے میں نہیں ہے۔ ہمیں اب واپس چلے جانا چاہیئے۔

ماریا بولی

"عنبر آئے گا تو اس کے ساتھ واپسی کی بات کریں گے"

ناگ بولا۔

"اس کے لیے ہمیں کسی پہاڑی غار میں جا کر ایک چلہ کاٹنا پڑے گا دس دن کی عبادت کے بعد ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو جائے گا۔ نہیں تو ہم آگے ہی آگے نکلتے چلے جائیں گے"

ماریا نے پوچھا

"اور آگے کہاں جائیں گے۔ یہ دنیا اس وقت ۱۹۸۰ میں سے گزر رہی ہے اور ہم چالیس پچاس سال پہلے کے زمانے میں ہیں یعنی ۱۹۳۵ء میں ہیں۔ ہم ۱۹۸۰ کے زمانے سے آگے تو نہیں جا سکتے"

ناگ نے کہا۔

"یہی تو تمہاری بھول ہے۔ ماریا! ہم تو آگے کی طرف چلیں ہیں تو آگے ہی آگے چلتے جائیں گے۔ ہم ۱۹۸۰ء سے بھی آگے نکل کر خلائی دور میں داخل ہو جائیں گے۔ اگر ہمیں واپسی کا سفر شروع کرنا ہو گا

تو ہمیں پہاڑی کے اندر جاکر چلّہ کاٹنا ہوگا۔"

"خدا کے لئے میں تو خلائی زمانے میں بالکل داخل نہیں ہونا چاہتی۔ کہیں سے عنبر آ جائے تو ہم چلّہ کاٹ کر واپسی کا سفر شروع کریں ناگ ہماری واپسی کا سفر تو بڑا ہی دلچسپ ہوگا۔"

"ہاں، کیوں نہیں۔ اس سفر سے زیادہ دلچسپ اور سنسنی خیز ہوگا کیوں کہ ہم ان واقعات کو ہوتا دیکھیں گے جو پہلے بھی ہم دیکھ چکے ہیں مثلاً جب سلطان صلاح الدین ایوبی یروشلم پر حملہ کرے گا اور عیسائی بادشاہ مل کر اس کے ساتھ جنگ کی زبردست تیاریاں کر رہے ہوں گے تو سوائے ہمارے وہاں اور کسی انسان کو یہ علم نہیں ہوگا کہ عیسائی بادشاہوں کی فوجیں ہار جائیں گی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کو فتح ہوگی
ماریا بڑی خوش ہوئی۔

"اب عنبر آئے تو واپسی کا سفر شروع کریں۔ میں تو یہ دوسری جنگ کی تباہی بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔"

ناگ نے کہا: "دیکھنا ہی پڑے گا۔ کیوں کہ ہم ۱۹۸۰ء کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ جنگ ایک بار ہو چکی ہے۔ مگر چونکہ ہم پہلے سے سفر کرتے آگے جا رہے ہیں اس لئے اس جنگ کے واقعات پر سے گزرتے ہوئے ہمیں جنگ کی تباہیوں کو ایک بار پھر دیکھنا ہوگا۔"

وہ باتیں کرتے فٹ پاتھ کے ایک طرف کھڑے تھے۔ لندن میں یہ خوشگوار موسم تھا۔ بازار میں رش تھا۔ مگر دوسری جنگ کے سائے

پڑھ رہے تھے۔ اخباروں میں جنگ کی باتیں لکھی جا رہی تھیں۔ ناگ نے ماریا سے کہا کہ انہیں لندن میں عنبر کو تلاش کرنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ ان کی تلاش میں وہاں پہنچ چکا ہو۔

"ہمیں رہنا کہاں ہوگا ناگ؟" ماریا نے پوچھا

ناگ کہنے لگا: "میرے خیال میں کسی ہوٹل میں چل کر ڈیرا لگا لیتے ہیں۔ تم کسی خالی کمرے میں رہ لینا۔ تمہارا تو بل نہیں بنے گا۔ میں بل ادا کر دوں گا۔"

"تمہارے پاس کتنے پونڈ ہیں؟"

ناگ نے جیب میں سے کچھ نوٹ نکال کر کہا۔

"صرف دس پونڈ رہ گئے ہیں۔"

ماریا بولی۔ "ان سے کیا ہوگا؟ ہمیں کہیں سے کچھ رقم پیدا کرنی ہوگی۔"

ناگ نے کہا: "وہ تو تم کر سکتی ہو۔ ابھی کسی بینک میں چلتے ہیں اور ——"

ماریا نے کہا: "نہیں ناگ! تمہیں معلوم ہے کہ ہم نے کبھی چوری نہیں کی۔"

ناگ ہنس پڑا۔ "میں تو مذاق کر رہا تھا۔ آخر میں سانپوں کا دیوتا ہوں۔ اور زمین کے اندر پرانے بادشاہ اتنے خزانے ہم سانپوں کے لئے دفن کر گئے ہیں کہ کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔"

"تو پھر تھوڑی سی دولت منگوا لو تا کہ تمہارا گزارا ہو جائے۔ کیوں کہ ہمیں ایک مہینہ تو اس شہر میں رہنا ہی پڑے گا۔"

ناگ نے ماریا سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ آئے۔ دونوں شہر سے باہر ایک

وہاں سے قبرستان میں آ گئے۔ یہاں ناگ کو یقین تھا کہ سانپ ضرور ہو گا اس نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا اور منہ سے تیز لہریں خارج کیں۔ ایک قبر کے اندر سے سبز سانپ باہر نکل کر ناگ کے آگے کنڈلی مار کر بیٹھ گیا۔

"حکم میرے ناگ دیوتا"

ناگ نے کہا "کیا اس زمین کے نیچے کوئی خزانہ دفن ہے"

سانپ نے ادب سے کہا۔

"عظیم دیوتا! یہاں تو مُردے ہی مُردے دفن ہیں۔ ہاں سامنے والے پرانے قلعے میں ایک خزانہ زمین کے اندر دبا ہوا ہے۔ اگر آپ حکم کریں تو میں وہ آپ کے لئے یہاں لے کر آ جاتا ہوں۔

ناگ نے کہا "نہیں۔ مجھے سارے خزانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ایسا کرو کہ اس کے اندر سے سونے کا کوئی ہار یا قیمتی ہیرا لے کر آ جاؤ میں یہاں تمہارا انتظار کروں گا"

سانپ چلا گیا۔ ماریا نے کہا۔

"یہ سانپ کوئی تاریخی ہیرا یا کسی ملک کا پرانا ہار لے آیا تو اسے فروخت کرتے ہوئے تم پکڑے جاؤ گے"

ناگ بولا "دیکھا جائے گا۔ اب کیا کر سکتے ہیں"

تھوڑی دیر گزری تھی کہ سانپ واپس آ گیا۔ اس کے منہ میں سونے کا ایک ہار پکڑا ہوا تھا جس پر ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ سانپ نے بڑے ادب سے وہ ہار ناگ کو پیش کر دیا۔ ناگ نے ہار لے لیا اور کہا۔

"تمہارا شکریہ اے سبز سانپ! اب تم جا سکتے ہو"

سانپ ادب سے سلام کر کے وہاں سے چلا گیا۔ ماریا نے کہا۔

"یہ کوئی تاریخی ہار لگتا ہے۔ کم بخت سونے کا کوئی ٹکڑا لے آتا تو بہتر تھا۔ اس طرح سے خواہ مخواہ ہمارا وقت ضائع ہو گا"

ناگ نے کہا "اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ آؤ شہر چل کر اسے بیچتے ہیں"

ناگ نے ماریا کو ساتھ لیا اور قبرستان سے نکل کر شہر کی طرف چل پڑا۔ قبرستان کا ایک مکار گورکن یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ ناگ کے پیچھے لگ گیا اُسے نہ تو ناگ کی طاقت کے بارے میں کچھ خبر تھی اور نہ یہ معلوم تھا کہ ماریا بھی اس کے ساتھ ہے۔

شاہی ہار

ناگ اور ماریا قبرستان سے باہر نکل آئے۔

شہر کو جانے والی سڑک بالکل سنسان اور ویران تھی۔ ناگ نے سونے کا ہار اپنی جیب میں رکھا ہوا تھا ماریا اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ ناگ آہستہ آہستہ اس سے باتیں بھی کر رہا تھا۔ ہٹا کٹا بدمعاش گورکن پیچھے پیچھے درختوں کی اوٹ میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نے خنجر نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا وہ ناگ کو شہر پہنچنے سے پہلے پہلے اس سڑک کے پاس کسی جگہ قتل کر کے سونے کا ہار اس سے چھین کر بھاگ جانا چاہتا تھا۔ ناگ اور ماریا ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں سڑک گھنے درختوں کے درمیان سے ہو کر گزرتی تھی۔

جونہی ناگ ماریا وہاں پہنچے گورکن درخت کے پیچھے سے لپک کر آیا اور ناگ پر حملہ کر دیا۔ وار اوچھا پڑا۔ ماریا نے چیخ کر کہا۔

"ناگ ایک طرف ہو جاؤ۔"

گورکن حیران ہوا کہ وہاں تو ایک ہی آدمی جا رہا تھا یہ لڑکی کی آواز کہاں سے آ گئی۔ وہ اٹھا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا کہ یہ لڑکی کی آواز کہاں سے آئی ہے ناگ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پر لات ماری۔ خنجر اس کے ہاتھ سے اچھل کر دور جا گرا۔ ناگ نے گورکن کو گردن سے دبوچ لیا۔

"بتا اب تیرے ساتھ کیا سلوک کروں۔"

ماریا نے کہا: "یہ تمہیں قتل کر کے تمہارا ہار چھیننے آیا تھا۔ تم بھی اسے قتل کر دو۔"

گورکن پر دہشت چھا گئی۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ یہ آواز کہاں سے آ رہی تھی؟ وہاں تو اسے کوئی لڑکی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر یہ آواز کہاں سے آ رہی تھی۔ ناگ نے خنجر پکڑ کر اٹھایا تو گورکن ہاتھ باندھ کر گر پڑا۔

"معاف کر دو مجھے بھائی۔ معاف کر دو۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔"

ناگ نے ماریا سے پوچھا: "کیا خیال ہے تمہارا؟"

ماریا نے کہا: "اس نے چھوٹے چھوٹے بچوں کا نام لیا ہے۔ اسے معاف کر دو۔"

"اچھا جاؤ۔ میں نے تمہیں اپنی بہن کے کہنے پر معاف کر دیا ہے نہیں تو آج تمہاری خیر نہیں تھی۔ اب دفع ہو جاؤ میری آنکھوں کے سامنے سے۔"

گورکن نے تو خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی جان بچ گئی تھی۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر ایسا بھاگا کہ پیچھے بھی مڑ کر نہ دیکھا۔ ماریا نے ہنستے ہوئے کہا

"آیا تھا تمہیں لوٹنے۔ ویسے اس کا حملہ خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔"

"ہاں۔ کم بخت نے ایک بار تو مجھے بھی پریشان کر دیا تھا۔ میرا خیال ہے اب ہمیں جلدی سے شہر جا کر اس ہار کو فروخت کر دینا چاہیے۔"

"بڑی سڑک پر جا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی ٹیکسی مل ہی
جائے گی۔"

وہ سڑک پر آ گئے۔ ٹیکسی تو نہ آئی مگر ایک بس ناگ کو دیکھ کر رک گئی۔
بس بھری ہوئی تھی۔ ناگ اس کے اندر داخل ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا:
"تم کہاں ہو ماریا؟"
اس کے آگے کھڑی ایک عورت نے پلٹ کر دیکھا اور غصّے میں کہا۔
"خبیث شیطان! تم کون ہوتے ہو مجھ سے پوچھنے والے کہ میں کہاں ہوں؟"
اصل میں اس عورت کا نام بھی ماریا تھا۔ اُس نے شور مچا دیا کہ یہ
غنڈہ ہوں اور اسے پولیس کے حوالے کیا جائے۔ ناگ پریشان ہو گیا۔ اس
عورت نے تو مصیبت کھڑی کر دی تھی۔ ماریا وہاں نہیں تھی بس میں رش
دیکھ کر وہ بس کے ڈرائیور کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی اس نے جو بس میں شور ہوتا
دیکھا تو فوراً وہاں آ گئی جس عورت کا نام ماریا تھا وہ بار بار ناگ کی طرف
اشارہ کر کے کہہ رہی تھی۔
"اس شیطان نے مجھے چھیڑا ہے۔ میں اسے پولیس کے حوالے
کروں گی۔"

یہ عورت کچھ زیادہ ہی شور مچا رہی تھی۔ ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔
ناگ پریشان تھا کہ کس بک بک میں پھنس گیا ہے۔ ماریا نے اس کے کان
کے پاس آ کر پوچھا۔
"کیا بات ہوئی ہے؟"

"کیا بات ہوئی ہے؟"
ناگ کے منہ سے فوراً نکل گیا۔
"خدا کا شکر ہے تم آ گئیں۔ میں نے تمہارا نام لیا تھا کہ یہ عورت میرے
پیچھے پڑ گئی۔"
وہ عورت چیخ کر بولی۔
"دیکھو! یہ پھر مجھے چھیڑ رہا ہے اور کہہ رہا ہے خدا کا شکر ہے تم
آ گئیں۔ اُسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کرو۔"
بس کھڑی ہو گئی۔ لوگ ناگ کے خلاف ہو گئے کیوں کہ وہ کالا تھا۔ گورا
نہیں تھا اور عورت اس کے خلاف شور بھی مچا رہی تھی۔ پھر ان لوگوں کے
سامنے ناگ نے یہ جملہ دہرایا تھا:
"خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئیں۔"
ایک مسافر نے کہا۔ "اسے یہیں اتار دو۔ اس کی یہی سزا بہت ہے۔"
ماریا کو بڑا غصہ آیا۔ ان کا لندن پہنچنا بھی ضروری تھا۔ وہ راستے میں کیوں
اترتے۔ اس نے فوراً جوابی حملہ کر دیا۔ جو عورت شور مچا رہی تھی ماریا اس
کے پاس آ گئی۔ عورت کے سر پر پرندے کے پر والا ہیٹ رکھا تھا۔ ماریا نے
اس کا ہیٹ اٹھا کر فضا میں بلند کر دیا۔ عورت نے خوف زدہ ہو کر اپنے
ہیٹ کو دیکھا اور کہا۔
"یہ دیکھو۔ یہ شخص مجھ پر جادو بھی کرنے لگا۔"
لوگ بھی عورت کے ہیٹ کو بس کے اندر فضا میں ٹنگا ہوا دیکھ کر حیران

ہو گئے۔ ماریا نے ہیٹ کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔

عورت نے چیخ ماری: "میرا سو پاؤنڈ کا ہیٹ تباہ کر دیا۔"

ناگ نے کہا: "میں تو کچھ بھی نہیں کر رہا۔ میں تو یہاں کھڑا ہوں۔"

عورت نے کہا: "تم مجھ پر جادو کر رہے ہو؟"

ماریا نے بلند آواز سے کہا: "جادو یہ نہیں کر رہا۔ میں کر رہی ہوں۔"

لوگوں نے چونک کر ماریا کی آواز کو سنا اور دہشت زدہ ہو گئے۔ کیونکہ جس عورت کی آواز آ رہی تھی وہ انہیں نظر نہیں آتی تھی۔ ماریا نے کہا۔

"تم لوگ مجھے نہیں دیکھ سکو گے۔ میں ایک روح ہوں۔ اب تمام لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاؤ۔"

پھر اس نے ڈرائیور سے کہا۔

"بس چلاؤ۔"

ڈرائیور پہلے ہی سہما ہوا تھا۔ روح کا حکم سن کر اس نے بس سٹارٹ کر دی اور آگے کو روانہ ہو گیا۔ بس کے اندر سارے مسافر اپنی اپنی جگہوں پر سہم کر بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔ عورت کا بُرا حال تھا۔ ایک تو اسے اپنے قیمتی ہیٹ کا دُکھ تھا۔ دوسرے یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں روح اس کا گلا نہ دبا دے۔ لندن شہر کے پہلے سٹاپ پر بس رُکی تو ماریا نے کہا

"ناگ آؤ۔ یہیں اتر جاتے ہیں۔"

جونہی ناگ بس سے باہر نکلا، باقی سارے مسافر چیخیں مارتے بھوت بھوت کا شور مچاتے بس میں سے باہر نکل کر دوڑ پڑے وہ عورت بھی بھاگ جا

رہی تھی۔

ناگ اور ماریا سڑک کے کنارے کھڑے دیر تک ہنستے رہے۔ پھر ناگ نے ایک ٹیکسی رکوائی اور اس میں بیٹھ کر شہر کی ریجنٹ سٹریٹ میں آ گیا۔ یہاں سونے چاندی کے سوداگروں کی دکانیں تھیں۔ ایک شاندار دکان میں جا کر ناگ نے ہار دکھایا۔ دکاندار نے ہار کو غور سے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر ناگ کو گھورا اور بولا۔

"یہ تم نے کہاں سے لیا ہے؟"

ناگ نے بڑے سکون سے کہا۔

"ان باتوں کو چھوڑو بھائی اور یہ بتاؤ کہ تم اس کے کتنے پاؤنڈ دو گے مجھے زیادہ دولت نہیں چاہئے۔ ویسے اس کی قیمت کتنی ہے؟"

دوکاندار نے کہا۔

"اس کی قیمت دس لاکھ پاؤنڈ سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ مگر میں یہ ہار حکومت کے حوالے کروں گا۔ کیوں کہ یہ سٹوارٹ خاندان کا پُرانا ہار ہے۔ خاندانی ہار ہے۔"

"بھائی آپ مجھے اس کے ایک ہزار پاؤنڈ ہی دے دیں۔ باقی ہار آپ اپنے پاس رکھ لیں۔ مجھے زیادہ دولت کا لالچ نہیں ہے۔"

دکاندار نے کہا۔

"مگر سوال یہ ہے کہ یہ تم نے کہاں سے لیا ہے! میں ایک ایماندار شہری ہوں۔ میں اس کی اطلاع پولیس کو دوں گا۔"

جب ناگ نے دیکھا کہ یہ دکاندار بھی اس کے لئے مصیبت بن گیا تو اس نے صاف صاف کہہ دیا۔

"اچھا تو پھر سنو۔ یہ ہار مجھے ایک سانپ نے لا کر دیا ہے۔"

"سانپ نے؟" دکاندار نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں سانپ نے، اگر تمہیں یقین نہ آئے۔ تو میں آپ کو تجربہ کر کے دکھا سکتا ہوں۔"

دکاندار نے ناگ کو جھوٹا اور چور سمجھا ہوا تھا۔ اس نے کہا

"اندر میرے کمرے میں چل کر تجربہ کرو۔"

ناگ کے پاس ہی ماریا بھی کھڑی تھی۔ اس نے ناگ کے کان میں کہا۔

"کیوں خطرہ مول لے رہے ہو؟"

ناگ نے کہا۔ "میں اسے سچی بات دکھا رہا ہوں۔"

دکاندار نے کہا۔ "یہ تم کس سے بات کر رہے ہو؟"

ناگ بولا۔ "جو میرے ساتھ یہ تجربہ کرے گا۔"

ناگ کو لے کر دکاندار ایک کمرے میں گیا۔ اس سے پہلے اس نے پولیس کو بھی فون کر دیا تھا۔ ابھی ناگ نے اپنا تجربہ شروع ہی نہیں کیا تھا۔ کہ وہاں پولیس انسپکٹر بھی سپاہی لے کر آ گیا۔ وہ ناگ کو گرفتار کرنا چاہتا تھا کہ ناگ نے کہا۔

"میں نے یہ ہار ایک سانپ سے لیا ہے۔ آپ کے سامنے میں اسی سانپ کو بلاتا ہوں۔ اور ہار اسے واپس کئے دیتا ہوں۔"

انسپکٹر ہنس پڑا۔

"تم بڑے چالاک بھی ہو۔ خیر اچھا یہ خواہش بھی پوری کرو۔ بلاؤ سانپ کو۔"

ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور سانپ کو بلا لیا۔

ایک سیکنڈ کے بعد کمرے کی دیوار ایک جگہ سے شق ہوئی اور وہی سانپ نمودار ہو گیا وہ قالین پر رینگتا ہوا ناگ کے سامنے آ کر کنڈلی مار کر بیٹھ گیا اور اپنی زبان میں بولا۔

"کیا حکم ہے میرے آقا! آپ نے مجھے یاد کیا۔"

ناگ نے کہا

"ان لوگوں کو یقین نہیں آتا کہ یہ ہار تم نے مجھے دیا ہے۔ انہیں اس طرح یقین دلاؤ کہ اسی قسم کے دوسرے ہار جو خزانے میں ہیں لے کر میرے آگے حاضر ہو جاؤ۔"

سانپ نے سر جھکا کر کہا: "جو حکم میرے آقا!"

سانپ دیوار میں سے واپس نکل گیا۔ انسپکٹر پولیس اور دکاندار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ ناگ نے کہا۔

"اب بھی آپ کو یقین نہیں آیا کیا؟ ذرا انتظار کیجئے ابھی سانپ دوسرے ہار جواہرات لے کر آتا ہے۔"

دکاندار نے کہا: "تم — تم کوئی جادوگر معلوم ہوتے ہو۔"

"ابھی معلوم ہو جائے گا تمہیں کہ میں جادوگر ہوں یا اس سے بڑھ کر ہوں۔"

دکانداری

اتنے میں سانپ دوبارہ نمودار ہوا۔ اب کے اس نے منہ میں اسی طرح چھ سات ہار پکڑے ہوئے تھے۔ انسپکٹر پولیس اور دوکاندار تو [illegible] چیزیں بیچ کر

وہ پیچھے ہٹ گئے۔ ناگ نے وہ ہار بھی سانپ کو دے دیا اور کہا۔

"اس امانت کو بھی واپس خزانے میں جا کر رکھ دو۔"

سانپ نے ناگ کے ہاتھ سے ہار لیا اور واپس دیوار میں سے گذر گیا۔ اس کے جاتے ہی دیوار دوبارہ بند ہو گئی۔ دکاندار کو اب افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے خواہ مخواہ ہی ہاتھ آیا ہوا مال ضائع کر دیا۔ انسپکٹر کو یقین آگیا تھا کہ ناگ بے گناہ ہے۔ چور نہیں ہے۔ بلکہ ایک سپیرا ہے وہ جادوگری بھی جانتا ہے اس کو اس طرح کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ سپاہیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ اب وہاں دکاندار اور ناگ اور ماریا ہی رہ گئے۔

دکاندار نے ناگ کے آگے خوشامد شروع کر دی اور کہا کہ اگر وہ سانپ کے ذریعے خفیہ خزانہ واپس لا دے تو وہ اسے ابھی اسی وقت ایک لاکھ پاؤنڈ ادا کر دے گا۔ ناگ نے ہنس کر ماریا سے پوچھا۔

"کیا رائے ہے تمہاری؟"

اب ناگ کھلے بندوں ماریا سے بات کرنا چاہتا تھا تاکہ دکاندار کو اس کی جادوگری کا پورا یقین ہو جائے۔ ماریا نے کہا۔

"اس سے پہلے ایک ہزار پاؤنڈ ایڈوانس لے لو۔ پھر آئیں گے تو خزانے کے بارے میں بات کریں گے۔ ابھی ہم لندن میں ہی ہیں۔"

دکاندار گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ یہ لڑکی کی آواز کہاں سے آرہی ہے سانپ نے کہا۔

انسپکٹر ہنس، شرط قبول ہے؟ کیا تم ہمیں ایک ہزار پاؤنڈ ایڈوانس دینے پر

تیار ہو؟

دکاندار آخر انگریز تھا۔ اسے معلوم تھا کہ ناگ کوئی جادوگر ہے اور کوئی روح بھی اس کے قبضے میں ہے۔ لیکن اس نے یونہی ایک ہزار پاؤنڈ دینے سے انکار کر دیا۔ اور بولا۔

"اگر تم مجھے ہار لا کر دے دو تو میں ابھی اسی وقت تمہیں دس ہزار پونڈ دینے کو تیار ہوں۔"

ناگ نے کہا۔ "نہیں۔ میں اب یہ کام نہیں کروں گا۔ کیوں کہ وہ خزانہ سٹورٹ خاندان کی ملکیت ہے۔ جس کے آباؤ اجداد کو مرے زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور اسی خاندان کے لوگ اس وقت بھی برطانیہ پر حکومت کر رہے ہیں۔"

دکاندار نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح ناگ مان جائے مگر ناگ نے ایک نہ سنی اور ماریا کو لے کر دکان سے باہر نکل آیا۔ جاتے جاتے ماریا نے اتنا ضرور کیا کہ دکان کے باہر والے شوکیس کے شیشے پر مکا مار کر چھن کے ساتھ شیشہ چکنا چور کر دیا دکاندار اپنا سر پکڑ کر رہ گیا اور افسوس کرنے لگا کہ اس نے زیادہ لالچ کیوں کیا اور کیوں نہ پہلے ہی ہار خرید لیا۔ ناگ اور ماریا وہاں سے نکل کر لندن کے بازاروں میں گم ہو گئے۔ ماریا نے کہا۔

"اب پاؤنڈ کہاں سے ملیں گے ہمیں؟"

ناگ نے کہا: "لندن میں ہندوستان کے مارواڑی ہندو سیٹھ بھی دکانداری کرتے ہیں۔ وہ بڑے کنجوس مکھی چوس ہوتے ہیں۔ اور بڑی مہنگی چیزیں بیچ کر

گاہکوں کو لوٹتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کی دکان پر جا کر کچھ ضرورت کے پیسے لے لیتے ہیں۔"

ماریا نے کہا: "نہیں ناگ! یہ بھی چوری ہوگی۔ ہم ایسا نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ میں دوبارہ ایسا خیال بھی دل میں نہیں لاؤں گا۔"

ماریا کہنے لگی: "ایسا کرتے ہیں کہ لندن کے ہائیڈ پارک میں چل کر لوگوں کو جادو کا تماشا دکھاتے ہیں۔ اس طرح سے جو پیسے لوگ خوش ہو کر ہمیں دیں گے ان کو ہم اپنے کام میں لائیں گے۔"

"ونڈرفل آئیڈیا" ناگ نے کہا۔

ماریا اور ناگ لندن کے ہائیڈ پارک میں آ گئے۔ یہاں بڑی رونق تھی۔ لوگ تفریح کرنے آئے ہوئے تھے۔ ناگ نے ماریا سے کہا۔

"میں یہاں سے ایک درخت کی ٹہنی اٹھا کر اس کا جادو لوگوں کو دکھاؤں گا۔ میں جو کہوں تم وہی کرنا۔"

اس کے ساتھ ناگ ایک جگہ بنچ پر کھڑا ہو گیا اور لوگوں کو جمع کر لیا۔ لوگ پہلے ہی تفریح کرنے آئے تھے۔ ارد گرد کھڑے ہو گئے۔ ناگ نے کہا۔

"میں تم لوگوں کو جادو دکھاؤں گا۔ یہ میرے ہاتھ میں چھڑی ہے۔ یہ ابھی میرے ہاتھ سے نکل کر ہوا میں کھڑی ہو جائے گی۔ چلو۔ ایک۔ دو۔ تین"

اس کے ساتھ ہی ماریا نے ہاتھ سے چھڑی لے کر اوپر کر دی۔ لوگوں نے جب چھڑی کو ہوا میں لٹکتے دیکھا تو زور زور سے تالیاں بجانے لگے ناگ نے کہا۔

"اب میں اس لڑکے کا ہیٹ یہاں اشارے سے اپنے پاس لاؤں گا۔"

ناگ نے اشارہ کیا۔ ادھر ماریا لڑکے کے سر سے ہیٹ اتار کر ناگ کے پاس لے آئی۔ لوگ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پہلے سے زیادہ جوش کے ساتھ تالیاں پیٹنے لگے۔ اب ناگ نے کہا۔

"میں آپ کے سامنے جیب سے ایک رومال نکالوں گا۔ یہ رومال خالی ہوگا۔"

پھر ناگ نے جیب سے رومال نکال کر جھاڑا اور سب کو دکھا کر کہا۔

"دیکھیں صاحبان! یہ خالی ہے اگر میں اس میں کوبرا سانپ پیدا کردوں تو کیا خیال ہے؟"

لوگوں نے شور مچایا

"سانپ پیدا کر کے دکھاؤ۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔ کبھی نہیں کر سکتے۔"

ناگ نے کہا۔ "میں آپ لوگوں کے سامنے کوبرا سانپ پیدا کروں گا۔ لیکن اس کے لئے آپ کو ٹکٹ خریدنا ہوگا اور میرا ٹکٹ ہے پچاس پونڈ۔ پچاس پونڈ پورے کردیں۔ میں آپ کے سامنے سانپ پیدا کردوں گا"

ایک بوڑھے انگریز نے کہا۔

"اور اگر تم سانپ پیدا نہ کر سکے تو؟"

ناگ نے کہا: "تو آپ کے پیسے آپ کو واپس کر دیئے جائیں گے۔ کیا منظور ہے؟"

"منظور ہے" سب لوگوں نے ایک آواز ہو کر کہا۔

اس کے ساتھ ہی لوگوں نے اپنی اپنی پاکٹ سے پاؤنڈ کے نوٹ نکال
کر ناگ کو دینے شروع کر دیئے۔ جب پچاس پاؤنڈ ہو گئے تو ناگ نے ساری
رقم اپنی جیب میں رکھ لی۔ ماریا اس کے پاس ہی کھڑی تھی اس نے ناگ کے
کان میں کہا۔

"اب یہاں سے بھاگ جاتے ہیں"

ناگ نے مسکرا کر کہا: "نہیں ماریا۔ میں ان لوگوں کو ان کے پیسوں کا پورا
حق دوں گا۔ میں انہیں کھیل دکھاؤں گا"

ایک انگریز نے چلا کر کہا: "تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟ کیا تم پاگل ہو"
ناگ نے کہا: "میں سانپ سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ آنے پر راضی ہو گیا
ہے"

"تو پھر سانپ کو بلاؤ۔ نہیں تو ہمارے پیسے واپس کرو"
ناگ نے بلند آواز میں کہا۔ صبر کرو اور اس رومال کی طرف غور سے
دیکھتے رہو"

ناگ نے رومال کو جھاڑ کر اکٹھا کر کے سب لوگوں کے سامنے زمین پر رکھ
دیا۔ پھر اس نے آنکھیں بند کر کے سانپ کو آواز دی۔
اور کہا: "اے سیاہ سانپ! تم جہاں کہیں بھی ہو فوراً میری خدمت میں
حاضر ہو جاؤ"

ناگ کو ایک پھنکار کی آواز سنائی دی۔ لوگوں نے دیکھا کہ زمین پر پڑا ہوا
رومال آہستہ آہستہ ہلنے لگا ہے۔ وہ ناگ نے آنکھیں کھول کر رومال کو

ور سانپ کے
تے تھے۔

دیکھا اور کہا۔

"دوستو! سانپ آ گیا ہے"

اس کے ساتھ ہی ناگ نے رومال اوپر اٹھا لیا۔ نیچے سیاہ سانپ پھن اوپر
اٹھائے کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ لوگ پہلے تو ڈر کر پیچھے پیچھے ہٹ گئے۔ پھر زور
زور سے تالیاں پیٹنی شروع کر دیں۔ ناگ نے سانپ سے کہا۔

"جھک کر سب کو سلام کرو"

سانپ اپنا پھن گھما کر لوگوں کے آگے جھک گیا۔ لوگ اور زور سے تالیاں
بجانے لگے۔ ناگ نے خود بھی سب کو سلام کیا اور سانپ کے اوپر رومال ڈال کر کہا

"سانپ! اب تم واپس جا سکتے ہو"

دوسری بار ناگ نے جب رومال اٹھایا تو وہ خالی تھا۔ سانپ جا چکا تھا۔
لوگ حیران رہ گئے۔ کسی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ان لوگوں میں لندن
کے ایک ہسپتال میں کام کرنے والی لڑکی بھی تھی۔ وہ ہسپتال میں سانپ کے
کاٹے ہوئے لوگوں کے علاج کے لئے سانپوں کا زہر نکال کر اس کے ٹیکے تیار
کرتی تھی اس کا نام پکی تھا۔ وہ ناگ کے پاس آ کر بولی
"مسٹر اگر تم ہمیں اس طرح کے سانپ لا کر دو تو ہم ان کے زہر نکال کر
سانپ واپس کر دیا کریں گے اور تمہیں ہر سانپ کے عوض پیسے
دیں گے"

ناگ نے کہا: "شکریہ مس! میں کاروبار نہیں کرتا"
پکی نے کہا: "مگر یہ کاروبار نہیں یہ تو انسانوں کی خدمت ہے۔ ہمارے پاس ایسے

اس پر بہت کم ہیں جن سے سانپ کے کاٹے کا علاج ہوتا ہے۔ ہم یہ
کر ناگ ریکھے افریقہ اور ایشیا کے ملکوں کو بھیجتے ہیں۔ جہاں ہر سال سیکڑوں
لوگ سانپوں کے ڈسنے سے مرجاتے ہیں۔

ماریا نے کہا "یہ نیک کام ہے ناگ۔ حامی بھر لو۔"
مگر ماریا ہیں یہ کام کرنے نہیں آیا؟"
ڈاکٹر پکی نے چونک کر کہا۔
"میرا نام ماریا نہیں پکی ہے۔"
وہ یہ سمجھی کر ناگ اس سے بات کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ ماریا سے مخاطب
تھا۔ ماریا ہنس پڑی۔ ناگ نے کہا۔
"معاف کرنا ڈاکٹر میں تمہارا نام نہیں جانتا یونہی منہ سے ماریا نکل گیا۔"
ناگ نے حامی بھری کہ وہ ایک دن کے لئے اس کے ہسپتال جا کر کچھ
سانپ وہاں منگوائے گا تاکہ وہ ان کا زہر نکال کر زیادہ سے زیادہ مریضوں کے
لئے ٹیکے تیار کر سکے۔

"تو پھر ابھی چلو۔ میں ہسپتال ہی جا رہی ہوں۔"
ناگ نے الگ ہو کر ماریا سے مشورہ کیا ماریا نے کہا۔
"ہمیں تو عنبر کو یہاں ہر جگہ تلاش کرنا ہے۔ چلو اس ہسپتال میں بھی
چلتے ہیں ہو سکتا ہے وہاں اس کا کوئی سراغ مل جائے۔"
ناگ ڈاکٹر پکی کے ساتھ اس کے ہسپتال روانہ ہو گیا یہ ہسپتال شہر کے
اندر ایک دو منزلہ عمارت کی پہلی منزل پر تھا۔ یہاں ایسے مریض آتے تھے جن

کو سانپ نے کاٹا ہو۔ ان کو ٹیکہ لگا کر ان کا علاج کیا جاتا تھا۔ اور سانپ کے
زہر کے ٹیکے افریقہ، لنکا اور ایشیا کے ملکوں کو بھی روانہ کئے جاتے تھے۔
ان ملکوں سے ٹیکوں کی قیمت نہیں لی جاتی تھی۔ ہسپتال کا خرچ حکومت اور
ملک کے امیر لوگ پورا کر رہے تھے۔
ناگ نے دیکھا کہ ہسپتال میں رہنے کو کمرے بھی تھے۔ اس نے ماریا سے مشورہ
کیا کہ کیوں نہ اس جگہ ڈیرا جما لیا جائے ہوٹل کے خرچ سے بھی بچیں گے یہاں
رہ کر ہم لندن میں عنبر کی تلاش جاری رکھیں گے۔ ماریا کو یہ تجویز پسند آئی۔ ناگ
نے ڈاکٹر پکی سے ذکر کیا تو وہ مان گئی ناگ نے کہا کہ وہ ہر روز نئے سانپ
پیدا کر دیا کرے گا جن کا وہ زہر نکال سکے گی اس میں کوئی نقصان کی بات نہیں
تھی۔ ایک روز بعد سانپ کے اندر پھر زہر پیدا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا۔
"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم ہمیں سانپ پیدا کر کے دے دو۔ ہم انہیں
اپنے ہسپتال میں رکھ کر پالیں گے۔ اس طرح تم روز روز سانپ
بلانے کی زحمت سے بچ جاؤ گے۔"
ناگ نے اس رائے کو پسند کیا اور کہا۔
"میں ایسا بھی کر سکتا ہوں۔ میں آج رات ہی تمہیں پچاس سانپ پیدا کر
کے دے دیتا ہوں میں تم سے ان کی قیمت بھی نہیں لوں گا۔ شرط صرف اتنی
ہے کہ جتنے دن ہمیں لندن میں رہنا ہے ہم اس ہسپتال کے کمرے میں رہیں
گے۔ ہمیں اس کی اجازت دی جائے۔"
انگریز ڈاکٹر پکی نے تعجب سے پوچھا۔

"یہیں سے کیا مراد ہے تمہاری؟ کیا تمہارے ساتھ کوئی عورت بھی رہے گی؟"

"اوہ نہیں نہیں۔ میں یونہی کہہ گیا۔ میں اکیلا ہی رہوں گا۔ بالکل اکیلا رہوں گا۔"

ناگ کو ہسپتال میں ایک کمرہ مل گیا۔ اسی کمرے میں ایک طرف رات کو ماریا قالین پر لیٹ کر رات گزار دیتی۔ ناگ نے ہسپتال کی ڈاکٹرنی پنکی کو ایک ہی بار ساٹھ ستر سانپ لا کر دے دیئے تھے۔ وہ بڑی خوش تھی۔ ناگ اور ماریا رات کو ہسپتال میں رہتے تھے اور دن بھر وہ شہر میں عنبر کی تلاش کرتے پھرتے۔

سمندر اور طوفان

عنبر کو تلاش کرتے پندرہ دن گزر گئے تھے۔

وہ شہر میں کہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔ عنبر جب خلائی جہاز تباہ ہونے کے بعد سمندر میں گرا تو پہلے تو سمندر کی لہروں کے نیچے ہی نیچے اترتا چلا گیا۔ پھر جب اوپر آیا تو لہروں نے اسے اپنے ساتھ بہانا شروع کر دیا۔ سمندر چڑھا ہوا تھا اور طوفان آنے والا تھا۔ ہوا بڑی تیز چل رہی تھی۔ پھر بڑے زور کی آندھی چلنے لگی۔ لہریں سمندر میں اٹھ اٹھ کر آسمان کو چھونے لگیں۔ عنبر کو لہریں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی تھیں۔ نہ اسے زخمی کر سکتی تھیں۔ اور نہ ڈبو سکتی تھیں۔ بس اسے اٹھا اٹھا کر ادھر سے اُدھر پھینک رہی تھیں اور عنبر بھی ایسے مزے لے رہا تھا۔ جیسے جھولا جھول رہا ہو۔ اس طرح وہ سمندر میں ایک دن ایک رات بہتا رہا۔ دوسرا دن آگیا۔ سمندر میں طوفان ختم ہو چکا تھا لیکن خشکی کا کہیں نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

عنبر کو بھی ناگ اور ماریا کی فکر تھی۔ وہ جلد کسی خشکی کے علاقے پر پہنچ کر انہیں تلاش کرنا چاہتا تھا۔ خشکی نظر ہی نہیں آ رہی تھی

اس طرح دوسرا دن بھی گزر گیا۔ جب شام ہونے لگی اور دھوپ ڈھل گئی تو عنبر کو لہروں نے ایک جزیرے کے ساحل پر لاکر پھینک دیا۔ عنبر اٹھا اور ریت پر چلتا درختوں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ لہروں پر لیٹے لیٹے وہ تھک گیا تھا۔ اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ جزیرے کے درختوں پر دھوپ اُتر رہی تھی

یہ بڑا سرسبز جزیرہ تھا۔ گھنے درختوں کے جھنڈ ہی جھنڈ تھے۔ عنبر نے سوچا کہ یہاں ضرور کوئی آبادی ہوگی یہاں ہو سکتا ہے دوسرے ملکوں کے جہاز آکر سامان لے جاتے ہوں۔ وہ ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ جزیرے پر کہیں کوئی آبادی نہیں تھی ایک بھی مکان یا جھونپڑی نظر نہ آئی۔ نہ کہیں کسی کشتی کا نشان ملا جب رات ہوگئی تو عنبر ایک جگہ سمندر کے کنارے پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ سوچنے لگا کہ یہاں سے کس طرح نکلے۔

آخر اس کے دماغ میں یہی ایک ترکیب آئی کہ کسی درخت کو کھوکھلا کر کے ایک کشتی بنالے اور سمندر میں اتر جائے کبھی نہ کبھی لہریں اسے کسی ساحل شہر کی بندرگاہ پر پہنچا دیں گی۔ اسی طرح سوچتے سوچتے اسے نیند آگئی اور وہ سو گیا۔ خواب میں اس نے دیکھا کہ وہ ناگ اور ماریا کے ساتھ ایک صحرا میں سے گزر رہا ہے۔ بڑے زور کی آندھی چل رہی ہے۔ وہ بچھڑ جاتے ہیں۔ پھر آسمان سے ایک سرخ شعلہ نیچے اترتا ہے اور عنبر کے سامنے آکر ایک عورت کی شکل بدل لیتا

ہے اور اسے کہتا ہے۔

"عنبر! اب تم لوگوں کے واپس جانے کا وقت آگیا ہے اب تمہیں واپسی کا سفر کرنا ہوگا۔ کیوں کہ تمہیں اپنے وطن سے نکلے پانچ ہزار سال گزر گئے ہیں"

عنبر نے کہا۔

"میں بھی سفر کرتے کرتے تھک گیا ہوں آخر میں کب تک یونہی دربدر پھرتا رہوں گا؟"

عورت نے کہا۔

"تم بہت جلد واپسی کا سفر شروع کرنے والے ہو"

عنبر نے پوچھا

"کیا واپسی کے سفر میں بھی پانچ ہزار سال لگیں گے؟"

عورت نے کہا

"یہ میں نہیں کہہ سکتی"

عنبر بولا

"میں اپنے ماں باپ کے شہر جانا چاہتا ہوں میں آج سے پانچ ہزار سال پہلے کے مصر کی گلیاں بازار دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اس زمانے کا دریائے نیل دیکھنا چاہتا ہوں جب میں بچپن میں وہاں نہایا کرتا تھا"

عورت بولی: "تم بہت جلد واپس روانہ ہو جاؤ گے۔ پھر تم اپنے

وطن پہنچ کر آج سے پانچ ہزار سال پہلے کا مصر اور دریائے نیل اور اپنے وطن کے گلی کوچے دیکھ سکو گے۔

عنبر نے پوچھا۔

"ناگ اور ماریا مجھے کب ملیں گے کیوں کہ اُن کے بغیر میں واپسی کا سفر نہیں کر سکتا۔"

عورت نے کہا۔

"تم بہت جلد ان سے ملو گے اور پھر تم تینوں مل کر اپنے پانچ ہزار سال کے واپسی کے سفر پر روانہ ہو جاؤ گے۔"

عنبر نے پوچھا

"کیا واپسی کا سفر بھی اتنا ہی سنسنی خیز اور دلچسپ ہو گا؟"

عورت نے کہا۔

"نہیں۔ واپسی کا سفر زیادہ دلچسپ، زیادہ حیرت انگیز اور زیادہ سنسنی خیز ہو گا۔"

اتنا کہہ کر عورت پھر شعلہ بن کر غائب ہو گئی۔ صحراؤں میں آندھی تیز ہو گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ جزیرے پر رات کی گہری خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی۔ درخت چپ چاپ کھڑے ہیں۔ عنبر خواب کو یاد کر کے خوش ہو رہا تھا۔ وہ بھی واپس اپنے وطن جانا چاہتا تھا۔ اتنی مدت تک سفر کرتے کرتے وہ تنگ آ گیا تھا۔ تھک گیا تھا۔ اب چاہتا تھا کہ واپس

اپنے پانچ ہزار سال کے پرانے سفر پر روانہ ہو۔ اسے یقین تھا جب کہ خواب کی عورت نے کہا تھا کہ اس بار واپسی کے سفر میں اُسے بڑے دلچسپ اور سنسنی خیز واقعات پیش آئیں گے۔

ایک غراہٹ سی اسے سنائی دی۔ عنبر نے درختوں کے اندھیرے میں دیکھا۔ آواز اُدھر سے ہی آئی تھی۔ یہ کسی جنگلی درندے کی آواز لگتی تھی۔ عنبر نے کوئی خیال نہ کیا۔ جنگلی درندہ اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔ وہ اسی طرح بیٹھا رہا اور واپسی کے سفر کو یاد کر کے خوش ہوتا رہا۔ اُس نے سوچا کہ واپس مصر جا کر وہ بیلے کاغذوں پہ پانچ ہزار سال پرانی مصری زبان میں ایک کتاب لکھے گا جس کا نام وہ "عنبر ناگ ماریا کی واپسی کا سفر" رکھے گا۔ قدیم زمانے کے لوگ جب آج کے زمانے کی حیرت انگیز باتیں پڑھیں گے تو انہیں یقین نہیں آئے گا کہ کبھی زمانہ اتنا بھی ترقی کر سکتا ہے کہ انسان ہوائی جہاز اور راکٹ طشتریوں میں بیٹھ کر خلاؤں میں سفر کرتے پھرے۔

وہی غراہٹ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اس دفعہ آواز کے ساتھ ہی کسی عورت کی دبی دبی چیخ بھی سنائی دی۔ عنبر جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور جدھر سے آواز آئی تھی ادھر کو چلا۔ درختوں کے نیچے گہرا اندھیرا اور خاموشی چھائی تھی۔ صرف عنبر کی آنکھیں ہی اس اندھیرے میں دیکھ سکتی تھیں وہ اندھیرے میں دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ اُسے کہیں کوئی درندہ دکھائی نہ دیا تھا۔ [illegible] مڑنے ہی والا تھا کہ اچانک وہی غراہٹ ایک بار پھر

گونجی۔ اس بار آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔ یہ کسی چیتے کی آواز تھی۔

عنبر آواز کی طرف لپکا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک جگہ درختوں کے نیچے گڑھا یا کنواں سا ہے اور ایک چیتا اس کے ارد گرد چکر لگاتے ہوئے غرا رہا ہے۔ عنبر آگے بڑھا تو چیتے نے بھی اسے دیکھ لیا۔ اندھیرے میں چیتے کی آنکھیں بھی سب کچھ دیکھ لیتی ہیں۔ جونہی چیتے نے ایک انسان کو دیکھا وہ گرج کر دھاڑا اور اس نے عنبر پر حملہ کر دیا۔

عنبر پہلے سے تیار تھا۔ چیتا عنبر کے سر پر گرا۔ عنبر نے اسے گرتے ہی اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ چیتا غصے سے پاگل ہو گیا اور عنبر پر پھر حملہ کیا۔ اس دفعہ عنبر نے اسے دونوں ہاتھوں سے گردن سے پکڑ لیا اور اس کی گردن دبانی شروع کر دی۔ چیتا تڑپ رہا تھا اور اس کے ہاتھوں سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر عنبر کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ عنبر نے چیتے کو گلا دبا کر ہلاک کر دیا۔ چیتے کی لاش ایک طرف پھینک کر وہ گڑھے کی طرف آیا۔ کیونکہ اس کے اندر سے عورت کی دبی دبی رونے اور چیخوں کی آواز آئی تھی۔

عنبر نے جھک کر نیچے دیکھا۔ یہ ایک قدرتی گڑھا تھا جو شاید زمین کے نیچے بیٹھ جانے کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ عنبر نے اندھیرے میں دیکھا کہ گڑھا کافی گہرا ہے اور اس کی ایک جانب کوئی عورت سہمی سہمی بیٹھی ہے عورت نے بھی منہ اوپر کر کے ایک انسانی سر دیکھ لیا تھا مگر وہ ڈری ہوئی تھی۔ اس کا خیال [illegible] جگا

نہیں چھوڑے گا۔ چیتے سے تو وہ بچ گئی ہے مگر اس جنگل سے نہ بچ سکے گی۔

عنبر نے آواز دی

"بہن! تم کون ہو؟"

عورت نے ایک مہذب انسان کی آواز سنی تو خوش ہو کر اٹھی اور بولی۔

"میں کون ہوں؟ یہ باہر آ کر بتاؤں گی۔ پہلے مجھے باہر نکالو۔"

عنبر نے کہا

"ذرا ٹھہرو میں کسی درخت کی لمبی شاخ کاٹ کر لاتا ہوں۔"

عورت نے کہا

"نہیں شاخ کی ضرورت نہیں۔ اگر تم نیک اور ہمدرد انسان ہو تو یہاں سے تھوڑی دور بائیں ہاتھ کو درختوں میں تمہیں ایک جھونپڑا ملے گا اس جھونپڑے میں ایک رسہ پڑا ہے مجھے اس رسے کی مدد سے تم باہر نکال سکتے ہو۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا اور گڑھے سے ہٹ کر جھونپڑے کی طرف چلا۔ تھوڑی دور درختوں میں اسے یہ جھونپڑا مل گیا یہ ایسا ہی جھونپڑا تھا جیسا کہ جنگلی لوگوں کا ہوتا ہے۔ اندھیرے میں عنبر کو سب کچھ نظر آ رہا تھا۔ زمین پر پتوں کا بستر بچھا تھا۔ کمرے میں جنگلی پھلوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ ایک طرف رسی کا گچھا رکھا تھا۔ عنبر نے رسی کا گچھا اٹھایا اور

گڑھے کے پاس آ کر اسے نیچے لٹکا دیا۔

"اس رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ میں تمہیں اوپر کھینچ لوں گا۔"

عورت نے رسی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ عنبر کے لئے اس عورت کو اوپر کھینچنا ایسا ہی تھا جیسے کوئی پہلوان دھاگے کے ساتھ بندھا ہوا کھلونا اوپر کھینچے۔ پھر بھی عنبر نے اس خیال سے عورت کو آہستہ آہستہ اوپر کھینچا کہ کہیں اسے اس کی غیر معمولی طاقت پر شک نہ پڑ جائے۔ عورت گڑھے سے باہر نکلی تو عنبر نے دیکھا کہ وہ ایک نوجوان لڑکی تھی مگر اس کے جسم پر کپڑوں کی بجائے پتوں کا لباس تھا۔ بال کھلے ہوئے تھے مگر چہرے سے لگتا تھا کہ پڑھی لکھی خاندانی لڑکی ہے۔ پتوں سے اس کا سارا جسم ڈھکا ہوا تھا۔ عنبر نے پوچھا

"تم کون ہو بہن اور اس گڑھے میں کیسے گر پڑیں، کیا تم اس جھونپڑی میں رہتی ہو؟"

لڑکی نے کہا۔

"تم نے بہت سے سوال کر دیئے ہیں۔ میرے ساتھ جھونپڑے میں چلو۔ مگر پہلے یہ بتاؤ کہ خونخوار چیتا کہاں ہے۔ کہیں وہ پھر آ کر ہم پر حملہ نہ کر دے۔"

عنبر نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں نے اسے ہلاک کر دیا ہے۔ وہ دیکھو اس کی لاش پڑی ہے۔"

لڑکی نے اندھیرے میں چیتے کی لاش دیکھی تو بڑی حیرانی سے بولی۔

"تم نے بغیر بندوق کے اسے کیسے ہلاک کر دیا؟"

عنبر نے کہا۔

"میرے پاس ایک ڈنڈا تھا۔ بس وہ ڈنڈا سیدھا چیتے کے سر پر پڑا۔ کیا کرتا۔ اپنی جان کا بھی خطرہ تھا۔ بس چیتا مر گیا۔"

لڑکی نے عنبر کو ساتھ لیا اور اپنے جھونپڑے میں آ گئی۔ یہاں آ کر اس نے اپنی کہانی یوں بیان کی۔

"میں فرانس کے ایک پروفیسر کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ اسکندریہ میں پروفیسر تھا۔ جب وہ ریٹائر ہو کر واپس فرانس جانے لگا تو ہمارا ایک رشتے دار اپنے کنبے کے ساتھ ہمیں ملنے آ گیا اُن لوگوں نے بحیرہ روم کے ایک جزیرے کی سیر کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ میری طبیعت مچل گئی میں نے اپنے ڈیڈی سے کہا کہ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ بحیرہ روم کے جزیروں کی سیر کروں گی۔ میرا ڈیڈی مجھ سے بڑی محبت کرتا ہے میں اس کی اکلوتی بیٹی ہوں اس نے مجھے اجازت دے دی۔ چنانچہ ایک روز میرا باپ تو فرانس کو بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو گیا اور ہم بحیرہ روم کے جزیروں کی سیر کو چل پڑے۔ ایک ہفتہ ہم نے خوب سیریں کیں۔ آخر واپس روانہ ہوئے۔ آتی دفعہ ہم نے ہوائی جہاز پر سفر کیا تھا۔ واپسی پر میرے رشتے دار نے کہا کہ ہم کیوں نہ سمندری جہاز

میں چلیں۔ ہم جس جزیرے پر تھے وہاں سے چھوٹے سٹیمر چلا کرتے تھے۔
ہم ایک رات سٹیمر پر سوار ہوئے اور وہاں سے دو سو میل کے فاصلے
پر بڑے جزیرے کی رات چل پڑے۔ کیونکہ وہاں سے ہم نے بڑا
سمندری جہاز پکڑ کر فرانس کی طرف جانا تھا۔ اس روز موسم بڑا خراب
تھا۔ ہمیں سفر پر جانے سے منع بھی کیا گیا مگر ہمارا رشتہ دار نہ مانا۔ سٹیمر
میں زیادہ مسافر نہیں تھے۔ جب موسم خراب ہو تو اس طرف کے لوگ
سمندر میں سفر نہیں کرتے۔ کیونکہ ان سمندروں میں اکثر طوفان آتے
رہتے ہیں۔ ہمارا سٹیمر جزیرے سے روانہ ہو گیا۔ اس وقت رات کے
نو بجے تھے۔ رات بارہ بجے تک سٹیمر سمندر میں بڑے سکون سے سفر
کرتا رہا۔ ہم کھانا کھا کر تاش کھیل رہے تھے۔ پھر ہمیں نیند آنے لگی
اور ایک ایک کرکے سب سو گئے۔ رات کے دو بج رہے تھے کہ
سمندر میں اچانک طوفان آ گیا اور سٹیمر بری طرح ہچکولے کھانے لگا۔
ہم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ طوفان بڑھتا ہی چلا گیا۔ سٹیمر میں کہرام مچ
گیا۔ ہمارے رشتے دار نے چلا کر کہا اپنے آپ کو رسیوں سے باندھ
لو ہم رسیاں تلاش کر رہے تھے کہ سٹیمر بری طرح ڈوبنے لگا۔ مجھے ایک
ایسا دھکا لگا کہ میں اچھل کر دروازے سے باہر جا گری۔ وہاں سے
اٹھنے ہی لگی تھی کہ دوسرا دھکا لگا اور میں ان سب لوگوں کے دیکھتے
دیکھتے سمندر میں جا گری اور پہاڑ ایسی لہروں نے مجھے اپنے اندر نگل
لیا۔ ضرور وہاں ہنگامہ اور کہرام مچا ہوگا۔ لیکن میری مدد کو کوئی نہیں

آیا۔ کوئی آ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس وقت ہر کسی کو اپنی اپنی جان کی پڑی
پڑی تھی۔ میں سمندری لہروں کے اندر اتر گئی۔ پھر طوفان نے مجھے اچھال
کر دوسری لہر پر پھینک دیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور موت کا
انتظار کرنے لگی۔ کیوں کہ مجھے یقین تھا موت چند سیکنڈ کے بعد آ رہی
ہے لیکن ابھی میری زندگی باقی تھی۔ میں نے لہروں پر ہچکولے کھاتے
سٹیمر کو دیکھنے کی کوشش کی مگر مجھے اس کی روشنی طوفانی سمندر میں کہیں
دکھائی نہ دی۔ اوپر سے بارش شروع ہو گئی۔ طوفان اور زیادہ تیز ہو
گیا اور سمندری لہریں بپھر بپھر کر شور مچانے لگیں۔ یہ طوفان میرے لئے
اچھا ثابت ہوا۔ طوفانی لہریں مجھے ایک دوسری کے حوالے کرتی رہیں
اور میں ڈوبنے سے بچ گئی جونہی میں ڈوبنے لگتی ایک طوفانی لہر
نیچے سے آ کر مجھے اوپر اچھال کر دوسری لہر کے حوالے کر دیتی۔
ساری رات اسی طرح گزر گئی۔ جب طوفان تھما تو میں سمندری
لہروں پر بہی جا رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں کسی شے
پر بیٹھی ہوئی ہوں۔ میں نے غور سے تو دیکھا کہ وہ کوئی ناریل کا
ٹوٹا ہوا درخت ہے طوفان میں کہیں وہ درخت میرے ہاتھ
آ گیا تھا اور میں نے نیم بے ہوشی کی حالت میں اسے تھام
لیا تھا۔ آسمان ابھی تک بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔ بارش ہو
رہی تھی۔ میں نے اپنے ہونٹ کھول دیئے۔ بارش کا ٹھنڈا
پانی میرے حلق میں اترا تو مجھے کچھ ہوش آیا۔ میں نے درخت پر

میں چھپی بیٹھی
ہم ایک... سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے یہی جزیرہ تھا جہاں میں اس
پر .... بیٹھی ہوں۔ کسی نہ کسی طرح میں اس جزیرے پر پہنچ گئی
پہلے تو ساحل پر ہی چھپی رہی کہ کہیں یہاں کے آدم مجھے نہ دیکھ لیں
پھر جب بھوک پیاس نے ستایا تو ان درختوں میں چھپ چھپ
کر آئی اور گرے پڑے پھل کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی۔ رات ہوئی
تو ساحل کی ریت پر ہی سو گئی۔ دوسرے روز پھر درختوں کے
پھل کھائے اور ناریل توڑ کر اس کا پانی پیا اور پیاس مٹائی۔ اب
میں درختوں میں گھومنے لگی تھی۔ میں نے چل پھر کر دیکھا کہ جزیرہ
بالکل خالی تھا۔ کوئی آبادی نہیں تھی جنگلی لوگ بھی یہاں نہیں
رہتے تھے۔ میں نے اس جگہ درختوں کی شاخیں اکٹھی کر کے
اپنے لئے ایک جھونپڑی بنائی اور رہنا شروع کر دیا۔ کیونکہ مجھے
کچھ معلوم نہیں تھا کہ ابھی اس جزیرے پر مجھے کتنے دن رہنا پڑے
گا۔ ہو سکتا تھا ایک مہینہ اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ساری زندگی اس
جزیرے پر گذر جائے۔ کیوں کہ ادھر سے کبھی کوئی بحری جہاز
بھی گزرتا دکھائی نہیں دیا تھا۔ آج مجھے اس جزیرے پر چوتھا
مہینہ جا رہا ہے سب سے زیادہ مجھے اپنے پیارے باپ کا خیال
ستاتا ہے۔ وہ یہی سمجھ رہا ہوگا کہ میں سمندر میں ڈوب کر مر چکی ہوں
وہ کتنا رویا ہوگا میری موت کا سن کر ۔ اور سوچتی ہوں اگر
اسے معلوم ہو جائے کہ میں زندہ ہوں اور وہ کس قدر خوش نہیں

ہوگا۔ مگر اسے کیسے پتہ چل سکتا ہے؟"
یہی دردناک داستان سنانے کے بعد وہ لڑکی سسکیاں بھر کر رونے
لگی۔ عنبر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔
"میری بہن! جس خدا نے تمہیں اتنے خوفناک سمندر سے بچایا ہے
وہ تمہیں اس جزیرے سے بھی ضرور نکال دے گا۔ شاید قدرت نے
اس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے؟"
پھر عنبر نے اس سے پوچھا کہ یہ چیتا کہاں سے آ گیا تھا۔ اس نے
کہا۔
"میں شام کے وقت درختوں سے پھل توڑنے باہر نکل ہی
تھی کہ اس نے مجھ پر حملہ کر دیا میں گھبرا کر بھاگی۔ آگے ایک
گڑھا آ گیا میں نے جان بچانے کے لئے اس میں چھلانگ
لگا دی اور پھر آدھی رات کو تم آ گئے۔"
وہ میری طرف دیکھ کر بولی۔
"لیکن تم نے اپنے بارے میں تو کچھ بتایا ہی نہیں۔ آخر تم
اس بدنصیب جزیرے پر کیسے پہنچ گئے۔"
عنبر نے کہا۔
"میری داستان غم بھی تم سے ملتی جلتی ہے۔ میں ملک
مصر کا رہنے والا ہوں۔ جڑی بوٹیوں کی تجارت کرتا ہوں
اور ملک ملک کے جنگلوں میں جا کر انہیں تلاش کرتا

رہتا ہوں۔ اس طرح بحیرہ روم کے ایک جزیرے کی
طرف جڑی بوٹیوں کی تلاش میں جا رہا تھا کہ سمندر میں
طوفان آگیا۔ جس جہاز میں میں سفر کر رہا تھا وہ غرق
ہوگیا۔ میں بڑی مشکل سے جان بچا کر اس جزیرے پر
پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ رات کو ساحل پر ہی سوگیا کہ آدھی
رات کو چیتے کی آواز سن کر آنکھ کھل گئی۔ آگے کا حال
تمہیں معلوم ہے۔"

اس لڑکی سے عنبر نے اس کا نام پوچھا تو اُس نے کہا۔
"میرا نام مینا ہے۔"
عنبر نے کہا
"مینا نام تو ایشیا کے ملکوں میں بھی ہوتا ہے۔"
وہ بولی۔
"ہاں۔ میرے پروفیسر ڈیڈی کو ایشیا سے بڑا لگاؤ ہے۔
انہوں نے اسی لئے میرا ایشیائی نام رکھا تھا۔ ویسے فرانس میں آج
سے ستر برس پہلے لوگ یہ نام رکھا کرتے تھے۔
پھر وہ اداس ہو کر بولی
"اب ہم کس طرح یہاں سے نکلیں گے بھائی۔ تم نے
اپنا نام تو بتایا ہی نہیں۔"
"میرا نام عنبر ہے اور میں مصری مسلمان ہوں۔"

تم گھبراؤ نہیں۔ اس وقت۔
رہیں گے۔ یہاں سے نکلنے اس جزیرے کا ایک چکر لگا کر دیکھتا ہوں کہ
یں گے۔
عنبر نے لڑکی کو جھونپڑے میں۔ میں نے ایک بار چکر لگایا تھا۔
پر سوگیا۔ لڑکی نے باہر آ کر کہا۔
"گھاس پر رات کو زہریلے سانپ ہیں۔ تم یہاں سے کہیں مت جانا۔"
ایک مہینہ ہوگیا ہے۔ میں عادی
اندر آ کر سو جاؤ۔"
عنبر نے ہنس کر کہا: "مجھے سانپ کچھ نہیں کہتا۔ ایک ہی چھتا رہتا تھا۔ اسے
سو جاؤ۔ میں نے اینٹی سیپٹک انجکشن لے رکھا ہے
مینا جھونپڑی میں جا کر سوگئی۔ عنبر کو بھی نیند آ گئی۔ سے گزر کر
شروع

رہتا ہوں۔ اس طرح بھیرو ...
طرف جڑی بوٹیوں کی تلاش
طوفان آگیا۔ جس جہاز میں
ہو گیا۔ میں بڑی مشکل سے
بچنے میں کامیاب ہو گیا۔

چھینک دو

رات کو چیتے کی آواز ... درخت کاٹ کر اس کے تنے کو کھوکھلا کرکے تمہیں معلوم ہے۔" ...ندر کو پار کرنے کی کوشش کریں گے" مینا نے کہا۔

اس لڑکی سے عنبر نے ... "ہم اتنے بڑے سمندر کو کیسے پار کریں گے۔

میرا نام ... تو ہم ڈوب جائیں گے۔"

"... پھر تمہارے خیال میں کوئی دوسرا طریقہ یہاں سے نکلنے کا ہے؟"

"کوئی نہیں"، وہ بولی۔ سوائے اس کے کہ ہم ادھر سے گزرنے والے کسی جہاز کا انتظار کریں۔"

عنبر بولا۔ "لیکن اگر ایک سال تک ادھر سے کوئی جہاز نہ گزرا تو کیا کرو گی۔"

"مجھے یقین ہے بہت جلد کوئی نہ کوئی جہاز ادھر ضرور آئے گا۔ میں روز ساحل پر آگ کا دھواں کرتی ہوں۔"

عنبر کہنے لگا۔ "جیسے تمہاری مرضی۔ میرا خیال ہے ہم ایک مہینہ اور دیکھتے ہیں۔" اگر اس دوران میں کوئی جہاز نہ آیا تو پھر کوئی دوسرا طریقہ سوچیں گے۔

مینا بھی اس تجویز پر راضی ہو گئی۔

عنبر نے دوپہر کے بعد مینا سے کہا۔

تم جھونپڑی میں رہنا۔ میں ذرا اس جزیرے کا ایک چکر لگا کر دیکھتا ہوں کہ اس کی دوسری طرف کیا ہے۔

مینا بولی۔ ادھر بھی سمندر اور چٹانیں ہیں۔ میں نے ایک بار چکر لگایا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"میں خود بھی ایک چکر لگانا چاہتا ہوں۔ تم یہاں سے کہیں مت جانا۔"

لڑکی کہنے لگی۔ فکر نہ کرو۔ مجھے یہاں رہتے ہوئے ایک مہینہ ہو گیا ہے۔ میں عادی ہو گئی ہوں اور پھر یہاں کوئی جنگلی آدمی نہیں رہتا۔ ایک ہی چیتا رہتا تھا۔ اسے تم نے ہلاک کر دیا ہے۔"

عنبر نے لڑکی کو جھونپڑے میں چھوڑ کر خود جزیرے کے جنگل میں سے گزر کر اس کے کنارے پر آ گیا۔ اب اس نے سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کیا جزیرہ گول دائرے کی شکل میں تھا۔ اس نے ایک گھنٹے میں جزیرے کا پورا چکر لگا لیا۔ وہ واپس اسی جگہ پر جا رہا تھا جہاں سے وہ چلا تھا کہ اسے درختوں میں کوئی شے بھاگ کر جاتی نظر آئی۔ یہ کیا چیز ہو سکتی ہے۔ کہیں کوئی دوسرا چیتا نہ ہو۔ اگر اسے ہلاک نہ کیا گیا تو وہ لڑکی پر حملہ کر سکتا ہے۔

یہ سوچ کر عنبر جنگل میں داخل ہو کر ان درختوں کی طرف گیا جہاں اس نے کسی چیز کو بھاگ کر چھپتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہاں گھاس بھی لمبی اگی ہوئی تھی جہاں کی وجہ سے وہ کسی کے پاؤں کے نشان بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسے کئی جگہ سے جھاڑیوں اور درختوں کی شاخیں ٹوٹی ہوئی ملیں۔ اس نے ایک شاخ کو اٹھا کر

دیکھا یہ شاخ کسی تلوار یا کلہاڑے یا بھالے سے کاٹی گئی تھی۔ عنبر کا ماتھا ٹھنکا "کیا یہاں کوئی دوسرا انسان بھی رہتا ہے؟"

یہ سوچ کر وہ جنگل کے درختوں میں بڑی احتیاط سے چلنے لگا۔ اس نے جنگل کا وہ سارا علاقہ چھان مارا۔ اسے کہیں کسی جگہ بھی کسی دوسرے انسان کا نشان تک نہ ملا۔ وہ جنگل سے نکل کر باہر ایک بار پھر سمندر کے کنارے پر آ گیا۔ یہاں آتے ہی اس نے جو سمندر کی طرف نگاہ ڈالی تو وہ چونک پڑا۔ ایک کشتی کنارے سے کھلے سمندر کی طرف جا رہی تھی۔ یہ کشتی چھوٹی تھی جیسی جنگلی لوگوں کی ہوا کرتی ہے۔ دور سے عنبر کو اس میں تین چار انسانوں کے خاکے سے دکھائی دیئے۔ یہ سائے بڑی تیز تیز چپو چلا رہے تھے۔

عنبر ایک خیال سے کانپ گیا۔ وہ جھونپڑے کی طرف بھاگا۔ آخر وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ جھونپڑا خالی تھا۔ وہاں مینا نہیں تھی۔ وہ جنگلی لوگ اسے اٹھا کر لے گئے تھے۔ عنبر بھاگ کر سمندر کے کنارے آ گیا۔ کشتی اب اتنی دور کھلے سمندر میں جا چکی تھی کہ عنبر کو اس کا ایک چھوٹا سا دھبا دکھائی دے رہا تھا۔ عنبر پریشان ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ اس وقت کو کوسنے لگا جب وہ مینا کو جھونپڑے میں اکیلا چھوڑ گیا تھا۔

لیکن یہ پریشان ہو کر بیٹھے رہنے کا وقت نہیں تھا۔ اس بدنصیب لڑکی کی جان بچانی تھی۔ کہیں وہ جنگلی آدم خور ہی نہ ہوں۔ اگر وہ آدم خور ہوئے تو مینا کا زندہ بچنا مشکل ہے۔ عنبر کے ذہن میں ایک ہی ترکیب آئی کہ وہ سمندر میں چھلانگ لگا دے اور تیرتا ہوا سمندر میں کشتی کا پیچھا کرے۔ مگر اس طرح

دیر ہو سکتی تھی۔ عنبر کتنی تیز تیر سکتا تھا۔

عنبر ساحل سمندر پر ٹہلنے لگا۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ کیوں نہ وہ کسی وہیل یا ڈولفن مچھلی پر بیٹھ کر جنگلی لوگوں کا پیچھا کرے۔ عنبر نے دیکھا تھا کہ اس سمندر میں ڈولفن مچھلیاں اکثر آتی رہتی تھیں۔ وہ سمندر میں اتر آیا۔ اس نے تیرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ڈولفن مچھلی اس کے گرد چکر لگانے لگی۔ عنبر نے اسے پکڑ لیا۔ ڈولفن بھی شاید سمجھ گئی تھی کہ عنبر کس طرف اور کہاں جانا چاہتا ہے۔ کیونکہ ڈولفن مچھلی انسان کی بڑی دوست ہوتی ہے اور وہ سمندر میں انسانوں کی بڑی مدد کرتی ہے۔

عنبر ڈولفن مچھلی کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ ڈولفن نے تیزی سے اس طرف تیرنا شروع کر دیا جس طرف کو جنگلی آدمیوں کی کشتی گئی تھی۔

کشتی سمندر میں کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ سمندر میں اونچی اونچی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ ڈولفن مچھلی عنبر کو لئے سمندری لہروں کو چیرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ آخر دور ایک جزیرے کے درخت نظر آنے لگے۔ یہ کوئی دوسرا جزیرہ تھا۔ ڈولفن نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ جزیرے کے مغربی ساحل پر پہنچ کر ڈولفن مچھلی نے عنبر کو اچھل کر قہقہہ لگا کر سلام کیا اور واپس پانی میں ڈبکی لگا کر غائب ہو گئی۔

عنبر نے ہاتھ ہلا کر ڈولفن مچھلی کو خدا حافظ کہا اور جزیرے کے درختوں کو غور سے دیکھا۔ یہاں اونچے اونچے ناریل کے درخت تھے اور جنگل کے اندر بھی

سرخ اور سبز چٹانیں ابھری ہوئی تھیں ۔ عنبر ریت پر چلتا جب جنوبی ساحل کی طرف آیا تو اس نے دیکھا کہ ریت پر انسانوں کے پاؤں اور کشتی گھسیٹنے کے نشان تھے ۔ جنگلی یہاں پر اترے تھے اور کشتی گھسیٹ کر جنگل میں لے گئے تھے ۔ عنبر ان نشانوں کے پیچھے پیچھے جنگل میں داخل ہو گیا ۔

جنگل میں بڑی دہشت ناک خاموشی تھی ۔ یہاں تو درختوں پر بیٹھا کوئی پرندہ بھی نہیں بول رہا تھا ۔ پتے ایسے چپ چاپ تھے جیسے ان پر کسی نے جادو کر رکھا ہو ۔ زمین پر انسانوں کے پاؤں کے نشان بھی نہیں تھے کہ جس سے کوئی مدد مل جاتی ۔ عنبر درختوں کے نیچے جنگل میں کافی آگے نکل آیا ۔ عنبر نے ایک خاص بات اس جنگل میں یہ دیکھی کہ یہاں زمین پتھریلی تھی اور اس پتھریلی زمین پر مٹی کی تہہ چڑھی تھی جس پر درخت اور گھاس اُگے ہوئے تھے ۔ کہیں کہیں سے زمین کا پتھر باہر نکلا ہوا تھا ۔

عنبر نے محسوس کیا کہ یہ جزیرہ کسی آتش فشاں پہاڑ کی چوٹی کے اوپر بنا ہوا ہے اور آتش فشاں پہاڑ آدھے سے زیادہ سمندر کے اندر ڈوبا ہوا ہے ۔ ایسے جزیرے بڑے خطرناک ہوتے ہیں ۔ اگر خاموش رہیں تو سینکڑوں ہزاروں سال تک خاموش رہتے ہیں لیکن وہ کسی وقت بھی پھٹ کر سمندر میں غرق ہو سکتے شاید اسی لئے اس قسم کے جزیروں پر لوگ آباد نہیں ہوتے ۔ بس جنگلی قبیلے رہتے ہیں اور ذرا خطرہ ہو تو وہاں سے کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگ جاتے ہیں ۔

ایک کتا بھونکا ۔ یہ کتا کہاں سے آگیا ! عنبر نے سوچا اور جدھر سے آواز آئی تھی ادھر گیا ۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک اژدہا نے کتے کے گرد اپنا آپ لپیٹ کر اسے دبوچ

رکھا ہے ۔ کتے کا دم نکلا جا رہا ہے ۔ اور آنکھیں باہر کو ابل رہی ہیں وہ بہت زور سے چیخنا چاہتا ہے مگر ہلکی سی آواز نکلتی ہے ۔

عنبر کو کتے پر بڑا ترس آیا ۔ کیونکہ اژدہا اسے دبا کر ہلاک کرنے کے بعد اب اسے کھانے کی فکر میں تھا اور اپنا منہ کھولے اس کی طرف جھک رہا تھا ۔ عنبر نے آگے بڑھ کر اژدہا کی طرف ہاتھ بڑھایا ۔ اژدہا نے ایک انسان کو اپنا شکار چھیننے کی کوشش کرتے بلکہ جرات کرتے دیکھا تو غصے سے پھنکارا ۔ مگر عنبر نے اس قسم کے کئی اژدہا دیکھے تھے اسے کیا پروا پڑی تھی ۔

عنبر نے ہاتھ آگے کیا تو اژدہا نے اس کو اپنے منہ میں دبوچ لیا ۔ عنبر کو بڑا غصہ آیا ۔ اس کمینے اژدہا کی یہ جرات کہ میرا ہاتھ دبوچ لے ۔ عنبر نے دوسرے ہاتھ سے اژدہا کی گردن پکڑ کر زور سے دبائی ، اژدہا کا منہ کھل گیا ۔ عنبر نے اپنا ہاتھ باہر نکال لیا اور اژدہا کو گردن سے پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا ۔ کتا اس کی گردن کی پکڑ سے آزاد ہو گیا ایک طرف کھڑا ہو کر آہستہ آہستہ بھونکنے لگا ۔ وہ عنبر کی طرف محبت بھری نظروں سے تک رہا تھا اور اسے اژدہا سے بچانے کے لئے آگے بڑھا اور پیچھے ہٹ گیا ۔ کیونکہ عنبر نے اژدہا کے تین ٹکڑے کر دیئے تھے ۔

کتا عنبر کے پاؤں میں لوٹنے لگا ۔ عنبر کو کتوں کے ساتھ بھی زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی ۔ مگر اتنا وہ جانتا تھا کہ یہ جانور بڑا وفادار ہوتا ہے اور وقت آنے پر اپنے مالک کے لئے جان بھی قربان کر دیتا ہے ۔ کتا ایک طرف منہ کر کے بھونکنے لگا ۔ عنبر نے اس طرف دیکھا ۔ ادھر درخت ہی درخت تھے ۔

کتا عنبر کی گود سے اچھل کر جنگل میں بھاگ اٹھا۔ عنبر نے اس کا پیچھا شروع کر دیا۔

کتا جنگل میں تھوڑی دور جا کر کھڑا ہو جاتا اور پیچھے مڑ کر عنبر کو دیکھتا۔ عنبر سمجھ گیا کہ وہ اسے اپنے پیچھے پیچھے آنے کو کہہ رہا ہے۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔ درختوں کے جھنڈ ادھر ادھر ہٹنے لگے۔ پھر سامنے ایک گھاس کا چھوٹا سا میدان آ گیا۔

کتا رک کر زور سے بھونکا۔ پھر وہ میدان میں بنی ہوئی جنگلی لوگوں کی جھونپڑیوں کی طرف بھاگا۔ ان جھونپڑیوں کی دوسری طرف سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ جیسے وہاں کسی نے آگ جلا رکھی ہو۔ کتا ان جھونپڑیوں کے پیچھے جا کر غائب ہو گیا۔ عنبر میدان میں داخل ہونے کی بجائے درختوں کے پیچھے سے ہوتا ہوا جھونپڑیوں کی دوسری طرف آ گیا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ جھونپڑیوں کے سامنے ایک جگہ درمیان میں آگ جل رہی ہے۔ اس کے ارد گرد کوئی شخص نہیں ہے۔ جھونپڑیوں کے سامنے کہیں کہیں ایک دو عورتیں خاموش بیٹھی ہیں۔

اتنے میں شور سا مچا اور ایک جھونپڑی میں سے جنگلی لوگ شور مچاتے اچھلتے کودتے باہر نکلنے لگے۔ کتا ایک طرف کھڑا اچھل اچھل کر بھونک رہا تھا۔ عنبر خاموشی سے درخت کے پیچھے کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ جب سارے جنگلی باہر آ گئے تو وہ آگ کے گرداگرد دائرہ بنا کر بیٹھ گئے۔ اس کے چند سیکنڈ بعد اسی جھونپڑی میں سے وہی لڑکی مینا باہر نکلی۔ وہ رو رہی

رہی تھی۔ چہرے پر دہشت تھی۔ دو جنگلیوں نے اسے تھام رکھا تھا۔ پیچھے پیچھے جنگلیوں کا سردار تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ آدم خور ہیں اور مینا کو آگ میں ڈال کر بھوننے کے لئے لا رہے ہیں تاکہ اسے بھون کر کھا جائیں۔

عنبر سے اب برداشت نہ ہوا۔ کیونکہ دیر کرنے کی وجہ سے مینا کی جان کو خطرہ تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ جنگلی اسے جاتے ہی آگ میں پھینکنے والے تھے۔ سردار نے آگ کے پاس جا کر اونچی آواز میں کہا۔

"اسے یہاں لاؤ۔ اسے آگ میں ڈال دو۔"

عنبر درخت کے پیچھے سے نکل کر سامنے آ گیا۔

جنگلیوں نے ایک اجنبی انسان کو اپنے سامنے دیکھا تو پہلے وہ اسے دیکھتے ہی رہ گئے کہ یہ شخص ان کے جزیرے پر کہاں سے آ گیا۔ پھر وہ چیخنے چلانے لگے۔ سردار کو بھی سخت غصہ آ گیا تھا کہ یہ اجنبی شخص وہاں کیسے آ گیا۔ اس نے چلا کر کہا۔

"اس کو پکڑ کر پہلے آگ میں ڈالو۔"

چار جنگلی عنبر کی طرف بڑھے۔ مینا نے عنبر کو دیکھا تو پہلے وہ خوش ہوئی پھر پریشان ہو گئی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا یہ جنگلی اس کے ساتھ عنبر کو بھی آگ میں ڈال دیں گے۔ اس نے عنبر کو کہا۔

"عنبر! تم یہاں کیوں آ گئے۔ بھاگ جاؤ۔ بھاگ جاؤ۔ خدا کے لئے بھاگ جاؤ۔"

عنبر نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں مینا۔ یہ لوگ میرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔"

مگر مینا کو یقین تھا کہ عنبر بھی نہیں بچ سکے گا - اور اس کے ساتھ وہ بھی آگ میں جل کر کباب ہو جائے گا اور یہ لوگ ان دونوں کو مزے لے لے کر کھا جائیں گے - اس ہولناک انجام سے مینا کی روح بھی کانپ اٹھی -

•

عنبر اور خونی جزیرہ

جنگلی نیزے لے کر عنبر کے پاس آگئے -

انہوں نے اسے گھیر لیا اور پھر بازو رسی سے کس کر باندھ دیئے اور گھسیٹتے ہوئے سردار کے سامنے لے آئے -

سردار نے کہا - "پہلے اسے آگ میں ڈالو"۔

عنبر نے کہا - "تم مجھے نہیں جلا سکتے"!

سردار نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا - دوسرے جنگلی بھی عنبر کا منہ تکنے لگے - کیونکہ عنبر نے ان جنگلیوں کی زبان میں بات کی تھی - سردار نے کہا -

"تم ہماری زبان کس طرح جانتے ہو"؟

عنبر نے کہا - "اس لئے کہ میں تمہارا دیوتا ہوں - اس جزیرے کا دیوتا ہوں اور انسان کی شکل میں تمہارے پاس آیا ہوں - تم اس لڑکی کو چھوڑ دو - نہیں تو میں تمہارے جزیرے کو آگ لگا دوں گا"!

جنگلی سردار نے نفرت سے تھوکتے ہوئے کہا -

"یہ بہروپیا ہے - یہ کسی ساتھ والے جزیرے میں رہتا ہوگا اور ہماری زبان سیکھ لی ہوگی -

اسے آگ میں پھینک دو"!

مینا کی چیخ نکل گئی ۔ کیونکہ جنگلی عنبر کو لے کر آگ کی طرف بڑھے ۔ انہوں نے
عنبر کو اٹھا کر آگ میں پھینک دیا ۔ مینا چیخ مار کر آگ کی طرف دوڑی ۔
جنگلیوں نے اسے پکڑ لیا ۔ مینا اپنے بھائی عنبر کی موت پر خون کے آنسو
رونے لگی ۔ سردار قہقہے مار کر ہنسنے لگا اور بولا ۔

" دیوتاؤں نے ہماری قربانی قبول کر لی ۔ جب یہ تھوڑا سا
بھون جائے تو اسے باہر نکال لو ۔ تاکہ ہم مزے سے کھا سکیں "

آگ میں شعلے ہی شعلے اٹھ رہے تھے ۔ عنبر ان شعلوں میں گم ہو چکا تھا
اصل میں وہ ان شعلوں کے درمیان جا کر بیٹھ گیا تھا ۔ وہ جان بوجھ کر کچھ
دیر آگ میں بیٹھا رہنا چاہتا تھا ۔ تین چار منٹ ہو گئے تو سردار نے اشارہ
کیا کہ آگ میں سے لوہے کی سلاخیں ڈال کر عنبر کو باہر نکالا جائے ۔ سب
کو یقین تھا کہ عنبر جل کر کباب ہو چکا ہو گا ۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر جہاں کھڑے
تھے وہیں کھڑے رہ گئے کہ عنبر آگ کے شعلوں میں سے اس طرح اٹھ
کر کھڑا ہو گیا کہ آگ نے اس کے کپڑوں کو تو کیا اس کے سر کے ایک بال کو
بھی نہیں جلایا تھا ۔

عنبر نے اس جنگلی کو کھینچ کر آگ میں گرا دیا جس نے عنبر کو آگ میں دھکا
دیا تھا ۔ جنگلی کی بس ایک چیخ ہی نکلی اس کے بعد وہ جل کر راکھ بن گیا ۔
سردار اور دوسرے جنگلیوں پر کپکپی طاری ہو چکی تھی ۔ مینا پھٹی پھٹی نظروں
سے عنبر کو تک رہی تھی ۔

عنبر آگ کے شعلوں میں سے نکل کر باہر آ گیا ۔ اس کا جسم بالکل ویسا ہی

تھا جیسا آگ میں گرنے سے پہلے تھا ۔ سردار اس کے آگے گھٹنوں کے بل
جھک گیا اور ہاتھ باندھ کر بولا ۔

" عظیم دیوتا مجھے معاف کر دو "

عنبر نے کہا ۔ " اب عقل آ گئی ہے تمہیں "

سردار نے کہا ۔ " اے دیوتا ! مجھ سے بھول ہو گئی ۔ مجھے معاف کر دے ۔ ہم
پر اپنا عذاب نازل مت کرنا "

عنبر نے کہا ۔ " اس لڑکی کو آزاد کر دو "

اسی وقت مینا کو چھوڑ دیا گیا ۔ مینا بھاگ کر عنبر کے پاس آ گئی اور ہاتھ
لگا لگا کر اس کے کپڑوں اور جسم کو دیکھنے لگی ۔

" عنبر ! تمہارا جسم تو ذرا سا بھی گرم نہیں ہے کیا تم نے اپنے جسم
پر کوئی دوائی مل رکھی تھی "

عنبر نے کہا ۔ " ہاں مینا ! میں نے ایک خاص دوائی اپنے جسم اور کپڑوں
پر چھڑک رکھی تھی "

مینا بولی ۔ " مگر کوئی دوائی ایسی نہیں ہے جو کسی انسان کو یوں
آگ کے شعلوں میں بھی محفوظ رکھ سکے ۔ ضرور تم نے کوئی جادو
کیا ہے ۔ تم جادو جانتے ہو ؟ "

عنبر نے کہا ۔ " یہ باتیں بعد میں ہوں گی ۔ پہلے ذرا ان جنگلیوں سے
تو نمٹ لیں "

مینا عنبر کے پاس کھڑی ہو گئی ۔ عنبر نے سردار سے کہا ۔

"میں نے تمہیں معاف کیا۔ ہمارے لئے کھانے پینے کا بندوبست کیا جائے۔"

سردار نے سر جھکا کر کہا "جو حکم میرے دیوتا!"

تھوڑی دیر بعد دسترخوان بچھ گیا۔ طرح طرح کے پھل اور بھنے ہوئے مرغ اور جنگلی ہرن سجا دیئے گئے۔ عنبر اور مینا نہا دھو کر گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے وہاں آ کر بیٹھ گئے۔

جنگلی لوگ بڑے ادب سے دسترخوان کے اردگرد بیٹھے تھے۔ کھانا شروع ہو گیا۔ عنبر اور مینا نے بڑے مزے لے کر بھنے ہوئے مرغ اور ہرن کا گوشت کھایا۔ دعوت ختم ہوئی تو عنبر نے سردار سے کہا۔

"یہ لڑکی ہماری بہن ہے۔ یہ دنیا میں رہتی ہے۔ ہم آسمانوں کے بادلوں میں رہتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی اپنی بہن سے ملنے دنیا میں آ جاتے ہیں۔ آج اسے ملنے آئے تو پتہ چلا کہ تم لوگ اسے اٹھا کر لے گئے ہو۔ اب ایسا کرو کہ اس لڑکی کے لئے ایک بڑی شاندار کشتی تیار کرو تاکہ ہم اسے سوار کروا کر اس کے ملک پہنچا دیں۔"

سردار نے کہا "عظیم دیوتا! میں ابھی حکم دیتا ہوں کہ ایک شاندار کشتی تیار کرنی شروع کی جائے۔"

سردار نے حکم دے دیا۔ کشتی تیار ہونے لگی۔ یہ جنگلی لوگ سمندری کشتیاں تیار کرنے میں بڑے ماہر تھے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر انہوں نے ایک چھوٹے سٹیمر جتنی کشتی تیار کر لی۔ اس کشتی میں نیچے سونے کی جگہ بھی تھی

اور کھانے پینے کا سامان رکھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی۔ چپوؤں کے ساتھ ساتھ اس پر بادبان بھی لگایا گیا تھا تاکہ تیز ہوا میں کشتی زیادہ رفتار کے ساتھ سفر کر سکے۔ عنبر نے ساتویں روز مینا کو ساتھ لیا اور کشتی میں سوار ہو کر اپنے جزیرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

شام ہونے سے پہلے وہ اپنے جزیرے میں پہنچ گیا۔ کشتی انہوں نے اوپر کھینچ لی اور اسے اونچی اونچی جھاڑیوں میں چھپا دیا۔ عنبر کا خیال تھا کہ اس جزیرے میں پہنچ کر وہ کھانے پینے کا سامان یعنی پھل وغیرہ کشتی میں جمع کر لیں اور پھر وہاں سے اپنے سمندری سفر پر روانہ ہو جائیں گے انہوں نے وہاں بیٹھ کر کافی سوچ بچار کیا۔ مینا نے کہا۔

"اگر ہم شمال مغرب کی طرف سمندر میں سفر شروع کریں تو میرا خیال ہے ایک مہینے کے بعد ہم بحیرہ روم کی کسی بندرگاہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس دوران میں کوئی سمندری جہاز بھی ہمیں مل جائے۔"

عنبر نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ ہم پرسوں یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

دو دن وہ جزیرے سے تازہ ناریل اور کچے پھل اکٹھے کرتے رہے یہ چیزیں انہوں نے کشتی کے اندر جمع کر دیں۔ دن بڑا روشن تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ درختوں پر پرندے چہچہا رہے تھے۔ مینا اور عنبر اپنی جھونپڑی کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ کر باہر نکلے اور سمندر کی طرف چلے۔ ان کی کشتی سمندر میں کھڑی تھی۔ ابھی وہ درختوں سے نکل کر سمندر کے کنارے ریت

پر آئے ہی تھے کہ فضا میں گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ عنبر نے مینا کو ہاتھ سے پکڑ کر درختوں کی طرف کھینچ لیا۔ دو جنگی بمبار جہاز نیچی پرواز کرتے درختوں کے اوپر سے گزر گئے۔ مینا نے پوچھا۔

"یہ جہاز کس کے ہیں۔ کہاں سے آگئے؟ مجھے تو یہ جنگی جہاز لگتے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔ "میرا خیال ہے دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی ہے۔"

"دوسری جنگ عظیم؟" مینا کا رنگ فق ہو گیا۔

ہاں۔ مجھے یقین ہے جنگ شروع ہو گئی ہے اور اس علاقے پر جرمن فوجیں اترنے والی ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی جزیرے پر بم گرنے شروع ہو گئے۔ زبردست دھماکے شروع ہو گئے۔ جزیرے کی زمین اوپر تلے ہونے لگی۔ جیسے آتش فشاں پہاڑ پھٹ رہے ہوں، زلزلہ آگیا تھا۔ عنبر اور مینا زمین کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ اور بمباری کے دھماکے انہیں اوپر نیچے اچھال رہے تھے خدا خدا کرکے بمباری بند ہوئی اور جرمن جہاز واپس چلے گئے۔ وہ اٹھ کر درختوں سے باہر نکلے تو انہوں نے سب سے پہلے جو تباہی دیکھی وہ یہ تھی کہ ان کی کشتی کے ٹکڑے پانی میں تیر رہے تھے۔

جزیرے میں جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا اور درخت ٹوٹ کر ادھر ادھر گرے پڑے تھے۔ ساحل کی ریت پر جگہ جگہ گہرے گڑھے پڑ گئے تھے۔ عنبر نے کہا۔

"جنگ شروع ہو چکی ہے۔ یہ اچھی بات نہیں ہوئی۔ اب ہمارا یہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

مینا پریشان تھی۔ اس کا رنگ زرد تھا۔

"کیا ہم جنوبی سمندروں کی طرف نہیں نکل سکتے عنبر؟"

عنبر نے کہا۔ "اگر نکل بھی سکتے تو اب کیا سمندر کے اوپر پیدل چل کر جائیں گے۔ ہمارے پاس تو ایک چھوٹی سی کشتی کیا ایک تختہ بھی نہیں ہے۔ اور ویسے بھی اب سمندروں پر دشمنوں کے جہاز گشت کر رہے ہوں گے۔ ہمارا کھلے سمندر میں نکلنا بے حد خطرناک ہو سکتا ہے۔"

مینا نے کہا۔ "تو پھر کیا ہم اس جزیرے میں ساری عمر گزار دیں گے"

"نہیں۔ ہم اس جزیرے میں بھی نہیں رہ سکیں گے۔"

"وہ کیوں؟" مینا نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔ "اس لئے کہ اس جزیرے پر جرمنوں نے یونہی بمباری نہیں کی۔ تھوڑی دیر بعد ان کے فوجی دستے ایک بحری جہاز میں سوار ہو کر یہاں آجائیں گے اور پھر اس جزیرے پر قبضہ کرکے وہ یہاں چھاؤنی ڈالیں گے۔ ہوائی اڈہ بنائیں گے اور یہاں سے ان کے بمبار جہاز اڑ کر دشمن کے ملکوں میں جا کر بمباری کیا کریں گے۔"

مینا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ "میرے اللہ! اب کیا ہوگا؟"

عنبر نے کہا۔ "اس کے باوجود ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے
ہم یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔ میرے ساتھ
آؤ۔ ابھی کچھ وقت ہے کہ ہم جنوبی سمندروں کی طرف
نکل بھاگیں۔"

"مگر ہمارے پاس تو ایک کشتی بھی نہیں ہے۔"

عنبر نے کہا۔ "ہم اپنی ٹوٹی پھوٹی کشتی کو جوڑنے کی کوشش کریں
گے۔" "آؤ میرے ساتھ۔"

عنبر نے مینا کو ساتھ لیا اور وہ اس جگہ آگئے جہاں ان کی کشتی
کے ٹکڑے کچھ سمندر میں تیر رہے تھے اور کچھ ریت پر بکھرے ہوئے
تھے۔ سمندر کے ٹکڑوں کو بھی لہروں نے واپس ساحل پر پھینک دیا
تھا۔ انہوں نے ایک ایک ٹکڑے کو دیکھا۔ کشتی بالکل ہی تباہ ہو چکی
تھی لکڑی کا ایک بھی ایسا تختہ سلامت نہیں تھا کہ جس پر بیٹھ کر
وہ سمندر میں روانہ ہو سکتے۔

عنبر نے مینا سے کہا۔ "یہ ہمارے کسی کام کی نہیں رہی۔"

"پھر کیا کریں؟"

سمندر کی طرف سے جہاز کے بھونپو کی زور زور سے آوازیں
آنے لگیں۔ عنبر نے سر گھما کر دیکھا۔ کچھ فاصلے پر ایک بہت بڑا جنگی
جہاز ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عنبر نے مینا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف
کھینچا اور کہا۔

"جرمن آگئے۔ بھاگو۔"

وہ دونوں جنگل کے اندر بھاگ گئے۔ درختوں میں جگہ جگہ آگ
کی وجہ سے ابھی تک دھواں اٹھ رہا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح اپنی
جھونپڑی کے پاس پہنچ گئے۔ ان کی جھونپڑی بمباری سے بچی ہوئی تھی
وہ جھونپڑی میں جا کر گر پڑے۔ عنبر تو خیر بالکل نہیں تھکا تھا اور نہ
گھبرایا ہوا تھا۔ مینا بہت پریشان تھی اور عنبر اس کی وجہ سے پریشان
تھا۔ مینا نے کہا۔

"پہلے معلوم تو کر لیں کہ یہ جہاز جرمنوں کے ہیں یا نہیں۔ کیا
معلوم یہ انگریزوں یا فرانسیسیوں کے جہاز ہوں۔"

عنبر نے کہا۔ "میں اتنا احمق نہیں ہوں جو جہاز بم برسانے آئے
تھے ان کے پروں پر جرمنوں کا نشان سواستیکا بنا ہوا تھا"
یہ جنگ انگریزوں اور فرانسیسیوں کے خلاف جرمنوں نے
شروع کی ہے۔ ہٹلر سر پھرا لیڈر ہے تم دیکھ لینا وہ اس
قوم کو مروا دے گا۔"

مینا خود فرانس کی رہنے والی تھی۔ وہ اداس ہو کر بولی۔

"خدا جانے میرے ڈیڈی کس حال میں ہوں گے جرمنوں
نے پیرس پر بھی ضرور بمباری کی ہوگی۔"

عنبر نے کہا۔ "ہو سکتا ہے ابھی شہروں پر بمباری کا سلسلہ شروع
نہ ہوا ہو۔ خیر ان باتوں کو چھوڑو۔ پہلے تو یہ سوچو کہ ہم

یہاں سے بھاگ کر کہاں جائیں۔ کیونکہ جرمن تھوڑی دیر میں اس جزیرے پر پہنچنے والے ہیں اور ان کی ایک پارٹی مشین گن لے کر اس سارے جنگل کی چھان بین بھی کرے گی۔ انہوں نے ہمیں دیکھ لیا تو یا تو گولی مار دیں گے یا پکڑ کر قید میں ڈال دیں گے۔ اور خدا جانے پھر کتنی مدت تک تمہیں ان جرمنوں کی قید میں رہنا پڑے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہو۔"

مینا نے جلدی سے کہا۔ "کیا تم میرے ساتھ نہیں ہوگے۔"

"ہاں ہاں۔ میرا مطلب ہے کہ میرے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے گا۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہی پکڑا جاؤں گا۔

مینا نے کہا۔ "تو پھر سب سے پہلے تو ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ ہم جزیرے کے جنوب کی طرف چلے جاتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے وہاں ایسی چٹانیں ہیں جن کے اندر غار ہیں۔ ہم ان غاروں میں پناہ لے سکتے ہیں۔"

عنبر کو مینا کی یہ تجویز پسند آئی۔ کیونکہ اس وقت جرمنوں سے بچنے کا سوال تھا۔ وہ کسی جگہ پر چھپ کر ہی وہاں سے بھاگنے کا پروگرام بنا سکتے تھے۔ انھوں نے جھونپڑی کو توڑ پھوڑ دیا۔ تاکہ جرمنوں کو شک نہ پڑے کہ وہاں کوئی رہتا تھا۔ جھونپڑی کو توڑنے پھوڑنے کے بعد وہ درختوں میں سے گزرتے ہوئے جزیرے کے جنوبی ساحل کی طرف روانہ ہوگئے

ادھر ساحل پر جرمنوں کا جنگی جہاز آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور جرمن فوجی دستے ساحل پر اترنا شروع ہو گئے تھے۔ ساحل پر اترتے ہی انہوں نے جگہ جگہ مورچے کھودنے شروع کر دیئے۔ بارکیں بنانے کے لئے بنیادیں کھودی جانے لگیں۔ جہاز پر سے عمارتی سامان اتارا جانے لگا۔ یہ کوئی ایک ہزار کے قریب فوجی تھے۔ جہاز پر سے چھ ٹینک بھی اتارے گئے۔ کئی توپیں اتاری گئیں اور طیارہ شکن توپیں ساحل کے ساتھ ساتھ لگا دی گئیں تاکہ اگر دشمن کے جہاز بمباری کرنے آئیں تو انہیں مار گرایا جائے۔

جنگل میں کوئی دو گھنٹے چلنے کے بعد مینا اور عنبر جزیرے کے جنوبی ساحل کی چٹانوں میں پہنچ گئے۔ یہ چٹانیں سمندر میں بھی نکلی ہوئی تھیں اور ساحل کے ریت پر بھی جگہ جگہ پھیلی ہوئی تھیں۔ مینا ان چٹانوں میں ایک دو بار آ چکی تھی۔ وہ عنبر کو لے کر ان چٹانوں کے اندر آ گئی۔ یہاں ایک چٹان کے اندر سرنگ بنی ہوئی تھی۔ مینا نے کہا۔ "اس سرنگ میں ہم پناہ لے سکتے ہیں۔" وہ سرنگ میں داخل ہو گئے۔ آگے جا کر سرنگ کی چھت اتنی نیچی ہو گئی کہ انہیں جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔ ایک طرف دیوار میں گہرا شگاف تھا۔ مینا نے کہا۔

"اس شگاف کے اندر جاکر ہم اپنا ڈیرا بنالیں گے ایک بار میں نے اس شگاف میں رات بسر کی تھی۔ یہاں سانپ بچھو کا ڈر ضرور ہوتا ہے۔ مگر ہم ہلکی سی آگ روشن کریں گے۔"

عنبر نے شگاف کے اندر جاکر دیکھا، یہ چھوٹی سی گول دائرے کی شکل کی پتھریلی زمین تھی۔ چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ عنبر نے کہا:

"ہمیں اب کھانے پینے کے لئے ناریل اور پھل لاکر یہاں رکھنے ہوں گے۔"

مینا کہنے لگی۔ "ہم رات کو جنگل میں جاکر پھل وغیرہ اکٹھے کرکے لے آئیں گے۔"

"نہیں۔ یہ کام ہمیں ابھی کرنا ہوگا۔ تم یہاں ٹھہرو میں جاکر کچھ گرے پڑے ناریل اٹھاکر لاتا ہوں۔ ناریل ہماری پیاس بھی بجھادیں گے اور ہماری بھوک بھی مٹائیں گے۔"

عنبر نے مینا کو چٹان کے شگاف کے اندر چھوڑا اور خود چٹان سے نکل کر ساحل کی ریت پر چلتا جنگل میں داخل ہوگیا یہاں ساحل پر ناریل کے درخت نہیں تھے۔ ناریل کے درخت جنگل کے اندر جاکر تھے۔ عنبر درختوں میں چلا گیا۔ ناریل کے

درختوں کی تلاش میں وہ جزیرے کے شمالی علاقے کی طرف آگیا۔ یہاں ناریل کے جھنڈ ہی جھنڈ کھڑے تھے اور زمین پر بھی بمباری کے دھماکوں کی وجہ سے کئی درخت ٹوٹ کر گرے ہوئے تھے عنبر ایک جگہ ناریل اکٹھے کرنے لگا۔

اس کا خیال تھا کہ وہ یہاں سے رات کے وقت آکر ناریل کسی چیز میں ڈال کر لے جائے گا۔ ناریلوں کا ڈھیر لگا کر وہ واپس جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اچانک اس کے سامنے چار جرمن فوجی آن کھڑے ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں جن کا رخ عنبر کی طرف تھا۔ انہوں نے سروں پر لوہے کے ہلمٹ پہن رکھے تھے۔

"ہینڈز اپ"

عنبر پہلے تو ان کو تکتا ہی رہ گیا۔ پھر ا
کردیئے۔ وہ مینا کو بچانا چا
وہ خو
آگر

"میں اکیلا ہوں۔ میرا جہاز ڈوب گیا تھا میں دو مہینے سے اس جزیرے پر اکیلا رہ رہا ہوں۔"

جرمن کپتان نے حیرت سے پوچھا:

"تم جرمن زبان کیسے جانتے ہو؟"

عنبر نے کہا۔ "میں برلن میں دو سال رہا ہوں"

جرمن مسکرایا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ دو فوجی آگے بڑھے انہوں نے عنبر کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے اور اسے لے جاکر ایک خندق میں قید کر دیا۔ ابھی ان کی بارکیں نہیں بنی تھیں۔ اس لئے قیدی کو خندق میں ہی رکھا گیا۔ اس نے جرمن کپتان کو کہتے سُنا "اگر یہ اپنے ساتھیوں کے بارے میں نہ بتائے تو اسے گولی مار دینا"

عنبر خاموش رہا۔ وہ سوچنے لگا۔ اگر وہ اسی جگہ قید رہا تو مینا کا کیا بنے گا۔ کہیں یہ لوگ اسے بھی گرفتار نہ کریں۔ کیا وہ بھی [illegible] مینا کے پاس پہنچ جائے۔ لیکن اسے [illegible] ساتھ میں جاکر کچھ گرے پر[illegible]شانی میں پھنس گیا تھا۔ اس ناریل ہماری پیاس بھی بجھا دیں گے اور [illegible] فیصلہ کرلیا تھا بھی مٹائیں گے۔"

عنبر نے مینا کو چٹان کے شگاف کے اندر چھوڑا اور خود چٹان سے نکل کر ساحل کی ریت پر چلتا جنگل میں داخل ہو گیا یہاں ساحل پر ناریل کے درخت نہیں تھے۔ ناریل کے درخت جنگل کے اندر جاکر تھے۔ عنبر درختوں میں چلتا گیا۔ ناریل کے

آدم خوروں سے فرار

اے حمید

موت کا تعاقب ۹۹
تاریخ کی پُراسرار اور دلچسپ داستان

آدم خوروں سے فرار

•

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

طابع : شیخ نیاز احمد

مطبع : غلام علی پرنٹرز

جامعہ اشرفیہ، اچھرہ، لاہور

قیمت : Rs 10..00

مقام اشاعت :

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز،

۱۹۹- سرکلر روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۔ ۵۴۰۰۰

ISBN 969-31-046[illegible]-5

- پراسرار قیدی
- سانپوں کا جزیرہ
- آدم خوروں سے فرار
- چھت پر موت
- سمندری بھوت

پیارے بچو!

عنبر کو دشمنوں نے جزیرے کی ایک خندق میں قید کر دیا۔ عنبر کو اپنی نہیں بلکہ اس انگریز لڑکی کی پریشانی تھی جو اس جزیرے کی ایک غار میں چھپی ہوئی عنبر کا انتظار کر رہی تھی۔ دوسری طرف ناگ اور ماریا لندن کے ایک سانپوں کے علاج کے ہسپتال میں عنبر کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ عنبر کو ڈر ہے کہ جرمن سپاہی کہیں انگریز لڑکی کو غار میں نہ تلاش کر لیں۔ عنبر تو بچ سکتا تھا مگر وہ لڑکی اگر ان درندوں کے ہاتھ آ گئی تو زندہ نہیں بچ سکتی تھی۔ پس عنبر نے فیصلہ کر لیا کہ وہ یہاں سے فرار ہو کر انگریز لڑکی کو ساتھ لے کر جزیرے کے جنوب میں چلا جائے گا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ آپ خود پڑھیں گے تو زیادہ لطف اٹھائیں گے۔

عنبر سارا دن خندق میں قید رہا۔

اسے بہت تھوڑا کھانے کو دیا گیا۔ جب رات ہوئی تو اسے خندق سے نکال کر جرمن کیپٹن کی بارک میں اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ جرمن کیپٹن غضب ناک نظروں سے عنبر کو گھورتے ہوئے بولا۔

"بلیک سوائن! کالے سور۔ بتاؤ تمہارے ساتھ اور کون کون ہے اور تم کب سے اس جزیرے میں انگریزوں کی جاسوسی کر رہے ہو؟"

عنبر کو پہلے تو بڑا غصہ آیا۔ اس نے سوچا کہ اسے اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے مگر پھر مینا کا خیال آ گیا اور وہ اپنے غصے کو پی گیا۔ اگر وہ جزیرے پر اکیلا ہوتا تو ابھی اس جرمن کیپٹن کو مزا چکھا دیتا۔ مگر مشکل یہ تھی کہ اس کے ساتھ پرس کے پروفیسر کی اکلوتی بیٹی مینا بھی جزیرے میں تھی جو جہاز کے ڈوب جانے کے بعد کسی نہ کسی طرح اس جزیرے پر پہنچ

گئی تھی اور جس کو عنبر جزیرے کی جنوبی چٹانوں کی سرنگ میں
چھپا کر ادھر آیا تھا کہ پکڑا گیا۔ جزیرے پر جرمن فوج نے آ
کر قبضہ کر لیا تھا۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی۔ عنبر
نے بڑے حوصلے سے کہا۔

"میرے ساتھ یہاں کوئی نہیں ہے اور میں کسی
بھی ملک کا جاسوس نہیں ہوں۔ ایک سمندری
جہاز میں سفر کر رہا تھا کہ جہاز طوفان میں پھنس
کر غرق ہو گیا۔ میں ایک تختے پر بیٹھ کر اس
جزیرے میں آ گیا۔ بس اس کے سوا میں کچھ نہیں
جانتا۔"

"بکواس کرتے ہو۔"

جرمن کیپٹن نے اٹھ کر عنبر کو زور سے لات ماری۔ مگر پھر
وہ خود اپنی ٹانگ بھی سہلانے لگا۔ کیونکہ عنبر کو لات مارنے
سے اسے بھی پاؤں کو دھچکا سا لگا تھا۔ مگر وہ اس بات کو
سمجھ نہ سکا۔ بلکہ غصہ کھا کر عنبر کے سر پر پستول مار کر بولا۔

"اگر تم نے اپنے ساتھیوں کے بارے میں نہ بتایا
تو تمہیں گولی مار دوں گا۔ بتاؤ تمہارے ساتھی کہاں
چھپے ہیں۔"

جرمنوں کو یہ خطرہ تھا کہ اگر عنبر کے ساتھی اس جزیرے میں کہیں

چھپے ہوئے ہیں تو کہیں وہ رات کو چھاپہ مار کر گولہ بارود
کے ذخیرے کو آگ نہ لگا دیں۔ جب عنبر نے کچھ نہ بتایا
تو جرمن کیپٹن نے اپنے پاس کھڑے سپاہی کو اشارہ کیا اور خود
اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ عنبر کے دونوں ہاتھوں
کو پیچھے باندھ کر ان میں ہتھکڑی ڈال دی گئی تھی۔ سپاہی
نے عنبر کو آگے دھکا دے کر کہا۔

"چلو باہر درختوں کے پاس۔"

عنبر نے یونہی پوچھا۔

"وہاں لے جا کر کیا کرو گے؟"

سپاہی نے کہا۔

"گولی سے اڑا دوں گا۔ مجھے حکم ملا ہے کہ تمہیں
گولی سے اڑا دوں۔ نہیں تو اب بھی اپنے
ساتھیوں کا ٹھکانہ بتا دو۔ ابھی چند منٹ تمہاری
زندگی کے باقی ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"اچھا۔ میں صرف تمہیں بتاؤں گا اور کسی کو نہیں۔"

سپاہی بڑا خوش ہوا۔ کیونکہ اس طرح سے اس کی ترقی
ہو سکتی تھی۔ اس نے عنبر سے کہا۔
مجھے بتا دو میں کیپٹن سے سفارش کر کے تمہیں

"جزیرے میں آزاد کرا دوں گا۔ تم یہاں آزادی
سے گھوم پھر سکو گے۔ لیکن تمہیں سچ بولنا
ہوگا۔ اور اپنے ساتھیوں کو گرفتار کروانا ہوگا۔"

عنبر نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ میں انہیں گرفتار کرا دوں گا پہلے
تم باہر درختوں کے پاس چلو۔ کیونکہ مجھے ڈر ہے
یہاں کوئی سن لے گا اور وہ میرے ساتھی مجھے
غداری کی وجہ سے اسی وقت گولی مار دیں گے
تمہیں نہیں معلوم وہ ہر جگہ میری حفاظت کر رہے
ہوتے ہیں۔"

جرمن سپاہی عنبر کو ساتھ لے کر فوجی پارک سے ذرا دور
درختوں کے پاس آ گیا۔ یہاں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ عنبر جرمن
سپاہی کو بارکوں سے کچھ فاصلے پرے جا کر اپنا حملہ شروع کرنا
چاہتا تھا تاکہ وہ گولی بھی نہ چلا سکے اور شور بھی نہ مچا سکے
اور اگر کوئی آواز نکالے بھی تو بارکوں میں سوئے ہوئے فوجی
یا پہرے دار اس کی مدد کو نہ آ جائیں۔

درختوں کے اندھیرے میں آتے ہی جرمن سپاہی نے رائفل
تان لی اور عنبر سے کہا۔

"بتاؤ اپنے ساتھیوں کے نام۔ نہیں تو ابھی
گولی سے اڑاتا ہوں۔"

عنبر نے کہا۔

"یار پہلے میری ہتھکڑی تو کھولو۔"

جرمن سپاہی غرایا۔

"ہرگز نہیں۔ میں ہتھکڑی نہیں کھولوں گا پہلے
اپنے ساتھی جاسوسوں کے نام بتاؤ۔"

عنبر کو معلوم تھا کہ ایک گولی چلنے تک وہاں کوئی جرمن
سپاہی نہیں آئے گا۔ کیونکہ جرمن کپتان نے سپاہی کو
بھیجا ہی اس لئے ہے کہ وہ عنبر کو گولی سے اڑا دے۔ جب گولی چلے
گی تو بارک میں جرمن کپتان یہ ہی سمجھے گا کہ عنبر کو گولی سے اڑا دیا گیا ہے۔
بس اسی ایک گولی کے بعد عنبر جرمن سپاہی پر قابو پالینا چاہتا تھا۔

جرمن سپاہی کے جواب میں عنبر نے کہا۔

"میرے قریب آؤ میں تمہیں اپنے ساتھیوں کے
نام اور ان کا ٹھکانہ بتاتا ہوں۔"

اتنی دیر میں ذرا سا زور لگا کر عنبر نے اپنے ہاتھوں کی ہتھکڑی
پیچھے ہی پیچھے توڑ ڈالی اور ہتھکڑی ایک ہاتھ میں پکڑ لی۔
جرمن سپاہی نے بندوق کا رخ عنبر کے سینے کی طرف کیا ہوا

تھا۔ وُہ آگے آیا تو عنبر نے اس کی بندوق کی نالی کو ہاتھ سے پکڑ کر آگے کھینچا۔ سپاہی نے بندوق چلادی۔ دھماکہ ہُوا اور گولی عنبر کی ہتھیلی سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔ عنبر اب نہیں چاہتا تھا کہ جرمن سپاہی شور مچاتے۔ کیوں کہ اس کے شور سے بارکوں کے سارے فوجی جمع ہو سکتے تھے اور عنبر کی سکیم لیٹ ہو جاتی۔ اسے خواہ مخواہ ایک بار پھر یہی کام کرنا پڑتا۔ اس نے جرمن سپاہی کی رائفل کی نالی کو دہرا کر دیا تھا۔ عنبر کی اتنی طاقت دیکھ کر جرمن سپاہی کی آنکھیں کھل چکی تھیں۔ عنبر نے اسے زیادہ حیران رہنے کا موقعہ نہ دیا اور اس سے پہلے کہ وُہ شور مچاتا عنبر نے اسے گردن سے دبوچ کر اپنے قریب کر لیا۔

جرمن سپاہی کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں۔ عنبر نے جرمن زبان میں کہا۔

"میں بھوت ہوں۔ بہت زیادہ طاقت ور بھوت ہوں۔ میں نے تمہارے رائفل کی اتنی مضبوط فولاد کی نالی کو دوہرا کر دیا ہے۔ تمہارے سامنے اب میں تمہیں بھی دہرا کر دوں گا۔"

اور اس سے پہلے کہ جرمن سپاہی شور مچاتا یا وہاں سے

بھاگ جاتا اس نے اس کی گردن کو اس وقت چھوڑا جب اس کی روح اس کے جسم اور اس کی وردی سے نکل کر خدا جانے کہاں پرواز کر رہی تھی۔ اسے ٹھکانے لگانے کے بعد عنبر رات کے اندھیرے میں وہاں سے بھاگ کر سیدھا سمندر کے ساحل پر آگیا۔ اس جگہ جرمنوں نے کچھ مورچے بنا رکھے تھے۔ عنبر ان مورچوں کے پیچھے سے ہوتا ہُوا چٹان کے پاس آگیا۔ جب وہ غار میں داخل ہُوا تو مینا اس کے انتظار میں خوف سے زرد ہو رہی تھی۔ عنبر نے اسے سارا واقعہ سنایا مگر اسے یہ نہ بتایا کہ گولی نے اس پر اثر نہیں کیا تھا۔ بلکہ صرف اتنا ہی کہا کہ وہ بڑی مشکل سے جرمنوں سے جان بچا کر بھاگا ہے۔ مینا نے کہا۔

"اب ہمارا یہاں اپنا رہنا مناسب نہیں ہے۔ جرمن فوج تمہاری تلاش میں ان چٹانوں میں بھی آئے گی اور یہاں آنسو گیس یا زہریلی گیس بھی پھینک سکتی ہے تاکہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں وہاں سے نکل آئیں۔"

عنبر بھی یہی سوچ رہا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جرمن فوج جب اس کی تلاش میں نکلے گی تو پھر چٹانوں کا یہ غار ان سے چھپ نہیں سکے گا۔ باقی رات وُہ یہی سوچتے رہے کہ وہاں

سے نکل کر کہاں جائیں۔ جزیرے کے چاروں طرف سمندر تھا۔ ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں تھا کہ وہ سمندر میں آسانی سے سفر کر سکتے۔ اس کے علاوہ جنگ شروع ہو چکی تھی اور سمندر میں دشمن فوج کے جہاز اور آبدوزیں عام پھر رہی تھیں۔ وہ کسی جگہ بھی گرفتار ہو سکتے تھے۔ یا پھر لڑاکا طیارے انہیں گولیاں مار کر ہلاک کر دیتے۔ عنبر نے مینا سے پوچھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ہم دن نکلنے سے پہلے پہلے اس جگہ کو چھوڑ دیں اور جزیرے کے اندر جنگل میں جا کر چھپنے کے لئے کوئی خفیہ جگہ بنائیں۔ کیونکہ یہاں ہم جرمنوں سے بچ نہیں سکیں گے۔"

"تو پھر ابھی نکل چلتے ہیں۔"

عنبر اور مینا رات کے اندھیرے میں ہی چٹان کے غار میں سے نکل کر سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ سمندر سے ہٹ کر سامنے والے درختوں کی قطار کے ساتھ چل رہے تھے۔ رات ڈھلنے لگی تھی۔ کوئی دم میں صبح ہونے والی تھی۔ ایک جگہ سے پتلی سی پگڈنڈی جنگل میں داخل ہوتی تھی۔ عنبر نے مینا کو ساتھ لیا اور جنگل میں داخل ہو گیا۔ جنگل میں کافی آگے جا

کر درخت جھکے جھکے تھے اور ان کے تنے کافی بڑے تھے۔ ان میں ہی ایک جگہ کچھ درختوں نے ایک گول دائرہ سا بنا لیا تھا۔ اس دائرے کے اندر چھوٹا سا ٹیلہ بنا ہُوا تھا۔ اس ٹیلے پر گھاس اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ دن کی روشنی جنگل میں آنا شروع ہو گئی تھی۔ اس ٹیلے کے پیچھے درختوں کے قریب ہی ایک اور مٹی کا ٹیلہ تھا جو بہت بڑی قبر کی طرح اوپر کو اُبھرا ہُوا تھا۔ اس ٹیلے میں ایک جگہ کسی جنگلی درندے نے پنجوں سے کھود کھود کر اندر ایک کھوہ سی بنا رکھی تھی۔

عنبر نے مینا کو باہر ہی چھوڑا اور خود اس کھوہ کے اندر جھک کر داخل ہو گیا تاکہ اگر اندر کوئی سانپ وغیرہ ہو تو وُہ اس کا پہلے ہی سے صفایا کر دے۔ کھوہ اندر سے کافی کھلی تھی۔ اگرچہ اندر کھڑا نہیں ہُوا جاتا تھا۔ کیونکہ چھت نیچی تھی۔ زمین صاف تھی۔ عنبر نے مینا کو اندر بلا لیا۔

"یہ مجھے کسی درندے کا بھٹ لگتا ہے۔ مینا نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"اگر کوئی ریچھ یا شیر اندر آگیا تو کیا ہوگا؟" عنبر نے کہا

"میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ لیکن سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں یہاں ناریل لا کر رکھنے ہوں گے تاکہ ہم بھوکوں مرنے سے بچ سکیں۔ تم یہاں آرام کرو میں جنگل سے ناریل چن کر لاتا ہوں۔"

مینا نے کہا۔

"یہاں میں کیا آرام کروں گی۔ یہاں تو میں بے آرام ہی رہ سکتی ہوں۔ ہاں۔ تم جلدی واپس آجانا۔ زیادہ دور نہ جانا۔"

"نہیں نہیں۔ یہاں قریب ہی ناریل کے بیشمار درخت ہیں۔ ابھی گیا۔ ابھی آیا۔ کیونکہ دن کے وقت باہر نکلنا خطرناک ہوگا۔ اگر جرمن سپاہی ادھر بھی تو آئیں گے۔"

اور جو انھوں نے یہ کھوہ دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟

"میں اس کے آگے جھاڑیاں توڑ کر

دوں گا۔ باہر سے کسی کو شک ہی نہیں پڑے گا کہ یہاں کوئی کھوہ ہے۔"

عنبر ناریل لینے چلا گیا۔ پچاس قدم کے فاصلے پر کتنے ہی ناریل زمین پر گرے پڑے تھے۔ عنبر نے اپنے لمبے کرتے میں جتنے ناریل آسکتے تھے بھر لیے اور واپس مینا کے پاس آگیا۔ پھر عنبر نے بہت ہی جھاڑیاں توڑ کر کھوہ کے منہ میں سے باہر کو نکال کر رکھ دیں۔ ناریل انھوں نے اندر کونے میں ڈھیر لگا کر رکھ لیے۔ عنبر نے دو ناریل توڑ ڈالے۔ دونوں نے ان کا میٹھا سفید پانی پیا۔ ناریل کے میٹھے پانی نے ان کی رگوں کو تروتازہ کر دیا۔ پھر وہ اس کا گودا نکال کر کھانے لگے۔ سارا دن وہ اسی خفیہ ٹھکانے میں چھپے رہے۔ دوپہر اور شام کو بھی انھوں نے ناریل ہی کھائے اور ان کا پانی پی لیا۔ رات سر پر آگئی۔ ابھی رات کا پہلا پہر ہی تھا۔ یہی کوئی سات آٹھ بجے ہوں گے کہ انہیں جنگل میں کچھ آوازیں سنائی دیں۔ مینا نے عنبر سے کہا۔

"اگر کوئی ریچھ یا شیر اندر آگیا تو کیا ہو گا؟"
عنبر نے کہا
"میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔
لیکن سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں
یہاں ناریل لا کر رکھنے ہوں گے تاکہ ہم
بھوکوں مرنے سے بچ سکیں۔ تم یہاں
آرام کرو میں جنگل سے ناریل چن کر لاتا
ہوں۔"
مینا نے کہا۔

"یہاں میں کیا آرام کروں گی۔ یہاں تو میں
بے آرام ہی رہ سکتی ہوں۔
ہاں۔ تم جلدی واپس آ جانا۔ زیادہ دور نہ
جانا۔"

"نہیں نہیں۔ یہاں قریب ہی ناریل کے بیشمار
درخت ہیں۔ ابھی گیا۔ ابھی آیا۔ کیونکہ دن
کے وقت باہر نکلنا خطرناک ہو گا۔ اگر جرمن
سپاہی ادھر بھی تو آئیں گے۔"
اور جو انہوں نے یہ کھوہ دیکھ لیا تو کیا ہو گا؟
"میں اس کے آگے جھاڑیاں توڑ کر

دوں گا۔ باہر سے کسی کو شک ہی نہیں
پڑے گا کہ یہاں کوئی کھوہ ہے۔"
عنبر ناریل لینے چلا گیا۔ پچاس قدم کے فاصلے
پر کتنے ہی ناریل زمین پر گرے پڑے تھے۔ عنبر
نے اپنے لمبے کرتے میں جتنے ناریل آ سکتے تھے
بھر لیے اور واپس مینا کے پاس آ گیا۔ پھر
عنبر نے بہت ہی جھاڑیاں توڑ کر کھوہ کے منہ
میں سے باہر کو نکال کر رکھ دیں۔ ناریل انہوں
نے اندر کونے میں ڈھیر لگا کر رکھ لیے۔ عنبر
نے دو ناریل توڑ ڈالے۔ دونوں نے ان کا میٹھا
سفید پانی پیا۔ ناریل کے میٹھے پانی نے ان کی
رگوں کو تروتازہ کر دیا۔ پھر وہ اس کا گودا
نکال کر کھانے لگے۔ سارا دن وہ اسی خفیہ
ٹھکانے میں چھپے رہے۔ دوپہر اور شام کو بھی
انہوں نے ناریل ہی کھائے اور ان کا پانی
پی لیا۔ رات سر پر آ گئی۔ ابھی رات کا پہلا
پہر ہی تھا۔ یہی کوئی سات آٹھ بجے ہوں گے
کہ انہیں جنگل میں کچھ آوازیں سنائی دیں۔ مینا
نے عنبر سے کہا۔

سے نکل کر کہاں جائیں۔ جزیرے کے چاروں طرف سمندر
تھا۔ ان کے پاس کوئی ایسا ذریعہ بھی نہیں تھا کہ وہ سمندر
میں آسانی سے سفر کر سکتے۔ اس کے علاوہ جنگ شروع
ہو چکی تھی اور سمندر میں دشمن فوج کے جہاز اور آبدوزیں عام
پھر رہی تھیں۔ وہ کسی جگہ بھی گرفتار ہو سکتے تھے۔ یا پھر لڑاکا
طیارے انہیں گولیاں مار کر ہلاک کر دیتے۔ عنبر نے مینا سے
پوچھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ہم دن نکلنے سے پہلے پہلے
اس جگہ کو چھوڑ دیں اور جزیرے کے اندر جنگل
میں جا کر چھپنے کے لئے کوئی خفیہ جگہ بنائیں۔ کیونکہ
یہاں ہم جرمنوں سے بچ نہیں سکیں گے۔"

"تو پھر ابھی نکل چلتے ہیں۔"

عنبر اور مینا رات کے اندھیرے میں ہی چٹان کے غار
میں سے نکل کر سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی
طرف روانہ ہو گئے۔ وہ سمندر سے ہٹ کر سامنے والے
درختوں کی قطار کے ساتھ چل رہے تھے۔ رات ڈھلنے
لگی تھی۔ کوئی دم میں صبح ہونے والی تھی۔ ایک جگہ سے
پتلی سی پگڈنڈی جنگل میں داخل ہوتی تھی۔ عنبر نے مینا کو
ساتھ لیا اور جنگل میں داخل ہو گیا۔ جنگل میں کافی آگے جا

کر درخت جھکے جھکے تھے اور ان کے تنے کافی
بڑے تھے۔ ان میں ہی ایک جگہ کچھ درختوں نے
ایک گول دائرہ سا بنا لیا تھا۔ اس دائرے کے
اندر چھوٹا سا ٹیلہ بنا ہوا تھا۔ اس ٹیلے پر گھاس
اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ دن کی روشنی جنگل
میں آنا شروع ہو گئی تھی۔ اس ٹیلے کے پیچھے
درختوں کے قریب ہی ایک اور مٹی کا ٹیلہ تھا
جو بہت بڑی قبر کی طرح اوپر کو اُبھرا ہوا تھا۔
اس ٹیلے میں ایک جگہ کسی جنگلی درندے نے پنجوں
سے کھود کھود کر اندر ایک کھوہ سی بنا رکھی تھی۔
عنبر نے مینا کو باہر ہی چھوڑا اور خود اس
کھوہ کے اندر جھک کر داخل ہو گیا تاکہ اگر اندر
کوئی سانپ وغیرہ ہو تو وُہ اس کا پہلے ہی سے
صفایا کر دے۔ کھوہ اندر سے کافی کھلی تھی۔
اگرچہ اندر کھڑا نہیں ہُوا جاتا تھا۔ کیونکہ چھت
نیچی تھی۔ زمین صاف تھی۔ عنبر نے مینا کو اندر
بلا لیا۔

"یہ مجھے کسی درندے کا بھٹ لگتا ہے۔" مینا نے
ڈرتے ہوئے کہا۔

"اگر کوئی ریچھ یا شیر اندر آگیا تو کیا ہوگا؟"
عنبر نے کہا

"میں اسے سنبھال لوں گا۔ تم فکر نہ کرو۔ لیکن سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں یہاں ناریل لاکر رکھنے ہوں گے تاکہ ہم بھوکوں مرنے سے بچ سکیں۔ تم یہاں آرام کرو میں جنگل سے ناریل چن کر لاتا ہوں۔"

مینا نے کہا۔

"یہاں میں کیا آرام کروں گی۔ یہاں تو میں بے آرام ہی رہ سکتی ہوں۔
ہاں۔ تم جلدی واپس آجانا۔ زیادہ دور نہ جانا۔"

"نہیں نہیں۔ یہاں قریب ہی ناریل کے بیشمار درخت ہیں۔ ابھی گیا۔ ابھی آیا۔ کیونکہ دن کے وقت باہر نکلنا خطرناک ہوگا۔ اگر جرمن سپاہی ادھر بھی تو آئیں گے۔"
اور جو انہوں نے یہ کھوہ دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟
"میں اس کے آگے جھاڑیاں توڑ کر

دوں گا۔ باہر سے کسی کو شک ہی نہیں پڑے گا کہ یہاں کوئی کھوہ ہے۔"

عنبر ناریل لینے چلا گیا۔ پچاس قدم کے فاصلے پر کتنے ہی ناریل زمین پر گرے پڑے تھے۔ عنبر نے اپنے لمبے کرتے میں جتنے ناریل آسکتے تھے بھر لیے اور واپس مینا کے پاس آگیا۔ پھر عنبر نے بہت ہی جھاڑیاں توڑ کر کھوہ کے منہ میں سے باہر کو نکال کر رکھ دیں۔ ناریل انہوں نے اندر کونے میں ڈھیر لگا کر رکھ لیے۔ عنبر نے دو ناریل توڑ ڈالے۔ دونوں نے ان کا میٹھا سفید پانی پیا۔ ناریل کے میٹھے پانی نے ان کی رگوں کو تروتازہ کر دیا۔ پھر وہ اس کا گودا نکال کر کھانے لگے۔ سارا دن وہ اسی خفیہ ٹھکانے میں چھپے رہے۔ دوپہر اور شام کو بھی انہوں نے ناریل ہی کھائے اور ان کا پانی پی لیا۔ رات سر پر آگئی۔ ابھی رات کا پہلا پہر ہی تھا۔ یہی کوئی سات آٹھ بجے ہوں گے کہ انہیں جنگل میں کچھ آوازیں سنائی دیں۔ مینا نے عنبر سے کہا۔

"جرمن آ رہے ہیں۔ وہ ہماری تلاش میں ادھر آ رہے ہیں۔"
عنبر نے کہا۔

"خدا کا شکر کرو کہ یہاں وہ اپنے سراغرساں کتے ساتھ نہیں لائے۔ اگر کتے ساتھ لائے ہوتے تو ہمارا بچنا ناممکن تھا۔"
مینا کہنے لگی۔

"لیکن اب جو وہ ادھر آ رہے ہیں اس کا کیا کریں۔ وہ اندر آ گئے تو ہمیں گولیاں مار کر یہیں بھون دیں گے۔"
عنبر نے کہا۔

"تم یہیں چھپی رہو۔ میں باہر جا کر دیکھتا ہوں۔"

مینا اسے روکتی ہی رہ گئی مگر عنبر باہر نکل گیا۔ باہر نکل کر اس نے جھاڑیاں اسی طرح کھوہ کے منہ پر رکھ دیں اور خود اس طرف کو چل پڑا جدھر سے جرمن سپاہیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اندھیرے میں اسے وہ دکھائی نہیں دے رہے تھے لیکن ان

کی آوازیں قریب آتی جا رہی تھیں۔ عنبر ایک درخت کے پیچھے ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے تین سپاہی اندھیرے میں سے نکلتے دیکھے۔ انہوں نے رائفلیں ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھیں اور جھاڑیوں درختوں میں اِدھر اُدھر رائفلوں کے آگے لگی ہوئی سنگینیں مارتے باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ جب وہ آگے نکل گئے تو عنبر ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ اس نے دل میں فیصلہ کر رکھا تھا کہ اگر تو انہوں نے خفیہ ٹھکانے کو نہ دیکھا اور آگے نکل گئے تو وہ انہیں کچھ نہیں کہے گا۔ لیکن اگر انہوں نے کھوہ کا سراغ لگا لیا اور مینا کی زندگی خطرے میں پڑ گئی تو وہ حملہ کر دے گا۔ جرمن سپاہی قدم قدم پر جھاڑیوں کو اٹھا اٹھا کر دیکھتے ان میں سنگین گھونپتے آگے بڑھ رہے تھے۔ عنبر ان سے کوئی دس قدم پیچھے تھا اور پاؤں دبا دبا کر چل رہا تھا کہ اس کے قدموں کی چاپ بھی سنائی نہ دے جائے۔ جرمن سپاہی اب خفیہ ٹھکانے کے پاس پہنچ گئے تھے۔ دو سپاہی

آگے نکل گئے۔ اچانک ایک سپاہی وہیں رک گیا۔ یہاں کھوہ کے منہ کے آگے عنبر نے ابھی ابھی جھاڑیاں رکھی تھیں۔

اس جرمن سپاہی نے سنگین چلائی تو جھاڑیاں اوپر کو اٹھ گئیں۔ سپاہی نے جھانک کر دیکھا تو اسے ایک سوراخ نظر آیا۔ وہ اندر جانے ہی لگا تھا کہ عنبر نے پیچھے سے ایک جھاڑی کو زور سے یوں ہلا کر آواز پیدا کی جیسے کسی نے درخت کے اوپر سے نیچے چھلانگ لگائی ہو۔ ساتھ ہی اس نے "آہ" کی آواز بھی نکال دی۔

دو جرمن سپاہی پیچھے کو بھاگے۔ جو سپاہی خفیہ کھوہ میں جھانک رہا تھا وہ بھی جدھر سے جھاڑی پر کسی انسان کے چھلانگ لگانے کی آواز آئی تھی اُدھر کو بھاگا۔ عنبر ایک درخت کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔ اندھیرا بہت تھا۔ مگر جرمن سپاہیوں نے اب ٹارچیں نکال کر روشن کر لیں۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ان کا مفرور قیدی یہیں کسی جھاڑی میں چھپا ہُوا ہے۔ اس سے پہلے انہوں نے ٹارچ کی روشنی بالکل نہیں کی تھی۔

روشنی عنبر کے درخت پر بھی پڑی۔ مگر وہ اس کے پیچھے چھپا رہا۔ اس کی سکیم یہ تھی کہ جب آخری سپاہی اس کے قریب سے آگے کو گزرے گا تو وہ اسے پیچھے سے دبوچ لے گا اور آواز پیدا کیے بغیر اس کا گلا دبا کر ہلاک کر دے گا۔ کیونکہ عنبر نہیں چاہتا تھا کہ جنگل میں گولیاں چلنے کی آواز پیدا ہو اور پیچھے جرمن فوج کے دستے خبردار ہو کر ادھر آ جائیں۔ ایک آدھ گولی چلنے میں اگرچہ کوئی ہرج نہیں تھا۔ پھر بھی عنبر صرف مینا کی خاطر بے حد احتیاط سے کام لے رہا تھا۔

لیکن ایک جرمن سپاہی نے درخت کے پیچھے سے عنبر کی کہنی دیکھ لی جو ذرا باہر نکلی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے ساتھی سپاہیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ مفرور قیدی درخت کے پیچھے چھپا ہُوا ہے۔ تینوں سپاہی دونوں طرف سے درخت کی طرف بڑھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ بے خبری میں عنبر کو جا کر پکڑ لیں گے۔ عنبر اگرچہ بے خبر تھا مگر اسے پکڑنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

تینوں سپاہی ایک دم سے اچھل کر درخت کے

سامنے آگئے اور تینوں نے رائفلوں کا رخ عنبر کی طرف
کر دیا۔

"ہینڈز اپ۔"

عنبر نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ اس کی غار
سے حملہ کرنے کی سکیم ناکام ہو گئی تھی۔ سپاہیوں نے
عنبر کو آگے چلنے کو کہا۔ عنبر نے کہا۔

"میرا ایک ساتھی سامنے والے درخت کے
پیچھے ایک غار میں چھپا ہوا ہے۔ اسے
بھی ساتھ لے لو۔ بعد میں جو تم مجھے
اذیت دے کر پوچھتے پھرو گے۔"

ایک سپاہی نے کہا۔ "تم اتنی اچھی جرمن زبان
بول لیتے ہو۔ تم بڑے پکے جاسوس ہو۔"

عنبر نے کہا۔

"اگر میں جاسوس ہوتا تو تمہارے سامنے
کبھی جرمن زبان نہ بولتا۔ بلکہ گونگا بن
جاتا۔ میں جاسوس نہیں ہوں۔ جہاز کے
غرق ہو جانے سے اس جزیرے پر آ کر
پھنس گیا ہوں۔ میں مصر کا سوداگر ہوں
جڑی بوٹیوں کا کام کرتا ہوں۔"

تیسرے جرمن سپاہی نے رائفل کی سنگین عنبر کی گردن
پر رکھ دی اور کہا۔

"اپنی بکواس بند کرو اور آگے چلو۔"

عنبر نے کہا۔

"کم از کم میرے ساتھی کو تو غار کے اندر
سے نکال لاؤ۔ میرے بغیر وہ بھوکا مر
جائے گا۔ میں ہی تو جنگل میں جا کر اس
کے لیے ناریل جمع کر کے لاتا تھا۔ وہ
بے چارا چل نہیں سکتا۔"

تینوں سپاہیوں نے ایک طرف دیکھا اور پھر ایک
سپاہی نے دوسرے سے کہا۔

"تم ادھر جا کر دوسرے جاسوس کو پکڑ لاؤ۔"

عنبر نے کہا۔

"تمہیں غار نہیں مل سکے گی۔ مجھے ساتھ لے
کر جاؤ گے تو غار کا سراغ ملے گا۔"

"تو پھر چلو آگے۔"

عنبر آگے آگے جنگل کی دوسری طرف چل پڑا۔ وہ
انہیں اپنے خفیہ ٹھکانے سے زیادہ سے زیادہ دور لے
جانا چاہتا تھا۔

اور وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ فوجی بارکوں سے بھی
لوگ کچھ اور دور نکل آئیں۔ جب وہ جنگل میں کا
آگے نکل آئے تو ایک سپاہی نے کہا۔

"کہاں ہے وہ غار؟ ابھی تک آئی ہی نہیں۔"
عنبر نے کہا۔

"بس چند قدموں کے فاصلے پر ہے۔
آنے ہی والی ہے۔"

چند قدم اور آگے جاکر جرمن سپاہی رک گئے
انھوں نے عنبر کے ہاتھوں کو پیچھے رسی کے سا
باندھ ڈالا اور دھکا دے کر کہا۔

"تم ہمیں دھوکا نہیں دے سکتے۔ چلو
فوجی بارک کی طرف۔ تم پہلے بھاگ گئے
تھے۔ اب ہم تمہیں کیپٹن کے پاس لے
جاتے ہی گولی مار دیں گے۔"

دوسرے سپاہی نے کہا۔

"اس کا کوئی بھروسہ نہیں کہ یہ پھر بھاگ
جائے۔ اس لئے اسے یہیں گولی مار دیتے
ہیں اور کیپٹن کے پاس اس کا سر کاٹ
کر لے جاتے ہیں۔"

"اچھا خیال ہے۔" ایک سپاہی بولا۔

تیسرے نے پیٹی کے ساتھ لگا ہوا لمبا خنجر
نکال لیا اور بولا۔

"اسے گولی مارنے کی بھی کیا ضرورت
ہے۔ خواہ مخواہ ایک گولی ضائع ہوگی
اس کو زمین پر لٹاؤ۔ میں خود اس کا
سر کاٹتا ہوں۔"

ایک بات پر ان سب سپاہیوں کو کچھ حیرانی سی
تھی کہ عنبر پر موت کا ذرا سا بھی ڈر نہیں تھا۔
وہ مسکرا رہا تھا۔ پہلا سپاہی بولا۔

"ابھی تمہاری ساری مسکراہٹ ختم کرتا ہوں"
جب اسے دونوں سپاہی پکڑ کر زمین پر لٹانے
لگے تو عنبر نے کہا۔

"کیوں میرا اور اپنا وقت ضائع کرتے
ہو تم میرا سر نہیں کاٹ سکو گے۔"

"شٹ اپ"

اور دونوں سپاہیوں نے عنبر کو نیچے گرا
دیا۔ انھوں نے کیا گرانا تھا۔ عنبر خود ہی ذرا
ڈرامہ پیدا کرنے کے لیے نیچے گر کر لیٹ گیا۔

خنجر والا سپاہی نیچے جھک کر بیٹھ گیا اور خ
عنبر کی گردن پر رکھ کر اس طرح چلانے لگ
جس طرح قصائی بکرے کی گردن پر چھری چلا
ہے ۔ مگر وہ پریشان ہونے لگا ۔ کیونکہ ایک ت
گلا نہیں کٹ رہا تھا ۔ دوسرے خنجر چلنے کی آواز
اس طرح کی آ رہی تھی جیسے وہ خنجر پتھر کی سل
پر چلا رہا ہو ۔

دونوں سپاہیوں نے ٹارچیں روشن کر رکھی
تھیں ۔ سپاہی نے خنجر کی دھار دیکھی ۔ وہ پتھر
پر رگڑے جانے سے کند ہو گئی تھی ۔ اس نے
جھک کر عنبر کی گردن کو دیکھا ۔ پھر ہاتھ لگا کر
ٹٹولا کہ کہیں اس شخص نے گردن کے گرد لوہے
کا کوئی پٹہ تو نہیں ڈال رکھا ۔ مگر ایسی بات
نہیں تھی ۔ عنبر کی گردن باقاعدہ گوشت کی بنی
ہوئی تھی اور نرم تھی ۔ مگر جب وہ خنجر اس
پر رکھ کر چلانے لگتا تھا تو وہ پتھر کی طرح
سخت ہو جاتی تھی ۔

پہلے ، دوسرے اور تیسرے سپاہی نے باری باری
خنجر چلا کر دیکھ لیا ۔ خون کا ایک قطرہ بھی نہ نکلا

اور عنبر کی گردن پر ایک ذرا سی لکیر تک بھی نہ
پیدا ہو سکی ۔ اب سپاہی نے خنجر عنبر کے پیٹ
پر زور سے مارا ۔ خنجر کا پھل ٹوٹ گیا اور سپاہی
کا اپنا ہاتھ زخمی ہو گیا ۔ عنبر مسکرا رہا تھا ۔ اس
نے کہا ۔

"میں نے کہا نہیں تھا کہ تم میرا کچھ
نہیں بگاڑ سکو گے ۔ لو اب تیار ہو
جاؤ ۔ اب میری باری ہے ۔"

اور عنبر نے ایک ہلکے سے جھٹکے سے اپنے
ہاتھوں کی رسیاں توڑ ڈالیں ۔

•

سانپوں کا جزیرہ

•

عنبر نے اچانک حملہ کر دیا۔

اس نے اچھل کر اوپر والے دو جرمن سپاہیوں کی رائفلیں چھین لیں اور انہیں نیچے گرا لیا۔ تیسرے سپاہی نے عنبر پر دھڑا دھڑ اوپر تلے چار گولیاں چلا دیں۔ پانچویں گولی عنبر کی رائفل سے نکلی اور تیسرے سپاہی کی کھوپڑی کے اندر جا کر اس کے دماغ سے ہاتھ ملاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ گولی سے ہاتھ ملانے کے بعد سپاہی کا دماغ پاش پاش ہو گیا تھا۔ دوسرے سپاہیوں نے عنبر کو پکڑ کر زمین پر گرانے اور اس سے اپنی رائفلیں چھیننے کی کوشش شروع کر دی۔ مگر انہیں بہت جلد معلوم ہو گیا کہ وہ کسی چٹان کو نیچے گرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ عنبر اب اپنی پوری طاقت میں آ چکا تھا۔ اب اسے گرانا محال تھا۔ عنبر نے دونوں سپاہیوں کو گردن

سے پکڑ کر اپنے سامنے کر لیا۔ پھر انہیں زمین سے یوں اوپر اٹھا لیا جیسے وہ کوئی چوہے ہوں۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

جرمن سپاہی ششدر تھے اور کانپ رہے تھے۔ انہوں نے اتنا طاقت والا انسان آج تک نہیں دیکھا تھا انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ عنبر پر ابھی ابھی چار گولیاں چلی ہیں اور چاروں کی چاروں گولیاں عنبر کے سینے پر لگی تھیں مگر اسے کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے کوئی بھوت سمجھنے لگے تھے اور ان کی اپنی طاقت جواب دے گئی تھی۔ پھر بھی ایک سپاہی نے زور سے چیخ مار دی۔ اس خیال سے کہ اس کی چیخ اس کے ساتھیوں تک پہنچ جائے اور وہ اس کی مدد کو آئیں۔ عنبر بھی اس فریب کو سمجھ گیا۔ اس نے سپاہی کو دوسری چیخ نکالنے کی مہلت ہی نہ دی۔ وہیں زمین سے اوپر اٹھائے اٹھائے ایک ایسا جھٹکا دیا کہ اس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔ عنبر نے اسے نیچے پھینک دیا۔ تیسرا سپاہی بے ہوش ہو چکا تھا۔ عنبر نے اسے وہیں زمین پر ڈال دیا اور تینوں رائفلیں لے کر اپنے خفیہ ٹھکانے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

دہشت کے مارے بے چاری انگریز لڑکی، مینا کا بُرا
حال ہو رہا تھا۔ عنبر نے رائفلیں اس کے آگے رکھ
کر کہا۔

"تین جرمن سپاہی آئے تھے۔ دو تو مر گئے
ہیں۔ تیسرا بے ہوش ہے۔ اب ہمیں یہاں
سے نکل جانا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے پوری کی
پوری جرمن فوج کی کمپنی ادھر آ جائے۔ پھر
شاید میں تمہاری حفاظت نہ کر سکوں گا۔"
مینا نے کہا۔

"لیکن ہم یہاں سے جائیں گے کدھر؟
سارے جزیرے میں اس قسم کا خفیہ ٹھکانہ
تو شاید ہی ہمیں ملے۔"
عنبر نے کہا۔

"ٹھکانہ ملے نہ ملے مگر یہاں ہم نہیں رہ سکتے۔
آؤ میرے ساتھ۔"

وہ دونوں خفیہ غار سے نکل کر درختوں میں سے ہوتے
سمندر کے جنوبی کنارے کی طرف چل پڑے۔ تاریک رات
میں جنگل ایک بار پھر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ گولیوں کے
دھماکوں سے جنگل ایک بار گونج کر خاموش ہو گیا تھا۔

دونوں چلتے چلے جا رہے تھے۔ اتنے میں جزیرے کے
اس کنارے کی طرف سے گولی چلنے کی آواز آئی جدھر
جرمن فوج نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا۔ عنبر نے کہا۔
"معلوم ہوتا ہے جرمن دستہ اپنے ساتھیوں کی
مدد کے لیے روانہ ہو پڑا ہے۔"

"اب کیا ہو گا عنبر! وہ تو ہمیں جنگل میں ہی
پکڑ لیں گے۔"

مینا گھبرا رہی تھی۔ اس کی گھبراہٹ سچی تھی۔ بے چاری
کو ایک پل کا چین نہیں ملا تھا۔ جب سے جرمن فوج
جزیرے میں داخل ہوئی تھی وہ عنبر کے ساتھ ماری ماری
پھر رہی تھی۔ جزیرے میں اب درختوں کا وہ حصہ آ گیا
تھا۔ جہاں دلدل ہوتی ہے یہاں زمین کہیں کہیں نرم تھی۔
عنبر نے مینا کو اپنے پیچھے کر لیا کہ کہیں وہ بے خیالی
میں کسی دلدل میں نہ پھنس جائے۔ وہ کافی آگے نکل گئے
جنگل یہاں اتنا گھنا نہیں رہا تھا۔ ایک جگہ انہوں نے
گھاس کے چھوٹے سے ٹکڑے کے کنارے چھ سات
جھونپڑیاں بنی ہوئی دیکھیں۔ مینا نے تعجب سے ان جھونپڑیوں
کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں نے آج تک اس جزیرے میں کبھی کوئی

جھونپڑیاں نہیں دیکھی تھی۔ یہ کہاں سے آ گئیں؟"
عنبر نے کہا۔
"ہو سکتا ہے تم ادھر نہ آئی ہو۔ بہر حال یہ
جنگلی لوگ ہی ہوں گے۔"
مینا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔
"ہو سکتا ہے آدم خور ہوں۔"
عنبر نے کہا۔
"اگر آدم خور ہوں گے تو میں ان کا دیوتا بن
جاؤں گا۔"
مینا نے چڑ کر کہا۔
"تم مذاق کے موڈ میں ہو کیا؟ یہاں میری
جان پر بنی ہوئی ہے۔"
عنبر بولا۔
"خدا کی قسم میں مذاق نہیں کر رہا ہوں میں
سچ کہتا ہوں۔ دعا کرو کہ یہ آدم خور نکل
آئیں۔ پھر میں تمھیں اپنی جادو گری دکھاؤں
گا۔"
مینا کہنے لگی۔ "اور اگر یہ آدم خور نہ ہوئے تو
پھر تم کچھ نہ کر سکو گے؟"

عنبر نے کہا۔
"کیوں نہیں۔ میں پھر بھی ان کا دیوتا بن سکتا
ہوں۔ یہ تو مجھے تمہاری فکر رہتی ہے اگر تم میرے
ساتھ نہ ہوتیں تو میں کب کا ان جرمن سپاہیوں کو بھی
اپنا غلام بنا چکا ہوتا۔"
مینا ناراض ہو گئی۔
"عنبر! تم ذرا موقع نہیں دیکھتے اور مذاق پر
مذاق کیے جاتے ہو۔ خدا کے لیے کوئی عقل
کی بات کرو اور دیکھو ان جھونپڑیوں میں کون
ہو سکتا ہے۔ کیا ہمیں یہاں پناہ مل سکتی
ہے۔ اگر یہ لوگ جنگلی ہیں تو یہ ہماری بات
کیا سمجھیں گے۔ اگر یہ جرمنوں کے خلاف بھی
ہوئے تو انہیں کیسے سمجھائیں گے کہ ہم ان کے
دوست ہیں اور دشمن نہیں ہیں۔"
عنبر نے کہا۔
"میں ان کی زبان جانتا ہوں۔"
مینا غصے سے بولی۔
"تم نے پھر مذاق شروع کر دیا۔"
عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جھونپڑیوں کے پیچھے

کی طرف نکل آیا تھا۔ اس نے ایک جھونپڑی کے اندر چراغ کی ہلکی روشنی دیکھ لی تھی۔ وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ اچانک چار جنگلیوں نے انہیں گھیر لیا۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے چمک رہے تھے اور کندھوں پر زہر میں بجھے ہوئے تیر اور کمانیں لٹک رہی تھیں۔ وہ نیزے آگے کر کے عنبر اور مینا کو لے کر اس جھونپڑی کی طرف بڑھے جس کے اندر روشنی ہو رہی تھی۔ ابھی تک کسی جنگلی نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ جھونپڑی کے باہر آ کر ایک جنگلی نے اپنی زبان میں دوسرے سے کچھ کہا۔ عنبر نے اس کے جواب میں کہا۔

"مجھے سردار کے سامنے ابھی پیش کرو۔"

اصل میں اس جنگلی نے اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ اس نئے شکار کو صبح سردار کے آگے پیش کر کے انعام لیں گے۔ کیونکہ بڑی دیر بعد ایک سفید عورت ہاتھ لگی تھی۔ اور سردار سفید عورت کا گوشت بڑے شوق سے کھاتا تھا۔ جب عنبر نے انہیں ان کی زبان میں کچھ کہا تو وہ پلٹ کر اپنی وحشی آنکھوں سے عنبر کو تکنے لگے۔

"یہ تو ہماری زبان جانتا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"میں تمہارے باپ داداؤں کی باپ داداؤں کی بھی زبان جانتا ہوں اور تمہارے سردار کو اگر سفید عورت کا گوشت پسند ہے تو مجھے بھی تمہارے سردار کا گوشت بہت پسند ہے۔ چلو مجھے اپنے سردار کے پاس لے چلو۔"

چاروں جنگلی عنبر اور مینا کو لے کر سردار کی جھونپڑی کے اندر چلے گئے۔ مینا بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عنبر کو تک رہی تھی کہ اس کو جنگلیوں کی زبان کہاں سے آ گئی۔ وہ عنبر کو کوئی غیر معمولی طاقت کا انسان بلکہ جادوگر سمجھنے لگی تھی۔ سردار بھی باہر شور سن کر جاگ پڑا تھا۔ اس نے عنبر اور ایک گوری لڑکی کو دیکھا تو بستر پر سے خوشی کے مارے بغلیں بجاتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ عنبر نے دیکھا کہ سردار کالا بھجنگ جنشی تھا اور اتنا موٹا کہ اس کا گول پیٹ پھول کر کپا بن رہا تھا۔ سردار نے چیخ کر ایسی آواز میں کہا۔

"ان کو کہاں سے لائے ہو؟"

عنبر نے سردار کی زبان میں کہا۔

"ان سے کیا پوچھتے ہو میں تمہیں بتاتا ہوں
تمہارے جزیرے پر جرمن فوجوں نے قبضہ
کر رکھا ہے اور وہ تمہاری جھونپڑیوں کو
آگ لگانے اور تمہارے آدمیوں اور
عورتوں کو گولیوں سے اڑانے ادھر ہی
چلے آ رہے ہیں۔ ہم ایک جہاز کے غرق
ہونے کے بعد اس جزیرے پر آگئے
تھے۔ جرمن سپاہی ہماری بھی تلاش
میں ہیں۔ اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟"

سردار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اس
کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی غیر آدمی ان
کی زبان اتنی اچھی طرح سے بول سکتا ہے۔ لیکن آخر
وہ اس جزیرے کا سردار تھا۔ خواہ اس جزیرے میں
اس کے ڈیڑھ سو آدمی ہی رہتے تھے۔ اس نے
مینا کی طرف ہاتھ کر کے اشارے سے بلایا۔

"ادھر آؤ میری سفید مرغی! آج صبح میں تمہارا
ناشتہ کروں گا۔ میں سفید گوشت کو ترس
گیا تھا۔"

عنبر نے کہا۔

"خبردار مینا! اپنی جگہ سے مت ہلنا۔"

سردار کو طیش آگیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے عنبر
کے قریب آ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"میں تمہیں بھی اس کے ساتھ ہی کھا جاؤں گا
مجھے سانولا گوشت بھی بہت پسند ہے۔"

عنبر نے بھی سردار کو گھورتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں تمہارا گوشت تمہارے ہی جنگلی آدم
خوروں کے آگے پھینک دوں گا اور تمہارے
آدمی ہی تمہارا گوشت بھون بھون کر کھائیں گے۔"

اب تو دوسرے جنگلی بھی غصے میں آگئے۔ ان میں سے
ایک جنگلی کو سردار نے چٹکی بجا کر اشارہ کیا۔ وہ جنگلی
نیزہ لے کر آگے بڑھا اور مینا کے سینے میں نیزہ گھونپنے
ہی والا تھا کہ عنبر نے اسے ایک ہاتھ سے اوپر اٹھا لیا
عنبر زیادہ دیر نہیں لگانا چاہتا تھا۔ وہ جلد سے جلد
ان لوگوں کو اپنے قابو میں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ ایک
تو پیچھے جرمن سپاہی چلے آ رہے تھے۔ دوسرے اسے
یہ بھی ڈر تھا کہ کسی طرف سے کوئی آدم خور جنگلی
مینا پر زہریلا تیر نہ چلا دے۔ عنبر نے جنگلی کو اٹھا کر
زور سے زمین پر دے مارا۔ وہ ایسا گرا کہ اس کی

ایک ایک بڑی پسلی ٹوٹ پھوٹ گئی۔ دوسرا جنگلی اس
کی طرف نیزہ لے کر بڑھا۔ عنبر نے سینہ آگے کر دیا۔

"آؤ چلاؤ نیزہ۔"

جنگلی نے نیزہ پوری طاقت سے عنبر کے سینے پر
مارا۔ نیزہ ٹیڑھا ہو گیا۔ اب سردار بھی اس کی طاقت
سے خوف کھا گیا۔

عنبر نے سردار سے کہا۔

"سنو۔ میں تمہارے جزیرے کا دیوتا ہوں تم
کو میرا حکم ماننا پڑے گا۔"

سردار نے اپنا سر جھکا دیا۔ دوسرے جنگلیوں نے بھی
اپنے اپنے سر جھکا دیئے۔ عنبر نے کہا۔

"اس جزیرے پر جرمن فوج اتر آئی ہے۔ اس
نے قبضہ کر لیا ہے۔ یہ لڑکی انگریز ہے۔
جرمن سپاہی۔ اس کے پیچھے لگے ہیں۔ وہ مجھے
تو کچھ نہیں کہہ سکتے مگر اس لڑکی کو ہلاک
کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس لڑکی کو ان کے ظلم سے
بچانا ہے۔ بتاؤ تم ہماری کیا مدد کرو گے؟"

سردار نے کہا۔

"میں اسے اپنی عورتوں کا بھیس بدلا کر ان میں

شامل کر دوں گا۔ وہ نہیں پہچان سکیں گے۔"

عنبر کو یہ ترکیب پسند آئی۔ اسی وقت مینا کے چہرے
پر ایک قسم کا سیاہ رنگ مل کر اس کو جنگلی لباس پہنا
دیا گیا وہ جنگلی معلوم ہونے لگی۔ اس میں اور دوسری
عورتوں میں کوئی فرق نہ رہا۔ عنبر نے کہا۔

"اب تم ان عورتوں کی طرح ہو گئی ہو مگر
تم بولنا مت۔ کیونکہ تم ان کی زبان نہیں جانتیں
تم گونگی بن جانا۔"

مینا نے کہا۔

"ایسا ہی کروں گی۔"

اتنے میں گولی کی آواز آئی۔ مینا کو جنگلی عورتوں کے
ساتھ ایک جھونپڑی میں بھیج دیا گیا۔ سردار نے عنبر
سے کہا۔

"تم کہاں چھپو گے، اے دیوتا!

عنبر نے کہا۔

"دیوتاؤں کو چھپنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

سامنے کے درختوں سے جرمن فوج کا ایک دستہ نمودار ہوا
یہ چھ سات فوجی تھے اور رائفلیں لیے مفرور قیدی عنبر کی
تلاش میں چلے آرہے تھے۔ عنبر اور سردار اور دوسرے

جنگلی وہیں کھڑے رہے۔ جرمن دستے کا کمانڈر جھونپڑی
کے پاس آگیا۔ اس نے عنبر کو دیکھا تو چیخ کر بولا۔
"یہی ہے مفرور قیدی۔ اسے گرفتار کر لو۔"
عنبر نے کہا۔
"تم مجھے نہیں پکڑ سکتے۔ اگر تمہیں اپنی جان
عزیز ہے تو اسی جگہ سے واپس چلے جاؤ۔"
کمانڈر نے رائفل اٹھا کر دھائیں سے فائر کر دیا۔ گولی
سیدھی عنبر کے سینے پر آکر لگی اور اس کے سینے سے
ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔ عنبر نے زمین پر سے گولی اٹھا کر
کمانڈر کے منہ پر مارتے ہوئے کہا۔
"تم جتنی گولیاں چلاؤ گے۔ ساری کی ساری تمہارے
منہ پر ماروں گا۔ مگر جب میں نے رائفل پکڑی
تو تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔"
کمانڈر سمجھا کہ عنبر نے قمیض کے اندر فولادی صدری پہن
رکھی ہے۔ اس نے دوسری گولی عنبر کے سر کا نشانہ لے کر
فائر کر دیا۔ یہ گولی بھی عنبر کے سر سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔
جنگلی اور ان کا سردار خوشی سے نعرے لگانے لگے۔ وہ عنبر
کو اب سچ مچ ایک دیوتا سمجھنے لگے تھے۔ دوسری جھونپڑی
کے دروازے کے پیچھے سے مینا بھی یہ انوکھا تماشہ دیکھ رہی

تھی۔ کمانڈر نے تیسرا فائر کیا۔ اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ دوسرے
جرمن سپاہی بت بنے کھڑے تھے۔
کمانڈر نے کہا۔ "اسے پکڑ کر ہیڈ کوارٹر لے چلو۔"
اب عنبر نے حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے کہا
"ہیڈ کوارٹر تو اب تم میں سے ایک بھی نہیں
جائے گا۔"
اور اس کے ساتھ ہی اس نے سردار کو ان کی جنگلی
زبان میں کہا کہ زمین پر لیٹ جاؤ۔ جرمن سپاہی کچھ نہ سمجھے
کہ عنبر نے جنگلی لوگوں کو کیا کہا ہے۔ وہ عنبر کو پکڑنے کے
لئے آگے بڑھے تو عنبر نے لپک کر ایک سپاہی کے ہاتھ
سے رائفل چھین لی۔ دوسری جنگ عظیم کی رائفلوں میں
سے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ آٹھ دس گولیاں فائر
ہوا کرتی تھیں۔ عنبر نے رائفل ہاتھ میں لیتے ہی جرمن
فوجیوں پر دھڑا دھڑ فائرنگ شروع کر دی۔ جنگلی
سارے کے سارے زمین پر لیٹ گئے تھے۔ سب سے
پہلی گولی جرمن کمانڈر کو لگی۔ وہ دھڑام سے نیچے گر پڑا۔
دوسرے سپاہیوں نے بھی عنبر پر فائرنگ شروع کر دی۔
گولیاں عنبر کے سارے جسم سے ٹکرا رہی تھیں اور نیچے گر
رہی تھیں۔ اسے ذرا سی خراش بھی نہیں آ رہی تھی۔ لیکن اس

کی ہر گولی ایک جرمن کو ہلاک کر رہی تھی۔

سپاہیوں نے جب دیکھا کہ ان کے سامنے کوئی زبردست جادوگر کھڑا ہے تو وہ پیچھے کو بھاگے۔ عنبر نے ان پر پیچھے سے گولی چلا کر ان سب کو ہلاک کر دیا۔ ساتوں سپاہیوں کی لاشیں کمانڈر کے آس پاس بکھر گئیں۔ عنبر نے رائفل پھینک دی اور سردار سے کہا۔

"اب تم لوگ اٹھ سکتے ہو"

سردار اور جنگلی آدمیوں نے ایک بار پھر عنبر کو سجدہ کر دیا۔ عنبر نے کہا۔

"سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں"

سردار نے کہا۔ "تم جزیرے کے دیوتا ہو تم مر نہیں سکتے۔ تم عظیم دیوتا ہو"

عنبر نے اسی وقت مینا کو بلا لیا۔ مینا بھی عنبر سے بڑی متاثر ہوئی تھی اور اسے کوئی زبردست جادوگر خیال کرنے لگی تھی۔

عنبر نے سردار سے کہا۔

"اب ہو سکتا ہے پوری کی پوری جرمن فوج کی ایک یونٹ یہاں آ جائے۔ اس لئے ہمیں

یہاں سے نکل جانا چاہیے تم لوگوں کا بھی یہاں رہنا ٹھیک نہیں کیا تم کسی دوسری محفوظ جگہ پر ہمیں لے جا سکتے ہو؟"

سردار نے کہا۔

"اس جزیرے سے تین میل دور ایک اور جزیرہ ہے۔ وہاں ہم کبھی کبھی جنگلی خرگوشوں کا شکار کرنے چلے جاتے ہیں۔ مگر وہاں سانپ بڑے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"سانپوں کا علاج میں کر لوں گا تم وہاں چلنے کی تیاری کرو"

سردار نے اسی وقت سب کو حکم دیا کہ وہ جھونپڑے خالی کر کے سمندر کی طرف چل پڑیں۔ پندرہ بیس عورتوں اور جنگلی آدمیوں کا یہ قافلہ عنبر اور مینا کو ساتھ لے کر جھونپڑیاں خالی کر کے جنگل میں ایک خفیہ راستے سے سمندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سردار سب سے آگے تھا اور عنبر اور مینا اس کے ساتھ تھی۔ وہ جنگل کے ایک چھوٹے سے چھوٹے راستے سے ہوتے ہوتے آدھے گھنٹے کے بعد سمندر پر پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے درختوں

کے نیچے اپنی کشتیاں چھپا رکھی تھیں۔ یہ کل چھ چھوٹی کشتیاں تھیں۔ جنگلی انہیں کھینچ کر سمندر میں لے آئے۔ سب اس میں سوار ہو گئے اور کشتیاں سمندر میں مشرق کی طرف چل پڑیں۔

تین چار میل سمندر میں سفر کرنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے جزیرے پر پہنچ گئے۔ جہاں جھاڑیاں ہی جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور اونچے نیچے ٹیلے ہی ٹیلے تھے۔ یہاں کہیں کہیں اکا دکا کانٹے دار درخت نظر آ رہے تھے۔ ساحل کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سردار نے کہا۔

"یہاں بڑے زہریلے سانپ ہوتے ہیں ہم جب بھی یہاں آتے ہیں اپنے ساتھ آگ ضرور لاتے ہیں جو نیزوں کے آگے جلا کر انہیں زمین پر ٹیکتے ہوئے شکار کرتے ہیں۔"

مینا ڈر گئی، کہنے لگی۔

"میں آگے نہیں جاؤں گی۔"

عنبر نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں۔ تمہیں سانپ کچھ نہیں کہے گا۔"

سردار نے کہا۔ "عظیم دیوتا! یہاں کا سانپ اتنا

زہریلا ہے کہ کسی کو ڈس دے تو اس کے جسم میں آگ لگ جاتی ہے۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا۔ "میں اس سانپ کے جسم میں آگ لگا سکتا ہوں۔"

سردار نے سر جھکا کر کہا۔ "آپ دیوتا ہیں سب کچھ کر سکتے ہیں۔"

مگر مینا کہنے لگی۔

"میں آگے نہیں جاؤں گی۔ مجھے سانپوں سے بڑا خوف آتا ہے۔"

دوسرے جنگلی بھی وہیں رک گئے تھے۔ آگ کے بغیر وہ بھی سانپوں کی بستی میں آگے جاتے ہوئے گھبرا رہے تھے۔ عنبر نے سوچا کہ اس چھوٹے سے جزیرے کو سانپوں سے آزاد کرا دینا چاہیے کیونکہ کچھ پتہ نہیں ابھی اسے مینا کو لے کر وہاں کتنے دن اور رہنا پڑے۔

عنبر نے کہا۔

"اچھا میں ان سانپوں کا بندوبست کرتا ہوں۔"

مینا نے کہا۔

"تم کیا کرو گے۔ ان پر تمہارا جادو نہیں چلے گا۔"

عنبر نے کہا۔ "تم دیکھ لینا کہ ابھی جزیرے کے
سارے کے سارے سانپ جزیرے سے نکل کر
سمندر میں اتر جائیں گے اور پھر کبھی اس طرف
نہیں آئیں گے"

مینا بولی۔

"کاش تم ایسا کر سکو"

عنبر نے کہا۔

"میں ابھی تمہیں کر کے دکھاتا ہوں۔ اب جبکہ
تم پر میرا بھید کھل گیا ہے تو پھر میری یہ
جادوگری بھی دیکھ لو"

اس نے تمام لوگوں کو کہا کہ وہ پیچھے پیچھے
ہٹ کر کھڑے ہو جائیں۔ ساری جنگلی عورتیں اور مرد
سردار کے ساتھ پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ مینا
بھی ان کے ساتھ ہی کھڑی ہو گئی۔ عنبر ریت پر
جزیرے کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس نے آنکھیں
بند کر لیں اور خیال ہی خیال میں ناگ کو یاد کر کے
اپنے ذہن سے سانپوں کی زبان میں لہریں چھوڑیں
یہ لہریں اس قدر طاقت ور اور زبردست تھیں کہ جزیرے
میں جتنے بھی سانپ تھے ان میں ہل چل مچ گئی۔ ہر

سانپ اپنے بل سے تڑپ کر باہر نکل آیا اور بے چین
ہو کر عنبر کی طرف دوڑنے لگا۔ جنگلی سردار اور دوسرے
جنگلی عورتیں اور آدمی اور بچے اور مینا۔ سب خاموش
کھڑے عنبر کی طرف تک رہے تھے۔ اچانک عورتوں نے
چیخیں ماریں۔ مردوں نے دیکھا کہ سانپوں کی ایک پوری جماعت
رینگتی ہوئی عنبر کی طرف آ رہی ہے۔ جنگلی مرد، عورتیں اور
مینا بھاگ کر ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ عنبر اپنی جگہ کھڑا رہا
سارے سانپ عنبر کے سامنے ایک ہجوم بن کر کنڈلی مار
کر بیٹھ گئے۔ ہر سانپ نے پھن اٹھا رکھا تھا۔ ہزاروں سانپ
تھے۔ عنبر بھی حیران رہ گیا کہ اس جزیرے پر اتنے سانپ
کہاں سے آ گئے تھے۔ شکل سے بھی وہ بڑے زہریلے لگتے
تھے۔ عنبر نے آنکھیں بند کر لیں اور پھر سانپوں کی زبان کی
تیز لہر چھوڑ کر ان کی زبان میں کہا۔

"میں تمہارے دیوتا ناگ کا بھائی ہوں"

ایک سانپ جو سب سے بوڑھا تھا اور اژدہا بن چکا تھا۔
آہستہ آہستہ رینگتا ہوا عنبر کے سامنے آ کر کنڈلی مار کر بیٹھ
گیا اور سر جھکا کر بولا۔

"اے ہمارے آقا ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

عنبر نے کہا:

"میں اپنے دوستوں کے ساتھ اس جزیرے پر
کچھ دیر کے لیے رہنے آیا ہوں۔ تم لوگ کچھ
دنوں کے واسطے اس جزیرے کو خالی کر کے
کسی دوسرے جزیرے پر چلے جاؤ۔"
سردار اژدہا نے کہا۔
"جو حکم میرے آقا۔ ہم ابھی یہاں سے چلے جاتے
ہیں۔ جب آپ حکم دیں گے واپس آجائیں گے۔"
عنبر نے کہا۔
"میں بہت جلد تمہیں واپس بلا لوں گا۔ لیکن
جب تک میں تمہیں آواز نہ دوں ہرگز ہرگز
یہاں مت آنا۔"
"ایسا ہی ہوگا میرے آقا!"
سردار اژدہا نے سر جھکایا۔ پھر آہستہ آہستہ رینگتا
ہوا واپس اپنے سانپوں کے ہجوم کے پاس جا کر انہیں
بتایا کہ عظیم ناگ دیوتا کے بھائی کا حکم ہے کہ ہم ابھی اس
جزیرے کو خالی کر کے دوسرے جزیرے پر چلے جائیں۔
سب سانپوں نے ایک زبان ہو کہا۔
"ان کا حکم سر آنکھوں پر"
اور پھر جنگلی سردار اور مینا اور دوسرے جنگلی آدمیوں

اور عورتوں نے دیکھا کہ ہزاروں سانپ سمندر کی طرف
رینگ رہے ہیں۔ ایسا لگتا تھا کہ زمین پر کالے رنگ
کا ایک بادل ہے جو سمندر کی طرف کھسک رہا ہے۔
سانپ پانی میں اترنے لگے اور پھر سارے کے سارے
سانپ سمندر میں اتر کر اس کی لہروں پر تیرتے ہوئے
ایک طرف کو چل دیئے اور لہروں نے انہیں اپنے پیچھے
چھپا لیا۔ سردار اور جنگلی آدمی نعرے لگا کر ٹیلے سے اتر
آئے اور عنبر کے آگے جھک گئے۔ مینا بھی عنبر کو تعجب
کی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

•

آدم خوروں سے فرار

جنگلیوں نے جزیرے پر جھونپڑیاں بنانی شروع کر دیں۔ خشک جھاڑیاں کاٹ کر انہوں نے ایک دن کے اندر اندر جزیرے پر ایک ٹیلے کے پیچھے جھونپڑیاں کھڑی کر دیں۔ یہاں خرگوش کا شکار بہت زیادہ تھا۔ ایک قسم کا پھل بھی عام مل جاتا ہے۔ جو تربوز کی طرح میٹھا تھا یہاں ایک چشمہ بھی بہتا تھا جس کا پانی بڑا خوشگوار تھا۔ عنبر اور مینا بھی ان جنگلیوں کے ساتھ ایک جھونپڑی میں رہنے لگے۔ چار دن گزر گئے۔ اس دوران عنبر نے سردار سے مشورہ کیا کہ اگر وہ یہاں سے نکلنا چاہیں تو کیسے نکلیں؟ سردار نے کہا۔

"یہ سمندر بہت چوڑا ہے اور اس میں اکثر طوفان آتے رہتے ہیں۔ ہماری کشتی آپ کے لیے کافی نہیں ہوگی۔ خطرہ ہے کہ اگر آپ اس میں بیٹھ کر سمندر میں اُترے تو یہ طوفان

برداشت نہ کر سکے گی اور سمندر میں ڈوب جائے گی۔"

"تو پھر ہم کب تک یہاں پڑے رہیں گے؟ ہمیں واپس بھی جانا ہے۔ مینا کو اس کے گھر بھی پہنچانا ہے۔"

سردار نے کہا۔

"ایک بات بتائیں۔ کیا ان جرمن فوجیوں کے پاس بھی کشتیاں ہیں؟"

عنبر چونکا۔ اچھا خیال تھا۔ جرمن فوجیوں کی کشتیاں بڑی طاقت ور تھیں۔ وہ طوفان کا مقابلہ کر سکتی تھیں۔ اس نے کہا۔ "ہاں ضرور ہیں۔ مگر ——"

سردار نے کہا۔

"میرے آدمی بڑے چالاک اور ہوشیار ہیں۔ وہ جرمن فوج کی ایک کشتی بڑی آسانی سے اڑا کر لا سکتے ہیں۔ آپ اس کشتی میں بیٹھ کر نکل جائیں میرا خیال ہے وہ کشتی راستے میں آپ کو دھوکہ نہیں دے گی۔ کیا خیال ہے؟

عنبر نے کہا۔

"مجھے یہ تجویز پسند آئی ہے۔"

"تو پھر میں اپنے آدمیوں کو حکم دیتا ہوں۔ وہ
آج رات ہی ان کی ایک کشتی اڑا کر لے
آئیں گے۔"

عنبر نے آتے ہی بینا کو اسکیم بتائی۔ وہ پہلے ہی
وہاں سے تنگ آ چکی تھی۔ اس سے بہتر تھا کہ وہ
سمندر میں سفر کرتے رہیں۔ کم از کم یہ امید تو ہوگی
کہ کبھی نہ کبھی کسی ملک کے ساحل کے ساتھ جا
لگیں گے۔ اس نے فوراً کہا۔

"میں تیار ہوں۔ ہم کشتی میں پانی اور کھانے
کے لئے یہاں کا پھل رکھ لیں گے۔"

اس رات چار جنگلی اپنی چھوٹی سی کشتی لے کر رات
کے اندھیرے میں اپنے جزیرے سے نکل کر سمندر
میں بہتے ہوئے جرمن فوجوں کے جزیرے کی طرف
روانہ ہو گئے۔ جرمن فوجوں کی بارکوں میں رات کو بلیک
آؤٹ ہوتا تھا اور روشنی نہیں کی جاتی تھی۔ جنگلی
آدمیوں نے اس کا پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ وہ اس
سمندر کے رہنے والے تھے۔ ایک ایک لہر کو جانتے تھے
ایک ایک موج ان کو جانتی تھی۔ وہ مگرمچھوں کی طرح
کشتی کھیتے ہوئے جزیرے میں اس طرف آ گئے جہاں

فوج کی کشتیاں ریت پر پڑی تھیں۔ انہوں نے اپنی کشتی
وہیں چھوڑی اور ریت پر رینگ رینگ کر چلتے ایک فوجی
کشتی کے پاس آ گئے۔

انہوں نے کشتی کو بڑے آرام کے ساتھ پیچھے سمندر
کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ کشتی بھاری تھی۔ مگر چار
آدمیوں نے اسے مل کر اسے کھینچا اور وہ آہستہ آہستہ
گیلی ریت پر پیچھے کو کھسکنے لگی۔ کوئی ایک گھنٹے کی محنت
کے بعد وہ فوجی کشتی کو سمندر میں اتارنے میں کامیاب ہو
گئے۔ انہوں نے کشتی کو اپنی کشتی کے ساتھ باندھا اور
اندھیرے میں واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ جرمن پہرے دار
ذرا فاصلے پر کھڑے تھے۔ اندھیرے میں انہیں معلوم ہی نہ ہو
سکا کہ ان کی ایک کشتی سمندر میں اتر کر دوسرے جزیرے
کی طرف جا رہی ہے۔

جب جنگلی فوجی کشتی لے کر جزیرے پر آئے تو سردار
اور عنبر وہاں پہلے سے کھڑے ان کا انتظار کر رہے تھے۔
فوجی کشتی کو ساحل پر کھینچ لیا گیا۔ عنبر نے کشتی میں اتر کر
دیکھا کہ وہاں کچھ ٹین اور لکڑی کے چھوٹے بڑے ڈبے بھی
پڑے تھے۔ کشتی کافی کھلی تھی اور اس میں چھ سات آدمی
بڑے آرام سے سفر کر سکتے تھے۔ عنبر نے ان ڈبوں کو کھول

کر دیکھا۔ ان میں پٹرول بھرا ہُوا تھا۔ لکڑی کے کھوکھے خالی تھے۔ عنبر نے پٹرول جنگلی سردار کو دے کر کہا۔

"اس سے آگ بھڑک اٹھتی ہے یہ تم اپنے پاس رکھو۔ ہو سکتا ہے کبھی تمہیں اس کی ضرورت پڑ جائے۔"

دوسرے دن عنبر اور مینا کشتی میں سوار ہو گئے۔ جنگلی سردار نے پانی سے بھرے ہوئے چار چمڑے کے مشکیزے اور پھلوں کا ایک ڈھیر اور خرگوش کا سوکھا ہُوا گوشت کشتی میں رکھوا دیا تھا۔ صبح صبح عنبر نے اپنے جنگلی دوستوں کو الوداع کہا اور کشتی کے چپو چلاتے ہوئے سمندر میں اپنا سفر شروع کر دیا۔

دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ کشتی کے اوپر بانس کی چھت سی بنی ہوئی ہے جس پر بارش اور دھوپ سے بچنے کے لئے ترپال ڈال دی جاتی تھی۔ عنبر نے ایک ترپال اٹھا کر اوپر ڈال کر باندھ دی۔ مینا اس کے سائے میں آرام سے بیٹھ گئی۔ عنبر چپُو چلا رہا تھا۔ جب وُہ تھک جاتا تو مینا چلانے لگتی۔ جب وہ سمندر میں کافی آگے نکل آئے تو اب چپو چلانے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ کیونکہ سمندر کی موجیں اپنے آپ کشتی کو آگے لیے جا رہی تھیں۔

مینا نے پوچھا۔

"کچھ معلوم بھی ہے کہ یہ سمندری لہریں ہمیں کس طرف لئے جا رہی ہیں؟"

عنبر نے سورج کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہم یوروپ کی طرف جا رہے ہیں۔ گھبراؤ نہیں۔ مجھے سمندروں کے سفر کا تجربہ ہے۔ یہ میرا اس قسم کا پہلا سفر نہیں ہے۔"

مینا نے پوچھا:

"تمہارا جادو تمہیں موت سے تو بچا سکتا ہے مگر ہمیں سمندر سے اٹھا کر ہمارے ملک نہیں پہنچا سکتا؟"

عنبر نے کہا:

"کاش میرا جادو ایسا کر سکتا۔"

"تو پھر تمہارے جادو کا کیا فائدہ ہُوا؟"

عنبر نے ہنس کر کہا۔

"فائدہ تم نے دیکھا نہیں۔ اگر میرا جادو نہ ہوتا تو تم اس وقت کشتی میں آرام سے نہ بیٹھی ہوتیں۔"

مینا بھی ہنس پڑی۔ بولی؛

"اچھا! یہ جادو مجھے بھی سکھا دو۔ کیا تم نے یہ جادو افریقہ کے کسی جادوگر سے سیکھا تھا؟"

عنبر کہنے لگا۔

"تم یہی سمجھ لو۔"

اسی طرح وہ باتیں کرتے سمندر میں سفر کرتے رہے۔ شام ہو گئی۔ پھر رات آ گئی۔ مینا سو گئی۔ عنبر جاگ
رہا اور ستاروں کی طرف دیکھ کر حساب لگاتا رہا کہ وہ ٹھیک راستے پر جا رہا ہے کہ نہیں۔ ستارے بتا رہے تھے کہ وہ بحیرہ روم میں داخل ہو چکا ہے۔ بحیرہ روم اس وقت جنگ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس
کے دل میں ایک امید تھی کہ شاید کوئی انگریزی جہ
یا آبدوز مل جائے اور انہیں سمندری مصیبتوں سے نجات مل جائے۔ اسے مینا کی فکر تھی کہ اسے کسی ط
انگلستان اس کے باپ کے پاس پہنچا دے۔ دوسرے اسے ناگ اور ماریا سے بھی ملنا تھا جن کے بارے
اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ انگلستان میں ہی ہوں

اسی طرح ان کی کشتی کو سمندر میں سفر کرتے ک
جب تین دن گزر گئے تو مینا بہت زیادہ پریشان
گئی۔ بے چاری نے زندگی میں کبھی اتنی مصیبتیں نہ

تھیں۔ اگرچہ ان کے پاس پانی اور تربوز قسم کا پھل کھانے کو موجود تھا مگر پھر بھی مینا کا چہرہ اتر گیا تھا اور سمندری تیز دھوپ نے اس کا گورا رنگ سانولا کر دیا تھا۔ عنبر اسے بہت تسلی دیتا اور کہتا کہ بس آج شام تک زمین ضرور نظر آ جائے گی۔ لیکن زمین تو جیسے کہیں گم ہو گئی تھی۔ ان کی کشتی سمندری لہروں پر بہے جا رہی تھی۔

چوتھے دن جب مینا کمزوری کی وجہ سے کشتی میں لیٹ گئی تھی اور عنبر اس کے منہ میں مشکیزے سے پانی نکال کر ٹپکا رہا تھا تو اچانک اس نے کشتی سے تھوڑے فاصلے پر سمندر میں سے کوئی شے ابھرتی دیکھی اس نے مشکیزہ وہیں کشتی میں رکھ دیا اور غور سے اس چیز کو دیکھنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کوئی ویل مچھلی ہے اور اگر اس نے کشتی پر حملہ کیا تو عنبر اس کو ہلاک کر دے گا۔ لیکن یہ ویل مچھلی نہیں تھی۔

یہ انگریزوں کی جنگی آبدوز کشتی تھی جو جرمن جنگی جہازوں کی تلاش میں سمندر کے نیچے ہی نیچے پھر رہی تھی کہ اس کے کیپٹن جارج نے آبدوز کے کیمرے یعنی پیری سکوپ میں سے دیکھا کہ سمندر کے اوپر ایک کشتی

بھی چلی جا رہی ہے جس میں ایک لڑکی اور ایک لڑکا بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس نے آبدوز کو سمندر کے اوپر آنے کا حکم دیا۔

آبدوز ابھر کر سمندر کی سطح پر آ گئی۔

عنبر نے مینا کو بلا کر کہا۔

"مینا! وہ دیکھو آبدوز ہمیں لینے آئی ہے۔"

مینا نے گردن اٹھا کر آبدوز کو دیکھا تو خوش بھی ہوئی مگر ساتھ ہی پریشان ہو کر بولی۔

"کہیں یہ دشمن کی آبدوز نہ ہو۔"

عنبر نے کہا۔ "آبدوز پر جرمن نشان نہیں بنا ہوا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انگریزوں کی آبدوز ہے۔"

ابھی تک امریکہ جنگ میں نہیں کودا تھا اور لڑائی جرمنوں اور انگریزوں کے درمیان ہو رہی تھی۔ آبدوز کے اوپر کچھ ملاح آ کر کھڑے ہو گئے اور دور بین سے کشتی کو دیکھنے لگے۔ پھر ربڑ کی ایک کشتی سمندر میں ڈالی گئی۔ اس میں دو ملاح بیٹھ گئے اور یہ کشتی عنبر کی کشتی کے قریب آ کر رک گئی۔

انگریز ملاح نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

مینا نے جواب دیا۔

"میں امریکی ایئر ہوسٹس ہوں اور یہ مصر کا رہنے والا نوجوان ہے۔ ہمارا جہاز سمندر میں غرق ہو گیا تھا۔"

ملاح رسی باندھ کر کشتی کو آبدوز کے پاس لے آیا۔ ایک سیڑھی پھینکی گئی۔ عنبر اور مینا آبدوز کے اندر پہنچ گئے۔ آبدوز دوبارا سمندر میں غوطہ لگا گئی۔ ڈاکٹر نے عنبر اور مینا کو انجکشن دیئے اور گلوکوز لگا کر وٹامن کی گولیاں کھلائیں۔ اتنے میں آبدوز کا انگریز کیپٹن جارج آ گیا۔ اس نے مینا اور عنبر سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ بہت جلد اسے معلوم ہو گیا کہ یہ دونوں جاسوس نہیں ہیں۔ عنبر نے کیپٹن کو اس جزیرے کے بارے میں بتایا جہاں سے وہ آئے تھے۔ اس نے کہا۔

"جزیرے پر جرمنوں نے قبضہ کر کے اپنی چھاؤنی ڈال دی ہے۔ بہت سا گولہ بارود بھی وہاں رکھا ہے۔"

کیپٹن جارج نے نقشے میں اس جزیرے کی پوزیشن

دیکھ کر نشان لگایا اور پھر ہیڈ کواٹر کو وائرلیس پر اطلاع
دی کہ اس جزیرے پر بمباری کی جائے۔ انگریزوں کا
ایک جنگی طیارہ بردار جہاز اسی سمندر میں گشت لگا رہا
تھا۔ اسی وقت اس جہاز پر سے چھ بمبار طیارے اڑے
اور کیپٹن کے بتائے ہوئے جزیرے پر جا کر بمباری
کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد کیپٹن کو وائرلیس پر کمانڈر
نے کہا۔

"تمہاری اطلاع درست نکلی ہے۔ جزیرے
پر جرمنوں نے بھاری گولہ بارود جمع کر رکھا
تھا جو ہمارے بمبار جہازوں نے تباہ کر دیا
ہے۔ جزیرے پر دشمن کے تمام سپاہی ہلاک
کر دیے گئے ہیں اور جزیرے پر ہمارا قبضہ
ہو گیا ہے۔ تمہاری اطلاع کا شکریہ!

کیپٹن جارج عنبر اور مینا سے بہت خوش ہوا۔ ان کی
اطلاع کی وجہ سے کیپٹن کی عزت بڑھ گئی تھی اور
اب اس کا عہدہ بھی بڑھنے والا تھا۔ اس نے دونوں
کا شکریہ ادا کیا اور انھیں الگ الگ کیبن میں بستر
لگا دیے گئے۔

کیپٹن نے کہا۔

"ہماری آبدوز دس دن کے گشت پر ہے۔
گیارہویں روز ہم یہاں سے کوچ کر کے سسلی
کے ساحل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ تم
سسلی اتر جانا۔ وہاں سے تمہیں کسی فوجی طیارے
پر لندن پہنچا دیا جائے گا۔"

یہ اچھی خبر تھی۔ آبدوز میں مینا اور عنبر کو بڑا آرام ملا
تھا۔ مینا کی صحت اچھی خوراک اور دیکھ بھال کی وجہ سے
بڑی اچھی ہو گئی تھی۔ اب وہ بہت جلد اپنے گھر اپنے
باپ کے پاس پہنچنا چاہتی تھی جو یہ سمجھے ہوتے تھا کہ
اس کی بیٹی جہاز کے ساتھ ہی غرق ہو گئی ہے۔ وہ مینا
کو دیکھ کر کس قدر خوش ہوگا۔

مینا یہی سوچ سوچ کر سارا دن خوش رہتی۔

آبدوز کو سمندر میں ساتواں دن تھا۔ ابھی چار دن
اسے اور سمندر میں رہنا تھا۔ ایک روز اچانک آبدوز
کے اندر الارم بج اٹھے۔ ملاح آبدوز کے تنگ راستوں
میں ایک دوسرے سے ٹکراتے ادھر سے ادھر بھاگنے
لگے۔ عنبر کیبن کے باہر کھڑا تھا۔ ساتھ والے کیبن
سے مینا بھی گھبرا کر نکل آئی۔

"کیا بات ہوئی عنبر؟"

"معلوم نہیں۔ کسی سے پوچھتا ہوں۔"

اس نے ایک ملاح سے الارم بجنے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔

"دشمن کا جہاز دکھائی دیا ہے۔ ہم اسے تارپیڈو مار کر اڑا دیں گے۔"

عنبر اور مینا کی پریشانی دور ہو گئی۔ عنبر نے مینا سے کہا۔

"تم کیبن میں آرام کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

"کہاں جا رہے ہو تم؟" مینا نے پوچھا۔

عنبر بولا:

"میں دشمن کے جہاز کو تباہ ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

مینا اپنے کیبن میں چلی گئی اور عنبر بھی دوسرے ملاحوں کے ساتھ بھاگتا ہوا آبدوز کے آپریشن روم میں آ گیا جہاں کیپٹن جارج سمندر دور بین پر آنکھیں رکھے دشمن کے جہاز کے بارے میں ایک ایک سیکنڈ کی خبر دے رہا تھا۔

"ساؤتھ ویسٹ۔ سولہ ڈگری نارتھ سترہ ڈگری۔"

جوں جوں جہاز آگے بڑھ رہا تھا۔ کیپٹن جارج تارپیڈو

روم میں گولہ چلانے والوں کو ایک ایک سیکنڈ کی پوزیشن بتا رہا تھا تاکہ تارپیڈو کا نشانہ صحیح لگ سکے اور جہاز تباہ ہو جائے۔ سامنے دیوار پر ایک ٹیلی ویژن سائز کی چھوٹی سکرین لگی تھی۔ اس پر دشمن کے جہاز کی پوری تصویر آ رہی تھی۔ وہ آبدوز سے کوئی آدھے میل کے فاصلے پر سمندر کی موجوں کو چیرتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اس کے اوپر جرمن فوج کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ یہ جنگی جہاز تھا اور اس پر توپیں بھی لگی ہوئی تھیں۔

کیپٹن جارج رک رک کر جہاز کی پوزیشن بتا رہا تھا۔ سب ملاح سانس روکے کھڑے تھے۔ نیچے تارپیڈو روم میں توپ کے اندر گولہ یعنی تارپیڈو ڈال دیا گیا تھا۔ اور اس کا رخ کیپٹن کی ہدایت کے مطابق پھیرا جا رہا تھا۔ جونہی جہاز درمیان میں آیا۔ کیپٹن جارج نے کہا۔

"فائر"

اس کے ساتھ ہی تارپیڈو روم میں توپچی نے بٹن دبا دیا۔ اب سب کی نظریں ٹیلی ویژن کے سکرین پر لگی تھیں۔ تارپیڈو بم سمندر کے اندر ہی اندر ایک ہلکی سی لکیر کھینچتا جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ شاید دشمن کے جہاز والوں نے بھی سمندر کے اوپر تارپیڈو کی لکیر کو اپنی طرف

آتے دیکھ لیا تھا۔ اس کے الارم زور زور سے بجنے لگے۔ ملاح ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ جہاز کا رخ تیزی سے پھیرا جانے لگا۔ مگر اس دوران میں کافی دیر ہو چکی تھی۔ اب اتنا وقت نہیں تھا دشمن کے پاس۔ جہاز کا رخ ابھی پوری طرح نہیں پھرا تھا کہ تارپیڈو بم ایک دھماکے کے ساتھ دشمن کے جنگی جہاز سے ٹکرا گیا۔

پانی زور سے اچھلا اور جہاز ڈگمگا گیا۔ آبدوز میں ملاح خوشی سے ناچنے لگے۔ تارپیڈو بم نے دشمن کے جہاز میں گھس کر اس کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ پانی جہاز کے اندر تیزی سے گھسنے لگا اور دیکھتے دیکھتے جہاز سمندر میں ڈوبنے لگا۔ جرمن ملاحوں نے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ انہیں نیچے سے شارک مچھلیوں نے دبوچ لیا۔ دس سیکنڈ کے اندر اندر جہاز سمندر کے نیچے پہنچ گیا اور سمندر پر اب کچھ بھی نہیں تھا۔ کیپٹن جارج نے ملاحوں کو مبارک باد دی اور عنبر کی طرف دیکھ کر بولا :

یہ ہمارا اس گشت کا دوسرا شکار ہے آؤ اس خوشی میں تمہیں کافی پلائیں۔"

کیپٹن جارج عنبر کو ساتھ لے کر اپنے کیبن میں آ گیا۔

شیشے کے جگ میں سے کافی مگ میں انڈیل کر عنبر کے آگے رکھی۔ ایک مگ بھر کر خود اٹھایا اور وائرلیس پر ہیڈکوارٹر کو دشمن کے جنگی جہاز کی تباہی کی خبر دے دی۔ پھر وہ مزے سے کافی کے گھونٹ نگلنے لگا۔ عنبر نے کہا۔

"آپ بڑے کامیاب کپتان ہیں۔"

کیپٹن جارج مسکراتے ہوئے بولا۔

"شکریہ۔ مگر ابھی ایک خطرہ باقی ہے۔"

"وہ کیا ؟" عنبر نے کافی پیتے ہوئے پوچھا۔

کیپٹن نے کہا۔

"دشمن کا جہاز جب غرق ہونے لگتا ہے تو وہ ڈوبنے سے پہلے پیچھے وائرلیس پر پیغام دے دیتا ہے کہ وہ سمندر میں اس جگہ پر اتنے ڈگری ساؤتھ یا مشرق میں ہے اور اس کے جہاز کو آبدوز نے تارپیڈو مار دیا ہے۔"

عنبر بولا :

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ بے شک وائرلیس کر دے۔"

کیپٹن سنجیدہ ہو کر بولا۔

"اس سے یہ ہوتا ہے کہ یہ اطلاع ملتے ہی دشمن کے بمبار ہوائی جہاز اس خاص جگہ پر پہنچ جاتے ہیں اور آبدوز کے اوپر بم برسانے شروع کر دیتے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"آپ تو سمندر کے اندر ہیں۔ آپ کو بم کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟"

کیپٹن نے کہا۔

"آبدوزوں پر جو سمندر کے اندر ہوتی ہیں ایک خاص قسم کے بم برسائے جاتے ہیں۔ یہ بم سمندر کے کافی اندر جا کر پھٹتے ہیں۔ اور آبدوز کے پرخچے اڑا دیتے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"تو آپ جلدی سے اس علاقے سے نکل جائیں تاکہ دشمن کے بمبار آپ کو تلاش ہی نہ کر سکیں۔"

کیپٹن مسکرا کر کہنے لگا۔

"میرے عزیز! آبدوز کی رفتار بہت سست

ہوتی ہے۔ ہم جتنی بھی کوشش کر لیں ہماری آبدوز اس سمندر میں پندرہ بیس میل کے اندر ہی اندر رہے گی اور اتنی دیر میں دشمن کے بمبار ہمارے سر پر پہنچ جائیں گے۔"

یہ بات کیپٹن جارج کے منہ میں ہی تھی کہ اچانک آبدوز کے الارم ایک بار پھر چیخ اٹھے۔ کیپٹن نے کافی کا مگ وہیں رکھ دیا اور یہ کہتا ہوا تیزی سے باہر نکل گیا۔

"دشمن کے بمبار آ گئے ہیں۔"

عنبر سیدھا مینا کے کیبن میں چلا گیا۔ خطرے کے الارم پر وہ ایک بار پھر پریشان تھی۔ عنبر نے کہا۔

"ہم نے دشمن کا جنگی جہاز تباہ کر دیا تھا لیکن اب دشمن کے بمبار بم برسانے آ گئے ہیں تم گھبرانا نہیں۔ کیپٹن بڑا تجربہ کار ہے وہ آبدوز کو خطرے سے نکال کر لے جائے گا۔"

لیکن مینا کا رنگ دہشت کے مارے اڑ چکا تھا۔ عنبر نے اسے بستر پر لیٹ جانے کو کہا اور خود آپریشن روم میں آ گیا۔ یہاں راڈار پر دشمن کے جنگی طیاروں کو دیکھ لیا گیا تھا۔ یہ کل چار بمبار طیارے تھے اور جہاں آبدوز

تھی۔ سمندر میں بالکل اسی جگہ کی طرف چلے آرہے تھے
کیپٹن کو اس کے اسسٹنٹ نے مشورہ دیا۔

سر! ہمیں سمندر کے اوپر آکر طیارہ شکن
توپوں سے ان طیاروں کو مار گرانا چاہیئے۔"

کیپٹن نے کہا۔

"لیکن طیاروں سے جو بم گریں گے ان کا ہم
کیا علاج کریں گے؟"

پھر اس نے حکم دیا کہ آبدوز کو سمندر کے بالکل نیچے
لے جایا جائے۔ ایک بار پھر گھگھو بجنے لگے اور آبدوز
نے سمندر کے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ عین اس وقت
طیاروں نے بم پھینکنا شروع کر دیئے۔ یہ خاص
قسم کے بم آبدوز کے دائیں بائیں آکر زبردست دھماکے
سے پھٹ رہے تھے۔ ان کے پھٹنے سے سمندر میں
ایک طوفان اٹھ رہا تھا۔ سمندر کی طاقت ور موجیں
اندر ہی اندر آبدوز سے ٹکرا کر اسے کھلونے کی
طرح ادھر ادھر دھکے دے رہی تھیں۔ خطرہ تھا کہ
کہیں کوئی بم آبدوز کے بالکل قریب یا اس کے اوپر
آکر نہ پھٹ جائے۔ کیونکہ پھر آبدوز کو تباہ ہونے
سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ آب دوز نیچے

تر رہی تھی۔ اور بم اس کے چاروں طرف گر کر
پھٹ رہے تھے۔ اچانک آب دوز کو ایک
جھٹکا سا لگا۔

چھت پر موت

•

دھچکے کے ساتھ ایک کھڑاک بھی آیا تھا۔
جیسے کوئی شے آبدوز کی چھت سے ٹکرائی ہو۔ آبدوز
سمندر کی تہہ کے ساتھ آ کر لگ گئی۔ بم کافی اوپر
پھٹ رہے تھے۔ آبدوز خطرے سے باہر نکل چکی
تھی۔ ملاح خوش تھے کہ خطرہ ٹل گیا۔ لیکن کیپٹن
جارج ابھی تک پریشان تھا کہ آبدوز کے ساتھ
کس چیز کے ٹکرانے سے کھڑاک پیدا ہوا تھا۔ پھر
اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے اس کا وہم ہو۔ اس
نے تمام ملاحوں کو حکم دیا کہ ایک دوسرے سے
زیادہ بات نہ کریں تاکہ آکسیجن زیادہ خرچ ہونے
سے بچائی جا سکے۔ عنبر کیپٹن کے پاس ہی کھڑا تھا
وہ بڑے غور سے راڈار کی سکرین کو دیکھ رہا تھا
وہاں اب کسی طیارے کا سبز نشان نہیں ابھر رہا

تھا۔ دشمن کے طیارے اپنے سارے بم پھینک کر
واپس جا چکے تھے۔

کیپٹن نے نائب کپتان سے کہا۔
"راجر! ہم آدھ گھنٹے بعد یہاں سے اوپر اٹھیں گے۔
میں ذرا کیبن میں جا رہا ہوں۔"

وہ عنبر کو لے کر اپنے کیبن کو جانے ہی لگا تھا
کہ پھر کھڑاک سنائی دیا۔ یہ آواز آبدوز کے اوپر سے
آ رہی تھی اور ایسی تھی جیسے آبدوز کی چھت پر
کوئی لوہے کی بھاری شے اِدھر اُدھر لڑھک رہی
ہے۔ کیپٹن وہیں رک گیا۔

"یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟" اس نے اپنے نائب
سے پوچھا۔

راجر نے کہا:
"سر! شاید اوپر کا جنگلا کسی بم کے دھماکے
سے ٹوٹ گیا ہے اور اب سمندر کی موجوں کے ساتھ
اِدھر اُدھر لڑھک رہا ہے!"

کیپٹن نے کہا۔
"غوطہ خوروں کو کہو کہ اوپر جا کر دیکھیں یہ
کیا چیز ہے اور رپورٹ کریں!"

"آئی آئی سر!"

اسی وقت نائب کپتان کے حکم سے دو غوطہ خور
آکسیجن نقاب پہن کر آبدوز کے نچلے دروازے سے
نکل کر آبدوز کے باہر سمندر میں آ گئے۔ غوطہ خوروں
کے منہ کے آگے چھوٹے چھوٹے مائیکروفون لگے
وہ ایک ایک بات کی پوری پوری رپورٹ دے رہے
تھے۔ انہوں نے آبدوز کا ایک چکر لگایا اور پھر
سے اوپر آگئے۔ اوپر آتے ہی ان کے منہ سے
نکل گئی۔

"سر! آبدوز کے اوپر ایک بم پڑا ہے۔"

یہ خبر ایک بجلی بن کر ہم سب پر گری۔ کیپٹن
جارج کا رنگ اڑ گیا۔ ملاحوں کے چہروں پر ہوائیاں
اڑنے لگیں۔ جرمن طیاروں نے جو بم برسائے
وہ نیچے آ کر سمندر میں سب کے سب پھٹ گئے
ایک بم آبدوز کے اوپر چھت پر جنگلے کے ساتھ
گر کر لگ گیا تھا اور پھٹا نہیں تھا۔ لیکن وہ کسی
وقت بھی پھٹ سکتا تھا۔ آبدوز موت کے منہ پر کھڑی
تھی۔ سب ملاحوں کی زندگیاں موت کے کنویں میں
لٹک رہی تھیں۔ کوئی پتہ نہیں تھا کہ کب، ذرا

ہلنے پر بم پھٹ جائے اور آبدوز کے پرخچے اڑ جائیں۔
کیپٹن نے اسی وقت حکم دیا۔

"تمام ملاح اپنی اپنی جگہ پتھر بن جائیں کوئی
اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہلے۔"

آبدوز میں موت کا سناٹا چھا گیا۔ ہر کسی کو یوں
لگ رہا تھا جیسے کوئی زہریلا سانپ پھن اٹھائے ڈسنے
کو تیار ان کے منہ کے آگے بیٹھا پھنکار رہا ہے۔
غوطہ خور پانی میں ہی گم سم سمندر کی تہہ میں ریت پر
بیٹھے ایک بڑے لوہے کے کنستر جتنے فولادی بم کو
خوف بھری نگاہوں سے تک رہے تھے۔ کیپٹن
کیانے کہا۔

"کیا بم کسی طرح آبدوز کی چھت سے علیحدہ
کیا جا سکتا ہے۔ رپورٹ کرو۔"

غوطہ خور آہستہ سے ریت پر سے اٹھے اور ہولے
ہولے تیرتے ہوئے آبدوز کے اوپر آگئے اور
بم کو غور سے تکنے لگے۔ انہوں نے رپورٹ کی۔

"بم کا کنڈا آبدوز کے جنگلے میں پھنس گیا
ہوا ہے۔ اس کو صرف اٹھا کر ہی نکالا
جا سکتا ہے۔"

کیپٹن نے کہا۔

"فوراً واپس آجاؤ۔"

غوطہ خور دھیمے دھیمے پاؤں چلاتے آبدوز میں آگئے
کیپٹن نے چیف انجینئر سے مشورہ کیا کہ بم کو کیسے
آبدوز سے الگ کیا جائے۔ انجینئر نے کہا۔

"بم بہت وزنی ہے۔ اگر دو غوطہ خور بھی
سمندر میں جاکر اسے ہٹانے کی کوشش کریں
تو نہیں اٹھا سکتے۔ تین آدمیوں نے اسے
اٹھانے کی کوشش کی تو بم کے پھٹنے کا
خطرہ ہے۔ بم پھٹ گیا تو آبدوز کے ٹکڑے
اڑ جائیں گے اور کوئی بھی زندہ نہ بچے گا۔"
کیپٹن نے کہا۔

"پھر اس مصیبت سے کس طرح چھٹکارا
پایا جائے۔"

اب عنبر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"کیپٹن! مجھے اجازت دی جائے۔ میں پانی
میں جاکر بم کو اٹھا کر آبدوز سے دور لے
جاکر سمندر کی تہہ میں رکھ آؤں گا۔"
کیپٹن نے کہا۔

"جس بم کو تین آدمی نہیں اٹھا سکتے اے۔ تم
اکیلے کیسے اٹھا سکو گے؟"

عنبر نے کہا۔

"سر! میں اٹھا سکتا ہوں۔ میں اگر چاہوں
تو ساری کی ساری آبدوز کو اٹھا کر بم کے
نیچے سے نکال سکتا ہوں۔"

چیف انجینئر نے کہا۔

"مسٹر! ہماری جان پر بنی ہے اور تم مذاق
کرنے کے موڈ میں ہو۔"

عنبر نے کہا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا بلکہ آبدوز کو اور اس
کے تمام ملاحوں کو ایک بہت بڑی مصیبت
سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کو یقین
نہ آئے تو اس جگہ میری طاقت کو آزما کر
دیکھ لیں۔"

کیپٹن جارج عنبر کی طاقت غور سے تک رہا تھا۔ اس
نے کہا۔

"تمہاری طاقت کس طرح آزمائی جا سکتی ہے؟"
عنبر نے کہا۔

"میں اپنے ہاتھ کی ہتھیلیاں آگے کرتا ہوں
میری ایک ایک ہتھیلی پر ایک ایک ملاح
کھڑا ہو جائے۔"

سب ملاح، چیف انجینئر اور کیپٹن۔ عنبر کی باتوں کو حیرانی سے سن رہے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ یہ شخص عنبر پاگل ہو گیا ہے۔ لیکن عنبر فرش پر بیٹھ گیا اور اس نے دونوں ہتھیلیاں آگے پھیلا دیں اور کہا۔

"میری ایک ایک ہتھیلی پر ایک ایک
ملاح کھڑا ہو جائے۔"

کیپٹن نے دو ملاحوں کو اشارہ کیا۔ دونوں ملاح عنبر کی پھیلی ہوئی ہتھیلیوں پر کھڑے ہو گئے۔ عنبر نے نہ کوئی آواز نکالی۔ نہ زور لگایا۔ بلکہ بڑے آرام سے انہیں اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے اس کے ہاتھ پر دو انسان نہیں بلکہ پلاسٹک کے ہلکے پھلکے کھلونے کھڑے ہیں۔ سب نے حیرت سے منہ میں انگلیاں داب لیں۔ اتنی طاقت والا انسان انہوں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ عنبر مسکرا رہا تھا۔ ایک پل کے لیے بھی اس کا سانس نہیں پھولا تھا۔ کیپٹن جارج حیران آنکھوں سے تک رہا تھا۔ عنبر نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں کیپٹن! اب تو آپ کو یقین آ گیا ہوگا
کہ میں بم اٹھا سکوں گا۔"

کیپٹن نے کہا۔

"ہاں۔ انہیں اتار کر غوطہ خوروں کا لباس
پہن لو اور میرے انجینئر کے ساتھ سمندر میں
اتر جاؤ۔"

عنبر نے ملاحوں کو نیچے اتار کر ہتھیلی رومال سے پونچھی اور غوطہ خوروں کا لباس پہن لیا۔ چیف انجینئر بھی لباس پہن کر اس کے ساتھ ہو گیا۔ دونوں آبدوز کے پچھلے گول دروازے سے سمندر کے پانی میں داخل ہو گئے ایک چھوٹا کیمرہ باہر لگا دیا گیا تھا جو آبدوز کے اندر ٹی وی کی سکرین پر بم کا سارا منظر دکھا رہا تھا کیپٹن غور سے، آبدوز کی چھت پر جنگلے کے ساتھ پھنسے ہوئے بم کو دیکھ رہا تھا۔ باقی ملاح بھی بے حس و حرکت کھڑے سکرین کو ٹکٹکی باندھے تک رہے تھے۔

پھر، غوطہ خور آہستہ آہستہ پانی میں پاؤں مارتے بم کی طرف بڑھتے دکھائی دیئے۔ ان میں ایک چیف انجینئر تھا اور دوسرا عنبر تھا۔ عنبر آگے تھا۔ آبدوز

کی چھت کے پاس آ کر چیف انجینئر نے عنبر کو ہاتھ سے
اشارہ کر کے بم کی ایک طرف آنے کو کہا۔ عنبر اس
طرف آ گیا۔ ابھی وہ بم کے قریب ہی پہنچا تھا کہ
سمندر کی ایک موج آئی اور بم گڑگڑاہٹ کی آواز
پیدا کرتا ایک طرف کو لڑھک کر اوندھے منہ ہو گیا
سارے ملاح سانس روک کر رہ گئے۔ کیپٹن نے
آنکھیں بند کر لیں۔ غوطہ خور بھی رک کر رہ گئے۔
کیونکہ اس طرح حرکت کرنے سے بم کسی وقت بھی
پھٹ سکتا تھا۔ مگر بم نہ پھٹا۔

عنبر آہستہ آہستہ بم کے قریب آ گیا۔ اس نے
دونوں ہاتھ آگے بڑھائے اور بم کے نیچے ڈال دیئے
عنبر بڑی احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ اسے اپنی
جان کی تو فکر ہی نہیں تھی۔ اگر فکر تھی تو دوسرے
ملاحوں کی تھی۔ اس نے نیچے ہاتھ ڈال کر جونہی بم
کو اوپر اٹھایا کہ اس کے کنڈے کو جھٹکے میں سے
نکال دے کہ بم میں سے گیس کی ایک لکیر تیزی
سے نکلنے لگی۔ چیف انجینئر نے چلا کر کہا۔

”اسے چھوڑ دو۔ یہ پھٹنے والا ہے اس
کے تیزاب کی نلکی پھٹ گئی ہے۔“

کیپٹن جارج کو پسینہ آ گیا۔ ملاحوں نے خوف
کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔ بس ابھی ایک دھماکہ
ہو گا اور ان کے جسموں کے پرخچے اڑ جائیں گے۔
چیف انجینئر نے کیپٹن سے کہا۔

”کیپٹن! تیزاب پھٹ گیا ہے۔ یہ بم کے
اندر کسی بھی وقت بارود کو آگ لگا دیگا
اور بم پھٹ کر ہم سب کو تباہ کر دے گا۔
میں بھاگ کر آبدوز سے دور جا رہا ہوں۔
آپ بھی غوطہ خوری کا لباس پہن کر باہر
آ جائیں۔“

کیپٹن نے کہا:

”میں اپنے عملے کے ساتھ جان دوں گا۔“

عنبر کی آواز آئی۔ ”کیپٹن خدا پر بھروسہ رکھیں۔“

سب کی نظریں ٹیلی ویژن سکرین پر جمی ہوئی تھیں۔
بم میں سے ایک پتلی سی گیس کی دھار نکل کر پانی
میں اوپر سمندر کی سطح کی طرف جا رہی تھی۔ بم
اب کسی وقت بھی پھٹ سکتا تھا۔ عنبر نے بم کو
نیچے سے اٹھا لیا۔ وہ اسے آہستہ آہستہ اوپر لے
آیا۔ پھر بائیں طرف کو جھک کر اسے آبدوز کی چھت

کے کنڈے میں سے نکال دیا۔ اب بم عنبر کے سینے کے ساتھ لگا تھا اور اس نے اپنے دونوں بازو اس کے گرد لپٹا رکھے تھے۔ چیف انجینئر کچھ دور پانی میں بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ کیپٹن جارج اور دوسرے ملاح دم سادھے چپ پتھر بنے کھڑے تھے۔

عنبر بم کو لے کر پانی میں تیرنے لگا۔ وہ آبدوز سے دور ہٹتا چلا گیا۔ اب وہ آبدوز سے بیس گز دور ہو گیا تھا۔ اس نے مائیکروفون پر کہا۔

"کیپٹن میں بم کو ایک میل دور جا کر ریت پر پھینک دوں گا۔"

چیف انجینئر نے کہا۔

"نہیں نہیں۔ اسے پھینکنا مت۔ یہ پھٹ جائے گا۔ تم زندہ نہیں بچو گے۔ اسے آرام سے سمندر کی تہ میں رکھ دینا۔"

کیپٹن نے کہا۔

"عنبر! اپنا خیال کرو۔ بم کو پھینکنا مت۔"

عنبر نے کہا۔

"آپ میری زندگی کی فکر نہ کریں۔ صرف مجھے یہ بتائیں کہ کتنی دور اسے چھوڑ آؤں۔"

چیف انجینئر نے کہا۔

"آدھے میل پر جا کر اسے ریت پر رکھ کر واپس آ جاؤ۔ وہاں اگر یہ پھٹ بھی گیا تو آبدوز پر اس کا اثر نہیں پڑے گا۔"

عنبر بم کو لے کر سمندر میں ایک طرف بڑھتا گیا۔ اس کے دونوں پاؤں ہولے ہولے چل رہے تھے۔ وہ سمندر کی گہرائیوں اور اندھیرے میں دور ہوتا جا رہا تھا۔ سب لوگ اسے سکرین پر سانس روکے دیکھ رہے تھے۔ چیف انجینئر بھی آبدوز کے اندر آ گیا تھا۔

اور پھر اچانک بم پھٹ گیا۔ عنبر کے سینے سے لگا لگا بم پھٹ گیا۔ پانی میں ایک دھماکہ ہوا پانی کا ایک طوفان اوپر کو اٹھا اور کسی کو کچھ نظر نہ آیا۔ کیپٹن نے آنکھیں بند کر لیں۔ دوسرے ملاحوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بم اتنی دور جا کر پھٹا تھا کہ آبدوز کو سوائے ایک بڑا سا دھچکا لگنے کے اور کچھ نہیں ہوا تھا۔ چیف انجینئر نے آنسو بھری آواز میں سسکی لی اور کہا۔

"اس نے ہم سب کے لیے اپنی جان دے دی۔"

کیپٹن نے کہا۔ "وہ ہمارا ہیرو بن گیا۔ میں اسے

کے کنڈے میں سے نکال دیا۔ اب بم عنبر کے سینے کے
ساتھ لگا تھا اور اس نے اپنے دونوں بازو اس کے
گرد لپٹا رکھے تھے۔ چیف انجینئر کچھ دور پانی میں بیٹھا
اسے دیکھ رہا تھا۔ کیپٹن جارج اور دوسرے ملاح
دم سادھے چپ پتھر بنے کھڑے تھے۔
عنبر بم کو لے کر پانی میں تیرنے لگا۔ وہ آبدوز
سے دور ہٹتا چلا گیا۔ اب وہ آبدوز سے بیس گز دور
ہو گیا تھا۔ اس نے مائیکرو فون پر کہا۔
"کیپٹن میں بم کو ایک میل دور جا کر ریت
پر پھینک دوں گا۔"
چیف انجینئر نے کہا۔
"نہیں نہیں۔ اسے پھینکنا مت۔ یہ پھٹ
جائے گا۔ تم زندہ نہیں بچو گے۔ اسے
آرام سے سمندر کی تہہ میں رکھ دینا۔
کیپٹن نے کہا۔
"عنبر! اپنا خیال کرو۔ بم کو پھینکنا مت۔"
عنبر نے کہا۔
"آپ میری زندگی [illegible] کریں۔ صرف
مجھے یہ بتائیے کہ کتنی دور اسے چھوڑ آؤں۔"

چیف انجینئر نے کہا۔
"آدھے میل پر جا کر اسے ریت پر رکھ کر
واپس آ جاؤ۔ وہاں اگر یہ پھٹ بھی گیا تو
آبدوز پر اس کا اثر نہیں پڑے گا۔"
عنبر بم کو لے کر سمندر میں ایک طرف بڑھتا گیا۔
اس کے دونوں پاؤں ہولے ہولے چل رہے تھے۔
وہ سمندر کی گہرائیوں اور اندھیرے میں دور ہوتا جا
رہا تھا۔ سب لوگ اسے سکرین پر سانس روکے دیکھ
رہے تھے۔ چیف انجینئر بھی آبدوز کے اندر آ گیا تھا۔
اور پھر اچانک بم پھٹ گیا۔ عنبر کے سینے سے
لگا لگا بم پھٹ گیا۔ پانی میں ایک دھماکہ ہوا پانی کا
ایک طوفان اوپر کو اٹھا اور کسی کو کچھ نظر نہ آیا۔
کیپٹن نے آنکھیں بند کر لیں۔ دوسرے ملاحوں کی
آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بم اتنی دور جا کر پھٹا تھا کہ
آبدوز کو سوائے ایک ہلکا سا دھچکا لگنے کے اور کچھ
نہیں ہوا تھا۔ چیف انجینئر نے آنسو بھری آواز میں
سسکی لی اور کہا۔
"اس نے ہم سب کے لیے اپنی جان دے دی۔"
کیپٹن نے کہا۔ "وہ ہمارا ہیرو بن گیا۔ میں اسے

جنگ کا سب سے بڑا بہادری کا تمغہ دینے
کی سفارش کروں گا۔ وہ ایک عظیم انسان
تھا۔"

سب نے عنبر کی موت کے غم میں آنکھیں بند کر لیں۔
سر جھکا دیا اور اس کی مغفرت کی دعا کرنے لگے۔
اچانک ایک ملاح کی نظر ٹی وی سکرین پر پڑ گئی۔ وہ
چیخ اٹھا۔

"عنبر زندہ ہے۔"

سب نے گردنیں اٹھا کر ٹی وی سکرین پر دیکھا۔
عنبر ویسے کا ویسا ہی تھا۔ اور بڑے مزے سے پاؤں مارتا
پانی کے اندر تیرتا آبدوز کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔
پھر اس کی آواز آئی۔

"کیپٹن! آبدوز کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا۔"
کیپٹن نے بے تابی سے کہا۔ "تم ــــ تم
زندہ ہو ناں؟"

"ہاں کیپٹن! میں زندہ ہوں۔ میں نے تمہیں
کہا نہیں تھا کہ میری زندگی کی تم فکر نہ کرو۔"
"اوہ میرے خدا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔"
انجینئر چلایا۔

ملاحوں نے سکھ کا سانس لیا۔ عنبر آبدوز کے اندر داخل
ہو گیا۔ اس نے غوطہ خوری کا لباس اتارا تو ملاحوں
نے اسے باری باری چوما اور خوشی سے ناچنا شروع
کر دیا۔ کیپٹن اور چیف انجینئر نے اسے گلے لگا لیا۔
مینا اپنے کیبن میں خاموش بیٹھی تھی اسے پتہ چل گیا
تھا کہ آبدوز کی چھت پر بم آن پھنسا ہے اور عنبر
اسے اٹھانے گیا ہوا ہے۔ اسے ایک طرح سے
تسلی تھی کہ عنبر کو کچھ نہیں ہو سکتا وہ بھی کیبن سے
نکل کر عنبر کے پاس آ گئی۔ اس نے عنبر سے ہاتھ
ملاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی تھی تم زندہ رہو گے۔"
عنبر نے مسکرا کر جواب دیا۔
"ان سب لوگوں میں صرف تمہیں ہی یقین
تھا کہ میں نہیں مروں گا۔"

کیپٹن، چیف انجینئر اور دوسرے ملاح اس بات
پر زبردست حیران تھے کہ اتنا طاقتور بم عنبر کی چھاتی
کے ساتھ لگا لگا پھٹ گیا تھا۔ پھر وہ زندہ کیسے
رہا۔ یہ راز کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ سب
عنبر کو کوئی پر اسرار جناتی انسان سمجھنے لگے تھے۔ اور

اندر ہی اندر اس سے خوف کھانے لگے تھے۔

تین دن بعد آبدوز سسلی کی بندرگاہ پر پہنچ گئی۔ سسلی پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ وہاں کیپٹن جارج نے عنبر کو بحیرہ روم کی سمندری فوج کے انگریز کمانڈر ان چیف سے ملایا اور اسے بتایا کہ عنبر نے کس طرح بم کو آبدوز سے ہٹا کر سارے عملے کی جان بچائی۔ کمانڈر ان چیف کو کیپٹن نے خفیہ رپورٹ پہلے ہی بھیج دی تھی اور اسے بتا دیا تھا کہ عنبر کسی خفیہ طاقت کا مالک ہے اور ہم اس کی خفیہ طاقت سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

کمانڈر ان چیف نے عنبر سے اٹھ کر ہاتھ ملایا اور اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ پھر اسے بتایا کہ عورتوں بچوں اور بوڑھوں سے بھرے ہوئے دو جہاز سسلی سے ہندوستان کی طرف روانہ کر دیئے گئے ہیں تا کہ وہ جنگ سے بچے رہیں۔

"لیکن جرمن جنگی جہاز بحیرہ عرب میں مسافروں کے جہازوں کو بھی گولہ باری کر کے ڈبو دیتے ہیں۔ ہمیں خطرہ ہے کہ جرمن جنگی جہاز یا ان کی آبدوزیں ان جہازوں کو ڈبو

دیں گی اور ہزاروں معصوم بچے بے گناہ عورتیں اور بوڑھے سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہو جائیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"آپ ان کے ساتھ ساتھ حفاظتی جہاز کیوں نہیں روانہ کر دیتے؟ اور پھر اوپر بمبار طیارے بھی اڑا دیں!"

کمانڈر ان چیف نے کہا۔ "مسٹر عنبر! ہمارے پاس ابھی اتنے جہاز نہیں ہیں کہ ہم ہر مسافر جہاز کی حفاظت کے ساتھ ایک سکوڈرن روانہ کر سکیں۔ اور پھر جرمن آبدوزوں کا کیسے پتہ لگ سکے گا۔ وہ تو سمندر کے اندر سے تارپیڈو مار کر عورتوں بچوں کے جہازوں کو غرق کر دیں گی۔"

عنبر نے کہا۔ "تو پھر یہ بتائیے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

کیپٹن جارج نے کہا۔ "کمانڈر ان چیف کی خواہش ہے کہ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر تم عورتوں بچوں سے بھرے ہوئے ان دونوں جہازوں کو

دشمن سے بچا لو۔"

عنبر نے کہا۔ "میں تیار ہوں لیکن میرے ساتھ میری ایک بہن مینا بھی ہے۔ مجھے اسے لندن چھوڑنے جانا ہے۔"

کمانڈر ان چیف نے کہا۔ "آپ انہیں ہمارے سپرد کر دیں۔ ہمارا سٹاف خود اپنی نگرانی میں خاص طیارے میں بٹھا کر مس مینا کو اسی کے گھر چھوڑ آئے گا۔"

اب عنبر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اگرچہ اس کا دل ماریا اور ناگ سے ملنے کو بہت چاہ رہا تھا جو لندن کے ایک سانپوں کے ہسپتال میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ لیکن انسانی ہمدردی کے خیال سے عنبر نے حامی بھر لی۔ عنبر نے کمانڈر ان چیف سے کہا۔

"آپ میرا ایک کام کر دیں۔ لندن کے اخباروں میں ماریا اور ناگ کے نام میرا ایک پیغام چھپوا دیں کہ میں ایک ضروری مشن پر ایک جگہ جا رہا ہوں۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں میرا انتظار کریں۔"

کمانڈر ان چیف نے کہا۔

"میں آج ہی یہ پیغام لندن بھجوائے دیتا ہوں کل کے اخباروں میں یہ پیغام چھپ گیا ہوگا یہ ماریا اور ناگ کون ہیں۔"

عنبر نے کہا۔

"یہ میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔"

"کوئی بات نہیں مسٹر عنبر! ہم آپ کے نہایت شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہماری خاطر یہ ذمے داری قبول کر لی ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"میں نے ان ہزاروں بچوں عورتوں اور بوڑھوں کی خاطر یہ ذمے داری قبول کی ہے جن کی زندگیوں کو جرمن بمباری سے خطرہ ہے۔"

عنبر اٹھ کر واپس آ گیا۔ کیپٹن جارج اس کے ساتھ تھا۔ جارج نے بھی عنبر کا شکریہ ادا کیا۔ عنبر نے مینا کو کیپٹن جارج کے حوالے کر دیا جو اسے لے کر کمانڈر ان چیف کے پاس چلا گیا۔ عنبر کیپٹن جارج کے فوجی ہوٹل

دی ۔ اسے اس حساب سے گرایا گیا تھا کہ وہ بچوں کے
جہازوں میں سے اگلے جہاز کے قریب سمندر میں گرا۔

اس جہاز کے کپتان کو وائرلیس پر پوری اطلاع
دے کر بتا دیا گیا تھا کہ بحیرہ روم میں بحری فوج کے
کمانڈر ان چیف کا خاص آدمی جہازوں کی حفاظت کے
لئے آ رہا ہے اس کو ہر قسم کی سہولت پہنچائی جائے۔
اور وہ جو مانگے اسے فوراً مہیا کر دیا جائے۔
اور یہ ہدایت عنبر کی طرف سے خاص طور پر کر دی
گئی تھی کہ اس سے ہرگز ہرگز کوئی سوال نہ پوچھا
جائے ۔عنبر کے لئے جہاز کے کپتان نے فوراً ایک کشتی
روانہ کر دی اور اسے سمندر سے اٹھا کر جہاز پر بڑی
عزت کے ساتھ لایا گیا۔ جہاز اس وقت بحیرہ ہند کے
خطرناک علاقے میں داخل ہو چکے تھے۔ یہاں خطرہ
تھا کہ جرمن آبدوز سمندر کے اندر سے کسی وقت بھی
تارپیڈو بم مار کر جہاز کو غرق کر سکتی ہے۔ کپتان اور
ملاحوں کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ ان کے جہاز
پر کوئی توپ نہیں تھی کہ جس سے وہ ایک آدھ گولہ
ہی سمندر میں پھینک دیتے۔
کپتان دن بھر دور بین لیے برج پر عنبر کے ساتھ

میں ہی ٹھہرا۔ اسی روز رات کو عنبر کو ایک خا
ہوائی جہاز میں بٹھا کر بحر ہند کی طرف روانہ کر د
گیا جہاں جرمن جنگی جہاز اور آبدوزیں اپنے شکار ک
تلاش میں سمندر کے اوپر اور اندر گھوم رہی تھیں۔
ہوائی جہاز کے اندر سے عنبر کو وہ دو سمندری جہا
دکھائے گئے جو عورتوں بچوں اور بوڑھوں سے بھرے
ہوئے تھے۔ یہ بہت بڑے جہاز تھے اور اتنے بچے
عورتیں اور بوڑھے ان میں بھرے ہوئے تھے کہ تل
دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ عنبر نے سوچا اگر اس جہاز
کو جرمن بم مار کر تباہ کر دیں تو ان میں سے ایک بو
بوڑھا، بچہ اور عورت نہ بچ سکے گی۔ چاروں طرف
سمندر ہی سمندر تھا۔ عنبر نے دل میں فیصلہ کر لیا
وہ ان جہازوں کو ہر حال میں غرق ہونے سے بچا
لے گا۔

یہاں عنبر کو ڈوبنے سے بچنے والی جیکٹ پہنا د
گئی۔ کیونکہ وہاں کسی کو معلوم نہ تھا کہ عنبر ڈوب
نہیں سکتا۔ یہ راز صرف کیپٹن جارج اور کمانڈر انچیف
کو ہی معلوم تھا جو عنبر کے ساتھ نہیں تھے۔ پھر
عنبر نے پیراشوٹ کے ذریعے سمندر میں چھلانگ لگ

کھڑا سمندر میں دیکھتا رہتا کہ کہیں آس پاس کوئی آبدوز
یا جرمن جنگی جہاز تو نہیں ہے۔ لیکن اس وقت تین
جرمن تباہ کن آبدوزیں سمندر کے اندر ہی اندر ان
دونوں جہازوں کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ جہاز کے
راڈار سکرین پر جب ایک ہی وقت میں تین جرمن
آبدوزوں کے نقطے ابھرے تو وہاں کھلبلی مچ گئی۔
کپتان کا رنگ زرد ہو گیا۔ اسے اپنی زندگی کا نہیں
بلکہ ان ہزاروں بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کی زندگیوں
کا خیال تھا جو اس کے جہاز اور دوسرے جہاز پر سوار
تھے اور جن کا بچنا اب مشکل نظر آتا تھا۔ کیونکہ
جرمن آبدوزوں کے بارے میں مشہور تھا کہ ان کا
نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا اور وہ جہاز کو ایک سیکنڈ
میں نشانہ بنا کر ڈبو دیتی ہیں۔ کپتان نے عنبر کو
آبدوزوں کے متعلق بتایا اور کہا کہ وہ ان کے جہازوں
کی طرف مغرب سے ایک تکون کی شکل میں بڑھ
رہی ہیں۔ عنبر نے سکرین پر آبدوزوں کے نقطے
غور سے دیکھے اور کپتان سے کہا۔
"مجھے غوطہ خوری کا لباس دیا جائے۔"
بڑے زبردست قسم کے طاقتور ٹائم بم عنبر سسلی

سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ یہ بم جہاز کے پیندے سے
چپک جاتے تھے اور وقت پر بھیانک دھماکے کے
ساتھ پھٹ کر جہاز کے پرخچے اڑا دیتے تھے۔

•

سمندری بھوت

عنبر نے غوطہ خوری کا لباس پہنا۔

یہ لباس وہ جہاز والوں کو دکھانے کے لیے پہن رہا تھا۔ ورنہ اسے اس کی بھی ضرورت نہیں تھی اور وہ سمندر میں بغیر ہَوا کے بھی جتنی دیر چاہے زندہ رہ سکتا تھا۔ اس نے چھوٹا ٹائم بم اپنے ساتھ پلاسٹک کے تھیلے میں رکھ لیے اور جہاز کے پچھلے حصے سے سمندر میں رسی کے ذریعے اتر گیا۔ جہاز پر سوار عورتیں بچے اسے دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ ایک ملاح سے عورت نے پوچھا۔

"یہ سمندر میں کیا کرنے جا رہا ہے"؟

اس ملاح نے عورت کو یہ تو نہ بتایا کہ وہ ان کی زندگیاں بچانے جا رہا ہے بلکہ یہ کہا:

"وہ مچھلیاں پکڑنے جا رہا ہے"۔

سمندر میں اترنے کے بعد عنبر نے رسی کھول دی رسی جہاز پر کھینچ لی گئی۔ عنبر کے شیشے کے نقاب

کے اندر ایک چھوٹا سا وائرلیس مائیکروفون لگا ہُوا تھا جس کی مدد سے وہ جہاز کے کپتان سے بات کر سکتا تھا۔ اسے خاص طور پر ہدایت کی گئی تھی کہ جب وہ دشمن کی آبدوز یا جنگی جہاز کے پیندے کے قریب پہنچے تو وائرلیس پر گفتگو نہ کرے کیونکہ دشمن اس کے سگنل پکڑ لے گا۔ اور وہ عنبر کو تو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا لیکن وہ ہو سکتا ہے بھاگ جائے یا اپنا رخ بدل لے۔

عنبر کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ایک بار دشمن کا جنگی جہاز یا آبدوز اسے نظر آ گئی تو پھر چاہے وہ لاکھ رخ بدلے عنبر سے بچ کر نہیں جا سکے گی۔ عنبر نے سمندر کے اندر شمال مغرب کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ پانی کے اندر بہت کم روشنی تھی لیکن اس کے باوجود عنبر دور تک دیکھ سکتا تھا۔ رنگ برنگی مچھلیاں اس کے منہ کے آگے آ کر شیشے میں سے اسے دیکھتیں اور پھر دوسری طرف غوطہ لگا کر بھاگ جاتیں۔

عنبر ابھی تک جہاز کے کپتان سے بات کر رہا تھا۔ دوسرے جہاز کا کپتان بھی اس سے کوئی بات کر لیتا تھا۔

اور عنبر کو ہدایت کرتا کہ وہ دشمن کے راڈار سے بچ
کر سمندر میں چلے۔ دوسرے کپتان کو بھی عنبر کی خفیہ
طاقت کا علم نہیں تھا۔ یہ سمندر بڑا گہرا تھا۔ عنبر نے
دو ایک بار پلغ کے اندر تیرتے تیرتے نیچے دیکھا تو
اسے اندر نیچے پانی میں ڈوبی ہوئی پہاڑیوں کی چوٹیاں
نظر آئیں۔ اس سمندر کے اندر پہاڑیاں ڈوبی ہوئی
تھیں۔ عنبر کو جہاز کے کپتان نے کہا۔

"عنبر! ہیلو! تم ٹارگٹ کے قریب پہنچ گئے
ہو۔ کیا تم ٹارگٹ دیکھ رہے ہو؟"

عنبر نے جواب دیا۔

نہیں۔ ابھی میں نہیں دیکھ رہا۔

"ہیلو! تمہارے بائیں جانب 75 ڈگری پر
ایک جرمن آبدوز سمندر کی تہہ میں آہستہ
آہستہ ہمارے جہاز کو نشانہ بنانے چلی آ
رہی ہے۔"

عنبر نے بائیں طرف دیکھا۔ اسے دور ایک سیاہ
دھبا سا پانی کے اندر ہلتا دکھائی دیا۔ اس نے وائرلیس
پر کہا:

"ہیلو! کیپٹن! میں ٹارگٹ کو دیکھ رہا ہوں۔"

"ہیلو عنبر! او کے! اب سگنل مت دینا
اسے تباہ کرنے کی کوشش کرو۔"

عنبر نے وائرلیس پر گفتگو بند کر دی اور بائیں طرف سیاہ
دھبے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ سمندر میں اور زیادہ
گہرائی میں اتر گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سامنے کے
رخ جائے۔ کیونکہ اس طرح سے دشمن اسے اپنے
راڈار پر دیکھ سکتا تھا۔ وہ دشمن کی آبدوز کے پیچھے
کی طرف سے پانی میں تیرتا نیچے ہی نیچے سے اس
کے پیندے کے نچلے رخ پر آ گیا۔ آبدوز نے اپنی
رفتار ہلکی کر لی تھی۔ وہ جہاز کو نشانہ بنا رہی تھی۔
وہ بار بار اپنا رخ بدل رہی تھی۔ شاید اسے جہاز
کو نشانہ بنانے میں دقت پیش آ رہی تھی۔ کیونکہ
کپتان بچوں کے جہاز کو کبھی دائیں کبھی بائیں کر رہا
تھا تاکہ آبدوز نشانہ نہ لگا سکے۔

عنبر نے پلاسٹک کے تھیلے میں سے ایک ٹائم بم
نکال لیا اور آبدوز کے پیندے کے پاس آ کر اسے
چپکا دیا اور بٹن دبا کر اسے چالو کر دیا۔ ٹائم بم
کی گھڑی چلنے لگی تھی اور پورے پچیس منٹ کے
بعد اسے پھٹ جانا تھا۔ اب عنبر دوسری آبدوز

کی طرف بڑھا۔ وہ تکونی زاویے کے حساب سے پانی میں چلا جا رہا تھا۔ دو فرلانگ چلنے کے بعد اس نے دوسری آبدوز کو بھی دیکھ لیا۔ اس نے وائرلیس پر جہاز کے کپتان کو پیغام دیا۔

"ہیلو راجر! نمبر ایک ٹارگٹ مار لیا ہے۔ نمبر دو ٹارگٹ نظر آ گیا ہے۔"

"او کے راجر!"

"جہازوں کے رخ تبدیل کرتے رہیں اور انہیں گول چکر میں گھمانا شروع کر دیں دوسرے جہاز کے کپتان کو بھی خبر کر دیں۔"

"او کے۔"

"اب میں وائرلیس نہیں کروں گا۔"

"او کے راجر!"

عنبر نے وائرلیس بند کر دیا اور بڑی تیزی سے دوسری آبدوز کی طرف چلا۔ اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ اس نے دوسری آبدوز کے نیچے بھی ٹائم بم لگا دیا اور اب تیسری آبدوز کو نشانہ بنانے کے لیے اس کی طرف پوری رفتار سے تیرنے لگا وہ کسی تیز رفتار شارک مچھلی کی طرح سمندر کے اندر

موجوں کو چیرتا ہوا تیسری آبدوز کے نیچے آ گیا اور جلدی سے ٹائم بم لگا کر اس سے دور ہٹ گیا اور وائرلیس پر دونوں جہازوں کے کپتانوں کو اطلاع کر دی کہ ٹارگٹ مار دیے گئے ہیں۔ جہازوں کو دور لے جاؤ۔ دونوں جہازوں کے کپتانوں نے جہازوں کی سپیڈ تیز کر کے ان کا رخ مشرق کی طرف کر دیا۔ عنبر نے پانی کے اندر ہی اپنی گھڑی دیکھی۔ بم پھٹنے میں صرف سات منٹ رہ گئے تھے۔

وہ بھی اپنے جہازوں کی طرف تیرنے لگا۔

جب بم پھٹنے میں صرف دو منٹ رہ گئے تو عنبر نے سر پانی سے باہر نکال لیا۔ اسے اپنے دونوں جہاز مشرق کی طرف بڑی تیزی سے جاتے نظر آئے۔ دشمن کی تینوں آبدوزیں ابھی تک سمندر کے اندر تھیں اور انہوں نے ایک ایک تارپیڈو بم جہازوں کی طرف فائر کر دیا تھا۔ تینوں بم سمندر کے اوپر تین سفید لکیریں چھوڑتے جہازوں کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ عنبر نے وائرلیس پر کیپٹن کو خبردار کیا کہ جہازوں کے رخ بدل لو۔ بم آ رہے ہیں۔ دس سیکنڈ کے بعد عنبر نے دیکھا کہ دونوں جہازوں

نے رخ بدل کر جنوب کی طرف کر لیے۔ اس کے ساتھ ہی تینوں خطرناک تارپیڈو بم جہازوں کے قریب سے ہو کر آگے نکل گئے۔

جہاز بچ گئے تھے۔ اب آبدوزیں دوسرا حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ مگر جو ٹائم بم عنبر ان کے نیچے لگا آیا تھا۔ انھوں نے مہلت نہ دی۔ وہ مہلت دے ہی نہیں سکتے تھے۔ وقت پورا ہو گیا تھا۔ بموں کے پھٹنے کا بھی اور آبدوز کے اندر بیٹھے دشمن کے آدمیوں کا بھی۔۔۔ ایک ہی وقت میں سمندر کے نیچے تین دھماکے ہوئے اور تین جگہوں پر سے سمندر کا پانی ایک پہاڑ کی طرح اوپر کو اچھلا۔ تینوں بم پھٹ گئے تھے اور آبدوزوں کے پرخچے اڑ کر ملاحوں سمیت سمندر کی تہہ میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔

دونوں جہازوں کے الارم زور زور سے بجنے لگے۔ یہ فتح کی خوشی کا اعلان تھا۔ عنبر جہاز کی طرف تیرنے لگا۔ کیپٹن نے جہاز روک لیے تھے۔ عنبر کو ایک کشتی کے ذریعے سمندر میں سے اٹھا لیا گیا۔ کیپٹن نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔ اسی وقت پیچھے ہیڈ کوارٹر میں کمانڈر ان چیف کو وائرلیس پر خوش خبری سنا دی گئی

کہ دشمن کی تینوں آبدوزیں تباہ کر دی گئی ہیں۔ کمانڈر ان چیف نے وائرلیس پر عنبر کو بے حد مبارک باد دی اکٹھی تین آبدوزوں کو تباہ کر دینا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ایک آبدوز کو غرق کرنے کے لیے بمبار جہازوں کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ یہ دشمن کا بہت بڑا نقصان تھا۔ اگرچہ بم اچانک پھٹ گئے تھے لیکن شاید کسی آبدوز کے کپتان کو غرق ہونے سے چند سیکنڈ پہلے بم کا کسی طرح پتہ چل گیا تھا اور اس نے اپنے جنگی جہاز کو خبر کر دی تھی کہ میری آبدوز کے نیچے بم لگا دیا گیا ہے۔ اس کے بعد آبدوز دھماکے سے پھٹ گئی۔

لیکن جرمن جنگی جہاز کے کیپٹن کے لیے اتنی اطلاع ہی کافی تھی۔ اس نے اپنا رخ بحیرۂ ہند کی طرف کر لیا۔ بہت جلد اسے وائرلیس پر خبر مل گئی کہ دشمن کی کوئی آبدوز سمندر کے اندر ہے جس کے گوریلوں نے ان کی تین آبدوزوں کو غرق کر دیا ہے۔

"اس آبدوز اور بچوں سے بھرے ہوئے دونوں جہازوں پر اتنی گولہ باری کرو کہ وہ غرق ہو کر سمندر میں ڈوب جائیں۔"

یہ حکم تھا جو جرمن ہائی کمانڈ کی جانب سے جرمن جنگی جہاز کو دیا گیا۔ جرمن جنگی جہاز کے کیپٹن نے اپنی رفتار اتنی تیز کر دی کہ آدھ گھنٹے کے بعد وہ بحیرہ ہند کے سمندر میں آگیا۔ اس نے اپنے راڈار پر عورتوں بچوں سے بھرے ہوئے دونوں جہازوں کو دیکھ لیا۔ دوسری طرف عنبر نے بھی راڈار پر جرمن جنگی جہاز کو دیکھ لیا تھا۔ کیپٹن نے فکرمند ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ جنگی جہاز ہے۔ اس پر چھ توپیں لگی ہیں ان کے گولے ہمارے جہازوں کے ٹکڑے اڑا دیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"ہمیں اپنے بمبار ہوائی جہازوں کو بلا لینا چاہیئے۔"

کیپٹن بولا:

"جتنی دیر میں ہمارے بمبار آئیں گے ہم سب اپنے جہاز کے ساتھ سمندر میں غرق ہو چکے ہوں گے۔"

عنبر نے پوچھا:

"پھر آپ کے خیال میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

"صرف موت کا انتظار کر سکتے ہیں۔"

کیپٹن نے آہ بھر کر کہا۔ کیپٹن نا امید ہو چکا تھا اس نے ڈیک پر بیٹھی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو دیکھا اور اپنے سر کو ایک طرف جھکا لیا۔ عنبر نا امید نہیں تھا۔ اس نے کیپٹن کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"میں ان عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بے گناہ نہیں مرنے دوں گا۔ میں جرمن جنگی جہاز پر جاؤں گا۔"

کیپٹن جانتا تھا کہ اگر عنبر کسی طرح جرمن جنگی جہاز پر پہنچ جائے تو وہ ان کی توپوں کو خاموش کر سکتا ہے۔ لیکن اسے خود نہیں معلوم تھا کہ وہ عنبر کو دشمن کے جہاز تک کیسے پہنچائے۔ اتنی دیر میں دشمن کا جنگی جہاز سمندر کی سطح پر دور ابھر آیا۔ اور اس نے پہلا گولہ فائر کیا۔ جو جہاز سے سو گز آگے جا کر سمندر میں گر کر پھٹ گیا۔ عورتوں، بچوں میں شور مچ گیا۔ بچے رونے لگے۔ فوراً تمام عورتوں اور بچوں وغیرہ کو کیپٹن کے حکم سے جہاز کے نیچے پہنچا دیا گیا۔

ایک اور گولہ سمندر میں گر کر دھماکے سے پھٹا۔ سمندر کی موجوں نے جہاز کے ایک طرف دھکیل دیا۔ عنبر نے کہا

"میں جا رہا ہوں۔"

اور عنبر نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ وہ جتنی تیزی سے ہو سکتا تھا۔ سمندر کے اندر ہی اندر تیرتا ہُوا دشمن کے جہاز کے قریب جا پہنچا۔ اس نے پلاسٹک کے تھیلے سے بم نکال کر لگانا چاہا مگر وہ دھک سے رہ گیا۔ پلاسٹک کا تھیلا پانی کی موجوں کی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا اور تینوں بم سمندر میں کہیں گر گئے تھے عنبر پریشان ہو گیا۔ اب کیا کرے؟ آخر وہ سمندر کی سطح پر آ گیا۔

اس کے باہر نکلتے ہی جرمن ملاحوں نے اسے دیکھ لیا اور اس پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ مگر عنبر برابر جہاز کی طرف تیرتا چلا آیا۔ جرمن کیپٹن کے حکم سے عنبر کو جہاز کے اوپر اٹھا کر گرفتار کر لیا گیا۔ وہ یہ سمجھے کہ عنبر کو کوئی گولی نہیں لگ سکی۔ حالانکہ اسے بے شمار گولیاں لگی تھیں مگر ان کا کوئی اثر نہیں ہُوا تھا۔ جرمن کیپٹن نے عنبر کو گھور کر دیکھا اور پوچھا کہ وہ کس لئے ادھر آیا ہے؟

عنبر نے کہا۔

"میں سمندر میں موتی تلاش کر رہا تھا کہ میرا

گیس ماسک خراب ہو گیا اور سطح پر آنا پڑا۔"

جرمن کیپٹن نے ایک زور دار طمانچہ عنبر کو مارا۔ عنبر کو تو کچھ بھی نہ ہُوا لیکن کیپٹن کے ہاتھ کو سخت چوٹ لگی۔ اس نے سمجھا شاید عنبر کے جبڑے کی ہڈی اسے لگی ہے۔

عنبر عرشے پر کھڑا تھا اور سامنے چھ توپیں گولے برسا رہی تھیں۔ عنبر کو اور تو کچھ نہ سوجھی وہ چھلانگ لگا کر توپوں کے پاس چلا گیا۔ اس نے جرمن کیپٹن کے دیکھتے دیکھتے تین توپوں کو دھکے دے کر سمندر میں گرا دیا۔ وہ چوتھی توپ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ جرمن سپاہیوں نے اس پر اندھا دھند گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ عنبر کے جسم سے گولیاں ٹکرا ٹکرا کر نیچے گر رہی تھیں۔ اس نے باقی دو توپوں کو بھی سمندر میں پھینک دیا۔ توپچی بھی ہلاک کر دیئے۔

جرمن کیپٹن چلایا۔

"اسے پکڑو۔ اسے ہلاک کر دو۔"

سپاہیوں نے عنبر کو پکڑ لیا۔ مگر عنبر کی طاقت کا بھلا وہ کیا مقابلہ کر سکتے تھے۔ عنبر نے ایک ہی جھٹکے

سے تین سپاہیوں کی گردنیں توڑ ڈالیں اور تین کو ہوا میں اچھال کر سمندر میں گرا دیا۔ اس کے بعد اس نے چھٹی توپ کو بھی دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ اب جہاز کی دوسری طرف کی توپیں رہ گئی تھیں۔ وہ بھی چھ توپیں تھیں۔ عنبر کسی کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ جرمن کیپٹن نے بالکل قریب جا کر عنبر کے ماتھے پر پستول کی چھ گولیاں فائر کر دیں۔ چھ کی چھ گولیاں عنبر کے ماتھے سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فضا میں بکھر گئیں مگر عنبر اسی طرح کھڑا رہا۔ سارے جہازی سپاہی اور کیپٹن حیران و پریشان تھے کہ یہ کس قسم کا انسان ان کے جہاز پر آ گیا ہے کہ جس نے آناً فاناً ان کی چھ توپوں کو اٹھا کر سمندر میں اچھال دیا ہے اور جس پر گولی کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ توپیں اتنی بھاری تھیں کہ صرف کرین کے ذریعے سے اوپر اٹھائی جاتی تھیں۔

عنبر چھلانگ لگا کر جہاز کی دوسری طرف آ گیا۔ اب اس پر چاروں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی ایک سپاہی نے دستی بم بھی اس پر پھینک دیا۔ بم عنبر کے پاؤں میں آ کر دھماکے سے پھٹ گیا۔ عنبر کو تو کچھ نہ ہوا لیکن جہاز کے عرشے پر گہرا سوراخ ہو گیا۔ جرمن

کیپٹن نے چلا کر کہا :

”ہینڈ گرنیڈ مت مارو۔ اسے زندہ پکڑنے کی کوشش کرو۔“

لیکن عنبر کو اس حالت میں زندہ پکڑنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ وہ اپنی پوری طاقت میں آ چکا تھا۔ اس کی طرف چھ جرمن سپاہی چھرے لے کر بڑھے۔ وہ اس پر چھروں سے حملے کرتے رہے اور ان کے چھرے ٹوٹ گئے اور عنبر نے اس دوران میں دو توپیں اکھاڑ کر سمندر میں پھینک دیں۔ جرمن کیپٹن نے فوراً پیچھے ہیڈ کوارٹر کو وائرلیس کیا کہ ایک عجیب و غریب بھوت انسان ان کے جہاز پر آ گیا ہے اس پر نہ گولی اثر کرتی ہے نہ خنجر اور اس نے ہماری توپیں تباہ کر دی ہیں۔ وہ کسی کے قابو میں بھی نہیں آ رہا۔ جہاز کو سخت خطرہ ہے۔ کمک روانہ کی جائے۔ جب عنبر نے دوسری طرف کی بھی چھ توپوں کو سمندر میں پھینک دیا تو وہ جرمن کیپٹن کی طرف آیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

”کیپٹن! میں نے ہی تمہاری تین آبدوزوں کو سمندر میں بم مار کر غرق کیا ہے۔ میں تمہارے جہاز کو بھی بم لگانے آیا تھا کہ بم سمندر میں گر گئے۔ بچوں

بوڑھوں اور عورتوں کے جہازوں پر حملہ کرنے
والوں کے ساتھ اس سے بھی برا سلوک ہونا
چاہیے۔ تم نے میری طاقت کو دیکھ لیا ہے۔
اب تم خاموشی سے واپس چلے جاؤ اور اپنے
ہیڈ کوارٹر کو کہہ دو کہ بچوں کے جہاز کی طرف بری
آنکھ سے مت دیکھیں نہیں تو میں تمہارے سارے
جہاز سمندر میں غرق کر دوں گا۔"

جرمن کیپٹن نے اپنی بھوری آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

عنبر نے کہا:

"میں یونانی دیو ہوں۔ یولی سیز۔ سمندر کا جن
تمہاری ساری فوج مل کر بھی میرا مقابلہ نہیں کر
سکتی۔ میں تمہاری ساری فوج کو تباہ کر سکتا
ہوں۔ لیکن تاریخ مجھے ایسا کرنے سے روکتی
ہے۔ کیونکہ تاریخ کا فیصلہ ہے کہ سات سال
بعد تمہیں زبردست ذلت والی شکست ہو گی اور
میں تاریخ میں دخل نہیں دے سکتا۔
خدا حافظ!"

اتنا کہہ کر عنبر نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ جرمن کپتان

اور دوسرے سپاہی اسے دیکھتے رہ گئے۔ کچھ سپاہیوں نے
گولیاں چلائیں مگر کیپٹن نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

"اپنی گولیاں ضائع نہ کرو۔ وہ کوئی بھوت ہے
اسے چلے جانے دو۔"

اور عنبر سمندر میں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

جب جرمن جنگی جہاز کی توپوں نے گولہ باری بند کر دی
تو جہاز کا کپتان سمجھ گیا کہ عنبر نے کسی نہ کسی طریقے سے
توپوں کو خاموش کر دیا ہے۔ لیکن یہ بات اس کے وہم میں
بھی نہیں تھی کہ عنبر نے توپوں کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا
اٹھا کر سمندر میں پھینک ڈالا ہے۔ جنگی جہاز بم کے دھماکے
سے بھی نہیں پھٹا تھا۔ اتنے میں اسے عنبر سمندر میں تیر کر
جہاز کی طرف آتا دکھائی دیا۔ فوراً کشتی اتار دی گئی۔ عنبر
جہاز کے عرشے پر آیا تو کپتان نے پوچھا۔

"توپوں کا منہ کیسے بند ہو گیا؟"

عنبر نے کہا:

"میں نے ان کے منہ میں لڈو ڈال دیئے ہیں۔"

پھر اس نے کیپٹن کو بتایا کہ جنگی جہاز کی ساری توپیں
تباہ کر دی گئی ہیں۔ اب جہازوں کو سیدھے راستے پر ڈال
دیا جائے۔

جہازوں کا رخ ہندوستان کی طرف کر دیا گیا۔ اب
جہاز ہندوستان کے قریب آ گئے تھے اور ہندوستان
میں ان دنوں انگریزوں کی حکومت تھی۔ انگریزوں کے دو
جنگی جہاز بچوں کے جہازوں کی حفاظت کے لیے سمندر میں
آ گئے اور دونوں جہاز دن کے گیارہ بجے بمبئی کی بندرگاہ
کے ساتھ جا کر کھڑے ہو گئے۔

عنبر نے وہیں سے سسلی میں کیپٹن جارج اور کمانڈر
ان چیف سے وائرلیس پر گفتگو کی اور کہا:

"میں نے آپ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا
کر دیا ہے۔ اب میں آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں
کیا لندن میں ناگ ماریا کے واسطے میں نے
جو اشتہار دیا تھا وہ چھپ گیا تھا۔

کمانڈر ان چیف نے کہا:

"دوسرے روز چھپ گیا تھا۔ مگر تم واپس
لندن نہیں آؤ گے؟"

"کیا آپ میری واپسی کا کوئی انتظام کر سکتے
ہیں؟"

عنبر نے پوچھا۔ جس کے جواب میں کمانڈر نے اسے
بتایا کہ جنگ کی وجہ سے ہوائی جہازوں کی پروازیں بند ہو

چکی ہیں اور سمندری سفر بھی لمبا اور خطرناک ہو گیا ہے۔

"لیکن میں آپ کے لیے کسی فوجی طیارے میں
جگہ پیدا کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہندوستان
سے سامان جنگ لے کر طیارے ہفتے میں ایک
پرواز کرتے ہیں۔ آپ اس میں سوار ہو کر لندن
پہنچ سکتے ہیں۔"

عنبر نے کہا، "میں تیار ہوں۔"

کمانڈر نے کہا۔

"تم فوراً بمبئی کے برٹش ایر فورس کے ایئر
کموڈور فلپ سے ملو۔ میں اسے وائرلیس کر
دوں گا۔"

عنبر اسی روز شام کو ایئر کموڈور فلپ سے ملا جو ایک
انگریز تھا۔ تین دن بعد عنبر کو ایک ٹرانسپورٹ طیارے میں
سوار کرا دیا گیا جو بمبئی کے سانتا کروز ایئر پورٹ سے
بلیک آؤٹ میں رات کے ۲ بجے لندن کی طرف پرواز
کر گیا۔ راستے میں چونکہ جرمن لڑاکا طیاروں کے حملے کا
خطرہ تھا اس لئے طیارے کے سارے عملے نے اپنے
جسم کے ساتھ پیراشوٹ باندھ رکھے تھے۔ عنبر نے بھی
پیراشوٹ باندھ لیا تھا۔ طیارہ خیریت سے دوبئی پہنچ گیا۔

یہاں سے اس نے پٹرول لیا اور یورپ کی طرف اڑ گیا۔
طیارہ جرمنی کی سرحد سے دور دور پرواز کر رہا تھا۔ مگر
رات کے چار بجے تین جرمن لڑاکا ہوائی جہازوں نے اس
پر حملہ کر دیا۔ ٹرانسپورٹ طیارے میں اگرچہ چھوٹی مشین گنیں
لگی ہوئی تھیں مگر وہ ہلکے پھلکے لڑاکا طیاروں کا مقابلہ نہیں
کر سکتا تھا۔ جرمن طیاروں نے دھڑا دھڑ گولیاں برسانی
شروع کر دیں۔ ٹرانسپورٹ طیارے کے انجن کو آگ لگ
گئی۔ جہاز کے اندر خطرے کا سگنل دے دیا گیا اور سرخ
بتی جلنے بجھنے لگی۔

"چھلانگیں لگا دو۔ جہاز پھٹنے والا ہے۔"

طیارے کا بڑا دروازہ باہر گرا دیا گیا اور عملے کے
آدمیوں نے باہر چھلانگیں لگا دیں۔ عنبر بھی تاریک اندھیری
سرد رات میں کود گیا۔ اس کا پراشوٹ کھل گیا تھا اور وہ
فضا میں نیچے کی طرف اتر رہا تھا۔ اس کے پاؤں پانی میں
جا کر ڈوب گئے۔ وہ کسی پہاڑی نالے میں گرا تھا۔ نالے کا
پانی گھٹنوں تک تھا۔ عنبر نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ
اپنا پراشوٹ اتار کر پھینک دیا۔ پھر نالے سے باہر نکل آیا
اندھیرے میں اسے اپنے آس پاس چھوٹے چھوٹے پہاڑی
ٹیلے دکھائی دیئے۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ جس علاقے

میں گرا ہے وہ دشمن کا علاقہ ہے یا کسی دوست ملک کا
علاقہ ہے۔ عنبر نے نالے کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر
دیا۔ بڑی تیز سرد ہوا چل رہی تھی۔ ہر طرف تاریکی پھیلی
تھی۔ کہیں کوئی روشنی نظر نہیں آتی تھی۔ شاید بلیک آؤٹ
کی وجہ سے اندھیرا تھا۔ یا وہاں کوئی آبادی ہی نہیں تھی۔
عنبر چلتے چلتے نالے کے پل پر آ گیا۔ یہاں اسے اندھیرے
میں پل پر ایک سایہ حرکت کرتا نظر آیا۔

•

وہ سایہ کس کا تھا؟
عنبر نے یہ سفر کیسے طے کیا؟
اس کی ملاقات ماریا اور ناگ سے کہاں پر ہوئی؟
یہ معلوم کرنے کے لیے اسی سیریز کی آخری اور
اگلی قسط [illegible] پڑھیے جہاں سے ان تینوں دوستوں
کا واپسی کا سفر شروع ہونے والا ہے۔

موت کا تعاقب ۱۰۰
تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

ناگ ماریا غائب ہو گئے

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پرنٹرز
جامعہ اشرفیہ ، اچھرہ ، لاہور

مقام اشاعت :
شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز ،
۱۹۹ ، سرکلر روڈ ، چوک انارکلی ، لاہور

- سپر مین
- واپسی کا لرزہ خیز سفر
- آبدوز کی تباہی
- ناگ ماریا غائب ہوگئے
- عنبر کی واپسی

پیارے بچو!

لیجیے آپ کے پسندیدہ ناول "موت کا تعاقب"
کی آخری اور ۱۰۰ ویں قسط آپ کی خدمت میں حاضر
ہے۔ اسے پڑھیے اور لطف اٹھائیے۔ یہاں آکر عنبر
ناگ ماریا کا پانچ ہزار سالہ پرانا تاریخی سفر ختم ہوتا
ہے۔ یہاں ناگ اور ماریا ایک ایک کر کے تاریخ
کے اندھیروں میں غائب ہو جاتے ہیں۔ عنبر سے بچھڑ
جاتے ہیں۔ اسے الوداع کہہ کر چلے جاتے ہیں۔ عنبر
اکیلا رہ جاتا ہے۔ وہ بھی واپسی کے سفر کا انتظار کر
رہا ہے۔ کیوں کہ دیوی زلالہ نے پیشین گوئی کی ہے
کہ یہ تینوں دوست واپسی کے سفر میں کسی نہ کسی مقام
پر کسی سنسنی خیز موڑ پر ایک دوسرے سے ایک بار
پھر آن ملیں گے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں
کہ آپ نے میرے سارے ناولوں کو شوق اور محبت
سے پڑھا۔ آج تک اردو ادب میں بچوں کے لیے کسی

نے ۱۰۰ قسطیں نہیں لکھیں اور یہ محض اس لیے میں
بھی لکھ سکا کہ آپ نے انہیں پسند کیا تھا اور
میری حوصلہ افزائی کی تھی۔ آپ کی حوصلہ افزائی
مجھے آگے بڑھاتی گئی اور میں عنبر ناگ ماریا کے
دلچسپ سفر اور ان کی پراسرار کہانی سناتا چلا گیا
اس دوران مجھے بے شمار دوستوں نے محبت، پیار
اور تنقید کے خطوط لکھے جن کے جواب میں برابر
لکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ میں ان دوستوں کے خطوط
کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر کسی
دوست کو اس کے خط کے جواب میری سستی کی
وجہ سے نہ ملا ہو تو میں معذرت چاہتا ہوں۔ آخر
میں میں ایک بار پھر اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی
محبت اور حوصلہ افزائی کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ
ادا کرتا ہوں۔

انشاءاللہ اب آپ کے لیے ایک دلچسپ سفرنامہ
لے کر جلد ہی حاضر ہوں گا۔ وہ بھی اتنا ہی دلچسپ اور
پراسرار ہو گا جتنا کہ یہ سلسلہ آپ نے پسند کیا ہے۔

خدا حافظ!

مخلص اے حمید

سپرمین

•

رات کے اندھیرے میں عنبر کو ایک سایہ سا دکھائی دیا۔ عنبر کے سامنے پہاڑیوں کے درمیان ایک وادی پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان پر چاند کہیں نہیں تھا۔ صرف ستارے چمک رہے تھے عنبر جس طیارے میں سفر کر رہا تھا اسے جرمن لڑاکا طیاروں نے مار گرایا تھا اور عنبر پراشوٹ کے ذریعے نیچے کود گیا تھا۔ اس نے پراشوٹ ایک ندی میں پھینک دیا تھا۔ عنبر بمبئی سے ایک ٹرانسپورٹ طیارے میں لندن جا رہا تھا جیسا کہ آپ نے پچھلی قسط میں پڑھا ہو گا۔ عنبر نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھا۔ اس کی چمکیلی سوئیاں رات کے ۳ بجا رہی تھیں۔ جس وقت ان کا طیارہ جرمن لڑاکا طیاروں نے گرایا وہ یورپ کے کسی ملک کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ عنبر کا خیال تھا کہ وہ یوگوسلاویہ میں گرا ہے جس پر جرمنوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ عنبر کو ایک بار پھر سایہ نظر آیا۔ اس بار یہ سایہ سامنے وادی میں ایک پگڈنڈی پر سے گزر کر اس کی طرف آ رہا تھا۔ عنبر نے غور سے دیکھا یہ ایک عورت کا سایہ تھا جس کے سر کے بال کھلے تھے اور رات کی ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اس عورت نے لمبا کرتا پہن رکھا تھا۔ عنبر کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے یہ سایہ پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

اچانک سایہ ہوا میں اڑنے لگا اور پھر عنبر کے سامنے آ کر زمین پر اتر آیا۔ اب عنبر نے اسے صاف پہچان لیا۔ سایہ قدیم مصری دیوی اور عنبر کی دوست اور ہمدرد دیوی زلالہ کا تھا۔ زلالہ کی آنکھوں سے ستاروں کی طرح تیز روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ اس نے عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

" خدا تمہاری حفاظت کرے عنبر! تمہارا لمبا سفر

اب ختم ہو رہا ہے۔"

عنبر نے کہا۔ "خدا تمہاری بھی حفاظت کرے دیوی زلالہ! یہ بتاؤ کیا میں اب واپس اپنے پانچ ہزار سال پرانے وطن واپس چلا جاؤں گا؟"

دیوی زلالہ نے کہا: ہاں تم اپنے وطن ضرور واپس جاؤ گے۔ لیکن ایک دم سے نہیں، بلکہ تمہاری واپسی کا سفر اسی طرح ہو گا۔ جس طرح تم موت کے تعاقب میں سفر کرتے کرتے یہاں تک پہنچے ہو۔ یہ بھی ایک ہنگامہ خیز اور حیرت انگیز سفر ہوگا۔

عنبر نے پوچھا۔

کیا یہ سفر میں اکیلا کروں گا یا اس سفر میں ماریا اور ناگ بھی میرے ساتھ ہوں گے؟

دیوی زلالہ نے کہا۔

"نہیں۔ تم تینوں ہی واپسی کا سفر طے کرو گے تم واپسی کے اس انوکھے اور سنسنی خیز سفر میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ ہو گے۔

عنبر نے پوچھا۔

ہمارا واپسی کا سفر کب اور کس جگہ سے شروع ہو گا؟

دیوی زلالہ نے کہا۔

"یہ میں نہیں بتا سکتی۔ یہ ایک راز ہے مجھے یہ راز فاش کرنے کا حکم نہیں ہے۔

عنبر نے کہا۔

"اے دیوی! کیا تم یہ بھی نہیں بتا سکتیں کہ ناگ اور ماریا اس وقت کس ملک میں اور کس جگہ ہیں؟

دیوی زلالہ بولی:

"مجھے صرف اتنا بتانے کا حکم ہے کہ وہ دونوں اس وقت لندن میں ہیں۔ کہاں ہیں اور کس جگہ پر ہیں۔ یہ میں نہیں بتا سکتی۔

اتنا کہہ کر دیوی زلالہ غائب ہو گئی۔

رات اسی طرح خاموش اور ویران تھی۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے وادی میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ عنبر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے پگ ڈنڈی پر چلنا شروع کر دیا۔ عنبر سوچنے لگا کہ خدا جانے اس کا واپسی کا سفر کب اور کہاں

سے شروع ہوگا۔ اس نے اپنے آپ کو تیار کرنا
شروع کر دیا۔ عنبر خود بھی یہی چاہتا تھا کہ اب
اسے واپسی کا سفر شروع کر دینا چاہیے۔ ایک
بات کی اسے خوشی ہوئی تھی کہ ناگ اور ماریا لندن
میں تھے۔ اس نے سوچا کہ وہ پہلے یہ معلوم کرے گا
کہ وہ کس علاقے میں پراشوٹ کے ذریعے اترا
ہے اور پھر یہاں سے کسی طرح لندن جانے کی
کوشش کرے گا۔

جنگ نے اس کے راستے میں بڑی رکاوٹیں
پیدا کر دی تھیں۔ سفر مشکل اور ناقابل اعتبار ہو
گیا تھا۔ جہازوں کی سروس ختم ہو چکی تھی۔ بحری
جہازوں میں سفر کرنا خطرناک تھا۔ عنبر کے لیے
خطرناک نہیں تھا مگر دیر لگ سکتی تھی۔ عنبر چلتا
گیا۔ وادی ختم ہو گئی۔ یہاں کوئی چھوٹا سا دیہاتی
مکان بھی اسے دکھائی نہ دیا۔ ہر طرف خاموشی
اور ویرانی تھی۔ آسمان پر ستارے مدھم ہونے لگے
اور صبح کی روشنی پھیلنے لگی تھی۔

عنبر وادی سے نکل کر ایک چھوٹے سے درے
میں گزر رہا تھا کہ اچانک اس پر کسی طرف سے فائر

ہوا۔ ٹھائیں کی آواز سے ساری وادی گونج اٹھی
گولی عنبر کے سر سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔ وہ
سمجھ گیا کہ یہاں سے بھاگنا فضول ہے۔ کیونکہ
دشمن اسے دیکھ چکا ہے اگر وہ بھاگا تو خواہ مخواہ
اسے پریشانی ہوگی۔ بھاگنے سے فائدہ بھی کوئی
نہیں تھا۔ پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ دشمن کون
ہے۔ ہو سکتا ہے ان کے ذریعے یہاں سے نکل کر
لندن جانے کا کوئی وسیلہ بن جائے۔

دوسری گولی عنبر کی گردن کو چھو کر نکل گئی۔

عنبر رک گیا۔ پھر اسے قدموں کے بھاگنے دوڑنے
کی آواز سنائی دی اور دو آدمی اندھیرے سے نکل
کر اس کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے
ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور سروں پر انہوں نے
رومال باندھ رکھے تھے۔ اندھیرے میں ان کے
چہرے بڑے خوف ناک لگ رہے تھے۔ انہوں
نے جس زبان میں عنبر کو پوچھا کہ وہ کون ہے
وہ زبان یوگوسلاوی تھی۔ عنبر یہ زبان بھی جانتا
تھا مگر اس نے ظاہر یہی کیا کہ وہ ان کی زبان نہیں
سمجھا۔ عنبر نے انگریزی میں کہا۔

"میں مصری سوداگر ہوں۔ بمبئی سے ایک ٹرانسپورٹ طیارے میں لندن جا رہا تھا کہ جرمنوں نے طیارہ مار گرایا۔ میں پراشوٹ کے ذریعے یہاں آن گرا ہوں۔"

دونوں آدمیوں نے عنبر کو آگے آگے لگایا اور ایک پہاڑی غار میں لے گئے جہاں پہلے ہی چھ سات آدمی بیٹھے تھے۔ ان سب نے سروں پر سرخ رومال باندھ رکھے تھے اور رائفلیں ان کے کندھوں سے لٹک رہی تھیں۔ عنبر سمجھ گیا کہ یوگوسلاویہ پر تو جرمنوں نے قبضہ کر رکھا ہے اور یہ لوگ یوگوسلاوی محب وطن ہیں جو جرمنوں کو اپنے وطن سے نکال باہر کرنے کے لیے چھپ کر گوریلا جنگ کر رہے ہیں۔ ان آدمیوں میں سے ایک کی مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔ غار میں ایک چراغ جل رہا تھا۔ چراغ کی روشنی میں اس آدمی کا چہرہ تانبے کی طرح چمک رہا تھا۔ اس نے عنبر کو سر سے پاؤں تک گھور کر دیکھا اور کہا۔

"کون ہو تم؟ یہاں کیسے آ گئے؟"

عنبر نے وہی کہانی سنا دی جو اس نے پہلے

دو آدمیوں کو سنائی تھی۔ اس آدمی نے کہا۔

"میرا نام مانیٹگو ہے۔ میں آدمی کی شکل دیکھ کر اس کے دل کا حال معلوم کر لیتا ہوں۔ تم جرمن جاسوس ہو اور یہاں ہمارے خلاف جاسوسی کرنے آئے ہو۔"

عنبر مسکرایا۔ کہنے لگا۔ "مسٹر مانیٹگو! اگر تم انسان کی شکل دیکھ کر اس کے دل کا حال معلوم کر لیتے ہو تو پھر یہاں تم نے بڑا سخت دھوکہ کھایا ہے۔ کیونکہ میں جرمن جاسوس نہیں ہوں۔"

مانیٹگو نے عنبر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اونچی آواز میں چیخ ماری۔ "تم بکواس کرتے ہو۔"

پھر اس نے اپنے دو آدمیوں کو اشارہ کیا۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہ لوگ اسے اذیت پہنچا کر اس سے دل کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ عنبر نے دل کا حال بیان کر دیا تھا مگر وہ مانتے ہی نہیں تھے۔ دو آدمی خنجر نکال کر عنبر کے دائیں بائیں آ کر کھڑے ہو گئے۔ مانیٹگو بولا۔

"مسٹر عنبر! اگر تم نے اب بھی ہمیں نہ بتایا

کہ تم کہاں سے آئے ہو اور تمہارے دوسرے
جاسوس ساتھی کہاں ہیں تو میں ان دونوں
کو اشارہ کروں گا اور یہ اپنے اپنے خنجر
تمہاری گردن میں گھونپ دیں گے۔"

عنبر کو مانیٹگو کی احمقانہ حرکتوں پر بڑا غصہ آیا
مگر وہ غصے کو پی گیا۔ اس نے بڑے اخلاق کے
ساتھ کہا:

"مسٹر مانیٹگو! تم کیوں نہیں مانتے کہ میں
جرمن جاسوس نہیں ہوں۔"

"اس لیے کہ تم جرمن جاسوس نہیں ہو۔" مانیٹگو نے
چیخ کر کہا اور ساتھ ہی عنبر کو گالی دے ڈالی۔ بس
دنیا میں یہی ایک بات ایسی تھی جو عنبر سے برداشت
نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ کسی کی زبان سے گالی نہیں
سن سکتا تھا۔ اسے ایک دم طیش آ گیا۔ اس کا
خون کھول اٹھا اس نے اپنے دائیں بائیں کھڑے
آدمیوں میں سے ایک آدمی کو پکڑ کر نیچے گرا لیا۔
عنبر پر گولیوں کی بوچھاڑ گرنے لگی۔ ہر طرف سے
اس پر فائرنگ ہو رہی تھی۔ غار میں کوئی ایسا آدمی
نہیں تھا جو عنبر پر گولیاں نہ چلا رہا ہو۔ لیکن کوئی

بھی گولی ایسی نہیں تھی جو عنبر کو لگ رہی ہو۔
گولیاں عنبر کے جسم سے ٹکرا کر زمین پر گر رہی
تھیں۔ عنبر نے خنجر ہاتھ میں لے لیا تھا اور اپنے
اوپر برستی گولیوں کی بارش سے بے نیاز خنجر لے
کر مانیٹگو کی طرف بڑھا۔ کیونکہ مانیٹگو نے اسے
گالی دی تھی۔ مانیٹگو نے اپنی برین گن کی گولیاں
اس پر خالی کر دیں۔ وہ سامنے سے عنبر کے چہرے
اور چھاتی پر فائرنگ کر رہا تھا مگر یہ دیکھ کر حیران
تھا کہ کوئی ایک بھی گولی عنبر کے جسم میں نہیں
گھس رہی تھی اور خون کا ایک قطرہ بھی کہیں گرتا
نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس کے ساتھ عنبر مانیٹگو کے قریب آ گیا اور
اس کی گردن پر اپنا لوہے ایسا مضبوط ہاتھ ڈال کر
اسے ایک جھٹکا دے کر نیچے گرا لیا۔ مانیٹگو کو یوں
لگا جیسے کسی چٹان نے اسے نیچے گرا دیا ہو۔ اس
کے ساتھی خنجر نکال کر عنبر پر ٹوٹ پڑے اور دھڑا
دھڑ اس پر خنجر چلانے لگے۔ لیکن سب کے خنجر عنبر
کے جسم سے ٹکرا ٹکرا کر ٹوٹ گئے۔ ان کے ہاتھ
زخمی ہو گئے۔ سب پریشان تھے۔ اب ان کے چہروں

پر خوف چھا گیا۔ وہ عنبر کو کوئی بھوت سمجھنے لگے تھے
عنبر نے اپنا خنجر مانیٹگو کی گردن پر رکھ کر کہا۔

"تم نے مجھے گالی دی ہے۔ میں تمہیں زندہ
نہیں چھوڑوں گا۔

مانیٹگو بھی دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ
لڑکا جرمن جاسوس نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں کوئی جرمن
جاسوس ایسا نہیں ہے کہ جس پر کوئی گولی اثر نہ کرے
اور کوئی خنجر اس کے جسم میں داخل نہ ہو سکے۔ اس
نے کہا۔

"میرے دوست! مجھے معاف کر دو۔ میں اپنی
گالی واپس لیتا ہوں۔"

عنبر کا خنجر والا ہاتھ رک گیا۔ اس نے مانیٹگو کو معاف
کر دیا۔ وہ پرے ہٹ کر غار کی دیوار کے ساتھ
ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے خنجر سامنے پھینک دیا
چراغ کی روشنی میں غار کے فرش پر جگہ جگہ برین گن
کی گولیاں بکھری ہوئی تھیں۔ مانیٹگو عنبر کے قریب بیٹھ
گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو ہاتھ کے اشارے
سے غار کے باہر جانے کا حکم دیا۔ سارے ساتھی
باہر چلے گئے۔ غار میں اب صرف عنبر اور مانیٹگو

ہی رہ گئے۔ عنبر کا اندازہ درست نکلا۔ مانیٹگو یوگو
سلاوی محب وطن گوریلا تھا اور یہ لوگ اپنے ملک
پر قبضہ کرنے والی جرمن فوجوں کے خلاف لڑ رہے
تھے۔ یہ رات کے اندھیرے میں سفر کرتے جرمن فوجی
دستوں۔ ٹرکوں۔ بکتر بند گاڑیوں اور ٹینکوں پر حملے
کر کے انہیں تباہ کر دیتے تھے۔ جرمن فوجی بھی ان
کی تلاش میں رہتے۔ جہاں کہیں انہیں ان کا کوئی گوریلا
مل جاتا وہ اسے وہیں گولی مار دیتے تھے۔ مانیٹگو نے
اپنے گروہ کے بارے میں عنبر کو سب کچھ بتا دیا۔
کیونکہ وہ عنبر کو کوئی سپر مین سمجھ رہا تھا جو کسی
دوسرے سیارے سے ان کی دنیا میں آ گیا تھا۔ عنبر
سے اس نے پوچھا کہ وہ کس سیارے کا سپر مین ہے؟
عنبر کو دل میں ہنسی تو بہت آئی۔ پھر اس نے سوچا
کہ ان لوگوں کو اس غلط فہمی میں رہنے دیا جائے۔
کہنے لگا:

"میں سیارہ مریخ کا سپر مین ہوں۔ لیکن اس
وقت مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے کیونکہ
میں لندن جانا چاہتا ہوں اور مجھے یہاں سے
لندن تک کے راستے کی خبر نہیں ہے۔"

کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ یہاں سے میں لندن
کیونکر جا سکتا ہوں؟"
مانیتگو نے کہا:

"اے سپرمین! یہاں سے لندن تو ہم تمہیں
پہنچا دیں گے لیکن کیا تم ہماری مدد نہیں
کرو گے؟"

عنبر نے پوچھا!
"تم مجھ سے کس قسم کی مدد چاہتے ہو۔
مانیتگو کہنے لگا۔

"ہمارے ملک پر جرمنوں نے زبردستی حملہ
کر کے قبضہ کر لیا ہے۔ وہ ہمارے بھائی
بہنوں پر سخت ظلم کر رہے ہیں۔ ہم ان
کے قبضے سے اپنا ملک آزاد کرانا چاہتے
ہیں"

عنبر نے کہا۔

ملک آزاد کرانا تو تمہاری فوج کا کام ہے۔
میں اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر
سکتا۔ اگر تمہاری فوج ہتھیار ڈال کر اپنا
وطن جرمنوں کے حوالے کر سکتی ہے۔ تو پھر

جرمنوں کو تمہارے وطن پر قبضے کا حق حاصل
ہے۔ ہاں اگر تم لوگ کسی دوسری جگہ پہنچنا
چاہتے ہو۔ اور میں تمہاری مدد کرنے کو تیار
ہوں"

مانیتگو نے کہا:

"ہم اپنی پہاڑیوں میں بیٹھ کر یہاں سے
گزرنے والے جرمن قافلوں پر حملہ کر کے
انہیں تباہ کرتے ہیں۔ کاش تم ہماری مدد
کر سکتے۔

عنبر نے کہا۔

"میں اس سے زیادہ تمہاری کوئی مدد نہیں
کر سکتا اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں سے
لندن شہر کو میں کہاں سے اور کس طرف
سے جاؤں؟"

مانیتگو کہنے لگا۔

"انگلستان جانے والے سیاح جنگ سے
پہلے یوگوسلاویہ سے ہو کر جاتے تھے۔ مگر
اب جنگ لگی ہوئی ہے۔ یوگوسلاویہ سے
اگر تم گزر سکتے ہو تو آگے تم آسٹریا میں

داخل ہو جاؤ گے۔ مگر وہ بھی جرمنوں کے قبضے
میں ہے تم یوگوسلاویہ سے نکل کر یونان کی
طرف چلے جاؤ۔ وہاں سے ہو سکتا ہے کوئی
جہاز تمہیں اٹھا کر انگلستان لے جائے۔

عنبر نے ان کا شکریہ ادا کیا اور غار سے باہر نکل
آیا۔ باہر سورج کی روشنی پھیل چکی تھی۔ عنبر نے
ایک پہاڑی سڑک پر چلنا شروع کر دیا۔ چلتے چلتے
جب اسے دوپہر ہو گئی تو سامنے سے اسے ایک
جرمن ٹرک آتا دکھائی دیا۔ ٹرک قریب سے گزرتے
گزرتے رک گیا۔ اس کے اندر سے ایک جرمن
افسر نے سر باہر نکال کر عنبر سے پوچھا:

"تم کون ہو؟ تمہارا رنگ یوگوسلاوی لوگوں ایسا
نہیں ہے۔ تم ایشیائی ہو؟"

عنبر نے کہا۔

"یس سر میں مصر کا رہنے والا ہوں....."

اس کے ساتھ ہی عنبر نے ساری بات سچ سچ بتا
دی کہ اس کے ہوائی جہاز کو جرمنوں نے مار گرایا
تھا۔ جرمن افسر نے چیخ کر کہا۔

"ہمارے جہاز نے تمہارے جہاز کو مار گرایا

ہے تو پھر تم ضرور ہمارے دشمن ہو گے۔

اس جرمن افسر نے اپنے ڈرائیور سپاہی کو حکم دیا
کہ اس کو پکڑ کر ٹرک میں لے آؤ۔ جرمن سپاہی
عنبر کی طرف آیا۔ عنبر نے اسے کچھ نہ کہا۔ چپ
چاپ ٹرک میں بیٹھ گیا۔ عنبر نے سوچا کہ اس
طرح اگر وہ سفر کرتا رہا تو جگہ جگہ جرمن اسے
ملیں گے اور پوچھ گچھ کریں گے۔ اس کے لیے سفر
کرنا مشکل ہو جائے گا۔ پھر کیوں نہ وہ اس ملک
میں سفر کرنے کا کوئی دوسرا طریقہ ڈھونڈھے کہ اس
پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔ اس نے ایک ترکیب سوچ
لی اور ٹرک پر آ کر بیٹھ گیا۔

ٹرک روانہ ہوا تو عنبر نے آس پاس غور سے
دیکھا۔ ٹرک میں وہ اکیلا تھا۔ اگلی دونوں سیٹوں
پر سپاہی اور جرمن فوجی افسر بیٹھے تھے۔ بیچ میں
ایک سوراخ تھا جس میں سے عنبر کو فوجی افسر صاف
نظر آ رہا تھا۔ ٹرک کا پچھلا دروازہ زور سے بند
کر دیا گیا تھا۔ جب ٹرک تھوڑی دور آگے نکل گیا
تو عنبر نے سوراخ میں سے ہاتھ ڈال کر جرمن افسر
کی گردن پکڑ لی۔ جرمن افسر نے جیب سے ریوالور

نکال کر عنبر پر فائر کر دیا۔ مگر بھلا فائر سے کیا ہوتا
تھا۔ گولی عنبر کے ماتھے سے لگ کر نیچے گر پڑی۔
جرمن سپاہی نے وہیں ٹرک روک لیا۔ عنبر اتنی دیر
میں جرمن افسر کی گردن دبا کر اسے ہلاک کر چکا تھا۔
جرمن سپاہی نے عنبر پر برین گن کی فائرنگ شروع
کر دی۔ اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ تھوڑی دیر بعد سڑک
کے کنارے جرمن سپاہی اور جرمن افسر کی لاشیں
پڑی تھیں اور عنبر نے جرمن افسر کی وردی پہن رکھی
تھی۔ ان دنوں جرمن فوج میں شمالی سسلی کے کچھ
لوگ بھی بھرتی ہو گئے تھے۔ جن کا رنگ زیادہ گورا
نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے جب عنبر ایک جرمن فوجی
چھاؤنی کی سڑک سے ٹرک لے کر گزرا تو کسی کو
اس پر شک نہیں ہوا۔ وہ چھاؤنی سے نکل کر سرحد
کی طرف جانے والی سڑک پر آ گیا۔ عنبر یہاں سے
یونان کی سرحد میں داخل ہونا چاہتا تھا۔

یونان کی سرحد پر زبردست فوجی سرگرمیاں نظر
آئیں۔ جرمن ٹینک سرحد پر جگہ جگہ کھڑے تھے۔
جیسے یونان پر حملہ کرنے ہی والے ہوں۔ عنبر نے
ٹرک پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اور اب پیدل جھاڑیوں

میں سے چل کر سرحد کے اوپر آ گیا۔ ایک ٹینک میں
سے جرمن سپاہی نے نکل کر عنبر کو سلیوٹ کیا۔ عنبر
نے سلیوٹ کا جواب دیا اور یونان کی سرحد کی طرف
دوڑ پڑا۔

اسے دوڑتا دیکھ کر پیچھے سے اس پر رائفل اور
ٹینک کے گولے برسنے لگے۔ گولے گولیاں عنبر کے
چاروں طرف بلکہ اس کے اوپر پھٹ رہے تھے مگر
عنبر پر ان کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا اور وہ
برابر یونان کی سرحد کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔
اب یونان کی سرحد کی طرف سے اس پر گولیاں
آنے لگیں۔ عنبر پریشان سا ہو گیا کہ ان لوگوں
کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ ایک آدمی کے اتنے خلاف
کیوں ہو گئے ہیں۔ اسے ایک جگہ کھڈ میں دریا
بہتا دکھائی دیا۔ عنبر نے کھڈ کے اوپر سے دریا
میں چھلانگ لگا دی۔

عنبر کی جگہ کوئی دوسرا انسان پہاڑ کی اتنی اونچائی
سے چھلانگ لگاتا تو اس کی ہڈیاں سرمہ بن جاتیں
مگر عنبر ایسے دریا میں گرا جیسے کوئی آدمی نہانے
کے لیے دریا میں چھلانگ لگاتے۔ دریا کا بہاؤ بڑا

تیز تھا۔ پانی کی لہریں شور مچاتی، پتھروں سے ٹکراتی
گزر رہی تھیں۔ عنبر لہروں کے ساتھ ساتھ آگے
بہنے لگا۔ یہ دریا آگے جا کر یونان اور روم کی سرحد
پر بنے ہوئے ایک پل کے نیچے سے گزرتا تھا۔
اس پل پر ایک جانب یونانی اور دوسری جانب
اطالوی سپاہی کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔

انہوں نے عنبر کو دریا میں بہتے دیکھا تو اوپر
سے گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ عنبر کو سخت
غصہ آیا۔ اسے کوئی نقصان تو پہنچ نہیں سکتا تھا
مگر یہ لوگ اسے خوا مخواہ پریشان کر رہے تھے۔ وہ
پل کے نیچے آیا تو اس پر گولیاں زیادہ برسنے لگیں
کئی گولیاں عنبر کے سر اور بازوؤں سے ٹکرا ٹکرا
کر دریا میں گر رہی تھیں۔ اوپر کھڑے سپاہی
بڑے حیران تھے کہ گولیوں کا اثر کیوں نہیں ہو رہا۔
عنبر پل کے نیچے سے گزر گیا۔

دریا آگے جا کر وادی میں داخل ہو جاتا تھا۔ مگر
اس سے پہلے ایک آبشار آتی تھی۔ یہ آبشار پہاڑی
کے اوپر سے نیچے وادی میں گرتی تھی۔ اصل میں یہ
دریا تھا جس میں عنبر بہتا چلا آ رہا تھا۔ اب وہ روم

کے ملک میں داخل ہو چکا تھا۔ آبشار قریب آئی تو
پانی کا بہاؤ بہت تیز ہو گیا۔ عنبر پانی کے ساتھ
ہی آبشار میں چکر کھاتا نیچے گر گیا۔ کافی آگے جا کر
وہ دریا سے باہر نکل آیا۔

وہ ابھی تک جرمن فوجی وردی میں تھا جو گیلی
ہونے کی وجہ سے دریا میں اوپر والے جرمن اور
اطالوی فوجیوں سے پہچانی نہیں گئی تھی۔ لیکن سوکھنے
کے بعد اسے فوراً پہچان لیا جاتا۔ چنانچہ سب سے پہلا
کام اس وردی سے نجات حاصل کرنا تھا۔ اس کی
ایک ہی صورت تھی کہ وہ کسی آدمی کے کپڑے لے
کر اسے اپنی وردی دے دے۔ عنبر دریا سے باہر
نکلا تو اس کے کپڑوں سے پانی نچڑ رہا تھا۔ دن
نکل آیا تھا اور دھوپ بھی نکل آئی تھی۔ عنبر
درختوں کے نیچے سے ہوتا ہوا ایک ٹیوب ویل کے
پاس آ کر رک گیا۔

ایک دیہاتی اپنا ٹریکٹر ٹھیک کر رہا تھا۔ عنبر اس
کے قریب آیا تو وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کیونکہ
روم پر بھی جرمن قبضہ کر چکے تھے۔ مگر روم کے لوگ
اندر ہی اندر جرمنوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ عنبر

نے اسے اطالوی زبان میں کہا۔

"مجھے ایک پتلون اور ایک جیکٹ چاہیئے۔"

کسان بھاگا بھاگا کوٹھڑی میں گیا اور ایک پرانی پتلون اور جیکٹ لے آیا۔ عنبر نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کوٹھڑی میں جا کر جرمن وردی اتار دی اور پتلون جیکٹ پہن کر باہر آ گیا۔ پستول پہلے بھی اس کے پاس نہیں تھا۔ کسان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ اس جرمن افسر نے کس لیے وردی تبدیل کی ہے۔ عنبر نے کسان سے پوچھا کہ روم کو کونسی شاہراہ جاتی ہے۔ کسان نے عنبر کو کہا بڑی سڑک وہاں سے دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ عنبر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

بڑی سڑک پر آ کر عنبر کنارے پر رک گیا۔ ایک گاڑی آئی۔ عنبر نے ہاتھ دیا۔ اس میں ایک خوبصورت لڑکی بیٹھی کار چلا رہی تھی۔ لڑکی نے کار روک دی۔ وہ عنبر کو کوئی غریب کسان سمجھ رہی تھی۔ کیونکہ عنبر کے کپڑے ہی ایسے تھے۔

"کہاں جاؤ گے تم؟" لڑکی نے پوچھا۔

عنبر نے کہا، روم کے ایئرپورٹ پر۔

لڑکی سمجھی کہ یہ کوئی مستری ہے جو روم کے ہوائی

اڈے پر کام کرتا ہے۔ اس نے عنبر کو گاڑی میں بٹھا لیا۔ راستے میں عنبر نے بھی اسے یہی بتایا کہ وہ ہوائی اڈے پر کام کرتا ہے۔ اس زمانے میں ہر آدمی کے پاس شناختی کارڈ ہونا بہت ضروری تھا۔ اس کے بغیر کوئی شخص نہ شہر میں داخل ہو سکتا تھا اور نہ وہاں سے نکل سکتا تھا۔ چنانچہ جب لڑکی نے عنبر کو روم کے ہوائی اڈے پر اتار دیا تو عنبر کو شناختی کارڈ کی فکر ہوئی۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ ہوائی اڈے میں داخل نہیں ہو سکتا تھا اور عنبر کا پروگرام یہ تھا کہ وہ کسی کمرشل یا فوجی جہاز کے ذریعے اس ملک سے باہر نکل جائے۔ لیکن ہوائی اڈے پر جا کر عنبر کو پتہ چلا کہ وہاں سے لندن جانا ناممکن ہے۔ کیونکہ وہاں سے بمبار طیارے ہی بمباری کرنے لندن جاتے تھے۔

•

واپسی کا لرزہ خیز سفر

•

وہ رات عنبر نے ہوائی اڈے پر بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔
آدھی رات کو ایک طیارہ کچھ جرمن افسروں کو لے کر برلین جا رہا تھا۔ عنبر نے سوچا کہ کیوں نہ وہ کسی طرح اس جہاز میں سوار ہو کر برلین پہنچ جائے۔ پھر وہاں سے وہ کسی نہ کسی طرح لندن جانے کا انتظام کرے گا۔ اس فیصلے کے ساتھ ہی عنبر رات کے اندھیرے میں کھیتوں میں رینگتا ہوا ہوائی اڈے میں اس جگہ پر آ گیا جہاں برلین جانے والا فوجی طیارہ کھڑا تھا۔ اس طیارے میں سامان لادا جا رہا تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ اس کا نچلا حصہ کھلا تھا اور اس میں جرمن افسروں کا سامان اور کچھ فوجی صندوق بھرے جا رہے تھے۔ اطالوی مزدور کام کر رہے تھے۔ وہ دوسرا سامان لینے ذرا فاصلے

پر کھڑے ٹرک کی طرف گئے تو عنبر بھاگ کر جہاز کے نچلے سامان رکھنے والے حصے میں آ کر اوپر چڑھ گیا اور ایک صندوق کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ سامان کے ساتھ ایک آدمی بھی اندر سوار ہو گیا ہے۔ سامان رکھنے کے بعد جہاز کا نچلا حصہ بند کر دیا گیا۔

تھوڑی دیر بعد جہاز کے انجن سٹارٹ ہو گئے انجن کا شور بلند ہوا اور پھر جہاز رن وے پر دوڑنے لگا۔ دوڑتے دوڑتے وہ ہوا میں اوپر اٹھ گیا اور اس نے اپنا رخ برلین کی طرف کر لیا۔
تین گھنٹے کی اڑان کے بعد جہاز رات کے تین بجے برلین کے ہوائی اڈے پر اتر گیا۔ عنبر سامان کے ساتھ بیٹھا رہا۔ جہاز رکا تو نچلا حصہ ایک بار پھر کھل گیا اور سامان نیچے اتارا جانے لگا۔ عنبر ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر اندھیرے میں چھپا ہوا تھا۔

موقع پا کر وہ طیارے سے باہر نکل آیا اور اندھیرے میں رینگتا ہوا ہوائی اڈے کے باہر کھیتوں میں آ گیا۔ یہاں جرمن سپاہی جگہ جگہ پہرہ دے رہے

تھے۔ عنبر ان کی آنکھ بچا کر کسی نہ کسی طرح اس علاقے سے باہر آ گیا۔ اب وہ ایک سڑک پر تھا۔ بلیک آؤٹ کی وجہ سے برلین کا شہر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ عنبر نے سڑک پر شہر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اس شہر میں وہ پہلے بھی دو تین بار ناگ، ماریا کے ساتھ آ چکا تھا۔ جنگ کی وجہ سے شہر پر ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ کئی عمارتیں بمباری سے گری ہوئی تھیں۔

عنبر چلتے چلتے شہر میں داخل ہو گیا۔ سڑکوں پر کوئی آدمی نہیں تھا۔ مکانوں میں بھی اندھیرا تھا اور جنگ کی وجہ سے سہمے ہوئے لوگ سو رہے تھے۔ عنبر سڑک کے کنارے بنے ہوئے فٹ پاتھ پر جا رہا تھا کہ اسے بھاری فوجی بوٹوں کی آواز سنائی دی۔ عنبر ایک خندق میں گھس گیا۔ یہ خندق بمباری سے بچنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ جب فوجی گزر گیا تو عنبر باہر نکل آیا۔

اب اس کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ وہ اس شہر میں کہاں رہے اور کس جگہ بیٹھ کر وہاں سے لندن فرار ہونے کا پروگرام بنائے۔ یہ

شہر دشمن کا شہر تھا۔ ہر طرف جرمن لوگ رہتے تھے وہ ایک چوک کراس کر رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اس کی گردن کو دبوچ لیا۔ عنبر کا رنگ سانولا تھا۔ صاف پتہ لگ جاتا تھا کہ وہ جرمن نہیں بلکہ ایشیائی ہے۔ عنبر نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ایک جرمن فوجی اس کے سر پر کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ اس نے جرمن زبان میں عنبر سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟

عنبر نے بھی جرمن زبان میں کہا۔

میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ جرمنی میں محنت مزدوری کرتا ہوں۔ کئی سالوں سے برلین میں رہ رہا ہوں۔"

جرمن سپاہی نے کہا۔

"اپنا شناختی کارڈ دکھاؤ۔"

بس یہی ایک سوال تھا جس کا عنبر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے کہا کہ اس کا شناختی کارڈ گم ہو گیا ہے۔ سپاہی نے کہا۔

"میرے ساتھ چلو۔"

سپاہی نے عنبر کو ساتھ لیا اور ایک قریبی پولیس سٹیشن پر آ کر اسے حوالات میں بند کر دیا۔ عنبر نے

سوچا کہ چلو اس طرح آرام سے بیٹھ کر غور کرنے
کا موقع تو مل گیا۔ وہ حوالات میں کمبل اوڑھ کر
ٹوٹے ہوئے پلنگ پر بیٹھ کر سوچنے لگا کہ لندن
فرار ہونے کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔

رات گزر گئی۔ دوسرے دن عنبر کو جرمن فوجی افسروں
کے سامنے پیش کیا گیا انہوں نے عنبر پر سوالات کی
بوچھاڑ کر دی۔ عنبر کے پاس ان میں سے کسی ایک
سوال کا بھی جواب نہیں تھا۔ عنبر کو سخت اذیت
دی جانے لگی۔ عنبر کو ذرا برابر بھی تکلیف نہیں ہو
رہی تھی۔ مگر وہ یونہی ہائے وائے کرنے لگا جیسے
بڑی سخت تکلیف میں ہو۔ وہ ان پر اپنا آپ ظاہر
نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دو دن تک عنبر کو سخت اذیت
دی گئی۔ تیسرے دن اسے قیدیوں کے کیمپ میں
ڈال دیا گیا۔

یہ کیمپ شہر سے دو سو میل دور ایک جنگل میں
درخت صاف کر کے بنایا گیا تھا۔ ارد گرد کانٹے دار
تار کی باڑ لگی تھی۔ اونچے مچانوں پر جرمن سپاہی مشین
گنیں لیے پہرہ دیتے تھے۔ ایک سرچ لائٹ رات
کو تھوڑی تھوڑی دیر بعد روشن کر دی جاتی تھی۔

عنبر کے ساتھ کوٹھڑی میں ایک انگریز قیدی بھی تھا۔
اس کا نام ایڈورڈ تھا۔ وہ برطانیہ کی ہوائی فوج کا
ہوا باز تھا۔ برلین پر بمباری کرتے وقت اس کے
جہاز کو گولہ لگا تھا۔ وہ پراشوٹ سے کود گیا اور
بعد میں جرمن سپاہیوں نے پکڑ کر اسے قید کر لیا۔
اس نے عنبر سے پوچھا کہ وہ انگریز نہیں پھر اسے
کیوں پکڑا گیا ہے؟ عنبر نے کہا:

"میں مصری ہوں اور برلین کے ایک کارخانے
میں جنگ سے پہلے کام کیا کرتا تھا۔ اتفاق
سے میرا شناختی کارڈ گم ہو گیا۔ جرمنوں نے
مجھے پکڑ کر جیل میں ڈال دیا ہے۔"

عنبر نے اس انگریز ہوا باز کو اصل بات بتانے کی
ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ایڈورڈ خاموش ہو گیا
عنبر نے اسے کہا کہ کیا یہاں سے فرار ہونے کی کوئی
ترکیب ہو سکتی ہے؟ انگریز ہوا باز ایڈورڈ نے مسکرا
کر کہا،

"ہو سکتی ہے مگر اس میں جان کا خطرہ ہے۔"

عنبر نے کہا:

"مجھے ترکیب بتاؤ۔ میں یہاں سے فرار ہو کر

لندن جانا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے میں
اپنی جان کی بازی بھی لگا سکتا ہوں۔"
انگریز ہوا باز نے کہا:
"اگر تم اتنے بہادر ہو تو میں بھی تمہارے
ساتھ ہوں۔ اب میں تجھے ترکیب بتاتا ہوں۔"
انگریز ہوا باز نے عنبر کو بتایا کہ قیدیوں کے کیمپ کے
پیچھے پہاڑی علاقے میں دریا بہتا ہے۔ اس دریا کے
پار ایک گھنا پہاڑی جنگل ہے جس کے آگے فرانس
کی سرحد آ جاتی ہے۔ ابھی فرانس پر جرمنوں کا قبضہ
نہیں ہوا تھا اور وہ ایک آزاد ملک تھا۔
"اگر ہم کسی طرح فرانس پہنچ جاتے ہیں تو
پھر ہمارے لیے لندن پہنچنا کوئی مشکل بات
نہیں ہوگی۔ فرانس میں ہم آزاد ہوں گے۔"
اس کے لیے کانٹے دار تار کاٹنے ہوں گے
اور ہمارے پاس تار کاٹنے والا کوئی اوزار
نہیں ہے۔
عنبر نے کہا۔
"تار میں کاٹ دوں گا۔ میں تاریں کاٹنے میں
بڑا ماہر ہوں۔"

"کیا تم ہاتھ سے تار کاٹو گے؟ پاگل نہ بنو بھائی
عنبر! اس کے لیے ہمیں ایک پلاس کی
ضرورت ہے جو یہاں ملنا مشکل ہے۔ پھر
بھی اس کی کوشش کی جا سکتی ہے۔
عنبر نے انگریز ہوا باز کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر
کہا۔
"بھائی تم یہاں سے فرار ہونے کی تاریخ
اور وقت مقرر کرو۔ میں تار تمہارے
سامنے کاٹ ڈالوں گا۔ تم اس کی فکر نہ
کرو۔"
انگریز ہوا باز ایڈورڈ نے کہا۔
"اگر یہ بات ہے تو ہم کل رات ہی یہاں
سے نکل جائیں گے۔ میری بات غور سے
سنو۔ رات کو آخری گنتی بارہ بجے ہوتی
ہے۔ اس کے بعد کیمپ میں سناٹا چھا
جاتا ہے۔ پہرے دار ہر پندرہ منٹ کے
بعد ہماری کوٹھڑیوں کے آگے چکر لگاتے
ہیں۔ اس عرصے میں ہم اپنی کوٹھڑی
سے نکل کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے

بھی ضروری ہے کہ کوئی ایسا اوزار حاصل کیا
جائے جو ہماری کوٹھڑی کا تالہ توڑ سکے۔ یہ
تالا دروازے کے اندر لگا ہوا ہے اور تار
ڈال کر بھی کھولا جا سکتا ہے۔
پھر ایڈورڈ نے عنبر سے کہا۔
"اگر تم کانٹے دار تار کاٹ سکتے ہو تو پھر
تالا بھی کھول سکتے ہو گے۔ پہلے یہاں اپنی
طاقت دکھاؤ۔ اسی جگہ تم کو آزما لوں گا
اگر تم نے کوٹھڑی کا تالا کھول لیا تو پھر
تم کانٹے دار تار بھی کاٹ سکتے ہو۔"
عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"کل رات تمہیں یہ تماشا بھی دکھا دوں گا۔"
دوسری رات جب بارہ بجے قیدیوں کی گنتی ہو
گئی تو سارے قیدی کیمپ میں خاموشی چھا گئی۔
ہر طرف خاموشی اور بلیک آؤٹ کا اندھیرا تھا۔
اس اندھیرے میں کسی وقت ایک دو سیکنڈ کے
لیے سرچ لائٹ کی روشنی کا گول دائرہ قیدی
کیمپ کے اندر کوٹھڑی کے آگے گھوم جاتا تھا۔
پہرے داروں کی ٹولی ہر دس پندرہ منٹ کے بعد

کوٹھڑیوں کے آگے سے بھاری بھاری بوٹوں کی
آواز پیدا کرتی گزر جاتی تھی۔ جب ایک بار ٹولی
گزر گئی تو عنبر سے ایڈورڈ نے کہا۔
"لو اب تالا کھول کر دکھاؤ۔"
عنبر نے تالے کی جگہ جو سوراخ تھا اس میں
انگلی ڈالنے کی کوشش کی مگر ایسا نہ کر سکا۔
انگریز ہوا باز عنبر کو دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین تھا
کہ عنبر تالا کھولنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔
پھر بھی وہ دیکھ رہا تھا کہ عنبر کیا کرتا ہے۔ عنبر
نے لوہے کے دروازے کی اوپر والی سلاخ دار
طاقچی میں ہاتھ ڈال کر تھوڑا سا اپنی طرف کھینچا تو
دروازہ کھل گیا۔ انگریز ہوا باز ہکا بکا ہو کر رہ
گیا۔ عنبر نے مسکرا کر کہا۔
"ابھی آگے آگے تم ہکے بکے ہو گے۔ اب
بتاؤ دروازہ کھل گیا ہے۔ کیا کریں؟"
ایڈورڈ نے کہا۔
"اسے جلدی سے بند کر دو۔ کیونکہ پہرے
دار آنے ہی والے ہیں۔ جب وہ یہاں
سے ایک بار ہو کر گزر جائیں گے تو پھر

ہم یہاں سے فرار ہوں گے۔"

عنبر نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ کوٹھڑی میں خاموشی
سے آ کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں پہرے دار جرمن
فوجیوں کے بوٹوں کی آوازیں پھر سنائی دیں اور
ٹولی ان کی کوٹھڑی کے آگے سے گزر گئی۔
ایک فوجی نے سلاخوں والی کھڑکی سے جھانک
کر اندر دیکھا۔ عنبر اور ایڈورڈ پہلے ہی کمبل اوڑھ
کر لیٹ گئے تھے۔ جیسے گہری نیند سو رہے ہوں
پہرے داروں کی ٹولی آگے نکل گئی تو ایڈورڈ
نے عنبر کو کہنی سے ہلاتے ہوئے کہا۔

"عنبر! اٹھو اب ہمیں یہاں سے بھاگنا
ہے۔ جلدی سے میرے پیچھے پیچھے آ
جاؤ۔"

ایڈورڈ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ عنبر اس
کے پیچھے پیچھے تھا۔ باہر اندھیرا تھا مگر اس
اندھیرے میں بھی قیدی کیمپ کی کوٹھڑیاں اور
برآمدے اور مچان دکھائی دے رہے تھے۔ دونوں
جھک جھک کر چلتے کیمپ کے پیچھے کانٹے دار
تاروں کی دیوار کے پاس آ کر رک گئے۔ ایڈورڈ

نے آہستہ سے کہا۔

"اب تاروں کو کاٹو۔ اگر تم تار کاٹنے میں
ناکام رہے تو ہم زندہ نہیں بچیں گے۔
واپس کوٹھڑی میں پہنچتے ہی جرمن ہمیں
گولی سے اڑا دیں گے۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔
اندھیرے میں ہی اس نے کانٹے دار تاروں کو
ہاتھ لگایا تو اسے بجلی کا شدید جھٹکا لگا۔ اس
کے ساتھ ہی مچان پر خطرے کا الارم بج اٹھا
بجلی کی کرنٹ نے بتا دیا تھا کہ کوئی قیدی بھاگ
رہا ہے۔ خطرے کے الارم کی آواز نے ایڈورڈ
کو پریشان کر دیا۔ وہ اس بات پر حیران تھا کہ
عنبر کو تاروں کے چھونے سے بڑا زبردست جھٹکا
لگا تھا مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ لیکن یہ
سوچنے کے لیے اس کے پاس وقت ہی نہیں تھا
وہ کوٹھڑی کی طرف واپس بھاگنے ہی لگا تھا کہ
عنبر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"واپس نہیں جائیں گے۔ ہم یہاں سے فرار
ہونے کے لیے آئے ہیں اور اب فرار ہوں گے۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر نے ہاتھ مار کر تاروں کو تو
اور انہیں الگ کر کے اتنا راستہ بنا دیا کہ جس
سے تین چار آدمی آسانی سے گزر سکتے تھے۔

"آؤ میرے ساتھ"

عنبر نے ایڈورڈ سے کہا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ
بار بھی عنبر کو بجلی کے کئی ایک جھٹکے لگے تھے
اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ عنبر کے
پیچھے کیمپ کی تاروں کے راستے میں سے نکل کر
کھڑا ہوا۔ دونوں رات کے اندھیرے میں بھا
ہوئے سامنے جنگل میں آ گئے۔ ان کے پیچھے
لائٹ کی روشنی پڑی مگر وہ جنگل کے اندھیر
میں گم ہو چکے تھے۔ اب جاسوس کتے ان کی
میں بھونکتے ہوئے نکل آئے تھے۔ جس وقت
سپاہی کتے لے کر جنگل میں داخل ہوئے اس
ایڈورڈ اور عنبر دریا کے کنارے پہنچ گئے تھے
رات کے اندھیرے میں دریا خاموشی سے بہہ
تھا۔

انہوں نے دریا میں چھلانگیں لگا دیں اور د
کنارے کی طرف تیرنے لگے۔ پانی بہت ٹھنڈا

تیز تھا۔ پھر بھی وہ تیرتے ہوئے دوسرے کنارے پر
آ گئے۔ ان پر پیچھے سے گولیوں برسائی جا رہی تھیں
مگر وہ خطرے سے کافی دور نکل آئے تھے۔ لیکن
ابھی ایک بہت بڑا خطرہ ان کا انتظار کر رہا تھا۔
ادھر پہاڑیوں میں بھی جرمنوں کی ایک فوجی چوکی
تھی۔ اس چوکی کو فون پر خبر ملی کہ دو قیدی بھاگ
گئے ہیں اس چوکی پر سے جنگل میں فائرنگ ہونے
لگی۔

عنبر کو خطرہ تھا کہ کہیں اس کے ساتھی انگریز
ہوا باز ایڈورڈ کو گولی نہ لگ جائے۔ وہ اسے
اپنے پیچھے رکھے ہوئے تھا۔ ایڈورڈ نے عنبر
سے کہا۔

"اس طرح تمہیں گولی لگنے کا خطرہ ہے۔"

عنبر بولا۔

"تم میری فکر نہ کرو۔"

وہ پہاڑی راستے پر سے گزر کر اس جنگل میں
آ گئے جہاں سے نکل کر انہیں فرانس کی سرحد
میں داخل ہونا تھا۔ جاسوس کتے اب بہت پیچھے
رہ گئے تھے۔ مگر دریا کے دوسرے کنارے والی فوجی

چوکی کے جرمن فوجی ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ عنبر اور انگریز ہوا باز کسی نہ کسی طرح گرتے پڑتے اس آخری جنگل سے بھی باہر نکل آئے۔ مگر سامنے موت کھڑی تھی۔ چار جرمن سپاہی رائفلیں تانیں ان کے سامنے آ گئے۔

"ہینڈز اپ"۔

انہوں نے گرج کر کہا۔ عنبر نے ہاتھ کھڑے کر دیئے ایڈورڈ نے بھی اپنے ہاتھ اٹھا دیئے۔ جرمن سپاہیوں نے انہیں ہتھکڑیاں ڈال دیں اور آگے آگے چلاتے ایک ٹرک کے پاس لے آئے۔ یہاں اور کوئی نہیں تھا۔ عنبر نے ایڈورڈ کے کان میں انگریزی میں کہا۔

"میں حملہ کرنے لگا ہوں۔ تم زمین پر لیٹ جانا۔

ایڈورڈ کا خوف سے رنگ زرد ہو گیا۔ کیونکہ اس وقت حملہ کرنا سخت حماقت تھی۔ کیونکہ وہ نہتے تھے اور ان کے مقابلے میں چار جرمن سپاہی تھے جن کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ لیکن ایڈورڈ کو کیا خبر تھی کہ عنبر کیا سوچ رہا ہے۔ ایڈورڈ نے آہستہ سے کہا۔

"ایسا مت کرنا"

لیکن عنبر حملہ کر چکا تھا۔ اس نے سب سے پہلے

تھوڑا سا زور لگا کر اپنی ہتھکڑی توڑ ڈالی۔ پھر اچھل کر ایک جرمن سپاہی کی رائفل چھین لی۔ ایڈورڈ فوراً زمین پر لیٹ گیا۔ تینوں جرمن سپاہی عنبر پر گولیاں چلانے لگے۔ مگر کسی گولی کا عنبر پر ذرا اثر نہ ہوا عنبر نے رائفل ہاتھ میں لیتے ہی تین بار فائر کیا اور تین سپاہی وہیں ڈھیر کر دیئے۔ پھر چوتھی گولی چوتھے جرمن فوجی کو ماری۔ وہ بھی اچھل کر نیچے گرا اور مر گیا۔ ایڈورڈ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا اور عنبر گولی لگنے سے مرا کیوں نہیں؟

عنبر نے کہا۔

"اب بتاؤ ہم کس جگہ سے سرحد پار کر سکتے ہیں؟"

انگریز ہوا باز نے کہا۔ اس ٹرک میں بیٹھ جاؤ۔

عنبر ٹرک میں بیٹھ گیا۔ اس نے ایڈورڈ کی بھی ہتھکڑی توڑ ڈالی اور پھر اس کے پاس ہی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایڈورڈ نے ٹرک آگے بڑھا دیا۔ وہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ ٹرک کو لے کر سرحد کی طرف بڑھا۔ پیچھے سے اس پر خدا جانے کدھر سے گولیاں آنے لگیں مگر ٹرک دوڑتا چلا گیا۔ آخر ایک جگہ سے

وہ سرحد پار کر گئے۔

فرانس کی سرحد کے اندر داخل ہوتے ہی ایڈو
نے ٹرک کا رخ ایک کچے راستے پر کر دیا اور خو
ہو کر بولا۔

تھینک گاڈ! ہم فرانس میں داخل ہو چکے ہیں۔

دن نکل آیا تھا جب انہوں نے ٹرک ایک جگہ
دیا۔ کیونکہ وہ جرمن ٹرک تھا اور ان پر شک ہو سک
تھا۔ ایڈورڈ اور عنبر نے بڑی سڑک پر ایک کار
لفٹ لی اور پیرس شہر پہنچ گئے۔ ایڈورڈ اپنے سا
عنبر کو بھی برطانوی سفارت خانے لے گیا جہاں انہو
نے سفیر کو بتایا کہ وہ جرمن قیدی کیمپ سے بھاگ
کر آ رہے ہیں۔ اسی روز انہیں ایک خاص فوجی طیا
میں سوار کروا کے لندن پہنچا دیا گیا۔ لندن پہنچ کر
ایڈورڈ عنبر کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا۔ جہاں ا
کی ماں اور بہن رہتی تھی۔ اس کا باپ مر چکا تھا
عنبر نے ان کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر ناگ او
ماریا کی تلاش میں شہر میں نکل آیا۔

لندن شہر جرمنوں کی بمباری کی وجہ سے کھنڈر
ہوا تھا۔ جگہ جگہ ملبے کے ڈھیر لگے تھے۔ عمارتیں گر

ہوئی تھیں۔ عنبر حیران تھا کہ اس ویران شہر میں ناگ اور
ماریا اسے کہاں ملیں گے۔ لیکن اسے دیوی زلالہ کی بات
پر اعتبار تھا جس نے کہا تھا کہ ناگ اور ماریا لندن
میں ہی ہیں اور یہاں سے ان کا واپس کا سفر شروع
ہونے والا ہے۔ سارا دن عنبر شہر کے بازاروں میں
گھومتا پھرا مگر اسے نہ تو ناگ کہیں دکھائی دیا اور
نہ اسے ماریا کی خوشبو آئی۔ رات کو وہ ایڈورڈ کے
گھر آ گیا۔

دوسرے روز شہر پر جرمن طیاروں نے بمباری
کی جس کی وجہ سے شہر کے کئی علاقوں میں آگ بھڑک
اٹھی۔ ایڈورڈ کا مکان شہر سے باہر تھا۔ بمباری
ختم ہوئی تو عنبر شہر میں آ گیا۔

ایک بم اس ہسپتال کے قریب ہی گرا تھا جس
میں ناگ اور ماریا اپنی لیڈی ڈاکٹر دوست کے
ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس بم کے دھماکے سے
ہسپتال کی عمارت گر پڑی جس میں بے چاری لیڈی
ڈاکٹر بھی ہلاک ہو گئی۔ ناگ اور ماریا گری ہوئی
عمارت میں سے نکل کر باہر آ گئے۔ عمارت کا ملبہ
اٹھایا جا رہا تھا۔ ناگ نے کہا۔

"ماریا! تم میرے قریب ہو ناں؟"
ہاں ناگ" ماریا نے کہا۔
ناگ بولا۔

"لیڈی ڈاکٹر زندہ نہیں بچی ہو گی۔ وہ ہسپتال کے تہہ خانے میں کام کر رہی تھی۔"
ماریا نے کہا۔
"میں اس ملبے کے اندر جا کر پتہ کرتی ہوں۔

ناگ وہیں کھڑا رہا۔ ماریا ملبے کے اندر سے گزر کر عمارت کے تہہ خانے میں چلی گئی۔ اس تہہ خانے کی چھت ٹوٹ کر گر چکی تھی۔ اور اس کے نیچے آکر لیڈی ڈاکٹر ہلاک ہو چکی تھی۔ اس کی لاش کنکریٹ کے بھاری ستونوں کے نیچے دبی پڑی تھی۔ ماریا کو اپنی سہیلی کی موت پر بڑا گہرا صدمہ ہوا۔ مگر وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ عمارت کے ملبے سے باہر آکر اس نے ناگ کو بتایا کہ لیڈی ڈاکٹر مر چکی ہے۔ ناگ نے کہا۔

"اب تمہاری کیا رائے ہے۔ عنبر کو تلاش کرتے ہیں۔ اتنے دن ہو گئے ہیں۔ لندن شہر تباہ ہو رہا تھا۔ شاید عنبر ادھر کا

رخ نہ کرے۔ میرے خیال میں تو ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیئے۔
ماریا کہنے لگی۔

"کل اس کے بارے میں سوچیں گے۔"

اس رات بھی لندن شہر پر جرمنی کے جہازوں نے بم برسانے شروع کر دیئے۔ یہ بڑا زبردست حملہ تھا۔ ناگ اور ماریا دریا کے کنارے پل کے پاس ایک مکان کی چھت کے نیچے سو رہے تھے کہ بم باری شروع ہو گئی۔ ایک بم مکان کے پاس ہی آکر گرا۔ ناگ عقاب بن کر اڑ گیا۔ ماریا بھی وہاں سے اڑ کر دریا کے پل پر آ گئی۔

جب بمباری ختم ہو گئی تو شہر میں چاروں طرف آگ لگی تھی۔ ناگ اور ماریا دریا کے پل سے گزر کر دوسری طرف ایک گرجا گھر کے باغیچے میں آ گئے یہاں اندھیرا تھا اور سرد رات کی دھند پھیلی ہوئی تھی۔ گرجا گھر کی عمارت بڑی پرانی تھی اور قلعہ لگ رہی تھی۔ اچانک انہیں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ماریا نے ناگ سے کہا۔

"تم نے قدموں کی چاپ سُنی؟

یہ آواز ناگ نے بھی سن لی تھی۔ کہنے لگا۔

"ہاں۔ مگر یہ کس کی آواز ہے! ہاں یہاں کوئی انسان تو دکھائی نہیں دیتا!"

"آواز دھند کے بادل سے آ رہی ہے"

ماریا نے کہا۔ ناگ نے دھند کے بادل کی طرف دیکھا جو گرجا گھر کی چھت سے نیچے اتر کر ان کے سامنے باغ میں آ کر رک گیا تھا۔ ماریا اور ناگ اس دھند کے بادل کو دیکھنے لگے۔ دھند میں سے آہستہ آہستہ ایک عورت کی شکل ابھرنے لگی۔ اس عورت کے لمبے اور سنہری بال کھلے تھے۔ سر پر ایک سرخ موتیوں کا تاج رکھا تھا۔ ہاتھ میں چاندی کی چھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں سے نیلی روشنی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ ماریا نے آہستہ سے کہا۔

"ناگ! تم دیکھ رہے ہو اس عورت کو؟"

ناگ نے جواب دیا۔

"ہاں۔ دیکھ رہا ہوں۔ اور میرا خیال ہے۔ میں اسے پہچان بھی رہا ہوں۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے یہ تو دیوی زلالہ کی روح ہے!"

اتنا کہنا تھا۔ کہ دھند کے بادل میں ایک کڑاکا پیدا ہوا۔ جیسے بڑے زور سے بادل گرجتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی

دیوی زلالہ کی آواز سنائی دی۔

"سنو! اے ناگ اور ماریا! میں زلالہ بول رہی ہوں۔ میں پانچ ہزار سال پیچھے سے چل کر تمہارے پاس یہ کہنے آئی ہوں۔ کہ تمہارا یہ سفر اب ختم ہونے والا ہے اب تمہارا واپسی کا سفر شروع ہو گا۔ جو اس سے بھی زیادہ لرزہ خیز اور بھیانک ہو گا۔"

ناگ اور ماریا سہم کر ایک دوسرے کو تکنے لگے۔

آبدوز کی تباہی

دیوی زلالہ کی آواز ایک بار پھر بلند ہوئی

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ تم حیران ہوتے ہو
خوش ہوتے ہو۔ تمہاری تقدیر میں جو لکھا ہے۔ وہ ہو کر ر
گا۔ سن اے ناگ ماریا! تمہاری واپسی کا سفر عجیب و غریب
جگہ سے شروع ہوگا۔ اور تم دونوں ایک دوسرے سے جد
ہو جاؤ گے اور پھر سنسنی خیز حالات میں ایک دوسرے سے
ملو گے۔"

ماریا نے کہا۔

"اے دیوی زلالہ! ہم تمہارے حکم کے پابند ہیں۔ تم
کہتی ہو۔ ایسا ہی ہوگا۔ ہمیں واپسی کا سفر قبول ہے۔ لیکن
بتاؤ کہ کیا عنبر بھی ہمارے ساتھ ہی واپسی کا سفر شروع کرے گا

دیوی زلالہ نے کہا۔

"لیکن وہ تم سے جدا ہو جائے گا۔ تم تینوں الگ الگ جگ
پر سے اپنا اپنا سفر شروع کرو گے تم الگ الگ حالات میں
پھنس جاؤ گے اور تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں

کر سکے گا۔"

ناگ نے پوچھا۔

"اے دیوی! میں بھی ماریا اور عنبر سے بچھڑ جاؤں گا؟"

"ہاں" دیوی نے کہا "تم بھی بچھڑ جاؤ گے۔ تم زمین
کے اندر واپس اپنی سانپوں کی دنیا میں چلے جاؤ گے۔

"اور میں کہاں جاؤں گی؟" ماریا نے پوچھا۔

دیوی زلالہ نے کہا۔ "تم بھی غائب ہو جاؤ گی۔

ماریا نے کہا۔ "میں تو پہلے ہی غائب ہوں۔"

دیوی نے کہا۔ "اس طرح غائب رہ کر تم لوگوں کو دیکھ سکتی
ہو۔ لیکن اب جب تم واپسی کے سفر کے لیے غائب ہو گی تو
پھر نہ تمہیں لوگ دیکھ سکیں گے اور نہ تم لوگوں کو دیکھ سکو گی۔"

ماریا کانپ اٹھی۔ "تو کیا میں مر جاؤں گی؟"

دیوی زلالہ نے کہا۔ "ہاں" "کچھ وقت کے لیے تم مر جاؤ
گی۔ ناگ بھی مر جائے گا۔ لیکن اس کے بعد تمہیں خدا کے حکم
سے پھر زندہ کیا جائے گا۔ تم ناگ اور عنبر عجیب جگہوں پر
ایک دوسرے سے دور سنسنی خیز حالات میں الگ الگ زندہ
ہو کر اٹھو گے اور اپنا واپسی کا سفر شروع کرو گے۔ وہ
عنبر ناگ ماریا کی واپسی کا سفر ہوگا۔ یہ ایک نیا، لرزہ خیز
سنسنی خیز اور حیرت انگیز سفر ہوگا جس کے واقعات

اتنے دلچسپ اور لرزہ دینے والے ہوں گے کہ کبھی
کبھی تمہیں بھی خوف آنے لگے گا۔

ماریا نے کہا:

"اے دیوی! کیا یہ ہو کر رہے گا؟"

دیوی کہنے لگی۔

"ہاں یہ ہو کر رہے گا۔ ایسا تمہاری قسمت
میں لکھا جا چکا ہے۔ تم واپسی کے سفر
سے بچ نہیں سکتے۔ تمہیں پانچ ہزار سالوں
کا سفر طے کر کے دوبارا واپس اپنی دنیا
میں جانا ہے۔ وہاں پہنچ کر تمہارا یہ حیرت
انگیز سفر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو
جائے گا۔

ناگ نے پوچھا۔

"پھر کیا ہوگا؟ کیا پھر ہم مر جائیں گے؟"

دیوی زلالہ نے کہا۔

"یہ میں تمہیں اس وقت بتاؤں گی جب تم
پانچ ہزار سال کا واپسی کا سفر طے کر کے
قدیم فرعونوں کے مصر میں پہنچو گے۔"

ماریا نے پوچھا، "یہ بتاؤ دیوی کہ عنبر کہاں

ہے؟"

دیوی نے کہا۔

"وہ اسی لندن شہر میں ہے اور صبح تم
سے اس کی ملاقات ہو جائے گی۔ اچھا اب
میں جاتی ہوں۔ تم لوگ واپسی کے سفر کے
لیے، مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

دھند کا بادل زور سے کڑکا۔ اس کی چمک آسمان
تک گئی اور پھر اندھیرا چھا گیا اور دھند کا بادل
غائب ہو چکا تھا۔ ناگ نے کہا۔ "ماریا! کیا تم
واپسی کے سفر کے لیے تیار ہو؟"

ماریا نے آہ بھر کر کہا۔

"اس میں ہماری مرضی کو کوئی دخل نہیں
ہے۔ ہم مجبور اور بے بس ہیں۔ تقدیر
ہمیں جو دکھا رہی ہے ہم دیکھ رہے ہیں۔
وہ ہمیں جہاں لیے جا رہی ہے ہم چلے
جا رہے ہیں۔ آج سے پانچ ہزار سال پہلے
فرعونوں کے زمانے میں ہم تینوں ایک دوسرے
سے ملے تھے۔ ہم نے اتنا لمبا سفر ایک
ساتھ کیا ہے۔ اب واپسی کا سفر بھی ساتھ

ساتھ مل کر کریں گے۔"

ناگ نے کہا۔

"دیوی زلالہ نے کہا ہے کہ ہمارا واپسی کا سفر بہت زیادہ خطرناک لرزا دینے والا اور سنسنی خیز ہو گا۔ اور قدم قدم پر ہمیں موت سے سامنا کرنا پڑے گا کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟"

ماریا مسکرائی۔

اگرچہ اسے مسکراتا ناگ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ کہنے لگی۔

"ناگ بھائی۔ جو ہماری تقدیر میں لکھا ہے ہمیں قبول کرنا ہی پڑے گا۔ ہم تاریخ کے مسافر ہیں۔ ہماری اپنی کوئی مرضی نہیں ہے۔"

ناگ نے آہ بھر کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ دیوی زلالہ نے یہ خبر عنبر کو بھی ضرور سنا دی ہو گی۔"

ماریا کہنے لگی۔

"ہاں۔ اگر وہ ہمیں ملی ہے تو عنبر کو بھی مل سکتی ہے۔ اس نے ضرور عنبر کو بھی خبردار کر

دیا ہو گا کہ وہ واپسی کے سفر کے لیے تیار رہے مگر اس نے یہ نہیں بتایا کہ عنبر کے ساتھ کیا گزرے گی۔ میرا مطلب ہے کہ وہ تو مر نہیں سکتا۔ پھر وہ کیسے گم ہو گا؟

ناگ بولا:

"میرا اندازہ ہے کہ وہ زندہ رہے گا۔ صرف ہم اس سے جدا ہو جائیں گے۔"

ماریا نے ٹھنڈا سانس بھرا اور بولی۔

"خدا خیر کرے۔ خدا ہمارا واپسی کا سفر مبارک کرے۔

ناگ نے کہا:

"میری خدا سے یہی دعا ہے کہ واپسی کے سفر میں بھی ہم اسی طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہیں اور مصیبتوں میں ایک دوسرے کے کام آئیں۔"

ماریا نے کہا:

خداوند نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا۔

ناگ بولا۔

اب ہمیں عنبر کو ڈھونڈھنا چاہیئے۔

ماریا کہنے لگی:

"ڈھونڈھنے کی اب ضرورت نہیں رہی۔ دیوی
زلالہ نے کہہ دیا ہے کہ عنبر صبح ہمیں مل
جائے گا۔

اسی طرح باتیں کرتے اور گرجا گھر کے باغیچے میں
بیٹھے بیٹھے دن نکل آیا۔ رات بھر کی بمباری نے شہر
کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ لوگ خدا کی عبادت کرنے گرجا
گھر کی طرف آ رہے تھے۔ ناگ نے کہا۔

"دیکھو! یہ لوگ کتنے نیک ہیں۔ اس مصیبت
اور افراتفری میں بھی اپنے خدا کو نہیں
بھولے اور گرجا میں اس کی عبادت کرنے
آ رہے ہیں۔

ماریا نے کہا:

خداوند! ان کی زندگیوں پر رحمت کے پھول
نچھاور کرے۔"

ناگ کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا۔ "آمین"۔

دن کی روشنی میں ناگ اور ماریا شہر کی طرف چل
پڑے کہ شاید وہاں ان کی عنبر سے ملاقات ہو جائے
شہر میں جگہ جگہ عمارتوں میں سے دھواں اٹھ رہا تھا

اور آگ بجھانے والے انجن آگ بجھا رہے تھے۔ ناگ
اور ماریا پھرتے پھراتے ایک باغ میں آ گئے۔ یہاں
بھی لوگ کہیں کہیں گھاس پر بیٹھے اپنے مکانوں کی
تباہی پر باتیں کر رہے تھے۔

اچانک ایک جگہ ناگ کی نظر عنبر پر پڑ گئی۔ اس
نے ماریا سے کہا۔ "ماریا! وہ دیکھو عنبر!"

ماریا نے عنبر کو دیکھا تو اڑ کر ایک ہی چھلانگ
میں اس کے پاس پہنچ گئی۔ عنبر چلتے چلتے رک گیا
اسے ماریا کی بڑی تیز خوشبو آئی تھی۔ اس نے کہا

"ماریا! کیا یہ تم ہو؟"

ماریا نے کہا۔

"ہاں عنبر بھائی۔ میں بھی ہوں اور ناگ
بھی ہے۔"

اتنے میں ناگ بھی آ گیا۔ تینوں دوست۔ تینوں
بہن بھائی ایک دوسرے سے مل کر بے حد خوش
ہوئے۔ ان سب نے ایک جگہ بیٹھ کر الگ الگ
اپنی اپنی داستان سنائی۔ آخر میں ماریا نے عنبر
کو بتایا کہ دیوی زلالہ نے واپسی کے سفر کے بارے
میں کیا کہا ہے۔ عنبر نے کہا۔

"دیوی زلالہ نے مجھے بھی خبردار کر دیا ہے
کہ ہماری واپسی کا سفر شروع ہونے والا ہے
اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ مجھے اپنے واپسی
کے سفر کے لیے قاہرہ کے اہرام میں ملکہ
نفریتی کے مقبرے پر ہدایت لینے جانا ہوگا۔
ناگ نے کہا:
"تم خوش قسمت ہو کہ واپسی کا سفر زندہ رہ
کر شروع کرو گے۔ ہمیں تو زلالہ نے کہا ہے
کہ میں اور ماریا غائب ہو جائیں گے۔ میں زمین
کے اندر واپس اپنے سانپوں کی دنیا میں چلا
جاؤں گا اور ماریا غائب ہو جائے گی۔"
"غائب تو وہ اب بھی ہے۔" عنبر نے کہا۔
ماریا بولی۔
"اب تو میں لوگوں کو دیکھ سکتی ہوں۔ پھر میں
بھی لوگوں کو نہ دیکھ سکوں گی۔ مرجاؤں گی۔ یہی
زلالہ نے کہا ہے۔
"پھر کیا ہوگا؟" عنبر نے فکر مند ہو کر پوچھا
ماریا نے کہا:
"پھر ایک خاص مدت گزرنے کے بعد میں اور

ناگ پھر سے زندہ ہو کر اس دنیا میں واپس
آجائیں گے اور الگ الگ جگہوں پر عجیب و
غریب حالات میں ابھریں گے اور ایک دوسرے
سے ملیں گے۔"
ناگ کہنے لگا:
دیوی نے یہ بھی کہا ہے کہ ہمارا واپسی کا
سفر اس سفر سے بہت۔ زیادہ خطرناک لرزا
دینے والا اور سنسنی خیز ہوگا۔
ماریا بولی:
"خدا خیر کرے۔ میرا تو دل ابھی سے ہول
کھانے لگا ہے۔"
عنبر نے کہا:
"گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم تاریخ کے
ساتھ ساتھ سفر کر رہے ہیں۔ اب تاریخ
کی کتاب میں اس طرح واپس ہو جائیں گے
جس طرح سے کوئی لڑکا تاریخ کی کتاب کو
پیچھے الٹ کر دیکھتا ہے۔ حالات کتنے بھی
خطرناک اور لرزہ خیز ہوں۔ ہم انشاء اللہ
ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رہیں گے اور

ہر خطرناک وقت میں ایک دوسرے کی مدد
کریں گے۔"
ناگ نے کہا۔

"ایک عرصے کے بعد ہم تینوں دوست
اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ بڑی خوش قسمتی کی
بات ہے۔"
ماریا نے آہ بھر کر کہا:
یہ مت بھولو کہ ہم جدا ہونے کے لیے اکٹھے
ہوئے ہیں۔"
عنبر کہنے لگا:
پھر کیا ہوا ماریا بہن! ہم اس انوکھے سفر
میں ملتے اور جدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔
ماریا بولی:
"لیکن اس بار دیوی زلالہ نے کہا ہے کہ
ہمارا واپسی کا سفر بہت خطرناک اور سنسنی
خیز ہوگا۔ خدا جانے ہمارے ساتھ کس قسم
کے خطرناک حالات پیش آئیں۔ میرا تو دل
یہ سوچ کر ابھی سے ڈر رہا ہے۔"
عنبر بولا: "نہیں ماریا۔ تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے۔

خطرے تو ہماری زندگی کے ساتھ ہی ہیں۔ اور
پھر جس خطرناک راستے سے ہمیں ہر حالت
میں گزرنا ہی پڑے گا اس سے ڈرنا کیا!

ناگ بولا:
"اچھا بھئی ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ
کہ اب ہمیں کس جگہ چلنا چاہیئے۔ یہ شہر
تو تباہ ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں
ہندوستان کی طرف نکل جانا چاہیئے۔
عنبر نے کہا:
دل میرا بھی چاہتا ہے کہ ہم ہندوستان کی
طرف ہی چلیں۔ تمہارا کیا خیال ہے ماریا؟
ماریا نے کہا:
"میرا تو دل جیسے گواہی دے رہا ہے کہ میں
ہندوستان ابھی نہیں پہنچ سکوں گی۔"
"وہ کیوں"؟ عنبر نے کہا۔ ماریا دل چھوٹا نہ کرو۔
تمہارے واپسی کے سفر میں میں ہمیشہ تمہارے
ساتھ رہوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ اسی طرح
باتیں کرتے تینوں دوست، بہن بھائی اور انوکھے
تاریخی سفر کے مسافر لندن کے دریا والے

علاقے میں نکل آئے۔ عنبر نے انہیں بتایا کہ وہ ایڈ
نام کے ایک پائیلٹ کے مکان پر رہتا ہے۔
"تم لوگ بھی میرے ساتھ وہیں چلو۔ وہاں سے
ہم ہندوستان جانے کا بندوبست کریں گے
جنگ کا زمانہ ہے۔ سمندری جہاز کبھی کبھی
یہاں سے جاتے ہیں۔"

عنبر اپنے دوستوں ماریا اور ناگ کو لے کر ایڈورڈ
گھر آ گیا۔ اس نے ایڈورڈ سے ناگ کا تعارف کر
ماریا کو تو وہ دیکھ نہیں سکتا تھا اس لیے اس
تعارف کروانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ عن
نے ایڈورڈ کو بتایا کہ وہ اپنے دوست ناگ کے
ساتھ ہندوستان جانا چاہتا ہے۔ ایڈورڈ نے ک
"ہوائی جہاز میں جانے کا تو اس جنگ کے
زمانے میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں
سمندری جہاز میں تمہارے لیے کوشش
کروں گا۔ میرا خیال ہے انڈیا سٹیم شپ
کمپنی کا ایک جہاز کچھ جنگی سامان لے کر
انڈیا جانے والا ہے۔"

ایڈورڈ نے معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ سمندری

جہاز اتوار کی رات کو بندرگاہ سے روانہ ہونے والا
ہے۔ عنبر نے اپنا اور ناگ کا ٹکٹ لیا اور اتوار
کو جہاز پر سوار ہو گیا۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی
تھی۔ ایڈورڈ انہیں چھوڑنے بندرگاہ تک آیا اور گلے
مل کر عنبر اور ناگ کو الوداع کہا۔ جہاز میں بلیک آؤٹ
تھا۔ سارے شہر اور بندرگاہ پر بلیک آؤٹ تھا۔
کہیں کوئی روشنی نہیں تھی۔ اسی اندھیرے میں سمندری
جہاز اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

سمندر میں یہ بیس بائیس روز کا سفر تھا۔ ان
دنوں جہاز اتنی زیادہ رفتار سے نہیں چلا کرتے تھے۔
سکندریہ تک جہاز خیریت سے پہنچ گیا۔ نہر سویز سے
نکل کر جہاز بحیرہ عرب میں داخل ہو گیا۔ یہاں سے
جہاز کو سب سے پہلے کراچی کی بندرگاہ پر جانا تھا۔
بحیرہ عرب میں جہاز کو سفر کرتے دوسرا روز ہوا
تھا کہ ایک رات جہاز پر خطرے کا الارم بج اٹھا
عنبر ناگ اور ماریا جہاز کے عرشے پر آ گئے۔
جہاز کے مسافروں کو نیچے جانے کی ہدایت کی
جا رہی تھی۔ عنبر نے ایک جہازی سے پوچھا کہ کیا
بات ہے۔ اس نے غصے میں کہا:

تمہیں کیا بتائیں کہ کیا ہے۔ چلو۔ نیچے چلو۔
نہیں تو مارے جاؤ گے۔

عنبر ناگ کی طرف دیکھ کر ہنس دیا اور دونوں ماریا کو لے کر جہاز کے نیچے آ گئے۔ یہاں پہلے ہی جہاز کے بہت سے مسافر جمع تھے۔ معلوم ہوا کہ دشمن کے جہاز بمباری کرنے آ رہے ہیں۔ جرمنوں کو پتہ چل گیا تھا کہ ایک برطانوی جہاز جنگی سامان اور مسافر لے کر ہندوستان کی طرف جا رہا ہے۔ کیونکہ ہندوستان کے مشرق میں جاپانیوں کے حملے بڑھتے جا رہے تھے۔ اور جاپانیوں نے آسام کی ایک سڑک پر قبضہ کر لیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بمبار طیاروں کی آواز سنائی دی اور پھر بم گرنے لگے۔ اندھیرے اور بلیک آؤٹ کی وجہ سے ایک بھی بم جہاز پر نہ گر سکا۔ یہ مسافروں کی خوش قسمتی تھی جرمن طیارے واپس چلے گئے۔ جہاز کے پچھلے حصے کو تھوڑا سا نقصان پہنچا تھا۔ جو دوسرے دن صبح مرمت کر دیا گیا۔ لیکن دشمن نے جہاز کو دیکھ لیا تھا اور خطرہ تھا کہ وہ دوبارہ حملہ کرنے آئے گا۔ چنانچہ چوتھے روز جہاز کے راڈار نے بتایا کہ ایک جرمن ڈبکنی کشتی یعنی آبدوز

اس کی طرف بڑھی چلی آ رہی ہے۔ آبدوز کا کام یہ ہوتا ہے کہ سمندر کے اندر ہی اندر وہ ایک بڑا طاقتور بم یعنی تارپیڈو چھوڑتی ہے جو سمندر کے نیچے سے اگر جہاز کے پیندے سے ٹکراتا ہے اور پھٹ کر جہاز کو ڈبو دیتا ہے۔ جہاز کو ایک بار تارپیڈو لگ جائے تو پھر اس کا بچنا ناممکن ہوتا ہے۔

جہاز کے کپتان نے فوراً جہاز کا رخ ایک غیر آباد جزیرے کی طرف موڑ دیا یہ جزیرہ بحیرہ عرب میں ایک ایسی جگہ سمندر میں تھا جہاں کبھی کوئی نہیں گیا تھا کپتان نے وائرلیس پر اپنی بحری اور ہوائی فوج کی مدد مانگی ادھر سے جواب آیا کہ ہمارے پاس اتنے طیارے نہیں ہیں کہ ہم اتنی دور آ کر تمہاری مدد کریں۔ تم جو کچھ کر سکتے ہو خود ہی کرو۔ جہاز کا کپتان پریشان ہو گیا۔ کیونکہ اس کے جہاز پر صرف دو طیارہ شکن یعنی طیاروں کو مار گرانے والی توپیں لگی تھیں اور یہ آبدوز کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ جہاز جزیرے کے ساحل کے قریب سمندر میں کھڑا کر دیا گیا۔

کپتان اور اس کے عملے کے دوسرے لوگ سمندری راڈار پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ راڈار ظاہر کر رہا

تھا کہ ایک آبدوز ان کی طرف چلی آ رہی ہے۔ پھر یہ آبدوز
ایک سبز نقطہ بن کر راڈار پر ایک جگہ رک گئی۔ انگریز
کپتان نے اپنے نائب سے کہا۔

"دشمن کی آبدوز رک گئی ہے۔ اب وہ حملہ کرنے
والی ہے"۔

جہاز پر خطرے کا الارم بجا دیا تھا۔ تمام مسافر جہاز
سے اتر کر جزیرے پر آ گئے تھے۔ ناگ اور ماریا بھی جزیرے
پر آ گئے تھے۔ صرف عنبر جہاز پر تھا۔ جب ایک جہازی
نے اسے بھی جزیرے پر جانے کو کہا تو اس نے کہا:

"میں تمہارے کیپٹن سے ملنا چاہتا ہوں"۔

"کس لیے؟ تم کون ہو؟" جہازی نے پوچھا۔

عنبر بولا:

"میں ایک مسافر ہوں اور آبدوز کو تباہ کر سکتا
ہوں"۔

جہازی ہنسا اور یہ کہہ کر چلا گیا۔

"جلدی سے کشتی میں بیٹھ کر جزیرے پر پہنچ جاؤ"۔

مگر عنبر کشتی پر بیٹھنے کی بجائے کیپٹن کے کیبن کی
طرف چل پڑا۔ وہ جہاز کو بچانا چاہتا تھا تاکہ مسافر
اطمینان سے اپنے اپنے گھروں کو پہنچ جائیں۔ کیونکہ اگر

جہاز ڈوب جاتا ہے تو جرمن وہاں آ کر ان سب کو پکڑ
لیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ان سارے مسافروں
کو گولیوں سے اڑا دیں۔ اس لیے کہ اس زمانے میں
جرمنوں نے کئی مسافر جہازوں کو بھی سمندر میں ڈبو دیا
تھا جن کے ساتھ سارے مسافر ہلاک ہو گئے تھے۔

جہاز کا کیپٹن پریشان تھا۔ دوسرے لوگ بھی اس کے
ارد گرد جمع تھے اور غور سے راڈار پر ابھرتے سبز
نقطے کو تک رہے تھے۔ وہ جہاز کو خشکی پر نہیں لے جا
سکتے تھے۔ جہاز کو سمندر میں ہی کھڑا رہنا تھا اور جرمن
آبدوز اس کو تارپیڈو مار کر تباہ کرنے کی تیاریاں کر رہی
تھی۔ عنبر نے سوچا کہ جہاز کے کیپٹن کے پاس جانے کی
کیا ضرورت ہے اس کی بات پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا
جرمن آبدوز سمندر میں پہنچ چکی ہے۔ اسے سمندر میں اتر
کر اسے تباہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ یہ بھیانک
خطرہ ٹل جائے اور مسافر امن و امان سے اپنی منزل پر
پہنچ سکیں۔

عنبر کیپٹن کے کیبن کے قریب جاتے جاتے سیڑھیاں
چڑھ کر اوپر ڈیک یعنی عرشے پر آ گیا۔ یہاں اسے پھر
وہی انگریز ملاح ملا۔ اس نے عنبر کو ڈانٹ کر کہا۔

"تم پھر اوپر آ گئے؟"

عنبر نے کہا:

"میں ذرا سمندر کے نیچے سیر کرنے جا رہا ہوں اور
اس کے ساتھ ہی عنبر نے سمندر میں چھلانگ لگا دی
انگریز ملاح ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ پھر اس نے شور مچا
دیا کہ ایک مسافر سمندر میں گر پڑا ہے۔ اسی وقت سمندر
میں لائف بیلٹ پھینکی گئی مگر عنبر سمندر کی لہروں سے
نہ ابھرا۔ وہ سمندر کے نیچے پہنچ چکا تھا۔ یہ سمندر بہت
گہرا تھا۔ ہزاروں مچھلیاں اس کے قریب سے ہو کر
نکل رہی تھیں۔ اس کے دائیں بائیں اونچے اونچے
پہاڑ تھے جن پر سمندری جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ سورج
کی کرنیں سمندر کے اندر مدھم سبز روشنی پھیلا رہی تھیں
عنبر سمندر کے اندر ہی اندر بھاری پانی میں تیرتا جرمن آبدوز
کو تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔

جہاز پر کیپٹن اور اس کے عملے کے افسر راڈار پر
جھکے ہوئے تھے۔ موت کا خوف ان کے چہروں پر تھا
کسی وقت بھی جرمن آبدوز میں سے ایک تارپیڈو نکل
کر ان کے جہاز کو تباہ کر سکتا تھا۔ اگرچہ انہوں نے ایک
خاص قسم کا رنگ پانی میں پھینک دیا تھا جس کی وجہ سے

جہاز کے ارد گرد کا سمندری پانی سرخ ہو گیا تھا۔ اس طرح
سے جرمن آبدوز کو نشانہ باندھنے میں دقت ہو سکتی تھی۔
مگر وہ بچ نہیں سکتے تھے۔ اتنے میں کیپٹن نے دیکھا کہ
ایک سبز نقطہ جرمن آبدوز کے نقطے کی طرف بڑھ رہا ہے۔

"یہ کیا ہے؟" کیپٹن نے حیران ہو کر پوچھا۔

جہاز کے دوسرے افسر بھی اس سبز نقطے کو غور سے
تکنے لگے جو جرمن آبدوز کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

"یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟" کیپٹن نے پھر سوال کیا۔

"کوئی بہت بڑی ویل مچھلی ہے میرے خیال میں" ایک
افسر نے کہا۔

ویل مچھلی اس سمندر میں کبھی نہیں پائی گئی" کیپٹن نے
کہا۔ اتنے میں انگریز ملاح نے آ کر بتایا کہ ایک مسافر
نے ابھی ابھی سمندر میں چھلانگ لگائی تھی۔ کہیں یہ وہی
مسافر نہ ہو۔ کیپٹن نے کہا۔

"کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ بھلا کوئی عام
آدمی سمندر میں آکسیجن ماسک کے بغیر اندر ہی
اندر اتنی دور تک جا سکتا ہے۔ دیکھو وہ برابر
آگے بڑھ رہا ہے۔"

تمام نظریں سبز نقطے پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ عنبر تھا

عنبر نے آبدوز کو دیکھ لیا تھا۔ ادھر جرمن آبدوز ک
کپتان نے بھی عنبر کو دیکھ لیا تھا۔ آبدوز کے اند
سے گولیاں برسائی جانے لگیں۔ گولیاں پانی کی چاد
کو چیرتی ہوئی عنبر کو آ کر لگیں۔ مگر عنبر برابر آگے
بڑھتا گیا۔ اس نے اپنا رخ بدل لیا جرمن آبدو
کا کپتان بھی حیران تھا کہ کوئی انسان ہے یا ج
کہ سمندر میں بغیر آکیسجن ماسک کے غوطے لگا
چلا آ رہا ہے۔ عنبر آبدوز کے پیچھے پہنچ گیا تھا
اس نے وہ سوراخ دیکھا جہاں سے تارپیڈ
چھوڑا جاتا ہے جرمن آبدوز میں تارپیڈو بھر د
گیا تھا۔ کپتان نے نشانہ باندھ کر فائر کا حکم
دیا۔ یہ تارپیڈو سیدھا جہاز کے پیندے سے جا
کر ٹکراتا تھا اور اسے تباہ کر دینا تھا۔ عنبر سورا
کے بالکل قریب تھا۔ اس نے تارپیڈو کے چلنے
کی آواز سن لی تھی۔ جونہی بم سوراخ کے
اندر سے نکلا۔ عنبر لپک کر اس کے اوپر سوار
ہو گیا اور پوری طاقت سے اس کا رخ دوسری
طرف پھیر دیا۔ نشانہ بدل گیا تھا۔ اب تارپیڈو
جہاز سے نہیں ٹکرا سکتا تھا۔ آبدوز نے دوسرا

اور پھر تیسرا تارپیڈو چھوڑ دیا۔ عنبر نے ان کے
رخ بھی پھیر دیئے۔

جرمن آبدوز کا کپتان اس سپرمین کو دیکھ کر
دنگ رہ گیا تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
کہ یہ آدمی ہے یا کوئی سمندری جن ہے۔ جب
آبدوز سے چوتھا تارپیڈو پھینکا گیا تو عنبر اس
کے اوپر سوار ہو گیا۔ اس نے تارپیڈو کا آگے
جا کر رخ پھیر کر اس کا منہ آبدوز کی طرف کر دیا۔
یہ بڑی خطرناک چال تھی۔ تارپیڈو اب جہاز کی
بجائے جرمن آبدوز کی طرف جا رہا تھا۔

جرمن کپتان نے راڈار پر اپنا ہی تباہ کن تارپیڈو
اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کے منہ سے چیخ نکل
گئی۔ خطرے کا الارم بجا دیا گیا۔ آبدوز میں افراتفری
مچ گئی۔ فوراً اس کی مشین چلا دی گئی تاکہ اسے
اوپر لایا جا سکے۔ مگر آبدوز بڑی بھاری تھی اور
تارپیڈو کی رفتار بڑی تیز تھی۔ عنبر نے تارپیڈو
کے اوپر سے چھلانگ لگا دی۔ تارپیڈو سیدھا
آبدوز سے جا کر ایک قیامت خیز دھماکے سے ٹکرا
گیا۔ سمندر کے اندر پانی میں طوفان آ گیا اور تارپیڈو کے

پرخچے اڑ گئے۔ عنبر سمندر میں دور تیرتا ہوا تباہی کا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ آبدوز ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی اور اس کے ٹکڑے سمندر کی تہہ میں چلے جا رہے تھے۔ عنبر نے واپس جہاز کی طرف تیرنا شروع کر دیا۔ جہاز کا کپتان اور دوسرے افسروں نے آبدوز کو تباہ ہوتے دیکھا تو دنگ رہ گئے۔ راڈار نے انہیں صاف دکھایا تھا کہ جو تارپیڈو آبدوز سے نکلا تھا اسی نے گھوم کر اسے تباہ کر دیا تھا۔ یہ بڑی ان ہونی بات تھی۔

ناگ ماریا غائب ہو گئے

عنبر سمندر کی سطح پر آگیا۔

جہاز پر سب لوگ اسے دیکھ رہے تھے انہوں نے تالیاں بجا کر عنبر کا استقبال کیا۔ کپتان اسے اپنے کیبن میں لے گیا اور اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا پھر اس نے عنبر کو نیا جوڑا پہننے کو دیا گرم گرم کافی پلائی اور پوچھا کہ یہ کام اس نے کیسے کیا؟ کیا وہ جادوگر ہے؟ یا کوئی جن ہے

عنبر مسکرا رہا تھا۔

کہنے لگا۔

"کپتان! تم یہی سمجھ لو کہ میں جادوگر ہوں میرے میرے پاس ایک ایسا جادو ہے جو مجھے سمندر میں بھی زندہ رکھتا ہے اور اس کی وجہ سے میں نے تارپیڈو کا رخ آبدوز کی طرف موڑ دیا اب تم جلدی سے جہاز کو کراچی کی طرف لے چلو۔"

کپتان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ عنبر جادوگر ہے۔ یا کوئی دیو ہے۔ جہاز پر سب مسافر آکر بیٹھ گئے۔ ماریا اور

ناگ بھی آ گئے۔ جس انگریز ملاح نے عنبر کو سمندر میں چھلانگ لگاتے دیکھا تھا اور اسے ایک بار جہاز پر آنے سے منع کیا تھا وہ جب عنبر کے قریب سے گزرا تو اس نے جھک کر عنبر کو سلام کیا۔ عنبر نے مسکرا کر کہا۔ "کیا میرے ساتھ سمندر کے نیچے چل کر سیر کرو گے"

انگریز ملاح دم دبا کر بھاگ گیا۔

جہاز نے اندھیرا ہوتے ہی لنگر اٹھا دیا اور کراچی کی طرف روانہ ہو گیا کراچی ابھی چار دن کے سفر پر تھا یہ سفر خیریت سے کٹ گیا جہاز کراچی پہنچا تو دن ڈوب رہا تھا۔ شہر پر شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ جہاز کے رکتے ہی عنبر نے ناگ اور ماریا کو ساتھ لیا اور بندرگاہ پر اتر کر بڑی سڑک پر آ گیا۔ یہ ۱۹۴۱ء کا زمانہ تھا۔ ابھی پاکستان بننے میں چھ سال رہتے تھے انہوں نے رات گزارنے کے لیے ایک ہوٹل میں بڑا کمرہ لے لیا۔ رات اسی کمرے میں انہوں نے بسر کی۔

دوسرے روز آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے عنبر ابھی سو رہا تھا۔ ناگ نے اسے ہلا کر اٹھایا اور کہا۔

"عنبر! ہم ذرا شہر کی سیر کو جا رہے ہیں آ کر اکٹھے ناشتہ کریں گے"

عنبر نے نیند میں ہی کروٹ بدل کر کہا "جلدی آ جانا"

ناگ اور ماریا ہوٹل سے نکل کر ایک ٹرام میں بیٹھے اور شہر کی سڑکوں کی سیر کرنے لگے۔ کیماڑی سے نکل کر شہر کے دوسرے کنارے پر آ گئے۔ ۱۹۴۱ء میں کراچی اتنا پھیلا ہوا شہر نہیں تھا۔ ایک جگہ ٹرام سے اتر کر وہ پیدل ہی شہر سے باہر نکل گئے۔ یہاں ریت کے ٹیلے بنے ہوئے تھے۔ ان ٹیلوں میں انہیں ایک پرانا قبرستان دکھائی دیا۔ ماریا نے قبروں پر لکھی ہوئی پرانی تحریر پڑھ کر کہا۔

"ناگ! یہ ایک ہزار سال پرانی قبریں ہیں"

وہ قبروں کو دیکھنے لگے جن کے چبوتروں پر بڑے خوبصورت بیل بوٹے بنے ہوئے تھے ماریا کو کچھ تھکن سی محسوس ہونے لگی اسے ایسے لگا جیسے اس کا سر چکرا رہا ہو۔ اصل میں واپسی کا سفر شروع ہونے والا تھا۔ ماریا نے ناگ سے کہا۔

"میرا سر چکرانے لگا ہے کہیں سے پانی لا دو مجھے"

ناگ نے کہا۔

"تم اسی جگہ بیٹھو۔ میں پانی تلاش کر کے لاتا ہوں"

ماریا ایک قبر کے چبوترے پر بیٹھ گئی اور ناگ اس کے لیے پانی لینے چلا گیا۔ ماریا کی آنکھوں میں دھند پھیلنے لگی۔ اسے

قبروں کے چبوترے اور ان پر بنے ہوئے بیل بوٹے
دھندلے دکھائی دینے لگے وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی اس کے
پاؤں بھاری ہوتے گئے اس سے ٹہلا نہیں جا رہا تھا
وہ دوبارہ چبوترے پر بیٹھ گئی۔ ماریا کو یوں محسوس ہوا جیسے
اس کے اندر سے جان نکل جا رہی ہے۔ اس کی طاقت
ختم ہوتی جا رہی ہے۔ وہ اٹھنے لگی تو اس سے اٹھا نہ
گیا۔ اس کی آنکھوں کی دھند گہری ہو گئی تھی اور اب اُسے
کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے پوری طاقت سے
ناگ کو آواز دی۔ اتنے میں ایک قبر پھٹی اور اس کے اندر
سے دیوی زلالہ کا چہرہ ابھرا۔

"اے ماریا! تیری آواز سننے والا یہاں کوئی نہیں۔ تیری
آواز ناگ تک نہیں پہنچ سکتی۔"

ماریا نے کہا۔

"کیا تم دیوی زلالہ ہو؟"

"ہاں" دیوی نے کہا۔ "میں زلالہ ہوں۔ میں تمہیں یہ
پیغام دینے آئی ہوں۔ کہ تمہارا واپسی کا سفر شروع ہونے
والا ہے۔ تمہارا یہ پانچ ہزار سالہ سفر ختم ہو رہا ہے
اب تم غائب ہونے والی ہو۔"

ماریا نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"کیا ناگ اور عنبر بھی غائب ہو جائیں گے؟"

دیوی نے کہا۔

"ہاں۔ مگر تم انہیں غائب ہوتا نہ دیکھ سکو گی۔"

دیوی! ماریا نے کہا۔ "ہم کب ایک دوسرے سے
ملیں گے؟ ناگ تو میرے لیے پانی لانے گیا ہے۔"

"وہ پانی لے کر اب تمہارے پاس نہیں آئے گا۔"
اور میں نہیں بتا سکتی کہ تم کہاں اور کن حالات
میں دوبارہ ایک دوسرے سے ملو گے؟"

ماریا نے کہا۔

"کیا ناگ اور عنبر کو میری حالت کی خبر ہے؟"

دیوی نے کہا۔

"نہیں۔ تم میں سے کسی کو ایک دوسرے کی خبر نہیں
ہے۔ سب الگ الگ اپنی اپنی جگہوں پر غائب
ہو جائیں گے۔ کیونکہ آج سے تمہارا یہ پانچ ہزار
سال کا تاریخی سفر ختم ہوتا ہے۔ خدا حافظ! میں
پھر کسی عہد میں کسی نامعلوم جگہ پر تم سے ملاقات
کروں گی۔"

سنو دیوی زلالہ!" ماریا نے چیخ کر کہا
مگر دیوی زلالہ غائب ہو چکی تھی وہ قبر کے اندر چلی گئی

اور قبر پھر مل گئی ۔ ماریا نے اٹھ کر بھاگنا چاہا ۔
مگر وہ قبر کے چبوترے سے نہ اٹھ سکی ۔ اس کی
نظر غائب ہو گئی تھی ۔ اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا
تھا ۔ پھر وہ سچ مچ غائب ہو گئی ۔ اس کے جسم سے
اٹھنے والی خوشبو بھی غائب ہو گئی اب ماریا وہاں نہیں
تھی ادھر ناگ پانی کی تلاش میں تھا

وہ ٹیلے کے پیچھے آیا تو ایک جگہ ریت اور
پتھروں میں اسے پانی رس رس کر نکلتا نظر آیا
وہ پانی پینے کے لیے جھکا ۔ اس نے دو تین جنگلی
پتے لے کر ان کا دونا بنا رکھا تھا جونہی وہ چشمے
پر جھکا اس نے دیکھا کہ چشمہ غائب ہو گیا ہے اور
اس کی جگہ ایک بہت بڑا سوراخ بن گیا ہے اور
اس سوراخ سے سانپ ہی سانپ نظر آنے لگے وہ
کانپ کر پیچھے ہٹا ۔ کیونکہ یہ اس کی وہ دنیا تھی
جہاں سے وہ آج سے پانچ ہزار سال پہلے نکل
کر انسان بن کر اوپر انسانوں کی دنیا میں آیا
تھا ۔

کیا میں واپس اپنی دنیا میں جا رہا ہوں اس نے
سوچا ۔ کیا ہمارا یہ سفر ختم ہو رہا ہے ؟ ناگ کو اپنے پیچھے

ایک پھنکار سنائی دی اس نے پلٹ کر دیکھا اس
کے پیچھے دیوی زلالہ ناگن دیوی کے روپ میں کھڑی
تھی ۔ اس کا منہ عورت کا اور باقی جسم سانپ کا تھا
اس کے سر پر سونے کا تاج تھا ۔ اس نے سانپ کی
طرف چمکیلی آنکھوں سے دیکھ کر کہا ۔

" سن اے ناگ ! جن سانپوں کو تو زمین کے اندر دیکھ
رہا ہے ۔ یہ تمہاری دنیا کے سانپ ہیں آج سے پانچ
ہزار سال پہلے تو اسی سانپوں کی دنیا سے نکل کر
انسان بن کر زمین کے اوپر آیا تھا اور تم نے ماریا
اور عنبر کے ساتھ مل کر اپنا تاریخی سفر شروع کیا تھا
لیکن آج تمہارا یہ سفر ختم ہو رہا ہے ۔ تم عنبر اور ماریا
سے بچھڑ رہے ہو "

ناگ کو ایک بار تو پسینہ آگیا ۔ بولا

" دیوی زلالہ ! کیا عنبر اور ماریا کا سفر بھی ختم ہو رہا ہے "

" ہاں " دیوی نے کہا ۔ تم تینوں کا یہ موت کا تعاقب
کا سفر ختم ہو رہا ہے "

ناگ نے پریشان ہو کر پوچھا ۔

لیکن ماریا کو تو میں قبرستان میں چھوڑ کر آ رہا ہوں ۔
اسے پیاس لگی تھی میں اس کے لیے پانی پینے آیا تھا "

دیوی نے کہا۔

"اب اس کے لیے پانی لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ اس دنیا میں نہیں ہے"

"کیا؟" ناگ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

دیوی نرالہ بولی۔

"فکر نہ کرو۔ وہ مری نہیں زندہ ہے مگر وہ اپنی نظروں سے بھی غائب ہو کر ایک ایسی دنیا میں چلی گئی ہے جہاں نہ وہ اپنے آپ کو دیکھ سکے گی اور نہ کوئی اسے دیکھ سکے گا جہاں نہ وہ کسی کی آواز سن سکے گی اور نہ اپنی آواز سن سکے گی وہ ماضی کے اندھیرے خلا میں گم ہو چکی ہے اور اس طرح تم بھی اپنی دنیا میں واپس جانے کے لیے تیار ہو جاؤ"

ناگ بولا۔

کیا ۔۔ کیا عنبر بھی؟"

دیوی نے کہا۔

"ہاں" اس کا یہ سفر بھی ختم ہو جائے گا"

ناگ نے پوچھا

"کیا ہماری اب کبھی ایک دوسرے سے ملاقات نہیں

ہو گی؟"

دیوی نے کہا

اب تمہارا واپسی کا سفر شروع ہو گا۔ کہاں؟ کب؟ کیسے یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ تم ایک دوسرے سے ملو گے ضرور مگر یہاں نہیں۔ اس صدی میں نہیں۔ وہ کوئی اور زمانہ ہو گا۔ کوئی اور صدی ہو گی۔ تم چلے جاؤ گے۔ اور بڑے رونگٹے کھڑے کر دینے والے حالات میں ایک دوسرے سے ملو گے وہ تمہاری یعنی ناگ عنبر ماریا کی واپسی کا سفر ہو گا یہ سفر تمہارے اس سفر سے زیادہ بھیانک اور خوفناک ہو گا۔

ناگ نے کہا۔

"کیا میں آخری بار ماریا اور عنبر سے ملاقات نہیں کر سکتا

دیوی نرالہ نے کہا۔

نہیں، وقت گذر چکا ہے۔ اب تم واپسی کے سفر میں ہی ایک دوسرے سے ملو گے ابھی تمہارا یہ سفر ختم ہو گیا ہے جب واپسی کا سفر شروع ہو گا تو پھر تم ایک دوسرے سے ملاقات کر سکو گے لیکن ایسے حالات میں کہ تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ اب اپنی دنیا میں اتر جاؤ"

ناگ کا ذہن ایک دم بند ہونے لگا اس کے۔

کانوں میں شاں شاں کی آواز آنا شروع ہو گئی وہ
ایک دم انسان سے اپنے آپ بغیر اپنی مرضی
کے سانپ بن گیا۔ دیوی زلالہ نے اسے اٹھا کر
سوراخ میں پھینک دیا۔ ناگ زمین کے اندر گرتا
چلا گیا اور پھر بہت نیچے جا کر ہزاروں لاکھوں سانپوں
کے درمیان جا کر گر پڑا۔ ناگ کا پانچ ہزار سال
سفر ختم ہو گیا تھا۔

عنبر سو کر اٹھا تو دن کی روشنی کھڑکی میں سے ہوٹل
کے کمرے میں آ رہی تھی۔ اس نے کھڑکی میں سے باہر
جھانکا۔ آسمان پر بادل ہی بادل تھے اور ہلکی ہلکی بوندا
باندی شروع ہو گئی تھی عنبر نے گھڑی دیکھی صبح کے
نو بج رہے تھے۔ ناگ اور ماریا ابھی تک نہیں آئے
تھے۔ عنبر کو خوب کی طرح یاد تھا کہ انہوں نے جلتے
ہوئے اسے ہلا کر جگانے کی کوشش کی تھی اور اس
نے کہا تھا۔ کہ جلدی واپس آ جانا۔ لیکن ناگ اور ماریا
ابھی تک نہیں آئے تھے۔ عنبر نے سوچا کہ ہو سکتا
ہے کہ کراچی شہر کی سیر کرتے دور نکل گئے ہوں۔
عنبر غسل خانے گھس گیا۔ نہا دھو کر اس نے کپڑے
بدلے ناشتہ کیا اگرچہ اسے اس کی ضرورت کبھی بھی

محسوس نہیں ہوئی تھی۔ مگر چونکہ موسم خوشگوار تھا اس
لیے اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ ناشتہ کرے اور چائے پیئے
چائے پینے کے بعد وہ ہوٹل سے باہر نکل آیا۔
سڑک پر لوگ آ جا رہے تھے دو بگھیاں گذر گئیں۔
ان دنوں جبکہ پاکستان ابھی نہیں بنا تھا کراچی کی سڑکوں
پر شور اور رش نہیں ہوا کرتا تھا۔ نہ رکشا نہ سکوٹر
نہ ٹرک اور نہ موٹر گاڑیوں کی بھر مار لوگ کہا کرتے تھے
کہ کراچی بڑا مختصر اور صاف ستھرا شہر ہے۔ عنبر شہر کی
سڑکوں پر بوندا باندی میں ہی سیر کرتا رہا۔ دوپہر کے
بارہ بجے وہ واپس ہوٹل آیا۔ ناگ ماریا ابھی تک
نہیں آئے تھے۔ وہ پریشان ہونے لگا وہ کہاں رک
گئے؟ اب تک انہیں آ جانا چاہیے دوپہر بھی گذر گئی
ناگ ماریا نہ آئے۔

جب سہ پہر کے پانچ بج گئے تو عنبر کو فکر ہوئی اس
وقت باہر برابر بارش ہو رہی تھی۔ عنبر نے برساتی
پہنی اور ناگ ماریا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا وہ
چلتا چلتا شہر سے باہر نکل آیا۔ یہاں اس نے ایک
بگھی کرائے پر لی اور کوچوان سے کہا کہ سمندر کی
طرف چلو عنبر کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے دونوں

سمندر کی سیر کر رہے ہوں اور اب وہاں کسی ہوٹل میں
بیٹھے کافی پی رہے ہوں۔ سمندر کے کنارے ویرانی اور
خاموشی تھی آج کی طرح اس زمانے میں لوگ یونہی
گھروں سے گھبرا کر باہر نہیں نکلا کرتے تھے۔ سمندر کا
کنارہ دور تک سنسان تھا۔ وہاں کوئی کیفے نہیں تھا
کوئی ریڑھی بھی نہیں کھڑی تھی۔ شاید اس لیے کہ بارش
ہو رہی تھی۔

عنبر اکیلا ہی سمندر کی ریت پر چلتا گیا
کافی دور جا کر ایک چٹان آگئی جس کے اندر ایک
چھوٹا سا غار بنا ہوا تھا۔ عنبر نے وہاں جا کر ناگ اور
ماریا کو آوازیں دیں اندر سے ماریا کی آواز آئی۔

"عنبر! اندر آجاؤ میں یہاں ہوں"

عنبر بھاگ کر اندر آگیا اندر جا کر کیا دیکھتا ہے کہ
ایک جگہ دیوار میں روشنی کی لکیر چمک رہی ہے عنبر نے کہا

"ماریا! تم کہاں ہو؟"

عنبر نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ
اسے ماریا کی خوشبو بالکل نہیں آ رہی تھی۔ اتنے میں
دیوار کی لکیر چوڑی ہو گئی اور اس کے اندر سے دیوی
زلالہ کا چمکتا ہوا چمکیلی آنکھوں والا چہرہ نمودار ہوا اس

کے ہاتھ میں ترشول تھا اس نے ترشول کا اشارہ عنبر
کی طرف کر کے کہا۔

"عنبر! یہ میں ہوں ماریا نہیں میں نے ہی تمہیں یہاں
بلایا ہے

سن! میری بات غور سے سن! ماریا اور ناگ اب
اس دنیا میں نہیں ہیں ان کا سفر ختم ہو گیا ہے تمہارا
سفر بھی ختم ہونے والا ہے مگر تمہیں مصر میں ملکہ
مصر نفریتی کے اہرام میں جا کر اس سے اجازت
حاصل کرنی ہوگی۔

عنبر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیوی زلالہ کی شکل دیکھ
رہا تھا دیوی کی آنکھوں میں ایک دبدبہ رعب و جلال
تھا۔ عنبر نے کہا۔

کیا اب ماریا اور ناگ سے کبھی ملاقات نہیں ہو گی؟"

دیوی نے کہا۔

"ہوگی۔ ضرور ہوگی مگر اس وقت جب تک تمہاری
واپسی کا سفر شروع ہو گا"

عنبر نے پوچھا۔

ہماری واپسی کا سفر کب شروع ہو گا؟ کہاں سے
شروع ہو گا؟ ان سوالوں کے جواب میرے پاس

نہیں ہیں۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ تمہاری واپسی
کا سفر اس پانچ ہزار سالہ سفر سے زیادہ ہولناک اور
پراسرار و ہیبتناک ہوگا۔ تم واپسی کے سفر میں تاریخ
کے ان صحراؤں، جنگلوں، آسیبی قلعوں، اندھے کنوؤں اور
مگرمچھوں سے بھری ہوئی دلدلوں اور سانپوں کے جنگلوں
سے گذرو گے جہاں سے کسی انسان کا آج تک گزر نہیں ہوا
عنبر نے گہرا سانس بھرا اور کہا۔
"دیوی زلالہ! ناگ اور ماریا سے میری جدائی کب تک کیلئے ہے،"
دیوی نے کہا۔
"یہ بتانے کی مجھے اجازت نہیں ہے دو ماہ بعد جب
شمال کی گرم ہوائیں اہرام مصر کے پتھروں سے ٹکرائیں گی
تو تمہیں اس شہر سے کوچ کر کے مصر کی طرف روانہ ہو
جانا ہوگا۔ تاکہ ملکہ نفریتی کے اہرام میں پہنچ کر تمہیں بھی
واپسی کے سفر کی اجازت مل سکے۔" خدا حافظ!
اتنا کہہ کر دیوی زلالہ کی شکل روشنی کی لکیر میں گم ہو
گئی لکیر دیوار میں غائب ہو گئی اور غار میں اندھیرا پھیل
گیا عنبر غار سے باہر نکل آیا۔ ناگ اور ماریا کی جدائی
کے خیال سے سخت اداس ہو رہا تھا۔ بارش بہت
ہلکی ہو گئی تھی سمندر کی لہریں دور دور سے آکر ساحل

سے ٹکرا کر واپس جا رہی تھیں۔ عنبر کتنی ہی دیر وہاں کھڑا
سمندر کی لہروں کو دیکھتا رہا۔ بادلوں کے پیچھے سورج غروب
ہو رہا تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی عنبر نے ایک موٹر لانچ
کی آواز سنی۔ بائیں طرف دیکھا تو پرانی قسم کی موٹر لانچ
پھٹ پھٹ کرتی سمندر میں چلی آ رہی تھی عنبر نے اسے
دیکھتا رہا۔ یہ موٹر لانچ کنارے کے ساتھ ساتھ چلی آ رہی
تھی پھر وہ کنارے سے ہٹ گئی اور عنبر کے تھوڑے
فاصلے پر سے گذر گئی۔
عنبر نے موٹر لانچ میں دو تین آدمیوں کو دیکھا انکے ہاتھوں
میں بندوقیں تھیں عنبر حیران سا ہوا۔ کیونکہ ایسی موٹر لانچوں میں بندوقوں
والے آدمی کبھی نہیں ہوا کرتے۔ مگر اس نے کوئی خیال نہ کیا اور واپس
ریت پر چل پڑا موٹر لانچ اس کی نظروں سے غائب ہو گئی۔ عنبر تھوڑی
ہی دور گیا ہوگا اس نے دیکھا کہ سمندر کے کنارے ریت
پر ایک عورت بے ہوش پڑی ہے عنبر نے جھک کر
اسے ہلایا۔ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ عورت کا
لباس غریب عورتوں جیسا تھا اس نے آنکھیں کھولتے
ہی چیخ کر کہا۔
"میرا لال۔ میرا بچہ۔ وہ لے گئے"
عنبر نے جلدی سے پوچھا "بہن! تمہارا بچہ کون لے گئے

"وہ ڈاکو۔ میں اپنے بیٹے کے ساتھ اپنی جھونپڑی میں جا رہی تھی وہ آئے اور میرے بیٹے کو مجھ سے چھین کر لے گئے۔ ہائے میرا لال۔ میرا بچہ!

عنبر ساری بات سمجھ گیا اس علاقے میں پاکستان بننے سے پہلے بچوں کو اغوا کر لیا جاتا تھا اور انہیں دوبئی اور قطر لے جا کر غلام بنا کر فروخت کر دیا جاتا تھا اس علاقے میں ان لڑکوں کو تیل کی کھدائیوں کی جگہوں مٹی ڈھونے پر لگا دیتے تھے اور ساری زندگی وہ جانوروں کی طرح مٹی ڈھوتے رہتے تھے۔ اور وہیں مر جاتے تھے یہ کام عام طور پر جرائم پیشہ ڈاکو کرتے تھے عورت نے بتایا کہ اس کے بیٹے کا نام بلاول ہے اور اس کی عمر گیارہ بارہ سال ہے اور وہ اسے بے ہوش کر کے لے گئے ہیں عنبر نے جس موٹر لانچ کو سمندر میں جاتے تھا اس عورت کے بیٹے کو ڈاکو اسی لانچ میں اغوا کر کے لیے جا رہے تھے عنبر نے عورت کو اس کے جھونپڑے میں پہنچایا اور کہا۔

"بہن تم یہاں ٹھہرو۔ میں تمہارے بچے کو لے کر واپس آتا ہوں"

عورت آخر ماں تھی اور جس ماں کا نوجوان بچہ

اس کی آنکھوں کے سامنے اس سے چھین لیا جائے اس کا برا حال ہوتا ہے۔ بڑی مشکل سے اسے جھونپڑی میں بٹھا کر عنبر وہاں سے نکلا اور سمندر کے کنارے آگر وہاں آگیا جہاں اس نے موٹر لانچ جاتی دیکھی تھی۔ اب وہاں سوائے سمندر کی لہروں کے اور کچھ نہیں تھا۔ عنبر کنارے کنارے مغرب کی طرف چل پڑا۔ کوئی دو میل کے فاصلے پر جا کر اس نے ایک چھوٹی سی کشتی ریت پر کھڑی دیکھی۔ عنبر اس کو کھینچ کر سمندر میں لے آیا اور اس میں سوار ہو کر ادھر کو روانہ ہوا جدھر ڈاکوؤں کی کشتی گئی تھی۔

دن کی روشنی آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی۔ بارش رک گئی تھی۔ بادلوں کے ٹکڑے آسمان پر تیرنے لگے تھے عنبر بڑی تیزی سے چپو چلاتا سمندر میں آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔ اسے پہلے ہی ناگ اور ماریا سے جدا ہونے کا سخت غم تھا اور وہ یہی سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ خدا جانے اب ان دونوں سے اس کی کب اور کہاں ملاقات ہو گی کہ یہ ایک نئی مشکل اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ اس سے ایک دکھی ماں کی بری حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔ اس کا دل تڑپ اٹھا تھا اور وہ

فیصلہ کر کے نکلا تھا کہ چاہے کچھ ہو جائے وہ ان ڈاکوؤں
کے چنگل سے بچے کو چھڑا کر ہی لائے گا۔ حالانکہ اسے
نہیں معلوم تھا کہ جو لوگ بچے کو اغوا کر کے لے گئے ہیں
وہ بہت بڑے بردہ فروش، قاتل، ڈاکو اور سنگ دل
بدمعاش ہیں اور جب وہ کسی بچے کو اٹھا کر لے جاتے ہیں
تو پھر ان کے قبضے سے اسے کوئی نہیں چھڑا سکتا اور یہ
لوگ کسی کو قتل کرنا معمولی بات سمجھتے تھے۔

عنبر کشتی کو لے کر جب کنارے سے کافی دور نکل گیا تو
اسے موٹر لانچ تو کہیں دکھائی نہ دی۔ لیکن کچھ فاصلے پر
اسے ایک چھوٹے سے جزیرے کا ایک ٹیلہ ضرور نظر آیا
عنبر اس جزیرے کی طرف کشتی کو لے گیا۔ کراچی سے کچھ
فاصلے پر سمندر میں اس زمانے میں چھوٹے چھوٹے غیر آباد
جزیرے سے ہوا کرتے تھے جو آج کل پاکستان بحریہ کے
پاس ہیں اور جہاں جوانوں کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔ لیکن
اس زمانے میں ان جزیروں میں ڈر کے مارے کوئی نہیں آتا
تھا کیونکہ یہ ڈاکوؤں اور جیلوں سے بھاگے ہوئے قاتلوں
کے اڈے تھے۔ پاکستان بننے سے پہلے کی انڈین پولیس
بھی ادھر آتے ہوئے ڈرتی تھی۔ کیونکہ یہ خونخوار ڈاکو ایک
سیکنڈ میں گولی چلا کر قتل کر دیتے تھے اور پھر لاش کو

غائب کر دیا کرتے تھے۔ کئی پولیس آفیسر ڈاکوؤں اور مفرور
قاتلوں کی تلاش میں ادھر آئے اور پھر ان کی لاشیں بھی
نہ مل سکیں۔ ان جزیروں کو اس زمانے میں پولیس کے لوگ
قاتل جزیرے کہا کرتے تھے۔

عنبر کو ان باتوں کی کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ تو صرف
انسانی محبت اور ایک دکھی ماں کی ممتا کا خیال لے کر اس
جزیرے کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔ اس جزیرے تک
پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی۔ سورج سمندر کے اندر غروب
ہو گیا اور آسمان پر جہاں کہیں بادل نہیں تھے وہاں اکا دکا
تارے چمکنے لگے۔ عنبر اپنی کشتی جزیرے کے ایک طرف لے
آیا۔ یہاں اس نے وہی موٹر لانچ کو دیکھا جو سمندر
میں اس کے سامنے سے گزری تھی اور جس میں ڈاکوؤں
نے بچے کو اغوا کر کے ڈالا تھا۔ یہ لانچ سمندر میں کھڑی
تھی اور لنگر سمندر میں گرا ہوا تھا۔ اس کے اندر
دو جگہوں پر مٹی کے تیل کی لالٹینیں جل رہی تھیں
دو آدمی لانچ کے اوپر کھڑے پہرہ دے رہے تھے
عنبر کی کشتی ایک تو چھوٹی تھی۔ دوسرے سمندر پر
اندھیرا پھیل چکا تھا۔ اس اندھیرے میں پہرے داروں
نے عنبر کو نہیں دیکھا تھا۔

عنبر اپنی کشتی ان پہرے دار ڈاکوؤں کی نظروں سے بچا کر ایک طرف نکال کرلے گیا اور بھوری چٹانوں کے پیچھے ایک جگہ اتر کر ساحل پر آ گیا۔ کشتی اس نے ریت پر کھینچ کر چٹانوں کی اوٹ میں چھپا دی۔

•

عنبر کی واپسی

عنبر سب سے پہلے اندھیرے میں لانچ کی طرف گیا۔ ایک چٹان کی اوٹ میں کھڑے ہو کر اس نے لانچ کو دیکھا موٹر لانچ کے اوپر دو ڈاکو بندوقیں اٹھائے پہرہ دے رہے تھے۔ ان کے سروں پر کالے رومال بندھے تھے اور کانوں میں پیتل کے بالے تھے۔ جو لالٹین کی روشنی میں چمک جاتے تھے۔ ان کے چہرے سیاہ اور خونخوار تھے۔ عنبر کو خیال آیا کہ اگر موٹر لانچ پر اتنا زبردست پہرہ ہے تو ہو سکتا ہے کہ اغوا کیا ہوا لڑکا اسی موٹر لانچ میں قید ہو۔ وہ کوئی ایسی ترکیب نکالنا چاہتا تھا کہ جس سے بچے کی زندگی خطرے میں نہ پڑ جائے کیونکہ ظاہر ہے وہ عنبر کو ہلاک نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن بچے کو غصے میں آ کر گولی مار سکتے تھے۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دو آدمی دور سے گھوڑے دوڑاتے موٹر لانچ کی طرف آئے لانچ کے پاس آ کر انہوں نے گھوڑے روک لئے اور ان میں سے ایک نے پرانی مکرانی زبان میں کہا۔

"جوگندر سنو! لانچ صبح آ رہی ہے۔ خبردار رہنا۔ نہیں

تو سردار ہم سب کو گولی مار دے گا۔"

پہرے دار جس کا نام جو گندر تھا بولا۔

"فکر نہ کرو"

دوسرے گھوڑ سوار نے کہا۔

"ہم لڑکے کو لے کر صبح آجائیں گے۔"

اتنا کہہ کر دونوں گھوڑ سوار واپس چلے گئے۔ عنبر سمجھ گیا
کہ لڑکا لانچ میں نہیں ہے۔ بلکہ پیچھے اس جگہ پر ہے۔ جہاں
ان ڈاکوؤں کا سردار رہتا ہے۔ یہ لوگ اس لانچ کا انتظار کر
رہے ہیں جو صبح آئے گی اور جس میں اغوا کئے ہوئے بچے
کو سوار کرواکر دوسرے ملک میں روانہ کرکے اس کی قیمت وصول
کرلی جائے گی۔

عنبر نے موٹر لانچ کا خیال چھوڑ دیا اور اس طرف روانہ
ہوا جدھر کو گھوڑ سوار گئے تھے۔

رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور اس کے آگے ریت کے
ٹیلے پھیلے تھے۔ جہاں کہیں کہیں جنگلی پودے اور درخت
اُگے تھے۔ عنبر چلتا گیا۔ آخر اسے اس ویران، بے آباد،
خطرناک جزیرے میں ایک چھوٹی سی قلعے نما عمارت دکھائی
دی جس کی دیواریں اوپر کو اٹھتی ہوئی اوپر جاکر اہرام مصر
کی ایک دوسرے سے مل گئی تھیں۔ اس کے نیچے ایک

جگہ دروازے میں روشنی ہو رہی تھی

عنبر رک کر سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اگر وہ
یونہی ڈاکوؤں کے خفیہ ٹھکانے پر چلا گیا تو اسے بھی
پکڑ لیں گے اور گولی مار دیں گے۔ ظاہر ہے عنبر کو کچھ
نہیں ہوگا۔ لیکن اگر انہیں ذرا سا بھی شک پڑ گیا کہ عنبر
ان کے شکار کو لینے آیا ہے تو وہ بچے کو ضرور قتل کردیں
گے تاکہ پولیس کوئی ثبوت تلاش نہ کر سکے۔ اور عنبر کے
پاس سب کچھ کرنے کے لیے صرف ایک رات باقی تھی
صبح صبح دوسرے کسی ملک یا جزیرے سے لانچ آنے والی
تھی جس میں بچے کو ڈال کر ہمیشہ کے لیے غائب کر دیا
جانے والا تھا۔

سب سے پہلے عنبر یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اغوا کیا ہوا
لڑکا بلاول کہاں پر ہے یعنی ان ڈاکوؤں نے اسے کہاں
رکھا ہوا ہے عنبر کو یقین تھا کہ ان ڈاکوؤں کے پاس
ایک نہیں بلکہ ایک سے زیادہ چھ سات بچے ہیں جن کو
انہوں نے کراچی میں جگہ جگہ سے اغوا کیا ہے اور اب
کسی بڑے ایجنٹ کے ہاتھوں انہیں فروخت کرنے
والے ہیں عنبر کے دماغ میں ایک اسکیم سوچی اور پُر
اسرار عمارت کی طرف چل پڑا۔

دروازے کی ایک کھڑکی کھلی تھی جس کے اندر سے
لالٹین کی روشنی آرہی تھی عنبر دروازے سے ابھی پندرہ
بیس قدم دور ہی تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کی گردن
پر خنجر رکھ کر کہا " ہاتھ کھڑے کر لو اور آگے آگے چلو "
عنبر نے ٹھیٹھ مکرانی زبان میں کہا۔
"کیوں بے تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے سالے! اپنے
آدمیوں کو بھی نہیں پہچانتا دیکھتا نہیں ہم سیٹھ کے آدمی
ہیں سالے صبح لانچ نہیں آرہی کیا؟۔ مال نہیں دو
گے تو تمہیں روپیہ کہاں سے ملے گا؟ چلو ہمیں قید
کرلو۔ پھر روپیہ لے لینا کسی دوسرے ایرے غیرے سے"
عنبر نے یہ مکالمہ اتنے اعتماد کے ساتھ بولا کہ جس ڈاکو
نے اس کی گردن پر خنجر رکھا تھا وہ اس کے سامنے آ
گیا اور کھسیانا سا ہو کر مسکرا کر بولا۔
"ارے بابا تم جو آدھی رات کو چوروں کی طرح آرہا ہے
تو ہم سمجھا کوئی گورنمنٹ کا جاسوس ہے بولو۔ کیا کہتے ہو؟"
عنبر نے کہا "سنو! ادھر ہمارا جاسوس نے خبر دیا ہے کہ
پولیس کا لوگ سمندری گشت لگایا ہے سردار سے کہو
ہم لوگوں کو اگر تھوڑا دیر ہو گیا تو گھبرانا نہیں ہم
لانچ ضرور لے کر آئے گا۔ تم مال تیار رکھنا"

ڈاکو نے کہا
"تم فکر نہ کرو دادا! اگر کوئی ایسا ویسا خطرہ بھی ہوا تو
ہمارا سردار ساری کی ساری کراچی پولیس کا مقابلہ کر سکتا ہے"
عنبر بولا۔
"نا بابا ایسا نہ کہو۔ ہمیں معلوم ہے کہ تمہارا سردار بڑا
بہادر آدمی ہے۔ مگر دیکھو ہمیں کیا جرورت پڑا ہے خواہ
مخواہ پولیس سے ٹکر لینے کا اگر ایسی ویسی بات ہو گی تو
تھوڑا انتظار کر لے گا اچھا یہ بتاؤ اس بار کتنے بچہ
لوگ ہے؟ ڈاکو نے کہا۔
"اس بار تو صرف ایک بچہ ہے۔ دس گیارہ سال کا لڑکا
ہے۔ باقی بچہ لوگ ہمارا آدمی پنجاب کی طرف اغوا
کرنے گیا ہے وہ آئے گا تو اگلی بار زیادہ بچہ لوگ
بھیجے گا۔ عنبر نے کہا۔
"بس صرف ایک بچہ لوگ ہے؟ ہمارا سیٹھ نے تو بڑا
مال سمجھ کر ادھر لانچ کو بھیجا ہے۔ اچھا خیر اگلے
پھیرے میں پوری کرے گا
ڈاکو نے کہا۔
"آؤ اندر آجاؤ نا۔ سردار سے بھی ملو"
عنبر نے کہا۔

شاید وہ سو رہا ہو گا۔ اب جاتا ہوں۔ صبح مل لوں گا پہلے
تم ذرا لڑکا مجھے دکھا دو۔ دیکھوں اچھا تندرست مال
ہے کہ کمزور ہے سالا۔"
ڈاکو نے کہا۔
"آؤ۔ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔"
ڈاکو عنبر کو پر اسرار اہرام نما عمارت کے اندر لے گیا سب
سے پہلے ڈیوڑھی میں بندھے ایک کتے نے بھونک کر عنبر کا
استقبال کیا ڈاکو نے کتے کو ڈانٹ دیا لڑکا ایک چھوٹی سی
کوٹھڑی میں بند تھا اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور آنکھوں
پر خشک آنسوؤں کے نشان تھے۔
ڈاکو نے کہا۔
سالا دو دن میں دبلا ہو گیا ہے غم سے دو ایک روز
کھانے پیئے گا۔ تو پھر سے موٹا تازہ ہو جائے گا
عنبر نے لڑکے کو غور سے دیکھ کر کہا
"بس ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں۔ ہم جا کر اپنے سیٹھ
کو بول دے گا۔ کہ مال تیار ہے"
عنبر نے وہ جگہ دیکھ لی تھی جہاں لڑکا قید تھا۔ یہی وہ
دیکھنا چاہتا تھا عنبر نے ڈاکو سے ہاتھ ملایا اور کہا
"اچھا خدا حافظ صبح ملے گا۔ لانچ کے ساتھ"

...و عنبر کو لے کر ڈیوڑھی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ سامنے
...ے سردار کا خاص آدمی آگیا۔ اس نے ڈاکو سے کہا۔
"یہ کون ہے؟"
عنبر نے اس کے سامنے بھی وہی بات کی کہ میں لانچ
...ں خبر لے کر آیا ہوں اور لانچ صبح پہنچ جائے گی دوسرے
...اکو کو عنبر پر یونہی شک سا پڑ گیا اس نے کہا۔
"سردار کے پاس جا کر اسے خبر دو"
عنبر نے ادھر ادھر کے بہت بہانے بنائے مگر دوسرا
...اکو اسے ساتھ لے کر سردار کے بہانے آگیا سردار جاگ
...ہا تھا۔ اور اپنے دو ڈاکوؤں کے ساتھ دری پر لالٹین
جلائے بیٹھا۔ روپوں کی تھیلیاں گن گن کر الگ رکھ رہا
تھا۔ اس نے عنبر کو دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون ہے؟ عنبر
سردار کے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا مگر مجبور ہو کر آگیا
تھا عنبر نے وہی بات دہرائی۔ سردار کو شک پڑ گیا اس
نے اٹھ کر جیب سے پستول نکال لیا اور عنبر کی طرف تان کر کہا
تمہارے سیٹھ کا نام کیا ہے اور جو لانچ آ رہی ہے اس
کا نام کیا ہے؟
عنبر تو سارا کام جھوٹ موٹ کر رہا تھا اس کی جانے
بلا کہ سیٹھ کا نام کیا تھا اور لانچ کا نام کیا تھا وہ نام نہ
بتا سکا۔

سردار نے اسی وقت عنبر کو پکڑ لیا اور لات مار کر زمین پر گراتے ہوئے گرج دار آواز میں کہا ۔

کون ہو تم سالے ؟

پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر بولا ۔

لے لے جاکر کوٹھڑی میں بند کردو صبح لانچ آنے کے بعد اسے گولی مار دینا ۔ ڈاکو عنبر کو ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں لے گئے اور اندر ڈالکر باہر سے تالا لگا دیا عقلمندی یہی تھی کہ کہ عنبر خاموش رہے وہ خاموشی سے کوٹھڑی کے اندر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ لانچ آنے سے پہلے وہ لڑکے کو اغوا کر نیکی کیا سکیم لڑ سکتا ہے سوائے اسکے کوئی سکیم اسکے دماغ میں نہیں آرہی تھی کہ کوٹھڑی توڑ کر لڑکے کو نکال کرلے جائے مگر اس میں لڑکے کی زندگی کو خطرہ تھا اس پر گولیاں برسائی جاسکتی تھی عنبر نے سوچا کہ کیوں نہ وہ سردار اغوا کرلے ! عنبر اس سکیم سے بڑا خوش ہوا اس طریقے سے لڑکے کو وہاں سے نکالا جاسکتا تھا

رات جب آدھی گذر گئی تو عنبر نے کوٹھڑی کے کواڑ پر زور سے پاؤں مارنے شروع کر دیئے شور سن کر پہرے دار نے باہر سے کہا " کیوں بے کیوں شور مچا رہا ہے تھوڑا انتظار کرو صبح تمہیں زندگی سے نجات مل جائے گی ۔

عنبر نے کہا ۔ کوٹھڑی میں سانپ نکل آیا ہے وہ باہر

تمہاری طرف آرہا ہے

اسی وقت پہرے دار نے تالا کھول دیا اور لالٹین کی روشنی ڈال کر بولا :- کہاں ہے سانپ ؟

پہرے دار نے رائفل تان رکھی تھی عنبر نے اس کی رائفل پکڑ زور سے اپنی طرف کھینچا ۔ پہرے دار تین قلابازیاں کھاتا عنبر کے آگے گر پڑا عنبر نے اس کی گردن پر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ بے ہوش ہو گیا عنبر نے رائفل اٹھائی اور سردار کی کوٹھڑی کی طرف آگیا سردار کی کوٹھڑی کے باہر دو ڈاکو پہرہ دے رہے تھے عنبر نے جاتے ہی ان میں سے ایک ڈاکو کو رائفل کا دستہ مار کر نیچے گرا دیا ۔ دوسرے ڈاکو نے فائر کر دیا ۔ دھماکہ ہوا ۔ گولی عنبر کے سر سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی دھماکے کی آواز سے سردار اٹھ بیٹھا اور پستول پکڑے باہر آگیا " کیا ہو رہا ہے ! اس نے چلا کر پوچھا

عنبر نے رائفل کا رخ اس کی طرف کرکے کہا ۔

" سردار پستول پھینک دو ۔

مگر سردار نے اوپر تلے عنبر پر چار گولیاں چلا دیں چاروں کی چاروں گولیاں عنبر کو لگیں مگر سردار یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ کسی ایک گولی نے بھی عنبر پر اثر نہ کیا تھا عنبر نے آگے بڑھ کر سردار کو گردن سے پکڑ لیا اور رائفل پھینک کر اس کا دوسرا پستول اس کی پیٹی سے نکال کر نالی اس کی گردن سے لگائی اور کہا

جو میں کہوں وہ کرو۔ نہیں تو تمہیں گولی مار کر اسی وقت
ہلاک کر دوں گا۔ یہ تم دیکھ چکے ہو کہ تمہاری گولیوں کا مجھ
پر کوئی اثر نہیں ہو رہا۔"

سردار کو بے بس دیکھ کر سارے ڈاکو وہاں آگئے اور سردار
کی گردن کے ساتھ لگا رکھا تھا اس نے بلند آواز سے کہا۔
اگر کسی نے آگے قدم اٹھایا تو میں تمہارے سردار کو گولی مار
دوں گا۔"

سردار نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔
پیچھے پیچھے رہو۔ میرے قریب مت آؤ۔"
پھر سردار نے عنبر سے پوچھا۔
تم کیا چاہتے ہو؟"
عنبر نے کہا۔
"جو لڑکا تم نے اغوا کر کے دوسری کوٹھری میں بند کر رکھا ہے
اسے میرے حوالے کر دو۔"
سردار نے عنبر کی طرف قہر بھری نظروں سے دیکھا اور کہا۔
"تم پولیس کے آدمی ہو کیا؟"
عنبر نے کہا۔"نہیں۔ میں لڑکے کا چچا ہوں جیسا میں کہتا ہوں ویسا
کرو۔ نہیں تو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"
سردار نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔"لڑکے کو نکال کر یہاں لے آؤ۔"

عنبر نے کہا۔

یہاں نہیں لانا۔ بلکہ اسے نکال کر باہر لے چلو۔"
ڈاکو لڑکے کو نکال کر باہر لے آئے۔ اندھیرے میں
ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔
ہمیں ایک گھوڑا لا کر دیا جائے۔"

سردار کے حکم سے اسی وقت گھوڑا لایا گیا۔ عنبر نے
لڑکے کو گھوڑے پر بٹھایا ہی تھا کہ ڈاکوؤں نے اس پر
پہلے سے حملہ کر دیا۔ ایک ساتھ دس بارہ گولیاں پیچھے
سے آ کر عنبر کے جسم پر لگیں عنبر نے گھوم کر پستول
کی پہلی گولی سے ایک ڈاکو کو نیچے گرا دیا دوسری گولی
سردار کی گردن میں ماری سردار چکرا کر گرا اور مر گیا۔ اس کے
بعد عنبر نے لڑکے کو اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور فائرنگ
کرنے لگا

ڈاکو گرتے اور مرتے جا رہے تھے عنبر نے مشین گن
اٹھا لی تھی۔ لڑکا زمین پر اوندھے منہ لیٹ گیا تھا۔ عنبر
مشین گن سے گھوم گھوم کر چاروں طرف گولیوں کا
مینہ برسا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب عنبر نے فائرنگ
بند کی تو وہاں ڈاکوؤں کی لاشیں اندھیرے میں بکھری پڑی
تھیں عنبر نے لڑکے کو ساتھ لیا سمندر کے کنارے کے پاس

اگر چھپ گئے

اسی جگہ رات کے پچھلے پہر ڈاکوؤں کی وہ لانچ آنے
والی تھی۔ جس میں اغوا شدہ لڑکے بلاول کو ڈال کر
آگے دوبئی یا قطر کے علاقوں میں لے جا کر فروخت
کرنا تھا بلاول کو اب پتہ چل چکا تھا کہ عنبر اس کا ہمدرد
ہے۔ اور اسے ان ڈاکوؤں کی قید سے چھڑانے کے لئے
یہاں آیا تھا۔ وہ واپس اپنی ماں کے پاس جانا چاہتا تھا
مگر عنبر نے کہا۔

میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جو لانچ تمہیں یہاں سے
لینے آرہی ہے۔ اس میں کہیں کوئی دوسرے اغوا کئے
ہوئے بچے تو نہیں ہیں۔"

باقی رات عنبر اور بلاول دونوں چھپ کر لانچ کا انتظار
کرتے رہے خالی لانچ ان کے سامنے سمندر میں کھڑی تھی
جس پر پہرے دار چل پھر کر چوکیداری کر رہے تھے۔
جب پو پھٹنے لگی تو زور سے لانچ کی سیٹی کی آواز
آئی۔ عنبر نے بلاول سے کہا۔

"ہوشیار ہو جاؤ۔ ڈاکوؤں کی لانچ آرہی ہے۔
لانچ دم توڑتی رات کے ہلکے ہلکے اجالے میں کنارے
کے پاس آکر رک گئی۔ اس کے اندر چھپر کے نیچے

ایک مدھم لالٹین روشن تھی۔ اس کے سوا وہاں کوئی روشنی
نہیں تھی۔ عنبر اور بلاول اسے غور سے دیکھ رہے تھے
اتنے میں آنے والی لانچ نے تین بار سیٹی دی خالی
لانچ کے پہرے دار کشتی میں اس طرف گئے اور پھر
واپس کنارے پر آکر رک گئے وہ اترے اور تیز
تیز قدموں سے پراسرار مکان کی طرف غائب ہوگئے
وہ حیران تھے کہ تین بار سگنل دینے کے باوجود
پراسرار سے ڈاکو اور سردار نکل کر کیوں نہیں آئے
آنے والی لانچ کے ڈاکوؤں کو خطرہ محسوس ہوا
کہ کہیں پولیس نے چھاپہ تو نہیں مار دیا؟ پہریدار
اپنے سردار اور دوسرے ڈاکوؤں کو لینے پراسرار مکان
کی طرف گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ گھبرائے ہوئے
واپس آتے ہوئے دکھائی دیئے۔

عنبر نے بابل سے کہا۔
"بیٹا تم اسی جگہ ٹھہرو۔ خبردار ادھر ادھر مت
ہونا۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

عنبر اندھیرے میں خالی لانچ پر جا کر چڑھ گیا اتنے
میں پہرے داروں نے آکر ڈاکوؤں کو بتایا کہ خفیہ
ٹھکانے پر حملہ ہوگیا ہے اور سب ڈاکو سردار

سمیت مارے گئے ہیں۔ اتنا سننا تھا کہ آنے والے
ڈاکو بھی گھبرا گئے۔ وہ لانچ سٹارٹ کر کے بھاگنے
کی تیاریاں کر ہی رہے تھے کہ عنبر نے خالی لانچ
سٹارٹ کر دی اور تیزی سے اسے ڈاکوؤں کی لانچ
کے آگے لے آیا۔ ڈاکو گھبرا گئے اس کے سردار
نے چلا کر کہا:

"پولیس آگئی ہے خالی لانچ پر دستی بم
پھینکو۔"

اس کے ساتھ ہی عنبر کی لانچ پر اوپر تلے چار
دستی بم آ کر گرے اور بڑے زور دار دھماکوں
کے ساتھ پھٹ گئے۔ لانچ میں آگ لگ گئی
اور وہ گڑگڑاتی ہوئی ڈوبنے لگی۔ عنبر اندھیرے
میں ایک تختے پر بیٹھ کر اسے لہروں پر
بہاتا ڈاکوؤں کی لانچ کے پیچھے آگیا تھا۔ وہ
ایک لٹکے ہوئے رسے کی مدد سے لانچ کے
اوپر چڑھ گیا۔

سارے ڈاکو لانچ کے سامنے والے کونے پر
کھڑے عنبر کی ڈوبتی لانچ کو دیکھ رہے تھے اور خوش
ہو کر نعرے لگا رہے تھے۔ عنبر سیڑھی اتر کر نیچے آگیا۔ یہاں آ
کر اس نے دیکھا کہ ایک کوٹھڑی بند ہے اور باہر تالا
پڑا ہے۔ عنبر نے مکا مار کر تالا توڑ دیا۔ دروازہ کھولا
تو اندر پانچ لڑکے رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔
عنبر کو دیکھ کر وہ رونے لگے۔ عنبر نے انہیں تسلی دی
اور کہا:

"گھبراؤ نہیں بچو! میں تمہیں آزاد کرانے آیا
ہوں۔"

اور اس نے ان کی رسیاں توڑ ڈالیں اور کہا۔
"خاموشی سے میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔"

عنبر پانچوں لڑکوں کو لے کر لانچ کے اوپر آگیا
ڈاکو ابھی تک دوسری طرف منہ کیے کھڑے نعرے
لگا رہے تھے۔ عنبر نے باری باری سارے بچوں کو
نیچے سمندر کے تختے پر اتار دیا جب وہ خود اترنے لگا
تو رسی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ مگر اس سے پہلے
کہ وہ سمندر میں گرتا اور آواز پیدا ہوتی اس نے
اچھل کر پھر سے رسی تھام لی اور یوں کسی کو کانوں
کان خبر نہ ہوئی۔ عنبر بھی تختے پر اتر آیا۔
اندھیرا چھٹ رہا تھا۔ عنبر بڑی تیزی سے تختے کو
کنارے پر لے آیا اور اس نے پانچوں بچوں کو بلاول کے

پاس کھوہ میں چھپا دیا۔ اب وہ ڈاکوؤں کو ان کے
گناہوں کی سزا دینا چاہتا تھا تاکہ وہ آئندہ کسی ماں کا
بیٹا اور باپ کے جگر کا ٹکڑا اغوا نہ کر سکیں۔ عنبر نے
بچوں کو اچھی طرح سے سمجھا کر وہیں چھوڑا اور خود
ڈاکوؤں کی لانچ کے پاس کنارے پر آ کر سمندر میں
چھلانگ لگا دی۔

وہ تیرتا ہوا جب لانچ کے قریب گیا تو ڈاکوؤں
نے اسے دیکھ لیا اور عنبر پر گولیاں برسانی شروع کر
دیں مگر عنبر آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ رسی پکڑ کر لانچ کے
اوپر آ گیا۔ اس کے جسم سے سینکڑوں گولیاں ٹکرا کر
گر چکی تھیں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے آگے بڑھ کر
پستول تان لیا اور عنبر کو ہاتھ کھڑے کرنے کو کہا۔ عنبر
نے مسکرا کر کہا۔

"میں نے تمہارے تمام اغوا کیے ہوئے لڑکے
غائب کر دیئے ہیں۔ اب تم بھی غائب ہونے
کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اتنے میں دوسرے ڈاکوؤں نے خبر دی کہ بچے غائب
ہیں۔ سردار نے پستول کی ساری گولیاں عنبر پر ختم کر
دیں۔ مگر عنبر اپنی جگہ کھڑا مسکراتا رہا۔ پھر آگے بڑھا

اور اس نے سردار کے ہاتھ سے پستول چھین کر خالی
پستول اتنی زور سے اس کے سر پر مارا کہ آدھا پستول
سردار کی کھوپڑی کے اندر دھنس گیا۔ سردار گر پڑا۔
دوسرے ڈاکو عنبر پر ٹوٹ پڑے مگر بے فائدہ۔ کیونکہ
چند سیکنڈ گزرے تھے کہ لانچ میں شعلے بھڑک رہے
تھے اور بچے اغوا کرنے والے سنگدل ظالم لوگوں کی
لاشیں اس میں جل رہی تھیں۔

عنبر تمام بچوں کو کراچی شہر لے آیا اور انہیں پولیس
کے حوالے کر دیا بلاول کی ماں کو سب سے پہلے
اس کا بچہ دے دیا گیا۔ اس نے عنبر کا ماتھا چوم
کر بے شمار دعائیں دیں اور خوشی خوشی اپنے بچے
کو لے کر چلی گئی۔ اسی طرح دوسرے بچے بھی
ان کے ماں باپ کے حوالے کر دیئے گئے۔ عنبر
کو گولڈ میڈل دیا جانے والا تھا کہ عنبر وہاں سے
نکل گیا تھا۔ وہ اپنے اندر ایک آواز آتی سن رہا تھا
کہ واپس چلو۔ عنبر واپس چلو۔ تمہاری واپسی کا سفر
شروع ہونے والا ہے۔ عنبر کو کراچی سے سیدھا
قاہرہ جا کر اہرام مصر میں ملکہ نفرتیتی کے مقبرے میں
پہنچ کر اس سے اپنے پانچ ہزار سالہ واپسی کے

ہولناک، بھیانک اور سنسنی خیز سفر کی ہدایت لینی تھی۔ وہ اب ناگ اور ماریا سے ملنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔ مگر اسے یہ بھی معلوم تھا کہ ماریا سے ملنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔ مگر اسے یہ بھی معلوم تھا۔ کہ ماریا اور ناگ سے اس کی ملاقات اب واپسی کے سفر میں خدا جانے کہاں اور کس قسم کے خوفناک حالات میں ہو۔ کیونکہ اسے بتا دیا گیا تھا کہ اس کی واپسی کا سفر موت کے تعاقب سے زیادہ سنسنی خیز لرزہ خیز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والا ہوگا۔ عنبر نے اسی روز ویزا لے کر قاہرہ کی ایک ہوائی ٹکٹ لی اور شہر سے باہر ایک ویران کھنڈر سی عمارت کے پاس آکر ٹھہر گیا۔ یہاں وہ یونہی سیر کرتے کرتے آگیا تھا کہ اچانک بادل گرجے بجلی چمکی اور بارش شروع ہو گئی اس نے سوچا کہ کچھ دیر کے لئے اس عمارت میں رک کر پناہ لے اور جب بارش رکے تو واپس شہر کی طرف روانہ ہو جائے۔ کیونکہ اس کا جہاز اڑنے میں ابھی کافی وقت تھا۔ اندھیرا گھپ تھا۔ کسی وقت بجلی چمکتی تو اس کی روشنی میں عنبر کو بارش موسلا دھار ہوتی نظر آجاتی بجلی کی کڑک سے دل دہل رہے تھے۔ عنبر نے سوچا

کہ خوامخواہ اس طرف سیر کرتے ہوئے آنکلا۔ لیکن اب اسے بارش کے طوفان کے تھمنے کا ہر حالت میں انتظار کرنا تھا۔ بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ بادل یوں گرج رہے تھے جیسے پہاڑ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ۱۰۰ حصوں کا طویل سفر آج طے ہوا۔

یہ سب آپ کی دعاؤں اور حوصلوں نے مجھے ہمت بڑھاتی اور یہاں تک پہنچا۔ انشاءاللہ اب آپ ایک دلچسپ سفر نامہ پڑھیں گے۔ وہ قسط وار ہوگا۔ اور موت کا تعاقب کی طرح اتنا ہی پراسرار اور دلچسپ ہوگا۔

آپ کے محبوب مصنف مظہر کلیم ایم۔ اے عمران سیریز کا
ایک اور شاہکار ناول پیش کرتے ہیں

بے جرم مُجرم

ایسے مجرم جن کا جُرم یہی تھا کہ انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا
دنیا کے تیرہ ملکوں کے سیکرٹ ایجنٹ بے جرم مجرم کیخلاف
میدانِ عمل میں آ گئے —— کیوں —— ؟
عمران خود ان مجرموں کا دشمن ہو گیا۔ صرف اس لئے کہ انہوں
نے جرم کیوں نہیں کیا تھا۔
منفرد پلاٹ، انوکھی کہانی، آفسٹ طباعت و کتابت۔ شائع ہو گئی ہے

ناشران

یوسف برادرز پبلشرز بکسیلرز پاک گیٹ ملتان

افریقہ کے گھنے جنگلات میں مکمل ہونے والا دلچسپ اور ہنگامہ خیز ایڈونچر

—— عمران سیریز میں ایک یادگار اضافہ ——

بلیک فیس

مصنف —— مظہر کلیم ایم اے

بلیک فیس —— یہودیوں کی خفیہ بین الاقوامی تنظیم —— جس نے پُراسرار طور پر پاکیشیا میں اہم مشن مکمل کرنا چاہا —— لیکن —— ؟

بلیک فیس —— جس کا ہیڈ کوارٹر افریقہ کے انتہائی گھنے اور خوفناک جنگلوں میں تھا —— جہاں وحشی قبائل اور خونخوار درندوں کی کثرت تھی۔

بلیک فیس —— جس کے خلاف کارروائی کے لئے عمران اور اس کے ساتھیوں کو خونخوار اور وحشی قبائلیوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔

بلیک فیس —— جس کے ہیڈ کوارٹر کے نیچے دنیا کے انتہائی خوفناک کاسمک میزائلوں کی لیبارٹری تھی —— لیکن عمران نے ہیڈ کوارٹر اور لیبارٹری کی تباہی کے لئے کام کرنے سے انکار کر دیا —— کیوں —— ؟

انتھونی —— بلیک فیس کا ایک ایسا ایجنٹ —— جو ذہانت

عمران سیریز میں انتہائی دلچسپ اور یادگار ایڈونچر کہانی

ڈیزرٹ کمانڈوز

مکمل ناول

مصنف مظہر کلیم ایم اے

ڈیزرٹ کمانڈوز خوفناک صحرا میں موجود یہودیوں کی اہم ترین لیبارٹری کے محافظ۔

ڈیزرٹ کمانڈوز جنہیں خاص طور پر علی عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کے خاتمے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

کرنل اباگر ڈیزرٹ کمانڈوز کا چیف۔ جو چاہتا تھا کہ ایک بار عمران اپنے ساتھیوں سمیت اس کے مقابل آجائے اور جب اس کی خواہش پوری ہوئی تو؟

ڈاکٹر درانی پاکیشیا کا قابل فخر سائنسدان جسے یہودیوں نے اغوا کر کے صحرا میں موجود اپنی لیبارٹری میں پہنچا دیا۔ کیوں ——— ؟

ڈیتھ آف فیوچر ایک ایسا خوفناک ہتھیار جو اس لیبارٹری میں تیار کیا جا رہا تھا اور جب عمران اپنے ساتھیوں سمیت اس لیبارٹری کو تباہ کرنے نکلا تو؟

- وہ لمحہ جب عمران اپنے ساتھیوں سمیت طوفانی صحرا میں اس طرح پھنس گیا کہ زندگی بچانا ناممکن ہو گیا ——— ؟
- وہ لمحہ جب عمران اور اس کے ساتھیوں کے سروں پر کرنل اباگر قہر بن کر ٹوٹ پڑا۔
- ڈیزرٹ کمانڈوز اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے درمیان ہونے والی ایک ایسی جنگ کہ ریت کے ذرے بھی خوف سے اپنی چمک کھو بیٹھے۔

عمران سیریز میں انتہائی دلچسپ اور ہنگامہ خیز ایڈونچر

ڈبل مشن

مصنف ــــ مظہر کلیم ایم اے

- ایک ایسا مشن ــــ جسے دوبار پورا کیا گیا ــــ کیسے ــــ؟ کیا پہلی بار مشن مکمل نہ ہوا تھا ــــ یا ــــ؟
- ایک ایسا مشن ــــ جس میں پہلی بار شاگل نے پاکیشیا آکر فیلڈ میں کام کیا ــــ انتہائی حیرت انگیز سچوئیشن۔
- ایک ایسا مشن ــــ جس میں شاگل نے پاکیشیا میں علی الاعلان اپنا مشن مکمل کر لیا لیکن عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس بے بس ہو کر رہ گئے ــــ کیا وہ واقعی بے بس تھے ــــ یا ــــ؟
- ایک ایسا مشن ــــ جس میں شاگل اور مادام ریکھا بیک وقت عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کے مقابل آئے اور پھر خوفناک ہنگاموں کا آغاز ہو گیا۔
- ایک ایسا مشن ــــ جس میں کافرستان کی ملٹری انٹیلی جنس کے ایک کرنل نے عمران اور اس کے ساتھیوں کی مدد کی لیکن در اصل یہ ایسا ٹریپ تھا جس کا عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کو آخری لمحے تک احساس نہ ہوسکا ــــ کیوں ــــ؟ کیا کرنل رائے عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس سے زیادہ ہوشیار تھا ــــ یا ــــ؟
- ایک ایسا مشن ــــ جس میں عمران اور اس کے ساتھی مادام ریکھا اور شاگل دونوں کے مقابل بیک وقت ناکام ہو گئے۔ کیوں اور کیسے ــــ؟
- ایک ایسا مشن ــــ جسے عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس نے ہر لحاظ سے مکمل کر لیا ــــ لیکن اس کے باوجود عمران کو دوبارہ یہی مشن مکمل کرنا پڑا ــــ انتہائی حیرت انگیز سچوئیشن۔

- قدم قدم پر چونکا دینے والے واقعات
- تیز رفتار ایکشن اور اعصاب کو منجمد کر دینے والا سسپنس۔
- کامیابی اور ناکامی کے درمیان پنڈولم کی طرح حرکت کرتی ہوئی ایک ایسی منفرد دلچسپ اور حیرت انگیز کہانی جسے جاسوسی ادب میں مدتوں یاد رکھا جائیگا۔

یوسف برادرز۔ پاک گیٹ ملتان

عمران سیریز میں ایک یادگار اور ناقابل فراموش ایڈونچر

مکمل ناول

گرین گارڈ

مصنف مظہر کلیم ایم اے

گرین گارڈ * یہودیوں کی بین الاقوامی لیکن خفیہ تنظیم جس کی کارروائیوں سے اسرائیل کے صدر بھی بے حد مطمئن تھے۔

گرین گارڈ * جس کے تحت ڈوم نامی تنظیم بنائی گئی تھی جس کے روسیکشن پوری دنیا کے مسلمانوں کے خلاف خوفناک اور تباہ کن کارروائیوں میں مصروف رہتے تھے۔

ڈاکٹر کمال * ایک پاکیشیائی سائنس دان۔ جو ایکریمیا سے اس لئے واپس بھجوا دیا گیا تھا کہ اس کا ذہنی توازن درست نہ رہا تھا اور وہ قابل علاج نہ تھا لیکن گرین گارڈ کے پاس اس کا علاج تھا۔ پھر ——؟

وہ لمحہ * جب گرین گارڈ نے عمران پر پاکیشیا میں ہی قاتلانہ حملہ کر دیا اور عمران کئی ماہ کے لئے معذور ہو کر رہ گیا۔ پھر ——؟

* ڈاکٹر کمال کا فارمولا جسے گرین گارڈ صرف یہودیوں کے لئے ریزرو کرنا چاہتا تھا۔ یہ ایسا فارمولا تھا جس پر انسانی آبادی کے مستقبل کا انحصار تھا۔

وہ لمحہ * جب جولیا کی سربراہی میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کی ٹیم ڈاکٹر کمال اور فارمولا حاصل کرنے کے لئے بھیجی گئی۔ لیکن ——؟

* عمران نے ٹائیگر کو مشن پر بھیجا کہ وہ جولیا اور اس کے ساتھیوں کے تحت کام کرے لیکن کیا ٹائیگر کے لئے ایسا ممکن تھا ——؟

وہ لمحہ * جب ٹائیگر تمام رکاوٹوں کو توڑتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ اکیلا؟

وہ لمحہ * جب جولیا کی سربراہی میں ٹیم نے بھرپور جدوجہد کی مگر کیا عمران کے بغیر وہ آگے بڑھ سکتے تھے۔ یا ——؟

* ڈوم تنظیم کے دو سیکشن باری باری مقابل آئے۔ انتہائی تجربہ کار اور تیز طرار لوگ۔ لیکن انجام کیا ہوا اور کیسے ہوا ——؟

وہ لمحہ * جب ٹائیگر نے پاکیشیا سیکرٹ سروس پر برتری ثابت کر دی۔ کیوں اور کیسے ——؟

انتہائی دلچسپ، جسمانی فائٹس، تیز رفتار ایکشن اور منجمد کر دینے والے سسپنس سے بھرپور ایک یادگار اور ناقابل فراموش ایڈونچر

ناشران

خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ

ارسلان پبلی کیشنز

اوقاف بلڈنگ

پاک گیٹ

ملتان

Ph 061-4018666

Mob0333-6106573

عمران سیریز میں ایک خوفناک اور دھماکہ خیز ناول

عمران کی موت

مصنف :- مظہر کلیم - ایم - اے

— ماسٹر کلرز :- پیشہ ور خوفناک قاتلوں کی بین الاقوامی تنظیم جس کا ہر ممبر قتل کرنے میں بے پناہ مہارت رکھتا تھا —

— ماسٹر کلرز :- جس کے ہر ممبر نے اپنے انداز میں عمران پر مسلسل اور خوفناک قاتلانہ حملے شروع کر دیئے —

— ماسٹر کلرز :- جنہوں نے عمران کے فلیٹ ۔ رانا ہاؤس اور زیرو ہاؤس کے پرخچے اڑا دیئے ۔ کیسے ؟

پے در پے اور خوفناک حملوں کے سامنے اکیلا عمران کب تک ٹھہر سکتا تھا —

ماسٹر کلرز اور عمران کے درمیان خوفناک اور اعصاب شکن تصادم —

کیا عمران خوفناک قاتلوں کی اس تنظیم کے ہاتھوں بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا یا موت عمران کا مقدر ہو چکی تھی —

خوفناک اور مسلسل ایکشن سے بھرپور کہانی

یوسف برادرز پبلشرز بک سیلرز پاک گیٹ ملتان

عمران سیریز میں ایک دلچسپ اور یادگار ایڈونچر

مکمل ناول

جیوش پاور

مصنف
مظہر کلیم ایم اے

جیوش پاور۔ یہودیوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم جس کے بیک وقت دو ہیڈکوارٹر تھے۔ کیوں ——؟

جیوش پاور۔ جس نے مسلم تنظیم ضرب مسلم کے سرکردہ افراد کے نام اور ٹھکانوں پر مشتمل مائیکرو کیسٹ حاصل کرنے کے لئے شوگرانی سفارت کار کو اغوا کرلیا۔ کیوں ——؟

جیوش پاور۔ جس کے خلاف کام کرنے سے عمران نے صاف انکار کر دیا لیکن پھر وہ آمادہ ہو گیا۔ کیوں ——؟

وہ لمحہ۔ جب عمران پوری ٹیم کی بجائے صرف جولیا کو ساتھ لے کر مشن پر روانہ ہو گیا اور پھر جولیا کی ایسی صلاحیتیں سامنے آنے لگیں کہ عمران بھی حیران رہ گیا۔ کیوں اور کیسے ——؟

وہ لمحہ۔ جب عمران کی اماں بی نے جولیا کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی بہو بنانے کا اعلان کر دیا۔ کیوں اور کیسے ——؟

وہ لمحہ۔ جب جولیا نے جیوش پاور کے دو سپیشل سپر ایجنٹس کے ساتھ اکیلے فائٹ کی۔ ایسی فائٹ جس کا ہر لمحہ موت کا لمحہ بن کر رہ گیا۔ کامیابی کسے ملی ——؟

ایک ایسا مشن جس میں طویل عرصے بعد کے جولیا نے کھل کر اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔

وہ لمحہ۔ جب ایک بار پھر عمران نے جیوش پاور کے خلاف حرکت میں آنے سے انکار کر دیا اور ایکسٹو اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ کیوں ——؟

انتہائی دلچسپ، منفرد اور یادگار ناول

ناشران
خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ
ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان
Ph 061-4018666
Mob0333-6106573

عمران سیریز میں ایک دلچسپ، منفرد اور یادگار ناول

سپیشل نمبر

مکمل ناول

کالی دنیا

مصنف مظہر کلیم ایم اے

کالی دنیا = کالے جادو کی دنیا جس میں شیطان کی بڑی اور طاقتور قوتیں ملوث تھیں۔

کالی دنیا = پاکیشیا اور کافرستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے لاکھوں کالے جادو کے ماہر جو عوام الناس کو کالے جادو کی مدد سے سیدھے راستے سے ہٹا دینے میں صدیوں سے مصروف ہیں۔

کالا جادو = گندگی، بدروحوں، بھوتوں اور شیطانوں پر مبنی ایسا جادو جسے سریع الاثر اور انتہائی طاقتور سمجھا جاتا ہے۔

کالا جادو = جس کا شکار مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ کیوں ---؟

کالا جادو = جس کے خلاف عمران، صفدر اور کیپٹن شکیل نے مشترکہ جدوجہد کی۔ پھر ---؟

وہ لمحہ = جب جولیا، صالحہ اور تنویر نے کالے جادو کے خلاف کام کرنے سے انکار کر دیا۔ کیوں؟ کیا وہ بھی کالے جادو کا شکار ہو گئے تھے۔ یا ---؟

کالو کاریگر = پاکیشیا میں کالے جادو کا سب سے بڑا عامل جس نے عمران اور اس کے ساتھیوں کو ایک شیطانی کنویں میں قید کر دیا۔ پھر کیا ہوا ---؟

راج کالا = کافرستان میں کالے جادو کا سب سے بڑا عامل جو انسانوں کا خون پیتا تھا اور جو پوری قوت سے عمران اور اس کے ساتھیوں سے ٹکرا گیا۔

پھر کیا ہوا ---؟

کلجگ = کالے جادو کی مرکزی مورتی جسے تباہ کرنے سے کالے جادو کا تار و پود بکھر جاتا لیکن عمران اور اس کے ساتھی اس تک پہنچ جانے کے باوجود کالے جادو کے خطرناک حربے کا شکار ہو گئے۔ کیوں اور کیسے۔ انجام کیا ہوا ---؟

کالے جادو کی گندی اور خوفناک طاقتوں اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے درمیان ایسی جنگ جو روشنی اور اندھیرے کی جنگ تھی۔
لیکن انجام کیا ہوا؟

سحر و فسوں میں لپٹی ایک ایسی جدوجہد جس کا ہر لمحہ یادگار ثابت ہوا

ناشران

خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ
ارسلان پبلی کیشنز
اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان
Ph 061-4018666
Mob0333-6106573

عمران سیریز میں ایک دلچسپ اور انوکھا ایڈونچر

ناواشنگو

مصنف

مظہر کلیم ایم۔اے

• ناواشنگو جو تبت کے پراسرار شرپا قبیلے کا سردار اور خوفناک جنگلوں کا محافظ تھا۔

• ناواشنگو۔ ایک ایسا عجیب اور دلچسپ کردار جس نے عمران کو بھی چکرا کر رکھ دیا۔

• خوف ناک اور پراسرار جنگلوں میں قائم ہونے والا ایک ایسا خفیہ اڈہ جو پاکیشیا پر خوف ناک تباہی لانے کے لئے تعمیر کیا جا رہا تھا۔ اور جسے ہر لحاظ سے ناقابل تسخیر بنا دیا گیا تھا۔

• وہ لمحہ جب فضا میں اڑنے والا جہاز عمران اور سیکرٹ سروس سمیت خوفناک پہاڑیوں سے آٹکرایا۔ ایک ایسا لمحہ جس کا لازمی نتیجہ موت تھا۔ عمران اور سیکرٹ سروس کی موت مگر......؟

• ناواشنگو۔ جس نے عمران اور اس کے ساتھیوں پر سٹین گن کا فائر کھول دیا۔ اور وہ سب مردہ چھپکلیوں کی طرح زمین پر گرنے لگے۔

کیا وہ سب ہلاک ہو گئے؟

• ناواشنگو۔ جس نے عمران اور اس کے ساتھیوں کو سطح زمین سے سو فٹ نیچے زندہ دفن ہونے پر مجبور کر دیا۔

• کیا خوف ناک جنگلوں میں موجود ناقابل تسخیر اڈہ عمران اور اس کے ساتھیوں نے تسخیر کر لیا۔ یا وہ سب موت کے اندھے کنوئیں میں دھکیل دیئے گئے۔

خوف ناک جنگلوں کا محافظ۔ پراسرار شرپا قبائل کے انتہائی حیرت انگیز سردار ناواشنگو اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے درمیان ناقابل تسخیر مگر تباہ کن اڈے کی خاطر ہونے والی ایک ایسی ذہنی اور جسمانی جنگ۔ جس کا ہر لمحہ آپ کو یقیناً چونکا کر رکھ دے گا۔

ایکشن اور سسپنس سے بھرپور ایک ایسا منفرد ایڈونچر جو ہر لحاظ سے آپ کے معیار پر پورا اترے گا

اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں

یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان

عمران سیریز میں ایک دلچسپ اور منفرد ایڈونچر

مکمل ناول

ریورس سرکل

مصنف مظہر کلیم ایم اے

= کارمن کے سائنس دان ڈاکٹر ہیر اللہ کو اغوا کر لیا گیا اور کارمن سیکرٹ سروس اسے تلاش کرنے میں ناکام رہی۔ پھر ——؟

= کارمن سیکرٹ سروس کے چیف اور عمران کے دوست جونیئر نے ڈاکٹر ہیر اللہ کی بر آمدگی میں عمران سے مدد کی درخواست کی لیکن عمران نے انکار کر دیا۔ کیوں ——؟

= وہ لمحہ جب سر سلطان نے عمران کو سائنس دان ڈاکٹر ہیر اللہ کی واپسی کے لئے سیکرٹ سروس کی ٹیم بھجوانے کا کہا لیکن عمران نے انکار کر دیا۔ کیوں؟

= وہ لمحہ جب عمران کو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ہیر اللہ کو اغوا نہیں کیا گیا بلکہ اغوا کا ڈرامہ رچایا گیا ہے اور ایسا ایک بین الاقوامی یہودی تنظیم مورگو نے کرایا ہے تو عمران مشن پر کام کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ پھر ——؟

= وہ لمحہ جب عمران کو معلوم ہوا کہ یہودی پوری دنیا میں مسلمانوں کے خاتمے کے لئے ایک فارمولے ریورس سرکل پر کام کر رہے ہیں اور یہ فارمولا اغوا شدہ کارمن سائنس دان ڈاکٹر ہیر اللہ کا ہے تو عمران نے اس فارمولے اور اس سائنس دان دونوں کے خاتمے کا فیصلہ کر لیا۔

= مورگو۔ یہودیوں کی ایک خفیہ تنظیم۔ جس کی شاخیں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے خاتمے کے لئے مورگو نے بڑی طاقتور تنظیمیں مقابلے پر اتار دیں لیکن کیا عمران اور اس کے ساتھی کسی سے رک سکے۔ یا ——؟

= سٹار کیمپ۔ مورگو کا ایسا تربیتی سنٹر جہاں مورگو کے لئے ایجنٹ تیار کئے جاتے تھے اور اس سنٹر میں کوئی اجنبی داخل نہ ہو سکتا تھا۔ عمران اور اس کے ساتھیوں نے بھی کوشش کی۔ مگر ——؟

= لارڈ ڈورچی۔ مورگو کا چیف۔ جو ایک دور دراز شہر کے محل میں رہتا تھا لیکن عمران وہاں بھی پہنچ گیا۔ کیسے ——؟

تیز رفتار ایکشن لمحہ لمحہ بدلتے ہوئے واقعات اور بے پناہ سسپنس پر مبنی ایک دلچسپ اور یادگار ایڈونچر

ناشران

خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ

ارسلان پبلی کیشنز

اوقاف بلڈنگ

پاک گیٹ

ملتان

Ph:061-4018666

Mob:0333-6106573

عمران سیریز میں ایک دلچسپ، انوکھا اور یادگار ایڈونچر

سپیشل اسٹیشن

مکمل ناول

مصنف مظہر کلیم ایم اے

::::::: ایک ایسا مشن جس میں عمران اور اس کے ساتھیوں کو روکنے کی کافرستانی حکومت نے ہر حکومتی کوشش کر ڈالی۔ مگر ——؟

::::::: ایک ایسا مشن جس کے لئے کافرستان کے انتہائی خطرناک اور گھنے جنگلات میں سے گزرنا لازمی تھا۔

::::::: ایسے جنگلات جن میں اب بھی قدیم وحشی قبائل کی حکمرانی تھی اور ان وحشی قبائل کی حدود سے کسی اجنبی کا صحیح سلامت گزر جانا ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ پھر ——؟

شاہینہ لارا :: ایک پاکیشیائی نژاد ایکریمین لڑکی، جسے عمران، جولیا اور اپنے ساتھیوں کے اعتراض کے باوجود اپنی بیوی بنا کر مشن پر ساتھ لے گیا۔ کیوں ——؟

نازیہ :: صالحہ کی دوست جو تنویر کی بیوی بن کر مشن پر ساتھ گئی۔ کیوں اور کس لئے ——؟

وہ لمحہ :: جب جولیا کو کیپٹن شکیل کی بیوی بنا کر پیش کیا گیا۔ تنویر اور جولیا کا کیا ردعمل تھا ——؟

وہ لمحہ :: جب دو کلو میٹر چوڑی دلدل کو جوزف کی وجہ سے پار کر لیا گیا۔ جوزف کا ایسا کارنامہ جس نے عمران کو بھی حیرت زدہ کر دیا۔

وہ لمحہ :: جب جوزف کی صلاحیتیں جنگل میں اپنے عروج پر پہنچ گئیں۔

وہ لمحہ :: جب سپیشل اسٹیشن کے گرد ایک دھات کا کور عمران اور اس کے ساتھی باوجود کوشش کے نہ توڑ سکے اور مشن ناکام ہو گیا۔ کیا واقعی ——؟

وہ لمحہ :: جب عمران کے ساتھیوں نے عمران کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا مگر عمران ناکام واپسی پر بضد رہا۔ پھر کیا ہوا ——؟

وہ لمحہ :: جب بظاہر ناممکن مشن کو عمران نے اپنی ذہانت سے ممکن بنا دیا اور سب ساتھیوں نے بے اختیار اسے سپر جینئس قرار دے دیا۔

وہ لمحہ :: جب کافرستان کے صدر نے بھی برملا عمران کو سپر جینیس قرار دے دیا۔

انتہائی پراسرار، دلچسپ واقعات، خوفناک جنگلات اور خطرناک دلدلوں میں ناقابل یقین جدوجہد پر مبنی انوکھا اور یادگار ایڈونچر

ناشران
خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ
ارسلان پبلی کیشنز۔ اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان
Ph 061-4018666
Mob0333-6106573

افریقہ کے گھنے جنگلات میں مکمل ہونے والا دلچسپ اور ہنگامہ خیز ایڈونچر

—— عمران سیریز میں ایک یادگار اضافہ ——

بلیک فیس

مصنف —— مظہر کلیم ایم اے

بلیک فیس —— یہودیوں کی خفیہ بین الاقوامی تنظیم —— جس نے پُراسرار طور پر پاکیشیا میں اہم مشن مکمل کرنا چاہا —— لیکن —— ؟

بلیک فیس —— جس کا ہیڈ کوارٹر افریقہ کے انتہائی گھنے اور خوفناک جنگلوں میں تھا —— جہاں وحشی قبائل اور خونخوار درندوں کی کثرت تھی۔

بلیک فیس —— جس کے خلاف کارروائی کے لئے عمران اور اس کے ساتھیوں کو خونخوار اور وحشی قبائلیوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔

بلیک فیس —— جس کے ہیڈ کوارٹر کے نیچے دنیا کے انتہائی خوفناک کاسمک میزائلوں کی لیبارٹری تھی —— لیکن عمران نے ہیڈ کوارٹر اور لیبارٹری کی تباہی کے لئے کام کرنے سے انکار کر دیا —— کیوں —— ؟

انتھونی —— بلیک فیس کا ایک ایسا ایجنٹ —— جو ذہانت

عمران سیریز میں انتہائی دلچسپ اور یادگار ایڈونچر کہانی

مکمل ناول

ڈیزرٹ کمانڈوز

مصنف مظہر کلیم ایم اے

ڈیزرٹ کمانڈوز خوفناک صحرا میں موجود یہودیوں کی اہم ترین لیبارٹری کے محافظ۔

ڈیزرٹ کمانڈوز جنہیں خاص طور پر علی عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کے خاتمے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔

کرنل اباگر ڈیزرٹ کمانڈوز کا چیف۔ جو چاہتا تھا کہ ایک بار عمران اپنے ساتھیوں سمیت اس کے مقابل آجائے اور جب اس کی خواہش پوری ہوئی تو؟

ڈاکٹر درانی پاکیشیا کا قابل فخر سائنسدان جسے یہودیوں نے اغوا کر کے صحرا میں موجود اپنی لیبارٹری میں پہنچا دیا۔ کیوں ——؟

ڈیتھ آف فیوچر ایک ایسا خوفناک ہتھیار جو اس لیبارٹری میں تیار کیا جا رہا تھا اور جب عمران اپنے ساتھیوں سمیت اس لیبارٹری کو تباہ کرنے نکلا تو؟

- وہ لمحہ جب عمران اپنے ساتھیوں سمیت طوفانی صحرا میں اس طرح پھنس گیا کہ زندگی بچانا ناممکن ہو گیا ——؟
- وہ لمحہ جب عمران اور اس کے ساتھیوں کے سروں پر کرنل اباگر قہر بن کر ٹوٹ پڑا۔
- ڈیزرٹ کمانڈوز اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے درمیان ہونے والی ایک ایسی جنگ کہ ریت کے ذرے بھی خوف سے اپنی چمک کھو بیٹھے۔

عمران سیریز میں انتہائی دلچسپ اور ہنگامہ خیز ایڈونچر

ڈبل مشن

مصنف ـــــ مظہر کلیم ایم اے

- ـ ایک ایسا مشن ــ جسے دوبار پورا کیا گیا ـــ کیسے ـــ ؟ کیا پہلی بار مشن مکمل نہ ہوا تھا ـــ یا ـــ ؟
- ـ ایک ایسا مشن ــ جس میں پہلی بار شاگل نے پاکیشیا آکر فیلڈ میں کام کیا ـــ انتہائی حیرت انگیز سچوئشن۔
- ـ ایک ایسا مشن ــ جس میں شاگل نے پاکیشیا میں علی الاعلان اپنا مشن مکمل کر لیا لیکن عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس بے بس ہو کر رہ گئے ـــ کیا وہ واقعی بے بس تھے ــ یا ــ ؟
- ـ ایک ایسا مشن ــ جس میں شاگل اور مادام ریکھا بیک وقت عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کے مقابل آئے اور پھر خوفناک ہنگاموں کا آغاز ہو گیا۔
- ـ ایک ایسا مشن ــ جس میں کافرستان کی ملٹری انٹیلی جنس کے ایک کرنل نے عمران اور اس کے ساتھیوں کی مدد کی لیکن در اصل یہ ایسا ٹریپ تھا جس کا عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کو آخری لمحے تک احساس نہ ہو سکا ـــ کیوں ـــ ؟ کیا کرنل رائے عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس سے زیادہ ہوشیار تھا ــ یا ــ ؟
- ـ ایک ایسا مشن ــ جس میں عمران اور اس کے ساتھی مادام ریکھا اور شاگل دونوں کے مقابل بیک وقت ناکام ہو گئے۔ کیوں اور کیسے ــ ؟
- ـ ایک ایسا مشن ــ جسے عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس نے ہر لحاظ سے مکمل کر لیا ــ لیکن اس کے باوجود عمران کو دوبارہ یہی مشن مکمل کرنا پڑا ــ انتہائی حیرت انگیز سچوئشن۔

- قدم قدم پر چونکا دینے والے واقعات
- تیز رفتار ایکشن اور اعصاب کو منجمد کر دینے والا سسپنس۔
- کامیابی اور ناکامی کے درمیان پنڈولم کی طرح حرکت کرتی ہوئی ایک ایسی منفرد دلچسپ اور حیرت انگیز کہانی جسے جاسوسی ادب میں مدتوں یاد رکھا جائیگا۔

یوسف برادرز۔ پاک گیٹ ملتان

عمران سیریز میں ایک یادگار اور ناقابل فراموش ایڈونچر

مکمل ناول

گرین گارڈ

مصنف مظہر کلیم ایم اے

گرین گارڈ * یہودیوں کی بین الاقوامی لیکن خفیہ تنظیم جس کی کارروائیوں سے اسرائیل کے صدر بھی بے حد مطمئن تھے۔

گرین گارڈ * جس کے تحت ڈوم نامی تنظیم بنائی گئی تھی جس کے رو سیکشن پوری دنیا کے مسلمانوں کے خلاف خوفناک اور تباہ کن کارروائیوں میں مصروف رہتے تھے۔

ڈاکٹر کمال * ایک پاکیشیائی سائنس دان۔ جو اسرائیل سے اس لئے واپس بھجوا دیا گیا تھا کہ اس کا ذہنی توازن درست نہ رہا تھا اور وہ قابل علاج نہ تھا لیکن گرین گارڈ کے پاس اس کا علاج تھا۔ پھر ——؟

وہ لمحہ * جب گرین گارڈ نے عمران پر پاکیشیا میں ہی قاتلانہ حملہ کر دیا اور عمران کئی ماہ کے لئے معذور ہو کر رہ گیا۔ پھر ——؟

* ڈاکٹر کمال کا فارمولا جسے گرین گارڈ صرف یہودیوں کے لئے ریزرو کرنا چاہتا تھا۔ یہ ایسا فارمولا تھا جس پر انسانی آبادی کے مستقبل کا انحصار تھا۔

وہ لمحہ * جب جولیا کی سربراہی میں پاکیشیا سیکرٹ سروس کی ٹیم ڈاکٹر کمال اور فارمولا حاصل کرنے کے لئے بھیجی گئی۔ لیکن ——؟

* عمران نے ٹائیگر کو مشن پر بھیجا کہ وہ جولیا اور اس کے ساتھیوں کے تحت کام کرے لیکن کیا ٹائیگر کے لئے ایسا ممکن تھا ——؟

وہ لمحہ * جب ٹائیگر تمام رکاوٹوں کو توڑتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ اکیلا؟

وہ لمحہ * جب جولیا کی سربراہی میں ٹیم نے بھرپور جدوجہد کی مگر کیا عمران کے بغیر وہ آگے بڑھ سکتے تھے۔ یا ——؟

* ڈوم تنظیم کے رو سیکشن باری باری مقابل آئے۔ انتہائی تجربہ کار اور تیز طرار لوگ۔ لیکن انجام کیا ہوا اور کیسے ہوا ——؟

وہ لمحہ * جب ٹائیگر نے پاکیشیا سیکرٹ سروس پر برتری ثابت کر دی۔ کیوں اور کیسے ——؟

انتہائی دلچسپ، جسمانی فائٹس، تیز رفتار ایکشن اور منجمد کر دینے والے سسپنس سے بھرپور ایک یادگار اور ناقابل فراموش ایڈونچر

ناشران

خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ

ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان

Ph 061-4018666

Mob0333-6106573

عمران سیریز میں ایک خوفناک اور دھماکہ خیز ناول

عمران کی موت

مصنف :- مظہر کلیم - ایم - اے

ماسٹر کلرز :- پیشہ ور خوف ناک قاتلوں کی بین الاقوامی تنظیم جس کا ہر ممبر قتل کرنے میں بے پناہ مہارت رکھتا تھا ۔

ماسٹر کلرز :- جس کے ہر ممبر نے اپنے اپنے انداز میں عمران پر مسلسل اور خوف ناک قاتلانہ حملے شروع کر دیئے ۔

ماسٹر کلرز :- جنہوں نے عمران کے فلیٹ ۔ رانا ہاؤس اور زیرو ہاؤس کے پرخچے اڑا دیئے ۔ کیسے ؟

پے در پے اور خوف ناک حملوں کے سامنے اکیلا عمران کب تک ٹھہر سکتا تھا ۔

ماسٹر کلرز اور عمران کے درمیان خوفناک اور اعصاب شکن تصادم ۔

کیا عمران خوفناک قاتلوں کی اس تنظیم کے ہاتھوں بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا یا موت عمران کا مقدر ہو چکی تھی

خوفناک اور مسلسل ایکشن سے بھرپور کہانی

یوسف برادرز پبلشرز بک سیلرز پاک گیٹ ملتان

عمران سیریز میں ایک دلچسپ اور یادگار ایڈونچر

مکمل ناول

جیوش پاور

مصنف
مظہر کلیم ایم اے

جیوش پاور۔ یہودیوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم جس کے بیک وقت دو ہیڈ کوارٹر تھے۔ کیوں ——؟

جیوش پاور۔ جس نے مسلم تنظیم ضرب مسلم کے سرکردہ افراد کے نام اور ٹھکانوں پر مشتمل مائیکرو کیسٹ حاصل کرنے کے لئے شوگرانی سفارت کار کو اغوا کر لیا۔ کیوں ——؟

جیوش پاور۔ جس کے خلاف کام کرنے سے عمران نے صاف انکار کر دیا لیکن پھر وہ آمادہ ہو گیا۔ کیوں ——؟

وہ لمحہ۔ جب عمران پوری ٹیم کی بجائے صرف جولیا کو ساتھ لے کر مشن پر روانہ ہو گیا اور پھر جولیا کی ایسی صلاحیتیں سامنے آنے لگیں کہ عمران بھی حیران رہ گیا۔ کیوں اور کیسے ——؟

وہ لمحہ۔ جب عمران کی اماں بی نے جولیا کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی بہو بنانے کا اعلان کر دیا۔ کیوں اور کیسے ——؟

وہ لمحہ۔ جب جولیا نے جیوش پاور کے دو سپیشل سپر ایجنٹس کے ساتھ اکیلے فائٹ کی۔ ایسی فائٹ جس کا ہر لمحہ موت کا لمحہ بن کر رہ گیا۔ کامیابی کسے ملی ——؟

ایک ایسا مشن جس میں طویل عرصے بعد کے جولیا نے کھل کر اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔

وہ لمحہ۔ جب ایک بار پھر عمران نے جیوش پاور کے خلاف حرکت میں آنے سے انکار کر دیا اور ایکسٹو اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ کیوں ——؟

انتہائی دلچسپ، منفرد اور یادگار ناول

ناشران
خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ
ارسلان پبلی کیشنز اوقاف بلڈنگ پاک گیٹ ملتان
Ph 061-4018666
Mob0333-6106573

عمران سیریز میں ایک دلچسپ، منفرد اور یادگار ناول

= = = = = = = = = =

سپیشل نمبر

مکمل ناول

کالی دنیا

مصنف مظہر کلیم ایم اے

کالی دنیا = کالے جادو کی دنیا جس میں شیطان کی بڑی اور طاقتور قوتیں ملوث تھیں۔

کالی دنیا = پاکیشیا اور کافرستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے لاکھوں کالے جادو کے ماہر جو عوام الناس کو کالے جادو کی مدد سے سیدھے راستے سے ہٹا دینے میں صدیوں سے مصروف ہیں۔

کالا جادو = گندگی، بدروحوں، بھوتوں اور شیطانوں پر مبنی ایسا جادو جسے سریع الاثر اور انتہائی طاقتور سمجھا جاتا ہے۔

کالا جادو = جس کا شکار مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ کیوں ۔۔؟

کالا جادو = جس کے خلاف عمران، صفدر اور کیپٹن شکیل نے مشترکہ جدوجہد کی۔ پھر ۔۔۔؟

وہ لمحہ = جب جولیا، صالحہ اور تنویر نے کالے جادو کے خلاف کام کرنے سے انکار کر دیا۔ کیوں؟ کیا وہ بھی کالے جادو کا شکار ہو گئے تھے۔ یا ۔۔؟

کالو کاریگر = پاکیشیا میں کالے جادو کا سب سے بڑا عامل جس نے عمران اور اس کے ساتھیوں کو ایک شیطانی کنویں میں قید کر دیا۔ پھر کیا ہوا ۔۔۔؟

راج کالا = کافرستان میں کالے جادو کا سب سے بڑا عامل جو انسانوں کا خون پیتا تھا اور جو پوری قوت سے عمران اور اس کے ساتھیوں سے ٹکرا گیا۔ پھر کیا ہوا ۔۔۔؟

کلجگ = کالے جادو کی مرکزی مورتی جسے تباہ کرنے سے کالے جادو کا تار و پود بکھر جاتا لیکن عمران اور اس کے ساتھی اس تک پہنچ جانے کے باوجود کالے جادو کے خطرناک حربے کا شکار ہو گئے۔ کیوں اور کیسے۔ انجام کیا ہوا ۔۔۔؟

کالے جادو کی گندی اور خوفناک طاقتوں اور عمران اور اس کے ساتھیوں کے درمیان ایسی جنگ جو روشنی اور اندھیرے کی جنگ تھی۔
لیکن انجام کیا ہوا؟

سحر و فسوں میں لپٹی ایک ایسی جدوجہد جس کا ہر لمحہ یادگار ثابت ہوا

ناشران

خان برادرز گارڈن ٹاؤن ملتان

کتب منگوانے کا پتہ
ارسلان پبلی کیشنز
اوقاف بلڈنگ
پاک گیٹ
ملتان
Ph 061-4018666
Mob0333-6106573